سیرت النبی ﷺ کانفرنس

# مقالات سیرت

1437ھ 2015ء

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ

## تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شعبہ تحقیق و مراجع
وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1437ھ / 2015ء

# مقالات سیرت

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ

## تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شعبہ تحقیق و مراجع

وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

۱۴۵۴۳۷

# مقالاتِ سیرت

۲۰۱۵ء / ۱۴۳۷ھ

## پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
## تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی


طبع اول : نومبر ۲۰۱۶ء / صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

تعداد : ۲۰۰۰ (دو ہزار)

جمع، ترتیب، تدوین و نظر ثانی : شعبہ تحقیق و مراجع
وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
اسلام آباد

ناشر : وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
اسلام آباد

مطبع : یونیک ویژن





Marfat.com

مقالات سیرت

پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی

فہرست مشمولات


پیغام، سردار محمد یوسف، وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی ---------- ۵
پیغام، پیر محمد امین الحسنات شاہ، وزیر مملکت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی ---------- ۷
پیش لفظ، سیکرٹری وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی ---------- ۹

(الف) خطبات

تعارفی خطاب، سہیل عامر، سیکرٹری، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی ---------- ۱۳
خطبہ استقبالیہ، جناب پیر امین الحسنات شاہ، وزیر مملکت برائے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی -- ۱۶
خطبہ صدارت، جناب سردار محمد یوسف، وفاقی وزیر برائے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی---- ۱۸

(ب) تقاریر

مولانا محمد حنیف جالندھری، وفاق المدارس العربیہ پاکستان ---------- ۲۷
ڈاکٹر حافظ محمد منیر الازہری ---------- ۳۵
مولانا یاسین ظفر، وفاق المدارس السلفیہ پاکستان ---------- ۳۹
سید نیاز حسین نقوی، نائب صدر وفاق المدارس الشیعہ ---------- ۴۱
ڈاکٹر رحیم یاران، مفتی اعظم ترکی ---------- ۴۴

(ج) مقالات سیرت (مرد حضرات)

۱- محمد خبیب، پی ایچ ڈی سکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی-لاہور ---------- ۵۱
۲- محمد نسیم خان، پرنسپل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول بحال- مانسہرہ ---------- ۷۷
۳- حافظ محمد انصار الحق، بی ایس اکنامکس فنانس، فاضل علوم اسلامیہ-اسلام آباد ---------- ۱۱۲
۴- ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ، ایڈیٹر دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی- لاہور ---------- ۲۰۳
۵- محمد سعید شیخ-لاہور ---------- ۲۲۷




Marfat.com

۶- پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا، شعبہ اسلامیات، سرسید گورنمنٹ گرلز کالج- کراچی ---------- ۲۵۳
۷- سید محمد عثمان- کراچی ---------- ۳۴۴
۸- قاضی تنزیل الرحمٰن- ہری پور ---------- ۳۷۰
۹- محمد الیاس خان، پرنسپل گورنمنٹ ہائی سکول مہمند ایجنسی ---------- ۳۸۹
۱۰- مولانا حافظ سید محمد عتیق آغا، مدرس جامعہ راحت القلوب- کوئٹہ ---------- ۴۰۴
۱۱- سید حیدر شاہ، پروفیسر اسلامیات، بلوچستان یونیورسٹی- کوئٹہ ---------- ۴۲۲
۱۲- مرزا شاہد بیگ، شعبہ جیالوجی، آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی- مظفر آباد آزاد کشمیر ---------- ۴۴۴

(د) مقالات سیرت (خواتین)

۱۳- ڈاکٹر حفصہ نسرین، سینئر مدیر شعبہ اردو، دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی- لاہور ---------- ۴۸۱
۱۴- حافظہ عالمہ طاہرہ ماجد، معلمہ مدرسہ فاطمۃ الزہراء للبنات- کراچی ---------- ۴۹۶
۱۵- شازیہ چوہان، سیٹلائٹ ٹاؤن- بہاولپور ---------- ۵۸۱
۱۶- طیبہ رزاق، لیکچرار، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی- لاہور ---------- ۶۰۱
۱۷- ثناء اسلم، طالبہ ایم فل، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی- لاہور ---------- ۶۲۶
۱۸- پروفیسر ڈاکٹر سیدہ کہکشاں ہاشمی، شعبہ اسلامک سٹڈیز، وفاقی اردو یونیورسٹی- کراچی ---------- ۶۴۷
۱۹- مبشرہ ثانی، ریسرچ سکالر، کلیہ مطالعات مذاہب، وفاقی اردو یونیورسٹی- کراچی ---------- ۶۸۶
۲۰- بشریٰ کرام، فاضلہ علوم دینیہ، ایم ایس سی، بی ایڈ، ایم ایڈ- اسلام آباد ---------- ۷۸۱
۲۱- زاہدہ صابر- ہری پور ---------- ۸۵۲
۲۲- رابعہ آغا، مدرسۃ البنات یعقوبیہ- کوئٹہ ---------- ۸۸۰
۲۳- مسعودہ نعیم شاہ، گورنمنٹ ڈگری کالج- پشین بلوچستان ---------- ۸۹۶
۲۴- حافظہ زہرہ بتول- مظفر آباد آزاد کشمیر ---------- ۹۱۱
۲۵- سیدہ ساجدہ گیلانی، ایم اے اسلامیات- اسلام آباد ---------- ۹۴۴



Marfat.com

# پیغام

## سردار محمد یوسف
### وفاقی وزیر، مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت صرف مسلمانوں کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کے لیے عام ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک محنت سے سرزمین عرب میں ایسا انقلاب بپا ہوا کہ لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لے کر آئے اور جس کا عملی نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت طیبہ میں پیش کیا، وہ تمام انسانیت کے لیے رہنمائی کا بہت بڑا اور موثر ذریعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ نے مختلف قبائلی سوچ رکھنے والوں کو اُمت مسلمہ کی ایک لڑی میں پرو دیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی ہی تھی کہ جو لوگ آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ پڑتے تھے اور پھر عرصہ دراز تک یہ لڑائیاں جاری رکھتے تھے، ایک قوت اور قوم بن کر ابھرے اور پوری دنیا میں اسلام کے پیغام کو اُس دور میں پھیلایا، جس میں اُس وقت نہ جدید آمد و رفت کی سہولتیں دریافت ہوئی تھیں اور نہ ہی جدید مواصلاتی نظام وجود میں آیا تھا۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کی اہمیت کے اسی پہلو کے پیش نظر وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی، حکومت پاکستان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و تعلیمات کے فروغ کے لئے مختلف اقدامات کرتی رہتی ہے۔ جیسے ہر سال مقابلہ کتب سیرت و نعت اور ۱۲/ ربیع الاول کو قومی سیرت کانفرنس کا انعقاد وغیرہ اسی سلسلہ میں کی جانے والی کوششیں ہیں۔ نیز یہ کہ قومی سیرت کانفرنس کے حوالہ سے ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں کسی اہم موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی موضوع پر مرد اور خواتین سیرت نگاروں کے درمیان مقابلہ مقالات سیرت بھی منعقد ہوتا ہے۔ جس میں ملک کے نامور محققین حصہ لیتے ہیں۔ سال ۲۰۱۵ء/ ۱۴۳۷ھ میں سیرت کانفرنس کا موضوع

**"پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ۔۔۔۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں"**



Marfat.com

اس موضوع کو پڑھ کر ہی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ موضوع موجودہ حالات کے حوالہ سے کتنی اہمیت کا حامل ہے۔اس موضوع کے مطالعہ سے موجودہ سیاسی نظام میں پائی جانے والی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو تعلیمات نبوی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی اصل روح کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کی تعلیمات نبوی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچار کے حوالہ سے کی جانے والی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

پیر محمد امین الحسنات شاہ
وزیر مملکت
مذہبی امور و بین والمذاہب ہم آہنگی
اسلام آباد



Marfat.com

# پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغمبر اسلام حضرت محمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کائنات کے لئے رحمت قرار دیا گیا ہے یعنی آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سارے جہانوں کے لئے رحمت ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام سے قبل ایک مذہب اور تمدن کے ماننے والوں کے درمیان دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کا زندہ رہنا بے حد مشکل تھا، ان حالات کے باوجود آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مذاہب کے قوانین کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کی ضمانت بھی دی اور پھر معلم انسانیت حضرت محمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن انتظام سے روئے زمین پر ایک ایسی مثالی سلطنت اور رول ماڈل معاشرہ قائم کیا۔ جس کے لیے چشمِ فلک آج تک ترس رہی ہے۔ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے لائے ہوئے نظام کا مقصد صرف اپنی اور اُمت مسلمہ کی فلاح و بہبود نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد پوری انسانیت کی فلاح و ترقی تھا۔ اب یہ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم تعلیمات نبوی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلام کی حقیقی تعلیمات کا احیاء کریں کیونکہ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ اور روشن تعلیمات کا احیاء اور فروغ ہی وقت کا سب سے اہم تقاضا ہے۔ ایک مسلمان کو صرف گفتار کا غازی بننے کے بجائے اپنے کردار اور عمل سے ثابت کرنا چاہیے کہ وہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اور پکا سپاہی ہے۔

پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی حکومت پاکستان، آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و تعلیمات کے فروغ واشاعت کے لئے مختلف اقدامات کرتی رہتی ہے۔ جن میں سے ایک ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو قومی سیرت النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس کا انعقاد ہے۔ مزید اس سلسلہ میں کیے جانے والے اقدامات میں مقابلہ کتب سیرت و نعت کا انعقاد بھی شامل ہے، جس میں خواتین و حضرات دونوں حصہ لیتے ہیں، اس مقابلہ میں غیر ملکی زبان (عربی و انگلش) اور قومی و علاقائی زبان میں لکھنے والے محققین حصہ لیتے ہیں۔ اسی طرح ایک کیٹیگری اسلامی موضوعات پر خواتین کی کتب کے مقابلہ کی بھی ہے جس میں صرف خواتین حصہ لیتی ہیں۔ نیز یہ کہ ایک کیٹیگری مقابلہ مقالاتِ سیرت کی بھی شامل ہے۔ مقابلہ مقالات سیرت کے موضوع کا انتخاب ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں کیا جاتا ہے جو کہ بعد میں آنے والی سیرت کانفرنس کا موضوع بھی بن جاتا۔ اس مقابلہ میں پورے پاکستان سے خواتین و مرد حضرات حصہ لیتے ہیں۔ مقابلہ



Marfat.com

مقالات سیرت کے سلسلہ میں سیرت نگار ان (خواتین و حضرات) کی طرف سے موصول ہونے والے معیاری مقالات کو کتابی شکل میں طبع کیا جاتا ہے اور خواہش مند افراد کو مفت فراہم کئے جاتے ہیں۔

سال ۲۰۱۵/۱۴۳۷ء میں قومی سیرت النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس اور مقابلہ مقالات سیرت کا موضوع:

**"پاکستان کے مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ--- تعلیمات نبوی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں"**

مقرر کیا گیا تھا۔ اس موضوع پر وزارت کو کافی تعداد میں مقالات موصول ہوئے ان میں سے معیاری مقالات سیرت کو شائع کر کے وزارت کی طرف سے استفادہ عام کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔

اب ہم میں سے ہر ایک کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اُسوہ نبوی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حالات وزمانہ کا ادراک کرتے ہوئے ایسا راستہ اختیار کریں جو میانہ روی، فلاح عامہ، صبر و برداشت، احترام انسانیت، ڈائیلاگ اور مفاہمانہ تعلیمات پر مبنی ہو اور یہ ہی سیرت طیبہ کی راہ ہے جس کی کرنوں سے سارا عالم منور ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی حکومت پاکستان کی سیرت طیبہ کے فروغ واشاعت کے ضمن میں کی جانے والی کاوش کو قبول فرمائے اور ہمیں نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سہیل عامر
سیکرٹری
وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
اسلام آباد



Marfat.com

# (الف)

# خطبات



Marfat.com

Marfat.com

# تعارفی خطاب

## جناب سہیل عامر
## سیکرٹری مذہبی امور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب صدر مجلس جناب سردار محمد یوسف، وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
جناب پیر سید محمد امین الحسنات شاہ صاحب، وزیر مملکت وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
جناب شیر علی صاحب، صوبائی وزیر، حکومت پنجاب
اراکین قومی اسمبلی و سینیٹ
محترم جناب ڈاکٹر رحیم یاران، مفتی استنبول
محترم جناب مفتی محمد سلیم ارگون، استنبول یونیورسٹی
علمائے کرام
معزز مہمانان گرامی
خواتین و حضرات
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں محترم صدر مجلس اور دیگر محترم حاضرین کو خوش آمدید کہتا ہوں اور قومی سیرت کانفرنس ۲۰۱۵ء میں شرکت کرنے پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محترم صدر مجلس!

بارہ ربیع الاول کا دن تمام مسلمانوں کیلئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آج کے دن ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔ میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک موقع پر تمام حاضرین مجلس کو اور اہلیان وطن کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

آج کی یہ سیرت کانفرنس بارہ ربیع الاول کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کی طرف سے کی جانے والی ایک کوشش ہے، جو ان شاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گی۔



Marfat.com

جناب عالی!

وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی ہر سال علاقائی، قومی اور بین الاقوامی زبانوں میں کتب سیرت ونعت کے مقابلے منعقد کرتی ہے۔ اس مقابلے میں نو کیٹگریز ہوتی ہیں۔ یہ کیٹگریز علاقائی اور قومی زبانوں سے لے کر بین الاقوامی زبانوں تک پر مشتمل ہے۔ اسی طرح کسی ایک عنوان پر مقابلۂ مقالات سیرت کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ مقالاتِ سیرت کے عنوان کے انتخاب میں پاکستان کے اندرونی اور بیرونی حالات کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ یہی موضوع آگے چل کر سیرت کانفرنس کا موضوع بھی بن جاتا ہے۔

ان مقابلہ جات کے سلسلہ میں موصول ہونے والی تمام انٹریز، یعنی کتب اور مقالات، کا وزارت میں ابتدائی طور پر مشتہر شدہ شرائط کی روشنی میں تکنیکی اور فنی جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس مرحلہ میں منتخب ہونے والی ہر کتاب اور ہر مقالہ کو کم از کم تین ماہرین پر مشتمل ججز کی کمیٹی کو تفصیلی جانچ پڑتال کیلئے ارسال کیا جاتا ہے۔ یہ مصنفین اور ماہرین یونیورسٹیوں کے پروفیسر صاحبان اور ڈاکٹر صاحبان ہوتے ہیں۔ بعد ازاں ان ماہرین کی رپورٹس کو ماہرین کی ایک دوسری اعلیٰ کمیٹی جسے ایپکس کمیٹی کہا جاتا ہے، کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ یہ کمیٹی ہر کتاب اور اس کے بارے میں موصول شدہ تمام رپورٹوں اور آراء کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد فیصلہ کرتی ہے کہ کونسی کتاب کونسے انعام کی مستحق ہے۔ اس طرح بہترین یعنی انعام یافتہ قرار پانے والی کتاب یا مقالاتِ سیرت کا تعین ہوتا ہے۔ کسی کتاب یا مقالہ پر انعام دینے یا نہ دینے کے معاملے میں وزارت مذہبی امور کوئی مداخلت نہیں کرتی۔

جناب عالی!

مقابلہ کتب سیرت ونعت، سال ۲۰۱۵ء / ۱۴۳۷ھ کا انعام جون کے مہینے میں دیا گیا تھا۔ اس سال کے مقابلہ کتب سیرت ونعت کے لئے کُل ۴۶ کتابیں موصول ہوئیں۔ جن میں انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب افراد کی تعداد ۲۲ ہے۔ جبکہ ۶۳ مقالاتِ سیرت موصول ہوئے تھے۔ جن میں انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب افراد کی تعداد ۳۴ ہے۔

اس سلسلے میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اس سال مقالاتِ سیرت کی کیٹگری میں قومی سطح پر خواتین وحضرات کے لئے چھے انعامات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سال سے صرف مقالاتِ سیرت کی کیٹگری میں کُل انعامات کی تعداد ۳۶ ہوگئی ہے۔ مزید یہ کہ تمام انعامات جن کی تعداد تقریباً ساٹھ کے قریب ہے، ان کی انعامی رقم میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

آج کی اس تقریب میں بہترین کتب سیرت ونعت اور مقالاتِ سیرت لکھنے والے خوش نصیب افراد کو انعامات دیئے جائیں گے۔

جناب عالی!

وزارت مذہبی امور ہر سال، بارہ ربیع الاول کے موقع پر قومی سیرت کانفرنس کا انعقاد کرتی ہے، جس کا مقصد تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ پرچار کرنا ہوتا ہے۔



Marfat.com

مقالات سیرت کے موضوع کو ہی سیرت کانفرنس کا عنوان بنایا جاتا ہے۔ اس عنوان کے انتخاب میں مذہبی رواداری، اتحادِ امت، احترام انسانیت، جدید عصری مسائل کا حل، مفاہمتی عمل اور ڈائیلاگ کلچر جیسے اہم پہلوؤں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس سال کیلئے سیرت کانفرنس کے لئے جس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے وہ ہے "پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں"۔

یہ موضوع وطن عزیز کے مروجہ جمہوری سیاسی نظام کے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جو کہ نہایت توجہ طلب اور اہمیت کا حامل ہے۔ اس موضوع پر اس سال پورے ملک سے ۶۳ محققین مرد و خواتین نے مقالات لکھے۔ اور آج کی اس کانفرنس میں اس موضوع پر ملک کے نامور اہل علم واہل دانش مزید روشنی ڈالیں گے۔

اس طرح کی علمی بحث ومباحثہ جمہوری طرز اپنانے کو مضبوط بنانے کا باعث بنتے ہیں۔ کیونکہ اس سے ڈائیلاگ کا کلچر فروغ پاتا ہے، جو کہ کسی بھی جمہوری حکومت اور معاشرے کی روح کی مانند ہے۔

آج کی یہ کانفرنس بھی اسی سلسلے میں کی جانے والی ایک کوشش ہے۔

**جناب عالی!**

آخر میں، میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ کانفرنس کی کارروائی اور معیاری مقالاتِ سیرت کو وزارت مذہبی امور وبین المذاہب ہم آہنگی کی طرف سے چھپوا کر مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ جس سے اہل علم اور سیرت نگاروں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ کسی ایک موضوع پر سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے جامع تحریری مواد دستیاب ہو جاتا ہے تاکہ سیرت کے حوالے سے نئے نئے پہلوؤں کو اجاگر کرتے رہنے کا عمل بھی جاری رہے۔

اس سال سے وزارت ہذا نے ان مقالاتِ سیرت کو وزارت کی ویب سائٹ پر بھی اپلوڈ کرنا شروع کر دیا ہے۔ تاکہ سیرت کے شعبہ سے شغف رکھنے والے اہل علم اس سے استفادہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ وزارت مذہبی امور، حج یا اپنے دیگر فرائض کے بارے میں بھی فیسبک یا ٹویٹر کے اوپر بھی اپنی کارروائیوں کو شیئر کرنا شروع کر دیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ وزارت مذہبی امور وبین المذاہب ہم آہنگی کی، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ واشاعت کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں کو قبول فرمائے، اس سے امت مسلمہ اور وطن عزیز کو فائدہ پہنچائے، اور ہم سب کو آخرت میں محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین۔

انہی کلمات کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے بہت توجہ کے ساتھ میری معروضات کو سنا۔



Marfat.com

# خطبہ استقبالیہ

## جناب پیر امین الحسنات شاہ صاحب
### وزیر مملکت، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی مرتبت جناب سردار محمد یوسف صاحب
وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
گرامی مرتبت جناب ڈاکٹر رحیم یاران صاحب
گرامی مرتبت صوبائی وزیر جناب علی شیر صاحب
میرے سامنے بیٹھے ہوئے حاضرین و سامعین
میرے عزیز بچو، عزیز طلبہ
میری باحیا بیٹیو، میری عفت مآب بہنو
آپ کا یہ خادم آج عید میلاد النبی کی مبارک تقریب میں شرکت پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔

حضرات محترم! یہ کوئی ضروری نہیں ہوتا کہ ایک وزارت میں دو وزیر ہوں تو دونوں تقریر کریں۔ اسی لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج کی یہ تقریر ہمارے محترم جناب سردار محمد یوسف صاحب ہی ارشاد فرمائینگے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو علماء یہاں تشریف لائے، انہوں نے جو گفتگو کی، ہماری سیاسی حکومتوں کو جو راہنمائی کے نقاط بیان کیے، ہم کوشش کرینگے کہ ان کے اوپر عمل کریں۔ وہ مہمان جو ملک سے باہر سے تشریف لائے، خاص طور سے عزیز القدر جناب ڈاکٹر منیر ازہری صاحب، اور جناب نور محمد جوال صاحب، ازہری صاحب ازہر سے آئے، جوال صاحب امریکہ سے تشریف لائے۔ میں ان دونوں دوستوں کو بھی خوش آمدید کہتا ہوں اور اس مبارک تقریب میں شرکت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

حضرات محترم!

بے شمار باتیں ہیں، میں ایک ہی بات کرتا ہوں۔ آج خوشی کا دن ہے۔ اسی لیے عزت انسانی کیلیے آج بہت خوشی کا دن ہے۔ مظلوم طبقوں کو عزت اور رفعت نصیب ہوئی۔ آج بہت خوشی کا دن ہے کہ آج دنیا میں وہ تشریف لایا جو اپنے لیے جنت نہیں بلکہ جنت سے نکالے ہوئے انسان کو دوبارہ جنت میں لے جانے کے لیے آیا۔



Marfat.com

حضرت محترم!

میں اس تقریب کے خوبصورت انعقاد پہ اپنی وزارت کے تمام دوستوں کو، بالخصوص اپنے سیکرٹری صاحب کو، اپنے وزیر صاحب کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور میں امید کرتا ہوں آنے والا سال اس سے بہتر سال ہو گا۔ اس سے اچھا سال ہو گا۔ اس سے زیادہ خوبصورت تقریبات اور باوقار تقریبیں منعقد ہو نگی۔ ان شاء اللہ العزیز۔ پروردگار ہمیں اپنے نبی کے ساتھ جڑا رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں نے وہ برناڈشا کا ایک قول پڑھا تھا، جب دوسری جنگ عظیم ہو رہی تھی اور لوگ لقمۂ اجل ہو رہے تھے، لاکھوں نہیں کروڑوں کی تعداد میں انسانیت سسک رہی تھی اُس وقت برناڈشا نے یہ جملہ کہا تھا کہ آج کائنات اگر محمد کو دی جائے تو امن آجائے گا۔ یہ جو اتنے بڑے فلسفی نے اتنے بڑی آدمی نے یہ بات کی تھی بے وجہ تو نہیں تھی۔ اس کے پیچھے انصاف تھا عدل تھا مساوات تھی، ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ تھا، رحم تھا محبت تھی، غریب پروری تھی۔ یہ وہ باتیں تھیں جن کی وجہ سے اس نے کہا تھا، اگر یہ دنیا کی لگام دنیا کی زمام، محمد عربی کو دی جائے تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی۔ آج دنیا یہ سوال پوچھتی ہے کہ ہمیں کوئی آکر یہ کہے کہ میں اس سکریپ سے بجلی پیدا کر سکتا ہوں، تو ہم بات نہیں مانیں گے ہم کہیں گے کہ بنا کے دکھاؤ۔ جب وہ بنا کے دکھائے گا ہم مان لیں گے۔ آج ہم یہ کہیں بھی کہ برناڈشا یہ کہتا تھا، ہم یہ کہتے ہیں، ہمارے فلاسفر یہ کہتے ہیں، ہمارے علماء یہ کہتے ہیں، لیکن دنیا میں یہ نقشہ ہمیں نظر نہیں آرہا۔ آج ضرورت ہے کہ اسلام نظریے پہ موجود ہے لیکن اسلام کو مردانِ کار کی ضرورت ہے۔ آیئے آج یہی عہد کریں کہ ہم وہ لوگ پیدا کرینگے جو نبی کے اس پیغام کو، امن کے پیغام کو، عدل کے پیغام کو، مساوات کے پیغام کو، غریب پروری کے پیغام کو، اقلیتوں سے محبت کے پیغام کو آگے بڑھائیں گے۔ اللہ ہمارا دستگیر ہو گا۔ پروردگار آپ کو ہمیشہ صحت مند رکھے۔

پاکستان زندہ باد اسلام پائندہ باد



Marfat.com

# صدارتی خطبہ

## جناب سردار محمد یوسف

### وفاقی وزیر، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

وفاقی و صوبائی وزراء کرام

ارکان پارلیمنٹ

ارکان صوبائی اسمبلی

گرامی قدر علمائے کرام و مشائخ عظام

جناب سہیل عامر، سیکرٹری وزارت مذہبی امور

محترم چوہدری شیر علی خان، وزیر برائے معدنیات پنجاب

معزز خواتین و حضرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اپنے تمام معزز مہمانان گرامی، خاص طور پر ترکی سے آئے ہوئے معزز مہمان گرامی کو قومی سیرت کانفرنس ۱۴۳۷ھ میں شرکت پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ تمام حضرات نے اپنی اہم مصروفیات سے وقت نکال کر آج کی قومی سیرت النبی کانفرنس میں شرکت فرما کر اس ماہ مبارک سے اپنی محبت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ آج ہم محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے اس کانفرنس میں جمع ہوئے ہیں۔ آج مجھے اس بابرکت محفل کے ذریعے ملک بھر سے آئے ہوئے علمائے کرام اور مشائخ عظام سے ملاقات اور گفتگو کا موقع مل رہا ہے۔ یہ ہماری خوش بختی کی انتہا ہے کہ ہم اُس ہستی کی امت ہے جسے خالق کائنات نے پوری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت صرف مسلمان کے لیے خاص نہیں ہے، بلکہ تمام انسانوں کے لیے عام ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک محنت سے سرزمین عرب میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لے کر آئے اور جس کا عملی نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت طیبہ میں پیش کیا، وہ تمام انسانیت کیلیے رہنمائی کا بہت بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ نے مختلف قبائلی سوچ رکھنے والوں کو امت مسلمہ کی ایک لڑی میں پرو دیا۔ یہ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی تھی کہ جو لوگ آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ پڑتے تھے اور پھر عرصہ دراز تک یہ لڑائیاں جاری رکھتے تھے، ایک قوت اور قوم بن کر ابھرے اور پوری دنیا میں اسلام کا پیغام کو اُس دور میں پہنچایا جس دور میں اُس وقت نہ جدید سہولتیں



Marfat.com

دریافت ہوئی تھیں اور نہ ہی جدید مواصلاتی نظام وجود میں آیا تھا۔ کتنے عظیم اور ہمت والے تھے ہمارے اسلاف جنہوں نے مشکل حالات میں بھی دین کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچادیا۔

**معزز خواتین وحضرات!**

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے اور سمجھانے کیلیے سیرت پاک کو پیش نظر رکھنا اور اس پر عمل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ دور اول میں لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا باعث دو ہی چیزیں تھیں، ایک قرآن پاک اور دوسری شخصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عصر حاضر میں بھی اسلام کو سمجھنے اور سمجھانے کیلیے ان دونوں چیزوں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر وزارت مذہبی امور وبین المذاہب ہم آہنگی اس کے پرچار میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہی ہے۔ ہر سال بارہ ربیع الاول کے موقع پر قومی سیرت کا انعقاد بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ آج ہمیں جس قومی سیرت کانفرنس میں حاضری کی سعادت حاصل ہورہی ہے یہ وزارت مذہبی امور وبین المذاہب ہم آہنگی کی طرف سے ۴۰ ویں قومی سیرت کانفرنس ہے، جس کا موضوع ہے "پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں"۔

یہ موضوع موجودہ قومی اور بین الاقوامی حالات کی تناظر میں بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اس موضوع کے انتخاب پر وزارت مذہبی امور مبارکباد یک مستحق ہے۔ کیونکہ یہ ایک اچھا اور منفرد موضوع ہے۔ اس سے پہلے بھی وزارت نے سیرت کانفرنسوں کے لیے جن موضوعات کا انتخاب کیا تھا وہ بھی قابل تحسین تھے۔ خاص طور پر پچھلے دو موضوعات تو بڑی ہی اہمیت کے حامل تھے، جن پر کھل کر بحث بھی کی گئی، جیسے "سرکاری مناصب وذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال" اور "ذرائع ابلاغ کا کردار اور ذمہ داریاں" "تعلیمات نبوی کی روشنی میں۔

جہاں تک آج کی کانفرنس کے موضوع کا تعلق ہے، وہ پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جائزہ سے متعلق ہے۔ اس موضوع پر روشنی کانفرنس میں موجود اہل علم ڈال چکے ہیں۔ تاہم اس حوالہ سے میں اپنی ذات کی حد تک اتنا ضرور عرض کرتا چلوں کہ جمہوریت اور اسلام میں کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔ جمہوریت کا لفظ جمہور سے بنا ہے جس کا معنی لوگ یا عوام ہے۔ اس سے مراد ایسا نظام حکومت ہے جو عوام یا لوگوں کا منتخب کیا ہو، یعنی عوامی حکومت۔ اس نظام کے تحت لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاسی معاملات میں شرکت کرتے ہیں۔ کسی بھی جمہوری دور حکومت میں دیکھا جائے، تو چند چیزیں نمایاں نظر آتی ہیں، اظہار رائے کی آزادی، عدل وانصاف کی فراہمی، انسانی مساوات وغیرہ۔ جبکہ اسلامی نظامِ حکومت مشاورت کے اصولوں پر چلایا جاتا ہے۔ اور اسلامی طرز سیاست میں بھی حکومت کا بننا اور بدلنا عوام اور لوگوں کی رائے پر منحصر ہوتا ہے۔ تاہم اسلامی ریاست میں حاکمیت اعلیٰ عوام یا چند افراد کے ووٹوں پر منحصر نہیں، بلکہ حاکمیتِ اعلیٰ رب العالمین کی تسلیم کی جاتی ہے اور اسی کے احکامات پر عمل کیا جاتا ہے۔ ویسے بھی جو لوگ مسلمان ہوتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع ہی ہوتے ہیں۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں، خلفائے راشدین کی حکومت مکمل جمہوریت پر مبنی حکومت تھی۔ کیونکہ خلفائے راشدین کا انتخاب، اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور ووٹ سے ہوائے تھا جو



Marfat.com

کہ موجودہ نظام کی اصل روح ہے۔ لہٰذا اسلامی نظامِ حکومت کو غیر جمہوری سمجھنا بالکل غلط ہے۔ اسلام تو خود بادشاہت
اور آمرانہ نظامِ حکومت کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد کے ادوار میں جو لوگ حکمران ہوئے وہ
خلفاءِ اسلام نہ کہلائے جاسکے۔ اس کی بنیادی وجہ تھی کہ ان کے انتخاب میں وہ طریقہ استعمال نہیں ہوا تھا جو کہ
اسلامی نظامِ سیاست کی اصل روح ہے۔ لہٰذا اسلامی نظام حکومت کو بادشاہت کے مماثل سمجھنا بالکل بھی غلط تاثر ہے۔
جسے ہمیں زائل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم آج کے دور کے جمہوری نظام حکومت کی خوبیوں کے جو گن گاتے ہیں وہ تو
آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے عہد نبویؐ اور عہد خلفائے راشدین میں بھی پائے جاتی تھیں۔ اظہار رائے کی آزادی، عدل
والنصاف کی فراہمی، انسانی مساوات، مذہبی رواداری، ڈائیلاگ اور مشاورت کے ذریعے سے مسائل کا حل نکالنا، اور دیگر
فلاحی کام اور سرگرمیاں، یہ سب ان مبارک ادوار میں پائی جاتی تھیں۔ اور یہ سب اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز بھی
ہیں۔ موجودہ دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کی
روشنی میں گہرائی سے جائزہ لیں، اگر اس میں کوئی چیز تعلیمات اسلامی کے خلاف ہے تو اُس خراب پہلو کو دور کر کے اسے
اسلامی تعلیمات کے رنگ میں ڈھال لیا جائے۔ مثلاً جمہوری نظام میں پائی جانے والی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری یہ
بھی ہو سکتی ہے کہ اس میں قانون سازی جمہوری نمائندوں کی اکثریت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اگر جمہوری نمائندوں کی
اکثریت کسی ایک چیز پر متفق ہو جائے، خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو، تو وہ اُس معاملہ میں ضروری قانون سازی کر کے اُسے
ملک میں نافذ کر سکتے ہیں۔ جبکہ اسلامی نظامِ سیاست میں جو چیز قرآن وسنت کے خلاف ہو گی اُسے مملکت اسلامی میں
نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ آرٹیکل ۲۸۷، اس ضمن میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی ریاست کے سیاسی نمائندوں کو
دوہری جوابدہی کے تصور سے آگاہ ہونا چاہیئے، ایک یہ کہ وہ کسی بھی طرح کی قانون سازی کرتے وقت اللہ رب
العالمین کے سامنے جوابدِہ ہیں، اور دوسرا وہ عوام کے سامنے جوابدہ ہیں۔ کیونکہ اسلامی ریاست کے حکمران طبقہ کی یہ
بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنانے دیں جو قرآن وسنت کے منافی ہو، ورنہ ایسے حکمران اللہ کی پکڑ
اور اپنی مسلمان رعایا کے غیض وغضب سے بچ نہیں سکیں گے۔

خواتین وحضرات!

اسی طرح اور بھی پاکستان کے مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں کچھ پہلو ہو سکتے ہیں جن کا اسلامی تعلیمات کی
روشنی میں جائزہ لیا جاسکتا ہے اور خامی پانے پر اُنہیں دور بھی کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک جمہوری نظام
حکومت ہے۔ اس نے انسان کو بنیادی حقوق دینے کا اعلان انقلابِ فرانس سے بھی ۱۱۰۰ برس بیشتر کر دیا تھا۔ اور نہ
صرف اعلان کیا بلکہ اُس پر عمل بھی کر کے دکھایا۔ یہ وہ دور تھا جس میں لوگ جمہوریت کے لفظ سے بھی نا آشنا تھے۔
موجوہ حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں پائی جانے والی خامیوں کی
نشاندہی کی جائے تاکہ اُنہیں دور کر کے اُنہیں اسلامی رنگ میں ڈھال لیا جائے تاکہ دنیا کے سامنے ہم جمہوری اور سیاسی
نظام کا خوبصورت چہرہ پیش کر سکیں، ایسا چہرہ جس کے لیے چشم فلک آج ترس رہی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
نے اُن حالات میں ایک صالح نظام کی بنیاد رکھی تھی جس میں اس طرح کی تبدیلی کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ پیغمبر اسلام



Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کو اسی طرح سے پیش کریں کہ یہ دورِ جدید کے لوگوں کے لیے کشش کا سبب بنیں۔ اسلام کے سافٹ امیج کے نشر واشاعت کے حوالے سے وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کا کردار نہایت ہی قابل تعریف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں واضح راہنمائی فراہم کی ہے۔ خواہ اسلامی معاشرت کا معاملہ ہو یا معیشت کا، یا قانون کا یا میڈیا کا یا پھر سیاست کا۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان اعلیٰ مثالوں سے اپنے لیے راہنمائی حاصل کریں اور اپنے روز وشب کو منور کریں۔

**خواتین وحضرت!**

آج کے اس مبارک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں میڈیا کے ذمہ داران سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ اسلامی تعلیمات کے پرچار اور جمہوریت کی وطنِ عزیز میں مضبوطی کیلیے اپنا مثبت کردار ادا کریں۔ میڈیا اپنی پالیسی کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں اس طرح سے تشکیل دے جس کے تحت اسلامی تہذیب وتمدن، تعمیری سوچ اور اندازِ حکومت کو فروغ دیا جائے۔ امت مسلمہ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے، لہٰذا ان کو ان اندھیروں کے خاتمے کے لیے بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے۔ میڈیا کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صاف ستھرے تفریحی پروگرام کے نشر واشاعت کا اہتمام کرے۔ کیونکہ میڈیا سے نشر ہونے والے پروگرام کسی بھی قوم کی سوچ کو بنانے اور بگاڑنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مسلم ممالک کے مشترکہ نیوز ایجنسی اور ٹی وی چینل قائم کرنے کا اقدام بھی کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ متفقہ طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والے منفی پروپیگنڈے کا مدلل جواب بھی وقت آنے پر دیا جائے۔ مزید یہ کہ مسلم دنیا میں قربت پیدا کرنے کے لیے بھی مل کر عمدہ پروگرام تیار کیے جائیں، یا پھر پروگراموں کا آپس میں باہم تبادلہ کیا جائے تاکہ مسلم دنیا کے رہنے والوں کے درمیان اچھا تعلق قائم ہو سکے۔ اس طرح سے کچھ ٹی وی چینلز یہ کام انجام دے بھی رہے ہیں، اس میں مزید بہتری لانے کی ضرورت ہے۔

**معزز خواتین وحضرات!**

الحمدللہ، موجودہ حکومت اظہار رائے کی آزادی کے فلسفہ پر سختی سے گامزن ہے۔ ہم نے برداشت رواداری مفاہمت اور کسی مسئلہ کے حل کیلیے مشاورت ڈائیلاگ کے کلچر کو فروغ دیا ہے۔ آج میڈیا، سول سوسائٹی اور میڈیا بھی پوری طرح سے آزاد ہیں۔ یہ آزادی نمایاں طور پر میڈیا کے ذریعے دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہے۔ ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب ہم سب مل کر ملک سے ہر قسم کی منفی اور خلاف انسانیت سوچ کا خاتمہ کردینگے۔ آج وطن عزیز میں آپریشن ضرب عضب کامیابی سے اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آج ملک میں سکیورٹی کی صورتحال پہلے سے بہت بہتر ہے۔ اور یہ سب آپریشن ضرب عضب کا نتیجہ ہے۔ جس کو پوری قوم کی حمایت حاصل ہے۔ ہماری سکیورٹی کی ذمہ داریاں ادا کرنے والے جوان اپنے آج کو ہمارے کل پر قربان کر رہے ہیں۔ قوم ان کی قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ وطن عزیز کی موجودہ صورتحال کا تقاضا ہے کہ ہم آپس کے اختلافی مسائل کا حل افہام وتفہیم اور ڈائیلاگ کے ذریعے سے نکالیں۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اگر اس معاملہ میں ہم نے



Marfat.com

ذمہ دارانہ ثبوت نہیں دیا، تو آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کرینگی۔ ملک کے سیاسی درجۂ حرارت کے اتار چڑھاؤ میں میڈیا بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اب یہ میڈیا کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اس کردار کو ذمہ دارانہ طریقے سے نبھائے اور اس پر کسی قسم کی کوئی آنچ نہ آنے دیں۔ جہاں تک حکومتِ وقت کا تعلق ہے، تو موجودہ حکومت آزاد میڈیا کی پالیسی پر سختی سے گامزن ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی غیر سنجیدہ رویہ نہیں اپنایا جائے گا۔

میں اس سال وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کی طرف سے سیرت و نعت کی کتابوں اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تحریر کیے جانے والے مقالات کے لکھنے والوں کو ایک بار پھر مبارکباد دیتا ہوں، اور خاص طور پر اُن لکھنے والوں کو جو انعامات کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے تاکہ ہمارے لیے ان کی رہنمائی کا سامان میسر آسکے۔

آج کی اس کانفرنس میں بہت سارے جو معزز علمائے کرام مقررین تھے، اُن کی طرف سے بھی یہ مطالبہ ہوا ہے کہ سابقہ ایک روایت تھی اُس کے مطابق جو پوزیشن لینے والے انعام یافتہ لوگ تھے ان کے لیے عمرے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اچھی روایت ہے، لیکن جس طرح آپ کو پتہ ہے کہ پاکستان میں کئی عرصہ سے پاکستان کا آئین معطل رہا ہے، بہت ساری اور بھی چیزیں اسی طرح تعطل کا شکار رہی ہیں، لیکن آج الحمد للہ آپ نے دیکھا کہ ہماری حکومت نے جو سیرت کانفرنس کی، وہ پہلے جہاں پریذیڈنسی میں ہوتی تھی وہاں سے نکال کر آج الحمد للہ یہ تیسری سیرت کانفرنس ہے جو یہاں کنونشن سنٹر میں منعقد کی جارہی ہے۔ اس میں بڑی تعداد میں علمائے کرام تشریف لائے اور ملک سے اور بیرون ملک سے بھی سکالر تشریف لائے۔ خاص طور سے ہمارے جو معزز مہمان مفتی اعظم استنبول تشریف لائے اپنے دوستوں کے ساتھ، میں اُن کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ان کے آنے سے پاکستان اور ترکی کے برادرانہ تعلقات اور زیادہ مستحکم ہوئے ہیں۔ آج کی اس کانفرنس میں شرکت سے جہاں پاکستان کو خوشی ہوئی، ہمیں اسی طریقے سے امید ہے کہ وہاں پر بھی کوئی اس طرح کی کانفرنس ہوگی تو ان شاء اللہ پاکستان کے سکالرز، علمائے کرام وہاں جاکر اس میں شریک ہونگے۔ اور اس طرح پورے عالم اسلام کو یکجا کرنے کے لیے جدوجہد جاری وساری رہے گی۔ میں اُن لوگوں کے بارے میں جو اس سے پہلے بھی انعام حاصل کرتے رہے ہیں، آج بھی انہوں نے بڑی محنت کی ہے اور سیرت پر کتابیں لکھیں یا نعت کی کتابیں لکھی ہیں، میں ضرور ان کیلیے ان شاء اللہ کوشش کروں گا۔ پہلے مرحلے پر جو انعام یافتہ ہیں ان کی تعداد جتنی بھی ہے ان کو ان شاء اللہ اس دفعہ عمرے پر بھیجا جائے گا۔

آج کی اس کانفرنس میں ہم دونوں وزیروں کے ساتھ ساتھ ملک کے مختلف خطوں سے علمائے کرام، سکالرز اور مختلف طبقات کے افراد شریک ہیں۔ وطن عزیز کی سکیورٹی صورتحال میں بتدریج بہتر سے بہتر ہورہی ہے۔ مجھے امید ہے آئندہ کی سیرت کانفرنسوں میں وزیراعظم اور صدر مملکت بھی شرکت فرمائینگے ان شاء اللہ۔

ہم جس ہستی کی مناسبت سے آج یہاں جمع ہیں اور جس کی شان میں یہ کانفرنس منعقد کی جارہی ہے اُس ہستی سے بڑا مقام دنیا میں کسی کا بھی نہیں ہے۔ ہم یہاں کوئی بھی بات کرتے ہیں اُس عظیم ہستی کی نسبت اور اس کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے کرتے ہیں جو ایک عالمگیر پیغام ہے۔ ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق



۱۲۵۳۲۷

Marfat.com

ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس پیغام کو پوری دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرے۔ یہ ہماری چھوٹی سی ایک کوشش ہے۔ پاکستان کی حد تک ہم یہ کوشش کر رہے ہیں۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ جس طرح یہ امت آخری امت ہے اور عالمگیر امت ہے، اس کی کوئی جغرافیائی حدود نہیں ہیں، یہ اپنی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے پوری انسانیت کیلیے یہ پیغام عام کریں اور اس کو اجاگر کریں۔ اسی طریقے سے جس طرح یہاں علماء کرام نے راہنمائی کی ہے، ان کی طرف سے بڑی اچھی تجاویز آئی ہیں، ان شاء اللہ ہماری وزارت اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتی رہے گی۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور انسانیت کی بہتری کے لیے آیا ہے اور اسلام دہشت گردی کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔ اس وجہ سے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم بھی فرقہ پرستی اور اس طرح کے عناصر جو کہ امت مسلمہ میں تفرقہ ڈالیں اور امت مسلمہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان کا باعث بنیں ان کی سختی سے مذمت بھی کریں اور اس کے خلاف سختی سے عمل بھی کریں۔ اس کیلیے حکومت بھی تیار ہے اور مسلمانوں کو بھی تیار ہونا چاہیئے۔ اسی طرح سے آپ کو معلوم ہے کہ آپریشن ضرب عضب شروع کیا گیا ہے، جس طریقے سے آرمی پبلک سکول کے بچے شہید ہوئے، جن کا کوئی جرم نہیں تھا جن کی کسی سے کوئی عداوت نہیں تھی کوئی دشمنی بھی نہیں تھی، لیکن جس وقت ان معصوموں کو بھی معاف نہیں کیا، تو پھر اس کے بعد حکومت نے یہ آپریشن ضرب عضب شروع کیا جس کے نتیجے میں آج اللہ کے فضل و کرم سے ملک میں امن بھی قائم ہوا ہے۔ اور اسی طرح سے آج ہم ان شہداء کو خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کے نذرانے دیے اور جس کے بدلے آج ملک میں امن قائم ہوا ہے۔ اس ملک میں مکمل وامان قائم کرنے کے لیے اور اللہ اور رسول کی تعلیمات کے مطابق نظام کو بہتر بنانے کیلیے ان شاء اللہ ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔ اس کے لیے ہم اور آپ مل کر حکومت بھی اور عوام بھی، مل کر جدوجہد کرینگے۔ اس کے لیے جو ہم نے آج کے دن کا تعین کیا ہے، ایک طرح سے یہ تجدید عہد کا دن ہے۔ ربیع الاول کے مہینے میں، اور آج سیرت کانفرنس اور میلاد کے موقع پر ہم یہ تہیہ کریں کہ بحیثیت مسلمان ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم پوری دنیا میں پھیلانے کیلیے تیار ہیں۔

میں آپ سب کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کو قومی سیرت کانفرنس ۲۰۱۵ء / ۱۴۳۷ھ کے کامیاب انعقاد پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور آپ سب مندوبین وشرکائے کانفرنس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خاص طور سے ترکی سے آئے ہمارے مہمان ڈاکٹر یاران مفتی استنبول اور ڈاکٹر سلیم ارگون جو پروفیسر ہیں استنبول یونیورسٹی کے، اور جوال صاحب جو واشنگٹن سے تشریف لائے اور اسی طرح سے ازہری صاحب جو مصر سے تشریف لائے ہیں، ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ پاکستان کو امن، ترقی اور خوشحالی کا گہوارہ بنائے اور آج کے مبارک دن بارہ ربیع الاول کو سب کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث بنائے۔ آمین

پاکستان پائندہ باد۔



Marfat.com

Marfat.com

# خطاب

## مولانا محمد حنیف جالندھری
## ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، ولا رسول بعده، ولا امة بعد امته، ولا كتاب بعد كتابه

امابعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

صدق الله العظيم

صدر اجتماع محترم ومکرم جناب سردار محمد یوسف صاحب، وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی حکومت پاکستان

گرامی قدر محترم مخدوم ومکرم حضرت مولانا امین الحسنات صاحب دامت برکاتہم العالیہ وزیر مملکت برائے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

ہمارے نہایت ہی محترم اور آج کی اس تقریب کے مہمان خصوصی، ترکی سے تشریف لائے ہوئے ممتاز شخصیت، مفتی اعظم ترکی

وفاقی سیکرٹری وزارت مذہبی امور

قابل صد احترام علمائے کرام

مشائخ عظام

خواتین وحضرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں سب سے پہلے وفاقی وزارت مذہبی امور پاکستان کو اپنی شاندار روایات کے تسلسل میں قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس کے انعقاد پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ وزارت مذہبی امور نے اس کے لئے جو انتظامات



Marfat.com

کئے اور ایک حسین گلدستہ پاکستان کے چاروں صوبوں، آزاد کشمیر، گلگت بلتستان سے تعلق رکھنے والے ممتاز علمائے کرام اور اہل علم ودانش کی شکل میں یہاں ترتیب دیا، اس میں اُنہیں صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور خاص طور پر جو اس کانفرنس کا عنوان وزارت مذہبی امور نے تجویز کیا اور اس پر اہل علم ودانش نے اپنی گزارشات اور اپنی تحقیق کو عملی شکل میں بھی پیش کیا، وہ پاکستان میں مروجہ جمہوری اسلامی ریاستی حکومتی نظام کا جائزہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ موضوع خاص طور پر پاکستان کے موجودہ ملکی اور علاقائی اور عالمی حالات کے تناظر میں بہت اہم ہے۔ اور یہ موضوع صرف روایتی اور رسمی طور پر تجویز نہیں کیا گیا، بلکہ اس بنا پر وزارت نے اس کو تجویز کیا تاکہ اہل علم ودانش اس پر اظہار خیال فرمائیں اور اس سے متعلقہ حکومتی ادارے رہنمائی حاصل کریں۔ اور ان کو اہلیان پاکستان کیلئے ہمارے دستور اور آئین کے تقاضوں کی روشنی میں ضروری اور بنیادی عملی اقدامات کی طرف متوجہ کیا جاسکے۔

جہاں تک ماہ ربیع الاول کی فضیلت کا تعلق ہے، اس ماہِ مبارک میں وہ عظیم ہستی اس دنیا میں آئی ہے جو خلاصہ کائنات، مقصودِ کائنات، محبوبِ کائنات ہے۔ اور بقول شاعر

ہوتا نہ تیرا نور گر
کچھ بھی نہ ہوتا جلوہ گر
تیرے سبب یہ بنا
صل علی محمد

ماہِ ربیع الاول میں وہ عظیم ہستی دنیا میں آئی، جن کے آنے کے بعد نیا عالم وجود میں آیا۔ جس کے بعد تاریخ عالم نے اپنے نئے سفر کا آغاز کیا۔ جن کے آنے کے بعد انسان کو شرفِ انسانیت کا تعارف ہوا۔ اور جن کے آنے کے بعد مقصدِ انسانیت معلوم ہوا۔ اور اُس عظیم ہستی نے اس کائنات کو جو عظیم دستور دیا، وہ ایک انتہائی جامع دستور رہے، جس کی جامعیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ دشمنانِ اسلام کفارِ مکہ نے، اہل ایمان کو مخاطب کر کے، بطور طعن اور اعتراض کہا کہ تمہارے پیغمبر بھی عجیب ہیں، جو تمہیں چھوٹی چھوٹی معمولی معمولی باتیں بھی بتاتے ہیں، حتی کہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ تم نے طہارت کیسے کرنی ہے، تمہیں قضائے حاجت کے وقت کیا رخ اختیار کرنا ہے۔ کیا وہ اتنی باتوں پر بھی تم پر اعتماد نہیں کرتے کہ تم اپنی عقل ودانش سے کوئی فیصلہ کر سکو؟! تو سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کو اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی عطا کی تھی، جو سچ اور حق کی روشنی کی خاطر وطن سے دوسرے وطن اور کئی ملکوں میں گئے اور حتی کہ انہوں نے غلامی بھی قبول کی، انہوں نے بڑے فخر سے اپنا سر بلند کر کے کہا کہ ہاں ہاں، ہمارا پیغمبر اتنا عظیم نبی اور پیغمبر ہے کہ اُس نے ہمیں ہر بات بتائی اور سکھائی ہے، اُس نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ تم نے طہارت کیسے کرنی ہے، تم نے قضائے حاجت میں بیت اللہ کی طرف نہ رخ کرنا ہے نہ پشت کرنی ہے۔ تم نے صفائی اور نظافت کو اعلیٰ طریقے پر حاصل کرنا ہے۔ گویا زبانِ حال سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ



Marfat.com

نے اُن کے اُس طعن کو کمال کا عنوان دیا اور جامعیت کا عنوان دیا۔ اور گویا یوں کہاں ہمارے نبی اور پیغمبر اتنے جامع کامل اور مکمل پیغمبر ہیں کہ فرش سے لے کر عرش والے کی ملاقات کا ہر مسئلہ ہمارے نبی اور پیغمبر نے ہمیں بتادیا ہے۔ اُنہوں نے انسان کو فرش سے اٹھا کر عرش پہ پہنچایا۔ اُس عظیم ہستی نے ہمیں جو نظام دیا، تو جہاں انہوں نے عقائد و نظریات اور افکار، عبادات، معاملات، معاشرت، معیشت اور اخلاق و آداب، ان تمام معاملات میں جامع رہنمائی عطا کی، وہاں اُس عظیم پیغمبر نے ہمیں ریاستی نظام بھی عطا کیا۔ سلطنت کا نظام بھی عطا کیا۔ اس لئے کہ آپ سے پہلے ایک لاکھ تیئیس ہزار نو سو ننانوے انبیاء اور پیغمبر جو آئے، اُن میں چند پیغمبر ایسے ضرور تھے جن کو اللہ نے حکومت و بادشاہت بھی عطا کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام وہ نبی اور پیغمبر ہیں جن کو اللہ نے نبوت بھی عطا کی ہے، بادشاہت و سلطنت بھی عطا کی ہے، لیکن جامع انداز میں پوری دنیا کیلئے ایک عالمگیر نظام ریاست اگر دیا ہے تو وہ امام الانبیاء رحمت عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعے میں، چونکہ یہ اہل علم کا اجتماع ہے ارباب فکر و نظر کا اجتماع ہے، یہاں تفصیلات کی ضرورت نہیں، وہ میں مرتب کر کے ان شاء اللہ وزارت کو پیش کر دوں گا۔ اور وہ شائع بھی ہو جائینگی۔ میں آپ کے وقت کے اختصار کے پیش نظر اُس کا خلاصہ ۱۱، ۱۲ چیزوں میں قرآن و سنت کی روشنی میں، جو سمجھ میں آیا ہے مرتب کیا ہے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں ریاستی اور حکومتی نظام میں پہلا اصول ہمیں یہ ملتا ہے کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ سرچشمہ طاقت و قوت کا عوام نہیں ہے، بلکہ طاقت و قوت کا سرچشمہ پروردگار عالم ہے۔ قرآن کریم میں واضح اعلان ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ --- اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ یہ حاکمیت اعلیٰ، یہ اسلام کا اور قرآن کا واضح اصول ہے۔ لوگ اور انسان بطور نائب اور خلیفہ اُس اختیار کو استعمال کرینگے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ یہ خلافت فی الارض نے بتایا کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے، اور سرچشمہ تمام کے تمام فیصلوں کا اللہ کی ذات ہے۔

دوسرا اصول تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہمیں ملتا ہے، وہ یہ کہ تمام قوانین کا مأخذ وہ قرآن وسنت ہے۔ قرآن وسنت میں بہت سے احکام قطعی طور پر آگئے، واضح طور پر نصوص میں آگئے۔ اور بہت سے ایسی چیزیں ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے، لیکن مجتہدین جو بھی اجتہاد کرینگے وہ قرآن وسنت کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے کرینگے۔ گویا قوانین کا مأخذ جو ہے وہ شریعت الٰہیہ ہے۔ وہ قرآن وسنت ہے۔ فرمایا فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ دوسری جگہ فرمایا وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی طرف بھیجا تھا تو آپ نے پوچھا تھا کہ معاذ! تمہارے سامنے فیصلہ طلب معاملہ آئے گا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بکتاب اللہ (اللہ کی کتاب قرآن کی روشنی میں فیصلہ کروں گا)۔ فرمایا: فان لم تجد فی کتاب اللہ (اگر تمہیں اس کا حکم قرآن میں نہ ملے)؟ تو عرض کیا: فبسنۃ رسول اللہ (میں آپ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا)۔ پوچھا: اگر میری سنت میں بھی کوئی واضح پیغام نہ ملے تو پھر کیا کرو گے، کسی نئے مسئلے کے بارے میں؟ تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اجتھد برأیي ولا آلو (پھر میں اپنی



Marfat.com

رائے سے اجتہاد کروں گا)۔ اُس وقت تک اجتماع بطور حجت شرعیہ وجود میں نہیں آیا تھا۔ یہ تو حضور علیہ السلام کے دنیاسے پردہ فرمانے کے بعد وجود میں آیا۔ تواس سے اصول معلوم ہوا کہ ایک مسلم ریاست کا ایک اسلامی ریاست کی قانون سازی اور جمہوری اور سیاسی نظام کا جو ماخذ ہو گا وہ قرآن وسنت اور شریعت ہو گی۔

دوسرا جو اصول ہمیں تعلیمات نبوی میں ملتا ہے سیاسی اور جمہوری نظام کا، وہ شورائیت کا ملتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیاوَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ۔ اور اُس ہستی کو جس پر وحی آتی ہے، جو اللہ سے ون ٹو ون ہے ہر وقت میں، اُن کو فرمایا گیاوَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ‌ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌۔ اور قرآن کریم کی سورتوں میں ایک سورۃ کا نام ہی سورۃ الشوریٰ رکھ دیا گیا، جس سے مشورے کی اہمیت بتادی گئی۔ گویا اسلام نے بتایا کہ یہاں آمریت نہیں ہو گی۔ یہاں بادشاہت نہیں ہو گی۔ یہاں مطلق العنان حکومت نہیں ہو گی، کہ ایک فرد جو چاہے وہ آرڈر کر دے، بلکہ یہاں اصحاب حل وعقد اور ارباب فکر ونظر کی مجلس شوریٰ ہو گی۔ اور ان کی مشاورت سے، جس کو آپ پارلیمنٹ کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ اُن کی مشاورت سے ملک کو نظام کو ترتیب دیا جائے گا۔

پانچواں اصول جو ہمیں تعلیمات نبوی کی روشنی میں ملتا ہے، وہ یہ ایک مسلم ریاست اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں شامل ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ یہاں اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر بطور علامت کیا گیا ہے، جیسے رحمت عالم حضور علیہ السلام دنیا سے پردہ فرمارہے ہیں، آپ نے فرمایا الصلاۃ وماملکت ایمانکم (نماز کا خیال رکھنا اور ماتحتوں کا خیال رکھنا)۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ نماز کا خیال رکھنا ہے، روزے کا نہیں۔ نماز ضروری ہے، زکوۃ نہیں، حج نہیں۔ نہیں یہ عنوان ہے حقوق اللہ کا، کہ نماز کا خیال سے مراد یہ ہے کہ حقوق اللہ کا خیال رکھنا۔ اور وماملکت ایمانکم کا یہ معنی نہیں ہے کہ صرف غلاموں اور ماتحتوں کا خیال رکھے بیوی بچوں کا نہیں، پڑوسیوں کا نہیں، ماں باپ کا نہیں، رشتہ داروں کا نہیں، غریبوں یتیموں محتاجوں مسکینوں کا نہیں، پسے ہوئے طبقوں کا نہیں۔ بلکہ فرمایا یہ عنوان ہے حقوق العباد کا۔ اسی طرح اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ عنوان ہے اللہ کے قانون کو نافذ کرنے کا۔

چھٹی چیز عدل وانصاف۔ تعلیمات نبوی کی روشنی میں عدل وانصاف ملتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیاوَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ‌۔ فرمایا لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ‌۔

قرآن کریم میں تیسرا اصول جو ہمیں ملتا ہے وہ مساوات کا ملتا ہے۔ برابری کا ملتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآٮِٕلَ لِتَعَارَفُوۡا‌ ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ‌۔

آٹھواں اصول، صداقت وامانت ہے۔ ہمارے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے بھی الصادق الامین کہا۔ اور پہلے خلیفہ جانشین پیغمبر امام الصحابہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی اسلام سے پہلے عبد الکعبہ تھا، اسلام کے بعد آپ کا نام عبد اللہ ہوا۔ آپ کی کنیت ابو بکر تھی، مگر آپ دنیا میں مشہور ومعروف ہوئے تو صدیق اکبر



Marfat.com

کے لقب سے ہوئے، جس سے بتادیا کہ خلیفہ وقت کو اور ایک اسلامی اور مسلم ریاست کا جو ذمہ دار ہو گا اُسے صداقت کا پیکر ہونا چاہئیے۔

نمبر نو جو اصول ملتا ہے وہ مسئولیت اور جوابدہی کا ملتا ہے۔ اور میں وزارت مذہبی امور کو اس پر بھی تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ نے جن آیات کا انتخاب کیا ہے، یہ بالکل موضوع کے مطابق کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس حسین انتخاب پر جزائے خیر دے۔ اس لئے کہ جب سردار یوسف اور مولانا امین الحسنات جیسے حضرات موجود ہونگے وہاں پر آیات اور احادیث کا انتخاب یقیناً موضوع کے مطابق ہی ہو گا۔ مسئولیت، جوابدہی۔ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔ یہ ایک مسلم ریاست کی لازمی ذمہ داری ہے۔

نمبر دس عوام کیلئے مشکلات میں آسانی پیدا کرنا اور ایسے قوانین بنانا جس سے عوام کیلئے مشکلات پیدا نہ ہوں بلکہ ان کیلئے مشکلات کا حل ہو۔ رحمت عالم حضور علیہ السلام جب بھی روانہ کرتے تھے کوئی ڈیوٹی دے کر اپنے صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کو، تو ہدایت دیتے تھے یسروا ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا۔

گیارھواں اصول احتساب کا ملتا ہے۔ ایک عام بدو کھڑے ہو کر مجمع میں مسجد میں پوچھتا ہے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کل کی تقسیم میں سب کو ایک چادر ملی، آپ کے وجود پر دو چادریں کہاں سے آگئیں؟

یہ چند ایک اصول میں نے آپ کی خدمت میں عرض کئے۔ یہ تمام نہیں ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے اصول ہیں۔ وقت چونکہ مختصر ہے۔ میں نے اپنے مقالے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ جائزہ لیتے ہیں ہم اپنے پاکستان کے موجودہ جمہوری سیاسی نظام کا۔ میں سب سے پہلے تو اس کو نیک فال سمجھتا ہوں، آپ کے علم میں ہو گا، اہل علم اس کو جانتے ہوں گے، ۱۹۲۴ء میں ترکی میں سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ دشمنوں کی سازشوں سے ہوا۔ اس کے خاتمے کے بعد ۱۹۴۷ء میں پاکستان وجود میں آگیا جو امت مسلمہ کیلئے پھر امیدوں کا مرکز بن گیا۔ ترکی کی خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے کچھ سالوں کے بعد اللہ نے ہمیں پاکستان کی شکل میں ایک عظیم ملک عطا کر دیا اور آج کی اس تقریب میں، میں مفتی اعظم ترکی کو اہلا وسہلا کہتا ہوں، کہ آج آپ اس ملک میں آئے جس کا رشتہ آپ کے ساتھ اور آپ کا اس کے ساتھ بڑا گہرا ہے۔ اور میں آج بھی سمجھتا ہوں کہ امت مسلمہ جن مسائل سے دوچار ہے، ان کو مٹانے میں جو چند ممالک میں قائدانہ کردار ادا کر سکتے ہیں اور مسلم امہ کو متحد کر سکتے ہیں، ان میں دیگر ممالک کے علاوہ، میں سمجھتا ہوں ترکی اور پاکستان کا کردار بھی نمایاں ہے۔ انہیں اپنی دوستی کو اور بھی مضبوط کرنا چاہئیے۔ اور ہم ترکی کے لئے ہر وقت خیر خواہ اور دعاگو رہتے ہیں۔ آج ترکی بڑے قد کے ساتھ الحمد للہ، اپنے اکانومی کو مضبوط کر کے بڑے ملکوں کی صف میں کھڑا ہے۔ اور آج ترکی کو اگر روس آنکھیں دکھا رہا ہے تو آپ فکر نہ کیجئے یہ بازو ہمارے آزمائے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے اٹھارہ کروڑ عوام ترکی کے ساتھ ہیں۔ اور میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے لوگوں نے افغانستان کی آزادی اور حریت کے لئے اور سویت یونین کو وہاں سے نکالنے کے لئے اپنا خون دیا ہے، اپنی قربانی دی ہے۔ اور ہمارے مدارس کے علماء نے اور طلباء کی بڑی تعداد نے جام شہادت نوش کیا ہے۔ اور دنیا کے نقشے سے ایک سویت یونین سپر طاقت کا خاتمہ ہوا ہے۔ اگر ترکی پر کوئی وقت آیا، اور اگر ترکی کو آنکھیں دکھائی گئیں تو پاکستان کا بچہ بچہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو گا ان شاء اللہ۔



Marfat.com

میرے دوستو!

میں پاکستان کو اللہ کی نعمت سمجھتا ہوں۔ اور حرمین شریفین کے بعد، میں اپنے دل کی آواز آپ کے سامنے عرض کررہا ہوں کہ میں پوری مسلم دنیا میں پاکستان کو ایک عظیم ملک سمجھتا ہوں جو اللہ نے ہمیں ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ۱۹۴۷ء میں دیا۔ اور بڑی قربانیوں کے نتیجے میں دیا۔ اور اہل علم و دانش یہ پاکستان، یہ ذرا غور سے سن لیجئے، یہ میری نہیں آپ کی بھی آواز ہے، پاکستان کی خمیر میں، پاکستان کی مٹی میں، پاکستان کی اینٹ اینٹ میں، پاکستان گارے گارے میں، پاکستان کے مسالے میں، پاکستان کی بنیادوں میں اور پاکستان کے سیمنٹ میں اسلام اور کلمہ طیبہ موجود ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے۔ پاکستان دو قومی نظریے کی بنیاد پر بنا ہے۔ پاکستان کی پارلیمنٹ کی پہچان وہ کلمہ طیبہ ہے جو پارلیمنٹ کے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔ پاکستان کا خمیر اسلام سے اٹھا ہے۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں جب پہلی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا، تو اس میں قرارداد مقاصد، جو اپنے زمانے کے تمام مکاتب فکر کے چوٹی کے علمائے کرام نے مرتب کی، ۳۱ علماء نے جو بائیس نقاط مرتب کئے۔ اور جو قرارداد مقاصد مرتب کی وہ پاکستان کے آئین کی بنیاد بنی۔ اور جب میں اُس قرارداد مقاصد کو پڑھتا ہوں اور میں اس کے اکتیس علماء کے بائیس نقاط پڑھتا ہوں، آج تمام مکاتب فکر کے جبال علم نے جو پاکستان کا قبلہ متعین کیا ۲۲ نقاط کی صورت میں، وہ پاکستان کے آئین میں دیباچے کے طور پر رہے اور پھر ۱۹۸۵ء میں اس کو آئین پاکستان کا لازمی حصہ بنادیا گیا۔ اگر آپ اس کے ایک ایک نقطے کو پڑھیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے کہ ان علمائے کرام نے قرآن وسنت کا نچوڑ ۲۲ نقاط کی روشنی میں پیش کردیا۔ اور جتنے اصول میں نے آپ کو عرض کئے یہ یہ تمام اصول اس میں سمودیے گئے۔ اور پاکستان اپنے آئین کے اعتبار سے اپنے دستور کے اعتبار سے اسلامی ملک ہے۔ اس کے نام نے بتادیا ہے، یہ صرف جمہوریہ پاکستان نہیں ہے یہ اسلامی پاکستان بھی نہیں، یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ یہ ایک حسین امتزاج ہے۔ دنیا میں ڈیموکریسی تھیوکریسی، تھیوکریسی یہ ہے کہ وہ خدا کی حاکمیت، مگر اس کے نام پر مذہبی لوگوں نے اپنی حکومت بنادی۔ قائد اعظم مرحوم نے کہا تھا پاکستان میں تھیوکریسی نہیں ہوگی اس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان میں مذہبی پیشواؤں کی حکومت نہیں ہوگی، مذہب کی حکومت ہوگی۔

میرے دوستو! یہاں عوامی جمہوریت نہیں، جس کا طاقت سرچشمہ عوام ہے۔ پاکستان کا نام ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ یہ خود بتا رہا ہے کہ پاکستان کا نظام کیا ہوگا۔ اور پھر پاکستان کے دستور نے بتادیا کہ عوام کے نمائندے فیصلہ کرینگے قرآن وسنت کی روشنی میں۔ یہ ایک تجربہ گاہ تھی اور تجربہ گاہ ہے اسلام کی۔ پھر اس کے تسلسل میں الحمد للہ ۱۹۷۳ء کا آئین آیا۔ ۷۳ء کے آئین میں کہا گیا کہ تمام قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے گا۔ غیر اسلامی قوانین ختم کردیئے جائیں گے۔ اسلامی نظریاتی کونسل اس مقصد کے لیے وجود میں آئی۔ یہ ہمارے پاکستان کا آئینی ادارہ ہے۔ الحمد للہ پھر ہمارے پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت وجود میں آئی۔ پھر سپریم کورٹ میں شریعت بینچ بنایا گیا۔ یہ ایک پورا تسلسل ہمارے نظام کا ہے۔ اور الحمد للہ دستور کے اعتبار سے، آئین کے اعتبار سے، اداروں کے اعتبار سے پاکستان اسلامی ملک ہے۔ اور جو پاکستان میں اسلام کے لئے ہتھیار اٹھاتا ہے یا مسلح جدوجہد کرتا ہے، ہمارا اس کے لئے ہمیشہ واضح پیغام رہا ہے کہ پاکستان میں اسلام کے لئے ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ پاکستان میں تبدیلی پارلیمنٹ



Marfat.com

کے ذریعے آئے گی، پُرامن جدوجہد سے آئے گی۔ جمہوریت اور آئین کے ذریعے آئے گی۔ کیونکہ ہمارا آئین الحمدللہ اسلامی آئین ہے اپنی اکثر دفعات کے اعتبار سے۔

مسئلہ کیا ہے۔ مسئلہ اصل میں ہے ہمارا دستور اور آئین، پاکستان کے لئے اُسی نظام کو متعین کرتا ہے جو پیغمبر اعظم کی تعلیمات ہیں، جو قرآن وسنت کے ہیں، اس کے مطابق ہے۔ مسئلہ صرف عمل درآمد کا ہے۔ عمل درآمد میں کمی ہے۔ اگر ہم ۱۹۷۳ء کے آئین کی روح کے مطابق عمل کریں، تو آپ کو عدالتوں میں بھی اسلام نظر آئے گا۔ آپ کو بازاروں میں بھی اسلام نظر آئے گا۔ آپ کو بینکوں میں بھی اسلام نظر آئے گا۔ اور یہاں کسی کو بنیادی سہولتوں سے محرومی نظر نہیں آئے گی۔

میرے دوستو! بدقسمتی سے کچھ ہمسایہ ملکوں کی سازشوں کی وجہ سے، دشمنیوں کی وجہ سے، اپنوں اور بیگانوں کی وجہ سے، یہ پاکستان جو اسلامی فلاحی ریاست تھا، بننا تھا اور یہی بنے گا ان شاء اللہ، یہ سکیورٹی سٹیٹ میں تبدیل ہو گیا۔ سکیورٹی سٹیٹ اور فلاحی سٹیٹ میں فرق ہوتا ہے۔ آج ہمیں پھر عزم کرنا ہے کہ ہمیں پاکستان کو اس کے آئین کے مطابق، اس کے بانیوں کے خواب کے مطابق ہم نے پھر اس کو اسلامی فلاحی ریاست بنانا ہے۔ اس میں تعلیم کو عام کرنا ہے۔ اس میں صحت کی سہولتیں دینی ہیں۔ آج پاکستان کے ۶۵ فیصد لوگ غربت کی لکیر سے نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ آج بجلی نہیں، گیس نہیں۔ یہ تمام چیزیں اس لیے کہ ہم نے آئین کے اوپر اس کی روح کے مطابق عمل نہیں کیا۔ آج اگر ہم عزم کریں، علماء بھی، عوام بھی، حکومتی ادارے بھی، سیاسی ادارے بھی۔ اگر ہم اس کے آئینی تقاضوں کے مطابق اس کو لے کر چلیں گے، یہ اسلامی فلاحی ریاست بنے گا۔ تعلیمات نبوی کے مطابق آئین اس کو مل گیا ہے، عمل درآمد کی ضرورت ہے۔ اور میں متوجہ کروں گا وزارت مذہبی امور کو کہ ہماری وفاقی شرعی عدالت کو متحرک کیا جائے۔ ہمارا سپریم کورٹ کا شریعت بینچ ۱۴ماہ سے معطل ہے۔ وہ ابھی تک کمپلیٹ ہی نہیں ہوا۔ اس کو مکمل کیا جائے۔

اور آخر میں جاتے جاتے، دردمندی کے ساتھ دو باتیں عرض کرتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ تعلیمات نبوی، جس کی روشنی میں ہم اپنے ریاستی نظام کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اس تعلیمات نبوی کی مقصد بنا کر تعلیم اگر ہوتی ہے تو ۱۰۰ فیصد اسی کو مقصد بنا کر، تو وہ مدرسے میں ہوتی ہے۔ ہم اپنے مدرسوں کو اس نظر سے نہ دیکھیں جو باہر کی عینک ہم پر لگائی جائے۔ ہم اپنی نظر سے مدرسے کو دیکھیں۔ مدرسہ امن کا پیغام بر ہے۔ مدرسہ سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔ محبت کا پیغام دیتا ہے۔ یہ اسلام کے پیار محبت اور عدل وانصاف پر مبنی نظام کی تعلیم کے سرچشمے کا نام ہے۔ اس کے مرکز کا نام ہے۔ یہیں سے یہ روشنی ملے گی کہ تعلیمات نبوی کیا ہیں۔ ہم ان کی سرپرستی کریں۔ ان کو دیوار کے ساتھ لگانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ پاکستان کی بنیاد کا حصہ ہیں۔ اور بڑی دردمندی کے ساتھ ہاتھ باندھ کر، آپ کے ذریعے دو درخواستیں کرنا چاہتا ہوں۔ وزارت مذہبی امور نے جس خوبصورت انداز میں کانفرنس کی۔ پچھلے چند سالوں میں وہ اہمیت نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ کمی آرہی تھی۔ میں شکرگزار ہوں سردار صاحب کا، حضرت مولانا امین الحسنات صاحب کا، سیکرٹری صاحب کا، ان کی پوری ٹیم کا خاص طور پر کہ آپ نے اس سال کنونشن سنٹر میں منعقد کیا۔ بہت بڑی تعداد میں علماء کرام چاروں صوبوں سے بلائے۔ اس کے بہت سے فائدے ہوتے ہیں، ملاقاتیں محبتیں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ نے پھر



Marfat.com

اس کو اہمیت دی۔ میری درخواست ہو گی کہ آپ اس کو اور زیادہ جتنی اہمیت دے سکیں۔ ہمارے بارہ سال کی پاکستان کی حکومت کی تمام تقریبات میں سب سے اہم تقریب آج کی ہے جو بارہ ربیع الاول کو ہو رہی ہے۔ میں اس پر تحسین بھی پیش کرتا ہوں اور مزید اس کو اہمیت دینے اور مزید شان و شوکت، اور جتنے انعام لے رہے ہیں، میری درخواست ہے کہ آپ ان کو عمرے پر بھیجیں جیسے پہلے بھیجا کرتے تھے۔ اور ایک آپ کے ذریعے، سردار صاحب ہمارے دوست ہیں اور حضرت مولانا امین الحسنات صاحب تو امین ہیں، میں ان کی خدمت میں پورے ہاؤس کی طرف سے، ہو سکتا ہے سب کے دل کی آواز ہو اور یقیناً ہو گی کہ اس اہم ترین تقریب میں وہ ہستی جس کے نام کے صدقے میں آج مجھے اور آپ کو زندگی ملی ہے خدا کی پہچان ملی ہے پاکستان جس کے کلمے کے نام پر ملا ہے، ان کے احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ آج کی اس تقریب میں خود صدر پاکستان یا وزیر اعظم پاکستان ہوتے۔ آج، خاص طور پر میں اس کو تحسین کی نظر سے دیکھتا ہوں ہمارے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب دیوالی کی تقریب میں کراچی تشریف لے گئے، کرسمس کی تقریب میں انہوں نے شرکت کی، یہ ہماری طرف سے اچھا پیغام گیا۔ یہ اُسی قرارداد مقاصد کا حصہ ہے۔ جتنی بھی اقلیتیں ہیں غیر مسلم پاکستان میں رہتے ہیں وہ ہمارے بھائی ہیں۔ ان کی جان و مال، عزت و آبرو کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے۔ اور ہمارا آئین اور ہمارا ملکی نظام ان کو اپنے مذہب پر عمل کی مکمل اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ یہی اسلام کا پیغام ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ وہ ان کی تقریب میں گئے اور ان سے اظہار یکجہتی کیا۔ لیکن وہ اِس تقریب میں بھی آتے تاکہ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے حوالے سے ہونے والی تقریب میں ان کی شرکت پاکستان کے مسلمانوں کیلئے بھی محبت کا ذریعہ بنتی۔

وما علینا الا البلاغ۔



Marfat.com

# خطاب

## جناب ڈاکٹر حافظ محمد منیر الازہری

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم قال اللہ تعالی فی کتابہ الحکیم

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اللھم صل وسلم علی من بعثہ اللہ نبیا و رحمۃ للکون وقال فی شانہ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

اللھم صل وسلم علی من بیّن اللہ تعالی خلق فی الکریم وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

محمد سید الکونین والثقلین — والفریقین من عرب و من عجم

فان من جودک الدنیا وضرتھا — و من علومک علم اللوح والقلم

صاحب صدر

احباب علم ودانش

اور معزز حاضرین وناظرین

مجھ سے پیشتر حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب نے موضوع کے حوالے سے بڑی تفصیلی بات کی۔ اور اُن اصولوں کو بیان کیا جو کسی بھی ریاست کے لیے کسی بھی نظام کے لیے بڑے ضروری ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور اس کی خوشبو پورے جہان میں رچی بسی ہے۔ صرف سیاست کا شعبہ ہی آپ سے مستفید نہیں، بلکہ کائنات کے تمام شعبے آپ سے مستنیر ہیں۔ کائنات ہی کیا، زندگی کے تمام شعبے ہی کیا، بلکہ صبح ومساء بھی آپ کے در سے خیرات طلب کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

رات جب الٹے قدم آتی ہے دیدار کے بعد
چومنے آپ کے قدموں کو سحر جاتی ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے حوالے سے سیاسی نظام میں الیکشن، سلیکشن، نامینیشن کوئی بھی نظام ہو، ہمیں اس کی روشنی ملتی ہے۔ اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام تر نظام ہائے حیات کو اپنانے کی اجازت دی لیکن کچھ شرائط کے ساتھ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت پر اعتماد ہے، اسی تو آپ نے فرمایا: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تجتمع امتی علی الضلالۃ کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔



Marfat.com

آپ نے اپنی امت کو ایک وسعت دی کہ آپ جو بھی نظام چاہیں اپنالیں۔ جمہوریت کا نظام ہو، کوئی اور نظام ہو۔ خلافت کا ہو۔ ملوکیت کا ہو۔ اور تاریخ انسانیت میں یہ سارے نظام ہم آزما چکے ہیں۔ لیکن اس کے لیے چند شروط مقرر فرمادیں۔ اور اس کی روشنی میں ہمیں قرآن اور حدیث سے ملتی ہے۔ کسی بھی نظام کو چلانے کے لیے جس طرح اصول مجھ سے پہلے ذکر کیے گئے ہیں، ان کا خلاصہ، کسی بھی نظامِ حکومت کو بہتر انداز میں آگے بڑھانے کے لیے، پہلی چیز انسانی جان کی حفاظت ضروری ہوا کرتی ہے۔ دستورِ پاکستان میں یہ آرٹیکل مکتوب ہے کہ کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو قرآن وسنت کے مخالف ہو۔ لہٰذا اب ہمارا دستور مکمل طور پر قرآن وحدیث کے سائے میں آگے بڑھ رہا ہے۔ کرنا یہ ہے کہ اس کی اپلیکیشنز اور اس کی عملی صورتیں کیا ہیں۔ تو پہلی صورت یہ ہے کہ انسانی جان کا تحفظ ہو۔ نمبر ۲، انسانی مال کا تحفظ ہو۔ نمبر ۳، انسانی دین کا تحفظ ہو۔ نمبر ۴، انسانی عزت کا تحفظ ہو۔ نمبر ۵، انسانی عقل کا تحفظ ہو۔ عقل کے لیے جب ہم مثال دیتے ہیں، امام شاطبی نے الموافقات کے اندر، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغۃ کے اندر جو مثال دی، وہ شراب کی ہے۔ یا ہر وہ چیز جو عقل کے اندر خلل پیدا کرے، اُس سے انسانی عقل متاثر ہوتی ہے۔ اگر انسانی عقل سلیم نہ ہو، تو معاشرے میں ایک بہتر فرد کی کمی آسکتی ہے۔ اور سٹیٹ کو یا کسی بھی ملک کو ایک ایک فرد کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ

ع ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

تو یہ مثال دی جاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر میں، میں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ ہر وہ لٹریچر ہر وہ فکر جو انسانی عقل کو خراب کرے، اور معاشرے کے لیے نقصان دِہ ہو، اُس فکر کے اوپر اُس لٹریچر کے اوپر پابندی لگنی چاہیئے۔ ایک کمیٹی ہو جو لگاتار مراقبہ کرتی رہے، دیکھتی رہے کہ معاشرے کے اندر کونسی ایسی سوچ آرہی ہے، باہر سے یا اندر سے، جو ہمارے معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ پاکستان، جو کہ اسلامی بنیادوں پر قائم اور دائم ہے اور قیامت تک رہے گا، ایسی فکر کونسی ہے جو ہمارے معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہے؟! ہم اس کی طرف متنبہ ہوں گے، ہماری حکومت متنبہ ہوگی۔ ہم توجہ دلائیں گے انفرادی سطح کے اوپر اور اجتماعی سطح کے اوپر۔ ہم اجتماعی شعور کو اجاگر کرنے کی کوشش کرینگے تاکہ کوئی بھی فکر اور کوئی بھی لٹریچر کوئی بھی تحریر ایسی نہ ہو جس سے پاکستان کی سالمیت کے اوپر کوئی حرف آسکے۔ یہ ایک بہت بڑی بنیادی چیز ہے۔ تو مقاصد شریعت جب تک ریاست کے آئین میں بنیادی درجہ نہ پائیں اُس وقت تک ریاست مکمل نہیں ہوسکتی۔ اب ہمارے دستور میں ہر وہ چیز موجود ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ اس کو نافذ کیسے کیا جائے؟ پہلی صورت، کہ ہم اس کا ہدف مقرر کریں۔ دو سال میں ہم یہ ٹارگٹ حاصل کرینگے، تین سال کے اندر تعلیم کے شعبے میں، روزگار کے وسائل میں، جہالت ختم کرنے میں، دہشت گردی ختم کرنے میں۔ ہم اپنے اہداف مقرر کریں۔ اور جب ہم ہدف مقرر کرینگے ہمارے لیے آسان ہو جائے گا کہ شریعت کو عمدہ طریقے سے نافذ کرنے کی کوشش کرینگے۔ نمبر ۲، کوئی بھی نظام نافذ کرنا ہو اس میں تدریج بہت ضروری ہوا کرتی ہے۔ کوئی بھی نظام یکدم نافذ نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے ماحول تیار کرنا ہوتا ہے۔ لوگوں کی عقول کو تیار کرنا پڑتا ہے۔ ایک مناسب ماحول ہوا کرتا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے نے ایک مرتبہ آپ سے عرض کی: یا ابت



Marfat.com

مالک لاتنفذ الامور مرة واحدة؟ فقال: یابنی لو انفذ الامور جملة فیدفعونه جملة ویکون من ذلک فتنة۔ کہ اے میرے آپ یہ کہتے ہو کہ شریعت کو اور نظام کو ایک مرتبہ نافذ کیوں نہیں کرتے، یکبارگی؟ تو آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے! اگر میں اس نظامِ شریعت کو ایک مرتبہ نافذ کرنے کی کوشش کروں گا تو لوگ اسے رد کر دینگے۔ کیونکہ ان اللہ قد ذم الخمر مرتین وحرّمها فی الثالثة کہ اللہ کی ذات نے دو مرتبہ شراب کی مذمت بیان کی اور تیسری مرتبہ اس کو حرام قرار دیا۔ تو تدریج بہت ضروری ہے۔ پہلے ہم ماحول تیار کریں، آگاہی پیدا کریں، شعور پیدا کریں۔ جہالت کے اندھیروں میں نظام کی روشنی اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ہم پورا ماحول نہ تیار کر دیں۔ نمبر ۳، حکومت پسے ہوئے طبقات کی حوصلہ افزائی بھی کرے۔ اکثر اوقات ہم رورل ایریاز گاؤں اور دیہاتوں میں ہماری حکومت نہیں پہنچ پاتی، جس کی وجہ سے ہمارا ٹیلنٹ ضائع ہو جاتا ہے۔ بہت سے ایسے طلبہ، بہت سے ایسے علماء، مصنفین، لکھاری بالکل پیچھے رہ جاتے ہیں ایک دور دراز علاقے میں رہنے کی وجہ سے۔ ان کا ٹیلنٹ ضائع ہو جاتا ہے۔ حکومت ایک کمیٹی قائم کرے تاکہ ہم اُس ٹیلنٹ کو بھی بچا سکیں جو بڑے اچھے طریقے سے اسلام کے ساتھ محبت کرتا ہے پاکستان کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث بیان کرنا چاہوں گا۔ آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن زید بن حارثة وابنه أسامة: إِنْ كَانَ مِنْ أَحَبِّ النّاسِ إِلَيَّ ﴿یعنی: زیداً﴾، وإن هذا ﴿یعنی: أسامة﴾ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بعدہ کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت زید بن حارثہ اور ان کے بیٹے کے بارے میں فرمایا۔ یہ غلام تھے ان کو آزاد کیا گیا تھا، یہ اُس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو معاشرے کا پسا ہوا طبقہ تھا۔ اور تاریخ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ عرب میں غلاموں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا! ان کو تپتی ریت پہ لٹا دیا جاتا تھا، تپتے انگاروں پہ بٹھایا جاتا تھا، دن بھر کام لیا جاتا تھا، رات بھر چکی پسوائی جاتی تھی۔ لیکن جب حریت کے علمبردار آقائے دوعام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ کی آمد سے غلامی ساری زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ آج یو این او کا چارٹر یہ کہتا ہے کہ غلامی ختم، لیکن میرے نبی رحمت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے چودہ صدیاں پہلے غلامی کی لعنت کو ختم کر دیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر اس دنیا میں میرے بعد کوئی محبوب ترین فرد ہے تو وہ حضرت زید بن حارثہ حضرت اسامہ ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یہ حوصلہ افزائی اپنے غلاموں کے ساتھ، یہ پیغام تھا ایک حاکم وقت کیلیے کہ تم اپنی عوام کے ساتھ اس قدر محبت کرو۔ محبت وہ جذبہ ہے کہ کسی کے اندر یہ چنگاری پیدا کر دی جائے، تو وہ راکھ شعلۂ جوالا بن جایا کرتی ہے۔ ایک گرا ہوا انسان حاکمِ وقت، کوئی وزیر، کوئی ذمہ دار انسان اُس کی تھوڑی سی حوصلہ افزائی کر دے تو وہ آسمانوں سے جا لگتا ہے۔ اُس کا محل عرش پہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُسے تسلی کے دو لفظ مل جاتے ہیں۔ محبت کے دو میٹھے بول مل جاتے ہیں۔ یہ تعلیم ہمیں حضور اکرم علیہ الصلاۃ والسلام سے ملتی ہے۔ ایک اور بڑی اہم بات، کہ ہم جس دور سے گزرے، یہ پچھلی چند دہائیاں، دہشت گردی کی لعنت اور جہالت، جس نے ہمارے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا۔ پاکستان کے تمام طبقات تمام مکاتبِ فکر نے حکومتِ وقت کے ساتھ تعاون کیا، تائید کی کہ ہم دہشت گردی کی لعنت کو ختم کرنے کیلیے حکومتِ وقت کے ساتھ ہیں، فوج کے ساتھ ہیں۔ آج اس کانفرنس کے اندر ہم اس کا اعادہ کرنا



Marfat.com

چاہتے ہیں اور حکومتِ وقت کے ساتھ، فوج کے ساتھ ہم یہ تجدید کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم پہلے آپ کے ساتھ تھے، آج بھی دہشت گردی کی لعنت کو ختم کرنے کیلیے ہم حکومت کے ساتھ اور فوج کے ساتھ ہیں۔ امن بہت ضروری ہے۔ امن کے بغیر تعلیم حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک امن کا دیا روشن نہ ہو، رات کو پڑھا نہیں جاسکتا۔ گولیوں کی تڑتڑ میں بچہ اچھے طریقے سے سوچ نہیں سکتا، استاذ پڑھا نہیں سکتا، مفکر سوچ نہیں سکتا، مسائل حل نہیں ہوسکتے۔ ہر وقت ایمرجنسی کی صورتحال رہتی ہے۔ لہٰذا پہلے امن قائم کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ایک اور بڑی اہم بات، ہمارے ملک میں تین طبقات ہیں۔ ایک عربک میڈیم، دوسرا اردو میڈیم اور تیسرا انگلش میڈیم۔ آج اس کانفرنس میں زیادہ تر وہ حضرات تشریف لائے ہیں جن کا تعلق عربک میڈیم کے ساتھ ہے، اردو میڈیم کے کم افراد محسوس ہو رہے ہیں اور انگلش میڈیم کا طبقہ بالکل مفقود ہے۔ تینوں طبقات اور ان تینوں زبانوں کے اندر مختلف علاقوں میں مختلف مدارس میں کالجز یونیورسٹیز کے اندر تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہ گیپ پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ اور جب ایک طبقے کا آدمی دوسرے طبقے کے پاس سے گزرتا ہے، سلام لینا گوارا نہیں کرتا، مسکرا کر نہیں دیکھتا۔ اور محبت کا پہلا زینہ یہ سلام ہے۔ اگر سلام نہ ہو محبت کیسے پیدا ہو؟! تو تینوں طبقات، چھے دہائیاں گزر گئیں پاکستان کو بنے ہوئے، آج تک ہمارے ارباب فکر یہ فیصلہ نہ کر پائے کہ کس زبان کے اندر تعلیم ہو گی۔ ختم کریں اس بات کو ہم۔ جس زبان کو اولیت دینی ہے، ہم دیدیں۔ اگر ہم نے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانا ہے تو بنالیں، کوئی مسئلہ نہیں۔ عربی سیکھیں، اردو سیکھیں، کوئی مسئلہ نہیں۔ ہمارے علماء کا اور ہمارے مدارس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اگر ہم انگریزی زبان سیکھتے ہیں تو ہم ان کے کلچر سے متاثر ہو جائیں گے، ہم ان کی ثقافت سے متاثر ہوں گے۔ ارے بھائی، ثقافت سے متاثر ہو سکتے ہیں، میں آپ کی فکر کو تسلیم کرتا ہوں، لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے انگریزی زبان سیکھ کر ہم ان کو اپنے کلچر سے متعارف کرواسکیں، اور اپنے کلچر سے متاثر کر سکتے ہیں۔ تو پھر آج ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ انگریزی زبان، یا عربی زبان، یا اردو زبان جو بھی زبان ہو، یک طبقاتی نظام تعلیم ہمیں قائم کرنا ہو گا۔ تاکہ جو لوگ بھی اس نظام تعلیم سے فارغ ہوں اُنہیں پتہ ہو کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔ اور میں مدارس والوں سے یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں، بہت ہو گیا ہم نے مخالفت کرلی۔ لیکن ہمارے مبلغین باہر تبلیغ کرنے جاتے ہیں، یورپ اور امریکہ میں ہم انگریزوں کو مسلمان کرتے ہیں، اگر ہم آج انگریزی زبان کو بھی مسلمان کر دیں تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔

میں بڑا شکر گزار ہوں وزارت مذہبی امور کا اور احباب کا کہ انہوں نے یہ خوبصورت موقع عطا کیا۔ میں آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد — وکل الی ذاک الجمال یشیر

وہ ہر عالم کی رحمت تھے، کسی عالم میں آجاتے
یہ اُن کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔



Marfat.com

# خطاب

## جناب ڈاکٹر یاسین ظفر
## ناظم وفاق المدارس السلفیہ فیصل آباد

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

اما بعد

صدر ذی وقار!

فضیلت مآب علمائے کرام

حضرات وخواتین!

مجھ سے پیشرو محترم جناب قاری محمد حنیف جالندھری صاحب نے بہت ساری دل کی باتیں آپ سے کہہ دی ہیں۔ میں اس کی تائید کے ساتھ چند ایک معروضات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

آپ سب کے علم میں ہے پاکستان اور اسلام لازم وملزوم ہیں۔ اس کی بنیاد میں کم وبیش دس لاکھ افراد کا خون شامل ہے۔ اور ایک خاص نظریے سے ہی ہم نے اس پاکستان کو قائم کیا تھا۔ اگر وہ نظریہ آج ختم کر دیا جائے تو پاکستان کے وجود کو خطرہ ہے۔ اس لیے اس کے تحفظ کے لیے اولین ذمہ داری حکومت کی بنتی ہے کہ وہ نظریۂ پاکستان کی حفاظت بھی کرے۔ آج بہت ساری ایسی زبانیں بہت سارے ایسے کلمے جو علی الاعلان اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور اس بات کا بھی تقاضا کرتے ہیں کہ اس ملک میں شراب خانے کھولے جائیں، نائٹ کلب کھولے جائیں، اور اس طرح کی اور ضروریات کو عام کیا جائے۔ میں یہ سمجھتا ہوں، یہ صحیح ہے کہ جمہوری نظام نے اظہار رائے کی آزادی کا ہمیں موقع دیا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ آزادی تعلیمات نبوی ہی کے تابع ہونی چاہیئے۔ میں یہاں یہ بھی عرض کروں کہ تعلیمات نبوی کی روشنی میں، اگر ہم اپنی پسند کی کوئی حکومت بناتے ہیں اور ممبران اسمبلی ہم منتخب کر کے بھیجتے ہیں، یہ بڑی عجیب بات ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس جماعت اور اپنے اس منشور ہی کا پابند ہو کے رہ جاتا ہے۔ جبکہ اسمبلی میں جا کے اُسے آزادئ اظہار کا موقع نہیں دیا جاتا۔ وہ کبھی بھی حکومت کی پالیسی سے، جو حکومت بنتی ہے جو پارٹی بنتی ہے، اس کی پالیسی سے باہر نکل بات نہیں کر سکتا۔ جبکہ یہ بات تعلیمات نبوی کے منافی ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے یہ پچھلے دنوں جب دہشتگردی کے خلاف قومی ایکشن پلان بنا تو اس کو صرف مذہب کے ساتھ ہی محدود کر دیا گیا۔ اگر تعلیمات نبوی کے اوپر عمل کیا جاتا اور یہ تمام چیزیں پیش نظر رہتیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ لسانی وہ سیاسی وہ علاقائی دہشت گردی کو اس میں شامل کیوں نہیں کیا گیا؟ چونکہ وہ سیاسی جماعت ہے، وہ ممبران اسمبلی اس بات کے پابند تھے کہ وہ صرف اور صرف حکومت کی اُس پالیسی کے تابع ہو کر رہ گئے۔



Marfat.com

حضرات گرامی!

میں یہاں یہ بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت کی بنیادی اور جمہوری حکومت کی کوششوں سے ہی کچھ عدالتوں کو آزادی نصیب ہوئی۔ ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات اعلیٰ عدالتوں کی حد تک تو کی جاسکتی ہے، لیکن اگر آپ نچلی عدالتوں تک اس کا مشاہدہ کریں، ان کچہریوں میں جا کر دیکھیں جہاں ہزاروں لوگ روزانہ صبح سویرے آتے ہیں اور شام ڈھلے منہ لٹکائے گھروں کو چلے جاتے ہیں اور جنہیں انصاف میسر نہیں آتا۔ میرے نزدیک تعلیمات نبوی کی روشنی میں اولین ذمہ داری حکومت کی یہ بنتی ہے، جمہوری حکومت کی بنتی ہے کہ وہ لوگوں کو سستا اور ان کی دہلیز پر ہی انصاف فراہم کرے۔ اور کوئی شخص اس طرح سے ان عدالتوں میں ذلیل ورسوا نہ ہو۔

میں آپ کی وساطت سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہوں کہ جتنے بھی اسمبلی کے ممبران ہیں، ان کو سیرت کا مطالعہ لازمی قرار دیا جائے تاکہ وہ تعلیمات نبوی سے آگاہ ہوسکیں۔ اس لیے کہ جب تک وہ تعلیمات نبوی سے آگاہ نہیں ہوں گے وہ اچھے اور برے کی تمیز نہیں کرسکیں گے۔ سفیان بن عیینہ نے یہ فرمایا ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو المیزان الاکبر تعرض الاشیاء علیہ ان وافقھا فھو مقبول وان خالفھا فھو مردود۔ وہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی کام کوئی بھی چیز اگر آپ اس کے مقبول اور غیر مقبول ہونے کو دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر پیش کیا جائے۔ اگر وہ سیرت کے عین مطابق ہے اُسے آپ قبول کریں وہ صحیح ہے، اگر وہ اس کی مخالفت میں ہے تو وہ مردود ہے اس کو آپ رد کردیں۔ اور اسمبلیوں میں چونکہ فیصلے ہوتے ہیں اور ان کے پاس ہی ساری کارروائی ہوتی ہے، لہٰذا ان کا سیرت کے بارے میں علم ناقص نہیں ہونا چاہیئے۔ کچھ کریں یا نہ کریں لیکن ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں آپ سیرت کی ایک کتاب تھمادیں اور وہ اس کا مطالعہ کریں، اُسی کی روشنی میں وہ باقی فیصلے کریں۔

میں امید اور توقع رکھتا ہوں کہ میری اس تجویز جناب محترم سردار محمد یوسف صاحب خود عمل کروائیں گے۔ اور اس کے ساتھ میں شکر گزار ہوں وزارت کا بھی، جنہوں نے بہت ہی اچھا اہتمام کیا ہے۔ اور قاری صاحب کی اس تجویز کے ساتھ بھی اتفاق کرتا ہوں کہ وہ ان تمام افراد کو، یہ منتخب لوگ ہیں پورے پاکستان سے چند لوگ جو آپ کی مقالہ نگاری میں حصہ لیتے ہیں، سیرت کی کتابیں لکھتے ہیں، اگر آپ ان کو حرمین شریفین کی زیارت کرادیں تو ان کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے ہیں تو میں اتحاد تنظیمات کی جانب سے، پانچ وفاق اس میں شامل ہیں اگرچہ میں نے ان سے مشورہ نہیں کیا، لیکن ہم پانچ ٹکٹ دینے کیلیے تیار ہیں۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ۔



Marfat.com

# خطاب

## سید نیاز حسین نقوی

### نائب صدر وفاق المدارس الشیعہ

اعوذ باللہ من الشیطان اللعین الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

سب سے پہلے ماہ ربیع الاول اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اس مہینے میں، اس کا ہدیۂ تبریک حاضرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور اسی طرح صدرِ مجلس، مفتی اعظم ترکی اور دیگر بزرگان، جناب امین الحسنات صاحب یہاں تشریف فرما ہیں، سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مجلس اور اس محفل کو برپا کیا۔ حق تو یہی ہے یہ کائنات پیغمبر اکرم کے صدقے میں بنی ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ زیادہ زیادہ اس مہینے میں اس حوالے سے جشن مناسکیں، مختلف شہروں میں، مختلف دیہاتوں میں، مختلف مساجد میں محافل میں۔ جس طرح یہاں سیرت نبوی کو منایا جارہا ہے، پورے ملک میں اسی وسعت سے منائی جائے۔

موضوع کے حوالے سے گفتگو ہو چکی۔ کچھ دوستوں نے گفتگو کی ہے۔ موضوع جو یہاں لکھا ہوا ہے وہ ہے "پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں"۔ اگر یہاں سیاسی کے ساتھ لفظ "اسلامی" کا بھی ساتھ اضافہ کر دیتے تو میرے خیال میں بہت بہتر تھا، کیونکہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ لیکن بہر حال میں اضافہ کر دیتا ہوں "جمہوری سیاسی اسلامی نظام"۔ جناب محترم محمد حنیف جالندھری صاحب اور مولانا یاسین ظفر صاحب نے اپنے مطالب بیان کیے ہیں۔ علماء نے دس سے تیس شرائط حکومت اسلامی کی، تعلیمات نبوی کی روشنی میں بیان کی ہیں۔ مختلف کتابوں میں وہ موجود ہیں۔ میں اُس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، کیونکہ میرے حنیف جالندھری صاحب نے آٹھ دس خصوصیات بیان کی ہیں۔ میں اُن میں سے چند ایک آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی چیز جو ضروری ہے ایک ملک میں تعلیمات نبوی کی روشنی، وہ ہے فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ○ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔ قرآن مجید میں بھی ان دو عناوین کا ذکر آیا ہے۔ امن وامان ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی بہت اہمیت ہے، تعلیمات نبوی کی روشنی میں، کہ ملک میں امن وامان قائم ہونا چاہیئے۔ آپ سارے کام ملک میں کرلیں لیکن امن وامان نہ ہوں تو وہ سارے کے سارے تحت الشعا چلے جاتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں آپ اپنے دفتر نہ جاسکیں، اپنے گھر نہ جاسکیں، اپنے ادارے میں نہ بیٹھ سکیں، اپنی مسجد میں نماز آسانی سے نہ پڑھ سکیں، اپنی مجلس نہ کرا سکیں، اپنے امام بارگاہوں میں نہ جاسکیں، تو پھر باقی کام اگر آپ کر بھی لیں تو سارے کے سارے ناقص رہ جاتے ہیں۔ جب تک امن وامان اس ملک میں نہ ہوں۔ تو الحمد للہ یہ قرآن مجید میں، میں نے یہ دو عنوان الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔ اب تو خدا کی بھی، لوگ اس کی عبادت کرتے ہیں کہ جو اقتصادی لحاظ سے لوگوں سے مسائل حل ہوں اور لوگ امن وامان اور حفاظت میں ہوں۔ تو الحمد للہ اس وقت ہماری فوج اور ہماری حکومت جو ہے وہ اس کوشش میں ہیں، اور کافی حد تک وہ کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔ ان شاء اللہ تعلیمات نبوی کو مد نظر رکھتے ہوئے امن وامان قائم کریں، نہ یہ کہ جس طرح ہمارے ان صوبوں میں اور مختلف جگہوں پر لسٹیں بنی ہوئی ہیں پورے ملک میں بیس تیس سال سے، وہ



Marfat.com

لوگ مر بھی رہے لیکن امن وامان کے حوالے سے ان کے نام لسٹوں میں ہیں کہ ان کو پکڑ کر جیل میں ڈالا جائے حالانکہ وہ بے چارے میں قبر میں ہیں۔ تو امن وامان اس طرح قائم ہو کہ بالکل تاکید ہو کہ دیکھیں نا امنی پھیلا رہا ہے۔ یا یہ کہنا کہ پاکستان میں مدارس دینیہ نا امنی پھیلا رہے، کبھی مسجد کبھی منبر کبھی یہ۔ اگر کوئی واقعی مسجد میں نا امنی پھیلا تا ہے، کوئی منبر پہ نا امنی پھیلا تا ہے، کسی کی گفتگو ایسی ہے، کسی امام بار گاہ میں ہے، کسی مدرسے میں ہے، تو ہم نے، اتحاد تنظیمات مدارس نے ہمیشہ یہ کہا ہوا ہے کہ حکومت کو حق حاصل ہے کہ جہاں جو شخص جس لباس میں ہو اگر نا امنی پھیلا تا ہے تو ہم حکومت کے ساتھ کھڑے ہیں، اُس شخص کے ساتھ نہیں ہیں۔ لیکن عدل وانصاف ہونا چاہیئے۔ حکومتِ اسلامی اور تعلیمات اسلامی میں سب سے مہم چیز عدل وانصاف ہے۔ عدل وانصاف کا معنی یہ ہے کہ تاکید کریں دیکھیں جو شخص واقعتاً مجرم ہو اس کو پکڑیں، نہ یہ کہ مجرم میں ملک میں اسی طرح پھر رہے ہوں اور آپ کچھ بعنوان جرم پکڑ لیں۔ تو ان شاء اللہ حکومت امن وامان قائم کرنے میں کامیاب، ہے بھی اس وقت، ہماری فوج ماشاء اللہ خدا نے اس کو کامیاب عطا کی ہے، مزید میں دعا کرتا ہوں ان شاء اللہ ہماری فوج اس ملک میں حتماً امن وامان قائم کرے۔

دوسرا عنوان اقتصادیات ہے۔ لوگوں کی غربت ختم ہونی چاہیئے۔ اسلام اس لیے نہیں آیا کہ امیروں کو غریب بنائے۔ اسلام آیا ہے کہ غریبوں کو امیر بنائے۔ ہر غریب آدمی، ملک سے فقر دور ہونا چاہیئے۔ اگر ملک میں فقر ہو گا تو پھر فقر کے ساتھ دہشتگردی بھی ہو گی۔ کہتے ہیں الفقر کفر۔ پھر سارے کے سارے مسائل ہونگے۔ تو اس سلسلے میں بھی حکومت کو کوشش کرنی چاہیئے۔ تعلیمات نبوی میں سب سے زیادہ اہمیت جو ہے لوگوں کے رزق وروزی اور اقتصادیات کی اصلاح پر ہے۔ ان شاء اللہ حکومت یہ اصلاحات کر رہی ہے اور ضرور کریگی۔

تیسری چیز ہے فرائض دینیہ۔ حکومت کی ذمہ داری ہے احکام اور فرائض دینیہ اس ملک میں، نمازیں فقط مولوی کا کام نہیں ہے، مسجد میں جانا فقط علماء کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے۔ کہ اس کی مسجدیں، اس میں رہنے والے لوگ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا معنی ہی یہ ہے کہ لوگوں کو اچھے کاموں کی ترغیب دلائی جائے، احکام خداوندی سب سے زیادہ اولویت رکھتے ہیں، ان کی ترغیب دلانا، ان کے بارے میں کوشش کرنا، ارشاد، ہدایت یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ نہ یہ کہ ہمارے ملک میں قرآن اذان تو لاؤڈ سپیکر سے نہیں دی جاسکتی، ہماری مسجد میں نماز کیلئے لاؤڈ سپیکر استعمال نہیں ہو سکتا، مجلس کیلئے استعمال نہیں ہو سکتا، گانوں کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ گلی میں ہر برائی کے لیے لاؤڈ سپیکر کی اجازت ہے، صرف مسجدوں میں پابندی ہے کہ آپ لاؤڈ سپیکر جو ہے وہ مشکل ہے آپ کے لیے۔ تو یہ فرائض واحکام کا معنی یہ ہے کہ، ہاں اگر کسی مسجد میں کوئی مولوی خراب ہے، امام ٹھیک نہیں ہے، اس کی اصلاح کریں، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ لاؤڈ سپیکر بند کر دیں مسجدیں بند کر دیں مسجدوں میں مشکل پیدا کر دیں۔ بلکہ آپ کی ذمہ داری ہے احکام اور فرائض دینی، نماز ہے روزہ ہے حج ہے زکوٰۃ ہے، ان میں تسہیلات پیدا کرنا۔ اور مجھے امید ہے کہ حکومت حتماً، خصوصاً وزارت مذہبی امور جو ہے اور پیر امین الحسنات صاحب خود اہل علم ہیں، ایسے کام کہ جن سے فرائض دینیہ میں اب لوگ مسجدوں میں نہ جائینگے، ہم جتنی سختی مدارس پہ ہو رہی ہے جتنی سختی مساجد پہ ہو رہی ہے، یہ تعلیمات اسلامی اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے اس کے موافق نہیں ہے۔ تو لِذا ہمیں چاہیئے کہ تعلیمات اسلامی کے مطابق وہ چیزیں جو جائز ہیں جو حق ہیں جو ہماری ذمہ داری ہے اس کو ہم



Marfat.com

ضرور انجام دیں جو برائیاں ہیں ان کو ہم روکیں۔ لیکن صورت حال اس وقت بر عکس ہے، ہر برائی کیلئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال ہے لیکن دینی کاموں کے لیے پابندی لگائی جارہی ہے۔ توان شاء اللہ اس پر بھی ضرور توجہ دلائیں گے۔

میرے بھائی مولانا یاسین ظفر صاحب فرمارہے تھے کہ پارلیمنٹ کے ارکان ایسے ہونے چاہئیں۔ پارلیمنٹ کے ارکان تو بعد کی بات ہے، خود حکومت کا ڈھانچا، حکومت کی کابینہ حکومت کے وزیر سارے کے سارے ایسے ہونے چاہئیں کہ جن کو پتہ ہو کہ تعلیمات نبوی ہیں کیا، عدلیہ کو پتہ ہو تعلیمات نبوی کیا ہیں، وزیر کو پتہ ہو تعلیمات نبوی کیا ہیں۔ ایک اسلامی حکومت میں، اسلامی حکومت ہے وہ جس کو پتہ ہو تعلیمات نبوی کیا ہیں۔ اگر آج کے وزیر کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنا نہیں آتا آج کے وزیر کو قرآن نہیں آتا آج کے وزراء کو حدیثیں نہیں آتیں، تو پھر کہیں گے کہ یہ تعلیمات نبوی ہیں تو وہ کیسے تعلیمات نبوی پر عمل کرے گا؟! تعلیمات نبویہ پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ پہلے تعلیمات نبویہ سے واقف ہو، تعلیمات نبویہ کو جانتا ہو، پھر تعلیمات نبویہ کا پرچار اس ملک میں ہوگا۔ تو مجھے امید ہے کہ حتماً کابینہ ایسی ہونی چاہیئے جو کاردان ہو، ایسے لوگوں کو لگایا جائے۔ اس لیے نہیں کہ یہ وزیر میری حزب سے ہے میری پارٹی سے ہے اگرچہ اس میں وہ صلاحیت نہ بھی ہو اس کام کی۔ کاردان کا معنی یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلامی حکومت میں حق حکومت اس شخص کو حاصل ہے جو صلاحیت رکھتا ہو اس عہدے کی۔ عہدہ بھی کو اس کو دیں جو اس کام کو جانتا ہو، اگر مجھ مولوی کو آپ ایسے کام پہ لگادیں جس کو میں جانتا نہیں ہوں تو میں نے اس کو کیسے انجام دینا ہے؟! تو ضروری یہ ہے کہ آپ کی کابینہ کاردان ہونی چاہیئے، صالح ہونی چاہیئے، دیندار ہونی چاہیئے، متدین ہونی چاہیئے تو تب یہ تعلیمات نبوی کے متعلق آپ عمل کرسکتے ہیں۔

آخری بات بیت المال ہے۔ بیت المال جو ہے وہ بھی ایسے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے جو صحیح معنوں میں تعلیمات نبوی سے واقف ہوں اور صحیح معنوں میں، آپ کے پاس موجود ہے کہ حضرت امیر المومنین نے اپنے دور حکومت میں جب بھائی ان کے آئے بیت المال سے حصہ لینے کے لیے تو حضرت نے ان کو ان کا حصہ دیا، انہوں نے اپیل میں کہا کہ مولا یہ تو کم ہے میرے بچے زیادہ ہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ تو بازار میں چوری کر لوگوں کا مال، کہنے لگا کہ مولا مجھے کہہ رہے ہیں کہ بازار میں چوری کروں؟! تو حضرت نے فرمایا کہ جب بیت المال سے زیادہ لے جاؤ گے تو یہ پوری امت کی چوری ہوگی، باہر سے چوری کرو گے وہ ایک شخص کی چوری ہوگی۔ تو بیت المال کی اصلاح، بیت المال ان ہاتھوں میں ہونا چاہیئے کہ جو تعلیمات نبوی کے مترادف عمل کریں۔

اور آخری بات احقاقِ حقوق ہے۔ مظلوم کی حمایت اور ظالم سے مقابلہ کرنا۔ اس کے لیے میری یہ خواہش ہے، جیسے کہ جالندھری صاحب ماشاء اللہ کافی سیاسی مسائل میں چلے گئے تھے، میں بھی ایک سیاسی نقطہ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلامی حکومت کا حق ہے دنیا میں جہاں جہاں لوگوں پر ظلم ہورہا ہے، وہ یمن میں ظلم ہورہا ہے اس کی بھی حفاظت کرے، وہ بحرین میں اگر ظلم ہورہا ہے اس کی بھی حفاظت کرے، وہ شام میں ظلم ہورہا ہے۔ حکومتوں کی حمایت کرنا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ مظلوم عوام کی پوری دنیا میں حمایت کرنا یہ تعلیمات نبوی میں شامل ہے۔

وما علینا الا البلاغ۔



Marfat.com

# خطاب

## ڈاکٹر رحیم یاران
## مفتی اعظم ترکی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی ھو اسوۃ حسنۃ للمسلمین والذی لا یزال یقوی الروابط بین المسلمین حتی بمناسۃ مولدہ الشریف علیہ افضل التحیات وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔ وبعد

جناب سردار محمد یوسف صاحب، وفاقی وزیر، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

جناب پیر امین الحسنات شاہ صاحب، وزیر مملکت، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

حاضرین کرام

سب سے پہلے آپ سب کا شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو مسلمانوں مزید محبت ومودت اور عالمی امن کے قیام کی طرف بہترین پیشرفت بنائے۔

بھائیو اور بہنو!

یہ میرا اخلاقی فرض ہے کہ میں آپ حضرات کو ترک مسلمانوں کے برادرانہ محبت بھرے جذبات پہنچاؤں جو انہوں نے آپ سب کیلیے اور آپ کی حکومت کیلیے تحفۃً بھیجے ہیں۔ ترک قوم اس امداد اور احسانات کو نہیں بھول سکتی جو اس خطے کے مسلمانوں نے تقریباً سو سال قبل عثمانی حکومت کے دور میں ترکی کی سرزمین پر قبضہ کرنے والوں کے خلاف جدوجہد کے سلسلے میں ترکی قوم کو بہم پہنچائے۔ پاکستانی قوم ایک بہادر قوم ہے، یہ ایک مجاہد قوم ہے اور اس کی ایک عظیم تہذیب ہے۔ اور اسلامی علوم کے اہتمام کی وجہ سے عظیم علماء شعراء ادباء بڑے لیڈر اور علم والے خاندان پیدا ہوئے۔

حاضرین گرامی!

اسلام ام القریٰ مکہ مکرمہ میں فاران کی چوٹیوں پر اترا تو دنیا ظلم وعدوان کی چکی میں پس رہی تھی۔ جیسا کہ آج اس دنیا کو گلوبل ویلیج کہا جاتا ہے۔ رسالت اسلام کی آمد کے وقت رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ صرف صحابہ کرام کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور مکہ مکرمہ جو کہ ظلم کا شہر تھا اس کو پُر امن شہر بنا دیا۔ کیونکہ آپ رسولِ امن وسلامتی تھے۔ آپ اللہ پر ایمان کے شاہکار تھے۔ اپنے دین میں مخلص تھے۔ اس کی نصیحت کرنے والے تھے۔ اور اللہ پر توکل کرنے والے تھے۔ تو آپ نے لوگوں سے ظلم وعدوان کو ختم کیا۔ اس طرح اللہ کریم نے آپ کے



Marfat.com

ذریعے سے مکہ مکرمہ کی حالت کو بدل ڈالا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو بدل نہ دیں۔

بہنو اور بھائیو!

اسلام سب سے اہم چیز جو لایا ہے، وہ ایسے اصول ہیں جو لوگوں کو امن وسلامتی اور عدل کی فراہمی کی ضامن ہیں۔ ہر چھوٹے اور بڑے معاشرے کو امن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

آج ہم ہر مرحلے میں امن وامان کے محتاج ہیں۔ خاندان سے لے کر حکومت کی سطح، عالمی تنظیموں سے لے کر اقوام متحدہ تک۔ اسلام دشمنوں سے بھی عدل کا حکم دیتا ہے۔ سورہ مائدہ آیت ۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (اے ایمان والو! اللہ کے لیے گواہ اور عدل قائم کرنے والے ہو جاؤ۔ تمہیں کسی کی دشمنی ظلم پر آمادہ نہ کرے، بلکہ یہ عدل قریب تقویٰ ہے)۔ پھر ارشاد باری ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (کسی کی دشمنی تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روکنے کی وجہ سے اس بات پر آمادہ اور مجبور نہ کرے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو، بلکہ نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو اور گناہ اور عدوان پر تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، بیشک وہ شدید عذاب کا مالک ہے)۔

مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکنے سے بڑا گناہ زیادتی اور دشمنی اور کیا ہو سکتی ہے؟ وہ بیت اللہ جو لوگوں کے لیے اللہ کا پہلا گھر بنایا گیا ہے۔ تو پھر آج یہ دشمنی، بغض اور زیادتی کیوں ہے؟! مسلمان آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟! دشمنوں کے ساتھ متحد اور آپس میں بجنگ آمد! کیا یہ ارشاد نبوی نہیں ہے "میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو"؟! کیوں آج مسلمان اپنے بھائی پر رحم نہیں کرتا؟! حتیٰ کہ کافر کے مقابلے میں بھی، جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تو آج یہ کون اشداء ہیں جو معصوم مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور ان کے گھر برباد کرتے ہیں؟! مثلاً شام میں شہداء کی تعداد ۴ لاکھ ہو گئی ہے۔ جن لوگوں نے اپنے گھربار چھوڑ دیئے۔ یہ کس کے ڈر سے چھوڑے ہیں؟ کیا ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ "مؤمن وہ ہے جس سے لوگوں کی جان واموال محفوظ ہوں"۔ کیا یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں؟ بحر ابیض متوسط میں کتنے لوگ غرق ہو چکے ہیں، جو یورپ کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ یہ لوگ کن لوگوں سے بھاگ رہے ہیں؟ اور کس کی پناہ لینا چاہتے ہیں؟ کیا یہ مسئلہ مسلمانوں کے لیے عار وشنار کا باعث نہیں ہے؟!

عزیز اور پیارے مؤمن بھائیو!

مسلمان کے اندر رحمت کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔ اس صفت کریمہ کے متصف ہونے سے مسلمان، مسلمان ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کریم کی صفت ہے۔ ہم ہر اہم کام سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہیں،



Marfat.com

جس میں ان دو صفاتِ رحمت کا ذکر ہے۔ اسی طرح ہر نماز کی ابتداء میں بھی ہم ان صفات کو ذکر کرتے ہیں، الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم۔ بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اس لیے آپ اپنے آس پاس کے لوگوں کیلیے رحیم وکریم تھے۔ آپ کے رحیم وکریم ہونے پر سب سے بڑی دلیل یہ آیت کریمہ ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ اس لیے ہر معاشرے کے سربراہ کو لازم ہے کہ وہ رحمت کا پیکر ہو۔

حاضرین گرامی!

رحمت کا تقاضا عفو ودرگزر ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم درگزر فرمانے والے تھے۔ اللہ کریم نے آیت کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا فَاعْفُ عَنْهُمْ۔ درگزر اصل میں معزز وخبیر لوگوں کی صفت ہے۔ آپ نے فتح کے موقع پر شکست خوردہ لوگوں سے فرمایا تھا: اے قریش اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور تکبر اور اپنے آباء پر فخر کو ختم کر دیا ہے۔ لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ پھر آپ نے فرمایا اے معاشر قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ ۵۹:۱۲ تو سب نے کہا: خیر کا سلوک۔ آپ بھی کریم ہیں اور آپ کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ فرمایا: جاؤ، تم سب آزاد ہو۔ اور آپ نے سب کو معاف فرما دیا۔

حاضرین کرام!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کیلیے استغفار فرمایا کرتے تھے۔ اپنے رب تعالیٰ سے مخلص تھے۔ اس لیے فرمایا کہ دین تو صرف نصیحت کا نام ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے، عام مسلمانوں کے لیے اور مسلمان حکمرانوں کے لیے۔ آج مسلمانوں کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے نصیحت۔ اور جو اللہ کا مخلص ہو وہ کیسے اس کی آیات کی ایسی تفسیر کر سکتا ہے جو اللہ کا مقصود نہ ہو؟! اور آیاتِ قرآنیہ کو انتشار، دہشتگردی اور مسلمانوں کے مابین خوفناک معرکوں کا ذریعہ بنا سکتا ہے؟! ایک مسلمان کیسے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کر سکتا ہے؟!

معزز حاضرین، علمائے کرام، بہنو اور بھائیو!

ایک چیز جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سیاست سے جدا نہیں ہو سکتی، وہ شوریٰ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم پر مستقیم تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہونے کے باوجود اپنی امت سے مشورہ فرماتے تھے۔ اور پھر جب آپ کی رائے اور عزم ثابت ہو جاتے تو اللہ پر توکل کرتے اور پھر کسی اور کی بات کی ملتفت نہ ہوتے۔

معزز خواتین وحضرات!

میں اپنی گفتگو کو زیادہ طویل نہیں کروں گا۔ میری پوری گزارشات کا خلاصہ اگر کیا جائے، تو وہ اس ہو گا کہ



Marfat.com

اللہ کا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچائی والا، امت سے در گزر کرنے والا، شاہد و مبشر و نذیر اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا سراج منیر تھا جس نے ہمارے سامنے سیدھے راستے کو روشن کر دیا۔ آپ سخی تھے، آسان امر کو اختیار کرنے والے جبکہ وہ گناہ نہ ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو آپ سب سے زیادہ اس سے بچنے والے تھے۔

آج ہم سیرت طیبہ کے کتنے محتاج ہیں۔ اور پوری دنیا آپ کی رسالت کے جاننے کی فکری محتاج ہے۔ لیکن صد افسوس مسلمان خود آپ کی پہچان میں رکاوٹ ہیں۔ دشمنانِ اسلام منظم اور مرتب کوششوں سے دنیا کو اسلام اور اصول اسلام سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اور بعض مسلمان بھی دانستہ یا نادانستہ ان کے مددگار بن جاتے ہیں۔

گرامی قدر حاضرین کرام!

سب سے پہلے تو ہم مسلمانوں کو اسلام کی طرف لوٹنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے اخلاق حمیدہ پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کے لیے نئے تعلیمی پروگرام ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر اسلامی تعلیمات کی جو کوشش ہے۔

اور آخر میں، میں آپ کے لیے نیکی اور تقویٰ کیلیے دعا گو ہوں۔ اور جناب سردار محمد یوسف صاحب کا شکر گزار ہوں اور ان کی ٹیم کا، جس نے اس کانفرنس کا اہتمام کیا۔ اور آپ سب حضرات کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے بڑے اچھے طریقے سے میری گفتگو کو سماعت فرمایا۔

میں آخر میں، ترکی کے مذہبی امور کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر محمد گورمز کی طرف سے آپ سب حضرات کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں۔ اور ترک مسلمانوں کا سلام، پاکستان اور پاکستانی قوم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جن سے ہمارے سارے ترک کے قوم لوگ محبت کرتے ہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔



Marfat.com

Marfat.com

# (ج)

# مقالات

## (مرد حضرات)



Marfat.com

Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

محمد خبیب*

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ اسلامی ریاست میں رہنے والے باسیوں کو اپنے معاملات کا تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں جائزہ لینا اہم ذمہ داری ہے، کیوں کہ "فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ" کے تحت اتباعِ نبویؐ سے ہی رضائے الٰہی ممکن ہے۔ تعلیماتِ نبویؐ کی ضوفشانی ہی میں اس دھرتی پر امن وسکون اور حفظ وایمان کے ساتھ زندگی بسر کی جاسکتی ہے، کیوں کہ سیرت نبوی اس عالم میں اللہ تعالیٰ کی مراد کے عین مطابق اسلامی تعلیمات کی عملی تشکیل کی زندہ تصویر ہے اور اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق عالم بشریت کے تمام احوال اور علاقہ جات سے مطابقت رکھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی میں ہر انسان کے لیے زندگی کی روشن راہیں نمایاں ہوتی ہیں جو انسانیت کے ہر پہلو کی نمائندگی کرتی ہیں اور اس کا ہر عمل انسانیت کے اعلیٰ تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی منشا تھی کہ انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سرگرم ہوں اور آپؐ کی سیرت کو وتیرہ بنا کر بطور قائد، سیاستدان، راہ نما، حکمران، قاضی و منصف اور عام معاشی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی زندگی میں آپؐ کی راہِ عمل میں راہی بنیں، کیوں کہ آپؐ کے اخلاقِ عالیہ ہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ سیرت کے نمائندہ ہیں اور یہی اخلاقِ عالیہ ایک مسلمان کے لیے اسوہ اور قابلِ اتباع نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ فرمانِ ربانی ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" یعنی سیرتِ طیبہؐ ہی وہ آئینہ ہے، جسے دیکھ کر انسان اپنے اخلاق سنوار سکتا ہے اور آپنے لیے اوجِ کمال کی پسندیدہ راہیں منتخب کر سکتا ہے۔ بقول شاعر:

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اِک کملی والےؐ نے بتا دیا چند اشاروں میں

قیامِ پاکستان کی بنیاد اسلام کا عملی نفاذ تھا، اسی وجہ سے شروع دن سے ہی نفاذِ اسلام کی آواز قومی آواز بن کر سامنے آتی رہی، مختلف حکومتوں نے پاکستان کو مکمل اسلامی جمہوری ریاست بنانے کی کوشش کی تاکہ قیامِ پاکستان کے مقاصد حتی المقدور حاصل کیے جاسکیں۔ اس وجہ سے موضوع "پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ:

* پی ایچ ڈی سکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور



Marfat.com

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں "نہایت اہم موضوع ہے۔ لہٰذا مقالہ ہذا میں تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں پاکستان کے مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ لیا گیا ہے اور مزید بہتری کے لیے قابلِ عمل تجاویز و سفارشات پیش کی گئی ہیں تا کہ پاکستان کے اساسی مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔

## جمہوریت کا مفہوم

مجتمع اور تہہ بہ تہہ ریت کے وسیع میدان کو اور کسی بھی چیز کے ہر بڑے حصے کو "جمہور" کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے انسانوں میں ممتاز اور نمایاں افراد یا ان کی اکثریت جمہوریت کہلاتی ہے۔ لسان العرب کے مطابق جمہور کا معنی و مفہوم یوں ہے: الجُمْهورُ الرَّمْلُ الْكَثِيرُ الْمُتَرَاكِمُ الْوَاسِعُ؛ هِيَ الرَّمْلَةُ الْمُشْرِفَةُ عَلَى مَا حَوْلَهَا الْمُجْتَمِعَةُ۔ والجُمْهورُ والجُمْهورَةُ مِنَ الرَّمْلِ۔ وجُمْهورُ كُلِّ شَيْءٍ: معظمُه۔ وجُمْهورُ النَّاسِ: جُلُّهم۔ وجَماهيرُ القَوْمِ: أَشرافهم۔ وجَمْهَرْتُ القومَ إذا جَمَعْتَهُمْ، وجَمْهَرْتُ الشَّيْءَ إذا جَمَعْتَه۔ (۱) دائرۃ المعارف میں جمہوریت کی وضاحت یوں ہے: جمهورية: ديمقراطية، وهي ما تكون بيد أكثر الأهالي۔ (۲) لوئیس معلوف اس طرح رقمطراز ہیں: الأمة أو الدولة يعين زعيمها لوقت محدود لا بالتوارث بل بانتخاب جمهور الأمة۔ (۳)

اہل مغرب نے لفظِ جمہوریت یونانی لفظ "ڈیموکریسی" سے لیا ہے۔ Democracy دو الفاظ Demoe اور Cratos کا مرکب ہے۔ Demos کے معنی لوگ اور Crators کے معنی ہیں حکومت یا طاقت۔ ڈیموکریسی کا مطلب یہ ہوا: عوام کے لیے، عوام کے ذریعے، عوام کی حکومت۔ یعنی جمہوریت سے مراد ایک ایسا نظام حکومت جس میں تمام اختیارات عوام کے ہاتھ میں ہوں۔ David Held کے نزدیک جمہوریت بادشاہت اور اشرافیہ کے برعکس ایسا نظامِ حکومت ہے جس میں لوگ خود حاکم ہوں۔ (۴) Rolybius کے نزدیک جمہوری حکومت معاشرہ کے تمام افراد کی آئینہ دار ہوتی ہے اور لوگ خود تحفظِ حقوق کے قابل ہوتے ہیں۔ (۵)

## سیاست کا مفہوم

سیاست ریاست پر حکومت کرنے کا ایک فن ہے، یعنی یہ ان بنیادی اصول کا علم ہے جن پر حکومتیں قائم ہوتی ہیں اور جو حکومت اور شہریوں کے تعلقات اور بیرونی ریاستوں کے ساتھ روابط کی حدود مقرر کرتے ہیں، جیسا کہ الموسوعۃ الکبیرۃ میں ہے: "فن حكم الدولة اودراسة المبادئ التي تقوم عليها الحكومات والتي تحدد علاقاتها بالمواطنين وبالدول الاخرى"۔ (۶) انسائیکلوپیڈیا مذہب و اخلاق کے مطابق سیاست سے مراد نظم و نسق حکومت ہے۔ (۷)

## مغربی جمہوری سیاسی نظام

آج کل دنیا میں جمہوری طرز حکومت، انتخابی جمہوریت کی ایک شکل میں موجود ہے جو خاص طور پر مغرب کی نشاۃ جدیدہ یعنی سولہویں صدی عیسوی کے بعد کے دور میں معرضِ وجود میں آیا۔ یہ طرز حکومت مغرب نے قدیم مطلق العنان بادشاہت کے رد عمل میں عوام الناس کی طاقت کے اظہار کے طور پر اپنایا۔ لہٰذا جدید یورپ کا پسندیدہ



Marfat.com

طرز حکومت بنیادی طور پر جمہوریت کا ایک مغربی ماڈل ہے جو لبرل ڈیموکریسی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

لبرل ڈیموکریسی کی اصطلاح، بیسوی صدی کے آخر میں عام ہوئی۔ اشتراکی فلسفے کے تصور، سماجی جمہوریت کے مقابلے میں ایسی جمہوریت کو لبرل جمہوریت قرار دیا گیا ہے جس کے تحت کسی ریاستی آئین میں افرادِ معاشرہ کے انفرادی حقوق کی ضمانت مہیا کی گئی ہو۔ نظام حکومت، بھلے صدارتی ہو (جیسے امریکہ میں)، پارلیمانی ہو (جیسے بھارت میں) یا آئینی بادشاہت (جیسے برطانیہ میں)۔ فرد کی آزادی محفوظ ہے اور اس کے انفرادی حقوق کی ضمانت میسر ہے، تو ایسی جمہوریت لبرل ڈیموکریسی کہلائے گی۔(۸)

مغرب کا جمہوری نظام تین اصولوں پر مبنی ہے:

☆ حکومت و معاشرت کے اجتماعی شعبوں میں مذہب کا کوئی دخل نہیں اور مذہب خالصتاً ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔

☆ دستور و قانون کی تشکیل خالصتاً عوام کا حق ہے اور ان کے منتخب نمائندے جو بھی طے کر لیں۔ وہی دستور اور قانون ہے۔ وہ اپنے منصوبوں یا قانون سازی میں آسمانی تعلیمات یا کسی قسم کی خارجی ہدایات کے پابند نہیں ہیں۔

☆ حکومت کی تشکیل اور اس کی بقا عوام کی رائے اور مرضی پر موقوف ہے اور عوام کی مرضی یا قبولیت کے بغیر قائم ہونے والی کوئی حکومت جائز حکومت نہیں ہے۔(۹)

## اقتدارِ اعلیٰ، آئین ریاست اور جمہوری سیاسی نظام کی تشکیل قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم کے عطا کردہ جمہوری سیاسی نظام کی روشنی میں ہی سیرت طیبہ سے راہنمائی لے کر پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ لے سکیں گے۔ قرآن کریم یقیناً ایک ایسی کتاب ہدایت ہے جو جامع، مکمل اور مفصل پیغامِ ربانی ہے اور انسان کی دنیاوی زندگی کی کامیابی اور اخروی زندگی کی فلاح کی ضامن ہے۔ قرآن کریم کا منشاء جمہوری سیاسی نظام کا قیام ہے۔ جس پر اس کتاب کا نزول ہوا، اس ہستی نے تاریخ انسانی کا اولین تحریری دستور میثاق مدینہ کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور خود ایک مثالی ریاست کی بنیاد رکھی، پھر ان کے تربیت یافتہ خلفاء ایک منفرد حکومت قائم کر کے دنیا بھر کی فتوحات اور تسخیر کے لیے قافلہ در قافلہ نکلے۔ بادشاہانِ وقت کے ساتھ خارجی روابط اور دعوتِ اسلام کے لیے سفراء و رسائل ارسال کیے۔ امت کو بالخصوص اور عالمِ انسانیت کو بالعموم اصولِ حکمرانی تلقین فرمائے۔ فرش کی بوریا نشینی اور روح کی عرش نشینی کو یکجا کیا۔ بندگان خدا کی بھلائی کا سامان اسی طرز حکمرانی اور نظریہ سیاست میں مضمر ہے۔ اس طرز حکمرانی میں حکمران راتوں کو جاگتے اور عوام آرام کی نیند سوتے ہیں۔ یہاں حکومت ایک کڑی آزمائش، دنیا و آخرت میں زبردست جوابدہی اور عوام کی خدمت متصور ہوتی ہے۔(۱۰)

اللہ تعالیٰ کو خاص فرمانروائی کا حق حاصل ہے اور وہی ذات اقتدارِ اعلیٰ کی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
"اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ" (۱۱) (اللہ کے علاوہ کسی کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہیں ہے) "فَالۡحُکۡمُ لِلّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡکَبِیۡرِ" (۱۲)



Marfat.com

(پس حقیقی حکم تو اللہ کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے) اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں، وہ بلا شرکت غیرے کائنات کا حاکم و مقتدر ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: "لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ" (۱۳) حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلے کریں ورنہ وہ اللہ کے نافرمان ٹھہریں گے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: "وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ" (۱۴) اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت میں رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری لازمی قرار دی ہے (۱۵) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو گویا اپنی اطاعت قرار دیا ہے (۱۶) لہٰذا ریاست کے ستونِ ثلاثہ میں سے کسی کو بھی خلافِ سنتِ رسول قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ (۱۷) یعنی آئین و قانون کے بنیادی اصول اقتدارِ اعلیٰ کی طرف سے ہوں گے اور اس کی عملی صورت رسولِ خدا تجویز کریں گے۔ ارشادِ خداوندی ہے: "اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ" (۱۸) یعنی اقتدارِ اعلیٰ کی طرف سے آئین و قانون کے بنیادی اصولوں کے مطابق آئین سازی کا مکمل اختیار آپؐ کو حاصل تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ" (۱۹) یعنی اقتدارِ اعلیٰ کی طرف سے حکمرانی اللہ کے رسول کو حاصل ہے اور آج تک جو بھی حکمران ہو گا وہ اللہ کے رسول کا نائب بن کر حکومت کرے گا، جسے آئین و قانون کے بنیادی اصول و ضوابط سے روگردانی کا حق حاصل نہیں ہو گا، کیوں کہ فرمانِ الٰہی ہے: "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" (۲۰)

ارشادِ ربانی: "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (۲۱) اور "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" (۲۲) کی روشنی میں مشاورت اسلامی طرزِ زندگی کا ایک اہم ستون ہے اور مشورہ کے بغیر اجتماعی کام چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ اللہ کے مقرر کردہ ضابطے کی صریح خلاف ورزی ہے۔ (۲۳) حکومت کی تشکیل سے لے کر لوگوں کے معاملات، حقوق اور تمام امور بلاواسطہ یا بالواسطہ منتخب نمائندوں کے مشورہ سے انجام دیئے جائیں، کیوں کہ تشکیلِ حکومت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو سونپی ہے۔ فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا" (۲۴) (مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو۔) اور جن کو مسلمان اقتدار سونپ دیں، ان کی ذمہ داریاں ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ" (۲۵) مسلمان جس کو اپنا امیر، خلیفہ یا صدر چن لیں تو اس کی اطاعت ضروری ہے۔ فرمان الٰہی ہے: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا" (۲۶) (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحبِ امیر ہوں۔ پھر اگر کسی معاملے میں تمہارے درمیان نزاع ہو تو اس اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف پھیرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر، یہ بہتر ہے اور بلحاظ انجام بھی اچھا ہے۔)



Marfat.com

## مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں جائزہ

### پاکستانی مروّجہ جمہوری سیاسی نظام میں تشکیلِ حکومت اور تعلیماتِ نبویؐ

پاکستان میں رائج الوقت قانون ۱۹۷۳ء کا آئین ہے۔ جس کے مطابق پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے اور ۱۹۷۳ء کے آئین کا اطلاق درج ذیل علاقوں پر ہے: ☆ بلوچستان، خیبر پختونخواہ، پنجاب اور سندھ۔ ☆ اسلام آباد کا علاقہ دارالحکومت کے نام سے موسوم ہے۔ ☆ وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقے۔ ☆ وہ تمام ریاستیں اور علاقے جو اس وقت پاکستان میں موجود ہیں یا جنہیں پاکستان میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ خواہ یہ شمول بصورت الحاق ہو کسی اور طریق سے۔(۲۷) اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہو گا۔(۲۸) ہر شہری کو، خواہ وہ کسی جگہ بھی ہو، قانون کی حفاظت کے دائرے میں رہنے اور قانون کے مطابق سلوک کا حق ہے اور یہ حق انتقال ہے۔(۲۹)

پاکستانی مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کے تحت اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سربراہ صدر مملکت ہو گا جو مملکت کے اتحاد کا نمائندہ ہو گا۔(۳۰) ہر صوبے کا ایک گورنر ہو گا، جس کا تقرر صدر مملکت وزیر اعظم کے مشورے سے کرے گا۔(۳۱) پارلیمانی نظام حکومت میں اختیارات کا سرچشمہ، انتظامیہ کا سربراہ اور قوم کا قائد وزیر اعظم ہو گا۔(۳۲) صوبائی حکومت وزیر اعلیٰ اور دوسرے صوبائی وزراء پر مشتمل ہو گی اور یہ حکومت وزیر اعلیٰ کے ذریعے اپنے فرائض سر انجام دے گی۔(۳۳) پارلیمنٹ دو ایوانوں میں پر مشتمل ہو گی: اول قومی اسمبلی اور دوم سینٹ۔(۳۴) اسمبلیوں کے انتخابات منعقد کروانے کے لیے الیکشن کمیشن کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ جس کا چیئرمین الیکشن کمشنر ہو گا۔ جس کا تقرر صدر مملکت کرے گا۔ الیکشن کمیشن کا یہ بنیادی فرض ہو گا کہ وہ انتخابات منعقد کروانے کے لیے ضروری انتظامات کروائے گا اور وہ اس امر کی ضمانت دے، تاکہ انتخابات منصفانہ، غیر جانبدارانہ اور قانون کے مطابق ہوں۔(۳۵)

اسلام کے نظام مشاورت کا دوسرا نام جمہوریت ہے۔ مروجہ جمہوریت کی پیدائش سے صدیوں پہلے مسلم علماء اور محققین کی تصانیف میں جمہور کی اصطلاح مستعمل چلی آرہی ہے۔ اسلام حکومت کی تشکیل میں عامۃ الناس کی رائے کو بنیاد تسلیم کرتا ہے اور حکومت کے لیے عوام کے اعتماد کو ضروری قرار دیتا ہے۔ آج کے دور میں مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کی رائج صورت ووٹ ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کسی نائب یا خلیفہ کا انتخاب نہیں فرمایا لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق ارشادات موجود تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عامۃ الناس کی رائے سے چنا گیا۔(۳۶)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جمہوریت کا یہ فلسفہ سراسر کفر ہے کہ سوسائٹی اپنی حکمران خود ہے۔ سوسائٹی کی اکثریت اپنے لیے جو قانون بھی طے کرلے وہی حرف آخر ہے اور وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات پر عمل اختیاری چیز ہے کہ سوسائٹی ان میں سے جس حکم کو چاہے قبول کرلے اور جسے چاہے نظر انداز کر دے، مگر وحی الٰہی کے دائرے اور آسمانی تعلیمات کی پابندی کو قبول کرتے ہوئے اس کی حدود کے اندر سوسائٹی اپنی حکومت کی تشکیل اور روزمرہ کے امور طے کرنے کے لیے باہمی مشاورت کی بنیاد پر ووٹ کا طریقہ اختیار کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ



Marfat.com

آج کے دور میں اُن معاملات میں جن میں شریعت اسلامیہ "عوامی رائے" کے حق کو تسلیم کرتی ہے، عام لوگوں کی رائے معلوم کرنے کا صحیح اور منظم طریقہ ووٹ ہی ہے، بشرطیکہ وہ صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے۔ (۳۷)

ووٹ کے ذریعے رائے دہی کے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح دلائل ملتے ہیں۔ جیسا کہ واضح حکم کی غیر موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وَعَنْ عَلِیِّ قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُولَ اللہ، إِنْ نَزَلَ بِنَا أَمْرٌ لَیْسَ فِیہِ بَیَانُ أَمْرٍ وَلَا نَہیٍ، فَمَا تَأْمُرُنِی؟ قَالَ: "شَاوِرُوا فِیہِ الْفُقَہَاءَ وَالْعَابِدِینَ، وَلَا تَمْضُوا فِیہِ رَأْیَ خَاصَّۃٍ" (۳۸) (حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہمیں کسی معاملے میں امر و نہی نہ ملے تو آپ ہمیں کیا حکم صادر فرماتے ہیں۔ آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عبادت گزار ماہرین شریعت سے مشورہ کر لیا کرو اور اپنی خاص انفرادی رائے اختیار نہ کرو۔") آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے کہ مشورہ ضروری ہے اور آج تشکیل حکومت کے لیے بالغ رائے دہی اسی مشورہ کی جدید شکل ہے۔ جیسے مزید بہتر نتائج کیلئے تعلیم یافتہ بالغ رائے دہی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مقام پر فرمایا: "مَاشَقِیَ قَطُّ عَبْدٌ بِمَشُورَۃٍ وَمَاسَعِدَ بِاسْتِغْنَاءِ رَأْیٍ" (۳۹) (مشورہ کرنے والا شخص کبھی بھی شقی، بدبخت اور حق سے محروم نہیں ہوتا اور اپنی رائے کو کافی سمجھنے والا شخص کبھی بھی خوش بخت اور سعید نہیں ہو سکتا۔)

حضرت عائشہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتی ہیں: "مَا رَأَیْتُ رَجُلًا أَکْثَرَ اسْتِشَارَۃً لِلرِّجَالِ مِنْ رَسُولِ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" (۴۰) (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لوگوں سے مشورہ کرنے والا شخص نہیں دیکھا۔)

حضرت ابو ھریرۃؓ کی بیان کردہ روایت سے درج بالا موقف میں مزید نکھار پیدا ہو جاتا ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِذَا کَانَ أُمَرَاؤُکُمْ خِیَارَکُمْ، وَأَغْنِیَاؤُکُمْ سُمَحَاءَکُمْ، وَأُمُورُکُمْ شُورَی بَیْنَکُمْ فَظَہْرُ الأَرْضِ خَیْرٌ لَکُمْ مِنْ بَطْنِہَا" (۴۱) (جب تمہارے حکمران تمہارے بہترین لوگ ہوں اور تمہارے غنی لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے کیے جاتے ہوں تو تمہارے لیے زمین کے اوپر رہنا زمین کے پیٹ میں رہنے سے بہتر ہے۔)

اس حدیث میں عزت و آرام کی زندگی کے لیے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا اور یہی تین چیزیں اسلامی ریاست اور صالح معاشرے کی بنیادی شرطیں ہیں: صالح قیادت، غریبوں کی کفالت اور شورائیت (۴۲) یعنی ملوکیت اور آمریت شقاوت اور بدنصیبی کا راستہ ہے اور شورائیت سعادت اور خوش نصیبی کا راستہ ہے۔ (۴۳) شورائیت حکم شرعی ہے اور مجلس شوریٰ کی تشکیل کا طریقہ ان مباحاتِ اصلیہ اور مصالح مرسلہ میں سے ہے جن میں شریعت نے ہم کو آزادی دی ہے کہ حالات کے مطابق جو طریقہ مناسب سمجھیں اختیار کر سکتے ہیں اور موجودہ دور میں قوم کا اعتماد حاصل کرنے کا موثر ترین طریقہ یہی ہے کہ ووٹ کے ذریعے اس قومی ادارے کی تشکیل کی جائے (۴۴) اگر نامزدگی کے لیے ووٹنگ کے بغیر مجلس شوریٰ کی تشکیل جائز بھی ہو، پھر بھی موجودہ دور میں اس کی وجہ سے آمریت اور



Marfat.com

استبدادی نظام کا دروازہ کھلنے کا شدید خطرہ ہے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ جیسے حکمرانوں کے نامزد کردہ افراد کو تو مسلمان اپنے نمائندے تسلیم کرنے پر بآسانی آمادہ ہوسکتے ہیں لیکن دور حاضر میں ایسا حکمران ملنا مشکل ہے جس کے نامزد کردہ افراد پر قوم متفق اور مطمئن ہوسکے اور قوم کے اطمینان اور شرح صدر کے بغیر نامزد کردہ افراد "اہل الحل والعقد" کہلانے کے مستحق نہیں ہوسکتے اور ان کے فیصلوں کو اطمینان کے ساتھ قوم تسلیم بھی نہیں کرسکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان خطرات سے بچنے کے لیے ووٹنگ کے ذریعے ہی قومی اسمبلی کی تشکیل کی جائے۔ لوگ جب یہ محسوس کریں گے کہ مجلس شوریٰ ان کی منتخب کردہ ہے تو ان کے اندر ریاست کے معاملات میں احساسِ شرکت پیدا ہوگا اور قومی وحدت کو استحکام نصیب ہوگا۔ (۴۵)

## پاکستانی مروّجہ جمہوری سیاسی نظام اور عہد نبویؐ کا نظامِ شورائیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ شورائی نظام ایک جمہوری نظام تھا جس کے تحت حکومت خدمت اور امانت ہے۔ "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (۴۶) اور "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" (۴۷) کے احکامِ خداوند انسانت تک پہنچانے والے نے اپنی مثالی ریاست قائم کرکے ان کی عملی تعبیر و تفسیر فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بطور رسول ہر بات ماننا جزوِ ایمان تھا اور اعراض و انکار کفر تھا۔ مگر آپ ساتھ ساتھ قائد و سپہ سالارِ امت اور سربراہِ حکومت بھی تھے، چنانچہ احکامِ خداوند کی تفصیل کے علاوہ باقی ہر معاملے میں ریاست مدینہ کا ہر خاص و عام شہری مکمل طور پر آزاد اور خود مختار تھا اور عہد نبوی کے نظامِ مشاورت میں برابر کا شریک تھا۔ (۴۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اہم مسئلے کے متعلق فیصلہ کرتے وقت عام و خواص کو شریکِ مشورہ کرتے اور صائب رائے اور مفید مشورہ قبول فرماتے اور اس پر عمل کرتے بلکہ بعض اوقات اپنی صائب رائے جسے اصحاب حل و عقائد کی تائید بھی حاصل ہوتی تھی، ترک فرمادیتے تھے اور اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے کا اعلان فرمایا جاتا تھا۔ مکہ میں دارارقم اور مدینہ میں مسجد نبوی کو دارالشوریٰ یا اسمبلی ہال کی حیثیت حاصل تھی۔ اجتماع کی منادی کی جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے اور آزادانہ اظہار خیال کے لیے مجلس مشاورت منعقد ہوتی۔ قاصد، سفیر، قاضی اور گورنر کے تقرر اور روانہ کرنے اور سالارانِ لشکر کو مہمات پر بھیجنے کے متعلق مجالس مشاورت منعقد ہوتی اور اکثریت کی رائے پر عمل ہوتا، چنانچہ بدر، اُحد، خندق اور صلح حدیبیہ کے مواقع پر عہد نبوی کے نظام مشاورت کے عملی مناظر اسلام کے حقیقی جمہوری نظام حکمرانی کو پوری آب و تاب کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (۴۹)

نظامِ شورائیت کی اصل روح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: "مَنْ أَشَارَ عَلٰى أَخِيهِ بِأَمْرٍ يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ" (۵۰) (جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسی بات کا مشورہ دیا جس کے متعلق وہ خود جانتا ہو کہ صحیح بات دوسری ہے تو اس نے دراصل اس کے ساتھ خیانت کی۔)

یہ حکم نہایت وسیع الفاظ میں ہے اور اس میں شوریٰ کی کوئی خاص شکل معین نہیں کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ



Marfat.com

ہے کہ اسلام کے احکام ساری دنیا کے لیے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ اگر شوریٰ کا کوئی خاص طریقہ مقرر کر دیا جاتا تو وہ عالمگیر اور ابدی نہ ہو سکتا تھا۔ شوریٰ براہ راست تمام لوگوں سے ہو یا لوگوں کے نمائندوں سے؟ نمائندے عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوں یا خواص کے ووٹوں سے؟ انتخاب مملکت گیر ہو یا صرف صدر مقام میں؟ انتخاب الیکشن کی صورت میں ہو یا ایسے لوگ لیے جائیں جن کی نمائندہ حیثیت معلوم و معروف ہو؟ مجلس شوریٰ ایک ایوانی ہو یا دو ایوانی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا ایک جواب ہر سوسائٹی اور ہر تمدن کے لیے یکساں موزوں نہیں ہو سکتا۔ ان کے جواب کی مختلف صورتیں مختلف حالات کے لیے ہو سکتی ہیں اور حالات کی تبدیلی سے نئی نئی صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے ان امور کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔ نہ کسی خاص شکل کا تعین کیا ہے اور نہ ہی کسی خاص شکل کو ممنوع ہی قرار دیا ہے۔ البتہ اصولاً اوپر کی آیت اور اس کی توضیح کرنے والی احادیث میں تین باتیں لازم کر دی گئی ہیں:
(الف) مسلمانوں کا کوئی اجتماعی کام مشورے کے بغیر انجام نہیں پانا چاہیے۔ یہ چیز ملوکیت کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ اس لیے حکومت کے معاملات میں سب سے اہم معاملہ تو خود رئیس حکومت کا تقرر ہے۔ (ب) معاملہ جن لوگوں کے اجتماعی کام سے متعلق ہو ان سب کو مشورے میں شریک ہونا چاہیے، خواہ وہ براہِ راست شریک ہوں یا اپنے معتمد علیہ نمائندوں کے واسطے سے شریک ہوں۔ (ج) مشورہ آزادانہ، بے لاگ اور مخلصانہ ہونا چاہیے۔ دباؤ اور لالچ کے تحت ووٹ یا مشورہ لینا دراصل مشورہ نہ لینے کا ہم معنی ہے۔

لہٰذا انتخابات کا ایسا نظام تجویز کیا جانا چاہیے جس سے پوری قوم شریک مشورہ ہو سکے اور اس میں ان اسباب کا سدباب ہونا چاہیے جن کے زیر اثر عوام سے یا ان کے نمائندوں سے خوف یا لالچ یا فریب کے تحت رائے لینا ممکن ہو۔ (۵۱)

اسی طرح فرمان خداوندی "اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا" (۵۲) کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس حکومت، وزراء، اہل شوریٰ اور حکّام کے انتخاب کے متعلق ارشاد فرمایا: "خِيَارُ أَئِمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ" (۵۳) "تمہارے بہترین سردار وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور جن کو تم دعا دو اور وہ تمہیں دعا دیں اور تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں اور جن پر تم لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔"

اسلام میں منصب قیادت و حکومت کا دارومدار صرف اہلیت و صلاحیت پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ، وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ فَاسْمَعُوا لَهُ، وَأَطِيعُوا مَا أَقَامَ لَكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ" (۵۴) (اے لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اگر ایک ناک کٹے حبشی غلام کو بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تب بھی اس کی سنو اور اطاعت کرو، بشرطیکہ وہ تمہارے سیاسی نظام میں کتاب اللہ کو نافذ کرے۔)

امام قرطبیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شورائی نظام کے پس منظر کے طور پر ایک نہایت ہی اہم اور



Marfat.com

دلچسپ نکتہ بیان کیا ہے کہ حضرت مقاتل، قتادہ اور ربیع کی روایت کے مطابق عرب کے شرفاء اور سردار انِ قبائل میں جمہوری روایات اس قدر پختہ تھیں کہ ایک دوسرے کو اعتماد میں لینا اور شریک مشورہ کرنا نہ صرف یہ کہ ایک رواج بن چکا تھا بلکہ اسے فخر و اعزاز تصور کیا جاتا تھا۔ اہم امور میں شریک مشورہ نہ کرنا اور باہمی اعتماد کی فضا پیدا نہ کرنا ایک نہایت ہی ناگوار بات تھی۔ احترام و حریت اور مساوات کی علمبر دار شریعت کو اس معاشرہ میں نازل کرنے میں یہی حکمت تھی کہ شاہ پرست اور فرعونیت و نمرودیت زدہ معاشروں میں شورائی جمہوری شریعت نازل کرنے کی بجائے مشاورت و مساوات کے حامل عرب معاشرہ کو اولین مخاطب بنایا گیا۔(۵۵)

امام قرطبیؒ نے حکم ربانی "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" (۵۶) کی تشریح کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ عرب کی اس شورائی جمہوری روایت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھیوں کو شریک مشورہ کرنے اور انہیں اعتماد میں لینے کا حکم دیا کیونکہ اس سے جذبہ ہمدردی بیدا ہوتا ہے۔ دلی جذباتِ رقابت صاف ہو جاتے ہیں اور سینوں کا غبار نکل جاتا ہے، ایک عجب سی مٹھاس اور خوشگوار کیفیت جنم لیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سلوک صحابہ کرامؓ کے لیے عزت افزائی اور اعتماد پختہ کرنے کا باعث ہوتا تھا۔(۵۷)

حضورؐ کا فرمان ہے کہ: "وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ" (۵۸) (جس نے مشورہ لیا وہ کبھی نادم نہ ہوگا۔) اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی: "اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَن" (۵۹) (جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔)
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "إِنَّهُ سَتَكُونُ بَعْدِي أُمَرَاءُ مَنْ صَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَأَعَانَهُمْ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْه" (۶۰) (میرے بعد کچھ ایسے لوگ حکمران ہونے والے ہیں کہ جو شخص ان کے جھوٹ میں ان کی تائید کرے اور ان کے ظلم میں انکی مدد کرے، وہ مجھ سے نہیں اور میں اس سے نہیں۔)

لہٰذا تشکیل حکومت میں ہر فرد سے مشورہ لینا نہایت ضروری ہے جس کی پاکستان میں مروجہ شکل ووٹ ہے اور پھر ہر ووٹر کی حیثیت امانتدار کی ہے۔ امانت میں خیانت قبیح جرم ہے بعینہ مشورہ اور ووٹ میں خیانت کرنا بھی قومی و ملی جرم ہے۔ نیز ظالم کو ووٹ دینا غداری کی مترادف ہوگا اور الیکشن میں حصہ نہ بننا اور ووٹ کاسٹ نہ کرنا بھی جرم متصور ہوگا کیونکہ اس طرح برے لوگوں کے صاحب اقتدار ہو جانے کا احتمال بڑھ جاتا ہے۔

## پاکستانی مروّجہ جمہوری سیاسی نظام میں امیدوار، ووٹر اور گننے و تولنے کا فلسفہ: تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں

عام طور پر جمہوری سیاسی نظام کے متعلق بقول اقبالؒ یہ فلسفہ پیش کیا جاتا ہے:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

بظاہر یہ اعتراض بہت وزنی معلوم ہوتا ہے، لیکن عملی نقطہ نظر سے مساوات انسانی کے اصول کی بنیاد پر ہر



Marfat.com

بالغ شہری کو رائے دہندگی کے برابر حقوق دیناہی قرینِ انصاف ہے۔ جہاں تک ذہین اور دانشور افراد سے استفادہ کا تعلق ہے وہ جمہوریت کے نظام میں اپنے افکار اور خیالات کو عوام تک پہنچا سکتے ہیں اور ان کو صحیح اور اچھی بات پر قائل کر سکتے ہیں۔ رائے عامہ درحقیقت اہلِ علم و اہلِ شعور طبقوں کے خیالات و آراء کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دانش مند اور فقیہ قسم کے لوگ اپنی آراء کی صداقت پھیلا سکتے ہیں، رائے عامہ کو گمراہ ہونے سے بچا سکتے ہیں بلکہ باشعور معاشرہ میں کسی رائے کے صائب ہونے اور قومی احساسات و روایات کے ترجمان ہونے کا عملی ثبوت بھی یہ ہوتا ہے کہ عوام کی اکثریت اس کی صحت کو تسلیم کر کے اپنالیتی ہے۔(۶۱)

یہاں اس حقیقت سے بھی صرفِ نظر نہیں ہو سکتا کہ اسلام عام آدمی کی رائے سے اہلِ علم و تقویٰ کی رائے کو زیادہ وقعت دیتا ہے۔ (۶۲) اہم معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف خاص اصحاب سے مشورہ کرتے تھے۔ اس لیے مملکت اسلامیہ میں اگر اصحاب الرائے موجود ہوں جو پاکستان کے موجودہ جمہوری سیاسی نظام میں پارلیمنٹ کے ارکان ہو سکتے ہیں، تو ان کے نقطہ نظر کو عام شہریوں کی نسبت زیادہ اہمیت دینی چاہیے اور مملکت کے اہم ترین اور خفیہ معاملات میں صرف ان سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام کو عام ملکی امور میں رائے زنی کا دستوری حق حاصل ہونا چاہیے تاکہ اس طرح اصحاب الرائے عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر اعلیٰ اداروں میں آئیں اور حسب ضرورت اپنی قیمتی آراء سے قوم وملک کی خدمت کریں۔(۶۳)

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ملاحظہ فرمائیں جو آپ نے حضرات شیخین ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے متعلق ارشاد فرمایا: "لَواجتمعتمافِی مشورۃ مَاخالفتکما" (۶۴) (اگر تم دونوں مشورہ میں یک رائے ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہ کروں گا۔) یہ ہے سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شورائی جمہوری سیاست کہ مجلس شوریٰ روشن دل و دماغ پر مشتمل تھی۔ بعض امورِ مشورہ مجلسِ شوریٰ عمومی اور بعض مجلس شوریٰ خصوصی سے متعلق ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مجلس شوریٰ خصوصی کے متعلق ہے۔ نمائندوں کے چناؤں کے لیے مجلس شوریٰ عمومی کی ضرورت ہے لیکن جب نمائندے منتخب ہو جائیں تو پھر یہ نمائندے مجلس شوریٰ خصوصی کہلاتے ہیں، لیکن یہ چناؤ عوام کی ذمہ داری ہے اور عوام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح ہدایت فرمائی "اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ" (۶۵) چنانچہ ایسے لوگوں کو چنا جائے جو بہترین ہوں۔ یہ امانت اور ذمہ داری عوام اسی کے کندھوں پر ڈالیں جو اسے اٹھانے کی سکت رکھتا ہو، نیک اور پارسا شخص ہو جو خدمات کا جذبہ رکھتا ہو، ورنہ اللہ، رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہو گی۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں: "مَنِ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِنْ عِصَابَةٍ وَفِي تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هوَ أَرْضَى لِلّٰهِ مِنْه فَقَدْ خَانَ اللّٰه وخَانَ رَسُولَه وخَانَ الْمُؤْمِنِينَ" (۶۶) (جس شخص نے کسی جماعت پر کسی شخص کو مقرر کیا جبکہ اس جماعت میں اللہ کو اس سے زیادہ راضی کرنے والا شخص موجود ہو تو اس نے اللہ، اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سامنے رکھیں جس میں ووٹ لینے والا آتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کا اہل تصور نہیں کرتے تو جواب دے دیتے ہیں: "عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰه، أَلَا



Marfat.com

تَسْتَعْمِلُنِی؟ قَالَ: فَضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی مَنْکِبِی، ثُمَّ قَالَ: یَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّکَ ضَعِیفٌ، وَإِنَّھَا أَمَانَۃٌ، وَإِنَّھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ خِزْیٌ وَنَدَامَۃٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَھَا بِحَقِّھَا، وَأَدَّی الَّذِی عَلَیْہِ فِیھَا" (٦٧) (حضرت ابو ذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضا کیا کہ مجھے عامل (گورنر) بنایا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ابوذر تم کمزور ہو اور یہ امانت ہے جو روزِ قیامت ندامت کا باعث ہو گی مگر جس نے اس کی ذمہ داریوں کو نبا ہا اور اس کے پورے حقوق ادا کیے۔)

یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ صرف وہی آدمی بطور امیدوار سامنے آئے جو اپنے آپ کو اس کا اہل تصور کرتا ہے اور لوگ متعدد امیدواروں میں سے صرف اس کا چناؤ کریں جو واقعی اس منصب کا اہل ہو۔ لالچی اور حریص امیدواروں کو رد کر دیں جو خدمت کا جذبہ نہ رکھتے ہوں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرے دو چچازاد بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! اللہ عزّوجل نے آپ کو جو حکومت بخشی ہے، اس کے ایک حصے پر ہمیں حاکم بنا دیجیے۔ پھر دوسرے نے بھی ایسی ہی بات کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: "إِنَّا وَاللّٰہِ لَا نُوَلِّی عَلٰی ھٰذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَہٗ، وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَیْہِ" (٦٨) (اللہ کی قسم! ہم کسی ایسے آدمی کو حاکم نہیں بناتے جو خود اس کو مانگے اور حریص ہو۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کو رد کر دیا جس میں لالچ اور حرص کی بُو دیکھی۔

درج بالا موقف کے ساتھ حضرت ابو ھریرہؓ کا فرمان بھی ملاحظہ کریں، جس کے مطابق منصب کی طلب کوئی بری بات نہیں بشرطیکہ وہ خود اس کا اہل ہو، خدمت کا جذبہ رکھتا ہو، لالچی اور حریص نہ ہو، کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے مسلمانوں کی قضا کا منصب طلب کیا اور اس کو پالیا، پھر اگر اس کا انصاف ظلم پر غالب رہا تو اس کے لیے جنت ہے اور اگر اس کا ظلم انصاف پر غالب رہا تو اس کے لیے جہنم ہے۔" (٦٩)

درج بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی پارٹی کی طرف سے نامزد امیدوار آئین کی ٦٢ ور ٦٣ شق پر صحیح معنوں میں پورا اترتا ہو، خدمت کا جذبہ رکھتا ہو، لالچی اور حریص نہ ہو، دینی اور دنیاوی علوم سے واقفیت رکھتا ہو۔ اسی طرح ووٹر اپنے ووٹ کاسٹ کرتے ہوئے ایسے ہی حوصلہ مند، جرأت مند اور خوفِ خدا رکھنے والے امیدوار کا انتخاب کریں۔ ذاتی فوائد کی بجائے قومی و ملّی فوائد کو ترجیح دیں۔ اہلِ علم و دانش کی بھی ذمہ داری ہے اس سلسلے میں عام مسلمانوں کو تعلیماتِ نبویہ سے آگاہ کریں، پھر ہی سہی جمہوری معاشرہ پروان چڑھ سکتا ہے اور صحیح معنوں میں پاکستان کا سیاسی نظام اسلامی جمہوری سیاسی نظام کہلا سکتا ہے، جس میں تمام بالغ تعلیم یافتہ شریکِ مشورہ ہوں، ورنہ آج کل آدھے ووٹ بھی کاسٹ نہیں ہوتے اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد ووٹ کاسٹ نہ کر کے مروّجہ جمہوری سیاسی نظام سے کنارہ کشی اختیار کرتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ گننے اور نہ تولنے کے فلسفے کو مات دی جائے اور بالغ رائے دہی کی بجائے، سمجھ دار تعلیم یافتہ بالغ رائے دہی کا استعمال کیا جائے اور ووٹ کاسٹ نہ کرنا قومی، ملّی، اخلاقی و مذہبی جرم قرار دیا جائے۔



Marfat.com

## مروّجہ جمہوری نظام میں ووٹ کاسٹنگ؛ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں

پاکستان کے مروّجہ جمہوری سیاسی نظام میں ایک حکومت حکمرانی کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ اس حکومت کی مجالسِ شوریٰ کے لیے ہر علاقے سے ممبر قومی اسمبلی اور ممبر صوبائی اسمبلی کا چناؤ ہوتا ہے۔ اس چناؤ کے لیے بالغ رائے دہی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر بالغ جس کا قومی شناختی کارڈ اور ووٹ بنی ہو، وہ ایک امیدوار برائے ممبر قومی اسمبلی اور ممبر صوبائی اسمبلی کو ووٹ دیتا ہے اور جس امیدوار نے زیادہ ووٹ حاصل کیے ہوں، وہ کامیاب قرار پاتا ہے اور پانچ سال کے لیے اسے ریاست کے نظم و نسق کے فرائض تفویض کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ووٹ کاسٹنگ کے اوقات میں ہر بالغ ووٹ کی شکل میں اپنی رائے کا صحیح اور درست استعمال کرے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَة، مَاتَ مِيتَة جَاهِلِيَّة" (۷۰) (جس شخص کی موت اس حال میں آئی ہو کہ اس کی گردن میں کسی حکمران کی بیعت یعنی عہدِ اطاعت کا قلادہ نہ ہوا، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔)

ووٹ امیدوار کے حق میں گواہی ہے، کثیر تعداد بتاتی ہے کہ وہ کن کو زیادہ دیانت دار اور باصلاحیت تصوّر کرتی ہے۔ سچی گواہی اجر و ثواب جبکہ جھوٹی گواہی عقابِ الٰہی کا سبب ہے۔ (۷۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیتے ہوئے فرمایا: "عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّورِ بِالْإِشْرَاكِ بِاللهِ" پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ" (الحج: ۳۰) (۷۲) (یعنی بت پرستی کی نجاست اور جھوٹی بات کہنے سے بچو) پیسے لے کر کسی کے حق میں ووٹ دینا رشوت لینے کے مترادف ہے اور رشوت لینے والا رسولِ خدا کی نظر میں لعنت کا مستحق ہے۔ ووٹ ایک سفارش بھی ہے اور غلط سفارش نہایت مذموم عمل ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ووٹ دیتے ہوئے اس بات کو ملحوظ رکھے کہ ووٹ کے ذریعہ سچی گواہی یا جھوٹی گواہی دے رہا ہے، اچھی یا بری سفارش کر رہا ہے، مناسب یا غیر مناسب شخص کو اپنا وکیل اور نمائندہ بنا رہا ہے، ووٹ دینے پر پیسے لے کر وہ صریحاً رشوت خوری کا مرتکب ہوتا ہے یا بلا عذر ووٹ نہ دے کر گواہی چھپانے کا گناہ مول لیتا ہے۔ لہٰذا ان پہلوؤں کو سامنے رکھ کر نسبتاً بہتر، دیانت دار، قوم و ملک کے حق میں مفید اور خیر خواہ امیدوار کے حق میں اپنے ووٹ کو استعمال کر کے قومی مفادات کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ جہاں مسلمانوں کے لیے قومی فریضہ ہے وہاں مذہبی فریضہ بھی ہے۔ (۷۳) ووٹ کے غلط استعمال کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ امانتیں ضائع کی جانے لگیں گی، اس پر صحابہ کرامؓ نے استفسار کیا امانتوں کے ضائع ہونے سے کیا مراد ہے تو فرمایا گیا: "إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ" (۷۴) (کہ جو جس کام کا اہل نہ ہو اس کو وہ کام سپرد کیا جائے)

## عورتوں کی رائے دہی کی حیثیت

مسئلہ جانشینی میں عورتوں کی بھی رائے لی جائے گی۔ دورِ حاضر میں ہم کسی صورت بھی سیاسی معاملات میں عورتوں کو پیچھے نہیں چھوڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اے پیغمبر! جب تمہارے پاس عورتیں اس بات پر بیعت



Marfat.com

کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ شرک نہ کریں گی ۔۔۔۔۔ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان کی بیعت لے لو۔" (۷۵) ابن قتیبہؒ (۷۶) نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چھوٹے بڑے مرد و عورت سے مشورہ لیتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی خاتون صحابیہؓ انہیں مفید و معقول مشورہ دیتیں تو اسے فوراً قبول فرماتے بلکہ بعض مواقع پر تو اللہ کی بندیوں کا مشورہ اتنا برمحل اور صائب ہوتا تھا کہ نازک سے نازک بحران کا حل بھی سامنے آجاتا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ سے غم اور پریشانی کے بادل چھٹ گئے۔ (۷۸) اسی طرح دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خواتین غزاوات میں شرکت کرتیں، مجاہدین کو پانی پلانے، زخمیوں کا علاج کرنے اور شہیدوں کی لاشیں اٹھانے کا کام کرتی تھیں۔ (۷۹) شفا بنت عبداللہ قرشیہؓ کو حضرت عمرؓ بازاروں کی نگرانی کا کام سونپا کرتے تھے اور ان کی رائے کو مقدم جانا کرتے تھے۔ (۸۰)

حضرت عمرؓ کی قائم کردہ چھ افراد پر مشتمل کمیٹی میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ خلافت سے دستبردار ہو کر تین دن تک لوگوں کی رائے معلوم کرتے رہے اور عام مسلمانوں کی آراء جمع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پردہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے عورتوں سے بھی رائے طلب کرتے رہے۔ (۸۱)

حضرت عطا ابن ابی رباح کے نزدیک حضرت عائشہؓ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ اور عالمہ تھیں اور عام لوگوں کے مسائل میں سب سے اچھی رائے دینے والی تھیں۔ (۸۲) اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ "اصحاب رسول کو جب کوئی اشکال پیش آیا اور اسے حضرت عائشہؓ کے سامنے رکھا تو ان کے پاس اس بارے علم پایا۔ (۸۳) اور پھر حضرت عائشہؓ کا خود سپہ سالار بن کر میدانِ جنگ میں نکل آنا اور ہزاروں مسلمانوں اور صحابہ کرامؓ کا ساتھ دینا بیّن ثبوت ہے کہ عورت کو دور جدید میں سیاسی معاملات میں پورے حقوق ملنے چاہئیں۔ وہ خود امیدوار بن بھی سکے اور امیدواروں کو ووٹ بھی دے سکے۔

درج بالا وضاحت سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں موجودہ پاکستانی جمہوری سیاست درست ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اپنے معاملات سپرد کر دینے کی جس صورت میں مذمت فرمائی ہے وہ یہ کہ تمام تر فیصلے عورتوں ہی کے حوالے کر دیے جائیں، انہی کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیا جائے اور مرد ہر معاملے میں عورتوں کے پیچھے چلنے لگیں لیکن اس سے یہ مطلب نکالنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ ان سے کبھی مشورہ ہی لینا جائز نہیں اور کوئی ایسی نص بھی موجود نہیں کہ جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ انہیں شوریٰ میں شامل نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ بات طے ہے کہ اگر انہیں شوریٰ میں شامل کیا جائے تو حجاب شرعی کے احکام کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہوگا۔ (۸۴)

## تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں خلفاء اربعہ کا انتخاب اور موجودہ پاکستانی جمہوری سیاست کا جائزہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جمہوری شورائی سیاسی نظام عطا فرمایا۔ اپنے بعد ولی عہد یا جانشین کے تقرر کے متعلق کوئی واضح حکم عطا نہ فرمایا، کیونکہ یہ آپ کا کام نہیں تھا ورنہ آپ میدان عرفات میں تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار نفوس قدسیہ کے سامنے اعلان فرما دیتے تو کسی کو چوں چراں کی بھی جرأت نہ ہوتی لیکن آپ صلی اللہ علیہ



Marfat.com

وسلم نے ایسا نہ کیا، کیونکہ اگر کوئی طریقہ جاری ہوتا تو وہی مسلمہ ہو جاتا۔ عامر بن طفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ اگر میں اسلام قبول کر لوں تو کیا مجھے منصب ملے گا؟ اپنے بعد مجھے سرداری سونپ دیں گے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اس کا ہرگز اختیار نہیں۔" (۸۵) زندگی کے آخری لمحات میں بعض لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش لینے کی کوشش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم دوات منگوا کر کچھ لکھوا دینے کا عندیہ بھی دیا لیکن لوگوں کے شور کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ کیونکہ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ بھی رواں تھے: "يَأْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَابَكْرٍ" (۸۶) یعنی اللہ اور اہل ایمان ابو بکرؓ کے سوا سب کا انکار کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد انصار، مہاجرین، بنو ہاشم اور بنو امیہ چار گروہ جانشینی کے امیدوار تھے لیکن سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین اور انصار کی طرف سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تائید اور بیعت کر لی گئی اور پھر اس کے بعد مسجد نبوی میں عام لوگوں نے بیعت کی۔ یہی وہ شورائی جمہوریت ہے کہ عام مسلمانوں کو اپنا خلیفہ چننے کا اختیار حاصل ہو۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کا انتخاب بھی مکمل طور پر جمہوری تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شدید بیماری کی صورت میں انتخابِ خلیفہ کے سلسلے میں امت کی راہنمائی ضروری خیال کی۔ سقیفہ بنی ساعدہ کا ہنگامہ خیز منظر آپ کے سامنے تھا، مرتدین کی سرکوبی ابھی نئی نئی مکمل ہوئی تھی، محاذوں پر لڑائی جاری تھی، اسلامی ریاست کے مستقبل کی فکر نے آپؓ کو کبار صحابہ کرامؓ سے مشورہ پر مجبور کر دیا تو ان کی اکثریت نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرنے کا مشورہ دیا۔ آپؓ نے مدینہ منورہ کے تمام اہلِ اسلام سے رائے پوچھی تو چند ایک کے علاوہ اکثریت نے اس انتخاب پر مسرّت کا اظہار کیا۔ یہ طریقہ انتخاب دراصل جماعت کے بزرگ اہل حل و عقد کے مشورہ سے کسی اہل اور مناسب ترین امیدوار پر اتفاق کرنے اور پھر عامۃ المسلمین کے ووٹ سے اسے منتخب کرانے کی ایک عملی مثال ہے۔ یہ طریقہ اپنے پس منظر نتائج اور روح کے لحاظ سے خالص جمہوری ہے اور اسلام کے شورائی جمہوری نظام کا آئینہ دار بھی ہے۔ (۸۷)

حضرت عمرؓ کو زہر آلود خنجر لگنے کے بعد جب زندگی کی امید باقی نہ رہی تو آپؓ نے اہل حل و عقد، کبار اور جنت کی بشارت پانے والوں پر مشتمل مجلس شوریٰ یا سنڈیکیٹ مقرر فرمائی اور جب اس سنڈیکیٹ نے حضرت عثمانؓ کی نامزدگی قبول کر لی تو سنڈیکیٹ کے چیئر پرسن الیکشن کمشنر حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ تین دنوں تک رائے عامہ لیتے رہے۔ ابنِ کثیرؒ رقم فرماتے ہیں "ثُمَّ نَهَضَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَسْتَشِيرُ النَّاسَ فيهما ويجمع رأى المسلمين برأى رؤس الناس وأقيادهم جَمِيعًا وَأَشْتَاتًا، مَثْنَى وَفُرَادَى، وَمُجْتَمِعِينَ، سِرًّا وَجَهْرًا، حَتَّى خَلَصَ إِلَى النِّسَاءِ الْمُخَدَّرَاتِ فِي حِجَابِهِنَّ، وَحَتَّى سَأَلَ الْوِلْدَانَ فِي الْمَكَاتِبِ، وَحَتَّى سَأَلَ مَنْ يَرِدُ مِنَ الرُّكْبَانِ وَالْأَعْرَابِ إِلَى الْمَدِينَةِ، فِي مُدَّةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ بِلَيَالِيهَا، فَلَمْ يَجِدِ اثنين يختلفان فى تقدم عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ" (۸۸) (پھر حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ ان دونوں (حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) کے متعلق لوگوں سے مشورہ کرنے میں



Marfat.com

مشغول ہو گئے۔ آپ اکابر سے مشورہ کرتے اور ان کے پیروکاروں سے بھی، اجتماعاً بھی اور متفرق طور پر بھی، اکیلے اکیلے سے بھی اور دو دو سے بھی، خفیہ بھی اور علانیہ بھی، حتیٰ کہ پردہ نشین عورتوں سے بھی مشورہ کیا، مدرسے کے طالب علموں سے بھی اور مدینہ کی طرف سے آنے والے سواروں سے بھی، بدوؤں سے بھی جنہیں وہ مناسب سمجھتے۔ تین دن اور تین راتیں یہ مشورہ جاری رہا۔ آپ نے دو آدمیوں کے سوا سب لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے حق میں پایا۔) تب جا کر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کیا گیا اور لوگوں نے بیعت کی۔ یہ طریقہ بھی جمہوری شورائی نظام کی عکاسی کرتا ہے۔

شہادت عثمانؓ کے وقت باغی اور شورش پسند عناصر مدینہ پر چھائے ہوئے تھے اور پورے شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ کبار صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد پہلے ہی مدینہ سے باہر تھی اور بہت سے حج پر تشریف لے جا چکے تھے۔ ایسے وقت میں اہل حل و عقد بھی موجود نہ تھے اور عام مسلمان بھی سہمے ہوئے تھے۔ تاہم خونِ عثمانؓ کے چھینٹوں سے داغدار دامن گروہ نے حضرت علیؓ کی بطور امید اوار رضامندی نہ ہونے کے باوجود (۸۹) زبردستی (۹۰) بیعت کی اور خلیفہ نامزد کر دیا (۹۱) اور اس کے بعد عام مہاجرین اور انصار نے آپؓ کی تائید کی اور بیعت کی۔ (۹۲)

درج بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کے تقرر میں مشاورت مشترک نظر آتی ہے کہ موزوں افراد کو نامزد کر کے عوام الناس سے بذریعہ بیعت اس کی تائید حاصل کی جاتی تھی اور آج پاکستان کے موجودہ جمہوری سیاسی نظام میں ووٹ کے ذریعے عوام کی تائید حاصل کی جاتی ہے۔ آج کے دور میں اہل حل و عقد کی وہ صورت برقرار نہ رہی کہ وہ غیر متنازعہ طور پر متعین ہوں۔ آج کے پاکستانی جمہوری سیاسی نظام میں مجالس شوریٰ کا مجموعہ اہل الحل والعقد قرار دیا جا سکتا ہے اور مجالس شوریٰ کا انتخاب براہ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ (۹۳) جسے پاکستان کے مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کے تحت تعلیم یافتہ بالغ برائے دہی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

## غیر اسلامی آئین و قانون سے وفاداری، تعلیماتِ نبوی اور پاکستانی مروّجہ جمہوری سیاسی نظام

آئینِ پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل نمبر ۲۲۷ اور قرارِ داد مقاصد کے تحت اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا۔ اسلامی نظریاتی کونسل بھی پاکستان کے آئین کو مزید اسلامائزیشن کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے، اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کا کردار بھی نمایاں ہے۔ لیکن اگر آئین و قانون کی کوئی شق قرآن و سنت سے متصادم بھی ہو تو اسے قرآن و سنت کے مطابق کرنے کے لیے درج بالا اداروں سے تعاون لینے کی ضرورت ہے نہ کہ آئین کو غیر اسلامی اور کفریہ قرار دے کر مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کے خلاف برسرپیکار ہو جانا چاہیے بلکہ ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے اس کردار کو مدِ نظر رکھنا چاہیے، جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی اصحمہ کے ساتھ روا رکھا۔ اصحمہ نے مسلمان ہوتے ہوئے دس سال کفریہ نظام اور قانون کے تحت حکومت کی۔ جب بادشاہ نجاشی کے خلاف بغاوت ہوئی اور حکومت چھیننے کی کوشش کی گئی تو حبشہ میں موجود مہاجر صحابہ کرامؓ نے نہ صرف نجاشی کی کامیابی کے لیے دعائیں کیں بلکہ جنگ میں شریک ہوئے اور مدد



Marfat.com

پہنچائی۔(۹۴) اور جب نجاشی بادشاہ اصحمہ فوت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَاتَ الْيَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ، فَقُومُوا فَصَلُّوا عَلَى أَخِيكُمْ أَصْحَمَةَ" (۹۵) "آج ایک مرد صالح کی موت ہوگئی ہے، آؤ! اپنے بھائی اصحمہ کی نمازِ جنازہ پڑھ لیں" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان کے آئین کو غیر اسلامی قرار دے کر مروجہ جمہوری سیاسی نظام کو کفریہ قرار دے کر علَمِ بغاوت بلند کرنا تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

## ریاست پر زبردستی قبضہ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں

آئین پاکستان میں مندرج ہے کہ ریاست سے وفاداری ہر شہری کا بنیادی فرض ہے اور وہ آئین و قانون کا بنیادی طور پر پابند ہے۔(۹۶) کوئی بھی شخص جو بزورِ قوت، بہ مظاہرہ قوت یا کسی غیر آئینی طریقے سے آئین کی تنسیخ کرے گا یا ایسی کسی کوشش یا سازش میں ملوث پایا جائے گا، شدید قسم کی غداری کا مرتکب شمار ہوگا اور ایسے شخص کو قرار واقعی سزا دینے کیلئے پارلیمان قانون وضع کرے گی۔(۹۷) لیکن پاکستان میں کئی مرتبہ جمہوری حکومتوں کا تختہ الٹ کر ریاست پر زبردستی قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی، اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمان نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ فرمایا: "سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللهُ:۔۔۔۔ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوتِ لِيُعِزَّ مَنْ أَذَلَّهُ اللهُ وَيُذِلَّ مَنْ أَعَزَّهُ اللهُ" (۹۸) (یعنی چھ قسم کے لوگوں پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی لعنت بھیجتے ہیں، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو زبردستی حکومت پر قبضہ کرلیتا ہے) ایک دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ أَكْرَمَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الدُّنْيَا، أَكْرَمَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الدُّنْيَا، أَهَانَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"(۹۹) (اسلامی حکومت زمین پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہے جس نے اس قسم کی عادل حکومت کا احترام کیا تو اللہ اس پر اپنا کرم فرمائے گا اور جس نے اس حکومت کی توہین کی تو اللہ اس کو ذلیل کردے گا) لیکن اگر ریاست کو جنگی حالات کا سامنہ ہو۔ بڑے بڑے تمام حکومتی عہدِ دار اور سپہ سالار شہادت حاصل کرچکے ہوں تو ایسے حالات میں قومی و صوبائی مجالس شوریٰ میں سے اہم شخصیات ریاست کی حکومتی ذمہ داریاں انجام دیں گی اور فوج میں سے جونیئر عہدِ داران شہادت پانے والے سپہ سالار کے قائم مقام بنتے چلے جائیں گے، یہاں تک کہ فتح حاصل ہو جائے اور حالات معمول پر آجائیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: "أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا عَبْدُاللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا خَالِدُبْنُ الْوَلِيدِ عَنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ فَفُتِحَ عَلَيْه" (۱۰۰) (کہ جنگ موتہ میں سرداری کا جھنڈا زید بن حارثہ نے سنبھالا وہ شہید ہوگئے، پھر جعفر بن ابی طالب نے سنبھالا وہ بھی شہید ہوئے، پھر عبد اللہ بن رواحہ نے سنبھالا وہ بھی شہید ہوئے (ان تینوں کا حکم تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یکے بعد دیگرے دیا تھا) پھر خالد بن ولید نے جھنڈا سنبھالا کہ ان کی سرداری کا حکم نہیں دیا گیا تھا (وہ آپ ہی ضرورت دیکھ کر سردار بن گئے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دی) لیکن درج بالا صورتِ حال کے علاوہ کسی صورت بھی حکومتی ذمہ داریاں انجام دینے کی کوئی صورت تعلیماتِ نبویؐ میں مشروع نہیں ہے۔



Marfat.com

## پاکستانی مروجہ جمہوری نظام میں گورنرز، وزراء اور سفراء کے تقرر کا تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں جائزہ

آئینِ پاکستان ۱۹۷۳ء کے تحت پاکستانی مروجہ جمہوری نظام میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سربراہ صدر مملکت ہوگا جو مملکت کے اتحاد کا نمائندہ ہوگا۔(۱۰۱) پارلیمانی نظام حکومت میں اختیارات کا سرچشمہ، انتظامیہ کا سربراہ اور قوم کا قائد 'وزیر اعظم' ہوگا۔(۱۰۲) پارلیمنٹ دو ایوانوں میں پر مشتمل ہوگی: اول قومی اسمبلی اور دوم سینٹ۔(۱۰۳) ہر صوبے کا ایک گورنر ہوگا، جس کا تقرر صدر مملکت وزیر اعظم کے مشورے سے کرے گا۔(۱۰۴) صوبائی حکومت وزیر اعلیٰ اور دوسرے صوبائی وزراء پر مشتمل ہوگی۔ اور یہ حکومت وزیر اعلیٰ کے ذریعے اپنے فرائض سرانجام دے گی۔(۱۰۵)

وزراء، وزیرِ اعظم اور وزیرِ اعلیٰ کے مخصوص ساتھی ہوتے ہیں، ان کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور اپنی رائے سے مدد دیتے ہیں۔(۱۰۶) کسی حاکم کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہوتی ہے کہ اسے اچھے وزیر ملیں جس کا تذکرہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِذَا أَرَادَ اللهُ بِالْأَمِيرِ خَيْرًا جَعَلَ لَهُ وَزِيرَ صِدْقٍ" (۱۰۷) (اللہ تعالیٰ جب کسی امیر کے متعلق خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو سچا اور مخلص وزیر عطا کر دیتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وزراء کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کے بعد اپنے بندوں کے دلوں کہ دیکھا تو اس کے لیے بہترین رفقاء اور ساتھی پسند کر لیے، جو اس کے نبیؐ کے وزیر اور مددگار تھے۔(۱۰۸) ایک موقع پر آپؐ نے وضاحت سے فرمایا: "وَأَمَّا وَزِيرَايَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ" (۱۰۹) (کہ زمین والوں میں سے ابوبکر و عمر میرے وزیر ہیں) مہاجرین (۱۱۰) اور انصار (۱۱۱) میں سے اور بھی آپؐ کے وزراء تھے۔ سیرۃ الحلبیہ میں ہے کہ آپ کی ریاست کی کابینہ بارہ افراد ابوبکر صدیق، عمرِ فاروق، عثمان بن عفان، علی بن اَبی طالب، حمزہ، ابوعبیدہ، عثمان بن مظعون، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن اَبی وقاص، طلحہ، زبیر بن عوام، جعفر رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی۔(۱۱۲)

وفاقی وزراء، وزیرِ اعظم اور صوبائی وزراء، وزیر اعلیٰ کی طرف سے نامزد کیے جاتے ہیں اور انہیں کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ کو جب بالائی یمن پر معاذ بن جبلؓ اور زیریں یمن پر ابو موسیٰ اشعریؓ کو امیر بنا روانہ کیا تو ہدایات جاری کیں کہ لوگوں پر آسانی کرو گے، نرمی کا رویہ اختیار کرو گے اور سختی نہیں کرو گے۔ اسلام پر عمل کرنے والوں کو بشارت دیتے رہو گے اور ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرو گے جس سے لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں۔(۱۱۳) صوبوں کے گورنرز کا تقرر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا۔ انتظامِ سلطنت، امن و امان، نفاذِ قانون، مقدمات کے فیصلے، محصولات کی وصولی، اشاعتِ اسلام والی ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل تھیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والی یمن حضرت معاذ بن جبلؓ کو وصیت نامہ لکھا: "إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ" (۱۱۴)



Marfat.com

اسی طرح وزراء اور گورنر ریاست کی دولت سے مناسب حد تک خرچ اور معاوضہ لے سکتے ہیں، قومی دولت کا بے جا استعمال خیانت اور سرقہ میں شامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمان جاری کیا: "مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَه خَادِمٌ فَلْيَكْتَسِبْ خَادِمًا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَه مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا وَمَنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذَلِكَ فَهُوَ غَالٌّ أَوْ سَارِقٌ" (۱۱۵) (جو ہمارا عامل ہو اس کو اس کی ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے، اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم کا، اگر مکان نہ ہو تو مکان کا، اس سے زیادہ اگر کوئی حاصل کرے گا تو وہ خائن ہو گا یا سارق ہو گا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدرِ مملکت، وزیرِ اعظم، وزیرِ اعلیٰ اور دیگر وزراء و گورنرز کے لیے اہم پیغام دیا ہے: "مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ، إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ" (۱۱۶) کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم بنے، پھر فرائض کی تکمیل کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص سے کام نہ لے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ریاستوں سے تعلقات مستحکم بنیادوں پر مضبوط کرنے کی کوشش کی، جس کے لیے مختلف ریاستوں کی طرف سفیر بھیجے اور خطوط ارسال فرمائے (۱۱۷)۔ ابنِ سعدؒ نے چھوٹے بڑے ۱۰۵ خطوط نقل کیے ہیں جو روم، ایران، حبشہ، مصر، شام، یمامہ، عمان، بحرین، یمن وغیرہ کے بادشاہوں کو ارسال کیے گئے۔ (۱۱۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زید بن ثابتؓ نے عبرانی (۱۱۹) اور سریانی (۱۲۰) زبانیں سیکھیں، پھر بعد میں فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی سیکھیں۔ (۱۲۱) ۷ھ میں آپؐ نے جن چھ افراد کو مختلف اقوام کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا، وہ سب ان اقوام کی زبان میں بات کر سکتے تھے، جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ (۱۲۲) اسی طرح آپؐ کی طرف بھی مختلف حکومتوں اور قبائل کی طرف سے سفیر اور وفد آئے، اسی لیے ۹ھ کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔ ابنِ سعدؒ نے ۷۲ وفود کا ذکر کیا ہے۔ (۱۲۳)

## نظامِ عدالت اور محکمہ احتساب کا تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں جائزہ

آئینِ پاکستان کے تحت حکومت معاشرتی انصاف کا فروغ اور برائیوں کا سدِ باب کرے گی اور عوام کی معاشرتی اور معاشی بہبود کے لیے اقدام کرے گی۔ (۱۲۴) اسلامی سیاسی نظام کا ایک اہم شعبہ عدالت اور محکمہ احتساب ہے۔ ان محکمہ جات کا فرض ہے کہ ریاست کے باشندوں کے اخلاق و عادات کی نگرانی کرتا رہے تاکہ صالح معاشرہ، غیر صالح معاشرے میں تبدیل نہ ہو جائے۔ (۱۲۵) ان محکمہ جات کی بنیاد دستورِ مدینہ میں رکھی گئی۔ آپؐ خود بطور چیف جسٹس دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت فرماتے اور ریاست کے مختلف حصوں میں مختلف جج کام کرتے جو انصاف کی فراہمی کو یقینی بناتے۔ ایسے ہی پاکستان کے مروّجہ جمہوری نظام کے تحت سارے ملک میں ایک سپریم کورٹ اور صوبوں کے لیے الگ الگ ہائی کورٹ ہے۔ (۱۲۶) اسی طرح ضلعی اور تحصیل لیول تک انصاف کی فراہمی کے لیے ججز تعینات کیے جاتے ہیں۔ انصاف کی فراہمی کے متعلق آپؐ کا فرمان ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے: "وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا" (۱۲۷) حتیٰ کہ حضرت عمرؓ



Marfat.com

کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو اپنی ذات سے بدلہ دیتے دیکھا ہے۔(۱۲۸) آپؐ نے لوگوں کی جان مال، عزت و آبرو اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کے لیے اصلاحات جاری فرمائیں۔ قیس بن سعدؓ، رسول اللہؐ کی مدنی حکومت میں پولیس افسر تھے۔(۱۲۹) اور سزائیں نافذ کرنے کے لیے سات افراد پر مشتمل فورس تھی۔(۱۳۰) اسی طرح آپؐ نے مختلف علاقوں میں محتسب مقرر فرمائے جو دھوکہ دہی، فریب کاری، ناپ تول میں کمی، بازاروں کی نگرانی، نرخوں میں اضافہ وغیرہ کا احتساب کرتے۔(۱۳۱) فتح مکہ کے بعد آپؐ نے مکہ کے بازاروں کی نگرانی کے لیے سعید بن العاصؓ (۱۳۲) اور مدینہ میں حضرت عمرؓ کو مقرر فرمایا۔(۱۳۳)

عادل حاکم کے متعلق آپؐ نے فرمایا: "سَبْعَة يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الإِمَامُ العَادِلُ" (۱۳۴) یعنی عادل حاکم کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جب اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا) ایک اور مقام پر فرمایا: "إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ۔۔۔ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ" (۱۳۵) کہ حکومتی معاملات میں انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے ممبروں پر ہوں گے۔

## حرفِ آخر

کثرت رائے سے معاملات کا فیصلہ جمہوری دور کی روایات میں سے بڑی مقدس اور قیمتی روایت تصور کیا جاتا ہے اور یہ اصول سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شورائی جمہوری نظام نے دنیا کو دیا تھا۔ اختلافِ رائے کا بدیہی نتیجہ اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کرنا ہے، زبانِ نبوت نے اکثریت کے لیے سوادِ اعظم (سب سے بڑا اکٹھ) اور جماعت کے الفاظ و اصطلاحات ادا فرمائی ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا کہ "فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ" (۱۳۶) یعنی جب تمہیں اختلاف نظر آئے تو پھر بھاری اکثریت کا ساتھ دینا تم پر لازم ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا "الْبَرَكَة مَعَ الْجَمَاعَة" (۱۳۷) یعنی برکت تو اکثریت کے ساتھ ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "يد الله مع الجماعة" (۱۳۸) یعنی اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔

جس امت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت فرمائی اور جس پر آپؐ کو ناز تھا، اس کے متعلق آپؐ نے خود بھی فرما دیا تھا کہ "إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَة" (۱۳۹) یعنی میری اُمت کی اکثریت گمراہی پر کبھی اکٹھی نہیں ہو گی۔ گویا اکثریت کے جمہوری اور اجتماعی فیصلے ذریعہ ہدایت اور وسیلہ نجات ہوں گے۔(۱۴۰) ملتِ اسلامیہ نے بھی اپنی اسلامی انفرادیت اور جمہوری حق سے یہ ملک بنانے کا فیصلہ دیا تھا۔(۱۴۱) کیونکہ پاکستان دراصل دو بنیادی عناصر کا مرہون منت ہے، اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ ہوتا تو پاکستان کبھی نہ بنتا اور اس کی بقا بھی ان ہر دو کی بقا سے ہی ممکن ہے اور وہ دو عناصر یہ ہیں: اسلام اور جمہوریت! (۱۴۲)

## تجاویز و سفارشات

☆ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں حقِ حکمرانی صرف اسے حاصل ہے جسے عوام کی تائید و قبولیت کی سند حاصل ہو، یعنی حکومت کی تشکیل جمہور عوام کی مرضی سے ہو گی۔



Marfat.com

☆ حاکم کو استبدادی اختیارات حاصل نہیں ہوں گے بلکہ وہ اسلامی ریاست کے بانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب متصور ہو گا، اور قرآن و سنت کے احکام کا پابند ہو گا۔

☆ حکومت کے ساتھ عوام بھی قرآن و سنت کے صریح احکام کے پابند ہوں گے اور قرآن و سنت کے صریح احکام کے مقابلے میں عوامی رائے کا اعتبار نہیں ہو گا۔

☆ عوام کے معاملات، حقوق اور پیش آمدہ امور کا فیصلہ قرآن و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے براہِ راست یا بالواسطہ نمائندگی کی صورت میں عام عوام کی رائے سے ہو گا۔

☆ امیدواروں کی انتخابی مہم کے دوران ہر حلقہ انتخاب میں جماعت اور پارٹی کی طرف سے تشہیر ہو، جلسے اور اجلاس منعقد ہوں، جس میں علاقائی امیدوار اور مرکزی رہنماء خطاب کریں یا تمام پارٹیوں کے مشترکہ جلسے ہوں جس میں تمام پارٹیوں کے امیدوار اپنا اپنا منشور بیان کریں جس میں اخراجات کی ذمہ داری مرکزی جماعتوں یا حکومت کی ہو تاکہ امیدوار متاثر نہ ہو اور نہ دولت کے بل بوتے پر کسی بھی شکل میں عوام پر اثر انداز نہ ہو، اور امیدوار کا دولت خرچ کرنا جرم متصور ہو لیکن امیدوار کی طرف سے مرکزی پارٹی کا کسی بھی شکل میں تعاون کیا جا سکتا ہے۔

☆ ووٹنگ کے روز امیدوار یا ان کے ایجنٹوں کو، ووٹر حضرات کو پولنگ اسٹیشن تک لے جانے یا اس کے علاوہ کسی بھی قسم کی سہولت فراہم کرنے کی اجازت نہ ہو تاکہ کسی بھی طرح وہ ووٹر حضرات پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

☆ انتخابات کے دوران کسی صریح مجبوری کے بغیر ووٹ نہ ڈالنا جرم قرار دیا جائے اور انتخابات کا اسان اور جدید نظام تجویز کیا جانا چاہیے جس سے پوری قوم شریک مشورہ ہو سکے۔

☆ تعلیماتِ نبویؐ کے مطابق انسان کی اچھائی کی بنیاد تقویٰ ہے، لہٰذا اپنا ووٹ متقی شخص کو دیا جائے، جس کی صداقت، شرافت، امانت، دیانت اور اہلیت پر شبہ نہ ہو، تاکہ ہو صحیح معنوں میں مدینۃ النبی کے بانی کا وارث ثابت ہو سکے۔

☆ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۲۲۷ اور قرارِ داد مقاصد کے تحت پاکستان میں کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا، لہٰذا اس اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ووٹر کی اہلیت بھی متعین کرنے کی ضرورت ہے، جو بالغ رائے دہی سے بڑھ کر ہو، اس کے لیے موجودہ مروجہ تعلیم کے مطابق میٹرک اور اس کے مساوی تعلیم مقرر کی جا سکتی ہے، جس سے پاکستان کے مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں بہتری آسکتی ہے۔

☆ ممبرز قومی اور صوبائی اسمبلیز کے امیدواروں کے لیے بھی اخلاق اور تعلیم کی ضد بندی ہونی چاہیے اور کم از کم تین رکنی بنچ تعلیم یافتہ، قابل، جرأت مند اور حوصلہ مند امیدوار کو انتخاب میں حصہ لینے کی اہلیت کا پروانہ جاری کرے۔

☆ حکمران طبقے کے دل و دماغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اور اصول "کہ تم میں سے ہر ایک حاکم ہے،



Marfat.com

ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی" ایمان ویقین کے ساتھ راسخ ہونا چاہیے۔

☆ مشہور فرمانِ رسولؐ "میری امت کا اختلاف رحمت ہے" کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مختلف جمہوری سیاسی پارٹیوں کو اختلاف کی بنیاد خلوص پر رکھنی چاہیے، اسی طریقہ اختلاف سے ہی نگاہ وخیال کے سامنے نئے نئے گوشے روشن ہوتے ہیں اور افکار میں ترقی ہوتی ہے۔

## حوالہ جات وحواشی

۱- جمال الدین محمد بن مکرم بن علی ابنِ منظور الافریقی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، ۱۴۹/۴۔

۲- دائرۃ المعارف، ۵۳۴/۱۰۔

۳- المنجد، ص۹۹

۴- David Hela, Models of Democracy, Camberidge 1987,p: 1,2

۵- Noberto Bobio, Democracy and Dictatiorship, Tr. peter Kennealy, Polity press , 1977, P: 140

۶- پروفیسر ڈاکٹر حسن صعب (لبنان یونیورسٹی)، علم السیاسیہ، بیروت، ۱۹۷۰ء، ص ۲۰۔

۷- مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظامِ حکومت، دہلی، ۱۹۵۶ء، ص ۲۰۰۔

۸- علوی، مستفیض احمد، ڈاکٹر، جدید سیاسی افکار کا تجزیہ، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۶۰- ۶۷۔

۹- ناصر، محمد عمار خان، اسلام، جمہوریت اور پاکستان، پاک انسٹیٹیوٹ فار پیس سٹڈیز، ۲۰۱۳ء، ص ۴۷- ۷۵۔

۱۰- ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، اسلامی جمہوریت، نوادرات پبلشرز، اشرفیہ پلازہ، دوبئی چوک، علامہ اقبال ٹاون، لاہور، ۲۰۰۹، ص ۲۰، ۲۱۔

۱۱- یوسف ۱۲: ۴۰۔

۱۲- المؤمن ۴۰: ۱۲۔

۱۳- بنی اسرائیل ۱۷: ۱۱۱۔

۱۴- المائدہ ۵: ۴۴۔

۱۵- النساء ۴: ۶۴۔

۱۶- النساء ۴: ۸۰۔

۱۷- النساء ۴: ۶۵۔

۱۸- النساء ۴: ۱۰۵۔

۱۹- الاعراف ۷: ۱۵۷۔

۲۰- النساء ۴: ۶۵



Marfat.com

۲۱- الشوریٰ ۴۲: ۳۸۔

۲۲- ال عمران ۳: ۱۵۹۔

۲۳- اسلامی ریاست، ص ۶۶۱۔

۲۴- النساء ۴: ۵۸۔

۲۵- الحج ۲۲: ۴۱۔

۲۶- النساء ۴: ۵۹۔

۲۷- صفدر محمود، ڈاکٹر، آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، جہانگیر بکس، ۱۲۱- ڈی بلاک، گلبرک ۲، لاہور، ص ۴۵۔

۲۸- ایضاً۔

۲۹- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۴۶۔

۳۰- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۶۲۔

۳۱- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۱۰۴۔

۳۲- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۴۷۔

۳۳- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۱۰۹۔

۳۴- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۸۱۔

۳۵- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۱۳۹۔

۳۶- اسلام، جمہوریت اور پاکستان، ص ۶۹- ۷۱۔

۳۷- اسلام، جمہوریت اور پاکستان، ص ۷۲۔

۳۸- مجمع الذوائد ومنبع الفوائد، کتاب العلم، باب الاجتہاد، رقم الحدیث: ۸۳۳۱۔

۳۹- القرطبی، محمد بن احمد بن أبی بکر بن فرح، ابو عبداللہ، الجامع لأحکام القرآن (تفسیر القرطبی)، دار الکتب المصریہ، القاہرہ، ۱۹۶۴م، ۲۵۱/۴۔

۴۰- شرح السنہ للبغوی، کتاب الاستئذان، باب المشورۃ وأن المستشار مؤتمن، رقم الحدیث: ۳۶۱۱۔

۴۱- سنن الترمذی، أبواب الفتن، رقم الحدیث: ۲۲۶۶۔

۴۲- گوہر الرحمٰن، مولانا، اسلامی سیاست، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ص ۲۹۷۔

۴۳- ایضاً۔

۴۴- اسلامی سیاست، ص ۳۱۷۔

۴۵- اسلامی سیاست، ص ۳۱۹، ۳۲۰۔

۴۶- الشوریٰ ۴۲: ۳۸۔

۴۷- الِ عمران ۳: ۱۵۹۔



Marfat.com

۴۸- اسلامی جمہوریت، ص ۱۱۱۔

۴۹- اسلامی جمہوریت، ص ۱۱۲۔

۵۰- سنن أبی داؤد، کتاب العلم، باب التوقی فی الفتیا، رقم الحدیث: ۳۶۵۷۔

۵۱- اسلامی ریاست، ص ۳۹۷،۳۹۸۔

۵۲- النساء۴: ۵۸۔

۵۳- الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الاماۃ، باب خیار الأئمۃ وشرارھم، رقم الحدیث: ۱۸۵۵۔

۵۴- سنن الترمذی، أبواب الجہاد، باب ماجاء فی طاعۃ الامام، رقم الحدیث: ۱۷۰۶۔

۵۵- اسلامی جمہوریت، ص ۷۴،۷۵۔

۵۶- آلِ عمران۳: ۱۵۹۔

۵۷- اسلامی جمہوریت، ص ۷۵۔

۵۸- المعجم الصغیر للطبرانی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵م، ۲/۱۷۵، باب المیم، من اسمہ محمد، رقم الحدیث: ۹۸۰۔

۵۹- سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی المشورۃ، رقم الحدیث: ۵۱۲۸۔

۶۰- سنن النسائی، کتاب البیعۃ، باب ذکر الوعید لمن أعان أمیرا علی الظلم، رقم الحدیث: ۴۲۰۷۔

۶۱- سیال، طاہر حسین، مسلمانوں کا نظامِ شوریٰ، بک سینٹر، حیدر روڈ، راولپنڈی، ص ۲۲۵۔

۶۲- الزمر: ۳۹: ۹؛ المائدہ ۵: ۱۰۰؛ الحشر ۵۹: ۲۰۔

۶۳- مسلمانوں کا نظامِ شوریٰ، ص ۲۲۶،۲۲۷۔

۶۴- السیوطی، عبدالرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین، دارالفکر، بیروت، ۲/۳۵۹۔

۶۵- سنن أبی داود، کتاب الأدب، باب فی المشورۃ، رقم الحدیث: ۵۱۲۸۔

۶۶- المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الأحکام، رقم الحدیث: ۷۰۲۳۔

۶۷- الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الأمارۃ، باب کراھۃ الأمارۃ بغیر ضرورۃ، رقم الحدیث: ۱۸۲۵۔

۶۸- الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الأمارۃ، باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا، رقم الحدیث: ۱۷۳۳۔

۶۹- سنن أبی داؤد، کتاب الأقضیہ، باب فی القاضی یخطئی، رقم الحدیث: ۳۵۷۵۔

۷۰- الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الامارۃ، باب الأمر بلزوم الجماعۃ، رقم الحدیث: ۱۸۵۱۔

۷۱- البقرۃ۲: ۲۸۳۔

۷۲- سنن أبی داؤد، کتاب الأقضیۃ، باب فی شھادۃ الزور، رقم الحدیث: ۳۵۹۹۔

۷۳- خالد سیف اللہ رحمانی، اسلام اور جدید فکری مسائل، ملک اینڈ کمپنی، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ص ۳۲۳۔



Marfat.com

۷۴۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب من سئل علما، رقم الحدیث ۵۹۔
۷۵۔ الممتحنۃ ۶۰: ۱۲۔
۷۶۔ ابنِ قتیبہ، عبد اللہ بن مسلم، ابو محمد الدینوری، عیون الاخبار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، ۸۲/۱۔
۷۸۔ اسلامی جمہوریت، ص ۷۷، ۷۸۔
۷۹۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجہاد۔
۸۰۔ ابن الاثیر، علی بن محمد الشیبانی، عزالدین، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۴م، حرف الشین، الشفا بنت عبد اللہ، رقم: ۷۰۴۵، ۱۶۲/۷؛ الاصابۃ لابن حجر، ۳۴۱/۴۔
۸۱۔ البدایۃ والنہایۃ، ۱۶۴/۷۔
۸۲۔ العسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر، ابو الفضل، تہذیب التہذیب، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند، ۱۳۲۶ھ، ۴۳۵/۱۲۔
۸۳۔ سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب من فضل عائشۃ رضی اللہ عنہا، رقم الحدیث: ۳۸۸۳۔
۸۴۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معرف القرآن، کراچی، ص ۲۶۹۔
۸۵۔ المعجم الکبیر للطبرانی، مکتبہ ابنِ تیمیۃ، القاہرۃ، ۱۹۹۴م، ۳۱۲/۱۰، باب العین، عطاء بن یسار عن ابنِ عباس، رقم الحدیث: ۱۰۷۶۰۔
۸۶۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء، البدایۃ والنہایۃ، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۸م، ۱۲۱/۱۔
۸۷۔ اسلامی جمہوریت، ص ۱۵۵، ۱۵۶۔
۸۸۔ البدایۃ والنہایۃ، ۱۶۴/۷۔
۸۹۔ الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر، تاریخ الرسل و الملوک (تاریخ الطبری)، دار التراث، بیروت، ۱۳۸۷ھ، ۴۲۷/۴۔
۹۰۔ تاریخ الرسل والملوک، ۴۳۳/۴۔
۹۱۔ تاریخ الرسل والملوک، ۴۳۵/۴۔
۹۲۔ تاریخ الرسل والملوک، ۴۲۷/۴۔
۹۳۔ اسلام اور سیاسی نظریات، ص ۲۳۳۔
۹۴۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء، البدایۃ والنہایۃ، کتاب مبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ھجرۃ من ھاجر من أصحاب رسول اللہ من مکۃ الی أرض الحبشۃ، دار ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان، ۲۰۰۳م، ۱۸۶/۴۔
۹۵۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المناقب، باب موت النجاشی، رقم الحدیث: ۳۸۷۷۔
۹۶۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۴۶۔



Marfat.com

۹۷- ایضاً۔
۹۸- مشکوٰۃ المصابیح لتبریزی، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، رقم الحدیث: ۱۰۹۔
۹۹- مسند امام احمد، موسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱م، ۳۴/۷۹، رقم الحدیث ۲۰۴۳۳۔
۱۰۰- الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من تأمر فی الحرب، رقم الحدیث: ۳۰۶۳۔
۱۰۱- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۶۲۔
۱۰۲- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۴۷۔
۱۰۳- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۱۰۳۔
۱۰۴- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۱۰۴۔
۱۰۵- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۱۰۹۔
۱۰۶- لسان العرب، ۲۸۳/۵۔
۱۰۷- سنن أبی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب فی اتخاذ الوزیر، رقم الحدیث: ۲۹۳۲۔
۱۰۸- مسند امام احمد، ۸۴/۶، رقم الحدیث ۳۶۰۰۔
۱۰۹- سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب أبی بکر الصدیق، رقم الحدیث ۳۶۸۰۔
۱۱۰- تاریخ الرسل والملوک، ۱۱۶/۳۔
۱۱۱- تاریخ الرسل والملوک، ۲۲۰/۳۔
۱۱۲- السیرۃ الحلبیۃ، ۴۲۷/۳۔
۱۱۳- الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب قول النبیؐ: یسروا ولا تعسروا، رقم الحدیث: ۶۱۲۴۔
۱۱۴- الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب بعث أبی موسیٰ و معاذ الیٰ یمن، رقم الحدیث: ۴۳۴۷۔
۱۱۵- سنن أبی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب فی ارزاق العمال، رقم الحدیث: ۲۹۴۵۔
۱۱۶- الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، رقم الحدیث ۱۴۲۔
۱۱۷- سیرۃ ابن ہشام، ۴۰۷/۳؛ سیرۃ الحلبیۃ، ۳۰۷/۳؛ جوامع السیر، ص ۲۹، ۳۰۔
۱۱۸- طبقات لابن سعد، ۲۵۸/۱۔
۱۱۹- الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الاحکام، باب ترجمۃ الحکام، رقم الحدیث: ۷۱۹۵۔
۱۲۰- فتح الباری، ۳۱۰/۱۶، ۳۱۱؛ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، المکتبۃ الاسلامیہ، الریاض، ۲۲۲/۲۔
۱۲۱- سیر الانصار، اعظم گڑھ، ۱۹۴۸ء، ۳/۱۔
۱۲۲- طبقات لابن سعد، ۲۵۸/۱۔
۱۲۳- طبقات لابن سعد، ۲۹۱/۱۱- ۳۵۹۔
۱۲۴- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۵۵۔



Marfat.com

۱۲۵- محمد اسحاق سندیلوی، اسلام کا سیاسی نظام، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، شبلی روڈ، اعظم گڑھ، ص ۲۵۴۔
۱۲۶- آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، ص ۱۲۰۔
۱۲۷- الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب مقام النبیؐ، رقم الحدیث: ۴۳۰۴۔
۱۲۸- السیرۃ لابنِ ہشام، ۴۴۴/۲؛ الکامل لابنِ کثیر، ۲۴۱/۲۔
۱۲۹- السیرۃ الحلبیۃ، ۴۲۶/۳۔
۱۳۰- ایضاً۔
۱۳۱- عہدِ نبوی کا نظامِ حکمرانی، ص ۱۷۶۔
۱۳۲- السیرۃ الحلبیۃ، ۴۲۲/۳۔
۱۳۳- السیرۃ الحلبیۃ، ۴۲۴/۳۔
۱۳۴- الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الأذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ، رقم الحدیث: ۶۶۰۔
۱۳۵- الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، رقم الحدیث ۱۸۲۷۔
۱۳۶- سنن ابن ماجۃ، ابوب الفتن، باب السواد الأعظم، رقم الحدیث: ۳۹۵۰۔
۱۳۷- سنن ابن ماجۃ، کتاب الأطعمۃ، باب الاجتماع علی الطعام، رقم الحدیث: ۳۲۸۷۔
۱۳۸- سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، رقم الحدیث: ۲۱۶۶۔
۱۳۹- سنن ابن ماجۃ، ابوب الفتن، باب السواد الأعظم، رقم الحدیث: ۳۹۵۰۔
۱۴۰- اسلامی جمہوریت، ص ۱۹۰۔
۱۴۱- اسلامی جمہوریت، ص ۱۹۵۔
۱۴۲- اسلامی جمہوریت، ص ۱۹۱



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

محمد نسیم خان*

پاکستان کے مروجہ سیاسی نظام کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی نظام کے تصور کی وضاحت کردی جائے تاکہ تمام بحث کے دائرہ کا تعین ہوجائے۔ سیاسی اصطلاح میں سیاسی نظام سے مراد کسی ملک کا نظام حکومت، ریاست اور تمام ریاستی ادارے (جیسے مقننہ، عدالتی نظام، انتظامیہ)، سیاسی جماعتیں، رائے عامہ کے ادارے (میڈیا، پریشر گروپ)، انکا باہمی تعلق و تعامل، باہمی تعلق و تعامل کا طریقہ کار اور اصول وضوابط، آئین و قوانین اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے پالیسی وغیرہ امور ہیں۔ سیاسی نظام ایک معاشرہ کے نظاموں میں سے ایک ذیلی نظام ہوتا ہے۔ یہ اس کے فلسفہ حیات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مختصر طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیاسی نظام کسی معاشرہ کے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے وضع کردہ اداروں اور طریقہ کار کا نام ہے۔ مظہر الحق سیاسی نظام کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

A political system means a network of individuals, groups and organizations whose interaction and relationships help to determine, enforce and interpret the rules and policies governing the behaviour of the society. It includes not the governmental institutions, such as legislature, courts or administrative agencies but also all structures in their political aspects.(1)

علامہ ابن خلدون سیاست کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

سیاست اس ذمہ داری کا نام ہے جس کی رو سے عام انسانی نگہداشت (کفالت) کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ جس کے ذریعے خدا کی نیابتی حکومت بندگان خدا میں خدا کے قوانین کو نافذ کرتی ہے اور احکام کا اجراء عمل میں لاتی ہے۔ اس کام میں انسانی بہتری اور مفاد عامہ کا لحاظ رکھتی ہے اور قانون (شرائع) کو فیصلہ کن قوت تسلیم کرتی ہے۔(۲)

علامہ ابو البقاء سیاست کی تعریف یہ کرتے ہیں:

---

* پرنسپل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول بحالی، مانسہرہ



Marfat.com

وہ کام جس کا مقصد انسان کی بہتری کے لئے ایک ایسا راستہ پیدا کرنا ہے جو حال اور مستقبل کی رہنمائی کے لئے ضمانت کر سکے۔ سیاست انبیاء کی ذمہ داری ہے جو اپنے عام اور خاص، ظاہری اور باطنی دائرہ میں اسی طرح کام کرتی ہے جس طرح حکمران صرف ظاہری حلقہ اثر میں اس ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں۔ علامہ سیاست اجتماعی کو سیاست خلافت قرار دیتے ہیں۔ (۳)

علامہ ابو الحسن ماوردی فرماتے ہیں:

اسلامی حکومت ایک قسم کی قیادت ہے جو دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست پر مبنی ہے، گویا دین کی حفاظت کے بعد دنیا کے کاموں میں اس کا حصہ لینا سیاست پر موقوف ہے۔ سیاست ایک خدائی آلہ کار ہے، جس کا کام اجتماعی نظام کا اتحاد ہے۔ وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ قانون (شریعت) کا تعلق ذمہ داریوں سے ہے اور سیاست کا دنیا کی تعمیر سے۔ (۴)

شاہ ولی اللہ تصریح کرتے ہیں کہ اسلام کے نظام اجتماعی کا تعلق سیاست سے ہے اور سیاست کی اساس معتدل واجبات پر ہے۔ انبیاء کی جدوجہد کا مدار بھی درحقیقت دو چیزوں پر رہا ہے۔ صحیح انسانی تہذیب پر اور امت کی سیاست پر۔ (۵)

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں سیاست وہ فن ہے جو حکومت کے واجبات اور سلطنت کے نظم و نسق سے تعلق رکھتا ہے۔

## سیاست کا مقام اسلام میں

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کی حیثیت سے زندگی کے تمام شعبوں کے بارے ہدایات و رہنمائی دیتا ہے اور سیاست کے متعلق بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اگر ہم سیاست کو ربانی ہدایات کی روشنی میں سر انجام دیں گے تو ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت وبندگی کر رہے ہوں گے۔

عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ عبادتیں جن کا مقصد اللہ کی پرستش کے سوا کچھ اور نہیں، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی وغیرہ۔ یہ براہ راست عبادتیں ہیں۔ اور دوسری قسم وہ عبادات ہیں جن میں کوئی عمل اگرچہ اپنے کسی دنیوی فائدہ کے لئے کیا جاتا ہے لیکن وہ عمل اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق کیا جاتا ہے او ان احکام کی پابندی میں نیت اللہ کی رضاجوئی کی ہوتی ہے، تو وہ عمل بالواسطہ عبادت بن جاتا ہے۔۔۔ سیاست کا معاملہ یہ ہے کہ اگرایک مرتبہ اس کا نظام شریعت کے مطابق ہو کر صحیح معنی میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو اس کے ذریعے تمام بلاواسطہ اور بالواسطہ عبادتوں کی ادائیگی نہ صرف آسان ہوجاتی ہے بلکہ ان کا دائرہ عمل زیادہ وسیع ہوجاتا ہے، اس لئے دوسری بلاواسطہ عبادتوں کے مقابلے میں اس کی اہمیت زیادہ ہے۔ (۶)



Marfat.com

## سیاسی نظام اور سیاسی اداروں کی تشکیل اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام نے سیاسی نظام کے متعلق اصولی اور بنیادی احکامات عطا کر دیے ہیں اور عمرانی ارتقاء کے ساتھ ہر دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے سیاسی نظام اور سیاسی اداروں کی تشکیل کیلئے ان اصولی ہدایات کو رو بعمل لایا جائے گا۔ سیاسی نظام کی تفصیلات (details) کو انسانی عقل و بصیرت پر چھوڑا گیا ہے۔ اسلام کے اصول سیاست ایک طرف ناقابل تبدیلی ہیں اور دوسری طرف اتنے لچکدار ہیں کہ ان پر عمل کا طریقہ کار زمان و مکان کے تقاضوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے متعین کیا جا سکتا۔ جب ہم اسلامی سیاست کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد کوئی ایسا لگا بندھا طریقہ حکومت نہیں ہوتا جس کی تمام جزوی تفصیلات ہمیشہ کے لئے طے شدہ ہوں، بلکہ اس سے مراد وہ بنیادی تصورات اور وہ اساسی اصول و قواعد ہیں جو قرآن و سنت نے متعین فرمادیے ہیں(۷)۔

## اسلامی سیاسی نظام کے بنیادی اصول اور موجودہ سیاسی نظام کا جائزہ

### آ۔ اقتدار اعلیٰ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہے

ہمارے ملک کے دستور کی تمہید (preamble) ہماری ریاست اور سیاست کے لیے رہنما کا کام کرتی ہے۔ یہ ہمارے نظام حکومت کے لیے بھی مشعل راہ ہے۔ یہ تمہید قرارداد مقاصد کہلاتی ہے جو ۱۹۴۸ء میں ملک کی دستور ساز اسمبلی میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور دوسرے رہنماؤں کی مساعی سے منظور کی گئی تھی۔ جب قیام پاکستان کے بعد ملک میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ملک میں کس قسم کا دستور بننا چاہیئے۔ اس وقت لادینی جمہوریت کے حامیوں کی طرف سے یہ کوشش کی جارہی تھی کہ ملک کو لادینی ریاست قرار دیا جائے۔ اس قرارداد نے ریاست پاکستان کا بحیثیت مجموعی اور خصوصا دستور پاکستان کا رخ متعین کردیا۔(۸)

اس قرارداد میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا وہ ایک مقدس امانت ہے۔(۹)

قرآن و حدیث میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کا اظہار بار بار مختلف انداز سے کیا گیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مختار مطلق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: {جو چاہے اسے پورا کر سکتا ہے}(۱۰)

ایک دوسری جگہ فرمایا: {جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی کوئی پرسش نہیں۔}(۱۱)

پھر فرمایا: {اس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے۔}(۱۲)

ارشاد ہوتا ہے: {بادشاہ حقیقی، پاک ذات، سلامتی امن دینے والا}(۱۳)

اللہ تمام کائنات اور مخلوقات کا خالق ہے اور اس کی مخلوق پر کسی اور کو حکم چلانے کا حق نہیں۔



Marfat.com

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: {خبردار خلق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کے لیے ہے}(۱۴)

اسلام میں یہ قطعی طور پر طے کر دیا گیا کہ قانونی حاکمیت اسی کی مانی جائے گی جس کی واقعی حاکمیت ساری کائنات پر قائم ہے اور جسے انسانوں پر حاکمیت کا لاشریک حق حاصل ہے۔(۱۵)۔

ارشاد خداوندی ہے: {جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں}(۱۶)

دوسرے مقام پر فرمایا: {جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی ظالم ہیں}(۱۷)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: {حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں، اس کا فرمان ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی بندگی و اطاعت نہ کرو، یہی صحیح طریقہ ہے}(۱۸)

فرمایا: {پیروی کرو اس قانون کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو}(۱۹)

قانونی حاکمیت اللہ کی ہے اور اسی کی اجازت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی بھی اللہ کے حکم کی پیروی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: {ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے، اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کی اذن سے اس کی پیروی کی جائے}(۲۰) {جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے دراصل اس نے اللہ کی اطاعت کی}(۲۱)

{اور کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ اور رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کر دیں تو پھر خود اپنے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا}(۲۲)

مولانا حامد انصاری اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حاکمیت کی وضاحت بڑے زبردست انداز میں کرتے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

☆حکومت و سلطنت میں سب سے پہلی ہستی فرمانروائے اعلیٰ ہے۔ اسلامی حکومت اپنی مؤثر تنظیمات، اپنے احکام و قوانین کے اجراء اور اپنے اقتدار کے دائرہ میں خداوند تعالیٰ کی واحد ہستی کو فرمانروائے اعلیٰ (حکومت کا اصل مالک) سمجھتی ہے۔ یہ ہستی اعتقاد کا مرکز، اعمال کا محور، ضابطہ و دستور کا سرچشمہ، سلطنت کا مبدأ، عالمانہ تدبر، حکیمانہ انصاف اور حاکمانہ تشکیلات کا مرجع اول ہے۔ اس نے دنیا کو پیدا کیا ہے اور دنیا کی طرح حکومت کو بھی پیدا کیا ہے۔ حکومت اس کے فعل کا نام ہے اور حکم اس کے قانون کا جوہر ہے۔ اس کی اعلیٰ طاقت نظام حکومت کی روح ہے اور اس کا قانونی ارادہ سلطنت کی عام تنظیم و ترقی کی حقیقت ہے۔ وہ اپنی بلند و برتر، مبارک و معزز، غالب و حاوی، غیر معمولی مگر واحد۔ یگانہ و یکتا۔ ہستی کے اعتبار سے حکومت کی فرض شناسی اور جدوجہد کا نشان امتیاز ہے۔ وہ حقیقی وحدت ہے جس



Marfat.com

کے نام پر قوموں اور ملتوں، ملکوں اور مملکتوں، طبقوں اور جماعتوں، مذہبوں اور سیاسی مسلکوں کی تمام تقسیمیں سمٹ کر ایک ہو جاتی ہیں اور اپنے عالمگیر توحد کے لئے فطری رجحان کو ظاہر کرتی ہیں۔ (۲۳)

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں خدا کی بالادستی کو ماننے کے معنی یہ ہیں کہ تمام دنیا ایک بالادست وجود کے سایہ میں آباد ہے۔ تمام انسان انسانیت میں برابر ہیں۔ جملہ انسانوں کے حقوق یکساں ہیں۔ ہر انسان اپنے برابر کے درجہ کے انسان کی غلامی سے آزاد ہے۔(۲۴)

مولانا تقی عثمانی اللہ کی حاکمیت کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

اسلام میں اللہ کی حاکمیت کاواضح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی متلو او رغیر متلو کے ذریعے جو ہدایات انسانوں تک پہنچائی ہیں وہ اسلامی حکومت کا اولین ماخذ ہیں اور حکومت ان کے خلاف نہ کوئی قانون بنا سکتی ہے اور نہ کوئی اقدام کر سکتی ہے(۲۵)

قرارداد مقاصد میں حاکمیت اعلیٰ اللہ کے لیے کا اظہار تو کردیا گیا لیکن اس ضمن میں ۱۹۷۳ء کے آئین میں جو طریقہ کار رکھا گیا ہے وہ عملی طور پر حاکمیت اعلیٰ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے قائم کرنے کی طرف پیش رفت میں رکاوٹ ہے۔ ملکی رائج قوانین کو قرآن و سنت کی روشنی میں ڈھالنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل اور فیڈرل شریعت کورٹ کے ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی بڑی عرق ریزی سے تیار کردہ رپورٹس حکمرانوں کی الماریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ ان پر عمل در آمد کی طرف کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ نے جو تاریخی فیصلے قوانین کو اسلامی بنانے کے سلسلہ میں دیے ہیں ان پر بھی عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ سود پر سپریم کورٹ کے تاریخی فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست کے ذریعے عمل درآمد کرنے سے مسلسل اجتناب کیا جارہا ہے۔

آئین پاکستان کی دفعہ 227 (A) میں کہا گیا ہے کہ موجودہ قوانین کو کتاب و سنت کی تعلیمات کی مطابقت میں لایا جائے گا اور کوئی قانون ان تعلیمات کے خلاف نہ بنایا جائیگا۔ آئین کے آرٹیکل ۲۲۹ میں لکھا گیا ہے کہ صدر یا کسی صوبے کا گورنر اگر چاہے یا اگر کسی ایوان یا کسی صوبائی اسمبلی کی کل رکنیت کا ۵/۲ حصہ اگر مطالبہ کرے تو کسی سوال پر اسلامی کونسل سے مشورہ کیا جائے گا کہ آیا کوئی مجوزہ قانون اسلام کے احکام کے منافی ہے یا نہیں۔ آگے چل کر اسلامی کونسل کے کارہائے منصبی کے متعلق کہا گیا کہ کونسل کا کام مجلس شوریٰ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلی سے ایسے ذرائع اور وسائل کی سفارش کرنا ہے جن سے پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی زندگیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر لحظہ اسلام کے ان اصولوں اور تصورات کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب اور امداد ملے جن کا قرآن پاک اور سنت میں تعین کیا گیا ہے۔ آرٹیکل (۲)۲۳۰ کے مطابق جب کوئی ایوان، کوئی صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر جیسی بھی صورت ہو، یہ خیال کرے کہ مفاد عامہ کی خاطر مجوزہ قانون کا وضع کرنا جس کے بارے میں سوال اٹھایا گیا تھا مشورہ



Marfat.com

حاصل کرنے تک ملتوی نہ کیا جائے تو اس صورت میں مذکورہ قانون مشورہ مہیا ہونے سے قبل وضع کیا جاسکے گا مگر شرط یہ ہے کہ جب کوئی قانون اسلامی کونسل کے پاس مشورے کے لیے بھیجا جائے اور کونسل یہ مشورہ دے کہ قانون اسلامی احکام کے منافی ہے تو ایوان یا جیسی بھی صورت ہو، صوبائی اسمبلی، صدر اس وضع کردہ قانون پر دوبارہ غور کرے گا۔(۲۶)

ان دفعات سے یہ چیز سامنے آتی ہے کہ اسلامی کونسل کی سفارشات محض مشورہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور قانون ساز ادارے ان سفارشات کو ماننے کے پابند نہیں ہیں اور اگر کسی قانون کو وضع کر دیا گیا ہے اور اسلامی کونسل اسے قرآن و سنت کے خلاف قرار بھی دیتی ہے تو متعلقہ قانون ساز ادارہ محض دوبارہ غور کر سکتا ہے اور اس غور کے بعد وہ ادارہ اسے اپنی اصل حالت میں بر قرار رکھنے کا فیصلہ کر سکتا ہے کیونکہ اسلامی کونسل کی سفارشات پر لازمی عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔اس کی سفارشات محض مشورہ کی حیثیت رکھتی ہیں(۲۷)۔ کیا یہ چیز قرار دار مقاصد میں درج حاکمیت خداوندی کے منافی نہیں؟ ہمارے قانون سازوں کو اس چیز پر غور کرنا چاہیے۔

ہم نے قرارداد مقاصد میں اللہ کی حاکمیت کا اعلان بھی کر دیا ہے، پھر آئین کی دفعہ ۲ میں یہ بھی اعلان کر دیا کہ اسلام ریاست کا مذہب ہو گا۔مروجہ قوانین کو اسلامیانے کے لیے اسلامی کونسل کے علاوہ شریعت کورٹ بھی قائم کی گئی ہے جو مروجہ قوانین کے اسلامی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہو گی۔لیکن وفاقی شرعی عدالت مسلم شخصی قانون، عدالتی طریقہ ہائے کار، مالی قانون، محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق قوانین کے بارے میں فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔وفاقی شرعی عدالت اگر کسی قانون کو خلاف اسلام قرار دے تو اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جا سکتی ہے (آرٹیکل ۲۰۳۔ڈی۲)۔ سپریم کورٹ شرعی کورٹ کے فیصلہ کو تبدیل یا منسوخ کر سکتی ہے۔(۲۸) ماضی میں سپریم کورٹ سود کے خلاف شرعی عدالت کے فیصلے کو معطل کر چکی ہے۔

اس بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہم نے زبانی طور پر اللہ کی حاکمیت کا اقرار تو کر لیا ہے لیکن عملی طور پر دستور میں ایسی Provisions موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی نفی کرتی ہیں اور ہم اب بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کے مطابق فیصلے کرنے سے انکاری ہیں۔ اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً۔البقرہ۔۲۰۸) اور قرآن ہمیں تنبیہ کرتا ہے کہ کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔(أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ۔البقرہ:۸۵)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے دین اسلام کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ حرام و حلال کو قرآن و حدیث میں کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔اب کسی انسان کا اختیار باقی نہیں رہا کہ وہ اللہ کی حلال کردہ



Marfat.com

اشیاء کو حرام اور حرام کردہ اشیاء کو حلال کرے۔ کسی انسان یا اس کے قائم کیے ادارے کا یہ اختیار باقی نہیں رہ گیا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے شریعت سازی کا کام کرے۔ ارشاد خداوندی ہے:

{کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے شریعت سازی کر رکھی ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا}(۲۹)

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت میں شرکاء سے مراد ظاہر بات ہے کہ وہ شریک نہیں ہیں جن سے لوگ دعائیں مانگتے ہیں، یا جن کی نذر و نیاز چڑھاتے ہیں یا جن کے آگے پوجا پاٹ کے مراسم ادا کرتے ہیں۔ بلکہ لامحالہ ان سے مراد وہ انسان ہیں جن کو شریک فی الحکم ٹھہرالیا ہے، جن کے سکھائے ہوئے افکار و عقائد اور نظریات اور فلسفوں پر لوگ ایمان لاتے ہیں، جن کی دی ہوئی قدروں کو مانتے ہیں، جن کے پیش کیے ہوئے اخلاقی اصولوں اور تہذیب و ثقافت کے معیاروں کو قبول کرتے ہیں، جن کے مقرر کیے ہوئے قوانین اور طریقوں اور ضابطوں کو اپنے مذہبی مراسم اور عبادات میں، اپنی شخصی زندگی میں، اپنی معاشرت میں، اپنے تمدن میں، اپنے کاروبار میں اور لین دین میں، اپنی عدالتوں میں اور اپنی سیاست اور حکومت میں اس طرح اختیار کرتے ہیں کہ گویا یہی وہ شریعت ہے جس کی پیروی ان کو کرنی چاہیے۔ یہ ایک پورا کا پورا دین ہے جو اللہ رب العالمین کی تشریع کے خلاف اور اس کے اذن (Sanction) کے بغیر ایجاد کرنے والوں نے ایجاد کیا اور ماننے والوں نے مان لیا اور یہ ویسا ہی شرک ہے جیسا غیر اللہ کو سجدہ کرنا اور غیر اللہ سے دعائیں مانگنا شرک ہے۔(۳۰)

قرآن حکیم نے نصاریٰ کی مذمت میں فرمایا کہ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔(۳۱)

اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ

"حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم جو پہلے عیسائی تھے جب نبیؐ کے پاس حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوئے تو انہوں نے منجملہ اور سوالات کے ایک یہ سوال بھی کیا تھا کہ اس آیت میں ہم پر اپنے علماء اور درویشوں کو خدا بنا لینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ واقعہ نہیں ہے جو کچھ یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ یہ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور ہم کرتے رہے ہیں۔ فرمایا بس یہی ان کو خدا بنا لینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لیے جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرتے ہیں اور جو ان کے اس حق شریعت سازی کو تسلیم کرتے ہیں وہ انہیں خدا بنا لیتے ہیں(۳۲)



Marfat.com

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر ان لوگوں کی منافقت کو آشکار کیا گیا ہے جو کہ دعویٰ تو وحی الٰہی پر ایمان لانے کا کرتے ہیں لیکن فیصلے طاغوتی قوتوں سے کراتے ہیں۔

"اے نبیؐ تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی ہیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں (۳۳)

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ طاغوت کی تشریح یوں کرتے ہیں:

یہاں صریح طور پر "طاغوت" سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔ لہٰذا یہ آیت اس معنی میں بالکل صاف ہے کہ جو عدالت "طاغوت" کی حیثیت رکھتی ہو اس کے پاس اپنے معاملات فیصلہ کے لیے لے جانا ایمان کے منافی ہے اور خدا اور اس کی کتاب پر ایمان لانے کا لازمی اقتضاء یہ ہے کہ آدمی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ قرآن کی رو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر دونوں لازم و ملزوم ہیں اور خدا اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا عین منافقت ہے۔ (۳۴)

## ب۔ اختیار و اقتدار ایک مقدس امانت ہے

قرارداد مقاصد میں یہ طے کیا گیا کہ پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہو گا وہ ایک مقدس امانت ہے۔ (۳۵)

قرآن میں حکومت کے لئے امانت کا لفظ بھی موجود ہے۔ یہ ایک اصطلاح ہے جو انسان کو یہ سمجھنے پر آمادہ کرتی ہے کہ حکومت انسان کے ہاتھ میں ایک سنگین امانت ہے۔ اس نظریہ کے مطابق حکومت کی حقیقت کا اظہار امانت کے لفظ سے ہوتا ہے۔ حکومت کسی شخص کا ذاتی فعل نہیں ہے۔ بلکہ ایک خدائی امانت ہے۔ اس امانت کا استعمال کرنے والا ایک برتر ذات کے سامنے جواب دہ اور عوام کے سامنے مسؤل ہے۔ (۳۶)

علامہ زمخشری کے نزدیک امانت عظیم القدر سنگین اور گرانبار ذمہ داری ہے۔ امانت سے مراد اطاعت ہے۔ اللہ کے حکم اور امتناعی احکام کی اطاعت۔ علامہ ابو حیان کے الفاظ میں انسان عظیم و جلیل القدر ذمہ داریوں کا مکلف ہے۔ ان کا صحیح احساس اور اس حساس کے ساتھ ساتھ خدائی حکومت کے احکام



Marfat.com

سے وفاداری امانت ہے جب تک حکم کی اطاعت کی جائے گی امانت باقی رہے گی کیونکہ آغاز تخلیق سے امانت کا تعلق حکومت سے رہا ہے۔ زید بن اسلم اور جبائی کے مطابق امانت یہ ہے کہ حکومت کی ذمہ داری اور عوام کے حقوق لے لیے فرض شناسی سے کام کیا جائے اور ان کو مذہب اور قانون کے مطابق پورا کیا جائے۔(۳۷)

قرآن حکیم اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اختیار، اقتدار اور عہدوں کو امانت قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔}(۳۸)

قرآن حکیم کے اس فرمان نے اقتدار و اختیاراور عہدوں کی حیثیت کا تعین بڑے واضح الفاظ میں کر دیا ہے۔ اقتدار و اختیار اور عہدوں کو امانت کہا گیا ہے اور حکم دیا گیا کہ عہدے یا امانتیں اہل لوگوں کے حوالہ کرو اور غیر اہل لوگوں کو ذمہ داریاں نہ دو کیونکہ جب نا اہل لوگ اور بددیانت لوگ اقتدار و اختیار حاصل کریں گے تو وہ ان کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے اور نظم مملکت میں خرابیاں پیدا ہوں گی اور خلق خدا بھی مشکلات کا شکار ہو گی۔

آیت مذکورہ کے حوالہ سے مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنے انحطاط کے دور میں ذمہ داری کے مناصب ( Postions of trust) نا اہل، کم ظرف، بد اخلاق، بد دیانت اور بدکار لوگوں کے حوالہ کرنے شروع کر دیے تھے۔(۳۹)

اسی آیت کریمہ کے حوالہ سے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

اس جگہ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآن حکیم نے لفظ امانت بصیغۂ جمع استعمال فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ امانات صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہو اسے امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے بلکہ اس آیت کریمہ کی شان نزول میں جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ کسی مالی امانت کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ بیت اللہ کی کنجی کی حوالگی کا ذکر کرتا ہے جو خدمت بیت اللہ کے ایک عہدہ کی نشانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور مناصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں۔ (۴۰)

قرآن حکیم میں ایک اور مقام ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں خیانتوں کے مرتکب نہ ہو"(۴۱)

یہ آیت کریمہ حضرت ابو لبابہؓ کے واقعہ کے حوالہ سے نازل ہوئی جنہیں بنو قریظہ کے معاملہ میں حکم بنایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے منصب کے معاملہ میں خیانت کا ارتکاب کیا جب انہوں نے بنو قریظہ کے



Marfat.com

یہودیوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز اشارتاً افشا کر دیا تھا۔ انہیں اس آیت میں تنبیہ کی گئی کہ وہ امانتوں (عہدہ کی ذمہ داریوں کے معاملہ میں خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔ یہ آیت کریمہ بھی اختیار اور اقتدار اور مناصب کے امانت ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔(۴۲)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہاں امانتوں سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جو کسی پر اعتبار (Trust) کرکے اس کے سپرد کی جائیں خواہ وہ عہد و وفا کی ذمہ داریاں ہوں یا اجتماعی معاہدات یا کسی ایسے عہدہ و منصب کی جو کسی شخص پر بھروسہ کرتے ہوئے جماعت اسکے حوالہ کرے۔(۴۳)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث بھی عہدوں اور مناصب کے امانت ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت ابو ذرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ مجھے عامل نہیں بناتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذرؓ تو کمزور ہے اور یہ امانت ہے اور قیامت میں یہ رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگی جو لوگ اس امانت کا حق ادا نہیں کریں گے (۴۴)۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کا قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔(۴۵)

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب امانت کو ضائع کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اسکا ضائع کرنا کیا ہے۔ فرمایا جب ذمہ داری نااہلوں کے سپرد کی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔(۴۶)

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ خدا کے قانون کے مطابق حکومت کرے، امانت کو ادا کرے۔ جب امام اس طرح فرض ادا کرے تو عوام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کے حکم کو سنیں اور اطاعت کریں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ــــــ: جو شخص حکومت کی ذمہ داریوں کو مناسب طور پر تقسیم نہیں کرتا وہ اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے حق اور امانت میں خیانت کرتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ اچھی حکومت کے دو ستون قرار دیتے ہیں: انصاف اور امانت۔(۴۷)

قرارداد مقاصد میں ہم نے اختیار و اقتدار کی حیثیت کو بجا طور پر امانت declare کر دیا اور سطور بالا کی بحث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن ہماری سیاسی قیادت جسے جب جب بھی اقتدار و اختیار ملا اس نے بحیثیت مجموعی نہ تو اسلامی تعلیمات کو اپنے سامنے رکھا اور نہ ملکی آئین و قوانین کو درخور اعتناء سمجھا۔ لوٹ کھسوٹ، کرپشن، کمیشن، kickbacks، پلاٹوں کی الاٹمنٹ، پرمٹ، سرکاری وسائل کا بے دریغ ذاتی استعمال، ٹیکس چوری، رشوت، نوکریوں کی فروخت، اقرباپروری، قرضے لے کر معاف کرا دینا، منی لانڈرنگ، پیسوں کی غیر ملکی اکاؤنٹس میں منتقلی وغیرہ وطیرہ رہا ہے۔ انہیں عوامی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ ایسے منصوبے شروع کیے گئے



Marfat.com

جن میں انہیں مال بنانے کا موقع مل سکتا تھا۔ اس چیز کا گواہ ہمارا ملکی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا ہے۔(۴۸)

ضرورت اس امر کی ہے کہ نیب کے ادارے کو زیادہ مؤثر، فعال اور خود مختار بنایا جائے تاکہ وہ سیاستدانوں اور بیوروکریسی کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کرسکے۔ ایسی قانون سازی کرنے کی بھی ضرورت ہے جو بدعنوان سیاستدانوں کو ہمیشہ کے لئے نااہل قرار دے۔ آئین کی دفعہ ۶۲، کو صحیح طور پر فعال کیا جائے تاکہ نااہل اور بددیانت لوگ اسمبلیوں تک نہ پہنچ سکیں۔

## ج۔ جمہوری خلافت یا نیابتی حکومت

قرارداد مقاصد میں آگے یہ کہا گیا کہ پاکستان کے جمہور کی منشا ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب کردہ نمائندہ کے ذریعے استعمال کرے گی۔(۴۹)

قرارداد مقاصد کی یہ شق میں اسلامی جمہوری نظام کی ضمانت دیتی ہے جس میں عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے اقتدار و اختیار اللہ کی مقرر کردہ حدود میں بطور مقدس امانت استعمال کیا جائے گا۔

حاکمیت اعلیٰ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ہے اور دنیوی زندگی میں انسان اللہ کے نائب کی حیثیت سے اس کے عطا کردہ اختیار کو استعمال کرے گا۔۔۔۔۔اس نیابت کے لفظ سے آپ کا ذہن ظل اللہ، اور پاپائیت اور بادشاہوں کے خدائی حقوق (Divine rights of kings) کی طرف منتقل نہ ہوجائے۔ نیابت کا یہ مقام کسی فرد واحد، یا کسی خاندان، یا کسی مخصوص طبقے کا حق نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کا حق ہے جو اللہ کی حاکمیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پہنچے ہوئے قانون کو بالاتر قانون مان لیں۔ (۵۰)

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

{اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم میں سے ایمان لایا اور عمل صالح کیا
کہ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا}(۵۱)

اس ضمن میں مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:

یہ چیز اسلامی خلافت کو قیصریت اور پاپائیت اور مغربی تصور والی مذہبی ریاست(Theocracy) کے برعکس ایک جمہوریت بنا دیتی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ اہل مغرب جس کو لفظ جمہوریت سے تعبیر کرتے ہیں، اس میں جمہور کو حاکمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے، اور ہم مسلمان جس کو جمہوریت کہتے ہیں اس میں جمہور صرف خلافت کے حامل ٹھہرائے جاتے ہیں۔ ریاست کے نظام کو چلانے کے لئے ان کی جمہوریت میں بھی عام رائے دہندوں سے حکومت بنتی اور بدلتی ہے اور ہماری جمہوریت بھی اسی کی متقاضی ہے۔ مگر اس فرق کے ساتھ کہ ان کی جمہوریت مطلق العنان ہے اور مختار مطلق ہے اور ہمارے تصور کے مطابق جمہوری خلافت اللہ کے قانون کی پابند۔(۵۲)

اسی ضمن میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:



Marfat.com

خلافت شوریٰ کے ذریعے ہونی چاہیے۔ اس کی اول دلیل تو قرآن کی آیت اَمۡرُھُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَھُمۡ (ان کے معاملات آپس میں مشورے سے طے پاتے ہیں (شوریٰ: ۳۸) ہے۔ اس کے علاوہ خلافت شوریٰ کے ذریعے منتخب ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خلیفہ کی نامزدگی نہیں فرمائی اور نامزدگی نہ فرمانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا انتخاب عام مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔ اگر عام مسلمانوں نے انتخاب نہ کرنا ہوتا تو آپ خود کسی کو نامزد فرما کر تشریف لے جاتے۔۔۔۔ مصنف ابو شیبہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ جو شخص مسلمانوں کے معاملات مشورے کے بغیر زبردستی چھینے اس کی بیعت نہیں ہوتی۔ یہ سب دلائل اس بات کو واضح کرنے کیلئے کافی ہیں کہ خلیفہ کے لئے شوریٰ ضروری ہے۔ اب شوریٰ کا کیا مطلب ہے؟ آیا بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹنگ یا کسی مخصوص جماعت یا حلقے کی طرف سے ووٹنگ؟ تو اس کے لئے قرآن و سنت نے کوئی خاص طریقہ معین کرنے کی بجائے اس کی تفصیلات کو ہر زمانے کے مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے}(۵۳)

اس بحث سے اصولی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اقتدار واختیار رائے عامہ کی تائید وحمایت سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چاروں خلفاء راشدین کے انتخاب کے نظائر بھی جمہور کی رائے اور تائید سے حق حکمرانی حاصل کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار خلیفہ کے انتخاب کے لئے اکٹھے ہوئے اور وہ انصار میں سے خلیفہ کو منتخب کرنا چاہتے تھے۔ جب حضرت ابو بکرؓ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ وہاں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کے ہمراہ انہیں سمجھانے کی کوشش کرنے گئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین تک معاملہ مؤخر کریں۔ انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی پر اپنا حق جتلایا اور اس کے حق میں دلائل پیش کئے۔ متعدد تجاویز پر بحث ہوئی۔ حضرت ابو بکر نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کے نام تجویز کئے۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور وہ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے لئے بڑھے لیکن انصار نے کہا کہ وہ پہلے بیعت کریں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے تمام مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور ان کو بتایا کہ کس طرح ان کی مرضی کے خلاف ان کو منتخب کیا گیا۔ آپؓ نے ان کو کہا کہ جو فیصلہ ہوا وہ اس کی تائید کے ہرگز پابند نہیں آپ آزاد ہیں اور نئے خلیفہ کا انتخاب کرسکتے ہیں لیکن لوگوں نے پہلے فیصلہ کو تبدیل نہ کیا اور آپؓ کی بیعت کرلی۔ جب اس انتخاب کی خبر اردگرد کے علاقوں میں پہنچی تو گورنروں کے ذریعے آپؓ کی بیعت کرلی۔ حضرت علیؓ اس اجتماع میں موجود نہ تھے۔ بعد میں حضرت ابو بکرؓ ان کے پاس گئے اور ان سے اس فیصلہ کی تائید کا کہا، انہوں نے کہا کہ میں ہرگز آپؓ کے خلاف نہیں ہوں، مجھے جس چیز پر اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ اجلاس میں مجھے بلائے بغیر یہ فیصلہ کیا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے پورے واقعہ کی وضاحت کی، جلد ہی دونوں میں مصالحت



Marfat.com

ہوگئی اور حضرت علیؓ نے ان کی بیعت کردی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض صحابہؓ نے بیعت سے انکار کردیااور کم از کم ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہؓ نے عمر بھر آپؓ کی بیعت نہ کی۔ تاہم جن اصحاب نے آپؓ کی بیعت نہیں کی تھی ابو بکرؓ نے نہ صرف ان سے کبھی تعرض نہیں کیا بلکہ ان کے احترام میں بھی کوئی کمی نہیں کی اور ان لوگوں نے بھی حکومت کے معاملات میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی بلکہ معاونت کی اور جنگی مہمات میں شرکت کی۔ (۵۴)

اولین انتخاب خلیفہ کے عمل کی وضاحت تفصیل سے کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ حکمرانی کا حق عوامی تائید و حمایت سے مشروط ہے۔ حکمران کو اگر کوئی ووٹ نہ دینا چاہے تو وہ بھی اسلام کی رو سے جائز ہے اور اس سلسلہ میں زور زبردستی جائز نہیں۔ جدید سیاسی اصطلاح کے مطابق اپوزیشن کا تصور بھی اسلامی سیاسی نظام میں موجود ہے۔ اسی لئے حضرت ابو بکرؓ نے اولین خطبہ میں لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ــــ: اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔۔۔۔۔۔۔ اگر میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں ایسا نہ کرسکوں تو تم میری ہدایات کی تعمیل سے انکار کردو۔ ایسی حالت میں میرے حکم کی پابندی تمہارا فرض نہیں۔ (۵۵)

حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وصیت میں حضرت عمرؓ کا نام اپنے جانشین کے طور پر پیش کیا جن کی لوگوں نے بیعت کر کے تائید کی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل عشرہ مبشرہ میں سے جو زندہ اس وقت مدینہ میں موجود تھے ان کو اپنے میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کرنے کی ہدایت کی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بطور کاسٹنگ ووٹ اضافہ کیا، جوخود امیدوار خلیفہ نہیں ہوسکتے تھے، اگرچھ کسی ایک پر متفق نہ ہوں۔ ان چھ کا اجلاس ہوا تو چار نے امیدوار بننے سے انکار کردیا۔ اب دو امیدوار حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میدان میں رہ گئے۔ اس پر سب نے حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کواختیار دے دیا کہ وہ حتمی فیصلہ کریں۔ انہوں نے کئی روز تک عام لوگوں سے رائے لی اور نہ صرف شہر کے مستقل مکینوں سے مشورہ کیا بلکہ مدینہ میں آئے ہوئے مسافروں اور تاجروں سے بھی رائے لی۔ مدارس میں زیر تعلیم بچوں اور عورتوں سے بھی پوچھا۔ انہوں نے اندازہ کیا کہ بھاری اکثریت نے حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی جبکہ قلیل تعداد حضرت علیؓ کی حامی نظر آئے (۵۶)، (۵۷)۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد باغیوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بننے پر مجبور کیا، آپؓ نے پہلے انکار کیا لیکن خلیفہ بننے پر اصرار کرنے والوں میں دو اکابر صحابہ بھی شامل تھے اس لئے آپؓ نے خلافت کا منصب بادل نخواستہ سنبھال لیا۔ (۵۸) حضرت علیؓ کے انتخاب میں جمہور اہل مدینہ کی رائے شامل تھی۔ (۵۹)

اسلامی نظام انتخاب کی کیا خصوصیت ہونی چاہیے، اسکی وضاحت مولانا محمد حنیف ندوی ان الفاظ میں کرتے ہیں:



Marfat.com

اسلامی مملکت کے لئے ایک سربراہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ سربراہ کیونکر منتخب ہو، اسے کون چنے اور کس طرح چنے، اس بارہ میں اسلام اپنے طریقہ کار میں خاص لوچ اور لچک رکھتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ارباب حل وعقد کی ایک خاص جماعت منتخب کرے، اور اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ جمہور مسلمان چنیں۔ اس مسئلہ میں اصول یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخی مصلحتوں کو بہر حال تقدم حاصل ہو۔ چونکہ معاشرہ کبھی یکساں نہیں رہتا اور ہر دور میں وہ عوامل اور محرکات جو حکومت واقتدار کا تانا بانا تیار کرتے ہیں، ہمیشہ ایک ہی نہج پر نہیں رہتے، اس لئے انتخاب کا مسئلہ بھی، کسی ایک بندھے ٹکے طریق کار کا رہین منت نہیں رہ سکتا۔ خلفاء راشدین کے انتخاب میں ایک چیز بالکل واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ حضرات چار مختلف طریقوں سے اس منصب پر فائز ہوئے۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ کو ارباب حل وعقد کی ایک جماعت نے منتخب کیا۔ حضرت عمرؓ کو نامزد کیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کا انتخاب ایک کونسل نے کیا اور حضرت علیؓ کو جمہور اہل مدینہ نے۔ تاہم صحابہ کی اکثریت نے اس کی توثیق کردی۔ اس طریق کار سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اگر سربراہ مملکت کے انتخاب میں پہلے ہی اس شے کو ملحوظ رکھا جائے کہ اس کو جمہور کی تائید حاصل ہونا چاہیے تو یہ نہ صرف اسلامی مزاج کے عین مطابق ہوگا، بلکہ اس دور کے قریب تر ہے۔(۶۰)

مولانا حامد انصاری خلفاء راشدین کے انتخاب سے یہ استنباط کرتے ہیں:

خلفاء راشدین کے یہ چاروں انتخاب یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ صدر حکومت کے انتخاب میں اول درجہ کا اساسی اصول یہ ہے کہ عوام الناس شوریٰ کے اجلاس میں جمع ہو کر براہ راست اپنے امیر وامام کا انتخاب کریں۔ اس طرز حکومت میں شاہی اور سلطانی کی کوئی گنجائش نہیں، چونکہ اس کا مزاج شہنشاہیت پر مبنی نہیں ہے اس لئے ولیعہدی اس کے نظام عمل سے خارج ہے اور مطلق نامزدگی بھی جو صدر حکومت یا کسی اور شخص کی طرف سے عمل میں آئے اور اس میں رائے عامہ اور امت کے اختیار کا مطلق دخل نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسلام میں پہلی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے اختیار کو باقی رکھا اور اپنے اختیار سے نامزدگی نہیں فرمائی۔ یہ نظیر امت کے لئے پہلی شے ہے، اس کو ہر حال میں برقرار رکھنے پر زور دینا قانون سنت کا اولیں منشاء ہے۔(۶۱)

## د۔ ووٹ ایک مقدس امانت ہے

ووٹ کا صحیح استعمال صحیح و صالح قیادت کے انتخاب میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ ووٹ امانت ہے اور امانت اس کے اہل لوگوں تک منتقل کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔ اگر خدا نخواستہ غلط اور نااہل قسم کے لوگ برسرِ اقتدار آئے تو اس کی پوری ذمہ داری عوام پر ہوگی اور اس موقعہ کے بعد حکام کا تمام تر عذاب و ثواب ان لوگوں کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا جو حکام کو منتخب کر کے انہیں اقتدار تک پہنچائیں گے۔



Marfat.com

فی الوقت عوام اپنی قیادت سے شاکی نظر آتے ہیں۔ بر سر اقتدار جماعت کی کرپشن، لوٹ مار، عوامی مفاد کے خلاف فیصلوں و اقدامات کی حمایت کے چرچے آئے دن اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔ اس صورت حال کی ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے۔ہم اگر صالح، خوف خدا و خوف آخرت رکھنے والے، عوامی مفادات کا تحفظ کرنے والے افراد کا انتخاب کریں تو حکمرانوں کے ہاتھوں ملنے والے عذاب سے نجات مل سکتی ہے۔

"وہ بلاشبہ صد نفرین و ملامت ہیں جو اپنی دولت کے سہارے ووٹ خرید کر اقتدار تک پہنچتے ہیں۔ لیکن ان کے جرم میں وہ عوام بھی برابر کے شریک ہیں جو کھنکتے ہوئے سکوں کی آواز سن کر قوم، ملک، دین اور اخلاق سب کو بھول جاتے ہیں اور پھر جب ان ووٹوں کے خریدار اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر سارے عوام کا خون نچوڑتے ہیں تو یہ اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کے بجائے حکومت پر تنقید کے بہانے دولت کے کسی نئے سورج کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ (٦٢)

عوام میں موجودہ سیاست کی آلودگیوں کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے کہ شریف آدمیوں کو نہ سیاست میں کوئی حصہ لینا چاہیے،نہ الیکشن میں کھڑا ہونا چاہیے اور نہ ووٹ ڈالنے کے جھنجھٹ میں پڑنا چاہیے۔اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے جو مسلسل اسے گندا کر رہے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام نازل فرمائیں"۔ اس حدیث مبارکہ میں ہمارے لیے یہ درس پنہاں ہے کہ ہم ظالم کا ہاتھ روکیں۔ سیاسی میدان میں ظلم روکنے کے لیے ہمارے پاس ووٹ کا ہتھیار موجود ہے اور اس کا صحیح استعمال کر کے ظالموں کو پارلمنٹ تک پہنچنے سے روکا جا سکتا ہے۔شرعی اعتبار سے ووٹ کی حیثیت ایک گواہی کی ہے اور جب کوئی شخص گواہی کو چھپاتا ہے تو وہ بھی حرام کا مرتکب ہوتا ہے۔جب ہم ووٹ ڈالنے سے اجتناب کرتے ہیں تو گویا ہم گواہی کو چھپا رہے ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے :"اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے"۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا:"جس کسی کو شہادت کے لیے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا"۔ ہمارے دینداری کا تصور محض روزے، نماز، حج وغیرہ تک محدود ہو گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سیاست کا تعلق دنیاداری کا معاملہ ہے۔ہم اپنے اس طرز عمل سے انتخابات و سیاست کو شریروں، کرپٹ اور بے دین افراد کے ہاتھوں میں دے دیتے ہیں۔ اس طرز عمل سے سیاست و حکومت کے معاملات میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کے بھی ذمہ دار بھی ہم خود ہوتے ہیں۔ (٦٣)

موجودہ دور میں آئینی و قانونی راستہ سے ہم نظام اسلام کے نفاذ کے مقصد کو تب ہی حاصل



Marfat.com

کرسکتے ہیں جب ہم اپنے ووٹ کی طاقت سے دیندار، نیک، عادل، عوام کے حقوق کی پاسبانی کرنے والے لوگوں کو اسمبلیوں میں بھیجیں۔

ووٹ کا استعمال اگر نااہل لوگوں کے حق میں استعمال کیا جائے اور اس کی بنیاد ذاتی تعلقات، برادری، قوم یا قبیلہ ہو تو یہ بھی تعلیمات نبویؐ کی رو سے ناجائز ہے۔ایک تو ہم سچی گواہی سے اجتناب کرتے ہیں اور دوسرے قرآنی حکم کہ "امانتیں اہل لوگوں کے حوالہ کرو کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شہادت دینے کے متعلق قرآن حکیم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ "اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کرو خواہ وہ شخص تمہارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو"۔(۶۴)

نبی کریمؐ نے جھوٹی گواہی کو اکبر الکبائر میں شمار کیا ہے۔حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا میں اکبر الکبائر (بڑے بڑے گناہ) نہ بتاؤں؟اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور خوب اچھی طرح سنو! جھوٹی گواہی، جھوٹی بات! حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، جب جھوٹی گواہی کا ذکر آیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور"جھوٹی گواہی" کا لفظ بار بار ارشاد فرماتے رہے، یہاں تک کہ ہم دل میں کہنے لگے کہ کاش! آپؐ خاموش ہو جائیں(۶۵)

پھر اگر کوئی رشوت لے کر نااہل شخص کو ووٹ دیتا ہے تو اس معاملہ میں دو کبیرہ گناہ جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک جھوٹی گواہی اور دوسرے رشوت خوری۔ووٹ کا استعمال ان لوگوں کے حق میں کیا جائے جو درج ذیل اوصاف کے حامل ہیں۔

۱۔ وہ عقیدہ کے اعتبار سے پکے مسلمان ہوں۔
۲۔ دیندار ہوں یا کم از کم دین،اہل دین اور شعاہر دین کا دل سے احترام کرتے ہوں۔
۳۔ ملک میں نفاذ دین کا جذبہ رکھتے ہوں۔
۴۔ ضمیر فروش نہ ہوں۔
۵۔ دیانتدار ہوں
۶۔ عوام کی خدمت کا سچا جذبہ رکھتے ہوں۔
۷۔ نظریہ پاکستان اور پاکستان کی سالمیت و بقا پر یقین رکھتے ہوں۔
۸۔ بیرونی قوتوں کے آلہ کار نہ ہوں۔
۹۔ کھلے عام فسق و فجور یا محرمات شرعیہ میں مبتلا نہ ہوں۔
۱۰۔ سلیم الفکر ہوں اور نظام حکومت کے مسائل کو سمجھتے ہوں۔ (۶۶)



Marfat.com

## ذ۔ سیاسی جماعتوں کے وجود کا جواز اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

سطور بالا میں ہم یہ بحث کر آئے ہیں کہ اسلام میں حکمرانی کا حق لوگوں کی رائے اور تائید سے مشروط ہے۔ جدید سیاسی نظام میں عوام کی رائے کے تعین کے لئے سیاسی جماعتوں کا وجود ایک لازمی جزو ہے۔ کیا تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں متعدد سیاسی جماعتوں کا جواز ہے؟ اب ہم اس بات کا جائزہ لینگے۔

قرآن حکیم نے نیکی کے فروغ اور ہر سطح پر بدی کے خاتمے کے لیے اجتماعی جدو جہد کو مسلمانوں کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔

"تم میں کوئی جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو اچھائی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔(٦٧)

اس آیت کریمہ سے یہ حکم نکالنا درست نہیں کہ اس مقصد کے لیے ایک سے زائد جماعتیں قائم کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس لیے کہ قرآن نے تو تمام مسلمانوں کو یہ حکم صادر فرمایا ہے مگر اس امر کی عملاً نہ تو کوئی ضمانت ہے اور نہ امکان کہ ریاست کے تمام مسلمان افراد اس مقصد کے حصول کے لیے ایک ہی طریقہ کار پر متفق ہوں گے۔ مقصد تو ایک ہی ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لیکن اس مقصد کے حصول اور مطلوبہ نتائج کی برآمدگی کی خاطر اپنائے جانے والے طریقہ کار اور لائحہ عمل سے تو اختلاف ہوسکتا ہے۔ اس پروگرام کی جزوی تفصیلات پر بھی اختلاف کی گنجائش ہے لہٰذا اسلامی ریاست میں مذکورہ بالا ایک ہی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک سے زائد جماعتیں وجود میں آسکتی ہیں۔ جو اسی منزل تک ایک دوسرے سے جدا مگر بہتر پروگراموں کے ذریعے پہنچنے کی دعویدار ہوں اور اگر وہ سب اپنے دعویٰ اور پروگرام میں مخلص ہوں تو پھر ان کو محض اس بنیاد پر ختم نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی تعداد ایک سے زائد ہے۔(٦٨)

نبی کریمؐ کی جانشینی کے معاملہ پر انصار اور مہاجرین کے مختلف نقطہ ہائے نظر اور اپنے اپنے امیدواروں کی نامزدگی ہی ایک سے زیادہ سیاسی آراء اور جماعتوں کے وجود کو وجہ جواز عطا کرتی ہیں۔ انصار نے ایک سے زیادہ حلفاء کی نامزدگی کی تجویز پیش کی۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار اور مہاجرین نے باقاعدہ جمہوری انداز میں بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نام پر اتفاق کیا۔ تاریخی طور پر یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت ایک تیسرا سیاسی طبقہ بھی موجود تھا جو حضرت علیؓ کو مستحق خلافت تصور کرتے ہوئے انھیں خلافت کا امیدوار بننے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جس کو نامناسب تصور کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے قبول نہ کیا۔(٦٩)

حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ان سے اختلاف رکھنے والے ایک گروہ وہ تھا جو قاتلین عثمانؓ کی سرکوبی کو زیادہ اہم سمجھتا تھا اور اپنے اس موقف کی بنیاد پر اس نے حضرت علیؓ سے جنگ بھی کی۔(٧٠)
حضرت عثمانؓ کے دور میں ایک گروہ ایسا بھی موجود تھا جو آپؓ کی سیاسی و حکومتی پالیسیوں کا ناقد



Marfat.com

تھا۔ ان لوگوں نے بعد میں آپؓ کو شہید کر دیا۔ اسی گروہ نے حضرت علیؓ کو خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا اور اس کے متعدد افراد عہد خلافت علیؓ میں حکومتی عہدوں پر فائز ہوئے (۷۱)

حضرت علیؓ کے دور خلافت میں عامۃ المسلمین کے علاوہ دو مزید جماعتیں بھی وجود میں آچکی تھیں۔ ایک جماعت خود کو شیعان علیؓ کے نام سے معنون کرتی تھی جبکہ دوسری جماعت خوارج کی تھی۔ خوارج سے اسوقت تک تعرض نہ کیا جب تک ان کا اقدام ملک و ملت کی سالمیت کے خلاف باغیانہ نوعیت اختیار نہیں کر گیا۔ بعد کے ادوار میں معتزلہ کا گروہ بھی معرض وجود میں آیا جس کی تشکیل ابتدائی طور پر علمی بنیاد پر تھی لیکن بعدازاں وہ ملکی سیاست پر بھی اثر انداز ہونے لگا۔ (۷۲)

عہد رسالت میں میثاق مدینہ میں بھی غیر مسلم گروہوں کے علیحدہ وجود کو تسلیم کیا گیا اور سیاسی نظام میں ان کے نقطہ نظر کو Accomodate کیا گیا۔ ان گروہوں کو ان کے سیاسی حقوق عطا کیے گئے۔

ایک سے زیادہ سیاسی جماعتیں اپنے وجود کے لیے وجہ جواز رکھتی ہیں اگر وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح مقاصد کے حصول کے لیے وجود میں آئیں۔ حکومتی اصلاح، جائز تنقید، عوامی مفادات کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالنا، عوامی فلاح و بہبود کے لیے متبادل پروگرام پیش کرنا، ملکی وحدت و اتحاد کو فروغ دینا، عوامی حقوق کے لیے آواز بلند کرنا وغیرہ مقاصد اگر سیاسی جماعتوں کے پیش نظر ہوں تو ان کا قیام جائز ہے۔ اگر ایسی سیاسی جماعتیں وجود میں آتی ہیں جو علاقائی تعصبات کو فروغ دیں، معاشرہ میں نفرتوں کو بڑھائیں، اسلامی تعلیمات کے خلاف پروگرام رکھتی ہوں یا دوسرے منفی مقاصد کے لیے قائم ہوں جو نظریہ پاکستان کے خلاف ہوں یا ملکی سالمیت و بقاء اور امن و امان کو تہہ و بالا کرنے کے لیے سیاسی لبادہ اوڑھ لیں وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ناجائز ہیں۔

## بنیادی انسانی حقوق اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ملکی آئین کے دیباچہ (Preamble) قرارداد مقاصد میں اور بعد میں باب اول میں بنیادی انسانی حقوق کے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں۔ دیباچہ میں کہا گیا کہ جمہوریت، مساوات، آزادی اور عدل عمرانی کے اصولوں پر اسلام کی تشریح کی روشنی میں عمل کیا جائے گا۔ اقلیتوں کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہوگی اور وہ اپنی ثقافتوں کو فروغ دے سکیں گے۔ پاکستانی عوام کو قانون اور اخلاق عامہ کے تابع اور مواقع میں مساوات، قانون کی نظر میں برابری، معاشی، معاشرتی اور سیاسی انصاف حاصل ہو گا۔ انہیں اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت، اور اجتماع کی آزادی حاصل ہو گی۔

آئین پاکستان کے باب اول میں انسانی حقوق کی جو تفصیلات دی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ہر شخص کو جان کا تحفظ حاصل ہو گا

۲۔ غیر قانونی گرفتاری اور نظر بندی سے تحفظ حاصل ہو گا



Marfat.com

۳۔ غلامی اور بیگار ممنوع ہے
۴۔ شرف انسانی اور قانون کے تابع گھر کی خلوت قابل حرمت ہے۔
۵۔ پاکستان کے اندر آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت ہوگی۔
۶۔ قانونی حدود میں اجتماع کی آزادی ہوگی۔
۷۔ تقریر اور اظہار خیال کی آزادی ہوگی۔
۸۔ تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی طور پر حقدار ہیں۔
۹۔ تمام شہریوں کو اپنے اپنے مذاہب کی پیروی، عمل اور تبلیغ کی آزادی حاصل ہوگی۔
۱۰۔ ملازمتیں اہلیت کی بنیاد پر دی جائیں گی اور اس میں نسل، مذہب، ذات، سکونت یا مقام پیدائش کی بنیاد پر امتیاز روا نہ رکھا جائے گا۔(۷۳)

آئین پاکستان کے باب دوم جس کو حکمت عملی کے اصول(Principles of Policy) کا نام دیا گیا ہے اس میں بھی جو اصول بیان کیے گئے ہیں ان کو بھی بنیادی انسانی حقوق کے ذیل میں موضوع بحث بنایا جا سکتا ہے۔اس باب میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ ملک میں معاشرتی انصاف اور فلاح و بہبود کو فروغ دیا جائے گا اور اس مقصد کے حصول کے لئے ملک میں کم از کم مدت میں ناخواندگی کا خاتمہ کیا جائے گا اور مفت ثانوی تعلیم مہیا کی جائے گی۔اور اعلیٰ تعلیم کو لیاقت کی بنیاد پر سب کے لئے مساوی طور پر قابل دسترس بنایا جائے گا۔ عوام کی معاشی زندگی کی حالت بہتر کرنے کے لئے معیار زندگی کو بلند کیا جائے گا اور دولت ووسائل کی تقسیم کی ضمانت دی جائے گی۔روزگار کی فراہمی کے لئے اقدامات کیے جائیں گے۔ان تمام شہریوں کے لئے جو کمزوری، بیماری یا بے روزگاری کے مستقل یا عارضی طور پر اپنی روزی نہ کما سکتے ہوں کو بلا امتیاز بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، لباس، رہائش، تعلیم اور طبی امداد مہیا کرے گی۔ربا جتنی جلدی ممکن ہو ختم کیاجائے گا۔(۷۴)

بنیادی انسانی حقوق کے متعلق تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا رہنمائی دی گئی ہے اب ہم اس چیز کا جائزہ لیں گے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

{جس نے کسی انسان کوخون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی} (۷۵)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا:

{اور جس جان کو اللہ نے حرام کر دیا تم اس کو بجز حق کے مت مار ڈالو یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو}(۷۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں اعلان کیا:



Marfat.com

۱۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے لئے (ایک دوسرے پر) اپنے رب سے ملنے تک حرام ہیں۔ ایسے ہی حرام و محترم جیسے تمہارے آج کے دن، آج کے مہینے اور اس مقام کی حرمت ہے۔

۲۔ لوگو! تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔

۳۔ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو

۴۔ لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم سے ہو۔ اور آدم مٹی سے۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے جو متقی ہو۔ کسی عربی کو کسی عجمی کو کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے۔ (۷۷)

خطبہ حجۃ الوداع میں دیے گئے فرامین سے ظاہر ہوتا ہے کی انسانی جان کی عظمت اسلام کی نظر میں انتہائی محترم ہے۔ تمام انسان بحیثیت انسان قابل احترام ہیں اور بھائی بھائی ہیں۔ لسانی، نسلی،، لونی، علاقائی تعصبات کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ معیار فضیلت صرف تقویٰ ہے۔ انسانی جان کا ناحق قتل کفر ہے۔

میثاق مدینہ پہلا تحریری دستور ہے جس میں انسانی حقوق کے متعلق وافر رہنمائی ملتی ہے جو آج کی ریاستوں کے لئے بھی مشعل راہ اور دستور عمل کا کام دے سکتا ہے۔

میثاق مدینہ میں حقوق میں برابری کے متعلق کہا گیا کہ بنی نجار، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی عوف، بنی ثعلبہ، بنی شطیبہ کے یہودیوں کو بنی عوف کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ اور یہودیوں کی ذیلی شاخوں کو بھی اصل کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ کوئی فریق یا جماعت اپنے کسی حلیف کی وجہ سے معائدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گی اور مظلوم کی دادرسی لازماً کی جائے گی۔ کوئی ایمان والا کسی ایمان والے کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا، اور نہ کسی کافر کی کسی ایمان والے کے خلاف مدد کرے گا۔ یہودیوں میں سے جو ہماری (ریاست مدینہ کی) اتباع کرے گا اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی، جب تک وہ اہل ایمان پر ظلم کا مرتکب نہ ہو یا ان کے خلاف (کسی مخالف کی) مدد نہ کرے۔ جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے اور ثبوت پیش ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس کے کہ اس کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے۔ ہر گروہ اپنے قیدیوں کا زر فدیہ ادا کر کے انہیں رہائی دلائے گا اور اس ضمن میں مسلمانوں کے درمیان قانون و انصاف کا بلا امتیاز اطلاق یقینی بنایا جائے گا۔ بنی عوف کے یہودی مؤمنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کیے جائیں گے۔ یہودیوں کے لئے ان کا دین اور مسلمانوں کیلئے اپنا دین ہے خواہ ان کے موالی ہوں یا وہ بذات خود ہوں، ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ (۷۸)(۷۹)

تعلیمات نبویؐ انسان کو اللہ کی بندگی میں لانا چاہتی ہیں۔ کون اللہ کی بندگی میں آنا چاہتے ہیں اور کون اپنی روش جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اس معاملہ میں اسلام لوگوں کو آزادی دیتا ہے۔ اس معاملہ میں کوئی



Marfat.com

جبر واکراہ نہیں اس لیے قرآن حکیم نے اعلان کیا :دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔(۸۰)

حضورؐ نے ارشاد فرمایا "خبردار جس کسی نے کسی معائد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یااس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو روز قیامت میں اس کی طرف سے جھگڑوں گا"۔(۸۱)

حضورؐ نے ایک ذمی کے قتل کے قصاص میں ایک مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔(۸۲) ایک دفعہ عمروبن عاص والی مصر کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی حضرت عمرؓ کے پاس جب اس کی شکایت ہوئی تو انہوں نے سرعام مصر کے گورنر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی فرمایا"تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا"۔(۸۳)

مذہبی آزادی تعلیمات نبویؐ میں کس قدر اہم ہے اس کا اندازہ اس خط سے کیا جاسکتا ہے۔جو نبی اکرمؐ نے اہل نجران کو لکھا۔ آپؐ نے لکھا:

"نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضرو غایب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی رتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی"۔(۸۵)

اظہار رائے کی آزادی کے بغیر کسی بھی معاشرے میں جمہوری اقدار اور عدل و انصاف کی روایت تشکیل پذیر نہیں ہوسکتی۔اسی لیے اسلام نے ہر فرد کو اظہار رائے کی آزادی کا حق عطا کیا ہے۔اظہار رائے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے حضوراکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"سب سے بہترین جہاد ظالم و جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے"۔(۸۶)

حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں (وشاورھم فی الامر)۔ جب لوگوں کو اظہار رائے کی آزادی ہو گی تو وہ مشورہ دے سکیں گے۔قرآن حکیم میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بھی اظہار رائے کی آزادی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔(۸۷)

ظلم و زیادتی اور استحصال کے خلاف آواز بلند کرنے کا حق قرآن نے ان الفاظ میں مظلوموں کو دیا ہے۔

"اللہ کسی بری بات کا آواز بلند کہنا پسند نہیں فرماتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہے"۔(۸۸)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا "اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔۔۔۔۔۔۔۔اگر میں خدا اور



Marfat.com

رسولؐ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں ایسا نہ کرسکوں تو تم میری ہدایات کی تعمیل سے انکار کردو۔ایسی حالت میں میرے حکم کی پابندی تمہارا فرض نہیں۔ (۸۹)

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا"اتق اللہ یا عمر (اے عمر اللہ سے ڈر)۔ حاضرین میں سے کسی نے اس کو روکا تو حضرت عمر نے فرمایا"نہیں کہنے دو اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم"۔(۹۰)

نجی زندگی کے تحفظ کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا:

{اے ایمان والو ! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو}(۹۱)

ارشاد قرآنی ہے: کسی کی برائیوں کی کھوج میں نہ لگے رہا کرو۔(۹۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور دوسروں کے عیب تلاش نہ کرو،نہ کسی کی جاسوسی کرو۔(۹۳)

ایک اور حدیث میں فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی دنیا میں ستر پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اسکی ستر پوشی کرے گا۔(۹۴)

اسلام نے انسانیت کو جو نظام عدل عطا کیا ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام میں قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ ادنیٰ و اعلیٰ، حاکم و محکوم، مسلم و غیر مسلم کے درمیان قانون کی نظر میں کوئی فرق نہیں۔ سب کے لیے ایک ہی ضابطہ اور ایک ہی قانون ہے۔کوئی اعلیٰ ایک جرم کرے گا تو اسے بھی وہی سزا دی جائے گی جو ایک ادنیٰ مجرم کے لیے ہو گی۔کسی کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہیں ہو گا۔ نبی کریمؐ کے پاس قریش کی ایک خاتون کا چوری کرنے کا معاملہ لایا گیا۔اس خاتون کے حق میں حضرت اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی تو آپؐ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا کیا تم اللہ کی قائم کردہ حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کر رہے ہو۔آپؐ نے فرمایا "بے شک تم سے پہلے قومیں اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب کبھی کسی امیر نے چوری کی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور جب کسی کمزور نے چوری کی تو اس پر حد قائم کر دیتے اور میں وہ ہوں قسم ہے "اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا"۔(۹۵)

نبی اکرمؐ اپنے آپ کو بھی قانون سے بالا تر نہ سمجھتے تھے۔آپؐ نے کئی مواقع پر اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کیا۔وفات سے قبل آپؐ بیماری کی حالت میں مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں :

"اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی کوئی درہ مارا ہے تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے وہ



Marfat.com

مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔اگر میں نے کبھی کسی کو برا بھلا کہا ہے تو میری آبرو حاضر ہے وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے۔اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہے تو یہ میرا مال حاضر ہے وہ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے۔تم سے کوئی شخص یہ اندیشہ نہ کرے کہ اگر کسی نے مجھ سے انتقام لیا تو میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا۔میری یہ شان نہیں"۔(۹۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عدالت میں ایک عیسائی نے شہزادہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔آپؒ نے عدالت میں شہزادہ ہشام کو مدعی کے ساتھ کھڑا ہونے کا حکم دیا۔جب شہزادہ کھڑا نہ ہوا تو آپؒ نے اسے سختی سے حکم دے کر فرمایا "اسلامی عدل میں مسلم شہزادہ اور ایک عیسائی شہری دونوں برابر ہیں۔ (۹۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اس کے ہمسائے کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔دوسری اور تیسری بار یہی سوال اس شخص نے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ہمسائے کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔سوال کرنے والے شخص کے سوال پر آپ کی خاموشی دراصل مسجد میں موجود اس حکومتی اہلکار کو اپنی قانونی پوزیشن واضح کرنے کا موقع فراہم کرنا تھا جس نے گرفتاری کی تھی۔ مگر جب وہ سرکاری اہلکا کچھ نہ بولا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا جواز گرفتاری کو ختم کر دیا۔(۹۸)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث میں عہدوں اور مناصب کو امانت قرار دیا ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ مجھے عامل نہیں بناتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذرؓ تو کمزور ہے اور یہ امانت ہے اور قیامت میں یہ رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگی جو لوگ اس امانت کا حق ادا نہیں کریں گے۔(۹۹)

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کا قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔(۱۰۰)

ایک اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے اوراسکا نہ فرض مقبول ہے اور نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔(۱۰۱)

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو قیامت کا انتظار کرو۔(۱۰۲)

سطور بالا میں ہم نے جو بحث کی ہے وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ آئین پاکستان نے انسانی حقوق کے



Marfat.com

متعلق جو ضمانتیں دی ہیں وہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آہنگ ہیں۔ لیکن یہ صرف آئین پاکستان کی کتاب کی حد تک ہی درست ہے۔ عملی طور پر درج شدہ حقوق کا مکمل حصول ابھی تشنۂ تکمیل ہی ہے۔ مثلاً انسانی جان کے تحفظ کا معاملہ ہی لے لیجیے۔ ملک میں قتل کی وارداتوں میں روزانہ سینکڑوں افراد لقمۂ اجل بن جاتے ہیں اور قاتل قانون کی گرفت میں نہیں آتے۔ جن کو سزا ہو بھی جاتی ہے وہ کیفر کردار تک نہیں پہنچ پاتے کیونکہ اب تک پھانسی کی سزا پر عمل درآمد نہیں ہورہا تھا۔ اب پابندی ختم ہوئی ہے تو امید کی جاسکتی ہے کہ انصاف کا بول بالا ہوگا اور سزا کا خوف مجرموں کو وارداتوں سے روکنے کا باعث ہوگا۔ ملک کے اندر جاری دہشت گردی کی وارداتوں اور خود کش حملوں نے بھی بے گناہ انسانوں کو آگ اور خون کی نظر کر دیا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو عبادت گاہوں میں اللہ کی حمد وثناء میں مصروف تھے یا وہ معصوم کلیاں تھیں جو علم کی روشنی کے حصول کے لئے تعلیمی اداروں میں مصروف کار تھے یا وہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ملازمین تھے جو عوام کو جان و مال کا تحفظ دینے کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ دہشت گردی کے عفریت کے خاتمہ کیلئے قرآن حکیم میں بڑی سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں جن پر عملدرآمد کی سخت ضرورت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

> {جو لوگ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ ودو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں انکی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ، پاؤں مخالف سمت سے کاٹ ڈالے جائیں، یا جلاوطن کر دیے جائیں۔ یہ ذلت ورسوائی تو ان کیلئے اس دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے اس سے بڑی سزا ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کرلیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔ جان لو کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے}(۱۰۳)

اقلیتوں کی جان ومال اور انکی عبادتگاہوں کی حفاظت کے لئے بھی اقدامات کی ضرورت ہے۔ ماضی قریب میں ان کی عبادت گاہوں پر دہشت گرد حملوں میں بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہوچکی ہیں اور بعض اوقات لوگ کسی اور معاملہ کو مذہبی رنگ دے کر غیر مسلموں کے خلاف ایسے اقدامات کر دیتے ہیں جن کی اسلام نے قطعاً اجازت نہیں دی۔ ان کے ساتھ ہر صورت میں انصاف کا معاملہ کرنے کی اسلام تلقین کرتا ہے۔

قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اس کی تعلیم اسلام نے بھی دی ہے اور ملکی قانون و آئین بھی اس کی ضمانت دیتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عملی طور پر بھی ایسا کیا جائے۔ اعلیٰ و ادنیٰ دونوں کے ساتھ ایک جیسا ہی برتاؤ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ غریب کے معاملہ میں تو قانون فوراً حرکت میں آجائے اور امیر اور اثر و رسوخ رکھنے والا قانون کی گرفت سے بچ جائے۔ صاحب اقتدار اگر ٹیکس نہ دیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے اور اگر کمزور طبقات کے افراد معمولی ٹیکس بھی نہ دیں تو ان کی قسمت میں جیل کی سلاخوں



Marfat.com

کے پیچھے سڑنا لکھا ہو۔ انصاف وعدل کو ہر حال میں قائم رکھنے میں ہی ہماری سوسائٹی کی بقا مضمر ہے۔
ملازمتوں کے معاملہ میں بھی میرٹ کی پالیسی پر ہر صورت میں عمل کیا جائے اور برسر اقتدار سیاسی پارٹیاں اپنے چہیتوں میں ملازمتوں کی بندر بانٹ سے اجتناب کریں تو اسلام اور آئین پاکستان کے تقاضوں کی تکمیل ہو گی۔ ملازمتوں میں علاقائی کوٹہ یا اقلیتوں اور خواتین کا کوٹہ جو رکھا گیا ہے اس کا مقصد پسماندہ علاقوں اور محروم طبقات کے حقوق کو یقینی بنانا ہے۔ اس چیز پر بھی اس کی روح کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

## معاشی عدل کے تقاضے اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

بعثت نبویؐ کے وقت روم و فارس کی سلطنتیں تہذیب و تمدن کا گہوارہ سمجھی جاتی تھیں۔ ان کا معاشی نظام ظلم و عدوان، تعیش و اسراف اور استحصال و استبداد کا مظہر تھا۔ عدل و رفاہیت سے عاری یہ نظام امراء و سلاطین کے مفادات کا آلہ کار بنا ہوا تھا اور غریب لوگ ظالمانہ ٹیکسوں کے نظام میں جکڑے ہونے کی وجہ سے نان شبینہ کے لیے بھی ترس رہے تھے۔ دوسری طرف صنعت و حرفت اور زراعت تباہ ہو چکے تھے۔ ان حالات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نبیؐ کو مبعوث کیا جنہوں نے روم و فارس کی تمام قبیح رسموں اور اعمال (Practices) کو ختم کر کے صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد رکھی۔

نبی اکرمؐ نے جو معاشی نظام دنیا کو عطا کیا وہ ایک عادلانہ معاشی نظام ہے جس میں ظلم و استبداد کے تمام راستے مسدود کر دیے گئے تو دوسری طرف تکافل اجتماعی کا ایسا نظام دیا جس میں معاشرہ کے کمزور طبقات کی بنیادی ضروریات کا اہتمام ہو گیا۔ تقسیم دولت کے نظام میں اصلاحات کر کے Haves اور Have-nots کے درمیان فرق کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ سرمایہ و محنت میں توازن کو قائم کرنے کے لیے سود، قمار، احتکار و اکتناز اور دوسری خراب معاشی Practices کو حرام قرار دیا گیا۔ غرض یہ کہ عدل و قسط پر مبنی اسلام معاشی نظام افراط و تفریط سے پاک ایک معتدل و متوازن نظام ہے۔(۱۰۴)

اسلامی معاشی نظام نے جو اصول و ضوابط ہمیں عطا کیے ہیں ان پر مختصر بحث ذیل کی سطور میں کی جائے گی۔

عادلانہ معاش کا ایک تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کو حق معیشت میں مساوات حاصل ہو یعنی ہر شخص کو اپنی وہبی و کسبی صلاحیتوں کو استعمال کر کے اپنے لیے روزی کمانے کے مواقع (Opportunities) حاصل ہوں اور کوئی شخص محروم المعیشت نہ رہنے پائے۔

## حق معیشت میں مساوات اور تعلیمات نبویؐ

زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس لیے اسباب معیشت سے استفادہ ہر ایک انسان کا حق ہے۔ ایک طرف تعلیمات نبویؐ میں انسانوں کو معاشی جدوجہد



Marfat.com

کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو دوسری طرف ریاست کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے کہ لوگ اپنی ورزی کمانے میں آسانی محسوس کریں اور ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔(۱۰۵)

مدینہ میں حضورؐ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخاۃ قائم کیا۔ اس رشتہ کے قیام سے حضورؐ نے مہاجرین کو انصار کے کھیتوں، مکانات، باغات اور کاروبار میں شریک کر لیا۔ یہ رشتہ مہاجرین کی معاشی خود کفالت تک قائم رہا۔ اس رشتہ کے معاشی مضمرات کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اس Settlement سے مہاجرین کی بنیادی ضروریات کا انتظام ہو گیا، وقتی بے روزگاری ختم ہو گئی کیونکہ تمام قابل کار مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے کاروبار میں شریک ہو گئے اور انصار کی وہ زمینیں اور نخلستان جن سے اب تک بھرپور استفادہ نہیں اٹھایا جا رہا تھا ان کی دیکھ بھال کا بہتر انتظام ہو گیا۔ اس طرح پیدوار میں اضافہ کے ساتھ دونوں طبقوں کی معاشی فلاح میں اضافہ ہو گیا۔(۱۰۶)

نبی کریمؐ نے فرمایا جس کسی بندے کو بھی اللہ تعالیٰ ایک رعایا کا نگران بنادے اور پھر وہ خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ ان کی بھلائی کے لیے کوشاں نہ ہو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا"۔(۱۰۷)

قرآن حکیم سود کو حرام قرار دیتا ہے اور یہ معاشی فلسفہ بیان کرتا ہے کہ سود سے مال بڑھتا نہیں بلکہ گھٹتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اور جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو تو اللہ کے نزدیک وہ ہرگز نہیں بڑھتا۔ بڑھوتری تو ان اموال کی ہوتی ہے جو تم اللہ کے لئے زکوٰۃ میں دیتے ہو}(۱۰۸)

معیشت سے سود کے خاتمہ سے لوگوں کے لیے روزگار کے بے پناہ مواقع پیدا کیے جا سکتے ہیں اس کا اعتراف جدید معیشت دان بھی کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کے عظیم معیشتدان لارڈ مینرڈ کینز نے معیشت سے بے روزگاری کے خاتمہ اور زورگار بڑھانے کے لئے سود کے معیشت ختم کرنے کی بات کی ہے۔ وہ سود کھانے والے گروہ کے آہستہ اور غیر تکلیف دہ خاتمہ ( Euthenesia of interest earning class) کی بات کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا اعلیٰ ترین مفاد اسی میں ہے کہ ہم شرح سود کو اتنا گھٹا لیں کہ جہاں سب کو روزگار میسر آجائے۔(۱۰۹)۔ ایک اور معیشتدان ہیرڈ کہتا ہے کہ وہ قرضے جو بیروزگاری کے خاتمہ کے لئے دیے جائیں ان پر کوئی سود نہیں ہونا چاہیے۔ سیموئلسن کہتا ہے کہ صفر شرح سود کے حصول سے ہم ایک سنہری دور میں داخل ہو جائیں گے۔(۱۱۰)

## تکافل کا نظام اور تعلیمات نبوی

انصفت اھل الفقر من اھل الغناء۔ فالکل فی حق الحیوٰۃ سواء لوانا انساناً تخیر ملۃ۔ ما اختار الا دینک



Marfat.com

الفقراء(۱۱۱)

معاشی فلاحی اقدامات کے ذریعے اسلام لوگوں کی بنیادی ضروریات کا اہتمام کر کے انہیں منڈی کی اندھی قوتوں(Blind market forces) کے رحم و کرم پر کے رحم و کرم پر ہی رہنے سے بچاتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا:"اے لوگو میرے خدائی فرائض میں یہ بھی ہے کہ میں غریبوں اور مصیبت زدوں کی ہر ممکن مدد کروں اور ان کی دعائیں اللہ تک نہ جانے دوں"۔(۱۱۲)

احادیث و آثار کی تصریحات سے انسان کی بنیادی ضرورتوں کا تعین ہو گیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس قوت و طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہیے کہ اس فاضل سامان کو کمزور کو دے دے اور جس شخص کے پاس سامان خورد ونوش حاجت سے زاہد ہو ں اس کو چاہیے کہ فاضل سامان نادار اور حاجتمند کو دیدے۔ ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ اسی طرح مختلف انواع مال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں"۔(۱۱۳)

علامہ ابن حزم اسی قسم کی احادیث اور آیات قرآنی کی بنیاد پر تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان (امیر) ارباب دولت کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کی کفالت کے لیے وسائل خرچ کریں۔ ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔(۱۱۴)

شہاب الدین احمد الرملی کہتے ہیں کہ عوام کے لیے روٹی، کپڑے اور مکان اور اپاہجوں کی دیکھ بھال اور اسی قسم کی بنیادی ضروریات کا مناسب بندوبست حکومت کی ذمہ داری ہے۔(۱۱۵)

نظام زکوٰۃ کے قیام سے ایک طرف فقیراء، مساکین، یتامیٰ اور بے کس افراد کی معاشی کفالت کے لیے وسائل مہیا ہوسکتے ہیں تو دوسری طرف ارتکاز دولت کی راہیں بھی مسدود ہوسکتی ہیں۔

نظام زکوٰۃ کے متعلق حضورؐ نے ارشاد فرمایا"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے فقراء میں تقسیم کردوں"۔(۱۱۶)

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے"ان کے اموال میں محروم اور(احتیاج کی بنا پر) سوال کرنے والے کا بھی حق ہے"۔(۱۱۷)

خلفاء راشدین کے دور میں فقراء و مساکین حتیٰ کہ غیر مسلم ذمیوں کی معاشی کفالت کا بندوبست بھی ریاست کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے تمام مساکین و فقراء (بشمول غیر مسلم) کے روزینے مقرر کیے ہوئے تھے۔ مدینہ اور دوسرے مقامات پر لنگر خانے قائم تھے۔ لا وارث بچوں کی کفالت کے لیے بیت المال سے رقم فراہم کی جاتی تھی حتیٰ کہ نومولود بچوں کے لیے بھی وظیفہ دیا جاتا تھا۔ یتیموں کی



Marfat.com

کفالت اور ان کی جائیداد وغیرہ کی حفاظت اورانتظام بھی حکومت کی طرف سے کیا جاتا تھا۔(۱۱۸)

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ فرمایا اگر اللہ نے مجھے استطاعت دی تو ایسا نظام قائم کر جاؤں گا کہ صفا کی پہاڑیوں میں رہنے والا گڈریا بھی اجتماعی دولت سے اپنا حصہ وصول کرے۔ایک اور موقع پر فرمایا "جو امیر اہل حاجت، غربت اور مسکنت کے لیے اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت اور مصیبت کے لیے بھی اپنے دروازے بند کر دیتا ہے"۔(۱۱۹)

عادلانہ معاشی نظام کا ایک اور تقاضا یہ ہے کہ استحصالی اور ظالمانہ نظام ٹیکس کی اصلاح کی جائے۔موجودہ ٹیکس کا نظام ایسا ہے جو امراء کو امیر تر اور غرباء کو غریب تر کر رہا ہے۔یہ روم و فارس کے استحصالی اور ظالمانہ نظام کا عکس نظر آتا ہے۔یہ نظام قرآنی اصول 'کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم" کے خلاف ہے۔ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں کہ اسلام بلا واسطہ (Direct Tax) کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ اس کا اثر صرف امراء پر پڑتا ہے۔۔۔یہ ٹیکس منصفانہ تقسیم دولت اور گردش دولت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ (۱۲۰)

ضرورت اس امر کی ہے کہ آئینی اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں معیشت کو ایسے خطوط پر استوار کیا جائے کہ لوگوں کی بنیادی ضروریات کا بھرپور اہتمام ہوسکے،وسائل و دولت کی منصفانہ تقسیم ہوسکے،معاشرہ سے استحصال کا خاتمہ ہو اور بیروزگاری کا خاتمہ ہو۔موجودہ نظام میں لوگوں کی معاشی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔اخباری اطلاعات کے مطابق معاشی پریشانیوں کی وجہ سے خودکشیاں کی شرح بڑھ رہی ہے۔پچاس فیصد سے زیادہ لوگ۔ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

قرآن وحدیث میں تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔قرآن کی اولین وحی لفظ اقراء سے شروع ہوتی ہے اور اس میں قلم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔قرآن کہتا ہے کہ علم والے اور غیر علم والے برابر نہیں ہوسکتے۔اس کے برعکس ہمارے سیاسی نظام میں علم کی اہمیت اتنی زیادہ نہیں ہے۔ہمارے بجٹ میں بین الاقوامی معیار سے کم رقم تعلیم کے لئے رکھی جاتی ہے۔یونیورسل پرائمری تعلیم کا ہدف ابھی تشنۂ تکمیل ہی ہے جبکہ Millinium Development Goals کے تحت اس ہدف کو ہم نے ۲۰۱۵ء تک بہر صورت حاصل کرنا تھا۔ہماری شرح تعلیم سارک ممالک میں بھی سب سے کم ہے۔مالدیپ کی شرح تعلیم بھی ہم سے زیادہ ہے۔سماجی انصاف کے تقاضوں جن کا اظہار آئین پاکستان میں کیا گیا ہے اور ملکی معیشت کی ترقی کے خواب کی تکمیل کے لئے بھی شرح خواندگی کو جنگی بنیادوں پر بڑھانے کی ضرورت سے کوئی باشعور پاکستانی انکار نہیں کرسکتا۔ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کو بڑھانے کا مقصد ابھی دور کی منزل نظر آتی ہے۔ تعلیم کے فروغ سے ملک میں دہشت گردی کے عفریت کو بھی قابو کیا جاسکتا کیونکہ جاہل اور ناخواندہ لوگ غلط نظریات کا آسان ہدف بنتے ہیں۔



Marfat.com

## عدل و قسط کا قیام اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حکومت اور عوانین حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر شعبہ یا صیغہء حکومت میں عدل و قسط کے قیام کو یقینی بنائیں اور ظلم وجوراور زیادتی اور حقوق کی عدم فراہمی کے تمام مظاہر کا خاتمہ کریں۔ اگر کسی نظام حکومت سے عدل و قسط ختم ہو جائے تو عوامی حقوق غصب ہوں گے،لوگ انصاف کے لیے دربدر کی ٹھوکریں کھائیں گے اور حکومت و ریاست اپنا مقصد وجود کھو دیں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہے۔ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔(۱۲۱)

مفتی محمد شفیع صاحب اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اصل مقصد پیغمبروں اور کتابوں کے بھیجنے کا میزان عدل ایجاد کرنے اور اسکے استعمال کرنے کا یہ بیان کیا ہے کہ {لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ}یعنی لوگ انصاف پر قائم ہوجائیں،اس کے بعد ایک تیسری چیز یعنی لوہے کے نازل کرنے یعنی ایجاد کرنے کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔

یہ بھی در حقیقت اسی عدل و انصاف کی تکمیل کے لیے ہے۔جو پیغمبر اور کتاب نازل کرنے سے مقصود ہے۔کیونکہ انبیاء اور آسمانی کتابیں عدل وا انصاف قائم کرنے کے واضح دلائل دیتے ہیں اور نہ کرنے کی صورت میں عذاب آخرت سے ڈراتے ہیں۔ میزان ان حدود کو بتلاتی ہے جن سے انصاف کیا جاتا ہے۔مگر سرکش معاند جو نہ کسی دلیل سے مانتا ہے نہ ترازو کی تقسیم کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہے۔اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا میں عدل و انصاف قائم نہ ہونے دے گا۔ اس کو پابند کرنا لوہے اور تلوار کا کام ہے جو حکومت و سیاست کرنے والے آخر میں بدرجہ مجبوری استعمال کرتے ہیں۔(۱۲۲)

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے۔

{اور اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔} (۱۲۳)

عدل و قسط کی ضد ظلم ہے اس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔

{اور اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا}(۱۲۴)

ایک دوسری آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو عدل سے فیصلہ کیا کرو۔} (۱۲۵)



Marfat.com

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث میں بھی عادل و منصف حاکم اور امیر کی تعریف کی گئی ہے اور اخروی بشارتیں دی گئی ہیں اور ظالم حاکموں اور امراء کی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

بے شک عدل کرنے والے (حکام / امراء) اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے ممبروں پر اسکے داہنے ہاتھ پر ہوں گے۔۔۔۔۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلے میں اپنے لوگوں میں اور اپنے زیر حکومت امور میں عادل ہوں۔ ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک سب لوگوں سے خُدا کو محبوب اور خدا سے قریب امام عادل ہوگا اور خُدا کے نزدیک سب سے مبغوض اور خدا سے دور وہ امام ہوگا جو ظالم ہو۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

امام ڈھال ہے اس کے پیچھے اسکی پناہ میں لڑا جاتا ہے تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے مطابق حکم کرے اور عدل کرے تو اس کو بڑا انعام ملے گا اور اگر غیر تقویٰ کا حکم کرے اور عدل نہ کرے تو اسکے لیے بڑی سزا ہے۔(۱۲۶)

مظلوم کی بد دُعا سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ (۱۲۷)

قرآن و حدیث کے مذکورہ بالا احکامات سے حکام و عمال اور عدالتی امور انجام دینے والوں کیلئے جو اصولی ہدایت و رہنمائی ملتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ حکام و عمال اور عدلیہ کے سامنے جو معاملہ بھی آئے اس میں عدل وانصاف کے اصولوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

۲۔ فیصلے کرتے وقت ظلم اور زیادتی سے ہر صورت اجتناب کیا جائے۔

۳۔ فیصلے کرتے وقت دوست، دشمن، اپنے پرائے، مسلم و غیر مسلم سب کیلئے ایک ہی اصول ہو اور وہ اصول ہے عدل و انصاف۔

۴۔ عدل کا دائرہ صرف عدالتوں تک محدود نہیں بلکہ حکومت وریاست کو کوئی بھی شعبہ ہو اس میں عدل کی حکمرانی مطلوب ہے۔

۵۔ اگر عدل کے ضوابط کے اطلاق میں کوئی بھی مانع ہو اس کے خلاف طاقت کا استعمال درست ہوگا۔

## ماخذ و مراجع


۱- Mazharul Haq(2009). Political Science -theory and Practice. Bookland, Lahore




Marfat.com

۲- مولاناحامد انصاری(۱۹۹۹ء)۔اسلام کا نظام حکومت-الفیصل ناشران کتب،لاہور-ص۱۹۲
۳- ایضاً
۴- ایضاً
۵- ایضاً
۶- مولانا تقی عثمانی (۲۰۱۰ء)۔ اسلام اور سیاسی نظریات- مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ص ۱۶۴-۱۶۵
۷- ایضاً،ص ۱۷۳
۸- ایضاً،ص۱۱۴
۹- ہما حمیدو مریم رحماں(مرتبہ)[۲۰۱۵ء]- آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان۱۹۷۳ء-ایسٹرن لاء بک ہاؤس لاہور
۱۰- القرآن الکریم(ہود :۱۰۷)
۱۱- القرآن الکریم(الانبیاء:۲۳)
۱۲- القرآن الکریم(المومنون :۸۸)
۱۳- القرآن الکریم(الحشر:۲۳)
۱۴- القرآن الکریم (الاعراف: ۵۴)
۱۵- سید ابوالاعلیٰ مودودی (۲۰۰۰ء)۔اسلامی ریاست - اسلامک پبلیکیشنز،لاہور، ص ۳۳۸
۱۶- القرآن الکریم (المائدہ : ۴۴)
۱۷- القرآن الکریم (المائدہ : ۴۵)
۱۸- القرآن الکریم(یوسف : ۴۰)
۱۹- القرآن الکریم(الاعراف: ۳)
۲۰- القرآن الکریم(النساء : ۶۴)
۲۱- القرآن الکریم(النساء : ۸۰)
۲۲- القرآن الکریم(الاحزاب:۳۶)
۲۳- مولاناحامد انصاری،ایضاً،ص۱۵۱
۲۴- مولاناحامد انصاری،ایضاً،ص۱۵۴
۲۵- مولانا تقی عثمانی(۲۰۱۰)۔الیضاً،ص۱۷۵
۲۶- ہما حمیدو مریم رحماں(مرتبہ)[۲۰۱۵ء]-ایضاً،ص ۱۹۹ تا ۲۱۰ و ۲۳۴تا ۲۳۸
۲۷- حامد محمود- کیا ووٹ مقدس امانت ہے-

downloaded from www.kitabosunnat.com



Marfat.com

۲۸- ہما حمید و مریم رحماں (مرتبہ)[۲۰۱۵ء]-ایضاً، ص ۲۰۰ - ۲۰۱
۲۹- القرآن الکریم (الشوریٰ : ۲۱)
۳۰- سید ابو اعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن جلد ۴ -ص ۴۹۹ (سی ڈی ورژن)
۳۱- القرآن الکریم (التوبہ ۹ :۳۱)
۳۲- سید ابو اعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن جلد ۲ -ص ۱۸۹- ۱۹۰ (سی ڈی ورژن)
۳۳- القرآن الکریم (النساء ۴ :۶۰- ۶۱)
۳۴- سید ابو الاعلیٰ مودودی، ایضاً، جلد ۱، ص ۳۶۷ (سی ڈی ورژن)
۳۵- ہما حمید و مریم رحماں (مرتبہ)[۲۰۱۵ء]-ایضاً
۳۶- مولانا حامد انصاری، ایضاً، ص ۱۴۴
۳۷- مولانا حامد انصاری، ایضاً، ص ۱۴۴ و ۱۴۵
۳۸- القرآن الکریم (المائدہ:۵۸)
۳۹- سید ابو الاعلیٰ مودودی- (۲۰۰۰)۔ ایضاً، ص ۶۷۰
۴۰- مفتی محمد شفیعؒ (۲۰۰۸)۔ معارف القرآن، جلد ۴، ص ۲۱۸
۴۱- القرآن الکریم (الانفال:۲۸)
۴۲- سید ابو الاعلیٰ مودودی- تفہیم القرآن جلد ۳، ص ۱۳۹- (سی ڈی ورژن)
۴۳- سید ابو الاعلیٰ مودودی- تفہیم القرآن جلد ۳، ص ۱۳۹- (سی ڈی ورژن)
۴۴- امام مسلم بن الحجاج[ مترجم عابدالرحمٰن کاندھلوی](۲۰۰۷)۔ الصحیح المسلم جلد ۳، کتاب الامارہ، حدیث ۲۰، ص ۲۵، ادارہ اسلامیات لاہور
۴۵- ابو عبداللہ محمد بن یزیدابن ماجہ (مترجم عبدالحکیم خان اختر)۔ سنن ابن ماجہ، جلد دوم باب ابواب الاحکام ص ۴۰،
۴۶- ایضاً
۴۷- حامد انصاری، ایضاً، ص ۱۴۵
۴۸- سیاستدانوں کی بدعنوانیوں کے قصے اور حال جاننے کے لئے اشرف شریف کی کتاب{آؤ پاکستان لوٹیں-} کا مطالعہ چشم کشا ہوسکتا ہے۔ (اشرف شریف-آؤ پاکستان لوٹیں - دارالعلم پبلیکیشنز۔ لاہور، ص ۱- ۲۷۲)
۴۹- ہما حمید و مریم رحماں (مرتبہ)[۲۰۱۵ء]-ایضاً
۵۰- سید ابوالاعلیٰ مودودی (۲۰۰۰ء)۔ اسلامی ریاست، ص ۳۴۱
۵۱- القران الحکیم (النور: ۵۵)



Marfat.com

۵۲- سید ابوالاعلیٰ مودودی (۲۰۰۰ء)۔اسلامی ریاست، ص ۳۴۲

۵۳- مولانا تقی عثمانی (۲۰۱۰ء)۔اسلام اور سیاسی نظریات، ص۲۲۶- ۲۳۰

۵۴- ڈاکٹر حمیداللہ (مترجم خالد پرویز) (۲۰۰۶ء)رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی و جانشینی، بیکن بکس لاہور، ص۲۹

۵۵- مولاناحامد انصاری(۱۹۹۹ء)۔ایضاً-ص ۲۷۰

۵۶- ایضاً

۵۷- ڈاکٹر حمیداللہ (مترجم خالد پرویز) (۲۰۰۶ء)، ایضاً، ص ۲۵۰- ۲۵۱

۵۸- ڈاکٹر حمیداللہ (مترجم خالد پرویز) (۲۰۰۶ء)، ایضاً، ص۳۶

۵۹- مولانامحمد حنیف ندوی(۲۰۰۹)۔اساسیات اسلام-ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۱۷۷

۶۰- ایضاً، ص ۱۷۷- ۱۷۸

۶۱- مولاناحامد انصاری(۱۹۹۹ء)۔ایضاً-ص۲۵۱- ۲۵۲

۶۲- محمد تقی عثمانی(۲۰۰۸)۔اسلام اور سیاست حاضرہ- مکتبۂ دارالعلوم کراچی ,ص ۱۶

۶۳- ایضاً

۶۴- القرآن الکریم

۶۵- محمد تقی عثمانی(۲۰۰۸ء)۔اسلام اور سیاست حاضرہ- مکتبۂ دارالعلوم کراچی، ص۹

۶۶- ایضاً

۶۷- القرآن الکریم(آل عمران ۳:۱۰۴)

۶۸- پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری (۱۹۸۴ء)۔سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل، مرکزی ادارہ منہاج القرآن، لاہور

۶۹- ایضاً

۷۰- ڈاکٹر حمید اللہ(۲۰۰۶ء)۔ایضاً

۷۱- ایضاً

۷۲- طاہر القادری(۱۹۸۴ء)۔ایضاً

۷۳- ہما حمید و مریم رحماں (مرتبہ)[۲۰۱۵ء]-ایضاً، ص ۱ تا ۳۸

۷۴- ایضاً، ص ۴۶- ۴۸

۷۵- القرآن الکریم(المائدہ۵: ۳۲)

۷۶- القرآن الکریم(الانعام۶: ۱۵۱)

۷۷- ڈاکٹر حمیداللہ(۱۹۸۷ء)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی- دارالاشاعت، کراچی،



Marfat.com

ص ۳۳۶
۷۸- ڈاکٹر محمد طاہر القادری (۲۰۱۰ء)۔اسلام میں انسانی حقوق- منہاج القرآن پبلیکیشنز،لاہور-ص ۶۴۹- ۶۶۷
۷۹- ڈاکٹر حمید اللہ(مترجم خالد پرویز) (۲۰۰۶ء)ایضاً،ص ۶۰- ۶۵
۸۰- القرآن الکریم(البقرہ:۲۵۶)
۸۱- ڈاکٹر محمد طاہر القادری (۲۰۱۰ء)۔ایضاً
۸۲- ایضاً
۸۳- ایضاً
۸۴- ایضاً
۸۵- ایضاً
۸۶- ایضاً
۸۷- القرآن الکریم(آل عمران:۱۰۴)
۸۸- القرآن الکریم(النساء:۱۴۸)
۸۹- مولاناحامد انصاری(۱۹۹۹ء)۔ایضاً
۹۰- علامہ شبلی نعمانی- الفاروق- مکتبہ رحمانیہ، لاہور
۹۱- القرآن الکریم (النور:۲۷)
۹۲- القرآن الکریم (الحجرات:۱۲)
۹۳- ڈاکٹر محمد طاہر القادری (۲۰۱۰ء)۔ایضاً
۹۴- ڈاکٹر محمد طاہر القادری (۲۰۱۰ء)۔ایضاً
۹۵- ڈاکٹر محمد طاہر القادری (۲۰۱۰ء)۔ایضاً
۹۶- پیر کرم شاہ(۱۴۲۰ھ)۔ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم،ج۵،ضیاء القرآن پبلیکیشنز،لاہور
۹۷- ڈاکٹر محمد طاہر القادری (۲۰۱۰ء)۔ایضاً
۹۸- ڈاکٹر محمد طاہر القادری (۲۰۱۰ء)۔ایضاً
۹۹- امام مسلم بن الحجاج[ مترجم عابدالرحمٰن کاندھلوی](۲۰۰۷)۔الصحیح المسلم جلد ۳، کتاب الامارہ، حدیث ۲۰،ص ۲۵،ادارہ اسلامیات لاہور
۱۰۰- ابو عبداللہ محمد بن یزیدابن ماجہ(مترجم عبدالحکیم خان اختر)۔سنن ابن ماجہ، جلد دوم باب ابواب الاحکام ص ۴۰
۱۰۱- معارف القرآن(۲۰۰۸ء)، جلد دوم، ص۴۴۷
۱۰۲- مفتی محمد شفیع (۲۰۰۸ء)معارف القرآن، جلد دوم،



Marfat.com

۱۰۳- القرآن الکریم (المائدہ۵:۳۳)
۱۰۴- مولاناحفظ الرحمٰن سیوہاروی و ڈاکٹر نور محمد غفاری- اسلام کا اقتصادی نظام- شیخ الہند اکیڈمی، کراچی
۱۰۵- القرآن الکریم(۱۱:۱۶)،(۵۱:۲۲)،(۵۱:۵۸)(۲:۲۹)(۴۱:۱۰)
۱۰۶- ڈاکٹر نور محمد غفاری(۱۹۹۰ء)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی-مکتبہء ابوذر غفاری، اسلام آباد
۱۰۷- مولاناحفظ الرحمٰن سیوہاروی و ڈاکٹر نور محمد غفاری- ایضاً
۱۰۸- القرآن الکریم(الروم: ۳۹)
۱۰۹- شیخ محمود احمد-سود کی متبادل اساس،ص۲۶- ۲۸
۱۱۰- شیخ محمود احمد- Towards Interest -free banking - ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
۱۱۱- ڈاکٹر نور محمد غفاری(۱۹۹۰ء)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی-مکتبۂ ابوذر غفاری، اسلام آباد
۱۱۲- پروفیسر سرور-اسلام اور جدید ریاستی نظام بحوالہ وزارت مذہبی امور(۱۹۹۴)۔ مقالات سیرت، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد
۱۱۳- مولاناحفظ الرحمٰن سیوہاروی وڈاکٹر نور محمد غفاری-ایضاً
۱۱۴- وزارت مذہبی امور(۱۹۹۴)۔مقالات سیرت،وزارت مذہبی امور، اسلام آباد
۱۱۵- ایضاً
۱۱۶- ایضاً
۱۱۷- القرآن الکریم(المعارج۷۰: ۲۴- ۲۵
۱۱۸- وزارت مذہبی امور(۱۹۹۴)۔مقالات سیرت،وزارت مذہبی امور، اسلام آباد
۱۱۹- ایضاً
۱۲۰- ایضاً
۱۲۱- القرآن الکریم(الحدید:۲۵)
۱۲۲- مفتی محمد شفیع(۲۰۰۸)۔معارف القرآن جلد۶،ص۳۲۱- ۳۲۲، مکتبہ معارف القرآن کراچی
۱۲۳- القرآن الکریم(المائدہ:۴۲)
۱۲۴- القرآن الکریم(الشوریٰ:۴۰)
۱۲۵- القرآن الکریم(المائدہ:۸)
۱۲۶- شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی-سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد ہفتم،ص۷۳،اسلامی کتب خانہ، لاہور
۱۲۷- ایضاً



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

حافظ محمد انصار الحق-اسلام آباد*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس وقت پوری دنیا کو کسی ایسی ہستی کی اشد ضرورت ہے جو انسانیت کو ظالمانہ مادی طوفان سے نجات دلاسکے، جو اسے اخلاقی تباہی، روحانی خلا، معاشرتی ظلم اور نسلی امتیاز کی دلدل سے باہر نکال سکے، جو انسانیت کو اصول و قانون اور اقدار و روایات کی پامالی سے روک سکے۔ اس پامالی نے انسان کو تھکا ڈالا ہے، اُس کو حقوق سے محروم کر رکھا ہے اور عزتِ نفس کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ سلسلہ انسان کو تعذیب و تشدد سے دوچار رکھنے تک جا پہنچا ہے۔ حتیٰ کہ دین، اخلاق اور ضمیر کی آواز کو خاطر میں لائے بغیر بے گناہ بچوں اور عورتوں کا خون بہانا اور اُنھیں قتل کرنا معمول بن گیاہے۔ برباد ہوتی انسانیت کو اس بدترین صورت حال سے وحی الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے فرستادہ رسول کی ہدایت کے سوا کوئی نجات نہیں دلا سکتا، اور یہ رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو عدم سے وجود میں لاکر اور اُسے کمال کے درجوں پر پہنچا کر دکھایا۔ پھر اس اُمت کی روشنی پھیل گئی۔ اس کے اصولوں نے دنیا کی قیادت کی اور تین براعظموں پر اس کی حکمرانی کا دور دورہ رہا۔ یہ سب کچھ صرف ۳۰ برس سے بھی کم عرصے میں ہوا۔ اس کے بعد اس اُمت کا نور مزید پھیلا اور مشرق و مغرب کی تمام تر انسانیت کو منور کرتا رہا۔ یہ نور یورپ پہنچا تاکہ اُسے قرونِ وسطیٰ کے اندھیروں سے نکال کر تہذیب و تمدن کی روشنی میں کھڑا کردے۔ تہذیب و تمدن کی یہ روشنی اسلامی تہذیب کے گہوارے اندلس کے توسط سے بلادِ غرب کو نصیب ہوئی۔ اس بات کی شہادت مشرق و مغرب کے تمام انصاف پسندوں نے دی ہے۔ رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روح اور جسم کے درمیان عادلانہ توازن قائم فرمایا، تاکہ انسان کو نفسیاتی سکون مہیا ہوسکے۔ عین اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو آخرت کے لیے عمل کرنے کی ترغیب دی، انھیں یہ حکم بھی دیا کہ وہ دنیا سے اپنا حصہ وصول کرنا نہ بھول جائیں۔

---

* بی ایس اکنامکس فنانس، فاضل علوم دینیہ



Marfat.com

## بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دنیا کا سیاسی نظام:

### سلطنت روما کا سیاسی نظام:

سلطنت روما کی تاریخ اگرچہ بہت طویل اور ایک بڑے عرصہ پر پھیلی ہوئی ہے اور اسے ہم کئی ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں لیکن مختصراً یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ رومی شہنشاہیت کا آغاز دراصل جولیس سیزر (Julius Ceasar) سے ہوتا ہے جس نے اپنے دورِ اقتدار میں پورے طور پر استبداد اور مطلق العنانی کا مظاہرہ کیا۔(۱) اور اسی وقت سے دراصل اس عقیدہ کا بھی آغاز ہوا کہ "قیصر صفاتِ الوہیت کا مالک ہے" لیکن وہ شخص جس نے رومی شہنشاہی کو استوار کیا اور جس نے بعد کی تمام سیاسی نشو ونما پر بہت گہرا اثر ڈالا وہ اغسطس (Augustus) تھا۔(۲) اس نے بادشاہت کو موروثی کرنے کی تدابیر کیں۔(۳) اس کی قوت کا راز دولت، فوج پر قبضہ اور عنانِ حکومت پر مضبوط گرفت میں پوشیدہ تھا۔(۴) اس کی وفات کے بعد ٹائبرس (۱۴ء تا ۳۷ء) بر سر اقتدار آیا (۵) اس کی تخت نشینی کے وقت مطلق العنانیت کا دعویٰ پھر کیا گیا کہ "ناقابل تقسیم شے کو تقسیم کرنا غیر ممکن ہے۔ سلطنت ایک جسمِ واحد ہے اور صرف ایک ہی شخص کا دماغ اس پر حکمرانی کر سکتا ہے۔" (۶) اس کے بعد سلطنت پر جنگی عنصر کا غلبہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ کلاڈیس (Claudius) اور نیرو (Nero) دونوں کی تخت نشینی رومہ کے مقامی عساکر کی تائید کا نتیجہ تھی۔ پھر ۶۹ء کے واقعات سے یہ بات اور بھی ظاہر ہو گئی کہ بادشاہ کا بنانا اور بگاڑنا فوج کا کام ہے۔(۷)

بہر حال مارکس آریلیئس (Marcus Aurelius) کی موت کے بعد ۱۸۰ء سے رومیوں کے زوال کی ابتدائی ہوئی۔(۸) رومی سلطنت برابر انتشار سے دو چار ہوتی رہی اور پیہم خارجی حملوں کو سہتی رہی یہاں تک کہ جب ۳۰۶ء میں "قسطنطنین اعظم" قیصر ہوا (۹) تو گویا سلطنت میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس نے رومی سلطنت کی از سر نو تنظیم کی اور اسے متحد کیا، اس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ سیاسی و جنگی مصالح کی بناء پر پایہ تخت کو روم سے قسطنطنیہ منتقل کیا۔(۱۰) یونانی زبان کو دفتری زبان قرار دیا۔ اس سے ایک طرف تو بازنطینی سلطنت کی بنیاد پڑی اور دوسری طرف روم میں ایک سیاسی خلاء پیدا ہو گیا جسے بعد میں پاپائے روم نے پُر کیا۔ اس نے دوسرا اہم ترین قدم یہ اٹھایا کہ عیسائیت کو خود بھی اپنایا (۱۱) اور قانونی طور پر اس کو سلطنت کا مذہب بھی قرار دیا۔(۱۲) تاریخ سلطنت رومہ میں یہ ایک ایسا موڑ ہے جس کی بنا پر نہ صرف سلطنت کا ارتقاء متاثر ہوا بلکہ عیسائیت نے از منہ وسطیٰ کے سیاسی افکار وادارات کو بھی اس درجہ مغلوب کیا کہ ان کو عیسائی اعتقادات سے جدا کر کے سمجھانا ناممکن ہے۔(۱۳) افکار سیاسی پر ہی کیا موقوف پوری مغربی تہذیب پر اس کے اثرات نمایاں ہیں۔



Marfat.com

تاریخ بتاتی ہے کہ "قسطنطنین اعظم" کے یہ سارے اقدامات بھی سلطنت رومہ کے انتشار وزوال کو نہ روک سکے۔ سلطنت کے حصے بخرے ہوگئے، مشرقی اور مغربی حصے اور ان کے تاج دار الگ الگ ہوگئے اور قسطنطنین کی موت (۳۳۷ء) کے بعد ہی سیاسی خانہ جنگیوں کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ سلطنت کی تقسیم کا آغاز باقاعدہ طور پر اگرچہ ولنیٹنین (Valentinian) کے زمانہ (۳۶۴ء) سے ہی ہو چکا تھا(۱۴) لیکن قطعی تقسیم سلطنت ۳۹۵ء میں اس طرح ہوگئی کہ مشرقی حصوں کا آرکیڈیس (Arcedius) اور مغربی حصوں کا ہو نوریس (Honorius) تاجدار بن گیا۔(۱۵) اعیانِ سلطنت میں گروہ بندیاں قائم ہو گئیں۔ باہمی نفاق اور فتنہ وفساد کا بازار گرم ہو گیا اور دُور افتادہ صوبوں کی رعایا بغاوت پر آمادہ ہوگئی۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر وحشی اقوام نے حملے شروع کر دیے۔ چنانچہ حد تک تاخت وتاراج کر دیا۔(۱۶) رومہ کی اس تباہی وبربادی کی عام وجہ دورِ حاضر کے ایک مصنف نے یہ بیان کی کہ "یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ عیسائیت کا زوال اس کے عروج کے فوراً بعد شروع ہو گیا۔ جس کا نظارہ عیسائی اور غیر قوموں نے بھی کیا کہ عیسائیت کی تحریک "تباہ کن" ثابت ہوئی اور اس نے رومی سلطنت کو کمزور کر دیا۔ رومیوں کے اعلیٰ طبقہ کو دیکھتے ہوئے یہ نظر آتا ہے کہ عیسائیوں س میں دنیا وی اور مادی خواہشات، نفسانی اغراض، عیش و عشرت کی ہوس، سرد مہری، عوامی معاملات کی طرف سے بے توجہی، قومی معبودوں اور خداؤ ں کے لیے ذلت وحقارت ایسی خصوصیات ہین جنھوں نے مستقلاً رومی طاقت کو رفتہ رفتہ رُوبہ زوال کر دیا۔ پھر عیسائیوں کا یہ اصرار کہ وہ وفاداری میں اولیت روم کو نہ دیں گے مزید بدنامی کا باعث ہوا۔" (۱۷)

اس تباہی و بربادی کے ٹھیک ۴۵ سال بعد ۴۵۵ء میں ونڈال نے پھر رومہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس طرح سلطنت رومہ کی حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ پانچویں صدی عیسوں کے آخر میں اس کا مغربی حصہ جو برطانیہ، فرانس و غربیہ پر مشتمل تھا بالکل کٹ گیا اور خود روم کا دار الحکومت دشمنوں کے حملوں سے محفوظ نہ رہ سکا اور تقریباً ۵۶۰ء میں سلطنت کے مغربی حصہ پر وحشی اقوام کا مکمل قبضہ ہو گیا جسے جسٹینین (Justinian) ۱۸ (جیسا بہادر فرمانروا بھی دوبارہ حاصل نہ کر سکا، حالانکہ اس کی بہادری یورپ میں ضرب المثل تھی(۱۹)

مغربی حصہ نکل جانے کے بعد مشرقی صوبوں پر مشتمل سلطنت کی حالت بھی روز بروز حکمرانوں سے اس حد تک نفرت کرتی تھی کہ وحشی اقوام کو رُومیوں پر ترجیح دی جاتی تھی۔ اُمراء، وُزراء اور سلاطین میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ عوام کو بغاوت سے روک سکیں۔ ان کے تمام بیرونی مخالفین ختم بھی ہو جاتے تب بھی سلطنت زوال وانحطاط سے اپنا دامن نہیں بچا سکتی تھی۔ مزید بر آں ان کے پاس ایسی کوئی اخلاقی قوت اور ذہنی وسائل بھی نہیں تھے جو ان حالات میں ان کی دلجمعی اور قوت کا سہارا بن سکتے۔ چنانچہ ڈننگ نے لکھا ہے کہ "رومی و یونانی علم و ادب کے حیرت انگیز افلاس نے (جو رُوم کی سیاسی فنا سے



Marfat.com

صدیوں پہلے ظاہر ہو چکا تھا) اس پُر آشوب زمانے کے لیے کوئی ذہنی وسائل باقی نہ چھوڑے اور یورپ مایوسانہ اور شرمناک وہم پرستی میں مبتلا ہو گیا۔ زمانہ ُوسطٰی، غیر سیاسی، زمانہ تھا اور اس کے عزائم و تصوارت مذہبی عقیدے کی شکل ومعنی کے گرد مرکوز تھے۔" (۲۰)

بہر صورت چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند سال بعد) روم بقول گبن زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا۔گبب کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ "اس کی مثال بعینہ اس عظیم الشان درخت کی ہوگئی تھی جس کے سائے میں ایک وقت تک تمام اقوام عالم آباد تھیں مگر اب ایسی خزاں آئی کہ برگ وبار کے ساتھ ساتھ اس کی شاخین اور ٹہنیاں بھی رخصت ہوئی تھیں اوراب خالی تنا خشک ہو رہا تھا۔" (۲۱) غرض رومہ کا مختصر سا تاریخی وسیاسی جائزہ اس بیان پر مہر صداقت ثبت کر دیتاہے کہ "شہنشاہی رومہ کی تاریخی اگرچہ جزءنہایت عظیم الشان معلوم ہوتی ہے مگر دنیا کو وہ یہ سبق دے گئی کہ ایسا الاامتناس ہی اختیارنہ حکمران کے لیے مفید ہے اور نہ اس کی رعایا کے لیے۔" (۲۲)

## فارس کا سیاسی نظام:

فارس اپنی قدامت پسند تہذیب کے لحاظ سے دنیا کے ان چند حصوں میں شامل ہے جن کی تاریخ انتہائی قدیم اور طولانی ہے۔(۲۳) عام طور پر اس کی تاریخ کا مطالعہ دو حصوں میں کیا جاتا ہے۔ایک افسانوی دور اور دوسرا تاریخی دور۔اگر افسانوی دور کو پیش نظر رکھا جائے تو شاید اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہو جاتی ہے جتنا کہ خود انسان ہے لیکن اس کا خالص تاریخی دور بھی ایک زمانہ ٔ دراز پر محیط ہے۔ فارس کئی سو سال قبل مسیح میں ہی رفعت وسربلندی حاصل کر چکا تھا اور وہ زمانہ جبکہ یونان میں افلاطون و ارسطو کا طوطی بول رہا تھا یا یوں کہیے کہ جب یونان بڑی حد تک عروج سے ہمکنار تھا تو اس وقت فارس انحطاط وزوال کی سرحدوں کو چھورہا تھا۔(۲۴)مختصر یہ کہ فارس نے جریدہ ٔعالم پر بہت گہرا نقش ثبت کیا تھا اور ملوک فارس اپنے دائرہ اقتدار وحاکمیت کو اس قدر وسیع اور مستحکم کر چکے تھے کہ اس وقت کی معلوم فارس اپنے دائرہ اقتدار و حاکمیت کو اس قدرو سیع اور مستحکم کر چکے تھے کہ اس وقت کی معلوم دنیا کے زمانے میں بھی جبکہ ان کا آفتاب اقتدار گہنا گیا تھا اور "ملوک طوائف" فارس پر حکمرانی کر رہے تھے، وہ دنیا کے دوسرے حکمرانوں کے مقابلے میں زیادہ قوت وجبروت کے مالک تھے۔ چنانچہ ان ہی ملوک طواف (۲۵) کے زمانے میں یونان وروم پر حملے اور آس پاس کے علاقوں (مثلاً عراق وعرب) پر فوج کشی وغیرہ ہوئی۔ان کے بعد ساسانیوں کے زمانے (۲۲۶ء تا ۶۵۳ء) میں بھی روایت باقی رہی۔(۲۶)

بہر صورت قدامت تہذیب اور قدامت حکومت دونو ں کے اعتبار سے فارس کی بادشاہی، تاریخ سیاست کے نہایت اہم باب کی حیثیت رکھتی ہے۔اور جیسا کہ ہم اُوپر اشارہ کر چکے ہیں اس کی تاریخ بہت طویل ہے جسے مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔(۲۷) لیکن ہم بالفعل جس دور کا مطالعہ کرنا



Marfat.com

چاہتے ہیں اس کا تعلق ان کے چوتھے طبقہ (یعنی "ساسانیہ" سے ہے۔اس دور میں ملوکِ ساسانیہ کی ایک چھوٹی سی تعداد تو بلا شبہ ایسی ہے جس نے اپنے حکم و اقتدار کا سکہ کافی عرصہ تک چلایا۔(۲۸) اور اس زمانے میں کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ بھی بمشکل کر سکتا تھا لیکن تاریخ کا مطالعہ ہمیں یہ بتا تا ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ساسانی جاہ جلال بھی ماند پڑتا چلا گیا،اس کے اوراقِ عظمت منتشر اور پر گندہ ہوتے چلے گئے۔نا اہل حکمرانوں، مسلسل بغاوتوں، سفاکانہ خون ریزیوں، سیاسی بد امنیوں، اختلافات وہنگاموں اور آپس کی ریشہ دوانیوں نے آہستہ آہستہ ان کے شجر اقتدار کو کھوکھلا اور ان کی قبائے سیاست کو تار تار کر دیا۔روم کی طرح فارس میں بھی شخصی، موروثی اور مطلق العنان بادشاہت تھی،اور یہی ایرانی نظام فکر وسیاست میں محور کی حیثیت رکھتی ہے۔اگر ایک طرف حکمران یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے" تو دوسری طرف اہل فارس بھی انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا وہ خدا ہیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان حکمرانوں کی فطرت میں ایک مقدس آسمانی چیز موجود ہے۔چنانچہ یہ لوگ ان کے آگے سر بہ سجود ہوتے تھے،ان کی الوہیت کے ترانے گاتے تھے اور انھیں قانون، تنقید اور بشریت سے بالا تر تصور کرتے تھے۔(۲۹)

ملک وقوم پر حکومت کرنے کے لیے ایک خاص کیانی گھرانہ متعین تھا۔اہل فارس سمجھتے تھے کہ صرف اسی گھرانے کے افراد تخت وتاج کے وارث اور ملک وسلطنت کے مالک ہوسکتے تھے۔(۳۰) اور اسی لیے اگر اس خاندان میں کوئی سن رسیدہ شخص نہ ملتا تو کسی نا بالغ اور بچہ کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے (۳۱) بلکہ اگر خاندان میں کوئی مرد باقی نہ رہتا تو عورت کو ہی تاجِ شاہی پہنا دیتے تھے۔(۳۲) پھر تماشہ یہ کہ تختشاہی پر نصب و عزل کا یہ کھیل اس شان سے کھیلا جاتا تھا کہ اس میں کسی اصول اور ضابطے کی قید،اخلاق و کرداری کوئی پابندی،رشتہ و علائق کی کوئی پروا، چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز اور حلال وحرام، جائزوناجائزاور حق وناحق کاکوئی لحاظ نہ تھا،بس فکر صرف تخت کی اور ہوس محض اقتدار کی تھی اور مقصود صرف یہ تھا کہ تخت حکومت ہو جائے خواہ اس کے لیے کوئی بھی راستہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے اور خواہ اس کے لیے اپنے دشمنوں سے ہی مدد کیوں نہ مانگنی پڑے۔اسی لیے، ہر مزسوم (۴۵۷ء تا ۴۵۹ء) کے مقابلے پر اس کے بھائی فیروز اول (۴۵۹ء تا ۴۸۳ء) نے تاتاریوں (سفید ہن قبائل)سے مدد مانگی تھی۔(۳۳) اور جب قباد اول(۴۸۷ء تا ۵۳۱) نے معزول کر دیا گیا اور اس نے قید سے بھاگ ہنگامہ بر پا ہو گیاجس کے نتیجے میں قبادکو تخت سے معزول کر دیا گیا اور اس نے قیدسے بھاگ کر تاتاریوں کے پاس پناہ لی اور بالآخران ہی کی مدد سے دوبارہ تخت نشین ہوا۔(۳۴) اسی اقتدار کی خاطر بلاش (۴۸۳ء تا ۴۸۷ء) کو معزول کیا گیا۔(۳۵) اسی تخت کی ہوس میں نوشیرواں سے (۵۳۱ء تا ۵۷۹ء) دعویدارِ سلطنت کے قتل کی حرکتِ قبیحہ سر زد ہوئی اسی کے لیے ہر مز چہارم اور خسرو پرویز شہر براز (یا شہر یار) (۳۶) صرف چار دن حکومت کے مزے لوٹ سکا۔(۳۷) اس کی



Marfat.com

جانشین بوران بنت کسریٰ پرویز صرف ایک سال چار ماہ تک بادشاہت کر سکی(۳۸) اس کے بعد آنے والے حکمران ان جشندہ کی مدتِ ریاست تو ایک ماہ سے بھی کم رہی(۳۹) آزرمید خت محض چھ ماہ حکمرانی پر متمکن رہی۔ (۴۰) اس کا جانشین کسریٰ بن مہر جشنس چند دن بعد ہی قتل ہو گیا (۴۱) یہی انجام فیروز بن مہر جشنس کا ہوا(۴۲) فرخ زاد خسرو کی سلطانی چھ ماہ سے آگے نہ بڑھ سکی (۴۳) اور آخری بادشاہ (۴۴) (یزدجردیا) یزدگرد بن شہریار کی عمر قتل کے وقت صرف ۲۲ سال تھی جبکہ اس کی حکمرانی کو دیا چار سال گزرے تھے۔(۴۵) اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اقتدار کی یہ ہوس صرف خاندان شاہی کے افرادتک محدود نہ تھی بلکہ بوران پہلے بعض دوسرے لوگوں نے بھی طالع آزمائش کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ مذکورہ شہر براز (یا شہریار) کا تعلق خاندان شاہی سے نہ تھا۔(۴۶)

سلطنت فارس اگرچہ شخصی، موروثی اور مطلق العنان تھی اور بادشاہ اپنے حکم اور فیصلہ میں کسی کا پابند نہ تھا مگر اسی کے ساتھ ساتھ متعدد تاریخی واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں "عظمائے فارس" پر مشتملس ایک نوع کی "مجلس مشاورت" بھی تھی جو اگرچہ درباری اور شاہی خاندان کے افراد پر مشتمل تھی لیکن اپنی نوعیت میں وہ کتنی ہی محدود سہی بہر حال بادشاہ وقتاً احکام کے اجراء و نفاذ، والیوں کے تقرر اور دوسرے اہم مواقع پر اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ مثلاً جس زمانے میں یمن پر "مسروق" کی حکمرانی قائم تھی سیف بن زی یزن نامی ایک شخص اپنی قوم کی طرف سے پہلے قیصر روم کے دربار میں فریادی ہوا اور مسروق سے نجات دلانے کی درخواست کی لیکن وہاں سے مایوسی ہوئی تو عامل حیرہ نعمان بن مُنذر کی وساطت سے سیف نے نوشیرواں کے دربار میں بھی اس درخواست کو دہرایا۔ نوشیرواں نے سیف کی درخواست کو ہمدردی سے سنا اور مدد کے لیے آمادہ ہو گیا۔ مگر مدد کا طریقہ کار کیا ہو اور کیا صورت اختیار کی جائے تو اس سلسلے میں اس نے اہل دربار سے مشورہ کیا (۴۷) اور اسی مشورہ کے مطابق وہرز کی سرکردگی میں ایک لشکر یمن روانہ کیا گیا جس نے مسروق کو قتل کر کے سیف کا یمن پر اقتدار قائم کر دیا۔(۴۸) اسی طرح ارد شیر بن شیرویہ کو جس وقت شہنشاہ بنا گیا تو اس کی عمر مشکل سے سات سال تھی اور ظاہر ہے کہ اس عمر میں حکمرانی کے لیے وہ دوسروں کی مدد کا سخت محتاج بھی تھا۔ چنانچہ اس کی رہنمائی اور مشورہ کے لیے "مہاذر جشنس" کو منتخب کیا گیا تھا۔(۴۹)

**چین کا سیاسی نظام:**

چین کی تہذیب اور اس کا تمدن اتنا قدیم ہے کہ صحیح معنوں میں اس کے آغاز کا تعین اب تک نہیں ہوسکا۔(۵۰) چین کے تاریخی دور کی ابتداء جیسا کہ کہا جا تا ہے یاؤ (Yao) کے زمانہ (۵۰۸ تا ۴۰۰ ۲ق م) سے ہوئی (۵۱)۔ اس کے بعد بتدریج شون(Shone)، ہیا(Haia)، شانگ (Shang)اور اینگ کے خاندان بر سر اقتدار آئے۔(۵۲) پھر طوائف الملوکی کا طویل دور شروع ہوا جو ہان (Han) خاندان کی حکومت کے قیام تک جاری رہا۔ ہان کا پہلا فرمانروا کوٹی (Kao-Ti) تھا۔(۵۳) اس کے



Marfat.com

زمانیس میں ملک کی علمی وسیاسی قوت نے فروغ پایا۔ اس خانوادہ کو تیسری صدی عیسوی تک حکومت کا موقع ملا۔ لکین کا آغاز سے کچھ ہی عرصہ بعد ضعف و انحطاط کا عمل جاری ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ خانہ جنگیاں، بغاوتیں اور دوسرے فتنے بڑھ گئے یہاں تک کہ ایک فوجی نے بغاوت کر کے ۲۲۱ء میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ (۵۴) اس کی وجہ سے اندرونی خلفشار اور افرا تفری مزید بڑھ گئی اور صورتحال اس حد تک خراب ہوگئی کہ چالیس سال سے زائد عرصہ تک تخت شاہی خالی رہا اور کوئی حکومت وہاں قائم نہ ہو سکی۔ آخر کار ۵ ۲۶ء میں خاندان شی چیو (Shee-Cheu) نے حالات پر قابو پایا اور اپنی بساط اقتدار کو چھٹی صدی عیسوی تک پھیلا دیا۔ (۵۵) بظاہر حکومت وسیاست کا یہ ایک طویل عرصہ ہے لیکن فی الحقیقت چین کی تاریخ میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ کیونکہ ساڑھے تین سو سال کا یہ دور سخت انتشار واضطراب سے عبارت ہے(۵۶) اور طوائف الملوکی سے مختلف نہیں ہے بہر حال عرصہ دراز کے افتراق کے بعد ۵۸۹ء میں سوئی (Sui) خاندان سریر آرائے سلطنت ہوا تو کچھ مدت کے لیے ملک کے حالات سُدھر گئے، اس کے باشندوں کو امن وامان میسر آیا اور ایک گونہ سیاسی اتحاد قائم ہونے کے علاوہ ملک کا وقار بھی بلند ہوا۔ مگر ۶۱۸ء میں یعنی ہجرت نبویؐ سے چار سال پہلے سوئی خاندان کو تانگ خاندان کے لیے جگہ خالی کرنا پڑی۔ (۵۷) تانگ کا دور ۶۱۸ء سے ۶۰۶ تک رہا۔ (۵۸)

اس تفصیل سے یہ واضح ہے کہ حضورؐ کی بعثت کے وقت چین میں سوئی خاندان مسند اقتدار پر فائز تھا اور تانگ خاندان نے اس وقت زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث کو آٹھ سال ہو چکے تھے اور آپ قریش کے معاشی و معاشرتی مقاطعہ کا سامنا کر رہے تھے۔ تانگ کا دورِ حکومت بہت طویل رہا۔ اس کا دوسرا فرمانروا تائی شنگ (Tai Tsung) تھا۔ (۵۹) اس نے ۷ ۶۲ء سے ۶۴۹ء تک حکومت کی۔ (۶۰) اسی کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور خود جب وہ مرا تو اس وقت حضرت عثمانؓ تخت خلافت پر متمکن تھے۔ بہر حال مجموعی طور پر یہ کہنا چاہیے کہ خاندان تانگ سے چین کی سیاست میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ (۶۱) مزید برآنس چین نے بت پرستی، کنفیوشس ازم اور بدھ مت کے عروج و زوال اور نسطوری ومانوی مذہب کے بعد اسلام کا جلوہ بھی اسی دور میں دیکھا۔ (۶۲)

روم، ایران اور ہندوستان کی طرح چین میں بھی آمریت اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا۔ ان کی حکومت شخصی، استبدادی اور موروثی تھی۔ بادشاہ ان کا فرماں روائے مطلق العنانیت لا دور دورہ تھا۔ ان کی حکومت شخصی، استبدادی اور موروثی تھی۔ بادشاہ ان کا فرماں روائے مطلق تھا اسی کو تمام اختیارات حاصل تھے۔ اس کا حکم قانون تھا اور اس کا ایوان ملک کی سب سے بڑی عدالت تھی۔ اہل چین اپنے بادشاہ کو "شہنشاہ فرزند آسمان" کہتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان کے جوڑے کی پہلی اولاد ہے۔ (۶۳) اسی بنا پر شاہِ وقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کو حق تھا کہ جو چاہے کرے۔



Marfat.com

لوگ اس سے کہتے تھے کے "آپ ہی قوم کے مائی باپ ہیں۔" (۶۴) لیکن اوپر کے سیاسی جائزہ سے یہ عجیب بات سامنے آتی ہے کہ اتنی سخت شاہ پرستی کے باوجود بعثت نبویؐ سے قبل چین میں سلطنت کو استحکام حاصل نہیں ہوسکا تھا، خانہ جنگیاں معمول بن چکی تھیں اور بیرونی حملہ آوروں نے پورے نظام سیاست کو برباد کر دکھا تھا۔

## عرب کا سیاسی، تہذیبی و تمدنی نظام:

عرب کی تہذیب اور اسکی تاریخ اُتنی ہی پُرانی ہے جتنی قدیم کہ اس خطہ ارضی پر انسانی آبادی کیونکہ اس خط کو امم سامیہ کا مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ علاقہ مدتِ مدید سے مختلف اقوام وملل کی آماجگاہ اور اُنکے عروج و زوال کا امین رہا ہے۔ (۶۵) عرب کا علاقہ ازمنۂ قدیم سے تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہا ہے اور اپنے ثقافتی اثرات اُس نے دنیا کے دوسرے حصّوں تک منتقل کئے ہیں۔ اہل عرب ابتدائے عہد تاریخ سے تمدّن و حضارت اور اور حکومت و سلطنت سے واقف رہے ہیں۔ (۶۶) عرب میں اگرچہ ریاستوں کا وجود قدیم ہے لیکن کسی زمانے میں بھی کوئی ایک ہمہ گیر، ملک گیر اور متحدہ ریاست عرب میں قائم نہیں ہوسکی۔ (۶۷) ایّام جاہلیت میں ایک طرف تو عربوں کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ممالک عراق اور شام میں قائم ہوگئی تھیں۔ اور دوسری طرف بعض عرب وادی مصر میں بھی جاکر تمام صحرائے افریقہ کے موروثی مالک بن گئے تھے (۶۸) انہیں میں ایک ریاست "معان" جسمیں بنوفاخرہ (بطن نفاشہ) کی ریاست تھی۔ اور جب اُن میں سے ایک شخص فروہ بن عمر بن الفاخرہ حکمران ہوا تو اسکے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامۂ گرامی بھیجا تھا اسکے جواب میں اُس نے اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور ایک سفید خچّر بھی بطورِ ہدیہ ارسال کیا۔ (۶۹) یمن کی تاریخ انتہائی طویل اور قدیم ہے۔ مختصر یہ کہ یہ علاقہ بڑی بڑی تہذیبوں کا گہوارہ اور حکومت و سیاست کا مدتِ مدید تک مرکز رہا ہے۔ (۷۰) نجاشی نے قیصر روم کے اشارہ سے یمن پر فوج کشی کی اور بالآخر ۵۲۵ء میں یمن کو فتح کرلیا۔ (۷۱) یہ وہی نجاشی ہیں جب حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ آپ نبی علیہ السلام کا نامۂ نامی لیکر نجاشی کے پاس گئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک کو آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اُتر کر نیچے بیٹھ گئے اور نہایت خوشی سے اسلام قبول کیا۔ اہلِ یمن تمدّن و معاشرت اور حضارت ہر معاملہ میں عرب کے دوسرے تمام حصّوں سے بہت آگے تھے وہ محلات، مکانات، قلعے، محافد اور ہیکل کے مالک تھے۔ ریشم اور حریو دیبا کے قیمتی ملبوسات اور میوہ جات، مرغن غذائیں اور سونے چاندی کے بیشمار اقسام کے ظروف استعمال کرنا اُنکے لئے غیر معمولی بات نہ تھی کہ وہ محض محاورتاً نہیں بلکہ واقعتاً سونے چاندی اور زر و جواہرات سے کھیلنے والے لوگ تھے۔ (۷۲) ان سب سے زیادہ مشہورو معروف، اہم اور منظم ترین مکہ کی شہری مملکت (City State) تھی۔ جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد قصی بن کلاب نے مکّہ پر قبضہ کرکے



Marfat.com

۴۴۰ء میں قائم کیا تھا۔ قصی بہت ہی جلد ایک مقبول حکمران بن گئے تھے حتّٰی کہ ابنِ سعد کے الفاظ میں "جس طرح مذہب کی پیروی کی جاتی ہے، اہلِ مکّہ اسی طرح قصی کے حکم کی پیروی کرتے تھے اور زندگی تو زندگی مرجانے کے بعد بھی ان کے حکم پر عمل ہوتا تھا"۔ قصی نے مملکت کے نظم و نسق کو بہترین حالت میں رکھنے کے لئے مختلف محکموں کو قائم کیا۔ پھر قصی کے بعد امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اُن میں اضافہ ہوتا رہا۔ بہرحال مجموعی طور پر اگر اُن عہدوں کی فہرست مرتب کی جائے تو مندرجہ ذیل عہدوں کا پتا چلتا ہے:

۱-حجابہ (خانہ کعبہ کی دربانی)

۲-سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا)

۳-رفادہ (حاجیوں کے لئے کھانے کا انتظام اور مالی بندوبست)

۴-لواء (جھنڈا - جنگی عہدہ)

۵-ندوہ (اجتماع گاہ، مشورہ گاہ)

۶-مشورہ (امورِ مہمہ میں مشورہ)

۷-قیادہ (جنگ میں لشکر کی قیادت)

۸-قبہ (شامیانہ-فوجی معسکر کا انتظام) (۷۳)

درجہ مذکورہ فہرست انتہائی اختصار کے ساتھ بطور تمثیل پیش کی گئی ہے، جو باوجود جاہلیت میں حددرجہ بڑھ جانے والے عربوں کے اپنے شعارِ تہذیب و تمدّن کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ تاریخ میں اس جیسی نظامت کا ذکر پچھلی تہذیبوں کے مقابلے میں شاذونادر ہی دستیاب ہوسکا ہو۔ جو کہ دینِ ابراہیمی پر تھوڑے، بہت قائم رہ سکنے والے بنی اسماعیل پر اللہ تعالیٰ کی رحمتِ غیر مترقّبہ کی ایک نشانی تھی۔

## عالمگیر تاریکی، ہر سُو اندھیرا:

خلاصہ یہ کہ ساتویں صدی عیسوی میں روئے زمین پر کوئی قوم تہذیب و ثقافت کے حوالے سے ایسی نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جاسکے اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو، اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا، جو انبیائے کرامؑ کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو، اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی کبھی کچھ روشنی نظر آجاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہو، صحیح علم اور صحیح عمل اتنا نایاب تھا اور خدا کا سیدھا راستہ بتلانے والے اس قدر خال خال پائے جاتے تھے کہ ایران کے بلند ہمت اور بے چین طبیعت نوجوان



Marfat.com

سلمان فارسیؓ اپنے قومی و نسلی مذہب (مجوسیت) سے غیر مطمئن و مایوس ہوچکا تھا اور حق و صداقت کا جویا تھا، ایران سے لے کر شام کی آخری حدود تک طویل سفر میں صرف چار آدمی ایسے مل سکے، جن سے اس کی رُوح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہو اور جو پیغمبروں کے بتلائے ہوئے راستے پر قائم تھے۔اس عالمگیر تاریکی اور فساد کا نقشہ قرآن مجید نے جس طرح کھینچا ہے۔"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" (۷۴)(ترجمہ: خرابی پھیل گئی ہے، خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے اور وہ باز آجائیں۔(۷۵)

## اسلام ایک عالمی نظام:

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اسلام ایک عالمی نظام ہے۔ہر زمانہ میں ہر انسان کے لئے قابل تطبیق ہے۔ایک خاص گروہ یا خاص وقت کے لئے یہ مخصوص نہیں ہے۔

۱۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا (۷۶) ترجمہ: "اور تم کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو۔"

۲۔ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ (۷۷) ترجمہ: "اور یہ قرآن تو نصیحت ہی ہے سارے جہاں والوں کو۔"

۳۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (۷۸) ترجمہ: "تو کہہ اے لوگو مین رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔"

جب یہ ثابت ہوا کہ اسلام ایک کامل نظام ہے نسخ تبدیل اور تغیر کو قبول نہیں کرتا۔تو عقل کا تقاضا یہ وہ کہ ہر زمانہ اور ہر مکان میں کوئی تطبیق کرنے والا موجود ہو۔(۷۹) بخلاف یہودیت اور عیسائیت کے،کہ یہ تو بنی اسرائیل تک خاص ہے،اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ. أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ"(۸۰) ترجمہ: "سو، جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا۔یہ کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔

## اسلام معتدل نظام ہے:

زندگی کے ہر موڑ پر اسلام اعتدال کا درس دیتا ہے۔افراط و تفریط کے دونوں جانب چھوڑ کر اعتدال کے درمیانی راستے کو متعین کرنا ہوگا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا" ترجمہ: "اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں، بلکہ ان کا طریقہ اس کے درمیان اعتدال کا طریقہ ہے۔"(۸۱)

۲۔اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا" ترجمہ: : "اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس



Marfat.com

کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا۔(۸۲)

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "کہ کاموں میں بہترین کام متوسط کام ہے۔"(۸۳)

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہؓ بن عمرو کو فرمایا: "کہ رات میں عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی روزہ بھی رکھو اور کبھی افطار بھی کرو اس لئے کہ آپ کے بدن کا، آنکھوں کا، مہمان کا اور بیوی کا آپ پر حق ہے۔"(۸۴) یقینا قرآن کریم میں بہت سارے احکامات کا تعلق نہ توحید سے ہے اور نہ عبادات سے۔ جیسے احکام بیع اور سود، شادی، طلاق اور جن کا تعلق سیاست اور نظام حکومت سے ہے۔ جب قرآن کریم میں ایسے احکامات موجود ہیں تو اسلام کے سیاسی نظام کا انکار کرنا قرآن کریم کے بعض حصے کا انکار ہے اویہ کفر ہے۔

سرکاری منصب یا بیورو کریسی کیا ہے؟ بیورو کریسی دو لفظوں بیورو اور کریسی کا مجموعہ ہے۔ بیورو سے مُراد دفتر اور کریسی سے مُراد نظام ہے جبکہ بیورو کریٹ سے مُراد دفتری سربراہ ہوتا ہے۔ اسی لیئے بیورو کریسی کو دفتری حکومت بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی لفظ بیورو کریسی دراصل فرانسیسی نژاد لفظ ہے اور اس کا اطلاق ایسی عاملہ یا انتظامیہ پر ہوتا ہے جس کا کام ضابطہ پرستی کے باعث طوالت آمیز ہو۔(۸۵)

انسائیکلو پیڈیا امریکانا کے مطابق بیورو کریسی سے مراد افسر شاہی یا نو شاہی ہے۔ یہ اصطلاح موجودہ دور کی ہے۔ دراصل یہ لفظ تنقید کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مشہور جرمن میکس ویبر Max' Weber نے بیورو کریسی کا تصور پیش کیا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق سرکاری ملازمین یا افسران کی جماعت ایک مشین کی مانند ہونی چاہیے جس کے احساسات نہ ہوں بلکہ وہ گورنمنٹ کے احکامات کی تکمیل اسی انداز سے کرے۔(۸۶)

اس اصطلاح کو اٹھارہویں صدی میں فرانس میں وضع کیا گیا۔ نپولین کے دورِ حکومت میں سرکاری محکموں کو بیورو اور سرکاری عہدے داروں کو بیورو کریٹ کہا جاتا تھا۔ ملک پر کوئی بھی حکمران ہو، قانون نافذ کرنے اور عمل کرانے کی ذمہ داری سرکاری کارندوں (بیورو کریسی) پر ہوتی ہے۔ وہ محکموں کو چلاتے اور خادم بن کر عوام کی ضروریات پوری کرتے اور ان کی مشکلات کا ازالہ کرتے ہیں۔ اس لیئے اصطلاحی معنوں میں بیورو کریسی سے مراد سول سروس کا نظام ہوتا ہے جسے عرفِ عام میں استہزائیہ طور پر نوکرشاہی بھی کہتے ہیں۔ آج کل کوئی حکومت بھی بیورو کریسی کے بغیر نہیں چل سکتی۔ سارے کام کرنا اکیلے انسان کے بس کی بات نہیں اس لیئے نظامِ حکومت چلانے کے لیئے ذمہ داریاں اداروں اور اُن سے منسلک افراد کو تفویض کر دی جاتی ہیں۔ یہ ادارے ایک ریاست کے لیئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔(۸۷)

اولوالامر کون ہیں؟ بیورو کریسی یانوکر شاہی یا افسر شاہی کے لیے قرآن حکیم نے "اولو الامر" کی اصطلاح بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان



Marfat.com

لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقہ کار ہے۔ اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے"۔(۸۸)(سورۃ النساء / آیت نمبر ۵۹)

اولو الامر لغت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے، جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام و انتظام ہو، اسی لیے حضرت ابن عباس، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ رضی اللہ عنہم مفسرین قرآن نے اولو الامر کے مصداق علماء فقہا کو قرار دیا ہے کہ وہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور نظام دین ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور ایک جماعت مفسرین نے جن میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی شامل ہیں فرمایا کہ اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے۔ اور تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے، یعنی علماء کو بھی اور حکام و امراء کو بھی، کیونکہ امر و نہی دونوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

اولوالامر کا مفہوم ہے کہ اس میں حاکم، فقہا اور سیاسی رہنما شامل ہیں۔ اسی وجہ سے قومی نمائندوں پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ علامہ اب کیسانؒ نے لکھا ہے: "اولوالامر صاحب عقل ورائے ہیں جو کہ لوگوں کے کاموں کی تدبیر کرنے والے ہیں۔" (۸۹)

امام زجاجؒ فرماتے ہیں: "اولوالامر وہ لوگ ہیں کہ مسلمانوں کے دینی امور اور تمام اصلاحی کاموں کو انجام تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوں۔" (۹۰)

امام نوویؒ (متوفی ۶۷ھ) لکھتے ہیں: "علماء نے فرمایا ہے کہ اولو الامر سے مراد وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی اطاعت لوگوں پر واجب رکھاہے۔ کہ وہ حاکم اور آمروں سے عبارت ہے۔ اور یہ جمہور سلف اور خلف مفسرین فقہاء وغیرہ کا قول ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ ان سے مراد امراء اور علماء ہے۔" (۹۱)

ارشاد ربانی ہے: "إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا" ترجمہ: "مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔"(۹۲) علامہ قرطبی لکھتے ہیں: "یہ آیت قرآن کریم کے اہم ترین احکام سے ہے اس کے ضمن میں دین اور شریعت کے تمام تفصیلات سمیٹ کر رکھ دی گئی ہیں اور قرطبی کا یہ کہنا بالکل بجا ہے"۔

نبی اکمل صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرما دیا: "مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند تاوقت یہ کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اور جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر اسے نہ کچھ سننا چاہیئے اور نہ ماننا چاہیے"۔(۹۳)

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مخلوق یا رعایا ایسا حکم نہ مانے جس سے اللہ کی نافرمانی ہو۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے۔ اطاعت جو کچھ بھی ہے، معروف میں ہے"۔(۹۴)



Marfat.com

اگر آپ کو اقتدار حکومت حاصل ہے تو غریب و امیر، قومی و ضعیف میں مساوات قائم کرنا، عدل کے ترازو کو تمام مخالف رجحانات کے باوجود برابر رکھنا، حکومت کے عہدوں پر تقرر کے لیے کنبہ پروری اور دست نوازی کی بجائے صرف اہلیت و قابلیت کو معیار قرار دینا بھی اس حکم کی تعمیل میں داخل ہے۔

**کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ:** عام لوگوں کے علاوہ اس حکم کے خصوصی مخاطب امراء اور حکام ہیں اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیش نظر ہو تو پھر ہر شخص اس کا خصوصی مخاطب ہے، ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ترجمہ: "تم میں سے ہر شخص اپنے مرتبہ کے لحاظ سے پاسبان ہے اور جو ابدہ ہے۔"(۹۵) امام اور خلیفہ بھی راعی ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خاوند اپنے گھر والوں کا رئیس ہے اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگراں ہے۔ ہر ایک سے اس کی حیثیت کے مطابق سوال کیا جائے گا"۔

خلیفہ اور اسلامی حکومت کا سربراہ اپنی رعیت کے متعلق ذمہ داری رکھتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنی رعیت کے واقعی حالات سے باخبر رہے اور اس کے مطابق پکا ارادہ رکھے۔ اور یہ اس کے لئے اُنس اور خوشی کا سبب ہوگا اور اگر کسی حاکم کو یہ دلچسپی نہ ہو اور غفلت برتے تو اس کو ضعیف حاکم کہا جائے گا نہ کے مدبر اور اپنی رعیت کے حق میں حقوق کی ادائیگی کے متعلق اس کی کوتاہی زیادہ ہوگی۔

امام ماوردیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں: "منصور نے فرمایا ہے کے مجھے اس خلیفہ اور حاکم پر تعجب ہے جو اپنی رعیت کی خبروں سے اُنس اور دلچسپی نہیں رکھتا۔ تو یہ خلیفہ اور حاکم آخر کس چیز سے اُنس اور خوشی حاصل کرے گا؟ اور اس مدبر پر تعجب کرتا ہوں جو وہ کچھ نہ جانتا ہو جو اس کے عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیسے اُس کی تدبیر کام کر رہی ہے؟"(۹۶)

بعض علماء کا کہنا ہے کہ جب کسی خلیفہ اور حاکم نے اپنی رعیت کے حالات اور اخبار میں بے رغبتی ظاہر کی اور اپنی رعیت کے احوال سے خود کو باخبر نہ رکھا، تو یہ خلیفہ اور حاکم اپنے کام میں عاجز اور غیر مدبر انسان ہے۔ اور اپنی رعیت کے حق میں حقوق کی ادائیگی سے اس کی تقصیر اور لاپرواہی سے زیادہ ہے اور ایسے حاکم میں اپنے واجبات کے لحاظ سے جہالت اس کے علم کی بہ نسبت زیادہ واضح اور آشکارہ ہے۔" (۹۷)

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمہوری سیاسی طرز حکمرانی، ایک بے مثل نمونہ:

احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک حاکم و فرمانروا، سیاست دان اور عظیم مدبر و منتظم سب کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اس مضمون کو بیان کرتی ہیں کہ آپ اللہ کی جانب سے مقرر کردہ حاکم ہیں اور یہ منصب امام الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت رسول اللہ عطا ہوا ہے۔ ایسا قطعاً نہیں ہے کہ آپ ریاست قائم کر کے اس کے حاکم و مدبر اور منتظم از خود بن بیٹھے ہوں یا



Marfat.com

لوگوں نے منتخب کر کے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا فرماں روابنا دیاہو۔ افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں روائی رسالت سے ہٹ کر کوئی علیحدہ شے نہیں ہے اور بطورِ حاکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی عین اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے منحرف ہونا دراصل اللہ کی حاکمیت کا انکار کرنا ہے۔ یہ بات بھی آپ نے ہی ہمیں بتائی ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر کوئی اطاعت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے حکم اور اس کی ہدایت کے تابع ہی ہے۔ رسول جو منصب رسالت کا امین ہوتا ہے، اپنی اطاعت کروانے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کا مکمل پروگرام پہنچانے کا مشن لے کر اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم موجود ہے: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ" ترجمہ: "ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبر داری کی جائے۔"(۹۸)

احمدِ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آکر رسالت کے ساتھ فرمانروا اور حکمران کی حیثیت سے مدنی زندگی کا آغاز کیا کیونکہ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حکمران کی نہیں تھی اور نہ اقتدار وہاں رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ہدایات کی روشنی میں اپنے حسن تدبر اور حسن انتظام سے مدینہ میں مثالی سلطنت اور ایسا مثالی معاشرہ قائم کیا جو بھائی چارے، اخوت، ہمدری محبت، ہمدردی اور ایثار میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست میں حکمت اور دور اندیشی نمایاں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذہب کے ساتھ ساتھ ریاست کے بھی سربراہ تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی اکیلی شخصیت میں دینی ودنیاوی ہر دو قسم کا اقتدار جمع تھا۔ لیکن نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوپ (عیسائیوں کا سب سے بڑا رہنما) کا سا جھوٹا غرور تھا اور نہ ہی قیصر کی طرح کی کوئی فوج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔(۹۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی عظیم مدبر و منتظم بھی تھی اور آپ کی مکی زندگی میں قبل از نبوت کے واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست اور اجتماعی شعور و تدبیر کی بہترین مثال ہیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ تو حلفِ الفضول کا ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فخر یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ میں اس معاہدے میں شریک تھا۔(۱۰۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبیر کی دوسری شہادت حجر اسود کے نصب کرنے کا واقعہ ہے (۱۰۱) جب سب نے اس کو نصب کرنے میں اپنا اپنا حق تفوق پیش کیا تھا۔ اس وقت اختلاف ومنافرت کی جو آگ کتنے ہی خرمنوں کا خاکستر کرنے والی تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر سے بجھ گئی اور اہل مکہ پر آپ کی عظمت کے ساتھ ساتھ آپ کی فراست بھی واضح ہوگئی۔(۱۰۲) اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت قائدِ تحریک کی ہوگئی۔ جس پر مخالفتوں کے طوفان اٹھے اور مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹے۔ معاشرتی مقاطعہ ہوا، اور رفقا کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ لیکن آپ نے کار وانِ شوق کو اپنی پیغمبرانہ بصیرت و تدبر اور تائید ایزدی کے ذریعے بچالیا۔ اگر آپ کی سیاسی پالیسی و فراست میں ذرہ بھر کمی ہوتی تو مکہ میں تصادم ہو



Marfat.com

جاتا اور مٹھی بھر مسلمان ختم ہو جاتے۔(۱۰۳)

سیاسی نقطہ نظر جب آپ نے یہ دیکھا کہ مکہ تحریک کے لئے اچھا مرکز نہیں ہو سکتا تو آپ نے گردو پیش پر نگاہ دوڑائی اور مکہ سے باہر اپنی مرکزیت واجتماعیت اور مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کے لئے پہلے حبشہ کی جانب اور پھر خود مدینہ کی جانب ہجرت کی اور مکی دور میں اہل یثرب کی بیعتیں بھی اسی سیاسی پالیسی کے زمرے میں آتی ہیں۔ آپ کی ہجرت دور رَس سیاسی اثرات کی حامل رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صبر واستقامت کی پالیسی اور اپنی قوت کو ایک مرکز پر مجتمع کرنا اور کفار کے لئے ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ آپے سے باہر ہو کر جارحیت کی روش اختیار کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبر کی بہترین مثالیں ہیں۔(۱۰۴) عام تاثر یہ ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی و تبلیغی مساعی پر سیاسی طاقت کے حصول کی کوششوں کو ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ بعض مستشرقین نے تو یہاں تک کہہ دیا کا مدینہ منورہ میں آپ نے دینی لبادہ اتار کر حاکم وقت اور سیاسی راہنما کا روپ دھار لیا تھا۔ یہ دونوں عمومی اور خصوصی تاثر دار صل اسلام کے نظریۂ سیاست ودین اور ان دونوں کے درمیان باہمی ربطہ وارتباط کو نہ سمجھنے کے سبب پیدا ہوئے ہیں۔ سیاسی ادارے بشمول اسلامی ریاست دین کی خدمت اور اس کے فروغ کے لئے وقف تھا۔ اس لیے تمام سیاسی عہدہ دار اور منصب دار بھی اسلامی خدمات کے لیے بالواسطہ طور سے وقف تھا۔(۱۰۵)

لا یمکن الثناء کما کان حقہ ۔۔۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

## عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جمہوری سیاسی سرکاری عہدیداران

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شوریٰ کا نظام: قرآن حکیم میں دی گئی الوہی رہنمائی کے تحت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معاملات ریاست کو مشاورت کے اصول پر استوار فرمایا۔(۱۰۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ کی ایسی شوریٰ تشکیل فرمائی جس میں سیاسی اور انتظامی اہلیت کے حامل صاحب الرائے افراد شامل تھے۔ اس شوریٰ میں تمام ریاستی معاملات زیر بحث آتے تھے۔ ان میں عسکری، دفاعی، دینی، اقتصادی، انتظامی، بین القبائلی اور بین الاقوامی معاملات شامل تھے۔

ریاست مدینہ میں شوریٰ کا پہلا اجلاس نماز کے لیے بلانے کا طریقہ کار طے کرنے کے لیے تھا۔ متعدد آراء کے بعد اتفاق مروجہ اذان کے کلمات پر ہوا جس کی رائے بہ اختلاف روایات حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ کے علاوہ متعدد دوسرے صحابہ کرامؓ نے دی تھی۔(۱۰۷) مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جگہ کا انتخاب بھی مشورہ سے ہی ہوا تھا۔(۱۰۸) مواخاۃ کا نظام بھی فریقین کی باہمی مشاورت سے قائم کیا گیا تھا۔(۱۰۹)

مدینہ کہ یہودی قبائل کی مفتوحہ اراضی کی تقسیم انصار کے مشورہ و مرضی سے عمل میں آئی



Marfat.com

تھی۔(۱۱۰) بحرین میں جب انصار مدینہ کو اراضی کے قطعے دیئے گئے تو انہوں نے اپنے جذبہ اخوت سے سرشار ہو کر اس وقت تک لینے سے انکار کیا جب تک ان کے مہاجر بھائیوں کو بھی اسی قدر نہ دیے جائیں۔(۱۱۱)

واقعہ افک کے سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کرامؓ سے مشاورت فرمائی۔ (۱۱۲) پردہ کے سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کی مشاورت بالآخر قانون الٰہی بن کر نافذ و جاری ہوئی(۱۱۳) صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ سے انتہائی نازک حالات میں آپ نے فیصلہ فرمایا۔(۱۱۴) جنگ خیبر میں مسلم عورتوں کو ان کی شدید خواہش و اصرار پر شرکت کی اجازت دی گئی۔(۱۱۵) فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابو سفیان بن حرب اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل اور دیگر اشراف کی جان بخشی اکابر صحابہ کے مشورہ پر ہوئی۔(بلاذری، انساب الاشراف، ۱: ۳۵۵) حضرت ابو سفیان کے گھر کو دارالامان قرار دینے کا مشورہ حضرت عباسؓ نے دیا تھا۔(۱۱۶) واقعہ ایلا کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے مشیر نبوی کا کردار ادا کیا۔(۱۱۷)اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدات کے سلسلہ میں خندق و خیبر کے غزوات کے دوران انصار کے بعض سرداروں سے مشورہ کیا۔

جمہوری سیاسی اراکین شوریٰ: ریاست مدینہ کی مجلس شوریٰ (Parliament)کی تعداد کم و بیش پچاس صحابہ کرامؓ پر مشتمل تھی۔ جن میں بعض صحابیات بھی شامل تھیں۔ طبقات ابن سعد کے مطابق حضرت عمر فاروق کی شہادت کے بعد نئے خلیفہ کا انتخاب کرنے والی شوریٰ پچاس صحابہ کرامؓ پر مشتمل تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے (نئے خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے) فرمایا: "اے ابوطلحہ! اپنی قوم انصار کے پچاس افراد کے ساتھ ہو جاؤ، یہ وہ افراد ہیں جو اصحاب شوریٰ ہیں۔"(۱۱۸)

اگرچہ شوریٰ میں عام افراد کی شمولیت پر کوئی پابندی نہ تھی مگر آپ عموماً مشورہ اہل رائے حضرت ہی سے لیتے تھے۔ جس میں مہاجرین و انصار کے تمام اکابر صحابہ شامل تھے۔ خاص بات یہ کہ ان کی اکثریت جوانوں پر مشتمل تھی جبکہ بزرگوں میں سے صرف چند افراد ہی شامل تھے۔ علاقائی اور قبائلی نمائندگی کے لحاظ سے ان کی غالب اکثریت کا تعلق وسطی عرب کے قبائل قریش و انصار سے تھا۔ ان میں بعض موالی بھی شامل تھے اور ان کی حیثیت کسی اعتبار سے بھی فروتر نہ تھی۔ اراکین شوریٰ کی یہ تفصیل شوریٰ میں ریاست کے طبقات کی جامع و ہمہ گیر نمائندگی ظاہر کرتی ہے۔(۱۱۹)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمہوری سیاسی نائبین نبوی کا تقرر: ریاست مدینہ سے باہر جانے کی صورت میں سیاسی اور انتظامی اہمیت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں اپنے نائبین کا تقرر فرمایا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں شہر مدینہ اور مرکزی حکومت کے تمام انتظامی معاملات کے نگران اور ذمہ دار ہوتے تھے۔

عہد نبوی میں اس عہدہ پر کل بتیس (۳۲) مرتبہ تقرریاں کی گئیں جبکہ نائبین رسول کی کل تعداد



Marfat.com

صرف تیرہ (۱۳) تھی یعنی بعض خوش بخت صحابہ کرامؓ کو یہ سعادت بار بار ملی تھی۔ تاریخی ترتیب کے مطابق پہلے غزوہ ودان کے زمانے میں حضرت سعد بن عبادہؓ کو اور پھر غزوہ بواط کے دوران حضرت سعد بن معاذؓ کو یہ منصب عطا ہوا۔(۱۲۰)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جمہوری سیاسی صوبائی انتظامیہ: صوبائی انتظامیہ میں سب سے اہم فعال اور صاحب اقتدار طبقہ والیوں (Governors) کا تھا جو اپنی ولایات (Provinces) میں مکمل خود مختاری اور تمام فوجی، مالی، انتظامی اور مذہبی اختیارات رکھتے تھے۔ وہ صرف الوہی قانون اور ہدایات نبوی کے پابند تھے۔(۱۲۱)

صوبائی منتظمین کا تقرر مدینہ منورہ سے باہر کے علاقوں کی فتح کے بعد عمل میں آیا تھا اور ان میں سب سے پہلے خیبر، تیماء، وادی القریٰ اور قریٰ عربیہ کے علاقے تھے جن کے گورنر (والی) حضرت سواد بن غزیہ خزرجی، حضرت عمرو بن سعید اموی، حضرت یزید بن ابی سفیان اموی اور حضرت عبداللہ بن سعید امویؓ تھے۔(۱۲۲) ان کا تقرر غالباً ۷ ھ/۶۲۸ء ہی میں ہو گیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد پہلے گورنر حضرت ہبیرہ بن شبل ثقفی تھے جلد ہی ان کی جگہ حضرت عتاب بن اسید اموی کی تقرری کی گئی جو بقیہ عہد نبوی اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں بھی اس منصب پر فائز رہے۔(۱۲۳) وسطی عب خاص کر مکہ مکرمہ کے قرب و جوار کے علاقے میں طائف اور جدہ کی ولایات تھیں۔ جن کے گورنر بالترتیب حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی، حذیفہ بن یمان ازدی اور حارث بن نوفل ہاشمیؓ تھے۔(۱۲۴)

مشرقی ولایات میں حضرت عمرو بن عاص سہمیؓ مرکزی گورنر تھے جبکہ حضرت جعفر اور حضرت عبد فرزندان جلندی جو سابق فرماں روایان علاقہ تھے صوبائی گورنر یا منتظم تھے۔ بحرین کے سابق فرماں روا حضرت منذر بن ساوی تمیمی اپنے علاقہ میں حضرت علاء بن حضرمی اور ابان بن سعید اموی کے زیر نگرانی انتظامی امور کے ذمہ دار تھے۔(۱۲۵) بحرین اور حضرت عمان کی ولایات دو دو علیحدہ انتظامی علاقوں میں منقسم تھیں جن کے لیے مرکزی نمائندے اور منتظم الگ الگ مقرر کئے جاتے تھے۔ مشرقی سواحل اور وسطی عرب کے درمیان آباد قبیلہ طے میں حضرت عدی بن حاتم طائی حکمران تھے۔(۱۲۶)

شمالی علاقہ میں جو حدود شام کے قریب تھا حضرت شرجیل بن حسنہ کندی کا مرتبہ و منصب گورنر جنرل کا تھا کہ ان کا صدر مقام ایلہ تھا اور وہ متعدد دوسرے ماتحت مرکزی منتظمین بھی رکھتے تھے جو مختلف علاقوں میں تعینات تھے۔(۱۲۷) لیکن علاقہ کی وسعت، اختیارات کی ہمہ گیری اور شہرت عام کے اعتبار سے سب سے اہم گورنر حضرت معاذ بن جبل خزرجیؓ تھے جو پورے جنوبی عرب کے گورنر جنرل تھے اور یمن و حضرموت کے تمام مرکزی منتظمین اور والی ان کی ماتحتی میں کام کرتے تھے۔(۱۲۸) ان ماتحت گورنروں میں حضرت یعلیٰ بن امیہ تمیمی (الجند) حضرت خالد بن سعید اموی (صنعاء) حضرت طاہر بن ابی ہالہ تمیمی (عک و اشعر) حضرت عکاشہ بن ثور غوثی (سکاسک و سکون) حضرت ابو عبیدہ بن جراح فہری



Marfat.com

(نجران) حضرت عمرو بن حزم خزرجی (نجران) حضرت ابو سفیان بن حرب اموی (جرش) حضرت سعید بن قشیب ازدی (جرش) حضرت ابو موسیٰ اشعری (زبید، رمع، عدن اور ساحل) حضرت زیاد بن لبید خزرجی (حضرت موت) حضرت عامر بن شہر ہمدانی (ہمدان) اور حضرت ابی امیہ مخزومی (کندہ)ؓ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ (۱۲۹)

حضرت معاذؓ اور ان کے ماتحت گورنروں کا تقرر حضرت باذان اور ان کے فرزند رشید حضرت شہر بن باذان ایرانی کے وفات کے بعد ہوا۔ ان دونوں ایرانی افراد نے ۶۲۸ء سے ۶۳۰ء تک یمن اور دوسرے علاقوں پر بطور اسلامی گورنر حکومت کی تھی۔ دراصل باذان ایرانی شہنشاہ کے گورنر تھے اور انہوں نے خسرو پرویز کے قتل کے بعد اسلامی ریاست سے وفاداری استوار کر لی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ان کو پورے یمن کا گورنر برقرار رکھا۔ ان کی موت کے بعد ان کے فرزند شہر نے صوبائی حکومت سنبھالی مگر مرکز کو فوراً صوبہ کے سیاسی حالات کے اتار چڑھاؤ کی اطلاع دی جس کے بعد مرکز سے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ان کے معاونین کو بھیجا گیا تھا۔ ان نئے مرکزی منتظمین کی آمد کے فورا بعد ہی حضرت شہر بن باذان کی شہادت یمن کے ایک مدعی نبوت اور اسود عنسی کے ہاتھوں ہوئی اور نئے گورنروں نے اپنی اپنی ولایت کے معاملات سنبھال لئے مگر جلد ہی ان کو کئی فتنوں کا سامنا ہوا جس کی سرکوبی میں وہ پوری طرح کامیاب و کامران رہے۔ (۱۳۰)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمہوری سیاسی سرکاری عہدیداران کے اختیارات و دورانیہ: حکومت نبوی کے افسران میں والیوں اور گورنروں کا طبقہ اپنی انتظامی کارکردگی اور وسیع اختیارات کے سبب اہم ترین تھا۔ شہری نظم و نسق کے تمام عہدیداروں کا تقرر مستقل بنیادوں پر ہوتا تھا۔ چنانچہ والیوں کی غالب اکثریت عہد نبوی کے اواخر تک اپنے اپنے مناصب پر فائز رہی بلکہ ان میں بعض تو خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی تک بحال رہے۔ عہد نبوی میں ان کے عہدہ کی مدت تین ماہ سے تین چار سال تک نظر آتی ہے۔

بعض گورنروں کو معزول یا تبدیل بھی کیا گیا ان میں سے نجران اور جرش کے پہلے گورنروں کی تقرری عارضی یا مختصر مدت کے لیے تھی جبکہ ان کے جانشینوں کی تقرری مستقل تھی۔ بحرین کے گورنر حضرت علاء بن حضرمیؓ کے بارے میں روایات کا اختلاف ہے بعض سے ان کی معزولی کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی جگہ حضرت ابان بن سعدی امویؓ کی تقرری کا ذکر ملتا ہے لیکن صحیح وہ روایت معلوم ہوتی ہے جس کے مطابق دونوں حضرات بحرین کے دو الگ الگ علاقوں کے حکمران تھے۔ (۱۳۱) ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان گورنروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں تنخواہیں بھی ملتی تھیں۔

## حضرت ابو بکر صدیقؓ کا طرز حکمرانی:



Marfat.com

خلافت کے بعد پہلا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے خلیفہ اول نے فرمایا: "اے لوگو! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے دن ہو یا رات کبھی امارت کی ہوس نہیں کی، نہ میرا اس طرف میلان تھا، میں نے خفیہ یا علانیہ کبھی اللہ سے یہ دعا نہیں کہ کہ وہ مجھے امارت بخشے لیکن مجھے اس بات کا یقینا اندیشہ تھا کہ کہیں (اس نازک موقع پر) کوئی فتنہ پیدا نہ ہوجائے، حقیقت میں مجھ پر بڑی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے جس سے عہدہ برآ ہونا اللہ کی توفیق و تائید کے بغیر میری ملاقات سے باہر ہے، میں چاہتا تھا کہ آج میری جگہ پر انسانوں میں سے طاقت ورترین انسان ہوتا، اب اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے تمہارا امیر منتخب کر لیا گیا ہے، اگر میں ٹھیک چلوں تو میری مدد کرنا، اگر میں غلط چلوں تو مجھے درست کردینا، سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تم میں کمزور میرے نزدیک طاقت ور ہوگا، تاوقتیکہ میں توفیق الٰہی سے اس کے حقوق نہ ادا کردوں اور تم میں سے طاقت ور میرے نزدیک کمزور ہوگا حتیٰ کہ توفیق الٰہی سے میں اس سے وہ کچھ وصول نہ کرلوں جو اس کے ذمے واجب الادا ہے، کسی قوم نے راہ خدا میں جہاد ترک نہیں کیا مگر یہ کہ اللہ نے اسے ذلیل کردیا، اور جو قوم بے حیائی اور بدکاری کے افعال کی مرتکب ہوتی ہے وہ یقینا عذاب الٰہی کی مستحق ہوتی ہے جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ک کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں"۔(۱۳۲)

## امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا طرز حکمرانی و سیاست:

فاروق اعظمؓ کو امت نے امیر المومنین کا خطاب دیا اور آپ نے اس کو قبول کر کے پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ ہر مسلمانوں آپ کی مجلس شوریٰ کا رکن تھا۔ مرد ہی نہیں عورتیں بھی بحث میں حصہ لیتی تھیں۔ دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی دوسری مثال پھر پیدا نہ ہوسکی۔ اس مرتبہ بلند کے باوجود آپ نے اسلامی حکومت میں عمومیت (Democracy) کی روح ڈالی۔ ہر عام آدمی کو حکومت کے کام میں شریک کیا۔ آپ نے دس سال چھ ماہ اسلامی حکومت کے فرائض انجام دے اور اسلامی قلمرو کو ایران، آذربائجان، دمشق، انطاکیہ اور اسکندریہ تک پہنچا دیا۔ عدن سے انطاکیہ تک اور بحرین سے کاکیشا تک اسلام کی حکومت قائم ہوگئی۔ آپ کے زمانہ میں دفتر حکومت کے باضابطہ مشیر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ تھے مگر مسجد نبوی کے ایوان عام میں جو مسائل امیر المومنین کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے ان پر رائے دینے اور ان کی مخالفت یا موافقت کرنے کا ہر شخص مجاز تھا۔ آپ نے عوام کی خدمت کو حکومت کے اولین قوانین میں سے ایک قانون قرار دیا محنت طلب کاموں میں خود حصہ لیا اور اپنے گورنروں کو یہ ہدایت کی کہ عام شہری ناراض نہ ہونے پائیں۔ شہری مسلمان ہو یا غیر مسلم کوئی گورنران کے حقوق کو پامال نہیں کر سکتا۔(۱۳۳)



Marfat.com

ایک دفعہ جانشینی کے مسئلے پر گفتگو ہورہی تھی تو ایک شخص نے حضرت عمر فاروقؓ کو ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کے انتخاب کی رائے بھی دی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس شخص کو بڑے غصے کے ساتھ ڈانٹا اور فرمایا: "اللہ تمہیں مار ڈالے، اللہ کے نزدیک میری چاہت قطعاً یہ نہیں ہے کہ میں ایسے شخص کو اپنا جانشین بنادوں جو اپنی بیوی کو اچھی طرح طلاق بھی نہیں دے سکتا۔ (۲۴۸) یہ عبداللہ بن عمر کی اہانت نہیں تھی بلکہ اسلامی طرز حکومت کی روح کا اظہار تھا کہ کہیں اس میں رشتہ داریاں حائل نہیں ہو جائیں۔

## حضرت عثمان غنیؓ کا طرز حکمرانی:

حضرت عثمان غنیؓ حکومت اور عدالت کا کام مسجد نبوی میں کرتے تھے حرم نبوی میں اسلامی حکومت کا مرکز بھی تھا اور انصاف کی اعلیٰ کونسل کا دفتر بھی آپ کی حکومت نے پہلا کام یہ کیا کہ فوج کے سپہ سالاروں اور صوبوں کے گورنروں کو یہ ہدایات جاری کیں کہ عوام سلطنت کے شہریوں کے ساتھ اچھا معاملہ کریں حکومت کا کام امانت سمجھ کر انجام دیں اور معاہدوں کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھیں۔ آپ کی عدالت میں پہلا مقدمہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پر قائم ہوا کیونکہ ان پر ہر مزان عیسائی کے قتل کا الزام تھا۔ عہد عثمانی میں ساسانی سلطنت کا آخری تاجدار یزدگرد مارا گیا اور اس طرح مدتوں کے ظلم و ستم کا خاتمہ ہوگیا۔ اس عہد میں آذر بائیجان، آرمینیہ، خراسان اور بغاوت نے سر اٹھایا اور اس کو دبا دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے حکم سے آپ کے سپہ سالاروں نے مکران، سیقان، کابلستان، زابلستان، شمالی افریقہ میں ساحل بحراحمر کا کچھ حصہ اور شمالی افریقہ کے علاقے فتح کیے۔ اسلامی لشکروں نے اسلام کی سلطنت کی نئی حد ٹیونس کے حدود پر قائم کی اس عہد میں مسلمانوں کا پہلا جنگی بیڑا تیار ہوا جس نے بحرروم میں روم کی قوت کو شکست فاش دے کر سلطنت کے ساحلوں کو محفوظ کر دیا۔ (۱۳۴)

## حضرت علیؓ کا نظام حکومت:

حضرت علیؓ اسلامی حکومت کے سربراہ تھے حضرت علیؓ نے انتظامی ذمہ داریاں کو اہل لوگوں کے سپرد کر دیں۔ حضرت علیؓ اپنی حاکموں کی نگہبانی کیا کرتے تھے اور اسکے متعلق کئی طریقے اختیار کرتے تھے:

۱۔ کبھی تفتیش کرنے والے اشخاص کو گورنروں کی طرف بھیجتے اور ان سے پوچھ گچھ کیا کرتے۔

۲۔ کبھی ایک حاکم کو کوئی وظیفہ دینا کہ دیگر حاکموں سے معلومات حاصل کریں۔

حضرت علیؓ نے کعب بن مالکؓ کو لکھا: "تم اپنی جگہ پر دوسرے کو مقرر کر کے اور اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کورۃ السواد کو جاکر اور وہاں عاملوں سے معلومات حاصل کریں اور ان کی فکر و اخلاق کی اصلاح کی فکر کریں۔" (۱۳۵)

۳۔ خفیہ طریقے سے گورنروں کو ایک نامعلوم شخص بھیج کر معلومات حاصل کرتا مگر یہ طریقہ کسی



Marfat.com

کو معلوم نہ تھا جب حضرت علیؓ کو اپنے حاکموں کی شکایت ہوتی تو شکایت سنتے اور فرماتے: اللھم انی لم آمرھم: ان یظلموا خلقک اویتو کوا حقک۔ (۱۳۶) یعنی اے اللہ! میں نے اس کو ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا اور اس کا بھی حکم نہیں دیا کہ آپکا حق چھوڑ دیں اور جب ایک حاکم کے بارے میں شکایت ہوتی اور تہمت ثابت ہوتی تو کوڑے مار کر قید کرتے اور ہمیشہ کیلئے اپنے گورنروں کو نصیحتیں کرتے۔ (۱۳۷) حضرت علیؓ نے اپنے عاملوں کو ایک خط اسی طرح لکھا ہے: ترجمہ: "آپ رعیت کے نگہبان، امت کے وکیل اور اپنے اکابر کے سفیر ہیں اور اپنی حاجتوں سے کسی کو منع نہ کریں، اور حاجت کے مانگنے سے کسی کو منع نہ کریں اور مالیہ میں لوگوں سے سردی اور گرمی کے موسموں کے کپڑے نہ لیں کام کسب کے آلات بھی نہ لیں اور مال کی عوض کسی کو نیزہ نہ ماریں اور معاہدین سے بے اجازت انکا مال نہ لیں۔" (۱۳۸)

حضرت علیؓ نے گورنروں کو مختلف صلاحیتیں دی تھیں بعض یہ ہیں: ا۔ گورنر اپنے لئے حاکم مقرر کریں گے۔ ۲۔ مربوطہ علاقوں میں علماء حکماء اور ماہرین سے شوریٰ بنائیں گے۔ علماء اور حکماء کے ساتھ مسائل میں بحث و مباحثہ کریں یعنی پہلے شہر کے متعلق مسائل میں بحث کریں جو کہ لوگوں کی اصلاح کے مفید ہو۔ (۱۳۹)

خلافت راشدہ اسلامی فن ملک داری کا نہات جلیل القدر آغاز تھا۔ بعد کی صدیوں میں کوئی حکومت اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ بلکہ اس کا نمونہ قائم بھی نہ رکھ سکی، تاہم یہ صرف آغاز تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی مسند نشینی سے حضرت علیؓ کی شہادت تک دولت مشترکہ اسلامیہ وضع و ساخت کے نقطہ نگاہ سے برابر حالت تغیر میں رہی۔ ہر نئی فتح اور ہر نیا انتظامی تجربہ اساساً اس کے لیے نمو وارتقاء کا نیا پیغام تھا۔ ایک پشت میں یہ نظام عرب کے حدود سے بڑھتے بڑھتے بہت وسیع ہوگیا اور اس کی حدیں شمالی افریقہ سے وسط ایشیا کے قلب تک پہنچی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں یہ مملکت صرف ان گروہوں تک محدود تھی، جن کا پیشہ کھیتی باڑی او رگلہ بانی تھا۔ ان کی ضرورتیں بہت معمولی اور مسائل نسبتاً مستقل تھے۔ پھر یہ مملکت نہایت پر پیچ بازنطینی اور ساسانی تہذیبوں کی وارث بن گئی۔ اس میں ہر روز سیاسی اور اقتصادی دائروں کے اندر نئے حیرت انگیز مسائل رونما ہورہے تھے۔ (۱۴۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اصحابی امانة لامتی" "میرے ساتھی، ایک امانت ہیں، جو میری امت کے حوالے ہوئی۔" (۱۴۱)

## اسلام کس طرز حکومت کی بات کرتا ہے

اسلام کا مقصود نظر اور اس کی ناقابل تبدل جہتیں ہماری روز مرہ کی متغیر زندگی کے اصول وضع کرتی ہیں۔ اسلام کسی لگے بندھے نظام حکومت کی تجویز پیش نہیں کرتا جس میں تبدیلی ممکن نہ ہو بلکہ اسلام ایسے بنیادی اصول قائم کرتا ہے جو کسی حکومت کے عمومی خدوخال کی تشکیل کرتے ہوں اور وقت اور حالات کے مطابق مطلوبہ طرز حکومت کا فیصلہ لوگوں پر چھوڑ دیتا ہے۔

جمہوریت کے تصور کی شاخیں قدیم دور سے پھوٹتی ہیں جدید آزاد جمہوریت نے امریکی (۱۷۷۶)



Marfat.com

اور فرانسیسی انقلاب (۹۹-۱۷۸۹) سے جنم لیا جمہوری معاشروں میں لوگ مسلط کردہ حکومت کی بجائے اپنا نظام حکومت خود چلاتے ہیں اس طرز حکومت میں فرد کو کمیونٹی کی پر برتری حاصل ہوتی ہے جو کہ اپنی زندگی گزارنے کے انداز کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوتا ہے تاہم انفرادیت مطلق نہیں ہوتی۔لوگ معاشرے میں رہتے ہوئے بہتر زندگی گزارتے ہیں اور اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ لوگ اپنی سماجی زندگی کی کسوٹی کے مطابق اپنی آزادی کو ایک ترتیب اور حد میں رکھیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح یکساں ہیں اسلام رنگ ونسل عمر قومیت یا جسمانی خوبیوں کی بناء پر انسانوں میں تمیز نہیں کرتا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔اے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔(۱۴۲)

مزید برآں اسلام درج ذیل بنیادی اصول بھی پیش کرتا ہے۔

1- سچائی طاقت ہے جس سے یہ اصول رد ہوتا ہے کہ حق کا دار ومدار طاقت پر ہے۔

2- انصاف اور قانون کی حکمرانی لازمی ہے۔

3- عقیدے اور زندگی گزارنے کی آزادی، ذاتی ملکیت کی آزادی، نسل کشی کی آزادی

4- صحت (جسمانی اور ذہنی) کی آزادی اور اس کا حق سلب نہیں کیا جاسکتا

5- فرداپنی انفرادی زندگی کسی بیرونی دخل اندازی کے بغیر گزارنے کا حق رکھتا ہے۔

6- کسی بھی انسان کو ثبوت کے بغیر مجرم نہیں گردانا جاسکتا یا اسے کسی دوسرے کے جرم کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

7- مشاورت پر مبنی انتظامی نظام قائم کرنا لازمی ہے۔

انسان کے تمام حقوق یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور معاشرے کے لئے فرد کے حقوق کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔اسلامی معاشرے سے مراد ایسے انسانوں پر مبنی معاشرہ ہے جو کہ اپنی مرضی میں آزاد ہوں اور اپنی ذات اور دوسروں کے لئے ان کا رویہ ذمہ داری پر مبنی ہو اور اس سے بھی بڑھ کر اسلام انسانیت کو ایک "موٹر" کی طرح دیکھتا ہے جو کہ تاریخی عمل میں اپنا کردار ادا کررہی ہو جو کہ انیسویں صدی کے مغربی تصورات جدلیاتی مادیت اور تاریخیت کے برعکس ہے جس طرح اس دنیا اور آئندہ کی زندگی کا دار ومدار انسان کے ارادے اور طرز عمل پر ہے اسی طرح ایک معاشرے کی ترقی یا زوال کا دار ومدار بھی اس کے باسیوں کی قوت ارادی، دنیا کے بارے میں تصور اور طرز زندگی پر ہے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔: "اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔"(۱۴۳)

بالفاظ دیگر ہر معاشرے کے مقدر کی لگام اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔نبی پاکﷺ قول کے مطابق" جیسے تم خود ہو گے ویسے ہی تمہارے حکمران ہوں گے یہ ہے جمہوریت کی بنیادی روح جو کہ کسی بھی اسلامی تصور سے باہم متصادم نہیں ہے۔(۱۴۴)



Marfat.com

## قرار داد مقاصد: پاکستان کے جمہوری سیاسی اور اسلامی شریعت پر مبنی نظام کا دیباچہ: اللہ کی حاکمیت اور شریعت کی بالادستی کا اعلان

۱۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے دستور ساز اسمبلی کے سامنے مندرجہ ذیل مسودہ قرارداد مقاصد پیش کیا جو کہ مختصراً پیش خدمت ہے۔

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیر حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔ لہذا جمہور پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے۔ جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے استعمال کرے۔ جس میں اول جمہوریت و حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔ جس کی رو سے انسان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔(۱۴۵)

☆☆ **اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:** تمام کائنات پر حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ ذات باری تعالیٰ نے مملکت پاکستان کو اس کے عوام کے ذریعے جو اقتدار اپنی مقرر کردہ حدود میں عطا کیا ہے، وہ ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔(۱۴۶)

☆☆ **جمہوری طرز حکومت:** پاکستان اپنے اقتدار و اختیارات کا استعمال عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے کرے گا۔ عوام کی نمائندہ حکومت جمہوری طرز حکومت کہلاتی ہے۔(۱۴۷)

☆☆ **معاشرتی اصولوں پر اسلامی روح کے مطابق عمل کرنا:** آئین کی رو سے ایسا معاشرہ منظم کیا جائے گا جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے معاشرتی اصولوں پر اسلامی روح کے مطابق عمل کیا جائے۔(۱۴۸)

☆☆ **اسلامی طرز زندگی کا فروغ:** مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے اور تقاضوں کے مطابق بسر کر سکیں۔ اسلامی اصول قرآن و سنت سے اخذ کیے جائیں گے۔(۱۴۹)

☆☆ **اقلیتوں کے حقوق:** اقلیتوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا اور اس امر کا مناسب و موزوں اہتمام کیا جائے گا کہ وہ اپنے مذہب اور عقیدے پر آزادی سے کاربند رہ سکیں اور اپنے



Marfat.com

کلچر کو فروغ دے سکیں۔(۱۵۰)

☆☆**وفاقی مملکت:** پاکستان ایک وفاقی مملکت ہو گا، جس میں صوبوں کو خود مختاری حاصل ہو گی اور ان کے دائرہ کار کا تعین کیا جائے گا۔(۱۵۱)

☆☆**بنیادی حقوق:** ملک کے تمام شہریوں کو کسی امتیاز کے بغیر بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔ شہری اپنے سیاسی، مذہبی، سماجی، اور معاشی حقوق سے پوری طرح مستفیض ہو سکیں گے اور ان حقوق کی ضمانت عدلیہ فراہم کرے گی۔

☆☆**پسماندہ طبقات:** اقلیتوں کے ساتھ ساتھ پسماندہ طبقات کی ترقی کے لیے بھی مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔ قرارداد میں کہا گیا کہ ملک میں متوازن ترقی کے لیے ایسے افراد کے ساتھ ترجیحی بنیادوں پر سلوک کیا جائے گا، جو ناسماعد حالات کا شکار ہونے کی وجہ ترقی کی دور میں پیچھے رہ گئے ہوں گے۔

☆☆**آزاد عدلیہ:** عدلیہ مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہو گی تاکہ انصاف کے تقاضے پورے کیے جا سکیں۔ آئین عدلیہ کی مکمل آزادی کا ضامن ہو گا۔

☆☆**ملک کی سالمیت کا تحفظ:** ملک کی علاقائی سالمیت اور آزادی کا مکمل تحفظ کیا جائے گا، تاکہ باشندگان پاکستان کو خوشحالی نصیب ہو اور وہ اقوام عالم میں اپنا جائز اور باوقار مقام حاصل کر سکیں اور عالمی امن و ترقی اور انسانیت کی خوشحالی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔(۱۵۲)

## قرارداد مقاصد کے متعلق مقتدر شخصیات کی آراء

☆☆**مولانا شبیر احمد عثمانی:** قرارداد مقاصد کی تائید میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو فرمایا: "قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز باعزت مآب جناب لیاقت علی خان صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کا تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے، اسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و ہمت اور جرات ایمانی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"(۱۵۳)

☆☆**وزیر خارجہ ظفر اللہ خان:** اس تجویز کی تائید پھر ظفر اللہ خان نے کی، انہوں نے کہا: "یہ خیال کہ مذہب اور سیاست جدا جدا چیزیں ہیں، مذہب کے غلط تصور سے پیدا ہوتا ہے، اسلام انسان اور انسان کے تمام تعلقات کے قواعد وضع کرتا ہے اسلام میں عبادت کے معنی صرف بندگی اور پرستش کے ہی نہیں بلکہ ان اعمال کو بھی عبادت کہا گیا جو انفرادی اور اجتماعی قومی اور بین الاقوامی مفاد کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اسلام نہ شہنشاہیت نہ ملوکیت۔ اسلامی دستور میں فرد کے ووٹ (رائے) کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور اختیارات کے وارث عوام ہوتے ہیں نہ چند افراد۔ یہ قرارداد تمام مضمرات کے حامل ہے۔

☆☆**ڈاکٹر عمر حیات ملک** نے کہا کہ "دنیا میں صرف دو قومی نظریے ہی کار فرما نہیں ہیں یعنی سرمایہ داری



Marfat.com

اور کمیونزم بلکہ ایک تیسرا نظریہ حیات بھی ہے اور وہ ہے اسلام جو اس قرارداد کی روح ہے۔"(۱۵۴)

☆☆ڈاکٹر محمود حسین نائب وزیر خارجہ: "یہ تجویز سیاسی ارتقاء کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔"

☆☆ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے کہا: "پاکستان میں لادینی حکومت کا تصور کبھی کامیاب ثابت نہیں ہو سکتا۔"

☆☆بیگم شائستہ اکرام اللہ: "قرار داد مقاصد کے بعد اسلامی حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم نے جو کچھا کہا ہے اس پر عمل بھی کر کے دکھائیں۔"

☆☆میاں افتخار الدین (حزب اختلاف کے لیڈر اور بائیں بازو کے ترجمان) نے کہا: "اگر ہم رومن قوانین، برطانوی پارلیمانی نظام اور ایسی ہی دوسری اصطلاحیں استعمال کرتے ہوئے نہیں شرماتے تو پھر اسلامی قانون کی اصطلاح سے بدکنا کیا معنی اگر ہم دنیا کو ایک مناسب اسلامی دستور دینے میں کامیاب ہوجائیں تو یقینا یہ ایک بڑا کارنامہ انجام دیں گے۔ اسلام کا تصور ریاست اتنا ہی ترقی پسندانہ، انقلابی، جمہوری اور فعال ہے جتنا کہ شاید ہی دنیا کا کوئی اور تصور ریاست ہوسکتا ہے۔" (۱۵۵)

یہ قرارداد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو بالاتفاق منظور ہوئی۔ بنگال کے ہندو ممبران نے البتہ اس کی مخالفت کی تھی۔(۱۵۶)

## پاکستان کی آئینی و دستوری جدوجہد میں قرارداد مقاصد کا کردار:

گزشتہ دو صدیوں سے یورپ کا بلکہ تقریباً ساری دنیا کا سیاسی مسلک لادینیت رہا ہے۔ سب سے پہلے فرانس کی فری میسن لاج نے ۱۸۶۶ء میں لادینی طرز زندگی کا نظریہ پیش کیا تھا (سیکولرازم) اس نے مذہب کو انسانی زندگی میں ایک مؤثر قوت ماننے سے انکار کردیا تھا، ان کے پروپیگنڈے نے انقلاب فرانس برپا کیا۔ انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء کے بعد فرانس کے عوام نے لادینیت کا نظریہ کرلیا وہاں کے فلسفیوں اور مفکروں نے زندگی کے مظاہرات کو لادینی نظریے کے مطابق مرتب کرڈالا۔ انقلاب روس ۱۹۱۷ء نے "لا کلیسا، لا سلاطین، لا الٰہ" کا نعرہ بلند کیا۔ لادینیت کی اس یلغار کے سامنے عالم اسلام کے قدیم ترین اور مقدس ترین ادارہ "خلافت اسلامیہ" کو بھی مصطفی کمال نے ۱۹۲۴ء میں ختم کردیا اور ترکیہ لادینی نظریہ قبول کرلیا۔ اسکے بعد دوسری اسلامی ممالک نے بھی ترکی کی تقلید میں دین و دنیا کی تفریق کا نظریہ قبول کرلیا۔ اس پس منظر میں پاکستان کا اس قرارداد کو منظور کرنا بہت بڑا انقلابی قدم ہے۔ یہ قرارداد منظور کرکے پاکستان نے دوبارہ حاکمیت اللہ اور حاکمیت شریعت کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد ہی دوسرے مسلمان ممالک میں اسلامی حکومت اور اسلامی نظام زندگی کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔(۱۵۷)



Marfat.com

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کے متفقہ بائیس(۲۲) نکات:

### پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ

۱۲ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کا اجتماع منعقد ہوا ہے، جس میں اسلامی دستور کے لیے درج ذیل ۲۲ بنیادی اصول بالاتفاق طے ہوئے۔

اسلامی مملکت کے دستور میں حسب ذیل امور کی تشریح لازمی ہے۔

۱۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلا اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی و لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کا تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی۔ جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعیٔ اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدود و قانون کے اندر تحفظ جان ومال و آبرو، آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل و حرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے



Marfat.com

مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادے کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق، اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا، اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کرسکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنی فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں وہ اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق چلانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کی تدیّن، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔ (۱۵۸)

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جز کسی فرد یا جماعت کو تفویض کرسکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی، یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ دستور کو "کلاً یا جزءاً معطل کرکے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذے سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان و عمل حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون اور ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت



Marfat.com

انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہوں۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزا انتظامی متصور ہوں گے،ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی اور واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔(۱۵۹)

## سیاست و جمہوریت تجزیہ و پس منظر

### سیاسی نظام کی تعریف:

انسان کی فطرت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنی زندگی تن تنہا بسر نہیں کرسکتا۔اپنی زندگی کی مختلف اور گوناگوں ضروریات کو پورا کرنے کیلیے وہ قدم قدم پر دوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ پیدائش سے لے کر وفات تک برابر یہی صورت قائم رہتی ہے۔اسی لیے یونانی فلسفی ارسطو (۳۸۴ق م۔ ۳۲۲ ق م) نے "انسان کو مدنی الطبع (Social Animal)" کہا ہے۔وہ مزید کہتا ہے: "اگر کوئی انسان معاشرے کے بغیر زندگی گزارتا ہے تو وہ یا تو دیوتا ہوگا یا پھر وحشی" مختصر یہ کہ انسان اپنی جبلت اور ضرورت کے باعث دوسروں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے۔

انسانوں کے باہم مل جل کر زندگی بسر کرنے کو اجتماعی یا معاشرتی زندگی کہتے ہیں۔اجتماعی زندگی کو ایک نظم و ضبط کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے حقوق غصب نہ کریں۔معاشرے میں دنگا فساد اور کشمکش نہ ہو اور امن و آشتی اور بھائی چارے کی فضاء قائم رہے۔اس نظم و ضبط کو قائم رکھنے کے لیے معاشرے میں رسم و رواج کا آغاز ہوتا ہے۔ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق پیدا ہوتا ہے۔حاکم و محکوم وجود میں آتے ہیں۔ حکم اور قانون نافذ ہوتے ہیں۔ایک ایسا معاشرہ جو حکم و قانون کے اصول پر منظم کیا جائے،اُسے سیاسی طور پر "منظم معاشرہ" کہا جاتا ہے اور اس منظم معاشرے کو دوسرے الفاظ میں "ریاست" کہتے ہیں۔وہ علم جو ریاست کا مطالعہ کرتا ہے اُسے سیاسیات یا علم سیاست کہتے ہیں۔(۱۶۰)

ریاست ایک مختلف النوع تنظیم ہے۔اس کا ایک رُخ معاشرے کے افراد ہیں۔ جن کو ریاست حقوق و فرائض عطا کرتی ہے۔دوسرا رُخ قانون، اختیارات اور حاکمانہ قوت ہے جو معاشرے میں حق و انصاف اور امن و امان کو برقرار رکھتے ہیں۔ تیسر رُخ حکومت اور اُس کے محکمے ہیں جو حاکمانہ اختیارات کو بروئے عمل لاکر قانون نافذ کرتے ہیں۔چوتھا رُخ افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بہتری اور بھلائی



Marfat.com

ہے تاکہ مل جل کر رہنے کا اصل مقصد پورا ہو جائے، کیونکہ ارسطو کے مطابق "ریاست کا قیام صرف امن و امان کے قیام کے لیے نہیں بلکہ بہتر زندگی گزارنے کے لیے ہے۔"

## سیاسی نظام کے مطالعے کا نام علم سیاسیات ہے

ڈاکٹر جے ڈبلیو گارنر (Dr. J.W. Garner) کے مطابق "سیاسیات وہ علم ہے جو ریاست سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے"۔

ڈاکٹر سٹیفن لیکاک (Dr. Stephen Leacock) کے خیال میں "علم سیاست حکومت کا علم ہے"۔

پروفیسر آر این گلکرائسٹ (R.N. Gilchrist) کے مطابق "علم سیاست ریاست اور حکومت دونوں سے بحث کرتا ہے"۔(۱۶۱)

پروفیسر آر جی گیٹل (R.G. Gettell) کے بقول "علم سیاست ریاست کا علم ہے۔ یہ انسانوں کی اُن انجمنوں سے تعلق رکھتا ہے جو سیاسی اکائیوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کا تعلق ان کی حکومتوں کی تنظیم اور سرگرمیوں سے بھی ہے جو وہ قانون بنانے اور نافذ کرنے اور بین الریاستی روابط قائم کرنے میں دکھاتی ہیں۔

ایڈورڈ جنکس (Edward Jenks) نے قدرے بہتر تعریف یوں کی ہے: "سیاسیات سے ہمارا مطلب کاروبار حکومت ہے، یعنی ان لوگوں کو قابو میں رکھنا اور ان کا انتظام کرنا جو باہم مل کر معاشرے میں رہتے ہیں"۔

سرجان رابرٹ سیلے (Sir John Robert Seeley) کے الفاظ میں "علم سیاست حکومت کے حقائق کی جستجو کرتا ہے۔ جس طرح معاشیات دولت سے تعلق رکھتا ہے، بیالوجی زندگی سے، الجبرا اعداد سے اور جیومیٹری جگہ اور اُس کی وسعت سے"۔(۱۶۲)

پروفیسر ہیرلڈ جوزف لاسکی (Harold Joseph Laski) کے نزدیک "علم سیاست ریاست کے علاوہ حکومت کی تنظیم اور ارتقاء کا احاطہ کرتا ہے"۔

فرانسیسی مصنف پال جینٹ (Paul Janet) کہتا ہے: "سیاسیات عمرانی علوم کا وہ جزو ہے جو ریاست کی بنیادوں اور حکومت کے بنیادی اصولوں سے بحث کرتا ہے۔"

سوئس مصنف جے کے بلنشلی (J.K. Blunstschli) لکھتا ہے کہ "علم سیاست ریاست کے علم کا نام ہے جو ریاست کے بنیادی حالات اور اس کی نوعیت اور اس کی ظاہری حیثیت کی روشنی میں اس ادارے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔"

پروفیسر الیاس احمد علم سیاست کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "یہ ریاست کے مسائل کے بارے میں باضابطہ مطالعہ ہے"۔(۱۶۳)

ان تعریفوں کی روشنی میں ہم سیاسیات کی جامع تعریف ان الفاظ میں کرسکتے ہیں "سیاسیات عمران



Marfat.com

علوم کا وہ حصہ ہے جو ریاست کی نوعیت، ابتداء اور ارتقاء اور ریاست و حکومت کی مختلف اشکال اور ان کے اغراض و مقاصد، شہریوں کی آزادی، حقوق و فرائض اور ریاستوں کے مابین تعلقات وغیرہ کا مدلل اور سائنٹیفک مطالعہ کرتا ہے۔"

دوسری عالمی جنگ ۴۵۔۱۹۳۹ء کے بعد علم سیاست کے مطالعے میں نئے رجحانات منظر عام پر آئے ہیں۔ ان رُجحانات میں سیاسی کرداریت (Political Behaviouralism) کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ اس نے سیاسیات کی روایتی تعریف کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اس علم کے دائرہ کار کو بہت وسیع کردیا ہے۔ چنانچہ اب علم سیاست سے مراد محض ریاست اور حکومت کا مطالعہ نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی "سارے معاشرے" کا مطالعہ ہے اور اس میں صرف سیاسی اداروں کے ڈھانچوں کا ہی مطالعہ نہیں کیا جاتا بلکہ ان اداروں کے افعال و کردار کے علاوہ ان سارے عوامل کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے جو ان اداروں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔(۱۶۴)

پروفیسر جارج کیٹ لن(George Catiln) کے مطابق "علم سیاست ایک ایسا مطالعہ ہے جس میں انسانی عمل اور سماجی کنٹرول پر غور ہوتا ہے"۔ دوسری طرف بعض جرمن مصنفین جو عمرانی نقطہ نظر سے اس علم کا مطالعہ کرتے ہیں وہ اسے قوت و اقتدار کا مسئلہ اور سماجی نگرانی سے متعلق سمجھتے ہیں۔

## سیاست پر پہلی کتاب:

سیاست کے موضوع پر پہلی کتاب افلاطون نے لکھی تھی، افلاطون سقراط کا شاگرد تھا، اس نے سقراط کی شاگردی کے دوران سیاست کے بارے میں اس سے مختلف باتیں کیں اور بہت سی تعلیمات حاصل کیں اور پھر ان تعلیمات کو اپنی کتاب میں مرتب کیا، جس کا نام "جمہوریہ" رکھا۔ افلاطون کی کتاب "جمہوریہ" ہے اور ان انگریزی ترجمہ "Republic" کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ یہ شاید سیاست کے موضوع پر دنیا کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ کیونکہ افلاطون حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۴۰۰ سال پہلے گزرا ہے اور اس نے سقراط کی تعلیمات کے ساتھ اپنی آراء کا اضافہ کرکے یہ کتاب تالیف کی ہے۔ یہ کتاب مکالمات کی شکل میں ہے اور سیاست کے موضوع پر ایک خشتِ اول یا سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم اس میں بہت سی باتیں تمثیلی انداز کی بھی ہیں اور بہت سی باتیں غیر واضح طریقے پر ذکر کی گئی ہیں۔ تاہم اسے سیاست کے موضوع پر پہلی کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور "جمہوریہ" کا لفظ سب سے پہلے افلاطون ہی نے استعمال کیا ہے۔ ارسطو کی کتابوں میں ایک کتاب سیاست پر بھی ہے جس کا نام ہی "سیاست" ہے۔ وہ انگریزی میں "Politics" کے نام سے چھپ گئی ہے۔ ارسطو کی یہ کتاب افلاطون کی کتاب "جمہوریہ" کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔(۱۶۵)

آج بھی تمام علم سیاست کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ ارسطو کی کتاب "سیاست" تمام بعد



Marfat.com

کے فکری نظریات کی بنیاد ہے۔

## جمہوریت کی تعریف:

☆☆یونانی مفکر ارسطو(Aristotle) کے مطابق: "ہجوم کی حکمرانی" تاہم وہ جمہوریت کو ناپسند کرتا تھا اور اسے برا قرار دیتا تھا۔

☆☆یونانی مفکر ہیروڈوٹس (Herodotus) کے مطابق: "جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے، جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر کسی مخصوص جماعت یا جماعتوں کی بجائے مجموعی طور پر پورے معاشرے کے ارکان کو حاصل ہوتے ہیں۔" آج بھی اس تعریف کو جامع اور درست تسلیم کیا جاتا ہے۔

☆☆پروفیسر ڈائسی(Dicey) لکھتا ہے کہ یہ اس قسم کی حکومت ہے جس میں حکمران جماعت مقابلتاً پوری قوم کا ایک بڑا حصہ ہوتی ہے۔

☆☆لارڈ برائس(Lord Bryce) کہتا ہے: "لفظ جمہوریت جس کا استعمال ہیروڈوٹس کے زمانے سے ہورہا ہے، سے مراد ایسی شکل کی حکومت ہے جس میں ریاست کی حکمران طاقت کسی خاص طبقے یا طبقوں کو حاصل نہیں، بلکہ قوم کے تمام ارکان کو حاصل ہوتی ہے۔، قوم کے حکمران کی طاقت اکثریت کے پاس ہوتی ہے۔" (١٦٦)

☆☆پروفیسر سیلے(Prof. Seeley) کے مطابق: "جمہوریت ایک ایسی حکومت ہے، جس میں سب شریک ہوتے ہیں۔"

☆☆پروفیسر گیٹل(Prof Gettel) نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "یہ ایک ایسی طرز حکومت ہے، جس میں آبادی کا بیشتر حصہ حاکمانہ طاقت کے استعمال میں شرکت کا حق رکھتا ہے۔"

☆☆چارلس ای میریم(Charles E. Merriam) نے اس کی تعریف یوں کی ہے "جمہوریت نہ تو اصولوں کا مجموعہ ہے اور نہ ہی کسی تنظیم کا خاکہ بلکہ یہ ایک طرز فکر اور طرز عمل کا نام ہے جس کا مقصد فلاح و بہبود کا حصول ہو۔"

☆☆ابراہام لنکن(Abraham Lincoln) کے مطابق: "جمہوریت عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے ہوتی ہے۔"

Democracy is the government of the people, by the people for the people. (١٦٧)

☆☆ مولانا تقی عثمانی رقمطراز ہیں: جمہوریت کا لفظ درحقیقت ایک انگریزی لفظ "Democracy" کا ترجمہ ہے اور انگریزی میں بھی یہ یونانی زبان سے آیا ہے اور یونانی زبان میں



Marfat.com

"Demo"عوام کو کہتے ہیں۔ "Cracy"یونانی زبان میں حاکمیت کو کہتے ہیں۔ اسی لیے عربی میں جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اسے "دیمقراطیہ" کہا گیا۔ عربی زبان میں جمہوریت نہیں بولتے۔ اردو میں اس کا ترجمہ "جمہوریت" کیا گیا ہے۔ جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہٰذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لیے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع و مانع تعریف میں بھی خود علماء سیاست کا اتنا زبردست اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے ملتی نہیں، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہوں۔ (۱۶۸)

## دنیا کے نظام ہائے حکومت:

اسلام نے انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے بارے میں بھی انسان کی رہنمائی کی ہے۔ یہ رہنمائی اصولوں کی حد تک ہے، اس کی تفصیلات طے کرنے سے بوجوہ احتراز کیا گیا ہے۔ اجتماعی زندگی میں سیاست کا شعبہ سب سے اہم تصور کیا جاتا ہے، اس لیے کہ باقی شعبہ ہائے زندگی پر اس کے اثرات غیر معمولی ہوتے ہیں۔ اسلام نے سیاست کے بارے میں کیا رہنمائی دی ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہمارے ہاں مختلف نقطہ ہائے نظر موجود ہیں۔ کچھ لوگ سرے سے اسلام اور سیاست کے تعلق کے قائل ہی نہیں ہیں۔ کچھ لوگوں کے ہاں اسلام میں سیاست کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اسی بنا پر کہا جانے لگا ہے کہ انھوں نے ترجیحات کی ترتیب الٹ دی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھا ہے اور اسلام کے دور اول یعنی خلافت راشدہ کو بنیاد بنا کر اصول وضع کرنے کی کوشش کی ہے۔ مذکورہ بالا تینوں نقطہ ہائے نظر کے حاملین پاکستانی معاشرے میں موجود ہیں۔ دنیا میں کئی طرز کے نظام ہائے حکومت پائے جاتے ہیں، جن میں سے کچھ کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

☆☆بادشاہت: دنیا میں اقتدار کو بادشاہت اور سلطنت کو شہنشاہیت کہا جاتا ہے اور اسے شخصی اور نجی اغراض کی تکمیل اور فوز و فلاح کا ایک عظیم ذریعہ تصور کیا جاتا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ تو بہت بڑا ہی بد نصیب ہے گویا کہ اسے تو چھری کے بغیر ہی ذبح کیا گیا ہے۔ (۱۶۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مزہ تو اس کا عمدہ ہے مگر تاثیر بری۔" (۱۷۰)

شریح بن ہانی کے والد کی کنیت "ابو الحکم" تھی۔ آپ نے سنا تو ناپسند کیا، فرمایا: حکم (فیصلے کرنے والی) تو اللہ کی ذات ہے اور جہانِ دنیا کے سارے مقدمات کا بھی اسی کی ذات ہے، شہنشاہ کا لقب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت ہی شرمناک لقب ہے۔ (۱۷۱)

قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بے شرم وہ انسان ہے جس کا نام شہنشاہ ہے۔ (۱۷۲)



Marfat.com

"اللہ کے نزدیک قیامت میں سب سے زیادہ مبغوض ترین اور خبیث تر وہ شخص ہوگا جس کا نام شہنشاہ اور شاہانِ شاہ رکھا گیا حالانکہ (حقیقی) بادشاہ صرف اللہ ہے۔"(۱۷۳)

قیامت میں اللہ تعالیٰ بادشاہی کے مدعیوں کو للکارے گا کہ، اب کہاں ہو؟ (۱۷۴)معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی بادشاہت کا لفظ صحابہ کو گوارا نہیں تھا، کیونکہ بادشاہ کسی کے بنائے بنتے ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فرستادۂ خدا ہوتے ہیں کوئی انہیں تسلیم کرے یا نہ کرے وہ روحانی تاجدار ہوتے ہیں اور رسول بھی۔ علاوہ ازیں حقیقی بادشاہی صرف حق تعالیٰ کو سزاوار ہے، اور وہی سچا بادشاہ ہے، اس لیے ایک پیغمبر اور اس سے ہمسری کی یہ توقع؟ معاذ اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایک شخص لرزگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دیتے ہوئے اس سے فرمایا: "گھبراؤ نہیں! میں بادشاہ نہیں ہوں۔"(۱۷۵) روض الانف میں آپ علیہ اصلوٰۃ والسلام کی سیاسی سیادت کے بارے میں راہب بحیرا کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔"یہ ساری جہاں کے سردار، رب العلمین کے رسول، جن کو رحمۃ للعالمین بنا کر رب رسول بنائے گا۔"(۱۷۶) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سیاسی سربراہ تو ہوں گے مگر بطرز نبوت، جو سراپا رحمت ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سیاسی قیادت بھی، مزرع آخرت بھی سنور جائے۔اس لیے ہمارے علماء نے اسلامی حکومت کی یہ تعریف کی ہے۔"یہ عام حکومتوں کی مانند نہیں تھی، بلکہ نبوی انداز اور اخروی رنگ سے زیادہ مشابہ تھی۔" اسلامی ریاست کی یہ تعریف جامع بھی ہے اور نبوی طرزِ حکومت کے عین مشابہ بھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اسلامی حکومت کا نام "امانت" ہے۔(۱۷۷)

بادشاہت کی بہت سی قسمیں ہیں۔

**۱۔ مطلق العنان بادشاہت:** اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بادشاہ کسی دستور یا قانون کا پابند نہیں ہوتا بلکہ اس کی زبان قانون ہوتی ہے، جو وہ کہے وہی قانون بن جاتا ہے اور وہ اپنے احکام جاری کرنے میں کسی کا پابند نہیں۔(۱۷۸)

**۲۔ شورائی بادشاہت:** بادشاہت کی دوسری قسم وہ ہے جس کو شورائی بادشاہت (Counciling Monarchy) کہا جاتا ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ بادشاہ اگرچہ خود قانون بناتا ہے اور انتظامی فیصلے بھی کرتا ہے، لیکن وہ اپنے ساتھ ایک شوریٰ بھی رکھتا ہے اور قوانین کے اجراء میں بھی اور احکام کے اجرا میں بھی اور انتظامی معاملات میں بھی ان سے مشورے کرتا ہے۔یہ شورائیں بھی مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں کسی کا نام کونسل، کسی کا نام سینیٹ، کسی کا کچھ اور رکھ دیا۔(۱۷۹)

**۳۔ مذہبی بادشاہت:** بادشاہت کی تیسری قسم مذہبی بادشاہت(Religious Monarchy) یعنی ایسی بادشاہت جس میں بادشاہ کے اقتدار اور اختیار کا سرچشمہ مذہب ہوتا تھا۔یعنی مذہبی طور پر اس کو نامزد کیا جاتا تھا اور مذہبی پیشوا ہی اس کی نامزدگی کی توثیق کرتے تھے۔تاہم یہ بادشاہ اپنے نظام حکومت میں ان



Marfat.com

مذہبی پیشواؤں کا فی الجملہ تابع فرمان ہوتا تھا۔اسی مذہبی بادشاہت کی طویل رواج عیسائیوں میں رہا ہے اور اس کا آغاز حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے تقریباً ۳۰۰ سال بعد ہوا۔(۱۸۰)

**۴۔دستوری بادشاہت:** دستوری بادشاہت(Constitiutional Monarchy) کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسی بادشاہت جس میں بادشاہ کسی دستور کا پابند ہوتا ہے یہ ہیں کہ جو زبان سے نکل گیا وہ قانون بن گیا اور جو چاہا وہ حکم جاری کر دیا، جو چاہا اقدام کرلیا، بلکہ اس کے اقدامات کسی دستور کے پابند ہوتے ہیں۔ قرون وسطیٰ کے بعد کے ادوار میں بادشاہت زیادہ تر دستوری رہی۔اسی دستوری بادشاہت کی ایک قسم وہ دستوری بادشاہت ہے جو آج کل پارلیمانی نظام کا ایک حصہ ہوتی ہے، جیسے برطانیہ میں ہے۔اس وقت برطانیہ میں بادشاہ ملکہ الزبتھ ہے اور وہاں دستوری بادشاہت کا نظام ہے لیکن وہ بادشاہت برائے نام ہے۔ اختیارات اس کے کچھ نہیں ہیں۔اصل انتظامی اختیارات کابینہ کے پاس ہیں یا پارلیمنٹ کے پاس ہیں۔(۱۸۱)

**☆☆خاص طبقے کی حکومت:** حکومت کا یہ انداز مسلمان ملکوں کی اکثریت میں بے حد مقبول رہا ہے بلکہ اب بھی ہے۔اس قسم کی حکومت کے مطابق علماء دین کو ملک کے نظام میں فائنل اتھارٹی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اب چاہے وہ ریاست کے نظم و نسق کے معاملات کو سمجھتے ہوں یا نہیں لیکن بہرحال آخری فیصلہ اور ویٹو کی طاقت ہمیشہ انکے پاس ہوتی ہے کہ وہ جس فیصلے کو چاہیں خلاف اسلام کہ کر رد کر دیں اور جسے چاہیں اسلامی کہ کر ملک بھر میں نافذ کر دیں۔کچھ ممالک مثلاً سعودی عرب میں ہمیں ان پہلے دو طریقوں کے درمیان ایک انڈرسٹینڈنگ سی نظر آتی ہے جہاں پر حکومت کے لیے بادشاہ سلامت (یا شاہی خاندان) اور علماء دین کے طبقے کے درمیان باہمی مفادات پر مبنی ایک معاہدہ ہوتا ہے جسکے نتیجے میں یہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کو غیر مشروط تحفظ فراہم کرتی ہیں۔لہٰذا یہ دونوں طبقے مل کر فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ اسطرح انہیں ملک میں رائج عمومی قانون سے بالاتر حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔

## سیکولرازم

سیکولرازم کی تحریک کا باقاعدہ آغاز ۱۸۳۲ء میں ہوا جب جیکب ہولیگ نے سیاست کو مذہب سے جدا رکھنے کے نظریہ کا پرچار شروع کیا۔سیکولر سیاست جو اپنے معاملات چلانے کیلئے مذہبی اور الہامی ہدایت پر عمل نہیں کرتی بلکہ عقل مفاہمت، مصلیحت پر اعتماد کرتی ہے۔اُن کا کہنا ہے کہ مذہب ہر شخص کا انفرادی معاملہ ہے لہٰذا مذہب کا دائرہ انفرادی زندگی تک محدود رکھنا چاہیے۔ابتداء صرف مذہبی معاملات میں غیر جانبداری تھی بعد میں اس تحریک کا ایک حصہ مذہب مخالف جارحانہ مادیت پرست اور اشتراکیت کا داعی بن گیا جس نے مغرب کو اخلاقی وروحانی طور پر شدید نقصان پہنچایا۔جبکہ اسلام اخلاقی اقدار و کردار پر مبنی فلاحی معاشرے کے قیام اور انسانی ہمدردی، رواداری اور اجماعیت کا تصور دیتا ہے۔

## تھیاکریسی



Marfat.com

تھیاکریسی معنی اور سٹم کے اعتبار سے غلط نہیں تھیاکریسی وہ نظام حکومت ہے جس میں حکمرانی کے اختیارات خدا کو ہوں۔ مذہبی رہنما پیشوا اس کے نمائندے کی حیثیت سے یہ کام انجام دے۔ تھیاکریسی میں حاکمیت کے عملی اختیارات ایک مخصوص گروہ کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں، جو سیاہ اور سفید کے مالک ہوتے ہیں جس پر ہر کوئی تنقید نہیں کرسکتا جو خدا کے سارے اختیار ات بلاروک ٹوک استعمال کرتے اور کرواتے ہیں اور کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتے اس کے برعکس اسلام میں ایسے کسی طبقے کا کوئی وجو د نہیں اسلام کی تعلیمات انسانوں کیلئے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے نظام حکومت چلانے والے خدااور اُمت (عوام) دونوں کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ہمیں کبھی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں پاپائیت نظر آتی ہو۔(۱۸۲)

## اشتراکیت

اشتراکیت مذہب کی نفی پر مبنی آمرانہ نظام حکومت ہے۔ ریاست کے اختیارات کو محدود کردیتا ہے۔ شخصی اور سیاسی آزادی کی کوئی حقیقی ضمانت نہیں دیتا جبکہ اسلامی فلاحی ریاست عوام کے مشورے کی پابند ہوتی ہے۔ شخصی اور سیاسی آزادی کی ضمانت دیتی ہے۔

## اشرافیہ کا نظام:

دوسرا سیاسی نظام اشرافیہ کا نظام ہے جسے انگریزی میں Aristocracy کہتے ہیں۔ اشراف کہتے ہیں شریف لوگوں کو یعنی ایسے لوگ جو معاشرے میں عظمت کا کوئی مقام رکھتے ہیں ان کو اشراف کہا جاتا ہے۔ اس نظام کا خلاصہ یہ ہے، یا اس نظام کے پیچھے نظریہ یہ ہے کہ حکومت کرنا ہر انسان کے بس کا کام نہیں ہے اور نہ اس کا حق ہر انسان کو پہنچتا ہے، بلکہ حکومت کرنے کا حق کچھ منتخب لوگوں کو حاصل ہوتا جو کچھ مخصوص حسب نسب کے مالک ہوں یا مخصوص اوصاف کے حامل ہوں۔ جن کو طبقہ اشرافیہ کہتے ہیں۔ اب اس کے اہل کون ہیں؟ بعض لوگوں نے کہا جو نسبی اور حسبی اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتے ہوں، بعض لوگوں نے کہا جو مذہبی اعتبار سے ممتاز ہوں، بعض نے کہا جو کچھ مخصوص صلاحیتوں اور اوصاف کے حامل ہوں، زیادہ بہادر ہوں، زیادہ عقل مند ہوں، وہ اشراف ہیں اور ان کی حکومت قائم ہونی چاہیے۔ لیکن سب کا مجموعی تصور یہ ہے کہ حکومت ہر کہہ و مہہ کا کام نہیں بلکہ مخصوص طبقہ ہے جو حکمران بن سکتا ہے اور تمام لوگوں کو اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔(۱۸۳)

## نیشنل ازم

نیشنل ازم، سیکولرازم کا تسلسل ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں، قوم کو وطن اور زبان کی بنیاد پر قائم کیا جاتا ہے جس کے لغوی معنی قوم، نسل اور وطن کی بنیاد پر بنتی ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہوتے ہیں لیکن اسلام قرآن حدیث سے ثابت ہے قوم، نسل وطن کی بنیاد پر نہیں بنتی بلکہ



Marfat.com

دین سے بنتی ہے اور دینی رشتہ ہی وہ رشتہ ہے جو ساری انسانیت کوایک جسم کی مانند بنا دیتا ہیں۔ آج مسلمانوں کوجس ذلت اور رسوائی کاسامنا ہے اس کی بنیادی وجوہات میں نیشنل ازم کانعرہ تھا۔ماضی قریب میں مسلمانوں کی اجماعیت خلافت عثمانیہ اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجو د مسلمانوں کیلئے وحدت تھی لیکن انگریزنے جنگ عظیم کے موقع پر عربوں کو ترکیوں کے خلاف بھڑکایااور عرب لیگ قائم کی اوردوسری طرف ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کے ذریعے نیشنل ازم ترکی قومیت کو اُجاگر کیا گیااور یو مسلم وحدت ٹکڑوں میں بٹ گئی (ترکی کی موجودہ حکومت نے ایک بار مسلم اُمہ کی قیادت کا جھنڈا اُٹھالیا ہے اور اُمید کی جاسکتی ہے کہ مستقل قریب میں اسلامی وحدت کاتصور اُجاگر ہوگا)(۱۸۴)

## جمہوری حکومت:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ عوام کی رائے اور مشاورت پر مبنی حکومت ہے اور انکے درمیان کسی قسم کی طبقاتی تفریق نہیں کی جاتی۔ تمام لوگ اپنی رائے دینگے اور انکی اکثریتی رائے سے حکومت قائم ہو جائیگی۔جمہوریت کا لفظ درحقیقت ایک انگریزی لفظ"Democracy" کا ترجمہ ہے اور انگریزی میں بھی یہ یونانی زبان سے آیا ہے اور یونانی زبان میں "Demo"عوام کو کہتے ہیں۔ "Cracy"یونانی زبان میں حاکمیت کو کہتے ہیں۔اسی لیے عربی میں جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اسے "دیمقراطیہ" کہا گیا۔عربی زبان میں جمہوریت نہیں بولتے۔ اردو میں اس کا ترجمہ "جمہوریت" کیا گیا ہے۔جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے،لہذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لیے بنیاد بنایا گیا ہو۔ویسے جمہوریت کی جامع و مانع تعریف میں بھی خود علماء سیاست کا اتنا زبردست اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے ملتی نہیں،لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہوں۔(۱۸۵)

## جاگیردارانہ نظام سیاست:

اس نظام کو انگریزی میںFeudalismکہتے ہیں۔ہمارے ہاں بعض اوقات اسے کاشتکاری کے اس نظام پر بھی چسپاں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس کی اسلام میں اجازت ہے۔جب کسی زمانے میں اشتراکیت اور سوشلزم کا بہت شور تھا تو اس وقت یہ الزام عائد کیا جاتا تھا کہ علماء اسلام جاگیردارانہ نظام کے حامی ہیں اور جاگیردارانہ نظام کو تقویت دینے والے ہیں۔درحقیقت یہ یورپ کے قرون وسطیٰ کا ایک نظام تھا۔حاکم اور محکوم کا رشتہ زمین سے وابستہ ہے۔جو شخص زمین کا مالک ہے وہ حاکم ہے اور جو اس زمین کو استعمال کررہا ہے وہ اس کا محکوم ہے۔لہذا اس کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے۔اور جب اللہ تعالیٰ مالک ہے تو اگر کسی بادشاہ کو زمین دی گئی ہے تو وہ



Marfat.com

بادشاہ اللہ تعالیٰ کا محکوم ہے۔ پھر بادشاہ بطور جاگیر جس کو کوئی زمین دے دے تو وہ جاگیر دار یا بادشاہ کا محکوم۔ پھر وہ جاگیردار اپنے کسی کاشتکار کو دے دے تو وہ کاشتکار اس کا محکوم۔ پھر بڑا کاشتکار کسی چھوٹے کاشتکار کو دے دے تو چھوٹا اس کا محکوم غرض حکومت، حاکمیت اور محکومیت یہ تمام تر زمین کی ملکیت سے وابستہ ہے۔(۱۸۶)

## اسلامی ریاست ایک شورائی وجمہوری ریاست:

حقیقی اسلامی ریاست ایک شورائی اور جمہوری ریاست ہے جس میں تمام انسان برابر ہیں اور رنگ، نسل ونسب کی بنیاد پر کسی خاص گروہ کو کوئی برتری یا افضلیت حاصل نہیں ہوتی۔ وحدت آدم اور انسانی مساوات اس کے بنیادی اصول ہیں۔ قیادت کی ذمہ داری ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو پوری ملت کے معتمد علیہ ہوں ارباب امر تمام امور سلطنت میں بنیادی پالیسی باہم مشورے سے طے کرتے ہیں اور نظام حکومت کو جمہور کی مرضی کے مطابق چلاتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا مزاج نہ آمریت کو گوارہ کر سکتا ہے اور نہ موروثی شہنشاہیت کو اس کا مزاج خالص جمہوری اور شورائی مزاج ہے، اللہ تعالیٰ خود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ "ترجمہ "اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو" (۱۸۷)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔"(۱۸۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث مبارکہ میں اسلامی معاشرے کی صحیح حالت کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا گیا۔ "جب تمہارے حکام تم میں نیک اور صالح ہوں، تمہارے اہل ثروت تم میں فیاض ہوں اور تمہارے امور باہم مشورے سے طے ہوں۔" (۱۸۹) اس لیے علماء قانون نے یہ کہا کہ شوریٰ نظام کی روح اور اس کا ایک لازمی جزو ہے مشاورت کا یہ حکم ہر اہم معاملے اور اس کی ہر منزل کے لیے ہے اس کی شکل کیا ہو؟ اس کا تعین ہر زمانے کے حالات کے مطابق کیا جائے گا۔ لیکن اس کی روح یہ ہے کہ مشورہ ان لوگوں سے کیا جائے جو اہل حل و عقد ہوں۔ فہم و بصیرت رکھتے ہوں اور لوگوں کے معتمد علیہ ہوں۔ مسلمانوں کے تمام اجتماعی کام مشورے سے طے ہوں اور کوئی شخص اپنی من مانی نہ کرے۔

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ بدر کے لیے نکلنے لگے تو عام صحابہ کرامؓ سے رائے لی اور مہاجرین اور انصار سب سے عمومی مشورہ فرمایا۔ اسی طرح غزوہ احد میں اس مسئلہ میں کہ آیا مدینہ میں رہ کر جنگ کرنی چاہیے یا باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے، جمہور صحابہ حتیٰ کہ منافقین تک سے مشورہ فرمایا اور اپنی ذاتی رائے کو ان کی اجتماعی رائے کے مقابلے میں نظر انداز فرمایا لیکن بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھوڑ دینے یا قتل کر دینے کے معاملے میں جو خاص اہمیت رکھتا تھا صرف خصوصی جماعت سے مشورہ فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر عمل فرمایا۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کے معاملے میں (حادثہ افک کے



Marfat.com

سلسلے میں) جو خانوادہ نبوت کی عزت و حرمت کا معاملہ تھا حضرت علیؓ و حضرت اسامہؓ سے مشورہ فرمایا۔ غزوہء احزاب میں حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر جو ایرانی طریقہ جنگ سے واقف تھے خندق کھود کر لڑنے کی تجویز کو پسند فرمایا اور بدر کے میدان میں پڑاؤ ڈالنے کے لیے حباب ابن منذر بن جموعؓ کی رائے پر عمل فرمایا۔(۱۹۰)

خلفائے راشدین کے انتخاب کی اگرچہ کوئی متعین و منظم شکل نہ تھی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی بیعت میں شوریٰ کا دخل تھا اسلامی نظام کے شورائی ہونے کی یہ بھی ایک بڑی دلیل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں تمام ملکی معاملات عہد نبوی کے نظام پر قائم رہے۔ صحابہ کرامؓ کی مجلس شوریٰ تمام ضروری امور کو انجام دیتی تھی آپ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر ان ہی بزرگوں کو مامور فرماتے تھے جنھوں نے دانش گاہ نبوی سے فضیلت کی سند حاصل کی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کا مرتب کیا ہوا آئین حکومت اور جمہوری نظام ہے جس نے مسلمانوں کو دینی و دنیوی اوج ترقی کے فلک الافلاک پر پہنچا دیا اور جس سے بہتر جمہوری نظام نہ موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں موجود ہے نہ آئندہ قائم کیا جاسکے گا۔

مندرجہ بالا تمام تر بحث اور تاریخی پس منظر میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیاوی اور سیاسی معاملات، امور مملکت اور نظم حکمرانی میں مشاورت اسلام کا خاصہ اور لازمی جز ہے۔ قرآن میں بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور خلفاء راشدین نے بھی اسے اپنایا۔ اس حقیقت سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ باہمی منشا اور نیک نیتی سے طے پانے والے امور مملکت اور عوام کی خیر فلاح میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں اگر آج بھی اس اسلامی اصول کو بروئے کار لا کر امور مملکت انجام دیئے جائیں تو مملکت کی ترقی اور استحکام لازم ہے اور فی زمانہ ہر اسلامی مملکت میں ایک مجلس مشاورت کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔(۹۱) اسلام نے جو انوکھا جمہوری شورائی نظام پیش کیا اس کا طرہ امتیاز اور حقیقی روح یہ تھی کہ

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز<br>
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز(۱۹۲)

## مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور مدینے کی مثالی ریاست:

اس سے کوئی بھی ذی روح انکار نہیں کرسکتا کہ وہ اگر تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جمہوری اور سیاسی نظام مرتب کرے گا تو اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ مدینے کی مثالی ریاست کو اپنے لیے رول ماڈل بنائے۔ اہالیان پاکستان تو مدینے اور تاجدار مدینہ دونوں سے جذباتی وابستگی رکھتے ہیں اس لیے کسی کو بھی اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا کہ ہمارے



Marfat.com

لیے مدینے کی ریاست بنیاد ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی مثالی ریاست کو اول درجے کے عالمی حکومت کی حیثیت سے انسانی سوسائٹی کی تشکیل، جامعہ اسلامیہ کی تنظیم اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کارنامے انجام دیئے۔(۱۹۳) وہ مختصراً اور مستند سے مستند الفاظ میں یہ ہیں۔

☆☆۔حکومت کی ہستی کو متام بے فائدہ نمائشوں، تباہ کن جعلسازیوں اور سرمایہ دارانہ آرائشوں اور آلائشوں سے پاک و صاف کیا۔دنیا کے دائرہ میں حکومت کو عوام کی چیز بنایا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا۔(۱۹۴)

☆☆۔حکومت کو ریاست عامہ قرار دیا اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا، جس کی وجہ سے تاج و تخت، قصور و محلات، حاجب و دربان، حشم و خدم، بڑی بڑی تنخواہوں والے حکام اور رشوت خور عمال سب ختم ہوگئے۔(۱۹۵)

☆☆۔انصاف کی حقیقت کو نافذ کیا جس سے انصاف کا حصول آسان اور خود انصاف سستا ہوگیا، انصاف کا مقصد کمزور کی حمایت اور فریقینِ مقدمہ کی باہمی صلح اور اصلاح ٹھہرا ناکہ دونوں کے مفاد کی تباہی اور گھروں کی ویرانی۔

☆☆۔آپ نے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، مناسب محصول عائد کیے اور اس کام کے لیے مالیات کے افسر مقرر اور دفتر مالیات قائم کیے۔

☆☆۔سرکاری روپے کے لیے قانون مقرر کیا کہ امیروں پر ٹیکس لگایا جائے اور غریبوں پر خرچ کردیا جائے۔

☆☆۔انتظامی حلقے قائم کیے۔مدینے کو دارالسلطنت بنایا اطراف کے لیے حکام مقرر کیے، تقرر کا معیار کردار، کام کی اہلیت، علم سے بہرہ مند ہو اور حاکم رائے عامہ کے مطابق مفاد عامہ کے لیے کام کرے۔

☆☆۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا، حکومت کے مزاج میں مرکزیت، قوت اور استحکام پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ حکومت کے کام شوریٰ سے طے کیے جائیں۔(۱۹۶)

☆☆۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوجوں کی تنظیم کی اور نو جنگوں اور اٹھارہ دفاعی و اکتشافی حربی مہموں میں حصہ لیا۔انتالیس عسکری مہموں کو اپنے حکم سے محاذ پر بھیجا اور فوج کے کمانڈر مقرر کیے۔جنگ میں انسانیت کے طریقوں کو جاری کیا۔فتح میں انسانی خون کی قدروقیمت کی حفاظت کی اور صلح کے وقت معاہدوں کے لیے نیا معیار مقرر کیا۔(۱۹۷)

☆☆۔بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لیے سلاطین، امراء، والیان ریاست کو فرمان لکھے اور سب کو ایک خدا کے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔مختصر یہ کہ پیغمبری، سیاست اور حکومت کا کوئی شعبہ



Marfat.com

ایسا نہیں تھا جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اصول اور قانون نہ پیش کیا ہو۔(۱۹۸)

## اسلامی ریاست میں جمہوریت وسیاست کا تصور:

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مذہب کی حیثیت سے کچھ اور بھی ہے اس کو حکومت حاکمیت، سیاست اور سلطنت سے وہی تعلق ہے جو اس کائنات کی کسی بھی بڑی حقیقت سے ہوسکتا ہے اس کو محض ایک ایسا نظام نہیں کہا جا سکتا ہے جو صرف باطن کی اصلاح کا فرض انجام دیتا ہے بلکہ اس کو ایسا دینی نظام بھی سمجھنا چاہئے جو خدا ترس وخدا شناس روح کی قوت سے دنیا کے مادی نظام پر عالمگیر غلبہ کا دعویٰ رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جو اسلامی تصورات ونظریات کا سر چشمہ ہے اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایات کی شارح و ترجمان ہیں، ان کا ایک بہت بڑا حصہ اسلام اور حکومت وسیاست کے تعلق کو ثابت کرتا ہے کہیں تاریخی انداز میں، کہیں تعلیمات کے پیرایہ میں اور کہیں نعمت الٰہی کو ظاہری کرتے ہوئے ہم پر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اسلام اور حکومت خدا کا حق ہے اس لئے اسلام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ اس زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے اور اس کا اتارا ہوا قانون نافذ کیا جائے۔ ہم میں سے جو کج فکر لوگ " مذہب اور سیاست " کے درمیان تفریق کی دیوار حائل کر کے اسلام کو سیاست و حکومت سے بالکل بے تعلق و بے واسطہ رکھنا چاہتے ہیں وہ دراصل مسلم مخالف عنصر کے اس شاطر دماغ کی سازش کا شکار ہیں جو خود تو حقیقی معنے میں آج تک حکومت کو " مذہب " سے آزاد نہ کر سکا لیکن مسلمانوں کی سیاسی پرواز اور ہمہ گیر پیش قدمی کو مضمحل کرنے کے لئے " مذہب " اور سیاست وحکومت " کی مستقل بحثیں پیدا کر کے مسلمانوں کے چشمہ فکر و عمل میں دین اور دنیا کی پلیدگی کا زہر گھول رہا ہے۔ سیاست نبیوں والا کام ہے۔(القرآن)

اسلامی سیاست ایک فن ہے جس کے ذریعہ سے اسلامی حکومت کا نظام چلتا ہے اور ایک طریقہ ہے جس کی رو سے ریاست عامہ کے افراد اپنی بہتری کا کام انجام دیتے ہیں۔ اسلامی سیاست عدل اور اعتدال کے ساتھ اسلام کے قوانین کے مطابق حرکت کرتی ہے اور ان اغراض کے لیے منظر عام پر آتی ہے جن کا تعلق امت کے افراد اور عام انسانی بہتری سے ہے۔(۱۹۹)

قرآن عظیم میں سیاست کے ہم معنی "حکمت" ایک ایسا لفظ ہے جس کا اطلاق سیاسی حکمت عملی پر بھی ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ حکمت کا لفظ سیاست کے مفہوم کو بھی پیش کرتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے وسیع مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن میں ملک و ملت اور قانون کے ساتھ ساتھ بار بار حکمت کا ذکر کیا گیا اور ایک فرمان میں کہا گیا ہے کہ "اللہ رب العالمین جس کو حکمت سے بہرہ مند کرتا ہے وہی زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرتا اور خیر کثیر کا مستحق ہے۔" یہ امر اس کا واضح ثبوت ہے



Marfat.com

کہ حکمت کا تعلق سلطنت کی حکمت عملی سے بھی ہے۔(۲۰۰)علمائے اسلام نے واضح طور پر اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ حکمت کا تعلق حکومت، احکام حکومت، محاکمِ حکومت، دین کی فلاح اور دنیا کی عام اصلاح سے ہے۔ قرآن اور قانون سنت کے احکام کا اجراء بھی حکمت ہی سے متعلق ہے کیونکہ یہی دونوں چیزیں ریاست عامہ کی سیاست کا ماخذ ہیں۔(۲۰۱)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہماری ہر میدان میں رہنمائی کرتی ہے اور تا قیام قیامت رہنمائی کرتی رہے گی، جمہوری اور سیاسی نظام کے حوالے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہے، چنانچہ اس مختصر مقالے میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینی و دستوری اہمیت بیان کرتے ہیں جس کی روشنی میں پاکستان کا جمہوری اور سیاسی نظام واضح ہوگا۔

۱۔ اسلامی ریاست میں اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم (Supreme Authority of Almighty Allah and Holy Prophet) کی ہوگی۔

۲۔ قرآن و سنت ملک کا اعلیٰ ترین قانون (Quran & Sunnah Supreme Law of State) ہوگا۔

۳۔ عدلیہ کی بالا دستی (Supermacy of Judiciary) کو ہر حال میں یقینی بنایا جائے گا۔

۴۔ آئینی نظام کے نفاذ کا وجوب (Essentiality of Enforcement of Constitution) کے درجے کا حامل ہوگا۔

۵۔ قانون کی حکمرانی و بالادستی (Rule of Law) ہوگی۔

۶۔ آئینی و سیاسی عہدے شرائط اہلیت (Qualification for Constitutional and Political Office) کے حامل افراد کو ہی دئے جائیں گے۔

۷۔ سربراہ مملکت (Muslim Head of State) مسلمان ہوگا۔

۸۔ ریاستی و حکومتی عہدے بطور امانت و نیابت (State Responsibilities as Trust) سونپے جائیں گے۔

۹۔ ہر شہری آئینی منصب امانت (Constitutional Status of Trustee for every Citizen) کا حامل ہوگا۔

۱۰۔ حکومت کا حق اطاعت مشروط (Conditional Superordination of State) ہوگا۔

۱۱۔ ہر عاقل و بالغ کو حق رائے دہی (Adult Franchise) حاصل ہوگا۔



Marfat.com

۱۲۔ حق رائے دہی جنسی امتیاز(No Gender Discrimination in Adult Franchise)سے ماوراء ہو گا۔

۱۳۔ اختلاف رائے کو بنیادی حقوق(Difference of Opinion as Fundamental Right) کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔

۱۴۔ اکثریت کی رائے کا احترام (Respect of Majority Opinion) کیا جائے گا۔

۱۵۔ اسلامی حکومت، منتخب اور نمائند حکومت(Elected and Representative Govt) ہو گی۔

۱۶۔ نظام حکومت کی ہیت ترکیبی(Structure of Govt System) عوام کی صوابدید پر ہو گی۔

۱۷۔ حکومت دو طرفہ معاہدہ(Govt - a Biletral Contract) متصور ہو گا۔

۱۸۔ حکومت کا مقصد نظام عدل و فلاح کا قیام (Purpose of Govt Maintenance of Justice & Welfare System)ہو گا نہ کہ شخصی اقتدار کا قیام۔

۱۹۔ حکومت اور عوام کو باہم حقوق و فرائض(Duties & Rights of Govt & People)حاصل ہوں گے۔

۲۰۔ اقتدار کے اختیار کا مقصود خلافت نبوی کا نفاذ (Viceregency of Holy Prophet in Exercise of Govt Powers)ہو گا۔

۲۱۔ مذہبی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Religious Freedom)دی جائے گی۔

۲۲۔ سیاسی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Political Freedom)دی جائے گی۔

۲۳۔ بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت(Guarentee of Equal Human Rights)ہو گی۔

۲۴۔ حکومتی اختیارات کی جواب دہی(Accountability in Exercise of Govt. Powers) ریاست کے آئینی نظام کا حصہ ہو گی۔(۲۰۲)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور قرآن کریم سے رہنمائی:

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وہ آخری آسمانی کتاب ہے، جو پوری انسانیت کی تا قیام قیامت رہنمائی کرتی رہے گی، اس کتاب مبین میں حکومت، سیاست اور جمہوریت کے حوالے سے بھی ہماری مکمل رہنمائی کی ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ حکم، فیصلہ، اور اوامر و نواہی کا حکم دیا گیا ہے اور ان سب کا تعلق سیاست، حکومت اور جمہوریت سے ہے۔

قرآن کریم کی آیات بینات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (۲۰۳)

حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو



Marfat.com

یہی صحیح دین ہے۔

۲۔ یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (۲۰۴)

وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

۳۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (۲۰۵)

اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

۴۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۰۶)

جو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل کافر ہیں۔

اس نظریے کے مطابق حاکمیت (Sovereignty) صرف خدا کی ہے۔ قانون ساز (Law Giver) صرف خدا ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی علیہ السلام ہی کیوں نہ ہو بذات خود حکم دینے اور منع کرنے کا حقدار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ کے حکم ہی کا پیرو ہے۔

۵۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓى اِلَیَّ (۲۰۷)

میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔

عام انسان نبی کی اطاعت پر صرف اس لیے مامور ہیں کہ وہ اپنی حکم نہیں، بلکہ خدا کا حکم بیان کرتا ہے:

۶۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲۰۸)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن (Sanction) کے تحت اس کی اطاعت کی جائے۔

۷۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (۲۰۹)

یہ (نبی) وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب دی۔ حکم (Authority) سے سرفراز کیا اور نبوت عطا کی۔

۸۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ (۲۱۰)

کسی بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کی بجائے میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو۔

۹۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً (۲۱۱)

"اللہ نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں سے بہت مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔

۱۰۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ



Marfat.com

اَتۡقٰکُمۡ (۲۱۲)
لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ و قبائل بنا دیا تا کہ تم آپس میں پہچانے جاؤ۔ مگر در حقیقت معزز تو تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

۱۱۔ وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ
اور ہم نے اولاد آدم کو صاحب عزت بنایا۔(۲۱۳)

۱۲۔ وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ
اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔(۲۱۴)

۱۳۔ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ
اور ان کے امور آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔(۲۱۵)

۱۴۔ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ
نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کرو۔(۲۱۶)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور احادیث مبارکہ سے رہنمائی:

قرآن کریم نے جہاں ہماری رہنمائی کی ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہمیں تفصیلات بیان کرتی نظر آتی ہیں اور ہمارے لیے رہنمائی اور روشنی کا نا ختم ہونے والا مینارہ نور ہے جس سے ہم، ہمیشہ رہنمائی اور روشنی حاصل کرتے رہیں گے اور وطن عزیز کی جمہوری سیاسی نظام کی ترقی کے لیے اور ان کو تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ڈھالنے کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہیں گے۔

ان اللہ لیزع بالسلطان ما لا یزع بالقرآن (۲۱۷)
اللہ تعالی حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتا۔

الاسلام والسلطان اخوان توامان لا یصلح واحد منهما الا لصاحب فالا سلام اسس والسلطان حارس ومالا اسس له لیهدم ومالا حارس له ضائع (۲۱۸)
اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

من رای منکم منکراً ------------------------------ اضعف الایمان۔(۲۱۹)
تم میں سے جو شخص کوئی بدی دیکھے، اس کو ہاتھ سے (نیکی سے) بدل دے، اگر ایسا نہ کرسکے، تو



Marfat.com

زبان سے روکے، اگر زبان سے بھی نہ روک سکے تو دل سے بُرا سمجھے اور یہ (آخری درجہ) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔(۲۲۰)

والذی نفس محمد بیدہ لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت یدھا

"اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ ضرور کاٹ دیتا۔"(۲۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تمہارے بہترین امام اور قائد وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں اور تم ان کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تم کو دعائیں دیتے ہوں اور تم میں بد ترین رہنما وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہوں اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو۔" (صحیح مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ شہادت دیتے ہیں کہ: "ما رایت احداً اکثر مشورة لاصحابه من النبی صلی الله علیه وسلم"

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔"(۲۲۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث میں اسلامی معاشرے کی صحیح حالت کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: "جب تمہارے حکام تم میں نیک اور صالح ہوں، تمہارے اہل ثروت تم میں فیاض ہوں اور تمہارے امور باہم مشورے سے طے ہوں۔" (۲۲۳)

"بخدا ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی عہدے پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو۔"(۲۲۴)

"ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا خائن وہ ہے جو خود حکومت کے کسی عہدہ و منصب کا طالب ہو۔"(۲۲۵)

## اسلام کا جمہوری سیاسی نظام:

اس سے پہلے کہ ہم پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کا تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مثبت و منفی جائزہ لیں، ضروری ہے کہ ہم اسلام کے جمہوری سیاسی نظام پر روشنی ڈالیں کیونکہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور وہ حیاتِ انسانی کے ہر پہلو کے لیے ہدایت دیتا ہے۔ اس ہمہ گیر ہدایت کا نام شریعت ہے۔ قرآن میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پوری شریعت کا اتباع کریں اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً "اے ایمان والو: اسلام میں پورے پورے داخل



Marfat.com

ہو جاؤ۔" (۲۲۶)

اہل کتاب جن احکام خداوندی کو اپنی خواہش و پسند کے مطابق پاتے، ان پر تو عمل پیرا ہو جاتے لیکن جو احکام الٰہی ان کی خواہش و پسند کے مطابق نہ ہوتے ان سے کنّی کترا جاتے، اس بنا پر ان کو خدا کی جانب سے تہدید کی گئی کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ "کیا تم کتاب الٰہی کے بعض حصوں کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟" (۲۲۷)

پھر اس روش کی بابت اس ہلاکت خیز سزا کا اعلان فرمایا: فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ

"پس تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا اس کی سزا دنیا کی زندگی میں سوائے ذلت و نامرادی کے اور کیا ہو سکتی ہے اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو شدید ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔" (۱۱۹)

## جمہوری سیاست اسلامی عہد میں:

اسلامی عہد میں ارقم بن ارقم کے مکان میں خفیہ اجتماع سے اُمت کی تنظیم کا نتیجہ خیز کام شروع ہوا تھا جس کی تکمیل اس وقت ہوئی جب مدینہ منورہ نبوت اور خلافت کا پایہ تخت بن گیا، مکہ میں ملت ابراہیم کی شیرازہ بندی، بین الاقوامی تعلقات کے لیے اصولِ ہجرت کا اجراء اور اسلامی معاشرہ کے استحکام کے لیے اصول بیعت (اجتماعی حلف) کا نفاذ، مدینے میں انصار و مہاجرین کے بھائی چارہ کی تشکیل، غزوہ بدر، صلح حدیبیہ، فتح مکہ، فتح کے بعد انسانی مساوات، امن، آزادی، اور اخوت کا اعلانِ عام، سلاطین عالم کے درباروں میں سفراء کی روانگی، بیرونی سفراء کی مدینے میں باریابی، صوبائی تنظیم، حکام کا تقرر، فرامین کا اجراء، سقیفہ کی شوروی مجلس میں رائے عامہ منصب حکومت کا فیصلہ، ایسے کارنامے ہیں جن کا تعلق سر تا سر اسلامی سیاست سے تھا۔ (۲۲۸)

اسلام کی تاریخ حکمرانی پر سیاسی نقطہ نظر سے غور کیجئے، سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری اور تاریخ ابن کثیر، تاریخ فتوحات الاسلامیہ دحلان میں جا بجا اسلامی سیاست کے آثار ملتے ہیں محمد علی کرد نے اپنی کتاب "الاسلام و الحصناۃ العربیہ جلد ۲ میں "السیاستہ فی الاسلام" کے عنوان سے اسلامی سیاست کے ہر دور کے واقعات پیش کیے ہیں۔ (۲۲۹)

☆☆ جولیو کسٹلاٹ، اپنی کتاب قانون تاریخ میں لکھتا ہے کہ: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دائرہ اسلام میں آنے کے لیے تیار تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی تمدن آناً فاناً بروئے کار آیا۔ دسویں صدی سے چودھویں صدی تک تو ایسا زمانہ گزرا ہے جب یورپ میں اس تمدن کے علاوہ اور کوئی تمدن نہ تھا۔"

☆☆ کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری لکھتے ہیں: "ابھی سو سال نہ ہوئے تھے کہ اسلام کی حکومت



Marfat.com

سب جگہ چھاگئی اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو ابھرنے، اوپر اٹھنے اور ساری کائنات تک اپنی روشنی پہنچانے میں مانع نہ ہوسکی۔"

☆☆ موسیو رینان ڈینہ نے نپولین کی تاریخی یادداشتوں سے ثابت کیا ہے کہ نپولین کے سیاسی تصورات میں اسلام کا تصورِ حکومت کام کررہا تھا۔(۲۳۰) ۲۸ اگست ۱۷۹۸ء کی یادداشت یہ ظاہر کرتی ہے کہ نپولین انسانی بہتری کے لیے یہ ضروری سمجھتا تھا کہ قرآن کی سیاست پر نظام حکومت کی بنیاد رکھی جائے۔(۲۳۱)

یہ بیانات اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ اسلام کے نظریات یورپ میں سیاست وتمدن کی تخلیق کا باعث ہوئے۔ اسلام کے ظہور سے مغربی کرۂ ارض میں صدیوں کی جہالت کے بعد حکومت وسلطنت کا قانون روشن ہوا۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سیاست کے بنیادی اصول متعین صورت میں بروئے کار آئے اور خلافت راشدہ میں سیاسی حکمت عملی کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ کر مشرق ومغرب کے سر پر طلوع ہوا۔ خلافت راشدہ کے بعد امامت وخلافت کے تصورات نے سلطنت وشہنشاہیت کی شکل اختیار کرلی، لیکن صدیوں تک اسلامی سیات کے اثرات موجود رہے جن کا مظاہرہ کبھی کبھی بہت اچھا ہوتا تھا۔(۲۳۲)

حضرت معاویہؓ کے دور میں پہلی سیاسی تاریخ کتاب الملوک، تیسری صدی ہجری میں ابن قتیبہ الدینوری عیون الاخبار میں سلطنت پر ایک مستقل کتاب، چوتھی صدی کے آغاز میں علامہ ابو نصیر فارابی نے اپنی بلند پایہ کتاب "مبادی آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ"، چوتھی صدی میں امام ابو الحسن علی الاہوازی حنفی کی نادر کتاب "التبر المنسبک فی تدبیر الملک"، پانچویں صدی میں علامہ ابو الحسن الماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ"، پانچویں صدی کے آخر میں امام راغب اصفہانی کی بلند پایہ کتاب "الذریعہ مکارم الشریعہ"، ابن ابی ربیع کی کتاب "ملوک الممالک فی تدبیر الممالک"، امام ابو عبید القاسم کی کتاب، "کتاب الاموال" اور علامہ ابن الجوزی کی کتاب "الطرق کلمیہ فی السیاستہ الشرعیہ" وہ سیاسی علمی شاہکار نے جنھوں نے سیاست پر مفصل بحث کی اور اپنی بلندیوں کو چھوا۔(۲۳۳)

## اسلام اور جمہوریت میں مطابقت:

یہ کہنا کہ اسلامی دنیا میں جمہوریت سرے سے ہی نہیں بالکل غلط ہے۔ ۷۵ فیصد مسلمان بنگلادیش، پاکستان، ہندوستان، انڈونیشیا، یورپ، شمالی امریکہ، اسرائیل اور ایران وغیرہ میں جمہوری اداروں کے تحت ہی زندگی گزاررہے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ہمیں علماء دین کو کشمکش اقتدار میں شریک ہوتے نہیں دیکھا سوائے ایران کے انقلاب کے، جبکہ گزشتہ پندرہ سو سال سے ظہور اسلام سے لے کر آج تک اسلامی ممالک میں اقتدار سیکولر منتخب لوگوں کے ہاتھوں میں رہا۔ اسلام اور جمہوریت کے درمیان عدم مطابقت کا دعویٰ بالکل دو متضاد فکر رکھنے والے گروپوں کے درمیان تنازعہ ہے۔ بعض مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ اسلام بنیادی طور



Marfat.com

پر جمہوری نظام کے خلاف ہے اور یہ مذہب دراصل استبدادی نظام پر استوار ہے جس سے دراصل یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اسلام کی اصل تصویر کو مسخ کردیا جائے اور بتایا جائے کہ مغربی لبرل ازم کے مقابلے میں اسلام کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ اسلام جدید تمدن اور ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔اس فکر کے حاملین دراصل اسرائیلی گماشتے ہیں جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ میں صرف اسرائیل ہی جمہوریت کا علمبردار ہے۔ دوسری طرف بہت سارے جدید فکر کے حامل مسلمان لادین حکومت اور اقتدار کو غلط معانی پہنا لیتے ہیں تاکہ جمہوریت کی نفی کی جاسکے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جاسکے کہ عوام کی حکومت دراصل حاکمیت اعلیٰ کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے۔جو کہ سراسر شرک ہے جبکہ ان کا یہ خیال قطعی طور پر غلط ہے کہ لادین حکومت اور جمہوریت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔(۲۳۴)

حکومت کو چلانا بندوں کا کام ہے خواہ وہ جمہوری نظام ہو یا اسلامی نظام۔اسلامی نظام حکومت ہو یا جمہوری بہرحال دونوں نظاموں میں فیصلہ صادر کرنے کا اختیار بندوں کے پاس ہوتا ہے۔اسلامی نظام میں انسان اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے جو اس کے دیئے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے کا پابند ہے۔وہ خود شارع نہیں کہ اپنی مرضی سے تشریع کرتا پھرے۔اسلامی نظام کا اصل ہدف یہ ہے کہ نوع انسانی کی بھلائی کے لیے اللہ کی طرف سے دی گئی امانت اقتدار کو کس طرح استعمال کیا جائے کہ انسانیت کا مستقبل اور حال روشن ہو،ہماری اس دنیا میں حقیقی حکومت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔انسان تو صرف اس کی حاکمیت کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لیے اس کا نمائندہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اسلامی جمہوری نظام کا ایک مکمل نمونہ نظر آتی ہے۔ میثاق مدینہ کے احکامات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ ۶۲۲ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نقشہ عالم میں پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی امت مسلمہ کے قائد اور رہنما تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سیاسی لیڈر تھے، مسلسل دس سال تک مدینے کے تین سیاسی اور مذہبی عناصر کو ساتھ لے کر چلتے رہے یعنی مہاجرین، انصار، یہود۔میثاق مدینہ دور حاضر میں ایک شاندار گائیڈ کا کام دے سکتا ہے۔میثاق مدینہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آسمانی ہدایت اور زمینی دستور میں کس طرح توازن رکھا جاسکتا ہے۔یہ بات ممکن تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو حکم دیتے کہ جو کچھ بذریعہ وحی نازل ہوگا اس کا تسلیم کرنا سب پر واجب ہوگا اور ہر غیر مسلم وحی آسمانی کا پابند ہوگا، لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہوری روح پیدا کرنے کے لیے میثاق مدینہ اصحاب کرامؓ کے مشورے سے تحریر فرمایا جس پر یہود کے دستخط بھی تھے اور مسلمان زعما کے دستخط بھی۔اس میثاق سے ایک سوشل ویلفیئر ریاست وجود میں آئی، جس میں بلا لحاظ مذہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح اپنا حاکم تسلیم کرلیا جس طرح مسلمانوں نے۔میثاق مدینہ عوام کی مرضی، مسلم عوام اور حکومت سب کو مساوی حقوق حاصل تھے۔تمام مذاہب کو اپنے اپنے مذہبی عقیدہ کے مطابق



Marfat.com

اعمال کرنے کی اجازت تھی۔ مساوات، عوامی رائے کا احترام، مختلف النوع افراد اور قبائل کا باہمی اتفاق و اتحاد میثاق مدینہ کی روح تھی۔

## پاکستان کا جمہوری او رسیاسی سفر: ایک جائزہ

جمہوریت کی ایک معروف تعریف کے تحت اسے عوام پر عوام کے ذریعے عوام کی حکومت قرار دیا گیا ہے۔ اس تعریف میں لفظ عوام کی تکرار یہ ثابت کرتی ہے کہ جمہوری طرز حکومت کا اصل مقصد کاروبار مملکت مس عوام کی زیادہ سے زیادہ شمولیت کو یقینی بنانا ہے۔ جمہوریت میں عوام یا ان کے نمائندے ہی ملک کے حکمران ہوتے ہیں اور ریاستی امور ان کی خواہشات کے مطابق طے کیے جاتے ہیں۔ کوئی ایسی حکومت جو عوام کی خواہشات کی نمائندگی نہ کرتی ہو جمہوری حکومت کہلانے کی حقدار نہیں ہو سکتی۔ جمہوریت میں اقتدار کا اصل سرچشمہ عوام ہیں۔ جمہوریت میں حکومتیں صرف اس وقت تک اقتدار میں رہ سکتی ہیں جب تک انہیں عوام کا اعتماد حاصل ہو۔ عوام کے سامنے حکومت کی جواب دہی کا تصور جمہوریت کا بنیادی اصول ہے۔ (۲۳۵)

## آئین سازی اور نظریاتی کشمکش:

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائم ہوا۔ قانون آزادی ہند مجریہ ۱۹۴۷ء کے تحت قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کو بعض ترامیم کے ساتھ پاکستان کے لیے عبوری آئین کے طور پر اختیار کیا گیا۔ ۱۹۳۵ء کا قانون متحدہ ہندوستان کے لیے مرتب کیا گیا تھا یہ ایک آزادی اسلامی مملکت کے لیے قطعی غیر موزوں تھا۔ پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی جسے انتقال اقتدار کے وقت بلا شرکت غیرے اختیارات حکمرانی تفویض کیے گئے تھے کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ قومی تقاضوں کے مطابق آئین سازی کے لیے جملہ انتظامات کرے۔ اس اسمبلی کا پہلا اجلاس ۱۱ اگست کو کراچی میں منعقد ہوا اور اس اجلاس میں قائد اعظم اسمبلی کے صدر چنے گئے تھے۔ اس کی معیاد کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ ابتداء میں اسمبلی کے اراکین کی تعداد ۶۹ تھی جس میں ۱۰ اراکین کا مزید اضافہ کیا گیا۔ اس طرح اراکین کی کل تعداد ۷۹ ہوگئی۔ (۲۳۶)

آئین ساز اسمبلی میں یوں تو مسلم لیگی اراکین کی واضح اکثریت تھی لیکن مشرقی بنگال کے کچھ ہندو اراکین اور مغربی حصے کے کچھ سوشلزم اور مغربی نظریات کے حامی افراد بھی اسمبلی میں موجود تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کے بیشتر اراکین بھی ایسا اسلامی نظام نہیں چاہتے تھے کہ جس میں علماء کو ممتاز حیثیت حاصل ہو۔ جدوجہد پاکستان کے دوران بار بار اس بات کا اعلان کیا جاتا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے گا اور تمام فیصلے قرآن و سنت کے مطابق کیے جائیں گے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، سید سلیمان ندوی، مولانا اشرف علی تھانوی، پیر صاحب مانکی شریف، پیر جماعت علی شاہ اور بہت سارے



Marfat.com

بزرگان دین و علماء نے اسی لیے قیام پاکستان کی حمایت کی تھی۔(۲۳۷)

## بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۵۰:

آئین ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد کی منظوری کی بعد مختلف کمیٹیاں اور سب کمیٹیا ں تشکیل دیں۔ان سب سے اہم بنیادی اصولوں کی کمیٹی(Basic Principles Committee) تھی اس میں مختلف سیاسی جماعتوں کے ۲۴ نمائندے شامل تھے۔لیاقت علی خان بحیثیت وزیر اعظم کمیٹی کے چیئرمین تھے۔۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے آئین ساز اسمبلی کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی۔رپورٹ کے اہم نکات حسب ذیل تھے۔

۱۔ وفاقی مقننہ، دو ایوانی ہو، ایوان بالا میں تمام صوبوں کو مساوی اور ایوان زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے۔

۲۔ صدر مملکت کو وفاقی مقننہ کے دونوں ایوان پانچ سال کے لیے منتخب کریں گے۔اور وفاقی مقننہ جب چاہے اسے دو تہائی اکثریت سے برطرف کر سکتی ہے۔

۳۔ صوبوں کی ایک ایوانی مقننہ ہوگی اور گورنر کی حیثیت صدر کے متشابہ ہوگی۔

۴۔ مرکزی اور صوبائی قانون میں تضاد کی صورت میں مرکزی قانون کو بالادستی حاصل ہوگی۔

۵۔ قومی زبان اردو ہوگی۔

پورے ملک میں اس رپورٹ پر سخت تنقید کی گئی۔رپورٹ میں اسلامی طرز حکومت کی ضمانت نہیں دی گئی تھی۔قرارداد مقاصد کو نظر انداز کیا گیا تھا۔بنگالی قائدین مضبوط مرکز کے تصور ہی کے خلاف تھے۔صدر کے غیر معمولی اختیارات کی وجہ سے آئینی ڈھانچے کو آمرانہ قرار دیا گیا۔رپورٹ کی مخالفت میں عوام کے جذبات دیکھتے ہوئے لیاقت علی خان نے ایوان سے درخواست کی ان کی تجاویز کو معرض التواء میں ڈال دیا جائے اور عوام سے اپیل کی کہ وہ رپورٹ میں ترامیم کی تجاویز پیش کریں۔تاہم ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی میں انہیں شہید کر دیا گیا۔ان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین نے فوری طور پر گورنر جنرل کا عہدہ چھوڑ کر وزیراعظم کا عہدہ سنبھال لیا تاکہ مذکورہ رپورٹ کو اپنی مرضی کے مطابق مرتب کرواسکیں۔(۲۳۸)

## قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات:

یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو نئے آئین کا نفاذ عمل میں آیا۔بنیادی جمہوریتوں کے اراکین نے اپریل ۱۹۶۲ میں قومی اسمبلی اور مئی ۱۹۶۲ء میں صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کو منتخب کیا۔۸ جون ۱۹۶۲ء کو قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس راولپنڈی میں ہوا۔آئین کے تحت ایوب خان نے حلف اٹھایا اور مارشل لاء اٹھالیا گیا۔

## صدارتی انتخابات ۱۹۶۴-۶۵ء:



Marfat.com

۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات کے لیے کنونشن مسلم لیگ نے ایوب خان کو صدارتی امیدوار نامزد کیا اور متحدہ حزب اختلاف جماعتوں نے محترمہ فاطمہ جناح کا نام صدارت کے عہدے کے لیے پیش کیا۔ ۳۱/اکتوبر کو مغربی پاکستان اور ۱۰/نومبر کو مشرقی پاکستان میں انتخابات ہوئے۔ ۲/ جنوری ۱۹۶۵ کو چیف الیکشن کمشنر مسٹر جی معین الدین نے انتخاباتی نتائج کا اعلان کیا۔ ایوب خان صدر منتخب ہوگئے جبکہ محترمہ فاطمہ جناح کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ انتخابی نتائج کچھ یوں تھے۔(۲۳۹)

کل رائے دہندگان ۸۰۰۰۰

| امیدوار | مغربی پاکستان | مشرقی پاکستان | کل ووٹ | فیصد ووٹ |
|---|---|---|---|---|
| ایوب خان | ۲۸۹۳۹ | ۲۱۰۱۲ | ۴۹۹۵۱ | ۶۲.۴۳ |
| فاطمہ جناح | ۱۰۲۵۷ | ۱۸۴۳۴ | ۲۸۶۹۱ | ۳۵.۸۶ |
| کے ایم کمال | ۹۰ | ۹۳ | ۱۸۳ | ۰۰.۲۲ |
| میاں بشیر احمد | ۵۴ | ۱۱ | ۶۵ | ۰۰.۰۸ |

## پاکستان میں فوجی اور جمہوری حکومتیں ۱۹۷۷ء تا حال

### مارشل لاء ۱۹۷۷ء

مارچ سے جولائی ۱۹۷۷ء تک پوراملک ذوالفقار علی بھٹو مخالف تحریک میں پیش پیش رہا۔ صدر مملکت چوہدری فضل الٰہی اس صورتحال کا خاموشی سے تماشا دیکھتے رہے۔ آئین کی رو سے وزیر اعظم کے مشورے کے بغیر صدر کوکچھ کرنے کا اختیار نہ تھا۔ صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اختیارات کی تقسیم غیر حقیقت پسندانہ تھی۔ حکومت اور پی این اے کے درمیان مذاکرات تعطل کا شکار ہوگئے۔ اس مشکل سے نکالنے کے لیے فوج کو ایک بار پھر مداخلت کرنا پڑی ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جب آپریشن فیر پلے (Fair Play)روبہ عمل میں آیا تو پورے ملک میں مارشل لاء لگ گیا۔ بری فوج کے سربراہ جنرل ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بنے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں برطرف اور اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔ لیکن اس بار آئین کو منسوخ نہیں کیا گیا بلکہ اس کی بعض دفعات کو معطل کر دیا گیا۔

### تحریک بحالی جمہوریت: ۱۹۸۱ء

۶/ جنوری ۱۹۸۱ء کو اہم سیاسی رہنماؤں کی ایک نشست بیگم نصرت بھٹو کی رہائش گاہ ۷۰ کلفٹن میں منعقد ہوئی۔ اس اجلاس میں ۹ مختلف الخیال سیاسی جماعتوں نے مل کر تحریک بحالی جمہوریت (Movement for Restoration of Democray-MRD) کے نام سے ایک متحدہ محاذ تشکیل دیا



Marfat.com

جس میں پاکستان پیپلزپارٹی، نیشنل ڈیموکریٹک، تحریک استقلال، پاکستان ری پبلکن پارٹی، جمعیت العلمائے اسلام، پاکستان مسلم لیگ (قاسم گروپ) کشمیر مسلم کانفرنس، نیشنل لبریشن فرنٹ، مزدور کسان پارٹی (فتحیاب گروپ) شامل تھیں۔ عوامی تحریک نے ۱۹۸۴ء میں شمولیت اختیار کی جبکہ تحریک استقلال ۱۹۸۶ء میں اس سے علیحدہ ہوئی۔ (۲۴۰) ابتدائی اجلاس میں بیگم نصرت بھٹو، خواجہ خیر الدین، سردار عبدالقیوم خان، مولانا فضل الرحمٰن، سردار شیر باز خان مزاری، اصغر خان، معراج محمد خان اور فتحیاب کے علاوہ دیگر رہنماؤں نے شرکت کی۔ اجلاس کے شرکاء کے دستخط سے ایک اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں شریک جماعتوں نے درج ذیل مقاصد کے حصول کے لیے مشترکہ جدوجہد کرنے کا عہد کیا۔ (۲۴۱)

## جمہوریت کی ناکامی کے اسباب

پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی کا بہت رونا رویا گیا اور عام تاثر یہ ہے کہ جمہوریت ہمارے عمومی مزاج کے خلاف ہے۔ کئی مصنفین نے جمہوریت کی ناکامی کا ذمہ دار ملک کی خود غرض، بدعنوان اور نااہل قیادت کو قرار دیا ہے۔ بعض مغربی مبصرین نے اس موضوع پر خیال آرائی کرتے ہوئے جمہوریت کی ناکامی کے اسباب ملک کے اساسی نظریئے یعنی اسلام میں تلاش کیے ہیں۔ معروف مغربی مصنف کلارڈ کے مطابق: "اسلام باضابطہ حزبِ اختلاف کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور یہ کہ بہت سے مسلمانوں کے نزدیک اچھی ریاست کا تصور ایک مضبوط لیڈر اور اس کی قیادت میں اپنے مقصد کی لگن سے سرشار اور متحد قوم سے عبارت ہے۔ (۲۴۲) یہ تصور کہ جمہوریت ہمارے عوام کے مزاج کے مطابق نہیں ہے اپنی جگہ محل نظر ہے۔ ماضی کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ہمارے عوام نے اجتماعی امنگوں کی ترجمانی کرنے والی تمام تحریکوں کی حمایت کی ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ قیام پاکستان کے بعد انہیں کوئی ایسی عوامی تحریک، سیاسی جماعت یا ہر دلعزیز سیاسی قیادت میسر نہ آسکی جو ان کے اجتماعی جذبوں کی عکاسی کرتی ہو۔ دوسری طرف حکمرانوں نے قومی معاملات پر عوام کی رائے دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ قومی افق پر اکثر و بیشتر نوکرشاہی یا غیر نمائندہ سیاست دانوں کا غلبہ رہا۔ اگر جمہوریت کی بنیادی تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو ان برسوں کے درمیان پاکستان کے طرز حکومت کو کسی طور بھی جمہوری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ دور دراصل ایک طرح کی نوکر شاہی کی حکومت کا دور تھا جس میں اقتدار گورنر جنرل، گورنر اور بیوروکریسی کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گیا تھا۔ اس صورتحال میں نہ تو ملک میں جمہوری ادارے فروغ پاسکے اور نہ ہی عوام کی سیاسی تربیت کا کوئی انتظام کیا جاسکا۔ (۲۴۳)

## جمہوری و سیاسی معاشرے کا قیام عوامی مطالبہ:

جمہوری معاشرے کا قیام ہمیشہ پاکستانی عوام کے مطمح نظر رہا اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ جمہوریت کے نظریہ کو چیلنج کرسکے۔ نظریہ پاکستان کا مقصد بھی دراصل ملک میں اسلامی اصولوں پر مبنی ایک



Marfat.com

جمہوری طرز حکومت کا قیام تھا۔ یہ مفروضہ کہ جمہوریت پاکستان میں ناکام ہوچکی ہے ہر اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ ملک میں پہلے عام انتخابات ۱۹۷۰ء میں منعقد ہوئے۔ اس تمام عرصے میں عوام کو دانستہ طور پر ملک کے سیاسی منظر نامے سے الگ رکھا گیا۔ قوم کے خودساختہ لیڈروں نے پارلیمانی اداروں کو تماشہ بناکر رکھ دیا تھا۔ آخر کار طالع آزماؤں کی سازشیں، دان رات بدلتی سیاسی وفاداریاں اور جوڑتوڑ پاکستانی جمہوریت کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سیاستدانوں کی اکثریت کو عوام میں کوئی قابل احترام مقام حاصل نہ تھا اور اگر ملک میں مناسب وقفوں کے بعد عام انتخابات باقاعدگی سے ہوتے رہتے تو ان کی اکثریت میدان چھوڑ کر بھاگ جاتی یا عوام انہیں مسترد کردیتے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ پاکستانی عوام نے جمہوریت کو مسترد کردیا تھا درست نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ایسا سوچنا ایک ایسی قوم پر آمریت پسندی کا الزام لگانا ہے جس نے ہمیشہ آمریت کے خلاف جنگ لڑی ہے۔

پاکستان میں جمہوریت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ یہاں جمہوری اداروں کو کھل کر کام کرنے دیا جائے۔ سوچنے کا مقام یہ ہے کہ ہندوستان میں پارلیمانی طرز حکومت کامیابی سے کام کرتا رہا جبکہ پاکستان میں اسے المناک انجام سے دوچار ہونا پڑا؟ اسلام جمہوریت کے ارتقاء کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا اس کے برعکس اسلام کا مدعا جمہوری اقدار کو فروغ دینا ہے۔(۲۴۴)

قیام پاکستان کے بعد معرض وجود میں آنے والی آئین ساز اسمبلی کا مقصد جمہوری آئین کی تیاری کے ساتھ ساتھ نوزائیدہ مملکت کے لیے ایک ذمہ دار حکومت کی تشکیل بھی تھا۔ مگر بدقسمتی سے یہ اسمبلی ان دونوں حوالوں سے بری طرح ناکام ثابت ہوئی کیونکہ اس کے اراکین کی اکثریت بدعنوان اور نااہل تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اسمبلی علاقائی اور مذہبی گروپوں کے دباؤ کے سامنے بے بس ہوتی چلی گئی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء کے دوران مختلف حکومتوں کے تحت نامزد کیے گئے تقریباً ایک تہائی وزراء اسمبلی کے باہر سے لے گئے تھے۔(۲۴۵) آئین ساز اسمبلی کے اراکین ہر قیمت پر اپنے لیے جاہ و منصب کے حصول کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ اس اسمبلی کے ۲۰ میں سے ۱۶ وزیر، اسمبلی کی حیات میں سفیر، گورنر جنرل بنے اور وزارت سے بچھڑنے کے بعد ۶ کے علاوہ سب نے سیاست کو خیر باد کہہ دیا۔(۲۴۶)

## جمہوریت اور قائد اعظم:

برصغیر کے مسلمانوں نے آزادی کی جنگ قائداعظم کی قیادت میں لڑی تھی۔ قائداعظم کو جمہوریت پر پختہ یقین تھا۔ انہوں نے ۱۹۴۳ء میں فرمادیا تھا کہ "جمہوریت ہمارے خون میں شامل ہے۔ یہ ہماری رگ رگ میں رچی ہوئی ہے۔" (۲۴۷)(۵) آزادی کے بعد قائد اعظم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ وہ عوام کے لیے اعتماد کا سرچشمہ تھے۔ کابینہ میں ان کی رائے قانون کا درجہ رکھتی تھی۔ کیتھ کلارڈ کے بقول "ان کی ذات ملک کا دوسرا نام تھی۔(۲۴۸) (۶) ان کی طاقت کا منبع ان کا عہدہ نہیں بلکہ عوام



Marfat.com

کے ساتھ ان کا تعلق تھا۔ ان کی موجودگی میں مشرقی پاکستان کے عوام قومی زبان کے مسئلے پر خاموش رہے۔(۲۴۹) (۷)البتہ طلبہ نے کچھ احتجاج ضرور کیا۔ کراچی کی علیحدگی پر بھی سندھ میں کوئی احتجاج نہ ہوا۔ قائداعظم جمہوریت کے بڑے داعی تھے اگر وہ زندہ رہتے تو جمہوری ادارے ان کی سرپرستی میں خوب فروغ پاتے۔(۲۵۰)

پارلیمانی طرز حکومت کی کامیابی کے لیے جمہوری اقدار کی پاسداری کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن پاکستان میں شروع ہی سے ان اقدار کو پامال کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا گورنر جنرل بننے کے بعد مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے کر ایک جمہوری روایت کا آغاز کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ سربراہ مملکت ہونے کی حیثیت میں ان کا تعلق کسی بھی سیاسی پارٹی سے نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انہوں نے ملک کے عوام کے مفادات کا بلاتفریق تحفظ کرنا ہے۔(۲۵۱) قائداعظم کے اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ کسی کو گورنر جنرل کی غیر جانبداری پر حرف گیری کا موقع نہ ملے اور مسلم لیگ کی تنظیم میں کوئی عہدہ نہ دیا جائے گا۔ خیال یہ تھا کہ مسلم لیگ ایک خودمختار ادارے کی حیثیت میں پارلیمانی پارٹی اور وزراء کی کارکردگی پر نظر رکھے گی اور یوں حکومت کا احتساب کرتی رہے گی۔ اگر یہ نظام جاری رہتا تو سیاستدانوں کو کھل کھیلنے سے باز رکھنے میں بڑی مدد مل سکتی تھی۔ مگر لیاقت علی خان نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد یہ روایت توڑ دی اور وہ جماعت کے آئین میں ترمیم کے بعد مسلم لیگ کے صدر بھی بن گئے۔(۲۵۲)(۱۳) اس طرح مسلم جمہوری اقدار کا زوال شروع ہو گیا۔ آخر کار مسلم لیگ حکمرانوں کے گھر کی لونڈی بن کر رہ گئی اور ایک آزاد اور خود مختار سیاسی جماعت کے طور پر اس کی حیثیت ختم ہوگئی۔ اس صورت حال کا دوسرا نتیجہ نکلا کہ جب سیاسی قیادت کمزور ہوگئی تو جماعتی اور ملکی معاملات میں بیوروکریسی کا اثرورسوخ تیزی سے بڑھنے لگا۔ بیوروکریسی کتنی ہی ایماندار اور اہل کیوں نہ ہو بہرحال سیاسی قیادت کا نعم البدل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ بیوروکریسی کی نہ ہی سیاسی تربیت ہوئی ہوتی ہے اور نہ ہی سیاسی ذہن ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت جلد غلام محمد گورنر جنرل بن گئے جنہوں نے جمہوری روایات کا جنازہ نکال دیا۔(۲۵۳)

جمہوری ممالک میں جہاں سیاسی جماعتیں منظم ہوں اور انہیں اہل قیادت حاصل ہو نوکرشاہی اعلیٰ سیاسی عہدوں کے پیچھے نہیں بھاگتی۔ مگر پاکستان میں بیوروکریٹس کی ایک قابلِ ذکر تعداد سیاسی راہنما بن گئی اور اس نے اس سیاسی خلاء سے پورا فائدہ اٹھایا جو سیاستدانوں کی عمومی نااہل قیادت کے فقدان کی وجہ سے ملک میں موجود تھا۔ چودھری محمد علی سے قطع نظر سیاستدانوں کا روپ اختیار کرنے والے ان بیوروکریٹس کے دلوں میں جمہوری روایات اور اصولوں کا احترام نہ ہونے کے برابر تھا۔ چودھری محمد علی کا معاملہ البتہ مختلف تھا وہ ایک مخلص راہنما تھے اور انہوں نے کبھی اقتدار سے چمٹے رہنے کی کوشش نہ کی۔ ان راہنماؤں کی یکطرفہ پالیسیوں نے پاکستان کی سیاست پر کاری زخم لگائے اور ملک میں جمہوری نظام کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کو وزارتِ اعلیٰ سے برطرف کر دیا حالانکہ وہ اسمبلی میں کامیاب بجٹ



Marfat.com

پیش کر چکے تھے اور انہیں اراکین کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی۔ مسلم لیگ پر غلام محمد کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس کے نامزد وزیر اعظم کو اسمبلی میں فوری طور پر اکثریت کی حمایت حاصل ہوگئی۔ حالانکہ خواجہ ناظم الدین اس وقت تک پارٹی کے صدر بھی تھے۔ پاکستان کی تاریخ کے اس دور کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کہ غلام محمد ملکہ برطانیہ کے نامزد گورنر جنرل تھے جبکہ خواجہ ناظم الدین عوام کے منتخب نمائندہ تھے۔ آئین کے مطابق وزیراعظم تو برطانیہ سے گورنر جنرل کی تبدیلی کی درخواست کرسکتے تھے مگر گورنر جنرل کو کسی بھی صورت میں اس وقت تک وزیر اعظم کو علیحدہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا جب تک مؤخرالذکر کو اکثریتی پارٹی کی حمایت حاصل ہو۔ چنانچہ اس طرح ملکہ کے نامزد گورنر جنرل نے جو کہ آئین کے تحت محض ایک علامتی سربراہ تھا آئین کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ ایسی مثالیں دنیا کے کسی اور جمہوری ملک میں شاید ہی ملیں۔ جہاں اس طرح کے کارنامے سرانجام دیئے جائیں اور ملک قائم ہوتے ہی جمہوری روایات توڑنے کی روایت ڈالی جائے وہاں جمہوریت کا مستقبل غیر یقینی ہونا قابلِ فہم بات ہے۔ (۲۵۴)

## سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینی پہلو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد جن امور کو اپنی ترجیحات میں رکھا ان میں سرفہرست آئینی ریاست کی تشکیل اور اس کا دستور متفقہ طور پر منظور کروانا تھا۔ نئی ریاست کے دستور کی تیاری آپ نے قیام مدینہ کے ابتدائی دنوں میں ہی شروع کر دی تھی کیونکہ مدینہ طیبہ میں آپ سے پہلے ہونے والی جنگوں خصوصاً جنگ بعاث نے اہل مدینہ کو اس سوچ بچار پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ مدینہ میں مستقل خون ریزی اور قتل غارت کے خاتمے کے لیے کچھ اقدامات کریں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد اس بات کے امکانات بہت روشن ہوگئے کہ مدینہ طیبہ لاقانونیت کی کیفیت سے نکل کر ایک منظم معاشرے میں ڈھل جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خداداد پیغمبرانہ صلاحیت کے ذریعے شروع ہی سے ایسے اقدامات کیے جن سے آگے چل کر ایک متفقہ دستور کی منظوری کی راہ ہموار ہوئی مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء کے بعد اہل خزرج کے ہاں قیام فرمایا۔ کیونکہ یہاں کے اکثر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی والدہ قبیلہ خزرج سے ہی تھیں۔ چنانچہ یہاں سے آپ کو دستور کی تیاری اور دستور کی منظوری کے حوالے سے واضح حمایت ملنے کے امکانات روشن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام کیا جہاں بنو نجار کا قبیلہ رہتا تھا اور جلد ہی وہاں کے لوگوں کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ اس اجلاس میں مدینہ منورہ کی وادی کے تمام نمائندے موجود تھے اور ان کے سامنے قیام حکومت کی تجویز پیش کی گئی۔ اس تجویز کو تقریباً سبھی لوگوں نے قبول کر لیا۔ مخالفت کرنے والے قبیلہ اوس کے دو یا چار افراد تھے۔



Marfat.com

اس طرح ایک مملکت کے قیام کی ابتداء ہوئی جس سے تاریخ انسانیت میں ایک نئے علمی، سیاسی، فکری، دستوری، معاشی اور سماجی دور کا آغاز ہوا اور انسانیت دور قدیم سے دور جدید میں داخل ہو گئی۔ بنیادی سنگ میل جو اس دورِ نو کا آغاز کا باعث بنا، حکمرانوں اور رعایا کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین کرنے والا ایک تاریخی دستور تھا۔ یہ دستور تمام شرکاء اجلاس کے مشورے سے مرتب اور منظور ہوا۔ اس طرح کائنات انسانی کا پہلا تحریری دستور وجود میں آیا۔(۲۵۵)

یہ دستور ریاست کی نوعیت و حیثیت، افراد ریاست کی آئینی حیثیت اور دیگر ریاستی امور سمیت تمام تفصیلات کا جامع احاطہ کرتا تھا جس کی تفصیل یہاں بیان کی جا رہی ہے۔

## جمہوری سیاسی ریاستِ مدینہ کے آئین کا دستوری و سیاسی تجزیہ

میثاق مدینہ نہ صرف دنیا کا پہلا تحریری دستور ہونے کے ناطے امتیازی حیثیت کا حامل ہے بلکہ اپنے نفس مضمون کے اعتبار سے بھی اعلیٰ ترین دستوری اور آئینی خصوصیات کا مرقع ہے۔ اگر جدید آئینی و دستوری معیارات اور ضوابط کی روشنی میں میثاق مدینہ کا تجزیہ کیا جائے تو وہ تمام بنیادی خصوصیات جو ایک مثالی آئین میں ہونی چاہئیں، میثاق مدینہ میں موجود نظر آتی ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے۔

### ۱۔ آئین ریاست مدینہ کے بنیادی اُصول

☆اللہ تعالیٰ کی حقیقی حاکمیت کا تصور

☆رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابتی حاکمیت کا تصور

☆تحریری دستور

### ۲۔ تشکیل مملکت

☆روح جمہوریت ☆مملکت کی اخلاقی اساس ☆کثیر الثقافتی سوسائٹی کا قیام

☆قومی وحدت ☆ریاستی قومیتوں کا تصور

### ۳۔ نظام مملکت

☆اختیارات کی عدم مرکزیت ☆اختیارات کا توازن ☆علاقائی خود مختاری

☆قانون کی حکمرانی اور بالا دستی ☆مقامی رسوم و قوانین کا احترام

☆معاشی کفالت کا تصور ☆دفاعی معاہدات

### ۴۔ معاصر امتیازات

☆بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت ☆مذہبی آزادی کا تحفظ ☆اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ



Marfat.com

☆خواتین کے حقوق کا تحفظ

## ۵۔نفاذِ آئین کی ضمانت

☆سازشی اور تخریبی سرگرمیوں کا تدارک ☆مدینہ کا دارالامن قرار دیا جانا

آئین مدینہ کی یہی جامعیت تھی کہ آج کے دستوری و آئینی ارتقاء کے زمانے میں بھی اغیار نے اس کی اس اہمیت کا اعتراف کیا۔ معروف مغربی مفکر (Watt M. Watt) ریاست مدینہ کے دستور کی آئینی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

In the main early source (a part from the Quran) for the career of Muhammad there is found a documtn which may conveniently be called 'the Constitution of Madina.(۲۵۶)

"اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن حکیم کے علاوہ بھی ایک ایسا documentپایا جاتا، جسے عام طور پر "دستور مدینہ" کہا جاتا ہے۔"

"نبی (Prophet) کی بجائے پیغمبر خدا (Messenger of God) کی اصطلاح کا استعمال واضح کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس عملی و سیاسی سرگرمیوں میں مشغول تھے وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کی گئی تھیں۔ اگر ہم مذہب و سیاست کے باہمی تعلق پر غور کریں تو فرد کی زندگی میں مذہب کے مقام کا تعین کرنا سہل ہوگا۔ جس شخص کے نزدیک مذہب صرف برائے نام وابستگی کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ واقعتاً کچھ وقعت رکھتا ہے، اس کے بارے میں دو نکات قابل غور ہیں:

۱۔ اس کے مذہبی نظریات اس کا عقلی ڈھانچہ ترتیب دیتے ہیں، جس میں وہ اپنے تمام اعمال پرکھتا ہے۔ اسی تعلق کے وسیع تناظر میں اس کی سرگرمیاں اپنی اہمیت اختیار کرتی ہیں۔ اور اسی تعلق پر غور و فکر اس فرد کی زندگی کے خاص گوشوں کو عمومی طور پر متاثر کرتا ہے۔

۲۔ چونکہ مذہب اس وسیع تناظر کے بارے میں شعور پیدا کرتا ہے جس میں آدمی کے مقاصد حیات متعین ہوتے ہیں اس لیے یہ اس کے اعمال کا محرک بھی ہوتا ہے۔ در حقیقت مذہبی ترغیب کے بغیر کئی سرگرمیاں جاری نہیں رکھی جا سکتیں۔

مذکورہ نکات سے واضح ہوتا ہے کہ مذہب کو فرد کی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ مذہب زندگی کی بہت سی جہات متعین کرتا ہے بلکہ اس لیے کہ یہ زندگی کے عام مقاصد متعین کرتا ہے اور فرد کو ان مقاصد کے حصول کے لیے اپنی توانائیاں مرکوز کرنے میں مدد دیتا ہے۔"

## اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دساتیر تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد جن امور کو اپنی ترجیحات



Marfat.com

میں رکھا ان میں سر فہرست آئینی ریاست کی تشکیل اور اس کا دستور متفقہ طور پر منظور کروانا تھا۔ نئی ریاست کے دستور کی تیاری آپ نے قیام مدینہ کے ابتدائی دنوں میں ہی شروع کر دی تھی کیونکہ مدینہ طیبہ میں آپ سے پہلے ہونے والی جنگوں خصوصاً جنگ بعاث نے اہل مدینہ کو اس سوچ بچار پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ مدینہ میں مستقل خون ریزی اور قتل غارت کے خاتمے کے لیے کچھ اقدامات کریں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد اس بات کے امکانات بہت روشن ہوگئے کہ مدینہ طیبہ لاقانونیت کی کیفیت سے نکل کر ایک منظم معاشرے میں ڈھل جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خداداد پیغمبرانہ صلاحیت کے ذریعے شروع ہی سے ایسے اقدامات کیے جن سے آگے چل کر ایک متفقہ دستور کی منظوری کی راہ ہموار ہوئی مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء کے بعد اہل خزرج کے ہاں قیام فرمایا۔ کیونکہ یہاں کے اکثر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی والدہ قبیلہ خزرج سے ہی تھیں۔ چنانچہ یہاں سے آپ کو دستور کی تیاری اور دستور کی منظوری کے حوالے سے واضح حمایت ملنے کے امکانات روشن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام کیا جہاں بنو نجار کا قبیلہ رہتا تھا اور جلد ہی وہاں کے لوگوں کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ اس اجلاس میں مدینہ کی وادی کے تمام نمائندے موجود تھے اور ان کے سامنے قیام حکومت کی تجویز پیش کی گئی۔ اس تجویز کو تقریباً سبھی لوگوں نے قبول کر لیا۔ مخالفت کرنے والے قبیلہ اوس کے دو یا چار افراد تھے۔ اس طرح ایک مملکت کے قیام کی ابتداء ہوئی جس سے تاریخ انسانیت میں ایک نئے علمی، سیاسی، فکری، دستوری، معاشی اور سماجی دور کا آغاز ہوا اور انسانیت دور قدیم سے دور جدید میں داخل ہو گئی۔ بنیادی سنگ میل جو اس دورِ نو کا آغاز کا باعث بنا، حکمرانوں اور رعایا کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین کرنے والا ایک تاریخی دستور تھا۔ یہ دستور تمام شرکاء اجلاس کے مشورے سے مرتب اور منظور ہوا۔ اس طرح کائنات انسانی کا پہلا تحریری دستور وجود میں آیا۔ یہ دستور ریاست کی نوعیت و حیثیت، افراد ریاست کی آئینی حیثیت اور دیگر ریاستی امور سمیت تمام تفصیلات کا جامع احاطہ کرتا تھا جس کی تفصیل یہاں بیان کی جا رہی ہے۔ (۲۵۷)

## مملکت خداداد پاکستان کے آئین کی اسلامی دفعات:

☆☆۔ دستور پاکستان ۱۹۵۶ء

☆۔ اس دستور کے مطابق ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

☆۔ دستور کے مطابق ملک کا صدر مسلمان ہو گا۔

☆۔ ایسا کوئی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہو اور موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالا جائے گا۔



Marfat.com

☆۔ دستور کے مطابق ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کیا جائے گا جو اسلامی احکام کی تدوین ونفاذ کے بارے میں تحقیق کرے گا۔

☆۔ ملک میں سود کا جلد از جلد خاتمہ کیا جائے گا۔

☆۔ پالیسی کے رہنما اصولوں میں کہا گیا کہ پاکستان کے دیگر اسلامی ممالک کیساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں گے۔(۲۵۸)

☆☆۔دستور پاکستان ۱۹۶۲ء کی اسلامی دفعات:

☆۔ دستور میں ملک کا نام جمہوریہ پاکستان تجویز کیا گیا بعد میں ایک ترمیم کے ذریعے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

☆۔ کوئی ایسا قانون لاگو نہیں کیا جائے گا جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو اور تمام موجودہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

☆۔ قرآن و اسلامیات کی تعلیم مسلمانوں کے لیے لازمی قراردی جائے گی۔

☆۔ حکومت زکوۃ،اوقاف اور مساجد کی تنظیم کے لیے ادارے قائم کرے گی۔

☆۔ اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی جائے گی جو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو مسلمانان پاکستان کی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے سلسلے میں اقدامات تجویز کرے گی۔

☆۔ حکومت ادارہ تحقیقات اسلامیہ قائم کرے گی جو اسلامی احکام کے بارے میں اپنی رائے دے گا۔(۲۵۹)

☆☆۔دستور پاکستان ۱۹۷۳ء کی اسلامی دفعات

☆۔ تمام کائنات پر اقتدار اعلیٰ حاکمیت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔وہ یہ اختیار پاکستان کے مسلمانوں کو تفویض کرتا ہے جو اسے مقدس امانت کے طور پر اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق استعمال کریں گے۔

☆۔ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا۔

☆۔ صدر اور وزیراعظم دونوں مسلمان ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو واحد اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول مانتے ہوں۔

☆۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں پہلی دفعہ مسلمان کی تعریف شامل کی گئی۔جس کی رو سے توحید، رسالت، قیامت، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرنا لازمی ہے۔

☆۔ غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہب اور عقائد پر عمل کرنے اور اپنی ثقافت اور روایات کو ترقی دینے کی مکمل آزادی ہوگی۔اقلیتوں اور دیگر پسماندہ طبقوں کے جائزہ حقوق کی



Marfat.com

حفاظت کا انتظام کیا جائے گا۔

☆۔ موجودہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات کے متصادم ہو۔

☆۔ قرآن اور اسلامیات کی تعلیم سکولوں اور کالجوں میں لازمی ہو گی۔

☆۔ سکولوں میں چھٹی سے آٹھویں تک عربی کی تعلیم لازمی ہو گی اور قرآن پاک کی طباعت غلطیوں سے پاک کی جائے گی۔

☆۔ اسلامی اقدار یعنی جمہوریت، انصاف، رواداری، آزادی اور مساوات آئین کا حصہ ہونگے۔

☆۔ ایسے حالات مہیا کیے جائیں گے کہ مسلمان انفرادی طور پر یا اجتماعی پر اپنی زندگیاں اسلام کے مطابق ڈھال سکیں گے۔

☆۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق حکومت زکوٰۃو عشر کا نظام قائم کرے گی اور زکوٰۃ کونسلیں بھی قائم کی جائیں گی۔

☆۔ حکومت سود کے نظام کو ختم کرے گی اور ملکی معیشت کو سود سے پاک کیا جائے گا۔

☆۔ اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی جائے گی جو قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانے میں قانون ساز اداروں کی راہنمائی کریگی اور موجودہ قوانین کو بھی اسلام کے مطابق ڈھالے گی۔(۲۶۰)

## تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء

1974ء میں وزیراعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں احمدیوں (قادیانیوں، مرزائیوں) کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا، اس تحریک کے اصل محرک مولانا شاہ احمد نورانی تھے انہوں نے ۳۰ جون کو ایک تاریخی قرارداد جمع کرائی اور ۶ ستمبر ۱۹۷۴ تک بحث و تمحیص کے بعد اسے ایک قانونی شق کی حیثیت دے دی گئی۔ دوسری آئینی ترمیم کے اس حصے جس میں قادیانیوں کو واضح طور پر آئین پاکستان نے غیر مسلم قرار دیا ہے، کو آرڈیننس ۲۰ کہا جاتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں کے خلاف کئی سال تک تحریکیں چلتی رہیں، ۱۹۵۳ اس حوالے سے زیادہ مشہور سال ہے ان تحریکوں میں کئی علماء مثلاً مولانا عبدالستار خان نیازی اور مولانا مودودی صاحب کو پھانسی کی سزا بھی سنائی گئی لیکن اس پر عملدرآمد نہ ہوا۔ آزاد کشمیر کی اسمبلی میں قادیانی عقائد کے خلاف ایک قرارداد منظور ہوچکی تھی کہ پنجاب کے شہر ربوہ میں ۲۹ مئی کو مسلمان طلباء پر قادیانیوں نے حملہ کرکے تشدد کیا جسے سانحہ ربوہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس واقعے کے بعد ملک بھر میں پریشانی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس واقعہ کے تھوڑا عرصہ بعد مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے قومی اسمبلی (پاکستان)



Marfat.com

نے ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں، احمدیوں اور لاہوری گروپ کے بارے میں ایک قرارداد پیش کی کہ یہ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور رسول تھے لہٰذا ان باطل عقیدے کی بنا پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

اس تحریک میں سب مکاتب فکر کے علماء مثلاً مولانا محمد یوسف بنوری، مفتی محمود اور مولانا مودودی کے علاوہ شیعہ علماء بھی شامل تھے علماء کے علاوہ دیگر بہت سے سیاستدانوں نے حصہ لیا جن میں جناب نوابزادہ نصر اللہ خان کا نام نمایاں ہے۔ سوائے چند ایک ارکان قومی اسمبلی پاکستان کے اکثر ارکان نے اس قرارداد کی حمایت میں دستخط کر دیئے۔ مرزائی/قادیانی اور لاہوری گروپ کے نمائندوں کو ان کی خواہش کے مطابق اپنی صفائی کا مکمل موقع دیا گیا اور دو ماہ اس پر بحث ہوتی رہی پوری قومی اسمبلی کے ارکان کو ایک کمیٹی کی شکل دے دی گئی تھی اور کئی کئی گھنٹے کیمرے کے سامنے بیانات و دلائل و جرح کا سلسلہ جاری رہتا۔ اس وقت کے اٹارنی جنرل جناب یحیٰ بختیار فریقین کے موقف کو سن کر ایک دوسرے تک بیان پہنچانے کا فریضہ سر انجام دیتے رہے۔ کمیٹی اس بات کی پابند تھی کہ کئی سال تک اس مناظرے کو کہیں نشر نہیں کرے گی۔

بہت سے سیاستدان اس تحریک سے قبل اس مسئلے کی سنگینی سے ناواقف تھے، لیکن جب انہیں کیمرے کے سامنے قادیانی نمائندوں (مرزا ناصر وغیرہ) کے قول و اقرار سے اصل صورت حال کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے ایمان کی حفاظت کے سلسلے میں سنجیدہ ہو گئے۔ بالآخر مرزا ناصر سے ایک سوال ہوا کہ اگر کبھی دنیا میں کہیں تم لوگوں کی حکومت قائم ہو جائے تو تم غیر احمدی (قادیانی/مرزائی) کلمہ گو مسلمانوں کو وہاں کس درجے میں رکھو گے تو اس نے جواب دیا کہ ہم انہیں اقلیت سمجھیں گے، یوں اس کے کلیہ کے مطابق قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ اب پاکستان کے مسلمان غیر سرکاری طور پر ۷/ستمبر کو یوم ختم نبوت کے طور پر مناتے ہیں۔

اس قانون کے پاس ہوتے ہی قادیانیوں نے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اس قانونی ترمیم کو چیلنج کیا، مسلمانوں کی طرف سے ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی اور قادیانیوں کی طرف سے فخرالدین جی ابراہیم نے اس کیس کی پیروی کی، لیکن مرزا غلام احمد کی تصانیف میں لکھی ہوئی اسلام مخالف باتیں دلائل قاطعہ ثابت ہوئیں اور قادیانی کورٹس میں بھی خود کو مسلمان ثابت نہ کر سکے (۲۶۱)۔

## پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام میں مارشل لا کے سائے:

پاکستان کی سیاسی تاریخ کو ایک فقرے میں بیان کرنا ہو تو کہا جائے گا کہ پاکستان کی آدھی تاریخ مارشل لا کی ہے اور آدھی تاریخ مارشل لا کے اثرات سے نجات حاصل کرنے کی تاریخ ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو پاکستان کی پوری تاریخ پر مارشل لا کا غلبہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مارشل لا کیوں لگتا



Marfat.com

ہے؟ مسلم دنیا کی تاریخ نو آبادیات کی تاریخ ہے، اور نو آبادیاتی تجربے کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ نو آبادیاتی طاقتوں نے اپنے غلبے اور تسلط کو مستحکم کرنے کے لیے مسلم دنیا میں سیاہ فام یورپی لوگوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جس کا ظاہر مقامی اور باطن یورپی تھا۔ یہ طبقہ اگرچہ معاشرے کے بالائی طبقات سے برآمد ہوا تھا، لیکن سول لوگوں کے پاس صرف یورپی ذہنیت تھی، ان کے پاس طاقت نہیں تھی۔ لیکن نو آبادیاتی طاقتوں نے فوج پیدا کی۔ اس کے پاس یورپی ذہنیت بھی تھی اور اسے حقیقت بنانے کے لیے طاقت بھی تھی۔ چنانچہ مسلم دنیا میں ہر جگہ فوج کے ادارے نے دیکھتے ہی دیکھتے مرکزیت حاصل کرلی۔ پاکستان میں یہ مسئلہ اس لیے اور بھی سنگین ہوگیا کہ پاکستان جن علاقوں پر مشتمل تھا ان کے لوگوں کی بڑی تعداد برطانوی فوج کا حصہ تھی۔ اصولی اعتبار سے فوج کی قوت کو معاشرے کی طاقت ہونا چاہیے تھا۔ لیکن فوج کی طاقت معاشرے کی کمزوری بن گئی۔ اس کی بنیادی وجہ پاکستانی فوج کے جرنیلوں کی حاکمانہ ذہنیت تھی۔ یہ جرنیل انگریزوں سے مستعار لی گئی ذہنیت کے زیراثر خود کو آقا اور عام افراد کو اپنا غلام سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حکومت کرنے کا حق صرف ہمارا ہے، اس لیے کہ ہم زیادہ اہل، زیادہ تعلیم یافتہ اور بہتر تربیت کے حامل ہیں۔ ہمارے مقابلے پر عوام کی اکثریت جاہل اور غیر منظم ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ دنیا اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ جنرل ایوب خان نے اگرچہ ۱۹۵۸ء میں مارشل لا لگایا، مگر پاکستان میں تعینات امریکی سفارت کاروں کے مراسلوں سے ثابت ہوچکا ہے کہ جنرل ایوب ۱۹۵۴ء سے امریکیوں کے رابطے میں تھے۔ مراسلوں کے مندرجات کے مطابق وہ امریکا کے سفارت کاروں کو بتارہے تھے کہ سول حاکم ریاست اور معاشرے کے بندوبست کو تباہ کررہے ہیں، اور فوج انہیں ہرگز ملک کی تقدیر سے کھیلنے کا حق نہیں دے سکتی۔ یہ خیالات ہر اعتبار سے غلط تھے۔ ملک کی آزادی میں جرنیلوں اور فوج کا کوئی کردار نہیں تھا۔ جنرل ایوب کو اپنے تجزیے کے لیے کسی اخلاقی اصول کی مدد فراہم نہ تھی، انہیں اپنے اس تجزیے کے لیے کوئی آئینی بنیاد مہیا نہ تھی۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتے تھے کہ اپنے عزائم اور منصوبوں کے سلسلے میں انہیں عوام کی عظیم اکثریت کی حمایت حاصل ہے۔ لیکن ان حقائق کے باوجود جنرل ایوب صرف تجزیہ کرکے نہیں رہ گئے، انہوں نے چار سال انتظار کے بعد ۱۹۵۸ء میں مارشل لا لگادیا۔ یہ عام لوگوں کے مقابلے پر فوجی ذہن کی برتری کو ٹھوس بنانے کی پہلی مثال تھی۔

لیکن مسئلہ صرف فوجی ذہن کے احساسِ برتری کا نہیں ہے۔ یورپی طاقتوں کے زوال کے بعد امریکا دنیا کی بڑی طاقت بن کر ابھر آیا تھا اور اسے مسلم دنیا میں ہر جگہ اپنے ایجنٹ درکار تھے، چنانچہ امریکا نے جنرل ایوب کے اقتدار کا نہ صرف یہ کہ خیر مقدم کیا بلکہ ان کی مکمل حمایت بھی کی۔ اس مرحلے پر یہ صرف جنرل ایوب کی "شخصی حمایت" تھی۔ لیکن جنرل ایوب دس سال تک اقتدار میں رہے اور فوجی آمریت کے اتنے طویل تجربے نے شخصی حمایت کو اداراتی حمایت یا Institutional Support بنادیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کی تاریخ مارشل لا کی تاریخ بن کر رہ گئی۔ ایسا نہیں تھا کہ امریکا کو سول حکمرانوں



Marfat.com

میں ایجنٹ فراہم نہیں تھے، مگر سول حکمران فوجی حکمرانوں کی طرح طاقت ور اور بے باک نہیں تھے۔ ان پر عوامی دباؤ کسی نہ کسی حد تک مؤثر ہوتا تھا، اور یہ بات امریکا کے مفاد میں نہیں تھی۔ چنانچہ پاکستان میں جو مارشل لا لگا، امریکا کی حمایت سے لگا۔ امریکا اور دیگر مغربی ملکوں کی حمایت کے بغیر بھی ملک میں مارشل لا لگ سکتے تھے، لیکن ایسی صورت میں مارشل لا "طویل" اور "مکرم" نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن معاملہ صرف اتنا سا نہیں ہے۔ بھارت ہمارے ساتھ آزاد ہوا۔ اُس کے پاس فوج بھی ہم سے بڑی تھی۔ اس فوج کا بھی ایک نوآبادیاتی پس منظر تھا، لیکن اس کے باوجود بھارت میں کبھی مارشل لا نہیں لگا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ بھارت میں بڑی سطح کے قائدین طویل عرصے تک زندہ رہے۔ چنانچہ بھارت میں بھارت کا مطلب گاندھی تھا، نہرو تھا، سردار پٹیل تھا۔ پاکستان میں قائداعظم چند سال بھی زندہ رہ جاتے تو یہی ہوتا۔ لیکن قائداعظم قیام پاکستان کے ایک سال بعد ہی رخصت ہوگئے اور پاکستان کی تعریف متعین کرنے والی کوئی شخصیت موجود نہ رہی۔ بھارت کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم زاویہ یہ تھا کہ کانگریس صرف شہروں میں نہیں قصبوں اور دیہات میں بھی منظم تھی، لیکن پاکستان میں مسلم لیگ پہلے دن سے ایک "سرکاری جماعت" تھی، اس کی عوام میں جڑیں ہی نہیں تھیں۔ چنانچہ کسی آمر کو کبھی عوامی مزاحمت کا خوف لاحق نہ ہوسکا، اور جنرل ایوب سے جنرل پرویز مشرف تک جس آمر نے جو چاہا، کیا۔ بلاشبہ مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف جنرل پرویز مشرف کے بڑے ناقد ہیں، مگر وہ خود فوجی آمروں کی پیداوار ہیں اور جنرل پرویز کے مارشل لا سے قبل انہوں نے کبھی فوجی آمریت کی مذمت نہیں کی تھی۔ آج بھی ان کا یہ معاملہ ہے کہ ان کے گھر کی ایک کھڑکی عوامی سیاست اور دوسری کھڑکی جرنیلوں کی خوشنودی کے آنگن میں کھلتی ہے۔ اگرچہ آئین کبھی بھی فوجی آمروں کا راستہ روکنے میں کامیاب نہیں ہوا، لیکن پاکستان کے ابتدائی برسوں میں موجود آئینی خلا نے جنرل ایوب کے حوصلوں کو بلند کیا اور اس طویل مارشل لا کی راہ ہموار کی جو باقی فوجی آمروں کے لیے ایک مثال بن گیا۔

آئین اگرچہ ایک کاغذی دستاویز ہوتا ہے، لیکن آئین اپنی نہاد میں کسی قوم کی آرزوؤں اور تمناؤں کا اظہار ہوتا ہے۔ آئین اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ کسی قوم کے لیے کیا قابلِ قبول ہے اور کیا قابلِ قبول نہیں ہے۔ لیکن پاکستان کو ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء تک آئین ہی فراہم نہ ہوسکا، چنانچہ سات سال تک قوم کو معلوم ہی نہ ہوسکا کہ اس کی اجتماعی آرزوئیں اور تمنائیں کیا ہیں؟ اس کی سمتِ سفر کیا ہے؟ اس کی منزل کیا ہے؟ ۱۹۵۴ء میں ملک کو آئین فراہم ہوا مگر یہ عبوری آئین تھا جو ۱۹۵۶ء میں جاکر مستقل آئین بنا۔ لیکن اس کے صرف دو سال بعد جنرل ایوب آگئے اور انہوں نے ۱۹۵۶ء کے آئین کو اٹھاکر ایک طرف پھینک دیا اور قوم کی اجتماعی آرزوئیں ایک بار پھر ابہام کی دھند میں کھوگئیں۔ پاک بھارت تعلقات کی تاریخ بھی ملک میں فوجی آمریت کے لیے نفسیاتی اور جذباتی فضا مہیا کرتی رہی ہے۔ بھارتی حکمرانوں کے رویوں نے پاک بھارت تعلقات کو تنازعات اور تصادم کی تاریخ بنادیا، اور اس فضا میں جرنیلوں کو آسانی کے ساتھ



Marfat.com

"ہیرو" اور "محافظِ پاکستان" کا تشخص عطا کردیا۔ اتفاق سے ۱۹۶۵ء کی جنگ قوم اور فوج نے یکجان ہوکر لڑی، اور اس جنگ میں بھارت پاکستان سے کئی گنا زیادہ طاقت رکھنے کے باوجود پاکستان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس صورت حال نے اس خیال کو تقویت دی کہ بھارت کا مقابلہ فوجی قیادت ہی کرسکتی ہے۔ ہماری قومی نفسیات میں اس خیال کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بھٹو صاحب لبرل تھے، سوشلسٹ تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے بھارت مخالف جذبات کو ہوا دی اور ایک نئی فوجی آمریت کے لیے نفسیاتی فضا تیار کی۔ ہماری قومی تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ ہماری عدلیہ نے نہ صرف یہ کہ مارشل لا کو قبول کیا بلکہ اس کو آئینی جواز بھی مہیا کیا۔ اس صورت حال نے پورے معاشرے میں مارشل لا کے حوالے سے ایک بے حوصلگی پیدا کی، اور ملک میں یہ خیال عام ہوا کہ جب ملک کا سب سے طاقت ور ادارہ مارشل لا کی مزاحمت نہیں کرسکتا تو پھر کسی اور کی کیا بساط ہے! اس کے باوجود بھی ملک میں فوجی آمریتوں کی جتنی مزاحمت ہوئی وہ حیران کن ہے، اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پاکستانی معاشرے کی مزاحمتی قوت کتنی زیادہ تھی۔ اس مزاحمت سے کوئی مارشل لا ختم تو نہ ہوسکا لیکن اس مزاحمت نے یہ کمال ضرور کیا کہ پاکستان کا کوئی فوجی آمر دس سال سے زیادہ نہ ٹک سکا۔ یہ مزاحمت نہ ہوتی تو پاکستان میں بھی حسنی مبارک اور کرنل قذافی جیسے کردار طلوع ہوکر رہتے۔(۲۶۲)

## پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام انتخابات

## تمام مسائل کی جڑ اور کرپٹ جمہوری سیاسی نظم

آیئے اس امر کا جائزہ لیں کہ ہمارے موجودہ جمہوری سیاسی نظام میں وہ کیا کیا خامیاں اور بنیادی نقائص ہیں جن کے پیشِ نظر ملکی معاملات خرابی کا شکار ہورہے ہیں۔ پاکستان میں رائج موجودہ جمہوری سیاسی نظام انتخابات جسے سادہ اکثریتی نظام کہا جاتا ہے کسی بھی لحاظ سے عوام کی حقیقی نمائندگی اور حقیقی جمہوریت کا عکاس نہیں۔ ذیل میں مختلف جہات سے پاکستان کے موجودہ نظام انتخابات کی خامیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

### ۱- اسلامی تصورِ نمائندگی سے تصادم

اسلام میں خلافت و نیابت کے سنہری اصول اور شوریٰ اور اولی الامر کی اہلیت کا معیار دیا گیا ہے۔ اکثریت کی نمائندہ حکومت کے قیام کے واضح اصول بھی موجود ہیں جبکہ موجودہ نظام کے تحت اکثریت کی ناپسندیدہ حکومت تشکیل پاتی ہے۔ اسے عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسی شوریٰ (پارلیمنٹ) اسلامی شوریٰ نہیں کہلا سکتی اور نہ ہی ایسے نمائندوں کو اقتدار سونپا جا سکتا ہے جو اپنی جیت کے لئے اپنی انتخابی مہم کو میلے یا سرکس کے انداز میں چلاتے ہیں اور اپنے آپ کو منتخب کروانے کے لئے ہر جائز وناجائز ذریعہ استعمال کرتے ہیں۔ اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ذاتی مفادات کی جنگ



Marfat.com

ہے، اس میں عوام کی خیر خواہی اور خدمت کا کوئی جذبہ کار فرما نہیں ہوتا۔

پاکستان کی فیڈرل شریعت کورٹ میں ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے بعد بہت سی درخواستیں موجودہ نظام انتخابات اور انتخابی قوانین کو کالعدم قرار دینے کے لئے دائر کی گئیں اور ان درخواستوں کے دلائل کی بنیاد پر فیڈرل شریعت کورٹ نے بھی موجودہ نظام انتخاب کو قرآن و سنت کے اصولوں کے خلاف قرار دیا تھا۔ ان درخواستوں کی سماعت کے دوران سب سے بڑی دلیل یہی پیش کی گئی تھی کہ موجودہ نظام انتخاب میں انتخابی مہم ایک میلے یا سرکس کے انداز میں چلائی جاتی ہے۔ ہر امید وار کی اولین ترجیح اپنی ذات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا اور اپنے حریف امیدوار کی کردار کشی ہوتی ہے۔ امیدوار منافقت اور فریب کا لبادہ اوڑھے ہوئے لالچ، دھونس، دھمکی اور جھوٹے وعدوں کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے حتی الامکان زیادہ سے زیادہ ووٹوں کے حصول کی خاطر ایک ایک دروازے پر پہنچ کر ووٹروں کا تعاقب کرتا ہے۔ وہ تنخواہ یافتہ کارکنوں کی فوج حتی کہ بعض اوقات انتخابی مہم کے حربوں میں خصوصی طور پر تربیت یافتہ بیرونی ماہرین کی خدمات بھی حاصل کرتا ہے۔ امیدوار کی بینروں، پوسٹروں اور بلے کارڈوں کے ذریعے بڑے پیمانے پر جھوٹی تشہیر کی جاتی ہے۔ مہنگی گاڑیوں اور ٹرکوں پر سوار کرائے کے رضا کاروں کے جلوس سڑکوں محلے محلے گاؤں گاؤں نعرے لگاتے ہوئے گشت کرتے اور ووٹروں کی حمایت حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ امیدوار کی اپنی خواہش اور اس کے بھاری خرچ پر ہوتا ہے۔ حمایت حاصل کرنے کے لیے علاقائی، فرقہ وارانہ، قبائلی اور اس طرح کے دوسرے تعصبات کو استعمال کیا جاتا ہے، بوگس اور جعلی ووٹ بھگتنا معمول کی بات ہے۔ بالآخر جو سب سے اونچے داؤ لگا کر یہ کھیل کھیلتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

## ۲- اکثریت کی نمائندگی سے محروم حکومت

موجودہ نظام انتخاب کے تحت جو بھی حکومت بنتی ہے صحیح معنوں میں اقلیتی حکومت ہوتی ہے۔ چونکہ اس نظام کے تحت ایک امید وار کل رجسٹرڈ ووٹوں کا بہت تھوڑا حصہ لے کر بھی کامیاب ہو سکتا ہے۔ حتی کہ اپنے حریف امیدواروں سے محض ایک ووٹ کی سبقت ہی کامیابی کے لئے کافی ہے۔ اس نمائندگی کی حقیقت اس تجزیے سے سامنے آتی ہے:

فرض کیجئے ایک حلقہ انتخاب میں ایک لاکھ رجسٹرڈ ووٹر ہیں۔ ان میں سے ۵۰,۰۰۰ افراد نے اپنا حق رائے دہی اپنے پسندیدہ امیدواروں کے حق میں استعمال کیا۔ کل ۵ امیدواروں نے انتخاب میں حصہ لیا۔ ایک امیدوار نے ۱۲,۰۰۰ ووٹ حاصل کیے۔۔۔ دوسرے نے ۱۱,۵۰۰ ووٹ حاصل کیے۔۔۔ تیسرے نے ۱۱,۰۰۰ ووٹ حاصل کیے۔۔۔ چوتھے نے ۹,۵۰۰ اور پانچویں نے ۸,۰۰۰ ووٹ حاصل کئے۔ اس طرح موجودہ نظام کے تحت ۱۲,۰۰۰ ووٹ حاصل کرنے والا امیدوار اس حلقے کا نمائندہ قرار دے دیا جائے گا حالانکہ ۳۸,۰۰۰ افراد اسے نمائندہ نہیں بنانا چاہتے اور ۵۰,۰۰۰ افراد نے ان تمام پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے



Marfat.com

ہوئے اور ان کے ذریعے تبدیلی نہ آنے کے یقین کے ساتھ اپنا رائے حق دہی استعمال ہی نہیں کیا۔ مگر ۱۲ ہزار ووٹ لینے والا صرف اس لئے کامیاب قرار دیا گیا کہ اس نے اپنے حریف امیدوار کے مقابلے میں ۵۰۰ووٹ زیادہ لئے ہیں اور اب وہ ایک لاکھ افراد کے حلقہ انتخاب کا نمائندہ تصور کیا جائے گا۔

## ۳- موجودہ نظام میں نمائندگی کا تناسب

مندرجہ بالا تجزیے کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان میں ۱۹۷۰، ۱۹۷۷، ۱۹۸۵، ۱۹۸۸، ۱۹۹۰، ۱۹۹۷، ۲۰۰۲ اور ۲۰۰۸ کے انتخابات کا جائزہ لیں تو ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی جہاں امیدوار محض چند ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب ہوئے اور پورے حلقہ انتخاب کے نمائندے قرار دیے گئے اور مجموعی طور پر برسراقتدار آنے والی سیاسی جماعتوں نے بھی بہت کم ووٹ حاصل کیے۔ مثلاً ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں برسراقتدار جماعت کو صرف ۳۸.۹ فیصد ووٹروں کی تائید حاصل تھی۔۔۔ ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی نے ۳۷.۶۳ فیصد ووٹ اور ۴۵ فیصد نشستیں حاصل کیں جبکہ اسلامی جمہوری اتحاد نے ۲۹.۵۶ فیصد ووٹ حاصل کیے اور ۲۸ فیصد نشستیں حاصل کیں۔ اس طرح اس نظام انتخاب کے تحت پیپلز پارٹی نے ووٹوں کے تناسب سے زیادہ نشستیں حاصل کیں اور اسلامی جمہوری اتحاد نے تناسب سے کم نشستیں حاصل کیں۔

۱۹۹۰ء کے انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کو ۳۷.۳ فیصد ووٹ ملے اور ۱۰۶ نشستیں ملیں یعنی ۵۲.۸ فیصد۔۔۔ جبکہ پی ڈی اے کو ۳۶.۶۵ فیصد ووٹ ملے اور نشستیں ۴۴ یعنی ۲۲.۷ فیصد۔۔۔ اس طرح اس نظام انتخاب کے تحت ووٹوں میں صرف ایک فیصد کے فرق سے ۶۲ نشستوں کا فرق پڑ گیا۔ اس کے بعد نصف سے بھی کم نشستیں حاصل کرنے والی جماعت نے حکومت سازی کے مرحلہ پر درپردہ دھاندلی اور اراکین اسمبلی کو ہارس ٹریڈنگ کے عمل سے خرید کر حکومت بنا لی اور وہ حکومت ملک بھر کے عوام کی نمائندہ حکومت کہلائی۔

اسی طرح مجموعی ٹرن آوٹ کے اعتبار سے ان انتخاب کا جائزہ لیا جائے تو ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں ڈالے جانے والے ووٹوں کی شرح کا تناسب سرکاری اعداد و شمار کے مطابق تقریباً ۶۳ فیصد تھا، جو کہ بعد ازا ں آنیوالے انتخابات میں بتدریج کم ہوتا رہا۔۔۔ ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات میں ٹرن آوٹ ۴۳.۰۷ فیصد ہوا۔۔۔ ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات میں ۴۵.۴۶ فیصد تک پہنچ گیا۔۔۔ ۱۹۹۳ء کے عام انتخابات میں ۴۰.۲۸ فیصد پر آ گیا۔۔۔ ۱۹۹۷ء کے عام انتخابات میں ۳۵.۴۲ فیصد کی نچلی سطح پر آ گیا۔۔۔ ۲۰۰۲ء کے عام انتخابات میں ۴۱.۲۶ فیصد کی سطح پر پہنچایا گیا۔۔۔ ۲۰۰۵ء میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں ووٹوں کا ٹرن آوٹ ۳۰ فیصد کی انتہائی نچلی سطح تک گر گیا حالانکہ یہ الیکشن لوکل سطح پر منعقد ہوئے اور ان میں لوگوں نے زیادہ بڑھ چڑھ کر مقامی نمائندوں کو ووٹ دیئے۔۔۔ ۲۰۰۸ء کے عام انتخابات میں ٹرن آوٹ تقریباً ۴۴ فیصد رہا۔ اس تقابل سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوام موجودہ مہنگے اور بد عنوان انتخابی نظام سے مایو س



Marfat.com

ہو چکے ہیں اور انہیں موجودہ نظام انتخابات کے ذریعے ملک میں کوئی مثبت تبدیلی آنے کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا۔

اسی طرح اگر ہم ان انتخابات میں انفرادی امیدواروں کی جیت کا تناسب دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں بھی توازن نہیں اور کوئی بھی امیدوار اپنے مدمقابل امیدواروں سے محض ایک ووٹ کی برتری لے کر کامیاب ہو سکتا ہے، چاہے اسے رائے دہندگان کی اکثریتی تعداد ناپسند کرتی ہو۔

موجودہ نظام انتخابات کے تحت منعقد ہونے والے انتخابات اور ان سے بننے والی حکومتوں کو حاصل کردہ ووٹوں اور نشستوں کے جائزے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نظام انتخاب کے تحت نہ تو کوئی رکن پارلیمنٹ عوام کی اکثریت کا نمائندہ ہوتا ہے اور نہ ہی ان نمائندوں کے ذریعے بننے والی حکومت عوام کی اکثریت کی نمائندہ حکومت ہوتی ہے جبکہ ایک جمہوری نظام کی لازمی شرط یہ ہے کہ جمہور (عوام کی اکثریت) کو منتخب اداروں میں واضح نمائندگی ملے جو کہ موجودہ نظام میں کسی شکل میں بھی پوری نہیں ہوتی۔

## ۴۔ سرمایہ دار و جاگیردار کا محافظ نظام

موجودہ نظام انتخابات صرف سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ اس نظام کے تحت صرف سرمایہ دار اور جاگیر دار ہی منتخب ہو سکتے ہیں۔ یہ ایسا نظام ہے جس میں پولیس کی موجودگی میں لیڈی پولنگ سٹاف کی تھپڑوں سے پٹائی پر قانون کسی جاگیردارنی خاتون کو روکنے سے معذور ہے اور الیکشن کمیشن اُسے نااہل کرنے کے بجائے اسے دوبارہ انتخابات کے لئے اہل قرار دیتا ہے۔ اس نظام میں عوام کو دہشت زدہ کر دیا گیا ہے اور ان کی ذاتی پسند کو محدود کر دیا جاتا ہے ان سے جبراً ووٹ لیے جاتے ہیں۔ جب اقتدار ان طبقات کے ہاتھ میں آتا ہے تو یہ صرف ایسے قوانین وضع کرتے ہیں اور دستور اور قانون میں ایسی ترمیم کرتے ہیں جن سے صرف ان کے اعلیٰ سطحی مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ عوام کے مفاد میں کوئی فیصلہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی پالیسی بنتی ہے۔ اس کی مثال آئندہ آنے والے انتخابات کے لئے الیکشن کمیشن کی طرف سے جاری کردہ نامزدگی فارم ہیں جن میں ڈیفالٹرز، قرض خوروں، ٹیکس چوروں اور یوٹیلٹی بلز کی عدم ادائیگی کرنے والوں کو ایک طرف نااہل قرار دیا جارہا ہے اور دوسری طرف اس قانون سے بچنے کے لئے کسی بھی کورٹ سے Stay لینے کی صورت میں چور دروازہ فراہم کرتے ہوئے اہل بھی قرار دیا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں آج تک غریب عوام کی بہتری کے لئے ان بالادست طبقات کے ہاتھوں کوئی اصلاحات نافذ نہیں ہو سکیں اور نہ ہی اسلامی قوانین اور شریعت محمدی کا نفاذ ہو سکا ہے۔ چونکہ شریعت کا نفاذ ان بالادست طبقات کے مفاد میں نہیں اس لئے ان طبقات کے ہوتے ہوئے



Marfat.com

عوامی مفادات و حقوق کا تحفظ ہوسکتا ہے اور نہ شریعت کا نفاذ ممکن ہے۔اس کی عملی مثال سابقہ حکومت کے آخری دن میں جب عوامی مسائل کے بارے میں کوئی بل منظور نہیں ہوا جبکہ ذاتی مفادات اور سیاسی خلیفوں کو خوش کرنے کے لیے راتوں رات بل منظور کیے گئے۔۔۔ ذاتی تنخواہیں بڑھانے کے لیے متفقہ قراردادیں منظور کی گئیں۔اسی سوچ نے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ شہروں میں سرمایہ دار جبکہ دیہاتی علاقوں میں جاگیر دار اور وڈیرے اس نظام پر مسلط ہیں۔

## ۵- دھن، دھونس اور دھاندلی کا آزادانہ استعمال

اس نظام میں امیدوار چونکہ محض ایک ووٹ کی برتری سے بھی کامیاب ہوسکتا ہے اس لیے ناجائز ذرائع اور سرکاری پشت پناہی کے حامل امیدوار اپنے مدمقابل کو شکست دینے اور خوفزدہ کرنے کے لئے دھن، دھونس اور دھاندلی کے تمام ممکنہ طریقوں کا آزادانہ استعمال کرتے ہیں۔پاکستان میں ہر انتخاب میں بر سر اقتدار حکومتوں اور بالا دست طبقات نے دھن، دھونس اور دھاندلی کی بنیاد پر الیکشن جیتنے کے بعد بھی اپنے مدمقابل کو ذلیل ورسوا کرنے اور اسے ہر ممکن انتقام لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اسے انتہائی بہیمانہ اور غیر شریفانہ طریقوں سے نقصان پہنچاتے رہے۔ان بالادست طبقات کو ہمیشہ یہ اطمینان رہتا ہے کہ ہمارے حلقے محفوظ ہیں اور ہمارے سوا کوئی دوسرا شخص ہمارے حلقے سے منتخب نہیں ہوسکتا اس لئے وہ اس نظام انتخاب کے تحت اپنے استحصالی، جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ مفادات کے لئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے اور ان کی اجارہ داریاں ہمیشہ برقرار رہتی ہیں۔ ان اجارہ داریوں کے ہوتے ہوئے پاکستان کے موجودہ سماجی و سیاسی حالات میں تبدیلی کی توقع قطعاً نہیں کی جا سکتی۔

## ۶- مفاد پرست افراد کا چناؤ

موجودہ نظام نے ہمیشہ اسمبلیوں میں بیشتر نا اہل اور مفاد پرست افراد کو بھجوایا ہے جنہوں نے ملک و قوم کی خدمت کی بجائے اپنے ذاتی مفادات کا تحفظ کیا۔ہارس ٹریڈنگ، رشوت، غبن، لوٹ مار، خیانت اور ناجائز طریقوں پر کروڑوں اربوں روپے کے قرضے لینا اور دھوکہ دہی سے اِن قرضوں کو معاف کروانا ان اراکین کا معمول رہا ہے۔پارلیمنٹ ممبران میں اپنی طاقت اور اثرو رسوخ کے بل بوتے پر حکومتی اداروں کے نادہندہ ہوئے ہیں، اپنے عزیزوں کے نام پر اربوں روپے معاف کرواتے ہیں۔یہ قرض پاکستانی عوام پر مہنگائی اور بدحالی کی صورت میں اضافی بوجھ کا سبب بنتے ہیں۔ لیکن ہمارے غریب عوام اس حقیقت سے واقف نہیں اور ہر بار اپنے پیٹ کاٹ کر سرمایہ اور اختیار انہی لٹیروں کو دیتے رہے۔

اسی طرح عوام کی خدمت اور علاقہ کی بہتری کے نام پر کروڑں روپے کے منصوبے منظور کروائے مگر انہیں اپنے ذاتی مفاد ات کے لئے استعمال کیا۔ عوام کے منتخب نمائندوں کی حیثیت سے جتنی



Marfat.com

بھی مراعات ملیں سب اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کیں۔کارخانوں کے لائسنس اور پرمٹ، پلاٹوں اور جاگیروں کا حصول ان اراکین کا شیوہ رہا۔یہ نااہل اور مفاد پرست افراد ایک بالا دست طبقے کی حیثیت سے عوام کا استحصال کرتے رہے اور کر رہے ہیں، یہ لوگ ہمیشہ انتخابات کے موقع پر عوام کے خادم اور غریبوں کے ہمدرد کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔پہلے انتخابات جیتنے کے لئے لاکھوں کروڑوں روپے داؤ پر لگاتے ہیں اور پھر اسمبلی میں بیٹھتے ہی پہلے چند روز میں وہ سارا خرچہ (اصل زر) وصول کر لیتے ہیں اور بقیہ سال سارے منافع کے ہوتے ہیں۔

## ۷- علاقائی اور فرقہ وارانہ تقسیم کا موجب

پاکستان کے چاروں صوبوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور مختلف مسالک کے لوگ آباد ہیں مگر بد قسمتی سے اس نظام انتخابات کے تحت ہمیشہ علاقائی، گروہی، لسانی اور فرقہ وارانہ مسائل کو انتخابی نعروں کے طور پر استعمال کیا گیا اور انتخابات میں نشستوں کے حصول کے لیے مختلف سیاستدانوں نے رائے دہندگان کے جذبات کو مشتعل کر کے اپنے لیے تائید حاصل کی۔سندھ ایک عرصہ سے لسانی کشیدگی اور فسادات میں جل رہا ہے۔ہزاروں گھرانے برباد ہو چکے ہیں اور ہزاروں لوگ اس آگ میں جل چکے ہیں۔ پنجاب، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں ایک عرصہ سے مذہبی کشیدگی اپنے عروج پر ہے اور کئی لوگ اس کشیدگی کے باعث قتل ہو چکے ہیں اور سینکڑوں بے گناہ لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ان سب فسادات کے پیچھے نام نہاد لیڈروں کے سیاسی مفادات کار فرما ہیں اور یہ مفادات محض اس نظام انتخاب کی وجہ سے ہیں جن میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اور یہ قوم مزید تقسیم در تقسیم کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔

## ۸- کمزور حکومتوں کی تشکیل

اس نظام انتخابات کے ذریعے جتنی بھی حکومتیں بنیں کمزور ثابت ہوئیں اور حکومتوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوج اور بیوروکریسی کو اپنا پیشہ وارانہ کردار چھوڑ کر سیاسی کردار ادا کرنا پڑا۔ نتیجتاً سیاسی نظام میں عدم استحکام رہا۔۔۔ حکومتیں اپنی کمزوری کے باعث جلد ٹوٹتی رہیں۔۔۔اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ملک پر حکمرانی کرتے رہے۔۔۔ملک سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی انحطاط کا شکار ہو گیا۔۔۔سیاسی جماعتوں کو اب اس نظام میں نہ تو کسی ٹھوس پروگرام کے پیش کرنے کی ضرورت رہی اور نہ کسی دستور و منشور کی۔۔۔انہیں نہ کوئی جانتا ہے اور نہ پڑھتا ہے۔ہر جماعت کو جیتنے والے امیدواروں (Winning Horses) کی ضرورت ہوتی ہے اور انہی کے ذریعے انتخاب جیتا جاتا ہے اس میں عوام کا کردار محض نمائشی اور رسمی رہ گیا ہے۔اس نظام میں یہی پہلو حکومتوں کو کمزور اور سیاسی نظام کو غیر مستحکم رکھتا ہے۔ اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر فوجی آمریت بار بار جمہوری بساط لپیٹتی ہے اور پھر ملک اندھیروں کی نظر



Marfat.com

ہو جاتا ہے۔

## ۹- نمائندوں کا احتساب ناممکن

موجودہ نظام انتخاب کے تحت نمائندے منتخب ہونے کے بعد بالعموم ہر قسم کے احتساب سے بالاتر رہتے ہیں۔رائے دہندگان کے پاس کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنے نمائندوں کا احتساب کر سکیں اور نہ ہی سیاسی جماعتوں کے پاس کوئی اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی ٹکٹ پر منتخب ہونے والے نمائندوں کی گرفت کر سکیں یا پانچ سال سے پہلے ان نام نہاد نمائندگان کو تبدیل ہی کیا جاسکے۔اس طرح یہ نمائندے نہ صرف اپنی پارٹی کے منشور اور پروگرام سے انحراف کرتے ہیں بلکہ رائے دہندگان سے کئے گئے وعدوں کو بھی فراموش کر دیتے ہیں اور اگلے انتخابات پر دھن، دھونس اور دھاندلی کی بدولت دوبارہ منتخب ہو جاتے ہیں اور مسلسل اپنے ہی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔بدنام زمانہ "قومی مفاہمتی آرڈیننس NRO" اس کی ایک مثال ہے جس کے ذریعے سیاست دانوں کو مقدس گائے قرار دے کر انہیں ہر طرح کے احتساب سے بالاتر قرار دے دیا گیا۔

## ۱۰- عوام کی عدم دلچسپی میں اضافہ کا باعث

پاکستان میں اس نظام کے تحت جتنے بھی انتخابات منعقد ہوئے ان میں سرکاری اعداد وشمار کے مطابق زیادہ سے زیادہ ۴۵ فیصد افراد نے رائے دہی میں حصہ لیا۔دوتہائی رائے دہندگان نے انتخابات سے عدم دلچسپی کا اظہار کیا۔اس تناسب میں سے ووٹرز کو جبراً گاڑیوں میں بھر بھر کر ووٹ ڈلوانے کے عمل کو نکال دیں تو اپنی مرضی سے ووٹ دینے والے لوگوں کا تناسب شاید ۱۵٪ سے زیادہ نہ ہو گا۔

(1) رائے دہندگان نے ہمیشہ ان انتخابات سے بیزاری کا اظہار کیا اور عدم دلچسپی کی وجہ نظام انتخابات سے اعتبار اٹھ جانے کو بتایا اور اس نظام سے مایوسی کا اظہار کیا۔

(2) اس نظام انتخابات میں جس طرح کے نمائندے منتخب ہوتے ہیں سنجیدہ اور تعلیم یافتہ طبقہ اسے کماحقہ اہل نہیں سمجھتا ان کی مجبوری ہے کہ جو افراد کھڑے ہیں انہی میں سے کسی ایک کے حق میں ووٹ ڈالیں۔

(3) اس نظام انتخابات کے تحت امیدواروں کی مہم کے دوران جو ماحول بنتا ہے اور اس مہم کے نتیجہ میں پولنگ کے بعد آنے والے نتائج عوام کی توقعات کے برعکس ہوتے ہیں اور رائے دہندگان کو یہ یقین ہو چکا ہے کہ ان کا ووٹ بے معنی ہے، ملکی تقدیر کا فیصلہ خفیہ قوتوں کے ہاتھ میں ہے۔لہذا اس کا ووٹ دینا نہ دینا برابر ہے۔

(4) پولنگ کے دن سیاسی دھڑے بندیاں اپنے عروج پر ہوتی ہیں۔پرچی بنوانا، پولنگ سٹیشن تک جانا اور مختلف کیمپوں میں بیٹھنا، بعض شرفاء اس کشمکش میں اپنے آپ کو فریق نہیں بنانا چاہتے چنانچہ وہ رائے



Marfat.com

دہی کیلئے اپنا حق استعمال ہی نہیں کرتے۔

## ۱۱- قومی مسائل حل کرنے میں ناکام نظام

اس نظام انتخابات کے تحت جتنی بھی حکومتیں بنیں ان کی اولین ترجیح اپنے اقتدار کو دوام دینا، اپنے مفادات کا تحفظ کرنا، حزب اختلاف کو ملک دشمن عناصر قرار دے کر انتقامی کاروائیاں کرنا اور اگلے انتخابات کے لئے ملکی حالات کو اپنے لئے ساز گار بنانے پر مرتکز رہی ہے۔ اس طرح ان حکومتوں کو کبھی بھی قومی مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ چنانچہ قیام پاکستان کے ۶۵ سال بعد بھی قومی مسائل حل نہیں ہوسکے بلکہ ہر اسمبلی پہلے سے موجود مسائل کے انبار میں اضافہ کر کے رخصت ہوتی جاتی ہے۔

## ۱۲- ظلم اور اندھیر نگری پر مبنی نظام انتخابات

اس ملک میں ایک چپڑاسی کی تقرری کے لئے بھی میرٹ شرط ہے اور ایک کلرک کی تقرری کے لئے بھی تعلیمی قابلیت مقرر ہے، حتی کہ تحریری امتحان اور انٹرویو بھی لازمی ہے۔ ایک ڈرائیور کی تقرری کیلئے بھی ٹیسٹ اور انٹرویو ضروری ہے۔ الغرض کسی چھوٹی تقرری سے لے کر بڑی تقرری تک سکول، کالج، یونیورسٹی کے اساتذہ، ڈپٹی کمشنر، کمشنر، سیکرٹری وغیرہ کی سطح تک بغیر مطلوبہ تعلیمی قابلیت اور تجربہ کے کسی شخص کی تقرری عمل میں نہیں آتی۔

موجودہ نظام انتخابات کے تحت صرف پاکستان کی قومی اور صوبائی اسمبلیاں ایسے ادارے ہیں جہاں ایم این اے اور ایم پی اے بننے کے لئے کسی قسم کی قابلیت، تجربہ، مہارت کردار اور ذہانت جیسی خصوصیات کی ضرورت نہیں رہی۔ بمشکل ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں ارکان کی اہلیت کے لیے بی-اے کی شرط رکھی گئی تھی، مگر مفاد پرست سیاست دانوں کے مفادات پر ضرب پڑتی تھی، نئے چہرے سامنے آرہے تھے، لہٰذا اس کو بھی تبدیل کر دیا گیا۔ یہاں صرف سرمایہ و دولت، غنڈوں اور رسہ گیروں کی فوج، ناجائز اور غیر قانونی اسلحہ اور حکومتی پارٹی کا ٹکٹ کی شرائط کو پورا کرنے والا شخص جیسا بھی ہو قومی یا صوبائی اسمبلی کا رکن ہوسکتا ہے۔

## ۱۳- مہنگا ترین نظام انتخاب

موجودہ نظام انتخاب میں ٹکٹ کی خریداری سے لے کر تشہیر، گاڑیوں کے استعمال، انتخابی دفاتر کے قیام، دفاتر میں پر تعیش کھانے، ٹینٹ، سپورٹرز کے لیے ٹرانسپورٹ اور دیگر اخراجات، ووٹوں کی خریداری، انتخابی عملہ کی تعیناتی اور اپنی حمایت کے لیے رشوت، پولنگ والے دن سینکڑوں گاڑیوں، ہزاروں لوگوں کے کھانے، ٹینٹ وغیرہ پر اور بعد ازاں رزلٹ کو اپنے حق میں کروانے کے لیے رشوت کی ادائیگی پر اٹھنے والے کروڑوں روپے درکار ہیں۔ کوئی قابل اور لائق فرد محض اس قدر خطیر رقم نہ ہونے کی وجہ سے اس



Marfat.com

سے باہر ہے۔ موجودہ نظام کے تحت کسی امیدوار کو قومی اسمبلی کا الیکشن لڑنے کے لیے ۱۰ سے ۲۰ کروڑ جبکہ صوبائی اسمبلی کے لیے ۱۰ سے ۱۵ کروڑ روپے درکار ہیں۔

## ۱۴- خاندانی اجارہ داری کا ذریعہ

موجودہ نظام انتخاب میں کیونکہ سرمایہ کا بہت بڑا کردار ہے۔ اس لیے پورے آسمان سیاست پر چند خاندان ہی مسلط نظر آتے ہیں۔ آج پاکستانی سیاست پر لغاری، مزاری، کھوسے، چوہدری، خان، کاکڑ، میاں، زرداری، کاہرے، رئیسانی اور کھر وغیرہ اور اسی طرح کے خاندان چھائے ہوئے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ سلسلہ ان کی اگلی نسلوں تک جاری ہے۔ گزشتہ ۶۵ سالوں سے ہر جماعت کا سربراہ، اسکا بھائی، بیوی، بیٹی، بیٹا اور دیگر رشتہ دار ہماری نسلوں پر حکمرانی کر رہے ہیں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ اس قوم پر مسلط رہنے کے لیے ایک ہی خاندان میں سے ایک فرد ایک جماعت جبکہ دوسرا فرد دوسری جماعت کی طرف سے الیکشن لڑتا ہے۔ عوام کو ظاہر کیا جاتا ہے کہ دونوں مدمقابل ہیں اور ہماری عوام کی یہ سادگی ہے کہ ان میں سے ایک کو جتوا دیتی ہے جبکہ کھیل اصلاً یہ ہے کہ کوئی بھی جیتے، سیٹ تو خاندان میں رہے گی۔ ۶۵ سال سے اس قوم کے ساتھ یہ ہی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

## ۱۵- اکثریت پر اقلیت کی حکمرانی

اس ملک کی ۹۸٪ عوام غریب، محنت کش اور لاچار ہے۔ پڑھے لکھے نوجوان جذبہ، ولولہ اور بیدار مغز ہونے کے باوجود نظام انتخاب کی وجہ سے آگے بڑھ نہیں سکتے جبکہ اس نظام کے ذریعے ۹۸٪ عوام کی تقدیروں کے فیصلے وہ ۲٪ خواص کرتے ہیں جن میں اکثریت کو نہ تو غریب عوام کے مسائل کا علم ہے اور نہ ہی وہ خود کبھی بھوک، کسمپرسی اور تکلیف کی کیفیت سے گزرے ہیں۔ وہ کیا جانیں کہ غریب کا دکھ کیا ہے؟... غریب کے حالات اسی وقت بدلیں گے جب ایسا نظام انتخاب رائج ہو کہ غریبوں کا نمائندہ غریبوں میں سے منتخب ہو کر اسمبلی میں جائے۔

## ۱۶- ارکان اسمبلی کی خرید و فروخت کا ذریعہ

حکومت کی تشکیل کے وقت منشور اور ملی جذبے کے بغیر محض مفادات کے لیے الیکشن لڑنے والے کامیاب امیدواروں کی خرید و فروخت کے لیے منڈی لگائی جاتی ہے۔ اور اس منڈی میں ہر کوئی زیادہ سے زیادہ داموں بکنے کے لیے اپنے دام بڑھاتا ہے۔ تجزیہ ہے کہ پاکستان میں کسی بھی فرد کے پاس مطلوبہ تعداد میں ارکان اسمبلی خریدنے کے لیے پیسے ہوں تو وہ بغیر پروگرام اور منشور کے خریدی ہوئی اسمبلی کے ذریعے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا حکمران بن سکتا ہے۔ یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ایسی اسمبلی اور ممبران کس طرح غریب عوام کے حقوق کی ادائیگی کے حق میں فیصلہ کر سکتے ہیں اور عوامی فلاح کے لیے فیصلے



Marfat.com

کیسے ممکن ہیں۔

## ۱۷- منافع بخش کاروبار اور کرپشن کا ذریعہ

موجودہ نظام انتخاب کے ذریعے ٹکٹ کی خریداری سے لے کر اسمبلی تک پہنچنے کے لیے کروڑوں روپے کے اخراجات آتے ہیں۔ ممبر اسمبلی جب اس قدر خطیر رقم خرچ کرتا ہے وہ اسمبلی میں پہنچ کر اپنی سابقہ انویسٹمنٹ پوری کرنے، آئندہ الیکشن اخراجات اور منافع کے حصول کے لیے کل اخراجات سے تین گنا رقم بٹورنے کے لیے کرپشن کرتا ہے اور ضمیر تک فروخت کرنے کو تیار ہوتا ہے، ناجائز ٹھیکے دیے جاتے ہیں۔ خصوصی پرمٹ اور وزارتیں سب اسی مال بنانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے لوگ قومی سوچ، ملکی مفادات، عوامی فلاح کے جذبے سے عاری ہوتے ہیں اور غریب عوام اور پاکستان وہاں کے وہاں کھڑے ہیں۔ ریلوے، سٹیل مل، پی آئی اے اور دیگر ادارے اسی سوچ کی بھینٹ چڑھے ہیں۔

## ۱۸- منشور کمزور لیکن امیدوار طاقتور

موجودہ نظام انتخاب میں ہر پارٹی کو طاقتور امیدوار (Winning Hourses) کی ضرورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے صلاحیت، کردار، نظریہ، پارٹی منشور کو بالائے طاق رکھ کر پارٹی قیادت ان امیدواروں کے حصول کے لیے اصولوں پر بھی سمجھوتہ کر لیتی ہے۔ اسی بنا پر حکومت سازی کے بعد بھی پارٹی قیادت پروگرام کے مطابق حکومت چلانے کی بجائے ان ارکان کی خوشامدوں میں مصروف رہتی ہے اور اکثر ان کے مفادات کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔ اسی طرح عوامی پروگرام اور بڑے بڑے نعرے سالوں کی حکمرانی کے بعد بھی ادھورے رہتے ہیں اور قوم کو پھر ایک نیا نعرہ دے کر بے وقوف بنایا جاتا ہے۔

## ۱۹- گونگوں اور بہروں کی پارلیمنٹ کی تشکیل

موجودہ نظام انتخاب کے ذریعے آنے والے اراکین اسمبلی کا مقصد عوامی فلاح اور قومی مفاد کا تحفظ نہیں ہے۔ اس لیے اسمبلی کے اجلاس کے دوران اراکین اسمبلی کی حاضری مکمل نہ ہونا معمول ہے۔ اخبارات کا ریکارڈ اس کا گواہ ہے۔ کئی اراکین اسمبلی میں وہ ہیں جنہوں نے ایک مرتبہ بھی اپنا مائیک آن نہیں کیا اور نہ ہی اسمبلی میں بحث، نقطہ اعتراض یا ایک لفظ بھی بولا ہو بلکہ میڈیا گواہ ہے کہ ہمارے اراکین پارلیمنٹ دورانِ اجلاس بھی خواب خرگوش کے مزے لیتے رہتے ہیں۔ ملک کے اس قدر اعلیٰ ادارے میں جہاں قوم کی تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں، قوانین بنتے ہیں اس طرح کا غیر سنجیدہ عمل فیصلہ سازی کے عمل کو مشکوک بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوامی فلاح اور قومی ترقی کے حوالے سے قانون سازی نہیں ہو پاتی۔ اگر کوئی فیصلہ ہو بھی جائے تو اس پر عملدرآمد کے اثرات عوام تک نہیں پہنچتے۔

## ۲۰- بے وقعت و بے اختیار پارلیمنٹ

تاریخ گواہ ہے کہ اس ملک میں حکمرانوں نے ذاتی مفادات اور حکومت کو طول دینے کے لیے



Marfat.com

راتوں رات قانون سازی کروائی اور اراکین اسمبلی نے بھر پور تائید کی۔ پارلیمنٹ فیصلے کرتی ہے مگر اس کی قدر نہ ہونے کی وجہ سے عملدرآمد نہیں کرواسکتی۔ یہ پارلیمنٹ اس وقت تک طاقتور نہیں ہوسکتی جب تک اس کی تشکیل کے لیے نمائندگان کے چناؤ کے نظام (انتخابی نظام) میں تبدیلی نہ کی جائے۔

## ۲۱- قانون شکن ہی قانون ساز

موجودہ نظامِ انتخاب کا عجیب تماشہ ہے کہ اس ملک میں قانون سازی کے لیے ان افراد کو منتخب کرنا پڑتا ہے جو خود قانون شکن ہوں اور دن دیہاڑے سر عام قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوں۔ بلکہ اب تو پاکستان میں یہ بات عام ہو چکی ہے کہ اس ملک میں کوئی جتنا بڑا قانون شکن ہوگا اسی قدر بڑے عہدے پر فائز کیا جاتا ہے۔(۲۶۳)

## اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کے استحکام اور نظامِ انتخابات کے لیے مجوزہ اقدامات

1۔ملک و قوم کی نجات اسی میں ہے کہ شفاف نظام انتخاب اپنایا جائے۔ آج ملک میں سینٹ، قومی و صوبائی اسمبلیوں میں خواتین و اقلیتوں کی نشستوں کی حد تک جزوی طور پر متناسب نمائندگی کا بالواسطہ نظام نافذ ہے لیکن ملک وقوم کو شفاف نظام انتخاب عطا کرنے کے لئے پورے ملک میں مکمل طور پر متناسب نمائندگی کا پارلیمانی نظام انتخاب نافذ کیا جانا ضروری ہے۔ لہذا پاکستان عوامی تحریک یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ملک میں رائج کرپٹ اور مہنگے نظام انتخاب کو تبدیل کرکے مکمل طور پر متناسب نمائندگی کا پارلیمانی انتخابی نظام نافذ کیا جائے۔

2۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ متناسب نمائندگی کے پارلیمانی انتخابی نظام کے بآسانی نفاذ کے لئے آئین کے آرٹیکل 51 (4) (a) میں ترمیم درکار ہے جبکہ انتخابات میں ووٹ کاسٹ کرنے کے لئے ووٹروں کی شرائط، شناختی نظام، ووٹرز لسٹوں، پولنگ سکیموں، بیلٹ پیپروں اور پولنگ ایجنڈوں کا موجودہ نظام برقرار رہے گا۔ البتہ عوام کو ووٹ کاسٹ کرنے کے لئے قانوناً پابند کیا جانا ہوگا اور میڈیا، NGOs اور سیاسی جماعتیں ووٹ کاسٹ کرنے کے لئے ترغیب کی تحریک بپا کریں گی تاکہ لوگ ووٹ کاسٹ کرنے کے عمل کو اپنا قومی وملی فریضہ سمجھیں اور اس کے لئے گھروں سے اس طرح نکلیں جیسے کہ کسی بڑے زلزلہ یا طوفان سے بچنے کے لئے نکلتے ہیں کیونکہ انتخابات میں ووٹ کاسٹ نہ کرنے یا ووٹ غلط کاسٹ کرنیکے نقصانات کسی زلزلے یا طوفان سے کم نہیں ہوتے۔

3۔ اس مجوزہ الیکشن مہم کے لئے سیاسی جماعتوں کے قائدین کے ریڈیو اور سرکاری و نجی ٹی وی چینلز کے ذریعے اپنے منشور، پالیسی اور نامزد امیدواروں کی تشہیر کے لئے انٹرویوز نشر کروائے جائیں۔ اس دوران ملک کے دانشور، صحافی، سامعین و ناظرین ان سے براہ راست سوالات کرسکیں گے۔



Marfat.com

4۔ شفاف انتخابات کے عمل کو یقینی بنانے کے لئے عدلیہ کی زیر نگرانی غیر جانبدار عبوری قومی حکومت کا قیام انتہائی لازمی ہوگا۔ چیف الیکشن کمیشن کو بہر صورت با اختیار اور غیر جانبدار ہونا چاہیے، جس کے لئے ضروری ہے چیف الیکشن کمشنر سپریم کورٹ کا کوئی نیک نام جج ہو۔

5۔ انتظامیہ، لوکل گورنمنٹ اور الیکشن کمیشن کو عدلیہ کی مکمل نگرانی میں دینا ہوگا۔ حکومت اور لوکل گورنمنٹ کے ترقیاتی فنڈز کے استعمال پر وقتی طور پر پابندی لگانا ہوگی، سیاسی جماعتیں اسمبلیوں کی نشستوں کی تعداد کے مطابق میرٹ کی بنیاد پر اپنے باصلاحیت امیدواروں کی ناموں کی فہرستیں الیکشن کمیشن کو پیشگی طور پر فراہم کریں گی جو کہ آئین کے آرٹیکل ۶۲، ۶۳ کے معیار پر بھی پورا اترتے ہوں گے جبکہ آئین کے آرٹیکل ۵۱ کے تحت سینیٹ، خواتین اور اقلیتوں کی نشستوں کے بالواسطہ طریقے سے متناسب انتخاب کا موجودہ نظام برقرار رہے گا جس میں حلقہ وار امیدواروں کے انتخاب کے بجائے سیاسی جماعتوں کے درمیان انتخابی عمل کی یہ شق شامل کرنا ہوگی کہ "قومی وصوبائی اسمبلی کے لئے سیاسی جماعتوں کو صوبہ بھر سے ملنے والے ووٹوں کے تناسب سے نشستیں ملیں گی جو کہ کسی سیاسی جماعت کی پیشگی فراہم کردہ فہرست سے کامیابی کے تناسب سے لئے جائیں گے۔"

6۔ متناسب نمائندگی کے پارلیمانی نظام کے تحت موجودہ نشستوں کی تعداد اور ان کی صوبوں کی آبادی کی بنیاد پر تقسیم کا موجودہ نظام برقرار رہے گا۔

## پاکستان کا مجوزہ جمہوری سیاسی نظام تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روشنی میں

### ☆☆ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے لیے جرات مند اور مخلص قیادت کی ضرورت:

کسی بھی ملک کی داخلی وخارجی سلامتی کے لئے چند لازمی عناصر ہوتے ہیں جن کا گراف جس قدر اونچا ہوتا ہے ملک اسی قدر مستحکم و مضبوط ہوتا ہے اور جتنا گراف نیچے آتا ہے ملک اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔ ان میں سب سے پہلی چیز یا راس العناصر جرات مند، نڈر اور مخلص قیادت ہے جو نا مساعد حالات میں بھی قوم میں مایوسی پیدا نہ ہونے دے۔ قوم کے سامنے ایسا نصب العین پیش کرے جو اتنا واضح ہو کہ قوم کو اس کی حقانیت میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ پھر قیادت اس نصب العین کے ساتھ اتنی مخلص ہو کہ قوم کا کوئی فرد اس کے اخلاص پر انگلی نہ رکھ سکے۔ قیادت میں اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو قوم کی طرف سے وفا ہمیشہ غیر مشروط ہوتی ہے اور قوم وقیادت کے درمیان اس طرح کا وفادارانہ تعلق ملکی استحکام میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔



Marfat.com

اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے موجود ہے اعلان نبوت کے بعد کون سی ایسی اذیت اور مصیبت ہے جو مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہیں آئی۔ مگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کٹھن حالات میں بھی نہ خود ہمت ہاری نہ پستی دکھائی نہ اپنے مشن سے پیچھے ہٹے۔(۲۶۴) نہ اپنے ماننے والوں کا حوصلہ پست ہونے دیا بلکہ کلمہ طیبہ کی برکت سے انہیں عرب و عجم کے باج گزار ہونے کا مژدہ سنایا(۲۶۵) لوگوں کے ساتھ مخلصانہ ہمدردی، خیر خواہی اور غمخواری کی چشم دید گواہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریب ترین شخصیت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ نے دی(صحیح بخاری: ۱: ۳طبع کرزنی پریس دہلی)اپنی قوم کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی کا بے مثال طرز عمل آپ نے اس وقت بھی نہ چھوڑا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس لاکھ مربع میل کے واحد حکمران تھے۔(۲۶۶)اور جب رب کریم نے آپ کے واسطے زمین کے خزانے کھول دیے بلکہ زمین کے خزانوں کی چابیاں عنایت فرمادی تھیں۔(۲۶۷)جب آپ کے سامنے ہدایا، خمس، جزیہ اور مال غنیمت کا ڈھیر لاگ جاتا تھا۔(۲۶۸)اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہاڑوں کو سونا بنادینے کی پیشکش کی گئی تھی۔(۲۶۹)اپنی لیڈری چمکانے کے لیے عوام کی ہمدردی، خیر خواہی اور خدمت کے نعرے لگانے والے تو بہت مل سکتے ہیں چشم فلک نے آج تک ایسا قائد نہیں دیکھا جس پر ہن برس رہا ہو، اقتدار قدم چوم رہا ہو عیش و آرام کے تمام مواقع میسر ہوں مگر یہ دعا کر رہا ہو اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔(۲۷۰)شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے بقول:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں، نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں(۲۷۱)

## ☆☆ پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے کامیابی کے لیے دیانت دار، اہل اور خادم انتظامیہ کا تقرر

ملکی استحکام کے لئے عہدوں پر حکومت کے تمام چھوٹے بڑے عہدوں پر انتہائی دیانت دار، اہل علم، باصلاحیت اور خادم بن کر قوم کی خدمت کرنے والے افراد کا تقرر ضروری ہے۔ بد دیانت، کرپٹ اور نااہل لوگ نہ صرف ملک کا وقار بلند نہیں کرسکتے بلکہ ملکی سالمیت و بقاکو بھی خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔ اسلام میں کوئی حکومتی عہدہ ایک امانت اور انتہائی ذمہ داری کی چیز ہے، دوسرے لفظوں میں کانٹوں کی سیج نہ کہ پھولوں کی۔(۲۷۲) کوئی حکومت اگر کسی نا اہل آدمی کو کسی منصب پر فائز کرتی ہے تو قرآن مجید اسے خیانت قرار دیتا ہے(۲۷۳)(سورۃ الانفال: ۲۷)ابن تیمیہؒ نے زیادہ اہل اور مستحق شخص کے مقابلے میں کسی بھی وجہ سے دوسرے آدمی کے تقرر کو اللہ ورسول اور مومنوں سے غداری اور بے وفائی قرار دی



Marfat.com

ہے۔(۲۷۴)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عمال اور حکومتی کارندوں کا تقرر ہمیشہ ان کی ذاتی اہلیت اور تقویٰ کی بنیاد پر کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقرری سے قبل ان کا امتحان لیا کرتے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا گورنر بنا کے روانہ فرمانے لگے تو پوچھا کس طرح تم لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کروگے؟ انہوں نے حسب منشا جواب دیا تو انہیں شاباش دی۔(۲۷۵)

آگے چل کر خلیفہ راشد سیدنا فاروق اعظمؓ نے تو عمال کو تقرری سے قبل کئی چیزوں کا پابند بنایا۔(۲۷۶)

## ☆☆ پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے استحکام کے لیے حقدار کو حق کی ادائیگی:

جس قوم کو بنیادی حقوق حاصل نہ ہوں اور ان کے فرائض کا صحیح تعین نہ کیا گیا ہو وہ قوم کسی میدان میں مستحکم نہیں ہو سکتی۔ بنیادی ضروریات زندگی، جان، مال اور عزت کی حفاظت اور دیگر سیاسی و سماجی حقوق فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی ریاست میں اس قسم کے تمام حقوق مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی حاصل تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی حکومت میں بہت کم احتجاج تحریکیں اٹھیں۔ معاشرے کے اکثر افراد کو حقوق بلا امتیاز مہیا کیے گئے تھے چنانچہ معاشرے میں امن و سکون کا دور دورہ تھا۔(۲۷۷)

حکومت کو چاہیے کہ حقوق کی فراہمی میں امتیازی سلوک کا خاتمہ کرے تاکہ معاشرے کے کمزور افراد محروم نہ رہیں اور کسی طبقے کا استحصال نہ ہونے پائے۔ اجرتوں کا صحیح تعین کیا جائے تاکہ مزدور اور عام طبقہ متاثر نہ ہو کیونکہ اس طرح کی صورتحال میں طبقاتی کشمکش پروان چڑھتی ہے اور لوگ اپنی جملہ صلاحیتوں کو بطریق حسن استعمال نہیں کر سکتا۔ بعض حقوق و فرائض ایسے ہوتے ہیں جو قومی یا علاقائی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں اگر ان کی طرف صحیح توجہ نہ دی گئی تو بھی ملک میں داخلی عدم استحکام کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور ملکی ترقی کی راہیں مسدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء ہی سے خصوصی توجہ فرمائی چنانچہ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی مختلف قبائل کے درمیان حقوق و فرائض کا صحیح تعین فرمایا۔(۲۷۸)

۱۔ پاکستان میں موجود بعض سرحدی قبائل کے درمیان بعض تنازعات صرف اس وجہ سے ہیں کہ ان کی حدود کا تعین موجود نہیں۔ اس ضمن میں حکومت کو چاہیے کہ صحیح علاقائی تقسیم کرے اور ظالمانہ قبضے ختم کرائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل کے درمیان علاقائی تنازعات کو ختم کیا اور ظالمانہ قبضوں کے خاتمہ کے لیے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

۲۔ پاکستان میں بسنے والے تمام قبائل و اقوام کے حقوق کا صحیح اور عادلانہ تعین کیا جائے۔ مثلاً



Marfat.com

ملازمتوں میں کوٹہ سسٹم اور دیگر حقوق کے صحیح تعین نہ ہونے کی وجہ سے سندھی، پنجابی، اور مہاجر عصبیتوں کا مسئلہ سنگین نوعیت اختیار کرتا جا رہا ہے اور داخلی امن واستحکام بھی متاثر ہو رہا ہے۔

۳۔ بین الصوبائی انتظامی محکموں کے اختیارات و فرائض کا صحیح تعین کیا جائے۔ صوبوں کے حقوق کی عادلانہ تقسیم کی جائے۔

## ☆☆ مساویانہ عدل کی فراہمی جمہوری سیاسی حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے:

مساویانہ انصاف کی فراہمی کے سلسلہ میں اسلام نہایت تاکید کے ساتھ تلقین کرتا ہے۔(۲۷۹) حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو ایمان باللہ کے بعد سب سے زیادہ قوی فرض قرار دیا گیا۔(۲۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف رسانی کا انتہائی مستحکم ادارہ قائم فرمایا جس کے تحت ہر چھوٹے بڑے، امیر و غریب اور شاہ وگدا کو برابری کی بنیاد پر انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ سب کے لیے ایک قانون رکھا گیا تھا۔ قاضی کی عدالت میں بادشاہ پر بھی مقدمہ دائر ہوسکتا تھا۔ اس کی مثال خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی چنانچہ ایک مرتبہ اپنی آخری عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ مجھ پر کسی کا حق ہو تو وہ طلب کر لے اور جس کسی کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو وہ مجھ سے انتقام لے۔(۲۸۱)

یہی وہ مساویانہ عدل و انصاف تھا جس کے تحت آگے چل کر خلفائے راشدین اپنے گورنروں اور عمال کا بلا جھجک احتساب کرتے اور عام لوگ بھی عدالت کے ذریعے ان سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرسکتے تھے۔(۲۸۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف رسانی کو ایک مرکزی ادارے کا درجہ عنایت فرمایا جس میں بلا تفریق انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے قبیلوں کا سہارا ترک کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا حتیٰ کہ غیر مسلم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بخوشی فیصلے کرانے لگے۔(۲۸۳) اس طرح عرب میں معاشرتی امن کا دور دورہ ہوا۔

۱۔ پاکستان میں بلاامتیاز عدل و انصاف کے حصول کو آسان بنایا جائے تاکہ لوگ اپنی قوموں، قبیلوں اور تنظیموں کا سہارا لینا ترک کر دیں۔

۲۔ پاکستان میں عدلیہ بعض معاملات میں سیاسی نمائندوں اور انتظامیہ کے دباؤ میں ہوتی ہے۔ اس طرح عدلیہ کا صحیح مقصد یعنی مساویانہ انصاف پورا نہیں ہوتا۔(۲۳۱) لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ عدلیہ سیاسی تصرف اور انتظامیہ کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد کرے۔ کسی طاقتور کو قانون سے بالاتر قرار نہ دیا جائے موجودہ پاکستانی قانون میں صدر وزیر اعظم، وزراء اعلیٰ اور گورنر وغیرہ پر عام آدمی فوجداری مقدمہ دائر نہیں کرسکتا۔(۲۸۴) ایسے قوانین میں درستگی کی جائے۔

۳۔ ملک میں قرآن و سنت کو سپریم لا کا درجہ دیا جائے۔ یہ قانون منظور کیا جائے کہ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔



Marfat.com

۴۔ ہر سطح کے ججوں کے لیے قرآن و سنت اور پرانے اسلامی فیصلوں کی تدریس کا مناسب بندوبست کیا جائے۔

## ☆☆ پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے لیے معاشی استحکام:

انسان کی اولین ضروریات اس کی معیشت سے شروع ہوتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ نے ان بنیادی ضرورتوں کے متعلق فرمایا کہ: "اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحٰى" ترجمہ: "بلاشبہ تمہارا یہ حق ہے کہ تم یہاں نہ بھوکے رہوگے اور نہ ننگے اور یہ کہ تم نہ پیاسے رہواور نہ ہی بھوک کی تپش اٹھاؤ۔"(۲۸۵)

قومی استحکام و عدم استحکام میں ان کی معیشت نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ علمی و سائنسی میدان میں بھی وہی قومیں عروج پر پہنچتی ہیں جن کی معیشت مستحکم اور خوشحال ہو وگرنہ بری معیشت انسان کو اپنے اللہ سے بھی دور کردیتی ہے۔(۲۸۶)

## ☆☆ پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے لیے خارجی امن واستحکام

ریاست کے داخلی استحکام کو بحال رکھنے کے ساتھ ساتھ بیرونی خطرات سے مدافعت کا انتظام بھی ضروری ہے۔ بیرونی خطرات سے نمٹنے اور جنگ کو کم کرنے کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ فنون حرب میں اتنی ترقی کی جائے کہ دشمن کو حملہ کرنے کی ہمت ہے نہ ہو۔ سیرت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جدید ہتھیار حاصل کیے اور استعمال بھی فرمائے۔(۲۸۷) آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع حاصل کرنے کے لیے جاسوسی کا صحیح انتظام فرمارکھا تھا۔(۲۸۸)

خارجی امن و استحکام کے سلسلے کی ایک اہم کڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ معاہدے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے قیام کے فورا بعد کیے۔(۲۷۹) سیرت کے ذخائر سے ثابت ہے کہ دشمن کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے میں اہم قبائل سے امن معاہدے کیے یہ معاہدے اسلامی ریاست کے خارجی استحکام میں بہت کارگر ثابت ہوئے۔(۲۹۰) دفاعی سلامتی کے لیے حکومت کو نہ صرف جدید ہتھیار حاصل کرنے چاہئیں بلکہ ان کا ملک کے اندر بھی تیار کرنا ضروری ہے۔ ملکی سیکرٹ سروس کو سیاسی اثرات سے بچاکر پیشہ ورانہ مقاصد کے لیے فعال بنایا جائے۔(۲۹۱)

## ☆☆ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں جمہوری سیاسی استحکام کے لیے علاقائی عصبیت کو ختم کرنا ہوگا:

ملکی استحکام کے لیے علاقائی اور قبائلی عصبیت سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسا معاشرہ مسلسل طبقاتی کشیدگی اور انارکی زد میں رہتا ہے جہاں کسی بھی سطح پر تعصب روا رکھا جاتا ہو، خاص کر جب یہ



Marfat.com

تعصب باہمی اور ریاستی معاملات میں دراندازہو جائے تو اس کے نتائج نہایت مہلک اور دور رس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبائلی علاقائی تفریق کا رویہ ارشاد فرما کر بند کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور شرف کا مدار تقویٰ پر ہے، قوم و قبائل نہیں۔ ارشاد ہے: "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ "(۲۹۲)

ترجمہ: "اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔"

اس ارشاد میں یہ وضاحت بھی فرما دی کہ قوم و قبائل کی تقسیم صرف باہم متعارف ہونے کے لیے کی گئی۔ اس کو عصبیت کی بنیاد بنانا درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی سنگینی کی پیش نظر اس پر اپنی توجہ مرکوز کی اور مدینہ منورہ میں ہی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سب سے پہلے انصار ومہاجرین کے مابین رشتہ مواخات قائم کر دیا، جو اپنے بعض احکامات اور ان انصار ومہاجرین کے مابین مثالی تعلقات کی وجہ سے نسبی تعلقات پر بھی فوقیت رکھتا تھا۔ ورنہ انصار ومہاجرین کے قبائلی پس منظر کو دیکھتے ہوئے ان کے مابین کسی بھی موقع پر اختلافات کا خدشہ موجود تھا۔ اس رشتے نے جس کی بنیاد صرف مذہب پر قائم ہوئی، تاریخ انسانیت میں نیاباب رقم کیا۔

اس کے باوجود جب کبھی کسی جانب سے مغایرت یا تفریق کی آواز بلند ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فوراً سدباب کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر صحابیؓ نے ایک انصاریؓ کو تھپڑ مارا۔ انصاری نے کہا یاللانصار، اور مہاجر نے اس کے جواب میں یا للمہاجر کی صدا لگائی (قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو تھپڑ مار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کی پکار چھوڑ دو یہ نہایت ناگوار بات ہے۔(۲۹۳)

یوں ایک بے مقصد مگر نہایت ضرر رساں لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ہمارے وطن پاک کے موجودہ حالات کے حوالے سے اس روایت میں راہنمائی کا بہت سامان موجود ہے۔ اگر ہم اپنے وطن کو ہر قسم کی عصبیت و تعصب سے پاک کرنا چاہتے ہیں تو اس حدیث شریف کی روشنی میں عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔ وطن عزیز اس وقت جس آزمائش سے دو چار ہے اس سے نکلنے کے لیے ہم سب کو اپنی ذاتی و شخصی خواہشات اور گروہی مفاد کو ملکی مفاد پر قربان کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے جس سے تمام طبقات میں اتفاق و اتحاد کا احساس پیدا ہو اور ایسا کوئی قدم ہرگز نہ اٹھایا جائے جس سے کسی امتیاز یا تعصب کو بو آتی ہو۔



Marfat.com

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں　　　　کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں(۲۹۴)

## اکستان میں جمہوری سیاسی کے استحکام کے لیے مذہبی تفرقہ بازی سے گریز:

دوسری چیز جس سے ملک و ملت کی سلامتی کو خطرہ درپیش ہے مذہبی فرقہ واریت ہے اور امت آج اسی صورت حال سے دوچار ہے جو دور جاہلیت میں تھی کہ اس وقت ہر مذہبی گروہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار اور مخالف گروہ کو حق سے منحرف خیال کرتا تھا۔ (۲۹۵)اور "لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ"(۲۹۶) فریق مخالف پر ہر قسم کے ظلم و تشدد، بد دیانتی اور بد اخلاقی کو جائز خیال کرتا تھا۔ آج بھی مسلمانوں کے مختلف مذہبی گروہ اور جماعتیں اپنے آپ کو حق کا اجارہ دار سمجھ کر مذہب کی حقیقی روح کو فراموش کر کے اپنی تمام تر مساعی اپنے مخصوص نظریات اور فروعی مسلک کی ترویج اور اشاعت میں لگا رہی ہے۔ اس سلسلے میں سب و شتم، طعن و تشنیع طنز وتعریض اور لڑائی جھگڑوں تک سے گریز نہیں کرتیں۔ اور یہ بھلا بیٹھی ہے کہ یہ ان کا رویہ پیغمبرانہ طرز عمل اور قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن حکیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور ملاطفت کی تعریف کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اگر آپ سخت دل اور تند خو ہوتے تو کفار آپ کے قریب بھی نہ پھٹکتے بھاگ جاتے۔(۲۹۷)وہ تو حکمت اور موعظہ حسنہ کا درس دیتا ہے۔(۲۹۸) اور کافروں اور مشرکوں کو بھی سب و شتم سے منع کرتا ہے۔(۲۹۹) اس صورتحال نے مسلمانوں کو تقسیم کر کے ان کی توانائیوں کو لڑائی جھگڑوں اور فسادات کی نظر کر دیا ہے اور دشمنان اسلام تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی ذہنی اور علمی توانائیاں کفر و الحاد کا مقابلہ کرنے اور ملک و ملت کے حقیقی مسائل کو حل کرنے کے بجائے مسلکی اور فروعی مسائل پر جھگڑنے میں صرف ہو جائیں اور وہ ان جھگڑوں کی آڑ میں دہشت گردی اور تخریب کاری میں مشغول ہیں۔ اس لیے مذہبی جماعتوں کا اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے مشترکہ اصولوں کی بنیاد پر اتحاد وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اختلاف رائے اگرچہ ایک طبعی اور فطری امر ہے یہ معیوب نہیں بلکہ امت کی فکری بیداری پر دلالت کرتا ہے مگر اس کی بنیاد پر تفرقہ بازی، تنظیم سازی اور مناظرہ بازی ملک و ملت میں انتشار کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تفرقہ بازوں سے قطع تعلق اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔(۳۰۰) "وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا"(۳۰۱)

فرقہ بندی کا توڑ قرآن مجید کی تعلم کے ذریعے ممکن ہے۔ مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۴۳ء میں قائد اعظم نے فرمایا: وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جن پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر قرآن مجید ہے۔ مملکت پاکستان کو ریاست مدینہ سے ایک خاص تعلق ہے اس لیے اس کی ترقی اور بقاء بھی ریاست مدینہ کے سربراہ آنحضرت صلی



Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے ہی عبارت ہے۔

## ☆☆سیاسی جمہوری استحکام کے لیے اقرباء پروری کا خاتمہ:

ظلم و ناانصافی کی ایک صورت اختیارات کے ناجائز استعمال کے ذریعے اپنے اقارب کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنا اور انہیں بے جا مراعات سے نوازنا ہے۔ اسلام اسے عدل و مساوات کے منافی سمجھتے ہوئے سختی کے ساتھ اس سے منع کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ایک بار مصر گئے تو وہاں کے گورنر عمرو بن العاص کو حضرت عمرؓ نے خط لکھا کہ "خبردار! میرے خاندان کا کوئی آدمی اگر تمہارے پاس آئے تو نہ اسے تحفہ دینا نہ سوغات، نہ اس کے ساتھ خصوصی اور امتیازی برتاؤ روا رکھنا۔ (۳۰۳) بعض اوقات تعلقات یا رشتہ داری کی بنیاد پر مستحق کو محروم کر کے غیر مستحق کو نوازا جاتا ہے۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ملک کے اہم انتظامی عہدوں پر جو جماعت بھی برسر اقتدار آتی ہے مستحق لوگوں کو نظر انداز کر کے اپنے لوگوں کا محض ذاتی تعلقات یا جماعتی وفاداریوں کا لحاظ کر کے تقرری کرتی ہے، اس سے نفرت و تعصبات کو جگہ ملتی ہے، احساس محرومی بڑھتا ہے اور انتقامی جذبات فروغ پاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو کوئی مسلمان کا حاکم مقرر ہو اور وہ کسی کو اہلیت اور استحقاق کے بغیر (دوستی اور تعلق کی بنیاد پر) کسی عہدے پر فائز کر دے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول نہ کرے گا حتیٰ کہ اسے جہنم میں داخل کر دے گا" (۳۰۴)

## ☆☆ پاکستان میں سیاسی جمہوری استحکام کے لیے دھرنوں، احتجاج، محاذ آرائی کی سیاست سے اجتناب:

ایک اسلامی ریاست میں سیاسی نقطہ نظر سے اختلاف کی بنا پر سیاسی جماعتوں کی گنجائش موجود ہے۔ جب وہ شریعت کی حدود میں عوام کی فلاح و بہبود اور ان کے حقوق کے تحفظ اور ملکی استحکام پر مبنی منشور رکھتی ہوں اور ان کی جد و جہد اسلامی طرز حکومت کے قیام میں معاون ہو۔ لیکن اگر ان کا وجود ذاتی مفادات کی خاطر ہو تو اسلام اس طرح کی بے مقصد گروہ بندی کی سخت مخالفت کرتا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے انتشار، محاذ آرائی اور باہمی تعصب کے کچھ نہیں نکلتا۔ اس قسم کی جماعتیں اقتدار سے محروم ہونے کی صورت میں اقتدار کو ہر صورت میں حاصل کرنے اور جذبہ انتقام سرد کرنے کے لیے بیجا تنقید، احتجاج، ہڑتالوں اور مظاہروں کے ذریعے انتشار پیدا کرتی ہیں اور ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ یہ طریقہ کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے سراسر خلاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا تسبوا الولاۃ فانھم ان احسنوا کان لھم الاجر وعلیکم الشکر وان اساء وا فعلیھم الوزر وعلیکم الصبر"۔ ترجمہ: "حاکموں نہ کوسو، کیونکہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کو اجر ہے اور تمہارے لیے موقع شکر اور اگر وہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمہارے لیے



Marfat.com

موقع صبر ہے"(۳۰۵)

احتجاجی سیاست کا یہ رویہ ان احادیث کے بھی سراسر خلاف ہے جن میں "سمع و طاعت" کی زیادہ سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر کوئی ایسا حاکم بنادیا جائے جس کا سر خشک انگور اور کشمش کی طرح ہو"اس لیے موجودہ سیاست کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیاسی جماعتیں جو منفی کردار کی حامل ہوں ملک کے اساسی نظریات کی مخالف ہوں ان کا منشور اور دستور اسلام کے منافی ہو جو اسلام اور ملک دشمن طاقتوں سے سرمایہ وصول کرتی ہوں اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلاتی ہوں ان پر پابندی لگائی جائے۔ مثبت سوچ رکھنے والی جماعتوں کے لیے ایسا ضابطہ اخلاق بنایا جائے جس سے سیاسی ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہو۔(۳۰۶)

## تجاویز

۱۔ اسمبلی کی مدت میں توسیع یا سال دو سال کے لیے عبوری انتظام کے فتنے کو سر اُٹھانے سے پہلے ہی کچل دینا چاہیے۔ اس پر غور بھی اپنے اندر بڑے خطرات رکھتا ہے۔ اس لیے یہ باب بالکل بند ہونا چاہیے۔

۲۔ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیاں تحلیل کرنے یا مدت پوری کرنے کے بعد، دستور کے مطابق، صرف انتخابات کے انعقاد کے لیے غیر جانبدار اور سب کے مشورے سے عبوری حکومتیں قائم کی جائیں جو ملک کو نئی سمت دینے کے لیے نہیں، صرف جلد از جلد آزادانہ طور پر شفاف انتخابات منعقد کرانے کے لیے ہوں۔ جو انتخابی اصلاحات ازبس ضروری ہیں، وہ باہم مشورے سے کسی تاخیر کے بغیر کردی جائیں۔ سپریم کورٹ کے فیصلوں کی روشنی میں الیکشن کمیشن جو الحمدللہ قابلِ بھروسا ہے، اپنی دستوری ذمہ داری ادا کرے اور عدلیہ اور فوج کی ضروری مدد سے انتخابی عمل کو مکمل کرے۔ اس سلسلے میں سیاسی جماعتیں بھی ذمہ داری کا ثبوت دیں اور دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کا خود بھی احترام کریں اور وہ راستہ اختیار کریں کہ ان کی کھلی کھلی خلاف ورزی کرنے والے افراد کی اُمیدواری کے مرحلے ہی پر تطہیر ہوسکے۔ انتخابی قواعد پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے، انتظامیہ مکمل طور پر غیر جانبدار ہو اور عدلیہ اس بارے میں پوری طرح چوکس رہے۔ الیکشن کمیشن کا کردار اس سلسلے میں سب سے اہم ہے۔

۳۔ فوج کی یا خفیہ ایجنسیوں کی مداخلت کسی صورت میں بھی قابلِ قبول نہیں۔ یہ نہ تو ملک کے مفاد میں ہے اور نہ خود فوج کے۔ البتہ دستور کے تحت انتخابی عمل کو شفاف بنانے کے لیے الیکشن کمیشن جس حد تک فوج یا دوسری سیکورٹی ایجنسیوں سے مدد لینا چاہے، اس کا دیانت داری سے اہتمام کیا جائے، اور پولنگ کے دن امن و امان کے قیام اور پولنگ اسٹیشنوں کو بدعنوانی سے



Marfat.com

محفوظ رکھنے کے لیے واضح اور کھلا کردار ادا کرے۔

۴۔ سیاسی جماعتیں قوم کے سامنے اپنا منشور، پروگرام واضح کریں، وہ ٹیم لائیں جو اس پروگرام پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، تاکہ محض برادری اور جانب داری کی بنیاد پر سیاسی نقشہ نہ بنے بلکہ اصول، پروگرام، کردار اور صلاحیت اصل معیار بنیں۔ میڈیا کو بھی اس سلسلے میں دیانت اور غیر جانب داری کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ میڈیا کے لیے جو ضابطہ اخلاق اختیار کیا جائے اس میں اس پہلو کو بھی مرکزی اہمیت دی جائے۔ الیکشن مہم کے سلسلے میں الیکشن کمیشن نے جو ضابطہ کار مرتب کیا ہے، اس پر اگر ٹھیک عمل ہو تو میڈیا کی اور اُمیدواروں کی گھر گھر جاکر ووٹروں سے رابطے کی مہم کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوگی جس میں بڑی خیر ہے۔ اس طرح دولت کی اس نمائش کو ختم کیا جاسکتا ہے جو سیاسی بدعنوانی کا عنوان بن چکی ہے۔

۵۔ ترقی پذیر ممالک میں اور خاص طور پر پاکستان میں بیرونی ممالک اور ان کی پروردہ این جی اوز کا کردار روزافزوں ہے۔ ان کے عمل دخل کے بارے میں صحیح پالیسی بنانے اور پھر مناسب اقدام کرنا ضروری ہیں۔ بیرونی سرمایہ اور بیرونی کارپرداز اپنے مقامی کارندوں کے ذریعے اپنا اپنا کھیل کھیل رہے ہیں۔ پاکستان کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے ان پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس میدان میں بھی ہر قسم کی مداخلت اور اثراندازی کو آہنی ہاتھوں کے ساتھ روکنے کا انتظام ضروری ہے۔

۶۔ قوم اور تمام دینی اور سیاسی قوتوں سے آخری بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ملک اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر، ذاتیات اور مفادات سے بالا ہوکر اپنا فرض ادا کریں۔ ووٹ ایک امانت ہے اور ایک ذمہ داری۔ اگر ہم ووٹ دینے کے لیے گھروں سے باہر نہیں نکلتے اور اپنی ذمہ داری کو خود ادا نہیں کرتے تو پھر غلط لوگوں کے مسلط ہوجانے کا گلہ کس کام کا۔ یہ سب خود ہمارا کیا دھرا ہے کہ اچھے لوگ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور طالع آزما اقتدار کے ایوانوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس لیے عوام کو سمجھنا چاہیے کہ ان کو اپنے مستقبل کو محفوظ بنانے اور اپنے دین و ایمان، نظریاتی شناخت، آزادی اور خودمختاری کے تحفظ اور سماجی اور معاشی انصاف کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا ہوگی اور انتخابات میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر تبدیلی ممکن نہیں۔ تبدیلی کے لیے پہلا قدم خود اپنے کو تبدیل کرنا اور اپنی ذمہ داریوں کو دیانت داری سے ادا کرنا ہے۔

اس وقت ملک جن نازک حالات سے دوچار ہے، ان میں ضرورت ہے کہ اہلِ خیر زیادہ سے زیادہ متحد ہوں۔ اچھے، دیانت دار لوگوں، گروہوں اور جماعتوں کے درمیان تعاون ہو اور اچھے لوگ اپنی قوتوں کو بٹ جانے سے روکیں۔ اس کے لیے اتحاد ہی واحد راستہ نہیں۔ تعاون اور اشتراک کے ہزار طریقے ہیں۔ تعاونِ باہمی کا کوئی بھی راستہ اختیار کریں تاکہ قوم کے بہترین عناصر ایک دوسرے کا سہارا بن کر مفاد



Marfat.com

پرستوں کے منصوبوں کو خاک میں ملاسکیں۔ آنے والے چند مہینے بڑے فیصلہ کن ہیں اور فیصلے کا انحصار ہماری اپنی سعی و کاوش اور جدوجہد پر ہوگا۔ منزل اور اہداف کا ٹھیک ٹھیک تعین کیجیے اور پھر ان کے حصول کے لیے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر سرگرم ہوجایئے۔ تبدیلی اور اصلاح کا بس یہی راستہ ہے کہ "جو بڑھ کر خود اُٹھالے ہاتھ میں، میناسی کا ہے"۔ آپ یہ راستہ اختیار کریں، پھر اللہ کی مدد بھی آپ کے ساتھ ہوگی کہ اس کا وعدہ ہے: "جو لوگ ہمارے راستے میں جدوجہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی طرف ضرور ہدایت دیں گے۔" (۳۰۷)

## خلاصہ کلام:

ہادی دین مبین، سرور کونین، رحمۃ للعالمین، سید الاولین والآخرین، ہمارے آقا اور پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رسول اعظم، مبلغ اعظم، خلق عظیم، رہبر تقویٰ ورہنمائے کاروان انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، مکارم اخلاق، انداز اطاعت، عبادت، حالات جلوت وخلوت، تمام اعمال و اقوال اور تعلقات ومعاملات زندگی۔ ہر قوم، ہر طبقہ، ہر جماعت اور ہر فرد کیلئے، ہر زمانہ اور ہر وقت میں بہترین نمونہ ومثال ہے۔ سرورکائنات نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ خصائل وشمائل، عادات وعبادات کا پورا ذخیرہ انسانیت کی فلاح وسعادت کا نصاب کامل اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہراہ سنت ہر خطرے سے مامون اور قابل تقلید بھی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آداب و خصائل اور آپؐ کی شاہراہ سنت تاقیامت باقی رہنے والا توشہ ہے۔ سنت نبویہ مطہرہ میں قائدین ومتبعین، حکام ومحکومین، رہبران و مرشدین اور مجاہدین کیلئے رشد وہدایت ہے۔ تعلیمات نبویہ میں سیاست وحکومت، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات، اخلاق فاضلہ اور بین الاقوامی روابط کے جملہ میدانوں کیلئے اسوہ نمونہ ہے۔ سیرت طیبہ در اصل اس پیغام ربانی کے عملی پرتو سے عبارت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے سامنے پیش کیا تھا۔

معروف انگریز مصنف برنارڈشا کہتا ہے: "آج دنیا کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت کی شدید ضرورت ہے تاکہ وہ دنیا کے پیچیدہ مسائل کو اتنی دیر میں حل کردے جتنی دیر چائے کی ایک پیالی پینے میں لگتی ہے"۔ وہ کہتا ہے: "یورپ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانائی کو محسوس کرنے اور اُن کے دین کی طرف کھنچنے لگا ہے۔ اسی طرح یورپ اسلامی عقیدے کو ان الزامات سے بھی جلد پاک کردے گا جو قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے دروغ گو افراد نے لگائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہی وہ نظام ہوگا جس کے اُوپر امن و خوش حالی کے ستون استوار ہوسکیں گے۔ پیچیدہ مشکلات کے حل اور گنجلک امور کی عقدہ کشائی کے لیے فلسفہ اسلام ہی کا سہارا لیا جائے گا"۔

برنارڈشا نے تو خوشخبری میں یہاں تک مبالغے سے کام لیا ہے: "میرے ہم وطن اور دیگر یورپی



Marfat.com

کثیر تعداد میں اسلام کی تعلیمات کو مقدس جانیں گے۔ اسی لیے تو میرے لیے یہ ممکن ہوا ہے کہ میں یہ خوشخبری دوں کہ اسلامی عہد کی ابتدا قریب ہے"۔

چھٹی صدی عیسوی کے تمام عرب مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی کردار ہر اعتبار سے ایک مثال تھا۔ زمانہ جاہلیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اجتماعی تمدن کے واجبات کا نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کا خطاب دیا تھا اور اسی بنیاد پر عرب کی شریف ترین خاتون خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنے اقتصادی معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کیا۔ تمام خرابیوں کا خاتمہ، تمام اچھائیوں کا ظہور، انسانیتِ عامہ کے منتشر اور فاسد عناصر کا خاتمہ اور خدائے واحد کی حکومت کے لیے ایک عظیم الشان سوسائٹی کی تشکیل جو دنیا کی روحانی اور مادی طاقتوں کی ترکیب سے ایک ایسے فطری نظام حکومت کو بروئے کار لاسکے، جس کا مطمحِ نظر انسانیت ہو اور اس اقتدار بالادست کی وفاداری جس کو دنیا کے کروڑوں انسان کسی نہ کسی شکل سے تسلیم کرتے ہیں۔

اگر ہم اس امر کی تحقیق کریں کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی حکومت کے صدر کی حیثیت سے کس قدر عظیم ذمہ داری کے حامل تھے تو ہمیں ہر موقع پر یہ اعتراف کرنے کی سعادت حاصل ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑے محسن کی حیثیت سے دلیرانہ قانونی اور سیاسی کارنامے انجام دیے جو کارناموں کی دنیا میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خداوند عرش کے قانونی نائب کی حیثیت سے حکومت کے امیر و آمر بھی تھے اور افواج کے کماندار اعلیٰ بھی۔ انصاف کی اعلیٰ عدالت کے حاکم بھی تھے اور اقتصادیات کے نگرانِ اعظم بھی۔ ذات واحد تمام ذمہ داریوں کی امانت بردار تھی۔ اجتماعی زندگی کے تمام فرائض، جملہ شعبے اور تمام محکمے ایک محکم و منظم مرکز پیدا کرکے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے اور آپ کی گراں قدر ہستی انسانی معاشرہ کی ان تمام امیدوں کو پورا کررہی تھی جن میں سے ہر ایک دنیا کے لیے ایک مثال بننے والی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سیاسی دائرہ میں نئے نئے اصول، قوانین، احکام، ہدایات اور اساسی تنظیمات نے اپنا خوبصورت چہرہ دکھایا اور ان کی بنا پر قدیم فطری تصورات ایک نئے اور متوازن نظام سے آشنا ہوئے۔

## حوالہ جات


(۱) The Holy Roman Empire, Macmillan Co. Ltd. London, 1950, p.301... (۲) بلنچلی۔ جے۔ کے۔ نظریۂ سلطنت۔ ترجمہ قاضی تلمذ حسین (مقابلہ کتاب اصل جرمن۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی) جامعہ عثمانیہ۔ دکن ۱۹۲۸ء (ص ۳۸۷)۔ اغسطس ۲۷ ق م میں برسر اقتدار آیا (BRYCE,P.XIX) اس کی حکومت کے ۴۲ برس بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے (ابن خلدون۔ عبدالرحمن المغربی۔ کتاب العبر ودیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربرومن عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر۔ تصحیح نصر ابو الوفا الہورینی (بولاق) مصر ۱۲۸۴ھ ج ۲ ص ۱۹۸) اسی کے دور سے "رومی امن" کا آغاز ہوتا ہے (کرین برنٹن، جان بی کرسٹوفر، رابرٹ ایل ولف۔ تاریخ تہذیب۔ ترجمہ غلام رسول مہر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ ۱۹۶۵ء حصہ اول ص۱۵)... (۳) بیوری۔ جے۔ بی۔ تاریخ سلطنت رومہ۔ ترجمہ ہاشمی فرید آبادی۔ جامعہ عثمانیہ۔ دکن ۱۹۲۹ء۔ ص ۱۶۹... (۴) کرین برنٹن وغیرہ۔ ص





Marfat.com

۱۴۳... (۵) Webster's Biographical Dicitionary. G. & C. Marrian Co., U.S.A. بلنجلی۔ ص ۳۸۸... (۶) بلنجلی۔ ص ۳۸۸... (۷) بیوری۔ ص ۸۵۷، ۸۵۸... (۸) کرین برنٹن وغیرہ۔ ص ۱۵... (۹) BRYCE, P.XX... (۱۰) LBID. P.XXXI: قسطنطنیہ کی بنیاد (۳۲۶ء تا ۳۲۸ء میں) پڑی۔ پہلے یہ شہر بزنطیم کہلاتا تھا لیکن قسطنطنین نے اسے از سرنو آباد کر کے اپنے نام پر قسطنطنیہ سے موسوم کیا (ابن خلدون ج ۲ ص ۲۱۰)... (۱۱) ایضاً۔ ج ۲ ص ۲۱۰... (۱۲) اور دیکھیے: Bryce P-XXXI Gibbon, Edward, The Decline and Fall of the Roman Empire, The Modern Library, Newyork, Vol-I, P-634... (۱۳) ڈننگ لکھتا ہے: "فلسفۂ سیاسیہ کے نقطۂ نظر سے ازمنۂ وسطیٰ کا خاص الخاص واقعہ یہ ہے کہ تمام رومی شہنشاہی بلکہ اس کی حدود کے باہر بھی مذہب عیسوی قائم ہو گیا اور مسیحی کلیسا کو ترقی ہوئی۔" (ڈننگ۔ ولیم آرچ بالڈ۔ نظریات سیاسیہ۔ (ازمنۂ قدیم وقرون وسطیٰ) ترجمہ قاضی تلمذ حسین۔ جامعہ عثمانیہ۔ دکن ۱۹۴۴ء ج اص ۱۳۳)... (۱۴) BRYCE, P.XXXI... (۱۵) GIBBON, VOL.1,P.1027 نیز دیکھیے: IBID... (۱۶) BRYCE,P.XXXI... (۱۷) Ebenstein, William, Great Political Thinkers (Plato to the Present), Holt Rinehart & Winston, Inc. New York, 1969, P-171...

(۱۸) (جسٹینین کا دور شہنشاہی ۵۲۷ء میں شروع ہوتا ہے اور ۵۶۵ء میں تقسیم میں ختم ہوجاتا ہے (WEBSTER'S P.1684) سانٹا صوفیہ کی تعمیر اسی کے عہد میں ہوئی (کرین برنٹن وغیرہ ص ۱۵) اور رومی قوانین کی ترتیب نو (۵۲۹ء) بھی اسی کے زمانہ میں ہوئی۔ (BRYCE P.XXXIII)... (۱۹) ہیچر، آلیور، اور شول فرڈینڈ۔ تاریخ یورپ۔ ترجمہ عبد الماجد، نواب حیدر یار جنگ، قاضی تلمذ حسین۔ جامعہ عثمانیہ۔ دکن ۱۹۳۲ء حصہ اول ص ۴۵... (۲۰) ڈننگ ص ۱۳۳... (۲۱) GIBBON, VOL-II , P.752... (۲۲) بلنجلی۔ حکمران کے اختیار واقتدار کے لیے: ص ۳۸۳ تا ۳۸۵۔ ۳۸۸، ۳۸۹ اور ۳۹۰... (۲۳) ایضاً ص ۱۱۱۔ فارس میں شہنشاہیت کا دور (از کیومرث تا یزدجرد) بقول ابن خلدون تقریباً چار ہزار دو سو اٹھاسی سال کی مدت پر پھیلا ہوا ہے۔ جیسا کہ ابن سعید نے کتاب "تاریخ الامم" تصنیف علی بن حمزہ اصفہانی سے نقل کیا ہے ابن خلدون ج ۲ ص ۱۵۴) کیومرث دراصل دوسرے افسانوی دور کا پہلا آدمی ہے جس نے نئے شاہی خاندان (پیشداریہ) کی بنیاد رکھی۔ طہمورث، جمشید، فریدون، منوچہر وغیرہ اس کے بعد آتے ہیں۔ گرشاسپ اس دور (پیشداریہ) کا آخری حکمران تھا۔ تیسرا افسانوی دور (کیانیہ) کے ممتاز حکمران کیقباد، کیخسرو وغیرہ ہیں۔... (۲۴) طبری کا بیان ہے کہ: "لہراسب کے زمانہ میں ملوک روم، ملوک مغرب، ملوک ہند وغیرہ شاہانہ فارس کو سالانہ خراج و وظائف ادا کرتے تھے اور لہراسب کی عظمت وجلالت اور ہیبت و تعظیم کا اظہار "ملک الملوک" (شاہوں کے شاہ) کے الفاظ سے کیا کرتے تھے۔" (طبری۔ ابو جعفر محمد ابن جریر۔ تاریخ الرسل والملوک۔ تحقیق۔ محمد ابو الفضل ابراہیم۔ دار المعارف۔ مصر۔ ۱۹۶۰ء۔ ج۔ اص ۵۴۱)... (۲۵) سکندر کے حملے کے بعد تقریباً دو سو چھیاسٹھ سال تک اشکانی (اشغانی) ملوک الطوائف نے فارس پر حکومت کی۔ ان اشکانیوں کے زمانہ میں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارضِ فلسطین میں خدا کی بادشاہت کا اعلان کیا۔ اشکانیوں اور ملوک الطوائف کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الدینوری۔ ابوحنیفہ احمد بن داؤد۔ الاخبار الطوال۔ دار احیاء الکتب العربیہ۔ قاہرہ ۱۹۶۰ء ص ۳۸ تا ۶۱) نیز طبری (ج اص ۵۸۰ تا ۵۸۴) اور المسعودی۔ ابی الحسن علی بن الحسین بن علی۔ مروج الذہب ومعادن الجوہر۔ مطبعۃ السعادۃ، مصر۔ ۱۹۵۸ء (ج۱، ص ۲۳۴ وما بعد) وغیرہ... (۲۶) مثلاً سابور ذوالاکتاف کی عرب پر فوج کشی (ابن خلدون ج ۲ ص ۱۷۲) اور بلادِ روم پر حملہ (ایضاً ص ۱۷۳) یا اسی طرح نوشیرواں بن قباد (جس کے عہد حکومت میں پیغمبر اسلام کی ولادت ہوئی نے رومیوں پر چڑھائی کی، حلب، قبرص، حمص، انطاکیہ اور اسکندریہ کو فتح کیا۔ ملوک قبط پر خراج قائم کیا، رومی، چینی، تبتی بادشاہوں نے بطور نذرانہ تحائف بھیجے، سراندیپ پر فوج کشی، حیرہ پر قبضہ اور یمن میں مسروق (شاہِ حبشہ) کو قتل کرا کے ابن ذی یزن کو حکمران بنایا (ایضاً ص ۱۷۷) پرویز نے بھی رومیوں سے جنگ کی (الدینوری ص ۱۰۶، ۱۰۷) عربوں سے لڑائیاں (ایضاً ص ۱۱۱۔ ۱۱۲)... (۲۷) ان میں سے یہ چار ادوار یا طبقات مشہور ہیں: ۱۔ پیشداریہ۔ ۲۔ کیانیہ۔ ۳۔ اشکانیہ۔ ۴۔ ساسانیہ... (۲۸) اس میں سابور (شاپور) اول (مدتِ حکومت ۳۱ سال۔ طبری ج ۲ ص ۴۴)، سابور ذوالاکتاف (۷۲ سال۔ طبری ج ۲ ص ۶۱)، فیروز بن یزگرد (۲۶ سال۔ ایضاً ص ۸۸)، قباد بن فیروز (۴۵ سال۔ الدینوری ص ۵۹ تا ۶۱)، نوشیرواں (۴۲ سال یا ۴۵ سال۔ طبری ج ۲، ص ۱۰۳) اور ساسانیوں کے آخری حوصلہ مند حکمرانوں خسرو پرویز بن ہرمز (۳۲ سال۔ ایضاً ص ۲۱۸) کو شامل کیا جاسکتا ہے... (۲۹) ندوی۔ ابو الحسن علی۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ مکتبۂ اسلام۔ لکھنؤ (مقدمہ ۷۳ ھ) ص ۵۰... (۳۰) ایضاً ص ۵۰، ۵۱... (۳۱) سابور ذوالاکتاف جس نے ایک عرصہ تک حکمرانی کی۔ جب تخت پر بیٹھا تو شیر خوار ہی تھا۔ دیکھیے: ابن خلدون (ج ۲۔ ص ۱۷۲) اسی طرح اردشیر بن شیرویہ بمشکل سات سال



Marfat.com

کا تھا کہ اسے شہنشاہ بنا لیا گیا۔(طبری ج ۲ ص ۲۳۰)... (۳۲) کسریٰ پرویز کی دونوں لڑکیوں یعنی بوران (طبری ج ۲ص ۲۳۱) اور آزر میدخت (ایضاً ص ۲۳۲) کو تخت حکومت پر جلوہ افروز کیا گیا... (۳۳) غلام سرور۔ڈاکٹر۔ تاریخ ایران قدیم۔مکتبہ خور شید جہاں۔کراچی۔۱۹۶۵ءج اص ۱۴۶... (۳۴) ایضاً ص ۱۴۷،۱۴۸... (۳۵) طبری ج ۲ ص ۲۳۰... (۳۶) مسعود ج اص ۲۸۰... (۳۷) طبری ص ۲۳۱... (۳۸) ایضاًص ۲۳۲... (۳۹) ایضاًص ۲۳۲... (۴۰) ایضاً ص ۲۳۲... (۴۱) ایضاً(ص ۲۳۲)ابن اثیر نے بھی طبری کی تائید میں آزر میدخت کے جانشین کی حیثیت سے کسریٰ بن مہر جشنس کا ذکر کیا ہے (ج اص ۵۰۰) لیکن ابن خلدون نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا اور آزر میدخت کے بعد فروخ زاد کا نام رکھا ہے (ج اص ۱۸۲)... (۴۲) طبری ج۲ص ۲۳۳۔ابن اثیر اور ابن خلدون دونوں نے اس کا ذکر کیا ہے... (۴۳) طبری ج ۲ص ۲۳۴... (۴۴) یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آخری بادشاہ یزدگرد سے پہلے ابن خلدون نے ایک اور حکمران حفص کا بھی ذکر (ج ۲، ص ۱۸۲) کیا ہے جو ۶ ماہ بعد قتل ہو گیا لیکن دوسرے مآخذ میں عام طور پر اس کا نام نہیں ملتا... (۴۵) یہ طبری کا بیان ہے (ج ۴۲ ۲۳) ابن اثیر مدت صرف ۲ سال لکھتا ہے (ج اص ۵۰۱)... (۴۶) ولن یکن من بیت الملک (ابن اثیرج اص ۴۹۹)... (۴۷) ابن ہشام۔السیرۃ النبویہ (تحقیق و شرح وغیرہ مصطفی السقاء،ابراہیم الابیاری، عبد الحفیظ شبلی،مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ۔مصر ۱۹۳۶ء ج اص ۱۳۹ج اص ۶۴،۶۵)۔اس واقعہ کا تذکرہ کم وبیش تمام مورخین نے صراحت سے کیا ہے۔مثلاً طبری (ج ۲ ص ۱۳۹ ج اص ۶۴، ۶۵)، مسعودی (ج اص ۶۷) وغیرہ۔اہل دربار (عظمائے فارس یا شاہی مجلس مشاورت) نے یہ مشورہ دیا تھا کہ "ان فی سجونک رجالا قد حبستہم للقتل" (ابن ہشام ج اص۶۵)... (۴۸) ایضاًج اص ۶۵، ۶۶... (۴۹) طبری ج۲ ۲۳۰... (۵۰) Benton William(ed), encyclopaedia Britannica, Encyclopaedia Britannica Inc., Chicago, 1970, Vol. V, p.574... (۵۱) چینی۔بدرالدین،مولوی۔چین وعرب کے تعلقات اور ان کے نتائج۔انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۴۹ءص ۴... (۵۲) ایضاًص ۴،۵... (۵۳) ایضاً ص ۹... (۵۴) ایضاً ص ۱۱... (۵۵) ایضاًص ۱۱... (۵۶) بینٹن (برٹانیکا)ص ۵۷۰... (۵۷) ایضاً... (۵۸) ایضاً... (۵۹) ایضاً... (۶۰) ایضاً... (۶۱) چینی۔ص ۱۲... (۶۲) ایضاً... (۶۳) ندوی۔ابو الحسن علی۔ ص ۷۶... (۶۴) ایضاً... (۶۵) نقوش رسول نمبر،باب اوّل بعثتِ نبوی کے وقت دنیا کا سیاسی نظام- جلد پنجم، شمارہ۱۳۰-دسمبر۱۹۸۳ء / ص: ۳۱... (۶۶) ایضاً/ ص: ۳۳... (۶۷) یضاً/ ص: ۳۱-۲۹... (۶۸) فرانسیسی، موسیوسید -تاریخ عرب-ترجمہ: رامپوری، عبدالغفور خان - انصاری، محمد حلیم-ناشر بیت القرآن اولمپک پلازہ الکریم مارکیٹ اردوبازار لاہور-س ن/ص: ۱۲۔ (۶۹) نقوش رسول نمبر،باب اوّل بعثتِ نبوی کے وقت دنیا کا سیاسی نظام- جلد پنجم، شمارہ۱۳۰-دسمبر۱۹۸۳ء / ص: ۳۴... (۷۰) ایضاً/ ص: ۳۴... (۷۱) ایضاً/ ص: ۳۶... (۷۲) ایضاً/ ص: ۳۷... (۷۳) ایضاً/ ص: ۳۸... (۷۴) الروم/۴۱... (۷۵) بحوالہ: ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۸۴... (۷۶) سورۃ سبا آیت: ۲۸... (۷۷) سورۃ قلم آیت: ۵۲... (۷۸) سورۃ أعراف آیت: ۱۵۸... (۷۹) عبدالکریم زیدان۔اصول الدعوۃ ص ۵۷... (۸۰) سورۃ الشعراء آیت: ۱۷/۱۶... (۸۱) سورۃ فرقان آیت: ۶۷... (۸۲) سورۃ اسراء آیت: ۲۹... (۸۳) بیہقی شعب الایمان ج ۵ ص ۱۶۲ رقم: ۶۶۰۱... (۸۴) بخاری کتاب حق الضیف ج ۵ ص ۲۲۷۲ رقم: ۵۷۸۳۔الترغیب والترہیب ج ۳ص ۲۵۰ رقم: ۳۹۰۳... (۸۵) http: // www.merriam-webster.com/dictionary/bureaucracy... (۸۶) انسائیکلو پیڈیا امریکانا، باب بیوروکریسی... (۸۷) سیاسی اصطلاحات کا انسائیکلوپیڈیا / علیم اللہ غازی / لاہور / غازی پبلیشر / ۲۰۰۰ء / ص۲۳۱... (۸۸) سورہ النساء / آیت نمبر ۵۹... (۸۹) تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۶۰۔سورۃ آل عمران آیت نمبر: ۱۵۹... (۹۰) تفسیر حازن ج ا ص ۳۹۷۔سورۃ النساء آیت نمبر: ۱۵۹... (۹۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۲۴ اسباب و جوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ و تحریمہافی المعصیۃ... (۹۲) سورۃ النساء کی آیت مبارکہ ۵۸ میں ارشاد ربانی ہے... (۹۳) متفق علیہ... (۹۴) متفق علیہ...(۹۵) صحیح بخاری... (۹۶) احکام سلطانیہ، اسلامی نظامِ حکومت/علامہ ابو الحسن ماوردیؒ/مفتی انتظام اللہ شہابی/ص ۸۰... (۹۷) تسہیل النظر، ص ۲۴۹... (۹۸) سورہ النساء /آیت نمبر ۶۴... (۹۹) ڈاکٹر خالد علوی/انسان کامل / لاہور / الفیصل ناشران / ص ۳۶۰... (۱۰۰) ابن سعد،طبقات الکبریٰ،ج ا، ص ۲۸۱... (۱۰۱) ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ ج ا،ص ۱۰۹... (۱۰۲) محمد حسین ہیکل،حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم،ص ۸۱... (۱۰۳) سیرۃ النبویۃ،ج ا،ص ۳۱۰-۹... (۱۰۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز حکمرانی، سیاست کا بے مثل نمونہ / طاہرہ بشارت/ماہنامہ محدث / ج۳۱/دسمبر ۱۹۹۹ء/ ص۵۷... (۱۰۵) ملاحظہ ہو ولیم میور، لائف آف محمد،لندن ۱۸۷۱ء،۲۲۶،مار گولیتھ، محمد لندن ۱۹۰۵،۲۲۶... (۱۰۶) الشوری،۳۸... (۱۰۷) ا۔بخاری،الصحیح،کتاب الاذان،باب بدء الاذان،ا: ۲۱۹،رقم: ۲/۵۸۹۔ مسلم،الصحیح،کتاب الصلاۃ،باب بدء



Marfat.com

الاذان، ا: ۲۸۵، رقم: ۳۷۷... (۱۰۸) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب بنیان المسجد، ا: ۱۷۱، رقم: ۴۳۵... (۱۰۹) ابن اسحاق، السیرۃ النبویہ: ۲۳۴... (۱۱۰) ا۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۲/۲۲۰۔ زرقانی، شرح المواھب المدینۃ: ۷: ۱۹۰... (۱۱۱) یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج: ۱۹... (۱۱۲) القرآن، النور ۲۴: ۱۱۔۲۰... (۱۱۳) بخاری، الصحیح، کتاب الفضائل، باب فضائل عمر، ۴: ۱۸۶۳، رقم: ۲۳۹۶... (۱۱۴) بخاری، الصحیح، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجھاد، ۲: ۹۷۸، رقم: ۱۵۸۱... (۱۱۵) ابوداود، السنن، کتاب الجھاد، باب المراۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ، ۳: ۷۴، رقم: ۲۷۲۷... (۱۱۶) بلا ذری، انساب الاشراف، ا: ۳۵۵... (۱۱۷) بلا ذری، انساب الاشراف، ا: ۳۵۵... (۱۱۸) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب موعظۃ الرجل، ۵: ۱۹۹۱، رقم: : ۴۸۹۵... (۱۱۹) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۶۱... (۱۲۰) ا۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۲/۵۹۸۔ واقدی، کتاب المغازی: ۳/۱۸۰۔ ابن سعد الطبقات الکبریٰ ۲: ۴/۸۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک ۲: ۴۰۷/ ۵۔ بلاذری، انساب الاشراف، ا: ۲۸/۶۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۷۴۴... (۱۲۱) ا۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۲/۵۹۔ ابن سعد الطبقات الکبریٰ ۲: ۸ /۳۔ بلاذری، انساب الاشراف، ا: ۴/۲۸۷۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک ۲: ۵/۴۰۷۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۶/۷۴۴۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۲: ۲۸۳... (۱۲۲) ا۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۴۸ ۲۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۲: ۳۷۴... (۱۲۳) ا۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۲/۱۴۵۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۵: ۳/۵۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲: ۴۴۰... (۱۲۴) ا۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۳: ۲/۵۴۰۔ واقدی، کتاب المغازی: ۳/۹۶۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ا: ۳۱۳... (۱۲۵) ا۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲: ۲/۶۰۷۔ واقدی، کتاب المغازی: ۳/۷۸۸۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ۲: ۱۶۱... (۱۲۶) ا۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲: ۲/۶۰۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ا: ۳/۳۲۲ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ۳: ۱۴۷/ ۴۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۳: ۴، ۳۹۲... (۱۲۷) ا۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ا: ۸۶، ۲/۲۷۸۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۲: ۳۹۰... (۱۲۸) ا۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲: ۲/۵۹۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ا: ۳/۲۶۴۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۸۰... (۱۲۹) ا۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲: ۲/۵۴۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ا: ۳/۲۶۵۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۷۰... (۱۳۰) ا۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ۳: ۲/۲۲۷۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ، ا: ۱۶۳... (۱۳۱) بلاذری، فتوح البلدان: ۸۹... (۱۳۲) ڈاکٹر لیاقت علی خان/ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور بیوروکریسی/پشاور/ماہنامہ الحق/ ج۳۲/شمارہ ۴۔ ۵/جنوری۔ فروری ۱۹۹۷ء/ص۲۸... (۱۳۳) اسلام اور نظام سیاست و حکومت / عبدالباقی مترجم سید الامین انور حقانی/ پشاور/دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک/ص ۳۴۸... (۱۳۴) تاریخ طبری ج ۴ ص ۴۲۷... (۱۳۵) تاریخ الیعقوبی ج ۲ ص ۲۰۴... (۱۳۶) ابن تیمیہ۔ السیاسۃ الشرعیۃ ص ۳۲۔ النووی۔ نہایۃ الآدب ج ا ص ۲۲۰/۲۱۰... (۱۳۷) اسمی المطالب ج ۴ ص ۴۴۵/ ۴۴۶... (۱۳۸) نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۱۵۵... (۱۳۹) اسلام کا نظام حکومت/ مولانا حامد انصاری/دہلی/ ندوۃ المصنفین/ ۱۹۶۴ء/ ص ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸... (۱۴۰) اسلامی مملکت کے بنیادی اصول/ محمد اسد (لیو پولڈ وائس) مترجم مولانا غلام رسول مہر/ لاہور/جمعیۃ پبلی کیشنز / ۲۰۱۰ء/ص۷۱... (۱۴۱) صحیح مسلم بروایت ابو بردہؓ... (۱۴۲) قابل تقلید نظام حکومت/ ڈاکٹر عبدالقدیر/ روزنامہ جنگ /ادارتی صفحہ /۱۹ اگست ۲۰۱۳ء... (۱۴۳) مسلم شریف... (۱۴۴) الرعد ۱۱... (۱۴۵) اسلام اور جمہوریت کا تقابلی جائزہ / محمد فتح اللہ گولن / ص ۴۴... (۱۴۶) پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء /ص ۲۶۷... (۱۴۷) اعظم چوہدری / پاکستان کا آئین / کراچی / فرید پبلیشرز / ۲۰۱۵/ ص ۲۳... (۱۴۸) پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء /ص ۲۷۰... (۱۴۹) ڈاکٹر صفدر محمود/ پاکستان تاریخ و سیاست / لاہور / جہانگیر بکس / ص ۴۴... (۱۵۰) پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء /ص ۲۷۱... (۱۵۱) اعظم چوہدری / پاکستان کا آئین / کراچی / فرید پبلیشرز / ۲۰۱۵/ ص ۲۳... (۱۵۲) ڈاکٹر صفدر محمود/ پاکستان تاریخ و سیاست / لاہور / جہانگیر بکس / ص ۴۵... (۱۵۳) اعظم چوہدری / پاکستان کا آئین / کراچی / فرید پبلیشرز / ۲۰۱۵/ ص ۲۴-۲۳... (۱۵۴) پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء /ص ۲۷۹... (۱۵۵) ایضاً /ص ۲۸۹... (۱۵۶) اخبار زمیندار، لاہور، ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء... (۱۵۷) پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء /ص ۲۹۲... (۱۵۸) اسلام اور سیاسی نظریات/ مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القرآن / ص ۴۰۲... (۱۵۹) اسلامی ریاست/ سید ابو الاعلیٰ مودودی /لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/۲۰۱۰ /ص ۲۴۳-۲۴۱... (۱۶۰) ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری/ سیاسیات نظریات اور اصول/ کراچی/ غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء/ ص۱۹... (۱۶۱) ایضاً / ص۲۰... (۱۶۲) ایضاً / ص۲۰... (۱۶۳) ایضاً / ص۲۱... (۱۶۴) ایضاً / ص۲۱... (۱۶۵) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء /



Marfat.com

ص۱۱... (۱۶۶) اسلام کا سیاسی نظام / خدا بخش کلیار /لاہور/ نشریات / ص... (۱۶۷) قائداعظم کا تصور پاکستان اور ان کے اقوال /
رضوان احمد / کراچی / قائد فاؤنڈیشن / ۲۰۱۰ء / ص ۹... (۱۶۸) قائداعظم کا تصور پاکستان اور ان کے اقوال / رضوان احمد /
کراچی / قائد فاؤنڈیشن / ۲۰۱۰ء / ص ۱۹... (۱۶۹) جامع الترمذی، سنن ابن ماجہ... (۱۷۰) صحیح بخاری... (۱۷۱) سنن ابو داؤد...
(۱۷۲) صحیح بخاری... (۱۷۳) صحیح مسلم... (۱۷۴) بخاری مسلم... (۱۷۵) صحیح بخاری... (۱۷۶) روض الانف للسھیل... (۱۷۷)
الفخری... (۱۷۸) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء / ص۲۵... (۱۷۹) اسلام
اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء / ص۲۵... (۱۸۰) اسلام اور سیاسی نظریات /
مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء / ص۱۱... (۱۸۱) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی
/ مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء / ص۲۹... (۱۸۲) سیاسی نظریات / ڈاکٹر آصف وحید / لاہور/ راحت پبلیشرز / ص ۶۵...
(۱۸۳) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء / ص۳۱۔۳۲... (۱۸۴) اسلام اور
سیاست / محمد علی گرجی / کراچی / مکتبہ برہانیہ / ص ۶۶... (۱۸۵) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ
معارف القران /۲۰۱۰ء / ص۸۱... (۲۸۶) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء
/ ص۶۴... (۱۸۷) سورہ آل عمران رآیت نمبر۱۵۹... (۱۸۸) بخاری و ترمذی... (۱۸۹) الحدیث... (۱۹۰) الحدیث... (۱۹۱) سیرۃ
الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاستی اہمیت /ڈاکٹر محمد طاہر القادری / لاہور/ منہاج القرآن پبلی کیشنز / ۲۰۰۶/ص ۱۰۰... (۱۹۲) کلیات
اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز... (۱۹۳) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء
/ص ۹۶... (۱۹۴) مجمع الزوائد /ج۵/باب حق الرعیۃ و النصح لہا/ص۳۱۱... (۱۹۵) قالا میر راع علی الناس و مسؤل عن رعیتہ الخ
مجمع الزوائد و منبع الفوائد عن انس، ج۵، ص ۲۰۷... (۱۹۶) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء
/ص ۹۷... (۱۹۷) دیکھو کتاب المغازی و السیر، ج۶، ص ۲۱۴... (۱۹۸) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل
ناشران/۱۹۹۹ء /ص ۹۸... (۱۹۹) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء /ص ۱۹۰... (۲۰۰) اسلام
کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء /ص ۱۹۰... (۲۰۱) تفصیل کے لیے دیکھئے البحر المحیط، ابو حیان
اندلسی، ج۱۔ ص ۳۹۲، ج۲، ص ۳۲۰ تا ۳۶۹... (۲۰۲) سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینی و دستوری اہمیت/ڈاکٹر محمد طاہر
القادری / لاہور/ منہاج القرآن پبلی کیشنز/ ۲۰۰۵/ص... (۲۰۳) سورہ یوسف/سورہ نمبر۱۲/آیت نمبر۴۰... (۲۰۴) سورہ آل
عمران/سورہ نمبر۳/ آیت نمبر۱۵۴... (۲۰۵) سورہ النحل/ سورہ نمبر۱۶/آیت نمبر۱۱۶... (۲۰۶) سورہ المائدہ/سورہ نمبر۵/آیت
نمبر۴۴... (۲۰۷) سورہ الانعام/سورہ نمبر۶/آیت نمبر۵۰... (۲۰۸) سورہ النساء/سورہ نمبر۴/آیت نمبر۶۴... (۲۰۹) سورہ
الانعام/سورہ نمبر۶/آیت نمبر۸۹... (۲۱۰) سورہ آل عمران/سورہ نمبر۳/ آیت نمبر۷۹... (۲۱۱) سورہ النساء/سورہ نمبر۴/آیت
نمبر۱... (۲۱۲) سورہ الحجرات/سورہ نمبر ۴۹آیت نمبر ۱۳... (۲۱۳) سورہ بنی اسرائیل/سورہ نمبر ۱۷/ آیت نمبر ۷۰... (۲۱۴) سورہ
آل عمران/سورہ نمبر۳/آیت نمبر ۱۵۹... (۲۱۵) سورہ الشوریٰ/سورہ نمبر ۴۲/ آیت نمبر ۳۸... (۲۱۶) سورہ المائدہ/سورہ
نمبر۵/آیت نمبر۲... (۲۱۷) تفسیر ابن کثیر... (۲۱۸) کنز العمال... (۲۱۹) الحدیث... (۲۲۰) صحیح بخاری و صحیح مسلم... (۲۲۱)
الحدیث... (۲۲۲) بخاری و ترمذی... (۲۲۳) صحاح... (۲۲۴) بخاری و مسلم... (۲۲۵) ابو داؤد... (۲۲۶) سورہ البقرہ/سورہ
نمبر۲/آیت نمبر ۲۰۸... (۲۲۷) سورہ البقرہ/سورہ نمبر۲/آیت نمبر ۸۵... (۲۲۸) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری
/لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء /ص ۹۸... (۲۲۹) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء /ص
۱۹۵، بحوالہ: محمد علی کرد/ الاسلام و الحصناۃ العربیہ /ص۵۴۳... (۲۳۰) حاضر العالم الاسلامی، تعلیقات، امیر شکیب ارسلان، ج۱/ ص
۱۲۵-۱۲۴... (۲۳۱) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء /ص ۱۹۶... (۲۳۲) ایضاً /ص ۱۹۶...
(۲۳۳) ایضاً /ص ۱۹۷... (۲۳۴) -قاضی محمد رویس خان ایوبی / مضمون اسلام، جمہوریت اور مسلم ممالک / ماہنامہ الشریعہ / نومبر
۲۰۱۳ء / ص ۲۹... (۲۳۵) پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء /ص ۲۷۵... (آئین سازی
اور نظریاتی کشمکش:... (۲۳۶) Mushtaq Ahmed/ Government and Politics of Pakistan/ page88 ...(۲۳۷)
پاکستان کا آئین / ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / کراچی / فرید پبلیشرز / جنوری ۲۰۱۵ء / ص۲۰... (۲۳۸) پاکستان کا آئین / ڈاکٹر محمد
اعظم چوہدری / کراچی / فرید پبلیشرز / جنوری ۲۰۱۵ء / ص۲۷... (۲۳۹) پاکستان کا آئین / ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / کراچی /



Marfat.com

فرید پبلیشرز / جنوری ۲۰۱۵ء / ص۶۷... (۲۴۰) پاکستان سیاسی اتحاد اور پاکستانی سیاست پر اثرات / سلیم یونس / ص۱۵۵... (۲۴۱) پروفیسر غفور احمد / جنرل ضیاء کے دس سال / ص ۷۰... (۲۴۲) Kath Klard/ Pakistan-A Political. Study/ London/ 1968/ p125... (۲۴۳) پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء / ص ۲۷۶... (۲۴۴) پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء / ص ۲۷۷... (۲۴۵) Mushtaq Ahmed/ Government and Politics in Pakistan/ Karachi/ 1970/ P162... (۲۴۶) پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء / ص ۲۷۸... (۲۴۷) Muhammad Khalid/Welfare State of Pakistan/Karachi/Royal Book Co.P126... (۲۴۸) Kath Klard/ Pakistan-A Political Study/London/ 1968/P20... (۲۴۹) Muhammad Khalid/Welfare State of Pakistan/Karachi/Royal Book Co.P129... (۲۵۰) پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء / ص ۲۷۹... (۲۵۱) بحوالہ صفدر محمود، صفحہ ۷۵... (۲۵۲) ایضاً، صفحہ ۶۳... (۲۵۳) پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء / ص ۲۸۰... (۲۵۴) پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء / ص ۲۸۲... (۲۵۵) سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینی و دستوری اہمیت / ڈاکٹر محمد طاہر القادری/لاہور/ منہاج القرآن پبلی کیشنز/ ۲۰۰۵ء ص۶۵... (۲۵۶) Watt Montgomery wat, Islamic Political Thought: The Basic Concepts, P.4... (۲۵۷) سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینی و دستوری اہمیت / ڈاکٹر طاہر القادری/لاہور/ منہاج القرآن پبلی کیشنز / ۲۰۰۵/ص۱۱... (۲۵۸) جدوجہد پاکستان / ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی / کراچی / شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی / ۱۹۹۰ء ص ۱۰۰... (۲۵۹) علم سیاسیات / ڈاکٹر فرحت عظیم / کراچی / ۲۰۰۱ / ص۷۹... (۲۶۰) جدید حکومتیں / ڈاکٹر عظیم چوہدری / کراچی / ۲۰۰۱ / ص۴۹۱... (۲۶۱) قادیانیت، ثبوت حاضر ہے، محمد متین خالد / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ۲۰۰... (۲۶۲) http: //nasiknewspublisher.blogspot.com/2012/04/blog-post_08.ht... (۲۶۳) ماہنامہ منہاج القرآن / مئی ۲۰۱۳ء / لاہور... (۲۶۴) عامۃ کتب سیرت ابن ہشام، ابن کثیر، ابن سعد وغیرہ... (۲۶۵) ابن سعد: الطبقات الکبری: ۱: ۲۰۲بیروت ۱۹۶۰ء... (۲۶۶) ڈاکٹر حمید اللہ عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص۲۴۴ کراچی... (۲۶۷) قد اعطیت مفاتح الخزائن، صحیح بخاری: ۲: ۹۵۱ طبع دہلی... (۲۶۸) ماوردی اعلام النبوۃ: ۲۱۱ طبع مصر... (۲۶۹) مشکوۃ المصابیح، ص۴۴۲، طبع سعید کمپنی کراچی... (۲۷۰) جامع ترمذی ۳۴۰، طبع نور محمد کراچی... (۲۷۱) اقبال/کلیاتِ اقبال ۲۷۱... (۲۷۲) صحیح مسلم۔ باب کراھۃ الامارۃ۔ ۲: ۱۲ طبع کراچی... (۲۷۳) سورۃ الانفال: ۲۷... (۲۷۴) ابن تیمیہ" سیاست الھیہ ص۱۱۷ لاہور طبع اول کراچی... (۲۷۵) جمع ترمذی: کتاب الاحکام ص۲۱۰ طبع نور محمد کراچی... (۲۷۶) کتاب الخراج لامام ابی یوسف: ۱۱۶ طبع بیروت... (۲۷۷) سیرت ابن ہشام، ص۵۰۱ تا ۵۰۴، طبع مصر... (۲۷۸) دستور مدینہ۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ/ڈاکٹر حمید اللہ... (۲۷۹) سورۃ النساء: ۱۳۵... (۲۸۰) المبسوط للسرخسی: ۶: ۵۹... (۳۸۱) مصنف عبدالرزاق، طبع بیروت ۱۹۷۲ء ج: ۹ص۴۶۹... (۲۸۲) کنزالعمال، طبع بیروت ص۶۶۲ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو ج۱۲، ص۶۵۹، ج۱۳، ص۸۳... (۲۸۳) سنن ابی داود مکتبہ امدادیہ ملتان... (۲۸۴) سورہ الشوریٰ / آیت نمبر ۵، سورہ ا المائدہ / آیت نمبر ۴۲... (۲۸۵) فاروق اکثر نجیب، دستور پاکستان ص۴۵۳... (۲۸۶) سورۃ طہ / آیت نمبر: ۱۱۸، ۱۱۹... (۲۸۷) مشکوۃ المصابیح... (۲۸۸) السہیلی: روض الانف... (۲۸۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر حمید اللہ... (۲۹۰) سیرت ابن ہشام: ج ۲، ص ۱۸ ۳... (۲۹۱) ابن سعد: ج ۱، ص۲۷۱... (۲۹۲) استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی / سید عزیز الرحمن / اسلام آباد/ وزارت مذہبی امور اسلام آباد / ۱۹۹۸ء / ص ۸۹... (۲۹۳) سورہ الحجرات۔ ۱۳... (۲۹۴) علامہ اقبال جوات شکوہ... (۲۹۵) صحیح بخاری/۱۴۵، ۳... (۲۹۶) سورہ البقرۃ/آیت نمبر۱۱۳... (۲۹۷) آل عمران/آیت نمبر۷۵... (۲۹۸) ۱۶۔ آل عمران/آیت نمبر۱۵۹... (۲۹۹) ۱۷۔ النحل: ۱۲۵... (۳۰۰) سورہ الانعام/ آیت نمبر۱۰۹... (۳۰۱) سورہ انعام/آیت نمبر۱۶۰... (۳۰۲) سورہ آل عمران/ آیت نمبر ۱۰۳... (۳۰۳) تاریخ طبری ج۴، ص۲۴۹... (۳۰۴) مسند احمد بن حنبل، ج۱ص۶... (۳۰۵) ابن طقطقی: "الفخری" اردو ترجمہ جعفر شاہ پھلواری، ادارہ ثقافت "اسلامیہ" لاہور ۱۹۸۱ء ص۳۸... (۳۰۶) بخاری۔ کتاب الاحکام۔ باب السمع والطاعۃ للامام... (۳۰۷) سورہ العنکبوت ۹۲: ۹۶۔



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس وقت دنیا میں رائج مختلف سیاسی نظاموں میں سے جمہوری نظام اپنی وضع، سرشت، اساسی تصورات اور بنیادی اصولوں کے اعتبار سے تعلیماتِ نبوی یا دوسرے لفظوں میں اسلام سے کتنا متصادم اور کس حد تک موافق ہے؟ اس چیز کی تفصیل میں جانے(۱)، اسی طرح پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا آئین کی رُو سے تفصیلی یادفعہ وار جائزہ تعلیمات نبوی کی روشنی میں زیرِ نظر مقالہ کی مقررہ ضخامت کے پیشِ نظر ممکن نہیں۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ آئین پاکستان کی بعض دفعات چھوڑ کر زیادہ تر دفعات تعلیمات نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام سے مطابقت رکھتی ہیں۔ دستور کے ابتدائیہ / تمہید ہی میں اس بات کی صراحت کردی گئی ہے کہ

أ- باری تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اقتدار و اختیار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہے، وہ ایک مقدّس امانت ہے۔

ب- جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے ایسا نظام قائم کیا جائے گا جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

ج- جس میں مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی حلقہ ہائے عمل میں اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جس طرح قرآن پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں۔

د- جس میں بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں مساوات، قانون کی نظر میں برابری، معاشی اور سیاسی انصاف اور اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور اجتماع کی آزادی شامل

---

* ایڈیٹر اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور



Marfat.com

ہو گی۔

ھ- آرٹیکل نمبر ۲ کے مطابق اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہو گا۔

و- آرٹیکل نمبر ۳ میں ہر قسم کے استحصال کے خاتمہ کی نوید سنائی گئی ہے۔وغیرہ وغیرہ(۲)

مگر بدقسمتی سے یہ ساری چیزیں دستور کی کاغذی زینت ہیں۔ مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں عملی طور پر ان چیزوں کا کہیں وجود نظر نہیں آتا۔اس لیے ہم یہاں وطن عزیز میں رائج جمہوری سیاسی نظام سے پیدا ہونے والے چار پانچ نمایاں نتائج یا خرابیوں کا ہی جائزہ لے سکیں گے۔کیونکہ فقہائے اسلام نے قرآن و سنت کی روشنی یہ فقہی قاعدہ وضع کیا ہے کہ "درأالمفاسد اولیٰ من جلب المصالح"(۳) یعنی خرابیوں کا دور کرنا مصلحتوں / منافع کے حصول سے مقدم اور زیادہ ضروری ہے۔

## ① پارٹی بازی یا سیاسی پارٹیوں کی باہمی کشمکش اور مخالفت برائے مخالفت

پارٹی بازی یا مختلف فکر اور سوچ کی حامل سیاسی پارٹیوں کا وجود جمہوری نظام کا خاصہ اور لازمہ ہے۔شاید اسی وجہ سے ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین پاکستان کی دفعہ ۱۷ میں ہر شہری کو انجمن سازی اور سیاسی جماعت بنانے کا حق دیا گیا ہے۔(۴) پاکستانی سیاستدانوں نے اس حق سے بھرپور استفادہ اٹھایا ہے چنانچہ الیکشن کمیشن کی رپورٹ کے مطابق اس وقت تہتر عدد رجسٹرڈ سیاسی جماعتیں میدانِ سیاست میں موجود ہیں(۵)۔ہر باشعور آدمی اس امر کی گواہی دے گا کہ پچھلی کئی دہائیوں سے اور اس وقت بھی اقتدار کے حصول کے لیے مسلسل کشمکش، ایک دوسرے کی برسرعام تذلیل، کردار کشی اور الزام تراشی بڑی سیاسی جماعتوں کا وطیرہ بن چکا ہے۔جمہوری نظام کی رُو سے حصولِ اقتدار کے لیے اکثریت چونکہ آئینی ضرورت ہوتی ہے اس لیے یہ جماعتیں عام انتخابات میں اکثریت حاصل کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرتی ہیں۔ پارلیمنٹ میں پہنچ کر حزب اقتدار اور حزبِ اختلاف کی شکل میں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنا، حکومت گرانے کی کوشش کرنا، ممبرانِ پارلیمنٹ کے ضمیر خریدنا اور حزبِ اختلاف کا ہر معاملے میں حکومت کی مخالفت کرنا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس مروّجہ جمہوری سیاسی نظام میں پاکستانی قوم کی سیاسی وحدت کا پارہ پارہ ہو جانا بھی محتاجِ دلائل نہیں۔ اسی طرح ہر حال میں پارٹی قائد اور پارٹی پالیسی کی تائید و حمایت بھی مروجہ جمہوری نظام کا معمول ہے۔الیکشن میں اور پھر اسمبلیوں میں پارٹی کے نامزد کردہ امیدوار کی ہی حمایت بھی عام مشاہدہ ہے چاہے وہ جتنا نااہل، کرپٹ بلکہ غنڈہ اور بدمعاش ہو۔گویا پارٹی کا فیصلہ اور مفاد ہی حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کا معیار ہے اگرچہ عقلی و نقلی اعتبار سے وہ کتنا ہی غلط اور باطل ہو۔ علی ہٰذا القیاس پارٹی قائد یا وزیراعظم کی خوشامد چاپلوسی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عمومی صورتِ حال کچھ یوں ہے کہ

گر شاہ روز را گوید شب است ایں



Marfat.com

**جائزہ:**

اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی، نسلی اور مسلکی بنیادوں پر اہلِ اسلام میں تفریق، گروہ بندی یا پارٹی بازی تعلیماتِ نبوی میں جائز نہیں۔ باہمی الفت اور بھائی چارہ اللہ کی کسی قوم پر بہت بڑی نعمت ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو آپس میں اتحاد و اتفاق کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (۶)

اور اللہ کی رسّی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم (باہم) دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی۔ سو تم اس کے انعام سے (آپس میں) بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا(۷)۔

تعلیماتِ نبوی میں پارٹی بازی کے ناپسندیدہ ہونے کے حوالے سے دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ (۸)

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔

پارٹی بازی تعلیمات نبوی میں ایک قسم کا دنیا میں عذاب الٰہی ہے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (۹)

(اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے کہ وہ (باری تعالیٰ اس پر بھی) قادر ہے کہ تمہارے اوپر کوئی عذاب مسلّط کر دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا تمہیں گروہ گروہ کر کے بھڑا دے اور تمہیں ایک دوسرے کی لڑائی (کا مزہ) چکھا دے۔

نبی رحمت ﷺ نے ملّی مفاد کے مدّ نظر پارٹی بازی اور گروہ بندی کو اسلام کا طوق گلے سے اُتار پھینکنے کے مترادف قرار دیا ہے(۱۰)۔ آنجناب ﷺ نے پارٹی بازی کے قومی و ملی سطح پر انتہائی خطرناک نتائج کے پیشِ نظر یہاں تک فرمایا کہ جو آدمی قوم کی جمعیت اور وحدت کو توڑنے کے لیے الگ پارٹی بنانے اور جماعت سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو، اس کی گردن اڑا دو(۱۰)۔

تعلیمات نبوی میں سیاسی نقطۂ نظر کے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ عہد نبوی اور خلافتِ راشدہ میں اس قسم کے اختلاف کی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہے۔ مگر محض سیاسی نقطہ نظر کے اختلاف کی بنیاد



Marfat.com

پر پارٹی بازی کی ایک مثال بھی نہیں ملتی، چنانچہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وصال کے ساتھ ہی انصار اور مہاجرین میں خلافت اور حضورؐ کی جانشینی کے مسئلے میں اختلاف ہوا۔ مہاجرین نے انصار کی رائے سے اختلاف کیا جس سے ایک شدید قسم کا جھگڑا پیدا ہونے کا اندیشہ ہوگیا مگر کبار صحابہؓ کی دوراندیشی بے نفسی اور باہمی خلوص کے باعث معاملہ سلجھا لیا گیا اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی۔ قبیلہ خزرج کے لیڈر حضرت سعدؓ بن عبادہ نے اس فیصلہ سے اتفاق نہ کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہ کی(۱۲) مگر انہوں نے اس سلسلے میں تعلیمات نبوی کے پیش نظر زندگی بھر کوئی پارٹی بنائی نہ حکومت کے خلاف جلوس نکالے اور نہ دھرنے دیے۔

اسی طرح سیاسی میدان میں حکومت و حکمرانوں پر تنقید برائے اصلاح و احتساب کی گنجائش تو تعلیمات نبوی میں موجود ہے مگر محض تنقید برائے تنقید کا قطعاً جواز نہیں۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (۱۳)

اور ایک دوسرے کی نیکی اور تقویٰ کے کام میں مدد کرتے رہو اور گناہ اور زیادہ پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو۔

علیٰ ہٰذا القیاس محض سیاسی اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنا، کردار کشی کرنا اور الزام تراشی بھی تعلیماتِ نبوی کے خلاف ہے۔(۱۴)

زیرِ بحث معاملے میں تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں حکومت اور عوام کا ایک دوسرے کے ساتھ کیا طرز عمل، کیا رویہ اور کیا سوچ ہونی چاہیے، اس کی وضاحت کے لیے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکرؓ کے پہلے پالیسی ساز اور تاریخ ساز خطبہ کا مطالعہ کافی ہوگا۔ آپ نے عامۃ المسلمین کی بیعت کے بعد حاضرین سے (سیرۃ ابن اسحاق کے الفاظ میں) فرمایا:

امّا بعد، ایها الناس! فانی قدولیّت علیکم و لست بخیر کم، فان احسنت فاعینونی، وان اسأت فقوّمونی، الصدق امانة والکذب خیانة، والضعیف فیکم قوی عندی حتی اریح علیه حقه ان شاء الله، والقوی فیکم ضعیف عندی حتی آخذ الحق منه ان شاء الله، لایدع قوم الجهاد فی سبیل الله الاضربهم الله بالذل، ولا تشیع الفاحشة فی قوم قط الّا عمهم الله بالبلاء اطیعونی ما اطعت الله ورسوله، فاذ اعصیت الله ورسوله فلا طاعة لی علیکم، قوموا الی صلوٰتکم یرحمکم الله (۱۵)

اما بعد، اے لوگو! بیشک میں تمہارا (تمہارے ہی انتخاب پر) والی بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے افضل نہیں ہوں۔ پس اگر میں (میری حکومت) اچھا کام کروں تو اس کام میں میرا تعاون کرو اور اگر میں غلط / برا کام کروں تو مجھے سیدھا کردو، سچائی امانت ہے، اور جھوٹ خیانت ہے، تمہارا کمزور آدمی میرے نزدیک طاقتور ہے حتیٰ کہ اس کا حق اسے واپس دلادوں (ان شاء اللہ) اور تمہارا طاقتور آدمی میرے نزدیک کمزور



Marfat.com

ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کرلوں (ان شاء اللہ)، کوئی قوم جہاد فی سبیل اللہ نہیں چھوڑتی مگر اللہ ان پر ذلّت مسلّط فرما دیتا ہے اور کسی قوم میں کبھی برائی نہیں پھیلتی مگر اللہ انہیں بلاء میں مبتلا کر دیتا ہے۔ میری اطاعت کرو جب تک کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تمہارے اوپر میری اطاعت لازم نہیں۔ اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اللہ تمہارے اوپر رحم فرمائے۔

## ② قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی ممبرشپ کی طلب اور اس کے لیے تگ و دو

پاکستان کے مروّجہ جمہوری سیاسی نظام میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران کے انتخاب کا طریقہ کار عوام کے سیاسی شعور سے نابلد ہونے اور ذاتی و مالی مفادات مقدم ہونے کی عمومی سوچ کے پیشِ نظر عملی طور پر اتنا مہنگا ہے کہ سرمایہ دار اور جاگیر دار کے علاوہ کسی غریب آدمی کا منتخب ہونا چاہے وہ کتنا ہی اہل، باصلاحیت، دیانتدار اور پرہیز گار ہو، انتہائی مشکل ہے۔ گویا عملاً ممبران پارلیمنٹ کی اہلیت کا معیار پیسہ، سیاسی اثر و رسوخ، خاندانی بڑائی، دھن اور دھونس ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ دستور پاکستان کی دفعہ ۶۲ میں یہ صراحت موجود ہے کہ

وہ شخص مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے کا اہل نہیں ہوگا جو

(۱) اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور عام طور پر احکام اسلام سے انحراف میں مشہور ہو۔

(۲) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔

(۳) وہ سمجھدار پارسا نہ ہو اور فاسق ہو اور ایماندار اور امین نہ ہو۔

(۴) کسی اخلاقی پستی میں ملوّث ہونے یا جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں سزایافتہ نہ ہو۔

اسی طرح ہر امیدوار اس سیاسی عہدہ کے حصول کے لیے اپنے آپ کو عوام کے سامنے پیش کرتا، مخالف امیدوار پر کیچڑ اچھالتا اور ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کرتا ہے۔

### جائزہ:

آج کل عمومی مشاہدہ یہی ہے کہ اہم سیاسی اور سرکاری عہدے اور بڑے مناصب عزت و جاہ کے حصول اور کسب دنیا کا بڑا آسان اور انتہائی کامیاب ذریعہ سمجھے جاتے ہیں اور اس حوالے سے یہ تصور بھی عام ہے کہ ان کا حصول اہل ملک یا شہریوں کا حق ہے۔ اس وجہ سے ان کو حاصل کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کی جاتی ہے۔ ان مناصب سے چونکہ معاشرتی عزت اور مال و دولت دونوں کے حاصل ہونے کی یقین کی حد تک توقع ہوتی ہے اس وجہ سے لوگ جواریوں کی طرح ان کے لیے بازی کھیلتے ہیں اور دین



Marfat.com

دنیا کی جو پونجی بھی پاس ہوتی ہے بسا اوقات ساری کی ساری اِس داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ تعلیماتِ نبوی کی رُو سے یہ سرکاری عہدے اور مناصب کسی بھی شہری کا حق نہیں بلکہ امانت اور انتہائی ذمہ داری کی چیز ہیں اور یہ انہی لوگوں کے سپرد کیے جائیں گے جو ان مناصب کے اہل اور اس منصب کے لیے درکار و مطلوب تمام شرائط کے حامل ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا (۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان لوگوں کو لوٹاؤ جو ان کے اہل ہیں۔

مشہور مفسر ابو حیان اندلسی اور بعض دیگر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

نزلت فی الامراء ان یؤدوا الامانة فیما ائتمنهم الله من امر رعیته (۱۷)

یہ آیت امراء/ حکمرانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس میں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی رعایا کے معاملے میں جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں امین بنایا ہے، امانت اس کے اہل کے سپرد کریں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فیجب علی ولیّ الامر ان یولّی علی کل عمل من اعمال المسلمین اصلح من یجده لذلک العمل (۱۸)

(پس امیر/حاکم پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے کاموں (عہدوں) میں سے ہر کام (عہدے) پر اس کام کے لیے دستیاب افراد میں سے اہل ترین آدمی کو تعینات کرے۔

گویا سیاسی یا سرکاری عہدے اور مناصب اہل لوگوں کو دینا ان کی امانت ان کے سپرد کرنا ہے؛ محض سرمایہ کے بل بوتے پر یا سیاسی، نسلی، وطنی، پارٹی، قرابت داری، دوستی، خاندانی یا کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر کسی کو کوئی عہدہ و منصب دینا اس آیت کے منشاء کے خلاف ہے۔ سرکاری عہدے کس طرح قومی امانت اور کتنی نازک ذمہ داری کا کام ہیں۔ جوہر آدمی کے بس کا روگ نہیں، اس کا اندازہ درج ذیل احادیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

عن ابی ذر قال قلت یا رسول الله الا تستعملنی؟ قال فضرب بیده علی منکبی ثم قال یا ابا ذر انک ضعیف وانها امانة وانها یوم القیامة خزی وندامة الا من اخذها بحقها وادی الذی علیه فیها (۱۹)

حضرت ابوذرؓ (غفاری) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپؐ مجھے کسی علاقے کا عامل (یا کسی سرکاری عہدے پر) فائز نہیں فرمائیں گے؟ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں اس پر آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر مارا، پھر فرمایا: اے ابوذر تو کمزور آدمی ہے اور یہ (امارۃ، سرکاری عہدہ) ایک امانت ہے اور بے شک یہ (امارۃ و عہدہ) قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگا۔ سوائے اس آدمی کے جس نے اسے اس کے حق کے ساتھ قبول کیا اور اس معاملے میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی، اسے کما حقہ ادا کیا۔



Marfat.com

حضرت مقدامؓ بن معدیکرب کو بھی نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کندھے پر ہاتھ مار کر امارت قبول نہ کرنے کی طرف توجہ دلائی۔(۲۰)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنجناب ﷺ نے (پیشین گوئی کے طور پر) فرمایا:

انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ یوم القیامۃ فنعم المرضعۃ وبئست الفاطمۃ (۲۱)

بے شک تم عنقریب امارۃ (گونرری، سرکاری عہدوں) کی حرص کرو گے حالانکہ یہ امارۃ قیامت کے روز سراپا ندامت کا باعث ہوگی۔ پس یہ امارت کس قدر بہترین دودھ پلانے والی اور کتنی بُری دودھ چھڑانے والی ہے۔ (یعنی اس کی بنیاد تو بڑی دلکش مگر اختتام اور انجام بڑا خطرناک ہے)۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی درج بالا حدیث کی شرح میں علامہ نووی لکھتے ہیں:

ھذا الحدیث اصل عظیم فی اجتناب الولایات لاسیما لمن کان فیہ ضعف عن القیام بوظائف تلک الولایۃ واما الخزی والندامۃ فھو فی حق من لم یکن اھلا لھا او کان اھلا ولم یعدل فیھا فیخزیہ اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ ویفضحہ، ویندم علی مافرط (۲۲)

سرکاری عہدوں سے بچنے کے معاملے میں یہ حدیث بہت بڑی اصل ہے خصوصاً اس آدمی کے لیے جو اس عہدہ کی ذمہ داریوں کو پوری طرح نہ نباہ سکتا ہو۔ اور قیامت کے دن یہ عہدہ اس آدمی کے لیے رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگا جو اس کا اہل نہ ہو یا اہل تو ہو مگر اپنے عہدہ سے انصاف نہ کرے تو قیامت کے دن اللہ اسے رسوا فرمائے گا اور اپنے عہدے کا حق ادا نہ کرنے پر وہ شرمندہ ہوگا۔

اسی طرح عہد طلبی اور اس کے لیے کوشش بھی تعلیمات نبوی کی رو سے مستحسن نہیں چنانچہ

عن ابی موسیٰ قال دخلت علی النبی ورجلان من بنی عمّی فقال احدھما یا رسول اللہ امرنا علی بعض ماولاک اللہ وقال الآخر مثل ذالک فقال انا واللہ لانولی علیٰ ھذا العمل احداً سألہ ولا احداً حرص علیہ وفی روایۃ قال لانستعمل علی عملنا من ارادہ (۲۳)

حضرت ابو موسیٰ (اشعریؓ) کہتے ہیں کہ میں اور میرے دو چچا زاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ نے آنجناب کو جن امور پر ولایت و حکومت عنایت فرمائی ہے، ان میں سے کسی معاملے پر مجھے بھی امیر (عامل - عہدیدار) مقرر فرمادیں اور دوسرے نے بھی اسی قسم کا مطالبہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! قسم بخدا ہم اس کام (سرکاری عہدے) پر کسی ایسے آدمی کو تعینات نہیں کرتے جو اس کا خود سوال کرے اور نہ کسی ایسے شخص کو جو اس کی حرص کرے۔ جبکہ ایک دوسری روایت کے مطابق مذکورہ مطالبہ کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ہم ایسے آدمی کو کسی سرکاری کام پر نہیں لگائیں گے جو خود اس کا ارادہ (خواہش ظاہر) کرے۔



Marfat.com

سنن ابی داؤد میں یہ اضافہ ہے کہ جب انہوں نے سرکاری عہدوں کا مطالبہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان اخونکم عندنا من طلبه" بے شک ہمارے نزدیک تم میں سے سب سے بڑا خائن وہ ہے جو کوئی عہدہ طلب کرے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں: "فلم یستعن بهما علی شیء حتی مات" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو بھی کوئی عہدہ سپرد نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔(۲۴)

یہ حدیث نبوی اس بات کی دلیل ہے کہ تمام سرکاری عہدوں پر تعیناتی حکومت کے لیے کسی بھی آدمی کا حق نہیں۔ کیونکہ اگر یہ حق ہوتا تو ان کے حصول کا مطالبہ مذکورہ حدیث کے مطابق رکاوٹ کا سبب نہ بنتا کیونکہ کسی صاحب حق کو جب وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے یا اس کی حرص کرے تو اسے اپنے حق کے حصول سے منع نہیں کیا جاسکتا۔(۲۵)

عہدہ کی طلب اور حرص کی معنوی بے برکتی بیان کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمنؓ بن سمرہ سے فرمایا:

لاتسأل الامارة فانک ان اعطیتها عن مسألة و کلت فیها الی نفسک وان اعطیتها عن غیر مسألة اعنت علیها (۲۶)

کبھی امارت کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر یہ عہدہ تیری طلب پر تجھے دیا گیا تو تو (اللہ کی طرف سے) اس معاملے میں اپنی ذات کے سپرد کردیا جائے گا اور اگر تجھے یہ عہدہ بن مانگے دیا گیا تو اس پر (من جانب اللہ) تیری مدد کی جائے گی۔

سرکاری عہدوں کی طلب اور حرص پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عہدہ کسی سائل کو کیوں نہیں عطا فرمایا، اس کی نفسیاتی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

جو لوگ عہدوں اور مناصب کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں اسلامی ماحول کے اندر وہ متّہم اور خائن خیال کیے جاتے ہیں اور بسااوقات ان کا یہ فعل ہی ان کو اس عہدے کے لیے نااہل قرار دینے کے واسطے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اتنی بڑی آزمائش میں پڑنے کے لیے جو شخص اپنے آپ کو خود پیش کررہا ہے وہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ اپنی ذمہ داری اور اس کے دوررس نتائج سے بالکل ناواقف ہے یا اس کی نیت میں فتور ہے اور وہ اپنی خواہش سے بے بس ہوگیا ہے۔ اگر پہلی صورت ہے تو ایسا شخص امتحان میں پڑنے کے بعد ناممکن ہے کہ اپنے آپ کو ترغیبات کے فتنوں سے بچاسکے، جب کوئی آزمائش سامنے آجائے گی اس کے قدم ضرور لڑکھڑا جائیں گے۔ اور اگر دوسری شکل ہے تو ایسا شخص پہلے مرحلہ ہی میں خائن اور بددیانت ہے، اس کو کوئی ذمہ داری سونپنا گویا چور کو کوتوال بنانا ہے۔ اس وجہ سے اسلام میں عہدہ کی طلب کو ایک مستقل دلیل نااہلیت قرار دے دیا گیا ہے۔(۲۷)



Marfat.com

## ③ حکمران طبقہ اور عوام کی معاشرت میں غیر معمولی تفاوت

پاکستان کے مروّجہ جمہوری سیاسی نظام میں حکمران طبقہ مثلاً صدر مملکت، وزیراعظم، وزرائے اعلیٰ، گورنرز، وفاقی و صوبائی وزراء، وزرائے مملکت، مشیران، ارکان پارلیمنٹ اور دیگر فوجی و سول افسران بالا کو غیر معمولی مراعات حاصل ہیں۔ ان کی اور عوام کی معاشرت اور بودوباش میں غیر معمولی بلکہ زمین آسمان کا فرق ہے۔ ان کی رہائش، کھانے پینے، دفتر اور ملکی و غیر ملکی دوروں کے اخراجات عیش پسندی سے بھی آگے فضول خرچی اور اللّوں تللّوں کی حد کو چھوتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں موجودہ حکومت سمیت پچھلی حکومتوں کے عہد میں حکمران طبقہ کو ملنے والی مراعات اور عیاشیوں کی "مشتے از خروارے" کے طور پر چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

۱- حکمران طبقہ اور عوام میں کتنا معاشرتی و معاشی تفاوت پایا جاتا ہے، اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: روز نامہ خبریں لاہور مؤرخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۹۵، روز نامہ نوائے وقت لاہور مؤرخہ ۱۳ جنوری ۱۹۹۶ء، مؤرخہ ۲۴ جنوری ۱۹۹۶ء اور ہفت روزہ تکبیر مؤرخہ ۲۷ جون ۱۹۹۶ء۔

۲- روزنامہ نوائے وقت لاہور مؤرخہ ۵ مارچ ۱۹۹۷ء کے مطابق پرائم منسٹر سیکرٹریٹ کے لیے ایک کروڑ روپے کا فانوس منگایا گیا۔

۳- پاکستان میں فوجی جنرل ۲۰، لیفٹیننٹ جنرل ۱۵، میجر جنرل ۱۰ کروڑ کی مراعات پاتے ہیں مختلف شہروں میں قطعاتِ زمین، جاگیریں اور پلاٹ اس کے علاوہ ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ فروری ۲۰۰۵ء)

۴- صدر مشرف کے دورہ برطانیہ میں صرف ۴ دن کا ہوٹل کا کرایہ ۸۰ لاکھ روپے (روزنامہ نوائے وقت ۲۹ فروری ۲۰۰۵)

۵- وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے تین روزہ دورہ امریکہ پر ۱۰ لاکھ ڈالر خرچ (روزنامہ نوائے وقت ۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء)

۶- صدر زرداری کی رہائش گاہ (نوڈیرو) کے گرد ۱۱ کروڑ روپے سے حفاظتی دیوار بنانے کا فیصلہ نیز سوا آٹھ کروڑ روپے سے ایوان صدر کی تزئین و آرائش کی تجویز (روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۲۱ نومبر ۲۰۰۸ء)

۷- وفاقی حکومت پارلیمنٹ کے ممبران کے ناشتہ یا ہائی ٹی پر روزانہ ڈیڑھ سے دو لاکھ روپیہ خرچ کرتی ہے۔ علاوہ ازیں حکمرانوں کے متعدد اللّوں تللّوں کے انکشافات (روزنامہ نوائے وقت لاہور، مؤرخہ ۴ دسمبر ۲۰۰۸ء کالم، سارہ شفیق، لندن)

۸- ۲۰۰۸-۰۹ء کے بجٹ میں صدر کے لیے صرف ایک دن کا بجٹ ۱۰ لاکھ روپے۔ وزیراعظم کے لیے ہر ماہ تقریباً ۸ کروڑ۔ قومی اسمبلی کے ہر رکن کے لیے ۲۰ لاکھ روپے سفری اخراجات کی مد



Marfat.com

میں، ہر وزیر کے لیے روزانہ ایک لاکھ روپے اخراجات رکھے گئے۔ وفاقی وزراء پر سالانہ ۳ ارب روپے خرچ ہوں گے۔ (روزنامہ اسلام لاہور مؤرخہ ۲۳ جون ۲۰۰۹ء ص۵)

۹- ایوان صدر کے کچن کی تزئین و آرائش کے لیے ۲۶ کروڑ ۱۰ لاکھ روپے کا منصوبہ تیار (روزنامہ اساس مؤرخہ ۱۵ دسمبر ۲۰۱۱ء)

۱۰- اٹارنی جنرل کے لیے ڈیڑھ کروڑ روپے کی لگژری گاڑی کی منظوری (روزنامہ دنیا لاہور مؤرخہ ۲۷ ستمبر ۲۰۱۴ء)

۱۱- موجودہ وزیراعظم کا ہفت روزہ دورہ امریکہ۔ ملکی خزانے کو تقریباً ۸ کروڑ کا ٹیکہ۔ صرف PIA کے طیارے کے لاجسٹک اور انتظامی اخراجات کے لیے ۴ کروڑ جبکہ وزیراعظم کے کمرے کا روزانہ کا کرایہ ساڑھے سات لاکھ روپے بتایا جاتا ہے۔ گزشتہ برس تین ماہ کے دوران وزیراعظم کے سات غیر ملکی دوروں پر ۱۔۱۶۸ ملین خرچ آیا جو تقریبا پونے سولہ کروڑ بنتے ہیں۔
مزید تفصیل کے لیے دیکھیے روزنامہ جنگ لاہور مؤرخہ ۲۸ ستمبر ۲۰۱۴ء (کالم ڈاکٹر صفدر محمود)

## جائزہ:

تعلیمات نبوی میں حکمران طبقہ کے لیے اس قدر مراعات اور اس حد تک عیاشیوں کی قطعاً گنجائش نہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

ایّاک والتنعّم فان عباداللہ لیسوا بالمتنعّمین (۲۸)
خبردار عیش کوشی سے اجتناب کرو کیونکہ بندگان خدا عیش کوش نہیں ہوتے

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

شرار اُمتی ولدوا فی النعیم و غزوا بہ یاکلون من الطعام الواناً ویلبسون من الثیاب الواناً ویرکبون من الدواب الواناً ویتشددون فی الکلام (۲۹)

میری امت کے بدترین افراد وہ ہیں جو نعمتوں کی گود میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں پروان چڑھتے ہیں، قسم قسم کے کھانے کھاتے ہیں۔ طرح طرح کے کپڑے پہنتے ہیں۔ قسم قسم کی سواریاں استعمال کرتے ہیں اور گفتگو میں (لوگوں سے) سختی کرتے ہیں۔

بعثت نبوی کے وقت سلاطین دنیا شاہانہ شان و شوکت سے اونچے اونچے محلوں اور ایوانوں میں بڑے بڑے قیمتی لباسوں اور سونے چاندی اور زر و جواہر کے زیوروں سے آراستہ ہوکر اونچے اونچے بیش بہا تختوں پر جلوس کرتے تھے۔ ان کے امراء علی قدر مراتب سونے چاندی کی مرصع کرسیوں پر اور ریشمی گدوں پر بیٹھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے یک قلم ان مصنوعی تفریقوں کو مٹا دیا، نشست کے لیے سونے چاندی کا سامان اور ریشمی لباس و فرش حرام کیے گئے، سونے چاندی کے زیورات



Marfat.com

مردوں کے لیے حرام ٹھہرے، امام وقت اور اس کے احکام کے لیے مسجد اور اس کا صحن ایوان تھا، حاجب و دربان کے پہرے اٹھ گئے۔ چاؤش و نقیب رخصت کردیئے گئے۔ طلائی و نقرئی و زمردیں تخت اٹھوا دیئے گئے، امام اور اس کے حکام عام مسلمانوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر نشست کرتے تھے اور پستی و بلندی کی تفریق باقی نہیں رکھی گئی، چنانچہ وضع لباس کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ اور عام صحابہؓ میں کسی قسم کا فرق مراتب موجود نہ تھا، ایک مرتبہ ایک صحابیؓ ایک شاہی عبا لے کر آئے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے مختلف حصوں سے وفود حاضر ہوا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اسے خرید لیں تاکہ جب دوسرے شہروں یا ملکوں سے وفود آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ اس کو زیب تن فرمالیں یا جمعہ کے دن جو گویا مسلمانوں کے دربار عام کا دن ہے، آپ اس کو پہنیں، اس وقت حضرت عمرؓ کی نظر اسلام کے لیے اس ظاہری جاہ و جلال اور تزک و احتشام پر گئی جس کے شاہان وقت عادی تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتباہ کے اس پردے کو فوراً چاک کردیا کہ مسلمانوں کا پیشوا شاہانہ جاہ و جلال کے اظہار کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس کو پہنتا ہے آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ (۳۰)

اسی طرح نشست میں بھی آپ ﷺ نے تفوق و برتری کے امتیاز کو اس قدر مٹایا کہ مجلس کے اندر آپؐ میں اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ جب صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھتے تو باہر سے آنے والوں کو پوچھنا پڑتا کہ تم میں محمدؐ کون ہیں، لوگ اشارہ سے بتاتے (۳۱)۔ صحابہؓ نے چاہا کہ کم از کم ایک چبوترہ ہی بنا دیا جائے، جس پر آپؐ جلوہ افروز ہوں، مگر اس کو بھی آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ (۳۲)

شہنشاہ دوسرا ﷺ نے اگرچہ بعض مواقع پر مرغوبات لذیذ اور تحسینیات (عمدہ چیزوں) کا استعمال فرمایا ہے مگر یہ صرف بیان جواز کی حد تک معلوم ہوتا ہے۔ عام عادت کریمہ اور سنت مستمرہ یہی تھی کہ سارے وسائل ہونے کے باوجود اپنی اور اپنے اہل و عیال کی خوراک لباس اور بود و باش کو انتہائی سادہ اور مختصر رکھا اور تکلفات کو کبھی پسند نہیں فرمایا۔ دنیا کے بادشاہوں، حکمرانوں، وزراء اور امراء کو تو ایک طرف رکھیے تاریخ انسانی میں کوئی غریب سے غریب آدمی بھی آپ کو ایسا نظر نہیں آئے گا جس نے اتنی کم دنیا پر گزارا کیا ہو جتنی کم دنیا پر زمین کے خزانوں کی چابیوں کا مالک ہونے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گزارا کیا (۳۳)۔

حکمرانوں کے اخلاق و عادات کا اثر شعوری یا غیر شعوری اور نفسیاتی طور پر لامحالہ ان کی رعایا پر پڑتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے: النّاس علی دین ملوکھم (لوگ بادشاہوں کے طور اطوار پر ہوتے ہیں) تعلیمات نبوی سے واقف حضرت عمر فاروقؓ جیسا خلیفہ راشد اور دوراندیش آدمی لوگوں کی اس نفسیات سے کیسے بے خبر ہوسکتا تھا۔ اس لیے انہیں اس امر کا سخت اہتمام تھا کہ امراء و عمال عیش و تنعّم کے خوگر نہ



Marfat.com

ہونے پائیں اور حاکم کے پاس ہر شخص بلاروک ٹوک پہنچ سکے۔ چنانچہ جب وہ کسی آدمی کو عامل کے طور پر تعینات فرماتے تو اس سے ایک تحریر (اقرارنامہ) لیتے اور اس پر مہاجرین و انصار کی گواہیاں ثبت کراتے۔ ان سے جو تحریر لیتے اس کی عبارت یہ ہوتی تھی:

ان لا ترکبوا برذوناً ولا تاکلوا نقیا ولا تلبسوا رقیقا ولا تغلقوا ابوابکم دون حوائج الناس فان فعلتم شیئا من ذلک فقد حلّت بکم العقوبة ثم یشیعهم. رواہ البیهقی فی شعب الایمان (۳۴)

تم ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگے۔ (علاوہ ازیں) چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھاؤ گے، باریک کپڑا نہیں پہنو گے۔ لوگوں کی حاجات کے سامنے اپنے دروازے بند نہ کرو گے۔ ان شرائط میں سے اگر کسی شرط کی تم نے خلاف ورزی کی تو اس پر تمہیں سزا بھی ملے گی۔ پھر تھوڑی دور ان کے ساتھ چل کر انہیں رخصت فرماتے۔

ظاہر ہے ان ہدایات و شرائط کا بنیادی مقصد اور منشاء یہ تھا کہ عمّال (گورنرز) اور حکام تعیش کی زندگی سے بچیں۔ کبرو نخوت، تعلّی و ترفع اور بے جا اظہار شان و شکوہ اور حاکمانہ کرّوفر سے اجتناب کریں کیونکہ وہ قوم کے لیے ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں پیدا ہونے والی اخلاقی بیماریوں کی روک تھام نہ کی گئی تو پورا ملک ان سے اثر پذیر ہوگا۔ مُلّا علی قاری نے محدّث طیبی کے حوالے سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

فالنهی عن رکوب البرذون نهی عن التکبر و عن اکل النقی ولبس الرقیق نهی عن التنعم والسرف والنهی عن الاحتجاب نهی عن تقاعدهم عن قضاء حوائج الناس والاشغال عنهم بخویصة نفسه (۳۵)

پس ترکی گھوڑے کی سواری سے روکنا درحقیقت تکبر سے روکنا اور چھنا ہوا آٹا کھانے اور باریک کپڑا پہننے سے منع کرنا اصل میں تعیش پسندی اور حد اعتدال سے تجاوز کرنے سے روکنا ہے اور اسی طرح پردے میں بیٹھنے سے روکنا لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں سستی و غفلت سے روکنا ہے اور ان کی ضروریات سے ہٹ کر اپنے ذاتی کاموں میں مشغول ہونے سے روکنا ہے۔

عمّال (گورنروں) کے لیے حضرت عمرؓ کی درج بالا ہدایات یا شرائط محض خانہ پُری نہ تھی بلکہ ان شرائط کی خلاف ورزی پر ان کی بازپرس بھی ہوتی تھی (۳۶)۔ تعلیمات نبوی کے شناسا خلفاء راشدین کی ذاتی معاشرت کا معیار کس طرح عوام الناس کے لیول کے مطابق بلکہ اس سے بھی کم تھا۔ اس کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں ہوسکتی (۳۷)۔ تعلیمات نبوی میں اس بات کی قطعاً گنجائش نہیں کہ جن لوگوں کو کسی درجہ میں بھی مسلمانوں کی سرداری سونپی جائے وہ دوسروں پر اپنا تفوق جتائیں اور روزہ مرہ کی زندگی میں ان کے اوپر اپنے لیے امتیاز اور ترجیح کی نمائش کریں۔

جب عوام الناس بنیادی ضروریات سے محروم ہوں تو تعلیمات نبوی میں اس امر کا بالکل جواز نہیں کہ حکمران خود یا اس کے اہل خانہ تعیش پسندی کا مظاہرہ کریں۔ تعیش تو دور کی بات ہے تزئینات و



Marfat.com

تحسینیات کے استعمال کی گنجائش بھی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے ایک موقعہ پر اپنی چہیتی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ کے دروازے پر پردہ لٹکا دیکھا تو گھر میں داخل ہونا پسند نہ فرمایا(۳۸)۔ اسی طرح چہیتی اہلیہ محترمہ سیدہ عائشہؓ کے گھر میں پردہ لٹکا دیکھا تو اسے پھاڑ دیا۔(۳۹)

اسی طرح پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکرؓ کے سامنے شہد ملا پانی پیش کیا گیا تو رو پڑے(۴۰) دوران خلافت ہمیشہ روکھا سوکھا کھایا اور بکری کی کھال پر مشتمل کھردرا لباس پہنا(۴۱)۔ اہلیہ محترمہ نے روزانہ کے روزینہ سے تھوڑی تھوڑی بچت کرکے ایک دن حلوہ پکایا تو اتنی مقدار اپنے وظیفہ سے منہا کرادی۔(۴۲) حضرت عمر فاروقؓ نے اس معاملے میں جس احتیاط اور عوام کی ہمدردی کا مظاہرہ فرمایا اس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے آج تک نہیں دیکھی۔ مثلاً

۱- عتبہ بن فرقد نے آذربیجان کی فتح کے بعد وہاں کی ایک مٹھائی بطور خاص آپ کے لیے بھجوائی۔ استفسار پر جب معلوم ہوا کہ یہ مٹھائی تمام رعایا نے نہیں کھائی تو کھانے سے انکار فرمادیا۔(۴۳)

۲- مدینہ منورہ میں قحط کے زمانے (عام الرمادہ) میں گوشت، گھی، اور دیگر تکلفات کا استعمال اپنے لیے ممنوع ٹھہرالیا۔(۴۴)

## ④ قانونی عدم مساوات / قانونی استثناء

پاکستان کے مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں بعض مقتدر شخصیات کو قانون میں تحفظ یا استثناء حاصل ہے۔ چنانچہ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۲۴۸ (Protection to President, Governor, Minister, etc.) میں ہے:

۱- صدر، کوئی گورنر، وزیراعظم، کوئی وفاقی وزیر، کوئی وزیر مملکت، وزیراعلیٰ اور کوئی صوبائی وزیر اپنے متعلقہ عہدے کے اختیارات استعمال کرنے اور ان کے کارہائے منصبی انجام دینے کی بنا پر یا کسی ایسے فعل کی بنا پر جو ان اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے اور کارہائے منصبی انجام دیتے ہوئے کیے گئے ہوں یا جن کا کیا جانا مترشح ہو، کسی عدالت کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

۲- صدر یا کسی گورنر کے خلاف، اس کے عہدے کی میعاد کے دوران کسی عدالت میں کوئی فوجداری مقدمات قائم نہیں کیے جائیں گے اور نہ جاری رکھے جائیں گے۔

۳- صدر یا کسی گورنر کے عہدے کی میعاد کے دوران کسی عدالت کی طرف سے اس کی گرفتاری یا قید کے لیے کوئی حکم جاری نہ ہوگا۔

۴- صدر یا کسی گورنر کے خلاف، خواہ اس کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے یا بعد میں اس کی ذاتی حیثیت میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے سے متعلق، اس کے عہدے کی میعاد کے دوران کوئی دیوانی مقدمہ جس میں اس کے خلاف داد رسی چاہی گئی ہو، قائم نہیں کیا جائے گا۔(۴۵)



Marfat.com

## جائزہ:

تعلیمات نبوی میں قانون اور انصاف کے معاملے میں اس قسم کے تحفظ اور استثناء کا کوئی جواز نہیں۔ اسلامی قانون حاکم و محکوم سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔ کسی کے حسب و نسب اور جاہ و مرتبہ کو نہیں دیکھتا۔ سربراہ مملکت خلیفۂ وقت کو بھی کوئی امتیاز اور استثناء حاصل نہیں۔ اس کے خلاف کوئی دعویٰ دائرہ ہوتا ہے تو اسے بھی عدالت کے کٹہرے میں مدعی کے برابر کھڑا ہونا ہوگا۔ ارشاد الٰہی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۴۶)

اے ایمان والو اللہ کے (حکم کی تعمیل کے) لیے خوب قائم ہونے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر ہرگز نہ اکسائے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ ان کاموں سے اچھی طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

تعلیماتِ نبوی میں صدر، گورنروں، وزیراعظم، وزرائے اعلیٰ، وزراء، اعلیٰ حکام اور عامۃ الناس سب کے لیے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت ہے۔ کسی کے لیے کوئی قانونی امتیاز نہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا قانون کی گرفت سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر قریش مکہ کے ایک معزز گھرانے کی فاطمہ نامی خاتون پر چوری کا جرم ثابت ہوگیا اور اس گھرنے نے اپنی خاندانی وجاہت و مرتبہ کے پیش نظر اس معاملے میں محبوبِ رسول حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر بھیجا تو پیغمبرِ اسلام نے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

تو اللہ کی حدود کے معاملے میں سفارش کرتا ہے تم سے پہلے بہت سی قومیں اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دی جاتی اور اگر کوئی باثر آدمی چوری کرتا تو اس سے درگزر کر جاتے لیکن میرے ہاں ایسا نہیں ہوگا۔ پھر زور دار الفاظ میں فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لوان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا (۴۷)

اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی یقیناً کاٹ دیتا۔

تعلیماتِ نبوی میں قانونی مساوات کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

واقدی اور بلاذری وغیرہ نے الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ غسان کے فرماں روا جبلہ بن ایہم نے اسلام قبول کرلیا۔ طواف کعبہ کے وقت اس کی چادر کا ایک گوشہ کسی بدو کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اپنی خاندانی وجاہت اور معاشرتی مرتبہ و مقام کے خود ساختہ زعم میں اس کے منہ پر ایک طمانچہ مار دیا۔ بدو نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ جبلہ نے امیرالمومنین



Marfat.com

عمرؓ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا: تم نے جیسا کیا ویسا پالیا۔ جبلہ نے کہا: ہم وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم سے کوئی گستاخی کرے تو اس کی سزا قتل ہے، فرمایا: ہاں عہد جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بالا کو ایک کردیا ہے(۴۸)۔ اس نے کہا اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا(۴۹)۔

## ⑤ سرکاری خزانے میں خوردبرد اور کرپشن کا فروغ

دستورِ پاکستان میں پارلیمنٹ کا رکن بننے کے لیے دیانتدار اور امین ہونے کی شرط کے باوجود مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کی بدولت اسمبلیوں، حکومت اور سرکری محکموں میں زیادہ تر (اِلّا ماشاء اللہ) چونکہ خوف خدا سے عاری، دولت کے پجاری اور ملک و قوم کی خیر خواہی سے کوسوں دور لوگوں کی رسائی ہوتی ہے۔ اس لیے سرکاری املاک و اموال میں بددیانتی، خیانت، خوردبرد، غبن اور کرپشن کو فروغ ملا ہے۔ چنانچہ حکّام بالا سے لے کر عام سرکاری محکموں کے افسران اعلیٰ نے پچھلے کئی سالوں سے جو لوٹ مار مچا رکھی ہے اور جس طرح انہوں نے بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے ہیں اس نے ملک کو اربوں روپے کا مقروض، غربت و افلاس زدہ، لوڈ شیڈنگ کا شکار اور امن کی بجائے بدامنی کا گہوارہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ حکمرانوں کی یہ لوٹ مار ریکارڈ پر موجود ہے۔ تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پچھلے چند سالوں کی لوٹ مار کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

۱- مالی سال ۲۰۱۱-۱۳ کے دوران اختیارات کے ناجائز استعمال، مالی بے ضابطگیوں ٹھیکوں میں بھاری کمیشن و کک بیکس اور خلاف قواعد اخراجات کی وجہ سے آڈیٹر جنرل آف پاکستان نے فیڈرل اکاؤنٹس میں ۴۷۲/ارب روپے سے زائد کی کرپشن کی نشاندہی کی ہے۔ (تمام صوبوں کے اکاؤنٹس میں کرپشن کے اعداد و شمار اس میں شامل نہیں)(۵۰)

۲- حال ہی میں نیب کے پراسیکوٹر جنرل نے مالی بے ضابطگیوں، اراضی کے لین دین میں خورد برد، اور اختیارات کے ناجائز استعمال سے متعلق ۱۵۰ میگا کرپشن سکینڈلز، مقدمات کی فہرست سپریم کورٹ میں جمع کرادی ہے، جن کے مطابق موجودہ وزیراعظم سمیت چار سابق وزرائے اعظم، سابق صدر پاکستان اور دیگر درجنوں اہم شخصیات کے خلاف اختیارات کے ناجائز استعمال سے متعلق مقدمات کی تفتیش مختلف مراحل میں ہے۔ ان سکینڈلز کے مطابق سینکڑوں بلکہ ہزاروں ارب روپے کی کرپشن کے مقدمات نیب میں زیر سماعت ہیں(۵۱)۔

**جائزہ:**



Marfat.com

مال و دولت سے محبت اور اس کی فراوانی انسان کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے۔ چنانچہ انسان اپنی اس طبعی و جبلی کمزوری کے باعث بسااوقات مال کے حصول میں ناجائز ذرائع اختیار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا اور جب اس کے پاس کوئی سرکاری منصب ہو تو اس کے لیے ناجائز ذرائع سے مال بنانے کے بہت سے مواقع بھی ہاتھ آجاتے ہیں۔ اس معاملے میں جب تک کسی حاکم کو خدا کا خوف اور اخروی بازپرس کا ڈر نہ ہو تو مالی بددیانتی اور کرپشن سے بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی چھوٹا بڑا سرکاری اہلکار اپنی خدمات کے عوض شرعی طور پر مقررہ مشاہرہ تو لینے کا حقدار ہے مگر اس سے مزید ایک پائی اور سوئی تک لینے کا روادار نہیں۔

مذکورہ انسانی نفسیات کے مدنظر نبی رحمت ﷺ نے مختلف پیرایوں میں سرکاری حکام کو سرکاری بیت المال اور قومی دولت کے معاملے میں انتہائی دیانت داری کا طرز عمل اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور اخروی بازپرس کا خوف دلایا ہے۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت مستورد بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے نبی رحمت ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

من کان لنا عاملاً فلیکتسب زوجة فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادما فان لم یکن له مسکن فلیکتسب مسکناً وفی روایة من اتخذ غیر ذالک فھو غال (۵۲)

جو شخص ہماری (اسلامی حکومت کا) عامل (سرکاری اہلکار) مقرر ہو تو وہ بیت المال سے اپنی شادی کا انتظام کرسکتا ہے۔ اسی طرح اس کے پاس خادم نہ ہو تو وہ سرکاری خرچ پر خادم بھی رکھ سکتا ہے اور اگر اس کے پاس رہائش نہ ہو تو وہ سرکاری طور پر رہائش بھی حاصل کرسکتا ہے۔ جبکہ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ جس عامل (سرکاری اہلکار) نے ان چیزوں کے علاوہ سرکاری خزانے سے کچھ لیا تو وہ امانت میں خیانت کرنے والا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا احمد علی سہارنپوری لمعات کے حوالے سے فرماتے ہیں:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عامل (سرکاری اہلکار) کے لیے یہ امر جائز ہے کہ وہ بیت المال سے اپنی بیوی کے مہر، اس کے نان و نفقہ اور اس کی پوشاک کے لیے بقدر ضرورت پیسہ لے سکتا ہے۔ اسی طرح اس کے پاس خادم نہ ہو تو وہ سرکاری خرچ پر خادم بھی رکھ سکتا ہے اور اگر اس کے پاس رہائش نہ ہو تو وہ سرکاری رہائش بھی حاصل کرسکتا ہے۔ اِسی طرح وہ جو خادم اور رہائش حاصل کرے گا تو عیس کوشی اور اسراف کے بغیر اسی قدر حاصل کرسکتا ہے جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو۔ جائز ضرورت سے زائد کوئی چیز لے گا تو وہ اس کے لیے حرام ہوگی۔ (۵۳)

۲۔ حضرت عدی بن عمیرہ الکندی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: اے لوگو! تم میں سے جس آدمی کو ہمارے (اسلامی ریاست کے) کسی (صدقات کی وصولی کے) کام پر تعینات کیا گیا اور اس نے اس کام سے (فائدہ اٹھاتے ہوئے) ایک سوئی یا اس سے بھی کم



Marfat.com

درجے کی کوئی چیز ہم سے چھپالی تو وہ سرکاری امانت میں خیانت کرنے والا ہے اور قیامت کے دن اس چیز کو لے کر بارگاہِ الٰہی کے سامنے پیش ہوگا۔ یہ سن کر ایک انصاری آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے اپنی سرکاری خدمات واپس لے لیجیے۔ آپ نے پوچھا: کیا وجہ ہے؟ اس نے عرض کیا: آنجناب ﷺ کو یہ یہ کہتے سنا ہے۔ فرمایا: ہاں میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ہم جس آدمی کو بھی (صدقات کی وصولی کے) کسی کام پر لگائیں تو اسے چاہیے کہ اسے تھوڑا یا زیادہ جتنا بھی مال ملا ہے وہ سب کا سب لے آئے۔ پھر اس کی خدمات کے عوض اسے جو کچھ دیا جائے اسے لے لے اور جس سے روکا جائے اس سے رک جائے۔(۵۴)

۳- حضرت ابی حمید الساعدی (اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک آدمی کو جسے ابن اللتبیہ کہا جاتا تھا، زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے کہا یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ کے طور پر دیا گیا ہے۔ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے ایک خصوصی خطبہ دیا جس میں پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا: اما بعد، اللہ نے مجھے جن امور کا ذمہ دار بنایا ہے ان میں سے بعض پر میں تم میں سے کچھ آدمیوں کو لگاتا ہوں تو ان میں سے ایک آکر کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔ تو وہ کیوں نہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا رہا پھر وہ دیکھتا کہ اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ جس آدمی نے بھی اس مال سے (جس پر اسے عامل بنایا گیا) کوئی چیز لی تو قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اگر اونٹ ہوگا تو وہ بلبلا رہا ہوگا یا اگر گائے بیل ہو گا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں آواز نکال رہا ہوگا اگر وہ بکری ہوگی تو وہ مَیں مَیں کر رہی ہوگی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کھڑے کیے یہاں تک کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی پھر فرمایا:

اللّٰھم ھل بلغت اللّٰھم ھل بلغت (۵۵)

اے اللہ کیا میں نے (تیرا) پیغام پہنچا دیا، اے اللہ کیا میں نے تیرا پیغام پہنچادیا۔

۴- مالِ غنیمت میں صرف دو درہم کی چوری کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار فرماکر اس معاملہ کی سنگینی کو امت پر واضح فرمایا۔(۵۶)

۵- اسی طرح غزوہ حنین کے موقعہ پر مدعم نامی ایک غلام نبوی کو بے نام تیر لگنے سے موت واقع ہوگئی تو لوگوں نے کہا اسے جنت مبارک ہو، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (ہرگز نہیں): اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک وہ کمبل جو اس نے غزوہ حنین کے دن مال غنیمت کے تقسیم کیے جانے سے قبل لے لیا تھا آگ بن کر اس پر جل رہا ہے۔ جب لوگوں نے یہ وعید سنی تو ایک آدمی نے ایک یا دو تسمے لاکر بارگاہ نبوی میں پیش کر دیے تو فرمایا: یہ ایک یا دو تسمے بھی جہنم کی آگ (کا باعث) تھے۔(۵۷)



Marfat.com

سرکاری مال میں خورد برد پر ان وعیدات نبوی اور تمام سرکاری وسائل کے امانت ہونے کی تعلیمات نبوی کے پیش نظر ہی اس معاملے میں حضرت ابو بکرؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد سرکاری مصروفیات کے باعث جب ان کے پاس اپنی تجارت کے لیے کوئی وقت نہ بچا تو حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ نے ایک عام مہاجر (نہ کہ VIP) کی حیثیت سے چھ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ میں اب تک بیت المال سے جتنا وظیفہ لے چکا ہوں میری فلاں زمین بیچ کر وہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ زیر استعمال سامان بھی نامزد خلیفہ حضرت عمرؓ کی طرف بھجوادیا۔ خلیفہ کے زیر استعمال کل سامان یہ تھا: ایک اونٹنی، ایک برتن، ایک چادر اور ایک لونڈی۔ یہ سامان جس کی کل قیمت پانچ درہم کے برابر بھی نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا:

رحم اللہ ابابکر لقد اتعب من بعدہ تعبا شدیدا (۵۸)

اللہ ابو بکر پر رحم فرمائے، انہوں نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کو سخت مشقت (امتحان) میں ڈال دیا۔

اسی طرح بیت المال کے معاملے میں حضرت عمر فاروقؓ نے بھی کمال احتیاط کا ثبوت دیا۔ خلیفہ ہونے کے باوجود بیت المال میں اپنے حق کی یوں وضاحت فرمائی:

"میں خود تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ میرے لیے بیت المال سے کتنا کچھ لینا حلال ہے تو (سن لو) میرے لیے دو جوڑے کپڑے ایک جوڑا سردی میں اور ایک گرمی میں، ایک عدد سواری جس پر حج اور عمرہ کر سکوں اور قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے برابر اپنے اہل و عیال کے لیے نان نفقہ حلال ہے۔ اس کے بعد میں عام مسلمانوں کی طرح ایک فرد ہوں جو ان کا حال ہوگا وہی میرا ہوگا"۔ (۵۹)

اور پھر اس حد تک احتیاط کہ بیت المال میں موجود شہد کی ضرورت پڑی تو وہ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کیا۔ (۶۰)

**خلاصۂ بحث:**

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ دستور پاکستان میں جس جمہوری سیاسی نظام کے نفاذ کی نوید سنائی گئی ہے وہ کافی حد تک تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق ہے اس پر آج بھی پورے خلوص دیانتداری اور ملک و قوم کی خیر خواہی کے جذبے سے عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ قدرتی وسائل سے مالا مال ملک ترقی کی راہ پر گامزن نہ ہو اور امن و امان اور عدل و انصاف کا گہوارہ نہ بنے۔

اے جذبہ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کی طرف دو گام بڑھوں اور منزل سامنے آ جائے



Marfat.com

مگر بدقسمتی سے اس جمہوری سیاسی نظام کو چلانے کی باگ ڈور نااہل اور بددیانت لوگوں کے ہاتھوں میں یکے بعد دیگر آتی رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں بہتری کی بجائے ہمہ جہتی بگاڑ ہی پیدا ہوا۔ سیاسی سطح پر تفرقہ بازی پروان چڑھی۔ پارلیمنٹ کی رکنیت کا معیار امانت و دیانت کی بجائے سرمایہ بن کر رہ گیا۔ حکمران طبقہ ملک و قوم کی خدمت کی بجائے "بابر بعیش کوش" کے مصداق عیاشیوں میں مشغول ہوکر رہ گیا۔ قانونی استثناء نے حکمرانوں کے مزید حوصلے بڑھائے جس کے باعث قومی خزانے کو بے دردی سے لوٹا گیا۔ ظاہر ہے ان چیزوں کا تعلیمات نبوی ﷺ سے ہی نہیں عقل و دانش سے بھی کوئی واسطہ نہیں۔ موجودہ صورتِ حال میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

## سفارشات / تجاویز

وزات مذہبی امور حکومت پاکستان کی طرف سے قومی سیرت کانفرنس ۱۴۳۷/ ۲۰۱۵ء میں انعامی مقابلہ مقالات سیرت کے لیے زیربحث عنوان/ موضوع کا انتخاب اس امر کا غمّاض ہے کہ حکومت پاکستان ماشاء اللہ پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی کے اندر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اصلاح کی خواہاں ہے۔ اس سلسلے میں چند سفارشات / تجاویز کا پیش کردینا بھی بے محل نہ ہوگا:

۱- سیاسی تفرقہ بازی کے ساتھ ساتھ مذہبی، مسلکی، لسانی، علاقائی تفریق نے بھی ملی وحدت و جمعیت کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر تفرقہ بازی کے نقصانات کا اُجاگر کیا جانا ضروری ہے۔

۲- سیاسی یا حکومتی عہدہ طلبی اور اس کے حصول کے لیے ہر جائز ناجائز حربہ کے استعمال کا ممنوع ہونا قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیا جانا بھی مفید ہوگا۔

۳- پارلیمنٹ کی رکنیت کے لیے وہی آدمی اہل قرار دیا جائے جسے حلقہ کے شرفاء نامزد کریں۔

۴- اخباری اطلاعات کے مطابق الیکشن اصلاحات کمیٹی آئین کی دفعہ ۶۳-۶۲ کو غیر موثر بناکر بدعنوان لوگوں کے لیے پارلیمنٹ کا راستہ ہموار کررہی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

۵- حکومت کو چاہیے کہ حکومتی معاملات اور فیصلوں میں دیگر سیاسی پارٹیوں کی رائے کو قبول کرے تاکہ مخالفت برائے مخالفت کا رجحان ختم ہو۔

۶- ملکی معاملات میں پارلیمانی جماعتوں کے علاوہ غیرسیاسی دانشوروں اہل حلّ و عقد سے بھی مشورہ لیا جانا چاہیے۔

۷- کرپشن کے خاتمہ کے لیے قانونی گرفت کے ساتھ ساتھ حکام اور عوام کو شرعی طور پر اس کا اخروی نقصان بتایا جانا بھی ضروری ہے۔



Marfat.com

۸- آئین میں حکام بالا کے قانونی استثناء کی دفعہ ۲۴۸ کا ختم کیا جانا ضروری ہے تاکہ ملک میں عدل و انصاف کا بولا بالا ہو۔

۹- حکومتی سطح پر مناسب حد تک سادگی کا فروغ اور عملی نمونہ بھی ضروری ہے تاکہ تعیش پسندی کا رجحان ختم ہو۔

۱۰- ملکی وسائل و ذرائع میں دیانت کے فروغ کے لیے خلفاء راشدین اور بانی پاکستان کی دیانت پر مشتمل لٹریچر کی اشاعت بھی مفید ہوگی۔

## حوالہ جات و حواشی

۱- جمہوری سیاسی نظام تعلیماتِ نبوی یا اسلام کے ساتھ کتنا متصادم بلکہ متضاد اور کس درجے میں یا کس پہلو سے تعلیمات نبوی سے مطابقت رکھتا ہے، اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
شبلی نعمانی، الفاروق، المیزان لاہور ۲۰۱۱ء ۱۶۴/۲ تا ۱۷۰؛ مولانا محمد اسحاق سندیلوی: اسلام کا سیاسی نظام، دارالمصنفین اعظم گڑھ انڈیا ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء ص۳۰۴ بعد؛ مولانا حامد الانصاری غازی: اسلام کا نظامِ حکومت، مکتبۃ الحسن لاہور بلا تاریخ ص۴۴۰ بعد؛ سید ابوالاعلیٰ مودودی: اسلامی ریاست (مرتبہ خورشید احمد) اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۶۹ء، ص۴۸۱-۴۸۰؛ مولانا امین احسن اصلاحی: اسلامی ریاست، دارالتذکیر لاہور ۲۰۰۶ء، ص۴۷-۴۶؛ مولانا گوہر رحمن: اسلامی سیاست: دارالعلوم تفہیم القرآن، مردان ۱۹۹۵ء، ص۷۵ تا۸۴؛ (ڈاکٹر) تحسین فراقی: مغربی جمہوریت اہل مغرب کی نظر میں، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور ۱۹۸۳ء؛ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۲- جسٹس (ریٹائرڈ) محمد منیر: اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور (بمع شرح) پی ایل ڈی پبلشرز لاہور ۱۹۹۳ء، ص۲۶-۲۱

۳- ابن نجیم، زین الدین الحنفی (م۹۷۰ھ): الاشباہ و النظائر، (الفنّ الاوّل، القواعد الکلیہ، النوع الاوّل، القاعدۃ الخامسۃ) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۷۷-۷۶

۴- جسٹس (ر) محمد منیر: م ن ص۵۰

۵- روز نامہ جنگ لاہور مورخہ ۸ جولائی ۲۰۱۵ء

۶- سورۃ آل عمران ۳:۱۰۳

۷- ترجمہ از مولانا عبدالماجد دریا بادی: القرآن الحکیم مع ترجمہ و تفسیر، تاج کمپنی لاہور (یک جلد) ص۱۴۹

۸- سورۃ الانعام ۶: ۱۵۹

۹- سورۃ الانعام ۶:۶۵



Marfat.com

۱۰- ابن ابی شیبہ، عبدالرحمن بن محمد (م۲۳۵ھ): مصنّف (کتاب الفتن تحت من کرہ الخروج فی الفتنۃ وتعوذ منہا) قلمی نسخہ ۹۱۱/۱۰؛ خطیب تبریزی، ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ (م۷۴۹ھ): مشکوٰۃ المصابیح (باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۳۹۹ھ، ص۳۱

۱۱- خطیب تبریزی: مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الامارۃ والقضاء)، ص۳۲۰

۱۲- دیکھیے: مولانا امین احسن اصلاحی: اسلامی ریاست ص۱۲۳-۱۲۲۔ بحوالہ ابن قتیبہ: الامامۃ والسیاسۃ ص۱۱

۱۳- سورۃ المائدہ ۵:۲

۱۴- دیکھیے سورۃ الحجرات ۱۱-۱۰:۴۹

۱۵- دیکھیے: ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع (م۲۳۰ھ): الطبقات الکبری، داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء ۹۷/۳؛ ابن اسحاق بن یسار (م۱۵۱ھ): السیرۃ النبویہ (تحقیق و تخریج احمد فرید المزیدی) دارالنفائس کریم پارک لاہور ۱۴۳۶ھ/۲۰۰۵ء؛ ابن ہشام، عبدالملک (م۲۱۳ھ): سیرۃ النبی، مصطفی البابی مصر ۱۹۳۶ء ۳۱۱/۴؛ ابو عبید القاسم بن سلام (م۲۲۴ھ): کتاب الاموال، مؤسسۃ ناصر للثقافۃ بیروت ۱۹۸۱ء ص۹؛ ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین اسماعیل (م۷۷۴ھ): البدایہ والنہایہ، المکتبۃ الحقانیہ پشاور، ۶۹۲/۶؛ محمد حسین ہیکل: حیاۃ محمد، مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ص۵۱۰

۱۶- النساء، ۵۸:۴

۱۷- دیکھیے: ابوحیان الاندلسی (م۷۵۴ھ): تفسیر البحر المحیط، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔ لبنان، ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء، ۳۹۳/۳؛ جصاص، ابوبکر رازی (م۳۷۰ھ): احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء ۱۷۲/۳؛ قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد (م۶۷۱ھ): الجامع لاحکام القرآن، دارالکتاب العربہ قاہرہ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء ۵/ ۱۶۷؛ ابن تیمیہ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم (م۷۱۸ھ): السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ص:۴

۱۸- ابن تیمیہ: مجموع فتاوی شیخ الاسلام، حکومۃ سعودی عرب، ۱۳۹۸ھ، ۲۸/ ۲۴۶

۱۹- مسلم بن حجّاج القشیری (م۲۶۱ھ): الجامع الصحیح (کتاب الامارۃ باب کراہیۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ)، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۱ رقم ۴۷۱۹ ؛ابو عوانہ، مسند (کتاب الامراء)، ۳۷۹/۴، رقم: ۷۰۲۰ (باختلاف الفاظ) ؛خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الامارۃ و القضاء۔ الفصل الاول)، ص: ۳۲۰ رقم ۳۶۸۲

۲۰- ابو داؤد، سلیمان بن اشعث (م۲۷۵ھ): السنن (کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ باب فی العرافۃ)، ۲/ ۵۸ رقم ۲۹۳۳

۲۱- بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل (م۲۵۶ھ): الجامع الصحیح (کتاب الاحکام باب مایکرہ من الحرص



Marfat.com

علی الامارۃ) قرطبی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۸ رقم ۱۴۸ا۷، مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الامارۃ والقضاء- الفصل الاول)، ص ۳۲۰ رقم ۳۶۸۱

۲۲- نووی، یحییٰ بن شرف: شرح صحیح مسلم (مع الصحیح)، ۲/ ۱۲۱

۲۳- مسلم: الجامع الصحیح (کتاب الامارۃ باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا)، ۲/ ۱۲۰ رقم ۴۷۱۷؛ ابو عوانہ: مسند (کتاب الامراء) دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۶۴ھ ۴/ ۳۷۸، رقم: ۷۰۱۶- ۷۰۱۷؛ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الامارۃ والقضاء- الفصل الاول)، ص: ۳۲۰ رقم ۳۶۸۳

۲۴- ابو داؤد: السنن (کتاب الخراج والفیئ والامارۃ باب ماجاء فی طلب الامارۃ)، ۵۸/۲ رقم ۲۹۳۰

۲۵- عبدالکریم زیدان: احکام الذمیین والمستامنین فی دارالاسلام، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء، ص:۶۷

۲۶- بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح (کتاب الاحکام باب من سأل الامارۃ و کل الیھا) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۵۸/۲ رقم: ۷۱۴۷؛ ابو عوانہ: مسند (کتاب الامراء)، ۴/ ۳۷۶- ۳۷۸، رقم: ۷۰۰۶- ۷۰۱۵ (مختلف طرق سے ۱۰ عدد روایات)

۲۷- اصلاحی: اسلامی ریاست، ص:۲۷۳

۲۸- خطیب تبریزی: مشکوٰۃ المصابیح (باب فضل الفقراء) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۳۹۹ھ ص ۴۴۹

۲۹- حاکم نیشاپوری، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ (م۴۰۵ھ): المستدرک، حیدر آباد دکن ۱۳۴۲ھ ۳/ ۵۶۸؛

۳۰- بخاری: الجامع الصحیح (کتاب اللباس باب لبس الحریر للرجال الخ و باب الحریر للنساء) دارالسلام ریاض رقم ۵۸۲۳- ۵۸۴۱- ۵۸۲۸؛ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے اور مردوں کے لیے ریشمی لباس کی ممانعت کی مختلف روایات صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں کتاب اللباس اور کتاب الاشربہ کے اندر دیکھی جاسکتی ہیں۔

۳۱- شبلی نعمانی: سیرۃ النبی، الفیصل لاہور ۱۹۹۱ء ۱۹۹/۲

۳۲- حوالہ مذکور

۳۳- ارشاد نبوی ہے: قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض (مجھے زمین کے اندر مدفون تمام خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں) دیکھیے بخاری: الصحیح (کتاب الرقاق باب مایحذر من زھرۃ الدنیا الخ) قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۵۱ رقم ۶۴۲۶ ؛ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زاہدانہ زندگی کی مزید تفصیلات کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہوسکتا۔

۳۴- دیکھیے: خطیب تبریزی: مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الامارۃ باب ماعلی الولاۃ من التیسیر) ص ۳۲۴۔ ان شرائط کو الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ متعدد تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے مثلاً: ابن سعد: الطبقات الکبری، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء، ۳/ ۲۰۷؛ امام ابو



Marfat.com

یوسف (م۱۸۲ھ): کتاب الخراج، دارالمعرفت بیروت ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء، ص۱۱۶؛ ابن جریر طبری(م۳۱۰ھ): تاریخ الرسل والملوک، نفیس اکیڈمی کراچی ۵/ ۲۱؛ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م۱۱۷۶ھ): ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، نور محمد کراچی ت۔ن ۳/ ۲۵۲- ۲۵۳

۳۵- ملا علی قاری (م۱۰۱۴ھ): مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (باب ماعلی الولاۃ من التیسیر) مکتبہ امدادیہ ملتان بلا تاریخ ۲۳۷/۷

۳۶- دیکھیے ابو یوسف: کتاب الخراج، دارالمعرفۃ بیروت- لبنان ص۱۶؛ شبلی نعمانی: الفاروق، المیزان لاہور ۲۰۱۱ء ۱۷۸/۲ تا۱۸۰؛ عبدالسلام ندوی: اسوہ صحابہ، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۴۷-۴۲/۲ (عمال سے باز پرس کی متعدد مثالیں)

۳۷- تفصیل کے لیے دیکھیے: معین الدین ندوی: خلفائے راشدین، اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۵۴ء، ص۸۳ بعد؛ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی ۱۹۵۹ء، ص۹۷؛ ابن سعد: الطبقات الکبری ۳/ ۳۱۴؛ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ مصر ۱۳۵۱ھ، ص۵۹ بعد؛ ڈاکٹر یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریے، جامعہ کراچی ۱۹۸۴ء، ۲/ ۳۷۸

۳۸- ابو داؤد: السنن (کتاب اللباس) اصح المطابع کراچی ۲/ ۵۷۲

۳۹- حوالہ مذکور ۵۵۷/۲

۴۰- معین الدین ندوی: خلفائے راشدین، اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۵۴ء، ص۸۳

۴۱- حوالہ سابق

۴۲- مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام طبع دہلی ۱۹۵۹ء، ص۹۷

۴۳- بلاذری، احمد بن یحیٰ (م۲۷۷ھ): فتوح البلدان طبع مصر ۱۳۱۹ھ ص۳۳۶؛ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ): فتح الباری شرح صحیح البخاری، شیش محل روڈ، لاہور ۳۴۱/۱۰

۴۴- دیکھیے: ابن سعد: الطبقات الکبریٰ ۳۱۴/۳: تاریخ طبری تحت سن ۱۸ھ؛

۴۵- جسٹس (ریٹائرڈ) محمد منیر: اسلامی جمہوری پاکستان کا دستور (طبع شرح) ص ۳۳۰

۴۶- سورۃ المائدہ ۵:۸

۴۷- مسلم: الجامع الصحیح (کتاب الحدود باب قطع السارق الشریف) نور محمد کراچی ۲/ ۶۴ رقم الحدیث ۴۴۱۱

۴۸- دیکھیے: واقدی محمد بن عمر بن واقد (م۲۰۷ھ): فتوح الشام، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ / ۱۰۸/۱؛ بلاذری احمد بن یحیٰ: فتوح البلدان (اردو ترجمہ)، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶ء، ص۲۰۴؛ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ۴۵۶/۸؛ گستاؤلی بان نے بھی اس واقعہ کو حضرت عمرؓ کی انصاف پسندی میں شمار کیا ہے۔ تمدن عرب (اردو ترجمہ از سید علی بلگرامی) مقبول اکیڈمی لاہور ت۔ن، ص۱۸۳



Marfat.com

۴۹- شبلی نعمانی، الفاروق، المیزان لاہور ۲۰۱۱ء، ۲۸۲/۲، ۲۸۳

۵۰- روزنامہ آواز لاہور مؤرخہ ۲۲/ اگست ۲۰۱۳ء بروز جمعرات

۵۱- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ لاہور و دیگر قومی اخبارات مؤرخہ ۸ جولائی ۲۰۱۵ء (شہ سرخی)

۵۲- ابوداؤد: السنن، (کتاب الخراج باب ۱۰ فی ارزاق العمال) ۶۰/۲ رقم ۲۹۴۵؛ ولی الدین خطیب، مشکوٰۃ المصابیح (باب رزق الولاۃ و ھدایا ھم) ص۳۲۶

۵۳- حوالہ مذکور (مشکوٰۃ) حاشیہ نمبر ۲

۵۴- مسلم: الصحیح (کتاب الامارۃ باب تحریم ہدایا العمال) ۲۴/۲؛ مشکوٰۃ باب مذکور، ص۳۲۶

۵۵- بخاری: الصحیح، کتاب الاحکام، باب ۲۴ ہدایا العمال رقم الحدیث ۷۱۷۴ دارالسلام ریاض؛ نیز بخاری کی اس کتاب کے باب نمبر ۴۱ باب محاسبۃ الامام عمالہ اور کتاب الھبۃ و فضلھا باب من لم یقبل الھدیۃ لعلۃ ۲/ ۲۱۷ میں بھی یہ حدیث موجود ہے؛ مسلم: الصحیح، کتاب الامارۃ، باب تحریم ہدایا العمال، رقم الحدیث ۴۷۳۸ دارالسلام ریاض؛ ابو داؤد د: السنن (کتاب الخراج باب ھدایا العمال) ۶۰/۲ رقم ۲۹۴۶؛ ولی الدین: مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الزکوٰۃ۔ الفصل الاول)، ص۱۵۶

۵۶- دیکھیے: ابوداؤد: السنن (کتاب الجہاد باب ۱۳۳، فی تعظیم الغلول، دارالسلام الریاض، ص۱۴۲۴ رقم الحدیث ۲۷۱۰؛ امام مالک بن انس (م۱۷۹ھ)، موطا کتاب الجہاد باب ۱۳ ماجاء فی الغلول، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص۳۴۰

۵۷- دیکھیے: امام مالک: مؤطا، کتاب و باب مذکور

۵۸- ابن سعد: الطبقات الکبری، دار صادر بیروت، س۔ ن، ۱۹۲-۱۸۶/۳؛ السیوطی، جلال الدین، امام (م۹۱۱ھ): تاریخ الخلفاء، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۵ھ، ص۵۸-۵۷

۵۹- ابن سعد: م ن، ص۲۷۶

۶۰- حوالہ مذکور، ص۲۷۷

☆☆☆



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

محمد سعید شیخ*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا میں مروّج طرز ہائے حکومت کا مطالعہ کریں تو ہمیں مختلف قسم کے نظام ہائے حکومت نظر آتے ہیں۔ دنیا میں اشرافیہ حکومت بھی رہی ہے اور خلافت کا زمانہ بھی اہلِ دنیا نے دیکھا ہے۔ کہیں بادشاہت وملوکیت نظر آتی ہے تو کہیں آمریت ومطلق العنانیت بر سر اقتدار دکھائی دیتی ہے۔ کہیں خدائی حکومت رائج ہے تو کہیں عوامی حکومت، الغرض دنیا میں گوناں گوں طرز ہائے حکومت رائج رہے ہیں یا رائج ہیں۔ ذیل میں چند نمایاں طرز ہائے حکمرانی کا تعارف دیا جارہا ہے۔

## تھیاکریسی (Theocracy)

تھیاکریسی یعنی خدا کی حکومت، بالفاظِ دیگر برگزیدہ پادریوں کی حکومت، جس میں اختیارات کا منبع کوئی بادشاہ نہیں، بلکہ خدا ہوتا ہے اور اُسی خدا کا قانون چلتا ہے۔ حکمران سمیت حکومت کے تمام کارندوں کو اسی قانون پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ اِس قانون کی تشریح وتوضیح مذہبی علما کے پاس ہوتی ہے۔ عملاً حکومت مذہبی علما کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ بادشاہ کو بھی مجبور کر سکتے ہیں۔ سلطنت کا حکمران مذہبی علما کے ماتحت ہوتا ہے اور اُن کے احکام سے سرِمُو انحراف نہیں کر سکتا۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں تھیاکریسی کا نظام رائج تھا اور کیتھولک پوپ کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ بادشاہوں کو اس سے ملنے کے لیے انتظار کرنا پڑتا تھا۔ موجودہ دور میں ایران کا نظامِ حکومت تھیاکریسی کے قریب تر ہے۔

## ملوکیت وبادشاہت (Monarchy)

ملوکیت یا بادشاہت وہ نظام ہے جس میں حکومت کرنے کا اختیار ایک خاص خاندان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس خاندان کے کسی شخص کو بادشاہ بنا دیا جاتا ہے، جو اپنے کار پردازان کی مدد سے نظام سلطنت چلاتا ہے۔ یہ بادشاہ عمومی طور پر قوانین سے ماورا ہوتا ہے اور اسے خصوصی استثنا حاصل ہوتا ہے۔ بادشاہ

---

* شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ شالیمار کالج، باغبان پورہ، لاہور



Marfat.com

کا کہا ہوا ایک ایک لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی شخص یا گروہ یا جماعت کو بادشاہ کے معزول کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اور ایسی جرأت وجسارت کرنے والے باغی شمار ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے یا خاندان کے کسی اور شخص کو بادشاہ بنایا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بادشاہ مرنے سے پہلے اپنے کسی بیٹے یا بھائی کو ولی عہد نامزد کر دیتا ہے۔ ملکی خزانے بادشاہ کی ذاتی ملکیت ہوتے ہیں، وہ اپنی صوابدید پر جہاں اور جیسے چاہے خرچ کرے، کسی کو اس کے احتساب کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ حکومت پر تنقید کی اجازت ہوتی ہے نہ آزادئ اظہارِ رائے نام کی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اِس وقت دنیا کے صرف چند ہی ممالک میں بادشاہت موجود ہے جن میں برطانیہ، برونائی، خلیجی ریاستیں، مراکش وغیرہ شامل ہیں۔

## آمریت (Dictatorship)

آمریت، بادشاہت سے ملتا جلتا نظام ہے، جس میں تمام اختیارات ایک شخص کو حاصل ہوتے ہیں اور وہ شخص اکیلا سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے اور ہر قسم کے قانون سے ماورا تصور کیا جاتا ہے۔ اسے آمر یا ڈکٹیٹر یا مطلق العنان کہا جاتا ہے۔ بادشاہت اور آمریت میں فرق یہ ہے کہ بادشاہت میں حکومت کو ایک خاندان کا حق مان لیا جاتا ہے، جبکہ آمریت میں اُسے اس شخص تک محدود رکھا جاتا ہے۔ آمر کے مرنے یا اُس کے زوال کے بعد اُس کی جگہ دوسرا آمر لے لیتا ہے۔ بالعموم آمریت، فوجی طاقت کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے۔ بعض ممالک میں اقتصادی آمریت بھی موجود ہے۔

## جمہوریت (Democracy)

آمریت اور ملوکیت کے برعکس، جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں۔ عوام ووٹ کے ذریعے حکمران کا انتخاب کرتے ہیں۔ حکمران قانون سے بالاتر نہیں ہوتا، بلکہ اُس کا احتساب بھی کیا جا سکتا ہے۔ آزاد عدلیہ اور موثر میڈیا حکومت کی پالیسیوں پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ مقننہ کے ذریعے قانون سازی ہوتی ہے، جب کہ عاملہ کے ذریعے اُس کا نفاذ ہوتا ہے۔ جمہوریت کے راہنما اُصول حاکمیتِ عوام، مساوات اور انفرادی آزادی ہیں۔ پاکستان میں چوں کہ پارلیمانی جمہوری نظام رائج ہے، اس لیے اسے قدرے تفصیل سے زیر بحث لاتے ہیں۔

جمہوریت کے لیے انگریزی میں لفظ (Democracy) استعمال ہوتا ہے، جو دو یونانی الفاظ Demos اور Kratos سے مرکب ہے، جس کے معنی بالترتیب عوام اور طاقت کے ہیں(۱)؛ یعنی جمہوریت ایسے طرزِ حکومت کا نام ہے جس میں زمامِ اقتدار یا قوت عوام کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، دوسرے لفظوں میں عوام ہی فرماں روا ہوتے ہیں۔ جمہوریت کی عام طور پر یہ تعریف کی جاتی ہے:

Government of the people, by the people and for the people.(1)

"عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، اور عوام کے فائدے کے لیے"



Marfat.com

دنیا بھر کے ممالک میں عام طور پر دو طرح کے جمہوری نظام رائج ہیں: ایک پارلیمانی جمہوریت کہلاتا ہے، جب کہ دوسرا صدارتی۔ پارلیمانی جمہوری طرزِ حکومت میں عوام اپنے ووٹوں کے ذریعے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں اور یہ نمائندے اپنے میں سے ایک وزیر اعظم کا انتخاب کرتے ہیں اور وزیر اعظم مقننہ کو جوابدہ ہوتا ہے، مقننہ اور عاملہ میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس صدارتی نظام میں عوام، ملک کے سربراہ کو براہِ راست منتخب کرتے ہیں جسے بالعموم "صدر" کہا جاتا ہے۔ اِس کے ساتھ عوام مقننہ کا انتخاب بھی کرتے ہیں۔ صدارتی نظام میں مقننہ اور عاملہ الگ الگ رہ کر فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ اِن دونوں کے اختیارات میں توازن رکھا جاتا ہے اور یہ دونوں مل کر حکومت چلاتے ہیں۔ پارلیمانی جمہوریت کی نمائندہ مثال برطانیہ ہے، جب کہ صدارتی جمہوریت کی نمائندہ مثال امریکہ کا نظام حکومت وسلطنت ہے۔

جمہوریت میں پارلیمانی طرزِ حکومت ہو یا صدارتی اندازِ حکمرانی، دونوں میں کچھ مشترکہ بنیادی اُصول ہیں، جن پر جمہوریت کی بنیاد رکھی جاتی ہے: اولاً مقننہ یا مجلسِ قانون ساز، جس کے پاس قانونی سازی (Legislation) کا اختیار ہوتا ہے، جو عمومی طور پر دو ایوانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ثانیاً عاملہ، جسے انتظامیہ (Administration) بھی کہتے ہیں، انتظامیہ کی بنیادی ذمہ داری قانون کا نفاذ ہوتی ہے۔ ثالثاً عدلیہ (Judiciary)، جس کا بنیادی مقصد ریاستی آئین وقوانین کی تشریح کے ساتھ ساتھ قانون شکنی پر سزائیں دینا اور باہمی تنازعات کے حل کے لیے طریقہ کار مہیا کرنا ہوتا ہے۔ اِن تین اہم اداروں کے علاوہ قانون، دستور، سیاسی تنظیمیں اور انتخابات کسی بھی جمہوری طرزِ حکومت کے مشترکہ اجزا ہیں۔

## قیامِ پاکستان کے مقاصد:

پاکستان کسی اچانک حادثے کی پیداوار نہیں، بل کہ اِس کا قیام ایک طویل، صبر آزما اور مسلسل جد وجہد کا نتیجہ ہے، جس میں اسلامیانِ ہند کو بے پناہ مالی وجانی قربانیاں دینی پڑیں۔ مسلمانانِ ہند انگریزوں سے آزادی کے ساتھ ساتھ ایک ایسے خطۂ زمین کے متمنی تھے، جہاں وہ انفرادی واجتماعی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطۂ حیات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کی تعمیر کر سکیں۔ اسلام ہی وہ واحد رشتہ تھا، جس نے برصغیر کے مختلف النسل اور مختلف اللسان افراد کو ایک سلک میں منسلک کر دیا۔ جملہ مسلمانانِ ہند بلا امتیاز رنگ ونسل "پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ" کے نعرے پر لبیک کہتے ہوئے قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں متحد ومتفق ہوگئے۔ یہ نعرہ لوگوں کو متوجہ کرنے اور اپنا گرویدہ بنانے کا محض سیاسی حربہ نہیں تھا، بل کہ فی الواقعہ قیامِ پاکستان کی اساس اور دوامِ پاکستان کا اثاثہ ہے، جس کا تقاضا ایک ایسے وطن کا قیام تھا، جہاں اللہ کا قانون نافذ ہو اور حکمران اللہ کے نائب کی حیثیت سے قوانین الٰہی کی تنفیذ وترویج کر سکیں۔ ہزاروں مسلمانوں کی بے نظیر قربانیوں کے بعد ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو روئے زمین پر ایک ایسا خطہ



Marfat.com

معرض وجود میں آیا جسے پاکستان کہتے ہیں، جو اُس وقت کی سب سے بڑی اسلامی ریاست تھی۔

قیامِ پاکستان کے مقاصد و محرکات کے عین مطابق بانیانِ پاکستان نے ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں "قرار داد مقاصد" (۳) منظور کرکے مملکت پاکستان میں طرزِ حکمرانی اور نظامِ سیاست کے لیے راہ متعین کردی۔ یہ قرارداد ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے تمام دستوری مسودوں کا جزوِ غیر منفک رہی۔ ریاستِ پاکستان کی موجودہ عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے، وہ اکیس ترامیم کے ساتھ ۱۹۷۳ء کا متفقہ آئین ہے، جس کی رُو سے پاکستان میں طرزِ حکمرانی اسلامی، پارلیمانی اور جمہوری ہوگا۔

## پاکستان میں دستور سازی کی مختصر تاریخ:

ہندوستان کی نظریاتی بنیادوں پر تقسیم کے بعد پاکستان کا نظام چلانے کے لیے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء ضروری ترمیمات کے بعد عارضی دستور کے طور پر اختیار کیا گیا اور قیامِ پاکستان کے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے موزوں دستور بنانے کا اہم فریضہ مجلسِ دستور ساز کے سپرد ہوا، جس نے ۱۲/مارچ ۱۹۴۹ء کو قرار داد مقاصد منظور کی اور وہ اُصول متعین کیے جو بعد ازاں پاکستان کے دستور کا حصہ بنے۔ تاہم اِس دستور ساز اسمبلی کو اپنا کام مکمل کرنے سے قبل ہی اکتوبر ۱۹۵۴ء میں تحلیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد گورنر جنرل نے دوسری دستور ساز اسمبلی کا اجلاس مئی ۱۹۵۵ء میں بلایا، جس نے ۲۹/فروری ۱۹۵۶ء کو پاکستان کا پہلا دستور وضع اور منظور کیا۔ یہ دستور ۲۳/مارچ ۱۹۵۶ء کو نافذ کردیا گیا۔ اِس دستور کے نفاذ سے پاکستان ایک آزاد جمہوریہ ملک بن گیا، جس میں یک ایوانی مقننہ پر مشتمل پارلیمانی طرزِ حکومت متعارف کرایا گیا۔ تاہم ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء سے یکم مارچ ۱۹۵۶ء تک گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء دستورِ پاکستان کے طور پر نافذ رہا۔

ابھی دستور کو نافذ ہوئے محض اڑھائی سال کا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ۸/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مارشل لا کا نفاذ ہوا اور دستور منسوخ کر دیا گیا۔ نئی حکومت نے فروری ۱۹۶۰ء میں ایک دستور ساز کمیشن مقرر کیا، جس کی رپورٹ پر ۱۹۶۲ء کا دستور اپنایا گیا۔ اِس دستور نے مختلف نوعیت کا یک ایوانی مقننہ پر مشتمل صدارتی طرزِ حکومت متعارف کروایا۔ اِس دستور کو بھی مارچ ۱۹۶۹ء میں منسوخ کر دیا گیا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والی سول حکومت نے ۱۹۷۲ء میں قوم کو ایک عبوری دستور دیا، بعد ازاں اِس اسمبلی نے ۱۹۷۳ء میں ایک متفقہ دستور وضع اور منظور کیا۔ ۱۹۷۳ء کے دستور نے دو ایوانی مقننہ یعنی قومی اسمبلی وسینیٹ پر مشتمل پارلیمانی نظام متعارف کرایا۔ اِس دستور کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے پہلی مرتبہ براہِ راست انتخابات کی بنیاد پر منتخب ہونے والے عوام کے نمائندوں نے تشکیل دیا تھا۔ اس متفقہ آئین کو بھی ۵/جولائی ۱۹۷۷ء کو معطل کر دیا گیا، بعد ازاں اس آئین کو آٹھویں ترمیم کے ساتھ بحال کیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں اِس دستور کو ایک بار پھر مکمل طور پر معطل کردیا گیا اور ۲۰۰۸ء تک



Marfat.com

اِس کے ساتھ کھلواڑ کیا جاتا رہا۔پاکستان کا موجودہ سیاسی نظام اسی دستور کی بنیاد پر قائم ہے۔

## پاکستان میں موجودہ طرزِ حکومت:

پاکستان میں جمہوری پارلیمانی طرزِ حکومت ہے، جہاں عوام منتخب نمائندوں کے ذریعے اختیار واقتدار کا حق استعمال کرتے ہیں۔ قانون سازی کا اختیار پارلیمان کو حاصل ہے، جو دو ایوانوں پر مشتمل ہے: ایوانِ بالا (سینٹ) اور ایوانِ زیریں (قومی اسمبلی)۔ قانون کے نفاذ کے لیے عاملہ ہے، جس کے سربراہ وزیر اعظم کہلاتے ہیں۔ عاملہ، مقننہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ ریاست میں نظم وضبط قائم رکھنے کے لیے ایک عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ)، ہر صوبے کے لیے ایک ایک عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) اور دیگر ماتحت چھوٹی عدالتوں پر مشتمل آزاد اور خود مختار عدالتی نظام موجود ہے۔

عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، اور عوام کے فائدے کے لیے، اِس تعریف کی رو سے عوام ہی طاقت کا سرچشمہ ہیں، وہ جو چاہیں اپنے طرزِ حیات کا انتخاب کریں۔ جمہوریت کا یہ تصور مقصدِ تخلیقِ پاکستان کی نمائندگی نہیں کرتا۔ قیامِ پاکستان کا مقصد ایسے خطے کا حصول تھا جہاں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہو اور عوام کے منتخب نمائندے اپنے اختیارات قرآن وسنت کی حدود میں رہ کر استعمال کر سکیں۔ پاکستان میں پارلیمانی جمہوری طرزِ حکومت ضرور ہے، مگر یہ مغربی جمہوری فکر سے اِس اعتبار سے مختلف ہے کہ مغربی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں، جب کہ پاکستان کے دستور میں مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جمہور اُس کی مقررہ کردہ حدود وقیود کے اندر رہتے ہوئے ہی اقتدار واختیار استعمال کرسکتے ہیں۔

## اقتدار اعلیٰ:

ہر سیاسی نظام میں خواہ وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی؛ اقتدارِ اعلیٰ کے تصور کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اس کی نوعیت پر ہی مملکت وحکومت کی نوعیت کا انحصار ہوتا ہے۔یہی بنیادی نکتہ پاکستان میں رائج جمہوری نظام کا ما بہ الامتیاز ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ چونکہ بلاشرکت غیرے تمام کائنات کا اکیلا خالق ومالک اور مقتدر اعلیٰ ہے،اس لیے دستورِ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ پاکستانی عوام اللہ کے نائب ہیں، جو مملکت کا نظام ایک مقدس امانت سمجھتے ہوئے منتخب نمائندوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں رہ کر چلائیں گے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں سیاسی نظام کی باگ ڈور ہوگی، اُن کی حیثیت حاکم کی نہیں بلکہ اصلی حاکم کی طرف سے بندوں کے اجتماعی معاملات کے نگران اور منتظم کی ہوگی۔ان کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ وہ خود حاکمِ کائنات کی مرضی کے مطابق چلیں اور بندگانِ خدا کو بھی اس کے احکام وقوانین کے مطابق جو اُس کی آخری کتاب میں دیے گئے ہیں، چلائیں اور عدل وانصاف کے ساتھ اُن کے معاملات کی دیکھ بھال کریں۔ اسلام میں حکومت ایک امانت ہے،اس لیے اس کا حق وہی لوگ ادا کرسکتے ہیں جو امین ہوں۔ قرار دادِ مقاصد، جسے ۱۹۷۳ء کے دستور کے دیباچے کی حیثیت حاصل



Marfat.com

ہے، میں اِس امر کی وضاحت اِس طرح سے کی گئی ہے:

"چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار واقتدار اُس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے"

اِس میں صریح الفاظ کے ساتھ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جملہ اختیار اور اقتدار کا ذاتِ الٰہی کے تابع ہونا لازم ہے۔ یہی اسلام کا منشا ومقتضیٰ ہے کہ تمام تر اختیار اور فیصلوں کا قطعی حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ} (یوسف:۴۰)

"(سن رکھو کہ) خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے، اُس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے"۔

{وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ} (الرعد:۴۱)

اور خدا (جیسا چاہتا ہے) حکم کرتا ہے، کوئی اُس کے حکم کا ردّ کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

دستورِ پاکستان میں اللہ تعالیٰ کو مقتدرِ اعلیٰ قرار دینے کے ساتھ ہی قرآن کریم نے اس امر کی بھی صراحت کردی کہ اللہ کا یہ اقتدار مطلق اور کامل ہے، اِس اقتدار میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت مقتدرِ اعلیٰ ہوسکتی ہے نہ قانونِ الٰہی کی اساس تبدیل ہوسکتی ہے:

{وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ} (بنی اسرائیل:۱۱۱)

"اور نہ اُس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز وناتواں ہے کوئی اُس کا مددگار ہے"

{وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا} (الکھف:۲۶)

"اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا"

اقتدارِ اعلیٰ کا یہی تصور اسلام کے سیاسی نظام کا مرکز ومحور اور نظری اساس ہے۔ پاکستان کا سیاسی نظام نوعیت کے اعتبار سے اگرچہ جمہوری ہے، لیکن اس کی اساس قوم کی فرماں روائی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی فرماں روائی پر ہے۔ اسی وجہ سے اس نظریاتی ریاست کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان"(۴) ہے۔ پاکستان میں رائج اسلامی جمہوری سیاسی نظام کی اساسی اقدار حریت، مساوات ورواداری اور سماجی عدل ہیں۔ مغربی جمہوری نظام میں بھی اِن اصطلاحات کا چلن ہے، تاہم الفاظ کا اشتراک تصورات کے اشتراک کو مستلزم نہیں۔ قرار دادِ مقاصد میں یہ بھی صراحت ہے کہ اسلام کے فلسفہ وفکر کے مطابق اِن اصطلاحات کے معنیٰ ومفہوم مراد لیے جائیں(۵)۔ اِن اصطلاحات کے پیچھے وہ فلسفہ وفکر یا تصورات مراد نہیں ہیں، جو اہل



Marfat.com

مغرب کے پیشِ نظر ہیں۔ مغرب اِن اصطلاحات سے کیا مراد لیتا ہے، اس کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ذیل میں صرف اسلامی نکتۂ نظر سے حریت، مساوات، رواداری اور سماجی عدل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

## حریت و آزادی:

اسلامی اور غیر اسلامی جمہوریت میں واضح فرق اقتدار اعلیٰ کے تصور کا ہے، جس کا اوپر بیان ہوا۔ حاکمیت اِلٰہ یا حاکیت عوام کے بعد کسی بھی جمہوریت کا بنیادی اُصول، آزادی ہے۔ سیکولر جمہوریت اور اسلامی جمہوریت میں اِس تعبیر سے مختلف معنی و مفہوم مراد لیے جاتے ہیں۔ مغربی جمہوریت میں مطلق آزادی مراد لی جاتی ہے، جب کہ اسلامی جمہوریت میں قانونی حدود کے اندر رہتے ہوئے آزادی کا تصور ہے۔ پاکستان میں اولاً ہر شخص کو زندگی کا حق حاصل ہے(۶)، اور اِس بات کی آزادی حاصل ہے کہ وہ جو مذہب یا عقیدہ اختیار کرنا چاہے اُس کو کر سکتا ہے۔ ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے، اُس پر عمل کرنے اور اُس کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہے(۷)۔ کسی شخص یا جماعت یا ریاست کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کے عقیدہ و مذہب میں مداخلت کرے۔ اِسی طرح ہر شخص کو پر امن اجتماع، انجمن سازی اور اظہارِ رائے کی آزادی حاصل ہے(۸)۔ اسی طرح ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق جائز پیشہ یا مشغلہ اختیار کرنے یا جائز تجارت یا کاروبار کرنے اور اُس سے نفع حاصل کرنے کی آزادی حاصل ہے(۹)۔ یہ حق بھی اُس کو حاصل ہے کہ وہ اپنی محنت کی جائز کمائی سے ذاتی ملکیت بنائے اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اُس میں اضافہ کرے(۱۰)۔ پاکستان کے ہر شہری کو یہ آزادیاں حاصل ہیں، جب تک ایک فرد کی آزادی اسلام کی عظمت، ریاست کی سلامتی یا اُس کے کسی حصے کی سالمیت یا کسی دوسرے فرد کی آزادی کے لیے خطرہ نہ بنے، حکومت کو مداخلت کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

## مساوات:

جمہوریت کا دوسرا بنیادی اُصول، مساوات (Equality) ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ سماج کے تمام افراد باعتبارِ پیدائش مساوی ہیں، نسل و رنگ، ذات پات اور وطن و لسان کی بنیاد پر اُن کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی طرح مساوات کا صحیح تصور بھی اسلامی طرزِ حکومت میں ہی اپنی روح کے ساتھ وجود پذیر ہوسکتا ہے۔ مغربی جمہوریت عوام کی اقلیت کو اکثریت کے زیر دست کر دیتی ہے، جب کہ اسلامی طرزِ حکومت میں اکثریت و اقلیت دونوں مالک حقیقی یعنی مقتدر اعلیٰ کے زیر دست ہوتے ہیں اور بہ اعتبار پیدائش دونوں طبقے برابر کے حقوق رکھتے ہیں۔ اسلام، نسل، رنگ اور نسب کے امتیازات کو کبھی اور کسی سطح پر بھی تسلیم نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں اس کی صراحت اِس طرح کی گئی ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} (الحجرات:۱۳)



Marfat.com

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے"۔

حاکم مطلق نے انسانی آبادی کی تقسیم دو ہی طبقوں میں رکھی ہے: متقی وغیر متقی، اسلام کی نگاہ میں امیر وغریب، رنگ ونسل اور وطن ولسان کی بنیاد پر کوئی طبقاتی تقسیم نہیں ہے، سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اِس بنا پر سب کو یکساں اور مساوی حقوق حاصل ہیں۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر مساوات کی تصریح کچھ یوں آئی ہے:

{يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً} (النساء:۱)

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اُس نے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے"

جب تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں تو پھر اُن کے درمیان رنگ ونسل اور زبان وعلاقہ کی بنیاد پر امتیاز کرنے کی گنجائش کیوں کر ہو سکتی ہے۔ رنگ ونسل اور زبان کا اختلاف تو فروعی حیثیت رکھتا ہے، اس کا تعلق پیدائش سے نہیں بلکہ جغرافیائی حالات سے ہے۔ اسلام میں ہر شخص خواہ وہ سیاہ فام ہو یا سفید فام، عورت ہو یا مرد، عجمی ہو یا عربی، مالک ہو یا نوکر، یکساں عزت واحترام کا مستحق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى (۱۱)

"اے لوگو! آگاہ رہو! تمہارا رب ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر، اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، مگر تقویٰ کے لحاظ سے"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو کنگھی کے دندانوں کی مانند قرار دیا ہے، یعنی تمام انسان یکساں قدر ومنزلت کے حامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمُشْطِ (۱۲)

ایک اور مقام پر محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مساواتِ انسانی کی مزید صراحت کچھ اِس انداز سے کی ہے:

وَالنَّاسُ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ (۱۳)

"تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے"

دستورِ پاکستان کی رو سے ریاست کے جملہ باشندگان مساوی حیثیت کے حامل ہیں، کسی طبقے کو



Marfat.com

دوسرے طبقے پر کسی بھی اعتبار سے فوقیت وامتیاز حاصل نہیں ہے، ریاست کے تمام شہریوں کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ مساوات کا یہ مطلب بھی ہے کہ سماج کا ہر فرد قانون کی نظر میں یکساں ہے(۱۴)، اُن میں کسی بھی طرح کی تفریق ممنوع ہے۔ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک معزز قبیلے بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی وساطت سے ہاتھ نہ کاٹنے کی سفارش کروائی، جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخی جملے ارشاد فرمائے، جس سے "قانون کی حکمرانی" (The Rule of Law) اور مساوات کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

إِنَّمَا هلكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا(۱۵)

"تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوگئے کہ جب اُن کا کوئی معزز چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے، جب معاشرے کا کوئی کم زور چوری کرتا تو اُس پر حد جاری کر دیتے، خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اُس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔

تاریخ اسلام کے اوراق اِس قسم کے واقعات سے مالا مال ہیں کہ اسلامی ریاست کا ہر شہری خواہ امیر ہو یا غریب، شریف ہو یا وضیع، امیر ہو یا مامور، قانون کی نظر میں بالکل مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر شخص اور ہر طبقہ، بغیر کسی امتیاز کے، ایک ہی قانون اور ایک ہی نظامِ عدالت کے تحت ہے۔ نہ مختلف طبقات کے لیے قانون کی نوعیت میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے نہ غربت وامارت یا اس قسم کی کسی اور وجہ کی بنا پر قانون کے اجرا ونفاذ میں سرمو کوئی فرق آسکتا ہے(۱۶)۔

مساوات کا یہ مطلب بھی ہے کہ سماج کے ہر ہر فرد کو مذہب اور رنگ ونسل کے امتیاز کے بغیر یکساں ترقی کے مواقع حاصل ہوں۔ یکساں مواقع کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ سماج کے تمام افراد لازماً یکساں ترقی کریں۔ ہر شخص کی ترقی کی سطح اُس کی ذاتی استعداد ولیاقت پر منحصر ہے۔ اِس اُصول کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو قدرت کی طرف سے جو صلاحیتیں ملی ہیں اُن کو وہ کسی روک ٹوک کے بغیر نشو ونما دے کر حدِ کمال تک پہنچا سکے۔ ترقی کے مواقع صرف اُن لوگوں تک محدود نہیں ہونے چاہئیں، جو موروثی حیثیت یا معاشی قوت کے بل بوتے پر دوسروں کو مغلوب کرسکتے ہیں۔ ہر شخص کو ایک بہتر زندگی گزارنے کا موقع ملنا چاہیے، ممکن ہے کہ سماج کا ہر فرد اپنی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے زندگی کی مسرتوں سے بہرہ یاب ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست کو بھی فائدہ پہنچائے۔

## رواداری:

قراردادِ مقاصد میں مساوات کے بعد تیسری اہم چیز رواداری ہے۔ رواداری کا اصطلاحی مفہوم ہے: فکری، اعتقادی، نسلی اور لسانی بنیاد پر کسی عصبیت کا شکار ہوئے بغیر تحمل وبردباری سے دوسرے کو برداشت



Marfat.com

کرنا(۱۷)۔عام طور پر اِس سے مراد مذہبی رواداری لیا جاتا ہے اور یہ اسلامی تعلیمات کا لازمی جزو ہے۔ اسلام کسی شخص پر کوئی عقیدہ طاقت کے بل بوتے پر مسلط نہیں کرتا، بلکہ وہ ہر انسان کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق کوئی بھی عقیدہ اختیار کرسکتا ہے، نہ صرف اختیار کرسکتا ہے بلکہ اُس کا اظہار بھی کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت کو اختیار کرنا یا ردّ کرنا بھی اُس کا اختیار ہے۔ اِس دنیا میں اُسے اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

{لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ} (البقرۃ:۲۵۶)

"دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے، ہدایت (صاف) طور پر ظاہر اور گمراہی سے الگ ہوچکی ہے"

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مملکتی مذہب اگرچہ اسلام ہے(۱۸)، لیکن کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے کو دینِ اسلام میں زبردستی داخل ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، ہاں اللہ تعالیٰ اُس کو ہدایت عطا فرما دیں اور اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیں تو الگ بات ہے(۱۹)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی سالم بن عوف کے ایک انصاری صحابی جنہیں حصینی کہا جاتا تھا، مسلمان ہوگئے تھے، اُس کے دو لڑکے عیسائی تھے، اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنے بیٹوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کروں؟ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت {لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ} نازل ہوئی(۲۰)۔ اسلامی تاریخ کے ابتدائی ایام میں مذہبی روا داری کی سب سے روشن مثال میثاقِ مدینہ ہے، دنیا کے اِس پہلے بین الاقوامی تاریخی دستاویز میں ریاست کے یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی کے ساتھ تمام بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی۔ مذہبی رواداری کی اِس سے بڑی اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ مدینہ منورہ میں جب نجران کا عیسائی وفد آیا، تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ صرف مسجد نبوی میں ٹھہرایا، بل کہ مسجد نبوی میں ہی اُن کے اپنے طریقے پر عبادت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی(۲۱)۔

پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کی حیثیت علم فقہ کی اصطلاح میں معاہد اہل الذمہ کی ہے، اسلام نے اقلیتوں کو جو حقوق آج سے چودہ سو سال پہلے دیئے ہیں، موجودہ دور کی متمدن ومہذب ریاستیں بھی ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ مقنن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا(۲۲)

"جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا، حالاں کہ اُس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونگھی جائے گی"

ایک اور موقع پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(۲۳)

"خبردار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اُس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اُس کی طاقت



Marfat.com

سے زیادہ اُس پر بوجھ ڈالے گا، یا اُس سے اُس کی مرضی کے خلاف کوئی چیز وصول کرے گا، میں ایسے شخص کے خلاف خود قیامت کے دن مستغیث ہوں گا"

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی اقلیتوں کو اکثریت کی مانند وہ تمام بنیادی حقوق بشمول مذہبی آزادی، حاصل ہیں، اُن کے درمیان مذہب کی بنیاد پر کسی قسم کی تمیز رَوا نہیں رکھی گئی۔ دستورِ پاکستان مذہب کی بنیاد پر کسی قسم کی قدغن نہیں لگاتا۔ آئین کی شق نمبر ۲۰ کی جزو الف اور ب میں ہے:

"قانون، امن عامہ اور اخلاق کے تابع ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے، اُس پر عمل کرنے اور اُس کی تبلیغ کرنے کا حق ہوگا اور ہر مذہبی گروہ اور اُس کے ہر فرقے کو مذہبی ادارے قائم کرنے، برقرار اور اُن کا انتظام کرنے کا حق ہوگا"

دستور پاکستان کی رُو سے مملکت پاکستان اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہے، دستورِ پاکستان کی شق نمبر ۳۶ میں درج ہے:

"مملکت، اقلیتوں کے جائز حقوق اور مفادات کا، جن میں وفاق اور صوبائی ملازمتوں میں اُن کی مناسب نمائندگی شامل ہے، تحفظ کرے گی"

دستورِ پاکستان کی اِس شق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس ارشاد کی جھلک نظر آتی ہے، جس میں ریاست کے غیر مسلم شہری کو اللہ اور اُس کے رسول کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهِ، لَمْ يَرِحْ رَاحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ سَبْعِيْنَ عَامًا(۲۴)

"جس نے ذمی کو قتل کیا جسے اللہ اور اُس کے رسول کی پناہ حاصل ہوئی ہے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا، حالاں کہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے"

اللہ اور اُس کے رسول کی پناہ میں ہونے کا مطلب ہی یہی ہے، کہ اُس کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری اب اللہ اور اُس کے رسول کی ہے۔ کسی بھی اسلامی ریاست میں قانون کا ماخذ و سر چشمہ اللہ اور اُس کے رسول ہی ہوتے ہیں۔

پاکستان میں درج بالا روشن اُصولوں پر مبنی پارلیمانی جمہوری نظام ہے، جس میں عوام اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے شریک اقتدار ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہاں بالواسطہ جمہوریت رائج ہے۔ ذیل میں پاکستان میں رائج جمہوری نظام کا مطالعہ کرتے ہیں۔

## پارلیمانی (شورائی) نظام:

پاکستان میں جمہوری پارلیمانی طرزِ حکومت ہے، موجودہ دستورِ پاکستان کی شق نمبر ۵۰ کی رُو سے پارلیمان کو مجلسِ شوریٰ کا عنوان دیا گیا ہے، جو دو ایوانوں، ایوانِ زیریں (قومی اسمبلی) اور ایوانِ بالا



Marfat.com

(سینٹ) پر مشتمل ہے۔ شرعی حدود میں رہتے ہوئے قانون سازی کے تمام تر اختیارات پارلیمان کے پاس ہیں۔ پارلیمان کو اسلام کے نظامِ شورائیت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے مجلسِ شوریٰ کا نام دیا گیا ہے۔ اسلامی نظامِ سیاست وحکومت میں شوریٰ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، قرآن مجید میں اہلِ ایمان کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ باہمی صلاح مشورے سے جملہ اُمور سر انجام دیتے ہیں۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو باوجود مہبطِ وحی ہونے کے اُمورِ مملکت کی انجام دہی میں مشورہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے:

{وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ} (آل عمران:۱۵۹)

"اپنے کاموں میں اُن سے مشاورت لیا کرو اور جب (کسی کام کا) عزم مصمم کرلو تو خدا پر بھروسہ رکھو، بے شک خدا بھروسا رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تمام اہم اُمور کی انجام دہی کے لیے مشورہ فرماتے تھے اور مجلسِ شوریٰ اسلامی نظامِ سیاست وحکومت کی ایک خصوصیت بن گئی۔ قرآن مجید میں مومنین کی صفات کے ضمن میں ایک مقام پر ہے:

{وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ} (الشوریٰ:۳۸)

"اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں"

محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور صاحب وحی ہونے کے باوجود بھی ہر مہتم بالشان امر میں مشورہ لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَكْثَرَ اسْتِشَارَةً لِلرِّجَالِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۲۵)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا"

غزوۂ بدر ہو یا اُحد؛ خندق ہو یا صلح حدیبیہ یا اِن جیسے اہم اُمور، اِن سب معاملات میں حضور رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی، یہاں تک کہ غزوۂ اُحد میں اکثریت کی رائے پر عمل کیا(۲۶)۔ مشورہ اللہ تعالیٰ کا حکم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت مستمرہ ہے، بل کہ مفسرین نے یہاں تک لکھا ہے:

وَالشُّورَىٰ مِنْ قَوَاعِدِ الشَّرِيعَةِ وَعَزَائِمِ الْأَحْكَامِ، مَنْ لَا يَسْتَشِيرُ أَهْلَ الْعِلْمِ وَالدِّينِ فَعَزْلُهُ وَاجِبٌ، هٰذَا مَا لَا خِلَافَ فِيهِ (۲۷)

"شوریٰ قواعدِ شرعیہ اور بنیادی احکام میں سے ہے، جو (سربراہِ مملکت) صاحبانِ دین ودانش سے مشورہ نہ کرے، اُس کا معزول کرنا واجب ہے، اِس بارے میں (فقہا کے مابین) کوئی اختلاف نہیں ہے"۔

ہاں البتہ یہ امر قابل بحث ہے کہ کیا ہر معاملے میں مشاورت کی جاسکتی ہے یا مخصوص اُمور ہی مشورہ طلب ہیں۔ کیا پارلیمان ہر مسئلے کو زیر بحث لاسکتی ہے یا اِس حوالے سے کچھ حدود وقیود ہیں؟ کیا



Marfat.com

پارلیمان قانون سازی میں مطلق با اختیار ہے یا مشروط طور پر اختیارات حاصل ہیں۔

## پارلیمان کا دائرۂ اختیار:

کسی بھی اسلامی جمہوری مملکت میں قانون سازی کا تصور دیگر جمہوری حکومتوں سے مختلف ہوتا ہے، اسلامی جمہوری نظام میں قانون سازی کے حوالے سے پارلیمان کا اختیار احکام الٰہی کی پابندی سے مشروط ہوتا ہے۔چوں کہ اللہ تعالیٰ ہی اسلامی مملکت کا مقتدرِ اعلیٰ ہوتا ہے،اس لیے وہ ہی اس کا حقیقی قانون ساز بھی ہے۔اُس نے قرآن کی شکل میں جو اُصول نازل فرمائے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اُن کی تشریح وتوضیح کی ہے،انہی کو اسلامی مملکت میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔کوئی اسلامی حکومت یا قانون ساز ادارہ اُن احکام کے خلاف عمل کرنے یا اُن کو منسوخ کرنے یا ترمیم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ} (الانعام:۱۵۵)

"اور اسی طرح یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے،ایک برکت والی کتاب۔پس تم اِس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو،بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے"

{اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ} (الاعراف:۳)

"لوگو! تم اس کا اتباع کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے"

یہی اختصاص پاکستان کی پارلیمان کو حاصل ہے، کہ اُس میں قانون سازی قرآن وسنت کے تابع ہے۔پاکستان کی پارلیمان قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون لانا چاہے بھی تو نہیں لاسکتی۔دستور کی شق نمبر ۲۲۷ میں ہے:

> "تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جن کا اس حصے میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے، اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو"

حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تمام مروّجہ قوانین کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے۔اِس ضمن میں اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام شِق نمبر ۲۲۸ کے تحت عمل میں لایا گیا ہے۔یہ کونسل خود یا کسی شہری کی درخواست پر کسی موجودہ قانون کے غیر اسلامی پہلو سے حکومت اور پارلیمان کو آگاہ کرسکتی ہے۔ پاکستانی دستور کا سب سے اجاگر پہلو وفاقی شرعی عدالت کا قیام ہے،یہ عدالت آئین کی شق نمبر ۲۰۳ کے تحت کسی بھی قانون کو کسی بھی وقت غیر اسلامی قرار دے کر کالعدم کرسکتی ہے۔وفاقی شرعی عدالت کے ججز خود بھی ایسا کرنے کے مجاز ہیں اور کوئی شہری بھی عدالت میں پیروی کرنے کا حق رکھتا ہے۔اگر کسی شہری کو کسی قانون کے غیر اسلامی ہونے کا یقین ہو تو وہ اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کا



Marfat.com

دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔

پارلیمان اگر چاہے بھی تو زنا بالرضا، شراب نوشی کے جواز، ہم جنس پرستی اور حلتِ سود کے قوانین نہیں لاسکتی، جب کہ اسلامی جمہوری نظام کے برعکس مغربی جمہوریتوں میں، جہاں حاکمیت عوام کی ہے، ایسے غیر فطری قوانین موجود ہیں۔ کسی بھی اسلامی جمہوری ریاست کی پارلیمان کو اِس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیا کو حلال کرلے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا} (الاحزاب:۳۶)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اُس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا"۔

اسلامی طرزِ حکومت میں قانون سازی صرف اس معاملے میں کی جاسکتی ہے، جہاں کسی پیش آمدہ مسئلے کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی واضح اور قطعی حکم موجود نہ ہو۔ جہاں واضح اور قطعی حکم موجود ہو، اُس میں کسی مشورے کی ضرورت نہیں، بل کہ جائز ہی نہیں۔ مثلاً کوئی شخص اِس بارے میں مشورہ کرے کہ وہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے، زکوٰۃ دے یا نہ دے؟ حج کرے یا نہ کرے، اِن اُمور کے بارے میں مشورہ کرنا جائز نہیں، مشورہ یا قانون سازی صرف اُن اُمور میں کی جاسکتی ہے جہاں نص قطعی نہ ہو۔ اس حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیمات موجود ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے، جس کا حکم صراحۃً قرآن مجید میں نازل نہیں ہوا، اور آپ سے بھی کوئی اس کے متعلق ارشاد نہ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ایسے کام کے لیے میری اُمت میں سے عبادت گزاروں کو جمع کرو، اُن سے باہمی مشورہ کرو، کسی ایک کی رائے پر فیصلہ نہ کرو"(۲۸)

جس شخص سے مشاورت کی جائے اُس کا عابد ہونے کے ساتھ ساتھ ذی فہم ہونا بھی ضروری ہے(۲۹)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اِسْتَرْشِدُوْا الْعَاقِلَ ترشدوا، وَلَاتعصوہ فتندموا(۳۰)

"عقلمند آدمی سے مشورہ لو، جب وہ مشورہ دے تو اُس کے خلاف نہ کرو، ورنہ پشیماں ہونا پڑے گا"

اِن دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مجلس شوریٰ (پارلیمان) کے ارکان میں دو وصف کا ہونا ضروری ہے: صاحبِ عقل ورائے ہونا، دوسرا عبادت گزار ہونا، جس کا حاصل یہ ہے کہ ذی رائے اور متقی ہونا۔ آئین کی شق نمبر ۶۲ اور ۶۳ کی بعض ذیلی شقوں کے مطابق کوئی شخص پارلیمان کا ممبر



Marfat.com

نہیں ہو سکتا اگر:

"وہ اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور عام طور پر احکامِ اسلام سے انحراف میں مشہور ہو، وہ اسلامی تعلیمات کا خواطر خواہ علم نہ رکھتا ہو، اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو، وہ سمجھدار اور پارسا نہ ہو، اور ایمان دار اور امین نہ ہو، کسی اخلاقی پستی میں ملوث ہونے یا جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں سزا یافتہ ہو، وہ فاتر العقل ہو اور کسی مجاز عدالت کی طرف سے ایسا قرار دیا گیا ہو"

اِن شقوں میں در اصل دو ہی باتوں پر زور دیا گیا جو ماقبل مذکور دونوں حدیثوں کا ماحصل ہیں، یعنی پارلیمان کے ممبران کے لیے ذی رائے اور صاحبِ تقویٰ ہونا بنیادی شرائط ہیں۔

## عاملہ (Executive)

کسی بھی جمہوری سسٹم کا دوسرا اہم ترین ستون عاملہ یا انتظامیہ کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں اولی الامر اور احادیث میں حاکم یا امیر کی اصطلاح اِسی انتظامیہ کے معنوں میں آئی ہے۔ مقننہ کا کام قانون سازی اور عاملہ کی ذمہ داری اُس قانون کا نفاذ ہوتا ہے۔ لادینی جمہوری سسٹم اور اسلامی جمہوری نظام میں جو اقتدار اعلیٰ کا بنیادی فرق ہے، اس کا اثر عاملہ پر بھی پڑتا ہے۔ کسی بھی اسلامی ریاست میں عاملہ کی حیثیت خدا کے نائب کی ہوتی ہے اور خلیفہ یا امیر یا وزیر اعظم یا کوئی بھی نام دے لیں، بہ حیثیت عاملہ کے سربراہ کے، اُس کا بنیادی فرض اللہ کی سرزمین پر اللہ کے احکام و قوانین کے نفاذ کے لیے ملک اور معاشرے میں حالات پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس پر یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی حاکمِ حقیقی کی اطاعت کرے اور دوسروں سے بھی اُس کی اطاعت کروائے۔ اِسی وجہ سے باشندگانِ ریاست کو سربراہِ ریاست کی اطاعت کا حکمِ ربانی دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا} (النساء:۵۹)

"مومنو! خدا اور اُس کے رسول کی کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں اُن کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اُس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو اور یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے"

اولی الامر کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے، بشرطیکہ اُس سے حاکمِ حقیقی کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو، کیوں کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ سمع وطاعت کا یہ حق اِس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صاحبانِ امر اللہ اور اُس کے رسول کے تابع رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا} (الکہف:۲۸)



Marfat.com

"اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اُس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے، اُس کا کہا نہ ماننا"

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بڑا واضح ہے، جو سمع وطاعت کی حدود وقیود متعین کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْئِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ (۳۱)

"(امیر یا حاکم) کا حکم سننا اور ماننا مسلمان (یعنی ریاست کے شہری) پر واجب ہے، خواہ وہ حکم پسند ہو یا نہ ہو، بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا گیا ہو، اگر (حاکم حقیقی کی) نافرمانی پر مبنی حکم دیا گیا ہو تو نہ سننا جائز ہے نہ اطاعت کرنا"

ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ امیر اگر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اُس کی اطاعت واجب ہے:

اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبْشِيٌّ كَاَنَّ رَأْسَه زَبِيْبَةٌ (۳۲)

"سنو اور اطاعت کرو، گرچہ تم پر حبشی غلام ہی امیر (حاکم) کیوں نہ بنا دیا جائے، جس کا سر منقیٰ (کشمش) کی طرح ہو"

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اُس کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ أَطَاعَ الْإِمَامَ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ، وَمَنْ عَصَى الْإِمَامَ فَقَدْ عَصَانِيْ (۳۳)

"جس نے میری بات مانی اُس نے اللہ کی بات مانی، جس نے میری نا فرمانی کی اُس نے اللہ کی نا فرمانی کی؛ (اسی طرح) جس نے امام (حاکم) کی بات مانی اُس نے در حقیقت میری بات مانی، جس نے امام کی نافرمانی کی اُس نے میری نا فرمانی کی"

اسلام نے اپنے نظامِ اطاعت میں اولو الامر کو جو یہ بلند منصب دیا ہے، وہ اِس بنیاد پر دیا ہے کہ وہ خدا کی تشریعی حاکمیت کے زمین میں نفاذ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اِس منصب کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ وہ خود خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور اُس کے بندوں کے اندر اُس کے قانون کو جاری ونافذ کریں۔ سربراہِ ریاست کے لیے لازم ہے کہ انصاف پسند ہو، خواہشات نفسانی کا پیرو کار نہ ہو۔ قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انصاف پر مبنی فیصلے کرنے اور خواہشات کی پیروی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

{يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ} (ص:۲۶)

"اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے، تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور



Marfat.com

خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے راستے سے بھٹکا دے گی، جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے"

آیت میں حاکم اور ذی اختیار لوگوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ قرآن وحدیث کے مطابق فیصلے کریں اور اُمورِ مملکت میں نفسانی خواہشات کا دخول نہ ہونے دیں، ورنہ اللہ کی راہ سے بھٹک جائیں گے اور جو بھٹک کر اپنے حساب کے دن کو بھول جائے وہ سخت عذابوں میں مبتلا ہوگا۔

صاحبانِ اختیار کے فرائض منصبی خود مالک حقیقی نے متعین کردیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ} (الحج:۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں، نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے"

اِن تمام آیات کا لب لباب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کو اُمورِ ریاست اللہ کی مرضی ومنشا کے مطابق چلانے چاہئیں، اُسے برابر یہ احساس رہے کہ وہ حاکم حقیقی کا نائب ہے، اختیار اُس کے پاس امانت ہے اور وہ اُس کے سامنے جوابدہ ہے۔

اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں دستور کی شق نمبر ۹۱ کی رُو سے اکثریت کا اعتماد رکھنے والا رکن قومی اسمبلی وزیر اعظم بنتا ہے، دستور کی شق نمبر ۹۲ کے تحت وزیر اعظم مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) سے وفاقی اور وزرائے مملکت کا انتخاب کرتا ہے۔ وزیر اعظم اور اُس کی کابینہ ریاست پاکستان کی عاملہ کہلاتی ہے، جو آئین کی رو سے مقننہ یعنی عوام کے منتخب نمائندوں کے توسط سے عوام کے سامنے جوابدہ ہے۔ مجلس شوریٰ (قومی اسمبلی) کی اکثریت وزیر اعظم منتخب بھی کرسکتی ہے اور اکثریت کی بنیاد پر معزول بھی کرسکتی ہے۔ وزیر اعظم اولاً چونکہ قومی اسمبلی کا ممبر ہوتا ہے، اس لیے آئین کی شق نمبر ۶۲ اور ۶۳ کی رُو سے وزیر اعظم کا اچھے کردار کا حامل ہونا، احکامِ اسلام پر کار بند ہونا، اسلامی تعلیمات سے خواطر خواہ واقفیت رکھنا، اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند ہونا، کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہونا، ذی فہم، متقی اور صادق وامین ہونا ضروری ہے۔ اِنہی اوصاف سے متصف حاکم، اسلام کا منشا ومقتضی ہے۔

پاکستان کے طرزِ حکمرانی میں مقننہ قانون سازی کرتی ہے اور عاملہ اُس کا نفاذ کرتی ہے۔ قرار دادِ مقاصد کا آغاز ہی اِس بات سے ہوتا ہے کہ: "چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے، اور اُسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے، اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے" اس لیے پاکستان کی انتظامیہ کے پاس یہ تمام تر اقتدار ایک مقدس امانت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عوام کے توسط سے اس کے لیے تفویض ہوا ہے، کہ اُسے بنی نوعِ انسان کی خدمت کے لیے استعمال کیا جائے،



Marfat.com

تاکہ یہ امانت ظلم وتشدد اور خود غرضی کا آلہ نہ بن کر رہ جائے۔

## عدلیہ (Judiciary)

کسی بھی جمہوری طرزِ حکومت میں تیسرا اہم ستون عدلیہ ہے، جسے اسلامی قانون کی اصطلاح میں "قضا" بھی کہا جاتا ہے۔ کسی بھی ریاست کا نظم وضبط برقرار رکھنے، اُس کے استحکام میں، بالخصوص داخلی استحکام میں عدلیہ کا کردار محتاجِ بیان نہیں ہے۔ کسی بھی اسلامی مملکت کے لیے نظام عدل وانصاف کا قیام بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، کوئی بھی سلطنت ومملکت آزاد اور خود مختار عدلیہ کے بغیر ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہوسکتی، کیوں کہ اِس کا تعلق براہِ راست رعایا سے ہے۔ جب تک ریاست میں بسنے والے تمام افراد کو بلا امتیاز فوری انصاف مہیا نہیں کیا جائے گا تو وہ ذہنی طور پر آسودہ حال ہوں گے نہ ریاست کے ساتھ مخلص، جس کا لازمی نتیجہ داخلی انتشار اور بدنظمی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

عدلیہ اور عدل وانصاف کے حوالے سے اسلام کی تعلیمات امتیازی نوعیت کی ہیں۔ اسلام میں عدلیہ اور عدل لازم وملزوم ہیں۔ قرآن وسنت میں عدل کے حوالے سے اِس قدر واضح اور بسیط احکامات ہیں کہ جن کے اِحصا کا یہ مختصر مقالہ متحمل نہیں ہے۔ اسلام میں اولاً سربراہِ ریاست ہی قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ہوا کرتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، بعد ازاں خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی زمانہ میں ایسا ہی ہوا کرتا تھا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں ہی عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کردیا تھا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ ہی یہی ہے کہ عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت وسلطنت کے سلسلے قائم ہوئے، مدتوں بعد عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا گیا (۳۴)۔

سماج کے افراد کے درمیان باہمی تنازعات کو حل کرنا، انسدادِ جرائم کے لیے مجرموں کو سزا دینا اور ظالم سے مظلوم کو عدل مہیا کرنا عدلیہ کی بنیادی ذمہ داریاں ہیں۔ اسلامی جمہوری طرزِ حکومت میں عدلیہ بھی مقننہ اور انتظامیہ کی طرح احکامِ الٰہی کی پابند ہوتی ہے، جو منشائے الٰہی کے برعکس کوئی فیصلہ صادر نہیں کرسکتی۔ عدل حکم الٰہی ہے:

{اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ} (النحل:۹۰)

"اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے"

اسلام عدل کے معاملے میں اپنے پرائے کی بھی تفریق نہیں کرتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی} (الانعام:۱۵۲)

"اور جب بات کہو انصاف کی کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو"

{وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ} (النساء:۱۵۸)



Marfat.com

"اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو، خدا تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے"

قاضی یا جج فیصلہ کرنے میں احکاماتِ خداوندی کا پابند ہے، وہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرسکتا جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو:

{وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ} (المائدۃ:۴۴)

"اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں"

قرآن مجید میں خدا کی منشا کے خلاف فیصلہ کرنے والے کو ایک مقام پر ظالم(۳۵) اور دوسرے مقام پر فاسق(۳۶) کہا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ قضا کے درست اور حق کے ساتھ استعمال پر جنت کی خوش خبری سنائی ہے اور غلط فیصلے کی بنیاد پر جہنم کی وعید سنائی ہے:

اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: قَاضِيَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ فِي الْجَنَّةِ، قَاضٍ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ، وَقَاضٍ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ مُتَعَمِّدًا فَهُوَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ قَضٰى بِغَيْرِ عِلْمٍ فَهُوَ فِي النَّارِ (۳۷)

"قاضی تین قسم کے ہیں: ایک جنت میں اور دو دوزخ میں ہوں گے، جس شخص نے حق پہچانا اور اُس کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔ جس شخص نے حق کو جاننے کے باوجود فیصلہ میں دانستہ ظلم کیا وہ دوزخ میں ہوگا اور جس شخص نے بغیر علم کے فیصلہ کیا وہ بھی دوزخی ہے"

منصب قضا کی حساسیت ونزاکت کے حوالے سے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ ہو:

مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ (۳۸)

"جس شخص کو منصبِ قضا عطا کیا گیا گویا اُسے بغیر چھری کے ذبح کیا گیا"

مدینہ میں اسلامی ریاست کے قائم ہوتے ہی ریاست کی فرماں روائی کے ساتھ ساتھ چیف جسٹس کا منصب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین جانی دشمن یہود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل وانصاف کے معترف تھے، اپنے معاملات اور مقدمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرواتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل وانصاف کی بیّن اور سب سے بڑی دلیل ہے اور تاریخ انسانی اس کی مثال تو کجا، نظیر تک پیش کرنے سے قاصر ہے(۳۹)۔

ریاست پاکستان میں بھی نظم وضبط قائم رکھنے، جرائم کے انسداد اور قانون کی تشریح وتوضیح کے لیے ایک عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ)، ہر صوبے کے لیے ایک ایک عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) اور دیگر ماتحت چھوٹی عدالتوں پر مشتمل آزاد اور خود مختار عدالتی نظام موجود ہے۔ عدلیہ انتظامیہ کے اثر ورسوخ سے آزاد ہے، یہاں تک ۲۰۰۸ء کے عام انتخابات میں منتخب ہونے والے ایک وزیر اعظم عدالت عظمیٰ سے سزا یافتہ ہوئے اور ایک وزیر اعظم عدالت میں پیش ہوتے رہے، جس سے عہدِ فاروقی کی یاد تازہ ہوگئی، جب



Marfat.com

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف استغاثہ دائر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود خلیفہ ہونے کے عدلیہ کے سامنے مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے(۴۰)۔

یہاں اِس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ دستور کی دفعہ ۲۴۸ کی شق دوم میں صدارتی استثنا کا قانون، کہ پاکستان کے صدر یا گورنر کے خلاف، اُس کے عہدے کی میعاد کے دوران کسی عدالت میں کوئی فوجداری مقدمات نہ قائم کیے جائیں گے اور نہ جاری رکھے جائیں گے، نہ صرف غیر اسلامی، بل کہ اسلام کے فلسفہ عدل و مساوات کے بالکل منافی ہے۔ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے اٹی پڑی ہے، کہ جہاں خلیفۂ وقت یا حاکمِ وقت عدلیہ کے سامنے پیش ہوتا رہا۔

## پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی کے اسباب:

اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ دوسرے عصری مادی نظامات کے مقابلے میں جمہوریت اپنے متعدد نقائص کے باوجود قابلِ ترجیح ہے اور اہل دنیا کے لیے ایک مفید سیاسی نظام ہے۔ جمہوریت چوں کہ انسانوں کا بنایا ہوا نظام ہے، اس لیے کسی نقص یا عیب کا در آنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں، نقص سے پاک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کے افعال ہیں۔ ہمیں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جمہوریت ایک بتدریج فروغ پانے والا اصلاح پذیر نظام ہے، جس کا اطلاق مقام اور حالات کی مناسبت سے مختلف الشکل ہے۔ جمہوریت نے وقت کے ساتھ ترقی کی ہے۔ جس طرح ماضی میں یہ کئی مراحل سے گزرتی رہی، اسی طرح مستقبل میں بھی اس کا ارتقا اور ترقی جاری رہے گی اور اس کا یہ عنصر زیادہ انسانی اور منصفانہ شکل اختیار کرے گا۔

پاکستان لا الہ الا اللہ کے نعرے کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا، یہ ایک نعرہ نہیں بلکہ ایک وعدہ تھا، جو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں سے قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا کہ پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنایا جائے گا، ایک ایسی تجربہ گاہ، جہاں مسلمانوں کو اسلام کے سنہری اُصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی ہوگی، لیکن یہ وعدہ وفا کرنے کے لیے زندگی نے قائد کو زیادہ مہلت نہ دی، قائد کے بعد لیاقت علی خان کو بھی یہ وعدہ ایفا کرنے کی مہلت نہ ملی، جب کہ ہمسایہ ملک میں، جواہر لال نہرو ۱۹۶۲ء تک بقید حیات رہے، جن کا آئین سازی اور اداروں کی مضبوطی میں بڑا موثر کردار رہا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد انیس ماہ تک یہ فیصلہ نہ ہوسکا کہ یہاں طرزِ حکومت اسلامی ہوگا یا سیکولر؟ آخر کار ۱۹۴۹ء میں قرار داد مقاصد منظور کرکے اس نوزائیدہ ریاست میں طرزِ حکمرانی کی سمت متعین کی گئی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۶ء تک مملکت کا نظام ایک مستعار دستور کے تحت چلتا رہا، پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو ۱۹۵۴ء میں تحلیل کردیا گیا، بعد ازاں دوسری دستور ساز اسمبلی نے ۱۹۵۶ء میں پاکستان کا اپنا دستور



Marfat.com

وضع کیا، جو اپنی عمر کے صرف اڑھائی برس ہی نافذ العمل رہا۔ سیاسی عدم استحکام کا یہ حال تھا کہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۶ء تک نو وزیر اعظم یکے بعد دیگرے آئے۔ پاکستان کا دوسرا دستور ۱۹۶۲ء میں آیا، مگر وہ بھی اپنی عمر کی ایک دہائی بھی عبور نہ کرسکا۔ پہلا دستور پارلیمانی جمہوری، جب کہ دوسرا صدارتی جمہوری نظام کا آئینہ دار تھا۔ بالا آخر ۱۹۷۳ء میں ملک کی تمام سیاسی ومذہبی جماعتوں نے ایک متفقہ آئین دیا، مگر بد قسمتی سے یہ بھی دو بار ایک طویل عرصے کے لیے معطل رہا۔ پاکستان کی پوری تاریخ میں "آئین توڑو، آئین بناؤ" کا کھیل کھیلا جاتا رہا۔ دستور کے نہ ہونے اور بار بار معطل ہونے کی وجہ سے پاکستان میں سیاسی عدمِ استحکام رہا، جس کا نتیجہ بار بار جمہوری نظام کی ناکامی پر منتج ہوا۔

پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی عمر کا تقریباً نصف حصہ غیر آئینی ادوار پر مشتمل ہے اور بقیہ نصف حصہ آئینی اور نیم آئینی ہوتے ہوئے بھی غیر آئینی حصے سے گہنایا ہوا ہے۔ آمروں کے شب خون اور ٹوٹتی بنتی اسمبلیوں سے جمہوری ادارے مضبوط نہ ہوسکے۔ کیا ہی عجیب بات ہے کہ قیامِ پاکستان کے نصف صدی بعد جاکر ایک آزاد اور خود مختار الیکشن کمیشن کے تحت بننے والی اسمبلی اپنی آئینی مدت پوری کرتی ہے۔

جمہوریت کے عملی نقائص میں سے ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اِس میں سارے لوگ خواہ تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ، انتخاب میں حصہ لے سکتے ہیں اور اس کے نتیجے میں نااہل افراد بھی محض عیاری یا سرمائے کے بل پر منتخب ہوجاتے ہیں۔ عملی اعتبار سے جمہوریت کا دوسرا بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں حکومت کی تشکیل براہِ راست عوام کے ذریعے ہوتی ہے۔ پاکستان کی اکثر آبادی دیہاتی علاقہ جات پر مشتمل ہے، جہاں عوام کی اکثریت ناخواندہ ہے، اُن سے اِس بات کی توقع رکھنا کہ وہ سیاسی بیداری کا ثبوت دیں گے اور اُن ہی افراد کو منتخب کریں گے جو سیاسی فہم اور قانون سازی کی صلاحیت رکھتے ہوں، نادانی کی بات ہوگی۔ پاکستانی عوام کی اکثریت خواہ شہری آبادی ہو یا دیہاتی، انتخابی عمل سے لاتعلق رہتی ہے، انتخابی عمل سے وجود میں آنے والی حکومت عوام کی اکثریت کی حقیقی نمائندگی نہیں کرتی۔ تیسرا عملی نقص یہ ہے کہ عوام انتخاب کے ذریعے اپنے جو نمائندے چنتے ہیں، اُن کے لیے کسی طرح کی علمی قابلیت اور سیرت کی خوبی لازمی نہیں ہے۔ ہر شخص خواہ وہ بالکل ناخواندہ ہو، عوام کا نمائندہ بن سکتا ہے، حتی کہ خراب سیرت کے لوگ بھی اکثر اوقات مجلسِ قانون ساز کے رکن منتخب ہوجاتے ہیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ پاکستان کا دستور اسلامی جمہوری ہے، مگر اِس دستور کے نفاذ کی سنجیدہ کوشش کبھی نہیں کی گئی۔ اصل مسئلہ آئین کا نہیں، افرادِ کار کا ہے۔ دستور کا مطالعہ اپنے قاری کو کوئی اور جہاں دکھاتا ہے، جب کہ اِس دستور پر مبنی عملی طرزِ حکومت پر اس کا پرتو تک نظر نہیں آتا۔ دستور اور دستور پر مبنی حکومت کے مابین تناقض وتنافر بھی جمہوریت کی ناکامی کی ایک وجہ ہے جو آمریت کو آواز دیتی ہے۔



Marfat.com

## خلاصہ بحث:

جمہوریت کے درج بالا نقائص کے باوجود تسلیم کرنا ہو گا کہ وہ آمریت یا دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں بہتر طرزِ حکومت ہے۔ آمریت میں انسان کے فطری حقوق سلب کر لیے جاتے ہیں اور چند لوگ حاکم اور انسانوں کی کثیر تعداد اُن کی محکوم ہو جاتی ہے۔ وہ جس طرح چاہتے ہیں اُن پر حکومت کرتے ہیں، حتیٰ کہ ظلم وستم سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اسلام کے جمہوریت کے ساتھ مختلفات کی نسبت متفقات زیادہ ہیں، لادینی جمہوریت جہاں جہاں اسلام کے ضابطہ حیات سے ٹکراتی ہے، ۱۹۷۳ء کے دستور میں انہیں اسلام کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ وہ وقت ضرور آئے گا جب یہ دستور اپنی روح کے ساتھ نافذ العمل ہو کر تخلیقِ پاکستان کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرے گا اور بانی پاکستان کے تصور کو عمل کا جامہ پہنائے گا۔

هذا وما عندی واللہ اعلم بالصواب

## حواشی وحوالہ جات

۱- Raffaele Marchettii, Global Democracy: For and Against, Routledge Talor & Francis Abingdon, Oxen, 2008, p.11.

۲- Safdar Mahmood, A Political Study of Pakistan, Educational Book Compony, Lahore, 1984, p.224.

۳- ۷/مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں یہ قرار داد پیش کی، جسے اسمبلی نے ۱۲/مارچ ۱۹۴۹ء کو منظور کر لیا۔

۴- دستورِ پاکستان کی شق نمبر ۲ کی رو سے مملکت پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے۔

۵- قرارداد مقاصد میں ہے: جس (ریاست) میں اُصول جمہوریت وحریت، مساوات ورواداری اور سماجی عدل کو، جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

۶- دستور پاکستان کی شق نمبر ۹ میں اِس امر کی صراحت ہے کہ کسی شخص کو زندگی یا آزادی سے محروم نہیں کیا جائے، سوائے جب کہ قانون اس کی اجازت دے۔

۷- دستور پاکستان کی شق نمبر ۲۰ ریاست کے ہر شہری کو مذہبی آزادی کا حق دیتی ہے۔

۸- تفصیل کے لیے دیکھئے: دستور کی شق نمبر ۱۶۔

۹- تفصیل کے لیے دیکھئے: دستور کی شق نمبر ۱۸۔

۱۰- پاکستان کے ہر شہری کو آئین کی شق نمبر ۲۳ کے تحت جائیداد رکھنے کے متعلق حقوق حاصل ہیں۔



Marfat.com

۱۱- احمد بن حنبل، الامام(م:۲۴۱ھ)، مسند الامام احمد بن حنبل، تحقیق: شعیب الارنؤوط، عادل مرشد ودیگر، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ط:۱، ۱۴۲۱ھ /۲۰۰۱ء، ج۳۸، ص۴۷۴، حدیث رقم:۲۳۴۸۹۔

۱۲- القضاعی، ابو عبد اللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون المصری (م:۴۵۴ھ)، مسند الشہاب، تحقیق: حمدی بن عبد المجید السلفی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ط:۲، ۱۴۰۷ھ /۱۹۸۶ء، ج۱، ص۱۴۵، حدیث رقم:۱۹۵۔

۱۳- الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک(م:۲۷۹ھ)، سنن الترمذی، تحقیق وتعلیق: ابراہیم عطوۃ عوض، مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر، ط:۲، ۱۳۹۵ھ /۱۹۷۵ء، ج ۵، ص۷۳۵، حدیث رقم: ۳۹۵۶۔

۱۴- دستور پاکستان کی شق نمبر ۲۵ (۱) میں ہے: تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی طور پر حق دار ہیں۔

۱۵- النسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی(م: ۳۰۳ھ)، السنن الکبریٰ، تحقیق وتخریج: حسن عبد المنعم شلبی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ط:۱، ۱۴۲۱ھ /۲۰۰۱ء، ج۷، ص۱۷، حدیث رقم:۷۳۴۷۔

۱۶- اصلاحی، امین احسن، مولانا، اسلامی ریاست، دار التذکیر لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۱۲۵۔

۱۷- عبد الرؤف ظفر، ڈاکٹر، اُسوۂ کامل، نشریات لاہور، ۲۰۰۹ء، ص۴۱۴۔

۱۸- دستورِ پاکستان کی شق نمبر ۲ میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ پاکستان کا مملکتی مذہب اسلام ہو گا۔

۱۹- ابن کثیر، ابو الفدا اسماعیل بن عمر القرشی البصری ثم الدمشقی (م:۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد سلامۃ، دار طیبۃ للنشر والتوزیع بیروت، ط:۲، ۱۴۲۰ھ /۱۹۹۹ء، ج۱، ص۶۸۲۔

۲۰- ایضاً

۲۱- ابن ہشام، جمال الدین، ابو محمد، عبد الملک بن ایوب الحمیری المعافری(م:۲۱۳ھ)، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفی السقا وابراہیم الابیاری وعبد الحفیظ الشلبی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر، ط:۲، ۱۳۷۵ھ /۱۹۵۵ء، ج۱، ص۵۷۴۔

۲۲- بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن براہیم بن المغیرۃ (م:۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، دار الشعب القاہرہ، ط:۱، ۱۴۰۷ھ /۱۹۸۷ء، ج۹، ص۱۶، حدیث رقم:۶۹۱۴۔

۲۳- ابو داوٗد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داوٗد، دار الکتاب العربی بیروت، ج۳، ص۱۳۶، حدیث رقم ۳۰۵۴۔

۲۴- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار الفکر بیروت، ج۲، ص۸۹۶، حدیث رقم:۲۶۸۷۔



Marfat.com

۲۵- البغوی، محی السنہ، ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفرا الشافعی (م:۵۱۰ھ)، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن المعروف بہ تفسیر البغوی، تحقیق: عبدالرزاق المہدی، دار احیا التراث العربی بیروت، ط:۱، ۱۴۲۰ھ، ج۱، ص۵۲۷۔

۲۶- تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۱۴۹۔

۲۷- القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری الخزرجی، شمس الدین (م: ۶۷۱ھ)، الجامع لاحکام القرآن المعروف بہ تفسیر القرطبی، تحقیق: احمد البردونی وابراہیم اطفیش، دار الکتب المصریہ القاہرہ، ط:۲، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء، ج۴، ص۲۴۹۔

۲۸- عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، قال: قلت یا رسول اللہ! الأمر ینزل بنا بعدک، لم ینزل فیہ قرآن ولم یسمع منک فیہ شئ، قال: اجمعوا لہ العابد من اُمتی واجعلوہ بینکم شوریٰ ولا تقضوہ برأی واحد، تفصیل کے لیے دیکھیے: الآلوسی، شہاب الدین محمود ابن عبد اللہ الحسینی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، تحقیق: علی عبد الباری عطیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ، ج۱۳، ص۴۷۔

۲۹- ایضاً

۳۰- السیوطی، جلال الدین، عبد الرحمن بن ابی بکر (م: ۹۱۱ھ)، الدر المنثور فی التفسیر الماثور، دار الفکر بیروت، ج۷، ص۳۵۷۔

۳۱- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۳۴۳۔

۳۲- ایضاً

۳۳- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۹۵۴، حدیث رقم:۲۸۵۹۔

۳۴- شبلی نعمانی، علامہ، الفاروق، مکتبہ اسلامیہ لاہور، مئی ۲۰۰۵ء، ص۱۹۹۔

۳۵- المائدۃ:۴۵

۳۶- المائدۃ:۴۷

۳۷- الحاکم نیشاپوری، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط:۱، ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۰ء، ج۴، ص۱۰۱، حدیث رقم:۷۰۱۲۔

۳۸- ابو داؤد، سنن ابی داؤد، ج۳، ص۳۲۳، حدیث رقم:۳۵۷۳۔

۳۹- عزیز الرحمن، سید، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آج کے زندہ مسائل، زوّار اکیڈمی پبلیکیشنز کراچی، ط:۲، ۲۰۱۳ء، ص۱۳۱۔

۴۰- شبلی نعمانی، الفاروق، ص۱۹۹۔



Marfat.com

# کتابیات

۱- القرآن الکریم

۲- دستور پاکستان ۱۹۷۳ء

## عربی


۳- الآلوسی، شہاب الدین محمود ابن عبد اللہ الحسینی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، تحقیق: علی عبد الباری عطیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ۔

۴- ابن کثیر، ابو الفدا اسماعیل بن عمر القرشی البصری ثم الدمشقی (م:۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد سلامۃ، دار طیبۃ للنشر والتوزیع بیروت، ط:۲، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔

۵- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار الفکر بیروت۔

۶- ابن ہشام، جمال الدین، ابو محمد، عبد الملک بن ایوب الحمیری المعافری (م:۲۱۳ھ)، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفی السقا وابراہیم الابیاری وعبد الحفیظ الشلبی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر، ط:۲، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء۔

۷- ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، دار الکتاب العربی بیروت۔

۸- احمد ابن حنبل، الامام (م:۲۴۱ھ)، مسند الامام احمد بن حنبل، تحقیق: شعیب الارنؤوط، عادل مرشد ودیگر، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ط:۱، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء۔

۹- بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن براہیم بن المغیرۃ (م:۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، دار الشعب القاہرہ، ط:۱، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

۱۰- البغوی، محی السنہ، ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفرا الشافعی (م:۵۱۰ھ)، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن المعروف بہ تفسیر البغوی، تحقیق: عبد الرزاق المہدی، دار احیا التراث العربی بیروت، ط:۱، ۱۴۲۰ھ۔

۱۱- الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک (م:۲۷۹ھ)، سنن الترمذی، تحقیق وتعلیق: ابراہیم عطوۃ عوض، مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر، ط:۲، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء۔

۱۲- الحاکم نیشاپوری، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط:۱، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۳- السیوطی، جلال الدین، عبد الرحمن بن ابی بکر (م: ۹۱۱ھ)، الدر المنثور فی التفسیر الماثور، دار الفکر بیروت۔

۱۴- القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری الخزرجی، شمس الدین (م: ۶۷۱ھ)،




Marfat.com

الجامع لاحکام القرآن المعروف بہ تفسیر القرطبی، تحقیق: احمد البردونی وابراہیم اطفیش، دار الکتب المصریہ القاہرہ، ط:۲، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء۔

۱۵- القضاعی، ابو عبد اللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون المصری (م:۴۵۴ھ)، مسند الشہاب، تحقیق: حمدی بن عبد المجید السلفی، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ط:۲، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء۔

۱۶- النسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی (م: ۳۰۳ھ)، السنن الکبریٰ، تحقیق وتخریج: حسن عبد المنعم شلبی، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ط:۱، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء۔

## اُردو

۱۷- اصلاحی، امین احسن، مولانا، اسلامی ریاست، دار التذکیر لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۱۸- شبلی نعمانی، علامہ، الفاروق، مکتبہ اسلامیہ لاہور، مئی ۲۰۰۵ء۔

۱۹- عبد الرؤف ظفر، ڈاکٹر، اُسوۂ کامل، نشریات لاہور، ۲۰۰۹ء۔

۲۰- عزیز الرحمن، سید، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آج کے زندہ مسائل، زوّار اکیڈمی پبلیکیشنز کراچی، ط:۲، ۲۰۱۳ء۔

## English

21- Raffaele Marchettii, Global Democracy: For and Against, Routledge Talor & Francis Abingdon, Oxen, 2008.

22- Safdar Mahmood, A Political Study of Pakistan, Educational Book Compony, Lahore, 1984.



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا*

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد و ثنائے لامتناہی اور سپاس بے پایاں اس ذات واجب کے لیے جو رب العالمین قادر علی الاطلاق اور لم یزل و لایزال ہے۔ جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ ثانی و مثل درود و سلام اس نبی ہاشم مکی و مدنی اور اس کی آل پر جس کو خدائے حی و قیوم نے ہمارا ہادی و رہنما سید المرسلین اور رحمۃ للعالمین بناکر بھیجا۔ انسان کو اپنی تمام تر مخلوقات پر فضیلت عطا کرنے والی اور اسے اشرف المخلوقات کا درجہ دینے والی ذات واحد بھی وہی ہے، جس نے نہ صرف نوع انسان کو اس جہاں آب و گل میں بے شمار نعمتوں سے بہرہ ور کیا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین، محسن انسانیت، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک رسالت کے سلسلے کو بھی قائم و دائم رکھا تاکہ انسان بدی کے اندھیروں سے بچ کر نیکیوں کی اجلی راہوں پر سفر حیات طے کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ" ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل لے۔"(۱)

اگر قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں ہم پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں لیں، تو یہ بات اظہر من الشمس ثابت ہوتی ہے کہ پاکستان اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، جو اس نے ہمیں عطا کی اور ہم نے اس کی اس طرح سے قدر نہ کی، جیسا کہ اس کا حق تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے رب کی بھی وہ قدر نہ کی جو کہ اس کی ربوبیت کا تقاضا تھا، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: "وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ"ترجمہ " اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی، نہیں کی۔" (۲)

علامہ اقبال نے دور حاظر کے انسان کو ان خرابیوں سے آگاہ کیا ہے جو اس کی روحانی تباہی کا

---

* شعبہ اسلامیات، سرسید گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج، کراچی (پی۔ ایچ ڈی، ایم۔ اے، اسلامیات، معاشیات، ابلاغ عامہ)



Marfat.com

باعث بن رہی ہیں، جو کچھ عملی طور پر ہمارے سامنے ہے، اسے انہوں نے بڑے دردمندانہ انزاد میں پیش کیا ہے، ذیل کے دو اشعار اس احساس کے ترجمان ہے

مکدر کرد مغرب چشمہ ہائے علم و عرفاں را — جہاں را تیرہ تر سازد چہ مشائی چہ اشراقی

دل گیتی انا المسموم انا المسموم فریادش — خرد نالاں کہ ماعندی بتریاق ولا راق (۳)

یہ بالکل واضح ہے کہ ہمارے غیر جمہوری رویوں، دوغلی سیاست، پاکستان کے وسائل کی لوٹ مار، نااہل سیاسی قیادت اور قرآن سے دوری نے آج ہمیں اس دوراہے پر لاکھڑا کیا ہے کہ ہم حق پر ہونے کے باوجود عالمی برادری میں تنہائی کا شکار ہیں، حالانکہ کے قائداعظم محمد علی جناح نے ہماری صحیح خطوط پر رہنمائی فرمائی تھی اور ہمیں دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی تھی۔ چنانچہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو قائداعظم نے ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو عید کا پیغام دیتے ہوئے کہا: " کلام اللہ میں انسان کو اللہ کا خلیفہ کہا گیا ہے۔ اگر انسان کی اس تعریف میں کچھ معنویت ہے، تو پھر ہم پر قرآن کی اتباع کا فرض عائد ہوجاتا ہے، اور ہم پر لازم ہوجاتا ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کے ساتھ کرتا ہے اور یہ فرض وسیع معنوں میں صرف محبت کرنے اور شاکر رہنے کا فرض ہے۔ یقین کیجئے کہ یہ فرص منفی نہیں بلکہ اثباتی ہے۔"(۴) اور یہ پیغام اتنا دلنشین اور مؤثر تھا کہ غیر مسلم بھی متاثر ہوئے حتیٰ کہ گاندھی جی نے تو پڑھ کر قائداعظم کو مبارک باد کا تار دیا اور پیغام میں مذکورہ خیالات کی صداقت کا اعتراف کیا۔

قائد اعظم نے مزید فرمایا: "مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں۔ قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے، مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے کوئی دوسرا پروگرام نہیں پیش کرسکتی۔ (۵)

## قرار داد مقاصد: پاکستان کے جمہوری سیاسی اور اسلامی شریعت پر مبنی نظام کا دیباچہ: اللہ کی حاکمیت اور شریعت کی بالادستی کا اعلان

۱۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے دستور ساز اسمبلی کے سامنے مندرجہ ذیل مسودہ قرارداد مقاصد پیش کیا جو کہ مختصراً پیش خدمت ہے۔

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیر حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔ لہذا جمہور پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیلصہ کرتی ہے کہ آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے۔ جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے استعمال کرے۔ جس میں اول



Marfat.com

جمہوریت و حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے
پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔ جس کی رو سے انسان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور
پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں
متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔ (۶)

☆☆**اللہ تعالیٰ کی حاکمیت :** تمام کائنات پر حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔
ذات باری تعالیٰ نے مملکت پاکستان کو اس کے عوام کے ذریعے جو اقتدار اپنی مقرر کردہ حدود میں عطا کیا
ہے، وہ ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔(۷)

☆☆**جمہوری طرز حکومت :** پاکستان اپنے اقتدار و اختیارات کا استعمال عوام کے منتخب نمائندوں
کے ذریعے کرے گا۔ عوام کی نمائندہ حکومت جمہوری طرز حکومت کہلاتی ہے۔(۸)

☆☆**معاشرتی اصولوں پر اسلامی روح کے مطابق عمل کرنا :** آئین کی رو سے ایسا معاشرہ منظم کیا
جائے گا جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے معاشرتی اصولوں پر اسلامی
روح کے مطابق عمل کیا جائے۔(۹)

☆☆**اسلامی طرز زندگی کا فروغ :** مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی و
اجتماعی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے اور تقاضوں کے مطابق بسر کر سکیں۔ اسلامی اصول قرآن و سنت سے
اخذ کیے جائیں گے۔(۱۰)

☆☆**اقلیتوں کے حقوق:** اقلیتوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا اور اس امر کا
مناسب و موزوں اہتمام کیا جائے گا کہ وہ اپنے مذہب اور عقیدے پر آزادی سے کاربند رہ سکیں اور اپنے
کلچر کو فروغ دے سکیں۔ (۱۱)

☆☆**وفاقی مملکت :** پاکستان ایک وفاقی مملکت ہوگا، جس میں صوبوں کو خود مختاری حاصل ہوگی اور
ان کے دائرہ کار کا تعین کیا جائے گا۔(۱۲)

☆☆**بنیادی حقوق :** ملک کے تمام شہریوں کو کسی امتیاز کے بغیر بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔
شہری اپنے سیاسی، مذہبی، سماجی، اور معاشی حقوق سے پوری طرح مستفیض ہوسکیں گے اور ان حقوق کی
ضمانت عدلیہ فراہم کرے گی۔

☆☆**پسماندہ طبقات :** اقلیتوں کے ساتھ ساتھ پسماندہ طبقات کی ترقی کے لیے بھی مناسب اقدامات
کیے جائیں گے۔ قرارداد میں کہا گیا کہ ملک میں متوازن ترقی کے لیے ایسے افراد کے ساتھ ترجیحی بنیادوں پر
سلوک کیا جائے گا، جو نامساعد حالات کا شکار ہونے کی وجہ ترقی کی دور میں پیچھے رہ گئے ہوں گے۔

☆☆**آزاد عدلیہ :** عدلیہ مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہوگی تاکہ انصاف کے تقاضے پورے کیے
جاسکیں۔ آئین عدلیہ کی مکمل آزادی کا ضامن ہوگا۔



Marfat.com

☆☆**ملک کی سالمیت کا تحفظ :** ملک کی علاقائی سالمیت اور آزادی کا مکمل تحفظ کیا جائے گا، تاکہ باشندگان پاکستان کو خوشحالی نصیب ہو اور وہ اقوام عالم میں اپنا جائز اور باوقار مقام حاصل کر سکیں اور عالمی امن و ترقی اور انسانیت کی خوشحالی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔ (۱۳)

## قرار داد مقاصد کے متعلق مقتدر شخصیات کی آراء

☆☆مولانا شبیر احمد عثمانی: قرارداد مقاصد کی تائید میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو فرمایا: " قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز باعزت مآب جناب لیاقت علی خان صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے، اسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و ہمت اور جرات ایمانی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ "(۱۴)

☆☆وزیر خارجہ ظفر اللہ خان : اس تجویز کی تائید پھر ظفر اللہ خان نے کی، انہوں نے کہا: " یہ خیال کہ مذہب اور سیاست جدا جدا چیزیں ہیں، مذہب کے غلط تصور سے پیدا ہوتا ہے، اسلام انسان اور انسان کے تمام تعلقات کے قواعد وضع کرتا ہے اسلام میں عبادت کے معنی صرف بندگی اور پرستش کے ہی نہیں بلکہ ان اعمال کو بھی عبادت کہا گیا جو انفرادی اور اجتماعی قومی اور بین الاقوامی مفاد کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اسلام نہ شہنشاہیت نہ ملوکیت۔ اسلامی دستور میں فرد کے ووٹ (رائے) کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور اختیارات کے وارث عوام ہوتے ہیں نہ چند افراد۔ یہ قرارداد تمام مضمرات کے حامل ہے۔

☆☆ڈاکٹر عمر حیات ملک: " دنیا میں صرف دو قومی نظریے ہی کار فرما نہیں ہیں یعنی سرمایہ داری اور کمیونزم بلکہ ایک تیسرا نظریہ حیات بھی ہے اور وہ ہے اسلام جو اس قرارداد کی روح ہے۔"(۱۵)

☆☆ڈاکٹر محمود حسین نائب وزیر خارجہ : " یہ تجویز سیاسی ارتقاء کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔"

☆☆ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے کہا : " پاکستان میں لادینی حکومت کا تصور کبھی کامیاب ثابت نہیں ہو سکتا۔"

☆☆بیگم شائستہ اکرام اللہ: " قرار داد مقاصد کے بعد اسلامی حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل بھی کر کے دکھائیں۔ "

☆☆میاں افتخار الدین (حزب اختلاف کے لیڈر اور بائیں بازو کے ترجمان) نے کہا: " اگر ہم رومن قوانین، برطانوی پارلیمانی نظام اور ایسی ہی دوسری اصطلاحیں استعمال کرتے ہوئے نہیں شرماتے تو پھر اسلامی قانون کی اصطلاح سے بدکنا کیا معنی اگر ہم دنیا کو ایک مناسب اسلامی دستور دینے میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً یہ ایک بڑا کارنامہ انجام دیں گے۔ اسلام کا تصور ریاست اتنا ہی ترقی پسندانہ، انقلابی، جمہوری اور فعال



Marfat.com

ہے جتنا کہ شاید ہی دنیا کا کوئی اور تصور ریاست ہو سکتا ہے۔" (۱۶)

یہ قرارداد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو بالاتفاق منظور ہوئی۔ بنگال کے ہندو ممبران نے البتہ اس کی مخالفت کی تھی۔ (۱۷)

## پاکستان کی آئینی و دستوری جدوجہد میں قرارداد مقاصد کا کردار:

گزشتہ دو صدیوں سے یورپ کا بلکہ تقریباً ساری دنیا کا سیاسی مسلک لادینیت رہا ہے۔ سب سے پہلے فرانس کی فری میسن لاج نے ۱۸۶۶ء میں لادینی طرز زندگی کا نظریہ پیش کیا تھا (سیکولرازم) اس نے مذہب کو انسانی زندگی میں ایک مؤثر قوت ماننے سے انکار کردیا تھا، ان کے پروپیگنڈے نے انقلاب فرانس برپا کیا۔ انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء کے بعد فرانس کے عوام نے لادینیت کا نظریہ کرلیا وہاں کے فلسفیوں اور مفکروں نے زندگی کے مظاہرات کو لادینی نظریے کے مطابق مرتب کر ڈالا۔ انقلاب روس ۱۹۱۷ء نے " لا کلیسا، لا سلاطین، لا الٰہ " کا نعرہ بلند کیا۔ لادینیت کی اس یلغار کے سامنے عالم اسلام کے قدیم ترین اور مقدس ترین ادارہ " خلافت اسلامیہ " کو بھی مصطفیٰ کمال نے ۱۹۲۴ء میں ختم کردیا اور ترکیہ لادینی نظریہ قبول کرلیا۔ اسکے بعد دوسری اسلامی ممالک نے بھی ترکی کی تقلید میں دین و دنیا کی تفریق کا نظریہ قبول کرلیا۔ اس پس منظر میں پاکستان کا اس قرارداد کو منظور کرنا بہت بڑا انقلابی قدم ہے۔ یہ قرارداد منظور کرکے پاکستان نے دوبارہ حاکمیت اللہ اور حاکمیت شریعت کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد ہی دوسرے مسلمان ممالک میں اسلامی حکومت اور اسلامی نظام زندگی کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ (۱۸)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کے متفقہ ۲۲ نکات:

## پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ

۱۲ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کا اجتماع منعقد ہوا ہے، جس میں اسلامی دستور کے لیے درج ذیل ۲۲ بنیادی اصول بالاتفاق طے ہوئے۔

اسلامی مملکت کے دستور میں حسب ذیل امور کی تشریح لازمی ہے۔

۱۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے،



Marfat.com

منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلا اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی و لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کا تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی۔جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعیٔ اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدود و قانون کے اندر تحفظ جان ومال و آبرو، آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل و حرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادے کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق،اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا، اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنی فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں وہ اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق چلانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کی تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔(۱۹)

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جز کسی فرد یا



Marfat.com

جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی، یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ دستور کو "کلاً یا جزءاً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذے سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان و عمل حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون اور ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہوں۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزا انتظامی متصور ہوں گے، ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی اور واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔(۲۰)

## سیاست و جمہوریت۔ تجزیہ و پس منظر

### سیاسی نظام کی تعریف:

انسان کی فطرت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنی زندگی تن تنہا بسر نہیں کر سکتا۔ اپنی زندگی کی مختلف اور گوناگوں ضروریات کو پورا کرنے کیلیے وہ قدم قدم پر دوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ پیدائش سے لے کر وفات تک برابر یہی صورت قائم رہتی ہے۔ اسی لیے یونانی فلسفی ارسطو (۳۸۴ق م۔ ۳۲۲ ق م) نے "انسان کو مدنی الطبع (Social Animal)" کہا ہے۔ وہ مزید کہتا ہے: "اگر کوئی انسان معاشرے کے بغیر زندگی گزارتا ہے تو وہ یا تو دیوتا ہوگا یا پھر وحشی" مختصر یہ کہ انسان اپنی جبلت اور



Marfat.com

ضرورت کے باعث دوسروں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے۔

انسانوں کے باہم مل جل کر زندگی بسر کرنے کو اجتماعی یا معاشرتی زندگی کہتے ہیں۔ اجتماعی زندگی کو ایک نظم و ضبط کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے حقوق غصب نہ کریں۔ معاشرے میں دنگا فساد اور کشمکش نہ ہو اور امن و آشتی اور بھائی چارے کی فضاء قائم رہے۔اس نظم و ضبط کو قائم رکھنے کے لیے معاشرے میں رسم و رواج کا آغاز ہوتا ہے۔ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق پیدا ہوتا ہے۔حاکم و محکوم وجود میں آتے ہیں۔ حکم اور قانون نافذ ہوتے ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ جو حکم و قانون کے اصول پر منظم کیا جائے، اُسے سیاسی طور پر "منظم معاشرہ" کہا جاتا ہے اور اس منظم معاشرے کو دوسرے الفاظ میں "ریاست" کہتے ہیں۔ وہ علم جو ریاست کا مطالعہ کرتا ہے اُسے سیاسیات یا علم سیاست کہتے ہیں۔ (۲۱)

ریاست ایک مختلف النوع تنظیم ہے۔اس کا ایک رُخ معاشرے کے افراد ہیں۔ جن کو ریاست حقوق و فرائض عطا کرتی ہے۔ دوسرا رُخ قانون، اختیارات اور حاکمانہ قوت ہے جو معاشرے میں حق و انصاف اور امن و امان کو برقرار رکھتے ہیں۔ تیسر رُخ حکومت اور اُس کے محکمے ہیں جو حاکمانہ اختیارات کو بروئے عمل لاکر قانون نافذ کرتے ہیں۔ چوتھا رُخ افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بہتری اور بھلائی ہے تاکہ مل جل کر رہنے کا اصل مقصد پورا ہو جائے، کیونکہ ارسطو کے مطابق "ریاست کا قیام صرف امن و امان کے قیام کے لیے نہیں بلکہ بہتر زندگی گزارنے کے لیے ہے۔"

## سیاسی نظام کے مطالعے کا نام علم سیاسیات ہے

ڈاکٹر جے ڈبلیو گارنر (Dr. J.W. Garner) کے مطابق "سیاسیات وہ علم ہے جو ریاست سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے"۔

ڈاکٹر سٹیفن لیکاک (Dr. Stephen Leacock) کے خیال میں "علم سیاست حکومت کا علم ہے"۔

پروفیسر آر این گلکرائسٹ (R.N. Gilchrist) کے مطابق "علم سیاست ریاست اور حکومت دونوں سے بحث کرتا ہے"۔(۲۲)

پروفیسر آر جی گیٹل (R.G. Gettell) کے بقول "علم سیاست ریاست کا علم ہے۔یہ انسانوں کی اُن انجمنوں سے تعلق رکھتا ہے جو سیاسی اکائیوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کا تعلق ان کی حکومتوں کی تنظیم اور سرگرمیوں سے بھی ہے جو وہ قانون بنانے اور نافذ کرنے اور بین الریاستی روابط قائم کرنے میں دکھاتی ہیں۔

ایڈورڈ جنکس (Edward Jenks) نے قدرے بہتر تعریف یوں کی ہے: "سیاسیات سے ہمارا مطلب کاروبار حکومت ہے، یعنی ان لوگوں کو قابو میں رکھنا اور ان کا انتظام کرنا جو باہم مل کر معاشرے میں رہتے ہیں"۔



Marfat.com

سرجان رابرٹ سیلے (Sir John Robert Seeley) کے الفاظ میں "علم سیاست حکومت کے حقائق کی جستجو کرتا ہے۔ جس طرح معاشیات دولت سے تعلق رکھتا ہے، بیالوجی زندگی سے، الجبرا اعداد سے اور جیومیٹری جگہ اور اُس کی وسعت سے"۔(۲۳)

پروفیسر ہیرلڈ جوزف لاسکی (Harold Joseph Laski) کے نزدیک "علم سیاست ریاست کے علاوہ حکومت کی تنظیم اور ارتقاء کا احاطہ کرتا ہے"۔

فرانسیسی مصنف پال جینٹ (Paul Janet) کہتا ہے: "سیاسیات عمرانی علوم کا وہ جزو ہے جو ریاست کی بنیادوں اور حکومت کے بنیادی اصولوں سے بحث کرتا ہے۔"

سوئس مصنف جے کے بلنشلی (J.K. Blunstschli) لکھتا ہے کہ " علم سیاست ریاست کے علم کا نام ہے جو ریاست کے بنیادی حالات اور اس کی نوعیت اور اس کی ظاہری حیثیت کی روشنی میں اس ادارے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔"

پروفیسر الیاس احمد علم سیاست کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "یہ ریاست کے مسائل کے بارے میں باضابطہ مطالعہ ہے"۔(۲۴)

ان تعریفوں کی روشنی میں ہم سیاسیات کی جامع تعریف ان الفاظ میں کرسکتے ہیں" سیاسیات عمران علوم کا وہ حصہ ہے جو ریاست کی نوعیت، ابتداء اور ارتقاء اور ریاست و حکومت کی مختلف اشکال اور ان کے اغراض و مقاصد، شہریوں کی آزادی، حقوق و فرائض اور ریاستوں کے مابین تعلقات وغیرہ کا مدلل اور سائنٹیفک مطالعہ کرتا ہے۔"

دوسری عالمی جنگ ۴۵۔۱۹۳۹ء کے بعد علم سیاست کے مطالعے میں نئے رجحانات منظر عام پر آئے ہیں۔ ان رُجحانات میں سیاسی کرداریت (Political Behaviouralism) کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ اس نے سیاسیات کی روایتی تعریف کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اس علم کے دائرہ کار کو بہت وسیع کردیا ہے۔ چنانچہ اب علم سیاست سے مراد محض ریاست اور حکومت کا مطالعہ نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی "سارے معاشرے" کا مطالعہ ہے اور اس میں صرف سیاسی اداروں کے ڈھانچوں کا ہی مطالعہ نہیں کیا جاتا بلکہ ان اداروں کے افعال و کردار کے علاوہ ان سارے عوامل کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے جو ان اداروں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ (۲۵)

پروفیسر جارج کیٹ لن (George Catiln) کے مطابق "علم سیاست ایک ایسا مطالعہ ہے جس میں انسانی عمل اور سماجی کنٹرول پر غور ہوتا ہے"۔ دوسری طرف بعض جرمن مصنفین جو عمرانی نقطہ نظر سے اس علم کا مطالعہ کرتے ہیں وہ اسے قوت و اقتدار کا مسئلہ اور سماجی نگرانی سے متعلق سمجھتے ہیں۔



Marfat.com

## سیاسیات کے مختلف نام:

سیاسیات بہت قدیم علم ہے۔اس کا آغاز یونانی مفکرین سقراط،افلاطون اورارسطو کے غور و خوص کے نتیجے میں ہوا۔ مگر اس قدامت کے باوجود مصنفین و مفکرین میں اس کے نام کے بارے میں اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔کوئی اس کو سیاست (Politics) کہتا ہے۔کوئی اسے سیاسیات (Political Science) کے نام سے پکارتا ہے اور کوئی سیاسی فلسفہ (Political Philosophy) کا نام دیتا ہے اور فرانسیسی مصنفین تو اِسے علوم سیاسی (Political Sciences) کہتے ہیں۔ ہم یہاں ان ناموں کا مختصر جائزہ لیں گے تاکہ صحیح نام متعین ہوسکے۔(۲۶)

## (الف)سیاست / پولیٹکس Politics:

اردو زبان میں سیاست عربی زبان سے لیا گیا ہے،جس کا مطلب "ملکی تدبیر و انتظام" ہے،مگر اب یہ لفظ اصطلاح کے طور پر انگریزی زبان کے لفظ پالیٹکس (Politics) کے مترادف سمجھا جاتا ہے جو یونانی زبان سے اخذ کیا گیا ہے۔قدیم یونان میں چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں(City States) ہوتی تھیں۔ شہری ریاست کو یونانی زبان میں پولس (Polis)کہتے تھے،اور پولس کے معاملات کو پولی ٹکے (Politike) کہتے تھے۔چنانچہ قدیم یونان کے سیاسی فلسفی ارسطو نے ریاست کے معاملات پر ایک کتاب لکھی جس نے اس علم کی سائنسی بنیاد رکھی۔اس کتاب کا نام پولی ٹکے (انگریزی میں پالیٹکس) یعنی سیاست تھا۔پس اس علم کا قدیم ترین نام سیاست قرار پایا،جو آج تک چلا آرہا ہے۔مثال کے طور پر پروفیسر لاسکی نے ۱۹۶۲ء میں جو کتاب لکھی اس کا نام گرامر آف پالیٹکس (Grammer Of Politics) یعنی "قواعد سیاست" رکھا،لیکن بعض مفکرین کے نزدیک سیاسیات کے لیے پولیٹکس کا لفظ موزوں نہیں ہے اور اس کی وہ چند مندرجہ ذیل وجوہات بھی بیان کرتے ہیں۔

اوّل: ان مفکرین کے نزدیک سیاسیات کا علم دو حصوں پر مشتمل ہے۔اوّل اطلاقی سیاست اور دوم نظری سیاست۔علمی سیاست کو سیاست کہا جاتا ہے۔پس سیاست علم سیاست کا جزو ہے اس لیے اس کو کل کے نام کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

دوم: سیاست سے مراد ملک و قوم کے روزمرہ کے مسائل اور معاملات ہیں،جن کا حکومت اور ملک سے تعلق ہوتا ہے۔اس لحاظ سے ہر ملک اور قوم کی سیاست دوسرے ممالک اور اقوام سے مختلف ہوتی ہے،کسی ملک کی سیاست پر مذہب کا رنگ چڑھا ہوتا ہے تو دوسرے ملک کی سیاست پر شہنشاہیت یا نوآبادیت کا رنگ چھایا ہوا ہوتا ہے،کہیں قبائلی جھگڑے ہوتے ہیں تو کہیں نسلی کش مکش جاری ہوتی ہے۔کسی ملک کی سیاست ملک گیری کی ہوس پر گھومتی ہے تو کسی اور ملک کی سیاست ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے کوشاں ہوتی ہے۔ایسی مختلف الانواع اشیاء کو ہم علم کا نام نہیں دے سکتے۔اس کے برعکس علم



Marfat.com

سیاست تمام اقسام کی سیاستوں کا مجموعی اور مشترکہ مطالعہ کرتا ہے۔

سوم: سیاست فن Art ہے، جس سے حکومت بنائی یا بدلی جاتی ہے۔ سیاسیات علم ہے جو حکومت کے مختلف طور طریقوں کا مطالعہ کرتا ہے۔

چہارم: سیاست کے فنکاروں کو سیاستدان (Politicians) اور سیاسیات کے عالموں کو سیاسی مفکرین (Political Thinkers) کہتے ہیں۔ سیاستدان سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اس سلسلے میں ہر ممکن جدوجہد کرتا ہے جبکہ سیاسی مفکر عموماً سیاست میں عملی حصہ نہیں لیتا، وہ صرف اس کا مشاہدہ کرتا ہے تاکہ اس کے متعلق علمی استدلال و استخراج کر سکے۔ پس سیاستدان اور سیاسی مفکر کے اغراض مقاصد، طریق کار اور اطوار میں اتنا فرق ہے کہ علم سیاست کو ہم سیاست نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان دو مختلف قسم کی اصطلاحات کو علیحدہ رکھا جائے۔(۲۷)

## (ب) سیاسی فلسفہ / پولیٹیکل فلاسفی Political Philosophy:

بعض لوگ علم سیاست کو سیاسی فلسفہ کہتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ دونوں کا موضوع ایک ہی ہے۔ دونوں ریاست کے بارے میں فکری بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں علم سیاست قدیم وقتوں سے فلسفہ کی ایک شاخ تصور کیا گیا ہے۔ افلاطون نے اپنی کتابوں میں ریاست کا کر دیگر چیزوں کے فلسفے کے ساتھ کیا ہے۔ یہی صورت کانٹ، ہیگل اور دوسرے فلسفیوں کے ہاں ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ علم سیاست کو سیاسی فلسفہ کہا جائے۔ تاہم اس پر بھی اعتراضات کیے گئے ہیں۔

اول: علم سیاست سیاسی فلسفے سے زیادہ جامع اور ہمہ گیر علم ہے۔

دوم: علم سیاست اپنے طریق فکر میں تاریخی ہے جبکہ سیاسی فلسفہ قیاسی۔

سوم: سیاسی فلسفہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے جبکہ علم سیاست گزشتہ ایک صدی کی پیداوار ہے۔ اس لیے تاریخی طور پر سیاسی فلسفہ علم سیاست سے قدیم تر ہے۔ مگر سیاسی فلسفہ اپنے مفہوم اور نظریات میں علم سیاست جیسی پختگی اور قطعیت حاصل نہیں کی۔(۲۸)

## عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اقوام عالم اور دنیا کے جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ

**مصر کا جمہوری سیاسی نظام:** بحر روم سے متصل اور جانب جنوب" مصر،، واقع ہے جب سے انسان نے معاشرتی اور اجتماعی زندگی کا آغاز کیا تب سے انہیں نظام حیات چلانے کے لیے حکومت کا انتظام کرنا پڑا اور بادشاہت کی بنیاد پڑی۔ مصر میں کئی کئی چھوٹی شہری حکومتیں قائم ہوگئیں اور وہ ایک دوسرے سے بر سر پیکار رہتی تھیں اور طاقتور حکومت کمزور کو اپنے اندر ضم کرلیتی۔ یہاں تک کہ مصر میں دو حکومتیں باقی رہ گئی تھیں ایک بالائی مصر اور دوسری وسط بالآخر وسط مصر کی حکومت کو تغلب اور تسلط حاصل ہوگیا اور دوسری شہری حکومتیں وسط مصر کی حکومت کی باج گزار بنتی گئیں۔ جس سے نظام



Marfat.com

جاگیرداری کا آغاز ہوا۔(۲۹) مشہور یونانی مورخ ہیروڈوٹس(۳۰)نے مصر کو دریائے نیل کا تحفہ قرار دیا ہے۔(۳۱) دنیا کی دوسری قدیم ترین تہذیب مصری تہذیب ہے، جس کا گہوارہ دریائے نیل کی وادی رہی ہے اور اس کی تاریخ تقریباً ۳۰۰۰ سال پر مشتمل ہے۔(۳۲) مصر میں بعض ایسے کتبے دستیاب ہوئے ہیں جو آج سے ۶ ہزار برس پہلے تیار کیے گئے تھے۔ان کتبوں پر ۶ ہزار برس پیشتر سے بھی زیادہ پرانی داستانیں کندہ ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل مصر ہزار ہا سال سے پڑھنے لکھنے کے شوقین اور اپنے بزرگوں کی تاریخ کو محفوظ رکھنے کے عادی چلے آرہے ہیں۔(۳۳)

**مصر کا نظام حکومت اور شاہی اختیارات :** مصری حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔تمام اختیارات کا منبع اور مصدر بادشاہ کی ذات ہوتی تھی۔وہ اپنا جانشین نامزد کرتا تھا اور اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اپنی زندگی میں ہی شریک کرلیتا تھا۔عموماً بڑا بیٹا ہی اس کا جانشین ہوتا تھا۔بادشاہ خود سپہ سالار، عدالت کا قاضی اور انتظامیہ کا حاکم اعلیٰ ہوتا تھا۔اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا۔اس کا حکم قانون تھا۔دستوری طور پر اس کے اختیارات کی کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی تھی۔مصری بادشاہ کا لقب "فرعون" فرو Pheero or Pharaoh تھا جس کے معنی ہیں بڑی عالی شان محل میں رہنے والا یہ لقب خود ہی بادشاہ کی اعلیٰ حیثیت اور عوام پر اس کی اعلیٰ حیثیت اور عوام پر اس کی برتری اور فضیلت کو ظاہر کرتا ہے اور حقیقتاً وہ سب سے بڑے محل میں رہا کرتا تھا۔شان و شوکت تزک و احتشام، حشم و حذم اور سطوت و جلال کے اعتبار سے کوئی اس کا مد مقابل نہ تھا۔(۳۴)

**وادی دجلہ و فرات کا جمہوری سیاسی نظام :** جس ملک کو آج کل عراق کہتے ہیں اسے عہد نامہ قدیم میں " ارم نہرین " کہا گیا ہے۔یونانی زبان کے لفظ میسوپوٹیمیا کا معنی بھی یہی ہے۔(۳۵) دنیا کی وہ پہلی تہذیب جس نے وادی دجلہ اور فرات کو اپنا گہوراہ بنایا تاریخ میں سمیری تہذیب کے نام سے موسوم ہے۔(۳۶)قدیم زمانہ میں عراق دنیا کی تہذیب کا مرکز ہے اور یہاں آشوری اور بابلی تہذیبیں جلوہ گر ہوئی۔کوئی ۴۰۰۰ ق۔م میں بابلی سلطنتیں قائم ہوئی۔پھر دو ہزار قبل مسیح کے قریب آشوریوں نے سارے عراق پر قبضہ کرلیا۔آشوریوں نے بابلی تہذیب کو اپنایا اور اس میں بہت سے نئے اضافے کیے۔اہل بابل نے لکھنے کا طریقہ ایجاد کرلیا۔اس سے ان کی علمی و ادبی ترقی میں بہت مدد ملی۔(۳۷)

**طرز حکومت اور شاہی اختیارات :** سمیری حکمران مطلق العنان اور تمام اختیارات کے مالک، تمام قیود سے آزاد اور تمام عیوب سے منزا سمجھے جاتے تھے۔وہ خدا کے نائب ہی نہیں اس کے شریک تصور کیے جاتے تھے۔ان کا حکم قانون اور ان کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا۔سمیری بادشاہوں کے دربار بڑے پُر تکلف اور زیبائش و آرائش کا مرقع ہوتے تھے۔وہ شاہانہ زرق برق لباس میں ملبوس ہوکر شاہی دستے کے ساتھ دربار میں آتے اور پھر تخت پر متمکن ہوتے تھے۔ دنیا کے قدیم شہروں میں شہر بابل Babylon ایک اہم تہذیب کا مرکز رہا ہے۔حضرت مسیح سے تقریباً تین ہزار سال قبل یہ شہر دریائے



Marfat.com

فرات کے بائیں جانب آباد ہوا، یہ بتانا دشوار ہے کہ اس کے سب سے قدیم باشندے اور آباد کرنے والے کون لوگ تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ لفظ "بابل" دو الفاظ باب اور ایل سے مرکب ہے۔ باب کے معنٰی دروازے کے ہیں اور ایل کے معنی "الہ" یعنی خدا کا دروازہ، چونکہ یہ دونوں الفاظ سامی یا قدیم عبرانی ہیں اس لیے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو آباد کرنے والے لوگ سامی النسل تھے۔(۳۸) بابلی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ بادشاہ تمام قوانین سے بالاتر سمجھا جاتا تھا دستوری طور پر اس کے اختیارات کی حد بندی نہیں کی جاسکتی تھی۔ ریاست کے اندر اس کی ذات سب سے بلند اور مقتدر تھی۔ وہ عدالت کا حاکم اعلیٰ فون کا قائد اور مذہبی پیشوا تھا۔ بعض علاقوں میں جاگیر دار اور بڑے زمیندار ہی نظم ونسق کا کام سرانجام دیتے تھے۔ صوبائی حاکم جملہ شاہی مطالبات اور محصولات وصول کرکے بادشاہ کے پاس بھیج دیتے تھے۔(۳۹)

**آشوری سلطنت کا جمہوری سیاسی نظام:** وادی دجلہ و فرات کی دوسری اہم تہذیب کا نام آشوری تہذیب ہے۔ اس تہذیب کا بھی جنم اور فروغ دینے والا ایک سامی قبیلہ ہے جو اموریوں کی طرح جزیرہ نماعرب سے ہی اٹھا تھا۔ ایک بت کی پرستش کرتا تھا۔ جو آشور (Ashur) کے نام سے مشہور تھا۔ اس بت کی طرف منسوب ہوکر وہ قبیلہ آشور اور اس کی ریاست آشوریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔(۴۰) آشوری حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ باپ کے بعد بیٹے کی تخت نشینی کا رواج تھا۔ عموماً بڑا بیٹا باپ کی جگہ لیتا تھا، مگر بڑے بیٹوں کی موجودگی میں چھوٹے کی جانشینی کی مثال ملتی ہے۔ بادشاہ آشور دیوتا کا مظہر اور نائب خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی ذات تمام غلطیوں سے پاک اور منزہ تصور کی جاتی تھی۔(۴۱)

**قانون عامہ حمورابی:** حمورابی نے خانہ جنگی کو ختم کرکے ایک مستحکم سلطنت کی بنیادیں ڈالیں۔ اس نے ملک میں امن وامان قائم کیا اور ملک کے انتظام کو از سرنو ترتیب دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ایک ایسا قانون مرتب کرگیا جس نے ملک کے قوانین میں ہم آہنگی پیدا کی اور جس کا شمار دنیا کے اہم ترین قوانین میں ہوتا ہے۔ یہ قانون نامہ ۱۹۰۲ء۔ ۱۹۰۵ءعیسوی میں فرانسیسی ماہرین آثار قدیمہ نے سوسا سے برآمد کیا جو ۸ فٹ اونچے پتھر پر کھدا ہوا ہے اور جس میں ۳۶۰۰ سے زائدہ سطریں ہیں۔ اس قانون نامہ کے اوپر حمورابی کی تصویر بھی کھدی ہوئی ہے جس میں حمورابی سورج کے دیوتا سے یہ قوانین حاصل کررہا ہے۔ یہ قوانین صدیوں تک اسکولوں میں پڑھائے جاتے رہے اور ان کی لوح پر لکھا ہوا تھا۔ ''وہ احکاماتِ انصاف جنہیں شہنشاہ حمورابی نے جاری کیا۔" (۴۲)

**ہندوستان کا جمہوری سیاسی نظام:** ہندوستانی تہذیب اور حکومت دنیا کی قدیم ترین اور کئی اعتبار سے منفرد تہذیب و حکومت ہے۔ مورخین کے خیال کے مطابق ہندوستانی حکومت کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

**وادی سندھ کا جمہوری سیاسی نظام:** وادی سندھ کی تہذیب سمیر کی اولین تہذیب اور ایلام و میسوپٹامیہ



Marfat.com

کے طوفان نوح سے قبل کے دور کے تہذیب کے نہ صرف ہمعصر تھی بلکہ کئی اعتبار سے ان سے برتر بھی تھی۔(۴۳)(۲۱) نیز یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے کہ عہد ما قبل تاریخ میں وادی سندھ کے لوگوں کے وادی دجلہ و فرات کے لوگوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے اور ان کے مابین آمد و رفت کا سلسلہ عام تھا۔(۲۲) وادی سندھ کی یہ تہذیب ایک ہزار میل سے زائد وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی جو رقبہ میں بابل سے چار گنا اور مصر سے دو گنا ہے۔(۴۴) قیاس ہے کہ اس زمانے کے یہ لوگ دراوڑی نسل کے تھے (جو ہندوستان کے اصلی باشندے تھے) اس خیال کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ بلوچستان میں بروہی قبیلے کے لوگ اب بھی "براہوی" بولتے ہیں جو دراوڑی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔(۴۵) یہ قوم مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ تھی اور آریاؤں کے دور سے قبل ہندوستان کے شمال اور شمال مغربی حصوں میں ان کی تہذیب عروج پر تھی۔

**برہمنی تہذیب کا جمہوری سیاسی نظام :** اس عہد کو پر ان ومنو سمرتی کا دور بھی کہا جاتا ہے۔یہی وہ دور ہے جو صحیح معنوں میں ہندو تہذیب و تمدن کو نمایاں طور پر پیش کرتا ہے۔تاریخی اعتبار سے بھی یہ عہد دوسرے ادوار کی بہ نسبت صاف اور واضح ہے، کیونکہ اس دور سے متعلق کچھ نہ کچھ مستند تاریخی مواد ضرور مل جاتا ہے۔

رگ ویدی تمدن کا مرکز پنجاب تھا۔(اس کے بعد دور شجاعت میں وہ اپنی توسیع و استحکام میں لگے رہے) اور برہمنی تمدن وادی گنگا کا تمدن ہے۔تقریباً ایک ہزار سال کی مدت تک جو ان دونوں تمدنوں کا درمیانی زمانہ ہے۔ آریا قوم برابر مشرق کی طرف بڑھتی رہیں اور تقریباً کل ہندوستان پر قابض ہوگئیں۔ یہاں کے قدیم باشندے لڑائی بھڑائی چھوڑ کر پوری طرح ان کے محکوم ہوچکے تھے اور آریاؤں میں اپنی نسل کو خالص رکھنے کا احساس شدید تر ہوچکا تھا، کیونکہ آریاؤں کو معلوم ہوچکا تھا کہ اگر کوئی قلیل التعداد فاتح قوم اپنی پوری حفاظت نہ کرے تو وہ بہت جلد مفتوح اقوام میں کھپ جاتی ہے اور اس کا نام و نشان نہیں رہتا۔(۴۶)

**بدھ تہذیب کا جمہوری سیاسی نظام :** چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں ایسے حالات پیدا ہوچکے تھے، جو نئی مذہبی یا اصلاحی تحریکات کا باعث بنے۔اس سلسلے میں ہندوستان کے حوالے سے بدھ مت اور جین مت جیسی اصلاحی تحریکات قابل ذکر ہیں۔ (یہی وہ زمانہ ہے جب ایران میں زرتشت اور چین میں کنفیوشس کا ظہور ہوا) (۴۷)

موجودہ نیپال کی (جنوبی) سرحد بنارس سے تقریباً سو میل شمال مشرق میں ہمالیہ کی ترائی میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کا صدر مقام کپلا وستو (Kapilavastu) تھا جہاں آریاؤں کا ایک قبیلہ شاکیہ جو نسلاً کشتری تھے، عرصہ سے آباد اور حکمرانی کررہا تھا۔اس ریاست کے راجہ شدودھن (Suddhodana) کے یہاں اس کی پہلی بیوی مایا (مہا مایا) سے اس کا اکلوتا بیٹا سدھارتھ پیدا ہوا جو اپنے خاندانی نام " گوتم "



Marfat.com

سے مشہور ہوا۔ اس کا سن پیدائش اختلافی ہے۔ ۵۵۷ تا ۵۶۰ق۔م میں کسی وقت اس کی پیدائش اور ۴۷۷ ق۔م سے ۴۸۰ ق۔م کے درمیان کسی وقت اس کی وفات ہوئی۔ اور ہندو رسم و رواج کے مطابق ان کی لاش نذر آتش کردی گئی۔(۴۸) اس زمانے کے رسوم و رواج کے مطابق انہوں نے علوم و فنون حاصل کیے، کم سنی میں ہی ان کی شادی ایک حسین شہزادی یشودھر (Wasodhara) سے کردی گئی شادی کے دس سال بعد ان کا بیٹا راہل (Rahula) پیدا ہوا۔(۴۹)

## یونان کا جمہوری سیاسی نظام:

تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے یونان میں ایک عظیم تہذیب کا عروج ہوا جس کو مغربی تہذیب کا منبع خیال کیا جاتا ہے۔ یہ تہذیب چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر قائم تھی۔ جن میں سب سے مشہور ایتھنز اور سپارٹا کی تھی۔ یہ تہذیب پانچویں صدی ق۔م میں اپنے نقطہ عروج کو پہنچی جس کو سنہری عہد کہا جاتا ہے۔ ۴۳۱ ق۔م میں طاعون، امیروں اور غریبوں کے درمیان خون ریز فسادات کے باعث یونانی تہذیب کا انحطاط ہوگیا۔(۵۰)

## روم کا جمہوری سیاسی نظام:

رومی سلطنت اپنے زمانے کی دوسری سپر پاور تھی۔ یہ اپنے وقت میں دنیا کی سب سے بڑی حکومت جو بحیرہ روم کے چاروں طرف تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ رومی ایک جاندار اور شاندار تہذیب کے وارث تھے۔ صنعت و حرفت میں بھی رومی اپنی مثال آپ تھے اور صحیح معنوں میں ایک سپر پاور تھے۔(۵۱) روم کی بنیاد ۷۵۳ق م میں رکھی گئی تھی۔ یہ گڈریوں کی کمیونٹی تھی جس نے بڑھتے بڑھتے تاریخ کی ایک عظیم الشان سلطنت بنائی۔ ۱۰۰ق م جب یہ سلطنت اپنے نقطہ عروج پر تھی، یہ یورپ کے آدھے حصے پر چھائی ہوئی تھی۔ ۴۷۶ء میں جرمن نسل کے قبائل نے آخری رومن شہنشاہ کا تختہ الٹ دیا۔ رومن تہذیب نے مغربی تہذیب کے ارتقاء پر زبردست اثر ڈالا۔(۵۲)

رابرٹ بریفاٹ (Robert Briffault) رومی سلطنت کے بارے میں لکھتا ہے:"رومی سلطنت کی تباہی کا سبب وہاں کی بڑھی ہوئی خرابیاں (مثلاً رشوت وغیرہ) نہ تھیں، بلکہ اصلی برائی اور بنیادی خرابی فساد و شر اور حقائق سے گریز کی عادت تھی، جو اس سلطنت کے قیام اور نشوونما میں پہلے ہی دن سے موجود تھی، یہ خرابی سلطنت کے اندر جڑ پکڑ چکی تھی، کسی انسانی جماعت کی تعمیر جب کبھی اس طرح کی کمزور اور کچی بنیاد پر کی جائے گی تو اس کے گرنے سے صرف ذہانتیں اور عملی سرگرمیاں نہیں بچاسکتیں، اور چونکہ خرابیوں ہی پر اس سلطنت کی بنیاد تھی، اس لئے اس کا خاتمہ اور زوال بھی ضروری تھا، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ رومی سلطنت صرف ایک چھوٹے سے طبقہ کی عیش اور راحت رسانی کا ذریعہ تھی، اور جمہور عوام سے ناجائز منفعت اندوزی اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کو غذا پہنچانا اس حکومت کا کام تھا، بلاشبہ



Marfat.com

روم میں تجارت، امانت داری اور انصاف کے ساتھ جاری تھی، اور یہ بات حکومت کی بنیادی خصوصیات میں سمجھی جاتی تھی، اور اس سے بھی انکار نہیں کہ حکومت اپنی طاقت و قابلیت میں نیز اپنے عدالتی نظام میں ممتاز تھی، لیکنیہ تمام خوبیاں حکومت کو تباہی سے نہیں بچا سکتی تھیں، اور نہ اساسی غلطیوں کے سخت انجام سے محفوظ رکھ سکتی تھیں۔"(۵۳)

ایک عرب شامی مؤرخ شام میں رومی حکومت کے بارے میں کہتا ہے:"ابتدا میں رومیوں کا شامیوں کے ساتھ اچھا اور منصفانہ برتاؤ تھا، اگرچہ ان کی سلطنت میں اندرونی طور پر خلفشار تھا، لیکن جب ان کی حکومت بوڑھی ہوگئی تو اس نے بدترین قسم کی غلامی کی شکل اختیار کرلی، اور بدترین معاملہ جو غلام اور رعیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، اس نے اپنی محکوم رعایا کے ساتھ کیا، روم نے براہ راست شام کا بھی الحاق نہیں کیا، اور شام کے باشندوں کو کبھی بھی رومیوں کی طرح شہری حقوق نہیں حاصل ہوئے، نہ ان کے ملک کو رومی سلطنت اور سرزمین کا درجہ ملا، شامی ہمیشہ غریب الوطن افراد کی طرح رعایا بن کر رہے، اکثر سرکاری ٹیکس ادا کرنے کے لئے اپنی اولاد کو بیچ دینے پر مجبور ہوتے، مظالم کی زیادتی تھی، غلام بنانے اور بیگار لین کا عام رواج تھا، اسی بیگار سے رومی حکومت نے وہ ادارے اور کارخانے تعمیر کئے جو رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں۔"(۵۴)

ڈاکٹر الفرڈ بٹلر Alferd Butler رومی حکومت کے بارے میں لکھتاہے:"مصر میں رومی حکومت صرف ایک ہی غرض و غایت اپنے سامنے رکھتی تھی، اور وہ یہ تھی کہ جس طرح ممکن ہو رعایا سے مال لوٹ کھسوٹ کر حکام کا فائدہ پہنچایا جائے، رعایا کی بہبودی اور خوشحالی اور عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کا خیال تک نہیں آتا تھا، رعایا کی تہذیب اور اخلاق کو درست کرنا اور ترقی دینا تو بڑی چیز ہے، ملک کے مادی وسائل کو ترقی دینے کی بھی اس کو فکر نہ تھی، مصر پر ان کی حکومت ان پردیسیوں کی سی حکومت تھی، جو صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کرتی ہے، اور محکوم قوم کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے تک کہ بھی ضرورت نہیں سمجھتی۔"(۵۵)

**طرز حکومت:** شاہی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور راس المال کا ٹیکس داخل کرے۔ فی کس ایک رقم مقرر تھی، جس کا ادا کرنا لازمی تھا۔ اس کے علاوہ تمام رومی قوم کے کچھ دوسرے اہم ذرائع آمدنی تھے۔ یہ لوگ حکومت سے تحصیل کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرتے۔ ہر کمپنی کے پاس کچھ منشی محاصل ملازم تھے، وہ لوگوں کو فراغت وراحت کے مسائل سے محروم کرتے اور اکثر ان کو غلاموں کی طرح فروخت بھی کردیتے۔(۵۶)(۳۵)رومیوں کی حکمت عملی کے متعلق مؤرخ لکھتا ہے " اچھا گلہ بان وہ ہے جو اپنی بھیڑوں کا اون کاٹ لیتا ہے نوچتا نہیں۔ " واقعہ یہ ہے کہ دو صدیاں گزر گئیں اور شہنشاہان روم اپنی مملکت کے باشندوں کا اون کاٹتے رہے (نوچنے کی کوشش کی نہیں ہے) وہ ان سے بہت بڑی دولت وصول کرتے



Marfat.com

رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بیرونی دشمن سے ان کی حفاظت کرتے رہے۔" (۵۷)(۳۶)

## ایران کا جمہوری سیاسی نظام:

تقریباً ۱۵۰۰ قبل مسیح آریائی نسل کے قبائل دریائے دجلہ کی مشرقی سرزمین میں داخل ہوئے اور دور تک پھیلتے چلے گئے۔ اور یہیں سے ایرانی تہذیب شروع ہوتی ہے۔(۵۸) ایران نے کئی بڑی بڑی تہذیبیں دیکھیں۔ اس کی قدیم ترین تہذیب وہ تھی جسے جمشید، فریدون، کیمرُث اور ہوشنگ نے جنم دیا۔ تین سو قبل مسیح میں اسکندر یونانی ایران آیا۔ بعد میں رومی تہذیب سے ایران کا رابطہ پیدا ہوا اور ساتویں صدی عیسوی کے نصف اول میں وہاں اسلام جا پہنچا۔ باقی تہذیبوں کی کیفیت وہی تھی جو ابر بہار کی، کہ برس کر کھل گیا، لیکن چند روز بعد زمین پھر پیاسی ہو گئی۔(۵۹)

ایران کا قدیم نام "پرسس" (Persis) یا "پرشیا" (Persia) تھا۔(۶۰) یونانی اسے پارس اور عرب فارس کہتے تھے۔ ایک ہزار سال قبل مسیح کے بعد سے جب کہ یہاں آریاؤں کا دور ہوا، اسے ایران کہا جانے لگا۔ لفظ ایران آریانہ (Aryana) سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے "آریاؤں کی سرزمین"۔ (۶۱) ایرانی سلطنت کی سرحدیں مختلف زمانوں میں مختلف رہیں، گویا بادشاہتوں کے ساتھ ساتھ ایران کی حدود بھی وقتاً فوقتاً بدلتی رہیں۔ جہاں تک قدیم ایران کی تاریخ کا معاملہ ہے تو بیسویں صدی کے اوائل میں سوسا (سوس) (۶۲) کی کھدائی سے چند انکشافات سامنے آئے ہیں جن کی روشنی میں ماہرین علم الآثار نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ چار ہزار سال قبل مسیح سے بھی پہلے پرسی پالس (اصطخر) میں ایک قدیم تہذیب قائم تھی جو حجری عہد کے اواخر سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ تہذیب آریائی نہیں تھی۔ مستند شہادت کی عدم موجودگی تک ان قیاسات کو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ لوگ یا تو خزری ()(Caucatian۶۳) تھے، حامی یا کوشی(۶۴) تھے اور یا پھر عیلامی تھے۔ ان کی اپنی ایک قابل ذکر تہذیب تھی جو تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح میں اپنے عروج پر تھی ان کے اپنے معاصر تہذیبوں سے گہرے ثقافتی اور تجارتی روابط بھی موجود تھے۔

طرزِ حکومت اور اختیارات: ایرانی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات تھی۔ بادشاہ وقت کو لوگ دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ ایرانی بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ ان میں خدائی خون موجود ہے۔ رعایا ان کے آگے سر بسجود ہوتی اور ان کی الوہیت کے گیت گاتی تھی۔ لوگوں کے جان و مال پر ان کا مکمل قبضہ ہوتا تھا۔ رعایا کو حکومت کے مقابلے میں کوئی حقوق حاصل نہیں تھے اور ان کی حیثیت غلاموں سے بدتر تھی۔ کسی کو بادشاہ کے افعال کا محاسبہ کرنے کا حق نہیں تھا۔ اس کی ذات تک عوام کی رسائی ناممکن تھی، البتہ نو روز اور چند دیگر مواقع پر لوگوں کو بادشاہ کے حضور اپنی شکایات پیش کرنے کی اجازت تھی۔(۶۵) "ایران بعہد ساسانیاں" کا مؤلف رقمطراز ہے کہ " خراج اور ٹیکس کے لگانے اور وصول کرنے میں محصلین خیانت اور استحصال بالجبر کے مرتکب ہوتے تھے۔ چونکہ



Marfat.com

مالیات کی رقم سال بسال مختلف ہوتی رہتی تھی، یہ ممکن نہ تھا کہ سال کے شروع میں آمدنی اور خرچ کا تخمینہ ہوسکے۔"خسرودوم نے ۶۰۷۔۶۰۹ء میں طیفوں (مدائن) میں اپنے خزانہ کو نئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں چھیالیس کروڑ اسی لاکھ مثقال سونا تھا۔یعنی سینتیس کروڑ پچاس لاکھ فرانک طلائی سونا تھا۔(۶۶) پبلک کے فائدے کے لئے جتنا روپیہ شاہی خزانے سے خرچ ہوتا تھا،وہ کچھ زیادہ نہ تھا،شاہانِ ایران کے یہاں ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے خزانہ میں نقد روپیہ اور قیمتی اشیاء جمع کرتے، (۶۷)خسرو دوم نے ۶۰۷۔۶۰۸ء میں طیفون (مدائن) میں اپنے خزانہ کو نئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں چھیالیس کرور اسی لاکھ مثقال سونا تھا،یعنی تقریباً سینتیس کروڑ پچاس لاکھ فرانک طلائی (چارارب اڑسٹھ کروڑ روپئے) حکومت کے تیرھویں سال کے بعد اس کے خزانہ میں اسی کروڑ مثقال وزن کا سونا تھا۔(۶۸)،خسرو دوم کے تاج میں ۱۲۰ پونڈ (یعنی ڈیڑھ من) خالص سونا تھا۔(۶۹)

**طبقاتی تفاوت:** ایران کی قومی زندگی میں دولت و خوشحالی مخصوص افراد کے اندر محدود تھی،معدودے چند اشخاص نہایت دولت مند تھے،باقی نہایت تنگدست اور پریشان حال،ایرانی تاریخ میں نوشیرواں کا زمانہ حسنِ انتظام اور عدل گستری کے لئے ضرب المثل ہے۔"ایران بعہد ساسانیان" کا مصنف اس عہد کے متعلق لکھتا ہے:"خسرو (نوشیرواں) کی مالی اصلاحات میں بیشک رعایا کی نسبت خزانے کے مفاد کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا تھا،عوام الناس اسی طرح جہالت ع عشرت میں زندگی بسر کر رہے تھے،جیسا کہ زمانۂ سابق میں باز نطینی فلسفی جو شہنشاہ کے یہاں آکر پناہ گزیں ہوئے تھے،ایران سے جلد برداشتہ خاطر ہوگئے،یہ سچ ہے کہ وہ اتنے بلند نظر فلسفی نہ تھے کہ ایک غیر قوم کی عادات و رسوم کو غیر جانبداری کی نظر سے دیکھ سکتے اور جن باتوں کو وہ ایک فلسفی بادشاہ کی سلطنت میں دیکھنے کے خواہاں تھے،وہ ان کو نظر نہ آئیں،اور چونکہ علم الاقوام کے مطالعہ کا انہیں ذوق نہ تھا،اور ان کی ذہنیت ایسی نہ تھی جو اس علم کے جاننے والے کی ہوتی ہے،لہٰذا ایرانیوں کی بعض رسموں مثلاً تزویج محرمات کی رسم یا لاشوں کو زخموں پر کھلا چھوڑ دینے کی مذہبی رسم نے ان کو برہم کیا لیکن محض یہ رسمیں نہ تھیں جن کی وجہ سے ان کو ایران میں رہنا ناگوار ہوا بلکہ ذات پات کی تمیز اور سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابل عبور فاصلہ اور خستہ حالی جس میں نچلے طبقہ کے لوگ زندگی بسر کر رہے تھے،یہ وہ چیزیں تھیں جن کو دیکھ کر وہ آزردہ خاطر ہوئے "طاقتور لوگ کمزوروں کو دباتے تھے،اور ان کے ساتھ بہت ظلم اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے۔" (۷۰)

یہ حال صرف ایران ہی میں نہ تھا،اس کی معاصرو حریف باز نطینی سلطنت میں بھی سخت قسم کا طبقاتی نظام اور امتیازی سلوک رائج تھا،رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے:"یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی اجتماعی ادارہ زوال پذیر ہوتا ہے تو اس کے چلانے والے اس کی حرکت اور ارتقاء کو روک دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں پاتے،اسی لئے رومی معاشرہ (اپنے انحطاط کے دور میں) سخت درجہ کی ظالمانہ طبقہ واریت کے شکنجہ میں کیا ہوتا تھا،سوسائٹی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اپنا پیشہ بدل سکے،ہر لڑکے کے



Marfat.com

لئے ضروری تھا کہ اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرے۔"(۷۱)دونوں سلطنتوں میں بڑے بڑے عہدے، بڑے خاندانوں اور گھرانوں کے لئے مخصوص تھے، جو جاہ و حشم رکھتے اور حکام میں ان کا رسوخ تھا۔

**حکام کا رویہ:** حکومت کے اہل کار و عہدہ دار عام رعایا اور ملک کے باشندوں کے ساتھ ایسی سخت گیری اور بیدروی کا برتاؤ کرتے کہ اہل ملک ان سے عاجز تھے، ان حکام اور عہدہ داروں کو نہ عوام کی جان و مال کی پرواہ تھی، نہ ان کی عزت و آبرو کا پاس، لوگ شکایتیں کرتے، لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور تھی ان کے کانوں پر جوں نہ رینگتی، یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ اندھیر نگری ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے، اور اس سے نجات کی کوئی صورت نہیں، بعض اوقات وہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے۔(۷۲)

**عوام کی خستہ حالی:** روم و ایران دونوں مملکتوں میں اہل ملک دو علیٰحدہ طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ان دونوں طبقوں کے درمیان واضح اور بیّن فرق تھا، ایک طبقہ بادشاہوں، شاہزادوں، اہل دربار، ان کے خاندانوں، عزیزوں اور ان کے متعلقین و وابستگان اور جاگیرداروں اور دولتمندوں کا تھا، یہ لوگ سدا بہار پھولوں کی سیج پر زندگی گزارتے، ان کے گھر کے لوگ اور بچے سونے چاندی سے کھیلتے اور دودھ اور گلاب میں نہاتے، یہ اپنے گھوڑوں کی نعلیں بھی جواہرات سے جڑتے اور رددیوار کو بھی ریشم و کمخواب سے سجاتے تھے۔

دوسرا طبقہ، کاشتکاری، کاریگروں، اہل حرف اور چھوٹے تاجروں کا تھا جن کی زندگی سراپا کلفت و مصیبت تھی، یہ زندگی کے بوجھ ٹیکسوں اور نذرانوں کے بار سے کچلے جارہے تھے، ان کا جوڑ جوڑ اور بند بند طالبات کے اندر جکڑا ہوا تھا، وہ اس جلا کو توڑنے کی جس قدر کوشش کرتے اور جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے وہ جال اور کس جاتا اور کٹھن اور پر مصیبت زندگی پر دوسری مصیبت یہ تھی کہ وہ اونچے طبقہ کی بہت سی باتوں میں نقل اتارنے کی کوشش بھی کرتے جس سے اور زیادہ پریشان ہوتے، ضروریات زندگی کی فراہمی میں ان کو وہ وقت اور پریشانی لاحق نہ ہوتی جو اس نقالی اور اونچے طبقہ کی ریس کرنے میں ان کو پیش آتی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی زندگی تلخ اور سراپا کوفت تھی، ان کا دماغ ہر وقت پریشان و پراگندہ رہتا اور ان کو حقیقی سکون اور اطمینانِ قلب کبھی میسر نہ آتا۔(۷۳)

## چین کا جمہوری سیاسی نظام:

زمانہ جاہلیت میں خالص آمرانہ حکومت کا دور دورہ تھا، اس زمانہ کی سیاست مطلق العنان بادشاہت تھی، یہ بادشاہت اکثر مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوتی تھی جیسا کہ ایران میں تھا، وہاں آل ساسان کا یہ عقیدہ تھا کہ حکومت پر ان کا موروثی حق ہے، اور انہیں تائید الٰہی حاصل ہے، عام رعایا کو بھی پوری کوشش کر کے اس کا یقین دلا دیا گیا تھا، چنانچہ انھوں نے بھی اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا، اور حکومت کے بارہ میں ان کا یہی عقیدہ ہو گیا تھا جو کبھی متزلزل نہیں ہوتا تھا۔(۷۴)



Marfat.com

بادشاہت محض سلاطین کی عظمت پر قائم ہوتی تھی، اہل چین اپنے بادشاہ کو "شہنشاہ فرزند آسمان" کہتے تھے، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان "نر" ہے اور زمین "مادہ" اور کائنات کو انہیں دونوں نے جنم دیا ہے، اور شہنشاہ ختا اول زمین و آسمان کے جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے۔(۷۵)اسی بنا پر شاہِ وقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا۔اس کو حق تھا کہ جو چاہے کرے،لوگ اس سے کہتے تھے کہ "آپ ہیقوم کے مائی باپ ہیں" شہنشاہ لی یان یا تائی تسنگ جب مرا ہے تو اہل چین نے سخت ماتم برپا کیا اور حد سے زیادہ غم کیا، کسی نے سوئیوں سے اپنا چہرہ خون آلود کیا، کسی نے اپنے بال کاٹے، کسی نے جنازہ سے اپنے کان مار مار کر زخمی کر لئے۔عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز سے قبل چین میں بادشاہت کا دور دورہ تھا۔Huns خانوادے کی حکومت ختم ہوچکی تھی اور اس کی جگہ Waiاور Shw کی بادشاہتیں قائم ہوچکی تھیں۔ بادشاہ ہی تمام اختیارات کا مالک ہوتا تھا۔اسی کا حکم آخری ہوتا۔(۷۶)

## عہد جاہلیت میں عرب کی سیاسی حالت :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی تمام عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ان قبائل کی باہمی شیرازہ بندی نسب اور اتحاد خون کے واسطے سے ہوتی تھی۔قبیلہ کی حکومت جمہوری طرز کی ہوتی تھی۔ہر قبیلہ کا رئیس اعلیٰ اہل قبیلہ سے ہوتا۔جمہوری اصول کے مطابق وہی شخص منصب سیادت کا اہل ہوتا۔جس کے حامی سب سے زیادہ ہوں۔ وہ شجاعت مہمان نوازی اور فیاضی میں ممتاز حیثیت میں رکھتا تھا۔قبیلے کا رئیس کنبوں کے دوسرے سرداروں کو جمع کرتا۔اس سے " مجلس القبیلہ " تشکیل پاتی تھی۔اس میں جنگ و صلح، دوسرے اہم امور کے متعلق گفتگو ہوتی۔قبیلے کا کوئی قانون نہ ہوتا۔(۷۷)

عرب میں مرکزی حکومت کے فقدان کی وجہ سے نہ کوئی محکمہ عدلیہ تھا، نہ نظم امن کو قائم رکھنے کے لیے محکمہ پولیس تھا اور خارجی خطرات کے دفاع کے لیے فوجی نظام نہ ان کے پاس اپنا سکہ یا یکساں تھی۔مرکزی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ہی ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کردیتا۔مظلوم قبیلہ کے مرد وزن کو تہ تیغ کردیے جاتے۔(۷۸)

**نظام حکومت عہد جاہلیت میں:** دورِ جاہلیت میں قبیلہ کا مفہوم افرادِ انسانی کا وہ مجموعہ تھا جو ایک خطہ پر قیام پذیر ہو، قبیلہ کا شیخ ان کا حاکم تھا وہ قبیلہ کے افراد کے نسب اور خون کے رشتہ کی بناء پر شیرازہ بندی کرتا تھا اور افراد کی امداد سے قبیلہ کی فلاح و بہبود میں کوشاں رہتا تھا، عربوں میں عہد حاضر کی حکومتوں میں سے کسی نوع کی حکومت کاوجود نہ تھا،نہ ان کے ہاں آج کی طرح عدالت کا نظام تھا، جہاں وہ جھگڑے قضیوں کا فیصلہ کرائے جاتے،نہ پولیس تھی جو امن و امان قائم رکھتی اور نہ فوج تھی جو بیرونی خطرات کی مدافعت کرتی، عرب کسی منظم حکومت کے ماتحت نہ تھے،اس لئے ٹیکس وغیرہ کا سوال ہی پیدا



Marfat.com

نہیں ہوتا، ان میں مظلوم اپنا انتقام ظالم سے خود لے لیتا تھا، اس وقت قبیلہ کا فرض ہوتا تھا کہ وہ اس کی پشت پناہی کرے اگر ظالم اپنے ظلم کی تلافی کر دیتا تو پھر اس سے انتقام لینے کا حق نہ رہتا، اگر ظالم خود مظلوم کا کوئی عزیز رشتہ دار ہوتا تو وہ تنہا اسی سے اپنا بدلہ لے لیا کرتا، قبیلہ اس وقت دخل نہ دیتا۔ شرفاء عرب اپنے ایک امیر کی قیادت میں لڑتے اور امن کے زمانے مین ان کی حیثیت ایک منظم سوسائٹی یا معاشرہ کی ہوتی تھی۔(۷۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری نظام کے بنیاد رکھ دی تھی، مدینہ میں اسلامی ریاست کا باقاعدہ نظام قائم تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حجاز و یمن کے بڑے بڑے شہروں اور بڑے بڑے قبیلوں میں حکام کا تقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت ان حاکموں کے اختیارات کا دائرہ نماز کی امامت اور صدقات کے جمع و انتظام تک محدود تھا۔ اور ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہ ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے کسی غزوہ کے لئے روانہ ہوتے تو مدینہ میں اپنے کسی صحابی کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے نماز میں امامت کرتا۔ جب کسی شخص کو سپہ سالار بنا کر روانہ فرماتے تو امامت کے علاوہ انتظامی اور فوجی اختیارات بھی اس کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکموں کے انتخاب کے وقت یہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا پایہ صلاح و تقویٰ، علم و عمل اور تفقہ اور بصیرت کے لحاظ سے بلند ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے عتاب بن اسید گورنر مکہ کی تنخواہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمائی تھی۔ اس سے قبل ان حاکموں کی باقاعدہ تنخواہوں کا معمول نہ تھا۔ فتوحات اور مالِ غنیمت سے انہیں حصہ مل جاتا تھا، یہی ان کی تنخواہ خیال کی جاتی تھی۔(۸۰)

## عہد جاہلیت کا جمہوری سیاسی نظام

ابن عبد ربّہ (۸۱) اور دیگر مؤلف بیان کرتے ہیں کہ مکے میں دس ہی سرکاری عہدے تھے، جن کو دس قبائل کے سردار موروثی طور سے انجام دیا کرتے تھے۔"(۸۲) حقیقت میں ہمیں دس سے بہت زیادہ اداروں کا پتہ چلتا ہے جن کی تفصیل عرب مؤلفوں کی کتابوں کی ورق گردانی پر معلوم ہوسکتی ہے، خود ابن عبد ربّہ نے اگرچہ صراحت سے بیان کیا ہے کہ مکے میں سردار دس ہی تھے لیکن خود اسی مولف نے سترہ عہدوں کے نام گنائے ہیں اور بعض سرداروں کو ایک سے زیادہ عہدوں پر مامور بتایا ہے۔ ان سترہ عہدوں پر ہم موجود مواد سے چار پانچ اور عہدوں کو بڑی آسانی سے اضافہ کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ان کی فہرست یہ ہے۔
۱۔ ندوہ، ۲۔ مشورہ، ۳۔ قیادہ، ۴۔ سدانہ، ۵۔ حجابہ، ۶۔ سقایہ، ۷۔ عمارۃ البیت۔ ۸۔ افاضہ، ۹۔ اجازہ، ۱۰ انسی، ۱۱۔ قبہ، ۱۲۔ اعنہ، ۱۳۔ رفادہ، ۱۴۔ اموال محجرہ ۱۵۔ ایسا، ۱۶۔ آشناق، ۱۷۔ حکومہ، ۱۸۔ سفارہ، ۱۹۔ عقاب، ۲۰۔ لواء، ۲۱۔ حلوان النضر اولاً آبادی یا شہریوں کو " جماعہ "(۸۳) کا نام دیا جاتا تھا، یہ لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی برقرار رکھا اور اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی



Marfat.com

پوری ہوتی تھی، جو باقی دنیا سے ممتاز ایک وحدت تھی اور بحرین کے حکمران کے نام جو مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم گیا۔(۸۴) اس میں بھی اسے دعوت دی گئی ہے کہ وہ اس ''جماعہ'' میں شریک ہوجائے۔

## مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور مدینے کی مثالی ریاست:

اس سے کوئی بھی ذی روح انکار نہیں کرسکتا کہ وہ اگر تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جمہوری اور سیاسی نظام مرتب کرے گا تو اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ مدینے کی مثالی ریاست کو اپنے لیے رول ماڈل بنائے۔ اہالیان پاکستان تو مدینے اور تاجدار مدینہ دونوں سے جذباتی وابستگی رکھتے ہیں اس لیے کسی کو بھی اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا کہ ہمارے لیے مدینے کی ریاست بنیاد ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی مثالی ریاست کو اول درجے کے عامل حکومت کی حیثیت سے انسانی سوسائٹی کی تشکیل، جامعہ اسلامیہ کی تنظیم اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کارنام انجام دیئے۔(۸۵) وہ مختصراً اور مستند سے مستند الفاظ میں یہ ہیں۔

☆☆ حکومت کی ہستی کو تمام بے فائدہ نمائشوں، تباہ کن جعلسازیوں اور سرمایہ دارانہ آرائشوں اور آلائشوں سے پاک و صاف کیا۔ دنیا کے دائرہ میں حکومت کو عوام کی چیز بنایا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا۔(۸۶)

☆☆ حکومت کو ریاست عامہ قرار دیا اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا، جس کی وجہ سے تاج و تخت، قصور و محلات، حاجب و دربان، حشم و خدم، بڑی بڑی تنخواہوں والے حکام اور رشوت خور عمال سب ختم ہوگئے۔(۸۷)

☆☆ انصاف کی حقیقت کو نافذ کیا جس سے انصاف کا حصول آسان اور خود انصاف سستا ہوگیا، انصاف کا مقصد کمزور کی حمایت اور فریقینِ مقدمہ کی باہمی صلح اور اصلاح ٹھہرا تاکہ دونوں کے مفاد کی تباہی اور گھروں کی ویرانی۔

☆☆ آپ نے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، مناسب محصول عائد کیے اور اس کام کے لیے مالیات کے افسر مقرر اور دفتر مالیات قائم کیے۔

☆☆ سرکاری روپے کے لیے قانون مقرر کیا کہ امیروں پر ٹیکس لگایا جائے اور غریبوں پر خرچ کردیا جائے۔

☆☆ انتظامی حلقے قائم کیے۔ مدینے کو دارالسلطنت بنایا اطراف کے لیے حکام مقرر کیے، تقرر کا معیار کردار، کام کی اہلیت، علم سے بہرہ مند ہو اور حاکم رائے عامہ کے مطابق مفاد عامہ کے لیے کام کرے۔

☆☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا، حکومت کے مزاج میں



Marfat.com

مرکزیت، قوت اور استحکام پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ حکومت کے کام شوریٰ سے طے کیے جائیں۔ (۸۸)

☆☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوجوں کی تنظیم کی اور نو جنگوں اور اٹھارہ دفاعی و اکتشافی حربی مہموں میں حصہ لیا۔ انتالیس عسکری مہموں کو اپنے حکم سے محاذ پر بھیجا اور فوج کے کمانڈر مقرر کیے۔ جنگ میں انسانیت کے طریقوں کو جاری کیا۔ فتح میں انسانی خون کی قدر وقیمت کی حفاظت کی اور صلح کے وقت معاہدوں کے لیے نیا معیار مقرر کیا۔(۸۹)

☆☆ بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لیے سلاطین، امراء، والیان ریاست کو فرمان لکھے اور سب کو ایک خداکے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ مختصر یہ کہ پیغمبری، سیاست اور حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اصول اور قانون نہ پیش کیا ہو۔(۹۰)

## اسلامی ریاست میں جمہوریت وسیاست کا تصور:

اسلامی سیاست ایک فن ہے جس کے ذریعہ سے اسلامی حکومت کا نظام چلتا ہے اور ایک طریقہ ہے جس کی رو سے ریاست عامہ کے افراد اپنی بہتری کا کام انجام دیتے ہیں۔ اسلامی سیاست عدل اور اعتدال کے ساتھ اسلام کے قوانین کے مطابق حرکت کرتی ہے اور ان اغراض کے لیے منظر عام پر آتی ہے جن کا تعلق امت کے افراد اور عام انسانی بہتری سے ہے۔(۹۱)

قرآن عظیم میں سیاست کے ہم معنی " حکمت" ایک ایسا لفظ ہے جس کا اطلاق سیاسی حکمت عملی پر بھی ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ حکمت کا لفظ سیاست کے مفہوم کو بھی پیش کرتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے وسیع مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن میں ملک و ملت اور قانون کے ساتھ ساتھ بار بار حکمت کا ذکر کیا گیا اور ایک فرمان میں کہا گیا ہے کہ " اللہ رب العالمین جس کو حکمت سے بہرہ مند کرتا ہے وہی زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرتا اور خیر کثیر کا مستحق ہے۔" یہ امر اس کا واضح ثبوت ہے کہ حکمت کا تعلق سلطنت کی حکمت عملی سے بھی ہے۔(۹۲) علمائے اسلام نے واضح طور پر اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ حکمت کا تعلق حکومت، احکام حکومت، محاکمِ حکومت، دین کی فلاح اور دنیا کی عام اصلاح سے ہے۔ قرآن اور قانون سنت کے احکام کا اجراء بھی حکمت ہی سے متعلق ہے کیونکہ یہی دونوں چیزیں ریاست عامہ کی سیاست کا مآخذ ہیں۔ (۹۳)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہماری ہر میدان میں رہنمائی کرتی ہے اور تا قیام قیامت رہنمائی کرتی رہے گی، جمہوری اور سیاسی نظام کے حوالے سے بھی



Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہے، چنانچہ اس مختصر مقالے میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینی و دستوری اہمیت بیان کرتے ہیں جس کی روشنی میں پاکستان کا جمہوری اور سیاسی نظام واضح ہو گا۔

۱۔ اسلامی ریاست میں اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم (Supreme Authority of Almighty Allah and Holy Prophet) کی ہو گی۔

۲۔ قرآن و سنت ملک کا اعلیٰ ترین قانون (Quran & Sunnah Supreme Law of State) ہو گا۔

۳۔ عدلیہ کی بالا دستی (Supermacy of Judiciary) کو ہر حال میں یقینی بنایا جائے گا۔

۴۔ آئینی نظام کے نفاذ کا وجوب (Essentiality of kEnforcement of Constitution) کے درجے کا حامل ہو گا۔

۵۔ قانون کی حکمرانی و بالادستی (Rule of Law) ہو گی۔

۶۔ آئینی و سیاسی عہدے شرائط اہلیت (Qualification for Constitutional and Political Office) کے حامل افراد کو ہی دیئے جائیں گے۔

۷۔ سربراہ مملکت (Muslim Head of State) مسلمان ہو گا۔

۸۔ ریاستی و حکومتی عہدے بطور امانت و نیابت (State Responsibilities as Trust) سونپے جائیں گے۔

۹۔ ہر شہری آئینی منصب امانت (Constitutional Status of Trustee for every Citizen) کا حامل ہو گا۔

۱۰۔ حکومت کا حقِ اطاعت مشروط (Conditional Superordination of State) ہو گا۔

۱۱۔ ہر عاقل و بالغ کو حق رائے دہی (Adult Franchise) حاصل ہو گا۔

۱۲۔ حق رائے دہی جنسی امتیاز (No Gender Discrimination in Adult Franchise) سے ماوراء ہو گا۔

۱۳۔ اختلاف رائے کو بنیادی حقوق (Difference of Opinion as Fundamental Right) کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔

۱۴۔ اکثریت کی رائے کا احترام (Respect of Majority Opinion) کیا جائے گا۔

۱۵۔ اسلامی حکومت، منتخب اور نمائندہ حکومت (Elected and Representative Govt) ہو گی۔

۱۶۔ نظام حکومت کی ہیت ترکیبی (Structure of Govt System) عوام کی صوابدید پر ہو گی۔

۱۷۔ حکومت دو طرفہ معاہدہ (Govt - a Biletral Contract) متصور ہو گا۔



Marfat.com

۱۸۔ حکومت کا مقصد نظام عدل و فلاح کا قیام(Purpose of Govt Maintenance of Justice & Welfare System)ہو گا نہ کہ شخصی اقتدار کا قیام۔

۱۹۔ حکومت اور عوام کو باہم حقوق و فرائض(Duties & Rights of Govt & People)حاصل ہوں گے۔

۲۰۔ اقتدار کے اختیار کا مقصود خلافت نبوی کا نفاذ (Viceregency of Holy Prophet in Exercise of Govt Powers)ہو گا۔

۲۱۔ مذہبی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Religious Freedom)دی جائے گی۔

۲۲۔ سیاسی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Political Freedom)دی جائے گی۔

۲۳۔ بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت(Guarentee of Equal Human Rights)ہو گی۔

۲۴۔ حکومتی اختیارات کی جواب دہی(Accountability in Exercise of Govt. Powers) ریاست کے آئینی نظام کا حصہ ہو گی۔(۹۴)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور قرآن کریم سے رہنمائی :

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وہ آخری آسمانی کتاب ہے، جو پوری انسانیت کی تا قیام قیامت رہنمائی کرتی رہے گی، اس کتاب مبین میں حکومت، سیاست اور جمہوریت کے حوالے سے بھی ہماری مکمل رہنمائی کی گئی ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ حکم، فیصلہ، اور اوامر و نواہی کا حکم دیا گیا ہے اور ان سب کا تعلق سیاست، حکومت اور جمہوریت سے ہے۔

قرآن کریم کی آیات بینات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (۹۵)

حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے۔

۲۔ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (۹۶)

وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

۳۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (۹۷)

اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

۴۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۹۸)

جو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل کافر ہیں۔



Marfat.com

اس نظریے کے مطابق حاکمیت(Sovereignty)صرف خدا کی ہے۔ قانون ساز (Law Giver) صرف خدا ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی علیہ السلام ہی کیوں نہ ہو بذات خود حکم دینے اور منع کرنے کا حقدار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ کے حکم ہی کا پیرو ہے۔

۵۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ (۹۹)

میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔

عام انسان نبی کی اطاعت پر صرف اس لیے مامور ہیں کہ وہ اپنا حکم نہیں، بلکہ خدا کا حکم بیان کرتا ہے:

۶۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۱۰۰)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن(Sanction)کے تحت اس کی اطاعت کی جائے۔

۷۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (۱۰۱)

یہ (نبی) وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب دی۔ حکم(Authority)سے سرفراز کیا اور نبوت عطا کی۔

۸۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ (۱۰۲)

کسی بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کی بجائے میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو۔

۹۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً (۱۰۳)

"اللہ نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں سے بہت مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔

۱۰۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (۱۰۴)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ و قبائل بنا دیا تا کہ تم آپس میں پہچانے جاؤ۔ مگر در حقیقت معزز تو تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

۱۱۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ

اور ہم نے اولاد آدم کو صاحب عزت بنایا۔(۱۰۵)

۱۲۔ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ

اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔(۱۰۶)



Marfat.com

۱۳۔ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ
اور ان کے امور آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ (۱۰۷)
۱۴۔ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰىۖ وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ
نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کرو۔ (۱۰۸)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور احادیث مبارکہ سے رہنمائی:

قرآن کریم نے جہاں ہماری رہنمائی کی ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہمیں تفصیلات بیان کرتی نظر آتی ہیں اور ہمارے لیے رہنمائی اور روشنی کا نا ختم ہونے والا مینارہ نور ہے جس سے ہم، ہمیشہ رہنمائی اور روشنی حاصل کرتے رہیں گے اور وطن عزیز کی جمہوری سیاسی نظام کی ترقی کے لیے اور ان کو تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ڈھالنے کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہیں گے۔

ان اللہ لیزع بالسلطان ما لا یزع بالقرآن (۱۰۹)

اللہ تعالی حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتا۔

الاسلام والسلطان اخوان توامان لا یصلح واحد منهما الا لصاحب فالا سلام اسس والسلطان حارس وما لا اسس له لیهدم وما لا حارس له ضائع (۱۱۰)

اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

من رای منکم منکراً ------------------ اضعف الایمان۔ (۱۱۱)

تم میں (سے جو شخص کوئی بدی دیکھے، اس کو ہاتھ سے (نیکی سے) بدل دے، اگر ایسا نہ کر سکے، تو زبان سے روکے، اگر زبان سے بھی نہ روک سکے تو دل سے بُرا سمجھے اور یہ (آخری درجہ) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ (۱۱۲)

والذی نفس محمد بیده لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت یدها

"اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ ضرور کاٹ دیتا۔" (۱۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تمہارے بہترین امام اور قائد وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں اور تم ان کو



Marfat.com

دعائیں دیتے ہو اور وہ تم کو دعائیں دیتے ہوں اور تم میں بد ترین رہنما وہ ہیں جن کو تم نا پسند کرتے ہو اور وہ تم کو نا پسند کرتے ہوں اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو۔" (صحیح مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ شہادت دیتے ہیں کہ:" ما رایت احداً اکثر مشورۃ لا صحابہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔"(۱۱۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث میں اسلامی معاشرے کی صحیح حالت کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:"جب تمہارے حکام تم میں نیک اور صالح ہوں، تمہارے اہل ثروت تم میں فیاض ہوں اور تمہارے امور باہم مشورے سے طے ہوں۔" (۱۱۵)

"بخدا ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی عہدے پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو۔"(۱۱۶)

"ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا خائن وہ ہے جو خود حکومت کے کسی عہدہ و منصب کا طالب ہو۔"(۱۱۶)

## اسلام کا جمہوری سیاسی نظام:

اس سے پہلے کہ ہم پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کا تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مثبت و منفی جائزہ لیں، ضروری ہے کہ ہم اسلام کے جمہوری سیاسی نظام پر روشنی ڈالیں کیونکہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور وہ حیاتِ انسانی کے ہر پہلو کے لیے ہدایت دیتا ہے۔ اس ہمہ گیر ہدایت کا نام شریعت ہے۔ قرآن میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پوری شریعت کا اتباع کریں اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً "اے ایمان والو: اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔" (۱۱۷)

اہل کتاب جن احکام خداوندی کو اپنی خواہش و پسند کے مطابق پاتے، ان پر تو عمل پیرا ہو جاتے لیکن جو احکام الٰہی ان کی خواہش و پسند کے مطابق نہ ہوتے ان سے کنّی کترا جاتے، اس بنا پر ان کو خدا کی جانب سے تہدید کی گئی کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

"کیا تم کتاب الٰہی کے بعض حصوں کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟"(۱۱۸)

پھر اس روش کی بابت اس ہلاکت خیز سزا کا اعلان فرمایا: فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ



Marfat.com

"پس تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا اس کی سزا دنیا کی زندگی میں سوائے ذلت و نامرادی کے اور کیا ہوسکتی ہے اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو شدید ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔" (۱۱۹))

## اسلام میں ریاست و مملکت اور جمہوریت و سیاست کے حوالے سے رہنمائی :

اسلام پوری زندگی پر توجہ دیتا ہے۔ بہت سے ایسے امور جنھیں سیاسی سمجھا جاتا ہے ان کے متعلق اسلام واضح ہدایات اور صریحی احکام دیتا ہے۔ اسلام کوئی لاہوتی عقیدہ یا محض پوجا پاٹ کے کچھ طریقوں کا نام نہیں۔ یعنی یہ محض انسان اور اس کے رب کے مابین کسی پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں جس کا زندگی کی تنظیم اور معاشرے و ریاست کے امور سے کوئی تعلق نہ ہو، بالکل نہیں۔ اسلام عقیدہ اور عبادت ہے، یہ اخلاق اور کامل شریعت ہے۔ بالفاظ دیگر، یہ زندگی کا مکمل و کامل نظام ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ زندگی کے لیے ایسے مبادیات وضع کرتا ہے، ان قواعد و ضوابط کی بنیاد رکھتا ہے، وہ قوانین بناتا ہے اور وہ احکامات جاری کرتا ہے جن کا تعلق فرد کی زندگی سے بھی ہوتا ہے اور خاندانی معاملات سے بھی، معاشرتی مسائل سے بھی اور قومی و بین الاقوامی تعلقات سے بھی۔ (۱۲۰)

☆☆ اسلامی سیاسی نظام میں حاکم اور محکوم کے مابین براہ راست تعلق ہوتا ہے اور کسی درمیانی واسطے کا وجود نہیں ہوتا اور دونوں کے مابین کسی قسم کی اجتماعی اور انتظامی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

☆☆ سیاسی تعلق دینی تعلق کا مفہوم سے پھوٹتا ہے اور اسی تک محدود ہوتا ہے۔ پس مسلمان کے لیے اللہ کی کتاب اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان دونوں کی تعلیمات سیاسی روابط کی حدود مقرر کرتی ہیں۔

☆☆ یہ تعلق جدوجہد کا ہوتا ہے۔ ہر شہری سے مطلوب ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کا کام کرے اور جملہ قانونی وسائل کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو پھیلائے۔

☆☆ یہ تعلق کسی بھی گروہ اور طبقہ کی قید اور حاکم اور محکوم کے امتیاز سے آزاد ہوتا ہے۔ انکے درمیان امتیاز صرف ذمہ داری کا ہے اور جب اسلامی حکمرانی کا نظام فارسی سیاسی نظام کے قریب ہوتا ہے تو وہ فارسی سیاسی نظام کی تعلید کے معروف مقام اور حکمران کی خدائی کے درجے تک ہرگز نہیں پہنچتا۔

☆☆ یہ کہ سیاسی تعلق اپنے فطری طریقے کے ساتھ ممتاز رہتا ہے اور محض مجرد مثالیت جس سے یونانی نمونہ معروف ہے، سے نہیں جانا جاتا اور نہ ہی انتظامی ترکیب جس سے رومن کیتھولک اور مطلق استیعاب جو قومی نمونے پر غالب ہوگیا، سے متعارف ہے۔

☆☆ یہ کہ اسلامی سیاسی فکر و عمل کو جمع کرتا ہے اور حاکم و محکوم کے درمیان توازن قائم کرتا ہے۔ اور سربراہی بر وقت قوت کی ضرورت مند ہوتی ہے اور قوت شریعت کی حفاظت کرتی ہے۔



Marfat.com

اگرچہ وہ اس کی تشکیل نہیں کرتی۔(۱۲۱)

## جمہوریت و سیاست کا مغربی تصور اور علماء اسلام کی ذمہ داری :

موجودہ دور کے دینی، عصری، معاشی، معاشرتی اور سیاسی امور کے ماہر ممتاز مذہبی اسکالر علامہ محمد تقی عثمانی رقمطراز ہیں: "ایک میدان سیاست کا میدان ہے۔ سیاست میں نئے نئے نظریات سامنے آئے ہیں، نئے انداز حکومت سامنے آئے ہیں، نئے مسائل سامنے آئے ہیں، علماء اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میں اسلام کے مؤقف کو واضح کریں کہ کون سی اسلامی سیاست ہے؟ اور کون سی ملحدانہ سیاست اور کافرانہ سیاست ہے؟ اور موجودہ سیاسی نظام جو جمہوریت کے نام پر یا مختلف ناموں پر چل رہے ہیں، ان میں اور اسلام میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟ "(۱۲۲)

## سیاست، اسلامی نکتہ نظر سے :

اسلامی نکتہ نظر سے ایک سیاست وہ ہوتی ہے جو دین و شریعت کے اعلیٰ اصولوں اور احکام کی پابند ہوتی ہے۔ سیاست کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے جو دین و مذہب اور اس پر مبنی اخلاق و قیود کی پابند نہیں ہوتی۔

شرعی اصولوں پر مبنی سیاست یقینا دین کا حصہ اور سنت انبیاء ہے۔ یہ قرآن کے احکام امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل درآمد کا ایک طریقہ ہے۔ لہٰذا سیاست سے پہلو تہی کرنا اور اس سے گریز در حقیقت دین کے اہم شعبے سے دور رہنا ہے۔

امام جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کہتے ہیں کہ "شیطان حکمرانوں کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ امور سیاست میں اپنی صوابدید پر عمل کرو۔ اس تلبیس ابلیس کی وجہ سے وہ شریعت کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا فریب ہے اس لیے کہ شریعت سیاست اللہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ خدائی سیاست میں کوئی خلل یا کمی ہو جس کی وجہ سے مخلوق کی وضع کردہ سیاست کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی تو جو شخص لادین سیاست کا مدعی ہے وہ دراصل شریعت میں کمی کا مدعی ہے اور یہ کفر کی بات ہے۔"(۱۲۳)

## سیاست: اسلامی نظم مملکت اور شریعت اسلامیہ کا اہم جزو

حافظ ابن قیمؒ (متوفی ۷۵۱ھ) کے بقول سیاست عادلہ شریعت کے اجزا میں سے ایک جز ہے جس کا انصاف پر مبنی ہونا ضروری ہے۔

معین الحکام کے مطابق سیاست شریعہ کا اختیار کرنا واجب ہے اور اس سے انکار کرنا نصوص شرعیہ اور خلفائے راشدین کی تردید کرنے کے مترادف ہے۔



Marfat.com

## امام غزالی کا فلسفۂ سیاست :

"انسان کے اصولی اعمال میں بلند اور اہم ترین عمل فن سیاست ہے۔اس عمل کی وجہ سے عوام میں باہمی محبت اور اعتماد پیدا ہوتا ہے۔اسی کے ذریعے ان کی اصلاح ہوتی ہے اور اسی کے ذریعے عوام کو وہ رستہ بتایا جاتا ہے جس پر چل کر وہ دنیا اور آخرت دونوں کی نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ "

ارسطو کا یہ فقرہ ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے کہ " انسان سیاسی اور سماجی حیوان ہے۔"اس کے بقول "سیاسی اور تمدنی زندگی نہ رکھنے والا انسان یا تو دیوتا ہوگا یاحیوان۔"

امام غزالی کے مطابق جس طرح انسان کی بنیادی ضرورت روٹی کپڑا اور مکان ہے اسی طرح سیاست و حکمت بھی اس کی فطری ضرورت ہے جواس کے ساتھ ہی پیدا ہوئی ہے۔

غیر اسلامی یا اعلیٰ اصولوں کی نفی کرنے والے نظاموں میں سب سے زیادہ قدیم اور مروجہ نظریہ ملوکیت اور بادشاہت ہے جو اسلام کے جمہوری نظریہ حکومت کی ضد ہے۔(۱۲۴)

## اسلامی نکتہ نظر سے جمہوریت:

اسلامی نکتہ نظر سے حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ ہے اور اس کا حکم ہر جگہ جاری و ساری ہے۔انسان کا اختیار اس قدر ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے قوانین اور اصولوں کا زمین پر اجرا کرے۔چنانچہ اللہ کی عطا کردہ ہدایت کی ابدی کتاب قرآن میں اللہ کے احکامات اور بنیادی اصولوں کے تابع رہتے ہوئے مسلمانوں کے روز مرہ کے کام سر انجام دینے کے لیے جمہوری طریقے اپنانے کے لیے واضح ہدایات اور اشارے ملتے ہیں۔

اسلامی نکتہ نظر سے جہاں تک بنیادی قانون سازی یعنی آئین کا تعلق ہے اس کی تشکیل میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔لہٰذا آئین سازی میں اولین شرط قرآن و سنت کی بالا دستی ہے۔چونکہ دیگر تمام قوانین اور ضوابط آئین کے تابع ہوتے ہیں اس لیے ان کی بنیاد بھی قرآن و سنت پر ہونا لازمی ہے۔

قرآن میں کہا گیا ہے لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی "زمین اور آسمان اور جو ان کے درمیان ہے اقتدار اعلیٰ اللہ کی ملکیت ہے۔"(۱۲۵) جب ایک مسلمان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے کہ زمین و آسمان کی بادشاہت میں انسان کا کوئی حصہ نہیں ہے تو پھر حکم و احکامات کے معاملے میں بھی انسان خود مختار نہیں ہے۔چنانچہ قرآن کے مطابق حکم بھی اصل میں اللہ ہی کا ہے۔

ایک اور جگہ قرآن میں کہا گیا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

"اے ایمان والو: اطاعت کرواللہ کی اوراطاعت کرورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اورانکی جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں پھر اگر کسی بات پر تمہارے درمیان تنازع ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی



Marfat.com

طرف رجوع کرو۔" (۱۲۶)

اس آیت سے دو چیزیں بہت وضاحت سے ثابت ہوتی ہیں۔

اول تو یہ کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر صاحب حکومت کی اطاعت کرنا لازم ہے تو ان انسانوں کی جو ان لوگوں میں ہی سے ہوں، ان پر حکومت کرنے والے یعنی اولوالامر اس قوم کے لوگوں یعنی عوام میں سے ہوں نہ کہ اوپر سے قابض ہونے والوں میں سے۔ قرآن اور حدیث سے یہ بار بار ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص بھی اسلام کے بنیادی اصولوں سے منحرف ہو وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہوتا لہٰذا وہ ان کا اولوالامر بھی نہیں ہو سکتا۔

اوپر بیان کردہ سورۃ کے تناظر میں صاحب حکومت کی ہر بات کے سامنے سر تعظیم خم کر دینا ضروری نہیں ہے۔ اگر لوگ سمجھتے ہیں کہ صاحب حکومت غلط کاموں کا ارتکاب کر رہے ہیں تو اللہ کا یہ حکم ہے کہ اس تنازع کو ختم کرنے کے لیے صاحب حکومت کی صوابدید پر فیصلے نہیں ہوں گے بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے مطابق فیصلے ہوں گے۔ اس طرح کوئی انسان آمر نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس کے مطلق العنان بننے کی اجازت ہے۔

اسلام میں جمہوریت کی اوّلین شرط اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرنا ہے۔ اس نظام میں تمام قوانین اور ضابطے قرآن وسنت کے مطابق اور ان کی پابندی کے دائرے کے اندر ہوتے ہیں۔

جمہوریت کے اسلامی نظریہ کے مطابق ملک کے نظم و نسق سے لے کر سربراہ حکومت اور مملکت کے اہلکاروں کا انتخاب اہل ایمان کے باہمی مشورے کے ذریعے ہونا چاہیے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ "اور ان کے امور آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔" (۱۲۷)

## اسلام اور سیاست:

آج ایک چیز جو شدومد سے بیان کی جاتی ہے وہ یہ کہ اسلام صرف عبادات سکھاتا ہے اور سیاست کو اسلام سے دور رکھنا چاہیے یہ ازبس غلط ہے، اسلام زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے جس میں عبادات، اخلاقیات، معاشیات، معاشرت، سیاست، شورائیت بھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام خدمت خلق سے عبارت ہے۔

## اسلام سیاسی ہی ہوتا ہے:

علامہ یوسف قرضاوی جو کہ اس صدی کے وہ اہم رہنما ہیں جو کہ امت مسلمہ ذہنی و فکری ارتقاء کے لیے تن من دھن سے جدوجہد کر رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: " اسلام ہوتا ہی سیاسی ہے، اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اسلام کا سیاست کے بغیر تصور ہی ممکن نہیں۔ اگر آپ اسلام کو سیاست سے الگ کر دینگے



Marfat.com

تو آپ اسے کوئی اور مذہب بنادیں گے، بدھ مت یا عیسائیت جیسا۔ مگر یہ اسلام نہیں ہوگا۔اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔

## جمہوریت وسیاست کے حوالے سے مکمل ضابطہ حیات:

اسلام پوری زندگی پر توجہ دیتا ہے، بہت سے ایسے امور جنہیں سیاسی سمجھا جاتا ہے ان کے متعلق اسلام واضح ہدایات اور صریح احکام دیتا ہے۔ اسلام کوئی لاہوتی عقیدہ یا محض پوجا پاٹ کے کچھ طریقوں کا نام نہیں ہے یعنی یہ محض انسان اور اس کے رب کے مابین کسی پرائیوٹ تعلق کا نام نہیں جس کا زندگی کی تنظیم اور معاشرت و ریاست کے امور سے کوئی تعلق نہ ہو، بالکل نہیں۔ اسلام عقیدہ اور عبادت ہے، یہ اخلاق اور کامل شریعت ہے۔ بالفاظ، دیگر یہ زندگی کا مکمل و کامل نظام ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ زندگی کے لیے ایسے مبادیات وضع کرتا ہے، ان قواعد و ضوابط کی بنیاد رکھتا ہے، وہ قوانین بناتا ہے اور وہ احکامات جاری کرتا ہے جن کا تعلق فرد کی زندگی سے بھی ہوتا ہے اور خاندانی معاملات سے بھی، معاشرتی مسائل سے بھی قومی و بین الاقوامی تعلقات سے بھی۔(۱۲۸)

أ۔ عبادات اور سیاست: فقہ اسلامی میں مختلف مکاتب فکر کی کتابیں اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ فقہ میں عبادات تک کا شعبہ سیاسی سے الگ نہیں۔

ب۔ نماز اور سیاست : مسلمان تو عین حالتِ نماز میں بھی بحر سیاست میں تیر رہا ہوتا ہے، وہ نماز میں ان آیات کی تلاوت کرتا ہے جن میں ان امور کا بیان ہے جسے لوگ سیاسی کہتے ہیں۔ جو شخص سورہ مائدہ(۱۲۹) کی ان آیات کی تلاوت کرتا ہے جو اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیتی ہیں اور ان لوگوں کے ظالم، فاسق اور کافر قرار دیتی ہیں جو اللہ کی نازل کی ہوئی تعلیمات کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو وہ براہ راست سیاست میں دخل دیتا ہے۔

شعائر دین اور سیاست : علمائے اسلام نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی شہر کے مسلمان ایسی سنتیں چھوڑ دیں جو اسلام کے شعائر میں سے ہیں جیسے اذان، ختنہ، نماز عیدین، تو انہیں ان سنتوں کی بجا آواری کے لیے کہا جائے گا اور دلائل سے قائل کیا جائے گا۔ ان کے اصرار و انکار پر ان کے خلاف لڑائی کی جائے گی تاکہ وہ ان اسلامی شعائر کو اپنا کر اس جماعت میں آملیں جس سے وہ جدا ہوگئے تھے۔ سیاست، تعلیم، نشر و اشاعت، حکومت، مال و دولت، صلح و جنگ، غرض زندگی کے ہر مؤثر شعبے کے بارے میں اسلام کے قواعد و ضوابط اور احکام و ہدایات موجود ہیں۔ اسلام کے نظریہ توحید کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمان، اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب بناتا ہے نہ ولی و حکمران جیسا کہ توحید کی سب سے بڑی سورہ، سورۃ الانعام بتاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کے حکمرانوں کے نام خط لکھنے کے بعد آخر میں سورہ آل عمران آیت نمبر ۶۴ لکھا کرتے تھے۔(۱۳۰)



Marfat.com

## اسلامی فلاحی مملکت کا قیام اور فریضہ شہادت حق :

اسلام اپنے نظام عقائد، اپنی شریعت اور اپنے نظامِ عبادات و تربیت کے ذریعے مسلمان کی شخصیت اس طرح تعمیر کرتا ہے کہ اس کا غیر سیاسی ہونا ممکن نہیں ہوتا اِلَّا یہ کہ وہ اسلام کو غلط سمجھے یا اس کی غلط تعبیر کرے۔ اسلام مسلمان کے کندھے پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ڈالتا ہے وہ اس فریضے کو مسلمان حکمرانوں اور عوام کے لیے خیر خواہی کے لیے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے اسی بات کو حدیث میں مکمل دین کہا گیا ہے۔(۱۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اندرونی فساد کا قلع قمع کرنے کی ترغیب دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خارجی جنگ سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ افضل الجہاد کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر" بہترین جہاد یہ ہے کہ آدمی ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہہ دے۔" (۱۳۲)

## اسلام کا نظریہ سیاست : بے لاگ عدل و مساوات کا مثالی فلسفہ:

جس طرح ایک مسلمان سے سماجی ظلم کا مقابلہ کرنے کو کہا گیا ہے اسی طرح اس سے سیاسی ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے۔ ظلم کا خواہ کوئی نام اور کوئی سی نوعیت ہو اس پر سکوت اور سہل نگاری پوری امت کے لیے باعث عذاب ہے۔ ظلم کرنے والا اور اس ظلم پر خاموش رہنے والا دنوں یکساں مجرم ہیں۔

قرآن پاک نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے، جنہوں نے جابروں اور سرکشوں کی اطاعت کی اور ان کے قافلے کے ساتھ ساتھ شامل ہوگئے، جیسے قوم نوح کے بارے میں ارشاد ہے کہ: اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا یعنی " انہوں نے ان رئیسوں کی پیروی کی جو مال اور اولاد میں پاکر اور زیادہ نامراد ہوگئے (۱۳۳)

اسلام ہر مسلمان پر یہ سیاسی ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ ایسی ریاست میں زندگی گزارے جس پر ایک مسلمان امام کتاب اللہ کی رو سے حکومت کرتا ہو اور عوام نے اس کی بیعت کی ہو۔

## دین و سیاست میں ہم آہنگی اور اسلام کا نقطہ نظر :

کچھ لوگوں کا خیال بلکہ زعمِ باطل ہے کہ دین کا سیاست سے کچھ تعلق نہیں۔ ان لوگوں نے یہ جھوٹ تراشا ہے کہ سیاست میں کوئی دین نہیں اور دین میں کوئی سیاست نہیں۔ کمال یہ ہے کہ خود ان لوگوں نے دین کو اپنی سیاست کے لیے آلہ کار کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ اپنے مذموم و ادنیٰ مقاصد بر لاسکیں۔ یہ لوگ علم دین کے لحاظ سے بعض کمزور حضرات کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ اپنی باطل سیاست اور دنیوی لحاظ سے اپنی غلط پالیسیوں کے حق میں دینی نقطہ نظر سے من پسند فتویٰ لے سکیں۔



Marfat.com

اپنی مذموم سیاسی اغراض کے لیے حکام علما کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ ان سے بینک کے سود کے حلال ہونے اور اسی قسم کے دیگر مقاصد کے لیے فتویٰ لے سکیں۔ انہیں بعض ضعیف الایمان اور قلیل العلم لوگ مل ہی جایا کرتے ہیں مگر راسخ العقیدہ علمائے کرام ایسے فتاویٰ دینے سے انکار کردیتے ہیں۔ (۱۳۴)

علاہ ابن قیم نے امام ابو لوفا بن عقیل حنبلی سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: " سیاست ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے لوگ صلاح و خیر کے زیادہ قریب اور فساد سے بہت دور ہو جاتے ہیں، جب تک کہ سیاست، شریعت کے خلاف نہ ہو۔"

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: " عادلانہ سیاست، شریعت کی تعلیمات و ہدایات کی مخالف نہیں ہوتی بلکہ اس کے موافق ہوتی ہے بلکہ سیاست تو شریعت کے اجزا میں سے ایک جز ہے، ہم اسے سیاست، آپ حضرات کی اصطلاح کے تحت کہتے ہیں ورنہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل ہے۔"(۱۳۵)

امام غزالی فرماتے ہیں: " دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور دین دنیا کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، اقتدار اور دین جڑواں ہیں۔ دین اصل ہے اور اقتدار محافظ و پہرے دار ہے۔ جس کی اصل و بنیاد نہ ہو وہ گر جاتا ہے اور جس کا محافظ نہ ہو وہ ضائع ہو جاتا ہے۔"

امامت یا خلاف کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: " یہ دین کی نگہبانی اور اس کے ذریعے دنیا کی سیاست میں صاحب شرع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابتِ عامہ ہے۔،،

پس معلوم ہوا کہ خلافت نگہبانی اور سیاست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مبلغ، معلم اور قاضی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست کار بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت یافتہ خلفا بھی سیاست کار تھے۔ اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہج و طریق پر چل رہے تھے۔ ان حضرات نے عدل و احسان کے ساتھ امت کو درست راستے پر چلا کر سیاست فرمائی اور علم و ایمان کے ساتھ امت کی قیادت کی۔ (۱۳۶)

سیاست کی اس مسلمہ اہمیت کے باوجود ہمارے دور کے لوگ سیاست دانوں سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ سیاست پر " میکاولی " فکر کی گہری چھاپ، استعمار اور خیانت کار حکمرانوں، ظالموں اور امروں کی سیاست ہے۔ شیخ محمد عبدہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سیاست کاروں کے مکرو فریب سے تنگ آکر اپنا یہ مشہور قول کہا تھا: " میں سیاست، سیاست کرنے والوں اور جن پر سیاست کی جائے، سب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ " (۱۳۷)

فکر اسلامی کے مخالفین نے عوام کی سیاست دانوں سے اس نفرت کا فائدہ اٹھایا اور اس جامع و کامل نظام اسلام کے بارے میں جس کی طرف حامیانِ اسلام دعوت دیتے ہیں، کہنے لگے کہ یہ سیاسی اسلام



Marfat.com

ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب ہر مسلمان کو جو نفاذ اسلام کے لیے کوشاں ہو، کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ سیاست دان بنا ہوا ہے اور سیاست میں حصہ لیتا ہے۔اس چیز کو ان کی مذمت اور ان سے نفرت دلانے کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ ایسا وقت بھی آئے جب مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کو " سیاسی نماز" کہہ دیا جائے۔ سیرت ابن ہشام جیسی کتاب سے غزوات کے مطالعے یا بخاری سے غزوات کے مطالعے کرنے کو " سیاسی مطالعہ " قرار دیا جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی کسی مخصوص سورہ کو " سیاسی تلاوت " کہہ دیا جائے۔(۱۳۸)

## کیا اسلام اور جمہوریت میں تضاد ہے :

☆☆ اسلام اور جمہوریت میں کوئی تضاد نہیں، جمہوریت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حکومت بالخصوص لادین عناصر کی ہو، جب کہ اسلام پسندوں کو ریاست کا دشمن تصور کیا جائے جنھیں نظر بند کر دیا جائے یا جلاوطن۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ لادین عناصر کو اقتدار سے محروم اور آئین سازی میں ان کے اختیار کو محدود کر دیا جائے کیونکہ انھوں نے انتخابات میں اکثریت حاصل نہیں کی۔

☆☆ اسلام پسندوں کا اقتدار میں آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حکومت، معاشرے اور انقلاب میں غالب ہوں گے کیونکہ وہ سب سے زیادہ مقبول پارٹی ہیں جیسا کہ ماضی کے دورِ استبداد میں روا رکھا جاتا تھا۔ ریاست کا کردار عوام پر ایک مخصوص طرزِ زندگی مسلط کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا کردار عوام کو تحفظ فراہم کرنا اور ان کی ضروریات کی تکمیل ہے اور پھر ان کو اپنی پسند کے مطابق طرزِ زندگی اختیار کرنے کی آزادی دی جائے۔

☆☆ لادین عناصر اور اسلام پسندوں کے درمیان تصادم، جو کہ عشروں سے جاری ہے، بہت سی توانائیوں کے ضیاع کا باعث اور آمروں کے ہمارے ملکوں پر مسلط ہونے میں مددگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام پسندوں اور سیکولر عناصر کے درمیان اتحاد ایک آزاد جمہوری معاشرے کے قیام کے لیے ضروری ہے جو اپنے اختلافات کو سنجیدہ اور مخلصانہ مکالمے کے ذریعے حل کر سکے۔(۱۳۹)

## کیا اسلام اور سیاست الگ الگ ہیں؟

اسلام وہ واحد دین ہے جو اپنے ماننے والوں سے ہر قدم پر یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ خالقِ کائنات کی نازل کردہ ہدایات و احکام کو غور و فکر اور تحقیق کے بعد اختیار کریں۔ اسی بنا پر قرآن و حدیث اسلام کو "مذہب" نہیں بلکہ "دین" قرار دیتے ہیں:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔"(۱۴۰)

'دین، قرآن کریم کی ایک جامع اصطلاح ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کی بندگی اور اللہ



Marfat.com

کی حاکمیت قائم کرنے سے عبارت ہے۔ دیگر مذاہب میں اگر ان کے بنیادی معتقدات پر سوال اٹھایا جائے تو نوبت اخراج تک جا پہنچتی ہے، جب کہ اسلام چاہتا ہے کہ حق کو شعوری طور پر جانچ پرکھ کر اختیار کیا جائے۔ عقل و فکر کا یہ کردار اتنا اہم ہے کہ اسے سنتِ انبیاء بنا دیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حیات ثانی کے بارے میں رب کریم سے سوالات کے ذریعے تقویت ایمان چاہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سفر حکمت میں حضرت خضر علیہ السلام سے سوالات کرنے میں تکلف محسوس نہیں کیا۔(۱۴۱)

اس تناظر میں کسی غیر مسلم یا کسی مسلمان کا اسلام میں تصورِ خلافت کے پائے جانے پر استفہام نہ کسی تعجب کا باعث ہونا چاہیے اور نہ یہ ضرورت ہے کہ ایسے سوالات کے پیچھے چھپے محرکات تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بجائے ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ جو سوالات اٹھائے جائیں، ان کا جواب ہدایت کے ان دو مستقل ماٰخذ و مصادر میں تلاش کیا جائے جو قیامت تک تمام انسانیت کے مسائل کا حل واضح اور بیّن طور پر فراہم کرتے ہیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس اہم موضوع کا پوری علمی دیانت کے ساتھ معروضی (objective) انداز میں مطالعہ کیا جائے اور تعصب اور مرعوبیت کے ہر سایے سے اس بحث کو محفوظ رکھا جائے۔ اسلامی تحریکیں آج وجود میں نہیں آئی ہیں۔ ان کے افکار اور ان کا تاریخی کردار ایک صدی پر محیط ہے۔ دینی مدارس بھی صدیوں سے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں اور جو نصاب آج رائج ہے، اس میں تبدیلی اور بہتری کی گنجائش تو بلاشبہہ ہے اور اس کی نشان دہی بھی کی جاتی رہی ہے اور کچھ اصلاحات لائی بھی گئی ہیں مگر جن نتائج کا شجرہ نسب آج ان سے جوڑا جا رہا ہے، ان کی کوئی مثال برعظیم کی کم از کم ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ دین اور ریاست کے تعلق کو معروضی انداز میں دیکھا جائے۔

یہ سوال کہ 'خلافت' اسلامی اصطلاح ہے یا نہیں؟ اسے خود قرآن کریم سے کیا جائے اور جو جواب ملے، اسے محلے والوں کی ناراضی یا خوش نودی سے بلند ہو کر صدق دل سے مان لیا جائے۔ کیونکہ انسانی تعبیرات و تشریحات بظاہر کتنی ہی خوش منظر اور متاثر کن نظر آتی ہوں، ان کو اللہ کے آخری پیغام اور آخری ہادی علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ارشادات کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اور اگر وہ ان سے ہم آہنگ نہیں ہیں تو ان کو رد کر دیا جائے گا۔(۱۴۲)

## حکومت اور مذہب کی علیحدگی کا تصور:

نظام جمہوریت کی بنیادی عناصر میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ حکومت اور مذہب کا باہمی تعلق ختم کر دیا جاتا ہے۔ یعنی مذہب کو ریاست اور اس کے قوانین و معاملات میں کسی عمل دخل کی اجازت نہیں ہوتی اور جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ: جدا ہو دین سے سیاست، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

چنانچہ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اسلام کی چکی



Marfat.com

گردش میں ہے تو جدھر قرآن کا رخ ہو ا اسی طرف تم بھی گھوم جاو، ہو شیار رہو ! قرآن اور اقتدار عنقریب الگ الگ ہو جائیں گے (خبر دار) قرآن کو نہ چھوڑنا۔" (۱۴۳)

## جمہوریت کی تعریف :

☆☆یونانی مفکر ارسطو (Aristotle) کے مطابق : " ہجوم کی حکمرانی " تاہم وہ جمہوریت کو ناپسند کرتا تھا اور اسے برا قرار دیتا تھا۔

☆☆یونانی مفکر ہیروڈوٹس (Herodotus) کے مطابق : " جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے، جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر کسی مخصوص جماعت یا جماعتوں کی بجائے مجموعی طور پر پورے معاشرے کے ارکان کو حاصل ہوتے ہیں۔ " آج بھی اس تعریف کو جامع اور درست تسلیم کیا جاتا ہے۔

☆☆پروفیسر ڈائسی (Dicey) لکھتا ہے کہ یہ اس قسم کی حکومت ہے جس میں حکمران جماعت مقابلتاً پوری قوم کا ایک بڑا حصہ ہوتی ہے۔

☆☆لارڈ برائس (Lord Bryce) کہتا ہے : " لفظ جمہوریت جس کا استعمال ہیروڈوٹس کے زمانے سے ہورہا ہے، سے مراد ایسی شکل کی حکومت ہے جس میں ریاست کی حکمران طاقت کسی خاص طبقے یا طبقوں کو حاصل نہیں، بلکہ قوم کے تمام ارکان کو حاصل ہوتی ہے۔، قوم کے حکمران کی طاقت اکثریت کے پاس ہوتی ہے۔" (۱۴۴)

☆☆پروفیسر سیلے (Prof. Seeley) کے مطابق : " جمہوریت ایک ایسی حکومت ہے، جس میں سب شریک ہوتے ہیں۔ "

☆☆پروفیسر گیٹل (Prof Gettel) نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے : " یہ ایک ایسی طرز حکومت ہے، جس میں آبادی کا بیشتر حصہ حاکمانہ طاقت کے استعمال میں شرکت کا حق رکھتا ہے۔"

☆☆چارلس ای میریم (Charles E. Merriam) نے اس کی تعریف یوں کی ہے " جمہوریت نہ تو اصولوں کا مجموعہ ہے اور نہ ہی کسی تنظیم کا خاکہ بلکہ یہ ایک طرز فکر اور طرز عمل کا نام ہے جس کا مقصد فلاح و بہبود کا حصول ہو۔"

☆☆ابراہام لنکن (Abraham Lincoln) کے مطابق : " جمہوریت عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے ہوتی ہے۔"

Democracy is the government of the people, by the people for the people. (145)



Marfat.com

☆☆مولانا تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

جمہوریت کا لفظ درحقیقت ایک انگریزی لفظ "Democracy" کا ترجمہ ہے اور انگریزی میں بھی یہ یونانی زبان سے آیا ہے اور یونانی زبان میں "Demo" عوام کو کہتے ہیں۔ "Cracy" یونانی زبان میں حاکمیت کو کہتے ہیں۔ اسی لیے عربی میں جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اسے " دیمقراطیہ " کہا گیا۔ عربی زبان میں جمہوریت نہیں بولتے۔ اردو میں اس کا ترجمہ " جمہوریت " کیا گیا ہے۔ جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہٰذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لیے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع و مانع تعریف میں بھی خود علماء سیاست کا اتنا زبردست اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے ملتی نہیں، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہوں۔ (۱۴۶)

جمہوریت کی تعریف اور تشریح مختلف زمانوں میں مختلف طریقوں سے ہوتی رہی ہے لیکن بنیادی طور پر اس کا مقصد یہ لیا گیا کہ کسی معاشرے میں وہاں کی قانون سازی اور نظم و نسق میں وہاں کے لوگوں کی رائے کے مطابق عمل درآمد۔ قدیم یونان میں جہاں مملکت کا وجود ایک شہر پر مشتمل ہوا کرتا تھا، جمہوریت کا مطلب عوام کی حکومت تھا۔ مشہور امریکی صدر ابراہام لنکن نے جمہوریت کی تعریف اس طرح کی ہے۔ "جمہوریت عوام کی حکومت ہے، عوام کے ذریعے حکومت اور عوام کے لیے ہوتی ہے۔"

جمہوریت کی ایک اور تعریف چیمبرز ڈکشنری کے مطابق یوں ہے۔ "یہ ایسی طرز حکومت ہوتی ہے جس میں اقتدار اعلیٰ مشترکہ طور پر عام بالخصوص عام لوگوں (COMMON PEOPLE) کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، یہ ایسی ریاست یا معاشرہ ہوتا ہے جس کی خصوصیت سیاسی، سماجی یا قانونی مساوات کے حقوق اور مراعات میں برابری ہوتا ہے۔"

مذکورہ بالا تعریفوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں عوام کی شرکت لازمی ہے اور عوام کے منتخب نمائندے ہی اقتدار اعلیٰ کے مالک ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ عوام کی بھلائی کے لیے قانون وضع کرتے ہیں۔ محدود میعاد کے لیے منتخب ہوتے ہیں اور اپنی کارکردگی کے سلسلے میں عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ جمہوری حکومت عوام کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں تفصیل سے بحث کرتی ہے۔ فلاحی ریاست کا تصور بھی پیش کرتی ہے۔ عوام بالواسطہ طور پر حکومت کے معاملات میں شریک ہوتے ہیں اور منتخب نمائندے عوامی منشاء کے مطابق حکومت کے فرائض سر انجام دیتے ہیں۔



Marfat.com

## سیاست :

سیاست لغت میں: مصدر ساس یسوس۔ السوس ضم ہے ساتھ، معنی: فطرت، بنیاد اور عادت ہیں۔ سیاست سے مراد کسی چیز کی نگرانی جس سے اس کی اصلاح ہو۔ سوسہ القوم: قوم نے کسی کو اپنا قائد، منتظم بنایا۔ نیز السیاست: سائس کا کام جو جانوروں کا نگران ہو، انھیں سدھائے اور قابو میں رکھے اور ان کا انتظام کرے۔(۱۴۴)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام بانیان پاکستان کی نظر میں:

پاکستان کے جمہوری اور سیاسی نظام کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے رفقاء کے وہی نظریات ہیں جو کہ اسلام اور بانی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔

قائد اعظم نے فرمایا کہ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض لوگ دانستہ شرانگیزی کیوں کر رہے ہیں اور ان کی جانب سے پروپیگنڈا کیوں ہو رہا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی اساس پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول آج بھی انسانی زندگی پر نافذ العمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے نافذ تھے۔"(۱۴۵)

## فرنٹیئر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کو قائداعظم کا پیغام :

۱۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرنٹیئر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کو قائداعظم نے جو پیغام دیا اس میں کہا تھا کہ "پاکستان کا مطلب صرف آزادی و حریت کا حصول نہیں ہے اس کے معنی مسلم نظریے(اسلامک آئیڈیالوجی) کا تحفظ بھی ہے جس کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ یہ قیمتی تحفے اور بیش بہا خزانے کے طور پر ہمیں ورثے میں ملا ہے اور ہمیں امید ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس خزانے میں ہمارے شریک اور حصہ دار ہوں گے۔"(۱۴۶)

## شاعر مشرق علامہ اقبال نے فرمایا:

" اسلام میں مذہب اور سیاست یا ریاست ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔ ورنہ حکمرانی یکسر چنگیزخانی ہو جائے گی اور سیاست آمریت میں ڈھل جائے گی۔ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی" یہی چنگیزیت تو دراصل سیکولرزم ہے۔ اسلام میں "پوپ ازم" نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی پیشوا آپ ہے۔ مغرب میں پادریوں نے کلیسا کے تحت جو حکمرانی کی تھی اسی کا نام تھیوکریسی پڑا ہے۔ اس لیے وہ تمام مغربی اصطلاحیں جیسے تھیوکریسی، سیکولرزم، فنڈامینٹلزم، سوشلزم، نیشنل سوشلزم، کمیونزم وغیرہ اور اسی قسم کے دوسرے اور۔ اور "ازم" اسلام کے لیے یہ سب اجنبی ہیں(اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔)(۱۴۷)



Marfat.com

## نواب بہادر یار جنگ کی تقریر کا ماحصل:

۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے اجلاس عام منعقدہ کراچی میں نواب بہادر جنگ نے قائد اعظم کے سامنے یہ تقریر کی تھی کہ " یہ حقیقت نا قابل تردید ہے کہ ہم لوگوں کا مطالبہ پاکستان اس غرض سے ہے کہ ایسی مملکت قائم کریں جس کی بنیاد و اساس قرآنی نظام پر رکھی جائے۔" یہی نظریہ مسلم اقلیتی صوبوں کا بھی تھا۔ اگر ذرہ برابر بھی یہ نظریہ سیکولر بنیاد پر ہوتا تو بھارت میں رہ جانے والے مسلمان کبھی پاکستان کی حمایت نہ کرتے اور پاکستان کا معرض وجود میں آنا بھی بہت مشکل ہو جاتا اور مسلم اکثریتی علاقوں کے مسلمان بھی سیکو لرزم کی بنیاد پر پاکستان کے قیام کی تحریک میں حصہ نہ لیتے۔ بہادر یار جنگ کے نظریے کی قائد اعظم نے کوئی تردید نہیں کی۔ سب جانتے ہیں کہ وہ خلاف مزاج اور خلاف اصول باتوں کی گرفت کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتے تھے، فوراً ٹوک دیتے تھے۔ وہ اسی لمحے ٹوک دیتے، لیکن نہیں ٹوکا۔ اس لیے کے نواب بہادر خود قائد اعظم کی ترجمانی کر رہے تھے۔ ان کو قائد اعظم کی حمایت حاصل تھی۔(۱۴۸)

## عیدین کے موقع پر قائداعظم کا پیغام:

قائداعظم عیدین کے موقع پر ہندوستان کے مسلمانوں کو مبارک باد دیتے اور انھیں اسلام اور پاکستان کے حوالے سے خاص پیغام ان تک پہنچاتے۔ ستمبر ۱۹۴۵ء میں عیدالفطر کے موقع پر انھوں نے جو پیغام دیا وہ قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کا پیغام تھا۔ انھوں نے مشہور انگریز مورخ گبن (Gibbon) کا قول دہرایا کہ "قرآن ایک اساسی ضابطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نہ صرف دینی تعلیم بلکہ سماجی اقدار، فوجداری ضابطوں اور قوانین کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے تمام انسانی معاملات اللہ کے احکامات کے ذریعے چلائے جا سکتے ہیں۔" گبن کے اس قول کے بعد انھوں نے فرمایا: "جاہلوں کے سوا ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ایک ظابطہ حیات ہے۔ اس میں مذہبی، سماجی، تجارتی، عسکری، عدالتی، فوجداری اور تعزیری قواعد و ضوابط موجود ہیں۔ مذہبی تقریبات سے لے کر روز مرہ زندگی کا ہر پہلو اس میں موجود ہے۔ یہ روح کو نجات دینے کا ذریعہ بھی ہے اور جسم کو توانا رکھنے کا بھی۔ انھوں نے قرآنی تعلیمات پر عملی طور پر زور دیتے ہوئے کہا کہ "اسلام صرف پوجا پاٹ کا مذہب نہیں بلکہ مسلم معاشرے کی زندگی کے ہر پہلو کے لیے چاہے وہ اجتماعی ہو یا انفرادی ایک مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔"(۱۴۹)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوگا، اس حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح کا مختلف تقاریب سے خطاب:

☆☆ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "پاکستان اسی دن وجود میں آگیا تھا، جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب



Marfat.com

یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے، وطن یا نسل نہیں۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا۔ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد بن گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آگئی۔"(۱۵۰)

☆☆ ہماری بنیاد اور ہماری کشتی کا لنگر اسلام اور صرف اسلام ہے۔ ذات پات کیا، شیعہ سنی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ہم ایک ہیں اور ہمیں بحیثیت ایک متحد قوم ہی کے آگے بڑھنا ہے۔ صرف ایک رہ کر ہی ہم پاکستان کو قائم رکھ سکیں گے۔ ہمارے لیے صرف اسلام ہی کافی و شافی ہے۔(۱۵۱)

☆☆ مسلمان ایک اللہ، ایک کتاب اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیگ کی کوشش یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت کو ایک پلیٹ فارم پر ایک پرچم تلے، جو پاکستان کی قائل ہیں، جمع کر دے۔(۱۵۲)

☆☆ جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ (۱۵۳)

☆☆ یہ زہریلا پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت اور قرآنی اصولوں کو نظر انداز کر دے گی یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اس دوران مسلمانوں کو ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود ہم قرآن کریم پر عمل کرتے رہے۔ اب دفعتاً ہم پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔(۱۵۴)

☆☆ اب میں آپ کو اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہر شخص تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ عہد کرے کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اسے دنیا کی ان عظیم ترین قوموں کی صف میں شامل کرنے کے لیے بوقت ضرورت اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہوگا جن کا نصب العین اندرون ملک میں بھی اور بیرون ملک بھی امن ہوتا ہے۔(۱۵۵)

☆☆ میں صاف طور پر واضح کر دوں کہ پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک مملکت ہوگی، یہ پاپائی (کلیسائی) ریاست نہیں ہوگی۔(۱۵۶)

☆☆ ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اسلام محض رسوم، روایات اور روحانی تصورات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اسلام ہر مسلمان کے لیے ضابطہ حیات بھی ہے جس کے مطابق وہ اپنی روزمرہ زندگی اپنے افعال و اعمال حتیٰ کہ سیاست و معاشیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسلام سب کے لیے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت اور عزت کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہے۔"(۱۵۷)

☆☆ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لوگوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے، یہ پروپیگنڈا



Marfat.com

کر رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں کی جائے گی۔ آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو برس پیشتر ہوتا تھا۔(۱۵۸)

☆☆ اب آپ کو اپنے ہی وطن عزیز کی سر زمین پر اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی عدل اور مساوات انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔ آپ کو ان کے لیے ہر وقت تیار رہنا پڑے گا۔ ہمہ تن ہو شیار۔(۱۵۹)

☆☆ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔ (۱۶۰)

☆☆ نماز جمعہ کی ادائیگی کے حوالے سے ایک واقعہ نیشنل بینک آف پاکستان کے مینجنگ ڈائریکٹر ممتاز حسن نے اپنے مضمون میں درج کیا ہے۔ قائداعظم نے فرمایا کہ میں ایسی مسجد میں جانا چاہتا ہوں جو کسی خاص فرقہ کی نہ ہو اور جس میں عام لوگ نماز پڑھتے ہوں۔ (۱۶۱)

☆☆ مسلمانو: ہماراپروگرام قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں۔ قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے کوئی دوسرا پروگرام نہیں پیش کرسکتی۔(۱۶۲)

## پاکستان میں جمہوری، سیاسی اور اسلامی نظام کی بنیاد:

گیارہ اگست کو قائم ہونے والی آئین ساز اسمبلی نے تفصیلی بحث اور طویل غورو خوض کے بعد مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد منظور کی۔(۱۶۳)

قرارداد مقاصد کے نام سے معروف قرار داد پر تبصرہ کرتے ہوئے لیاقت علی خان نے کہا کہ یہ ہمارے ملک کی تاریخ میں خود ملک کے قیام کے بعد دوسرا بڑا واقعہ ہے۔ قرار داد مقاصد میں وہ بنیادی اصول بیان کیے گئے تھے جن پر پاکستان کے آئندہ آئین کو استوار ہونا تھا۔ قرارداد میں اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ ملک میں اسلام کے بتائے ہوئے جمہوریت، آزادی، مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے گا اور یہ کہ یہاں مسلمانوں کو اپنی زندگیوں کو اسلام کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق گزارنے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ قرارداد کے مطابق اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اور وہ اپنی ثقافت کے فروغ دینے میں پوری طرح آزاد تھیں۔ علاوہ ازیں قرارداد میں بنیادی حقوق کے پورے تحفظ کی یقین دہانی کے علاوہ عدلیہ کی آزادی اور وفاقی طرز حکومت کی ضمانت بھی دی گئی تھی۔ قرار داد میں واضح الفاظ میں کہا گیا تھا کہ کائنات کا مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے، یہ کہ اس کی طرف سے پاکستانی عوام کو یہ ملک مقدس امانت کے طور پر دیا گیا ہے جنہیں اس امانت کا خلوص نیت سے تحفظ کرنا تھا چونکہ مقتدر



Marfat.com

اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے کوئی ادارہ بھی اس کے بنائے ہوئے قوانین سے انحراف نہیں کر سکتا۔(۱۶۴)

قرارداد مقاصد پر آئین ساز اسمبلی کے پانچ مسلسل اجلاسوں میں غور کیا گیا۔ایوان کی واحد مخالف پارٹی پاکستان نیشنل کانگریس نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے یہ اعتراض کیا کہ قرارداد میں مذہب کو سیاست سے خلط ملط کر دیا گیا ہے یعنی دونوں کو آپس میں ملا دیا گیا ہے اور یہ کہ اس کے نتیجے میں پاکستان میں اقلیتوں کی حیثیت ذمیوں کی سی ہو کر رہ جائے گی۔اس قرارداد پر غیر اراکین کا عدم اعتماد بھی واضح تھا۔ان کا خدشہ تھا کہ قرارداد کے نتیجے میں ریاست کو شہریوں کی ذاتی زندگی میں دخل اندازی کا حق حاصل ہو جائے گا۔کانگریس پارٹی کے سربراہ نے قرارداد پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ قرارداد کی منظوری سے پاکستان غیر مسلم " ماشکی او رلکڑ ہارے " بن کر رہ جائیں گے۔(۱۶۵) حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض قدامت پرست علماء بھی قرارداد سے مطمئن نہ تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس میں غیر مسلموں کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔

## دنیائے اسلام :

براعظم افریقہ کے انتہائی شمال میں موجودہ مراکش سے ماریطانیہ تک کی ریاستوں پر مشتمل خطہ ارض سے لے کر بحر ہند میں انتہائی جنوب میں واقع ملائیشیا اور انڈونیشیا کے چمکتے ہوئے ساحلوں تک پچاس سے زائد مسلم ممالک کا ایک سلسلہ موجود ہے۔ان میں بیشتر ملک ایک دوسرے کے ساتھ حلقہ ہائے زنجیر کی طرح منسلک ہیں۔ پاکستان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اس کے تعلقات تمام مسلم ممالک کے ساتھ برادرانہ رہیں۔ اس نے مسلمانوں کے مشترکہ اسرائیل کے خلاف ہمیشہ عالمِ اسلام کی غیر مشروع مدد کی ہے۔(۱۶۶)

## پاکستان کا جمہوری او رسیاسی سفر: ایک جائزہ

جمہوریت کی ایک معروف تعریف کے تحت اسے عوام پر عوام کے ذریعے عوام کی حکومت قرار دیا گیا ہے۔اس تعریف میں لفظ عوام کا تکرار یہ ثابت کرتا ہے کہ جمہوری طرز حکومت کا اصل مقصد کاروبار مملکت میں عوام کی زیادہ سے زیادہ شمولیت کو یقینی بنانا ہے۔جمہوریت میں عوام یا ان کے نمائندے ہی ملک کے حکمران ہوتے ہیں اور ریاستی امور ان کی خواہشات کے مطابق طے کیے جاتے ہیں۔کوئی ایسی حکومت جو عوام کی خواہشات کی نمائندگی نہ کرتی ہو جمہوری حکومت کہلانے کی حقدار نہیں ہو سکتی۔ جمہوریت میں اقتدار کا اصل سرچشمہ عوام ہیں۔ جمہوریت میں حکومتیں صرف اس وقت تک اقتدار میں رہ سکتی ہیں جب تک انہیں عوام کا اعتماد حاصل ہو۔عوام کے سامنے حکومت کی جواب دہی کا تصور جمہوریت کا بنیادی اصول ہے۔(۱۶۷)



Marfat.com

## آئین سازی اور نظریاتی کشمکش:

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائم ہوا۔ قانون آزادی ہند مجریہ ۱۹۴۷ء کے تحت قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کو بعض ترامیم کے ساتھ پاکستان کے لیے عبوری آئین کے طور پر اختیار کیا گیا۔ ۱۹۳۵ء کا قانون متحدہ ہندوستان کے لیے مرتب کیا گیا تھا یہ ایک آزاد اسلامی مملکت کے لیے قطعی غیر موزوں تھا۔ پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی جسے انتقال اقتدار کے وقت بلا شرکت غیرے اختیارات حکمرانی تفویض کیے گئے تھے کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ قومی تقاضوں کے مطابق آئین سازی کے لیے جملہ انتظامات کرے۔ اس اسمبلی کا پہلا اجلاس ۱۱/ اگست کو کراچی میں منعقد ہوا اور اس اجلاس میں قائد اعظم اسمبلی کے صدر چنے گئے۔ اس کی معیاد کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ ابتداء میں اسمبلی کے اراکین کی تعداد ۶۹ تھی جس میں ۱۰ اراکین کا مزید اضافہ کیا گیا۔ اس طرح اراکین کی کل تعداد ۷۹ ہوگئی۔(۱۶۸)

آئین ساز اسمبلی میں یوں تو مسلم لیگی اراکین کی واضح اکثریت تھی لیکن مشرقی بنگال کے کچھ ہندو اراکین اور مغربی حصے کے کچھ سوشلزم اور مغربی نظریات کے حامی افراد بھی اسمبلی میں موجود تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کے بیشتر اراکین بھی ایسا اسلامی نظام نہیں چاہتے تھے کہ جس میں علماء کو ممتاز حیثیت حاصل ہو۔ جدوجہد پاکستان کے دوران بار بار اس بات کا اعلان کیا جاتا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے گا اور تمام فیصلے قرآن و سنت کے مطابق کیے جائیں گے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، سید سلیمان ندوی، مولانا اشرف علی تھانوی، پیر صاحب مانکی شریف، پیر جماعت علی شاہ اور بہت سارے بزرگان دین و علماء نے اسی لیے قیام پاکستان کی حمایت کی تھی۔(۱۶۹)

## بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۵۰:

آئین ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد مختلف کمیٹیاں اور سب کمیٹیاں تشکیل دیں۔ ان سب سے اہم بنیادی اصولوں کی کمیٹی (Basic Principles Committee) تھی اس میں مختلف سیاسی جماعتوں کے ۲۴ نمائندے شامل تھے۔ لیاقت علی خان بحیثیت وزیر اعظم کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے آئین ساز اسمبلی کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ کے اہم نکات حسب ذیل تھے۔

۱۔ وفاقی مقننہ، دو ایوانی ہو، ایوان بالا میں تمام صوبوں کو مساوی اور ایوان زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے۔

۲۔ صدر مملکت کو وفاقی مقننہ کے دونوں ایوان پانچ سال کے لیے منتخب کریں گے۔ اور وفاقی مقننہ جب چاہے اسے دو تہائی اکثریت سے برطرف کرسکتی ہے۔

۳۔ صوبوں کی ایک ایوانی مقننہ ہوگی اور گورنر کی حیثیت صدر کے تنشابہ ہوگی۔



Marfat.com

۴۔ مرکزی اور صوبائی قانون میں تضاد کی صورت میں مرکزی قانون کو بالادستی حاصل ہوگی۔

۵۔ قومی زبان اردو ہوگی۔

پورے ملک میں اس رپورٹ پر سخت تنقید کی گئی۔ رپورٹ میں اسلامی طرز حکومت کی ضمانت نہیں دی گئی تھی۔ قرارداد مقاصد کو نظر انداز کیا گیا تھا۔ بنگالی قائدین مضبوط مرکز کے تصور ہی کے خلاف تھے۔ صدر کے غیر معمولی اختیارات کی وجہ سے آئینی ڈھانچے کو آمرانہ قرار دیا گیا۔ رپورٹ کی مخالفت میں عوام کے جذبات دیکھتے ہوئے لیاقت علی خان نے ایوان سے درخواست کی ان کی تجاویز کو معرض التواء میں ڈال دیا جائے اور عوام سے اپیل کی کہ وہ رپورٹ میں ترامیم کی تجاویز پیش کریں۔ تاہم ۱۶ اکتوبر 1951ء کو راولپنڈی میں انہیں شہید کر دیا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین نے فوری طور پر گورنر جنرل کا عہدہ چھوڑ کر وزیراعظم کا عہدہ سنبھال لیا تاکہ مذکورہ رپورٹ کو اپنی مرضی کے مطابق مرتب کروا سکیں۔ (۱۷۰)

## قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات :

یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو نئے آئین کا نفاذ عمل میں آیا۔ بنیادی جمہوریتوں کے اراکین نے اپریل ۱۹۶۲ میں قومی اسمبلی اور رمئی ۱۹۶۲ء میں صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کو منتخب کیا۔ ۸ جون ۱۹۶۲ء کو قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس راولپنڈی میں ہوا۔ آئین کے تحت ایوب خان نے حلف اٹھایا اور مارشل لاء اٹھالیا گیا۔

**صدارتی انتخابات ۱۹۶۴-۶۵ء:** ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات کے لیے کنونشن مسلم لیگ نے ایوب خان کو صدارتی امیدوار نامزد کیا اور متحدہ حزب اختلاف جماعتوں نے محترمہ فاطمہ جناح کا نام صدارت کے عہدے کے لیے پیش کیا۔ ۳۱ اکتوبر کو مغربی پاکستان اور ۱۰ نومبر کو مشرقی پاکستان میں انتخابات ہوئے۔ ۲ جنوری ۱۹۶۵ کو چیف الیکشن کمشنر مسٹر جی معین الدین نے انتخاباتی نتائج کا اعلان کیا۔ ایوب خان صدر منتخب ہوگئے جبکہ محترمہ فاطمہ جناح کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ انتخابی نتائج کچھ یوں تھے۔ (۱۷۱)

**کل رائے دہندگان ۸۰۰۰۰**

| امیدوار | مغربی پاکستان | مشرقی پاکستان | کل ووٹ | فیصد ووٹ |
|---|---|---|---|---|
| ایوب خان | ۲۸۹۳۹ | ۲۱۰۱۲ | ۴۹۹۵۱ | ۶۲.۴۳ |
| فاطمہ جناح | ۱۰۲۵۷ | ۱۸۴۳۴ | ۲۸۶۹۱ | ۳۵.۸۶ |
| کے ایم کمال | ۹۰ | ۹۳ | ۱۸۳ | ۰۰.۲۲ |
| میاں بشیر احمد | ۵۴ | ۱۱ | ۶۵ | ۰۰.۰۸ |



Marfat.com

## پاکستان میں فوجی اور جمہورتی حکومتیں ۱۹۷۷ء تا حال

### مارشل لاء ۱۹۷۷ء

مارچ سے جولائی ۱۹۷۷ء تک پورا ملک ذوالفقار علی بھٹو مخالف تحریک میں پیش پیش رہا۔ صدر مملکت چوہدری فضل الہی اس صورتحال کا خاموشی سے تماشا دیکھتے رہے۔ آئین کی رو سے وزیر اعظم کے مشورے کے بغیر صدر کوکچھ کرنے کا اختیار نہ تھا۔ صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اختیارات کی تقسیم غیر حقیقت پسندانہ تھی۔ حکومت اور پی این اے کے درمیان مذاکرات تعطل کا شکار ہوگئے۔ اس مشکل سے نکالنے کے لیے فوج کو ایک بار پھر مداخلت کرنا پڑی ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جب آپریشن فیر پلے (Fair Play) روبہ عمل میں آیا تو پورے ملک میں مارشل لاء لگ گیا۔ بری فوج کے سربراہ جنرل ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بنے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں برطرف اور اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔ لیکن اس بار آئین کو منسوخ نہیں کیا گیا بلکہ اس کی بعض دفعات کو معطل کر دیا گیا۔

### تحریک بحالی جمہوریت: ۱۹۸۱ء

۶ جنوری ۱۹۸۱ء کو اہم سیاسی رہنماؤں کی ایک نشست بیگم نصرت بھٹو کی رہائشگاہ ۷۰ کلفٹن میں منعقد ہوئی۔ اس اجلاس میں ۹ مختلف الخیال سیاسی جماعتوں نے مل کر تحریک بحالی جمہوریت (Movement for Restoration of Democray-MRD) کے نام سے ایک متحدہ محاذ تشکیل دیا جس میں پاکستان پیپلزپارٹی، نیشنل ڈیموکریٹک، تحریک استقلال، پاکستان ری پبلکن پارٹی، جمیعت العلمائے اسلام، پاکستان مسلم لیگ (قاسم گروپ) کشمیر مسلم کانفرنس، نیشنل لبریشن فرنٹ، مزدور کسان پارٹی (فتحیاب گروپ) شامل تھیں۔ عوامی تحریک نے ۱۹۸۴ء میں شمولیت اختیار کی جبکہ تحریک استقلال ۱۹۸۶ء میں اس سے علیحدہ ہوئی۔(۱۷۲) ابتدائی اجلاس میں بیگم نصرت بھٹو، خواجہ خیر الدین، سردار عبدالقیوم خان، مولانا فضل الرحمن، سردار شیر باز خان مزاری، اصغر خان، معراج محمد خان اور فتحیاب کے علاوہ دیگر رہنماؤں نے شرکت کی۔

اجلاس کے شرکاء کے دستخط سے ایک اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں شریک جماعتوں نے درج ذیل مقاصد کے حصول کے لیے مشترکہ جدوجہد کرنے کا عہد کیا۔(۱۷۳)

### جمہوریت کی ناکامی کے اسباب

پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی کا بہت رونا رویا گیا اور عام تاثر یہ ہے کہ جمہوریت ہمارے عمومی مزاج کے خلاف ہے۔ کئی مصنفین نے جمہوریت کی ناکامی کا ذمہ دار ملک کی خود غرض، بدعنوان اور نااہل قیادت کو قرار دیا ہے۔ بعض مغربی مبصرین نے اس موضوع پر خیال آرائی کرتے ہوئے جمہوریت کی ناکامی کے اسباب ملک کے اساسی نظریئے یعنی اسلام میں تلاش کیے ہیں۔ معروف مغربی مصنف کلارڈ کے مطابق :



Marfat.com

" اسلام باضابطہ حزبِ اختلاف کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور یہ کہ بہت سے مسلمانوں کے نزدیک اچھی ریاست کا تصور ایک مضبوط لیڈر اور اس کی قیادت میں اپنے مقصد کی لگن سے سرشار اور متحد قوم سے عبارت ہے۔(۱۷۴)یہ تصور کہ جمہوریت ہمارے عوام کے مزاج کے مطابق نہیں ہے اپنی جگہ محل نظر ہے۔ماضی کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ہمارے عوام نے اجتماعی امنگوں کی ترجمانی کرنے والی تمام تحریکوں کی حمایت کی ہے۔لیکن ہوا یہ کہ قیام پاکستان کے بعد انہیں کوئی ایسی عوامی تحریک، سیاسی جماعت یا ہر دلعزیز سیاسی قیادت میسر نہ آسکی جو ان کے اجتماعی جذبوں کی عکاسی کرتی ہو۔دوسری طرف حکمرانوں نے قومی معاملات پر عوام کی رائے دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔قومی افق پر اکثر و بیشتر نوکر شاہی یا غیر نمائندہ سیاست دانوں کا غلبہ رہا۔اگر جمہوریت کی بنیادی تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو ان برسوں کے درمیان پاکستان کے طرز حکومت کو کسی طور بھی جمہوری قرار نہیں دیا جاسکتا۔یہ دور دراصل ایک طرح کی نوکر شاہی کی حکومت کا دور تھا جس میں اقتدار گورنر جنرل، گورنر اور بیوروکریسی کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گیا تھا۔اس صورتحال میں نہ تو ملک میں جمہوری ادارے فروغ پاسکے اور نہ ہی عوام کی سیاسی تربیت کا کوئی انتظام کیا جاسکا۔(۱۷۵)

## جمہوری و سیاسی معاشرے کا قیام عوامی مطالبہ :

جمہوری معاشرے کا قیام ہمیشہ پاکستانی عوام کے مطمع نظر رہا اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ جمہوریت کے نظریہ کو چیلنج کرسکے۔نظریہ پاکستان کا مقصد بھی دراصل ملک میں اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری طرز حکومت کا قیام تھا۔یہ مفروضہ کہ جمہوریت پاکستان میں ناکام ہوچکی ہے ہر اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ملک میں پہلے عام انتخابات ۱۹۷۰ء میں منعقد ہوئے۔اس تمام عرصے میں عوام کو دانستہ طور پر ملک کے سیاسی منظر نامے سے الگ رکھا گیا۔قوم کے خود ساختہ لیڈروں نے پارلیمانی اداروں کو تماشہ بناکر رکھ دیا تھا۔آخر کار طالع آزماؤں کی سازشیں، دن رات بدلتی سیاسی وفاداریاں اور جوڑ توڑ پاکستانی جمہوریت کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوئے۔حقیقت یہ ہے کہ ان سیاستدانوں کی اکثریت کو عوام میں کوئی قابل احترام مقام حاصل نہ تھا اور اگر ملک میں مناسب وقفوں کے بعد عام انتخابات باقاعدگی سے ہوتے رہتے تو ان کی اکثریت میدان چھوڑ کر بھاگ جاتی یا عوام انہیں مسترد کردیتے۔چنانچہ یہ کہنا کہ پاکستانی عوام نے جمہوریت کو مسترد کردیا تھا درست نہیں۔دوسرے لفظوں میں ایسا سوچنا ایک ایسی قوم پر آمریت پسندی کا الزام لگانا ہے جس نے ہمیشہ آمریت کے خلاف جنگ لڑی ہے۔

پاکستان میں جمہوریت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ یہاں جمہوری اداروں کو کھل کر کام کرنے دیا جائے۔سوچنے کا مقام یہ ہے کہ ہندوستان میں پارلیمانی طرز حکومت کامیابی سے کام کرتا رہا جبکہ پاکستان میں اسے المناک انجام سے دوچار ہونا پڑا؟ اسلام جمہوریت کے ارتقاء کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا



Marfat.com

نہیں کرتا اس کے برعکس اسلام کا مدعا جمہوری اقدار کو فروغ دینا ہے۔(۱۷۶)

قیام پاکستان کے بعد معرض وجود میں آنے والی آئین ساز اسمبلی کا مقصد جمہوری آئین کی تیاری کے ساتھ ساتھ نوازئیدہ مملکت کے لیے ایک ذمہ دار حکومت کی تشکیل بھی تھا۔ مگر بدقسمتی سے یہ اسمبلی ان دونوں حوالوں سے بری طرح ناکام ثابت ہوئی کیونکہ اس کے اراکین کی اکثریت بدعنوان اور نااہل تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اسمبلی علاقائی اور مذہبی گروپوں کے دباؤ کے سامنے بے بس ہوتی چلی گئی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء کے دوران مختلف حکومتوں کے تحت نامزد کیے گئے تقریباً ایک تہائی وزراء اسمبلی کے باہر سے لے گئے تھے۔(۱۷۷) آئین ساز اسمبلی کے اراکین ہر قیمت پر اپنے لیے جاہ و منصب کے حصول کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ اس اسمبلی کے ۲۰ میں سے ۱۶ وزیر، اسمبلی کی حیات میں سفیر، گورنر جنرل بنے اور وزارت سے بچھڑنے کے بعد ۶ کے علاوہ سب نے سیاست کو خیر باد کہہ دیا۔(۱۷۸)

**جمہوریت اور قائد اعظم:**

برصغیر کے مسلمانوں نے آزادی کی جنگ قائداعظم کی قیادت میں لڑی تھی۔ قائداعظم کو جمہوریت پر پختہ یقین تھا۔ انہوں نے ۱۹۴۳ء میں فرمادیا تھا کہ " جمہوریت ہمارے خون میں شامل ہے۔ یہ ہماری رگ رگ میں رچی ہوئی ہے۔" (۱۷۹)(۵) آزادی کے بعد قائد اعظم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ وہ عوام کے لیے اعتماد کا سرچشمہ تھے۔ کابینہ میں ان کی رائے قانون کا درجہ رکھتی تھی۔ کیتھ کلارڈ کے بقول " ان کی ذات ملک کا دوسرا نام تھی۔(۱۸۰) (۶) ان کی طاقت کا منبع ان کا عہدہ نہیں بلکہ عوام کے ساتھ ان کا تعلق تھا۔ ان کی موجودگی میں مشرقی پاکستان کے عوام قومی زبان کے مسئلے پر خاموش رہے۔(۱۸۱) (۷) البتہ طلبہ نے کچھ احتجاج ضرور کیا۔ کراچی کی علیحدگی پر بھی سندھ میں کوئی احتجاج نہ ہوا۔ قائداعظم جمہوریت کے بڑے داعی تھے اگر وہ زندہ رہتے تو جمہوری ادارے ان کی سرپرستی میں خوب فروغ پاتے۔(۱۸۲)

پارلیمانی طرز حکومت کی کامیابی کے لیے جمہوری اقدار کی پاسداری کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن پاکستان میں شروع ہی سے ان اقدار کو پامال کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا گورنر جنرل بننے کے بعد لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے کر ایک جمہوری روایت کا آغاز کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ سربراہ مملکت ہونے کی حیثیت میں ان کا تعلق کسی بھی سیاسی پارٹی سے نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انہوں نے ملک کے عوام کے مفادات کا بلاتفریق تحفظ کرنا ہے۔(۱۸۳) قائداعظم کے اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ کسی کو گورنر جنرل کی غیر جانبداری پر حرف گیری کا موقع نہ ملے اور مسلم لیگ کی تنظیم میں کوئی عہدہ نہ دیا جائے گا۔ خیال یہ تھا کہ مسلم لیگ ایک خود مختار ادارے کی حیثیت میں پارلیمانی پارٹی اور وزراء کی کارکردگی پر نظر رکھے گی اور یوں حکومت کا احتساب کرتی رہے گی۔ اگر یہ نظام جاری رہتا تو سیاستدانوں کو



Marfat.com

کھل کھیلنے سے باز رکھنے میں بڑی مدد مل سکتی تھی۔ مگر لیاقت علی خان نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد یہ روایت توڑ دی اور وہ جماعت کے آئین میں ترمیم کے بعد مسلم لیگ کے صدر بھی بن گئے۔(۱۸۴)(۱۳) اس طرح مسلم جمہوری اقدار کا زوال شروع ہو گیا۔ آخر کار مسلم لیگ حکمرانوں کے گھر کی لونڈی بن کر رہ گئی اور ایک آزاد اور خود مختار سیاسی جماعت کے طور پر اس کی حیثیت ختم ہوگئی۔ اس صورت حال کا دوسرا نتیجہ نکلا کہ جب سیاسی قیادت کمزور ہوگئی تو جماعتی اور ملکی معاملات میں بیور کریسی کا اثرور سوخ تیزی سے بڑھنے لگا۔ بیورو کریسی کتنی ہی ایماندار اور اہل کیوں نہ ہو بہرحال سیاسی قیادت کا نعم البدل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ بیورو کریسی کی نہ ہی سیاسی تربیت ہوئی ہوتی ہے اور نہ ہی سیاسی ذہن ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت جلد غلام محمد گورنر جنرل بن گئے جنہوں نے جمہوری روایات کا جنازہ نکال دیا۔(۱۸۵)

جمہوری ممالک میں جہاں سیاسی جماعتیں منظم ہوں اور انہیں اہل قیادت حاصل ہو نوکر شاہی اعلیٰ سیاسی عہدوں کے پیچھے نہیں بھاگتی۔ مگر پاکستان میں بیورو کریٹس کی ایک قابلِ ذکر تعداد سیاسی راہنما بن گئی اور اس نے اس سیاسی خلاء سے پورا فائدہ اٹھایا جو سیاستدانوں کی عمومی نااہل قیادت کے فقدان کی وجہ سے ملک میں موجود تھا۔ چودھری محمد علی سے قطع نظر سیاستدانوں کا روپ اختیار کرنے والے ان بیورو کریٹس کے دلوں میں جمہوری روایات اور اصولوں کا احترام نہ ہونے کے برابر تھا۔ چودھری محمد علی کا معاملہ البتہ مختلف تھا وہ ایک مخلص راہنما تھے اور انہوں نے کبھی اقتدار سے چمٹے رہنے کی کوشش نہ کی۔ ان راہنماؤں کی یکطرفہ پالیسیوں نے پاکستان کی سیاست پر کاری زخم لگائے اور ملک میں جمہوری نظام کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کو وزارتِ اعلیٰ سے برطرف کر دیا حالانکہ وہ اسمبلی میں کامیاب بجٹ پیش کر چکے تھے اور انہیں اراکین کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی۔ مسلم لیگ پر غلام محمد کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس کے نامزد وزیر اعظم کو اسمبلی میں فوری طور پر اکثریت کی حمایت حاصل ہوگئی۔ حالانکہ خواجہ ناظم الدین اس وقت تک پارٹی کے صدر بھی تھے۔ پاکستان کی تاریخ کے اس دور کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کہ غلام محمد ملکہ برطانیہ کے نامزد گورنر جنرل تھے جبکہ خواجہ ناظم الدین عوام کے منتخب نمائندہ تھے۔ آئین کے مطابق وزیراعظم توبرطانیہ سے گورنر جنرل کی تبدیلی کی درخواست کرسکتے تھے مگر گورنر جنرل کو کسی بھی صورت میں اس وقت تک وزیر اعظم کو علیحدہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا جب تک مؤخرالذکر کو اکثریتی پارٹی کی حمایت حاصل ہو۔ چنانچہ اس طرح ملکہ کے نامزد گورنر جنرل نے جو کہ آئین کے تحت محض ایک علامتی سربراہ تھا آئین کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ ایسی مثالیں دنیاکے کسی اور جمہوری ملک میں شاید ہی ملیں۔ جہاں اس طرح کے کارنامے سرانجام دیئے جائیں اور ملک قائم ہوتے ہی جمہوری روایات توڑنے کی روایت ڈالی جائے وہاں جمہوریت کا مستقبل غیر یقینی ہونا قابلِ فہم بات ہے۔(۱۸۶)



Marfat.com

## جمہوریت و سیاست کے حوالے سے ملک و قوم کو درپیش مسائل و چیلنجز :

آج پاکستانی قوم ایسی نازک صورتحال سے دوچار ہے، جو الم ناک بھی ہے اور غم ناک بھی، خصوصیت کے ساتھ پاکستان کے مخلص اور حساس شہریوں کے لیے بہت ہی روح فرسا اور دل ہلا دینے والا منظر سامنے آتا ہے، جب ہم معاشی، معاشرتی اقدار کے طور پر کمزور نظر آتے کہ وطن عزیز قرضوں میں گھرا ہوا ہے، ہماری سرحدیں محفوظ نہیں اور صرف سرحدیں نہیں بلکہ ہماری سرحدوں کو بھی خطرات لاحق ہیں۔ (۱۸۷) علامہ اقبال نے شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا تھا :

وطن کی فکر اے ناداں مصیبت آنے والی ہے
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں(۱۸۸)

اس حوالے سے پاکستان کے ممتاز دانشور پروفیسر خورشید احمد رقمطراز ہیں۔ " اس وقت ہم پر ڈرون حملوں کا تسلسل ہے۔یہ حملے پاکستان کی آزادی،حاکمیت اور خودمختاری پر حملہ اور ہمارے خلاف ایک طرح کا اعلانِ جنگ ہیں۔ امریکا نے پہلے کچھ پردہ رکھا مگر اب ایک سال سے اس نے کھل کر اعتراف کرلیا ہے کہ وہ حملے کر رہا ہے اور کرتا رہے گا،تم جو چاہے کرلو۔آج خود امریکا میں اور عالمی سطح پر ڈرون حملوں کے خلاف موثر آوازیں اُٹھ رہی ہیں۔ امریکا کے قانون دان امریکی قیادت کو چیلنج کر رہے ہیں کہ کانگریس کی واضح اجازت کے بغیر صدر یہ حملے نہیں کرسکتا۔انھیں ٹارگٹ کِلنگ بھی قرار دیا جارہا ہے جو بین الاقوامی قانون اور امریکی قانون دونوں میں ممنوع ہیں۔ پھر یہ اعتراض بھی ہو رہا ہے اور صدرامریکا کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کہ سی آئی اے جو ایک سول اور سراغ رسانی کا ادارہ ہے،اسے اس جنگی اقدام کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔اس کے نتیجے کے اعتبار سے نقصان دہ ہونے کا بھی اعتراف کیا جارہا ہے۔اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے رُوداد پیش کار نے بھی انھیں اقوام متحدہ کے چارٹر کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ لیکن امریکا نے اپنی جارحیت جاری رکھی ہوئی ہے اور پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت کوئی موثر کارروائی کرنے کے لیے تیار نہیں،بلکہ پرویز مشرف نے تو اب سی این این کو دیے جانے والے ایک انٹرویو میں اعتراف کیا ہے کہ اس نے ڈرون حملوں کی اجازت دی تھی۔اس سے پہلے ایک انٹرویو میں اس وقت کے وزیرخارجہ اور آج کے تحریکِ انصاف کے ایک قائد جناب خورشید قصوری نے بھی اعتراف کیا ہے کہ حکومت وقت نے ان حملوں کی اجازت دی تھی۔نیز شمسی ایئربیس کوئی خفیہ چیز نہیں تھی جس کو امریکا دھڑلے سے ان حملوں کے لیے استعمال کررہا تھا اور فوجی قیادت اور وزارتِ دفاع صرف غضِ بصر ہی نہیں کیے ہوئے تھی بلکہ پارلیمنٹ کی کمیٹیوں کے سامنے خود پاکستان کی سرزمین کے پاکستان کے خلاف استعمال ہونے پر لاعلمی کا اظہار کررہی تھی۔(۱۸۹)



Marfat.com

## ☆☆دین اور اساسِ پاکستان پر حملہ:

جس طرح آزادی، حاکمیت اور خود مختاری کا تحفظ جسمانی وجود کی حفاظت ہے، اسی طرح پاکستان کی شناخت، اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی حفاظت اور ترقی روحانی وجود کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ پرویز مشرف اور زرداری، گیلانی، پرویز اشرف اور ان کے حلیفوں کے دور میں پاکستان کی اسلامی اساس کو کمزور اور اس کی شناخت کو تحلیل اور مجروح کیا گیا ہے۔ اسلام اب ہماری قانون سازی اور پالیسی سازی کے لیے مرکزی حوالے کی حیثیت سے باقی نہیں رہا ہے۔ تعلیم میں جو تھوڑا بہت اسلام اور اسلامی تاریخی روایات اور ادب کا حصہ تھا، اسے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کم یا ختم کیا جارہا ہے۔ میڈیا پر اسلام اور اسلامی اقدار کے خلاف ایک جنگ برپا ہے اور جو اسلام اور اسلامی اقدار کے تحفظ کی بات کریں، ان پر 'غیرت بریگیڈ' کی پھبتی کسی جارہی ہے۔ دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کو استہزا کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور صادق اور امین جیسے مقدس الفاظ تک کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ مغرب سے اسلام کے خلاف جو یلغار ہے، اور جہاد اور شریعت کو جس طرح ہدفِ تنقید بنایا جا رہا ہے، یہاں بھی اعتدال پسندی اور لبرلزم کے نام پر اسی کی بازگشت سنائی دے رہی ہے اور 'چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی' کی بزدلانہ اور منافقانہ روش کو عام کیا جا رہا ہے۔ معترضین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسلام، اس کے اصولوں اور تعلیمات کے دفاع کی کوئی کوشش نظر نہیں آتی۔ اگر ایک طرف قوم کو سیاسی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے تو دوسری طرف نظریاتی، تہذیبی اور اخلاقی غلامی کے طوق اس کی گردن میں ڈالنے کی کوشش ہورہی ہے اور حکمران طبقہ اور اشرافیہ ان میں عالمی استعماری قوتوں کے کارندوں کا کردار ادا کر رہا ہے۔ حالانکہ پاکستانی عوام امریکا سے بے زار، اس کی اسلام دشمن اور مسلم کش پالیسیوں پر آتش زیرپا اور اپنے دین اور اپنی اقدار کے تحفظ کے لیے جان کی بازی لگادینے کے لیے تیار ہیں۔ الحمدللہ، عوام اور اہلِ اقتدار میں سے بھی باضمیر افراد پاکستان کے اسلامی تشخص پر دل و جان سے یقین رکھتے ہیں اور حسب موقع اس کا اظہار بھی ہوتا ہے لیکن برسرِاقتدار طبقے کا عمومی رویہ وہی ہے جس کا ذکر ہم نے اُوپر کیا ہے۔ ۱۱ مئی کو عوام کو اس بات کا بھی فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ایک ایسی قیادت کو برسرِکار لائیں جو دین کے بارے میں مخلص اور یک سو ہو اور جو معذرت خواہانہ رویے کی جگہ پورے اعتماد سے اپنے دین اور اپنی اقدار کا تحفظ کرنے کا عزم اور صلاحیت رکھتی ہو۔

## ☆☆امن و امان کی تشویش ناک صورت حال

ایک اور اہم ترین مسئلہ ملک میں امن و امان کی ناگفتہ بہ حالت اور دہشت گردی کے دوردورے کا ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ امریکا کی 'دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ'، نہ ہماری جنگ تھی، نہ ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ ہم اس دلدل میں اپنوں کی ہمالیہ سے بلند غلطیوں کی وجہ سے پھنس گئے ہیں اور جان، مال، آبرو اور آزادی ہر ایک کی پامالی کی شکل میں بیش بہا قیمت ادا کررہے ہیں۔ ۵۰ ہزار سے زیادہ



Marfat.com

افراد جان کی بازی ہار چکے ہیں۔ اس سے دوگنے زخمی ہوگئے ہیں، ۲لاکھ سے زیادہ بے گھر ہوچکے ہیں۔ معاشی اعتبار سے ۱۰۰ارب ڈالر سے زیادہ کا نقصان اُٹھا چکے ہیں اور پورے ملک میں جرائم اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ صرف کراچی میں گذشتہ چار سال میں ۷ہزار سے زیادہ افراد قتل کیے جاچکے ہیں اور قاتل حکمران جماعتوں کی پناہ میں ہیں اور دندناتے پھر رہے ہیں۔

ملک کی فوج ملک کے دفاع کی جگہ خود اپنوں کے خلاف صف آرا ہے اور قوم اور فوج میں اعتماد اور محبت کا جو رشتہ ہے، وہ مجروح ہورہا ہے۔ اس سب کے باوجود امریکا کے عتاب کا بھی ہم ہی نشانہ ہیں اور ہمیں بے وفائی کے طعنے بھی سنائے جارہے ہیں۔ پارلیمنٹ نے تین بار متفقہ قراردادوں کے ذریعے فیصلہ دیا ہے کہ مسئلے کا کوئی فوجی حل نہیں ہے اور ایک آزاد خارجہ پالیسی کے تحت مذاکرات، ترقی اور سدِّجارحیت کے سہ نکاتی فارمولے ہی کے ذریعے معاملات کو حل کیا جاسکتا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ۱۱ مئی کو قوم دوٹوک الفاظ میں ان کو رد کردے جو امریکا کی دہشت گردی کی اس جنگ میں قوم کو جھونکنے کے ذمہ دار ہیں، اور قیادت ان کو سونپیں جو جنگ سے نکلنے اور علاقے کو امریکا کی گرفت سے نکال کر علاقے کے تمام ممالک کے تعاون سے مسئلے کا حل نکالنا چاہتے ہوں۔

## ☆☆سنگین معاشی بحران

پاکستان کا ایک بنیادی مسئلہ معاش کا ہے۔ یہ پانچ سال معاشی اعتبار سے تباہ کن رہے ہیں۔ وہ ملک جو ماضی میں چھے اور سات فی صد سالانہ کی رفتار سے معاشی ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا، آج معاشی جمود، کسادبازاری، افراطِ زر، بے روزگاری اور غربت کے گرداب میں گرفتار ہوگیا ہے۔ گذشتہ برسوں میں مجموعی قومی پیداوار (GDP) کی سالانہ نمو کی رفتار ۶۴سالہ تاریخ میں سب سے کم اوسطاً ۳فی صد کے لگ بھگ ہے، حالانکہ ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۷ء تک اوسط ترقی کی رفتار پانچ اور ۶ فی صد سالانہ کے درمیان رہی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلسل پانچ برس تک ۳فی صد یا اس سے بھی کم رفتارِ ترقی کا چکر ہماری تاریخ میں کبھی نہیں رہا۔ ان پانچ برسوں میں افراطِ زر ۱۰اور ۲۱فی صد کے درمیان رہا جو خود ایک ریکارڈ ہے۔ اشیاے خوردنی کی قیمتوں میں ان پانچ برسوں میں تقریباً ۱۰۰فی صد اضافہ ہوا ہے، یعنی تقریباً ۲۰فی صد سالانہ۔ غربت اور بے روزگاری میں اضافہ ہوا ہے۔ حکومت کی شاہ خرچیوں پر کوئی لگام دینے والا نہیں۔ کرپشن کا یہ عالم رہا ہے کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ان پانچ برسوں میں مجموعی کرپشن کا اندازہ ۸۰۰۰ارب روپے سے زیادہ کا ہے۔ تجارت میں خسارہ، بجٹ میں خسارہ اور سرکاری تحویل میں چلنے والے اداروں کا خسارہ ملکی معیشت پر تازیانہ بن کر گرتے رہے ہیں۔ عوام تڑپ رہے ہیں اور کوئی سننے والا نہیں۔ پاکستان میں ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۹ءتک جتنے قرضے حکومت نے لیے تھے وہ ۶ٹریلین روپے کے قریب تھے جو ان پانچ برسوں میں دگنے سے بڑھ کر ۱۲اور ۱۳ٹریلین روپے کے درمیان ہیں اور ہر روز بڑھ رہے ہیں۔



Marfat.com

اقوام متحدہ کی ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ ۲۰۱۳ء جو شائع ہوئی ہے اس کی رُو سے پاکستان میں ترقی نہ ہونے کے برابر ہے۔ہمارا شمار کم ترقی کرنے والے ملکوں کے زمرے میں ہوتا ہے اور دنیا کے ۱۸۶ ممالک میں ہمارا نمبر ۱۶۴ ہے۔شدید اور انتہائی غربت میں ہمارا مقام نیپال، بنگلہ دیش اور بھوٹان سے بھی خراب اور نیچے ہے،یعنی آبادی کا ۲۷،۴ء فی صد شدید غربت کا شکار ہے۔عمومی غربت کو اگر دو ڈالر فی کس یومیہ کی آمدنی کی بنیاد پر شمار کیا جائے تو آبادی کا ۶۰ فی صد اس عذاب میں مبتلا ہے۔ایک طرف معیشت کا یہ حال ہے اور دوسری طرف حکمرانوں کی شاہ خرچیوں اور بدعنوانیوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شرم و حیا کا کوئی وجود ہمارے معاشرے میں باقی نہیں رہا ہے۔

صدر اور وزیراعظم کے سرکاری محلوں کا خرچہ ایک سے دو لاکھ روپے یومیہ ہے۔معاشی پالیسی سازی کے باب میں مجرمانہ رویے کی ایک مثال یہ ہے کہ پانچ سال میں پانچ بار وزیرخزانہ تبدیل ہوئے ہیں، چھے بار وزارتِ خزانہ کے سیکرٹری بدلے گئے ہیں اور چار بار اسٹیٹ بنک کے گورنر کو تبدیل کیا گیا ہے۔ستم یہ ہے کہ گذشتہ چار برسوں میں صرف ایس آر او کے ذریعے اپنے چہیتوں کو ٹیکس سے رعایت کی مد میں ۱۹۱۷ارب روپے کی چھوٹ دے کر خزانے کو اس رقم سے محروم کیا گیا ہے،اور دوسری طرف سرکاری انتظام میں چلنے والے اداروں کو جن میں اپنی پسند کے ہزاروں افراد کو سیاسی بنیادوں پر کھپایا گیا ہے اور جن کی قیادت اپنے من پسند کرپٹ اور نااہل افراد کو سونپی گئی ہے خسارے کے جہنم میں جھونک دیا گیا ہے۔صرف ان پانچ سال میں سرکاری خزانے نے ان اداروں کو جو رقم مدد کے نام پر دی ہے وہ ۸،۱ء ٹریلین روپے ہے۔(۱۹۰)،انا للہ وانا الیہ راجعون۔(۱۹۱)

## ☆☆قیادت کا بحران :

بدقسمتی یہ ہے کہ نصف صدی سے زائد کا عرصہ گزر گیا، آج تک اسے وہ لیڈر میسر نہیں آئے جو پاکستان کو بلدہ طیبہ بناتے۔اس کے برعکس، جس جس کے ہاتھوں میں زمام کار، آئی اس نے پاکستان کے قیمتی انسانی وسائل بے دردی کے ساتھ ضائع کیے۔جوانوں کی جوانی، بوڑھوں کی فرزانگی، اہل علم کی دانش، محنت کاروں کی محنت، سب رائیگاں جاتی رہی۔جو قدرتی وسائل موجود تھے، ان سے بھی ان کی غفلت کے باعث استفادہ نہیں کیا جاسکا۔کھیتوں کی پیداوار کم ہوتی گئی، پانی کی فراہمی گھٹتی تھی اور جو نئے وسائل وجود میں آئے بھی، تو ان انہوں نے دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور ان پر داد عیش دینے میں مصروف رہے۔(۱۹۲)

## جمہوری سیاسی نظام کے حوالے سے ملک و قوم کو درپیش چیلنجز اور مسائل کا حل، قرآن کریم اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ رہنمائی کی روشنی میں

## اسلام کے سیاسی جمہوری نظام میں مملکت و حکمرانی کا تصور و اہمیت

۱۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوٓا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا



Marfat.com

وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۹۳) ترجمہ: " اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ: "اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔" کہنے لگے: " بھلا اس کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آگیا؟ ہم اس کے مقابلے میں بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اس کو تو مالی وسعت بھی حاصل نہیں۔" نبی نے کہا: " اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے۔ اور انہیں علم اور جسم میں زیادہ وسعت عطا کی ہے اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

۲۔ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۱۹۴) ترجمہ: اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو اور نفسیاتی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گا"

۳۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۱۹۵) ترجمہ:" یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے۔"

۴۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۱۹۶) ترجمہ: " بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بے شک اللہ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز دیکھتا ہے، اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار (حکمران) ہوں، ان کی بھی۔"

۵۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ترجمہ:" او ر جولوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا۔ (۱۹۷)

۶۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُؗ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ترجمہ: " کہو کہ اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار (حکمرانی) بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اقتدار (حکمرانی) چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کردیتا ہے۔ تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقینا تو ہر چیز پر قادر ہے۔"(۱۹۸)



Marfat.com

۷۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰـكُمْ ۭاِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮوَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ: " وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے (منصب) دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، یہ حقیقت ہے کہ تمہارا رب جلد سزا دینے والا ہے اور یہ (بھی) حقیقت ہے کہ وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔"(۱۹۹)

۸۔ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (۲۰۰) ترجمہ: اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف سے فیصلہ کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے،

۹۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۰۱)ترجمہ:"اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ لوگ کافر ہیں۔ "

۱۰۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۰۲)ترجمہ:"اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ لوگ ظالم ہیں۔ "

۱۱۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۲۰۳)ترجمہ:"اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ لوگ فاسق ہیں۔ "

۱۲۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ترجمہ:"یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت دی تھی اور ہم نے انہیں پاکیزہ اور نفیس روزیاں دی تھیں اور انہیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی۔"(۲۰۴)

۱۳۔ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭوَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۲۰۵) ترجمہ: "بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں ان کے لیے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟"

۱۴۔ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ترجمہ: "اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکومت دی تھی اور بات کا فیصلہ کرنا۔" (۲۰۶)

## نظام مملکت اور جمہوریت وسیاست پر مبنی تصور حکمرانی: احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں:

۱۔ "تمہارے اچھے حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم اُن کے لیے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کریں۔ اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم اُن پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ ہم نے عرض کیا



Marfat.com

:یارسول اللہ! کیا ہم اُس وقت اُن کا عہد اُن کی طرف نہ پھینک دیں؟ (یعنی کیا اُن کی اطاعت سے دستکش نہ ہو جائیں؟) فرمایا: نہیں! جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے ہیں۔ (۲۰۷)

۲۔ "بدعہدی کرنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور یہ اعلان ہو گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی بد عہدی ہے۔" (۲۰۸)

۳۔ "جانتے ہو کون لوگ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں سب سے پہلے جائیں گے؟ حضرات صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا: وہ لوگ کہ جب اُن کے سامنے حق کو پیش کیا جائے تو اُسے قبول کرلیں، جب حق اُن سے مانگا جائے تو بخوشی ادا کردیں، اور جب لوگوں کے حق میں فیصلہ کریں تو ایسا کریں جیسا خود اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔" (۲۰۹)

۴۔ "خبردار رہو، تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمراں ہو وہ بھی راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ۔" (۲۱۰)

۵۔ "کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا، تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔" (۲۱۱)

۶۔ "کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے، پھر اس کو ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً نہ داخل ہو گا۔" (۲۱۲)

۷۔ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا منصب ایک امانت ہے، اور قیامت کے روز وہ رسوائی اور ندامت کا موجب ہو گا، سوائے اس شخص کے جو اس کے حق کا پورا پورا لحاظ کرے اور جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اسے ٹھیک ادا کرے" (۲۱۳)

۸۔ "کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے۔" (۲۱۴)

۹۔ "جو شخص ہماری حکومت کے کسی منصب پر فائز ہو وہ اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کرلے، اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کرلے، اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر لے لے، اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سواری لے لے۔ اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے وہ خائن ہے یا چور۔" (۲۱۵)

۱۰۔ " جو شخص دس یا دس سے زیادہ لوگوں پر بھی حاکم بنا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی حالت میں پیش ہو گا کہ اُس کے ہاتھ گردن میں بندھے ہوئے ہوں گے، پھر یا تو اس کی نیکی



Marfat.com

اور اس کا عدل اسے رہائی دلادے گا یا اس کا گناہ اور جرم اسے ہلاک کردے گا، حکومت کا ابتدائی حصہ ملامت ہے، درمیانہ حصہ ندامت ہے اور اس کا آخری حصہ (انجام) قیامت کے دن ذلت ورسوائی ہے۔" (۲۱۶)

## اسلامی فلاحی مملکت کا مختصر خاکہ:

اسلامی ریاست کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے۔ اس ریاست کی بنیاد نہ نسل پر ہے اور نہ رنگ پر، نہ زبان پر ہے اور نہ وطن پر، نہ محض معاشی مفاد کا اشتراک اس کی اساس ہے اور نہ محض سیاسی الحاق۔ اس ریاست کی اصل بنیاد یہ ہے کہ یہ اسلامی نظریۂ حیات کی علمبردار، اس کی تابع اور اس کو قائم کرنے والی ہے۔ جو ریاست خدا کی سیاسی حاکمیت کا اعلان کرے اور اس کے قانون کو نافذ کرنے والی بنے وہ اسلامی ریاست ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر ریاست کی طرح اسلامی ریاست کے لیے بھی ایک متعین علاقہ اور آبادی ہونا ضروری ہے، اور اس سر زمین کی حفاظت اور اس کے رہنے والوں کی فلاح و بہبود ہر لحہ اس کے سامنے رہتی ہے لیکن اسلامی ریاست کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک نظریاتی ریاست ہے اور ایک ایسے اصول کی داعی ہے جو تمام انسانوں کے لیے یکساں ہے۔ (۲۱۷)

## اسلامی فلاحی ریاست اور اس کا مقصد وجود:

اسلامی تعلیمات چونکہ پوری انسان زندگی پر حاوی ہیں، اس لیے اسے مکمل دین کہا گیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۲۱۸) ترجمہ: "آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور اسلام کو تمہارے دین بننے کے لیے پسند کرلیا۔"

اس کامل دین میں انسان کی معاشی، معاشرتی، تمدنی وثقافتی، اخلاقی و روحانی نیز سیاسی زندگی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے اصول موجود ہیں۔ اسلام زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اسلام کی یہی وہ خصوصیت ہے جو اسے تمام ادیان اور نظامہائے فکر سے ممتاز کرتی ہے۔ اسلام نے ریاست کے متعلق جو تعلیم دی ہے وہ بھی دیگر ریاستوں کے اصولوں سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اسلامی ریاست میں اقتدار اعلی اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے اور وہی تمام احکام و فرامین کا سر چشمہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۲۱۹) ترجمہ "اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔"

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (۲۲۰) ترجمہ: "اب تو فیصلہ اللہ ہی کا ہے جس کی شان بہت اونچی، جس کی ذات بہت بڑی ہے۔"



Marfat.com

وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۲۲۱) ترجمہ:" اور حکم اسی (اللہ) کا چلتا ہے اور اسی کی طرف تم سب واپس بھیجے جاؤ گے۔"

## اسلامی ریاست میں حکمرانوں کے فرائض و ذمہ داریاں:

اسلامی ریاست کا مقصد ریاست کے تمام افراد کو احکام خداوندی کا پابند بنانا اور ان کی معاشی و معاشرتی بہبود کا خیال رکھنا ہے۔ اسلامی ریاست کے فرائض میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جو جدید ریاست کے فرائض میں ہیں بلکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے ان سے بڑھ کر بھی کچھ فرائض رکھتی ہے جن کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ شریعت اسلام کا نفاذ۔ ۲۔ نظام شوریٰ کا قیام۔ ۳۔ اجتماعی عدل کا قیام۔
۴۔ انسانی حقوق کا تحفظ۔ ۵۔ مساوات۔ ۶۔ غیر مسلموں سے رواداری۔

اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان فرائض سے عہدہ برآ ہو۔ قرآن و سنت میں ان فرائض کے متعلق واضح ارشادات ملتے ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر ہم دنیاوی و اخروی فلاح حاصل کرسکتے ہیں۔ (۲۲۲)

## عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمہوری سیاسی تصورات پر مبنی اسلامی فلاحی ریاست کی تشکیل:

اسلام کے صدر اول میں اسلامی فلاحی ریاست کے تصور کی اس عملی شکل کی روشنی میں فقہاء کرام نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کرے، تاکہ کوئی فرد بھی محروم المعیشت نہ رہے۔ اس سلسلے میں اسلامی ریاست کو وسیع اختیار حاصل ہیں اور بوقت ضرورت فلاحی نظام کے ہدف کے حصول کے لئے ریاستی طاقت بھی استعمال کی جاسکتی ہے، تاکہ مالی لحاظ سے مستحکم اصحاب کے وسائل میں سے ضرورت مندوں کو ان کا حصہ دلایا جائے۔ شاہ ولی اللہؒ اسلامی فلاح ریاست کو ایک اور تجویز بھی دیتے ہیں:"اور بعض جگہ زکوٰۃ کے مصرف سے شہریوں کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی۔ تب اس میں وسعت پیدا کرنا ضرروری ہو جا تا ہے تاکہ شہریوں کی ضرورتوں کو کماحقہ، پورا کیا جاسکے۔"(۲۲۳) قرآن اسلامی فلاح ریاست کو ایک جنگ کا نام دیتا ہے جس کی تشکیل کے بنیادی تقاضوں میں خوراک، لباس اور چھت کی فراہمی ہے اور یہ گویا بنیادی ضروریات زندگی کی ذمہ داری اٹھانا ہے: ارشاد ربانی ہے : " وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ "ترجمہ:"اور وہ (جنتی) کہیں گے کہ :"تمام تر شکر اللہ کا ہے جس نے ہم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین کا ایسا حکمراں بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانہ بنالیں، ثابت ہوا کہ بہترین انعام (نیک) عمل کرنے والوں کا ہے۔" (۲۲۴)



Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطالعے سے اس بات کی کئی شواہد سامنے آئے ہیں کہ آپ وسائل معاش کی عادلانہ تقسیم چاہتے تھے اور ایسی سوسائٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ تھی جس میں افراد کے درمیان معاشی تفاوت ہو۔ حضرت جریرؓ کی روایت ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ مضر کے کچھ لوگوں کو دیکھا۔ جن کے چہروں سے شدید فاقہ کے آثار ہویدا تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر مجمع کے سامنے سورۃ النساء اور سورۃ الحشر کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن میں سب انسانوں کو ایک ہی آدم کی اولاد قرار دیا گیا ہے اور جن میں آخرت کے لئے توشہ بھیجنے کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ (۲۲۵) یہ حدیث اس امر کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ معاشی طور پر کمزور افراد کی کفالت اجتماعی فریضہ ہے اور اس سے غفلت برتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک شدید قابل مذمت فعل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فرمودات، جن سے آجر اور مستاجر کے درمیان تعلقات کی نوعیت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور سامنے آتا ہے، سے بھی ایک فلاحی معاشرے کا خاکہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔" (۲۲۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے معمولی سے معمولی ماتحتوں کے ساتھ برابر سے کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تشریف لے گئے اور سفر کے دوران ساتھیوں کو بکری بھوننے کا حکم دیا۔ ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کو ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں اس کا گوشت تیار کروں گا۔ تیسرے صاحب نے اس کو پکانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ (۲۲۷) ارشادِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "اسلامی حکومت ہر اس شخص کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔" (۲۲۸)

## اسلامی جمہوری نظام میں تصور حکومت، بطور امانت :

یہ اسلام کا تصور حکومت ہی تھا جس نے حکمرانوں کو حاکم کی بجائے خادم کے طور پر کام کرنے کا تصور دیا "سیدالقوم خادمھم" (۲۲۹) ترجمہ " قوم کا سربراہ اس کا خادم ہوتا ہے۔" اور یہ کہ حکمرانوں کی اطاعت مشروع ہے، جب تک امیر اطاعت الٰہی کا منکر نہ ہو، اس کی اطاعت بھی مسلمانو ں پر ضروری ہے۔ (۲۳۰) مغرب میں اسلام کے سیاسی فلسفہ کے زیر اثر حکومت کے خادم اور امین ہونے کا تصور پروان چڑھا۔ جان لاک کی تصنیف " سول گورنمنٹ " کے مطابق

> "حکومت اس لیے تشکیل دی گئی کہ وہ انتظامی کام ایک امانت دار یا ایک کارندے کے طور پر معاشرے کی نمائندگی کرتے ہوئے کرے۔" (۲۳۱)

آج دنیا میں برطانیہ اور امریکہ کے نظام ہائے حکومت کو مثالی آئینی ودستوری نظام تصور کیا جاتا



Marfat.com

ہے، مگر تاریخ شاہد ہے کہ جدید دنیا کے موجودہ ترقی یافتہ نظام انسانی تہذیب کے بانی قرار نہیں دیئے جاسکتے۔برطانیہ میں شاہ اول کنگ ہنری نے "Charter of Liberties" کے ذریعے کلیسا اور اشرافیہ کے آئینی کردار کو تسلیم کیا۔اس تصور کو مزید وسعت اس وقت ملی جب شاہ جان اول کو برطانوی اُمراء نے ۱۲۱۵ء میں محضر کبیر (میگنا کارٹا)(۲۳۲)پر دستخط کرنے پر مجبور کیا۔یہ برطانیہ کے دستوری سفر کا آغاز تھا جس کا اہم حصہ Habeas Corpus تھا یعنی بادشاہ بغیر قانونی جواز کے کسی کو بھی قید، جلاوطن یا قتل نہیں کرسکتا۔اس طرح برطانوی شہنشائیت بتدریج آئینی شہنشائیت میں بدلتی گئی۔(۲۳۳)

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور سربراہ مملکت:

صدر ریاست کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا تمام تر انحصار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دوستانہ رویہ کا مرہون منت ہے جو بلا امتیاز ملک و ملت ہر فرد کے ساتھ یکساں تھا۔گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک امارت و حکومت کا حقیقی مفہوم یہ تھا کہ رعایا کے تمام معاملات میں حکمرانوں کا چلن و اطوار دوستانہ ہمدردی اور مخلصانہ رہنمائی کا ہو۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماں روائی کے وہ تمام حقوق حاصل تھے جو شاید ایک عظیم المرتبت شہنشاہ کو بھی نصیب نہ ہوں۔۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی حکومت بھی حاصل تھی۔

۲۔ دینی سرداری بھی موجود تھی۔

۳۔ شخصی عظمت سے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح بہرہ مند تھے۔

۴۔ دنیاوی بادشاہت کا ہر اختیار آپؐ کے پاس موجود تھا اور آپؐ ایک مطلق العنان حاکم کی طرح تخت حکومت پر بلا شرکت غیرے جلوہ افروز ہوسکتے تھے۔

۵۔ ایک ایسے نبی اور پیغمبر کی حیثیت آپؐ کو حاصل تھی جو لوگوں کے مقابلہ میں معلومات کے ایسے ذرائع رکھتے ہوں جن کا تعلق غیبی خبروں سے ہے۔

۶۔ شخصیت کے رعب و دبدبہ اور حسب و نسب کی برتری کے لحاظ سے بھی آپؐ بے مثال شخصیت کے مالک تھے۔

لیکن اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مطلق العنان حکمران بننے کی کوشش نہیں فرمائی، بلکہ رعایا کہ ساتھ ہمیشہ ایک مخلص دوست کا سا برتاؤ فرماتے رہے۔چنانچہ تمام معالات میں باہمی صلاح اور مشورے سے کام کرتے اور اپنے ساتھیوں اور زیر دستوں اور عاجزوں کی خوشنودی کا ہر وقت خیال رکھتے۔صرف یہی نہیں بلکہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت امیر کے لئے بنیادی شرط رعایا کی رضامندی اور خوشنودی کو قرار دیا۔حتیٰ کہ جس امام کو مقتدی ناپسند کرتے ہوں اس کی امامت کو ناجائز قرار دیا۔(۲۳۴)



Marfat.com

بعض صحابہ کرامؓ نے مختلف ممالک سے آئے ہوئے وفود کی حیرانی کو محسوس کرتے ہوئے سوچا کہ کہیں یہ لوگ دین اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم نہ کرلیں۔ ان صحابہ کرامؓ کی رائے یہ تھی کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیرونی ممالک سے آئے ہوئے وفود سے ملاقات کے وقت عمدہ قسم کا بھاری بھرکم لباس زیب تن فرمائیں تاکہ ان اجنبی لوگوں پر اسلام کا رعب پڑسکے۔ یہ تجویز دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کون پیش کرے۔ کوئی صحابیؓ بھی یہ ہمت نہیں کررہا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوجائیں، آخر کار سب کے کہنے پر حضرت عمرؓ نے یہ شاہی لباس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ اسے بیرونی وفود کی آمد پر زیب تن فرمالیا کریں اور یہ جمعہ کے دن بھی کام آئے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہن کر خطبہ بھی دے سکتے ہیں۔ ظاہر یہ تجویز پیش کرتے وقت حضرت عمرؓ نے اس زمانہ کے بادشاہوں کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کو ذہن میں رکھا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: "مسلمانوں کا پیشوا جاہ و جلال کے لیے مبعوث نہیں ہوا اور جو شخص اس کو پہنتا ہے، آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ " (۲۳۵)

حضرت ابو مسعودؓ بتلاتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب کی وجہ سے) اس کے کاندھے کانپنے لگے۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا، گھبراؤ نہیں: "میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو ایسی (عام غریب) خاتون کا بیٹا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔ "(۲۳۶) یہ ایک سادہ لوح دیہاتی ہے، جو مدینہ منورہ میں آتا ہے اس کے دل میں بادشاہوں کا جو تصور تھا، اسی تصور کو وہ اپنے ذہن میں لیے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کو آتا ہے، اسے یہ تو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حکمران بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پوری طرح واقف تھے کہ حقوق شہریت کے لحاظ سے موافق اور مخالف یکساں سلوک کے مستحق ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو حکم دیا۔ "مظلوم کی بد دعا سے ڈرو، اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مظلوم کی بد دعا کو خدا تک پہنچنے میں کوئی چیز مانع نہیں۔ " پھر جب ایک صاحب شریعت پیغمبر یہ بات کہتے ہیں تو عام حاکموں کے لئے تو یہ بات زیادہ ضروری ہے کہ وہ ہر معاملے میں عدل و انصاف کی میزان قائم رہیں۔ حکومت اور فرماں روائی کا مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں دوستی، ہمدردی اور خیر خواہی کے سوا اور کچھ نہ تھا اور اسی چیز کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو تلقین فرمائی۔ (۲۳۷)

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت کی اہم نظیر: (عظیم سیاسی مدبر و منتظم):

اس ہمہ گیر اور جامع شخصیت کے جس پہلو کا ہم یہاں ذکر کریں گے وہ ان کا تدبر وانتظام ہے۔



Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن تدبر اور حسن انتظام سے روئے زمین پر ایک ایسی مثالی سلطنت اور نمونے کا ایسا معاشرہ قائم کیا، جس کے لیے چشم فلک آج تک ترس رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے جب تاریخ کا طالب علم یہ جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کارنامہ اس ماحول اور ان حالات میں سر انجام دیا جب کہ عام آدمی کو معمولی سی تبدیلی بھی کوہ گراں معلوم ہوتی تھی۔ بقول موسیو گال لیبام: " ساری دنیا کا مطلع فتنہ وفساد کے سیاہ بادلوں سے تیرہ و تار تھا۔ عالم ارضی کی فضا وحشیانہ بے چینیوں کے غلیظ و کثیف بادلوں سے تاریک تھی۔ دنیا کے ہر حصہ میں ہر انسان اچھے ذرائع اختیار کرنے کی بجائے شرارت آمیز وسائل پر اعتماد کرتا تھا۔ امن و اطاعت پر جنگ اور میدان جنگ کو تفوق حاصل تھا۔ مال غنیمت سے خزانوں کو بھرنا، قوموں، شہروں، اور شرفاء پر غارت ڈالنا ایسے کارنامے تھے جو اس ساری تاریخ میں قابل ذکر ہیں۔ (۲۳۸) ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صالح نظام حکومت کی بنیاد رکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے اس پہلو پر ایک غیر مسلم مصنف "رگینالڈ بوزورتھ اسمتھ"(۲۳۹) کہتا ہے :

"He was Caesar and Pope in one; but he was Pope without Pope's pretensions, Caesar without the legions of Caesar: without a standing army, without a bodyguard, without a palace, without a fixed revenue; If ever any man had the right to say that he ruled by the right divine, it was Mohammed, for he had all the power without its instruments and without its supports."(240)

"وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اکیلا ہی قیصر (قیصر روم) بھی تھا اور پوپ بھی۔ لیکن وہ ایسا پوپ تھا جس میں (کلیسا کے) پوپ جیسی ریاکاری نہ تھی، وہ ایسا قیصر تھا جس کے پاس قیصر روم کی افواج جیسا جم غفیر نہ تھا: یعنی ایک پیشہ ور فوج کے بغیر، بنا کسی محافظ کے، بنا کسی شاہی محل کے اور بغیر کسی متعین شدہ آمدنی کے۔ اگر کسی شخص کے پاس یہ حق ہے کہ وہ کہہ سکے کہ اس نے ایک خداداد طریقے پر حکومت کی ہے تو ایسا شخص صرف محمد ہی ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس تمام تر طاقت موجود تھی اور وہ بھی طاقت کی ہر قسم کی بیساکھیوں اور بیرونی امداد کے بغیر۔"

قرآن پاک نے اسلامی ریاست کا مقصد متعین کردیا ہے: اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۴۱) ترجمہ: " یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰہ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے۔"

یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے طریق کار کو متعین کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول اور عوامی بہبود تھا۔ اس حکومت کی بنیاد خاندانی عصبیت



Marfat.com

اور نسلی شعور کی جگہ دینی وحدت پر قائم تھی۔(۲۴۲) اس انوکھی اور اپنی نوعیت کی منفرد ریاست کے منتظم کا انداز بھی عام حکمرانوں سے مختلف تھا۔ منتظم ریاست کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر کی بے شمار مثالیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت کا پتہ دیتی ہیں۔ مدبر کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں کو امور داخلہ اور امور خارجہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زبردست مدبر کی حیثیت سے داخلہ اور خارجہ پالیسیوں کو مرتب کیا کہ ہمیشہ کامیابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم چومے۔ اور اگر کہیں ناکامی ہوئی تو اس کا سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر سے انحرام یا گریز تھا۔(۲۴۳)

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور منتظم اور سرکاری وسائل و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال:

یہاں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ انتظامی معاملات میں اکیلا ایک شخص خواہ کیسا ہی باہمت اور صاحب عزم کیوں نہ ہو، ہمہ جہتی انقلاب برپا نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ ایک مضبوط کردار کی باسلیقہ جماعت نہ ہو۔ ایک ایسی جماعت جس کا زاویہ فکر و نظر اپنے قائد کے انداز فکر سے مختلف نہ ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص تن تنہا ایسی پالیسی وضع کر دے جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور محیط ہو اور جس کے اثرات اتنے دور رس ہوں کہ پورا نظام اس سانچے میں ڈھل جائے جو سانچہ اس کے واضع نے تیار کیا ہے اور اسی لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظامی صلاحیتیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثال ہیں۔ (۲۴۴)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نجات دہندہ انسانیت وسیاسی مفکر:

لفظ سیات عربی زبان کا لفظ ہے عربی کی مستند ڈکشنریوں جیسے " لسان العرب " اور " تاج العروس" وغیرہ میں اس کے متعلق جو لکھا گیا ہے وہ یہ کہ لفظ سیاست سَاسَ یَسُوسُ کا مصدر ہے اور اس کے معنی ہیں" القیام علی الشیء بما یصلحه "کسی شے کی اصلاح کے لیے ایسی تدابیر عمل میں لانا جن سے اس کی صلاح و درستی ہوسکتی ہو۔(۲۴۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ میں سیاست کا عام معنی صاف طور پر نظر آتا ہے اور خاص معنی و مطلب بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے اس کی کچھ تفصیل پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کردینا بھی مناسب اور مفید سمجھتا ہوں کہ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اس کے اندر لفظ سیاست کہیں کسی شکل میں بھی استعمال نہیں ہوا البتہ بعض احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا استعمال ضرور ملتا ہے۔(۲۴۶) ایک حدیث کے الفاظ ہیں" کان بنو اسرائیل یسوسھم انبیاؤھم " ترجمہ: " بنی اسرائیل کی سیاست ان کے نبی کیا کرتے تھے۔" (۲۴۷)اس کا مطلب جیسا کہ خود قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے بعض نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ملک اور بادشاہ بھی تھے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام چنانچہ و



Marfat.com

قوم کی روحانی، دینی اور اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کی دنیوی اور مادی اصلاح بھی فرماتے تھے اسی چیز کو حدیث مذکور میں سیاست سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

سیاست کے معنی و مطلب کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں سیاست اپنے کامل معنوں میں جلوہ گر نظر آتی ہے عام معنی و مطلب کے لحاظ سے بھی اور خاص معنی و مطلب کے اعتبار سے بھی۔ سیاست کا عام معنی و مطلب جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ کہ کسی بگڑی ہوئی چیز کی اصلاح و درستگی کے لیے ایسی تدابیر اختیار کرنا اور عمل میں لانا جن سے اس کا بگاڑ دور ہوکر اس کی اصلاح و درستی ہوجاسکتی ہو۔ یہ سیاست حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ میں اپنی اعلیٰ ترین صورت سے اس طویل جدوجہد میں نظر آتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عرب معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں مسلسل ۲۳ سال تک فرمائی اور پھر اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کامیابی نصیب ہوئی جس کی دنیا میں کہیں کوئی مثال اور نظیر نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کہ " دنیا کے سو بڑے انسان "کتاب میں مائیکل ہارٹ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن میں سب سے زیادہ کامیاب ہونے والا نمبر اول پر لکھا ہے۔(۲۴۸)

دنیا کے سیاسی پر عمومی اور عرب کے سیاسی نظام پر بحث کی جائے گی تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی حکمت عملی کی برتری اور فوقیت ظاہر ہوسکے۔ جب ہم بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کے متمدن دنیا پر نظر دوڑاتے ہیں۔ تو بادشاہت کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ مصر، عراق، روم، ایران، جاپان، چین اور ہندوستان سب پر بادشاہ حکمران تھے، وہ مطلق العنان تھے۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات وقت کے العنان تھے۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات ہوئی تھی۔ بعض ممالک میں بادشاہِ وقت کو لوگ دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ ان کے سامنے سربسجود ہوتے اور ان کی الوہیت کے گیت گاتے تھے۔ ان کی ذات تمام عیوب سے منزہ سمجھی جاتی تھی۔ وہ اللہ کے نائب ہی نہیں بلکہ اس کے شریک تصور کیے جاتے تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ ہوتا تھا۔ جب دربار کرتا تو حکام، شہزادے اس کے اردگرد نہایت ادب کے ساتھ بیٹھتے۔ اس کا ولی بالعموم بادشاہ کا بڑا لڑکا ہوتا تھا۔ بعض حالتوں میں دوسرے بیٹے یا بیٹے کی غیر موجودگی میں اپنے داماد یا کسی دوسرے عزیز کو ولی بنادیتا ملکی انتظام کے لیے ریاست صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کردی جاتی تھی۔ جن پر اعلیٰ حکام کو بادشادہ خود مقرر کرتا تھا۔ اعلیٰ حکام مقامی سرداروں اور جاگیرداروں اور زمینداروں کے تعاون سے اپنے علاقے کاانتظام کرتے تھے۔ بعض ممالک میں صوبوں میں جاگیر دار اور بڑے بڑے زمیندار ہی نظم و نسق کا کام سرانجام دیتے تھے۔ صوبائی حاکم جملہ شاہی مطالبات او رمحصولات وصول کرکے بادشاہ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ سلطنت کی توسیع کے لیے طاقتور حکومتیں کمزور حکومتوں پر حملہ کردیتیں۔ مفتوح قوم غلامی کی زندگی بسر کرتی اور تمام حقوق سے محروم کردی جاتی۔ عورتیں، بچے اور جوان اور بوڑھے سبھی کو غلامی



Marfat.com

کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا۔(۲۴۹)

تاریخ شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی تشکیل کی اس وقت دو سپر پاورز۔ وہ عظیم سلطنتیں موجود تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سپر پاور کے سامنے نہیں جھکے اور نہ ہی کسی سپر پاور کے سامنے حصول تعاون کے لئے دست سوال دراز کیا۔ بلکہ وہاں تبلیغی وفود بھجوائے اور اسلامی بلاک کو اس قدر مستحکم کیا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد دونوں سپر پاورز اسلامی بلاک کے زیر نگیں ہو گئیں۔ یہ حقیقت کس سے مخفی ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سلطنت اسلامی کا رقبہ قریباً دس لاکھ مربع میل ہو گیا اور چند برسوں کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق کے عہد میں سلطنت اسلامی کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل تک وسیع ہو گیا۔(۲۵۰)اور آج دنیا کے ایک ارب سے زیادہ فرزندان توحید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے "وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ" (۲۵۱)کے ارشاد خداوندی کی عملی تفسیر ہیں۔

شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے آرٹیکل میں ان کا یہ اعتراف موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا اصل رازان کی سیاسی اور عسکری بصیرت تھی:

"and with his eminent political gift late in Madina, who do of course find instances in the bettle of Bard or the agreement of Hudaibiyya where his intellectual superiority is over whelimingly evident."(252)

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز حکمرانی: اقوام عالم کے لیے مثالی طرز حکمرانی کا اہم نمونہ:

اگر ہم تاریخ پر اثرات کے حوالے سے تجزیہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی دلدل میں دھنسے ہوئے لوگوں کو روحانی اور اخلاقی رفعت سے ہم کنار کیا، اور کسی بھی دوسرے مصلح یا پیغمبر کی نسبت کہیں زیادہ کامیاب رہے۔ تاریخ انسانی کا شاید ہی کوئی اور آدمی کبھی اپنے خوابوں کو اس قدر بھرپور انداز میں تعبیر دے سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو تہذیب کے ساتھ ساتھ ایک نیا مذہب بھی دیا، کیونکہ مذہب کے علاوہ کوئی اور طریقہ دستیاب ہی نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے تخیل، خوفوں اور امیدوں تک رسائی حاصل کی اور انہیں قابل فہم انداز میں ہدایت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب ایک صحرا تھا، جہاں بہت سے بت پرست قبائل آباد تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک عرب ایک متحد قوم بن چکے تھے۔(۲۵۳)۔ غیر مسلم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال طرز حکمرانی کی تعریف کرنے پر مجبور ہیں۔ تھامس کیرل (۲۵۴)رقم طراز ہیں کہ "کس طرح ایک تنہا آدمی نے دو عشروں سے بھی کم وقت میں دشمن قبائل اور خانہ بدوش بدوؤں کو آپس میں یوں شیر وشکر کر دیا کہ وہ سب سے طاقتور اور تہذیب یافتہ قوم کی شکل میں



Marfat.com

ابھرے۔ جس طرح دروغ گوئی کا انبار ہم نے اس ہستی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے گرد لگادیا ہے وہ خود ہمارے (مغرب) کے لیے ہی باعث شرم ہے۔ایک پرسکون عالی مرتبت ہستی،جوانتہائی سنجیدہ خو بھی ہے۔ اس نے اس دنیا کو ٹھیک ایسے ہی روشن کیا جیسے اس دنیا کے خالق کا حکم تھا۔"(۲۵۵)

پروفیسر کرسچیئن سنوک ہر گرونجی '(۲۵۶)'اسلام کے پیغمبر نے ایک ایسی لیگ آف نیشنز (اقوام متحدہ) بنائی، جس نے بین الاقوامی اتحاد و یگانگت اور انسانی اخوت کو کائناتی بنیادیں فراہم کیں جس سے یہ دوسری اقوام کے لیے بھی روشنی کا ذریعہ بنی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے جو کچھ دنیا کو ایک قوم (اقوام متحدہ) بنانے کے لیے کیا ہے، دنیا کی کوئی دوسری قوم اس جیسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔"(۲۵۷)یہ صرف چند اقتباسات ہیں، جو کہ تحریر کیے گئے ہیں۔

## عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اصول انتخاب:

رئیس حکومت وزراء، اہل شوریٰ اور حکام کے انتخاب میں کیا امور ملحوظ رہنے چاہییں، اس باب میں قرآن و سنت کی ہدایات یہ ہیں:

۱۔ "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا" ترجمہ: "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (یعنی اعتماد کی ذمہ داریاں) اہل امانت (یعنی امین لوگوں) کے سپرد کرو۔" (۲۵۸)

۲۔ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ "ترجمہ:"درحقیقت اللہ کے نزدیک تم ہم سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔" (۲۵۹)

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"تمہارے بہترین سردار وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور جن کو تم دعا دو اور وہ تمہیں دعا دیں اور تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں اور جن پر تم لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔" (۲۶۰)

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ہم اپنی اس حکومت کے کسی کام پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اس کی درخواست کرے یا اس کا حریص ہو۔"(۲۶۱)

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارے نزدیک تم میں سے بڑا خائن وہ شخص ہے جو اس کا خود طالب ہو۔" (۲۶۲)

۶۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں:"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات سے بدلہ دیتے دیکھا ہے۔" (۲۶۳)

اسلام میں ریاست و حکمرانی کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اختیارات اور اموال،



Marfat.com

اللہ اور مسلمانوں کی امانت ہیں، جنہیں خدا ترس، ایمان دار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے اور اس امانت میں کسی شخص کو من مانے طریقے پر یا نفسانی اغراض کے لیے تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا} (۲۶۴)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ☆... {الا کلکم راعٍ و کلکم مسؤلٌ عن رعیتہٖ فالامام الأعظم الّذی علی النّاس راعٍ وھو مسؤلٌ عن رعیتہٖ۔} (۲۶۵) خبردار رہو، تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمراں ہو، وہ بھی راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ☆... {ما من والٍ یّلی رعیّۃ من المُسلمین فیمُوت وھُو غاشٌ لّھُم الّا حرّم اللہ علیہ الجنّۃ۔} (۲۶۶)

کوئی حکمراں جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا، تو اللہ اس پر جنت حرام کردے گا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ☆... {ما من امیرٍ یلی امر المُسلمین ثُمّ لا یَجھد لھُم وَلا یَنصحَ الّا لَم یدخُل معھُم فی الجنّۃ۔} (۲۶۷) کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے، پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے، وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً داخل نہیں ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ☆... {یا اباذر اِنّک ضعیفٌ و انّھا امانۃ وانّھا یوم القِیامَۃ خزیٌ وندامۃ اِلّا مَن اخذ بحقّھا وادّیَ الّذی علیہ فیھا۔} (۲۶۸) اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا منصب ایک امانت ہے اور قیامت کے روز وہ رسوائی اور ندامت کا موجب ہوگا، سوائے اس شخص کے، جو اس کے حق کا پورا پورا لحاظ کرے اور جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، اسے ٹھیک ٹھیک ادا کرے۔ (۲۶۹)

آپؐ نے ارشاد فرمایا: ☆... {مِن اَخون الخیانۃ تِجارۃ الوالی فی رعیّتہٖ۔} (۲۷۰) کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ☆... {من وَلِیَ لنا عملاً وَلَم تکُن لَہ زوجہ فلیتّخذ زوجۃ ومن لّم یَکُن لہ خادمٌ فلیتّخذ خادماً اولیس لہ مَسکنٌ فلیتّخذ مسکناً اولیس لہ دابّۃ فلیتّخذ دابّۃ فمن اصاب سِوٰی ذٰلک فھو غالٌ اوسارق۔} (۲۷۱)



Marfat.com

جو شخص ہماری حکومت کے کسی منصب پر فائز ہو، وہ اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کر لے، اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کر لے، اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر لے لے، اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سواری لے لے۔ اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے، وہ خائن ہے یا چور۔

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ نے فرمایا کہ اے اللہ، جو شخص میری اُمت کے لوگوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ انہیں مشقت میں ڈالے تو تُو بھی انہیں مشقت میں ڈال اور جو شخص میری اُمت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا تو تُو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر۔"(۲۷۲)

## عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عمال حکومت کا انتخاب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مثالی اسوۂ حسنہ :

عہدِ نبویؐ میں چونکہ یمن و حجاز اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے تھے، اس لیے آپؐ ان علاقوں میں والی مقرر کرتے ہوئے ان کے تقویٰ، علم و دانش اور عقل و تحمل کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔(۲۷۳) آپؐ سرکاری مناصب پر تقرر کے وقت عمالِ حکومت کا امتحان بھی لیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب آپؐ نے یمن کا عامل مقرر فرمایا تو آپؐ نے دریافت کیا، وہاں تمہارا طرزِ عمل کیا ہو گا؟ انہوں نے کہا کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا، اگر تم اسے اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا تو میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلے کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا، اگر تم سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ پا سکو تو؟ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا تو میں اجتہاد کروں گا اور کوشش میں کمی نہ کروں گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔(۲۷۴) یہ لوگ حاکمِ ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ ساتھ مبلغ اسلام اور معلمِ اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ اس لیے آپؐ ان کی صلاحیتوں کا جائزہ لے کر مقرر فرماتے۔ امراء کے انتخاب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسی کا ایک اہم جزو یہ تھا کہ جو لوگ عہدے اور منصب کے لیے از خود درخواست کرتے ان کی درخواست رد فرما دیتے۔(۲۷۵)

## دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: جمہوری سیاسی اقدار پر مبنی
## مثالی اسلامی فلاحی ریاست کا روشن نمونہ :

## موجودہ دور میں جمہوری سیاسی نظام کی اصلاح کے حوالے سے تاریخ ساز نظائر:

{اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا}(۲۷۶) "بلاشبہ، اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ عہدے ان کے اہل لوگوں کو دیے جائیں۔"

حافظ ابن تیمیہؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: "علماء نے فرمایا کہ یہ آیت والیانِ حکومت کے



Marfat.com

بارے میں نازل ہوئی۔یعنی ان پر لازم ہے کہ عہدے ان کے اہل لوگوں کے سپرد کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں ایک حدیث بھی ہے کہ:{انّا لانولّی امرناھٰذا من طلبہ}(۱۲۱)"ہم اپنے اس معاملے کو اس کے سپرد نہیں کرتے جو خود اس کا طالب ہو۔"

اسی طرح حافظ ابن تیمیہؒ مندرجہ ذیل آیت کو بھی عہدوں کے سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر کا ترجمان سمجھتے ہیں:

{یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ}(۲۷۸)"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت نہ کرو، تم ان امانتوں میں خیانت کرتے ہو اور تم اس کو جانتے بھی ہو۔"فرماتے ہیں اگر زیادہ حقدار اور بہتر اہلیت رکھنے والے کو فراموش کرکے کسی دوسرے کا رشتے دار ہونے یا ہم مذہب ہونے یا ہم وطن اور ہم مشرب ہونے یا ہم جنس (ملکی) عربی، فارسی، ترکی، رومی وغیرہ ہونے یا کچھ رشوت کا مال لینے یا کسی بھی نفع وغیرہ حاصل کرنے یا اہل اور حق دار سے کینہ رکھنے یا کھلی دشمنی کی وجہ سے تقرر کرلیا جائے تو گویا اُس نے اللہ سے،اس کے رسولؐ سے اور مومنوں سے خیانت کی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت آگیا، جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔(۲۷۹)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عمالِ حکومت کو صرف اتنا معاوضہ ملتا، جو ان کی ضرورت کو پورا کرتا چنانچہ آپؐ فرمایا کرتے تھے: {مَن کان لَنا عاملاً فلیکتسِب زوجۃ فان لّم یکُن لہ خادمٌ فلیکتسِب خادماً فان لّم یکُن لہ مسکنٌ فلیکتسِب مسکناً من اتّخذ غیر ذٰلک فھو غالٌّ او سارقٌ۔}(۲۸۰)"جو شخص عامل ہو، اسے ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے، اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو وہ نوکر رکھ سکتا ہے، اگر مکان نہ ہو تو ایک گھر بنا سکتا ہے، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا یا چور۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے عتاب بن اسیدؓ کی تنخواہ جو کہ والی مکہ تھے، ایک درہم یومیہ مقرر کی تھی۔اس سے قبل ان حاکموں کی باقاعدہ تنخواہ کا معمول نہ تھا۔فتوحات اور مالِ غنیمت سے انہیں حصہ مل جاتا، یہی ان کی تنخواہ خیال کی جاتی تھی۔ عمال رشوتیں یا کسی قسم کے تحفے قبول نہیں کرسکتے تھے اور نہ ہی دورانِ ملازمت وہ کسی قسم کی تجارت کرسکتے تھے۔(۲۸۱)

## بحیثیت حکمران عمال حکومت کی تفویض و تقرری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم مصلح اور بیدار مغز حکمران تھے، آپؐ کو جہاں یہ خیال تھا کہ عہدے دار اپنے فرائض و واجبات کی بجا آوری صحیح طور پر کریں اس سے زیادہ اہتمام اس بات کا تھا کہ عمال و حکام زیور اخلاق سے آراستہ ہوں، تاکہ جہاں بھی ان کا تقرر کیا جائے،وہ کامیاب ثابت ہوں اور کم از کم وہاں کے باشندے ان کے اخلاق کے شاکی نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذؓ بن جبل کو یمن کی جانب روانہ کیا تو فرمایا تھا کہ:{یسّرا ولاتعسّرا و



Marfat.com

بشِّرا و لاتنفّرا۔}(۲۸۲)
"تم دونوں سختی نہ کرنا، بلکہ آسانی سے کام لینا اور لوگوں کو اچھی باتیں سنانا، نفرت نہ دلانا۔"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اس طرزِ حکومت کی نشان دہی بھی ہوجاتی ہے، جو اس اسلامی ریاست میں جاری و ساری تھا۔ عہدے داروں کی اہلیت و قابلیت کے ضمن میں یہ بتانا تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے کہ عہدے دار چاہے گورنر ہو یا قاضی، معلّم ہو یا مبلغ، امام ہو یا مفتی، اس کے لیے بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ اسلام کے نظریۂ حیات پر یقین اور اس کی تعلیمات سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔ احادیث و سیر کی یہ روایت بہت مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کے لیے مامور فرمایا تو روانگی سے پہلے ان کے تبحر علمی اور واقفیت شرع کا امتحان لیا، یہاں تک کہ آپؐ مطمئن ہوگئے۔ اعلیٰ عہدے داروں مثلاً گورنر یا والی کو نہ صرف زبانی بلکہ بعض اوقات تحریری ہدایات اور فرامین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کیے جاتے تھے۔ افسران محاصل کو ہر قسم کے محاصل کی تفصیل اور اس کے عوض نصاب کی تعلیم دی جاتی، قضاۃ کو فرائض، عدل و قضا سے مطلع کیا جاتا اور انہیں دیوانی و فوجداری مقدمات میں طرزِ عمل کی ہدایت رسول اللہؐ بنفس نفیس عطا فرماتے تھے۔ (۲۸۳) ریاست کی کارکردگی اس کی نشوونما اور فلاح و خسران کا مدار سرکاری مناصب پر فائز افراد اور کارکنانِ ریاست پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک سربراہِ ریاست کی انتہائی اہم ذمّے داری یہ ہے کہ وہ ریاست کے انتظامی مناصب پر ایسے لوگوں کا انتخاب کرے، جو ریاست کے مقصد وجود کو سمجھتے ہوں اور اپنی صلاحیتوں کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرکے اپنے عہدوں سے انصاف کرسکتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت حکمران اس مسئلے پر اپنی پوری توجہ صرف کی اور حکومت کے عہدوں اور مناصب پر ایسے خدا ترس، باصلاحیت، بے لوث، پاکیزہ کردار اور مخلص افراد کا تقرر کیا، جو اسلام کی روح سے واقف، دین کے مزاج شناس، راہِ حق میں شدائد برداشت کرنے والے، تجربہ کار اور پختہ طور پر تربیت یافتہ تھے۔ ان کارکنان ریاست کو آپؐ نے یہ بات ذہن نشین کرادی کہ حکومت کے عہدے اور مناصب حصولِ عزت و جاہ اور کسب دنیا کے ذرائع نہیں ہیں۔ اس لیے ان کے حصول کی جدوجہد ہی غیر مستحسن ہے۔ (۲۸۴)
یہی نہیں، اس سے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مناصب کا رشتہ اخلاقی تعلیمات سے جوڑا اور یہ فرما دیا کہ: {انّا واللہ لانولّی علیٰ علمنا ھٰذا احدًا سألہ اوحرصَ علیہ۔}(۲۸۵) "خدا کی قسم، ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے، جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو۔"
اور آپؐ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ: {انّ اَخونکُم عِندنَا من طلبہ۔}(۲۸۶) "ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن وہ شخص ہے جو اس کا خود طالب ہو۔"
ایک صحابی حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرماتے



Marfat.com

ہوئے کہا: "اے عبدالرحمن، امارت کے طالب نہ بنو، اگر یہ بن مانگے تمہیں ملی تو اس کام میں اللہ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر اسے خود مانگ کر حاصل کرو گے تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔(۲۸۷)

ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حکومت کے کسی عہدے پر مقرر کرنے کی درخواست کی تو اس کے جواب میں فرمانِ نبویؐ یہ تھا کہ: "اے ابوذرؓ! یہ ایک بھاری امانت ہے اور تم ایک کمزور آدمی ہو۔ قیامت کے دن یہ امانت ندامت اور رسوائی کا سبب ہوگی، مگر اس شخص کے لیے نہیں، جو اس کے حق کے ساتھ اسے اٹھائے اور اس سلسلے میں اس پر جو ذمّے داریاں عائد ہوں، انہیں ادا کرے۔" (۲۸۸) ان ہدایات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو عہدوں کے لالچ اور حرص و طمع کی تحریک کا خاتمہ کیا اور دوسری طرف لوگوں کی نفسیاتی اصلاح کرکے ان کے نفوس کا تزکیہ کیا۔ کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ مناصب کی آزمائشوں میں پڑنے کے لیے از خود پیش ہونے والا یا تو ان مناصب کے تقاضوں سے ناواقف ہے اور یا ان سے غیر معمولی منفعت کا حصول اس کے پیش نظر ہے، علاوہ ازیں حکومت کے عہدوں اور مناصب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کے حقوق کی فہرست میں شمار کرنے کے بجائے امانت کی حیثیت دی اور اپنے دور میں صرف ان ہی لوگوں کا تقرر فرمایا، جو اس بار امانت کو اٹھا سکتے تھے۔(۲۸۹)

قرآن سے اس کی تائید اللہ کے اس حکم میں ملتی ہے کہ: {اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا}(۲۹۰)

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کردو۔" امام ابن تیمیہؒ نے اس آیت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "ادائے امانات کی دو قسمیں ہیں، امانت فی الاموال۔ امانت فی الولایات۔ آیت بالا امانت فی الولایات سے متعلق ہے اور یہی اس کا شانِ نزول ہے۔(۲۹۱)

چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہو اور اس نے یہ جانتے ہوئے کہ ایسا شخص بھی میسر آسکتا ہے، جو مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر ہوسکے گا، کسی دوسرے شخص کو حکومت دے دی تو اس نے اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مومنوں سے خیانت کی۔(۲۹۲)

اور اسی مفہوم کی ادائیگی اس آیت سے ہوتی ہے کہ: {یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ}(۲۹۳)

"اے اہل ایمان! نہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم ان باتوں کو جانتے ہو۔"

یہاں یہ وضاحت کردینا مناسب ہے کہ نظم و نسق ریاست کے سلسلے میں مختلف انتظامی مناصب پر



Marfat.com

اہل اور دیانت دار افراد کے تقرر اور امورِ ریاست کی احساسِ ذمّے داری کے ساتھ کڑی نگرانی کا نتیجہ یہ تھا کہ ریاستِ نبویؐ کو ایک مضبوط انتظامی ڈھانچہ مل گیا اور پھر اس کا مزید خوشگوار نتیجہ یہ تھا کہ معاملاتِ ریاست جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دارالحکومت(مدینۂ منورہ) میں موجودگی میں چلتے تھے،اسی طرح آپؐ کی مدینے سے غیر حاضری کی صورت میں بھی معمولاً جاری رہتے تھے۔(۲۹۴)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابۂ کرامؓ سے فرمایا کہ بے شک، اللہ جل شانہ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے، بس تم میری طرف سے اس رحمت کو دوسروں تک پہنچا دو۔ اللہ رب العزّت تم پر رحم فرمائے گا اور آپس میں اختلاف نہ کرو، جیسا کہ عیسیٰ ابن مریمؑ کے حواریوں نے اختلاف کیا۔"(۲۹۵)

"آپؐ نے فرمایا کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو اور سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے، پس یہی نصیحت ہر سفیر اور قاصد کے لیے ہوتی تھی کہ تم مشورہ کرکے کام کیا کرو، لوگوں سے موافقت کیا کرو۔ خوشخبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ، آسانی پیدا کرو، سختی نہ کرو۔"(۲۹۶)

## عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی جمہوری سیاسی مملکت میں عمالِ حکومت کے لیے ہدایات و تعلیمات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمالِ حکومت، ریاست کے والیوں، حکومت کے انتظامی عہدوں اور مناصب پر تقرری کے وقت مذکورہ عامل، والی اور سرکاری منصب دار کے مذکورہ فریضے کو اس تحریری دستاویز میں بھی مندرج کردیتے تھے، جو تقرر کے وقت انہیں ہدایت نامۂ تقرر کے طور پر دی جاتی تھی۔ اس بات کی وضاحت اور والیوں کے دیگر فرائض کو سمجھنے کے لیے حضرت عمروؓ بن حزم کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ آپؐ کا یہ مکتوب بہت طویل ہے۔ طبری کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن حزم کو پہلے تو تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی اور پھر فرمایا کہ:

☆... لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور انہیں اچھائی اختیار کرنے اور بُرائیاں چھوڑنے کی ہدایت کرو۔

☆... تمام امور میں عدل و انصاف سے کام لو۔

☆... تنذیر اور تبشیر دونوں کی تلقین کرو۔

☆... لوگوں کے دل موہ لینے کی کوشش کرو۔

☆... شرائع اسلام کی تعلیم دو، خصوصاً حج اور عمرہ کے ارکان و آداب بتاؤ۔

☆... نعرۂ عصبیت بلند کرنا ممنوع ہے۔

☆... وضو کے مکمل اور صحیح طریقے کی تفصیل۔

☆... نمازوں کو وقت پر ادا کرنے کی ہدایت اور اوقات کا مفصل بیان۔



Marfat.com

☆... مالِ غنیمت کا خمس، عشر اور نصف عشر کا نصاب، شرح اور وصولی کی وضاحت۔
☆... ادائیگی صدقات کا حکم۔
☆... اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام قبول کرلیں، ان کے حقوق و فرائض عام مسلمانوں کے برابر ہوں گے، لیکن جو اسلام نہ قبول کریں، ان کے حقوق اس کے مطابق ہوں گے اور انہیں جزیہ ایک دینار فی کس کے حساب سے دینا ہوگا۔(۲۹۷)

کم و بیش اس سے ملتا جلتا مضمون اس وصیت نامہ کا بھی ہے، جو یمن روانہ کرتے وقت حضرت معاذؓ بن جبل کو دیا گیا تھا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحریر کروایا تھا کہ: "تم اہل کتاب کے پاس جاؤ، تو پہلے انہیں کلمۂ توحید کی دعوت دینا، اگر وہ اسے مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے، جو ان کے امراء سے لے کر ان کے فقراء پر تقسیم کردیا جائے گا۔ اگر وہ اسے بھی تسلیم کرلیں، تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا، کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔"(۲۹۸)

**ہمت مرداں، مددِ خدا:**

ان تمام حقیقتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو انتہائی قدرتی وسائل سے نوازا ہے، کہ یہاں کی زمین سونا اگلتی ہے، پانی کے چشمے یہاں بہتے ہیں، ہمارے دریا بارہ مہینے رواں دواں رہتے ہیں بلکہ اب تو سیلاب کی صورتحال ہے، ہماری زمین معدنیات کے خزانوں سے بھری پڑی ہے اور سب سے بڑی بات ہماری پاک فوج سینہ تانے ہمہ وقت دشمن کے سامنے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تیار کھڑی ہے اور اگرچہ حالات سنگین اور تلخ ضرور ہیں، لیکن مایوسی کفر ہے اور لوگ کشتی میں چھید کر رہے ہوں تو پوری تندہی سے کشتی کو بچانے میں لگ جانا سب سے اہم اور مقدس فریضہ ہے۔ کچھ بھی نہ کرسکیں تو کم سے کم بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح، مرثیہ پڑھنے، رہنماؤں اور قوم کو جھنجھوڑنے اور جگانے، ان کے کانوں میں صور پھونکنے، اور ان کے سر پر منڈلاتے ہوئے مہیب خطرات سے آگاہ اور خبردار کرنے کا کام تو کرنا ہی چاہیے۔(۲۹۹)

ایک اسلامی نظام جس کا خاکہ قرار داد مقاصد میں دیا گیا ہے اور اس جس کی تشریح دستور پاکستان میں کی گئی ہے، یہ تقاضا کرتا ہے :

☆☆ ملک میں ایسی اسلامی جمہوری حکومت ہو جو عوام کے معتمد علیہ یعنی منتخب حکومت ہو، زبردستی مسلط شدہ نہ ہو۔
☆☆ عدلیہ کی مکمل آزادی اسلامی نظام حکومت کی دوسری اہم خصوصیت ہے۔
☆☆ بے لاگ انصاف اور عدل اسلامی نظام حکومت کا خاصہ ہے۔



Marfat.com

☆☆ اجتماع اور اظہار رائے کی آزادی کے بغیر حقیقی آزادی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔
☆☆ اسلام نظام کے نفاذ کا مقصود ایک ایسے حقیقی عادلانہ معاشرے کا قیام ہے جس کا ہر فرد اس یقین سے سرشار ہو۔
☆☆ ہر پاکستانی ایک آزاد اور خود مختار قوم کا معزز شہری اپنے آپ کو سمجھتا ہو۔
☆☆ وہ اللہ کے سوا ہر دوسرے خوف سے آزاد ہو۔
☆☆ وہ کسی کا مرہون منت اور محتاج نہ ہو۔
☆☆ معاشرہ اور ریاست، اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ضامن ہوں۔
☆☆ وہ کسی کا غلام نہ ہو، نہ کوئی اس کا غلام ہو۔
☆☆ ہر فرد بنیادی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو چاہے مرد ہو یا عورت۔
☆☆ روٹی کپڑے مکان کے علاوہ بنیادی تعلیم اور علاج کی بنیادی سہولتیں سب کے لیے یکساں طور پر موجود ہوں۔

اس طرح ــ کے افراد کے مجموعے سے جو قوم بنتی ہے وہ قوم ایک عزت و الی خود دار قوم ہوتی ہے ایک اسلامی حکومت کا اولین فرض ہے کہ قوم کو سیاسی اور معاشی میدان میں حقیقی آزادی سے ہمکنار کردے۔

اگر ملک میں ایک ایسی جمہوری سیاسی جماعت کی حکومت ہوگی جو اپنے آپ کو قاعدے اور ضابطے اور قانون کا سب ــ سے پہلے پابند بنا کر مثال پیش کرے گی تو ملک میں خود بخود رفتہ رفتہ قانون کی حکمرانی ہوجائے گی۔ ہر ادارے اور محکمے میں قاعدہ اور ضابطہ بحال ہوجائے گی، ملک کے تمام افراد کو ان کا حق پورا پورا ملنے لگے گا۔ تمام ادارے درست ہوجائیں گے۔ رشوت اور اقربا پروری ختم ہوجائے گی۔ سب لوگ ٹھیک سے اپنا کام وقت پر اور محنت کے ساتھ کرنے لگیں گے۔ امن و امان بھی قائم ہوجائے گا اور عدالتیں بھی اپنا کام ٹھیک طرح سے کرنے لگیں گی۔ (۳۰۰)

ہم دنیا کے سامنے اسلام کے جمہوری اور سیاسی نظام کا ایک خوبصورت چہرہ پیش کرسکیں گے اور لوگ خود اسلامی نظام اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہوں گے، بدقسمتی سے آج ہمارے علم و عمل، ہمارے کردار اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جوڑ نہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہم دنیا میں مصائب کا شکار ہیں بلکہ ہماری وجہ سے یہ عظیم دین بھی بدنام ہورہا ہے۔ آیئے اسلام کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کریں دنیا میں انصاف اسی وقت ممکن ہوگا جب تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت دنیا کا نظام چلے گا اور یہ ذمہ داری میری، آپ کی، ہر پاکستانی کی بلکہ ہر کلمہ گو مسلمان کی ہے۔



Marfat.com

### خلاصہ بحث :

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرفان الٰہی اور قربِ ذات کے نقطہ معراج پر کھڑے ہوکر مادی زندگی کی تنظیم و ترتیب فرماتے ہیں۔ اس سے روحانی و مادتی مراتب میں فرق نہیں آتا بلکہ مادی تنظیم میں نیابت الٰہیٰ کا صحیح رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ملکی و ملی امور بطریق احسن انجام دینے کے لیے فضائل قلبی نہایت ضروری ہے مثلاً خلوص، دیانتداری، ہمدردی، ایثار، خوف خدا اور عزم و استقلال وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ظاہری و باطنی اوصاف کے اعتبار سے ایک مکمل ذات ہے۔ یہ کامل ذات تمام انسانوں کے جملہ عملی و ارتقائی مراحل کے لیے راہنمائی کا کام دیتی ہے۔

آنکہ از خاکش بردید آرزو      ہر کجا بینی رنگ و بو
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است      یا زنورِ مصطفیٰ او را بہا است(۳۰۱)

موجودہ دور میں مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ملک و قوم کو جو مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں ان میں مملکت کے نظام میں شفافیت، اعلیٰ اقدار و روایات، نظم مملکت کے حوالے سے قرآن و سنت کی تعلیمات، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ریاست مدینہ کی تشکیل میں پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ساز جدوجہد ہمارے لیے ایک روشن مثال اور لائق تقلید نمونہ ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے نجات دہندہ اور محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے اس میں ہر دور اور ہر عہد کے مسائل کا حل موجود ہے۔ ایک ایسے دور میں جب امت مسلمہ کو مختلف باطل سیاسی افکار و نظریات اور الحاد و دلادینیت پر مبنی مغربی جمہوری سیاسی نظام اور طرز حکمرانی کا سامنا ہے، ایک جانب امت مسلمہ کو عالمگیریت کا چیلنج درپیش ہے جبکہ دوسری جانب لادینیت پر مبنی مغربی سیاسی افکار اور باطل نظام ہمارے مثالی فلاحی نظام مملکت کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کرگیا ہے اور ایک ایسے وقت میں جب مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قیام پاکستان کے حقیقی مقاصد، قرآن و سنت کے نفاذ، شریعت کی بالادستی، دیانت و امانت، بے لاگ عدل و احتساب کے اصول و نظریہ سے کلی طور پر انحراف کیا جارہا ہے، ملک لاقانونیت، بدامنی، دہشت گردی، کرپشن، بدترین معاشی چیلنجز اور مجموعی طور پر تہذیبی ثقافتی معاشرتی اقدار وروایات کے حوالے سے زوال پذیر معاشرے کی تصویر بنا ہوا ہے، ایسے وقت ہمارے لیے بحیثیت مسلمان اور اقوام عالم کے لیے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور لائق تقلید نمونہ ہے۔ ہمیں اپنے جمہوری سیاسی نظام کی اصلاح کے لیے قرآن وسنت، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خود انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تشکیل کردہ مثالی اسلامی فلاحی معاشرے، ریاست مدینہ کے جمہوری



Marfat.com

سیاسی نظام سے رہنمائی لینے ہوگی۔اسی میں عالم انسانیت کی فلاح اور نجات کا راز مضمر ہے۔

سبق پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت ہے (۳۰۲)

## آیئے عہد کریں:

اس بات کا عہد کریں مملکت خدا داد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حفاظت کریں گے اور جہاں کہیں بھی حقدار کی حق تلفی، میرٹ کا قتل اور ظلم و انصافی ہورہی ہو ہم اس کے خلاف آواز بلند کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کی حفاظت فرمائے اور اس ملک کو نیک، متقی، پرہیز گار حکمران نصیب کرے جو حقیقی معنوں میں منصب کے اہل ہوں۔ (آمین)اور جب کبھی مستقبل قریب یا بعید میں ہم پر کوئی ذمہ داری عائد کی جائے گی، حتی المقدور ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی پورا کریں، کسی بھی حال میں وطن عزیز کو نقصان نہ پہنچنے دیں گے، خود کرپشن کریں گے اور نہ ہی کسی کو کرنے دیں گے۔ وطن عزیز ایک امانت ہے اور امانت کی حفاظت کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ منافق کی نشانیوں میں ایک نشانی امانت میں خیانت ہے۔

مرا پیمبر عظیم تر ہے

شعور لایا کتاب لایا
وہ حشر تک کا نصاب لایا
دیا بھی کامل نظام اس نے
اور آپ ہی انقلاب لایا
وہ علم کی اور عمل کی حد بھی
ازل بھی اس کا ہے اور ابد بھی
وہ ہر زمانے کا رہبر

مرا پیمبر عظیم تر ہے

## حواشی و حوالہ جات

۱- سورہ الرعد / سورہ نمبر ۱۳ / آیت نمبر ۱۱
۲- سورہ الزمر / آیت نمبر ۶۷
۳- زبور عجم / صفحہ ۳۹



Marfat.com

۴- محمد یوسف فاروقی، ڈاکٹر/ تصور پاکستان بانیان پاکستان کی نظر میں / اسلام آباد/ شریعہ اکیڈمی / ۲۰۰۵ء/ ص ۳۱
۵- ایضاً / ص ۳۲
۶- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء/ص ۲۶۷
۷- اعظم چوہدری / پاکستان کا آئین / کراچی / فرید پبلیشرز / ۲۰۱۵/ ص ۲۳
۸- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء/ص ۲۷۰
۹- ڈاکٹر صفدر محمود/ پاکستان تاریخ و سیاست / لاہور / جہانگیر بکس / ص ۴۴
۱۰- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء/ص ۲۷۱
۱۱- اعظم چوہدری / پاکستان کا آئین / کراچی / فرید پبلیشرز / ۲۰۱۵/ ص ۲۳
۱۲- ڈاکٹر صفدر محمود/ پاکستان تاریخ و سیاست / لاہور / جہانگیر بکس / ص ۴۵
۱۳- اعظم چوہدری / پاکستان کا آئین / کراچی / فرید پبلیشرز / ۲۰۱۵/ ص ۲۴-۲۳
۱۴- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء/ص ۲۷۹
۱۵- ایضاً /ص ۲۸۹
۱۶- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء/ص ۲۹۰
۱۷- اخبار زمیندار، لاہور، ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء
۱۸- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور/ ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء/ص ۲۹۲
۱۹- اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی / کراچی / مکتبہ معارف القرآن / ص ۴۰۲
۲۰- اسلامی ریاست / سید ابو الاعلیٰ مودودی /لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/۲۰۱۰ /ص ۲۴۳-۲۴۱
۲۱- ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / سیاسیات نظریات اور اصول / کراچی / غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء/ ص۱۹
۲۲- ایضاً / ص۲۰
۲۳- ایضاً / ص۲۰
۲۴- ایضاً / ص۲۱
۲۵- ایضاً / ص۲۱
۲۶- ایضاً / ص۲۲
۲۷- ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / سیاسیات نظریات اور اصول / کراچی/ غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء/ ص۲۳
۲۸- ایضاً / ص۲۴
۲۹- پروفیسر غلام رسول چیمہ / سیرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم / لاہور/ علم و عرفان پبلشرز



Marfat.com

۲۰۰۴ء/ ص ۳۰

۳۰- Herodotus of Halicarnassus was a Greek historian from Ionia who lived in the 5th century BC۔
ca. 484 BC–ca. 425 BC) and is regarded as the "Father of History" (http://en.wikipedia.org/wiki/Herodotus)۔

۳۱- انوار ہاشمی / تہذیب کی کہانی / کراچی / کراچی بک سینٹر / ص ۴۲

۳۲- تہذیبیں / سید عین الحق / کراچی / علمی بک ڈپو / ۱۹۶۷ء / ص ۷۷

۳۳- خان، عبدالحمید / دنیا کی قدیم تہذیبیں ن / لاہور / فیکٹ پبلیکیشنز / ص ۷

۳۴- پروفیسر غلام رسول چیمہ / سیرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم / لاہور / علم و عرفان پبلشرز / ۲۰۰۴ء / ص ۳۰

۳۵- جلال پوری، علی عباس / روایات تمدن قدیم / لاہور / تخلیقات / ۲۰۰۲ / ص ۱۱

۳۶- عین الحق، سید / تہذیبیں / کراچی / علمی بک ڈپو / ۱۹۶۷ء / ص ۲۲

۳۷- سعید، امتیاز احمد / اسلامی تاریخ و تمدن / لاہور / نیو بک پیلس / ۱۹۸۸ء / ص ۲۷۳

۳۸- عمر زبیری، پروفیسر / قدیم تہذیبیں اور مذاہب عالم / لاہور / دارالشعور / ۲۰۰۵ء / ص ۳۳

۳۹- پروفیسر غلام رسول چیمہ / سیرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم / لاہور / علم و عرفان پبلشرز / ۲۰۰۴ء / ص ۳۳

۴۰- ایضاً / ص ۳۳

۴۱- ایضاً / ص ۳۴

۴۲- مالک رام / حمورابی اور بابلی تہذیب / لاہور / اپنا ادارہ / ۲۰۰۴ء / ص ۱۱۱۔

۴۳- صدیقی محمد ادریس / وادی سندھ کی تہذیب / محکمہ آثار قدیمہ کراچی / ۱۹۵۹ء / ص ۲۳۳۔

۴۴- نہرو، جواہر لعل / ڈسکوری آف انڈیا / بمبئی / ۱۹۶۴ء / ص ۷۲۔

۴۵- دراصل باقیاتی تفتیش جیسے جیسے آگے بڑھی رہی ہے وادی سندھ کا تہذیبی دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے۔ موجودہ پاکستان کے قریب قریب سارے علاقے میں موئن جو داڑو ہڑپا کے طرز کی ہزاروں بستیاں آباد ہوں گی ان میں باقیاتی تفتیش کے اعتبار سے موئن جو داڑو، ہڑپا، چنہودارو، ستکاجن دور، علی مراد، آمری، دابر کوٹ اور کوٹ ڈیجی بہت اہم ہیں۔ (وادی سندھ کی تہذیب / ص ۲۹)۔

۴۶- دائرہ معارف اسلامیہ / جلد پنجم / ص ۳۷۲۔

۴۷- گستا و لیبان مترجم سید علی بلگرامی / تمدن ہند / لاہور / مقبول اکیڈمی / ص ۲۶۴۔



Marfat.com

۴۸- خان، عبدالحمید / دنیا کی قدیم تہذیبیں / لاہور / فیکٹ پبلیکیشنز / ص ۷۔

۴۹- MEE, ARTHUR; HAMMERTON, J. A.; INNES, A. D. Harmsworth History of th World \ London/ vol 4/ Carmelite House/ 1907 / Page 1186

۵۰- MEE, ARTHUR; HAMMERTON, J. A.; INNES, A. D. Harmsworth History of the World \ London/ vol 4/ Carmelite House/ / 1907/ Page 1186۔

۵۱- اقبال جاوید / انسان دوستی لبرل ازم جمہوریت / لاہور / اظہار سنز / ص ۲۲۔

۵۲- Toynbee, Arnold J/ A study of History/ Abridgement by D.C. Somervell/ 1947/ Page 118۔

۵۳- اقبال جاوید / انسان دوستی لبرل ازم جمہوریت / لاہور / اظہار سنز / ص ۲۲۔

۵۴ -رابرٹ بریفالٹ مترجم عبدالمجید سالک ، تشکیل انسانیت ، لاہور ، مجلس ترقی ادب کلب روڈ ، ۱۹۹۴ء ، ص ۱۵۹

۵۵- خطط الشام (محمد کرد علی) ج ۱، ص ۱۰۱۔

۵۶- Arabs Conquest of egypt and the last thirty years of the Reman Dominion P-42۔

۵۷- خطبہ الشام / محمد کرد علی / ج ۵ / ص ۴۷۰۔

۵۸- تاریخ اسلام / مولوی عبدالحلیم شرر / ج ۱ / ص ۳۵۴۔

۵۹- عین الحق، سید / تہذیبیں / کراچی / علمی بک ڈپو / ۱۹۶۷ء / ص ۱۶۶۔

۶۰- غلام جیلانی برق، ڈاکٹر / ہماری عظیم تہذیب / لاہور / شیخ غلام علی اینڈ سنز / ص ۴۶ ۔

۶۱- دائرہ معارف اسلامیہ / جلد ۳ / ص ۲۶۷ (مضمون ایران)۔

۶۲- ایضاً / ص ۲۶۷ (مضمون ایران)۔

۶۳- سو سیایا سوس یا شوش عیلام کا دارالحکومت تھا اور عیلام عراق کا ایک علاقہ تھا۔

۶۴- اے۔ جے۔ آربری، پروفیسر / میراث ایران / مترجم سید عابد علی عابد / لاہور / ۱۹۶۲ء / ص ۴۔

۶۵- امیر علی، سید / روح اسلام / ص ۳۰۔

۶۶- پروفیسر غلام رسول چیمہ / سیرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم / لاہور / علم و عرفان پبلشرز / ۲۰۰۴ء / ص ۳۵۔

۶۷- بدخشانی، مقبول بیگ / تاریخ ایران / جلد اول / لاہور / ۱۹۶۷ء / ص ۲۹۔۳۰۔

۶۸- کرسٹن سین / تاریخ ایران بعہد ساسانیاں، مترجم محمد اقبال / ص ۱۶۲۔

۶۹- تاریخ ایران بعہد ساسانیان ص ۱۱۶۔



Marfat.com

۷۰- تاریخ ایران بعہد ساسانیاں ص۷،۶۲۷،۵۳۱۔
۷۱- تاریخ ایران بعہد ساسانیاں بحوالہ اگاتھاس ۷۔۳۰۔۳۰۔
۷۲- The Making of Humanity P-160۔
۷۳- خان، عبدالحمید / دنیا کی قدیم تہذیبیں / لاہور / فیکٹ پبلیکیشنز / ص۵۔
۷۴- غلام جیلانی برق، ڈاکٹر / ہماری عظیم تہذیب / لاہور / شیخ غلام علی اینڈ سنز / ص ۴۶۔
۷۵- خان، عبدالحمید / دنیا کی قدیم تہذیبیں / لاہور / فیکٹ پبلیکیشنز / ص۵۔
۷۶- تاریخ چین از جمیس کارکرن / ص ۲۴۴۔
۷۷- پروفیسر غلام رسول چیمہ / سیرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم / لاہور / علم و عرفان پبلشرز / ۲۰۰۴ء / ص ۳۶
۷۸- ایضاً / ص ۹۵
۷۹- ایضاً / ص ۱۰۸
۸۰- ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن / مسلمانوں کا نظم مملکت / کراچی / دارالاشاعت / ص۱۷۲
۸۱- حافظ محمد ثانی، پروفیسر ڈاکٹر / محسن انسانیت اور انسانی حقوق / کراچی / دارالاشاعت / ۱۹۹۹ء / ص۴۸
۸۲- العقد الفرید / جلد ۳ / ص۴۵ تا ۴۶
۸۳- نگارشاتِ ڈاکٹر حمید اللہ / محمد عالم مختار حق / لاہور / بیکن ہاؤس / جلد دوم / ۲۰۰۹ء / ص ۲۳۹
۸۴- مغازی واقدی، ص۵۹
۸۵- اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۹۶
۸۶- مجمع الزوائد / ج۵ / باب حق الرعیتہ و النصح لہا / ص۳۱۱
۸۷- قالا میر راع علی الناس و مسؤل عن رعیتہ الخ مجمع الزوائد و منبع الفوائد عن انس، ج۵، ص ۲۰۷
۸۸- اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۹۷
۸۹- دیکھو کتاب المغازی و السیر، ج۶، ص ۲۱۴
۹۰- اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۹۸
۹۱- اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۱۹۰
۹۲- اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۱۹۰
۹۳- تفصیل کے لیے دیکھئے البحر المحیط، ابو حیان اندلسی، ج۱۔ص ۳۹۲، ج۲، ص ۳۲۰ تا ۳۶۹
۹۴- سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینی و دستوری اہمیت / ڈاکٹر محمد طاہر القادری / لاہور / منہاج القرآن پبلی کیشنز / ۲۰۰۵ / ص




Marfat.com

۹۵- سورہ یوسف/سورہ نمبر ۱۲/ آیت نمبر ۴۰-

۹۶- سورہ آل عمران/سورہ نمبر ۳/ آیت نمبر ۱۵۴

۹۷- سورہ النحل/ سورہ نمبر ۱۶/ آیت نمبر ۱۱۶

۹۸- سورہ المائدہ/سورہ نمبر ۵/ آیت نمبر ۴۴

۹۹- سورہ الانعام/سورہ نمبر ۶/ آیت نمبر ۵۰

۱۰۰- سورہ النساء/سورہ نمبر ۴/ آیت نمبر ۶۴

۱۰۱- سورہ الانعام/سورہ نمبر ۶/ آیت نمبر ۸۹

۱۰۲- سورہ آل عمران/سورہ نمبر ۳/ آیت نمبر ۷۹

۱۰۳- سورہ النساء/سورہ نمبر ۴/ آیت نمبر ۱

۱۰۴- سورہ الحجرات/سورہ نمبر ۴۹ آیت نمبر ۱۳

۱۰۵- سورہ بنی اسرائیل/سورہ نمبر ۱۷/ آیت نمبر ۷۰

۱۰۶- سورہ آل عمران/سورہ نمبر ۳/ آیت نمبر ۱۵۹

۱۰۷- سورہ الشوریٰ/سورہ نمبر ۴۲/ آیت نمبر ۳۸

۱۰۸- سورہ المائدہ/سورہ نمبر ۵/ آیت نمبر ۲

۱۰۹- تفسیر ابن کثیر

۱۱۰- کنز العمال

۱۱۱- الحدیث

۱۱۲- صحیح بخاری و صحیح مسلم

۱۱۳- الحدیث

۱۱۴- بخاری و ترمذی

۱۱۵- صحاح

۱۱۶- بخاری و مسلم

۱۱۶- ابو داؤد

۱۱۷- سورہ البقرہ/سورہ نمبر ۲/ آیت نمبر ۲۰۸

۱۱۸- سورہ البقرہ/سورہ نمبر ۲/ آیت نمبر ۸۵

۱۱۹- سورہ البقرہ/سورہ نمبر ۲/ آیت نمبر ۸۵

۱۲۰- سیاسی اور غیر سیاسی اسلام/علامہ یوسف القرضاوی /کراچی / ادارہ معارف اسلامی / ۲۰۰۸/ص

۱۲۱- اسلام کا سیاسی نظام / خدا بخش کلیار/لاہور/ ۲۰۱۰/ص




Marfat.com

۱۲۲- اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی / کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء/ ص ۲
۱۲۳- اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی / کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء/ ص ۴
۱۲۴- مسلم نشاۃ ثانیہ، اساس اور لائحہ عمل / ڈاکٹر محمد امین / لاہور / بیت الحکمت / ۶۳
۱۲۵- سورہ البقرہ/سورہ نمبر۲/ آیت ۱۰۷
۱۲۶- سورہ النساء/سورہ نمبر۴/ آیت نمبر ۵۹
۱۲۷- سورہ الشوریٰ/سورہ نمبر ۴۲/ آیت نمبر ۳۸
۱۲۸- سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی بحث / یوسف القرضاوی / لاہور/ ادارہ معارف اسلامی /۲۰۰۸ء/ص۷
۱۲۹- تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں سورہ المائدہ آیت ۴۴ تا ۴۷
۱۳۰- سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی بحث / یوسف القرضاوی / لاہور/ ادارہ معارف اسلامی /۲۰۰۸ء/ص۱۰-۷
۱۳۱- یہ اشارہ ہے حدیث : الدین النصیحۃ(دین خیر خواہی ہے) کی طرف، جسے امام مسلم نے کتاب الایمان / احمد نے المسند (۱۹۶۴۰) اور ابو داؤد نے کتاب الادب (۴۹۴۴) میں تمیم داریؓ سے روایت کیاہے۔
۱۳۲- مسند امام احمد / حدیث نمبر ۱۱۰۳۵
۱۳۳- سورہ نوح /سورہ نمبر ۷۱/ آیت نمبر ۲۱
۱۳۴- سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی بحث / یوسف القرضاوی / لاہور/ ادارہ معارف اسلامی/ ۲۰۰۸ء/ص۲۱
۱۳۵- الطرق حکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ لا بن قیم /مطبوعہ السنۃ المحمدیۃ /ص۱۵-۱۳
۱۳۶- امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق/ ڈاکٹر سید حسین قادری / دہلی / اردو بازار/ ۱۹۶۱ء/ ص ۴۵
۱۳۷- علم سیاسیات/ ڈاکٹر فرحت عظیم /کراچی/ عظیم سنز / ۲۰۰۱ء/ ص ۳۰۸
۱۳۸- سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی بحث / یوسف القرضاوی / لاہور/ ادارہ معارف اسلامی/ ۲۰۰۸ء/ص ۲۳-۲۱
۱۳۹- http://tarjumanulquran.org/site/publication_detail/427
۱۴۰- سورہ آل عمران/ سورہ نمبر۳/آیت نمبر۱۹
۱۴۱- اسلام اور سیاست/ ڈاکٹر انیس احمد بحوالہ ترجمان القرآن / مارچ 2015
۱۴۲- http://tarjumanulquran.org/site/publication_detail/680
۱۴۳- معجم طبرانی، کبیر / عن معاذ بن جبلؓ



Marfat.com

۱۴۴- Modern Democracies/ James Bryce/ Vol II/ New York/ 1921/ P-50
۱۴۵- ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / سیاسیات نظریات اور اصول / کراچی / غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء / ص ۲۸۰
۱۴۶- اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی / کراچی / مکتبہ معارف القران / ۲۰۱۰ء / ص ۸۱
۱۴۴- اسلام کا سیاسی نظام / خدا بخش کلیار / لاہور / نشریات / ص
۱۴۵- قائداعظم کا تصور پاکستان اور ان کے اقوال / رضوان احمد / کراچی / قائد فاؤنڈیشن / ۲۰۱۰ء / ص ۹
۱۴۶- قائداعظم کا تصور پاکستان اور ان کے اقوال / رضوان احمد / کراچی / قائد فاؤنڈیشن / ۲۰۱۰ء / ص ۱۹
۱۴۷- قائداعظم کا تصور پاکستان اور ان کے اقوال / رضوان احمد / کراچی / قائد فاؤنڈیشن / ۲۰۱۰ء / ص ۹
۱۴۸- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جہانگیر بکس / ص ۸۸
۱۴۹- قائداعظم کا نظریہ پاکستان، اسلام یا سیکولر؟ / فیض احمد شہابی / کراچی / ادارہ معارف اسلامی / ۲۰۰۷ء / ص ۸۸
۱۵۰- قائداعظم کیسا پاکستان چاہتے تھے از حمید رضا صدیقی، کاروان ادب لاہور، ص ۴۲
۱۵۱- پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی کانفرنس، منعقدہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۴ء میں صدارتی خطبہ، لاہور
۱۵۲- جلسہ عام سے خطاب پشاور، ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء
۱۵۳- پریس کانفرنس میں بیان، نئی دہلی، ۱۳ جولائی ۱۹۴۷ئ ۴/ ۳۵۱
۱۵۴- پیسہ اخبار، ۱۰ جولائی ۱۹۴۷ء
۱۵۵- پنجاب یونیورسٹی اسٹیڈیم میں عوام سے خطاب، لاہور ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء
۱۵۶- آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے خطاب، کراچی ۱۴۔۱۵ دسمبر ۱۹۴۷ء
۱۵۷- رشحات قائد از نجمہ منصور، العبد پبلی کیشنز، سرگودھا
۱۵۸- عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سے خطاب کراچی، ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء
۱۵۹- افواج پاکستان سے خطاب ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء
۱۶۰- شاہی دربار سبی، بلوچستان میں تقریر، ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء
۱۶۱- قائداعظم محمد علی جناح از ممتاز حسین، ماہنامہ ماہ نور کراچی ۱۹۵۴ء
۱۶۲- تصور پاکستان بانیان پاکستان کی نظر میں / ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی / اسلام آباد / شریعہ اکیڈمی / ۲۰۰۵ء / ص۔۔
۱۶۳- M.Ayub Khan/ Friends not Masters/Lahore/ Oxford Uni



Marfat.com

Press/1967/P-114

۱۶۴- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء/ص ۴۴

۱۶۵- ملاحظہ کریں سوامی ایم پی سبرا منیم کا رسالہ Organizer میں شائع۔ دہلی شمارہ ۱۳ جولائی ۱۹۷۴ء میں مضمون) حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض قدامت پرست علماء بھی

۱۶۶- اسلامی دنیا/ قاسم محمود/ لاہور/ الفیصل ناشران/ ص ۲۰۲

۱۶۷- پاکستان تاریخ و سیاست، آئین سازی اور نظریاتی کشمکش : / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور/ جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء/ص ۲۷۵

۱۶۸- Mushtaq Ahmed/ Government and Politics of Pakistan/ page88

۱۶۹- پاکستان کا آئین / ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / کراچی / فرید پبلیشرز/ جنوری ۲۰۱۵ء/ ص ۲۰

۱۷۰- پاکستان کا آئین / ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / کراچی / فرید پبلیشرز/ جنوری ۲۰۱۵ء/ ص ۲۷

۱۷۱- پاکستان کا آئین / ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / کراچی / فرید پبلیشرز/ جنوری ۲۰۱۵ء/ ص ۶۷

۱۷۲- پاکستان سیاسی اتحاد اور پاکستانی سیاست پر اثرات / سلیم یونس / ص ۱۵۵

۱۷۳- پروفیسر غفور احمد / جنرل ضیاء کے دس سال / ص ۷۰

۱۷۴- Kath Klard/ Pakistan-A Political Study/London/1968/p125

۱۷۵- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور/ جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء/ص ۲۷۶

۱۷۶- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور/ جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء/ص ۲۷۷

۱۷۷- Mushtaq Ahmed/ Government and Politics in Pakistan/ Karachi/ 1970/ P162

۱۷۸- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور/ جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء/ص ۲۷۸

۱۷۹- Muhammad Khalid/Welfare State of Pakistan/Karachi/Royal Book Co.P126

۱۸۰- Kath Klard/ Pakistan-A Political Study/London/ 1968/P20

۱۸۱- Muhammad Khalid/Welfare State of Pakistan/Karachi/Royal Book Co.P129

۱۸۲- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور/ جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء/ص ۲۷۹

۱۸۳- بحوالہ صفدر محمود، صفحہ ۷۵

۱۸۴- ایضاً، صفحہ ۶۳

۱۸۵- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور/ جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء/ص ۲۸۰



Marfat.com

۱۸۶- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء / ص ۲۸۲
۱۸۷- از خطبات ڈاکٹر سعید احمد صدیقی / کراچی / امجدیہ بکس / ص ۸۸
۱۸۸- کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز
۱۸۹- پاکستان نازک موڑ پر / خورشید احمد / روزنامہ جسارت، کراچی
۱۹۰- http://tarjumanulquran.org/site/publication_detail/379
۱۹۱- سورہ البقرہ / سورہ نمبر / آیت نمبر
۱۹۲- پاکستان کے قومی مسائل تجزیہ اور حل / خرم مراد / لاہور / منشورات / ۲۰۱۱ء / ص ۱۵۱
۱۹۳- سورۃ البقرۃ / آیت نمبر ۲۴۷
۱۹۴- سورۃ صٓ / آیت نمبر ۲۶
۱۹۵- سورۃ الحج / آیت نمبر ۴۱
۱۹۶- سورۃ النساء / آیت نمبر ۵۹
۱۹۷- سورۃ النور / آیت نمبر ۵۶
۱۹۸- سورہ آل عمران / آیت نمبر ۲۶
۱۹۹- سورہ الانعام / آیت نمبر ۱۶۵
۲۰۰- سورہ المائدہ / آیت نمبر ۴۲۔
۲۰۱- سورہ المائدہ / آیت نمبر ۴۴۔
۲۰۲- سورہ المائدہ / آیت نمبر ۴۵۔
۲۰۳- سورہ المائدہ / آیت نمبر ۴۷۔
۳۰۴- سورۃ الجاثیہ / آیت ۱۶۔
۲۰۵- سورہ المائدہ / آیت نمبر ۵۰۔
۲۰۶- سورۃ ص / آیت ۲۰
۲۰۷- رواہ مسلم، بحوالہ مشکوۃ المصابیح: ص ۳۱۹
۲۰۸- مشکوۃ المصابیح: ص ۳۲۳
۲۰۹- مشکوۃ المصابیح: ص ۳۲۳
۲۱۰- صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب ۱، صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب ۵
۲۱۱- صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب ۸۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ۶۱۔ کتاب الامارہ، باب ۵
۲۱۲- صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب ۵
۲۱۳- کنزالعمال / علاؤ الدین علی المتقی / ج ۶ / ص ۶۸۔ ۱۲۲




Marfat.com

۲۱۴- کنزالعمال / علاؤ الدین علی المتقی / ج٦/ ص۸۷
۲۱۵- کنزالعمال / علاؤ الدین علی المتقی / ج٦/ ص ۳۴٦
۲۱٦- مسند احمد بحوالہ مشکوۃالمصابیح :ص۳۲۳۔
۲۱۷- R.N. Crew-Hunt, Theory and Practice of Communism, London, 1951,p. 6.
۲۱۸- سورۃ المائدہ / آیت نمبر ۳۔
۲۱۹- سورۃ یوسف / آیت نمبر ۴۰۔
۲۲۰- سورہ المؤمن / آیت نمبر ۱۲۔
۲۲۱- سورۃ القصص / آیت نمبر ۷۰۔
۲۲۲- سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہاج / پروفیسر سمیع اللہ قریشی / لاہور / سنگ میل پبلی کیشنز / ۱۹۹۵ء / ص ۱۳۸۔
۲۲۳- حجۃ اللہ البالغہ /شاہ ولی اللہ /جلد۱ / ص۱
۲۲۴- سورہ الزمر / آیت نمبر ۴۷
۲۲۵- الحدیث
۲۲٦- صحیح مسلم / باب الاجارہ
۲۲۷- لمحات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم / محمد الیاس ندوی / کراچی / مجلس نشریات اسلام / ۲۰۰۸ء / ص ۲۳۔
۲۲۸- ڈاکٹر انعام الحق کوثر /اسلام کا فلاحی مملکت چند عملی تجاویز /اسلام آباد /دعوۃ اکیڈمی / ص۲۰
۲۲۹- الجامع الصغیر من حدیث البشیر و النذیر /جلال الدین سیوطی / ج۱/ ص ۱۷۵
۲۳۰- بخاری، الصحیح، کتاب التمنی، باب ماجاء فی اجازہ فی خبر الواحد، ۲٦۴۹:٦، رقم ٦۸۳۰
۲۳۱- Mattern, Johannes, Concepts of State, Sovereignty & international Law, Page 17.
۲۳۲- Magna Carta (Latin for Great Charter),[1] also called Magna Carta Libertatum or The Great Charter of the Liberties of England, is an Angevin charter originally issued in Latin in the year 1215. Magna Carta was the first document forced onto a King of England by a group of his subjects, the feudal barons, in an attempt to limit his powers by law and protect their privileges.(http://en.wikipedia.org/wiki/Magna_Carta.



Marfat.com

۲۳۳- سیرۃ الرسول کی آئینی و دستوری اہمیت / ڈاکٹر طاہر القادری / لاہور / منہاج القرآن پبلی کیشنز / ۲۰۰۵ء / ص۱۷۹۔

۲۳۴- محمد صلی اللہ علیہ وسلم / عباس محمود العقاد المصری مترجم حافظ محمد عادل ولیجہ لاہور / آگہی پبلی کیشنز / ۲۰۰۱ء / ص۱۹۴۔

۲۳۵- شمائل ترمذی

۲۳۶- سنن ابن ماجہ۔

۲۳۷- محمد صلی اللہ علیہ وسلم / عباس محمود العقاد المصری مترجم حافظ محمد عادل ولیجہ لاہور / آگہی پبلی کیشنز / ۲۰۰۱ء / ص ۱۹۵۔

۲۳۸- مولانا حامد الانصاری / اسلام کا نظام حکومت / دہلی / ندوۃ المصنفین / ۱۹۶۴ء / ص ۸۲۔۸۳۔

۲۳۹- Reginald Bosworth Smith (1839-1908) was an educationist and author of United Kingdom. He wrote a book "Mohammed and Mohammedanism". He records his findings about the Best Praised Muhammad (PBUH

۲۴۰- /http://bestpraised.com/14

۲۴۱- سورہ الحج / آیت نمبر ۴۱۔

۲۴۲- مسلمانوں کا نظام مملکت / ص ۸۱، انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم / ڈاکٹر خالد علوی / لاہور / الفیصل ناشران / اگست ۲۰۰۲ / ص ۳۶۲۔

۲۴۳- انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم / ڈاکٹر خالد علوی / لاہور / الفیصل ناشران / اگست ۲۰۰۲ / ص ۳۶۲۔

۲۴۴- محمد صلی اللہ علیہ وسلم / عباس محمود العقاد المصری مترجم حافظ محمد عادل ولیجہ لاہور / آگہی پبلی کیشنز / ۲۰۰۱ء / ص ۱۸۸۔

۲۴۵- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، مولانا محمد طاسین، ماہنامہ الحق، جلد ۲۷، شمارہ ۱۱، دارالعلوم اکوڑہ خٹک، اگست ۱۹۹۲ء، ص۵۔

۲۴۶- الطریق الحکمیہ فی السیاستہ الشرعیہ، ابن قیم الجوزیہ / بیروت / دارالفکر / ص ۶

۲۴۷- صحیح بخاری / محمد بن اسماعیل بخاری

۲۴۸- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، مولانا محمد طاسین، ماہنامہ الحق، جلد ۲۷، شمارہ ۱۱، دارالعلوم اکوڑہ خٹک، اگست ۱۹۹۲ء، ص۸

۲۴۹- پروفیسر غلام رسول چیمہ / سیرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم / لاہور / علم و عرفان پبلشرز /



Marfat.com

۲۰۰۴ء/ ص ۸۰۰

۲۵۰- فضائل اعمال،(باب حکایات صحابہ)، محمد ذکریا، لاہور، کتب خانہ فیضی، ص

۲۵۱- سورہ الم نشرح/ آیت نمبر۔۔

۲۵۲- Shorter Encylopedia of Islam, Hamilton Alexander Rosskeen Gibb & Johannes Hendrik Kramers, Vol 3, 1953, P..

۲۵۳- ول ڈیورانٹ / ہیروز آف ہسٹری مترجم یاسر جوا/ لاہور/نگارشات/۲۰۰۹ء/ ص۲۳۴۔

۲۵۴- Thomas Carlyle (4 December 1795 – 5 February 1881) was a Scottish philosopher, satirical writer, essayist, historian and teacher during the Victorian era.

https://www.google.com.pk/#q=thomas+carlyle&safe=off

۲۵۵ http://bestpraised.com/26/

۲۵۶- Prof. Christiaan Snouck Hurgronje (born Feb. 8, 1857, Oosterhout, Neth.—died June 26, 1936, Leiden) was a Dutch scholar of Oriental cultures and languages and Advisor on Native Affairs to the colonial government of the Netherlands East Indies (now Indonesia).He is a pioneer in the scientific study of Islam.

(http://www.britannica.com/EBchecked/topic/550526/Christiaan-Snouck-Hurgronje

۲۵۷- http://bestpraised.com/21/

۲۵۸- سورۃ النساء/آیت نمبر۵۸

۲۵۹- سورۃ الحجرات /آیت نمبر ۱۳۔

۲۶۰- متفق علیہ

۲۶۱- سنن ابی وداؤد

۲۶۲- کتاب الخراج،امام ابو یوسف۔ ص۱۱۶،المطبعۃ السلفیہ، مصر، طبع ثانی ۱۳۵۲ھ۔

۲۶۳- مسند ابو داؤد الطیالسی،حدیث نمبر ۵۵، طبع دائرۃ المعارف،حیدرآباد،۱۳۲۱ھ۔

۲۶۴- النساء:۵۸

۲۶۵- بخاری،کتاب الاحکام،باب ا۔ مسلم،کتاب الامارہ،باب ۵

۲۶۶- بخاری،کتاب الاحکام،باب ۸۔ مسلم،کتاب الامارہ باب ۵



Marfat.com

۲۶۷- مسلم، کتاب الامارہ، باب ۵

۲۶۸- کنزالعمال، ج ۶، ح ۱۲۲۶۸

۲۶۹- بحوالہ اسلامی ریاست، ص ۳۶۵

۲۷۰- کنزالعمال، ج ۶، ح ۷۸

۲۷۱- ایضاً ج ۶، ح ۳۴۶

۲۷۲- مسلم، باب باب فضیلۃ الامام العادل

۲۷۳- ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی ھدایا الامیر، ۶۲۱/۳

۲۷۴- ایضاً، باب ماجاء فی القاضی، ۶۱۲/۳، ابو داؤد، کتاب الاقضیۃ، باب اجتہادالرائی، ۱۸/۴

۲۷۵- ابوداؤد/السنن، کتاب الامارۃ والفئی، باب ماجاء فی طلب الامارۃ، ۳۴۳/۳، ۳۴۴

۲۷۶- النساء: ۵۸

۲۷۷- مسلم، کتاب الامارۃ باب النھی عن طلب الامارۃ، ۶/۶

۲۷۸- الانفال: ۲۷

۲۷۹- الجوامع السیاسیۃ الالٰھیۃ/ ۳۶، بحوالہ: خالد علوی، ڈاکٹر/انسانِ کاملؐ، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۳۶۸-۳۶۹

۲۸۰- ابوداؤد، کتاب الامارۃ، باب فی ارزاق العمال، ۳۵۴/۳

۲۸۱- خالد علوی، ڈاکٹر/انسانِ کاملؐ ص ۳۶۹، ۳۷۰

۲۸۲- بخاری/الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، ۱۰۶۳/۲

۲۸۳- نثاراحمد، ڈاکٹر/عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نشریات، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۴۱۳

۲۸۴- نثار احمد، ڈاکٹر/عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۶

۲۸۵- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، مسلم، کتاب الامارہ، باب سوم

۲۸۶- ابوداؤد السجستانی/السنن، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۶۹ھ، ۴۰۶/۲ کتاب الخراج والامارۃ

۲۸۷- بخاری/الجامع الصحیح، دہلی، ۱۹۳۸ء، کتاب الایمان 1058/۲

۲۸۸- ابو یوسف/کتاب الخراج، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ص ۹: بحوالہ نثار احمد، ڈاکٹر/ عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۷

۲۸۹- نثار احمد، ڈاکٹر/ عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۷

۲۹۰- النساء: ۵۸

۲۹۱- ابن تیمیہ/السیاسۃ الشرعیۃ فی اصطلاح الراعی و الرعیۃ، قاہرہ، مطبعۃ الجہاد، ۱۹۶۱ء، ص ۱۰

۲۹۲- ایضاً ص ۱



Marfat.com

۲۹۳- الانفال: ۲۷
۲۹۴- نثار احمد، ڈاکٹر/عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۸
۲۹۵- عبدالحیٔ کتانی/التراتیب الاداریۃ، ترجمہ عہدِ نبویؐ کا نظام حکومت، مترجم: مولانا معظم الحق، کراچی، ادارۃ القرآن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۱
۲۹۶- عبدالحیٔ کتانی/التراتیب الاداریۃ (عہدِ نبویؐ کا نظامِ حکومت- ترجمہ: مولانا معظم الحق، کراچی، ادارۃ القرآن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۱
۲۹۷- طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر/ تاریخ الرسل و الملوک، قاہرہ، ۱۹۶۰ء، ۱۲۸/۳، ۱۲۹
۲۹۸- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، ۶۲۳/۲، بحوالہ، نثار احمد، ڈاکٹر/عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۵۰، ۴۵۱
۲۹۹- پاکستان کے قومی مسائل تجزیہ اور حل / خرم مراد / لاہور / منشورات / ۲۰۱۱ء/ص ۱۶۷-
۳۰۰- پاکستان کا حال اور مستقبل / قاضی حسین احمد / لاہور/ منشورات / اپریل ۲۰۰۲/ ص ۱۳۹ - ۱۴۱
۳۰۱- جاوید نامہ / کلیاتِ اقبال / علم و عرفان پبلیشرز / ص ۱۴۹-
۳۰۲- کلیات اقبال/علامہ اقبال / لاہور/ علم و عرفان پبلیشرز / ص ۱۲۰-



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

سید محمد عثمان-کراچی

## جمہوریت

جمہوریت کا لفظ اردو میں انگریزی لفظDemocracy کا ترجمہ ہے اور انگریزی میں یہ لفظ یونانی زبان سے آیا ہے۔یونانی زبان میں عوام کو Demo کہتے ہیں اور Cracy حاکمیت اور اقتدار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۱)

عربی لغت کے اعتبار سے جمہوریت کا ماخذ لفظ "جمہور" ہے، جس کا بنیادی مادہ "ج م ہ ر" ہے۔
مرتضٰی زبیدی کے بہ قول: وجمھر، ای الشیء: جمعہ (۲)
گویا جمہر کا معنی ہے: کسی چیز کا جمع ہونا یا اکثریت میں ہونا۔اسی سے لفظ جمہور نکلا ہے۔
مشہور لغت لسان العرب میں ہے:

جمعتہ جمھرت القوم، اذا جمعتھم، جمھرۃ الشیء اذا جمعتہ (۳)
اسی طرح القاموس میں ہے:
"الجمھور" بالضم، الرملۃ المشرفۃ علی حولھا (۴)
ابن منظور اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:
الجمھور وقال الاصمعی: ھی الرملۃ المشرفۃ علی ما حولھا المجتمعۃ۔ الرمل الکثیر المتراکم الواسع، الأرض المشرفۃ علی ما حولھا (۵)

یعنی جمہور کا بنیادی مفہوم کسی چیز کی اکثریت اور اس کا ممتاز اور نمایاں ہونا ہے۔جمہور کا لفظ انسانوں کے لیے آئے تو اس سے ان کی اکثریت یا ممتاز اکثریت مراد ہوتی ہے، جیسا کہ علمائے لغت نے بیان کیا ہے۔

لغت داں مرتضٰی زبیدی کے الفاظ میں اس کا خلاصہ یوں بنتا ہے:
والجمھور من الناس: جلھم وأشرافھم وھذا قول الجمھور (۶)
مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "جمہور" کا بنیادی معنی اکثریت یا کثرت اور نمایاں یا بلند تر کے آتے ہیں، اور انسانوں کے حوالے سے جب یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد عوام الناس یا ان کے



Marfat.com

معززین کی اکثریت ہوتی ہے۔ الماوردی نے اپنی مشہور کتاب الاحکام السلطانیہ میں یہ لفظِ جمہور امامت کے انعقاد کی شرائط کے سلسلے میں استعمال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فقالت طائفة لاتنعقد الا بجمهور اهل العقد والحل من كل بلد (۷)

اصطلاح میں جمہوریت کی کوئی جامع مانع اور مکمل تعریف کرنا خاصا مشکل کام ہے، کیوں کہ اس میں خود علمائے سیاست کا اتنا زبردست اختلاف رہا ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے کی تعریف سے نہیں ملتی، البتہ بہ حیثیت مجموعی جمہوریت کا جو بنیادی تصور و مفہوم سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے۔ لہٰذا جمہوریت کے معنی ایک ایسے نظام حکومت کے ہیں، جس میں عوام کو یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ بات کی وضاحت کے لیے ہم انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں مذکور جمہوریت کی تعریف ذکر کرتے ہیں:

Democracy: Free and equal representation of people.

A government in which the supreme power is vested in the people and exercised by them directly or indirectly through a system of representation use, involving periodically held free elections.

Democratic System of Government: A system of government based on the principle of majority decision-making.(۸)

جمہوریت: لوگوں کی آزاد اور مساوی نمائندگی۔

ایک ایسا نظام حکومت، جس میں حاکمیت اعلیٰ عوام کے پاس ہوتی ہے اور عوام ہی بالواسطہ یا بلا واسطہ طریقے سے حکومت چلاتے ہیں۔ نظام میں عوام کی نمائندگی ہوتی ہے، جو بالعموم ہر کچھ عرصے بعد آزاد انتخابات کے ذریعے سے نمائندے چن کر کی جاتی ہے۔

جمہوری نظام حکومت: ایک ایسا نظام حکومت، جو اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ سازی کے اصولوں پر قائم ہو۔

## جمہوریت کیا ہے؟

یہاں اہم نکتہ یہ ہے کہ جمہوریت (Democracy) اور اس کا نظام کیا ہے؟

اہم ترین سیاسی فلاسفہ اور مفکرین میں ہیروڈوٹس (Herodotus) افلاطون (Plato) اور ارسطو (Aristotle) نے عوام کی حاکمیت (یعنی جمہوریت) کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ یہاں پر ارسطو کا ایک حوالہ مناسب ہو گا، جس سے موجودہ دور میں (Democracy) کی اصطلاح اخذ کی گئی ہے۔

سیبائین (Sabine) جیسے جدید ماہر سیاسیات نے بیان کیا ہے کہ ارسطو کے بیان کردہ سیاسی



Marfat.com

فلسفے کے مطابق اچھی قسم کی حکومتیں تین طرح کی ہوتی ہیں:

۱۔ بادشاہت (Monarchy)

۲۔ اشرافیہ (Aristocracy)

۳۔ عمومیت) (Polity) جسے اس نے سب سے اعلیٰ اور مثالی قرار دیا ہے)

اس کے بیان کے مطابق یہ تینوں جب بگڑتی ہیں تو صورت حال یہ بنتی ہے کہ بادشاہت، جبریت یا (Tyranny) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اشرافیہ، مطلق العنانیت یعنی (Oligarchy) میں جب کہ عمومیت، عوامیت یعنی جمہوریت (Democracy) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔(۹)

ولیم آف موربکے نے ارسطو کے اس نقطۂ نظر کو بیان کرنے کے بعد جمہوریت کی درج ذیل تعریف کی ہے:

A form of Government which is conducted for the benefit of the poor rather than in the public interest. (۱۰)

گویا ارسطو نے حکومت کی بگڑی ہوئی شکل کو "عوام الناس کی حکومت" یعنی جمہوریت قرار دیا، جب کہ ولیم نے اس سے محض لوگوں کی حکومت نہیں، بلکہ "غربا کی حاکمیت" مراد لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی امور کے قدیم و جدید ماہرین جمہوریت یا (Democracy) کی کوئی جامع تعریف متعین کرنے میں مختلف الخیال یا پھر ناکام نظر آتے ہیں، جیسا کہ ماہر سیاسیات نوبرٹو بابیو (Noberto Bobio) لکھتا ہے:

The entire history of political thought is riddled with disputes about the best form of government and within this dispute a recurrent theme has been the argument for and against democracy. (۱۱)

انسانی معاشروں کا قدیم ترین اور عملاً کامیاب ترین طرز حکومت بادشاہت رہا ہے۔ اس انداز حکمرانی میں جب مطلق العنانیت کا عنصر حد سے بڑھ گیا تو عوام الناس میں رد عمل پیدا ہونے لگا۔ رعایا کی اکثریت اور عوام الناس کی بڑی تعداد نے آگے بڑھ کر ایک طرز حکومت کا روپ دھار لیا تو وہ جمہوریت یا (Democracy) کہلایا۔ اور اپنی ارتقائی منازل طے کر کے "عوام کی منشا کے مطابق حکومت" کے طور پر مقبول ہوتا چلا گیا۔ یہ نظام افلاطون اور ارسطو جیسے مفکرین کی نظر میں قابل قبول نہ ٹھہرا کہ وہ اسے "ہجوم کی حاکمیت" قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ دراصل حکومت کی ناکامی ہے کہ عوام الناس یا رعایا تنگ آ کر خود حکومت سنبھال لیں اور ایک نئی طرح کی بد امنی، یعنی انارکی (Anarchy) جنم لے۔(۱۲)

اسی طرح علم سیاسیات کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نہ صرف قدیم یونانی مفکرین سیاسیات، بلکہ انیسویں صدی تک کے جدید سیاسی ماہرین بھی "عوام الناس کی حاکمیت" کے تصور کو قبول



Marfat.com

کرنے پر تیار نہ تھے، جیسا کہ مائیکل اسٹیورٹ (Michael Stewart) لکھتا ہے:

Untill the middle of the ninteenth century democracy was a smear word for mob-rule. Only in the last 100 years has it taken of a generally favourable meaning.(۱۳)

انیسویں صدی کے وسط تک جمہوریت ایک بدنام لفظ تھا، جو ہجوم کی حکومت کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ گذشتہ ایک صدی میں اس طرز حکومت نے عام پسندیدگی کا مفہوم اور مقام حاصل کر لیا ہے۔

اسی طرح جمہوریت اپنے ارتقائی مراحل میں جس شکل سے گذرتی رہی، اسی ترتیب سے اس کی مختلف تعریفیں اور نام بتائے جاتے رہے۔ مختلف قوموں کے معاشرتی و معاشی حالات نے ہر معاشرے کے اپنے خاص مزاج کے مطابق عوامی شرکت کے جس نظام حکومت کو بھی اختیار کیا، وہ وہاں کی جمہوریت کہلایا۔ اس معاشرے کے سوچنے سمجھنے والے دماغ جمہوریت کے اسی ماڈل کی خصوصیات کو اصل جمہوریت کے خد و خال کے طور پر شمار کرنے لگے۔ حتیٰ کہ آج جب جمہوریت کی کوئی جامع تعریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کے سامنے کئی عکس نمایاں ہو جاتے ہیں، جنہیں وہ چند الفاظ میں مقید کرنے کو ناممکن محسوس کرنے لگتے ہے۔ سارٹوری (Sartori) تو یہاں تک کہتا ہے:

We characteristically live, then in an age of confused democracy. That "Damocracy" Obtains several meanings, is something we can live with. But if "Democracy" can mean just anything, that is too much.

گویا واضح طور پر ہم، غیر واضح تصور جمہوریت کے دور میں رہ رہے ہیں۔ لیکن اگر لفظ "جمہوریت" کے کئی مفہوم ہوتے تو گزارا چل سکتا تھا، یہاں تو المیہ یہ ہے کہ اس کا کوئی بھی معنی لیا جا سکتا ہے۔(۱۴)

اس تعریف کی رو سے عوام ہی طاقت کا سر چشمہ ہیں، وہ جس طرح چاہیں، اپنا طرز حیات منتخب کریں۔

اسی طرح ڈیوڈ ہیلڈ (David Held) کا یہ بیان بھی قابل غور ہے:

The word "democracy" came into English in the sixteenth century from the french demokratie, its origins are Greek, Democracy is derived from demokratia, the root meanings of which are demos(people) and kratos(rule). Democracy means form of government in which in contradiction to monarchies and aristocracies, the people rule. (۱۵)

لفظ جمہوریت انگریزی زبان میں سولھویں صدی عیسوی میں فرانسیسی سے آیا، جب کہ یہ اپنی اصل کے لحاظ سے دیماس، (یعنی لوگ) اور کراتوس، (یعنی حاکمیت) سے ماخوذ ہے۔ گویا جمہوریت سے مراد ایسا



Marfat.com

طرز حکومت ہے، جس میں بادشاہت اور اشرافیہ کے بالعکس لوگ خود حاکم ہوں۔

## دور جدید کی جمہوریت

دورِ جدید میں جمہوریت کی صورت گری میں جن مفکرین نے حصہ لیا ہے، ان میں تین نام زیادہ اہم ہیں اور ان ہی کو جدید اور آزاد خیال جمہوریت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ یہ تینوں ہی فلسفی ہیں، جنہوں نے اپنے اپنے نظریات اور فلسفے کی بنیاد پر ایسے افکار دنیا میں پھیلائے، جس کے نتیجے میں جمہوریت وجود میں آئی اور لبرل ڈیموکریسی (Liberal Democracy) کی بنیاد پڑی۔ ذیل میں ہم ان مفکرین کے بنیادی نظریات کا قدرے اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، تاکہ اس کی مدد سے جمہوریت اور جمہوری نظام کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

☆ان میں سے پہلا مفکر وولٹائر (Voltaire) ۱۶۹۴ء۔۱۷۷۸ء) ہے، اس نے یہ دعویٰ کیا کہ جتنے آسمانی مذاہب ہیں، سب تحریف شدہ ہیں، اور اصل میں انسان کا ایک ہی مذہب ہونا چاہیے اور وہ فطری مذہب ہے، جس کو انگریزی میں (Natural Religion) کہتے ہیں، اور اس کے تحت انسان پیدا ہونے کے بعد خدا کے وجود کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے میں مختار ہے، اور عام مذاہب میں جو اخلاقی یا قانونی ہدایات دی جاتی ہیں، ان کی اور مذہبی نظاموں کی کوئی دائمی حیثیت نہیں ہے۔

اس نظریے کے زیر اثر وولٹائر کا جو نظریہ سب سے زیادہ موثر ثابت ہوا، وہ یہ ہے کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے اور کوئی اتھارٹی دوسرے کو کسی مذہب کے حق اور باطل ہونے پر قائل نہیں کر سکتی، نہ اس میں چرچ کو دخل اندازی کی ضرورت ہے اور نہ حکومت کو، حکومت کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور بعد میں یہی سوچ دین و دنیا کی تقسیم، یعنی سیکولرازم کے نظریے کی بنیاد بنی۔ یہ نظریہ در حقیقت اس ظلم و ستم کا ردِ عمل تھا، جو چرچ نے تھیوکریسی کی شکل میں اہل مغرب پر ڈھائے تھے۔(۱۶)

☆دوسرا شخص، جس کا جمہوریت کی صورت گری میں بڑا کردار ہے، مونٹیسکو (Montesquieu) (۱۶۸۹ء۔۱۷۵۵ء) ہے۔ اس نے اپنی مشہور کتاب روح قانون (The Spirit of Lows) میں، جو در اصل قانون اور اس کے فلسفے کو موضوعِ بحث بناتی ہے، جمہوریت کے سلسلے میں ایک نظریہ پیش کیا، جو تفریق اختیارات (Separation of Powers) کا نظریہ کہلاتا ہے۔ مونٹیسکو نے پہلی بار یہ بات کہی کہ ریاست کے اختیارات در حقیقت تین قسم کے ہیں:

۱۔ قانون سازی کا اختیار۔

۲۔ ملک کا انتظام، اس کے قانون کے مطابق چلانے کا اختیار۔

۳۔ قانون کی خلاف ورزی یا تنازعے کی صورت میں فیصلے کا اختیار۔

مونٹیسکو کے تفریق اختیارات کے نظریے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں اختیارات کسی ایک شخص



Marfat.com

یا ادارے میں مرتکز نہیں ہونے چاہییں، بلکہ یہ تینوں ادارے ایک دوسرے سے آزاد اور خود مختار ہونے چاہییں، اور ایک ادارے کو دوسرے ادارے کے کام میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔

اس نظریے کو تمام تر جمہوری ریاستوں نے تسلیم کیا اور اب کسی ریاست کے جتنے بھی دستور بنتے ہیں، وہ اسی تفریق اختیارات کے نظریے کی بنیاد پر بنتے ہیں، یہاں تک کہ موجودہ دور میں اس نظریے کی بنیاد پر بننے والے تینوں ادارے "جمہوریت کے ستون" کہلاتے ہیں۔(۱۷)

ذیل میں ہم ان اداروں کے فرائض کو مختصراً ذکر کرتے ہیں:

## ۱۔ قانون سازی کا اختیار

جمہوری نظام میں قانون سازی کا اختیار جس ادارے کو حاصل ہوتا ہے، وہ مقننہ کہلاتا ہے۔ اس ادارے کو "پارلیمنٹ" یا "اسمبلی" کہا جاتا ہے۔ ملک کے اندر کیا قانون نافذ ہونا چاہیے؟ اس پر یہ ادارہ بحث کرتا ہے، پھر جس مسودۂ قانون کو اکثریت کی حمایت حاصل ہو جائے، اسے منظور کر کے نافذ بھی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ادارہ حکومت کی پالیسیوں پر بھی بحث کرتا ہے، اور جمہوری نظام میں اسے سب سے بالاتر ادارہ تصور کیا جاتا ہے۔ کسی بھی قانون کو منظور کرنے اور نافذ کرنے میں بنیادی اہمیت عوام کی فلاح و بہبود اور عوامی خواہش کو حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اگر عوام کی اکثریت کسی امر کا مطالبہ کرے تو مقننہ اسے بحث و مباحثے کے بعد منظور کر لیتی ہے، اگرچہ وہ بات اخلاقی و معاشرتی لحاظ سے کتنی ہی نقصان دہ اور ضرر رساں کیوں نہ ہو۔

## ۲۔ ملک کا انتظام، اس کے قانون کے مطابق چلانے کا اختیار

قانون کے مطابق ملک کا انتظام چلانے کا اختیار جس ادارے کو حاصل ہوتا ہے، اسے انتظامیہ کہا جاتا ہے۔ اس کا سربراہ صدارتی نظام میں صدرِ مملکت اور پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم ہوتا ہے۔ جمہوری نظام میں یہ ضروری ہے کہ حکومت انتخابات کے نتیجے میں برسر اقتدار آئے۔ اس غرض کے لیے شروع میں پارلیمنٹ کے لیے انتخاب ہوتا ہے، پھر پارلیمانی نظامِ حکومت میں (جو پاکستان میں رائج ہے) جو جماعت اکثر ارکان پارلیمنٹ کی حمایت حاصل کر لے، وہ حکومت بناتی ہے۔ انتظامیہ کی ذمے داریوں میں ملک کا نظم و نسق چلانا، داخلی اور خارجی امور میں ملک کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھنا، اور ہر معاملے میں آئین و قانون کی پاس داری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

## ۳۔ قانون کی خلاف ورزی یا تنازعے کی صورت میں فیصلے کا اختیار

قانون کی تشریح اور تنازعات کی صورت میں فیصلے کا اختیار جس ادارے کو حاصل ہے، اسے عدلیہ کہتے ہیں۔ یہ ملک کی عدالتوں کی شکل میں وجود میں آتا ہے۔ ہر جمہوری نظام میں عدلیہ کی آزادی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ عدلیہ کی آزادی کو یقینی بنانے کے لیے ججوں کے تقرر اور معزول کرنے کے بھی



Marfat.com

مخصوص طریقے دستور میں درج ہوتے ہیں، تا کہ انتظامیہ سے اختلاف کی صورت میں عدلیہ کی آزادی خطرے میں نہ پڑ جائے۔ پاکستان کا عدالتی نظام عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ)، وفاقی شرعی عدالت (فیڈرل شریعت کورٹ)، عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) اور ماتحت فوج داری و دیوانی عدالتوں پر مشتمل ہے۔(۱۸)

☆تیسرا شخص، جس نے جمہوریت کی صورت گری میں حصہ لیا، روسو (Rousseau) ۱۷۱۲ء۔ ۱۷۷۸ء) ہے۔ روسو نے معاہدۂ عمرانی کے نظریے کی تجدید کی۔ معاہدۂ عمرانی کے نظریے کا آسان الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ ابتدا میں انسان دنیا میں آیا تو کوئی حکومت نہیں تھی، کوئی ریاست نہیں تھی، بلکہ سب لوگ کسی حکومت کے بغیر انفرادی زندگی گزارتے تھے، (اس حالت کو علم سیاست کی اصطلاح میں "فطری حالت" سے تعبیر کیا جاتا ہے) لیکن فطری حالت میں افراد کے مفادات ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے، جو جھگڑوں کا سبب بنتے تھے، چناں چہ سب لوگوں نے مل کر سوچا کہ ایسا نظام بنایا جائے، جو مفادات کے ٹکراؤ کی صورت میں جھگڑوں سے مانع ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا کہ ہم سب کو ایک مخصوص نظام کے تحت زندگی گزارنی چاہیے، چناں چہ اسی معاہدے کے نتیجے میں ریاست کا وجود عمل میں آیا۔ اس نظریے کو معاہدۂ عمرانی کہا جاتا ہے، لیکن ابتدا میں اس معاہدے کے نتیجے میں جو نظام وجود میں آیا، اسے "مطلق العنان حکمرانی" کا نظام کہا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ابتدائی دور میں اس معاہدے کی تشریح اس طرح کی گئی کہ چوں کہ افراد نے خود اپنے مفاد کی خاطر، اپنے تمام حقوق اور اختیارات ریاست کے سپرد کر دیے ہیں، تو اب ریاست مطلق العنان حکمران ہے۔ اسے مطلق العنان ہی ہونا چاہیے اور مطلق العنان ہونے کی وجہ سے اس کو تمام افراد پر کنٹرول کرنا چاہیے۔

روسو پہلا شخص ہے، جس نے معاہدۂ عمرانی کی قدیم تشریح کو مسترد کیا اور جدید تصور پیش کرتے ہوئے کہا کہ معاہدۂ عمرانی کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ مطلق العنان حکومت قائم ہو، بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسی حکومت قائم ہو، جس میں افراد کو آزادی ہو، اور حکومت افراد کی نمائندہ ہو۔ کیوں کہ انہوں نے حکومت کے حق میں دستبرداری اپنے مفادات اور اپنی آزادیوں کے تحفظ کے لیے برداشت کی ہے، لہٰذا معاہدۂ عمرانی کا تقاضا یہ ہے کہ عوام اپنی نمائندہ حکومتیں قائم کریں اور فرد کے مفادات کا تحفظ کیا جائے۔ اس طرح روسو کے نظریے میں دو نکات ہیں:

۱۔ فرد کی آزادی پر زور۔

۲۔ افراد کی نمائندہ حکومت۔

یہ ہیں وہ تین بنیادی نظریات، جن سے آزاد خیال، سیکولر اور دورِ جدید کی جمہوریت کی صورت گری ہوئی، یعنی ریاست کی مذہب سے علیحدگی، تفریق اختیارات اور فرد کی آزادی کے نتیجے میں نمائندہ حکومت۔(۱۹)



Marfat.com

## جمہوریت

گزشتہ صفحات میں ہم نے جمہوریت اور جمہوری نظام کا مختصر جائزہ پیش کیا، جس سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ خالص جمہوری نظام اگرچہ بعض معاملات میں اسلام اور اس کے نظام سیاست و حکومت سے مطابقت رکھتا ہے، لیکن بعض دیگر معاملات میں وہ اس سے یکسر متصادم بھی ہے۔ مثال کے طور پر ریاست سے مذہب کی علیحدگی، عوام کی حاکمیت کا تصور، عقل و دانشِ انسانی کو ہر آئین و قانون کی بنیاد بنانا، صرف عوامی خواہش کی بنیاد پر قانون سازی کا تصور، فرد کی مکمل و ہر طرح کی قید سے آزاد، آزادی، یہ وہ امور ہیں، جو اسلامی تصورِ سیاست سے سراسر متصادم ہیں۔ اب ہم اسلام کے نظام سیاست کو بیان کرتے ہیں، تاکہ اسلامی نظام کا جمہوری نظام سے موازنہ ہو جائے۔(۲۰)

## اسلام کا نظام سیاست

سیاست کے بارے میں اسلام نے بے شک بہت سے احکام عطا فرمائے ہیں، لیکن حکومت کا کوئی تفصیلی نقشہ اسلام نے متعین نہیں فرمایا۔ اصول اور قواعد بیان کیے ہیں، لیکن ان اصولوں کو کس طرح نافذ کیا جائے؟ عملاً ان کی صورت کیا ہو؟ اس کی تفصیلی جزئیات اسلام نے متعین نہیں کیں، بلکہ ان کو ہر دور کے اہل علم اور اہل بصیرت کے فیصلے پر چھوڑ دیا ہے۔ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں ایک اصول یہ بیان کیا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (۲۱)

تم دشمنوں سے مقابلے کے لیے جو تیاری کر سکتے ہو، کرو۔

اس آیت میں باری تعالیٰ نے اصول تو دے دیا، اور دیگر مقامات پر اس کی کچھ مثالیں بھی دے دیں، لیکن یہ تفصیل نہیں بتائی کہ فلاں، فلاں اسلحہ بناؤ، بلکہ یہ بات ہر دور کے اہل بصیرت پر چھوڑ دی کہ وہ اپنے اپنے حالات، تجربات، بصیرت، استعداد اور زمانے کی ضرورت کے مطابق قوت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اسی طرح سیاست کے باب میں بھی اصولی ہدایات تو اسلام نے عطا فرما دی ہیں، لیکن آگے کی تفصیلات کہ حکومت کے کتنے محکمے ہوں؟ انتظامی اختیارات کس طرح تقسیم کیے جائیں؟ وزرا ہوں یا نہ ہوں؟ وغیرہ، یہ تفصیلات اسلام نے متعین نہیں فرمائی ہیں، کیوں کہ شریعت کی ہدایت اس جگہ آتی ہے، جہاں وہ یہ محسوس کرتی ہے کہ اگر اس بات کو لوگوں کی عقل و فہم پر چھوڑ دیا گیا تو لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ البتہ جہاں مباحات اور جائز امور کا معاملہ ہے، اس میں اکثر باتیں انسان کی عقل و بصیرت پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ اس طرح اسلام کے اصول سیاست ایک طرف ناقابل تبدیل ہیں اور دوسری طرف اتنے لچک دار ہیں کہ ان پر عمل کا طریقہ کار زمان و مکان کے تقاضوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے متعین



Marfat.com

کیا جا سکتا ہے، اور ان اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے، ان میں مختلف زمانوں میں تبدیلی بھی ہو سکتی ہے، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور رہتی دنیا کے لیے خالق کائنات کا منتخب کردہ دین فطرت ہے۔(۲۲)اور اس میں زندگی کے ہر ہر پہلو کے حوالے سے جامع اور مکمل رہنمائی موجود ہے۔(۲۳)

## اسلامی ریاست کی خصوصیات اور پاکستان کے آئین سے اس کا موازنہ

آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام جس ریاست کا تصور پیش کرتا ہے، اس کی خصوصیات کیا ہیں اور یہ جمہوریت سے کس حد تک مختلف ہے۔ نیز پاکستان کا مروجہ نظام اپنے اندر کس قدر یہ خوبیاں سمیٹے ہوئے ہے۔

### اصولی اور نظریاتی ریاست

اسلامی ریاست کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہوتی ہے۔ اس ریاست کی بنیاد نہ نسل پر ہے اور نہ رنگ پر، نہ زبان پر ہے اور نہ وطن پر، نہ محض معاشی مفا[د] کا اشتراک اس کی اساس ہے اور نہ محض سیاسی الحاق۔ اس ریاست کی اصل بنیاد یہ ہے کہ یہ اسلامی نظر[یۂ] حیات کی علم بردار، اس کی تابع اور اس کو قائم کرنے والی ہے۔ جو ریاست اللہ تعالیٰ کی سیاسی حاکمیت [کا] اعلان کرے اور اس کے قانون کو نافذ کرنے والی بنے، وہ اسلامی ریاست ہے اور اسلامی ریاست کی امتیا[زی] خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک نظریاتی ریاست ہے اور ایسے اصول کی داعی ہے، جو تمام انسانوں کے لیے یکساں ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَ[رِ] وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ(۲۴)

یہ (مسلمان) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں ا[ور] زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو ا[للہ] ہی کے اختیار میں ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِ[نْ] قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُ[وْلَ] لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۲۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو اللہ نے ان کے لیے وعدہ کر[لیا]



Marfat.com

ہے کہ انہیں ضرور زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، وہ اس کو ان کے لیے مستحکم کردے گا اور ان کے خوف کو امن سے ضرور بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کرتے رہیں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی کفر کریں تو وہ یقیناً فاسق ہیں۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

سورۂ حدید میں ارشاد ہوا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (۲۶)

یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اُتارا، جس میں بڑی قوت اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں، تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوی ہے، زبردست ہے۔

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں حکومت کا مقصد دین کو قائم کرنا، خدا کی کتاب کے مطابق انصاف قائم کرنا، نیک کاموں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا ہے۔ یہ ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے اور اس کی اصل ذمے داری اس اصول کی سربلندی ہے، جسے قائم کرنے کے لیے یہ وجود پذیر ہوئی ہے۔(۲۷)

## پاکستان۔ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست

مملکت خداداد پاکستان بھی ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے اور بنیادی طور پر اس کے قیام کا نظریہ بھی عین اسلامی ہے۔ اس دعوے کا ایک ثبوت تو وہ قرارداد ہے، جسے آئین کے دیباچے کے طور پر منظور کیا گیا اور بعد میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے اسے دستور کے متن کا بھی حصہ قرار دے دیا گیا،(۲۸) جس میں حاکمیت اعلیٰ کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لیے کیا گیا ہے۔ متن کے اس حوالے سے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

☆اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے، اس نے جمہور کے ذریعے مملکت پاکستان کو جو اختیار سونپا ہے، وہ اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔(۲۹)

یہ بات بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ بانیانِ پاکستان اور ان کے رفقائے کار نے ہمیشہ اس بات کا برملا اظہار کیا کہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے، جس کا حصول اس لیے ضروری ہے تاکہ مسلمان



Marfat.com

ایک الگ خطۂ ارضی میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے مطابق اطمینان اور آزادی سے زندگی گزار سکیں۔ اس مقصد کے لیے جہاں ایک طرف قائد اعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھی اور پاکستان کے پہلے وزیر اعظم جناب لیاقت علی خاں صاحب کی تحریک سے اسمبلی نے قرار داد مقاصد کی منظوری دی، وہیں دوسری جانب خود قائد اعظم نے متعدد مرتبہ دو قومی نظریے کا اثبات کیا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا ایک تاریخی اجلاس شروع ہوا، جس میں قرار داد پاکستان منظور کی گئی تھی، اس اجلاس میں قائد اعظم نے اپنا معرکۃ الآرا صدارتی خطبہ دیا، جس میں انہوں نے مسلمانوں کو علیحدہ قوم ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اور خود مختار اسلامی ریاست کی ضرورت و اہمیت کو اس انداز میں واضح کیا:

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے قومی تصور اور ہندو دھرم کے سماجی طور طریقوں کے باہمی اختلافات کو محض وہم و گمان بتانا ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے، ایک ہزار برس کے قریبی روابط کے باوجود دونوں قومیں آج بھی ایک دوسرے سے اتنی ہی دور ہیں، جتنی پہلے ہوا کرتی تھیں۔ ان کے متعلق یہ توقع کرنا کہ ان میں محض اس وجہ سے انقلاب آ جائے گا اور ہندو اور مسلمان ایک قوم بھی بن جائیں گے کہ ان پر ایک جمہوری آئین کا دباؤ ڈالا گیا ہے، سراسر غلطی ہے۔ (۳۰)

قائد اعظم آگے مزید فرماتے ہیں:

اسلام اور ہندو دھرم محض اور فقط مذاہب نہیں ہیں، بلکہ در حقیقت وہ دو مختلف اور جدا گانہ سماجی نظام ہیں۔ چناں چہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر مشترکہ قومیت کی تخلیق کر سکیں گے۔ (۳۱)

اور پھر قائد اعظم نے اسی اجلاس میں مسلمانوں کے لیے ایک خود مختار وطن کے مطالبے پر زور دیتے ہوئے کہا:

قومیت کی ہر تعریف کی رو سے مسلمان ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کا اپنا ایک قومی وطن ہو، ان کا اپنا علاقہ ہو اور اپنی ریاست و مملکت ہو۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن و اتحاد سے رہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم اپنی پسند اور امنگوں کے مطابق اور اپنے معیار اور نصب العین کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی روحانی، ثقافتی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی زندگی کو بہترین اور بھرپور طریقے پر ترقی دے سکے۔ (۳۲)

قائد اعظم محمد علی جناح کے بے شمار ایسے ارشادات ہیں کہ جن سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قائد اعظم کے پیش نظر کیسا پاکستان تھا اور پاکستان کے حصول کا مقصد کیا تھا؟ اس ضمن میں ہم قائد اعظمؒ کے چند ارشادات پیش کریں گے، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی نظام قانون کو اس ملک کا قانون



Marfat.com

اور اسلامی نظام عدل کو اس ملک کا نظام بنانا ہی اس مملکت کے بانیان کا مقصد اصلی تھا۔

مسلمانوں کی علیحدہ قومیت اور علیحدہ وطن کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے ۸/مارچ کو علی گڑھ یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

پاکستان اسی دن وجود میں آگیا تھا، جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے، جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے، وطن نہیں، اور نہ ہی نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا، وہ ایک جدا گانہ قوم کا فرد ہو گیا، اور ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔(۳۳)

اس خطاب میں قائداعظمؒ مزید فرماتے ہیں:

آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبۂ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے، نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔(۳۴)

۱۹اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے مسلم ارکان کے مشترکہ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے کہا:

ہم ایک ایسی مملکت کا قیام نہیں چاہتے، جو تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر قائم ہو۔ مذہب ہمیں انتہائی محبوب ہے، مذہب کے مقابلے میں تمام دنیاوی چیزیں ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔(۳۵)

پاکستان کے قیام کے بعد ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو رائیٹرز کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے قائد اعظمؒ نے فرمایا:

ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے لیے عادلانہ سلوک کے یقینی حصول کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔(۳۶)

عید الاضحیٰ کے مبارک موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لہٰذا آیئے! ہم عید الاضحی کے مبارک دن، جو اسلام کے جذبۂ ایثار و قربانی کا مظہر ہے، عہد کریں کہ ہم اپنے تخیل کے مطابق مملکت قائم کرنے کے اپنے مقصد سے ہرگز منہ نہ موڑیں گے۔ خواہ اس کے لیے ہمیں کتنی ہی قربانیوں، امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑے اور اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اپنی تمام صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لائیں گے۔(۳۷)

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے قائد اعظم نے ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن کے استقبالیے میں کہا:

وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ لوگوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے، یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں کی جائے گی۔(۳۸)



Marfat.com

قائد اعظم آگے مزید فرماتے ہیں:

اسلام اور اس کے اعلیٰ نصب العین نے جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو مساوات، عدل اور انصاف کا درس دیا ہے۔ کسی کو جمہوریت، مساوات اور حریت سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ جب کہ وہ دیانت کے اعلیٰ ترین معیار پر مبنی ہو اور اس کی بنیاد ہر شخص کے لیے انصاف اور عدل پر رکھی گئی ہو۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے مزید فرمایا:

ہمیں اسے (پاکستان کا آئندہ دستور) بنا لینے دیجیے۔ ہم یہ بنائیں گے اور ہم اسے ساری دنیا کو دکھائیں گے۔(۳۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم رہبر تھے۔ آپ ایک عظیم قانون عطا کرنے والے تھے۔ آپ ایک عظیم مدبر تھے۔ ایک عظیم رہبر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم فرماں روا تھے، جنہوں نے حکمرانی کی۔ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو اس بات کو بالکل نہیں سراہتے۔(۴۰)

۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو حکومت پاکستان کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے واضح کیا:

قیام پاکستان، جس کے لیے ہم گذشتہ دس برس سے کوشاں تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج ایک مسلمہ حقیقت ہے، لیکن اپنی مملکت کا قیام دراصل ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے، بہ ذات خود کوئی مقصد نہیں۔ تصور یہ تھا کہ ہماری ایک مملکت ہونی چاہیے، جس میں ہم رہ سکیں اور آزاد افراد کی حیثیت سے سانس لے سکیں، جسے ہم اپنی صواب دید اور ثقافت کے مطابق ترقی دے سکیں اور جہاں اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصول جاری و ساری ہوں۔(۴۱)

پاکستان کے آئین اور مستقبل پر فروری ۱۹۴۸ء کو ایک امریکی نامہ نگار سے اپنے انٹرویو میں قائداعظمؒ نے اسلامی ہیئت پر بات کرتے ہوئے فرمایا:

یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا، جس میں اسلام کے لازمی اصول شامل ہوں گے۔ آج بھی ان کا اطلاق عملی زندگی میں ویسے ہی ہوسکتا ہے، جیسے کہ ۱۳ سو برس قبل ہوسکتا تھا۔ اسلام نے ہر شخص کے ساتھ عدل و انصاف کی تعلیم دی ہے۔ ہم ان شان دار روایات کے وارث ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے مرتبین کی حیثیت سے ہم اپنی ذمے داریوں اور فرائض سے باخبر ہیں۔(۴۲)

قائد اعظم محمد علی جناح کے ان واضح ارشادات و بیانات کی روشنی میں یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی کہ ان کی قیادت میں مسلمانان ہند نے محض زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے جد جہد نہیں کی تھی، بلکہ ان قربانیوں اور عظیم جد و جہد کا مقصد در اصل ایک نظریاتی مملکت کا حصول ا



Marfat.com

اسلامی ریاست کی تشکیل تھا، جہاں اسلام کا نظام حیات و قانون نافذ کیا جا سکے۔

## شورائی اور جمہوری ریاست

اسلامی ریاست کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک شورائی اور جمہوری ریاست ہے، اس میں تمام انسان برابر ہیں اور رنگ، نسل اور نسب، کسی کی بنیاد پر کسی خاص گروہ کو کوئی تفوق حاصل نہیں۔ وحدت آدم اور انسانی مساوات اس کے بنیادی اصول ہیں۔ قیادت کی ذمے داری ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو پوری ملت کے معتمد علیہ ہوں۔ ارباب امر تمام امور سلطنت میں بنیادی پالیسی باہم مشورے سے طے کرتے ہیں اور نظام حکومت کو جمہور کی مرضی کے مطابق چلاتے ہیں۔ نیز تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور ان کی ذمے داریاں متعین ہیں۔ حکومت خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان حقوق کی ادائیگی کی ذمے دار ہے اور ان میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتی۔ اسلامی ریاست کا مزاج نہ آمریت کو گوارا کرتا ہے اور نہ موروثی شہنشاہیت کو، اس کا مزاج خالص جمہوری اور شورائی مزاج ہے۔ (۴۳)

اسلامی جمہوریت کی پہلی بنیاد انسانی مساوات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً (۴۴)

اللہ نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۴۵)

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنادیے، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام انسانوں کو قابل تکریم اور صاحب عزت بنایا ہے اور اس بابت اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْۤ اٰدَمَ (۴۶) اور ہم نے اولاد آدم کو صاحب عزت بنایا۔

قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں اور اسلام حاکم اور محکوم، صاحب امر اور مامور کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتا۔ قانون سب کے لیے ایک ہے۔ ایک مرتبہ ایک مخزومی عورت فاطمہ بنت قیس نے چوری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا، چوں کہ ان کا تعلق معزز گھرانے سے تھا، اس



Marfat.com

لیے صحابہ نے حضرت اسامہ بن زید کو، جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت انس رکھتے تھے، سفارش کے لیے بھیجا، آپ بے حد محبت کے باوجود حضرت اسامہ پر غصہ ہوئے اور فرمایا کہ پہلی امتیں اسی بنا پر تباہ و برباد ہوئیں کہ ان کے ہاں جب کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تو اس کو سزا دیتے اور جب وہی جرم کسی بڑے مرتبے والے شخص سے صادر ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتے، پھر فرمایا:

لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد یدھا (۴۷)

اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو میں یقیناً اس کا ہاتھ کاٹتا۔

اسلامی جمہوریت کی دوسری بنیاد اربابِ اختیار کا معتمد علیہ ہونا ہے۔ یعنی ریاست کی ذمے داریاں ایسے افراد کے سپرد کی جائیں، جو اس کام کے اہل ہوں اور ان پر لوگوں کو اعتماد بھی ہو۔ اس شرط میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر متفق ہیں اور احادیث سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیار أئمتکم الذین تحبونھم و یحبونکم و یصلّون علیکم و تصلّون علیھم، وشرار أئمتکم الذین تبغضونھم و یبغضونکم و تلعنونھم و یلعنونکم (۴۸)

تمہارے حکمرانوں میں سب سے بہتر وہ ہیں، جن سے تم محبت کرو، اور وہ تم سے محبت کریں، اور وہ تمہیں دعا دیں اور تم انہیں دعا دو، اور تمہارے حکمرانوں میں سب سے برے وہ ہیں، جن سے تم بغض رکھو، اور وہ تم سے بغض رکھیں، اور تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

اسلامی جمہوریت کی تیسری بنیاد شوریٰ ہے۔ یعنی مسلمانوں کے یہ معتمد علیہ افراد تمام امور سلطنت کو رب تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق اور مسلمانوں کے مشورے سے طے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۴۹) اور آپ ان (صحابہ) سے معاملات میں مشورہ کر لیا کیجیے۔

اور اس حکم ربانی کی تعمیل نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے فرماتے تھے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور گواہی ملاحظہ فرمائیں:

ما رأیت احدا اکثر مشورة لاصحابه من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم (۵۰)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔

اسلامی جمہوریت کی آخری بنیاد شہریوں کے حقوق اور فرائض کا تعین ہے اور ان حقوق میں دخل اندازی کا حق کسی کو نہیں ہے۔ یہ تمام حقوق خالق کائنات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ ہیں اور کسی شرعی دلیل یا کسی حق کے بغیر ان میں سے کسی پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی، اور نہ ہی ان میں کسی قسم کا کوئی رد و بدل ہو سکتا ہے۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کو مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہیں:



Marfat.com

## جان و مال اور ناموس کی حفاظت

اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو یہ ضمانت دیتی ہے کہ ان کے حقوق پر نہ خود ہاتھ ڈالے گی اور نہ کسی اور کو ایسا کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه (۵۱)

مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

اسلامی ریاست غیر مسلموں کی جان، مال کی حفاظت کے سلسلے میں کس قدر سنجیدہ ہوتی ہے؟ اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاصاً اس مسلمان کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا:

انا احق من اوفى بذمته (۵۲)

غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے بیان ہونے والا یہ اصول بھی نہایت اہم ہے:

من كان له ذمتنا فدمه كدمنا وديته كديتنا (۵۳)

جو کوئی ہمارا ذمی ہو، اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔

## شخصی آزادی

ہر شخص کی انفرادی آزادی کا تحفظ یقینی بنایا جائے گا اور اسے یہ ضمانت اس وقت تک حاصل ہوگی، جب تک وہ اپنی آزادی کو دوسروں کی آزادی کے سلب کرنے یا جماعت کے کسی حقیقی مفاد کو نقصان پہنچانے یا خطرے میں ڈالنے کے لیے استعمال نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے دوران ایک شخص نے اپنے ہمسایوں کے بارے میں سوال کیا (جو شک کی بنا پر گرفتار کر لیے گئے تھے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ سوال سن کر سکوت فرمایا (تاکہ اگر کوئی معقول وجہ ہو تو سامنے آ جائے)، پھر اس شخص نے مزید کچھ بات کی تو حضور نے فرمایا:

خلوا له عن جيرانه (۵۴) اس کے ہمسایوں کو رہا کر دو۔

## رائے اور مسلک کی آزادی

اسلام ہرگز پسند نہیں کرتا کہ دین کے معاملے میں کسی پر جبر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۵۵) دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے۔

اسی طرح اسلام ہر شخص کو اپنی آزاد رائے رکھنے کی اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ وہ اس اختلافِ رائے کو خوں ریزی اور فتنہ و فساد کا ذریعہ نہ بنائے۔ اس کی بہترین مثال وہ رویہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن خوارج کے مقابلے میں اختیار کیا، جو ریاست کے وجود ہی کی نفی کرتے تھے۔ حضرت علی



Marfat.com

نے ان کو یہ پیغام بھیجا:

تم جہاں چاہو، رہو، اور ہمارے اور تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خوں ریزی اور رہزنی کا راستہ اختیار نہ کرو اور ظلم سے باز رہو۔(۵۶)

## اعتراض اور تنقید کی آزادی

اسلامی ریاست میں تمام شہریوں پر لازم ہے کہ وہ جائز امور میں امیر و حاکم کی اطاعت کریں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے کسی اقدام پر تنقید نہیں کی جاسکتی، بلکہ ایک صحیح اسلامی ریاست میں رعایا کو ارباب اختیار پر تنقید کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ خاص طور پر اگر حکومت کا کوئی اقدام یا حکم قرآن و سنت کے کسی حکم کے خلاف ہو تو اس پر نہ صرف تنقید کی جا سکتی ہے، بلکہ عدالت کے ذریعے اس کو ختم بھی کرایا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر (۵۷)

عظیم ترین جہاد یہ ہے کہ کسی ظالم حکمران کے سامنے انصاف کی بات کی جائے۔

اسی طرح خلفائے راشدین بھی ہمیں خود اپنے اوپر تنقید کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں، چناں چہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو سب سے پہلا خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا:

ايها الناس! فانى قد وليت عليكم، ولست بخيركم، فان احسنت فاعينونى، وان أسأت فقومونى، الصدق امانة و الكذب خيانة، والضعيف منكم قوى عندى حتى اريح عليه حقه ان شاء الله، والقوى فيكم ضعيف حتى آخذ الحق منه ان شاء الله۔۔۔ أطيعونى ما اطعت الله و رسوله، فاذا عصيت الله و رسوله فلا طاعة لى عليكم (۵۸)

اے لوگو! مجھے تمہارے معاملات کا نگران بنایا گیا ہے، جب کہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں، لہٰذا اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرنا، اور اگر میں برا کام کروں تو مجھے سیدھے راستے پر لے آنا۔ سچائی امانت داری ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ اور تم لوگوں میں سے جو کمزور ہے، وہ میرے نزدیک طاقتور ہے، یہاں تک کہ ان شاء اللہ میں اس کی تکلیف دور کر دوں، اور تم میں جو زور آور ہے، وہ میرے نزدیک کمزور ہے، یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کر لوں... جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں، تم بھی میری اطاعت کرتے رہنا اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت بھی لازم نہیں ہے۔

اس مختصر، مگر جامع خطبے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جہاں ایک طرف اسلامی ریاست کے امیر کی حیثیت اور اس کی بنیادی صفات واضح فرما دی ہیں، وہیں دوسری جانب یہ اصول بھی وضع فرما د



Marfat.com

ہے کہ رعایا کو حکومت کی غلط پالیسیوں پر تنقید کا مکمل حق حاصل ہے۔

ان حقوق کے مقابلے میں شہریوں کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ ہر صحیح بات کو تسلیم کریں اور اس میں اطاعت بھی کریں۔ معروف میں عدم اطاعت کی روش اسلامی ریاست کے مزاج کے منافی ہے۔ اسی طرح ان پر یہ ذمے داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ ریاست کی خیر خواہی کریں، نیز یہ بھی خیر خواہی کا ایک پہلو ہے کہ وہ امور ریاست پر نگاہ رکھیں، اور حکومت یا اس کے کارکنوں کو راہ راست سے ہٹنے نہ دیں۔ یہ صفت رعایا کا حق بھی ہے اور ان کی ذمے داری بھی۔ شہریوں کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ اس سے تعاون کریں اور اس کی خاطر مالی، اور اگر ضرورت پڑے تو جان کی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔

مندرجہ بالا چار بنیادوں پر اسلام کا جمہوری نظام قائم ہے۔(۵۹)

## پاکستان۔ شورائی اور جمہوری ریاست

مملکت خداداد پاکستان بھی ایک جمہوری ریاست ہے اور اس کے شہریوں کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں، جو ایک اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو عطا کرتی ہے۔ یہاں بھی عوام اپنی مرضی اور اختیار سے اپنے حکمرانوں کا انتخاب کرتے ہیں، اس جگہ یہ بحث بھی قابل غور ہے کہ اسلام میں کثرت رائے کا کیا مقام ہے؟ جب کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دورِ جدید کی جمہوریت میں کثرت رائے ہی حق و باطل کی بنیاد ہے اور کسی چیز کے حق و باطل کا فیصلہ کثرت رائے سے ہی ہوتا ہے۔ اسی متعلق اقبال نے بہت عمدہ بات کہی تھی:

جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

جب ہم اس سلسلے میں قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاں تک حق و باطل کے تعین کا سوال ہے، اس میں کثرت رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ قرآن پاک میں واضح ارشاد ربانی موجود ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ(۶۰)

اور اگر تم زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کردیں گے، وہ تو محض خیالات پر چلتے ہیں اور محض قیاس لڑاتے ہیں۔

لہٰذا حق و باطل میں کثرت رائے کا کوئی اعتبار نہیں، ان میں تو دلیل کی قوت، اور قرآن و سنت کے احکامات کا اعتبار ہے۔ البتہ کثرت رائے اتنی بے حقیقت چیز بھی نہیں ہے کہ شرعاً کسی بھی معاملے میں اس کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض مواقع ایسے ہیں، جہاں کثرت رائے کو معتبر قرار دیا



Marfat.com

جاسکتا ہے، مثلاً مباحات کے کئی راستے سامنے ہیں، اور ان میں سے کسی ایک راستے کو اختیار کرنا ہے تو کثرت رائے کو مرجح قرار دیا جا سکتا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے چھ جلیل القدر صحابہ کی ایک کمیٹی بنائی تھی اور اسے یہ فریضہ سونپا تھا کہ وہ مل کر اگلے خلیفہ کا تعین کریں۔اس موقع پر حضرت عمر نے فرمایا:

تشاوروا فی امرکم، فان کان اثنان واثنان فارجعوا فی الشوریٰ، وان کان اربعة واثنان فخذوا صنف الاکثر(٦١)

اپنے معاملے میں مشورہ کرو، پھر اگر دو آدمی ایک طرف اور دو ایک طرف ہوں (یعنی دونوں طرف آرا برابر ہوں) تو دوبارہ مشورہ کرو،اور اگر چار ایک طرف اور دو ایک طرف ہوں تو اکثریت والے فریق کے مطابق عمل کرو۔

یہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کثرت رائے کا اعتبار فرمایا،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مباح اور اجتہادی امور میں اگر کثرت رائے کو مرجح تسلیم کرنے میں بہ ظاہر کوئی قباحت نہیں ہے۔(٦٢)

## جمہوریت اور آئین پاکستان

جمہوریت، مساوات، انسانی حقوق اور آزادیٔ رائے کے حوالے سے آئین (قرار داد پاکستان) کی مخصوص شقیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں، جن کی مدد سے پاکستان کے جمہوری اور شورائی نظام کو سمجھنا آسان ہوگا:

مجلس دستور ساز نے،جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے، آزاد و خود مختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

☆ جس کی رو سے مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔

☆ جس کی رو سے اسلام کے جمہوریت، حریت، مساوات،رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں کا پورا اتباع کیا جائے گا۔

☆ جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی اہتمام کیا جائے گا کہ اقلیتیں،اپنے مذاہب پر عقیدہ رکھنے، عمل کرنے اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دینے میں آزاد ہوں۔

☆ جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں جہاں تک قانون و اخلاق اجازت دیں، مساوات، حیثیت و مواقع، قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی انصاف،اظہار خیال،عقیدے،دین،عبادت اور جماعت سازی کی آزادی شامل ہوگی۔



Marfat.com

☆ جس کے رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔

☆ جس کے رو سے نظام عدل گستری کی آزادی پوری طرح محفوظ ہوگی۔(۶۳)

ان آئینی شقوں کے مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مملکت خدا داد پاکستان ایک شورائی اور جمہوری ریاست ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی جمہوریت کے تصور پر بھی پورا اترتی ہے، اور اس کا آئین ان تمام صفات کا حامل نظر آتا ہے، جس کا ایک حقیقی اسلامی جمہوریت تقاضا کرتی ہے۔

## فلاحی ریاست

اسلامی ریاست کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک فلاحی اور خادم خلق ریاست ہوتی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں حکومت کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ امن و امان قائم کرے اور ملکی دفاع کی خدمات انجام دے، بلکہ اس کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حقیقی اور فطری مساوات قائم کرے اور اپنے تمام شہریوں کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دے۔ اگر اسلامی ریاست کی حدود میں کہیں بھی فقر و فاقہ، ظلم و جور اور غربت و افلاس ہے تو اس کا قلع قمع کرے اور اپنی تمام قوتیں ان انسانی مسائل کو حل کرنے کے لیے وقف کر دے۔

معاشی زندگی کے بارے میں اسلام نے یہ اصولی ہدایت دی ہے کہ اسلامی معاشرے اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ افلاس اور غربت کو مٹانے میں اس طرح سرگرم رہیں، جس طرح کفر کی ظلمتوں کو دور کرنے میں رہتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے انفرادی ملکیت کا حق دیا ہے اور انفرادی سعی و جد و جہد کے دروازے سب کے لیے کھول دیے ہیں، تاکہ تمام افراد افلاس کے اندھیروں سے نکلنے کے لیے ذاتی کوشش اور جستجو کرتے رہیں، لیکن اس ملکیت کے ساتھ ہی اسلام نے یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ یہ ملکیت ایک امانت کی طرح ہے، جسے جائز اور صحیح راستوں پر ہی صرف کرنے کا اختیار ہے۔ اگر غلط اور حرام طریقوں سے خرچ کی جائے گی تو یہ امانت میں خیانت ہوگی۔ اسی طرح ہر شخص کی دولت میں اس کے اپنے حق کے علاوہ خدا اور اس کے بندوں کا بھی حق ہے۔ ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی جائز ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ریاست اور دوسرے انسانوں کے حقوق کو بھی ادا کرے اور اپنے وسائل کو ان کی ضرورتوں کی تکمیل میں صرف کرے۔

معاشرے سے غربت کے خاتمے کے لیے اسلام نے مال داروں پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جس کا مقصد خود زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان ہوا ہے:

تؤخذ من اغنیاءھم فترد علی فقراءھم (۶۴)

زکوٰۃ ان کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔



Marfat.com

پھر اس کو خیرات نہیں، بلکہ حق قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَفِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ○ (٦٥)

ان کے مالوں میں مدد مانگنے والے اور رزق سے محروم رہ جانے والے کا حق ہے۔

اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ ان تمام افراد کی کفالت کا بند و بست کرے، جو مجبور ہوں، اپاہج ہوں، لاچار ہوں یا رزق سے محروم رہ گئے ہوں۔ اس سلسلے میں علامہ ابن حزم یہ اصول تحریر فرماتے ہیں:

ہر بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقرا اور غربا کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فئے (بیت المال کی آمدنی) سے ان غربا کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان ان ارباب دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے، اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجات کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو، جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے حوادث سے محفوظ رکھ سکے۔ (٦٦)

اسلامی ریاست کی یہ حیثیت محض نظری دلائل ہی سے ثابت نہیں ہے، بلکہ قرن اول میں مسلمانوں نے اس نظام کو من و عن نافذ کیا تھا اور دنیا کی پہلی فلاحی اور خادم خلق ریاست قائم کر کے دکھائی تھی، ایک ایسی فلاحی ریاست جسے دیکھنے کے لیے دورِ حاضر کے ایمان والوں کی نگاہیں ترس رہی ہیں۔ (٦٧)

## حاصل بحث

گزشتہ صفحات میں ہم نے جمہوریت، دورِ جدید کے لبرل اور سیکولر جمہوری نظام اور اسلام کے سیاسی نظام کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کرنے اور پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں لینے کی کوشش کی ہے۔ مذکورہ بحث سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں، ان میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے نظام حکومت کی بہترین صورت نظام خلافت ہی ہے، جس کے لیے اصل اصطلاح، خلافت منہاج النبوۃ ہے، یعنی اس سے مراد ایک ایسی حکومت ہے، جو اسی طریقے سے حکومت کرے، جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ (٦٨) لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے نظام حکومت کے کسی مخصوص اور طے شدہ نظام کے نفاذ کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس امر کو ارباب بصیرت اور اہل علم کی رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق جس نظام کو مناسب سمجھیں، نافذ کریں۔ لہٰذا اگر کوئی ریاست اپنے حالات اور زمانے کے تقاضوں کی وجہ سے نظام خلافت کے بجائے کوئی اور نظام نافذ کرے، لیکن اس بات کا مکمل لحاظ رکھے کہ



Marfat.com

اسلام کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط اور قواعد سے رو گردانی نہ ہو تو اس نظام حکومت کو "غیر اسلامی" کہنا کسی طرح بھی مناسب عمل نہ ہو گا، بلکہ اسلامی اصولوں کی پاس داری کی وجہ سے وہ ایک اسلامی ریاست کہلائے جانے کی ہی مستحق ہو گی۔ چناں چہ مملکت خدا داد پاکستان میں اگرچہ جمہوری نظام نافذ ہے، لیکن یہ جمہوریت، دور جدید کی لبرل اور سیکولر ڈیمو کریسی سے یکسر مختلف ہے، کیوں کہ خالص جمہوریت میں پائی جانے والی بعض قابل اعتراض شقوں (مثلاً حاکمیت اعلیٰ عوام کے لیے، عقل کو ہر فیصلے کی بنیاد بنانا، عوامی خواہش کو کسی قانون کی منظوری کے لیے بہ طور بنیاد تسلیم کرنا وغیرہ) کو آئین پاکستان میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور جہاں ایک طرف قرار داد مقاصد کے ذریعے اس بات کا واضح اعلان کیا گیا ہے کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، وہیں دوسری جانب دستور کی دفعہ ۲۲۷ میں درج ہے:

موجودہ قوانین کو طے شدہ اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا۔ قرآن و سنت سے متصادم کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا۔ تاہم اس امر کی وضاحت بھی کر دی گئی کہ ذمیوں (غیر مسلم شہریوں) کے پرسنل لاز کو متاثر نہیں کیا جائے گا۔ (۶۹)

لیکن المیہ یہ ہے کہ اس دفعہ کو کبھی بھی صحیح طور پر نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، بلکہ اس کے نفاذ کے راستے میں رکاوٹوں کا انبار لگا دیا گیا۔ اس بارے میں مفتی تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

اسلامی نقطۂ نظر سے دستور کی سب سے اہم دفعہ وہ ہوتی ہے، جس میں یہ تصریح کی جائے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا، نہ باقی رکھا جائے گا۔ اگر یہ دفعہ اپنے صحیح قانونی تحفظات کے ساتھ دستور میں شامل ہو جائے تو اسلام کے دوسرے تقاضے خود بہ خود پورے ہوسکتے ہیں، اور اگر اس میں کوئی نقص رہ جائے تو دوسری اسلامی دفعات بھی بے جان اور غیر موثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔

ہماری دستور سازی کی تاریخ میں یہی وہ اسلامی دفعہ ہے، جس پر ہمیشہ طرح طرح کے قانونی داؤ پیچ آزمائے جاتے رہے ہیں، اور جو عناصر اس ملک میں اسلام کے صحیح صحیح نفاذ کے مخالف ہیں، وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہے ہیں کہ یہ دفعہ زیادہ سے زیادہ غیر موثر ہو کر دستور کا جز بنے اور اس میں ایسے خفیہ راستے رکھے جائیں، جن کے ذریعے اسلام سے راہِ فرار اختیار کی جا سکے، چناں چہ ابھی تک کسی بھی دستور میں یہ دفعہ اپنے ان لوازم اور تحفظات کے ساتھ نہیں آسکی، جو اس کے عملی اطلاق کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ دفعہ پورے دستور میں سب سے زیادہ توجہ چاہتی ہے۔ (۷۰)

اس دفعہ کو عملی طور پر موثر بنانے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ اس دفعہ کے دو حصے ہیں:

پہلا حصہ یہ ہے کہ جتنے قوانین نفاذِ دستور سے پہلے بن چکے ہیں، ان پر اسلامی حیثیت سے نظر ثانی کر کے ان میں ایسی ترمیم کی جائے، جس سے وہ شریعت کے مطابق ہو جائیں، نیز جن مزید اسلامی احکام کو قانونی شکل دینی ہے، انہیں مدون کیا جائے۔ دوسرا حصہ یہ ہے کہ دستور کے نفاذ کے بعد جتنے



Marfat.com

قانون وضع ہوں، ان میں اس بات کی ضمانت موجود ہو کہ وہ قرآن و سنت کے کسی حکم کے خلاف نہیں ہیں۔ جہاں تک پہلے حصے، یعنی پرانے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور نئے اسلامی قوانین مدون کرنے کا تعلق ہے، اس پر ٹھیک ٹھیک عمل اس وقت ممکن ہے، جب دستور میں مندرجہ ذیل امور کی ضمانت موجود ہو:

الف: اس غرض کے لیے ایک موثر اور با اختیار ادارہ قائم کیا جائے گا۔

ب: اس ادارے میں ایسے افراد کو نامزد کیا جائے گا، جو اس کام کے واقعی اہل ہوں، یعنی ایک طرف وہ قرآن و سنت کے علوم کی گہری بصیرت کے حامل ہوں اور دوسری طرف پاکستان کے سماجی، معاشی، سیاسی اور انتظامی مسائل کو سمجھتے ہوں۔

ج: اس ادارے کے لیے یہ ضروری قرار دیا جائے گا کہ وہ ایک معینہ مدت میں اسلامی قوانین کو مدون کر کے پیش کر دے۔

د: جو قوانین یہ ادارہ مدون کر کے اسمبلی میں پیش کرے، وہ شرعی مسائل میں کوئی نا اہل ترمیم کیے بغیر نافذ کر دیے جائیں گے۔(١٧)

ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان جہاں ایک طرف اسلامی جمہوریت کے عملاً نفاذ کے خوش کن اور روح پرور مناظر پیش کرنے سے محروم ہے، وہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ اب تک صحیح اور مکمل اسلامی فلاحی ریاست کا تصور پیش کرنے میں بھی نا کام رہی ہے، اور اس حوالے سے بھی ملک کی حالت نہایت ابتر ہے۔ حالت زار یہ ہیں:

☆عدالتیں انصاف کرنے کے بجائے استحصالی نظام کی تقویت میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔

☆طبقاتی معاشی نظام نے معاشرے کے اکثریتی طبقے کو نان جویں کا محتاج بنا کر رکھ دیا ہے۔

☆پورا معاشرہ بنیادی ضروریات کے لیے ترس رہا ہے۔

☆ قانون کا استعمال مقتدر طبقات کے مفادات کی تکمیل کے لیے ہوتا ہے۔

☆جمہوریت اور روا داری معاشرے کے لیے ناپید ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جلد از جلد دفعہ ۲۲۷ کو موثر بنا کر آئین پاکستان کو مکمل طور پر اسلامی رنگ میں رنگ دیا جائے اور بانیان پاکستان اور عوام کی امنگوں کے مطابق اس کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔ یہی عمل پاکستان کو حقیقی معنی میں اسلام کا قلعہ بنانے کے ساتھ ساتھ موجودہ شدت پسند طبقے کو کمزور کرنے کا بھی باعث بنے گا، جسے اسلامی نظام کے عملاً عدم نفاذ نے یہ جواز فراہم کیا ہے کہ وہ اسے نظامِ کفر کہہ کر پورے نظام کو ہی مٹانے کے درپے ہو جائے۔ چناں چہ اب وقت آ گیا ہے کہ آئین کی اسلامی دفعات کو قابل عمل بنا کر ان فتنہ پرور عناصر سے یہ جواز چھین لیا جائے اور اسلامی نظام کے نفاذ کو یقینی بنا کر اس کے اثرات کو پسے ہوئے عوامی طبقات تک پہنچایا جائے، تا کہ مملکت خدا داد پاکستان



Marfat.com

حقیقی معنی میں ایک اسلامی، جمہوری اور فلاحی ریاست کا تصور پیش کر سکے۔

## حواشی و حوالہ جات

۱- عاصم عمر، مولانا۔ ادیان کی جنگ: دین اسلام یا دین جمہوریت؟ ادارۂ حطین

۲- مرتضیٰ زبیدی۔ تاج العروس: ج۱۰، ص۲۱۵

۳- ابن منظور۔ لسان العرب: ج۴، ص۱۴۹

۴- فیروز آبادی۔ القاموس: ج۱، ص۳۹۳

۵- لسان العرب: ایضاً

۶- تاج العروس: ج۱۰، ص۲۱۵

۷- الماوردی۔ الاحکام السلطانیۃ: ص۶

۸- Encarta 2009; Encyclopaedia Britannica 2012

۹- Of Political Theory: p110 Sabine, A History

۱۰- Jhon Dunn, Ibid: p59

۱۱- Bobio, Ibid: p138

۱۲- Aristotle, Poliitics(Tr. B. Jawett) Book: 111, ch.7, p139

۱۳- Michael Stewart, Modern Forms of Government: p56

۱۴- علوی، مستفیض احمد، ڈاکٹر۔ مغربی جمہوریت۔ حقیقت اور سراب: ص۲۰، ۲۱

۱۵- Models Of Democracy, p-12

۱۶- تفصیل کے لیے دیکھیے: تقی عثمانی، مفتی۔ اسلام اور سیاسی نظریات۔ مکتبہ معارف القرآن، کراچی: ص۸۳ تا ۸۵

۱۷- اسلام اور سیاسی نظریات: ص۸۶ تا ۸۸

۱۸- اعظم چودھری، ڈاکٹر۔ جدید حکومتیں۔ غضنفر اکیڈمی پاکستان، کراچی: حصہ ہفتم، اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۹- اسلام اور سیاسی نظریات: ص۸۸، ۸۹

۲۰- جمہوریت کے متعلق مکمل بحث کے لیے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

☆ گریجویشن اور ماسٹرز لیول کی پولیٹیکل سائنس کی کتابیں، خاص طور پر: اعظم چودھری، ڈاکٹر۔ جدید حکومتیں۔ غضنفر اکیڈمی پاکستان، کراچی

☆ تقی عثمانی، مفتی۔ اسلام اور سیاسی نظریات۔ مکتبہ معارف القرآن، کراچی: باب ۳، ۴

☆ عاصم عمر، مولانا۔ ادیان کی جنگ: دین اسلام یا دین جمہوریت؟ ادارۂ حطین



Marfat.com

☆ علوی، مستفیض احمد، ڈاکٹر۔ مغربی جمہوریت۔ حقیقت اور سراب

۲۱- الانفال: ۶۰

۲۲- آل عمران: ۱۹

۲۳- اسلام اور سیاسی نظریات: ص ۱۷۱، ۱۷۲(حک و اضافے کے ساتھ)

۲۴- الحج: ۴۱

۲۵- النور: ۵۵،۵۶

۲۶- الحدید: ۲۵

۲۷- خورشید احمد، پروفیسر۔ اسلامی نظریۂ حیات۔ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونی ورسٹی، کراچی، اشاعت پنجم: ص ۴۷۴

۲۸- اسلام اور سیاسی نظریات: ۱۱۶

۲۹- قرار داد مقاصد کا متن۔ ماہ نامہ الشریعہ: دسمبر ۲۰۱۰ء

۳۰- حمید رضا صدیقی۔ نظریہ پاکستان میں منظر اور پیش منظر۔ کاروان ادب، لاہور، ۱۹۸۹ء: ص ۲۹ تا ۳۰

۳۱- ایضاً: ص ۳۰

۳۲- ایضاً

۳۳- ایضاً

۳۴- ایضاً: ص ۳۲

۳۵- قائد اعظم محمد علی جناح، تقاریر وبیانات ۴۸۔۱۹۴۷ء، حکومت پاکستان، وزارت اطلاعات ونشریات، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء: ص ۱۰۸

۳۶- ایضاً: ص ۹۹

۳۷- ایضاً: ص۵۶

۳۸- ایضاً: ص۵۷

۳۹- ایضاً: ص ۵۷ تا ۵۸

۴۰- ایضاً: ص ۹۱

۴۱- ایضاً: ص ۱۹۴

۴۲- ایضاً

۴۳- اسلامی نظریۂ حیات: ص۴۸۶

۴۴- النساء: ۱

۴۵- الحجرات: ۱۳



Marfat.com

۴۶- بنی اسرائیل: ۷۰
۴۷- امام بخاری۔ الصحیح: باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان، ج۴، ص۱۲۲
۴۸- امام مسلم۔ الصحیح: کتاب الامارہ، باب خیار الائمہ و شرارہم، رقم ۴۷۶۷
۴۹- آل عمران: ۱۵۹
۵۰- محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ السنن: باب ما جاء فی المشورۃ، ج۴، ص۲۱۳، ۲۱۴
۵۱- مسلم: کتاب البر و الصلۃ و الآداب، باب تحریم ظلم المسلم، رقم۱۹۸۶
۵۲- بیہقی۔ السنن الکبریٰ: ج۸، ص۳۰
۵۳- السنن الکبریٰ: ج۸، ص۳۴
۵۴- ابو داود۔ السنن: کتاب الاقضیۃ، باب فی الحبس فی الدین وغیرہ، ج۳، ص۳۱۴
۵۵- البقرۃ: ۲۵۶
۵۶- امام شوکانی۔ نیل الاوطار: ج۷، ص۱۳۰
۵۷- ترمذی: کتاب الفتن، باب ما جاء جہاد کلمۃ عدل، ج۴، ص۴۱
۵۸- اسماعیل بن عمر بن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ: ج۹، ص۴۱۵
۵۹- اسلامی نظریۂ حیات: ۴۹۰ تا ۴۹۳(حک و اضافے کے ساتھ)
۶۰- الانعام: ۱۱۶
۶۱- طبقات ابن سعد: ج ۳، ص ۵۸
۶۲- اسلام اور سیاسی نظریات: ص۲۶۲ تا ۲۶۴(حک و اضافے کے ساتھ)
۶۳- قرار داد مقاصد کا متن۔ ماہ نامہ الشریعہ: دسمبر ۲۰۱۰ء
۶۴- بخاری: کتاب الزکوۃ، باب اخذ الصدقہ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا، ج۲، ص۱۲۸
۶۵- الذٰریات: ۱۹
۶۶- ابن حزم۔ محلی: ص۱۵۷
۶۷- اسلامی نظریۂ حیات: ۴۹۶ تا ۴۹۹ (حک و اضافے کے ساتھ)
۶۸- فاروق خان، ڈاکٹر۔ اکیسویں صدی اور پاکستان، المورد، کراچی، ۱۹۹۶ء: ص ۴۰
۶۹- جدید حکومتیں: ص ۵۷۳
۷۰- تقی عثمانی، مفتی۔ نفاذِ شریعت اور اس کے مسائل: ص ۳۷
۷۱- نفاذِ شریعت اور اس کے مسائل: ص ۳۷، ۳۸



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

قاضی تنزیل الرحمٰن - ہری پور *

## جمہوریت کیا ہے؟

جمہوریت ایک ایسا سیاسی نظام ہے جو موجودہ دور میں بہترین جانا جاتا ہے۔ یعنی اکثریت عوام کے فیصلے سے حکومت کا بننا شخصی مساوات اور انفرادی آزادی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

جمہوریت (Democracy) دو یونانی الفاظ "Demos" اور "Cratea" کا مرکب ہے۔ اس کا معنی عوام اور طاقت کے ہیں۔ یعنی ایک ایسا نظام حکومت جس میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوں اور اقتدار کی سند پر عوام بیٹھے اور فیصلوں میں عوام کا عمل دخل ہو۔

ارسطو کے مطابق جمہوریت میں ارباب حل وعقد کے انتخاب میں افراد کی کثیر تعداد شریک ہوتی ہے۔ ان میں غریب بھی ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف مطلق العنان حکومت میں امراء حکومت کرتے اور یہ تعداد افراد تک تک محدود ہوتی ہے۔

جمہوریت کی سب سے عمدہ تعریف وہ ہے جو ابراہم لنکن کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے اور عوام کے فائدے کے لئے" اہل دانش کے نزدیک جمہوریت ایک سماجی فلسفہ ہے اور اس لحاظ سے اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ یہ انسانی شخصیت کا احترام اور اس احترام کا مستحق سماج کا ہر فرد ہے۔ اور اس میں پیدائش، اجازت، سماجی حیثیت کا کوئی فرق نہیں۔ جس میں تمام فیصلے عوامی نمائندے کرتے ہیں۔

## جمہوریت کی مختصر تاریخ:

اگر ہم موجودہ جمہوریت کی تاریخ پر نگاہ دوڑائیں تو جمہوریت کا اولین گہوارہ یونان کی چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں نظر آتی ہیں۔ ان ریاستوں میں ایتھنز قابل ذکر ہے۔ اس جمہوری ریاست میں عوام کے نمائندے حکومت کرتے تھے۔ اس کے تمام شہری سماجی اور سیاسی اعتبار سے مساوی مقام رکھتے تھے۔ ایتھنز کا مشہور مدبر پیر سلز (Perecles) اپنی مشہور ماتمی تقریر میں اس وقت کی جمہوریت کے خدوخال کی وضاحت کرتا ہے۔

"ہمارا دستور جمہوری کہلاتا ہے کیونکہ حکومت چند لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ پوری جماعت کے ہاتھوں

---

* ایم بی اے، نمل یونیورسٹی - اسلام آباد



Marfat.com

میں ہے۔ ذاتی جھگڑوں میں ہمارا قانون سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا ہے۔ انصاف کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑتا۔ اور ہماری رائے عامہ زندگی کے ہر شعبے میں جہاں کار نمایاں کا موقع ہو ہنر کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ کسی فرقے کی رعایت سے نہیں بلکہ کام کی خوبی دیکھ کر ہم سیاسی زندگی میں ہر اک کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع دیتے ہیں۔"

ان خوبیوں کے باوجود یونان کی جمہوریت کا نقص یہ تھا کہ اسی میں افادیت نہ تھی۔ صرف ریاست کے شہری طبقہ کو اس سے مستفید ہونے کا حق حاصل تھا۔ وہ بھی صرف ان لوگوں کو جو ریاست کی حدود میں پیدا ہوئے ہوں۔ جو لوگ ریاست کے پیدائشی باشندے نہیں تھے۔ ان کو اور غلاموں کو کوئی قانونی استحقاق حاصل نہ تھا۔ بہر حال یونانی جمہوریت اپنی خوبیوں اور خامیوں سمیت ایک مدت تک موجود رہی۔

## یونان کے بعد روم دوسرا ملک تھا جس نے جمہوری روایات کو آگے بڑھایا

رومیوں نے جمہوریت میں دو چیزوں کا اضافہ کیا۔ ایک یہ کہ قانونی اصول کہ جمہور کی مرضی ہی تمام سیاسی قوتوں اور فیصلوں کی بنیاد ہے۔ اور دوسری یہ کہ تمام انسان مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ روم کے مطابق ریاست کی حیثیت ایک اخلاقی برادری کی تھی۔

رومی ریاست کے زوال کے نتیجے میں جس نے پورے یورپ کو سیاسی انتشار میں مبتلا کر دیا۔ جو جمہوری روایات ایک مدت تک دفن ہو کر رہ گئیں۔ چرچ انسانی مساوات کا علمبردار تھا۔ وہ بھی جمہوری قدروں کی پاسبانی نہ کر سکا۔

سولھویں صدی میں مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاح کلیسا سے ایک امید نے جنم تو لیا جس سے جاگیرداری نظام کے زوال کے آثار نظر آنے لگے۔ مگر جلد ہی اس پر پانی اس وقت پھر گیا جب جاگیرداری نظام سے چھٹکارا پانے والے ریاستوں میں بادشاہت قائم ہو گئی۔

موجودہ جمہوری کلچر کا جنم انگلستان کی دھرتی پہ ہوا۔ جہاں خدائی اختیارات کی حامل بادشاہت پر بندشیں عائد کی گئیں، اور پارلیمنٹ کا اقتدار اعلیٰ بحال ہوا۔ اور پہلی بار آبادی کا کثیر حصہ حکومت سازی میں شریک ہوا۔ انقلاب فرانس کے بعد فرانس میں بھی ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ انسانی حقوق کی صحیح تصویر سے لوگ آشنا ہوئے۔ جو تاریخ کے صفحات میں آج بھی تاریخ میں منشور حقوق انسانی کی شکل میں موجود ہے۔

## جمہوریت کے تین ستون:

اگر جمہوریت کی روح کو دیکھا جائے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ تین بنیادی ستون ہیں جن پر جمہوریت کی عمارت کھڑی نظر آتی ہے۔ اگر ان میں سے ایک ستون کو بھی ہٹا دیا جائے، تو جمہوریت قائم نہ رہ پائے گی۔ ان میں عوام کی حکومت، انفرادی آزادی اور مساوات شامل ہیں۔

### (الف) عوام کی حاکمیت:

عوام جمہوریت کا سنگ بنیاد ہیں۔ عوام ہی کسی ملک کے اصل حاکم ہیں۔ عوام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جس کو



Marfat.com

چاہیں مسند حکمرانی پر بٹھائیں۔ اور جس کو چاہیں اتار دیں۔ عوام حکمرانوں کا محاسبہ کر سکیں۔ اور کوئی کبھی قانون کی مرضی کے بغیر نہ بن سکے اور نہ نافذ العمل ہو سکے۔ کیونکہ جمہوریت کا اصل سرچشمہ عوام ہی ہیں۔

## (ب) انفرادی آزادی:

جمہوریت کی اصل روح انفرادی آزادی میں پنہاں ہے۔ ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ جس مذہب اور دین کو چاہے اختیار کرے کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے عقائد میں زبردستی کا مرتکب ہو۔ ہر شخص کو اجتماع، اظہار رائے اور جماعت سازی کا مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے۔ ہر شخص کو حکومت پر تنقید اور محاسبہ کا اختیار بھی جمہوری حسن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہر مذہبی گروہ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہبی رسومات ادا کریں۔ بلکہ اپنے مذہب کی تبلیغ اور فروغ کا کام بھی کر سکتے ہیں۔ یعنی جمہوریت ملکی قوانین کے اندر رہتے ہوئے ہر طرح کی انفرادی آزادی کی ضمانت دیتی ہے۔

## (ج) مساوات:

مساوات سے مراد ہے کہ قانون کی نظر میں سماج کا ہر شخص یکساں ہے۔ ان میں کسی طرح کی تفریق منع ہے۔ تمام افراد میں رنگ نسل، ذات پات اور پیدائش کے اعتبار سے کسی بھی قسم کا امتیازی سلوک جمہوریت کی روح کے منافی ہے۔ سابق بھارتی وزیر اعظم جواہر لعل ہندو کے مطابق دنیا کے مختلف ملکوں میں خواہ حکومت کی کوئی بھی شکل و جمہوریت ہو اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ سماجی مساوات ایک ایسا مثالی نمونہ ہے جس کو مطمع نظر بنانا چاہئے۔ لیکن سماجی مساوات سے مراد مطلق مساوات نہیں بلکہ اس سے مراد یکساں مواقع ہیں۔ اور یہ جمہوریت کا لازمی جزو ہے۔

گویا سماجی مساوات یہ ہے کہ ہر شخص کو قدرت کی طرف سے جو صلاحیتیں ملی ہیں۔ ان کو وہ بغیر کسی روک ٹوک کے نشو نما دے کر اوج کمال تک پہنچا سکے۔ ترقی کے مواقع محدود نہیں ہونے چاہئیں۔ بلکہ عام ہوں تاکہ ہر شخص کو بہتر زندگی گزارنے کا موقع مل سکے۔

## ناقدین کا نقطہ نظر:

جمہوریت کو کثیر تعداد میں اہل علم وارباب سیاست نے بہترین نظام حکومت کہا ہے مگر ہر دور میں اہل دانش کے ایک گروہ نے اس پر تنقید کی ہے جس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ مشہور دانشور ارسطو کے مطابق آزادی اور مساوات کے جمہوری تصورات کی علمی اور عقلی سطح پر تشریح کی جا سکتی ہے۔ لیکن تجرباتی سطح پر ایسا کرنا مشکل ہے۔ ارسطو کے مطابق آزادی کا تصور نظم و ضبط کے تصور سے متصادم ہے اور وہ ایک متعین طرز حیات کی نفی کرتا ہے۔ اسی طرح مساوات کا تصور نظم، عمدگی اور خود انصاف کا مخالف ہے۔ ارسطو اصولی طور پر آزادی کا حامی تھا مگر مطلق آزادی کے خلاف تھا۔ اس کے نزدیک آزادی کا مطلب قانون کے اندر آزادی ہے۔ مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جمہوریت میں آج آزادی کو مطلق آزادی سے ہی تعبیر کیا جا رہا ہے بالخصوص وہ لوگ کہ جو غالب طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔



Marfat.com

جمہوریت کا یہ نقص بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آزادی سے مراد صرف سیاسی و مذہبی آزادی لیا جاتا ہے نہ کہ معاشی آزادی جس کی بدولت عوام الناس کی بڑی تعداد خوشحالی سے محروم ہو جاتی ہے۔ دولت ملک کے چند افراد کے ہاتھوں میں رہتی ہے۔ یہی لوگ حکومت میں رہ کر یا حکومت پر اثر انداز ہو کر اپنے حق میں پالیسیاں بنواتے ہیں۔ جس سے دولت مند مزید امیر ہوتے ہیں اور غریب کی غربت میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی بات کے پیش نظر ارباب سیاست کی اکثریت نے سیاسی آزادی سے زیادہ معاشی آزادی پر زور دیا جو کہ فی الواقع جمہوریت کی کمزوری ہے۔

افلاطون پہلا مفکر ہے جس نے جمہوریت پر کم علمی اور جاہلیت کا الزام لگایا۔ لیکی (Leckey) کہتا ہے جمہوریت غریب ترین جاہل ترین اور نااہل ترین افراد کی حکومت ہوتی ہے جو کہ لازماً کثیر التعداد ہوتے ہیں۔ کارلائل کہتا ہے کیونکہ ایک زیرک آدمی کے مقابلے میں نوبے وقوف پائے جاتے ہیں، اس لیے جمہوریت بے وقوفوں کی حکومت ہوتی ہے۔ جمہوری حکومت ایک عالم اور فلاسفر کو بھی وہی اختیارات دیتی ہے جو عام شخص کو۔ ایڈمینڈ برک (Edmand Burke) کہتا ہے کہ قدرت نے انسانوں میں عقل و فہم کا فرق رکھا ہے لہٰذا جمہوری مساوات ایک سفید جھوٹ ہے۔

جوڈ جو جمہوریت کا زبردست حامی تھا وہ بھی اپنی کتاب (Decadence) میں لکھتا ہے کہ سائنس کی رو سے ہر چیز کی قیمت (Quantity) کے لحاظ سے مقرر ہوتی ہے نہ کہ (Quality) کی رو سے۔ سائنس کے عام ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی اصول کو سیاست پر منطبق کیا گیا۔ چنانچہ جمہوری طرز حکومت میں فیصلے سروں کی گنتی سے ہونے لگے۔ ہر سر ایک ووٹ ہے خواہ ایک مفکر کا ہو اور دوسرا گدھے کا کیوں نہ ہو۔ مشہور اطالوی مفکر مزینی (Mazzini) لکھتا ہے۔ ایسی قوم جس میں وحدت عقائد نہ ہو جمہوریت اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی ہے کہ وہ اکثریت کے مفاد پر نمائندگی کرے اور اقلیت کو مغلوب رکھے۔

اہل علم نے جمہوریت کی اظہار رائے کی آزادی کو سراہنے کے ساتھ ساتھ تنقید کا نشانہ بھی بنایا ہے کہ اگر یہ قانونی حدود سے تجاوز کر جائے تو فتنہ و فساد کا ایک بڑا ذریعہ بنتی ہے۔ ہندوستان میں انتہا پسند ہندو جماعتوں کی طرف سے اقلیتوں کے ساتھ جو نازیبا سلوک ہوتا رہا وہ کسی سے چھپا نہیں۔ اس معاملے میں جمہوریت کے علم بردار مغربی ممالک کا رویہ بھی درست نہیں بالخصوص مسلمانوں کے معاملے میں اکثر اس آزادی کا غلط استعمال ہوا ہے۔ اور ان کی جانب سے اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اسلام پر گستاخانہ حد تک تنقید کی جاتی رہی۔ برطانوی قانون میں عیسیٰؑ پر تنقید منع ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید ہی فیس تذلیل کی بھی آزادی ہے۔

جمہوریت میں عموماً ذہین افراد کو پس پشت ڈال کر معمولی حیثیت کے افراد کو حکمرانی کے لئے چنا جاتا ہے۔ جس کی وجہ عموماً یہ ہوتی ہے کہ انتخابی عمل میں ہر شخص حصہ لے سکتا ہے خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ جس کے نتیجہ میں نااہل افراد بھی محض عیاری اور دولت کے بل بوتے پر منتخب ہو جاتے ہیں۔



Marfat.com

## اقبالؒ اور جمہوریت:

اقبال نے اپنے مختلف مضامین میں جمہوریت کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ ایک معروف مغربی دانشور ینگ سسبینڈ کے ایک مضمون پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جمہوریت کے ساتھ جھگڑے اور فساد لازم وملزوم ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ جمہوریت کا حل سیاسی سکون کی ضامن ہے تو وہ دنیا کی سیاسی تاریخ سے بالکل ناواقف ہے۔ حقیقت اس سے بالکل برعکس ہے۔ جمہوریت میں ایسی تمام خواہشات کو پھر سے ابھرنے کا موقع ملتا ہے۔ جس کو شخصی حکومت میں دبا دیا گیا ہو اور جمہوریت ایسی تمام خواہشات، آرزوں اور تمناؤں کی موجد ہوتی ہے جو بسا اوقات ناقابل عمل ہوتی ہیں۔

اقبال جمہوریت کو احمقوں کی حکومت سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں ایک جاہل اور عالم دونوں انتخاب حکومت میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوریت میں مذہب ایک انفرادی معاملہ ہے۔ ریاست کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اقبال کے نزدیک مذہب اور ریاست کی جدائی ناممکن ہے۔ مذہب کہتا ہے حاکم اعلیٰ خدا ہے اور قانون بھی اسی ہی کا سپریم ہو گا۔ جبکہ جمہوریت میں عوام حکمران اور قانون ساز ہوتے ہیں۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سے سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی

علامہ اقبال کے نزدیک جمہوریت سرمایہ داروں کے ذہن کی پیداوار ہے تاکہ وہ انفرادی آزادی کے جمہوری تصور کے پردے میں بغیر کسی روک وٹوک کے اپنی تجارت کو فروغ دے سکیں اور خوب سرمایہ جمع کر کے عیش کریں۔ اقبال کے مطابق جمہوریت ملوکیت ہی کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے اس کا ظاہر بلاشبہ حسین اور جاذب نظر لیکن اس کا باطن خوفناک اور تاریک ترین ہے۔

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضائے مجالس، الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی جنگ زرگری
اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ! اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو



Marfat.com

## پاکستان کی سیاست:

پاکستانی سیاست کی بنیاد آئین پاکستان نے قائم کی ہے۔ آئین کے مطابق پاکستان ایک جمہوری اور قومی ریاست ہے۔ آئین پاکستان کے مطابق ایک وفاق اور اس کے ماتحت صوبائی حکومتیں قائم کی گئی ہیں۔

آئین کا پہلا ارٹیکل بیان کرتا ہے کہ پاکستان ایک وفاقی جمہوریت ہے جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہو گا، جسے بعد ازیں پاکستان کہا جائے گا۔ آئین نے ملک میں دو قانون ساز ایوان قائم کئے ایک قومی اسمبلی اور دوسرا سینٹ۔ قومی اسمبلی کی نشست آبادی کے لحاظ سے ہے۔ جہاں زیادہ آبادی ہو گی وہاں زیادہ نشستیں اور قومی اسمبلی کے اراکین کو عوام بلاواسطہ اپنے ووٹ سے منتخب کریں گی۔ جبکہ سینٹ میں تمام صوبوں کو برابر نشستیں دی گئی ہیں۔ ارکان سینٹ کو سینٹر کہا جاتا ہے۔ ان سینٹر کو چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ممبران اپنے ووٹ سے منتخب کرتے ہیں۔

## پاکستان کی مختصر سیاسی تاریخ:

پاکستان کی سیاسی جمہوری تاریخ حیرت انگیز بھی ہے اور پر آشوب بھی۔ ۱۹۴۸ء میں بابائے قوم کے گزر جانے کے بعد حکومت لیاقت علی خان کے ہاتھ میں آئی جبکہ پاکستان کا آئین ابھی نہیں بنا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۸ء تک کے عرصے میں کئی حکومتیں بدلی گئیں اس دورانیہ میں پاکستان کو پہلا آئین ۱۹۵۶ء کو ملا، مگر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ سیاسی بحران کے نتیجے میں ۱۹۵۸ء میں پہلا مارشل لاء لگا اور پاکستان میں آمریت کا سیاہ دور شروع ہوا۔ اگرچہ ایوب خان کے دور میں پاکستان میں معاشی ترقی ہوئی اور موجودہ تمام بڑے ڈیم اسی دور میں بنے۔ سیاسی پسماندگی بڑھتی چلی گئی۔ مشرقی پاکستان دور ہوتا چلا گیا۔ ۱۹۶۳ء میں پاکستان میں دوسرا آئین نافذ کیا گیا مگر سیاسی کشیدگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ایوب خان نے حکومت اپنے پیش رو یحییٰ خان کے حوالے کی اور ۱۹۷۱ء کے عام انتخابات میں مشرقی پاکستان سے عوامی لیگ کی واضح کامیابی کے باوجود یحییٰ خان نے حکومت اپنے ہاتھ میں رکھی۔ آخر کار دسمبر ۱۹۷۱ء کو سقوط ڈھاکہ کا سانحہ پیش آیا اور مشرقی پاکستان الگ ہو کر بنگلہ دیش کی صورت میں نمودار ہوا۔ ۱۹۷۲ء سے لے کر ۱۹۷۷ء میں پاکستان میں پی پی پی کی حکومت رہی اور ذوالفقار علی بھٹو پہلے صدر اور بعد میں وزیر اعظم رہے۔ اسی دور میں پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں کی رضامندی سے ۱۹۷۳ء کا آئین مرتب اور نافذ العمل ہوا۔ اس دور میں پاکستان میں سوشلسٹ اور بین اسلامک عنصر بڑھا۔ اسی دور میں پاکستان میں صنعتوں اور اداروں کو قومیایا گیا۔ اس دور کے آخر میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں کشیدگی اس قدر بڑھی جس کا نتیجہ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کا نفاذ ہوا۔

۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۸ء کے مارشل لاء کے دور میں افغان جہاد کی وجہ سے پاکستان کو بہت امداد ملی اسی دور کے اندر ۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی انتخابات بھی ہوئے اور جونیجو حکومت بنی جسے جنرل ضیاء الحق نے بعد ازاں برطرف کر دیا۔ اس دور کا اختتام جنرل ضیاء الحق کے طیارے کے فضائی حادثہ پر ہوا۔ ۱۹۸۸ء میں انتخابات ہوئے اور پی پی پی بینظیر بھٹو کی قیادت میں اپنی حلیف جماعتوں کے ساتھ اقتدار میں آئیں۔ کچھ عرصہ بعد صدر غلام اسحاق خان نے حکومت کو



Marfat.com

برطرف کر دیا اور ۱۹۹۰ء میں نواز شریف کی قیادت میں آئی جے آئی اپنی حلیف جماعتوں کے ساتھ اقتدار میں آئی۔ ۱۹۹۳ء میں یہ حکومت بھی برطرف کر دی گئی۔ اس کے بعد پاکستان کے نئے صدر فاروق لغاری بنے اور ۱۹۹۳ء کے عام انتخابات میں پھر پی پی اپنی حلیف جماعتوں کے ساتھ اقتدار میں آئی یہ حکومت بھی ۱۹۹۷ء میں برطرف ہوئی اور نواز شریف مسلم لیگ (ن) کے پلیٹ فارم سے حکومت بنانے میں کامیاب ہوئے۔

جمہوری حکومتوں کے اس میوزیکل چیر کا اختتام اس وقت ہوا جب سیاسی کشیدگی بڑھنے پر ۱۹۹۹ء میں دوبارہ فوجی حکمران آ پہنچے۔ صدر مملکت پرویز مشرف بنے اور ۲۰۰۱ء میں ہونے والے انتخابات میں ظفر اللہ جمالی وزیر اعظم کی کرسی پر براجمان ہوئے۔ ۲۰۰۴ء میں جنرل مشرف نے شوکت عزیز کو وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ کیا جو اسمبلی کی مدت پوری ہونے پر ۱۵ دسمبر ۲۰۰۷ء کے بعد مستعفی ہو گئے۔ فروری ۲۰۰۸ء میں انتخابات کے بعد پی پی نے یوسف رضا گیلانی کو وزیر اعظم منتخب کیا۔ جو ۲۲ جون ۲۰۱۲ تک رہے یہاں تک کہ ان کی نااہلی کے بعد راجہ پرویز اشرف نے مسند سنبھالی۔ ۲۰۱۳ء کے عام انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ (ن) نے واضح اکثریت حاصل کی اور میاں محمد نواز شریف تیسری بار پاکستان کے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔

## جمہوری عدم استحکام کی وجوہات:

قیام پاکستان کے بعد یہ ملک تعلیمی، سماجی اور معاشی اعتبار سے خاصہ پسماندہ تھا۔ چنانچہ یہاں سیاسی اور جمہوری روایات بھی کمزور تھیں۔ کانگریس عوامی تنظیم اور جدوجہد کے ان گنت مراحل سے گزر کر سیاسی پختگی کو پہنچی تھی دوسری طرف مسلم لیگ کے اندر عوامی رابطے تنظیم اور جہدوجہد کی تاریخ زیادہ پرانی نہ تھی۔ مسلم لیگ کی یہی تنظیمی کمزوریاں قیام پاکستان کے بعد مسائل کو جنم دینے لگیں اور تقسیم کے ایک ہفتے بعد ڈاکٹر خان صاحب کے وزارت کو برطرف کر دیا گیا۔ لیاقت علی خان سیاسی مخالفین پر ایسے غصہ ہوئے کہ فروری ۱۹۴۸ء کو دستور ساز اسمبلی کے فلور پر ہی سہروردی کے خلاف غیر جمہوری زبان استعمال کر بیٹھے اور پاکستان کی بانی جماعت عوامی اعتماد کے بجائے حیلے بہانوں سے حکومت کا سوچنے لگی۔ اگر سیاسی عمل کا آغاز ہی بد دیانتی اور غداری کے الزمات سے ہو تو جمہوریت الٹے پاؤں سفر کیا کرتی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد درپیش صورت حال نے فوج کو جسے بربنائے تنظیم، تربیت اور اہلیت سیاسی اداروں پر فوقیت حاصل تھی، ملکی معاملات میں دخل اندازی کے موقع فراہم کئے۔ سیاست دان اپنی ناتجربہ کاری، تدبر کے فقدان اور درپیش مسائل سے بحسن کمال نمٹنے میں عجز کے باعث فوج اور بیورو کریسی کی مدد کے خواہاں رہے جس سے فوج اور بیورو کریسی کے نزدیک سیاست دانوں کی اہلیت سوالیہ نشان بنی رہی۔ جس سے اداروں نے بتدریج بزعم یہ گمان کر لیا کہ ملکی معاملات کو چلانا صرف ان کے بس کی بات رہ گیا ہے۔

ابتداء میں ہی سیاست میں دیانتداری کے بجائے غیر جمہوری رویوں کو اپنایا گیا۔ گویا کہ اندھیری رات میں دروازوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ سیاست دانوں کی بڑھتی ہوئی بے ضابطگیوں کی بدولت جلد ہی فوج اقتدار میں چلی آئی۔



Marfat.com

فوج اس دلیل کے ساتھ آئی کہ یہ ایک منظم ادارہ ہے جو پارلیمانی ہلڑ بازی کے بجائے مستعدی سے مسائل حل کر کے ملک کو سیدھی راہ پر ڈالے گی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔

ابتدائی سالوں میں غلام محمد، چوہدری محمد علی، سکندر مرزا، اور ایوب خان کی سیاسی و انتظامی معاملات میں مداخلت اور غلبہ رہا۔ سیاسی شعور سے ناواقفیت اور ملکی امور کی سنجیدہ نوعی سے انحراف بھی سیاسی ناکامی کا باعث بنے۔

پاکستان کے روایتی معاشرے میں شہری اقدار آج تک غیر سائنسی اور غیر جمہوری رہی ہیں۔ غریب اور امیر طبقات میں بہت نمایاں فرق نے معاشرے کو پیچیدہ بنا کر تضادات کا شکار کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آبادی کا ایک خفیف سا حصہ اقتدار اور معاشرتی و اقتصادی وسائل پر قابض رہا۔ جبکہ عوام کی بہت بڑی اکثریت اپنے بنیادی، انسانی حقوق سے بھی محروم رہی۔ اس سہولیات یافتہ طبقے نے سیاسی اداروں کو ہمیشہ اپنے مفادات کے لئے استعمال کیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جمہوری نظام کے تحت قائم ہونے والی حکومتوں میں عوام کی شرکت بہت غیر مؤثر اور مبہم رہی۔ اگرچہ عوام کے مفادات کے خلاف کام کرنے والے فوجی نوکر شاہی اور سیاست دانوں کا گٹھ جوڑ پاکستان میں جمہوریت کی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ جس کی بڑی وجہ اس مراعات یافتہ طبقے یعنی وڈیرے، جاگیر دار، قبائلی سردار، خوانین کو ہی سمجھنا چاہئے کیونکہ انہوں نے سماجی حیثیت کے بل پر سیاسی نظام کو اپنی مضبوط گرفت میں لے رکھا ہے۔ وہ اپنے مفادات کی خاطر سیاسی نظام سے فیض یاب ہوتے ہیں اور انہی مفادات کے پیش نظر فوج بیوروکریسی اور ان کے درمیان ایک تکون قائم ہو گئی ہے۔ جب عوام کے مفادات نظر انداز ہوئے تو عام آدمی کو جمہوریت اور غیر جمہوری طرز حکومت میں کوئی دلچسپی نہ رہی۔ یوں سیاست صرف چند خاندانوں تک محدود ہو کہ رہ گئی۔ اسی گٹھ جوڑ کے باعث پاکستان میں جب بھی جمہوری سیاسی عمل کا آغاز ہوا تو وہ عوام کی حکومت، عوام کے لئے، عوام کے ذریعے حکومت کے اصول کے بجائے خواص کی حکومت خواص کے لیے اور عوام کے ذریعے کا مصداق نظر آنے لگی

حکمرانی کے بالا خانوں میں عسکری بالادستی کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے صحافیوں، وکلاء اور سول افسران کے ساتھ عام طبقات نے بھی بڑی تعداد میں ماورائے آئین حکمرانی کے ساتھ سمجھوتا کر لیا۔ آمریت کی طویل خشک سالی کے بعد ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی الیکشن گویا شخصی سیاست کا نقطہ آغاز ٹھہرے۔ ذات پات اور برداری ازم کی سیاست کی انتہا ۲۰۰۲ء کے الیکشن میں دیکھنے میں آئی جب کسی سیاسی جماعت نے بغیر منشور پیش کئے اور بغیر کوئی جلسہ کئے حکومت بنا ڈالی۔

اگر دیکھا جائے تو آج کے پاکستان میں شاید ہی کوئی سیاسی جماعت یا سیاسی رہنما ایسا ملے جس نے کہیں نہ کہیں غیر جمہوری اور غیر آئینی سمجھوتے نہ کئے ہوئے ہوں۔ ٹریڈ یونینوں، اعلیٰ تعلیمی ادارے، بار کونسل اور صحافتی ادارے اپنی جڑیں سیاسی شعور سے تقریباً کھوکھلی کر بیٹھے ہیں۔ رائے دہندگان کسی بھی برسر اقتدار جماعت کو ووٹ کے ذریعے تبدیل کرنے کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اب تک ہونے والے انتخابات میں سے کوئی بھی دھاندلی کے الزامات سے خالی نہ ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم آج تک ایک غیر جانبدار اور خود مختار الیکشن کمیشن ہی نہ بنا سکے۔

پاکستانی سیاست میں سیاسی کارکن کہیں نظر نہیں آتا۔ کسی جماعت کے ساتھ وابستگی صرف چند انتخابی حلقوں



Marfat.com

میں روایتی حریف خاندانوں کو نمائشی طور پر کسی جماعت کی حمایت درکار ہوتی ہے۔ دوسرا حریف اپنی بقاء کے لئے مخالف جماعت کا رخ کرلیتا ہے۔ دراصل ایک حقیقی سیاسی عمل گلی کوچوں سے شروع ہوتا ہے۔ ابھی تک پاکستان کی کوئی بھی جماعت گلی محلوں کی سطح تک اپنی تنظیم سازی نہیں کرسکی۔

جمہوریت کی طرف پیش رفت اتنی آسان اور سہل نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک طویل اور صبر آزما کام ہے۔ ایک عرصہ چاہئے ہوتا ہے۔ قطرے کو گوہر ہونے تک۔ معاشرتی ارتقا ایک پیچیدہ عمل ہوتا ہے جس میں ہزاروں رکاوٹیں آتی ہیں۔ پاکستان کی بدقسمتی یہ رہی ہے کہ جمہوری عمل جونہی چلنے لگتا ہے اور سیاسی قیادت کی ایک نسل تیار ہوتی ہے۔ فوجی حکمران اس کو مسلنے کے لئے آکھڑے ہوتے ہیں۔

## پاکستانی نظام کے بارے میں بانی پاکستان کے اقوال:

قائداعظم محمد علی جناح کے فرمودات اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ آزادی، مساوات اور رواداری کے جمہوری اقدار پر قوی ایمان رکھتے تھے، اس بارے میں بارہا انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اشتراکیت سوشلزم یا دیگر سیاسی معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے سیاسی نظام کی غیر مکمل اور بھونڈی سی شکلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجراء کا سارا رابطہ اور تناسب نہیں پایا جاتا۔ (روزنامہ جنگ لاہور ۲۵ دسمبر) وہ پاکستان میں جمہوریت کو پائیدار بنیادوں پر استوار دیکھنا چاہتے تھے اور ملک میں صرف اسلامی طرز کی جمہوریت کے نفاذ کے خواہاں تھے۔ آپ نے ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو سبی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا "ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہییں۔"

قائداعظم نے نظریہ پاکستان کو ہمیشہ دوٹوک الفاظ میں بیان کیا۔

"اسلام ہمارا بنیادی اصول اور حقیقی سہارا ہے۔ ہم ایک ہیں اور ہمیں ایک قوم کے طور پر آگے بڑھنا ہے۔ تب ہی ہم پاکستان کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوں گے۔"

"پاکستان کا مطلب محض آزادی نہیں بلکہ مسلم نظریہ حیات کا تحفظ ہے جو ہمیں ایک قیمتی تحفہ اور خزانے کے طور پر ملا ہے۔ جس میں ہمیں امید ہے کہ دوسرے بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں گے۔"

"مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جہاں وہ اپنے طریقہ حیات، اپنی ثقافت، روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کرسکیں۔ ہمارا مذہب، ہماری ثقافت اور اسلامی مقاصد، حصول آزادی کے لئے ابھارنے والی اصل قوتیں ہیں۔" (Some Recent Speaches of Mr Jinnah by M.A.Jamil)

۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو آپ نے ایک پریس انٹرویو میں فرمایا کہ جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی۔

## "اسلامی جمہوریت" قرآن اور فرمودات نبویؐ کی روشنی میں:

جمہوریت کے اجزائے ترکیبی میں مشاورت، رائے دہی، سماجی مساوات اور سیاسی و معاشی آزادی اپنی اص



Marfat.com

میں اسلامی فکر کے قریب تر ہیں۔ اگر فرق ہے تو سرچشمہ قانون کا۔ فکر اسلامی میں قانون سازی کا سرچشمہ انسانی سوچ نہیں بلکہ احکام خداوندی ہیں جو کسی صورت بھی تغیر و تبدیل کرنے کے مجاز نہیں۔ ہاں ان احکامات کی تشریح کے لئے احادیث کے ساتھ ساتھ اجتہاد کا طریق کار رہنمائی کے لئے موجود ہے۔ علامہ شبلی نعمانی اپنی مشہور کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں، عمر فاروقؓ نے خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ در حقیقت حکومت جمہوری کی اصل تصویر ہے اور جمہوری حکومت کی اصل تصویر آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جا سکتی۔

گویا اسلامی ریاست کا مزاج نہ آمریت کو گوارا کرتا ہے اور نہ معروزی شہنشاہیت کو۔ اس کا مزاج خالصتاً جمہوری مزاج ہے۔

ذیل میں اسلامی جمہوری ریاست کے چند بنیادی اصول بیان کئے جا رہے ہیں

## (ا) ارباب اختیار (حکمران):

اسلامی حکومت میں کسی ریاست کی حکمرانی کی ذمہ داریاں ان افراد پر ڈالی جاتی ہیں، جو اس کے اہل ہوں اور جن پر عوام الناس کو اعتماد ہو۔

ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔

بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتیں اس کے اہل کے سپرد کی جائیں۔ (النساء)

انسان کے بنیادی حقوق میں ایک بڑا اسلام نے یہ مقرر کیا ہے کہ معاشرے کے تمام افراد حکومت میں حصہ دار ہیں۔ قرآن نے فرمایا: لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ۔ "اللہ تعالیٰ ان کو (اہل ایمان کو) زمین میں خلافت دے گا۔ " (الکہف) یہاں جمع کا لفظ استعمال کیا اور فرمایا کہ ہم بعض افراد کو نہیں بلکہ پوری قوم کو خلافت دیں گے۔ حکومت ایک فرد یا خاندان یا ایک طبقہ کی نہیں بلکہ پوری ملت کی ہوگی اور تمام افراد کے مشورے سے وجود میں آئے گی۔ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ۔ یعنی یہ حکومت باہمی مشورے سے چلے گی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مسلمانوں کے مشورے کے بغیر ان پر حکومت کرے۔ مسلمان راضی ہوں تو حکومت کی جا سکتی ہے اور راضی نہ ہوں تو نہیں کی جا سکتی۔ اس اصول کی رو سے اسلام ایک جمہوری و شورائی حکومت کا درس دیتا ہے۔

رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

"تمہارے بہترین امام اور قائد وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں اور تم ان کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تم کو دعائیں دیتے ہوں اور تم میں بدترین رہنما وہ ہیں۔ جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو (مسلم)

ارباب امر کے معتمد علیہ ہونے پر تمام مکاتب فکر متفق ہیں۔ البتہ ان کے انتخاب کے بارے میں اختلاف



Marfat.com

رائے ضرور پایا جاتا ہے۔ طریق انتخاب پر اختلاف کے باوجود سب اس بات پر متفق ہیں کہ اہل حکومت علم واجتہاد، اخلاق فاضلہ، سیاسی تدابیر اور فنون حرب پر مہارت رکھتے ہوں۔

## (۲) نظام شوریٰ (پارلیمنٹ):

یہ اسلامی فلاحی ریاست کا زریں اصول ہے کہ حکمران تمام امور سلطنت باہم صلاح و مشورہ سے سرانجام دیں۔ اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو (آل عمران)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے معاملات میں مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔" (بخاری، ترمذی)

آپ نے اسلامی معاشرے کی صحیح حالت کو یوں بیان فرمایا "جب تمہارے حکام تم میں سے نیک اور صالح ہوں تمہارے اہل ثروت تم میں فیاضی ہوں اور تمہارے امور باہم مشورے سے طے ہوں۔" (بخاری، مسلم)

شوریٰ اسلامی نظام سیاست کی روح ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں، "میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے، جس کے متعلق نہ قرآن میں کچھ اترا ہو نہ آپ سے کوئی بات سنی ہو، تو ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا میری امت میں عبادت گزار اور اطاعت شعار لوگوں کو جمع کرو اور آپس کے مشورے کے لئے رکھ دو، اور کسی ایک شخص کی رائے پہ فیصلہ نہ کرو۔" (روح المعانی)

اولی الامر کے بارے میں ارشاد ربانی ہے

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

ان کے آپس کے امور باہم مشورے سے طے ہوتے ہیں (الشوریٰ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "جس قوم نے باہمی مشورہ کیا اس قوم نے فلاح پائی (کنوز الحقائق)

حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب شوریٰ کا حکم آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم شوریٰ سے بے نیاز ہیں فکر شوریٰ کا یہ حکم اس لیے ہے تا کہ امت کے لیے رحمت ہو۔ اس کے بعد امت کا جو شخص رائے اور مشورہ طلب کرے گا، کبھی اعلیٰ درجے کی رہنمائی سے محروم نہ ہو گا اور جو شوریٰ کو ترک کرے گا وہ کبھی غلط راہ سے نہ نکلے گا۔ (بیہقی)

حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر ہم کوئی چیز کتاب و سنت میں نہ پائیں تو کیا کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قانون جاننے والے عبادت گزار سے مشورہ کرو۔ پھر ہدایت فرمائی ایسے موقع پر کسی شخص کی انفرادی رائے کو نافذ نہ کرنا۔ (اعلام الموقعین)

نتیجہ یہ نکلا کہ:



Marfat.com

۱۔ اسلامی حکومت میں مشورہ عام شرط ہے۔

۲۔ حکومت کی اضافت عام مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کسی کی ذاتی ملک نہیں بلکہ جمہور کی ملک ہے۔

## (۴) سماجی مساوات:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ۔ مگر درحقیقت معزز تم میں سے وہی ہیں جو زیادہ پرہیز گار ہیں۔ (الحجرات)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے ہمارے اور ہر چیز کے رب میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔" (احمد، ابو داؤد)

مواخات مدینہ کی مثال سب کے سامنے ہے اور بعد ازیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ پر جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ انسانی مساوات کی ایک جاوداں مثال ہے

"خوب سن رکھو کہ فخر و ناز کا ہر سرمایہ خون اور مال کا ہر دعویٰ آج میرے قدموں کے نیچے ہے۔ اے اہل قریش اللہ نے آج تمہاری جاہلیت اور باپ دادا کی بزرگی کے ناز کو دور کر ایا۔ اے لوگو! تم سب آدمؑ سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ نسب کے لئے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں۔ تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔" (مسند احمد)

یہ ہے وہ معیاری قانون اور مساوات کا درس جس میں کوئی حاکم و محکوم نہیں بلکہ سب برابر ہیں۔ آپ نے جب چوری کے ایک معاملے میں قطع ید کا حکم دیا تو کچھ صحابہ نے سفارش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ ضرور کاٹ دیتا۔" (مسلم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ مومن بھائی بھائی ہیں (الحجرات)

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے تم میں سے جاہلیت والے تکبر اور آباؤ اجداد پر تفاخر کو دور کر دیا ہے۔ کیونکہ اصول صرف یہ ہے کہ ایک شخص نیک عمل کرنے والا اور خدا کو ماننے والا ہوتا ہے اور دوسرا بدعمل اور بدبخت اور سب لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔" (ترمذی)



Marfat.com

اسلام مساوات کا سطحی نہیں بلکہ جامع تصور پیش کرتا ہے جس میں معاشرتی مساوات، سیاسی مساوات قانونی مساوات اور اقتصادی مساوات شامل ہیں۔

### (۴) انفرادی آزادی:

اسلامی ریاست اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ ہر شخص کی انفرادی آزادی محفوظ ہو گی۔ اسے یہ ضمانت دی جائے گی تاوقتیکہ وہ اپنی آزادی کا غلط استعمال نہ دے اور کسی دوسرے کے نقصان کا باعث نہ بنے۔ ایک مرتبہ حضور نبی کریم اسے کسی نے اپنے ہمسائے کے بارے میں پوچھا جو مسئلے کی بنیاد پر قید کیا گیا تھا، تو آپ نے فرمایا: "اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جاسکتا۔" (موطا)

اسلام میں ہر شخص کو اپنی آزاد رائے رکھنے کی اجازت دیتا ہے اور ہر ایک کو پر امن مذہبی آزادی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ لیکن کسی بھی شخص یا جماعت کو اختلاف رائے کو فتنہ اور فساد بنانے کی اجازت ہر گز نہیں دیتا۔ حضرت علیؓ نے خوارج کو پیغام بھجوایا۔ "تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور رہزنی اختیار نہ کرنا اور ظلم سے باز رہو۔ (نیل الاوطار)

اسلام جبر کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں (البقرہ)

## شہریوں کے حقوق کا تعین:

اسلامی جمہوریت کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ ایک آزاد شہری کے حقوق میں دراندازی کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں۔ اسلام نے جو حقوق انسانی کا منشور قرآن میں دیا اور جس کا خلاصہ حضورؐ نے خطبہ حجۃ الوداع پر کیا یہ انسانی تاریخ کا سب سے قدیم منشور ہے۔ اسلام میں جو حقوق اپنے عام شہریوں کے لیے مختص کئے ہیں ان کو مختصراً بیان کیا جارہا ہے۔

**(۱) حرمت جان:** حرمت جان کی جو قدر و قیمت اسلام کی نظر میں ہے وہ کہیں نہیں پائی جاتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ)

"جس نے کسی متنفس کو بغیر اس کے کہ اس نے قتل نفس کا ارتکاب کیا ہو، یا زمین میں فساد انگیزی کی ہو، قتل کر دیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے اسے زندہ رکھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔"

ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل)

اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ مگر حق کے ساتھ۔



Marfat.com

**(۲) مال کا تحفظ:** جس طرح جان کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح اسلامی حکومت کی ذمہ دری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے مال کی حفاظت کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۝ (النساء)

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ رسول اللہؐ نے فرمایا: جس نے اپنے کسی مسلمان کا مال اپنی قسم کے ذریعے پر ہضم کیا۔ اس کے لیے اللہ نے جہنم کی آگ واجب اور جنت حرام کر دی ہے۔ (مسلم)

**(۳) آبرو کی حفاظت:** اسلام نے نسل انسانی کو عظمت اور شرف کے بلند معیار عطا کئے ہیں کہ فرشتوں تک سے آدم کو سجدہ کروایا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں حرام کر دی ہیں۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے۔" (الحجرات)

"اور تم ایک دوسرے کو بُرے القابات سے نہ پکارو۔" (الحجرات)

**(۴) نجی زندگی کا تحفظ:** اسلام کی بنیادی حقوق کی روح سے انسان کو نجی زندگی محفوظ رکھنے کا حق حاصل ہے۔ قرآن میں وضاحت کی گئی ہے۔

"اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جبتکہ ان سے اجازت نہ لے لو۔" (نور)

نبی کا ارشاد مبارک ہے کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے کے گھر میں جھانکے۔ گویا اسلامی حکومت انسان کی پرائیویسی کا پورا پورا تحفظ کرتی ہے۔

**(۵) ظلم کے خلاف احتجاج کا حق:** اسلام کے بنیادی حقوق میں یہ بھی ہے کہ انسان اپنے حق کے لئے ظلم کے خلاف آواز اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان بدگوئی پر زبان کھولے۔ اور یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔" یعنی مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائے۔

**(۶) اظہار رائے کی آزادی:** اسلام کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ صرف انسان کا حق ہے بلکہ فرض بھی ہے بنی اسرائیل کے تنزل کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہ تھے۔ اگر کسی قوم میں یہ حالات پیدا ہو جائیں کہ کوئی برائی سے روکنے والا نہ ہو تو کوئی آواز بلند کرنے والا نہ ہو تو پورا معاشرہ برائی کا محور بن جاتا ہے اور قوم کے عذاب الٰہی کے مستحق ہونے میں کسر باقی نہیں رہتی۔

**(۷) آزادی کا تحفظ:** اسلامی جمہوری روایات میں ایک اصول یہ بھی ہے کہ انسان کی آزادی عدل کے بغیر سلب نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عمر نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے۔ "اسلام میں کسی آدمی کو سوائے حق کے نہیں پکڑا جائے گا۔" اس کی رو سے عدل کا وہ تصور قائم ہوتا ہے جسے موجودہ دور میں باضابطہ عدالتی کاروائی کہا جاتا ہے۔



Marfat.com

اسلام میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کہ ایک شخص کو پکڑا جائے اور اس لئے صفائی کا موقع دیے بغیر بند کر دیا جائے۔

**(۸) تحفظ ملکیت:** قرآن نے واضح طور پر ملکیت کا حق انسان کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ)

تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ قرآن و حدیث میں ایک دوسرے کا مال کو کھانے کے باطل طریقے واضح بیان ہوئے۔ اس بارے میں کوئی ابہام نہیں رکھا گیا۔ اس اصول کی رو سے کسی آدمی یا حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کی ملکیت میں دخل اندازی کرے۔

**(۹) مساوات کا حق:** اسلامی حکومت تمام شہریوں کو برابر ترقی کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ قرآن نے مساوات انسانی کے تصور کو بہت زور و شور سے بیان کرتے ہوئے تمام روح انسانیت کو ایک مرد اور عورت کی اولاد قرار دیا۔

نبیؐ نے فتح مکہ پر فرمایا:

"کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے۔ پر ماسوائے تقویٰ کے۔ نسبی بنیادوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

**(۱۰) عدل کا حصول:** قرآن کریم کا یہ واضح اصول موجود ہے کہ انسان کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کرے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی کے زیادہ قریب ہے۔ (المائدہ)

یہ آیت اس اصول کو متعین کرتی ہے کہ ایک فرد کے ساتھ بھی اور ایک قوم کے ساتھ بھی دشمن اور دوست سب کے ساتھ انصاف اور عدل کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔

**(۱۱) مذہبی آزادی:** اسلام نے انسانیت کو ایک حسین اصول دیا کہ کسی شخص کو جبراً دائرہ اسلام میں نہیں لایا جائے گا۔ بلکہ تمام لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ قرآن میں ہے "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ (البقرہ)

ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا قیمتی حق جو سب سے پہلے اسلام ہی نے انسانیت کو دیا۔

**(۱۲) مذہبی دلآزاری سے تحفظ کا حق:** قرآن نے مذاہب اور مذہبی پیشواؤں کا احترام کرنا سکھایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "ان کو برا بھلا نہ کہو، جنہیں یہ لوگ اللہ کے خلاف معبود بنا کر پوجتے ہیں" (الانعام)

مختلف مذاہب پر دلیل سے گفتگو کرنا یا اختلاف رائے تو آزادی اظہار کے حق میں شامل ہے۔ مگر کسی کی دلآزاری اور بدگوئی کرنا غیر مناسب اور خلاف اسلام ہے۔

**(۱۳) اجتماع کا حق:** اسلامی دستور میں منشور حقوق میں اختلافی آرار کھنے والون کو اجتماع کا پورا حق حاصل ہے۔ حضرت علیؓ نے خوارج کے اجتماع کے حق کو تسلیم کیا۔ انہوں نے فرمایا جب تک تم تلوار اٹھا کر زبردستی اپنا نظریہ دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کروگے۔ تمہیں پوری آزادی حاصل رہے گی۔



Marfat.com

(۱۴) اقلیتوں کے حقوق: ارشاد الٰہی ہے:

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل)

اے مسلمانو! اپنے عہد پورے کرو کیونکہ عہدوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اگر کسی مسلم حکمران کا غیر مسلم عوام سے معائدہ ہو تو اس کی پوری پاسداری کی جائے گی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا:

مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے ان کو نقصان پہنچانے اور ناجائز طور پر مال کھانے سے روکو۔ ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں اور جو ان سے وعدے کئے گئے ہیں ان کو پورا کرو۔ (کتاب الخراج)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں حضرت خالد بن ولید نے اہل حیرہ سے معائدہ کیا اور گرجے پیوند خاک نہیں کئے جائیں گے اور نہ ان کے عید کے دن ان کو ناقوس بجانے اور صلیبیں نکالنے سے روکا جائے گا۔

## اسلامی جمہوریت اور مغربی جمہوریت میں فرق:

اسلامی جمہوریت اور مغربی جمہوریت کا موازنہ کیا جائے تو۔ ایسے مقامات جہاں ہمیں مغربی اور اسلامی جمہوریت میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ وہ اختصار کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) اسلامی نقطہ نظر سے حاکمیت کا اختیار انسان کو نہیں خدا اور اس کے قانون کو حاصل ہے۔ انسان کی ذمہ داری خدا کی ہدایت کے مطابق اپنے معاملات کو چلانا ہے۔ بنیادی قانون قرآن و سنت ہے۔ اور اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(۲) دراصل اسلام ایک حکومت کے اختیارات محدود کرتا ہے جو کہ مغربی جمہوریت سے مختلف ہے اور جہاں قانون سازی خالصتاً انسانی ہاتھ میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک مستقل ضابطہ موجود ہے اور ان کے پاس نہیں۔

(۳) اسلام پسند نہیں کرتا کہ لوگ عہدوں کے حریص ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: بخدا ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی عہدے پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو"۔ (بخاری و مسلم)

(۴) جمہوری کلچر میں مخالفت کرو پارٹی بازی کو اسلام ناپسند کرتا ہے۔ اسلامی حکم یہ ہے کہ:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

نیکی اور تقوی کے معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور برائی اور گناہ کے معاملات میں ہرگز تعاون نہ کرو۔ (المائدہ)

## آئین پاکستان اسلامی اور جمہوری:

آئین پاکستان ملک کے اسلامی اور جمہوری ہونے کے ساتھ ایک فلاحی مملکت ہونے کا بھی علمبردار ہے۔



Marfat.com

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں کئی نشیب و فراز آئے، مگر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جس کا قیام جمہوریت کی مرہون منت ہے۔ نظریاتی اساس کے حوالے سے اسلام نہ صرف یہاں کا سرکاری مذہب ہے بلکہ کاروبار مملکت میں عقیدہ اور ایمان پر عمل پیرا ہونا اول شرط ہے۔ یہ دونوں باتیں آئین پاکستان کی ابتدائی شقوں میں شامل ہیں۔ اسی حوالے سے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔

قیام پاکستان کے بعد قائم ہونے والے پارلیمانی، صدارتی اور فوجی حکومت میں سے پاکستانی حکومت نے پارلیمانی نظام کو ہی بہتر گردانا ہے۔ پاکستان کے سبھی طبقے وقتی اختلافات کے باوجود اس امر پر متفق ہیں کہ اسلام کو ایسے نظام کے طور پر نافذ کیا جائے جو ماضی سے تسلسل کا ضامن بھی ہو اور عہد جدید کے مسائل کا مثبت اور قابل عمل حل بھی پیش کرے۔

کسی بھی ریاست کی غرض و غایت اور اس کے قومی عزائم کا اظہار اس کے آئین کی صورت میں ہو جاتا ہے۔ ۱۹۷۳ء کا آئین عوامی امنگوں کا ترجمان ہے۔ اس کا ضمیر برصغیر کے مسلمانوں کے تاریخی ورثے اور اسلام کے سچے پیروکار ہونے پر قائم ہے۔ آئین ملک کے خالص جمہوری اور اسلامی ہونے کا آئینہ دار ہے۔ آئین میں حاکمیت اعلیٰ کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اور حکمران کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر اختیارات حاصل ہیں جو وہ ایک مقدس امانت کے طور پر استعمال کرنے کا پابند ہے۔

آئین میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کوئی قانون ایسا نہیں بن سکتا جو قرآن و سنت کے منافی ہو۔ نیز لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کا مکمل موقع اور حالات فراہم کئے گئے ہیں۔ نیز پاکستان اسلام کے معاشرتی اور انصاف کے اصولوں پر مبنی ایک جمہوری ریاست ہوگی، جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کا نفاذ ہوگا۔

## پاکستان سیاسی و جمہوری نظام کی اصلاح کیسے:

پاکستان کے لئے ترقی کا ایک ہی راستہ ہے کہ من حیث القوم ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی روش پہ توبہ کریں ایسی سیاسی قیادت کو بروئے کار لانے کی سعی کریں جو اسلام کے بارے میں مخلص بھی ہو اور یہ صلاحیت بھی رکھتی ہو کہ سمجھوتے کے بغیر حکمت کے ساتھ اسلام کے اصول و مقاصد کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں کی تشکیل نو کر سکے ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے نام تو اسلام کا لیا تھا، لیکن عملاً اسلام سے انحراف کا ہر راستہ اختیار کیا۔ ہم نے اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو دھوکہ دیا اور من حیث القوم ایک سے دوسری مصیبت میں گرفتار ہوتے چلے گئے۔

پاکستان جمہوری نظام کی اصلاح کے لئے اور سیاسی نظام کو مربوط رکھنے کے لئے جمہوری نظام سے تعلق جوڑے رکھنا ہوگا۔ اس راہ میں مزاحم قوتوں کی بیخ کنی کرتے ہوئے عوامی سطح پر انہیں غیر مقبول بنایا جائے۔ جس کے لئے متوسط طبقات پر مشتمل سیاسی جماعتوں کو میدان میں آنا ہوگا۔ جو اپنے عمل و کردار اور شفاف طرز حکومت اور ذاتی خوبیوں کی بناء پر عوام کو متاثر کرنے کی کوشش کریں گی۔ ساتھ ہی روایتی جاگیرداروں کی اجارہ داری ختم کرنے کے



Marfat.com

لئے حقیقی کوشش کی جانی چاہئے جو بتدریج ہی ممکن ہے۔ جس کے لئے جمہوری عمل کا تسلسل لازمی امر ہے۔ اس کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی۔ فوری نتائج ممکن نہیں اور جلد تھک کر بیٹھ جانا نظام کی تبدیلی کے عمل میں مددگار نہ ہوسکے گا۔

ریاستی اداروں کی طرف سے سیاسی معاملات میں مداخلت روکنے کے لئے عدالتی سطح پر دفاعی میکنزم کو مضبوط کیا جائے۔ عدالتی سطح پر یہ میکانزم ان کی آزادانہ فعالیت دستور کے مطابق جمہوریت سے وابستگی اور کسی بھی جانب سے دستور سے متجاوز اٹھائے گئے اقدام کے قانونی جواز کی تلاش کے بجائے اسے روکے۔ اس لئے ایک طرف سیاسی عمل کو درپیش غیر سیاسی قوتوں کی جانب سے مداخلت کے خطرات کا سدباب ہوسکے گا، تو دوسرے طرف سیاسی قوتوں کے طرز عمل کو قانون کے مطابق استوار رکھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ عام لوگوں کے لیے بھی قانون میں موجود مساوات اور بنیادی حقوق کا تحفظ ایک حقیقت بن جائے گا۔

جمہوری اقدار کو برقرار رکھنے کے لیے ملک کے تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات تعلیم، صحت، روزگار کو یقینی بنانا چاہئے۔ کیونکہ غربت اور عدم مساوات نے زندگی اجیرن بنادی ہے پھر انصاف کا حصول ممکن نہیں۔ غیر سرکاری تنظیموں، پیشہ ورانہ انجمنوں اور مزدور یونینوں کو آزادی کے ساتھ کام کرنے کے مواقع دیے جائیں۔ تاکہ وہ حکومت کے معاونت کے ساتھ ساتھ کارکردگی پر بھی نظر رکھیں۔ یوں عوامی سطح پر حکومتی اقدامات زیر بحث آئیں گے، جو حکمت عملی کی تیاری میں مددگار ثابت ہوں گے۔

یہ سب مؤثر ذرائع ابلاغ کی بدولت ممکن ہے اور صحافتی آزادی اس کو فروغ دینے کا باعث ہوگی۔ الیکٹرانک میڈیا نے عوامی شعور بیدار کیا ہے اس کے ذریعے رائے عامہ کی ہمواری اور درست قیادت کے انتخاب میں مدد لی جانی چاہئے۔ اس کے علاوہ نظام انتخاب میں اصلاح ہونی چاہئے۔ دستور کے مطابق لوکل باڈی کی سطح پر اختیارات منتقل ہونے چاہئیں۔ عدلیہ کو آزاد اور عام آدمی کو رسائی میں ہونا چاہئے۔ شفاف احتسابی عمل کا قیام عمل میں لانا چاہئے۔ تمام سیاسی جماعتوں کی مشاورت سے ایک ملی ضابطہ اخلاق طے کیا جانا بہت ضروری ہے۔ جمہوری ذریعے سے جمہور کو منظم کیا جائے تاکہ صحیح اور مخلص ترین قیادت کا انتخاب ہوسکے۔ پولیس کو سیاست سے پاک رکھا جائے۔ کرپشن سے پاک معاشرے کے قیام کے لئے مل جل کر سعی کرنے کی ضرورت ہے۔ میڈیا کو اتنا آزاد ہونا چاہئے کہ وہ حکومت کی باز پرس کرسکے۔

جمہوریت محض الیکشن کا نام نہیں۔ جمہوریت تو عبادت ہے، قانون کی حکمرانی تقسیم اور توازن اختیارات، اجتماعی محاسبہ، حقوق کا احترام اور بالمعروف ونہی عن المنکر کے مواقع کی موجودگی عدلیہ کی آزادی اور صاف ستھری کھلی حکومت ہی ایک اصلی جمہوریت ہے۔

## مآخذ


۱- قرآن مجید

۲- سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی




Marfat.com

۳- اسلامی نظریہ حیات، پروفیسر خورشید احمد

۴- پاکستان کی سیاسی تاریخ، زاہد چوہدری

۵- جمہوریت اور فوجی مداخلتیں، ریاض احمد شیخ

۶- اسلام اور جمہوریت، جاوید غامدی

۷- محاصرے کا روزنامچہ، وجاہت مسعود

۸- اسلام اور معاشرتی، سیاسی، معاشی نظریات، چوہدری غلام رسول

۹- انسان کے بنیادی حقوق، سید ابوالاعلیٰ مودودی

۱۰- اسلام پاکستان اور جدید دنیا، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

۱۱- خلفائے راشدین، شاہ معین الدین

۱۲- اسلام انسانی حقوق کا پاسبان، سید جلال الدین عمری

۱۳- خلافت اور جمہوریت، عبدالرحمٰن کیلانی

۱۴- جمہوری اقدار سے انحراف، پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم شیخ

۱۵- کلیات اقبال

۱۶- رسائل، ترجمان القرآن، افکار معلم

۱۷- انسائیکلوپیڈیا، وکیپیڈیا




Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

محمد الیاس خان °

## تمہیدی اشارات:

جمہور کی ابلیس ہیں اربابِ سیاست
اب میری ضرورت نہیں باقی تہہ افلاک (۱)

حکمرانی جس بھی قسم کی ہو۔ وہاں ایک نہ ایک مسئلہ ضرور سر اٹھاتا رہتا ہے۔ اگر بادشاہت میں مطلق العنانیت ہے ملوکیت میں فرعونیت، فسطائیت اور شہنشائیت میں قہرمانیت ہے تو موجودہ جمہوریت کا ایک ولدِ ناجائز موروثیت بھی ہے۔ کلیسائیت میں اگر پوپ کے وارے نیارے تھے۔ تو سرمایہ دارانہ جمہوریت میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی حکمرانیاں ہیں۔ آمریت (Dictator ship) تو ہے ہی فوجی اور سرکاری بدمعاشی۔ رہے عوام، تو وہ ویسے بھی کسی شمار و قطار میں نہیں ہیں اور اوپر سے یہ پھبتیاں کہ: العوام کالانعام۔ یعنی "Mass are asses"

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

اگرچہ ابراہم لنکن نے عوامی زخموں پر مرہم پٹی رکھتے ہوئے کہا کہ " جمہوریت عوام کی حکومت ہے، یہ حکومت عوام ہی کے ذریعے سے آتی اور چلائی جاتی ہے۔ لیکن یہ تسلی کمیونزم کے اس طنز جیسی ہے کہ " مذہب عوام کے لئے افیون ہے "۔ اسی طرح جمہوریت بھی وہی رفع درد کی خواب آور دوائی ثابت ہوئی ہے۔ اگر سوشل ازم اور کمیونزم انسان کو غلام شکم بنا کر اس کی تمام آزادیاں چھین لیتا ہے تو جمہوریت میں بھی ایک دن (الیکشن کا دن) کی بادشاہ گری پانچ سالوں کی غلامی کے برابر ہوتی ہے۔

میں نے چاہا بھی کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر میرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا (غالب)

لہذا امراضِ سیاست کی مداوے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں کوئی نسخہ تجویز کیا جائے اور وہ دوائیاں لینا بند کریں، جو مرض میں اضافے کا سبب ہو۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی ؏

° پرنسپل گورنمنٹ ہائی سکول۔ مہمند ایجنسی



Marfat.com

## سیاست کے لفظی و اصطلاحی مفاہیم:

مولانا گوہر رحمٰن اپنی کتاب اسلامی سیاست میں لکھتے ہیں " سیاست اور سوس کے اساسی معنی ہیں "اصلاح کرنا اور سنوارنا"۔ اس لغوی مفہوم کی مناسبت سے یہ دونوں مصدر ریاست و حکومت اور تدبیر مملکت کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ حکومت اور ریاست کا مقصد بھی عوام کی حالت سنوارنا اور اصلاح کرنا ہوتا ہے۔(۲)

امام غزالی کے نزدیک " سیاست مخلوق کی اصلاح اور راہنمائی کرنا ہے سیدھے راستے کی جانب جو دنیا و آخرت کی نجات کا ذریعہ ہو"۔(۳) علامہ ابن خلدون کے مطابق " سیاست اور حکومت مخلوق کی نگہداشت اور ان کے مفاد کی کفالت و ضمانت کا نام ہے یہ سیاست خدا کی نیابت ہے۔ اس کے بندوں پر اسی کے احکام نافذ کرنے کے کام ہیں"(۴)۔ ابن عابدین کے مطابق " یہ مخلوق کی بہبود و اصلاح کی تدابیر اس عام سیاست کی تعریف ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر صادق آتی ہے جن کو اس نے اپنے بندوں کی مصالح کے لئے مقرر فرمایا ہے"(۵) ایڈورڈ جیمز نے سیاست کی تعریف یوں کی ہے: "سیاست کے فرائض حکومت ادا کرنا اور ان لوگوں کو نظم و ضبط میں رکھنا ہے جو سوسائٹی کی شکل میں جمع ہیں"(۵)

انسائیکلوپیڈیا مذہب و اخلاق کے مطابق " سیاست سے مراد نظم و نسق حکومت ہے۔(٦)

الغرض سیاست وہ علم و فن ہے جو عملی طور پر کسی شخص کو حکومت چلانے کے قابل بناتا ہے۔ مولانا گوہر رحمٰن کی تحقیق کے مطابق" فقہ کی کتابوں میں سیاست سے مراد عموماً تعزیری سزائیں لی جاتی ہیں جو اگرچہ قرآن و سنت کی نصوص صریحی سے ثابت نہ ہو۔ مگر وہ شرعی قواعد کے مطابق ہو اور ان کا مقصد مصلحتِ عامہ اور دفع فساد ہو"(۷)۔ بحر الرائق میں ہے کہ فقہاء کے کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیاست حکمران کا وہ فعل اور تدبیر ہے جس میں اس کو عوام کی بہبود اور مصلحت نظر آتی ہو۔ اگرچہ اس فعل کے لئے خصوصی دلیل موجود نہ ہو۔(۸)

اب یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو گیا ہے کہ سیاسیات وہ علم ہے جس کا براہ راست تعلق حکومتی معاملات سے ہو یعنی "It is the science of Government"۔

## جمہوریت یونان سے ایوانوں تک

ویسے تو یہ حقیقت شک و شبے سے بالاتر ہے کہ جمہوریت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اس کی ابتداء قدیم یونان سے ہوئی تھی۔ جب پہلی جمہوری حکومت ۵۱۰ ق م میں (Athens) میں قائم ہوئی۔ اور جب جمہوریت ایتھنز میں کامیاب ہوئی تو دوسری شہری ریاستوں نے بھی اپنے لئے موزوں قرار دیا لیکن انہوں نے بھی معدودے چند لوگوں کو ووٹ کا حق دے دیا۔ یعنی صرف بالغ آزاد مردوں کو ووٹ کی اجازت تھی جن کے پاس اپنے گھر اور جائیداد ہو۔(۱۰)

اس کنٹرولڈ جمہوریت (Controlled democracy) کو ہم Aristocracy بھی کہہ سکتے ہیں جو کہ معاشرے کے اچھے اور بہترین لوگوں کی حکومت ہوتی تھی۔ یونانی سیاسی مفکروں خاص طور پر ارسطو کے خیال میں یہ



Marfat.com

بہت ہی اچھی طرزِ حکمرانی ہے۔(۱۱)

جمہوریت اس عہد میں مڈٹرینن کے ارد گرد خوب پھیلی لیکن رومن امپائر اس کے لئے ۱۰۰ بی سی میں بلائے بے درمان بن کر اس کا بالکل خاتمہ ہی کر ڈالا۔

اس کے تقریباً سو سال بعد قرونِ وسطیٰ میں یونان (اٹلی) میں کچھ شہروں مثلاً سینیا، فلورینس، وینس وغیرہ میں دوبارہ جمہوری حکومتوں کا آغاز ہو گیا۔ یہ بھی بڑی منظم حکومتیں تھیں۔ لیکن انہوں نے بھی غریبوں اور عورتوں کو ووٹ کا حق نہیں دیا اور کبھی تو (Athens) کی طرح لاٹری سسٹم سے کام چلایا جاتا تھا۔ برطانیہ جن کو جدید جمہوریت کا ماں ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ Mangna centa یعنی منشور اعظم (۱۲۱۵ء) کو انگلستان کا پہلا تحریری دستور ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔(۱۲)

جدید دنیا کے زیادہ تر ممالک میں مغربی طرز کی جمہوریت قائم ہے یا قائم ہونے کی کوششیں جاری ہیں۔ حتیٰ کہ عرب ممالک جہاں جمہوریت بالکل شجر ممنوع ہے کا پودا لگانے کی کوشش زوروں پر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مصر میں اسی جمہوریت ہی کا گلا گھونٹا گیا اور آشیر باد بھی اسے جمہوریت کے علمبرداروں کا حاصل ہے۔ یہی ہے مغرب کا دہرا معیار۔

جو تیرے زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ اعمال میں ہے

## اسلام کا سیاسی تصور، نہ پورب نہ پچھم

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کسی سائنس، فلسفے یا تاریخ وسیاسیات کی کتاب نہیں ہے۔ یہ کتاب ہدایت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حدود احکام اور نشانات و آیات بیان کی ہیں۔ قرآن ایک مثالی معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے اور وہ تمام اوامر نواہی یعنی Dos & Donts سکھلائی ہیں جو ایک اچھے انسانی معاشرے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔

اور پھر یہ کام معاشرے کی صوابدید پر چھوڑ رکھا ہے کہ ان کے لئے کس قسم کے حکومت اس وقت اور حالات کے مطابق مناسب و موزوں ہے۔ کیونکہ اسلام اس بارے میں کسی قسم کے Hand & Fast rules نہیں دینا چاہتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ویسے بھی انسان کے free will کے خلاف پڑتی ہیں۔

## اسلام کا مقصدِ حکومت نیابت الٰہی:

الاالہ الخلق والامر (۱۳) چونکہ دنیا کی تخلیق اللہ تعالیٰ ہی نے کی ہے اس تمام کائنات کا وہ بلا شرکت غیرے خالق ہے۔ اس لئے حکومت اور فرمانروائی بھی اسی ہی کے لئے ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
بس ایک وہی پروردگار باقی سب بتانِ آزری (اقبال)

اسلامی حکومتوں کا مقصد وجود ہی یہی ہوتا ہے کہ جہاں بھی اللہ کے سچے بندوں کی حکومت ہو۔ وہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کے نائب ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصدِ وحید ہی اعلا کلمۃ اللہ ہوتا ہے۔



Marfat.com

{اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ} (۱۴)

"جن کو ہم اگر زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوۃ دیں گے اور بدی سے روکیں گے"

سید ابوالاعلیٰ اس آیت کی تصریح میں لکھتے ہیں۔ کافر حکومتوں کی طرح اس کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ ملک کے اندرونی امن اور خارجی سرحدوں کی حفاظت کرے اور ملک کی مادی خوشحالی کے لئے ساعی ہو۔ بلکہ ایک اسلامی حکومت ہونے کی حیثیت سے اس کا اولین فریضہ یہ ہے کہ نماز اور زکوۃ کا نظام قائم کرے اور ان بھلائیوں کو فروغ دے جنہیں خدا اور رسول بھلائی قرار دیتے ہیں اور ان برائیوں کو روکے جسے خدا اور رسول برائی کہتے ہیں کوئی ایسی حکومت اسلامی حکومت کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی جو اس بات سے بے پرواہو کہ نماز قائم ہو رہی ہے یا نہیں۔ زکوۃ دی جارہی ہے یا نہیں بھلائیاں پھیل رہی ہیں یا مٹ رہی ہیں اور برائیاں دب رہی ہیں یا ابھر رہی ہیں۔ اسلامی حکومت کا نام ایسی حکومت کو زیب نہیں دیتا۔ جس کے حدود زنا اور شراب اور قمار بازی فحش لٹریچر اور فحش تماشوں اور مخلوط تعلیم اور تبرج جاہلیت اور اختلاط مرد وزن کا عام رواج ہو اور ان صریح منکرات پر کوئی قدغن نہ ہو۔ پس ایک اسلامی دستور میں لازماً ریاست کو ان فرائض کا پابند ہونا چاہیے۔ جنہیں قرآن اس کے بنیادی فرائض میں شمار کرتا ہے۔ (۱۵) (اسلامی ریاست، ص ۳۸۰) اب اس حقیقت میں تردد کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ اسلامی حکومت کا مقصد عوام کی فلاح وبہبود کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم وتربیت اور پھر اعلیٰ درجہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔

حدیث موقوف میں تو اسلامی حکومت کی اہمیت کی حد کر دی گئی ہے۔ ان اللہ لیزع بالسلطان ما لا یزع بالقرآن۔ اللہ تعالیٰ حکومت کے ذریعے ان چیزوں کا سدباب کرتا ہے جن کا سدباب صرف قرآن (تعلیم) سے نہیں کرتا ہے حکومت کی وجہ سے لوگ گناہوں سے رک جاتے ہیں لیکن اکثر لوگ صرف قرآن کی تعلیم سے منع نہیں ہوتے ہیں۔ (۱۶)

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام دین اور سیاست میں تفریق کا روادار نہیں ہے۔ بلکہ الملک و دین توامان یعنی سیاست اور دین جوڑواں بھائی ہیں کہہ کر لادین ریاست کا تصور ہی ختم کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں دین و سیاست کی علیحدگی کے مغالطے کا اقبال نے بھی بڑی اچھی طرح پردہ چاک کر دیا ہے۔

جلال پادشاہی ہو یا جمہوری تماشا
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

دوسری جگہ فرمایا ہے۔

ہوئی ہے ترکِ کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیوِ بے زنجیر

ارشاد نبویؐ ہے کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا



Marfat.com

تو دوسرا نبی ان کی جگہ آجاتا تھا۔ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا اور میرے خلفاء موجود رہیں گے۔(۱۷)

اس حدیث نبویؐ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیاست دین ہی کا کام ہے حالاتِ حاضرہ میں چونکہ سیاست بہت زیادہ گندی ہو چکی ہے کیونکہ میکاولی وغیرہ نے پہلے ہی اخلاق و سیاست کا رشتہ کاٹ کر کے اقتدار کے حصول کے لئے جھوٹ، دغا، دھوکہ، زمانہ سازی، منافقت حتیٰ کہ قتل ابن آدم تک کو جائز قرار دیا ہے۔(۱۸) لہٰذا سیاست کی تطہیر کے لئے اور اسے خلافت راشدہ کے نہج تک پہنچانے کے لئے تعلیمات نبویؐ سے روشنی لینے کی اشد ضرورت ہے۔

ع چراغ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

## خلافت راشدہ اصلی سیاسی جمہوری حکومتیں:

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ خلافتِ راشدہ اپنی روح و عمل کے لحاظ سے جدید معنوں میں بالکل ایک مثالی جمہوری نظام کا پیکر ہے۔(علماء کے نزدیک جمہوریت کی بجائے شورائیت کا لفظ احسن ہے) کیونکہ ان کے تمام کاروبار خلافت اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کی عملی تفسیر پر چلتا تھا۔

تمام خلفائے راشدین کا انتخاب عملاً اور لوگوں کی عام رائے سے ہوا ہے۔ یعنی جب خلیفہ منتخب ہوتے تو عملاً لوگوں سے مسجد میں دوبارہ ایک قسم کا اعتماد کا ووٹ (vote of confidence) لیتے تھے۔(۱۹)

کاروبار خلافت میں وہ خدا اور عوام دونوں کو جواب دہ تھے۔ حکومت کا کام بڑی تن دہی و جانفشانی سے کرتے۔ بلکہ اپنے ذاتی کام سے بڑھ کر حکومت کا کام کرتے۔ حضرت عمرؓ بیت المال کے اونٹوں اور گھوڑوں کی خود دیکھ بھال کرتے۔ بیت المال کا اونٹ گم ہو جاتا تو خود ڈھونڈنے جاتے۔ کسی نے کہا کسی غلام کو ڈھونڈنے بھیجو، کہا مجھ سے بڑھ کر کوئی غلام ہے؟(۲۰)

## جمہوریت کی حقیقی روح:

خلفائے راشدین میں وہ تمام خوبیاں اور صفات موجود تھیں جن کو آج کے دور میں حقیقی جمہوری کام کہے جاسکتے ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنی کتاب اسلامی ریاست میں لکھتے ہیں۔ اس خلافت کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک یہ تھی کہ اس میں تنقید اور اظہار رائے کی پوری آزادی تھی۔ اور خلفاء ہر وقت قوم کی دسترس میں تھے۔۔۔ وہ بازاروں میں کسی محافظ دستے اور ہٹو بچو کے اہتمام کے بغیر عوام کے درمیان کرتے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق نے علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ اگر میں سیدھا چلوں تو میری مدد کرو۔ اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کرو(۲۱) حضرت عمرؓ نے ایک بار نمازِ جمعہ کے خطبے میں فرمایا کہ نکاح میں چار سو درہم سے زیادہ خرچ نہ کیا جائے۔ ایک عورت نے انہیں وہیں ٹوکا کہ آپ کو ایسا حکم دینے کا حق نہیں ہے۔ قرآن ڈھیر سا مال (قنطار) مہر میں دینے کی اجازت دیتا ہے۔ آپ اس کی حد مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ حضرت عمر نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔(۲۲)



Marfat.com

اسی طرح حضرت سلمان فارسی نے چادروں کے بارے میں حضرت عمرؓ سے براہ راست احتساب کیا تھا۔(۲۳)
علاوہ ازیں ایک دفعہ حضرت عمر نے اپنی مجلس میں لوگوں سے پوچھا کہ اگر میں معاملات میں سست پڑ جاؤں تو تم کیا کرو گے۔ حضرت بشیر بن سعید نے کہا کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم آپ کو تیر کی طرح سیدھا کریں گے۔(۲۴)
خلیفہ ثالث حضرت عثمان پر لوگ بہت زیادہ تنقید کرتے تھے انہوں کبھی بھی تنقید کرنے والوں سے سختی نہیں کی۔ حتیٰ کہ اپنے دفاع کے لئے مسلمانوں کو لڑانا نہیں چاہتے۔ اور کھوا ایڈیکم کی عملی تصویر پیش کر کے جام شہادت بھی نوش کیا۔ اسی طرح خلیفہ چہارم حضرت علی نے بھی کبھی غیر جمہوری اقدام (in the modern sense) نہیں اٹھایا۔ خوارج نے ان کو بہت تنگ کیا تھا۔ ایک دفعہ پانچ خارجی گرفتار شدہ ان کے پاس لائے گئے۔ جو علی الاعلان حضرت کو گالیاں دے رہے تھے اور ایک تو قتل کی دھمکیاں حضرت علیؓ کو دے رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان سب کو چھوڑ کر اپنے لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو بدزبانی کا جواب دے دو۔ لیکن جب تک وہ عملاً کوئی باغیانہ عمل نہ کریں۔ ان پر صرف زبانی باتوں کی وجہ سے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔(۲۵)
مزید برآں۔ احتساب اور عدالت کے متعلق خلفائے راشدین کے کام اور رویئے آج کے مکاتب جمہوریت کے لئے نشان منزل ہیں۔ حضرت عمرؓ گورنروں کے تقرری کے وقت ان کے گھر اور مال کی لسٹ بناتے اور پھر ان گورنروں کی واپسی پر زائد چیزیں اگر ان کے پاس نکلتیں واپس لے لیتے۔(۲۶) اور بیت المال میں جمع کراتے تھے۔ اسی طرح اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کو بغیر کچھ دیئے (مال غنیمت میں) واپس کیا۔(۲۷)
اسی طرح عدالت کے معاملے میں اپنے بیٹے ابو شحمہ کو کوڑے مارنا یعنی شراب پینے کے جرم میں۔ ایک عالم پر آشکارا ہیں پھر کوئی کس منہ سے کہیں کہ اسلام میں جمہوریت نہیں۔

آ دیکھ سر دار وفا آنکھ اٹھا کر
جھومر کی طرح وقت کے ماتھے پہ سجا ہوں

اسی طرح عدلیہ کی خود مختاری اور قانون کی بالادستی کی کئی مثالیں خلافت راشدہ کی تاریخ میں مرقوم ہیں حضرت عامر شعبی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ کہیں گم ہوگئی تھی۔ حضرت علی نے ایک عیسائی کے پاس دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کے عدالت میں مقدمہ داخل کیا۔ امیر المؤمنین حضرت علی عدالت کو کوئی معقول ثبوت پیش نہ کرسکے۔ اور یوں قاضی نے فیصلہ عیسائی کے حق میں کر دیا۔ فیصلے سے متاثر ہو کر عیسائی مسلمان ہوا کہ یہ تو انبیاء جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنین مجھے اپنے مقرر کردہ قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی فیصلہ بھی اس کے خلاف دیتا ہے۔ عیسائی نے بعد میں اعتراف کیا کہ زرہ حضرت علی سے صفین جاتے ہوئے گر گئی تھی حضرت علیؓ اس کے ایمان لانے سے خوش ہوگئے اور اسے زرہ کے علاوہ ایک گھوڑا بطور انعام دے دیا۔(۲۸)

اے لاالہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ، کردار قاہرانہ



Marfat.com

## پاکستان میں سیاسی جمہوریت کا عمل دخل

اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ پاکستان کا بننا ایک تاریخی ناگزیریت (Historical eventuality) ہے۔ اپنی نوعیت میں انفرادی خصوصیت کا اس لئے حامل ہے کہ یہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آ گیا ہے۔ ویسے ملک بنانا تو زیادہ مشکل کام ہے بھی نہیں۔ لیکن ایک خاص ماڈل اور نظریے پر بنانا۔ عظیم مشکل کارہائے زیست میں شمار ہوتا ہے۔ روس میں کمیونزم کے لئے کتنے مظالم ڈھائے گئے۔ اسرائیل کو صیہونیت کے لئے کتنے بیساکھیوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے پاکستان کو بنانے کے لئے اسلامیان ہند کو خون کے دریا پار کرنے پڑے اور شرم و آبروریزی کی داستانیں ان کے علاوہ ہیں۔ قدرت اللہ شہاب نے اپنی سوانح عمری، شہاب نامہ میں لکھا ہے کہ تحریکِ پاکستان کے دوران (علیحدگی کے دنوں) سکھوں نے مسلمان عورتوں کا ننگا جلوس نکالا تھا۔ (۲۸)

یقیناً آگ میں جلنے والی موت بھی اس بے عزتی سے پہلے آ جائے تو وہ بھی صد غنیمت ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ سب جس چیز کے لئے ہوئے وہ منزل ابھی نہیں آئی۔

ع کبھی ڈگمگائی کشتی کبھی گم گیا کنارہ

پاکستان میں اسلامی نظام تو نافذ نہ ہو سکا لیکن آئین سازی میں مغربی جمہوریت کے چربے نکالتے نکالتے بھی کبھی ساحل مراد تک ہم نہ پہنچ سکیں۔ ہاں قراردادِ مقاصد کا پاس ہونا واقعی ایک بڑا کام ہو گیا ہے اور پھر آئین میں اسلامی دفعات بھی پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن عملی طور پر نافذ آئین بھی عملاً معطل ہے۔ قاضی حسین احمد (مرحوم) کے بقول اگر آج بھی دفعات ۶۲، ۶۳ کا نفاذ ہو جائے تو پارلیمنٹ میں کافی نشستیں خالی ہو جائیں گی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض چیزیں صرف مثالی ہوتی ہیں اور ان کا زندہ رہنا صرف عالم امثال (ideal world) ہی میں ممکن رہتا ہے۔ عمل کی دنیا میں ان کے بال و پر جلتے ہیں مثلاً جارج واشنگٹن کا امریکہ تو وہ نہیں ہے جو آج دنیا دیکھ رہی ہے یا گاندھی اور نہرو کا انڈیا تو یہ نہیں ہے۔ اسی طرح قائد و اقبال کا پاکستان تو یہ نہیں ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کا بنیادی دستوری ڈھانچہ (قراردادِ مقاصد) ان کے افعال کی ضرور آئینہ دار ہے۔ (۲۹)

## قائد اعظم محمد علی جناح کا خط گاندھی جی کے نام

۱۷/ ستمبر ۱۹۴۴ء کو گاندھی جی کے نام لکھتے ہیں: قرآن مسلمانوں کا مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری معاشی اور معاشرتی، غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے امور حیات تک، روح کی نجات سے لیکر جسم کی صحت تک جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کے حقوق و فرائض تک دنیوی زندگی میں جزاو سزا سے لیکر عقبیٰ کی جزاء و سزا تک ہر فعل، قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے لہذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہیں تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں۔



Marfat.com

## ۱۹۴۸ء میں عید کے موقع پر پیغام:

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا" ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات اور اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانونِ حیات ہے۔ یعنی مذہبی، معاشرتی، تجارتی، تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسولؐ کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کا بغور مطالعہ کرے تاکہ یہ اس کی انفرادی اجتماعی ہدایات کا باعث ہو۔(۳۰)

قائداعظم محمد علی جناح کے ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیالات میں پاکستان کے دستور کے لئے کیسا مکمل اسلامی نقشہ موجود تھا۔ لیکن بد قسمتی سے پھر بھی ان کے ارشادات کو کھینچ تان کے یار لوگ ہمیشہ سیکولر سٹیٹ کی تشریح نکالتے ہیں۔

## قراردادِ مقاصد —— دساتیر پاکستان کا دیباچہ

اس قرارداد کی تمہید میں صاف اور صریح الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام اختیار اور اقتدار کا ذاتِ الٰہی کے تابع ہونا لازمی ہے یہ بالکل درست ہے کہ یہ نظریہ مغربی حکیم میکاولی کے خیالات کے بالکل برعکس ہے۔ جس کا تصور مملکت یہ ہے کہ:

Spirtual and ethical values should play no part in the Government of the people.

لیکن ہم پاکستانیوں میں اتنی جرات ایمان موجود ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تمام (انسانی) اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیارات کے مطابق استعمال کیا جائے۔ تاکہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے تمام تر اقتدار ایک مقدس امانت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس لئے تفویض ہوا ہے کہ ہم اسے بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے استعمال کریں۔ تاکہ یہ امانت ظلم و تشدد اور خود غرضی کا آلہ نہ بن کر رہ جائے۔(۳۱)

صاف ظاہر ہے کہ قانونی اور کتابِ دستور کے لحاظ سے پاکستان کا مقصد فی الواقع ایک صحیح اسلامی فلاحی ریاست کا قیام ہے لیکن بد قسمتی سے نام نہاد جمہوریت کے علمبرداروں اور زیادہ تر فوجی آمروں نے بھی پاکستانی سیاست کو جنگ زرگری میں تبدیل کر دیا۔ ورنہ جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی۔" پاکستان مفاد پرستوں اور مالدار طبقوں کی ہوس زر کے لئے نہیں بنا ہے بلکہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر ایک منصفانہ معاشی نظام تعمیر کرنا ہمارا مقصد ہے۔(۳۲)

## مروجہ جمہوری نظام —— بندگی سے میرا بھلا نہ ہوا

دنیا کے تمام نظام ہائے حکومت میں جمہوریت ہی ایسی طرزِ حکومت ہے جن کو ہم اسلامی حکومت (خلافت) کے قریب قریب پاتے ہیں کیونکہ اس میں شورائیت بھی ہے اور عوام کے سامنے جوابدہی بھی ہے اور یہ کہا بھی جارہا



Marfat.com

ہے کہ بدترین جمہوریت بھی بہترین آمریت سے اچھی ہوتی ہے لیکن اب سیاست کاروں کے اوچھے ہتھکنڈے، جن کی وجہ سے جمہوریت کے اصل ثمرات عوام تک نہیں پہنچ رہے ہیں مثلاً سیاسی پارٹیوں میں موروثیت کا موجود ہونا وہی بادشاہت کے طریقے ہیں۔ جہاں پارٹی کے لیڈر کا بیٹا یا بیٹی ہی پارٹی کی قیادت سنبھالا کرتے ہیں کسی عام آدمی کو یہ قیادت نصیب نہ ہوئی۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری (اقبال)

اس کے علاوہ دولت کا سیاست میں عمل دخل وہ کینسر ہے جس نے ساری جمہوریت کو سرطان زدہ بنا رکھا ہے حالیہ سینٹ انتخابات میں باوجود کوشش کے لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح بکنے سے نہ روک سکیں۔ محمد طٰہ خان کا شعر ایسی صورتِ حال پر بڑا صادق آتا ہے۔

جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
گھوڑوں کی طرح بکتے ہیں انسان وغیرہ

ہاں اچھی مثالیں بھی موجود ہیں مثلاً انڈیا میں BJP اور پاکستان میں جماعتِ اسلامی میں جمہوری انتخابی عمل موجود ہے۔ جو موروثی کے مقابلے میں ایک جمہوری طرزِ فکر کی عکاسی کرتا ہے۔ جبکہ باقی پارٹیوں میں اندرونی سطح پر انتخابات کے مقابلے نامزدگی اور بلا مقابلہ چناؤ خطرناک عمل ہے۔ (۳۳)

## ولی عہد کا تصور

ویسے تو آجکل بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں میں عہدوں کی بندر بانٹ اپنے گھر سے شروع ہو کر دولت مندوں کی طرف جاری رہتا ہے جو کسی طرح بھی جمہوریت کے حق میں کم خطرناک نہیں ہے۔ ولی عہدی کا تصور موجودہ دور میں اگرچہ شاہانہ طریقہ انتخاب ہے۔ لیکن فقہاء اور ائمہ سیاست نے تقررِ خلیفہ کا ایک طریقہ یہ بھی بتایا ہے کہ خلیفہ سابق کسی کو اپنا جانشین مقرر کرے۔ ماوردی ابن خلدون اور بعض دوسرے حضرات نے اس نامزدگی کو کافی قرار دیا ہے۔ البتہ ماوردی کے نزدیک ضروری ہے کہ خلیفہ اپنے باپ یا بیٹے کو ولی عہد مقرر نہ کریں۔ (۳۴)

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے بیٹے حضرت عبد اللہ ابن عمر علم، تجربے اور تقویٰ میں کسی سے کم نہ تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے خلیفہ کے انتخاب کی مشاورت میں اسے صرف اس شرط پر شامل کرنے کو کہا کہ اسے خلیفہ نہ بنایا جائے گا تاکہ موروثی حکومت کا آغاز نہ ہو جائے۔ اسی طرح خلیفہ چہارم حضرت علیؓ نے بھی اپنے بیٹے حضرت حسنؓ کے بارے میں فرمایا" میں نہ منع کرتا ہوں، نہ حکم دیتا ہوں۔ یہ فیصلہ لوگ مسجد میں کریں گے خلیفہ کے انتخاب کا حق عوام کو ہے۔ (۳۵)

پس ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارے مروجہ سیاسی جمہوری نظام میں کئی خرابیوں کا موجود ہونا ایک حقیقت ہے جس کی اصلاح کئے بغیر جمہوریت فی الحقیقت ایک لعنت سے کم نہیں ہے۔



Marfat.com

خیبر پختونخوا کے بلدیاتی انتخابات منعقدہ ۳۰ر مئی ۲۰۱۵ء میں تقریباً چالیس ہزار سے زائد عوامی نمائندوں کی ایک فوج ظفر موج منتخب ہو گئی ہے۔ بقول شخصے اگر اتنے زیادہ لوگوں کو ملازم رکھنا تھا تو بے روزگار اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو NTS یا competetive exams کے ذریعے بھرتی کیا جاتا۔ نہ اتنے خرچے ہوتے اور نہ اختلافات نچلی سطح تک منتقل ہوتے۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔ کیا ضروری ہے کہ ہم دنیا کے پیچھے آنکھیں بند کر کے بھاگتے رہیں کیونکہ دنیا میں یہی نظام رائج ہے یہ تو بالکل وہی جمہوریت ہے جس کے بارے میں افلاطون بہت زیادہ نفرت کا اظہار کیا کرتے تھے۔

"Democracy is the Government of the mobe"(36)

جمہوریت بس بے ترتیب ہجوم کی حکومت ہے اور شخصے کا تعریف تو بڑا نرالہ ہے۔ ابراہام لنکن کی روح سے معذرت کے ساتھ:

> Democracy is that form of Government through which leaders/ plunderers are elected for the embezzlement of national exchange.

جمہوریت وہ طرز حکومت ہے۔ جس کے ذریعے قومی خزانے کے لئے غبن کرنے والے لٹیرے منتخب کئے جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو
ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو

## اختتامیہ:

اسلامی حکومت / حکومت الٰہیہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہوتی ہے کیونکہ اس کے بغیر خیر کا ابھرنا اور شر کا دفع ہونا بالکل ناممکن ہے۔ قرآن میں کئی مقامات پر ایسی حکومتوں کا ذکر جس میں انصاف و عدل کا بول بالا ہو اور اقامتِ دین کا ذریعہ ہو۔ بڑے اچھے انداز میں کیا گیا ہے مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت۔(۳۷) حضرت طالوت کی حکومت (۳۸) خلافتِ داؤد علیہ السلام (۳۹) اور (۴۰) حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت (۴۱) ذوالقرنین کی حکومت (۴۲) اور محمد رسول اللہ کی خلافت کا یہ مقصد هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔(التوبہ:۳۳) "اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اگرچہ برا مانیں مشرک۔

الغرض اسلامی حکومت ایک فلاحی (welfare) حکومت ہوتی ہے جس کی ضرورت ہر دور میں معاشرے کو محسوس ہوتی ہے اور افراد اس کے بغیر محرومی اور کسمپرسی محسوس کرتے ہیں۔ حضورؐ کا یہ ارشاد ایک فلاحی ریاست کا Menofesto ہے السلطان ولی من لا ولی لہ۔ حکومت ہر اس شخص کی ولی یعنی دست گیر و مددگار ہے جس کا کوئی ولی



Marfat.com

نہ ہو۔(۴۳) دوسری جگہ ارشاد نبویؐ ہے۔ من ترک کلاً فعلینا(۴۴) جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار (مثلاً قرض بے سہارا کنبہ) چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمے ہے۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایسی خلافت انعام کے طور پر دی جاتی ہے اور سزا کے طور پر واپس لی جاتی ہے۔

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں

{وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ}

"وعدہ کرلیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک عمل کہ ان کو خلافت (حکمرانی) دے گا زمین میں۔ جیسا کہ خلافت دی تھی۔ ان لوگوں کو جو پہلے گزر چکے ہیں اور مضبوط کر دے گا ان کے لئے اس دین کو جیسے اس نے پسند کیا ہے ان کے لئے اور دے گا ان کو خوف کے بدلے میں امن۔ میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرے ساتھ کسی کو۔ اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے بعد تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

تمکین فی الارض واستخلاف اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور یہ صرف ان لوگوں کو دی جاتی ہے۔ جو اپنے اعمال اطوار اور رویوں کے لحاظ سے اہل ہوں۔ یعنی کامل اور سچے مومن ہوں۔ رہی دنیاوی عام حکومتیں تو وہ فرعون اور نمرود کو بھی ملی تھیں اور دورِ حاضر کے کئی بڑے بڑے کفار کو بھی ملی ہیں۔ قیصر و کسریٰ بھی یہ مزے لوٹ چکے ہیں۔ دین و دنیا کی جدائی اور دین و دنیا کو علیحدہ علیحدہ خانوں میں بانٹنے والا معاملہ تو اسلام کا تصورِ سیاست سرے سے ہے ہی نہیں۔ اسلام کا تو حکم ہے کہ ہم پورے کے پورے مومن بن جائیں تو پھر نیابت الٰہی کا حق ہم سے کوئی چھین ہی نہیں سکتا اور زندگی کے دوسرے طاغوتی نظام عزت کے ساتھ پنپ ہی نہیں سکتے ہیں۔ یہ الفاظ مولانا مودودیؒ "اگر آپ اسلام کی صحیح پیروی کریں اور اپنے قول و عمل سے اس کی سچی شہادت دیں اور آپ کے اجتماعی کردار میں پورے اسلام کا ٹھیک ٹھیک مظاہرہ ہونے لگے تو آپ دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخرو ہو کر رہیں گے۔ خوف اور حزن، ذلت اور مسکنت، مغلوبی اور محکومی کے یہ سیاہ بادل چھٹ جائیں گے۔ آپ کی دعوتِ حق اور سیرت صالحہ دلوں اور دماغوں کو متاثر کرتی چلی جائے گی۔ آپ کی دھاک اور ساکھ دنیا پر بیٹھتی جائے گی انصاف کی امیدیں آپ سے وابستہ کی جائیں گی بھروسا آپ کی امانت و دیانت پر کیا جائے گا۔ سند آپ کے قول کی لائی جائے گی بھلائی کی توقعات آپ سے باندھی جائے گی۔ ائمہ کفر کی کوئی ساکھ آپ کے مقابلے میں باقی نہ رہ جائے گی۔ ان کے تمام فلسفے اور سیاسی و معاشی نظریئے آپ کی سچائی اور راست روی کے مقابلے میں جھوٹے ملمع ثابت ہوں گے۔ جو طاقتیں آج ان کے کیمپ میں نظر آرہی ہیں۔ ٹوٹ ٹوٹ کر اسلام کے کیمپ میں آتی چلی جائیں گی حتیٰ کہ ایک وقت وہ آئے گا جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لئے پریشان ہوگا۔ سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لئے لرزہ براندام ہوگی



Marfat.com

مادہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہو گا۔ نسل پرستی اور قوم پرستی خود برہمنوں اور جرمنوں میں اپنے معتقد نہ پا سکے گی اور آج کا یہ دور صرف تاریخ میں ایک داستانِ عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا کہ اسلام جیسی عالمگیر و جہاں کشا طاقت کے نام لیوا کبھی اتنے بیوقوف ہو گئے تھے کہ عصائے موسیٰ بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے۔ یہ مستقبل تو آپ کا اس صورت میں ہے جب کہ آپ اسلام کے مخلص پیرو اور سچے گواہ ہوں"۔(۴۶)

حقیقت ہے کہ ہمیں کسی دوسرے دستور کسی دوسرے قانون۔ کسی اور ازم اور طرز حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کا بنایا ہوا قانونِ خداوندی ہمارے پاس موجود ہے بس اسے صرف نافذ کرنا ہے۔ دوسروں کے جلائے ہوئے چراغوں نے ہمیں اتنا اندھا کر دیا ہے کہ اپنے ہاتھ میں موجود تمام روشنیوں کا سرچشمہ و منبع سورج یعنی اسلام نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے کبھی مغربی جمہوریت میں اپنا مداوا تلاش کرتے ہیں کبھی سوشل ازم کی طرف لپکتے ہیں او کبھی سرخ انقلاب اپنی محرومیوں کا علاج گردانتے تھے۔ لیکن ٹیڑھے راستوں پر چلنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان گھو پھر کر تھکا ہارا وہاں پہنچتا ہے جہاں سے اس نے چلنا شروع کیا ہوتا ہے۔ پس ہمیں کسی اور کے کھینچے ہوئے لکیروں پر چ کی کیا ضرورت ہے؟ امت مسلمہ اور بالخصوص پاکستان کا نجات نہ انگلستان کے نظام میں ہے اور نہ روس کے اور امریکہ کے طریقوں میں اور نہ فرانس کے نقشوں پر چلنے میں۔ بلاشبہ اپنے زمانے اور اپنی ضرورتوں کے مطابق ان اختیار ہے کہ سیاسی اور ادارتی دروبست کا اہتمام کریں۔ لیکن اصول اقدار اور معیار کے باب میں خلافتِ راشدہ اصولوں کا احیاء ضروری ہے اور ہر اس پیکر و صورت کو پسند کریں جو ان اسلامی اصولوں کو ٹھیک ٹھ کر سکے۔(۴۷)

اقبال لکھنو سے نہ دلی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

## تجاویز و سفارشات

مقالہ ہذا کی اخذ شدہ معلومات و نتائج کی بناء پر ادارتی منصوبہ سازوں، سماجی کارکنان، سرکاری اہل کاروں سیاسیات کے طالبعلموں اور محققین کے لئے درج ذیل تجاویز و سفارشات پیش خدمت ہیں۔

(۱) آئین پاکستان کے تمام دفعات پر عمل پیرا ہونے کے لئے اقدامات کیے جائیں یعنی عملی طور پر آئین بحا کیا جائے۔

(۲) امیدواروں کے کوائف میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی تعلیم کو بطور شرط عائد کیا جائے۔

(۳) پارٹی سسٹم کو کلیۃً ختم کیا جائے۔ کیونکہ یہ رقابتوں اور افتراق و انتشار کو جنم دیتا ہے۔

(۴) الیکشن کمشن صرف غیر جانبدار اچھی شہرت اور اعلیٰ تعلیم یافتہ (شرعی، عصری) افراد کو الیکشن لڑنے کا قرار دے۔



Marfat.com

(۵) جاگیرداروں اور سوداگروں کی امیدوار بننے پر پابندی عائد کی جائے۔

(۶) ریٹائرڈ ججوں، ریٹائرڈ سول و فوجی ملازمین (ریٹائرڈ) پروفیسرز، اساتذہ، صحافیوں کو امیدوار بننے کے لئے کاروباری لوگوں، لینڈ مافیا اور سرمایہ داروں کو کم سے کم اجازت دی جائے۔

(۷) عورتوں کو اعلیٰ انتظامی عہدوں پر کم سے کم تعینات کیا جائے۔

(۸) دھاندلی کے واویلا کو ختم کرنے کے لئے بائیو میٹرک سسٹم یا کوئی اور طریقہ کار رائج کیا جائے۔

(۹) بدعنوانی میں ملوث افراد کو الیکشن کے لئے تاحیات نااہل قرار دیا جائے۔

(۱۰) عدالتوں کے سزا یافتہ افراد کو ہر قسم کے ذمہ دار عہدے بشمول انتخابی امیدوار بننے کے لئے نااہل قرار دیا جائے۔

## حواشی و حوالہ جات


(۱) اقبال محمد ڈاکٹر علامہ، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

(۲) گوہر رحمٰن مولانا۔ اسلامی سیاست مکتبہ تفہیم القرآن مردان۔

(۳) الغزالی۔ امام۔ احیاء العلوم کتاب الحکم باب اول ج ۱، ص ۹۔

(۴) ابن خلدون علامہ۔ مقدمہ ابن خلدون، طبع بیروت ص ۱۱۳۔

(۵) شامی جلد ۳، ص ۳، کتاب الحدود۔

(۶) حامد انصاری۔ مولانا اسلام کا نظامِ حکومت طبع دہلی ۱۹۵۶ء، ص ۲۰۰۔

(۷) گوہر رحمٰن، مولانا اسلامی سیاست ص ۲۵۔

(۸) مجموعہ شامی ج ۳، ص ۴۲، وانظر فی بحر الرائق لابن نجیم فی حدود الزنا، ج ۵۔

(۹) اقبال محمد، ڈاکٹر ارمعان حجاز (اردو)، ابلیس کی مجلسِ شوریٰ جہانگیر بک ڈپو اردو بازار لاہور۔

(۱۰) www.com.wekipedia

(۱۱) Kapur A.C. Principle of political science p.323. S. chand & Company Ram Nagar New Dehli.

(۱۲) بخاری تنویر، جدید دساتیر عالم، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار لاہور۔

(۱۳) القرآن سورۃ اعراف آیت: ۵۴

(۱۴) القرآن سورۃ الحج ۴۱۔

(۱۵) مودودی ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشن لاہور۔

(۱۶) ابن کثیر جلد ۴، ص ۳۴۲، بنی اسرائیل آیت ۸۰۔

(۱۷) صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد ۲ ص ۴۹۱۔




Marfat.com

(۱۸) جعفری، اصغر علی شاہ سید، مشرق و مغرب کے سیاسی افکار ص ۱۳۰، ایور نیو بک پیلس اردو بازار لاہور۔
(۱۹) گوہر رحمٰن، مولانا، اسلامی سیاست، مکتبہ تفہیم القرآن مردان۔
(۲۰) نعمانی شبلی، الفاروق۔
(۲۱) مودودی ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست (ص ۴۳۴) اسلامک پبلیکشنز لاہور۔
(۲۲) تفسیر ابن کثیر بحوالہ ابوالعلیٰ وابن المنذر، جلد اول، ص ۴۶۷۔
(۲۳) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، للمحب الطبری، جلد ۲، ص ۵۶، طبع مصر، سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی، ص ۱۲۷۔
(۲۴) کنز العمال جلد ۵
(۲۵) المبسوط للسرخسی، ج ۱۰۔ ص ۱۶۵۔
(۲۶) نعمانی شبلی، الفاروق، المیزان، ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور
(۲۷) ایضاً۔
(۲۸) الکامل لابن الاثیر طبع بیروت ۱۹۶۵ء ص ۳۹۹، جلد ۳۔
(۲۸) شباب، قدرت اللہ، شباب نامہ۔
(۲۹) ملک فتح محمد پروفیسر، پاکستان کا تصور، ماہنامہ ترجمان القرآن مارچ ۲۰۱۰ء
(۳۰) مولانا شبیر احمد عثمانی کا ۹ مارچ ۱۹۴۹ء پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں خطاب، بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن مارچ ۲۰۱۱ء قراردادِ مقاصد پاکستان کا اساسی دستور۔
(۳۱) نواب زادہ لیاقت علی خان کا تقریر، ۷ مارچ ۱۹۴۹ء پہلی دستور ساز اسمبلی میں قراردادِ مقاصد کا مسودہ پیش کرتے ہوئے (quran.org www.tarjmulil)
(۳۲) ایضاً۔
(۳۳) مسلمان عابد، سیاسی نظام کی تبدیلی بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن اپریل ۲۰۱۰ء۔
(۳۴) الاحکام للماوردی ص ۱۰، بحوالہ اسلامی سیاست گوہر رحمٰن مولانا۔
(۳۵) احمد انیس ڈاکٹر، اسلامی نظام، سیاسی ذرائع سے قیام ممکن ہے؟ ماہنامہ ترجمان القرآن مئی ۲۰۱۴ء
(۳۶) great political theories Vol-I by Michael Curtis
(۳۷) القرآن سورۃ یوسف آیات ۵۴ تا ۵۷۔
(۳۸) القرآن سورۃ البقرہ ۲۴۷
(۳۹) سورۃ ص آیت ۲۶
(۴۰) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۱۔
(۴۱) سورۃ البقرہ ۱۰۲، سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۷۹، سورۃ ص آیت نمبر ۳۵، سورۃ النمل آیت نمبر ۱۶۔



Marfat.com

(۴۲) سورۃ الکھف (۸۳،۸۴)۔
(۴۳) بحوالہ مودودی ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست ص ۲۵۸۔
(۴۴) بخاری و مسلم۔
(۴۶) سورۃ النور آیت نمبر ۵۵
(۴۷) احمد خورشید پروفیسر، تبدیلی کی "مدت اور منزل" مدینہ کی اسلامی فلاحی ریاست، ماہنامہ "ترجمان القرآن مارچ ۲۰۱۲ء۔



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

مولانا حافظ سید محمد عتیق ٭

## جمہوریت:

لفظ جمہوریت یونانی زبان کے دو الفاظ Demos اور Krates سے عبارت ہے، جن کے معنی علی الترتیب لوگ اور حکومت ہیں۔ اس کے مختلف تعریفات کئے گئے ہیں۔ پروفیسر سیلے کے نزدیک:

"جمہوری حکومت ایسی حکومت کو کہا جاتا ہے جس میں ہر شخص کو حکومتی معاملات میں شرکت حاصل ہو"۔(۱)

لارڈ برائس کے خیال میں جمہوری حکومت وہ ہے کہ:

"جس میں حکومت کرنے کا حق قانونی طور پر کسی مخصوص طبقہ یا لطبقات کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ حق تمام افراد معاشرہ کو اجتماعی طور پر حاصل ہوتا ہے"۔(۲)

واضح رہے کہ برائس نے جمہوریت کو محض ایک سیاسی تصور کی حیثیت سے پیش کیا ہے لیکن جدید رجحانات کے اعتبار سے جمہوریت کو ایک مکمل ضابطہ تصور کیا جاتا ہے۔

صدر لنکن نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ:

"جمہوریت عوام کے ذریعے عوامی مفادات کے لئے عوام ہی کی حکومت کو کہتے ہیں"۔(۳)

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

جمہوریت کا لفظ در حقیقت ایک انگریزی لفظ "Democracy" کا ترجمہ ہے، اور انگریزی میں بھی یہ لفظ یونانی زبان سے آیا ہے اور یونانی زبان میں "Demo" عوام کو کہتے ہیں۔ "Cracy" یونانی زبان میں حاکمیت کو کہتے ہیں، اسی لئے عربی میں جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اسے "دیمقراطیہ" کہا گیا۔(۴)

بہر حال آسان لفظوں میں جمہوریت سے مراد ہے عوام کی حکومت۔ جمہوری نظام ایک ایسے نظام سیاست کو کہتے ہیں جس کے تحت لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاسی معاملات میں شرکت کر سکیں۔ نظریاتی اعتبار سے ایک جمہوری ریاست میں کسی مخصوص طبقہ کو سیاسی معاملات پر اجارہ داری حاصل نہیں ہوتی بلکہ تمام شہریوں کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ یا بالفاظ دیگر جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہذا جمہوریت کے

---

٭ مدرس جامعہ راحت القلوب کوئٹہ



Marfat.com

معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو، یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لئے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع ومانع تعریف میں بھی خود ارباب سیاست کا اتنا اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے نہیں ملتی ہے، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ جمہوریت اور مذہب کا آپس میں کوئی بندھن نہیں بنتا جس طرح ابو معاذ القرنی نے لکھا ہے کہ:

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ادیان کفر میں سے ہر ایک ایسے نظام و منہج پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ سراسر اسلام کے خلاف اور اس کی ضد ہے۔ اس میں کمیونزم، سوشل ازم، سیکولر ازم اور مشنریز وغیرہ جیسے جتنے نئے نظام واصول سب شامل ہیں۔ لوگ ان کو اپنے پراگندہ خیالات سے تشکیل دیتے ہیں اور پھر بطور دین انہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ "دین جمہوریت" بھی اس میں شامل ہے کیونکہ یہ بھی اللہ کے دین کے سوا ایک دین ہے۔ اس نئے دین میں جس کے فتنے میں اکثر لوگ بلکہ اکثر مسلمان مبتلا ہیں۔ اس گمراہی واضح کرنے کے لئے یہ بات پیش خدمت ہے کہ "جمہوریت" ملت توحید سے الگ ایک مستقل دین اور صراط مستقیم سے الگ ایک مستقل راستہ ہے، جس کے دروازے پر شیطان بیٹھا جو کہ جہنم کی طرف داعی ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ اہل ایمان اس سے اجتناب کریں اور اس سے اجتناب کی دعوت دیں مومنوں کی یاد دہانی، غافلوں کی بیداری، ضدی سرکشوں پر اقامت حجت اور رب العالمین کے ہاں عذر خواہی کے لئے۔ (۵) کیونکہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۶)

ترجمہ: اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے کبھی قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔

سیاست کے حوالے سے جمہوریت کا نفاذ شاید کہیں بھی کامل نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے سے اس کا فرق یہ ہے کہ اسلام میں وحی کو بالادستی حاصل ہے جبکہ جمہوریت میں عوام کی مرضی کو بالادستی حاصل ہے خواہ وہ کسی مذہب سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔ اس نظریہ کو اسلام کسی طرح سے بھی قبول نہیں کر سکتا لیکن عملی طور پر جمہوریت کے اثرات دیکھ کر مسلمان اسے اختیار کرنے پر مجبور ہیں، خاص طور پر سیاسی قیادت کی فراہمی کے لئے انتخابی جمہوریت ایک سیدھا اور آسان طریقہ نظر آتا ہے۔ دور حاضر میں مسلمان، جن میں علماء بھی شامل ہیں، کی توانائی اس ضمن میں خرچ ہو رہی ہے کہ کس طرح سے جمہوری عمل اور اسلام کے مابین راہ کو ہموار کیا جائے۔ بعض نے جمہوریت کو عین اسلام قرار دیا اور خلافت راشدہ کو اس سے تعبیر کیا لیکن یہ اس کے لغوی معنوں میں تو ہو سکتا ہے اصطلاح میں نہیں ایک طبقہ اسے سرے سے کفر قرار دیتا ہے اور ہر طرح کے انتخابی عمل کا رد کرتا ہے، لیکن وہ اس کا کوئی عملی متبادل حل بھی ابھی تک پیش نہیں کر سکا۔ جس طرح کہ ابو معاذ القرنی لکھتا ہے کہ:

عصر حاضر میں بڑے بڑے فتنوں میں سے ایک "جمہوریت" کا فتنہ ہے اور لوگوں کی اکثریت اس فتنے میں مبتلا ہے اور کیفیت یہ ہے کہ وہ اس جمہوریت کا دفاع کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے میں مشغول ہیں۔ یہ حق کو



Marfat.com

باطل کے ساتھ خلط ملط کر کے کبھی اس کو اسلامی نظام شوریٰ کی جدید شکل قرار دیتے ہیں اور اس کے نظام انتخاب کو مشاورت کا نام دیتے ہیں تو کبھی خلفائے راشدین کے طریقۂ انتخاب کو توڑ مروڑ کر جمہوریت کے حق میں دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ خلفائے راشدینؓ کے دور میں ہونے والے فیصلوں کے بارے میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوتے تھے اور کبھی اس جمہوریت کو اختیار کرنے کے لئے مصلحتوں اور ضروریات کو دلیل بنایا جاتا ہے لیکن یہ فعل در حقیقت حق و باطل، نور و ضلالت اور توحید و شرک کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے۔ جمہوریت اللہ کے دین کے مقابل ایک مستقل دین ہے اور توحید کے خلاف ایک ملت ہے اور اسی طرح جمہوریت کی پارلیمانی اور اسپیکر کی نشستیں صریح شرک اور بت پرستی ہے، جن سے اجتناب کرنا توحید کی سالمیت کے لئے ضروری ہے جو کہ بندوں پر اللہ کا حق ہے۔ اس نظام کی بیخ کنی کرنا اور اسکے متعلقین سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے اور یہ کہ یہ جمہوریت کوئی "اجتہادی مسئلہ" بھی نہیں جیسا کہ بعض اس شیطانی دجل و فریب کا شکار ہیں۔ بلکہ یہ وہ واضح اور قدیمی شرک و کفر ہے جس سے اللہ نے اپنی محکم تنزیل میں ڈرایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم طویل عرصہ اس کے خلاف برسرپیکار رہے ہیں۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سنت کو تھامتے ہوئے اُن کے متبع اور مددگار بننے کی کوشش کریں جو شرک و مشرکین اور ان کے نظام زندگی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے اور حق واہل حق کی اجنبیت کے اس دور میں اس گروہ میں شامل ہو جائیں جو دین اللہ کے قیام کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے طریقے کے مطابق سرگرم عمل ہے (۷)۔ جس کے متعلق نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تزال طائفة من امتي يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل اخرهم المسيح الدجال (۸)

ترجمہ: مسلسل میری امت میں سے ایک جماعت لڑتی رہے گی حق پر، غالب رہے گی اپنے مخالفین پر یہاں تک کہ وہ آخر میں مسیح دجال سے قتال کرے گی۔

بہر حال جمہوریت سے متعلق اس شدید سوچ کے برعکس اہل علم کا ایک گروہ جمہوریت کے قابل عمل راہ کے متلاشی ہیں، وہ جمہوریت سے نقائص کو صاف کر کے اس کے قابل عمل راہ ڈھونڈتے ہیں جیسے کہ ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ:

جمہوریت کے اصول کو عمل میں لانے کی جو بے شمار شکلیں مختلف زمانوں میں اختیار کی گئی ہے یا تجویز کی گئی ہیں ان کی تفصیلات سے قطع نظر کر کے اگر انہیں صرف اس لحاظ سے جانچا اور پرکھا جائے کہ جمہوریت کے اصول اور مقصد کو پورا کرنے میں وہ کہاں تک کامیاب ہوتی ہے تو کوتاہی کے بنیادی اسباب صرف تین ہی پائے جاتے ہیں۔

"اول یہ کہ جمہور کو مختار مطلق اور حاکم مطلق (Sovereign) فرض کر لیا گیا اور اس بناء پر جمہوریت کو مطلق العنان بنانے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ جب بجائے خود انسان ہی اس کائنات میں مختار مطلق نہیں ہے تو انسانوں پر مشتمل ہی کوئی جمہور کیسے حاکمیت کا اہل ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر مطلق العنان جمہوریت قائم کرنے کی کوشش آخر کار



Marfat.com

جس چیز پر ختم ہوتی رہی ہے وہ جمہور پر چند آدمیوں کی عملی حاکمیت ہے۔ اسلام پہلی ہی قدم پر اس کا صحیح علاج کر دیتا ہے وہ جمہوریت کو ایک ایسے بنیادی قانون کا پابند بناتا ہے جو کائنات کے اصل حاکم (Sovereign) نے مقرر کیا ہے اس قانون کی پابندی جمہور اور اس کے سربراہ کاروں کو لازماً کرنی پڑتی ہے اور اس بناء پر وہ مطلق العنانی سرے سے پیدا ہی نہیں ہونے پاتی جو بالآخر جمہوریت کی ناکامی کا اصل سبب بنتی ہے۔

دوئم یہ کہ کوئی جمہوریت اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک عوام میں اس کا بوجھ سہارنے کے لائق شعور اور مناسب اخلاق نہ ہوں۔ اسلام اسی لئے عام مسلمانوں کی فرداً فرداً تعلیم اور اخلاقی تربیت پر زور دیتا ہے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ ایک ایک فرد مسلمان میں ایمان اور احساس ذمہ داری اور اسلام کے بنیادی احکام کا اور ان کی پابندی کا ارادہ پیدا ہو۔ یہ چیز جتنی کم ہوگی جمہوریت کی کامیابی کے امکانات کم ہونگے اور یہ جتنی زیادہ ہوگی امکانات اتنے ہی زیادہ ہونگے۔

سوئم یہ کہ جمہوریت کی کامیابی کے ساتھ چلنے کا انحصار ایک بیدار، مضبوط رائے عام پر ہے اور اس طرح کی رائے عامہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرہ اچھے افراد پر مشتمل ہو ان افراد کو صالح بنیادوں پر ایک اجتماعی نظام میں منسلک کیا گیا ہو اور اس اجتماعی نظام میں اتنی طاقت موجود ہو کہ برائی اور برے اس میں نہ پھل پھول سکے اور نیکی اور نیک لوگ ہی اس میں ابھر سکے اسلام نے اس کے لئے بھی ہم کو تمام ضروری ہدایات دے دی ہیں"۔(۹)

اگر مندرجہ بالا تینوں اسباب فراہم ہو جائیں تو جمہوریت پر عمل درآمد کی مشینری خواہ کسی طرح بنائی جائے وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے اور اس مشینری میں کسی جگہ کوئی قباحت ہو تو اس کی اصلاح کر کے بہتر مشینری بھی بنائی جاسکتی ہے۔ اس کے بتدریج اصلاح وارتقاء کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ جمہوریت کو تجربہ کا موقع ملے تجربات سے بتدریج ایک ناقص مشینری بہتر اور کامل تر بنتی چلی جائے گی۔

## سیاسی نظام:

ڈیوڈ ایسٹن نے سیاسی نظام کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ:

The System of interaction in any society through which hinding or authoritative allocations are made. (10)

"کسی معاشرہ میں باہمی ربط کا ایسا نظام جس کے ذریعے بااختیار ذرائع سے معاملات طے کئے جاتے ہیں"۔

اس تعریف کی رو سے ایک سیاسی نظام کا تعلق محض حکومتی اداروں سے ہی نہیں ہوتا بلکہ سیاسی فیصلہ سازی سے متعلق تمام معاملات اور سرگرمیاں اس کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔ ایک معاشرہ کے اندر ایسے تمام شعبے اور سرگرمیاں جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت و مملکت سے تعلق ہو ایک سیاسی نظام کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔ درحقیقت مختلف سیاسی پہلوؤں کا تجزیہ جس وسیع ڈھانچہ کو مدنظر رکھ کر کیا جائے اسے سیاسی نظام کہتے ہیں۔ ہر سیاسی نظام کسی سماجی ڈھانچے کا حصہ ہوتا ہے، لہٰذا اس کی حقیقی نوعیت کو متعلقہ سماجی ڈھانچے کے حوالے سے ہی سمجھا جاسکتا



Marfat.com

ہے۔ ایک سیاسی نظام معاشرہ کے مقاصد کی تکمیل کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ سیاسی نظام ہی کے اندر پبلک پالیسی کی تشکیل کے ذریعے بنیادی فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے بیشتر اساسی نوعیت کے فیصلے معاشرتی ڈھانچہ پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ایک نظام کی حسن کارکردگی اور دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے Input اور Output فرائض کی بجاآوری میں کس حد تک کامیاب ہے، یعنی سیاسی فیصلوں کی صورت میں وہ کس حد تک عوامی مطالبات اور پبلک پالیسی میں ہم آہنگی برقرار رکھ سکتا ہے، اس سلسلے میں ایک سیاسی نظام کی اعلیٰ حسن کارکردگی اس کے استحکام کی ضمانت کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

لفظ سیاست کے مروجہ معنوں اور دنیا کے دھوکے باز سیاسی رہنماؤں کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ لفظ سیاست کے معنوں میں اتنی تحریف کی گئی ہے کہ آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس لفظ کے لغوی و حقیقی معنوں سے تضاد رکھتا ہے۔ سیاست کی تو یہ تعریف کی گئی ہے کہ:

ساس القوم دبّرهم وتولیٰ امرهم، استصلاح الخلق بارشادهم الی الطریق، تدبیر المعاش مع العموم علی سنن العدل الاستقامة۔ (۱۱)

ترجمہ: کسی معاشرے کی سیاست کرنا ان کے امور کی تدبیر اور ان کے تقاضوں کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف اور رہنمائی کے معاملات کو آزادی سے بجالانا۔ معاشرے کی معیشت عدل وانصاف اور آزادی کے اصولوں پر قائم کرنا۔

لغت اور اسلامی کتابوں کے ماخذ اور متون میں مندرج لفظ سیاست کے معنوں پر غور کرنے سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سیاست کے حقیقی معنی انسانی معاشرے، ملک اور عوام کی سرپرستی و قیادت کے ان ابعاد پر مشتمل ہے جن کے ذریعہ ان کی فلاح و بہبود اور ترقی کی ضمانت ملتی ہے۔

## مروجہ ملکی سیاسی نظام کا جائزہ

اگرچہ پاکستان میں ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ "یہاں جمہوریت دولت کی لونڈی ہے، پاکستان کے حکمران مغرب کی معاشی واقتصادی پالیسیوں کی غلامانہ تقلید کرتے ہیں مغربی سامراجی ممالک کے سیاسی ڈھانچوں کی بے ہودہ نقالی کی جاتی ہے، نقالی پر مبنی معاشی وسیاسی پالیسیوں کا نتیجہ شدید تر ہوتے ہوئے سامراجی استحصال، معاشی عدم استحکام اور سماجی انتشار کی صورت میں برآمد ہوتا ہے"۔ (۱۲) لیکن ان سب کے باوجود پاکستان میں جو سیاسی نظام اس وقت مروج ہے، اس کے بنیادی قوانین اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ اور یکساں ہیں جس طرح کے ۱۹۷۳ کے آئین میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس پر کماحقہ عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔ مثلاً مغربی تصور جمہوریت کے نظریہ اقتدار اعلیٰ کے برخلاف پاکستان کے آئین میں اقتدار اعلیٰ سمیت نفوذ قوانین اور مجلس شوریٰ وغیرہ کی وضاحت یوں کردی گئی ہے کہ:

"تمام کائنات کی حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور لوگوں کے پاس جو اختیار ہے وہ ایک مقدس امانت



Marfat.com

ہے۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان میں کوئی قانون ایسا نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی ہو۔ اس طرح پاکستان کے حکمرانوں کو اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ شریعت اسلامی کے خلاف ملک میں کوئی قانون نافذ نہ کریں"۔ مزید یہ بھی بتایا گیا ہے کہ: "کسی فرد یا پوری ملت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مقتدر اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرے، حاکم محدود اختیارات کا مالک ہے اور شریعت کے حدود کے اندر رہ کر ہی کوئی حکم جاری کر سکتا ہے، وضع قانون کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے" جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (۱۳)

ترجمہ: وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے! کہہ دو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

مذکورہ بالا نقاط کی مختصر وضاحت کرنے کے بعد پاکستان میں رائج جمہوریت اور جمہوری سیاسی نظام کی حقیقت ہمارے سامنے عیاں ہو جاتی ہے کہ ملک اگرچہ ایک جمہوری مملکت ہے لیکن یہ مغربی طرز جمہوریت سے بالکل ایک الگ نوعیت کا حامل ہے۔ مغربی تصور کے نظریہ اقتدار اعلیٰ میں جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ مطلق، ہمہ گیر، پائیدار یا لازوال، لامحدود، ناقابل انتقال اور ناقابل تقسیم۔ ان صفات کا کسی ایک شخص یا جماعت میں تلاش کرنا بے سود ہے کیونکہ یہ سب صفات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں کسی اور کو نہیں۔ پاکستان کے جمہوری آئین کے مطابق قادر مطلق صرف اور صرف ذات الٰہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ (۱۴)

ترجمہ: نہایت بزرگ و برتر ہے، جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

مغربی تصور جمہوریت کے برعکس پاکستان کے جمہوری آئین میں ہمہ گیریت و جامعیت کا حامل اقتدار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اس کے احکامات زندگی کے تمام شعبوں کے لئے راہنمائی فراہم کرتے ہیں اور ان کا دائرہ اثر صرف سیاسی زندگی پر ہی محیط نہیں بلکہ مسلمان اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے اور انسان جو کچھ کرتا ہے وہ صرف اور صرف نیابت کے طور پر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْض (۱۵)

ترجمہ: مالک ہے وہ ان سب چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

ملکی آئین کے مطابق اللہ تعالیٰ کا اقتدار پائیدار و لازوال ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَام (۱۶)

ترجمہ: ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔



Marfat.com

اقتدار اعلیٰ کے مغربی تصور کے مطابق اقتدار اعلیٰ کی حامل شخصیت یا جماعت لامحدود اختیارات کی حامل ہوتی ہے اور وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتی۔ جبکہ اسلام اور جمہوریہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ کا تصور اس سے بالکل مختلف ہے اسے مغربی تصور پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں سیاست بھی مذہب کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت لامحدود ہے وہ نہ صرف سیاسی امور میں مقتدر اعلیٰ ہے بلکہ پوری انسانی زندگی اور کائنات کا پورا نظام اسی کی ہمہ گیر لامحدود حاکمیت کے زیر اثر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (۱۷)

ترجمہ: فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

**حاکمیت و نیابت:**

سیاسی نقطہ نظر سے حکومت کرنے کا حق کسی مخصوص فرد یا گروہ کو نہیں اور نہ ہی مخصوص طبقہ کی اجارہ داری قبول کی جاتی ہے۔ ہمارے ملکی سیاسی نظام کا بھی یہی دستور ہے۔ اسلام نے سیاسی حاکمیت کے بجائے عوامی نیابت Popular Viceregency کا تصور پیش کیا، جس کے مطابق حکومتی اختیارات کو ایک ذمہ داری گردانا گیا ہے اور یہ ذمہ داری کسی فرد واحد کے سپرد کرنے کے بجائے تمام مسلمانوں کو سونپی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (۱۸)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطاء فرمائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی۔

**احساس ذمہ داری:**

ملکی نظام کے تحت ہر شخص پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ تمام معاشرے کی اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہے، اس بات میں حکمران و رعایا کا کوئی فرق نہیں، بلکہ ہر ایک کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں اسلام نے حکومتی عہدیداروں کو عوام کا خادم قرار دیا ہے تاکہ ان میں استبدادیت کے رجحانات جنم نہ لے سکیں۔ عوام پر ان کی اطاعت ان کے کسی ربانی حق کی وجہ سے واجب نہیں بلکہ وہ اطاعت کے صرف اسی صورت میں مستحق ہیں جب وہ اس بلند مقصد کے لئے کوشاں رہیں جس کے لئے ان کا چناؤ عمل میں آیا۔ بار خلافت اٹھانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے اولین خطبہ خلافت میں فرمایا تھا کہ:

أیھا الناس ان اکیس الکیس التقی وان احمق الحمق الفجور، وان اقواکم عندی الضعیف حتی آخذ له بحقه، وان اضعفکم عندی القوی حتی آخذ الحق منه، انما أنا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی وحاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا۔ (۱۹)



Marfat.com

ترجمہ: اے لوگو! سب سے بڑی سمجھ داری تقویٰ ہے اور بڑی نادانی گناہ کا کام ہے۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوا دوں، اور قوی ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لے لوں۔ میں متابعت کرنے والا ہوں مبتدع نہیں۔ اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو، اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ اور تم لوگ اپنا محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا ملکی سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے جو حضرت صدیق اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر کا حامل ہو؟ یقیناً مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت پاکستان کے حکمران بلا تفریق عوام کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں، امراء کو نوازنے اور غرباء کو مزید غربت کی چکی میں پیسنے کا جو رواج ہمارے ہاں عام ہے اسے یکسر بدل دیں اور ہر ایک ذمہ داری کے احساس کے تحت اپنی خدمت سرانجام دیں۔

## اٹل قوانین:

پاکستان میں آئینی حاکمیت قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء اور اور احکامات کا مظہر یہی شرعی قوانین ہیں تمام قسم کے دستوری اور عام قوانین کو بناتے وقت انہی بنیادی شرعی قوانین سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین اٹل ہیں اور ان میں تبدیلی وغیرہ پر پابندی عائد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ حدود انسان کو گمراہی کے تاریک گڑھوں میں گرنے سے بچاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں افراد کی آزادی افعال کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ وہ تو انسان کی صحیح رہنمائی کے لئے روشنی کی ایسی کرنوں کی مانند ہیں جو اس راہ کی نشاندہی کرتی چلی جاتی ہیں جس پر انسان آرام سے سفر کرسکتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن حکیم میں دائمی قوانین بیان کردینے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اسلامی قوانین میں بدلے ہوئے حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق توضیحات اور تشریحات کرنے کی اجازت دے رکھی ہے، بشرطیکہ یہ توضیحات اسلامی شریعت کی روح اور مقاصد کے منافی نہ ہوں۔ لہٰذا اسی اجازت کے تحت مملکت پاکستان ضروریات زمانہ کے مطابق صرف فروعی قوانین بنا سکتی ہے لیکن ان کا بنیادی احکام سے مطابقت کرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو صرف محدود عمومی حاکمیت عطاء کی گئی ہے، وہ امور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شریعت میں کوئی واضح حکم موجود نہیں، اجتہاد کے ذریعے طے کئے جائیں گے، لہٰذا پاکستان میں مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ ان امور کے بارے میں جن میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح احکامات دیئے ہیں یا حدود اور اصول مقرر کئے ہیں، صرف تعبیر اور تشریح کرسکتی ہے مگر ان میں رد و بدل نہیں کرسکتی۔ یہ احکامات اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارسال کئے ہیں، اب ان کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے۔ لیکن ان امور کے بارے میں جن میں کوئی قطعی احکام موجود نہیں مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ قانون سازی کرسکتی ہے، کیونکہ ہر زمانے میں انسانی مسائل اور صورتیں یکساں نہیں رہتیں بلکہ بدلتی رہتی ہیں، اس لئے فقہاء اور اصحاب اجتہاد کا یہ فرض ہے کہ وہ زمانے کے حالات اور ضروریات کے



Marfat.com

مطابق کتاب اللہ کے احکام کی روشنی میں قوانین وضع کریں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں ترمیم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ اسی بات کی اجازت فقہاء کے واضح اقوال سے بھی ملتی ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ:

فکثیرمن الاحکام تختلف باختلاف الزمان لتغیرعرف اهله اولحدوث ضرورة اوفساد اهل الزمان بحیث لوبقی الحکم علی ماکان علیه اولا للزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف قواعد الشریعة المبنیة علی التخفیف والتیسیر ودفع الضرر والفساد لبقاء العالم علی اتم نظام واحسن احکام۔ (۲۰)

ترجمہ: بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں اس لئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اہل زمانہ میں فساد (اخلاق) پیدا ہو جاتا ہے اب اگر حکم شرعی پہلے ہی کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور لوگوں کے لئے ضرر کا باعث ہو جائے گا، اور ان شرعی اصول و قواعد کے خلاف ہو جائے گا جو سہولت اور آسانی اور نظام کائنات کو بہتر اور عمدہ طریقہ پر رکھنے کے لئے ضرر و فساد کے ازالہ پر مبنی ہے۔ تاکہ دنیا صحیح نظام اور بہتر طریقہ پر قائم رہے۔

## آزادی واحترام انسانیت:

چونکہ بنیادی حقوق کا ماخذ کوئی انسانی ادارہ نہیں اس لئے اسلام کے سیاسی نظام میں ہی فرد حقیقی آزادیوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے، اس اسلامی سیاسی نظام کے مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام میں ہر شہری کو مذہبی، سیاسی، قانونی وغیرہ جیسے آزادی دی گئی ہے۔ چونکہ اسلام میں مطلق آزادی کا کوئی تصور نہیں بلکہ آزادی شریعت کی حدود کے اندر ہی ممکن ہے، کسی شخص کو ان حدود میں کمی یا زیادتی کرنے کا اختیار نہیں ہے لیکن ان حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی آج کل جمہوری ممالک سے زیادہ آزادیاں اسلامی قوانین کو اپنانے کو حاصل ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر آزادی افعال کی اور کیا مثال دی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاح و نجات اور گمراہی دونوں راستوں کی نشاندہی کر دینے کے بعد لوگوں کو اس بات کی کھلی چھٹی دے دی کہ وہ جس راہ کو چاہیں پسند کر لیں، حالانکہ قادر مطلق ہونے کی حیثیت سے وہ سب کو راہ راست پر لا سکتا تھا۔ اسی بات کی طرف قرآن حکیم میں یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (۲۱)

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا، تاکہ جو دین تم کو دیا ہے اسی میں تم سب کا امتحان فرمادیں، تو مفید باتوں کی طرف دوڑو۔

اسلامی معاشرے میں فرد کی شخصیت کا پورا احترام کیا جاتا ہے۔ افراد کو ریاست کے لئے ذریعہ تصور نہیں کیا گیا بلکہ ریاست کا مقصد انسانیت کی خدمت قرار دیا۔ اسلام نے بنی نوع انسان کے لئے اشرف المخلوقات کا لفظ تجویز کیا



Marfat.com

اور جدید عیسائیت کی طرح انسان کو بنیادی طور پر گنہگار تصور نہیں کیا۔ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے معاشرہ میں بردباری، رواداری اور تعاون کے جذبات کو فروغ حاصل ہوتا ہے جو ایک خالص جمہوری معاشرے کے قیام کے لئے ناگزیر شرائط کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## مساوات:

پاکستان کے سیاسی نظام کے قواعد کے مطابق سربراہ مملکت سے لے کر ایک عام فرد تک سب پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی قانون سے بالاتر تصور نہیں کیا جاتا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا یا نہیں کیا جاتا اس کو تو ہم المیہ ہی کہہ سکتے ہیں۔ بہرحال ہمارے ملکی نظام میں شامل یہ نکتہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دائرہ اسلام میں آنے کے بعد تمام افراد اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر اللہ کی منشاء کے سامنے جھکا دیتے ہیں اس طرح وہ سب مساوی قرار پاتے ہیں اور حکومت پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ یکساں طور پر سب کے لئے مواقع پیدا کریں تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں پایا جانے والا غرور جو وہ اپنے حسب نسب کی وجہ سے کیا کرتے تھے جڑ سے اکھاڑ کر مٹا دیا اور ان میں پائے جانے والے تمام اختلافات کو مٹا کر آفاقیت اور انسان دوستی کا درس دیا۔ بنی نوع انسانیت کو ایک ایسی مثالی مساوات کا درس دیا جب لوگ اس تصور سے بالکل نا آشنا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

کلکم بنو آدم، وآدم خلق من تراب (۲۲)

ترجمہ: انسان آدم کی اولاد ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تربیت یہی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور غرور و تکبر، قوم و مادہ پرستی سے متنفر ہوں۔ پھر باہمی ہمدردی، احسان و ایثار، شجاعت و حمیت، صبر و استقامت، عفو و درگزر، حلم و بردباری، سخاوت و فیاضی، حسن اخلاق، صدق و توکل، رواداری اور حسن ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ لوگوں کا رخ ایسی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔ فرقہ پرستی گروہی اور لسانی اختلافات نے ہمارے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کے باعث آپس کا لین دین اور محبت و اخوت کے عناصر کو ملیامیٹ کر دیا ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کو ان اختلافات و فسادات سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں تو اس مملکت خداداد کے نظام کو بھی داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز سیاست کے موافق استوار کرنا ہو گا۔

## عدلیہ کی آزادی / عدل و انصاف کا حصول:

اسلام میں عدلیہ کے شعبے کو انتظامیہ کی مداخلت اور دباؤ سے کلیتاً آزاد رکھا گیا ہے تاکہ وہ عوام اور حکام سب کے بارے میں قانون کے مطابق بے لاگ فیصلہ دے سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (۲۳)

ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔



Marfat.com

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ (۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کے لئے اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یاماں باپ کا، یا قرابت والوں کا۔

قاضی یا جج کا کام اللہ کے قانون کو اس کے بندوں پر نافذ کرنا ہے وہ عدالت کی کرسی پر اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے رونق افروز ہوتا ہے۔ لہذا عدالت میں اس کے سامنے خود خلیفہ یا حکمران کی بھی کوئی وقعت نہیں۔ کسی شخص کو اپنی شخصیت، خاندان یا عہدے کی وجہ سے یہ حق حاصل نہیں کہ اسے قاضی کے سامنے حاضر ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ ایک عام آدمی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ بڑے سے بڑے شخص، حتیٰ کہ خود خلیفہ کے خلاف قاضی کے عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور قاضی کو مکمل اختیار ہے کہ مدعی کا حق ثابت ہونے پر خلیفہ یا حکمران پر اللہ کا قانون اسی طرح نافذ کرے جس طرح ایک عام مسلمان پر کرتا ہے۔

لیکن اسلامی جمہوری پاکستان میں اس سلسلے میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ہمارے یہاں عدلیہ، انتظامیہ کی مداخلت اور دباؤ سے سر نہیں اٹھا سکتا۔ یہاں تمام تر اہم اور بڑے فیصلے سیاسی اثر ورسوخ کے تحت ہوتے ہیں، چند ایک مثالیں مستثنیٰ ہیں جیسے کہ سید یوسف رضا گیلانی کو وزیر اعظم ہوتے ہوئے سزا سنائی گئی جس کی بناء پر انہیں وزارت عظمیٰ سے ہاتھ دھونا پڑا، سیانے کہتے ہیں کہ اس میں بھی بڑا ہاتھ چلا۔ عدلیہ برسر اقتدار حکمران کو تو دور کی بات کسی سابق حکمران کو بھی عدالت میں پیش نہیں کر سکتا جس کی واضح مثال پرویز مشرف ہے۔ ہمارے ملک میں یہ ایک خواب ہے کہ حکمرانوں کے ساتھ عدلیہ وہی سلوک اپنائے گی جو ایک عام شہری کے ساتھ اپنایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا ملکی سیاسی نظام تباہ ہے، ملک میں افراتفری کا عالم ہے، عدلیہ کا عدم احترام، اختیارات کے ناجائز استعمال اور انصاف واحتساب کا نہ ہونا وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے ہم ایک ناکام ترین جمہوری سیاسی نظام کا نمونہ بنے ہوئے ہیں۔

## ریاستی اداروں کی اصلاح واستحکام:

سیاسی نظام کے ضمن ایک اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا اصلاح واستحکام ہے۔ آج اگر ہمیں پاکستان میں افراتفری کا عالم محسوس ہورہا ہے یا بے چینی اور عدم استحکام سے ہم دوچار ہیں تو اس کا بنیادی وجہ اکثر ریاستی اداروں کی عدم اصلاح ہے۔ جس میں سفارش، رشوت، کرپشن، ناقابلیت، دھوکہ دہی، چور بازاری، اقرباء پروری کی یلغار، عدم مساوات، انتظامیہ مقننہ، عدلیہ وغیرہ کا عدم احترام، اختیارات کا ناجائز استعمال اور انصاف و احتساب کا نہ ہونا وہ عوامل ہیں جن میں ہمارے ملک کا تقریباً ہر فرد مبتلا ہے۔ اگر ملک کو داخلی وخارجی خلفشار سے بچانا ہے اور اسے ایک کامیاب اور بطور نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے تو ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ تمام تر ریاستی اداروں کی اصلاح کرے اور اس میں استحکام کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔ اسی ضمن میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کی رہنمائی



Marfat.com

مشعل راہ ہے، جس سے سب سے اہم یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔ کیونکہ اگر کسی کام کو سفارش، رشوت یا اقرباء پروری کے تحت نااہل کے حوالے کیا گیا تو سمجھ لیں کہ بربادی آن پہنچی ہے۔ جبکہ در حقیقت ہمارے ملک میں یہی چیزیں سرعام اور بلا خوف و خطر جاری ہیں جن پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة (۲۵)

ترجمہ: جب کوئی کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کیا جائے۔

## سفارش کلچر کا خاتمہ:

کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کے سلسلے میں ایک اہم چیز سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کرنا ہے۔ سفارش و اقرباء پروری وہ ناسور ہے جو اداروں کو کھلا کر دیتا ہے، جبکہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ جو کلچر عام ہے وہ یہی سفارش اور اقرباء پروری ہے۔ اس کلچر کے ہوتے ہوئے ہم کبھی بھی اپنے ملک کو ایک کامیاب سیاسی نظام کے دائرے میں داخل نہیں کر سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلچر کا سخت مذمت کرتے ہوئے ایک مقام پر اس سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اتشفع فی حد من حدود الله ثم قام فاختطب فقال یاایها الناس انما هلك الذین قبلکم انهم کانوا اذا سرق منهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحدود، والله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها۔ (۲۶)

ترجمہ: کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا، کہ اے لوگو بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

## احتساب:

ہمارے ملک میں المیہ یہ ہے کہ حکمران سے لیکر دربان تک سب بے لگام ہیں، جس کا جو جی چاہے کر لیتا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں۔ احتساب اور نیب جیسے ادارے برائے نام چیز بن گئے ہیں۔ معمولی تنخواہ دار عالی شان کوٹیوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک محاسبہ کے خوف سے آزاد ہے۔ ہمارے ہاں احتساب کا فقدان ہے، انصاف و احتساب کے معاملے میں حاکم و محکوم امیر و غریب اور افسر و ماتحت سب کے ساتھ یکساں اور مساویانہ سلوک کیا جانا چاہئے تھا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ احتساب کے عمل کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ تمام حکام اور ذمہ دار افسران و ملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے، اور ان کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ فرائض و احتساب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا، یعنی جب عمال زکواۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غرض سے اس کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے



Marfat.com

کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے مامور فرمایا، وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جائزہ لیا تو انہوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عام خطبہ دیا، جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔(۲۷)

اگرچہ تمدن اسلام کے دور ترقی میں محکمہ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانے پر تمام قوم کے اخلاقی مصطلحات، بیع وشراء اور معاملات وغیرہ کی نگرانی کرتا تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد مبارکہ میں یہ محکمہ قائم نہیں تھا بلکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرض کو ادا فرماتے تھے، ہر شخص کی جزئیات اخلاق اور فرائض منصبی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً داروگیر فرماتے رہتے تھے۔ تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغہ احتساب سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے۔(۲۸) اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

لقد رأیت الناس فی عهد النبی یبتاعون جزافاً یعنی الطعام یضربون ان یبیعون فی مکانهم حتی یؤووه الی رحالهم۔(۲۹)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالتے جہاں اس کو خریدا تھا۔

## امن وامان کا قیام:

پاکستان میں امن وامان کی صورتحال انتہائی ناگفتنی ہے۔ بدامنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بم بلاسٹ، دھماکے اور خودکش حملے وغیرہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن ومان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب مکہ کو آباد کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس شہر کو امن کا گہوارہ بنانے کی دعا کرتے ہیں اس کے بعد معیشت کی بات کی جاتی ہے۔ لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی مملکت کے سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن وامان کا قیام لازمی جزو ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (۳۰)

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب بنادے اس شہر کو امن والا، اور اس کے رہنے والوں کو رزق دے میوے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی، فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کاروائی فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سچ ہو کر رہا کہ:



Marfat.com

لیتمن ھذا الأمر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضر موت، لا یخاف الا اللہ۔(۳۱)

ترجمہ: ایک وقت ایسا آئے گا جب صنعا یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔

امن وامان بر قرار رکھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشت وخون سے ہر ممکن گریز کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلی معاشرے کے ان افراد سے لوگوں کو نجات دلائی جو ناسور کی حیثیت اختیار کر چکے تھے، وہ نہ خود امن، اسلام، آزادی اور عدل ومساوات کے قائل تھے اور نہ کسی دوسرے کو یہ اعلیٰ قدریں قائم کرنے دیتے تھے، اس لئے جس طرح ایک انسان کا بازو اگر اتنا خراب ہو جائے کہ اندیشہ ہو کہ اگر اسے کاٹا نہ گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرائیت کر جائے گا اور وہ آدمی مر جائے گا، ایسے آدمی کا بازو کاٹ کر اسے بچالینا سراپا رحمت وشفقت ہے، اسی طرح انسانی معاشرے میں جو افراد ناسور کی حیثیت اختیار کر جائیں اور دوسرے لوگوں کو بھی تباہی کی طرف لے جا رہے ہوں، ان سے معاشرے کو نجات دلانا رحمت اور انسان دوستی کا تقاضا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات کے ذریعے یہی کام کیا۔(۳۲) لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فلسفے کو مد نظر رکھتے ہوئے ملکی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے داخلی امن وامان کا قیام ایک لازمی امر ہے۔

## حرف آخر:

☆.......... ریاست کا ادارہ انسانی سماج کی ایک بنیادی ضرورت ہے اور اس کے بغیر منظم اجتماعی زندگی کا تصور مشکل ہے اسلام پوری زندگی کو اللہ کے قانون کے تابع کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لئے سیاست کو بھی اسلامی اصولوں پر مرتب کرتا ہے اور ریاست کو اسلام کے قیام اور اس کے استحکام کے لئے استعمال کرتا ہے۔ دین اور ریاست وحکومت کا اتنا قریبی تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے سے اتنے وابستہ ہیں کہ اگر ریاست وحکومت اسلام کے بغیر ہوں تو ظلم اور بے انصافی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں "چنگیزی" رونما ہوتی ہے اور اگر اسلام ریاست وحکومت کے بغیر ہو تو اس کا ایک حصہ معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور خدا کا دین حکمرانی اور غلبہ کے بجائے غلامی اور مغلوبیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہذا اس صورت میں لازمی ٹھہرا کہ اب مجموعی نظام حیات کو اور خصوصیت سے ریاست وقانون کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کیا جائے، یہی وہ احساس ہے جو اسلامی نظام حیات اور اسلامی ریاست کے قیام کے عوامی مطالبہ کی پشت پر کار فرما ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ریاست کو اسلامی بنیادوں پر قائم کیا جائے، حکومت اسلام کی پابند ہو اور اس کے قیام کے لئے سرگرم عمل رہے۔

☆.......... سیاست اور نظم ونسق کا مسئلہ اسلام میں دوسرے ادیان سے کہیں زیادہ اہم اور نمایاں ہے۔ اسلامی احکام وقوانین پر طائرانہ نظر ڈالنے سے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ سیاست کو شرع مقدس سے جدا نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ شرع کے تارو بود میں سیاست مضمر ہے۔ حکومت، ولایت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دفاع، حدود، قصاص، معاملات، اقتصادی مسائل، اہل کتاب کے احکام، دوسری ملتوں سے ملت مسلمہ کے تعلقات، جنگ وصلح اور



Marfat.com

اسی طرح کے دوسرے مسائل ان فقہی اور اسلامی معارف کے زمرے میں شامل ہیں جنہیں معاشرے کی سیاست وتدبیر سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسیاست دونوں ایک کھلی کتاب کے مانند ہے جو تمام مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف ملکی سربراہوں کے نام خطوط، عملی طور پر ظالم وجابر افراد کے خلاف اقدامات، شیطانی سیاست اور سیاست مداروں سے ٹکر، باطل کے خلاف جنگ میں لوگوں کو جمع کرنا، مسند قضاوت پر بیٹھنا (عدل وانصاف قائم کرنا) اور تمام سماجی امور میں راہنمائی کرنا وغیرہ ایسے سیاسی رویئے اور طور طریقے ہیں جن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وسیرت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

☆ ......... پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا ہے لہذا اس کے نظام کو بھی داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز سیاست کے موافق استوار کرنا ہے۔ پاکستان میں جو جمہوری سیاسی نظام اس وقت مروج ہے، اس کے بنیادی قوانین اسلام کے بنیادی اصولوں سے بہت حد تک ہم آہنگ اور یکساں ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس پر کماحقہ عمل درآمد نہیں کیا جاتا، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اساسی وبنیادی اسلامی قوانین پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے مملکت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے، جو بھی ملک یا ادارہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا یقینا اس کے عوام وافراد خوشحال ومطمئن بھی ہونگے، کیونکہ اسلام میں ہر فرد کے حقوق وخواہشات کا حدالمقدور خیال رکھا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ریاست قائم کی، اس کے لئے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد تیار کئے، پھر ان افراد کو ایک جگہ جمع کر کے ان کو ایک قوم کی شکل دی اور ان کے لئے دستور بنا کر ریاست کا سنگ بنیاد رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ریاست کی بنیاد رنگ، نسل، زبان، قومیت، پاپائیت یا شہنشاہیت پر رکھنے کے بجائے ان عقائد ونظریات پر رکھی، جن کا نام اسلام ہے۔ اسلامی احکامات کی رو سے مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں دین الٰہی پر کاربند رہیں۔

☆ ......... پاکستان میں خاندانی نظام کی شکست وریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام نہاد ترقی پسندی، مغرب زدگی اور مغرب سے محاذ آرائی سرفہرست ہیں۔ جدیدیت یعنی Modernization سے انکار نہیں۔ ہمیں اکیسویں صدی کے تقاضوں کا ساتھ بہر حال دینا ہے لیکن اپنے سماجی ڈھانچے کو بھی محفوظ رکھنا ہے اور ثقافتی اقدار کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ ان حالات میں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو ایک نئے انداز سے اپنانے کی ضرورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی تھی جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں بالخصوص اور مدنی زندگی میں بالعموم سماجی اور ثقافتی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔

☆ ......... آج ہمیں اپنے سماجی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقدامات پر بھرپور عمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حکمرانوں کا طرز عمل لازمی طور پر



Marfat.com

اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔ رشوت، سفارش، اقرباء پروری کا خاتمہ، عدل و انصاف کی ترویج، میرٹ کا تقدس اور انتظامیہ کی اصلاح ایسے اقدامات ہوسکتے ہیں جن سے ہمارے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے میں کماحقہ مدد مل سکتی ہے، اور ہمارا ملک ان اوصاف کو اپنانے کے بعد ایک بہترین سیاسی نظام کے حامل مملکت گردانئے کے زمرے میں آسکتا ہے۔ فکری یکجہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیش نظر ایک فرد کے بس کی بات نہیں، لہذا اجتماعی اجتہاد کے لئے ادارے تشکیل دیئے جائیں جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء، اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب اقتدار، سیاسی زعماء اور ارباب حل وعقد ملک میں ایک ایسا سیاسی نظام تشکیل دے جو اسلامی اصولوں اور عوامی امنگوں کے مطابق ہو نہ کہ ذاتی پسند ناپسند کے۔ اسلام میں ہر فرد کے حقوق وخواہشات کا حد المقدور خیال رکھا جاتا ہے، لہذا کامیاب ریاست بھی وہی ہوسکتا ہے جس کا سیاسی نظام کامیاب ہو۔

☆.......... ملک میں خود احتسابی کا عمل انتہائی اہم ہے، احتساب کا فرض اگر خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو ایک غیر جانب دار نقاد اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جو ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔ اسی طرح ملک میں امن وامان کی صورتحال انتہائی ناگفتنی ہے، جبکہ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن وامان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ بدامنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بم بلاسٹ، دھماکے اور خودکش حملے وغیرہ وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

☆.......... ریاست زندگی کے ہر شعبے کی صورت گری کرتی ہے اور اپنی پالیسی کے ذریعے سے اس کی ضابطہ بندی کرتی ہے، یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہالت کو ختم کرے اور علم کی شمعیں روشن کرے، غربت کو ختم کرے اور دولت کے منصفانہ تقسیم کی کوشش کرے، سماجی برائیوں کا قلع قمع کرے اور شہریوں کی اخلاقی اور معاشرتی تعلیم کا بندوبست کرے، بیماروں کا علاج، مظلوموں کی فریادرسی، مجبوروں کی مدد واستعانت کا اہتمام کرے۔ ان مسائل کے حل کے لئے اہم لائحہ عمل اتحاد، یقین اور نظم وضبط ہوتا ہے۔ اگر کوئی قوم دیگر اقوام کی برادری میں باوقار انداز میں رہنا چاہتی ہے تو اسے اتحاد، یقین اور نظم وضبط سے کام لینا ہوگا۔ معاملات کو سلجھانے کے لئے اور مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے عوامی رائے کو ہموار کرنا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ پوری قوم کو اعتماد میں لیا جاسکے اور بہتر فیصلے کئے جاسکیں۔ اس کے لئے ذرائع ابلاغ سے مدد لی جاسکتی ہے جو لوگوں کو سیاسی شعور دلانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اور ذرائع ابلاغ کو بھی اسلامی حدود میں رہ کر استعمال کرنا ہوگا نہ کہ موجودہ بے ہنگم آزادی کے تحت۔

☆.......... سرکاری افسران کو قوم کے خادم کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دینے چاہیئے۔ سرکاری افسران کا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے۔ کوئی بھی سیاسی جماعت برسراقتدار آسکتی ہے مگر سرکاری افسران وغیرہ کا رویہ عوام سے ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ محسوس کرے کہ وہ قوم کے خادم ہیں حکمران نہیں۔



Marfat.com

سرکاری افسران انصاف، ایمانداری اور ثابت قدمی سے اپنے فرائض سرانجام دیں۔ اگر سرکاری افسران مذکورہ بالا باتوں پر عمل پیرا ہونگے تو یقین ہے کہ عوام کی نگاہ میں ان کا مقام اور مرتبہ بھی بلند ہوگا اور ملکی سیاسی نظام پر بھی اس کے مثبت اثرات مرتب ہونگے۔

☆☆☆☆☆☆

## حوالہ جات


۱: ڈاکٹر محمد سرور، معارف سیاسیات، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۴

۲: ایضاً

۳: ایضاً

۴: مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۸۰

۵: ابو معاذ القرنی، حقیقت جمہوریت، الموحدین اسلامی لائبریری، ص ۲۰

۶: آل عمران ۳: ۸۵

۷: ابو معاذ القرنی، حقیقت جمہوریت، الموحدین اسلامی لائبریری، ص ۵

۸: ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابو داؤد، دارالرسالۃ العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء، باب فی دوام الجہاد، ج ۴، ص ۱۴۱

۹: سید ابوالاعلیٰ مودودی، فلسفہ نظام کار اور اصول حکمرانی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص ۵۶۶۔۵۶۷

۱۰: David Easton, The Political System, London, 1953, P 56

۱۱: نشری مضمون، قرآن کا سیاسی نظام، teach Islam، جولائی ۲۰۱۵

۱۲: لال خان، پاکستان میں جمہوریت کے مسائل، پندرہ روزہ طبقاتی جدوجہد، جولائی ۲۰۱۳ء

۱۳: آل عمران ۳: ۱۵۴

۱۴: الملک ۶۷: ۱

۱۵: البقرہ ۲: ۲۵۵

۱۶: الرحمٰن ۵۵: ۲۷

۱۷: الیوسف ۱۲: ۴۰

۱۸: النور ۲۴: ۵۵

۱۹: المتقی، علاؤالدین علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، باب الاول فی خلافۃ الخلفاء، ج ۵، ص ۶۳۳

۲۰: شامی، ابن عابدین سید محمد امین آفندی، رسائل ابن عابدین،، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۰ء، ج ۲، ص ۱۲۵




Marfat.com

۲۱: المائدہ۵: ۴۸
۲۲: المتقی، علاوالدین علی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، موسسہ رسالۃ، بیروت، ج۳، ص۵۲۷
۲۳: النساء۴: ۵۸
۲۴: النساء۴: ۱۳۵
۲۵: البخاری، امام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، باب من رفع صوتہ بالعلم، ج۱، ص۲۱
۲۶: ایضاً، باب من انتظر حتی تدفن، ج۴، ص۱۷۵
۲۷: سید سلیمان ندوی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ادارہ اسلامیات، لاہور، حصہ دوئم، ص۴۱۱
۲۸: ایضاً، ص۴۱۱
۲۹: بحوالہ بالا البخاری،، باب من انتظر حتی تدفن، ج۳، ص۶۹
۳۰: البقرہ۲: ۱۲۶
۳۱: بحوالہ بالا البخاری، کتاب المناقب، علامات النبوۃ
۳۲: ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی، روضۃ السیرۃ، مکتبہ ولیہ، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص۱۲۳



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

سید حیدر شاہ °

باسمہ تعالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ کوئی شعبہ زندگی اس کی ہدایات سے خالی نہیں۔ وہ نہ تو دین و دنیا کی تفریق کا قائل ہے اور نہ مذہب و سیاست کو الگ سمجھتا ہے۔ اس کی نگاہ میں زندگی ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اور پوری زندگی کو منشاء الٰہی کے تابع ہونا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے بغیر ایک مسلم معاشرہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں مسلمان اپنے ضمیر اور ایمان کے تقاضوں کو اس وقت تک پورا کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنی اجتماعی زندگی میں خدا کا قانون قائم نہ کر دے۔ اس سے کم تر کسی مقام پر مسلمان قناعت نہیں کر سکتا۔

ابتدائے اسلام میں حالات اس قدر نامساعد تھے کہ اسلام کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ عام مسلمانوں کے علاوہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان تک محفوظ نہ تھی۔ اس صورت حال میں اسلام کے بنیادی تقاضوں پر عمل کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے مرکز کی تلاش تھی جہاں مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ ہر شعبہ زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا ماحول میسر ہو۔ اس کے لئے بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل یثرب کو آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور ہجرت سے ذرا پہلے ۱۳ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے کچھ سربر آوردہ اشخاص سے ایک معاہدہ فرمایا۔ جنہوں نے آپ کو اپنے شہر یثرب (جس کا بعد میں مدینۃ النبی نام معروف اور پھر مختصر ہو کر صرف مدینہ رہ گیا) آنے کی دعوت دی۔ اس موقع پر ان حضرات نے حضورؐ کے ہاتھ پر ان الفاظ میں بیعت کی:

> "ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم ہر حال میں سمع واطاعت سے کام لیں گے۔ خواہ تنگی ہو یا فراخی۔ اور چاہے خوشحالی ہو یا مصیبت آن پڑے۔ اور ہم جہاں کہیں بھی ہوں ہمیشہ سچ بولیں گے۔ نہ تو کسی سے خوف کھائیں گے اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کریں گے"[1]۔

اس طرح بیعت (معاہدہ) کے ذریعے ان اہل مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مذہبی اور سیاسی رہنما تسلیم کرلیا۔ اور پھر ان کی دعوت پر آپؐ اور دیگر مسلمانان مکہ نے مدینہ ہجرت فرمائی۔

---

° پروفیسر اسلامیات بلوچستان یونیورسٹی۔ کوئٹہ



Marfat.com

مدینہ پہنچتے ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد کی بنیاد ڈالی تاکہ آپ وہاں تمام مسلمانوں کے ساتھ سب سے اہم فریضہ (نماز) کی ادائیگی نیز اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لئے جمع ہو سکیں۔

دوسرا کام جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا وہ مہاجرین وانصار کے درمیان مواخاۃ کا قیام تھا۔ چونکہ قرآن پاک تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیتا ہے[۲]، لہٰذا آپؐ نے اس اسلامی برادری کا آغاز اس طرح کیا کہ پہلے تو ان تمام امتیازات کو محو کر دیا جو اہل مکہ اور ہل مدینہ کے درمیان مدتوں سے قائم تھے۔ پھر تمام مسلمانوں کے درمیان مواخاۃ قائم کر دی۔ اس سلسلے میں آپؐ نے ایک فہرست بنادی کہ ایک مہاجر کے ساتھ ایک انصاری بھائی تھا۔

اس بھائی چارے کی وجہ سے ایک طرف مسلمانوں میں باہم محبت و یگانگت کا رشتہ قائم ہوا اور دوسری طرف مہاجرین کی آبادکاری کا مشکل مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ انصار تو اس بات پر بھی تیار تھے کہ اپنی تمام جائیداد میں مہاجر بھائیوں کو برابر شریک رکھیں گے لیکن خود مہاجرین اپنے انصار بھائیوں پر بار بننا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے جلد ہی ان کی مدد سے اپنے آپ کو مختلف مشاغل میں مصروف کر لیا۔

اب جو اہم اور پیچیدہ امور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فوری توجہ کے مستحق تھے ان میں سے ایک تو اسلامی جماعت کی سالمیت اور اتحاد کو برقرار رکھنے کا مسئلہ اور دوسرے یہود مدینہ اور دیگر غیر مسلم عناصر سے معاہدات یا باہمی حفاظت کے صلح نامے وغیرہ۔ نیز مدینہ کے نظم و نسق اور اس کی حفاظت وانتظام کا معاملہ تھا اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس نوزائیدہ اسلامی معاشرہ کی حفاظت وبقا کے لئے ناگزیر تھا۔ شہر مدینہ کا عالم یہ تھا کہ وہاں کے مشہور قبائل اوس اور خزرج کوئی بارہ ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے جبکہ یہودیوں کے دس قبیلے الگ تھے۔ ان کے درمیان صدیوں سے دشمنی اور خونریزی چلی آتی تھی۔

بہرحال ان مسائل کو حل کرنے کے لئے مدینہ کی آمد کے چند ماہ بعد ہی آپؐ نے ایک منشور مرتب فرمایا۔ جس سے نہ صرف مدینہ ایک مکمل شہری ریاست کی حیثیت اختیار کر گیا بلکہ اس کے ذریعے آپؐ نے تمام منتشر و متفرق قبائل کو بالعموم اور اہل مدینہ کو بالخصوص ایک قانون پر متفق و متحد کر دیا۔ پھر جہاں تک شخصی حقوق کا تعلق ہے اس سلسلے میں "منشور مدینہ" ایک انقلابی اقدام کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ پہلے جو حق کسی فرد یا اس کے خاندان کو حاصل تھا۔ وہ اب ایک عوامی معاملہ بن گیا اور اس طرح ایک طرف تو قبائلی طوائف الملوکی کا خاتمہ ہو گیا اور دوسری طرف صحیح معنی میں ایک اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔

میثاق مدینہ کی دفعات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انتظامی اور فوجداری اختیارات اپنے لئے مخصوص کر لئے۔ اگرچہ آپؐ کے نقشہ سیاست میں حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ کا اصولی منصب اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے مخصوص تھا اور آپؐ اس کے ایک نائب کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے جس قانون کا نفاذ آپؐ دوسروں پر کرتے اس کو اپنے اوپر بھی نافذ کرتے تھے۔

میثاق مدینہ کے دو حصے کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا حصہ (جس میں ۲۳ دفعات ہیں) مہاجرین وانصار سے متعلق ہے۔ اور دوسرا حصہ یہود مدینہ کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے۔ منشور میں یہ بات صاف ہے کہ آپؐ کا فیصلہ



Marfat.com

قطعی ہو گا۔ اور آپؐ ہی آخری عدالت مرافعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ اس دفعہ میں ان کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ لیکن یہود جو عربوں پر ثقافتی برتری بھی رکھتے تھے ان کا اس دفعہ کو قبول کرنا بلا شبہ سیاست نبویؐ کا ایک اعجاز ہے (۳)۔

## میثاق مدینہ کے اہم نکات:

میثاق مدینہ کا ابتدائی حصہ مہاجرین، انصار اور دیگر تمام مسلمانوں سے متعلق تھا۔ اس منشور کی رو سے مسلمانوں کے مختلف عناصر حقوق و فرائض کے لحاظ سے مساوی سمجھے جاتے تھے۔ صلح و جنگ کے معاملات کو مشترکہ یعنی ریاستی معاملہ قرار دیا گیا۔ ہر ایک صلح و جنگ میں ایک فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ فوجی خدمت سب کے لئے ضروری قرار دی گئی۔ یہ طے کیا گیا کہ حفاظت کی ضمانت دینا ہر فرد کا حق ہے خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ اور معمولی سے معمولی آدمی کا کیا ہوا معاہدہ سب سے لازم ہو گا۔

جہاں تک لوگوں کی حفاظت اور مدافعت ہے اس منشور کی روشنی میں قریش مکہ کو کسی حالت میں پناہ نہیں دی جائے گی۔

منشور میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ قرضہ کی ادائیگی قرض دار کے متعلقین کے ذمہ ہو گی۔ قبائل کو بھی اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ وہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو دشمن کی گرفت سے چھڑائیں گے۔

جہاں تک انصار کا تعلق ہے ان کے قبائل گنے چنے تھے۔ انہیں اسی شکل میں تسلیم کر لیا گیا۔ البتہ اب تمام مہاجرین کو بھی عدالتی اور دوسرے معاملات میں ایک قبیلہ کی حیثیت دے دی گئی۔

نظام عدالت اب ایک شخص یا اس کے قبیلے کا معاملہ نہ رہا بلکہ ایک اجتماعی اور معاشرتی معاملہ بن گیا۔ عدالتی اختیار کو مرکزیت دے دی گئی تھی۔ یہ فی الحقیقت ایک انقلابی قدم تھا جس سے انصاف اور غیر جانبداری کی ارزانی ہو گئی۔ تمام مسلمان بحیثیت مجموعی اس امر کے ذمہ دار تھے کہ نہ کوئی شخص کسی پر دست درازی کر سکے اور نہ کسی کی حق تلفی ہو۔

میثاق مدینہ کا دوسرا حصہ یہودیوں سے متعلق تھا۔ جس میں تمام یہودی ایک جماعت کی حیثیت سے وفاقی طرز کی شہری ریاست مدینہ سے منسلک تھے۔ اس حصہ کی پہلی اہم دفعہ یہ تھی کہ اگر کسی جنگ کے موقع پر یہود اور مسلمان اشتراک کریں گے تو وہ اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور دونوں اپنے مذاہب کی پیروی میں آزاد رہیں گے۔ تمام تمدنی اور ثقافتی معاملات میں یہودیوں کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے گئے۔ اسی طرح جہاں تک دفاع کا تعلق ہے، یہودی اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے حلیف بن گئے۔ یعنی اب جن سے مسلمان لڑیں گے، یہود کو بھی ان سے جنگ کرنا پڑے گی۔ اور جن سے مسلمان صلح کریں یہودی بھی ان سے صلح کریں گے۔ علاوہ ازیں یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت میں حصہ لینا پڑے گا۔ اگر مسلمانوں پر کوئی جارحانہ کارروائی کرے گا تو یہودی مدد کریں گے (اسی طرح مسلمان بھی ان کی مدد کریں گے)۔ البتہ خالص مذہبی جنگوں میں یہودی اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔



Marfat.com

یہودی قریش یا ان کے حلیفوں کی کوئی مدد نہ کریں گے[4]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرونی طور پر ان کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی اور ان تمام رسمی اداروں کو برقرار رہنے دیا جو پہلے سے چلے آرہے تھے۔ مثلاً فدیہ، دیت، پناہ اور حلف وغیرہ۔ جس کی وجہ سے یہودیوں نے برضا و رغبت اپنے معاملات میں بھی آپؐ کو آخری عدالت مرافعہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ یوں جنگ و صلح کی طرح انصاف و عدالت کا ایک مرکزی نظم قائم ہو گیا۔ رشتہ ناتہ کی بنیاد پر مداخلت ممنوع قرار پائی اور زمانہ جاہلیت کے تمام آثار کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب صورت یہ ہو گئی تھی کہ یہودی نہ صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمران تسلیم کرچکے تھے بلکہ انہوں نے مدینہ کو ایک حرم بھی مان لیا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور عظیم الشان سیاسی فتح تھی۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابتداً میں یہودیوں نے اہل مکہ سے جنگ کے موقع پر غیر جانبداری اختیار کئے رکھی لیکن کچھ عرصہ بعد ہی انہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ یکے بعد دیگرے کھلی بغاوت پر اتر آئے تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سزائیں دیں اور مدینہ سے بے دخل کر دیا۔

ریاست مدینہ کے دفاع کے لئے ضروری تھا کہ اندرونی استحکام کے ساتھ ساتھ پڑوسی قبائل سے بھی دوستانہ تعلقات استوار کئے جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے مغربی علاقوں اور سرحدی اضلاع کا دورہ فرمایا اور مختلف قبائل سے معاہدے کئے جس کے نتیجہ میں بعض قبائل دفاع کے معاملے میں مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ بعض نے یہ عہد کیا کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے دوستی نہ کریں گے۔ جبکہ بعض قبائل نے اس معاملہ میں اتفاق نہیں کیا۔ غرض اس طرح مدینہ کے گردنواح کے قبائل سے دشمنی کے بجائے زیادہ سے زیادہ دوستی کرنے کے لئے آپؐ نے کوششوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔

## قریش مکہ کے ساتھ معاملہ:

مسلمانوں کے سب سے بڑے مخالف اور کھلے دشمن قریش مکہ نے مسلمانوں پر کئی سالوں تک یکے بعد دیگرے کئی چھوٹی بڑی جنگیں مسلط کیں جن کا مسلمانوں نے افرادی قوت اور سامان حرب کی کمی کے باوجود پامردی اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ اُن کی یہ ساری جارحیت اسلام کی شاعت اور مسلمانوں کے روز افزوں اضافے میں کمی نہ کرسکی اور بالآخر آنحضرتؐ نے قریش کو امن کے معاہدے پر آمادہ کرلیا۔ جسے "صلح حدیبیہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ اگرچہ بظاہر قریش کی سخت شرائط کو قبول کرکے کیا گیا، مگر مسلمانوں کیلئے قرآن پاک نے اسے فتح مبین[5] قرار دیا۔ اس معاہدہ کے تحت قریش دس سال تک کے لئے جنگ بندی پر آمادہ ہو گئے، جس سے نہ صرف یہ کہ آپؐ کو پورے عرب میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا بہترین موقع ملا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اسلام کے دوسرے بڑے دشمن یہودِ خیبر کی سازشوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا موقع ہاتھ آیا۔ پھر بعد میں اہل مکہ کی طرف سے عہد شکنی کے نتیجہ میں حضور اقدسؐ کو خود مکہ مکرمہ کو بھی فتح کرنے کا موقع مل گیا۔ یہ کام سنہ ۸ھ تک پورا ہو گیا۔ یہ آخری



Marfat.com

قدم تھا جس کے بعد تقریباً سارا جزیرہ نما عرب آپؐ کے زیر نگیں آ گیا۔ اور اس طرح آپؐ نے اپنی زندگی ہی میں اسلامی ریاست کو مضبوط بنیادوں پر قائم فرما دیا۔

## ریاست مدینہ کی خصوصیات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ریاست کی نمایاں خصوصیات یہ تھیں:

۱۔ ریاست مدینہ کی پہلی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی بنیاد ایک ایسے معاہدے پر رکھی گئی تھی جس میں ہر فریق مشترکہ طور پر اپنی ذات اور اپنی تمام قوت کو ادارہ اجتماعی کے حوالے کرتا ہے اور اس کے عوض میں ہر فرد کُل کا ایک لازمی جزو بن جاتا ہے۔ تاریخ انسانی میں اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے، جس میں بیعت کے ذریعے سے اہل مدینہ نے برضا و رغبت آپؐ کو مذہبی رہنما کے علاوہ سیاسی حکمران بھی تسلیم کر لیا۔ یہ اس بات کا صاف اظہار ہے کہ رسول اکرمؐ کی قائم کردہ اسلامی ریاست لوگوں کی باہمی رضامندی کا نتیجہ تھی(۶)۔

۲۔ اس کی دوسری خاصیت یہ تھی کہ یہ ایک ایسی ریاست تھی جس میں اقتدار اعلیٰ کا سرچمہ اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ اس کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ ملک اللہ تعالیٰ کا ہے اور وہی اس کا اصل حاکم ہے۔ حکم دینے اور قانون بنانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ قرآن مجید اس پر واضح شہادت دیتا ہے:

{اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ}(۷)

ترجمہ: حکم نہیں مگر صرف اللہ کے لئے۔ اس کا فرمان ہے تم بندگی نہ کرو مگر صرف اسی کی۔ یہی صحیح دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

{يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ}(۸)

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ حکم (اختیارات) میں سے ہمارے لئے کیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ حکم تمام اللہ کے لئے ہے۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہے:

{فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ}(۹)

ترجمہ: تو ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے مطابق فیصلہ فرما دیجئے۔ اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے، اس سے دور ہو کر ان کی خواہشات پر عمل درآمد نہ کیجئے۔

اسی سورت میں ارشاد ہے:

{وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ}(۱۰)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے، ایسے لوگ بالکل



Marfat.com

کافر ہیں۔
ایک مقام پر بانداز استفہام ارشاد ہوا ہے:
{اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ}[11]
ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے۔
گویا حاکمیت بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور قانون ساز بھی وہی ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ رسول ہی کیوں نہ، اپنی منشاء سے حکم دینے کا حق نہیں رکھتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
{اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ}[12]
ترجمہ: (کہہ دیجئے) میں پیروی نہیں کرتا مگر اس کی جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔
اور عام انسان انبیاء علیہم السلام کی اطاعت پر اس لئے مامور ہیں کہ وہ اپنا نہیں بلکہ خدا کا حکم بیان کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:
{وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ}[13]
ترجمہ: ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے۔
اسی طرح اولی الامر اور صاحب اختیار وارباب حل وعقد کی اطاعت بھی صرف اسی صورت میں واجب کی گئی ہے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مطیع ہوں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
{يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ}[14]
ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو اہل حکومت ہیں ان کی بھی۔
اقتدار اعلیٰ کے لئے قرآن پاک نے نہایت جامع لفظ استعمال کیا ہے جس کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے زیر اقتدار ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:
{مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ}[15]
ترجمہ: اور کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت وبادشاہی ہے؟
پھر دوسری جگہ خود بتا دیا:
{فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ}[16]
ترجمہ: پس وہ ذات پاک ہے جس کے قبضہ میں سارا اختیار ہے۔
اسی طرح مملکت خداوندی کے لئے قرآن پاک میں ملک کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مملکت لامحدود ہے:
{وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ}[17]
ترجمہ: اور مشرق ومغرب سب کے اللہ کے لئے ہے۔



Marfat.com

ایک جگہ آیا ہے:
{لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ}[18]
ترجمہ: اسی کی ہے ساری مملکت جو آسمانوں میں ہے اور زمین پر۔
ایک اور موقع پر سوالاً جواباً ارشاد ہوا ہے:
{قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ}[19]
ترجمہ: آپ فرمادیجئے، آسمانوں اور زمین میں ملکیت کس کی ہے؟ کہئے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔
اللہ تعالیٰ کی یہ مملکت و بادشاہی عارضی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے۔
{فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى}[20]
ترجمہ: اور اللہ ہی کے لئے ہے (بادشاہی) اول و آخر۔

جہاں تک اس مقتدر اعلیٰ کے اختیار اور اس کی صفات کا تعلق ہے تو وہ مقتدر اعلیٰ مختار مطلق ہے {فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ}[21]۔ غیر مسئول اور غیر جواب دِہ ہے {لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ}[22]۔ وہی تمام اقتدار کا مالک ہے جس کے اختیارات کو محدود کرنے والا کوئی نہیں {وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ}[23]۔ اور اس کی ذات منزہ عن الخطاء ہے {اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ}[24]۔ وہ اپنے بندوں، اپنی رعایا پر کامل اختیار رکھتا ہے {وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ}[25]۔ اور اس کے مثل کوئی نہیں {لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ}[26]۔ وہ حقیقی بادشاہ ہے {الْمَلِكُ الْحَقُّ}[27]۔ اور تمام (عارضی) حکمرانوں کا اختیار بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے {قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ}[28]۔ ترجمہ: کہہ دو، خدایا، ملک کے مالک، تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

یہ ہے وہ تصور حاکمیت جو اسلام پیش کرتا ہے اور جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست میں قائم فرمایا۔ اس تصور حاکمیت کے لحاظ سے حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ میں انسان کا سرے سے کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔ اسلام اسی بناء پر انسان کو زمین پر خدا کا خلیفہ یا نائب قرار دیتا ہے اور نائب کا اصل وظیفہ حیات یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے مالک کے حکم کے مطابق کام کرے۔ اس طرح اسلام انسان کے لئے حاکمیت کے بجائے خلافت کو خاص کرتا ہے کیونکہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے اس لئے جو کوئی زمین پر حکمران ہو اسے لامحالہ حاکم اعلیٰ کا خلیفہ ہونا چاہیئے جو محض تفویض کردہ اختیارات استعمال کرنے کا مجاز ہو گا۔ یہ خلافت و حکومت عمومی ہے کسی خاندان، گروہ، شخص یا طبقہ سے مخصوص نہیں اور اس کا استحقاق صرف ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:
{وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ}[29]۔
ترجمہ: تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین کی حکومت عطا فرمائے گا۔

۳۔ ریاست مدینہ کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ ایک نظریاتی اور دستوری ریاست تھی۔ اس سلسلے میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضور اقدس ؐ نے ریاست کے قیام کے ساتھ ہی "تحریری دستور" بھی مرتب فرمادیا۔



Marfat.com

جس میں واضح طور پر ریاست میں بسنے والے تمام عناصر کے درمیان حقوق وفرائض کی واضح تعین و تقسیم کر دی گئی اور یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جو دنیا کی کسی مملکت میں نافذ کیا گیا۔

اس ریاست کا دوسرا قابل ذکر پہلو یہ تھا کہ وہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی۔ کیونکہ اس کی بنیاد نہ نسل و وطن کی بنیاد پر تھی نہ رنگ وزبان پر اور نہ محض معاشی یا سیاسی اشتراک نے اسے جنم دیا، بلکہ وہ اسلامی نظریہ حیات کی علمبردار اور قرآنی اصولوں کی حامل تھی۔ نیز اس کے قیام کا مقصد بھی متعین وواضح تھا۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ}[30]۔

ترجمہ: یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

اس طرح یہ ریاست ایک نظریاتی ریاست تھی جس کی اصل ذمہ داری ان اصول و نظریات کی سربلندی ہے جنہیں قائم کرنے کے لئے اس کی تاسیس عمل میں آئی تھی۔ اسلامی ریاست کا قیام بجائے خود مقصود نہیں بلکہ ایک اعلیٰ تر نصب العین کے حصول کا ذریعہ ہے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور ان کی رضا کا حصول۔

۴- دین وسیاست کا حسین امتزاج اس ریاست کی چوتھی خصوصیت تھی۔ چونکہ اسلام ایک مکمل دین ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے متعلق اس نے تفصیلی ہدایات نہ دی ہو۔ اس لئے اس ریاست میں تمام معاملات کو الہامی ہدایات کے مطابق انجام دیا جاتا تھا۔ ایک طرف حضور اقدسؐ سربراہ ریاست تھے تو دوسری طرف اشاعت اسلام، نمازوں کی امامت، فوج کی قیادت، وفود سے ملاقات اور مقدمات کے فیصلے وغیرہ سب کچھ خود ہی فرمایا کرتے تھے۔ اس ریاست میں دین ودنیا یا سیاست و مذہب کا الگ الگ دائرہ کار نہ تھا۔

۵- اس ریاست کی پانچویں خصوصیت یہ تھی کہ یہ ایک شورائی اور جمہوری ریاست تھی۔ قرآن پاک کے ارشادات {وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ}[31] (اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو) اور {وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ}[32] (اور ان کے امور آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں) کے پیش نظر تمام امور مملکت الہامی ہدایات کے ساتھ ساتھ آپس کے مشورہ سے انجام دیئے جاتے تھے۔ بعض اوقات انتظامی معاملات میں صحابہ کرامؓ نے حضور اقدسؐ سے رائے میں اختلاف بھی کیا اور آپؐ نے ان کی رائے کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

۶- ریاست میں اس بات کا پورا اہتمام تھا کہ کم از کم بنیادی حقوق سے ایک شخص کو کسی حال میں محروم نہ رکھا جائے یعنی اس کے جان ومال اور ناموس کی حفاظت کی جائے۔ اس کے لئے قصاص ودیت اور حدود و تعزیرات کا قانون لاگو کیا گیا۔ جس کے باعث مختصر عرصہ میں عرب معاشرہ امن و تحفظ کا گہوارہ بن گیا اور جرائم کی شرح انتہائی کم ہوگئی۔ اسلامی سزائیں جو بظاہر سخت نظر آتی ہیں جرائم کے انسداد کے لئے نہایت حکیمانہ اور مؤثر ہیں۔

۷- ریاست کی بنیاد ہی بے لاگ عدل وانصاف پر قائم تھی۔ قانون ہر ایک پر یکساں طور پر عائد ہوتا تھا۔ حتیٰ



Marfat.com

کہ ایک مرتبہ آپؐ نے یہ کہہ کر عدل وانصاف کے معاملے میں ہر قسم کی بد عنوانیوں کا خاتمہ کر دیا کہ "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے، اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ نے بھی چوری کی ہوتی میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"[۳۳]۔

یہ ہے وہ سیاسی قانونی اور معاشرتی مساوات وعدل کا نمونہ جسے حضورؐ نے اس ریاست میں قائم فرمایا تھا۔ پھر آپؐ ایسے لوگوں کو قاضی مقرر فرماتے تھے جو شریعت کا گہرا علم رکھتے ہوں۔ متقی اور نیک کردار ہوں۔

۸-اس ریاست کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہ ایک فلاحی ریاست تھی۔ جو نہ صرف عوام کی معاشی کفالت ومعاونت کی کوشش کرتی تھی۔ بلکہ اس سلسلے میں عطایا اور وظائف کی تقسیم نیز زکوٰۃ، خیرات اور صدقات کی مرکزی طور پر تحصیل واستعمال اس کے بنیادی اعمال تھے۔ زکوٰۃ وصدقات کے متعلقہ یہ اصول لاگو فرمایا "تؤخذ من اغنیاءھم وتردالی فقراءھم"[۳۴] یعنی ان کے غنی لوگوں سے وصول کر کے ان کے محتاج لوگوں میں تقسیم کی جائیگی۔

آپؐ نے زکوٰۃ وصدقات کے مال سے اپنے علاوہ اپنے اہل وعیال کو بھی دور ہی رکھا۔ حتیٰ کہ آپؐ کے نواسہ حضرت حسنؓ نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھالی تو آپؐ نے اسے تنبیہ فرماتے ہوئے وہ کھجور اس بچے کے منہ سے نکال دی[۳۵]۔

آپؐ نے اپنے عمل سے یہ نمونہ پیش فرمادیا کہ قومی خزانے پر سربراہ مملکت کا کوئی امتیازی حق نہیں ہے۔ ایک موقع پر حضرت فاطمہؓ کی درخواست پر بھی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: "میرے پاس خادم تو نہیں ہے البتہ میں تجھ کو وہ چیز بتاتا ہوں جو خادم سے بہتر ہے"[۳۶]۔ آپؐ نے اپنی ذات کو کبھی اوروں پر ترجیح نہیں دی۔ فاقہ کے سبب اگر صحابہؓ کرام کو پیٹ پر پتھر باندھنا پڑے تو آپؐ نے بھوک کے باعث دو پتھر باندھ رکھے تھے[۳۷]۔ اور غلاموں کے متعلق (جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا) آپؐ نے خصوصی ہدایات دیں کہ "یہ تمہارے بھائی ہیں، جو خود کھاؤ وہ انہیں کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ انہیں پناؤ اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو"[۳۸]۔

۹-اس ریاست کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اخلاقی تزکیہ وتربیت اور دینی تعلیمی وترویج کی بھی ذمہ دار تھی۔ حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے کہ "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"[۳۹]۔ آپ ہمہ وقت مسلمانوں کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہتے تھے۔ مسجد نبوی میں مسافر طلباء کے لئے ایک اقامت گاہ "صفہ" کے نام سے قائم تھی جہاں وہ ہر وقت حصول علم میں مصروف رہتے تھے۔ آپؐ معلموں کو مختلف علاقوں میں تعلیم وتربیت کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اہل مدینہ کی تعلیم کے لئے اپنی ہجرت سے پہلے بھیجا تھا۔ مدینہ کے باہر سے جو لوگ مسلمان ہوتے انہیں کچھ وقت کے لئے مدینہ میں ٹھہرایا جاتا اور دین کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرا کے واپس بھیجا جاتا۔ نیز جنگ بدر کے قیدیوں کے ذریعے مسلمان بچوں کے لئے نوشت وخواند کا انتظام کرنا، مسلمانوں میں تعلیمی سرگرمیوں کی واضح مثالیں ہیں۔

۱۰-رواداری: اسلامی ریاست اگرچہ ایک نظریاتی ریاست بھی جس کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی، مگر یہ مذہبی رواداری کے اصول پر مبنی ریاست تھی۔ میثاق مدینہ میں آپ نے یہودی عوام کو ان کے عقائد ومذہب اور دیگر بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی[۴۰]۔ اس کے علاوہ خیبر کے یہود، نجران کے نصاریٰ اور بحرین اور یمن وغیرہ کے مجوس وغیرہ، جو مسلمانوں کے زیر انتظام آئے۔ سب کو ان کے مذہب وثقافت پر آزاد رکھا گیا۔ معمولی سے



Marfat.com

جزیہ کے عوض ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی گئی اور انہیں فوجی خدمات سے بھی بری الذمہ قرار دیا گیا اور کسی پر بھی قبول اسلام میں جبر واکراہ نہیں کیا گیا۔

۱۱۔ریاست مدینہ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس کا ہر اہلکار مسئول اور جواب دِہ تھا۔ ایک مہم میں اسامہؓ بن زید کے ہاتھوں ایک ایسا شخص قتل ہو گیا جس نے قبول اسلام کا اظہار بھی کر دیا تھا، تو حضور اقدسؐ نے اس پر سخت خفگی کا اظہار فرمایا[۴۱]۔ ایسے ایک موقع پر خالد بن ولیدؓ نے ایک قبیلہ کے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا تو حضور اقدسؐ نے خالد بن ولیدؓ کے اس فعل سے نہ صرف اعلان برأت فرمایا بلکہ حضرت علیؓ کو بھیج کر ان کے جانی ومالی نقصان کا ازالہ فرمایا[۴۲]۔ آپؐ کا ایک عامل زکوٰۃ وصدقات واپسی پر ان صدقات کے مال کے علاوہ وہاں سے اپنے لئے کچھ ہدایا وغیرہ بھی لایا۔ حضور اقدسؐ نے ایک عمومی خطاب کے ذریعے اس پر تنبیہ فرمائی اور ایسے مواقع پر ہدایا لینے سے منع فرمایا[۴۳]۔

ایک مرتبہ خود نبی کریمؐ کے ہاتھوں ایک صحابی کے بطن میں آپؐ کے عصاء کے سرے سے خراش آ گئی تو آپؐ نے خود کو بدلہ کے لئے پیش کر دیا۔ مگر اس صحابیؓ نے عرض کیا کہ میں نے معاف کر دیا[۴۴]۔

## انتظامی عہدے:

ریاست مدینہ کے آپؐ خود بیک وقت دینی ودنیاوی تمام معاملات کے سربراہ اعلیٰ تھے۔ آپ قانون دینے والے بھی تھے۔ فوجی کمانڈر بھی، منصف اعلیٰ بھی اور پوری انتظامیہ کے سربراہ بھی تھے۔ ہر معاملہ میں آپؐ آخری سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اہم معاملات میں آپ ہمیشہ اپنے اصحاب واعوان سے صلاح ومشورہ فرمایا کرتے تھے۔

انتظامی امور میں آپ حضرت ابو بکر صدیق سے مشورہ ومعاونت لیتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ انہیں حضورؐ کا وزیر کہنے لگے تھے[۴۵]۔ آپؐ نے جزیرہ نما عرب کو متعدد صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور ہر علاقے پر ایک عامل مقرر فرمایا تھا۔ صوبے میں قانون کی تنفیذ اور امن وامان کے قیام کی ذمہ داری عامل کی ہوتی تھی۔ آپؐ نے سب سے پہلے عتاب بن اسیدؓ کو مکہ مکرمہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ اور ان کی تنخواہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمائی۔ اس سے قبل حکام کی باقاعدہ تنخواہ کا معمول نہ تھا۔ بلکہ فتوحات اور مال غنیمت سے انہیں بھی حصہ مل جاتا تھا۔ اس کے علاوہ صوبائی گورنروں میں خالد بن سعیدؓ (صنعا)، ابوسفیانؓ بن حرب (نجران) اور عمروؓ بن العاص (عمان) شامل ہیں[۴۶]۔

زکوٰۃ وصدقات کی وصولیابی کے لئے الگ سے عاملین زکوٰۃ کا تقرر ہوتا تھا۔ یہ حضرات آپؐ کے تربیت یافتہ اور حسابات زکوٰۃ کے ماہر ہوتے تھے۔ اور بہترین کردار کے مالک ہوتے تھے۔ ان کے لئے ضروری تھا کہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں۔ زکوٰۃ میں ان کے بہترین اموال وصول نہ کریں بلکہ اعتدال سے کام لیں۔ کسی عہدہ دار کو عوام سے تحفے وہدایا قبول کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

آپؐ نے ہر صوبے میں قاضیوں کا تقرر بھی فرمایا تھا۔ آپؐ نے جتنے قاضی مقرر فرمائے وہ نہایت علم وفضل کے مالک اور اپنی صداقت وامانت میں ضرب المثل تھے۔ مثلاً حضرت علیؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ



Marfat.com

آپؐ کے مقرر کردہ قضاۃ تھے۔

غزوات میں آپؐ عموماً خود سربراہ ہوتے تھے۔ مگر جن لشکروں میں آپؐ شریک نہ ہوتے تھے تو پھر صحابہ کرام میں سے کسی مناسب شخص کو لشکر کا امیر مقرر فرماتے تھے۔ مثلاً جنگ موتہ میں جعفرؓ بن ابی طالب، زید بن حارثہؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کو یکے بعد دیگرے امیر بننے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد کی ایک مہم کا امیر اسامہ بن زیدؓ کو مقرر فرمایا۔ فوجی امیروں کو ہدایات ہوتیں کہ عورتوں بچوں اور معذوروں پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ دشمن کے کھیت، باغات اور مویشیوں کو تباہ نہ کریں۔ اور مال غنیمت میں خیانت کی سختی سے ممانعت تھی(۴۷)۔ آپؐ کی اس تربیت وہدایت کا اثر تھا کہ مسلمان سپاہی غیر اخلاقی حرکتوں اور عہد شکنی وغیرہ جیسے نامناسب امور سے باز رہتے تھے۔ حضور اقدسؐ کے زمانے میں ۵/۴ حصہ جنگ میں شریک لوگوں میں تقسیم ہوتا تھا۔

آنحضرتؐ مختلف امور میں اہل کاروں کے تقرر کے وقت ان کی مخصوص صلاحیتوں کو پیش نظر رکھتے تھے۔ آپؐ نے اہل نجران سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے پاس ایسا حاکم بنا کر بھیجوں گا جو امین ہوگا، امین ہونے کا حقدار ہوگا۔ یہ سن کر آپؐ کے صحابہؓ اس کا انتظار کرنے لگے۔ پھر حضور اقدسؐ نے ابوعبیدہ کو حاکم بنا کر بھیجا(۴۸)۔ مالیات سے متعلق امور میں عموماً ان کا تقرر ہوتا تھا کیونکہ وہ وصف امانت میں نمایاں شان کے حامل تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اگرچہ برگزیدہ صحابی تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضور اقدسؐ سے عرض کیا: آپؐ مجھے عامل نہیں بناتے؟ تو حضور اقدسؐ نے اپنا ہاتھ ان کے کندھے پر مار کر فرمایا: اے ابوذر! آپ ناتواں (شخص) ہیں، یہ (حکومت کے معاملات ایک) امانت ہیں اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی ہے، سوائے اس کے کہ جس نے اس کے حقوق پورے کئے اور اس بارے میں جو اس کی ذمہ داری تھی اس کو ادا کیا(۴۹)۔

آنحضرتؐ اہلکاروں کے تقرر میں اس شخص کو کوئی عہدہ عطا نہیں فرماتے تھے، جو خود سے اس کا طلب گار ہوتا۔ اس بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے: "اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! آپ امارت کا سوال مت کرنا۔ کیونکہ اگر آپ کو (حکمرانی) سوال کرنے پر ملی تو آپ اس کے سپرد کر دیئے جائیں گے اور اگر آپ کو بغیر سوال کے ملی تو آپ کی اس پر (من جانب اللہ) مدد کی جائے گی"(۵۰)۔ آپؐ کا ایک اور ارشاد ہے: انا لا نولی ھذا من سأله ولا من حرص علیه(۵۱)۔ ترجمہ: ہم کسی ایسے شخص کو یہ منصب نہیں دیتے جو اس کی طلب میں رہے یا اس کی حرص کرے۔

یہ ہیں چند نمایاں خصوصیات ریاست مدینہ کی جسے آٹھ/دس سال کے قلیل عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت نامساعد حالات میں قائم کر کے پایہ تکمیل تک پہنچایا جسے خلافت راشدہ میں مزید وسعت حاصل ہوئی اور اسلام کا نظام عدل پورے ایران اور روم کے وسیع علاقہ پر عملاً نافذ ہو گیا۔ خلفائے راشدین کے بعد اگرچہ وہ ابتدائی ہیئت باقی نہ رہ سکی مگر پھر بھی اس کی بنیادیں تقریباً چھ سو سال تک دنیا کے لئے ناقابل تسخیر بنی رہیں۔

اس کے بالمقابل مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان جو جنوب ایشیا کے کروڑوں مسلمانوں کی طویل جدوجہد اور قربانیوں کے نتیجے میں حاصل ہوئی جو اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی دنیا کی واحد ریاست ہے۔ آزادی کی اس تگ ودو اور مہم میں ہر طرف مسلمانوں کا ایک ہی نعرہ تھا "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ"۔



Marfat.com

حصول پاکستان کی اس مقصدیت کی جانب حکیم الامت مفکر پاکستان نے اپنے ایک خطبے میں ان الفاظ میں رہنمائی فرمائی:

"ایک سبق میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ صرف اسلام تھا جس نے آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا نہ کہ مسلمان، اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جمادیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سر نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت اور بربادی سے محفوظ ہو جائیگا"[۵۲]۔

بالفاظ دیگر پاکستان کا مقصد صرف مسلمانوں کے لئے ایک الگ خطے کا حصول نہیں بلکہ اسلامی ریاست کا قیام تھا جس سے مسلمانوں کے مادی اور ملی وجود کا تحفظ وابستہ تھا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی مختلف مواقع پر واشگاف الفاظ میں قیام پاکستان کی اس غرض وغایت کا اظہار فرمایا۔ قیام پاکستان کے بعد اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک خطاب میں یوں وضاحت فرمائی:

"ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں۔ جو ہماری تہذیب وتمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصور کو پوری طرح پنپنے کا موقع ملے"[۵۳]۔

قائداعظم محمد علی جناح تو اپنی ناگہانی رحلت کے باعث دستور پاکستان کی تشکیل نہ فرما سکے، مگر ان کے بعد بننے والے ہر دستور میں اس عزم کا اعادہ کیا جاتا رہا کہ پاکستان میں اسلامی قانون کا نفاذ ہوگا۔ مثلاً پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد منظور کی جس میں اس بات کا عہد کیا گیا کہ:

"ہر گاہ ریاست اپنے اقدار واختیارات کا استعمال عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے کرے گی جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کی اسلامی تصریحات کے مطابق مکمل تعمیل ہوگی، جس میں مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں اپنی زندگی قرآن وسنت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق بسر کرنے کے قابل بنایا جائے گا"[۵۴]۔

اس کے بعد ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں تمام مکاتب فکر کے ممتاز علماء کا ایک کنونشن منعقد ہوا جس میں دستور ساز اسمبلی کے لئے بائیس بنیادی اصول پیش کئے گئے جن پر ایک اسلامی مملکت کا آئین مبنی ہونا چاہیئے۔ ان نکات میں مذکورہ بالا عزم کا اعادہ کیا گیا۔ مثلاً:

- ملک کا قانون کتاب وسنت پر مبنی ہوگا۔ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے گا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔
- رئیس مملکت کی حکومت آمرانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔
- رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذے سے بالاتر نہ ہوگا[۵۵]۔



Marfat.com

۱۹۵۶ء کو پاکستان کا پہلا دستور منظور اور نافذ ہوا۔ اس دستور میں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ کا نام دیا گیا۔ دوسری باتوں کے علاوہ اس میں اس امر کی صراحت کی گئی کہ تمام کائنات پر حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور پاکستان کے عوام کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقررہ حدود کے اندر جو اختیارات حاصل ہیں وہ ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دستور میں مزید کہا گیا کہ:

"چونکہ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اعلان کے مطابق اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصولوں پر مبنی ایک جمہوری ریاست ہوگی جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کا اسلامی تعلیمات کے مطابق مکمل نفاذ ہوگا"[۵۶]۔

اس دستور کا ابھی نفاذ شروع ہی ہوا تھا کہ مارشل لاء کے باعث یہ معطل ہو گیا۔ اور ۱۹۶۲ء میں صدر ایوب خان نے اس کی جگہ ایک نیا دستور نافذ کیا۔ جس میں پھر سے یہ عہد کیا گیا کہ ملک میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا۔ ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں جلد از جلد ڈھالا جائے گا۔ ملک کے تمام لوگوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل، مذہب و علاقہ سستا انصاف مہیا کیا جائے گا، ان کو مساوی حقوق دیئے جائیں گے اور ان کو خوشحال بنانے کے لئے کوشش کی جائے گا[۵۷]۔ لیکن ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں پاکستان کے حکمران اب تک ناکام رہے ہیں۔

۱۹۷۳ء کو ایک نیا دستور تشکیل دیا گیا۔ اس میں بھی پہلے دونوں دستوروں کی اسلامی دفعات کے شمول کا انتظام کیا گیا۔ حسب سابق اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ اور اہل پاکستان کے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر اختیارات کے تعین کا اہتمام کیا گیا[۵۸]۔ لیکن ان تمام تر دستوری سفارشات کے باوجود حکومت اسلامی نظام قائم کرنے میں ناکام رہی۔ بعد کے ادوار میں اگرچہ جزوی طور پر کچھ اسلامی امور کو متعارف کرانے کی کوشش کی گئی۔ مثلاً جون ۱۹۸۰ء کو زکوٰۃ آرڈیننس جاری کیا گیا اور زکوٰۃ و عشر کے حصول و تقسیم کے لئے ضلعی، صوبائی اور وفاقی سطح پر کمیٹیاں بنائی گئیں۔ نفاذ تعزیرات اسلامی کے لئے حدود آرڈیننس نافذ کیا گیا۔ بنکوں میں سودی نظام کے پہلو بہ پہلو بلا سود بنکاری کا نظام رائج کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ یہ اور اس طرح کے کئی دیگر جزوی اقدامات کے باوجود مملکت پاکستان کو دینی اصولوں کے مطابق اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا خواب اب تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

جمہوری نظام سیاست جسے پاکستان میں بڑی پذیرائی حاصل ہے۔ بلکہ اسے گویا اسلامی نظام حکومت کا نعم البدل تصور کیا جاتا ہے۔ اسے انگریزی زبان میں "ڈیموکریسی" کہتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے "عوام کی حکومت" اور ڈیموکریسی کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

"Government of people by the people for the people"

I- اس تعریف کی رو سے حکمران عوام ہیں۔ اس کے بالمقابل اسلامی نظام حکومت میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اور مسلم حکام صرف بطور نائب و خلیفہ حکومت کا انتظام چلاتے ہیں۔

II- جمہوری نظام میں حق حکمرانی عوام کو حاصل ہوتا ہے لہٰذا قانون سازی کے مجاز بھی وہی ہوتے ہیں جبکہ اسلامی نظام حکومت میں قانون عطا کرنے کا حق اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ مسلم حکام بطور خلیفہ و نائب



Marfat.com

صرف اس قانون کانفاذ کرتے ہیں۔ انہیں قانون بدلنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

III- مندرجہ بالا تعریف کی رو سے جمہوریت میں حکمران اگر عوام ہیں تو پھر محکوم کون ہیں؟ اور اگر عوام کے نمائندے حکمران ہیں تو محکوم عوام ہی ہوئی (نہ کہ حکمران، کیونکہ حکمران کا مطلب ہے جو کسی کا پابند نہ ہو) اور خاص کر اقلیت (حزب اختلاف) تو محکوم ہی رہتی ہے جبکہ وہ بھی عوام ہے۔ اس طرح جمہوریت کی یہ تعریف ناقص اور غیر حقیقی ہے۔

IV- جمہوریت کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ لوگوں کی خوشی کے لئے کام کرنا۔ جبکہ خوشی کا کوئی مقرر اخلاقی پیمانہ نہیں ہے بلکہ وہ خوشی عوام کی پسند وناپسند ہے۔ اور عوام غیر اخلاقی چیزوں کو بھی پسند کرتے ہیں (مثلاً سود، شراب، جوا اور زنا وغیرہ) اور رائے عامہ کی بنا پر ان ہی چیزوں کو قانونی تحفظ وجواز حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جمہوری معاشرہ مذہبی اصول وضوابط اور اخلاقی قدروں سے عاری معاشرہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی نظام حکومت میں حرام وحلال، جائز ناجائز اور اچھے برے کا تعین عوام کی پسند وناپسند پر نہیں بلکہ احکام الٰہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

V- جمہوری نظام حکومت کی غرض وغایت ہی عوام کی خواہشات ومطالبات کی تکمیل ہوتی ہے، جس کا کوئی معیار مقرر نہیں۔ جبکہ اسلامی نظام حکومت کی غرض وغایت قرآن مجید میں واضح طور پر متعین ہے۔ یعنی بنیادی اسلامی عبادات، نماز اور زکوٰۃ، کا اجتماعی طور پر قیام واہتمام، معاشرے میں معروفات وبھلائیوں کی اشاعت وترویج اور منکرات وبرائیوں کا انسداد وروک تھام، لہٰذا جمہوریت اور اسلامی نظام حکومت اپنی ہیئت ترکیبی اور اغراض ومقاصد کے لحاظ سے مکمل طور پر دو الگ اور متضاد نظام ہیں۔ جن میں کوئی مماثلت نہیں۔

VI- جمہوری نظام حکومت کو عوام کی حکومت کہا جاتا ہے۔ یعنی عوام کے منتخب نمائندے حکومت کا نظام چلاتے ہیں۔ در حقیقت یہ دعویٰ بھی عملی طور پر ممکن نہیں۔ کیونکہ عوام میں مختلف درجے کی صلاحیتوں، استعداد کار اور فہم ودانش کے حامل افراد شامل ہوتے ہیں۔ جن کی آراء اور فیصلوں میں بھی بڑا تفاوت ہوتا ہے۔ جبکہ جمہوریت میں ہر شخص کو ایک ہی طرح کے ووٹ کا حق حاصل ہوتا ہے اور ان کے ووٹ سے نمائندگان حکومت منتخب ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ عوام کے حقیقی نمائندے نہیں بلکہ گنتی میں کچھ زیادہ ووٹوں کی بنیاد پر منتخب افراد ہوتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ افراد حکمرانی کے لئے مطلوبہ صلاحیتوں اور استعداد کے حامل ہیں یا نہیں۔ جمہوری نظام پر خاطر خواہ تبصرے کے لئے علامہ محمد اقبالؒ کا یہ شعر بہت موزوں ہے:

ع جمہوریت وہ طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یعنی جمہوریت میں حکمرانوں کے انتخاب کے لئے ووٹروں کے ووٹ تو گنے جاتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ ووٹ دینے والوں کی صلاحیت واستعداد کیا ہے؟ بالخصوص مملکت پاکستان میں تو شرح خواندگی اور سیاسی فہم وفراست کی سطح بہت پست ہے۔ عوام کی ایک کثیر تعداد زمینداروں وجاگیرداروں کے ماتحت ہاریوں اور بزرگوں کے



Marfat.com

طور پر زندگی گزارتی ہے۔ جن کا قوت فیصلہ اور ووٹ بھی ان کے آقاؤں کا پابند ہوتا ہے۔ ان حالات میں بہت مشکل ہے کہ وہ اپنے ووٹ کا مناسب استعمال کر سکتے ہوں۔ اس کے علاوہ جعلی ووٹروں کے اندراج، جعلی بیلٹ پیپرز کے استعمال اور دیگر کئی طرح کی انتخابی دھاندلیوں کی شکایات عام طور پر سامنے آتی رہتی ہیں۔

اس طرح کی صورتحال میں جو افراد منتخب ہو کر قومی وصوبائی اسمبلیوں میں آتے ہیں، ان کی اہلیت اور انتظامی صلاحیت کا کوئی معیار مقرر نہیں۔ لہٰذا اسمبلیوں میں سردار، نواب، سرمایہ دار اور جاگیر دار ہی پہنچتے ہیں۔ جنہیں عوام کا حقیقی نمائندہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اب کچھ عرصہ سے ان امیدواروں کے لئے بیچلر ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔ اس شرط سے ارباب حکومت کی صلاحیتوں اور استعداد کار میں تو کچھ اضافہ نہیں ہوا، البتہ ملک میں جعلی ڈگریوں کا کاروبار مقامی سطح سے گزر کر بین الاقوامی سطح تک پھیل چکا ہے۔ جس کے باعث بدعنوانی وبدنظمی کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر وطن عزیز کی سبکی ہو رہی ہے۔

انتخابات میں امیدوار اپنی کامیابی کے لئے اپنی پبلسٹی اور دیگر امور میں جو خطیر رقوم بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ لگانا بھی عام آدمی کے بس میں نہیں۔ یہ کروڑوں بلکہ اربوں روپے کسی مثبت اور ترقیاتی کاموں کے بجائے فضولیات میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جو کامیابی کی صورت میں کئی گنا منافع کے ساتھ قومی خزانے سے وصول کئے جاتے ہیں۔

صوبائی وقومی اسمبلیوں کے ممبران، سینیٹرز اور وزراء کی مراعات وسہولیات اور ان کے خصوصی فنڈز پر جو زر کثیر بے دریغ استعمال ہوتا ہے، وہ اس غریب اور مقروض ملک کے قومی خزانے پر ناقابل برداشت بوجھ ہے۔ یہ کروڑوں روپے عوام کی فلاح وبہبود پر خرچ ہونے کی بجائے وزراء وحکام کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اور ان رقوم سے متعلق کوئی مؤثر احتساب بھی نہیں ہوتا۔ ان وجوہ کی بنا پر وطن عزیز ترقی کی بجائے معاشی پسماندگی کی طرف گامزن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی اہل کار کا تقرر فرماتے تو کام کے اختتام پر اس سے حساب بھی لیتے تھے۔ آپؐ نے ایک شخص عبداللہ بن اللتبیہ کا بنو سلیم کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے تقرر فرمایا۔ جب وہ واپس آیا تو آپؐ نے اس سے حساب لیا(۵۹)۔ اگر اعلیٰ سطح پر سادگی وکفایت شعاری کو اپنایا جائے اور مؤثر احتساب کا بے لاگ نظام نافذ کیا جائے تو قومی خزانے کے بے انتہا ضیاع کو روکا جا سکتا ہے۔

انتظام حکومت کے لئے صالح اور مناسب قیادت مہیا کرنے کا موجودہ طریقہ تو نامناسب اور اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس کے لئے متبادل طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر حلقے کے تجربہ کار اور نیک شہرت رکھنے والے اہل حل وعقد اس مقصد کے لئے نمائندے تجویز کریں۔ جو مطلوبہ شرائط پر پورے اترتے ہو (مثلاً وہ مسلمان ہوں، مرد ہوں، عاقل وبالغ ہوں، عادل ہوں، ان پڑھ نہ ہوں)۔ پھر الیکشن کمیشن اپنے طور پر تسلی کرنے کے بعد انہیں میڈیا پر متعارف کرائے۔ ان کے انٹرویو نشر کرائے۔ خود ان کی جانب سے جلسے جلوس اور تشہیری مہم پر پابندی ہو تو کافی حد تک موجودہ قباحتوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ ان احتیاطی تدابیر سے امید ہے کہ رفتہ رفتہ صالح واہل قیادت میسر آئے گی(۶۰)۔

پھر ان منتخب نمائندوں میں سے مطلوبہ صفات کے حامل بہتر سے بہتر شخص کو بطور امیر وخلیفہ چنا جا سکتا ہے۔



Marfat.com

امیر و خلیفہ کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جن کا ارکان اسمبلی کے سلسلے میں ذکر ہو چکا ہے۔ امیر کیلئے جسمانی صحت کے علاوہ اتنا علم ضروری ہے جو ایک حکمران کو اسلامی طریقہ پر حکمرانی کے لئے ضروری ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تمام اہم امور باہمی مشورے سے طے ہوتے تھے۔ اگر وطن عزیز میں قومی سطح کے بڑے فیصلے اور اقدامات بھی باہمی مشورے اور اتفاق رائے سے کئے جائیں تو اس سے نہ صرف قومی ہم آہنگی و یک جہتی پیدا ہو گی بلکہ کالاباغ ڈیم جیسی صورتحال بھی پیش نہ آئے گی۔

پاکستان میں قومی فلاح و ترقی کی خاطر مختلف تجربات کئے جا چکے ہیں۔ مثلاً صدارتی نظام، پارلیمانی نظام اور مارشل لاء وغیرہ۔ مگر پاکستانی قوم اپنی منزل مقصود کا نشان بھی نہ پا سکی۔ اگر اب بھی پورے خلوص اور عزم صمیم کے ساتھ اسلامی نظام سیاست کو اپنانے کی کوشش و اقدامات کئے جایں تو یقین ہے کہ پاکستان ایک کامیاب اسلامی فلاحی ریاست بن سکتا ہے اور ان گنت مشکلات و مسائل کا سدباب ہو سکتا ہے۔

## مآخذ و مصادر


۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۵۴۔

۲) انما المؤمنون اخوۃ (الحجرات: ۹)۔

۳) ڈاکٹر امیر حسن صدیقی، اسلامی ریاست، کراچی، جمعیت الفلاح، ۱۹۶۶ء، ص ۳۷۔

۴) سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۵۰۴۔

۵) الفتح: ۱۔

۶) ڈاکٹر امیر حسن صدیقی، اسلامی ریاست، ص ۴۲۔

۷) یوسف: ۴۰۔

۸) آل عمران: ۱۵۴۔

۹) المائدہ: ۴۸۔

۱۰) المائدہ: ۴۴۔

۱۱) التین: ۸۔

۱۲) الانعام: ۵۰۔

۱۳) النساء: ۶۴۔

۱۴) النساء: ۵۹۔

۱۵) المؤمنون: ۸۸۔

۱۶) یٰسین: ۸۳۔

۱۷) البقرہ: ۱۱۵۔




Marfat.com

۱۸)	الحدید: ۲۔
۱۹)	الانعام۔
۲۰)	النجم: ۲۵۔
۲۱)	البروج: ۱۶۔
۲۲)	الانبیاء: ۲۳۔
۲۳)	المؤمنون: ۸۸۔
۲۴)	الحشر: ۲۲۔
۲۵)	الانعام: ۱۸۔
۲۶)	الشوریٰ: ۱۱۔
۲۷)	طٰہٰ: ۱۱۴۔
۲۸)	آل عمران: ۲۶۔
۲۹)	النور: ۵۵۔
۳۰)	الحج: ۴۱۔
۳۱)	آل عمران: ۱۵۹۔
۳۲)	الشوریٰ: ۲۸۔
۳۳)	الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الحدود، باب کراہیۃ الشفاعۃ۔
۳۴)	الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الزکوۃ، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد الیٰ فقراء۔
۳۵)	الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الزکوۃ، باب مایذکر فی الصدقۃ للنبیؐ۔
۳۶)	الجامع الصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب تسبیح اول النہار وعند النوم۔
۳۷)	مبارکپوری صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، لاہور، مکتبہ سلفیہ، ۲۰۰۳ء، ص: ۴۱۲۔
۳۸)	الجامع الصحیح للبخاری، کتاب العتق، باب قول النبیؐ: العبید اخوانکم۔
۳۹)	ابن ماجہ، السنن، مقدمہ، باب فضل العلماء۔
۴۰)	سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۷۹۔
۴۱)	ابن کثیر حافظ عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر سورۃ النساء، آیت ۹۴): ۱/ ۶۲۰۔
۴۲)	ایضاً (تفسیر سورۃ النساء، آیت ۹۲): ۱/ ۶۱۵۔
۴۳)	الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کانت یمین النبیؐ۔
۴۴)	منصور پوری قاضی محمد سلیمان، رحمت للعالمین، لاہور، پروگریسیو بکس، ۱۹۹۴ء: ۱/ ۲۶۰۔
۴۵)	ڈاکٹر حسن ابراہیم، مسلمانوں کا نظم مملکت، کراچی، دارالاشاعت، ص: ۱۳۳۔



Marfat.com

۴۶) ڈاکٹر امیر حسن صدیقی، اسلامی ریاست، ص: ۶۴۔
۴۷) مشکوٰۃ، کتاب الجہاد، باب القتال فی الجہاد۔
۴۸) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب اصحاب النبیؐ، باب مناقب ابی عبیدہ بن جراح۔
۴۹) الجامع الصحیح لمسلم، کتاب الامارہ، باب کراہۃ الامارہ بغیر ضرورۃ۔
۵۰) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الاحکام، باب من لم یسال الامارۃ اعانہ اللہ علیہا۔
۵۱) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الاحکام، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ۔
۵۲) ڈاکٹر ظہیر احمد، نظریہ پاکستان (مطالعہ پاکستان برائے بی اے)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ص: ۲۱۔
۵۳) ایضاً، ص: ۲۳۔
۵۴) پروفیسر زکریا ساجد، پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کی کوششیں (مطالعہ پاکستان برائے بی اے)، ص: ۲۵۱۔
۵۵) ایضاً، ص: ۲۵۴۔
۵۶) ایضاً، ص: ۲۵۸۔
۵۷) ایضاً، ص: ۲۶۱۔
۵۸) ایضاً، ص: ۲۶۲۔
۵۹) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب قول اللہ تعالیٰ {وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا} و محاسبۃ المصدقین۔
۶۰) عثمانی مفتی محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، کراچی، مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۰۵۔



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر مرزا شاہد بیگ*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**ابتدائیہ**

ہادی برحق، شہنشاہ دوجہاں، وارث کون مکاں سرور کائنات فخر موجودات سید المرسلین، خاتم النبین، ساری دنیا کے قائد، ساری دنیا کے رہبر اور ہادی ہیں جنہوں نے ڈوبتے انسانوں کو شرف انسانیت سے مالا مال کیا اور تباہ حال معاشرے کو ایک صحت مند اور مفید معاشرے میں تبدیل کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہمہ پہلو شخصیت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلم انسانیت بھی ہیں شہنشاہ دوعالم بھی ہیں سربراہ مملکت بھی ہیں سپہ سالار اور قاضی بھی ہیں قانون دان اور جج بھی ہیں مدبر اور منتظم بھی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت اور سیاست کے اصول انسانیت کو عطا کیے جن کی مثال نہیں ملتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست کی زبان میں جو اعلیٰ اور عمدہ اصول عطا فرمائے ان میں سب سے پہلے اللہ تعالی کی حاکمیت کا اعلان کیا۔ اقتدار (ریاست و مملکت، حکمرانی اور سرکاری مناصب وذرائع، وسائل مملکت) کو امانت قرار دیا۔ سیاسی امور کے فیصلوں کی بنیاد {وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ}(۱) کے اصول یعنی مشاورت پر رکھی۔ رائے کی آزادی بخشی بنیادی حقوق انسانی کے تحفظ کی ضمانت دی۔ ذمی رعایا کے جان ومال وآبرو کی حفاظت کا یقین دلایا۔ عدل وانصاف کا وہ اعلیٰ اصول دیا، جو مسلم وغیر مسلم اور شاہ گدا کے لیے مساوی ہو۔ عوام کو تعمیر وترقی کے یکساں مواقع عطا فرمائے۔ اخوت اور حریت ومساوات کے اعلیٰ اصول کو اپنایا۔(۲)

افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں روائی رسالت سے ہٹ کر کوئی علیحدہ شے نہیں ہے اور بطور حاکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی عین اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے منحرف ہونا دراصل اللہ کی حاکمیت کا انکار کرنا ہے۔ یہ بات بھی آپ نے ہی ہمیں بتائی ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر کوئی اطاعت نہیں بلکہ یہ اللہ کے حکم اور اس کی ہدایت کے تابع ہی

---

* شعبہ جیالوجی، آزاد جموں اینڈ کشمیر یونیورسٹی، مظفر آباد آزاد کشمیر



Marfat.com

ہے۔رسول جو منصب رسالت کاامین ہوتا ہے،اپنی اطاعت کروانے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کامکمل پروگرام پہنچانے کامشن لے کراللہ کی طرف سے آتا ہے۔قرآن پاک کی اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کاحکم موجود ہے:

{وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ}۔(۳)

ترجمہ: " ہم نے ہر رسول کوصرف اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے"۔

## جمہوریت کی تعریف

جمہوریت وہ طرز حکومت ہے۔جو کسی فرد یاطبقہ کی ملکیت نہیں بلکہ اس کے اختیارات کے اصل مالک عوام ہیں۔ عوام اپنے منتخب نمائندوں کو حکومت کی ذمہ داریاں سونپتے ہیں اوران نمائندوں کے پیش نظر کسی ایک فرد طبقہ یاگروہ کانہیں بلکہ پوری قوم کا مفاد ہوتا ہے۔

جمہوریت کی کامیابی کے لیے اس کے پورے معاشی اور معاشرتی پروگرام کے نفاذ پر زور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ معاشی مساوات شہریوں میں جذبہ تعاون، اخلاقی اصولوں کی پاسداری اور میانہ روی جیسی خصوصیات کو جمہوریت کے لیے لازمی سمجھا جاتا ہے۔

جمہوریت کے لیے Democracy کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یہ لفظ وہ یونانی الفاظ Demos (عوام اور Kratos اقتدار) سے اخذ کیاگیا ہے " جمہور" عربی زبان کالفظ ہے "اس کے معنی عوام یاسب لوگ " کے ہیں اس طرح جمہوریت سے مراد عوام کی حکومت ہے۔

آکسفوڈ انگلش ڈکشنری کے مطابق:

Goverment by the People especially: Rule of Majority A Goverment in which the supreme power is vested in the directly or indirectly through a system of people and exercised by them represent action usually involving periodically held free election .(۴)

ابراہیم لنکن: جمہوریت کے بارے میں ایک سابق امریکی صدر ابراہم لنکن کی تعریف زیادہ جامع خیال کی ہے کہ " عوام کی حکومت عوام کے ذریعے اور عوام کے لیے"۔

".Government of the People, by the People, for the People"(۵)

جمہوریت کی ضد آمریت ہے آمریت ایسی حکومت کو کہتے ہیں جس میں حکومت کے تمام اختیارات کاسرچشمہ فرد واحد کی ذات ہوتی ہے۔ایک آمر ریاست کے تمام لامحدود اختیارات کواپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔اور اس کے اختیارات پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی اس میں آزادی کا



Marfat.com

فقدان ہوتا ہے رائے عامہ کا احترام نہیں کیا جاتا ذرائع ابلاغ پر کنٹرول ہوتا ہے اس میں حکومت پر تنقید برداشت نہیں کی جاتی اور جبر و تشدد کا رجحان غالب ہوتا ہے۔ خوف وہراس کی فضا کو فروغ دیا جاتا ہے۔ تاکہ عامر کے خلاف بولنے کی کوئی جرت نہ کر سکے۔

اس کے برعکس جمہوریت میں آزادی رائے، احترام فرد، جواب دہی کے اصول، قانون کی بالادستی اورعدل وانصاف کو اہمیت دی جاتی ہے۔

## نظام کی تعریف

جمہوریت کے لیے کسی نہ کسی نظام کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ نظام پارلیمانی بھی ہوسکتا ہے اور صدارتی بھی اور اس نظام کو لاگوکرنے کے لیے کسی نہ کسی ریاست اور مملکت کا قیام لازمی ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی کیونکہ معاشرتی امور کو چلانے کے لیے نظام حکومت کی ضروت ہوتی ہے۔ اسلام ایسے ہی نظام کو پسند کرتا ہے جس میں فیصلے کثرت رائے سے ہوں آزادی رائے کا اظہار، عدل وانصاف، امانت اور جان ومال کے تحفظ کے ارفع اصولوں پر مبنی ہوں کسی کی حق تلفی نہ ہو کسی کے ساتھ ظلم نہ ہو اور کسی کی جان ومال اور عزت وآبرو کو خطرہ نہ ہو۔

اسلام صرف عقائد وعبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ یہ ایک عالمگیر نظام ہے جس کا مقصد ہر حال میں انسانیت کی فلاح ہے یہ انسانی مزاج اور فطرت کے عین مطابق ہے یہ ایک ایسے معاشرے کا خواں ہے جس میں اللہ کی حاکمیت ہو۔ اسلام کے نظام میں مذہب وسیاست میں تفاوت نہیں ہم آہنگی ہے۔ اس نے دین دنیا میں حسین توازن رکھا ہے اس میں حقیقی حکمران اللہ کی ذات ہے اس کا نظام سیاست ہر اعتبار سے جمہوری ہے اسلام ایسی حکمرانی کے خلاف ہے جس میں انسان انسانوں کو غلامی کا توق پہنائیں، زورزبردستی کریں، ان کے حقوق اور آزادی سلب کریں، دہشت خوف اور طاقت کے ذریعے اپنے آپ کو منوائیں۔

## اسلامی جمہوری نظام اوردیگر نظاموں میں فرق

اسلامی نظام جمہوریت میں حکومت کی خصوصیت اسے دوسرے سیاسی نظاموں سے جدا کرتی ہے اسلامی جمہوری نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین دنیا کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جب کہ دوسرے سیاسی نظام صرف دنیا کے امور سے غرض رکھتے ہیں اوردین کے تصور کواپنے نظام سے خارج کرتے ہیں۔

## اسلام جمہوریت پسند مذہب ہے

اسلام جمہوریت پسند مذہب ہے اورناانصافی، جبر واستبداد پر مبنی نظام حکومت کو ناپسند کرتا ہے اس لیے خود ساختہ قوانین، خود ساختہ روایات، موروثی بادشاہت کی نفی کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے



Marfat.com

انسانوں کی زبانوں پر پہرے بٹھانے والے اور بنیادی حقوق سلب کرنے والے اور عوام کی حق تلفی کرنے والے نظام کا خاتمہ کردیا اسلام شخصی آزادی اور رائے کا احترام کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک محکوم و مظلوم خلیفہ وقت سے یہ سوال کرسکتا ہے کہ جو لباس آپ نے پہن رکھا ہے کہاں سے آیا ہے؟ اور حاکم نے نہ اس شخص کو پھانسی کی سزادی نہ قید میں ڈالا اور نہ جلاوطن کیا بلکہ اپنی صفائی پیش کی اور پوزیشن واضح ہوجانے پر سائل اور دوسرے لوگ مطمئن ہوگئے۔(۶)

اسلام کے نزدیک سلطنت حکمران اوراس کے خاندان کی ملکیت نہیں بلکہ خدا کی ملکیت ہے لیکن اس کی نیابت پر سارے مسلمانوں کا حق ہے، یا اسے یوں کہیے کہ نظام اسلام میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی رعایا کا نگراں و حاکم ہے۔ شوہر اپنے اہل وعیال کا، بیوی شوہر کے گھر کی، معلم اپنے شاگردوں کا، آقا اپنے غلاموں کا، غلام اپنے متعلقہ کاموں کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کا : کلکم راعٍ وکلکم مسئولٌ عن رعیتہ، یعنی تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے زیر نگرانی اشخاص کے متعلق سوال ہوگا۔ اس سے اسلام کے اصول مملکت اور حکمرانی کا ایک اساسی نقطہ نظر سامنے آجاتا ہے۔(۷)

## اسلام میں جمہوریت کا تصور

اسلامی تصور جمہوریت مغربی جمہوریت کے تمام نظریات پر فوقیت رکھتا ہے۔ قدیم یونانی جمہوریت میں صرف محدود شہری آبادی ہی سیاسی معاملات میں شرکت کرسکتی تھی۔ جبکہ دور جدید کے جمہوری تصورات نے سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر نشوونما پائی جس کے نتیجے میں اس نظام کی تمام برائیاں مغربی جمہوریت کا لازمی جزبن چکی ہیں۔ مغربی معاشرے میں اخلاقی تنزلی کی وجہ سے وہاں جمہوریت کے تمام بنیادی لوازمات موجود نہیں۔

جمہوریت صرف ایسے نظام حیات کے تحت کامیابی سے چل سکتی ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو منضبط کرکے زندگی کو ایک مکمل وحدت بنادے ایسا نظام حیات صرف اسلام ہے۔ اسلام نے جمہوریت کا تصور ایسے دور میں پیش کیا جب جمہوری فکر انسانی تمدن کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہالت اور ظلم وجبر کے اندھیروں میں آزادی اور معاشرتی عدل وانصاف کی شمع روشن کی۔ اور جنگ وجدل کے خوگر قبائل کو ایک نئی تہذیب اور ایک نئے نظریہ حیات روشناس کردیا۔ آپؐ نے اسلامی جمہوریت کے انقلابی تصور کو مدینہ کی شہری ریاست میں باقاعدہ طور پر نافذ کیا۔

## اقتدار اعلیٰ

خدا کی حاکمیت کا اعلان اوراس کا عملی نفاذ اسلامی تصور جمہوریت کی بنیاد ہے۔ اسلامی نظام سیاست میں حکومت اور شہریوں کے تمام افعال پر پابندیاں عائد کرنے کا اختیار کسی انسانی ادارہ کو نہیں، بلکہ ایک بلند



Marfat.com

وبالادستی کو حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَّلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِٓ اَحَدًا۔ (۸)

ترجمہ: " وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا"۔

درحقیقت کسی فرد یا کسی انسانی ادارے کو تمام اختیارات دے کر شخصی آزادیوں کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ انسان میں کمزوریاں موجود ہوتی ہیں۔

## خلافت کا تصور

اسلام میں حکومت کرنے کا حق کسی مخصوص فرد یا طبقہ کو ودیعت نہیں کیا گیا۔ بلکہ خلافت کی ذمہ داری تمام اہل ایمان پر بطور امانت عائد کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں اسی اصول کی نشاندہی کی گئی ہے:

ترجمہ: " تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے اہل (ہدایت) کو حکومت دی گئی"۔ (۹)

## جواب دہی کا اصول

اسلامی نظام سیاست میں حکومت کرنے کا حق عوام کو سونپا گیا ہے۔ اسلامی ریاست میں حکومت کو عوامی احتساب اور تنقید سے بالا نہیں سمجھا جاتا۔ اور شہری اپنے امیر کو کسی بھی صورت میں قانون سے برتر ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: " کوئی حکمران جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا"۔ (۱۰)

## قانون کی بالادستی

اسلام کے سیاسی نظام میں فرد کی حاکمیت کی بجائے شرعی قوانین کی بالادستی تسلیم کی گئی ہے۔ شرعی قوانین ہی حاکم مطلق کے احکامات کے آئینہ دار ہیں اور وہی تمام سیاسی اختیارات اور شہریوں کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔ قوانین کا اطلاق سب پر ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز روا نہیں رکھی گئی۔

## عدلیہ کی آزادی

اسلامی نظام حکومت میں نظام عدل کے قیام پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس کے لیے ججوں کی آزادی اور غیر جانبداری کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں " محکمہ قضا" کو ایک الگ شعبہ کی حیثیت سے قائم کیا گیا اور اس طرح پہلی مرتبہ عدلیہ اور انتظامیہ میں اختیارات کی باقاعدہ طور پر علیحدگی عمل میں آئی۔ خلفائے راشدین کے دور میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی، جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ انتظامیہ نے عدالتی فیصلوں میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا ہو۔

## اسلام کا سیاسی نظام ہی بہترین جمہوری نظام ہے



Marfat.com

اسلام کے سیاسی نظام میں حکومت قرآن وسنت کی اساس پر تشکیل دی جاتی ہے اور کوئی پالیسی قرآن وسنت کے احکام سے ہٹ کر نہیں بناسکتی گویا اسلام کا جمہوری سیاسی نظام ہی بہترین نظام حکومت ہے جس میں خدا کے قانون کی حکمرانی ہے اور اس قانون کی نظر میں ادنیٰ واعلیٰ سب برابر ہیں کوئی قانون سے بالاتر نہیں۔

حقیقی جمہوریت صرف اسلامی نظام حیات میں پائی جاتی ہے۔ اسلامی جمہوریت مغربی طرز کی جمہوریت سے مختلف ہے۔ جمہوری فکر کی اصل روح یعنی آزادی، مساوات اور فلاح عامہ کے تصورات جتنے واضح طور پر اسلامی جمہوریت میں پائے جاتے ہیں، مغربی جمہوریت کا دامن ان سے خالی ہے۔

اسلام امن، اخوت، رواداری اور عدل وانصاف پر مبنی نظام حکومت کا حامی ہے جو باہمی احترام اور عزت نفس کا قائل ہے افراد کی فلاح وبہبود اور خیر خواہی چاہتا ہے وہ شخصی آزادیوں کا ضامن ہے اور حکومتی معاملات کو امین کے ہاتھ میں دینے کا خواں ہے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قائل ہے اور امیر مملکت کو عوام کا خادم گردانتا ہے۔ حاکم کو ایک طرف اللہ کے سامنے اور دوسری طرف عوام کے سامنے جوابدہ سمجھتا ہے۔

اسلام کی جمہوری سیاسی نظام کی بنیاد خوف خدا اور احتساب نفس پر ہے اسلام ایسا ہی سیاسی نظام پسند کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی منشا کے مطابق ہو اور دوسری طرف قانون کی بالادستی اور احترام کا مظہر ہو۔

## موضوع زیر بحث کی ضرورت

اسلام ایک ابدی اور لازوال دین ہے اور مکمل ضابطہ حیات ہے یہ نہ صرف عبادات کا قائل ہے بلکہ ہر شعبہ حیات کے متعلق راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ امام الانبیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ رُشد وہدایت کا سرچشمہ، مینارۂ نور اور منبع ہدایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں انسانیت کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہر دور کے مسائل کا حل اور ہر عہد کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کا جامع دستور موجود ہے۔ یہ دین ودنیا کے تمام مسائل میں انسانیت کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں عبادت، معاملات، اخلاقیات، معاشرت، تہذیب وتمدن، دین ودنیا کے مسائل میں انسانیت کی رہبری فرمائی۔ وہیں بنی نوع آدم کو جامع دستور حیات اور ابدی ضابطہ زندگی بھی عطا فرمایا۔

جہاں دینی معاملات میں رہنمائی فرمائی۔ وہیں اصول جہاں بانی وفلسفہ حکمرانی بھی عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام سیاست، طرزِ حکمرانی کی بنیاد بے لاگ عدل، مساوات، انسان دوستی، اعلیٰ اخلاقی اور



Marfat.com

جمہوری اقدار کے فروغ، بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ، خدمت خلق، رفاہِ عامہ حکومتی عہدے کے ذمہ دارانہ استعمال نیز اس حوالے سے خوداحتسابی، جواب دہی، احساس ذمہ داری، فرض شناسی، دیانت وامانت کے اعلیٰ اصولوں پر استوار کی ہے۔

## جمہوری حکومت کے فرائض

ریاست کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے فرائض کو انتہائی دیانت داری اور لگن کے ساتھ نبھائے اس کے دل میں انسانی محبت خدمت اور مروت کے جذبے رواں دواں ہوں ورنہ وہ اپنی حکومتی ذمہ داریوں کو کماحقہ پورا نہیں کرسکے گا تو ملک میں فساد بدامنی اور بے چینی کا دوردور ہ ہو گا اسلام جمہوریت کا حامی ہے اور خلیفہ یا رئیس سے مملکت ہر معاملے میں عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔

## جان، مال اور عزت کی حفاظت

حکومت کا سب سے اول اور مقدم فرض یہ ہے کہ وہ شہریوں کی جان ومال اور عزت کی حفاظت کرے نہ تو حکومت ان چیزوں پر ہاتھ اٹھائے اور نہ کسی کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت دے۔

قرآن مجید میں آتا ہے : وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔(۱۱)

ترجمہ: "کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو"۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔(۱۲)

ترجمہ: "اور اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ"۔

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ۔(۱۳)

ترجمہ: "کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے"۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کل المسلم علی المسلم حرام دمه دماله وعرضه۔ (۱۴)

ترجمہ: "مسلمان کی ہر چیز ہر مسلمان پر حرام ہے "۔

اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی"۔

## انفرادی آزادی

اسلامی ریاست میں ہر فرد کو انفرادی آزادی حاصل ہے اس کی اظہار رائے پر پہرے نہیں ہوتے جب تک کہ وہ اسے دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں استعمال نہیں کرتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا یوسر رجل فی الا سلام بغیر عدل۔(۱۵)

ترجمہ: "اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جاسکتا"۔

مذکم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارًا۔(۱۶)

ترجمہ: " تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا۔ حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا "۔



Marfat.com

## دین میں زبردستی نہیں

قرآن مجید میں آتا ہے: لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔(۱۷) ترجمہ: "دین میں کوئی جبر نہیں"۔
لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔(۱۸) ترجمہ: "تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔
وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔(۱۹)
ترجمہ: "اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جس قدر لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں"۔

## قانونی مساوات:

اسلام کا ہر شہری خواہ وہ امیر ہو یا غریب، کالا ہو یا گورا، عجمی ہو کہ عربی قانون کی نظر میں برابر ہوتا ہے۔
فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ۔(۲۰)
ترجمہ: "پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس قانون حق آیا ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو"۔
اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ۔(۲۱)
ترجمہ: "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کی مخالفت کرتے ہیں وہ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں"۔

## آزادی اجتماع کا حق

ارشاد الٰہی ہے: وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔(۲۲)
ترجمہ: "اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں"۔

## ذاتی زندگی کی حفاظت:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا۔(۲۳)
ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو"۔

## ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کا حق

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس قوم و ملک میں ظلم بڑھ جائے اور اس کی روک تھام کے لیے قانون حرکت میں نہ آئے تو وہ قوم اور ملک تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے حکومت کی بقا اسی میں ہے کہ وہ ظلم کے خلاف ہر فرد کو آواز اُٹھانے کا حق دے تاکہ جہاں بھی ظلم سر اٹھائے وہیں اس کا سر کچل دیا جائے۔



Marfat.com

قرآن مجید میں آتا ہے : اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔(۲۴)

ترجمہ: " یعنی اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

## مذہبی دل آزاری سے تحفظ

لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔(۲۵)

ترجمہ: "اُن بتوں کو برا بھلا نہ کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں"۔

## آزادی سکونت

اسلامی حکومت میں ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے رہے کسی فرد کی سکونت پر قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔

ارشاد الٰہی ہے: سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ۔(۲۶)

ترجمہ: " زمین میں چلو پھر و دیکھو کس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کونوا حیث شئتم وبیننا وبینکم ان لا تسفکوا دماء ولا تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احدًا۔(۲۷)

ترجمہ: "تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمہارے درمیان صرف یہ شرائط ہیں کہ نہ تم خون ریزی کرو اور نہ تم راہزنی کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو"۔

## تعلیم کا انتظام

یہ تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں وہی قومیں ابھری ہیں جو علم کے زیور سے آراستہ تھیں۔ اس وجہ سے اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام کی تعلیم کے لیے وسیع پیمانہ پر انتظام کرے۔

قرآن مجید میں آتا ہے : قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔(۲۸)

ترجمہ: " کہہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں"۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔(۲۹)

ترجمہ: " یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔

## حفظان صحت کا انتظام

اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام کی صحت کے لیے ہر قسم کی تدابیر اختیار کرے فرض اس حکم سے ماخوذ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آغاز نبوت میں دیا گیا تھا۔ وثیابک فطھر " اپنے کپڑے صاف رکھ" والرُّجزَ فَاھجُرْ "یعنی گندگی چھوڑ دے"۔ ارشاد نبویؐ ہے: الطھور شطر الایمان " پاکیزگی نصب ایمان ہے"۔



Marfat.com

## بنیادی ضرورت کو پورا کرنا:

غذا لباس اور مکان انسان کی وہ بنیادی ضروریات ہیں جن پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔اس وجہ سے اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ بنیادی ضرورتیں ہر فرد کے لیے مہیا کرے۔

غذا کے متعلق اسلام کی یہ تعلیم ہے: وَفِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ۔(۳۰)

ترجمہ: "کہ امراء کی دولت میں وسائل اور نادار لوگوں کا حق ہے"۔

## گزر گاہوں اور راستوں کی حفاظت

گزر گاہوں اور راستوں کی حفاظت کے ذریعے عوام کو محفوظ رکھنا حکومت کا فرض ہے چنانچہ علامہ ماوردی لکھتے ہیں۔

"کہ محتسب عام گزر گاہوں میں عمارت بنانے سے روک دے۔ اگرچہ راستہ وسیع ہو اگر کوئی عمارت بنالے تو اس کو موند خاک کردے چاہے وہ مسجد ہی کیوں نہ ہو۔کیونکہ راستے آمدورفت میں سہولت اور آسائش کے لیے ہوتے ہیں اس لیے نہیں ہوتے کہ لوگ آسائش اور سہولت کو نظر انداز کر کے اس میں رکاوٹیں کھڑی کردیں"۔(۳۱)

## شریعت اسلام کا نفاذ

اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ حدود شرعیہ قائم کرے تاکہ کوئی فرد ان امور کا مرتکب نہ ہوسکے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور ملک چوری، شراب خوری، قماربازی اور بدکاری وغیرہ کے جرائم سے پاک ہوجائے۔ارشاد الٰہی ہے:

اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ۔(۳۲)

ترجمہ: "وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے"۔

## دین کی حفاظت

اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے۔یہ حفاظت دو طرح کی ہے ایک تو یہ کوئی شخص اسلام میں بدعت اور لادینی کی راہ نہ نکالے۔دوسری یہ کہ اسلام کی اشاعت اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کے جوابات دینے کا ایک مستقل شعبہ قائم کرے۔ارشاد الٰہی ہے:

اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ۔(۳۳)



Marfat.com

ترجمہ: " وہ لوگ جن کو ہم زمین میں حکومت دیتے ہیں وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں"۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (۳۴)

ترجمہ: "تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

## دیانت دار اور اہل لیاقت عہدے دار

سلطنت کا ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو عامل مقرر کرے جو دیانت دار و اہل لیاقت ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔ (۳۵)

ترجمہ: " بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں (حکومت کی باگ دوڑ) اس کے اہل کے سپرد کرو"۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ۔ (۳۶)

ترجمہ: " اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔ یقینا اس میں عبادت کرنے والوں کے لیے پیغام ہے۔

## اسلامی جمہوری نظام میں سربراہِ مملکت کا انتخاب

رئیس مملکت کا انتخاب عوام یا ارباب حل وعقد سے ہونا چاہیے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: **وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ**۔ (۳۷)

ترجمہ: " یعنی مسلمانوں کا اجتماعی کاروبار باہم مشورہ سے طے پایا جاتا ہے"۔

اسلام کے دورِ اول میں جب خلفاء راشدین کے انتخاب پر نظر دوڑائیں تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے ان خلفاء کا انتخاب براہ راست شوریٰ کے ذریعے ہوا۔ حضرت ابو بکر کی بیعت سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی اس وقت وہاں انصار اور مہاجرین کے صاحب الرائے افراد موجود تھے تبادلہ خیالات اور اسباب ترجیح پر تبصرہ ہوا تھا پھر مسجد میں عام بیعت ہوئی اور سب نے حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

حضرت ابو بکر نے اپنے بعد حضرت عمر کی خلافت کے لیے نام تجویز کیا پہلے اہل حل وعقد سے مشورہ کیا اس کے بعد مرضی عامہ حاصل کرنے کے لیے نام پیش کیا۔ اہل حل وعقد کی رائے اور مرضی عامہ معلوم کرلینے کے بعد حضرت عمر کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اس نامزدگی میں بھی اپنی مرضی شامل نہیں بلکہ عوام کی مرضی شامل ہے۔

حضرت عمرؓ نے اہل حل عقد کی ایک مجلس شوریٰ مقرر کردی اور خلافت کے لیے چند نام تجویز



Marfat.com

فرمائے مجلس شوریٰ کو یہ ہدایت کردی کہ اصحاب الرائے سے مشورہ کر کے کسی ایک کے نام تجویز کردیں اس کے بعد عوام کی مرضی معلوم کرلی جائے رائے عامہ کے مطابق خلیفہ منتخب کرلیا جائے۔

حضرت علیؓ کی بیعت بھی جمہور کی رائے کے مطابق ہوئی۔

خلفائے راشدینؓ کے انتخاب کے طریقے تو مختلف تھے لیکن عوام کی رائے کا دخل ہر طریقہ کارفرما ہے اسلامی نظام حکومت میں ولی عہدی اور نامزدگی کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

## اسلام کے جمہوری سیاسی نظام کے تناظر میں پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کی صورتحال

پاکستان ہماری پاک سرزمین ہے جسے قائد اعظم کی قیادت میں ہمارے اباؤ اجداد نے لاکھوں قربانیاں دے کے حاصل کیا ہے دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح پاکستان محض ایک زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ ایک نظریے کا نام ہے اس کی جڑیں اسلام کی زمین میں پیوست ہیں بلکہ اس کی کڑیاں طائف کی بستی سے ملتی معلوم ہوں گی جہاں پیغمبر اسلام کے مقدس خون کے چھینٹوں نے چراغاں کیا تھا بطحا کی گلیوں سے اٹھنے والی حضرت بلال کی "احد احد" کی جدوجہد اس کے پس منظر میں سنائی دے گی بدر، احد، خیبر اور خندق کے میدانوں میں جہاں عاشقانِ توحید اپنے لہو سے لالہ گل لگائے تھے اس کے سلسلے ملتے نظر آئیں گے پھر کتنے ہی عجیب اور تلخ موڑ کاٹتے کاٹتے یہ لہو رنگ لایا اور اس صدائے توحید کی صورت میں ظاہر ہوا۔

پاکستان کا مطلب کیا لاالٰہ الااللہ ڈاکٹر برحان الدین فاروقی اپنی کتاب " قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل" میں ایک خوبصورت بات لکھتے ہیں کہ اگر ہم تحریک پاکستان کا بغور جائزہ لیں تو پاکستان کا قیام اور اس سے متعلقہ دوسرے واقعات مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام سے ملتے جلتے نظر آئیں گے۔(۳۸)

یہ خطہ اس لیے حاصل کیا گیا تھا کہ اس کا ڈھانچہ مدینہ کی اسلامی ریاست کی طرز پر قائم رہے اور اس میں خدا اور رسول کے قانون کی حکمرانی ہو آج کے حالات کو دیکھتے ہیں ہم مایوس اور پریشان ہیں قائد اعظم نے اکتوبر ۱۹۴۷ کو حکومت کے افسران سے خطاب کرتے ہوئے بیان کیا ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تخلیق کریں جہاں آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں، جو ہماری تہذیب و تمدن کی روشنی میں پھلے پھولے جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں کو پنپنے کا موقع ملے۔ کسی شاعر کے الفاظ میں قائد کا خواب ایسا وطن تھا:

وہ وطن جس میں ہو قرآن کی بالا دستی — عدل وانصاف، مساوات واخوت کا امین
جس میں اسلام کے مہتاب سے کرنیں پھوٹیں — جس کا ہر ذرہ ہو، ہر رنگ، ہر اک پھول حسین

قائد اعظم دنیا کے سیاسی نظاموں میں جمہوریت اور پھر اسلام جمہوریت کو ہی سب سے بہتر خیال



Marfat.com

کرتے تھے اس بات کا اظہار انہوں نے متعدد بار اپنی تقاریر میں کیا شاہی دربار سبی میں خطاب کرتے ہوئے فروری ۱۹۴۸ کو فرمایا اب آپ کو اپنے ہی وطنِ عزیز کی سرزمین میں معاشرتی عدل و مساوات کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔(۳۹)

پاکستان کے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔(۴۰)

ہمارا مروجہ جمہوری سیاسی نظام درجہ ذیل خامیوں کا شکار ہے۔

## اخلاص اور مقصدیت کی کمی

ہمارا پیارا وطن اسلامی ریاست کے طور پر معرض وجود میں آیا تھا لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ بنیادی مقصد نظروں سے اوجھل ہورہا ہے۔ اسلامی ریاست میں امیر مملکت یا زعمائے ریاست کے جو فرائض ہیں وہ نہیں ادا کیے جارہے اربابِ اختیار واقتدار اور عوام کے درمیان ایک وسیع خلیج ہے عوام تو جذبات کا بہتا ہوا دھارا ہیں جو نہ رکتا ہے نہ خود کو سوچ وفکر کی گتھیوں میں الجھاتا ہے یہ فرض تو قوم کے دانش ور طبقہ اور لیڈروں کا ہے کہ وہ قوم کی منزل اور مقصد کی نشاندہی کریں اور عوام کی رہنمائی کریں۔

احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آکر رسالت کے ساتھ فرمانروا اور حکمران کی حیثیت سے مدنی زندگی کا آغاز کیا کیونکہ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حکمران کی نہیں تھی اور نہ اقتدار وہاں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ہدایت کی روشنی میں اپنے حسن تدبر اور حسن انتظام سے مدینہ میں مثالی سلطنت اور ایسا مثالی معاشرہ قائم کیا جو بھائی چارے، اخوت، ہمدردی محبت، ہمدردی اور ایثار میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست میں حکمت اور دور اندیشی نمایاں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذہب کے ساتھ ساتھ ریاست کے بھی سربراہ تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی اکیلی شخصیت میں دینی ودنیاوی ہردوقسم کا اقتدار جمع تھا۔ لیکن نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوپ (عیسائیوں کا سب سے بڑا رہنما) کا سا جھوٹا غرور تھا اور نہ ہی قیصر کی طرح کوئی فوج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔(۴۱)

## حکمرانوں کی مفاد پرستی

پاکستان میں جمہوریت عوام کی حکومت اور عوام کے لیے ہونے کے بجائے حکمران کی حکومت اور حکمران کے مفاد کے لیے" اندھا بانٹے ریوڑیاں " اپنوں اپنوں کو، کے مصداق انتظامی اور اعلیٰ عہدے میرٹ اور اہلیت کے بجائے سفارش، رشوت، اقربا پروری، جماعتی اور سیاسی وابستگی، ذاتی پسند وناپسند، اثر ورسوخ کی بناپر بانٹے جاتے ہیں صدر، وزیر اعظم اور وزرا کے لیے سرکاری خزانہ اور سرکاری گاڑیاں" مال



Marfat.com

مفت دل بے رحم " والی بات ہے اور عوام مہنگائی، غربت، لوڈشیڈنگ اور عدم تحفظ کے عذاب میں مبتلا ہیں یہ کیسا نظام جمہوریت ہے جہاں انسانی توقیر اور مساوات اور انسانی اقدار ناپید ہو کر رہ گئی ہیں۔

عوام کی فلاح وبہبود اور بھلائی کی طرف توجہ دینے کے بجائے حکمران ذاتی تعیش اور آرام کی طرف توجہ دیتے ہیں سرکاری خزانے کو ذاتی ملکیت سمجھ کر لوٹا جارہا ہے اور عوام کو غربت اور مہنگائی کے ناروابوجھ تلے دبایا جارہا ہے جو ہر لحاظ سے اسلامی جمہوری روح کے منافی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے قوم کا سردار قوم کا خادم ہونا چاہیے لیکن ہمارے حکمرانوں کی صورتحال اس سے بالکل مختلف ہے یہ لوگ الیکشن میں جھوٹے وعدے کر کے کامیاب ہوجاتے ہیں پھر عوام کے ساتھ تحقیر امیز سلوک کرتے ہیں ان کے نزدیک حکمرانی کا مقصد عوام کی خدمت نہیں بلکہ شاندار کوٹھیوں میں رہنا بڑی مرسڈیز گاڑیوں میں بیٹھنا اور سیر سپاٹے کے مزے اڑانا اور عوام کے نام پر قرضے لے کر عیاشی کرنا رہ گیا ہے۔

## جمہوری اقدار کی کمی

کسی بھی شعبہ ہائے زندگی کی طرف نگاہ دوڑاکر دیکھ لیں آپ پر یہ حقیقت بخوبی طور پر آشکار ہوجائے گی کہ باوجود ایک نظام اور سسٹم قائم کرنے کے کہیں بھی جمہوریت نام کی چیز نہیں ملتی ہم جمہوریت کا نام تو لیتے ہیں لیکن جمہوری اصولوں سے انحراف کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے کسی کا حق غصب کرتے ہوئے جمہوری قدروں کی پامالی کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم جمہوریت کا نام اس لیے لیتے ہیں کہ جمہوریت ایک اچھا نظام حیات ہے یہ ہمیں آزادی رائے کا حق دیتی ہے انسانوں کے حقوق کا تحفظ سکھاتی ہے کسی کے ساتھ زیادتی جمہوریت کے اصولوں کے منافی ہے۔

وہ کونسی برائی ہے جو جمہوریت کے نام پر نہیں کر رہے وہ کون سا ظلم ہے جو جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر نہیں کیا جارہا وہ کون سی حق تلفی ہے جو جمہوریت کے نام پر نہیں ہورہی ہم نے اپنے پیارے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھ تو لیا لیکن بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس ملک عزیز میں حق بات کہنا بھی جرم ہوتا جارہا ہے حکومت اپوزیشن کی بات سننا گوارا نہیں کرتی اپوزیشن حکومت کی بات سننا پسند نہیں کرتی ایک سیاستدان دوسرے سیاستدان پر ایسے چڑھائی کیے ہوئے ہے جیسے جان کے دشمن ہوں یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی میں بھی برداشت کا حوصلہ نہیں ہے کوئی بھی جمہوری سوچ نہیں رکھتا کسی کو بھی جمہوری اقدار کا پاس ولحاظ نہیں۔

یہ فقدان ہے اس سوچ کا جو جمہوری اصولوں کا احترام کرنا سکھاتی ہے یہ کمی ہے اس سمجھ کی جو انسانیت کی بھلائی کا درس دیتی ہے اگر یہ فقدان نہ ہوتا اگر سمجھ کی کمی نہ ہوتی تو ہمارا ہر کام جمہوری اصولوں کے مطابق ہوتا معاملے کو تشدد کی بجائے آپس میں بات چیت سے طے کرتے آج حالت یہ ہے کہ ہم کسی بھی مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کی بجائے سڑکوں پر نکل آتے ہیں ہمارے پڑھے لکھے طبقے



Marfat.com

میں جمہوریت سے انحراف اور جمہوری قدروں کی پامالی کا رجحان زیادہ پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہسپتالوں میں ڈاکٹرز ہڑتالوں پر دکھائی دیتے ہیں سکولوں میں اساتذہ اپنے مطالبات منوانے کے لیے ایجی ٹیشن کرتے نظر آتے ہیں دفتروں میں کام کرنے والا پڑھا لکھا طبقہ اپنے حقوق کو منوانے کے لیے ہنگامہ آرائی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

## کیا ہم جمہوریت کے قابل ہیں؟

اگر ہم جمہوری اصولوں کے مطابق اپنے حقوق کو تسلیم کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور جن سے ہم اپنے حقوق منوانا چاہتے ہیں جن سے اپنے حقوق لینا چاہتے ہیں جو ہمارے حقوق ہمیں دینے کی طاقت وقوت رکھتے ہیں وہ بھی جمہوری اقدار کی پیروی کرتے ہوئے ہمارے حقوق ہمیں دینے میں کوئی پس وپیش نہیں کرتے اور ہمارا معاملہ افہام و تفہیم حل ہو جاتا ہے تو پھر ہم اس بات کو کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہم جمہوریت کے قابل ہیں اس لیے کہ ہم دو فریقین نے جمہوری اصولوں کی پاسداری کی ہے اور جمہوری قدروں کو نبھایا ہے لیکن اگر ایسا نہیں ہے ہم نے اپنی بات منوانے کے لیے توڑ پھوڑ سے کام کیا ہے گھیراؤ جلاؤ کی پالیسی اپنائی ہے ہنگامہ آرائی اور تشدد کی کاروائیوں میں حصہ لیا ہے تو پھر اس حقیقت کو صدق دل سے تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم جمہوریت کے قابل نہیں ہیں۔

کوئی بھی نظام انسانی حقوق کی پامالی کا سبق نہیں دیتا کوئی بھی نظام انسانی اقدار کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا کسی بھی نظام سے توڑ پھوڑ اور گھیراؤ جلاؤ کی تعلیم نہیں ملتی اگر ہم اپنے رویوں کو نہیں بدلیں گے جمہوری اصولوں کی پاسداری نہیں کریں گے اپنے مطالبات منوانے کے لیے تشدد کا راستہ اختیار کریں گے تو جمہوری نظام کس طرح پنپ سکے گا۔

اسلامی جمہوری نظام میں ریاست کا مال اور آمدنی کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ یہ اللہ کا مال ہے جو اس کے بندوں کی بھلائی اور بہتری کے لیے استعمال ہونا ضروری ہے یہ مال اللہ کی امانت ہے اور اسی کے بتائے ہوئے ضابطوں کے مطابق اسے طے کردہ مدات میں استعمال ہونا چاہیے حضرت عمر مملکت کے مال واسباب پر خلیفہ کے اختیارات کی حدود بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" میرے لیے اللہ کے مال میں کچھ حلال نہیں سوائے ایک جوڑا کپڑے گرمی کے لیے اور ایک جوڑا جاڑے کے لیے اور قریش کے اوسط آدمی کے برابر معاش اپنے گھر والوں کے لیے لے لوں بس میں مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہوں"۔(۴۲)

## قومی خزانے کا غلط استعمال

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے لہٰذا اس کے جمہوری نظام کی تمام تر روح اسلامی ہونی چاہیے تھی لیکن بد قسمتی سے کوئی حکومتی شعبہ اسلام کے اعلیٰ جمہوری اقدار کے مطابق نہیں چل رہا اس



Marfat.com

کی وجہ یہ ہے کہ اہلیان حکومت اور صاحبان اختیار کے دل سے امانت کا تصور اٹھ گیا ہے اس لیے وہ سرکاری خزانے کی حفاظت نہیں کرتے جس طرح ذاتی مال کی حفاظت کرتے ہیں حکمرانوں کے ہر کام میں شاہ خرچی ہوتی ہے جہاں دس روپے سے کام چل سکتا ہو وہاں سیکڑوں لگا دیے جاتے ہیں۔

## حکومتی اختیارات کا ذاتی منفعت کے لیے استعمال

ہمارے جمہوری نظام حکومت میں حکومتی اختیارات کا ذاتی فائدے کے لیے استعمال کرنا ایک عام معمول بن گیا ہے حلال وحرام، جائز وناجائز کی پروا کیے بغیر اختیارات کا ناجائز استعمال کیا جاتا ہے جو کہ ظلم وزیادتی کے مترادف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میری امت کا جو شخص لوگوں کے معاملات میں کسی امر کا والی بنا پھر اس نے لوگوں کو ان امور سے نہ بچایا جن سے اپنے آپ کی اور اپنے اہل کی حفاظت کرتا ہے وہ جنت کی ہوا نہیں پائے گا"۔(۴۳)

اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ریاست کے وسائل کو عوام کی فلاح وبہبود کے لیے استعمال کرے نہ کہ ذاتی مقاصد کے لیے مگر وہ لوگ جنہوں نے اس ملک پہ حکمرانی کرنی ہے ان کے لیے نہ کوئی قابلیت پوچھی جاتی ہے اور نہ تعلیم یہ ان پڑھ اور جاہل لوگ اپنے اختیارات پر غلط استعمال کرتے ہیں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کو تنگ کرنے اور ستانے کا باعث بنتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپس میں لڑائی جھگڑے اور ہاتھاپائی سے گریز نہیں کرتے وطن عزیز کا کوئی اخبار اٹھا کر دیکھیں ایک لیڈر دوسرے کو گالی دے رہا ہے اور اپنے مفاد کو جھوٹ بول کر تحفظ دیتا ہے اور اسی طرح ایوان کے اندر ایک دوسرے پر دست درازی، کرسیاں چلانا سیاست دانوں کا وطیرا بن گیا ہے ملک وقوم سے مخلص ہونے کے بجائے اپنے مفاد سے مخلص ہیں۔

ہم بچاتے ہی رہے دیمک سے اپنا گھر مگر
چند کیڑے کرسیوں کے ملک سارا کھا گئے

## معاشی عدم استحکام

جمہوریت میں سرمایہ دار طبقہ کی اجارہ داری قائم ہوجاتی ہے اور وہ اختیارات کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایسے نظام میں قوانین بھی انہی کی خواہشات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ سیاسی قوت اوراثر ورسوخ کے باعث اس طبقہ کو معاشی مراعات حاصل ہوجاتی ہے۔ قیمتوں کا تعین سرمایہ دار طبقہ کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ایسی معاشی عدم مساوات کے ہوتے ہوئے عام لوگوں کے لیے سیاسی آزادی اور حقوق کا تصور بے معنی ہوجاتا ہے۔

## ادائیگی فرض میں کوتاہی

عوام کی خدمت کرنا اوران کی خیر خواہی کرنا حکمرانوں کا فرض ہے اگر کوئی اس فرض سے غافل



Marfat.com

ہے تو وہ ظالم ہے" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرے بعد کچھ لوگ حکمران ہونے والے ہیں جو ان کے جھوٹ میں ان کی تائید کرے اوران کے ظلم میں ان کی مدد کرے وہ مجھ سے نہیں میں ان سے نہیں" ہمارے اہلیان حکومت اپنی سرکاری مراعات کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں بڑی بڑی تنخواہیں لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے ہیں عوام سے وعدے کرنے کے بعد ان کی فلاح وبہبود سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں اپنا پیٹ بھرنے کی فکر کرتے ہیں اور مال واسباب جمع کر کے اپنی آئیندہ زندگی کی عیاشی کا سامان اکٹھا کرتے ہیں جو حکمران اسلامی ریاست کے اندر اپنے فرائض کو صحیح طرح انجام نہیں دیتا وہ ریاست کے اجتماعی نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ایک شخص کی خیانت اور کوتاہی کئی لوگوں کے حصے میں کمی کا باعث بنتی ہے رفتہ رفتہ غفلت کا یہ رجحان بڑھتا جاتا ہے اوراس طرح غیر ذمہ دار لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے ظلم صرف مارپیٹ کا نام نہیں ہے بلکہ فرض نہ ادا کرنے کا نام بھی ظلم ہے۔

## رشوت وبدعنوانی

رشوت ایک اخلاقی برائی ہے جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہیں اس کام کا معاوضہ لینا جس میں ذاتی محنت شامل نہ ہو ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے یہ ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرتی ہے قانون کو بے اثر کر دیتی ہے میرٹ کو ختم کر دیتی ہے انصاف کا گلا گھونٹ دیتی ہے ایک اندازے کے مطابق رشوت کے ذریعے لیے جانے والے سرمایہ کی مقدار ملکی سرمایہ کاری سے بڑھ چکی ہے ایک اندازے کے مطابق رشوت کے ذریعے لیے جانے والے سرمایہ کی مقدار ملکی سرمایہ سے بڑھ چکی ہے اور یہ پاکستانی معاشرے میں جڑوں تک اتر چکی ہے۔ کرپشن کی بنا پر پی آئی اے، واپڈا اور پاکستان ریلوے مسلسل خسارے میں جارہا ہے اور وہ عناصر جو اس راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں ان کی اکثریت اس برائی کو برائی محسوس نہیں کرتی۔ چیف جسٹس حمید ڈوگر نے اپنی بیٹی کے داخلہ کے لیے ہر ناجائز کو جائز کر دیا۔

حکومتی عہدوں پر فائز اشخاص بدعنوان عناصر کی بیخ کنی کے بجائے خود اس میں فریق ہوتے ہیں یوں بدعنوانی بڑھتی اور پھیلتی جاتی ہے بلکہ اکثر اوقات وہ اعلیٰ افسران کی حوصلہ افزائی کی چھتری تلے نشیب کی طرف بہنے والے پانی کی رفتار سے بڑھتی چلی جاتی ہے جو شخص کسی بڑے عہدے پر فائز ہوجاتا ہے وہ اقربا پروری کو اپنا حق سمجھتے ہوئے اپنے اقربا کو خوب نوازتا ہے یا حکومتی عہدے دار رشوت لے کر ملازمین کی بھرتی کرتے ہوہیں، یوں میرٹ کا قتل عام ہوجاتا ہے اور میرٹ سے ہٹ کر بھرتی ہونے والوں کے نزدیک میرٹ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس طرح محکمانہ بھرتیاں بھی نسل در نسل ہوتی ہیں۔

بدقسمتی سے ہم بحیثیت قوم اس میدان میں قحط الرجل کا شکار ہیں دیانت دار افراد ویسے ہی آٹے میں نمک کے برابر ہیں اور ان کی قدر کے بجائے بدعنوان لوگ ان کا کسی محکمے میں رہنا محال کر دیتے ہیں



Marfat.com

کیونکہ وہ نہ صرف خودبدعنوانی نہیں کرتے بلکہ بدعنوان افراد کے عزائم میں بھی رکاوٹ بنتے ہیں اس لیے امین افراد کو کسی محکمے میں ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا جاتا۔

بلکہ اپنی من مانی کاروائیوں کی راہ میں انہیں رکاوٹ خیال کرتے ہوئے راستے سے ہٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا، ان کا جینا دوبھر کردیا جاتا ہے ایسے ستائے ہوئے افراد اپنے بچوں کو تاکید کرتے ہیں کہ صرف تم اپنا کام کرو لوگ مرضی کرتے رہیں تم اس سے سروکار نہ رکھو۔اس طرح بدعنوان افراد کی افزائش ایسے ہوتی ہے جیسے برسات میں سبزہ اگتا ہے۔

"He illegaly issued NRO in which he gave immunity to hundreds of criminals who had committee various crimes of fraud,bibry,tax evasion and finincial corruption".(۴۴)

اپنے محافظوں کے ہاتھوں لٹے ہوئے اس ملک کی معیشت ان اعداد وشمار سے ظاہر ہورہی ہے۔

واشنگٹن ورلڈ جسٹس پروجیکٹ (WTP) کے تحت ۲۰۱۲ میں کیے جانے والے سروے کی Rule Of law Index شائع کی گئی جس کے مطابق سروے میں شامل ۹۷ ممالک میں سے پاکستان بدعنوان ممالک میں ساتواں نمبر پر تھا۔(۴۵)

ایک اندازے کے مطابق رشوت کے ذریعے لیے جانے والے سرمایہ کی مقدار ملکی سرمایہ کاری سے بڑھ چکی ہے اور یہ پاکستانی معاشرے میں جڑوں تک اتر چکی ہے۔

رشوت انسان کو حقوق اور عدل کی راہ سے بہت دور لے جاتی ہے۔ ظلم اور بے انصافی کے دروازے کھولتی ہے اس وجہ سے اسلام رشوت لینے سے منع فرماتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الراشي والمرتشي کلاھمافی النار۔ (۴۶)

ترجمہ: "یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخی ہیں"۔

## فرقہ واریت کا زہر

فرقہ واریت نے بھی پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کو کمزور کیا ہوا ہے ایک خدا ایک رسول ایک قرآن کے ماننے والے باہم دست وگریباں ہیں ان اختلافات کو ہوا دینے میں بعض سیاسی جماعتیں بھی اپنا منفی کردار ادا کرتی ہیں ایک کعبہ اور ایک منزل ہونے کے باوجود بھی دل متفرق اور جدا جدا ہیں آئے دن فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات کے سبب غیر مسلموں کے سامنے پاکستان کا وقار کم ہورہا ہے بے گناہ افراد لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔

ہمارادین رواداری، وسعت نظری اور برداشت کا درس دیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:



Marfat.com

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔(۴۷)

ترجمہ: "مضبوط پکڑو اللہ کی رسی اور آپس میں تفرقہ نہ کرنا۔

## ناقص تعلیمی نظام

ہمارا نظام تعلیم قومی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے بزرگوں کے قول کے مطابق ہمارے ایک ہاتھ میں قرآن ایک ہاتھ میں سائنس اور سر پر لا الہ اللہ کا تاج ہونا چاہیے۔ لیکن ہمارے نظام تعلیم میں مقصدیت کم ہے والدین پیٹ کاٹ کر بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ لیکن کشتیِ علم مسلسل گرداب میں جا رہی ہے۔ منزل کا پتہ نہیں سمت کا تعین نہیں پیٹ کے لیے روٹی ضرور ہے لیکن روح کھوکھلی ہے۔ امام غزالی "احیائے علوم دین" میں لکھتے ہیں تعلیم کا مقصد صرف یہ نہیں ہونا چاہیے کہ نوجوانوں کے ذہن کی پیاس بجادے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس پیدا کرنا چاہیے۔

اسلام کی نظر میں تعلیم و تعلم کا مقصد انسانی پیدائش کے اصل منشاء کو پورا کرنا ہے۔ اخلاق حسنہ سے آپ آراستہ ہونا اور دوسروں کو آراستہ کرنا اپنے علم کی روشنی میں جہل اور نادانی کے اندھیرے کو دور کرنا اور نہ جاننے والوں کو سکھانا، بھولے بھٹکے کو راہ دکھانا اور باطل کو مٹانا ہے۔(۴۸)

اسلام کا نظام تربیت شہری ہی تیار نہیں کرنا بلکہ اس کا مقصد اچھا انسان تیار کرنا ہے۔ وہ انسان جو مکمل انسان ہو جس میں انسانیت کے سارے پنہاں جوہر نمایاں ہوگئے ہوں اور جو صرف جغرافیائی حدود میں ایک وطن کا اچھا شہری نہ ہو بلکہ وہ پوری دنیا کا اچھا شہری، بہترین بندہ اور انسان ہو۔(۴۹)

## عوامی خدمت اور فلاح و بہبود کی صورتحال

عوام کی فلاح و بہبود اور بہتری کا خیال رکھنا جمہوری حکومت کی ذمہ داری ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن عبد یسترالله رعیته یموت یوم یموت وھو غاش لو عیته الاحرم الله علیه الجنة۔(۵۰)

ترجمہ: "جس شخص کو اللہ نے کچھ لوگوں کا چرواہا (حاکم) بنایا اور وہ اس میں مرا کہ اس نے لوگوں کی بدخواہی کی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردے گا۔

عوام کے ساتھ زیادتی اور انہیں حق سے محروم کرنا انتہائی ظلم ہے ہمارا ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اسلام ہر قسم کی ظلم وزیاتی کی نفی کرتا ہے لیکن اسلام کے نام پر حاصل کی گئی اس دھرتی میں ایک طرف حکمران طبقہ زندگی کے مزے لوٹ رہا ہے اور دوسری طرف عوام مخلصی کے دوزخ میں جل رہے ہیں ایک طبقہ اپنے جانوروں کو پستہ اور بادام کھلاتا ہے اور شیمپو میں نہلاتا ہے اور دوسری طرف غریب عوام کے بچے گندے جوڑوں اور نالوں میں ڈبکیا لگاتے نظر آتے ہیں اکثریت روٹی کی محتاج ہے جبکہ دولت مند دولت حاصل کرنے کے نئے طریقے تلاش کرتے ہیں کسی جگہ غریبوں کی جھونپڑیوں کے



Marfat.com

دروازوں پر ٹاٹ اڑتے دکھائی دیتے ہیں بچے ننگے پاؤں ننگے سر مٹی میں اٹے ہوے اور ہاتھ منہ سے مکھیاں اڑاتے نظر آتے ہیں مفلوک الحال بوڑھے غربت کے بوجھ تلے دبے لاٹھی کے سہارے گرمی میں ہانپتے چلتے نظر آتے ہیں۔

## خبرگیری اور دکھ درد کے احساس کی صورتحال

عوام کااہم مقصد ہی عوام کی خبرگیری اوران کے دکھ درد کودور کرنا ہے اگر کوئی حکومت اس مقصد میں ناکام رہتی ہے تووہ عوام کی حکومت نہیں اسلامی حکومت کااہم فرض یہ ہے کہ وہ عوام کے حالات معلوم کرتے رہیں اوران کے مصائب اور دکھ درد کودور کرتے رہیں۔

حضرت عمرؓ کامشہور واقعہ ہے کہ ایک رات میں آپ اپنے غلام اسلم کو ساتھ لے کرمدینہ سے باہر نکل گئے۔ایک خیمہ دیکھا تواُدھر کارخ کیا۔قریب پہنچے تو معلوم ہواکہ ایک عورت دردزہ میں مبتلا ہے اور تکلیف سے تڑپ رہی ہے حضرت عمرؓ نے اس سے حال دریافت کیاتو اس نے جواب دیا کہ میں ایک بدوی عورت ہوں اورمیرے پاس اس وقت کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو اس موقع پرکام آسکے حضرت عمرؓ یہ سن کرواپس گھرآئے اوراپنی بیوی ام کلثوم بنت ابی طالب سے فرمایا۔اللہ کی مہربانی سے ثواب حاصل کرنے کاایک عمدہ موقع ہاتھ آگیا ہے۔کیا اس کے لیے تیار ہواس کے بعد واقعہ بیان کیا۔وہ اس خدمت کے لیے فوراً تیار ہوگئیں۔

آج کے حکمرانوں کو عوام کی صورتحال کا احساس نہیں مدینہ کی اسلامی ریاست میں حاکم وقت غلام کے اونٹ کی مہارپکڑ کرمدینہ کی گلیوں سے گزرتا ہے آج کسی حکمران کے گزرنے پرگھنٹوں سڑکیں بلاک کردی جاتی ہیں اورعوام کوگھنٹوں دھوپ گرمی میں انتظار کی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے۔کئی مریض وقت ہسپتال نہ پہنچنے کی وجہ سے راستے میں دم توڑ دیتے ہیں، کئی حاملہ خواتین گاڑیوں اور رکشوں میں بچوں کو جنم دیتی ہیں،یہ ہیں ہمارے محافظ ونگہبان، "اندھیر نگری چوپٹ راج" کاسماں ہے۔

ان حالات میں موضوع زیربحث کی ضرورت واہمیت بہت زیادہ ہے۔شاید اس کے ذریعے پتھر کی سلوں پرپانی پڑنے سے کچھ نرمی آجائے۔سوکھی اور بنجر زمین میں ہریالی ہوجائے۔خیانت، غضب اور سرکاری وسائل کاناجائز استعمال کرنے والے عوام کے ساتھ زیادتی کرنے والے ان کے لیے امن وسلامتی کاگہوارہ بن جائیں۔ قوم کاتاریخ جغرافیہ ہی نہ بدلے تقدیر بدل جائے، سرکاری مناصب کاغلط استعمال کرنے والوں کاضمیر بیدار ہوجائے اوروہ صحیح معنوں میں عوام کے خادم بن جائیں۔

## اقربا نوازی اوروطن عزیز کی صورتحال

اپنے عہدے سے ناجائز طورپر فائدہ اٹھاکر اقرباء نوازی حکام کی بدترین خصلت ہے۔وہ حاکم نہ تواللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہوسکتا ہے اور نہ عوام میں پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے جو حکومت کے خرچ



Marfat.com

پر اقرباء نوازی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اختیار اور طاقت اس لیے عطا کر رکھا ہے کہ اس کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا جائے ان نعمتوں اور راحتوں کو اللہ اس وقت تک باقی رکھتا ہے جب تک وہ بندگانِ خدا پر خرچ کرتے ہیں اور انہیں فائدہ پہنچاتے ہیں کیونکہ دین اسلام کے نزدیک حق کے سلسلے میں اپنے پرائے دور نزدیک دوست دشمن کی کوئی تخصیص نہیں ہے اللہ کی حدوں کو توڑنے والا سخت گناہ گار ہے لیکن ہمارے ہاں کوئی کام اس کے بغیر نہیں نکلتا اقرباء نوازی حکمرانوں کے ایمان کا حصہ بن گئی ہے اپنے رشتہ داروں کو ہر جائز وناجائز مراعات عطا کرتے ہیں اور غریب عوام کا حق تلف کر کے ظلم کے مستحق ہو رہے ہیں۔

ہمارا دین اسلام اقرباء نوازی کی مذمت کرتا ہے اور حق دار کو حق دینے کی تلقین کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے اختتامی دور میں حضرت عثمان سے فرمایا: اے عثمان میں تجھے واسطہ دے کر کہتا ہوں اگر تمہارے ہاتھ میں مسلمانوں کے امور کی باگ ڈور آجائے تو تم بنی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر لادنے کی کوشش نہ کرنا۔ اور اے سعد میں اللہ کا واسطہ دے کر یہ کہتا ہوں۔ اگر تم مسلمانوں کے امیر بنا دیے جاؤ تو اپنے اقرباء کو لوگوں کی گردن پر لادنے کی کوشش نہ کرنا۔

## عدل وانصاف کی صورتحال

پاکستان کے جمہوری نظام میں عدل وانصاف کی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو تقریباً پریشان کن صورتحال سامنے آتی ہے باثر طبقہ اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے عدالت پر اثرانداز ہوتا ہے عدل کے معاملے میں دین اسلام کسی جھکاؤ اور اثر ورسوخ کا قائل نہیں۔

اللہ رب العزت خود عادل ہے اور عدل کو پسند کرتا ہے نظام کائنات کی بنیاد ہی اس نے عدل پر رکھی ہے ارشاد ربانی ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ (۵۱)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تم کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے"۔

اسلام بلا تفریق مذہب وملت عدل وانصاف کو حکومت کا اہم فرض قرار دیتا ہے اور اسی پر سوسائٹی اور حکومت کی بقا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (۵۲)

ترجمہ: "اور ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل وانصاف کے احکام اتارے تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں"۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ (۵۳)

ترجمہ: "اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو انصاف کا فیصلہ کرو"۔

ہمارے صاحب اختیار اور صاحب اقتدار کو یہ بات باور کر لینی چاہیے کہ اختیار اور حکمرانی اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے اصل طاقت اللہ کی ذات ہے یہ چار دن کی چاندنی ہے جس کا ایک دن خاتمہ ہونا



Marfat.com

ہے دنیا کی چکاچوند اور عیش و عشرت سے متاثر ہوکر ہمارے حکمران مفادات کے غلام اوراقرباء پرور بن جاتے ہیں نہ انصافی، زیادتی، میرٹ کی پامالی، اقرباء پروری ان کے کسی کام نہیں آئے گی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ امانت اس لیے سونپی گئی ہے کہ حکومت کی ذمہ داری اور عوام کے حقوق کے لیے فرض شناسی سے کام کیا جائے۔

حکمران عموماً عہدے کو منفعت دنیاوی کاذریعہ خیال کرتے ہیں ان کو احساس فرض، پابندی وقت، قومی مفادات کی نگہداشت، دیانت داری اور حقوق العباد اور جذبہ خدمت جیسے اخلاقی جواہر سے مالا مال ہونا چاہیے کیوں کہ حکمران کی کامیابی اور فلاح کا راز اللہ کی خوشنودی اور اس کی مخلوق کی بھلائی میں ہے حاکم کا فرض ہے کہ رضائے الٰہی کو اوڑھنا بچھونا بنا کر حق وباطل اور صحیح اور غلط کی پہچان رکھے خدا خوفی اور خداترسی کی روح کو زندہ رکھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس بندے کو اللہ نے کسی رعایا کا حاکم بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ کی تو وہ جنت کی خوشبو نہ پاسکے گا ایک اور جگہ فرمایا: جس کسی کو مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا اس نے قرابت داری کی بناء پر کسی کو ذمہ دار مقرر کیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے نہ کوئی صدقہ قبول کرے گا اور نہ سفارش یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈال دے گا۔(۵۴)

وہ لوگ جو قوم کی قیادت وسیادت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ملک اور قوم کی رہنمائی کررہے ہیں انہیں اپنے قول وفعل کا تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جائزہ لینا چاہیے کیونکہ ان کی کامیابی اور فلاح قرآن اور تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں ہے۔

لہٰذا ان دلائل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان میں مروجہ جمہوری نظام اسلام کے جمہوری نظام سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دنیا کا سیاسی نظام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے دنیا کا سیاسی نظام کہیں شخصی حکومت کہیں موروثی بادشاہت اور کہیں امریت کا نقشہ پیش کرتا ہے فارس کا سیاسی نظام جبر واستبداد اور مطلق العنانی کا پہلو لیے ہوئے تھا لیکن چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ تک یہ سلطنت زوال کا شکار ہوگئی اور دنیا کو یہ سبق ملا کہ جبر واستبداد کا نظام زیادہ دیرپا نہیں ہوتا نہ حکمران کے لیے مفید ہے نہ رعایا کے لیے۔(۵۵)

چنانچہ دنیاکی مہذب اقوام، عالمی تہذیبوں اوران کی نمائندہ طاقتوں روم اورفارس (ایران) میں خالص آمرانہ حکومتوں کادور دورہ تھا، اس زمانے کی سیاست مطلق العنان بادشاہت تھی، یہ بادشاہت اکثر مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوتی تھی، جیساکہ ایران میں تھا، جسے " فارس " کے نام سے موسوم کیا



Marfat.com

جاتا تھا، یہ اپنی قدامت کے لحاظ سے دنیا کے ان چند حصوں میں شامل ہے، جن کی تاریخ انتہائی قدیم اور طولانی ہے۔(۵۶)

وہاں آل سامان کا یہ عقیدہ تھا کہ حکومت پر ان کا موروثی حق ہے اور انہیں تائید الٰہی حاصل ہے، عام رعایا کو بھی پوری کوشش کر کے اس کا یقین دلا دیا گیا تھا، اہل چین اپنے بادشاہ کو "شہنشاہ فرزند آسمان" کہتے تھے، کیوں کہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان " نر " ہے اور زمین " مادہ " اور کائنات کو انہی دونوں نے جنم دیا ہے اور شہنشاہ ختا اول زمین و آسمان کے جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے، اسی بناء پر بادشاہِ وقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا، اسے حق حاصل تھا کہ جو چاہے، کرے۔(۵۷)

سلطنت رومہ ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکتی اور ہر ایک کی عزت و ناموس پامال کر سکتی تھی، وہ ہر ظلم و ستم کو جائز سمجھتی تھی، رومیوں کا ہم عقیدہ اور ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہو کر حکومت کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا اظہار کر کے بھی کوئی قوم یا فرد رومیوں کے ظلم و ستم سے بچ نہیں سکتا تھا، کسی قوم کو حکومت کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا اظہار کر کے بھی کوئی قوم یا فرد رومیوں کے ظلم و ستم سے بچ نہیں سکتا تھا، کسی قوم کو حکومت خود اختیاری یا اندرونی خود مختاری کا حق حاصل نہیں تھا اور نہ اس کا موقع تھا کہ وہ اپنے ملک میں اپنے واجبی حقوق سے مستفید ہو سکے، ان محکوم قوموں اور مفتوح ملکوں کی مثال اس اونٹنی کی سی تھی، جس پر بوقت ضرورت سواری کی جاتی اور اس کا دودھ دوہا جاتا اور صرف اسی قدر اسے چارہ دیا جاتا جو اس کی پیٹھ کو مضبوط اور تھن کو دودھ سے بھرا رکھ سکے۔(۵۸)

بعثت نبویؐ کے وقت دنیا کی دو شہنشاہیتیں فارس (ایران) اور روم دو عالمی طاقتوں کے طور پر عالمگیر شہرت رکھتی تھیں۔ ان سلطنتوں میں حکومتی اختیار کا کس طرح غیر ذمہ دارانہ، بلاجواز اور ظالمانہ استعمال ہو رہا تھا۔ وہ تاریخ کے صفحات پر مخفی نہیں۔

فارس (ایران) کا یہ حال تھا کہ بعض اوقات رعایا کو سرکاری ٹیکس ادا کرنے کی وجہ سے اپنی اولاد کو بیچنا پڑتا۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔(۵۹)

ترجمہ: " خرابی پھیل گئی ہے، خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے اور وہ باز آ جائیں"۔

## اسلام کا نظام اعتدال و توازن کا نظام

اسلام زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال کا درس دیتا ہے اور درمیانی راہ اختیار کرنا پسند کرتا ہے کیونکہ اسی میں امن بھی ہے اور عافیت بھی ارشاد ربانی ہے۔" اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے



Marfat.com

ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا۔(۶۰)
خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "کہ کاموں میں بہترین کام متوسط کام ہے"۔(۶۱)
امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمرو کو فرمایا: "کہ رات میں عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی روزہ بھی رکھو اور کبھی افطار بھی کرو اس لیے کہ آپ کے بدن کا، آنکھوں کا، مہمان کا اور بیوی کا آپ پر حق ہے"۔(۶۲)

یقیناً قرآن کریم میں بہت سارے احکامات کا تعلق نہ توحید سے ہے اور نہ عبادات سے جیسے احکام بیع اور سود، شادی، طلاق اور جن کا تعلق سیاست اور نظام حکومت سے ہے۔ جب قرآن کریم میں ایسے احکامات موجود ہیں تو اسلام کے سیاسی نظام کا انکار کرنا قرآن کریم کے بعض حصے کا انکار ہے اور یہ کفر ہے۔

## مدینہ کی اسلامی فلاحی ریاست

یہ ایک تاریخ ساز حقیقت ہے کہ معلم بنی نوع آدم، محسن انسانیت، پیغمبر رحمت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تاریخ کے ایسے دور میں ہوئی، جب پوری دنیا میں کہیں بھی مثالی فلاحی ریاست کا وجود نہ تھا، جس کے حکمران دیانت وامانت، خود احتسابی، احساس ذمہ داری، فرض شناسی، جواب دہی کے تصور سے آشنا ہوں۔ کرہ ارض عالمی تہذیبیں اور اقوام عالم ایک مثالی، فلاحی اور منظم ریاست کے خلا کو محسوس کر رہا تھا۔

جہاں اربابِ اختیار من مانی نہ کرتے ہوں جہاں قومی اور ملکی اثاثوں کو آباء واجداد کی میراث اور ذاتی ملکیت نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ اس کی اساس خوف خدا، پرہیز گاری، دیانت وامانت، احساس ذمہ داری، اعلیٰ اخلاقی، آفاقی اقدار اور ابدی اصولوں پر استوار ہو۔ سرور کائنات امام الانبیاء، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین، فخر دوعالم، سرکارِ دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی تعلیمات، اعلیٰ اخلاقی اقدار، بے مثال سیرت طیبہ اور دائمی وابدی نمونہ عمل، اسوہ رسولؐ نے اس خلا کو فکری و عملی دونوں سطحوں پر پُر کیا اور عالم انسانیت کو ریاست وجہاں بانی کے ایسے آفاقی اصول وضوابط عطا فرمائے، جن کی افادیت اور اخلاقی اہمیت سے انسانی تہذیب اور اقوام عالم کبھی بھی مستغنی نہیں ہوسکتے۔ آپؐ نے تاریخ انسانیت میں پہلی مرتبہ میثاق مدینہ کی شکل میں دستور ریاست نافذ کیا۔(۶۳)

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مدبر ومنتظم ریاست

احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک حاکم وفرمانروا، سیاست دان اور عظیم مدبر ومنظم سب کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی عین اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے منحرف ہونا دراصل اللہ کی حاکمیت کا انکار کرنا ہے یہ اللہ کے حکم اور اس کی ہدایت کے تابع ہی ہے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر کوئی اطاعت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ کے حکم اور اس کی ہدایت کے تابع ہی ہے جو رسول جو منصب رسالت کا امین ہوتا ہے، اپنی اطاعت کروانے



Marfat.com

نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کا مکمل پروگرام پہنچانے کا مشن لے کر اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حاکم موجود ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ۔ (۶۴)

ترجمہ: " ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی عظیم مدبر ومنتظم بھی تھی اور آپ کی مکی زندگی میں قبل از نبوت کے واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست اور اجتماعی شعور وتدبیر کی بہترین مثال ہیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ حلف الفضول کا ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فخریہ بات فرمایا کرتے تھے کہ میں اس معاہدے میں شریک تھا۔ (۶۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبیر کی دوسری شہادت حجر اسود کے نصب کرنے کا واقعہ ہے۔ (۶۶)

جب سب نے اس کو نصب کرنے میں اپنا اپنا حق تفوق پیش کیا تھا۔ اس وقت اختلاف ومنافرت کی جو آگ کتنے ہی خرمنوں کو خاکستر کرنے والی تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر سے بجھ گئی اور اہل مکہ میں آپ کی عظمت کے ساتھ ساتھ آپ کی فراست بھی واضح ہوگئی۔ (۶۷)

## بہترین فرماں روا اور حاکم

احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آکر رسالت کے ساتھ فرمانروا اور حکمران کی حیثیت سے مدنی زندگی کا آغاز کیا کیونکہ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حکمران کی نہیں تھی اور نہ اقتدار وہاں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ہدایت کی روشنی میں اپنے حسن تدبر اور حسن انتظام سے مدینہ میں مثالی سلطنت اور ایسا مثالی معاشرہ قائم کیا جو بھائی چارے، اخوت، ہمدردی محبت، ہمدردی اور ایثار میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست میں حکمت اور دور اندیشی نمایاں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذہب کے ساتھ ساتھ ریاست کے بھی سربراہ تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی اکیلی شخصیت میں دینی ودنیاوی ہر دو قسم کا اقتدار جمع تھا۔ لیکن نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوپ (عیسائیوں کا سب سے بڑا رہنما) کا ساتھ جھوٹا غرور تھا اور نہ ہی قیصر کی طرح کوئی فوج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ (۶۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست میں اخلاقی عناصر داخل کیے اصل سرچشمہ اقتدار ذات واحد اللہ تعالیٰ کو قرار دیا تو اپنے آپ کو اس کا رسول اور نائب اور ساتھ ہی امت کے لیے لائے ہوئے احکام اپنے اوپر بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیے۔ اور عہد نبویؐ میں ذات اقدسؐ کے خلاف دیوانی اور ٹارٹ ضمان کے جو مقدمات دائر ہوئے، ان کی موجودگی میں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں (KING CAN DO



Marfat.com

(NOT WRONG)حاکم وقت (بادشاہ) کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا کو مسترد کر دیا۔ اور جب مملکت کا قوی ترین شخص قانون کی خلاف ورزی پر عدالت کی دارو گیر سے محفوظ نہ رہے تو دیگر عہدیدار اور عام لوگ بھی تعمیل زیادہ توجہ کے ساتھ کریں گے۔(۶۹)

## جمہوری سیاسی نظام کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ

### شہنشاہِ دوجہاں کی عاجزی وانکساری

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے سلاطین زمانہ اونچے اونچے محلوں میں رہتے تھے سونے چاندی اور زروجوار کے زیوروں سے آراستہ ہوتے تھے تکبر ورعونت اور جاہ وجلال ان کے چہرے سے ٹپکتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے زروں سے لے کر آسمان کے ستاروں تک کا مالک ہونے کے باوجود عاجزی اور انکساری اختیار کی آپ نے پستی اور بلندی کی تفریق مٹادی اور خوبیوں اور فضیلت کا معیار تقویٰ قرار دیا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری وضع قطع انتہائی سادہ تھی ایک مرتبہ ایک صحابی شاہی عبا لے کر آئے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے مختلف حصوں سے وفود حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرید لیں تاکہ جب دوسرے شہروں یا ملکوں سے وفود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے زینت تن فرمالیں یا جمعہ کے دن جو گویا مسلمانوں کے دربارِ عام کا دن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی نظر اس ظاہری جاہ وجلال اور تزک واحتشام پر گئی جس کے شاہانِ وقت عادی تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتباہ کے اس پردے کو فوراً چاک کر دیا کہ مسلمانوں کا پیشوا شاہانہ جاہ وجلال کے اظہار کے لیے مبعوث نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسے پہنتا ہے، آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔(۷۰)

اسی طرح نشست میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفوق وبرتری کے امتیاز کو اس قدر مٹایا کہ مجلس کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرامؓ کی مجلس میں بیٹھتے تو باہر سے آنے والے کو پوچھنا پڑتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ لوگ اشارے سے بتاتے۔ صحابہ کرامؓ نے چاہا کہ کم از کم ایک چبوترہ ہی بنا دیا جائے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں، مگر اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔(۷۱)

### سادگی

ایک بار حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حجرے میں حاضر ہوئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت کی چیزیں رہتی تھیں، دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چمڑے کے تکیے سے جس میں کھجور



Marfat.com

کے پتے اور چھال بھری ہوئی تھی، ٹیک لگائے ہوئے ایک کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، حجرے میں ادھر اُدھر نگاہ ڈوڑائی، لیکن تین سُوکھے چمڑوں کے سوا دوسرا اثاث البیت نظر نہ آیا، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے تھے۔ اس منظر سے حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ میں کیوں نہ روؤں، جب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ (بستر نہ ہونے سے) چٹائی کے نشان پشت مبارک پر پڑ گئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا اثاث البیت میرے سامنے ہے، ادھر قیصر و کسریٰ ہیں، جو باغ و بہار اور عیش و آرام کے مزے لوٹ رہے ہیں اور حضور اللہ کے رسول ہیں اور ان سے بے نیاز ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے ابن خطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت میں لیں اور وہ دنیا میں؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ جی ہاں! بے شک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

## شہنشاہِ دوعالم کا بستر مبارک

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات، شہنشاہِ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے ہوئے تھے، پھر اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس چٹائی کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نرم بچھونا تیار کریں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرا دنیا کے آرام و آسائش سے کیا واسطہ؟ میں تو دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو ذرا دیر کسی درخت کے سایہ میں ٹھہر گیا ہو، پھر اسے چھوڑ کر چل کھڑا ہو۔ (۷۲)

## عملی نمونہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے عہد میں عدل و انصاف کے تمام تر تقاضوں کو عملاً پورا کرکے دکھایا اور اپنے اسوہ حسنہ سے انصاف کا ایک ایسا نظام پیش فرمایا کہ آج تک دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا بھی مطالعہ کریں، آپ کو ہر جگہ اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عدل و انصاف کی حکمرانی نظر آئے گی، جس میں چھوٹے بڑے، امیر و فقیر، شریف و وضیع اور سلطان و گدا کی کوئی تمیز باقی نہیں ہے، کیوں کہ اسلامی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ (۷۳)

## عہد نبویؐ میں حکمرانی کے اصول و ضوابط- حکومت ملکیت کے بجائے امانت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکمیت انسانی کی کلی نفی کردی آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق کہ حکم صرف اللہ کے لیے ہے حاکمیت کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دیا کوئی فرق کوئی خاندان اور کوئی قوم کلی اختیار کا مالک نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہی حکومتی ذمہ داریوں سے عہدہ براہ ہو سکتا ہے۔



Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی مملکت کے اصول و قوانین، نظام فوج داری کی تدوین، خارجہ پالیسی، بین الاقوامی تعلقات، سیاست کے پیچ وخم، معاشی بدحالیوں میں اپنا طریقہ کار، اقتصادی ناہمواریوں میں اپنا کردار، کفار کے ساتھ صلح وآشتی کے مواقع، دشمنوں کی صفوں کو پیوندِ خاک کرنے کی تدابیر، زمیوں کے ساتھ اسلامی سلطنت کا برتاؤ، مرتدوں کے ساتھ اسلام کا طرز عمل، جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک، غرض یہ کہ انسانی زندگی اور اسلامی سلطنت کا کوئی ایسا موڑ نہیں جہاں پر آپ نے حسنِ عمل سے حکمرانوں کی رہنمائی نہ فرمائی ہو۔

## قانون کی بالادستی

اسلام کے سیاسی نظام میں فرد کی حاکمیت کی بجائے شرعی قوانین کی بالادستی تسلیم کی گئی ہے۔ شرعی قوانین ہی حاکم مطلق کے احکامات کے آئینہ دار ہیں وہی تمام سیاسی اختیارات اور شہریوں کے حقوق وفرائض کا تعین کرتا ہے۔ قوانین کا اطلاق سب پر ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز روا نہیں رکھی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معیاری نظام عدل کو انسانیت کے سامنے پیش فرمایا اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام کے ذریعے مملکت کے ہر فرد کو حقوق کی ضمانت دی گئی ہے اور حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ مملکت کے ہر باشندے کی عزت وآبرو، مال وجائیداد، جسم وجان اور چادر وچاردیواری کے تحفظ کا اہتمام کرے اور عدل وانصاف کی بنیاد پر ہر اس شخص کے حقوق کی پاسداری کا بندوبست کریں، جو مملکت کا شہری ہے، ورنہ وہ نااہل تصور ہوں گے اور اپنی کوتاہیوں اور فرائض سے غفلت پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔(۷۴)

ترجمہ: " بلاشبہ اللہ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دو۔ اور جب لوگوں میں تصفیہ کرنے بیٹھو تو انصاف کے ساتھ تصفیہ کرو"۔

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں: آیت بالا میں لفظ " ناس" بھی غور کے قابل ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ اس انصاف کا لحاظ صرف مسلمانوں کے درمیان کرو، بلکہ فرمایا گیا کہ لوگوں کے درمیان کرو، جس میں مسلم اور غیر مسلم سب داخل ہیں، انصاف اور قانون کی نظر میں سب کو مساوات اور یکسانی حاصل ہے اور اسی سے اسلامی حکومت کی اصل خصوصیات نمایاں ہو سکتی ہیں"۔(۷۵)

چنانچہ حکومت اگر ایک جسم ہے، تو اس کے تمام ملازمین اور چھوٹے بڑے افسر اس کے اعضاء وجوارح ہیں، اگر حکومت کی کوئی مجسم شکل ہوتی تو اس کے ہاتھ، پیر، آنکھ، کان اور ناک وغیرہ یہی لوگ ہوتے، جو کانسٹیبل اور کلرک سے لے کر وزراء تک شمار ہوتے ہیں، حکومت کی اچھائی اور برائی انہی لوگوں کی اچھائی اور برائی سے ہوتی ہے، اگر عام لوگ ان سے اذیت اور دکھ محسوس کرتے ہیں تو حکومت بری



Marfat.com

کہلائے گی اور اگر عوام کو ان سے راحت و اطمینان حاصل ہو تو حکومت اچھی کہلائے گی۔(۷۶)

اسلام میں حکومت کا مطمح نظر ہی یہ ہے کہ انسانوں کے تمام مسائل و معاملات کو عدل و انصاف کے ساتھ انجام دیا جائے اور انہیں کتاب و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔(۷۷)

## کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں حد درجہ نرمی اور رافت تھی اور یہی وصف آپ اپنی امت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ نرمی کا ایک پہلو دوسرے کی کمزوری کا خیال اور اس کے ساتھ رعایت کرنا ہے۔ ضعیفوں کا لحاظ، خواتین کے مسائل کو ترجیحاً حل کرنا بھی نرمی ہی کا ایک انداز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کا امام بنے تو انہیں ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں بچے، بوڑھے، کمزور اور مریض بھی ہوتے ہیں۔ جب وہ اکیلا پڑھے تو جیسے چاہے پڑھ لے۔(۷۸)

جس طرح امامت صلوۃ ایک ذمہ داری ہے بعینہ اسی منصب پر فائز شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کے لیے آسانی اور یسر کے پہلو کو ہمیشہ مدنظر رکھے۔

## خدمت خلق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں خدمت و خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا آپ کو لوگوں کے حقوق کی بہت فکر رہتی تھی آپ کے نزدیک حاکم مخلوق خدا کا نگہبان ہے اور قیامت کے دن لوگوں کے حقوق کے بارے میں جواب دہ ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اور امام جو لوگوں پر حاکم ہے، نگہبان ہے اور اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کو نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال کیا جائے گا۔(۷۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰؓ اور معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا، آسانی کرو، مشکل نہ کرو۔ نفرت نہ دلاؤ اور آپس میں اتفاق رکھو اور اختلاف نہ کرو۔(۸۰)

## شفقت و نرمی

حکمران عوام کے لیے شفقت و محبت کا نمونہ ہونا چاہیے کیونکہ سختی سے بددلی پیدا ہوتی ہے جو کہ فساد اور بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی شفیق اور مہربان سربراہِ ریاست تھے ایک صحابی فرماتے ہیں، میں بچہ تھا اور درختوں پر پتھر مار کر کھجوریں کھایا کرتا تھا، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح سمجھایا " یاغلام لم ترمی النخل" (لڑکے تم کھجوروں کو پتھر کیوں مارتے ہو؟) میں نے کہا میں انہیں گرا کر کھالیتا



Marfat.com

ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پتھر پھینک کر گرایا نہ کرو البتہ نیچے پڑی ہو تو اسے کھا لیا کرو۔ یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "اللھم اشبع بطنہ" (اے اللہ اسے سیر شکم کر دے)۔(۸۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے خوش اخلاق تھے۔ ایک روز مجھے کسی ضرورت کے لیے بھیجا میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں نہ جاؤں گا اور میرے دل میں یہ تھا کہ جو حکم مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اس کے لیے ضرور جاؤں گا۔ پھر میں نکلا اور میرا گذر کچھ بچوں سے ہوا جو بازار میں کھیل رہے تھے۔ اتنے میں ناگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر کے بال پیچھے سے پکڑے۔ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستا پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انس تم وہاں گئے تھے جہاں میں نے تم کو بھیجا تھا۔ میں نے کہا ہاں جاؤں گا یا رسول اللہ۔(۸۲)

## اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس لیے آپ کی رحمت عام ہے۔ جس میں غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ عقیدے کا حصہ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسلامی مملکت میں حکومت کے لیے لازم ہے کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے ان کی دلجوئی کریں۔ اور ان کے مسائل کے حل کی طرف خصوصی طور پر توجہ دیں تاکہ ان کی اسلامی مملکت سے وفاداری مزید مستحکم ہو سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا وہ کمال درجے کی رواداری اور انسان دوستی کی مثال ہے۔ اس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ عدل وانصاف اور سماجی انصاف میں ان کے حقوق، مسلمانون کے حقوق کے مساوی ہوں گے۔(۸۳)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔(۸۴)

گویا ایک اسلامی ریاست میں عوام کے ہر طبقے کی رائے کا احترام ہونا چاہیے ان کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات اور برابری کا اصول لازمی ہے۔

## پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کے لیے چند اصول وضوابط اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

اگر ہمارے حکمران دنیا اور آخرت کی سعادتیں سمیٹنا چاہتے ہیں تو انہیں اس بات کا شعور ہونا چاہیے کہ حکمرانی کی جو عزت اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہے اس کو عبادت سمجھ کر استعمال کریں عوام کا اعتماد حاصل کریں اپنے فرض کو عبادت سمجھ کر انجام دیں اچھے کاموں کے ذریعے خدا کی خوشنودی حاصل کریں ملک میں بے روزگار طبقے اور تعلیم یافتہ جوانوں میں پائی جانے والی مایوسی اور بے چینی کو ختم کریں اپنے تعلقات کو غیر



Marfat.com

جانب دار رکھیں رشوت اور سفارش کی بناپر عہدے تقسیم نہ کریں خلقِ خدا میں مایوسی اور پریشانی پھیلانے کا باعث نہ بنیں مجرموں کی پشت پناہی نہ کریں اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہوں۔

## امانت داری اور دیانت داری کے جوہر سے آراستہ ہونا چاہیے

امانت داری اور دیانت داری ایسی صفت ہے جس کا براہ راست عوام کے حقوق سے تعلق ہے لہٰذا حکمران میں امانت داری اور دیانت داری کا پایا جانا ضروری ہے اسلامی تعلیمات میں اس کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے کیونکہ حکمرانی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے صحیح طریقے سے حکمرانی کرنا اور اسلامی قوانین کا اجرا کرنا امانت داری ہے۔

امانت داری اور دیانت داری کا تعلق قومی اور سرکاری خزانے سے بھی ہے یعنی عوام کے مال کو عوام ہی کی فلاح پر خرچ کیا جانا چاہیے جو حکمران سرکاری خزانے کو ذاتی تعیش پر خرچ کریں وہ ظالم ہیں حضرت علیؓ نے اشعث بن قیس کو مخاطب کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ:

"وان عملک لیس لک بطمعة ولکنه فی عنقک امانة"۔(۸۵)

ترجمہ: "یاد رکھ وزارت کا عہدہ تیرے کھانے اور پینے کا وسیلہ نہیں ہے بلکہ ایک امانت ہے جو تیری گردن پر ہے"۔

## خلقِ خدا کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہونا چاہیے

ہمارا جمہوری سیاسی نظام اس صورت میں بہترین نظام بن سکتا ہے جبکہ ہمارے حکمران اور صاحب اقتدار مدینہ کی اسلامی ریاست کے سربراہ کے حکومتی ڈھانچے کو سامنے رکھیں جو دیانت وامانت، فرض شناسی، احساس ذمہ داری اور خدمت خلق کا درس دیتی ہے۔ حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ہمہ وقت عوام کی خدمت کے لیے تیار رہیں لوگوں سے ایسا رویہ اختیار کریں جس سے لوگ اپنی حاجات ان کے سامنے پیش کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں حکمرانوں کے دروازے مظلوموں پر بند نہ ہوں حکمران صرف سرکاری گاڑیوں سرکاری پروٹوکول اور عہدے اور اختیار کے ناجائز استعمال کو اپنا منتہائے مقصود نہ سمجھیں بلکہ حکومتی اختیار کو اخلاقی تقاضوں اور انسان دوستی کے جذبات کے ساتھ انجام دیں کیونکہ اسلام میں معیار فضیلت اور عظمت تقویٰ ہے اور یہ معیار حاکم اور محکوم سب کے لیے یکساں ہے۔

## برداشت اور رواداری کا جذبہ ہونا چاہیے

برداشت کی ضد غضب ہے غضب میں انسان پریشان ہوکر خودکشی پر آمادہ ہوجاتا ہے جان ومال کے درپے ہوجاتا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری جان ومال ایک دوسرے کے لیے حرام ہے۔(۸۶)

جمہوریت میں اظہار رائے کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ لہٰذا حکمرانوں کے لیے لازم ہے کہ رواداری اور مفاہمت کا اصول اپنائیں۔ کیونکہ اختلاف رائے ایسے ہی معاشرے میں مفید ہوتا ہے جہاں حکمرانوں میں



Marfat.com

اتنی بردباری اور رواداری پائی جاتی ہو کہ دوسروں کے خیالات کو تحمل سے سنیں مثبت تنقید کا خیر مقدم کریں اور اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریں اور دلائل سے دوسروں کو اپنے نقطہ نظر کا قائل کریں۔ عوام کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھیں اور ان کے مسائل کو خندہ پیشانی سے سنیں اور انہیں حل کرنے کی کوشش کریں۔

## اعلیٰ اخلاق سے مذین ہونا چاہیے

حکومتی اہل کاروں کا فرض ہے کہ ریاست اور حکومت کے کاموں کو اخلاقی تقاضوں انسان دوستی کے جذبات کے ساتھ انجام دیں کمزورں، ضعیفوں اور مظلوموں کی حمایت کریں اور خداخوفی اور خداترسی کے جذبے سے مالا مال ہوکر لوگوں کی خدمت کریں کیونکہ اسی کا دوسرا نام اخلاق ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔(۸۷)

ترجمہ:" اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے"۔

## عادل ہونا چاہیے

حکمرانوں کو عدل وانصاف کے وصف سے آراستہ ہونا چاہیے کیونکہ عدل اللہ کو پسند ہے اور اس کے اسمائے حسنہ میں سے ایک نام عادل بھی ہے اسی لیے حکمران کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ ظلم وستم کو ختم کرکے عدل وانصاف کو قائم کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۔(۸۸)

ترجمہ: "اے داؤد ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا ہے لہٰذا آپ لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ حکومت کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سایہ الٰہی میں سے سب سے پہلے وہ لوگ جائیں گے جو اپنا حق ملنے پر اسے قبول کرلیتے ہیں اور دوسروں کا حق بخوشی دے دیتے ہیں۔

## صاحب علم اور صاحب بصیرت ہوں

ہمارے حکمرانوں کو صاحب علم ہونا چاہیے کیونکہ علم انسان کے قلب کو سرور، آنکھوں کو نور اور ذہن کو جلا بخشتا ہے نیکی، بدی، ظلم وعدل سچ اور جھوٹ کا فرق علم ہی سکھاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کو سیاسی بصیرت کے جوہر سے آراستہ ہونا چاہیے اور سیاسی امور کو عبادت سمجھ کر انجام دینا چاہیے حسن تدبر اور فراست ایسے جوہر ہیں جو صحیح امور کی انجام دہی کا باعث بنتے ہیں۔

اگر حکمران صاحب تدبیر اور صاحب فراست ہے تو عوام کو کبھی پریشانی نہیں ہوتی۔

## عوام کے ساتھ مساویانہ سلوک کرنا چاہیے

حکمرانوں کے لیے لازم ہے کہ قانون کی نظر میں عوام اور خواص کو برابر سمجھیں قانون کی عمل



Marfat.com

داری اور قانون سب کے لیے برابر ہو کسی سے کسی تعلق یاقرابت کی بناء پر کوئی امتیاز نہ برتا جائے اپنے پرائے، چھوٹے بڑے، امیر وغریب کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں الگ الگ حقوق کی کوئی گنجائش نہیں جو حق ہے وہ سب کے لئے حق ہے جو جرم ہے وہ سب کے لیے جرم ہے جو گناہ ہے وہ سب کے لیے گناہ ہے جو حرام ہے سب کے لیے حرام ہے۔

عدالت میں ایک یہودی اور حضرت علیؓ کو برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر کیا عظیم منشور انسانی پیش کرتے ہیں فرمایا: لوگو! خبردار ہو تم سب کا اللہ ایک ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ تعلیمات تھیں جن پر چل کر مسلمانوں نے عملاً ایک عالمگیر اور روشن خیال معاشرہ قائم کر کے دکھادیا اور دنیا کو ماننا پڑا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر نسل کے لوگ اکٹھے کر کے محض ایک عقیدے کی بناء پر انہیں ایک امت بنا سکتا ہے۔(۸۹)

## جائز وناجائز اور حلال وحرام کی تمیز ہونی چاہیے

ہمارے ہاں قانون کا نفاذ اور سزا صرف غریب اور کمزور طبقے کے لیے ہے جب کہ طاقتور اور حکومتی عہدوں پر فائز ہر قانون سے بری وذمہ اور جائز وناجائز اور حلال وحرام کی تمیز سے بالاتر ہیں عوام پر ٹیکسوں کا بے جا بوجھ ڈال کر اپنی تجوریاں بھرنے والے خود کو ہر گرفت سے آزاد سمجھتے ہیں عوام بے بس اور ملک کی جڑیں کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں لہٰذا نظام مملکت چلانے کے لیے حلال وحرام کی تمیز اور بااختیار طبقہ کی اصلاح ضروری ہے یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب قانون سازی کو مکمل طور پر اللہ کی مشیت کے آگے سرنگوں کیا جائے۔

یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ حلال وحرام اور امر ونواہی کی حدیں مقرر کرے جب حکمرانوں میں حلال وحرام کی تمیز کا احساس ہو جائے گا تو حرام کمائی سے بچا جا سکے گا۔

## حکومتی سطح پر سادگی کو فروغ دیا جانا چاہیے

اسلام سادہ اور فطری اسلوب زندگی کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حاجت مندوں اور مصیبت زدہ لوگوں کو خیرات دینے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن اسراف اور دولت کی نمائش سے روکتا ہے اور میانہ روی اور سادگی کا حکم دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فضول خرچی نہ کرو اور فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے"۔(۹۰)

اگر ہمارے حکمران تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اپنے فرائض انجام دیں تو درجہ ذیل فیوض وبرکات اور ثمرات کے حامل ہوں گے



Marfat.com

اگر تقویٰ امانت داری احتساب نفس اور خوف خداوندی کے جذبے سے سرشار ہوں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اورآخرت کی کامرانیوں اورسعادتوں سے سرفراز کرے گا۔

جذبہ حب الوطنی، امانت داری اور دیانت داری اوراجرِ آخرت کو سامنے رکھ کر فرائض انجام دیں گے عوام کاخیال رکھیں گے توعوام کے دلوں کوجیت کر ان کی دعاؤں کے مستحق بنیں گے کیونکہ جوخلق خدا کی خدمت کرتا ہے یقیناً خدا اس سے راضی ہوتا ہے۔

اگر حکمران سیاست کوعبادت سمجھ کر احکام الٰہیہ کی روشنی میں اپنے فرائض اداکریں گے تو سکون قلب اور اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔

یہ حقیقت مدنظر رکھیں گے کہ ہمارا ملک ہمارے گھر کی طرح ہے اس کی ہرچیز امانت ہے اگرہم اس امانت کی حفاظت کریں گے توعوام میں ہمارااعتماد اور بھروسہ بڑھے گا وہ ہم سے خوش ہوکر دوبارہ ہمیں خدمت کاموقع دیں گے۔

امانت داری اوردیانت داری سے کیا ہواکام حکمران کی عزت کو بڑھاتا ہے اچھے کام کرنے والے اچھے ہی ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں تاریخ ایسے لوگوں کے لیے عقیدت واحترام کے لیے ایوان کھولتی ہے اوران کانام تاریخ کی پیشانی پر امانت داری اوردیانت داری کے حوالے سے زندہ اور جاوید رہتا ہے۔

اچھے کام انجام دینے والے ملک وقوم کی خدمت کرنے والے عدل وانصاف کی روح کو قائم کرنے والے مساوات کابول بالا کرنے والے سچ اور جھوٹ کے فرق کوختم کرنے والے ہمیشہ اپنے ضمیر کی عدالت میں سرخرو رہتے ہیں اوراللہ کی مدد بھی ان کے شامل حال رہتی ہے۔

ارباب اختیار اگرسیاست میں آکر خدمت، محنت، عدل قانون کی حکمرانی کو اپنا شعار بنالے تو ہمارا خطہ پاکستان جنت کانمونہ پیش کرسکتا ہے۔

## تجاویز وسفارشات

حکمرانوں کوبہترین حکومت چلانے کے لیے خود احتسابی احساس ذمہ داری اورخدااوررسول کے قانون کو صحیح معنوں میں لاگوکرناچاہیے جہاں قانون کی حکمرانی ہوگی وہاں عوام کے حقوق خود بخود محفوظ ہوجائیں گے۔

رشوت اور بدعنوانی کے خاتمے کے لیے ذرائع ابلاغ کے ذریعے علمائے کرام اس برائی کے خلاف جہاد کریں اور ارباب اختیار کواحساس دلائیں کہ اس ظلم کا سدباب ہونا چاہیے۔

ارباب اختیار کو ذمہ داری کااحساس دلانے کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی باشعور ہونا چاہیے تاکہ حکمرانوں کواندازہ ہو کہ ان کے غلط کاموں کی سزا انہیں اگلے الیکشن میں بھگتنی پڑے گی۔

سیاسی استحکام کے لیے اسلامی احکامات پر عمل پیراہونا ضروری ہے کیونکہ نظریہ حیات سے سچی



Marfat.com

وابستگی مسائل کا حل ہے۔

معاشی استحکام کے لیے ایک متوازن معاشی ڈھانچہ ترتیب دیا جائے تا کہ عوام کو غربت وافلاس اور مہنگائی کی ذلت سے نجات ملے۔

تجزیہ نگاروں، صحافیوں اور دانش وروں کو حکومت کے کاموں پر کڑی نگاہ رکھنی چاہیے اور غلط کاموں کو تنقید کا نشانہ بنانا چاہیے تا کہ برائی کی حوصلہ شکنی ہو۔

ہمارے جمہوری نظام میں صرف چہرے بدلتے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ سوچ بدلی جائے تا کہ عوام کے مسائل کی چارہ گری ہو سکے۔

فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے حکومتی سطح پر اتحاد بین المسلمین کو فروغ دینا چاہیے اور عدل وانصاف کی حکمرانی ہونی چاہیے تا کہ انصاف کا حصول ہر خاص وعام کے لیے سہل ہو جائے۔

## خلاصہ بحث

دنیا کے ہر سیاسی نظام میں "مقتدر اعلیٰ" کا تصور کسی نہ کسی حیثیت میں موجود ہوتا ہے اسلام کا سیاسی نظام دنیا کے تمام نظاموں سے افضل، اعلیٰ، قابل تقلید اور قابل مثال ہے کیونکہ اس میں اقتدار اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے جو کائنات کا مالک ہے، جو رب العالمین ہے طاقت وسروری صرف اسی کی ذات کو زیبا ہے اس کے علاوہ کسی کو حق حاصل نہیں حکمران کا فرض ہے کہ اموری مملکت کو احکامات الٰہیہ کی روشنی میں سرانجام دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیئیس سالہ دور تمام دنیا کے لیے ایک روشن مثال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے احکامات قرآن پر عمل کیا اور امور مملکت میں جتنے امور انجام دیے حکم الٰہی کے مطابق انجام دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جمہوری نظام کی بہترین مثال ریاست مدینہ میں پیش کردی اور امور حکومت کو چلانے کے لیے حکمرانوں کو بنیادی اصول بھی دے دیے حاکم اور محکوم کے تعلقات رعایا کے حقوق کس طرح محفوظ ہو سکتے ہیں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے یہ سب اصول سکھا دیے نیز ریاست کے دفاع مالی معاملات اور خارجہ پالیسی کے اصول بھی سکھا دیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ حب مال اور حب اختیار اور حب منصب ایسی چیزیں ہیں جو دین کو خراب کرتی ہیں لہٰذا ان کا استعمال احکامات الٰہیہ کے دائرے میں ہونا چاہیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت یعنی (صحابہ کرامؓ) نے بھی اپنی سیرت اور اپنے کردار کے ذریعے امانت اور دیانت خلق وایثار جود وسخا عوامی خدمت صبر اور عدل وانصاف کی ایسی روشن مثالیں قائم کیں جن سے ہمارے معاشرے کا انسان روشنی پا کر اپنے عمل کو درست کر سکتا ہے۔



Marfat.com

## حواشی وحوالہ جات


۱۔ سورہ شوریٰ آیت نمبر ۳۸۔
۲۔ بشیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، تجلیات رسالت، لاہور مکتبہ زاویہ، ۱۹۹۹ء ص ۴۳۷۔
۳۔ سورہ نساء آیت نمبر ۶۴۔
۴۔ آکسفوڈ، انگلش ڈکشنری، ص ۲۷۰۔
۵۔ جاوید اقبال، جمہوری سیاسی نظام، علمی کتب خانہ اردو بازار لاہور، ۱۹۹۹، ص ۸۰۔
۶۔ ڈاکٹر مصطفی صبائی، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص ۹۴۔
۷۔ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، الفیصل ناشران لاہور، ج ۷، ص ۴۱۔
۸۔ اسحاق صدیقی، مولانا، اسلام کا نظام سیاست، مجلس دعوت تحقیق اسلامی، بنوری ٹاؤن کراچی ص ۸۰۔
۹۔ سورہ الکہف آیت ۱۸۔
۱۰۔ سورہ رحمان آیت نمبر: ۲۴۔
۱۱۔ امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الامارہ اسلامی کتب خانہ لاہور رقم ۳۱۲۳۔
۱۲۔ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۳۔
۱۳۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۸۔
۱۴۔ سورہ حجرات آیت نمبر ۱۱۔
۱۵۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۳ کتاب الاحکام رقم ۳۱۲۳۔
۱۶۔ امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الامارہ، رقم ۱۲۳۰۔
۱۷۔ احسن المحاضر ج ۲ ص ۱۔
۱۸۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۶۔
۱۹۔ سورہ کافرون آیت نمبر ۶۔
۲۰۔ سورہ یونس آیت نمبر ۹۹۔
۲۱۔ سورہ مائدہ آیت نمبر ۴۸۔
۲۲۔ سورہ مجادلہ آیت نمبر ۲۰۔
۲۳۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۴۔
۲۴۔ سورہ نور آیت نمبر ۲۷۔
۲۵۔ سورہ نساء آیت نمبر ۴۸۔
۲۶۔ سورہ انعام آیت نمبر ۱۰۸۔
۲۷۔ سورہ عنکبوت آیت نمبر ۲۰۔
۲۸۔ نیل الاوطار، ج ۸ ص، ۱۳۹۔
۲۹۔ سورہ ززمر آیت نمبر ۹۔




Marfat.com

۳۰۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع صحیح، کتاب الاحکام رقم ۲۱۳۰۔
۳۱۔ سورہ الذریات آیت نمبر ۱۹۔
۳۲۔ ابو الحسن، ماوردی، الاحکام السلطانیہ، کراچی، محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب ص ۲۴۴۔
۳۳۔ سورہ حج آیت نمبر ۴۱۔
۳۴۔ سورہ حج آیت نمبر ۴۱۔
۳۵۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۱۰۔
۳۶۔ سورہ نساء آیت نمبر ۵۸۔
۳۷۔ سورہ انبیا آیت نمبر ۱۰۵۔
۳۸۔ سورہ شوریٰ آیت نمبر ۳۸۔
۳۹۔ برحان الدین، اسلام اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، ص ۷۰۔
۴۰۔ خطاب قائد اعظم، فروری ۱۹۸۴۔
۴۱۔ ایضاً۔ اسلامیہ کالج پشاور ۱۳ فروری ۱۹۴۸۔
۴۲۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۳۶۰۔
۴۳۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبع اسعادۃ، مصر، ص ۱۳۵۔
۴۴۔ طبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن احمد المعجم الکبیر، دارالحیاء التراث الکبری، ۱۹۸۳۔
۴۵۔ .king of corruption, 06,2011
۴۶۔ .tribute.com.pk story 480473
۴۷۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، رقم ۲۱۳۲۔
۴۸۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۲۔
۴۹۔ سعید احمد رفیق، مسلمانوں کا نظام تعلیم، آرام باغ، کراچی، ۱۹۶۲، ص ۵۱۔
۵۰۔ محمد قطب، اسلام کا نظام تربیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۶۔
۵۱۔ امام محمد بن مسلم، صحیح مسلم، کتاب الامارہ، رقم ۲۱۰۳۔
۵۲۔ سورہ نحل آیت نمبر ۹۰۔
۵۳۔ سورہ حدید آیت نمبر ۲۵۔
۵۴۔ سورہ نساء آیت نمبر ۵۸۔
۵۵۔ حاکم المستدرک ص ۲۷۱۔
۵۶۔ تجلی حکمران کے اختیار واقتدار کے لیے ص ۳۸۳ تا ۳۸۵۔
۵۷۔ نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقا، ص ۳۵۔
۵۸۔ ابوالحسن علی ندوی، مولانا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، کراچی ص ۶۶۔
۵۹۔ نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں ریاست کا نشورارتقا لاہور ص ۲۷۔
۶۰۔ سورہ روم آیت نمبر ۴۱۔




Marfat.com

۶۱۔ سورہ اسرائیل آیت نمبر ۲۹۔
۶۲۔ بیہقی، شعیب الایمان، ج ۵، ص ۶۲، رقم ۶۶۰۱۔
۶۳۔ الجامع صحیح، بخاری، کتاب الحق الضیف ج ۵ ص ۲۳۷۲ رقم ۵۷۸۳۔
۶۴۔ یثاق مدینہ کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھئے ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، دارالفکر ۱۱۹، ۲، ۱۲۰، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، بیروت، دارلمعرفہ ۱۹۶۹ء ۲۲۸۔
۶۵۔ سورہ نساء آیت نمبر ۶۴۔
۶۶۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۸۱۔
۶۷۔ ابن ہشام، سیرۃ النبویہ، دارالفکر بیروت، ج ۱، ص ۲۰۹۔
۶۸۔ محمد حسین ہیکل، حیات محمد، ص ۲۸۱۔
۶۹۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل، لاہور، الفصیل ناشران، ص ۳۶۰۔
۷۰۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۸۲۔
۷۱۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبویؐ، لاہور، الفصیل ناشران، ص ۴۳، ۴۴۔
۷۲۔ ایضاً۔
۷۳۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی، السنن شمارہ ۲۳ اگست ۲۰۱۲، ص ۴۱۔
۷۴۔ بحوالہ پروفیسر عبدالجبار شیخ، سیرت مجمع کمالات، ص ۲۶۰۔
۷۵۔ سورہ نساء آیت نمبر ۴۱۔
۷۶۔ سید سلیمان ندوی، علامہ، اسلام میں عمال حکومت اوران کی ذمہ داریاں، ص ۹۔
۷۷۔ ایضاً حوالہ سابقہ ص ۹۔
۷۸۔ ایضاً۔ ص ۱۰۔
۷۹۔ بحوالہ ابن ہشام، سیرت النبی، ج ۲، شیخ بشیر اینڈ سنز، اردوبازارلاہور، ص ۲۷۱۔
۸۰۔ مشکوٰۃ۱۸۸، ۲۔
۸۱۔ مشکوٰۃ ۲ باب علی لولاۃ من الولاۃ۔
۸۲۔ ابو داؤد، کتاب الجہاد رقم الحدیث ۲۲۹۰۔
۸۳۔ مشکوٰۃ۔ ص ۲۱۲ حیاۃ المسلمین ص ۱۷۰۔
۸۴۔ تقی امینی مولانا، عروج وزوال کاالٰہی نظام، مکی دارالکتب لاہور ۱۹۹۷ ص ۱۰۰۔
۸۵۔ الجامع صحیح بخاری، کتاب الامارہ۔
۸۶۔ نہج البلاغہ، باب ومن کتاب لہ علیہ السلام الی اشعث بن قیس عامل اذربیجان، الجزاء ۳ ص ۶۔
۸۷۔ سنن ابو داؤد ج ۳ ص ۳۹۰۔
۸۸۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۳۴۔
۸۹۔ سورہ ص آیت نمبر ۲۶۔
۹۰۔ رحمت للعالمین ص ۸۷۔۸۹۔




Marfat.com

Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر حفصہ نسرین *

تحریک پاکستان کی روح اور اس کے پس منظر میں کارفرما جذبہ خالصتاً دینی تھا۔ مسلمانان برصغیر تن، من، دھن کی قربانی دے کر قائداعظم کے ساتھ اسی لیے چل دیے کہ انھوں نے مسلمانانِ ہند کے لیے ایسے وطن کا قیام اپنا ہدف ٹھہرایا تھا جو اسلامی قوانین و اسلامی اقدار کی بنیاد پر قائم ہونے والا تھا۔ جہاں دین اسلام کو نافذ ہونا تھا۔ بے شمار دینی و ملی اکابرین کی احیائی و تجدیدی فکر دو قومی نظریے میں ڈھلی اور بالآخر پاکستان بن گیا۔ اس مملکت خداداد میں دینِ اسلام کی حدود و قیود، اس کے نظامِ حیات کے تحت زندگی بسر کرنے کا جذبۂ مسلمانی محرّک تھا مذہب کے نام پر اتنی بڑی ہجرت کا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخِ عالم قاصر ہے۔ لُٹے پِٹے مہاجر بے شمار قربانیاں دے کر اسی آس میں یہاں آن بسے کہ یہاں اسلامی نظام رائج ہو گا۔

یہ ساری تحریک اور جدوجہد متقاضی تھی اس امر کی کہ ملک کا تمام یعنی سیاسی، معاشی ومعاشرتی نظام اسلام کے عین مطابق ڈھالا جاتا لیکن عملاً ایسا نہیں ہوسکا۔ اسلام کے نام پر بننے والی اس مملکت میں آج مغربی جمہوریت بطور سیاسی نظام رائج ہے۔ ریاست کو اسلامیانے کے لیے ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسلام کو ملک کا ریاستی دین قرار دیا گیا۔ اس آئین میں ایسی شقیں موجود ہیں جو حاکمیت الٰہیہ اور اقتدار اعلیٰ کے اسلامی تصور کی عکّاس ہیں۔ تو پھر ایک سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس ملک میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام اسلامی تعلیمات، جو بجاطور پر مکمل ضابطہ حیات ہیں، کے مطابق ہے یا نہیں۔ اسلام جو نظامِ حکومت پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ جمہوری و شورائی ہے لیکن کیا یہ وہی جمہوریت ہے جو مغرب میں رائج ہے اور جس کی پیروی بلکہ نقالی ہم کررہے ہیں؟ مقالہ ھٰذا میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔ مقالے میں اس انتہائی وسیع موضوع کے ایک پہلو اسلام کے تصور جمہور یعنی شوریٰ کی اہمیت اور ارکانِ شوریٰ کے معیارِ اہلیّت کا موجودہ مروجہ جمہوری نظام اور عصرِ جدید کے ارکانِ شوریٰ یعنی وزراء و مشیران (اولو الامر) وغیرہ کے معیار اہلیّت کا ایک تقابلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ مقالہ دو حصوں میں منقسم ہے۔

---

* سینئر مدیر شعبہ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور



Marfat.com

حصہ اوّل میں آئینِ پاکستان اور پاکستان کے مروجہ سیاسی نظام کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں شوریٰ کے حوالے سے آنجنابؐ کی تعلیمات اور تعامل خلفائے راشدین کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اختتامیہ میں ماحصل و سفارشاتِ مقالہ پیش کی گئی ہیں۔

## حصہ اوّل

آئین پاکستان کے مطابق مملکتِ پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہے[۱]۔ چونکہ پاکستان کے جمہور کی منشا ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔۔۔۔ اور چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا وہ ایک مقدس امانت ہے[۲]۔

آئین کے آرٹیکل (۲-الف) کے مطابق قرارداد مقاصد مستقل احکام کا حصہ ہوگی اور قرارداد مقاصد میں حکمرانی کے جو اصول بیان کیے گئے ہیں ان کے مطابق: اللہ تعالیٰ کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمائے ہیں۔ چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے جس کی رُو سے مملکت جملہ حقوق و اختیاراتِ حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے سے استعمال کرے گی اور جس کی رُو سے اصول جمہوریت، حریّت، مساوات، رواداری، عدل اور حکمرانی کو، جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔ جس کی رُو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر خود کو اسلامی تعلیمات کے مطابق، جو قرآن و سنت میں متعیّن ہیں تربیت دے سکیں[۳]۔

آئین کے مطابق اختیاراتِ حکمرانی عوام کے منتخب کردہ نمائندوں یعنی دونوں ایوانوں (پارلیمنٹ اور سینٹ)، اور صوبائی اسمبلیوں کے وزراء کے ہاتھوں میں ہیں۔ پارلیمنٹ وہی ادارہ ہے جسے اسلامی اصطلاح میں مجلس شوریٰ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا آئین پاکستان میں اراکینِ مجلس شوریٰ کی اہلیت کے لیے لازمی شرائط شامل ہیں۔ چنانچہ آئین کے آرٹیکل ۶۲ کے مطابق کوئی شخص رکن مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) منتخب ہونے یا چُنے جانے کا اہل نہیں ہوگا اگر وہ

- اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور عام طور پر احکامِ اسلام سے انحراف میں مشہور ہو۔
- اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔
- سمجھدار، پارسا، ایماندار اور امین نہ ہو، فاسق ہو۔



Marfat.com

* کسی اخلاقی پستی میں ملوّث ہونے یا جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں سزایافتہ ہو۔
* اس نے قیامِ پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت کے خلاف کام کیا ہو یا نظریہ پاکستان کی مخالفت کی ہو۔[۴]

آرٹیکل ۶۳ کے مطابق کوئی شخص مجلس شوریٰ کے رکن کے طور پر منتخب ہونے کا اہل نہیں ہوگا اگر۔۔۔۔

* وہ پاکستان کی ریاست میں کسی منفعت بخش عہدے پر فائز ہو ماسوا ایسے عہدے کے جسے قانون کے ذریعے ایسا عہدہ قرار دیا گیا ہو جس پر فائز شخص نااہل نہیں ہوتا۔ یا
* اگر وہ ایسی آئینی ہیئت یا کسی ایسی ہیئت کی ملازمت میں ہو جو حکومت کی ملکیت یا اس کے زیر نگرانی ہو یا جس میں حکومت تعدیلی حصہ یا مفاد رکھتی ہو۔
* وہ کسی ایسی رائے کی تشہیر کررہا ہو یا کسی ایسے طریقے پر عمل کررہا ہو جو نظریہ پاکستان یا پاکستان کے اقتدار اعلیٰ، سالمیت یا سلامتی یا اخلاقیات، یا امن عامہ کے قیام یا پاکستان کی عدلیہ کی دیانتداری یا آزادی کے لیے مضر ہو، یا جو پاکستان کی مسلح افواج یا عدلیہ کو بدنام کرنے یا اس کی تضحیک کا باعث ہو۔
* کسی مجاز سماعت عدالت کی طرف سے فی الوقت نافذ العمل کسی قانون کے تحت بدعنوانی، اخلاقی پستی یا اختیار یا اتھارٹی کے بے جا استعمال کے جرم میں سزایاب ہو چکا ہو۔ یا
* وہ پاکستان کی صدارت یا وفاقی حکومت، صوبائی حکومت یا کسی مقامی حکومت کی طرف سے قائم کردہ یا اس کے زیر اختیار کسی کارپوریشن یا دفتر کی ملازمت سے غلط روی یا اخلاقی پستی کی بنا پر برطرف کردیا گیا ہو۔ یا
* وہ پاکستان کی ملازمت یا وفاقی حکومت، صوبائی حکومت یا کسی مقامی حکومت کی طرف سے قائم کردہ یا اس کے زیرِاختیار کسی کارپوریشن یا دفتر کی ملازمت سے غلط روی یا اخلاقی پستی کی بنا پر ہٹا دیا گیا ہو یا جبری طور پر فارغ کردیا گیا ہو۔
* وہ خواہ بذاتِ خود یا اس کے مفاد میں یا اس کے فائدے کے لیے یا اس کے حساب میں یا کسی ہندو غیر منقسم خاندان کے رکن کے طور پر کسی شخص یا اشخاص کی جماعت کے ذریعے کسی معاہدے میں کوئی حصہ یا مفاد رکھتا ہو، جو انجمن امداد باہمی اور حکومت کے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہو، جو حکومت کو مال فراہم کرنے کے لیے، اس کے ساتھ کیے ہوئے کسی معاہدے کی تکمیل یا خدمات کی انجام دہی کے لیے ہو۔[۵]

اسی طرح ۲۰۰۲ء کے لیگل فریم ورک آرڈر میں شامل شدہ نئی شقوں کے بعد آرٹیکل ۷۔۶۳ تحتی کلاز (۹) کے مطابق "ایک شخص مجلس شوریٰ کا رکن ہونے کے لیے اہل نہیں ہوگا اگر اس نے کسی بنک، مالیاتی ادارے، کوآپریٹو سوسائٹی، یا کوآپریٹو باڈی سے ۲ ملین روپوں یا اس سے زیادہ کا قرضہ اپنے



Marfat.com

نام پر اپنی بیوی کے نام پر یا اپنے زیرِ کفالت کسی شخص کے نام پر حاصل کیا ہوگا اور ایسا قرضہ مقررہ تاریخ گزرنے کے بعد ایک سال سے زائد عرصہ کے لیے غیر ادا شدہ رہا ہوگا یا اس نے اس قرضے کو قلم زدہ کرایا ہوگا۔

تحتی کلاز (ہ) میں کہا گیا ہے کہ وہ اس صورت میں بھی مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن ہونے سے نااہل ہوگا اگر وہ یا اس کی بیوی یا زیرِ کفالت کسی شخص نے حکومت کے واجبات اور یوٹیلٹی اخراجات کی مد میں ڈیفالٹ کیا ہوگا۶۔

آئین پاکستان کی روشنی میں پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا تجزیہ ثابت کرتا ہے کہ یہ نظام آئین پاکستان سے بالکل ہٹ کر ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ اس مغربی جمہوریت کے مطابق بھی نہیں جس کی قصیدہ خوانی کی جاتی ہے۔اہلِ مغرب Democracy کی تعریف یوں کرتے ہیں:

A state or community in which the government is vested in the poeple as a whole.(7)

ہمارے ملک میں رائج جمہوریت کی تعریف یوں ہوگی:

...a government vested in some people for their own benefits.

The World Book Encyclopedia کا مقالہ نگار جمہوریت کے اہم خد و خال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”جمہوریت سے مراد ہے رشوت ستانی اور طاقت کے زور کے بغیر حاصل ہونے والی طاقت و اقتدار،،۸۔

ہماری سیاست کا موجودہ نقشہ تو کوئی اور ہی منظر پیش کرتا ہے۔یہاں کاغذات نامزدگی جمع کرانے کی بنیادی شرطوں کی تکمیل جعلی ڈگریاں لگا کر کی جاتی ہے۔نتیجہ یہ کہ انتخابات ہونے کے بعد یعنی ملک کا اتنا سرمایہ لگنے کے بعد یکایک پتہ چلتا ہے کہ ایم این اے کی ڈگری ہی جعلی ہے۹۔لہٰذا وہ نشست خالی ہوجاتی ہے اور سرکاری خزانے پر ایک نیا بوجھ ری-الیکشن کی شکل میں آن پڑتا ہے۔ملک کے سابقہ صدر کا قریبی ساتھی اور معتمد علیہ ٦ سرکاری ایمبولینسوں کو بطور پبلک ٹرانسپورٹ چلاتا اور نفع اندوزی کرتا ہے۱۰۔ملک کی ایک بڑی سیاسی جماعت، جس کے ایم این اے اور ایم پی اے حب الوطنی کا راگ الاپتے رہتے ہیں، ملک کے سب سے بڑے دشمن سے اس ملک خداداد میں فساد برپا کرنے کے لیے ۸ لاکھ پاؤنڈ سالانہ فنڈ لیتی ہے۱۱۔ملک کے ایک سابقہ وزیراعظم سیلاب زدگان کی امداد کے لیے دیے گئے ترکی کی خاتون اول کے تحفے کو ذاتی ملکیت سمجھ کر گھر لے جاتے ہیں اور پانچ سال بعد بھرپور دباؤ کی وجہ سے واپس کرتے ہیں اور ان پر اعتبار کا یہ عالم کہ نادرا اس ہار کی جانچ پرکھ کے لیے فورنزک لیب کی خدمات حاصل کرلیتا ہے۱۲۔فش ہاربر کے سکینڈل میں یہ چشم کشا امر سامنے آتا ہے کہ اس شعبے میں بھتّہ وصول ہورہا ہے جس کا ۷۰ فی صد بلاول ہاؤس جاتا ہے۱۳یعنی ملک کی ”قیادت نو،، کے ہاں۔اسی طرح پاکستان



Marfat.com

کی نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کا عزم لیے حلف لے کر اقتدار سنبھالنے والوں کو یہ علم ہی نہیں ہونے پاتا کہ ملک کی درسی کتب میں صوبوں کے نقشے آئین میں درج صوبوں سے زیادہ ہوگئے ہیں۔ ان میں سرائیکستان اور ہزارہ صوبے کا نقشہ بھی چھپا ہوا ہے جس کا آئین میں کوئی ذکر نہیں اور صوبائی وزیر تعلیم صاحب اس سے یکسر انجان ہیں[۱۴]۔

رائج الوقت جمہوریت مغربی تصور کے عین مطابق اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ لہٰذا حاکمیت الٰہیہ کی بجائے قانون کا سرچشمہ عوام کی منشا ہے، مذہب اور سیاست لفظوں کی حد تک یکجا لیکن عملاً بالکل الگ تھلگ اور ان دونوں امور کا لازمی نتیجہ مادر پدر آزادی جسے جمہوری حق کہہ کر عوام کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تھما دیا گیا ہے اور اس کے تحت ہر جائز و ناجائز عمل روا۔ سیاسی آزادی کے نام پر عوام کو آزادی ہے جس کے خلاف مرضی تحریک چلائیں، احتجاج کریں۔ مظاہرے، سنگ باری، جلاؤ گھیراؤ، سرکاری اِملاک پر قبضہ اور توڑ پھوڑ سبھی عوام کا جمہوری حق ہیں۔ اس نظام کی سب سے بڑی قباحت پارٹی سسٹم ہے جس کے تحت پارٹی کا مفاد مقدم ہے پارٹی کے ارکان ایک دوسرے کا دفاع کریں گے خواہ غلط امور میں ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

انتخابات میں کھڑے ہونے کے لیے پارٹی کے سربراہ سے ٹکٹ لینے سے انتخاب جیتنے تک ہر جگہ پیسے کا استعمال ہوتا ہے۔ انتخاب جیتنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں اور پھر جب کثیر مقدار میں روپیہ صرف کرکے ایک شخص برسراقتدار آتا ہے تو جی بھر کے ملکی خزانے کو لوٹتا ہے تاکہ پچھلی رقم بھی حاصل کرے اور اگلے انتخاب کے لیے بھی جیب بھری ہوئی ہو۔ نیز پیسے کی بنا پر ایسے لوگ ارکانِ شوریٰ بن جاتے ہیں جو احادیث و آثار اور آئینِ پاکستان کے مطابق اس کے اہل نہیں ہوتے۔

آئین کہتا ہے کہ ارکان مجلس شوریٰ دین کا فہم و ادراک رکھنے والے صاحب بصیرت لوگ ہونگے اور اسمبلی [وسینٹ] کا منظر یہ ہے کہ اکثریت ناظرہ سورہ اخلاص پڑھنے سے بھی بے بہرہ! یہ ہے موجودہ جمہوری سیاسی نظام کا چہرہ۔

## حصہ دوم

قرآن و سنت میں نظام حکمرانی کے لیے کوئی طے شدہ طریقہ، جسے ہم لگا بندھا اصول کہہ سکیں، نہیں دیا گیا۔ آنجنابؐ اسلامی ریاست کے فرمانروا تھے۔ آپؐ نے اپنی جانشینی کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ علالت کے ایّام میں اگرچہ امامت کی ذمہ داری سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو سونپ دی تھی لیکن بطور خلیفہ اِن کو نامزد نہیں فرمایا کیونکہ آپؐ اسلام کی شورائی روح کو مجروح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ویسے بھی آپؐ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں جس قسم کے لوگ تیار ہوئے تھے وہ اس امر کا خوب فہم و ادراک رکھتے تھے کہ



Marfat.com

تعلیمات و روحِ اسلام کے مطابق کس قسم کی حکومت قائم ہونی چاہیے۔

وصالِ نبویؐ کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت پر بحث جاری تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت عمرؓ بن الخطاب کو نامزد کیا کہ ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر فرمایا آپ بزرگ ہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ یوں پہلے خلیفۂ اسلام کا تقرر ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایامِ علالت میں حضرت عمرؓ کو نامزد کیا اور اس حوالے سے کبار صحابہ سے مشورے کیے۔ بعدازاں وصیت لکھوائی جسے مجمع عام میں مسجدِ نبوی میں پڑھ کر سنایا گیا اور لوگوں نے بالاتفاق اصرار کیا کہ وہ حضرت عمرؓ کی بات سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے۔۱۵

حضرت عمرؓ مجروح ہوئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو صحابہؓ نے ان سے جانشینی کی درخواست کی۔ انھوں نے ایک چھ رکنی کمیٹی تشکیل دے دی جس میں حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف شامل تھے۔ سبھی حضرات کی خدمات برائے دینِ اسلام مسلمہ تھیں۔ آپؓ نے فرمایا ان چھ افراد میں سے جس کی خلافت پر کثرتِ رائے سے اتفاق ہو جائے اسے امیر بنانا اور اس کے بعد اگر کوئی اور خلافت کا دعویٰ کرے تو اسے قتل کر دینا۔ ان میں سے حضرت عثمانؓ کے نام پر اتفاق ہوگیا اور وہ خلیفہ بنے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد اکابر صحابہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور درخواست کی وہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوں۔ انھوں نے انکار فرمایا اور کہا کہ یہ تم لوگوں کا کام نہیں بلکہ یہ تو اہلِ بدر اور اہلِ شوریٰ کا کام ہے [خلیفہ کا تعیّن]۔ بہرحال کچھ پس و پیش کے بعد وہ مسجد میں تشریف لے گئے وہاں مجمع عام میں مسلمانوں نے انہیں اپنا خلیفہ تسلیم کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

یوں گویا ایک خودکار نظام کے تحت چاروں خلفا یکے بعد دیگرے مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور خلافت کے بارگراں کو اٹھاتے رہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اس بارگراں کو انھوں نے امانت کے طور پر اٹھایا۔ حضرت ابوبکرؓ کا وظیفہ ایک عام مہاجر کی آمدنی کے معیار کے مطابق طے کیا گیا۔ باوجود اس کے مرض الموت میں انھوں نے وصیت کی کہ میرے ترکے میں سے ۸ ہزار درہم بیت المال کو واپس کردیے جائیں۔

حضرت عمرؓ خلیفہ کا حق بیت المال سے یوں بیان فرماتے ہیں کہ میرا تعلق تمہارے اس مال سے وہی ہے جو یتیم کے ولی کا تعلق یتیم کے مال کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر میں محتاج نہ ہوں تو اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاج ہوں گا تو وہی لوں گا جو معروف کے مطابق ہوگا۔۱۶

تاریخ اسلام ایک انتہائی چشم کشا روایت بھی ملاحظہ ہو: جن ایام میں حضرت علیؓ کا حضرت معاویہؓ سے مقابلہ درپیش تھا، ان دنوں بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کو صلاح دی کہ حضرت امیر معاویہ لوگوں پر انعامات و عطیات کی بارش کرکے انہیں اپنا ہمنوا بنا رہے ہیں آپ بھی ایسا کریں تاکہ لوگ آپ



Marfat.com

کے طرفدار بن جائیں۔ جواباً انھوں نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو کہ میں ناروا طریقوں سے کامیابی حاصل کروں؟۱۷۔ ان کے بھائی حضرت عقیلؓ چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ ان کو بیت المال سے کچھ پیسے دے دیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا بھائی مسلمانوں کا مال تمھیں دے کر خود جہنم میں چلا جائے۔۱۸

یہ تھا صدر اسلام کے خلفا کا تصور حکمرانی، ان کا تصور امانت۔ وہ بلاشبہ اقتدار کو اللہ کی جانب سے عطا کردہ مقدس امانت سمجھتے تھے۔ خود کو عام مسلمانوں میں سے مسلمان، ان کے مال کا محافظ و نگران، ان کے امور کے نگہبان جانتے تھے۔

## اسلامی نظام- خلافت و شوریٰ:

عہد نبویؐ و خلافت راشدہ کے طرز حکومت اور قانون سیاست کی روشنی میں اسلام کا سیاسی مزاج اور طریق حکومت یہ نظر آتا ہے کہ حکومت اور مملکت کا سربراہ الگ الگ وزیراعظم اور صدر کے بجائے ایک ہی شخص ہونا چاہیے۔ اسلام کا نظام حکومت کے مروّجہ طریقوں میں سے صدارتی نظام کے قریب تر ہے۱۹۔ یہ نظام صدارتی ہو گا لیکن عہدِ نبویؐ اور عہدِ خلفائے راشدین کے تتبع میں شورائی و جمہوری ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں شوریٰ کی اہمیت ان الفاظ میں واضح کی ہے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۲۰

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۲۱

پھر قرآن کریم میں یہ ارشاد ربانی بھی ملتا ہے کہ: وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۲۲ تمام علما و مفسرین کے مطابق اولوالامر سے مراد اہل شوریٰ ہی ہیں جو کارگزارانِ قوم ہوتے ہیں۔۲۳

چنانچہ آنجنابؐ احکام منصوصہ کے سوا ہر قسم کے مصالح ملکی کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے اور ان کے مشورے قبول فرماتے تھے۔ سو اسلامی نظام سیاست کی رُو سے صحیح نظام خلافت ہی کا ہے لیکن امام حاکم مطلق نہیں بلکہ وہ کتاب و سنت، خلفائے راشدین کے تعامل اور اہلِ شوریٰ کے مشوروں کا پابند ہے۔ آپؐ کا اسوہ حسنہ اس حوالے سے ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے مثلاً شوریٰ برائے اذان، شوریٰ برائے بدر کبریٰ، شوریٰ برائے اسیران بدر، شوریٰ برائے احد، خندق، شوریٰ برائے واقعہ افک ۲۴ اور ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ یہ تو آپ کا تعامل مبارک تھا اسی کے مطابق آپؐ نے مسلمانوں کو مشورہ لینے کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً

عن علیؓ قال قلت یا رسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امر و لا نہی فما تامرنی؟ قال شاوروا فیہ الفقہاء العابدین و لا تمضوا فیہ رأی خاصۃ ۲۵



Marfat.com

حضرت علیؓ سے مروی ہے انھوں نے آنجناب سے پوچھا یا رسول اللہ اگر ہمارے درمیان کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس میں نہ کوئی امر ہو اور نہ نہی تو ایسے واقعے کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: ایسے میں عبادت گزار اور دیانت دار ماہرین شریعت سے مشورہ کرلیا کرو اور انفرادی رائے نافذ نہ کرو۔

اسی قسم کا سوال عبداللہ بن عباسؓ نے کیا اور ان کو آپ نے حکم دیا کہ

اجمعوا له العابدين من المؤمنين ولا تقضوه برأی خاصة ۲۶

حضرت سہل بن سعد الساعدی سے روایت ہے:

عن ... قال رسول اللہ ﷺ ما شقی عبد قط بمشورة وما سعد باستغناء رأی ۲۷

آپ ﷺ نے فرمایا مشورہ کرنے والا شخص کبھی حق سے محروم نہیں ہوتا اور اپنی ذاتی رائے کو کافی سمجھنے والا شخص کبھی سعید نہیں ہو سکتا۔

یوں گویا آپ ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے اسلام کے نظام سیاست کے جمہوری و شورائی ہونے کی بھی تصدیق ثبت فرمادی لیکن اس کے بعد جو اگلا سوال اٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ مشورہ دینے والے افراد کیسے ہوں؟ اس بارے میں آپ کا ارشاد مبارک ہے:

عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ المستشار مؤتمن ۲۸

مشیر جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ معتمد ہوتا ہے۔

گویا رکن شوریٰ ایک ایسا شخص ہونا چاہیے جس کی دیانت و امانت اور شرافت شک و شبہ سے بالاتر ہو تاکہ وہ مشورے کی امانت میں خیانت نہ کرے۔ چنانچہ آپ کے مستقل وزیر و مشیر بھی تھے جن سے آپ ہر اہم معاملے میں مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ ان میں اہم ترین نام یہ ہیں: حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علیؓ بن طالب، حضرت حمزہؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت جعفر ۲۹ بوقت ضرورت آپ مہاجرین و انصار کا عام اجلاس بھی طلب فرمالیا کرتے تھے لیکن مستقل شوریٰ کے طور پر آپ امت کے سرکردہ، صائب رائے لوگوں سے جو روسا و زعمائے قبائل، باتقویٰ، اولین مہاجرین، صاحب فراست، دین کے لیے قربانیاں دینے والے، آزمودہ کار اور دنیاوی امور و سیاست پر گہری نظر رکھنے والے تھے، سے مشاورت فرمایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے خلفائے راشدین کا بھی یہی طرزِ عمل و شیوہ کار رہا کہ عام امور میں مشورہ کے بعد ہی کام لینے کے بعد ہی فیصلہ فرماتے تھے۔ سیدنا ابو بکرؓ کے حوالے سے ہمیں روایت ملتی ہے کہ اگر کوئی فیصلہ طلب معاملے میں رسولؐ کی سنت نہ ملتی تو لوگوں کے سربراہوں (نمائندوں) اور ان میں سے بہترین لوگوں کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے اور جب ان کا کسی بات پر اتفاق

Marfat.com

رائے ہو جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیتے اور حضرت عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔۳۰

## اصول ہائے انتخاب

قرآن و سنت میں رئیس و سربراہِ حکومت، وزرائ، اہلِ شوریٰ اور حکّام کے انتخاب کے حوالے سے رہنما ہدایات دے دی گئی ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ ۳۱

انتخابِ اولوالامر کے لیے جو پیمانہ مقرر کر دیا گیا ہے وہ یہ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۳۲

احادیث مبارکہ میں اولی الامر، سربراہ وغیرہ کے حوالے سے متعدد ہدایات موجود ہیں۔ مثلاً جامع صحیح مسلم کی روایت ہے۔

خیار ائمتکم الذّین تحبونھم ویحبونکم و تصلّون علیھم و یصلّون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم ۳۳

ترجمہ: تمہارے بہترین سردار وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور جن کو تم دعا دو اور وہ تمہیں دعا دیں اور تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں اور جن پر تم لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

امارت و وزارت وغیرہ کا عہدہ کس کے سپرد کیا جانا چاہیے۔ اس کے لیے فہم و فراست، علم و دانش مندی کے علاوہ اہم ترین رہنما اصول ہمیں احادیث مبارک میں ملتے ہیں مثلاً:

حضرت ابو موسیٰؓ اشعری سے روایت ہے:

انا واللہ لا نولی علی عملنا ھٰذا احدا اسألہ او حرص علیہ ۳۴

خدا کی قسم ہم اپنی اس حکومت کے کسی کام پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اس کی درخواست کرے یا اس کا حریص ہو۔

اسی طرح سنن ابی داؤد کی حدیث ملاحظہ ہو:

ان اخونکم عندنا من طلبہ ۳۵

"ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا خائن وہ شخص ہے جو اس [عہدے] کا خود طالب ہو"

حضرت عبدالرحمنؓ بن سمرہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

لا تسألِ الامارۃ فانک ان اعطیتھا عَنْ مسالۃ وکلت الیھا، وان اعطیتھا عن غیر مسالۃ اعنت علیھا۔ ۳۶

"امارت کے طالب نہ بنو اگر بن مانگے تمہیں ملی تو اس کام میں خدا کی طرف سے تمہاری مدد کی



Marfat.com

جائے گی اور اگر اس کو مانگ کر لو گے تو تم اس کے حوالے کر دیے جاؤ گے۔،،

تاہم یہ امر محل نظر رہنا چاہیے کہ اگرچہ اسلامی جمہوریت میں رائے سے مراد مشورہ اور شورائیت ہے لیکن پڑھے لکھے اور متقی کی رائے یعنی اہل علم اور اہل تقویٰ ہی صحیح رائے دے سکتے ہیں۔ اسلام میں رائے تو لی جاتی ہے گنی نہیں جاتی۔ ۳۷ یہ اصول متقاضی ہے اس امر کا کہ اہل شوریٰ کے لیے کچھ قوانین کچھ ضوابط اور بنیادی شرائط طے ہوں۔ چنانچہ احادیث مبارکہ عہد خلافت راشدہ سے ہمیں اس حوالے سے واضح رہنما کی ملتی ہے کہ ارکان مجلس شوریٰ، جنہیں اسلامی اصطلاح میں العُرفاء، نقباء، مَلَأَ العوام، اولوالامر یا اہل حلّ و عقد کہا جاتا ہے اور دور جدید کی سیاسی اصطلاح میں قومی نمائندے، عوامی نمائندے یا ممبران اسمبلی کہا جاتا ہے ۳۸ کن اوصاف کے حامل ہونے چاہییں، چنانچہ ان آثار و روایات کی روشنی میں رکن مجلس شوریٰ کے لیے اہلیت کی بنیادی شرائط، عہدہ طلبی سے اجتناب کے علاوہ، یہ ہیں:

### ۱- ایمان:

اسلامی ریاست کے منتخب نمائندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلم ہو۔ امت مسلمہ کا چنیدہ نمائندہ توحید و رسالت، ختم نبوت، قرآن و سنت کے قطعی احکام پر غیر متزلزل عقیدہ کا حامل ہو تبھی اسے رکن مجلس شوریٰ بنایا جاسکتا ہے۔

### ۲- علم دین کی اساسیات سے آگاہی:

رکن مجلس شوریٰ کو اسلامی ریاست کے آئین یعنی کتاب و سنت کا علم ہونا چاہیے۔ اسے قرآن و سنت اور تعلیمات اسلامی میں صاحب بصیرت و ژرف نگاہ کا حامل ہونا چاہیے۔ نیز ان نصوص کی بنا پر اجتہادی بصیرت و فراست بھی اس میں لازماً ہونی چاہیے۔

### ۳- عدالت و دیانت:

رکن مجلس شوریٰ ایسا شخص ہونا چاہیے جس کی عدالت اور دیانت پر حرف گیری نہ کی جاسکے۔ قرآن کی اصطلاح کے مطابق وہ فسق و فجور سے دور ہو اور فرائض شریعت کا پابند ہو۔ جو شخص فرائض کی پابندی بھی نہ کرتا ہو اور کبائر و فواحش کا مرتکب ہوتا ہو وہ ایسے عظیم منصب کا حامل قطعاً نہیں ہوسکتا۔

### ۴- پختہ ذہنی:

مجلس شوریٰ کی رکنیت بہت اہم ذمہ داری اور بارگراں ہے، جسے اٹھانا کسی عاقل و بالغ، پختہ ذہن، ذی رائے و معاملہ فہم انسان ہی کا کام ہے۔ لہٰذا ان امور کو بھی لازماً محل نظر رہنا چاہیے۔

### ۵- معاشرے کے عرف و عام سے آگاہی و شناسائی:

اہل شوریٰ کو اپنے معاشرے کے عام حالات، رسم و رواج، یعنی عرف و عام کا علم ہونا چاہیے۔



Marfat.com

حالاتِ حاضرہ نیز بین الاقوامی امور پر عمیق نظر ہونی چاہیے۔ تبھی وہ اس اہم منصب کے لازمی تقاضوں کی تکمیل کر سکیں گے۔

یہی شرائط تمام ماہرین سیاسیات کے ہاں بہت اختصار و جامعیت کے ساتھ ملتی ہیں، مثلاً: امام ماوردی لکھتے ہیں: اہل [حل و عقد] الاختیار کے لیے تین معتبر شرائط ہیں۔ اول: عدالت، دوم: علم و فہم؛ سوم: صاحب رائے و حکمت ہونا، قوم کے مصالح اور عرف و عام سے شناسا ہونا۔[۳۹]

چنانچہ تقریباً تمام علما و مفسرین نے "اولوالامر" کی شرح و تفسیر بیان کرتے ہوئے وہ اوصاف و خصائل بھی بیان کیے ہیں جو اولوالامر کا خاصہ ہونے چاہییں۔

## علمائے جدید دنیائے اسلام اور شوریٰ:

بیسویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام میں متعدد مفکرین و مصلحین نے اسلامی ریاست کے نظامِ سیاسی کو موضوع خاص بنایا۔ مثلاً سعید حلیم پاشا، علامہ رشید رضا، علامہ اقبال، مولانا مودودی، محمد اسد۔۔۔، ان سبھی کے ہاں شوریٰ کے ارکان کے انتخاب کے لیے لازمی شرائط اور دیگر متعلقہ تفاصیل ملتی ہیں اور یہ ادارہ ایک اسلامی ریاست میں کس مقام و اہمیت کا حامل ہے یہ بھی خوب واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً علامہ رشید رضا اہل حل وعقد کو اہل الاجماع کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں[۴۰]۔ اسی طرح علامہ اقبال نے بھی شوریٰ کو جدید شکل کے اجماع سے تعبیر کرتے ہوئے اسے ایک قانون ساز مجلس کی صورت میں منظم کرکے قانون سازی کے اختیارات سونپنے کی تجویز پیش کی۔ ان کے نزدیک چونکہ یہ ادارہ قانون سازی کی ذمہ داری اٹھائے گا جس کو اجماع امت کی سی حیثیت حاصل ہوگی اس لیے انھوں نے اس کو دائرہ شریعت کے اندر رکھنے اور واضعین قانون کی رہنمائی کی غرض سے علما و فقہا کو مجلس قانون ساز کا موثر و لازمی جزو قرار دینے کی تجویز بھی پیش کی[۴۱]۔ علامہ رشید رضا نے شوریٰ کو خلافت کا جزو لاینفک قرار دیتے ہوئے اسے ایک مستقل ادارے کی صورت میں قائم کرنے کی تجویز دی۔ جس کے ارکان علما و فقہا، روسا و زعما اور سربرآوردانِ ملّت ہونے چاہییں۔ ان کے نزدیک اہل شوریٰ کس معیار و اہلیت کے حامل ہونے چاہییں۔ اس کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ وہ اہل حِلّ و عقد کو اہل الاجماع کے لقب سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔[۴۲]

## طریق انتخاب:

قدما و معاصرین سبھی کا مذکورہ بالا بنیادی شرائط پر اتفاق ہے۔ البتہ طریقِ انتخاب میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت میں خلیفہ یا اہل شوریٰ کے انتخاب کے لیے کوئی لگا بندھا قاعدہ نہیں دیا گیا۔ بدیں وجہ بعض علما کے مطابق امیر ریاست کو آزادانہ انتخابات کے ذریعے منتخب کیا جانا چاہیے اور اس عمل میں ساری قوم کی شمولیت ہونا چاہیے۔ ازاں بعد وہ صدر / امیر اپنی مرضی سے اپنے لیے



Marfat.com

ایک کابینہ تشکیل دے ۴۳۔ خواہ مستقلاً یا پھر کسی پیش آمدہ مسئلے کے لیے وقتاً فوقتاً۔ جبکہ ایک رائے یہ ہے کہ اہل شوریٰ کو آزادانہ انتخابات کے ذریعے منتخب کیا جائے اور پھر وہ باہمی مشورے سے امیر کا تقرر کریں۔ ۴۴

معاصرین کے مطابق تقرر کے لیے صحیح طریقہ تو انتخابات ہی کا ہے۔ اگر وہ شفاف اور غیر جانبدارانہ ہوں اور ان میں وہ گھٹیا ہتھکنڈے نہ اپنائے جائیں جو ہمارے موجودہ نظامِ سیاست کا لازمہ ہیں ۴۵۔

اس مسئلے کا حل ممتاز نو مسلم دانشور محمد اسد نے بہت خوبصورتی و دانش مندی سے پیش کیا۔ ان کے مطابق اسلام کے قانونِ سیاست سے متصادم روایات، مثلاً افراد کا مختلف عہدوں کے لیے امیدوار بننا، اپنے حق میں پروپیگنڈہ مہم چلانا جس سے عوام سے ووٹ لینا ممکن ہو وغیرہ، کے حوالے سے دستور اسلامی میں یہ وضاحت کردی جائے کہ جو شخص کسی انتظامی عہدے کا خواہاں و طالب ہو، ان میں خود رئیس مملکت کا عہدہ بھی شامل ہے، یا مجلس شوریٰ کا رکن ہونا چاہے، اپنے حق میں لوگوں کو ہم رائے بنانے کی کوشش کرے تو وہ انتخاب و تقرر کے حق سے خود بخود محروم ہو جائے گا ۴۶۔ اگر یہ شرط واقعتاً آئین کا جزو بن جائے تو احادیث مبارکہ کی صحیح تعمیل ہوسکتی ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ اہل لوگ آگے آئیں گے۔

**اختتامیہ:**

گذشتہ صفحات میں پیش کردہ مواد نبوی سیاسی نظام اور ہمارے مروجہ سیاسی نظام کے مابین حائل بُعدالمشرقین کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ ان تمام معروضی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ یہ مروجہ سیاسی نظام اسلام کا مطلوبہ جمہوری و شورائی نظام ہرگز نہیں ہے۔ بقول اقبال اسلام کا سیاسی نظام مغربی جمہوریت کا دیو اِستبداد نہیں ہے ۴۷۔ سعید حلیم پاشا نے بالکل درست کہا ہے کہ جمہور کی حاکمیت و مطلق فرماں روائی کا مغربی و جمہوری تصور سراسر باطل و غلط ہے۔ ان کے مطابق مغرب کے وضع کردہ سیاسی نظاموں میں ہم جتنی بھی اصلاح و تبدیلی کریں وہ ہمارے لیے کبھی بہترین ثابت نہیں ہوسکتے۔ ۴۸

آئین پاکستان آرٹیکل ۶۳-۶۲ اور قرآن و سنت کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے اس ملک کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ امر بدیہی روشن تر ہو جاتا ہے کہ اس ملک میں ایک عرصے سے، اگرچہ تعطّل و وقفوں کے ساتھ ہی سہی، رائج رہنے والی "جمہوریت"، اسلام کے جمہوری و شورائی تصور کے بالکل برعکس ہے اور اس ملک کے اہل شوریٰ اسلام کے مطلوبہ اہل شوریٰ سے بالکل برعکس۔ ہاں اگر اس ملک میں بھی ایسا نظام نافذ ہو جائے کہ عاقل، صائب الرائے، احکام دین کا فہم رکھنے والے، ہر قسم کی اخلاقی و



Marfat.com

مالی بدعنوانی کے داغ سے پاکدامن لوگ برسراقتدار آئیں اور ملک و ملّت کے تمام امور ان کے ہاتھوں انجام پائیں تو وہی نظام اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سیاسی نظام کہلانے کا سزاوار ہوگا۔

بقول مولانا ابوالکلام آزاد موجودہ جمہوریت اور اسلامی شورائی نظام میں بنیادی و اہم فرق یہ ہے کہ جدید جمہوریت میں نمائندگان جمہور قانون سازی کے وسیع اختیارات رکھتے ہیں لیکن اسلام میں کتاب و سنت کے نصوص کی موجودگی میں خلیفہ کو مشاورت کی ضرورت نہیں بلکہ جب کسی امر کے متعلق فیصلہ موجود نہ ہو تب پیش آمدہ امور میں مشاورت ہوسکتی ہے۴۹ لیکن بد قسمتی سے اس وقت ملک میں مغربی جمہوریت کی طرز پر قانون سازی کے اختیارات نام نہاد اہل شوریٰ کے ہاتھوں بازیچۂ اطفال بن چکے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ:

۱- ارکان اہل شوریٰ کا انتخاب قرآن و سنت کے مطابق کیا جائے۔

۲- محمد اسد کی رائے کے عین مطابق ایسی شق آئین کا حصہ بنادی جائے کہ کوئی بھی عہدے کا طلبگار شخص کسی صورت بھی سیاسی عمل کا حصہ نہ بن سکے۔ نتیجتاً مال و جاہ کی بنا پر انتخاب کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔

۳- امیر / صدر ریاست اپنے وزیروں مشیروں کے عہدوں پر علماء، فقہا اور مختلف شعبہ ہائے حیات کے ماہرین کا تقرر کرے۔

## حواشی و حوالہ جات:


۱- آئین پاکستان، ۱۹۷۳ء، مطبوعہ: منصور بک ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۴، آرٹیکل ۱: الف

۲- آئین پاکستان، آرٹیکل ۲: الف

۳- ایضاً، آرٹیکل ۶۲۔

۴- ایضاً

۵- ایضاً، آرٹیکل ۶۳

۶- ایضاً، آرٹیکل ۷۳-۷

۷- The Oxford English Dictionary, Clanderon Press, Oxford, 2nd ed. repr. .1991

۸- .Democracy" in The World Book Encyclopedia, Chicago, 2013"

۹- آئے روز اخبارات ایسی خبروں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ مثلاً دیکھیے: روزنامہ جنگ ۲۸ جون ۲۰۱۵۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے پی ٹی آئی کے ایم این اے کی ڈگری جعلی قرار دے دی۔

۱۰- روز نامہ جنگ، ۲۹ جون ۲۰۱۵ء۔




Marfat.com

۱۱- روزنامہ نوائے وقت، ۲۸ جون ۲۰۱۵، دیکھیے رہنما MQM طارق میر کا برطانوی حکام کو دیا گیا انٹرویو۔

۱۲- روزنامہ نوائے وقت، ۲۷ جون ۲۰۱۵ء

۱۳- روزنامہ جنگ ۱۹ جون ۲۰۱۵ء

۱۴- روزنامہ نوائے وقت، ۲۷ جون ۲۰۱۵ء

۱۵- طبری ابو جعفر محمد بن جریر: تاریخ الامم و الملوک، المطبعۃ الاستقامۃ، قاہرہ، ۱۹۳۹ئ، ج:۲، ص:۶۱۸

۱۶- ابن کثیر ابوالفداء محمد بن اسمٰعیل، البدایۃ والنھایۃ، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ج:۷، ص:۱۳۴

۱۷- ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ، دارالکتب العربیہ مصر، ۱۳۲۹ھ، ج:۱، ص:۱۸۲۔

۱۸- ابن قتیبہ، الامامۃ والسیاسۃ، مطبعہ الفتوح، ج:۱، ص:۱۷

۱۹- محمد ارشد: اسلامی ریاست کی تشکیل جدید، نو مسلم سکالر محمد اسد کے افکار کا جائزہ، الفیصل لاہور، ص:۲۶

۲۰- شوریٰ: ۳۸

۲۱- آل عمران: ۱۵۹

۲۲- النساء: ۸۳

۲۳- دیکھیے بذیل النسا: ۵۸

۲۴- مثلاً دیکھیے: بخاری، الجامع الصحیح، مشمولہ موسوعہ الحدیث الشریف الکتب الستہ، ص ۱۰۱۱، کتاب الاذان، باب الاذان، حدیث: ۶۰۴، ص:۴۹؛ مسلم؛ حجاج بن قشیری، الجامع الصحیح، مشمولہ موسوعہ الحدیث الشریف: الکتب الستہ، دارالسلام ریاض، کتاب الجہاد، باب غزوۃ بدر، حدیث ۴۶۲۱

۲۵- الھیثمی نورالدین، مجمع الزوائد، دارصادر بیروت س ن، ج:۱، ص:۱۷۸

۲۶- ایضاً

۲۷- ابی داؤد سلیمان بن الاشعث، السنن، کتاب الادب، باب فی المشورہ، حدیث: ۵۱۲۸، مشمولہ موسوعہ الحدیث الشریف الکتب الستہ، دارالسلام ریاض

۲۸- ایضاً

۲۹- تمام کتب سیرت میں ان حضرات کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً دیکھیے: الحلبی علی بن برہان الدین، السیرہ الحلبیہ، ج: ۳، ص:۴۲۷

۳۰- الدارمی ابو محمد عبداللہ، بن عبدالرحمن، سنن الدارمی، قاہرہ، ۱۹۷۸، ج:۱، ص:۵۸

۳۱- الحج: ۴۱

۳۲- النسا: ۵۸



Marfat.com

۳۳- ابوعبداللہ مسلم بن حجاج قشیری: الجامع الصحیح، کتاب الامارۃ، باب: خیارالائمہ و شرارھم، حدیث، ۴۸۰۴

۳۴- ایضاً، کتاب الامارۃ، باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا، حدیث: ۴۷۱۷، ص:۱۰۰۵

۳۵- ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والفی والامارۃ، باب فی ماجاء فی طلب الامارۃ،

۳۶- ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری: جامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب من لم یسال الامارۃ اعانہ اللہ علیھا، حدیث: ۱۴۶۷ ص: ۵۹۵

۳۷- ملک غلام مرتضیٰ: انوارالقرآن، ڈاکٹر مرتضیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ لاہور، ۲۰۰۲: ج: ا، ص: ۱۷۱ - ۱۷۲۔

۳۸- گوہر رحمن: اسلامی سیاست، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۲۰۰۲ئ، ص:۲۹۸

۳۹- الماوردی ابی الحسین، علی بن محمد بن حبیب: الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ، بیروت، س ن، ص:۶۴؛ نیز دیکھیے: الاحکام السلطانیہ للقاضی ابویعلیٰ، السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ؛ الطرق الحکمیہ لابن قیم۔

۴۰- رشید رضا: الخلافۃ اوْ الامامۃ العظمٰی، مطبعہ المنار، قاہرہ، ۱۳۴۱ھ، ص:۱۰-۹، ۱۸۔

۴۱- Muhammad Iqbal: The reconstruction of Religious Thoughts in Islam, .ed. Sheikh Muhammad Said, Lahore, 1989, p: 138-140

۴۲- رشید رضا: الخلافۃ اْوالامامۃ العظمٰی، ص:۱۸

۴۳- مثلاً دیکھیے: محمد ادریس کاندھلوی: دستورِ اسلام مع نظام اسلام، لاہور، مکتبہ عثمانیہ، س ن، ص: ۵۸؛

۴۴- رشید رضا: الخلافۃ اَو الامامۃ العظمٰی، ص:۱۸؛ علامہ محمد اقبال : The Reconstruction، ص: ۱۲۵-۱۲۴

۴۵- ابوالاعلیٰ مودودی: اسلامی ریاست، مرتبہ خورشید احمد، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، بارسوم، ۱۹۶۹ئ، ص:۳۴۴

۴۶- Muhammad Asad: Principles of State and Government in Islam, Gibralter, Dar al-andalus, 1980

۴۷- Said Halim Pasha: "The Reform of Muslim Society" in Islamic Culture, .1:1, Jan 1927, p: 111, 133-134

۴۸- Iqbal: Reconstruction, p: 124-125

۴۹- آزاد ابوالکلام: ترجمان القرآن، اسلامی اکیڈیمی لاہور، س ن، ج:۳، ص:۳۳۱

☆☆☆



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

حافظہ، عالمہ طاہرہ ماجد*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم کو اللہ کے دین کی طرف یہ یقین دلاتے ہوئے بلایا کہ میری پیروی تمہیں آخرت ہی کی نہیں، دنیا کی بھی فلاح بخشے گی۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم کے سامنے اس وعدۂ الٰہی کا اعلان کیا تھا "لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ"۔ ترجمہ "اگر تم نے شکر گزاری کی روش اختیار کی تو تمہیں مزید بخشش عطا کروں گا" (۱) اور جب تک ان کی قوم اس روش پر چلتی رہی، اللہ کا وعدۂ بشارت پورا ہوتا رہا، حتیٰ کہ عظمت و شوکت میں ان کی قوم سب سے اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچ گئی۔ " يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ"۔(۲) ترجمہ "اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی تھیں اور یہ کہ میں نے تمہیں پوری دنیا پر فضیلت بخشی۔" لیکن جب انہوں نے یہ راہ ترک کردی تو ان کے اوپر سے عزت و اقبال کی قبا بھی اتار دی گئی اور "ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ"۔ کی مُہر ان پر لگا دی گئی۔ کاش! "اگر یہ اہلِ کتاب توراۃ کو اور انجیل کو اور ان ہدایتوں کو قائم کرتے جو ان کے رب کی طرف سے بھیجی گئی تھیں، تو رزق ان کے اوپر سے بھی برستا اور نیچے سے بھی اُبلتا۔"

غرض ساری اقوام کے لیے یہ عمومی قانون الٰہی رہا ہے کہ "وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰٓى اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ"۔(۳) ترجمہ "اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی راہ پر چلتے تو ہم ان کے اوپر زمین اور آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔" جنہوں نے ایمان اور خدا پرستی کا راستہ اختیار کیا "فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ"۔(۴) ترجمہ "تو اللہ نے انہیں دنیا کا بھی اجر دیا اور آخرت کا بھی بہترین اجر عطا فرمایا۔"

ان متفقہ شہادتوں کی موجودگی میں کوئی وجہ نہیں کہ اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ضابطہ اور فیصلہ بدل جاتا۔ چناں چہ دنیوی فلاح کے بارے میں ٹھیک اسی طرح کا وعدہ اس اُمّت سے بھی کیا گیا جیسا گزشتہ اُمتوں سے کیا جاتا رہا ہے۔ اور یہ ہر مرحلے میں کہا گیا۔ مکے کے تاریک و صبر

---

* ایم اے عربی / ایم اے اسلامیات، معلمہ : مدرسہ فاطمۃ الزہرا للبنات، کراچی



Marfat.com

آزما دور میں بھی اور مدینے کے پُرخطر ماحول میں بھی۔ انہیں بھی خطاب کیا گیا جو اسلام لاچکے تھے اور انہیں بھی جو ابھی دائرۂ اسلام میں نہ آئے تھے۔ چناں چہ مکے میں قریش کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے اللہ کا ارشاد ہے: "وَاَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا۔"(۵) ترجمہ" اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور پھر اس کی طرف رجوع کرو تو وہ تمہیں زندگی کا اچھا سامان عطا فرماتا رہے گا۔" اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یقین دلایا تھا کہ "اگر تم میرا لایا ہوا پیغام قبول کرلو گے تو وہ دنیا میں بھی تمہاری خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور آخرت میں بھی۔" اور ایک موقع پر اپنے چچا ابوطالب سے کہا تھا "میں انہیں (یعنی قریش کو) صرف ایک بات کی تلقین کرتا ہوں۔ ایسی بات کہ جس کی بدولت سارا عرب ان کا مطیع اور سارا عجم ان کا باج گزار ہوجائے گا۔" پھر اسی طرح ایمان لاچکنے والوں سے خطاب فرمایا گیا: گویا جس طرح آخری فلاح کے لیے "ایمان" اور "عملِ صالح" ایک لازمی شرط ہے، اس طرح دنیوی فلاح و سعادت کے لیے بھی "ایمان" اور "عملِ صالح" شرط اوّلین ہے اور اسی لیے مسلمانوں (اُمّتِ مسلمہ) کا عروج و زوال اسی شرط پر موقوف ہے۔

"وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۔"(۶) ترجمہ "نہ تم پریشان ہو اور نہ خوف زدہ، کامیابی تمہارے لیے ہے بشرطیکہ تم سچے مومن ہوجاؤ۔" گویا اُمّتِ اسلامیہ کے لیے عروج و زوال کا یہ قانون دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ایمان، عمل صالح، دینی اور اخلاقی اقدار سے گہری وابستگی اور قرآن و سنت کی اتباع پہلی اور آخری شرط ہے۔(۷)

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کی بنیاد دوقومی نظریہ پر ہے۔ مسلمانان پاک وہند ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ ایک ایسی مملکت معرض وجود میں آئے جہاں مسلمان اسلام کی تہذیب وثقافت کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ پاک دھرتی سرسید کے خوابوں کی پھلواڑی، پاک اجالوں کی وارث، قائد اعظم کے درد کی امین، اقبال کا وطن، خوشحال خان کی زمین، بولانیوں کی دھن اور مہرانیوں کے فن کی آئینہ دار ہے۔ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔(۸)

عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے ￼ اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ(۹)

## جمہوری سیاسی ریاستِ مدینہ کے خدوخال:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی مذہبی، ثقافتی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور سیاسی نظام میں تبدیلی لائے۔ بچپن اور جوانی ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچائی اور دیانت داری کی بدولت الصادق اور الامین کا لقب مل گیا۔ تجارت میں نہایت دیانت داری کی وجہ سے آپ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانی کے اوائل میں حلف الفضول میں شرکت فرمائی۔ یہ مظلوم لوگوں کی مدد کرنے کی ایک فقید المثال تنظیم تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ترپین سال مکہ میں گزارے اور پھر ہجرت



Marfat.com

مدینہ کے اور دس سال کے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ میثاق مدینہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو امن و آشتی کا گہوارہ بنادیا۔ ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور اس میں دنیا کا پہلا دستور جو تحریری تھا، نافذ فرمایا۔ اس معاہدے کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اور مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا مدینہ پر حملے کی صورت میں یہود اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر اور حسن سیاست کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں مواخاۃ کے نظام کے ذریعے سے مسلمانوں کی وحدت مربوط فرمائی۔ حتیٰ کہ ولیم مور کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ مواخاۃ جیسی قربانی کم ہی تاریخ عالم میں ملتی ہے۔(۱۰)

صلح حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر کی وجہ سے خونریزی رک گئی اور اسلام کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ فتح مکہ کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو کا اعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہے۔ غزوۂ خندق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مزدور کام کیا جیسے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر میں خود حصہ لیا تھا۔ یہ غزوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاعی تدبر اور حکمت عملی کا ثبوت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۷ غزوات میں حصہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں میں سرایا کی تعداد ۲۷ ہے۔ ان تمام غزوات اور سرایا میں مقتولین کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں ملتی۔ اتنی کم خونریزی کی مثال دنیا ے نہیں ملتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لئے صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر جماعت تیار فرمائی، جنہوں نے اللہ کے پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلاب جلد ہی تین براعظموں میں پھیل گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت کی بدولت دس سال کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب میں ایک مستحکم مملکت قائم ہوگئی۔ اس مختصر عرصے میں بارہ لاکھ مربع میل کے وسیع رقبہ مطیع ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی عظیم الشان مملکت قائم فرمائی جو مہذب ترین تھی۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ: "گاندھی جیسے کٹر ہندو بھی ایسے انسانیت کا دور زرے سمجھتے اور گانگریسی ہندو حکومتوں کو مشورہ دیتے کہ اس کو اپنے لیے نمونہ بنائیں"(۱۱)

حکمت، فراست اور سیاست میں دنیا کا کوئی مدبر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نظر نہیں آتا۔ جان ڈریپر جیسے سکالر کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدابیر اور حکمت عملی نے نسل انسانی پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ (۱۲)

سوال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قسم کے سیاسی نظام حکومت کا تصور دیا تھا۔ بقول علامہ اقبال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام سلطنت روحانی جمہوریت پر قائم تھا شورائی بھی تھی اور فلاحی بھی۔ اس ریاست کے مقاصد قرآن میں اس طرح بیان فرمائے گئے: "اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی



Marfat.com

الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ "(۱۳)ترجمہ "یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں، تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔"

بقول ابراہیم لنکن جمہوریت کی حکومت ہے، عوام کے لیے ہے اور عوام کے ذریعے ہے۔اس کے برعکس سلطنت، امارت اور حکومت کے کاروبار میں اہل رائے مسلمانوں سے مشورہ لینے کا معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کا اہم حصہ تھا۔(۱۴)

مولانا حامد انصاری لکھتے ہیں"اسلام کے سیاسی نظام میں بادشاہت کی مرکزی شان اور اقتدار، اعیانی حکومت کی یکجہتی، جمہوریت کی ہمہ گیر حقوق پسندی اور فرض شناسی اشتراکیت کا ہمہ گیر جذبہ مساوات اور احساس ردومندی، ڈکٹیٹر شپ (آمریت) کی مرکزیت اور طاقت کمال اعتدال کے ساتھ جمع ہیں۔ "(۱۵)

صحیح بخاری میں درج ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف میں بہتر منصوبہ بندی کے لئے مردم شماری کروائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماجی اور معاشی تحفظ کے لیے نظام معاقل نافذ فرمائے۔اگر کوئی حادثہ رونما ہو جاتا تو عاقلہ یعنی برادری مل کر مظلوم کے نقصان کی تلافی معاوضہ کی شکل میں دیتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں صدقات خیرات اور مال غنیمت بھی تقسیم فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلدیاتی نظام بھی قائم فرمایا۔شہری منصوبہ بندی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شہر کے اندر تم گلیوں کو اتنا چوڑا رکھو کہ دولدے ہوئے اونٹ بآسانی آمنے سامنے سے گزر جائیں۔ " بلدیاتی نظام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل السوق کا عہدہ قائم فرمایا تاکہ مارکیٹ کی بدعنوانیوں کو روکا جاسکے۔ عورتیں بھی اس عہدہ پر فائز نظر آتی ہیں جن کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام پر احسان بھی فرمایا اور ان کے معاش کا خیال رکھا اور رعایا سے محبت اور نرمی فرماء۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر ملکی سفیروں کا احترام کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفراء کو تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا مثلاً حضرت عمرؓ بن امیہ الضمری کو حبشہ تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا۔ زندگی کی آخری وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ بن زید کو فرمائی۔ "سفیں اور وفدوں کو اسی طرح تحفے دیتے رہنا جیسے میں دیتا رہا ہوں۔ "(۱۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر مسلموں سے سلوک فیاضانہ تھا۔غیر قوموں کے ساتھ ظلم نہ روا رکھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی اصول سیات تھا، شاہانہ حکومتوں اور بادشاہی خاندانوں کے افراد قانون کی زد سے مستثنیٰ ہوتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصور دیا کہ سربراہ مملکت قانون سے بالاتر نہیں نہ ہی اس کے افراد خانہ۔ایک دفعہ ایک مخزومی خاتون فاطمہ بنت قیس نے چوری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔صحابہ کرامؓ نے حضرت اسامہؓ بن زید کو سفارش کے لیے بھیجا۔ آپ



Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا۔

"تم سے پہلے قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو سزا دے دی جاتی تھی مگر جب وہی جرم بڑے مرتبے کے لوگ کرتے تھے تو ان کو چھوڑ دیتے تھے" پھر فرمایا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہؓ بھی یہ جرم کرتی تو میں یقیناً اس کا ہاتھ کاٹتا۔" (١٧)

سیاسی شخصیات کے ہاں طمطراق، بلند نعرے، جلوس، سلامیاں، مخصوص بڑی، بحری اور ہوائی سورایاں، شاہی ٹھاٹھ باٹھ، اونچے ایوان اور دربان ہوتے ہیں۔ یہ پروٹوکول سیاسی کلچر کا حصہ ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں یہ طمطراق نظر نہیں آتا۔ دنیوی کروفر کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدمت خلق اور ان کی محبت کا جمال نظر آتا ہے۔ سادگی، فقہ اور درویشی کے باوجود جو کوئی آتا مرعوب ہوتا۔ ایک دفعہ ایک شخص دربار اقدس میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب سے کانپنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ڈرو نہیں میں تو اس عورت کا لڑکا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دیانتی اور خیانت سے روکا۔ اپنے لیے، اہل خانہ اور حلیف قبیلہ بنو عبدالمطلب کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زکوۃ حرام قرار دی۔ ایک دفعہ ایک محصل زکوۃ نے واپسی پر کہا یہ سرکاری مال ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ منبر پر چڑھ کر ارشاد فرمایا: "ایسے لوگ کیوں نہ اپنے گھر بیٹھے رہیں اور دیکھیں کہ انہیں کتنے تحفے آتے ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے لونڈی مانگی تاکہ وہ گھر کے کام کاج میں مدد کرے کیونکہ حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں پر چکی پیسنے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بدر کے یتیم تم سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔" (١٨) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کے اصول یہ تھے یعنی فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ کوئی فرد یا جماعت اپنی مرضی سے قانون یا آئین بنانے کی مجاز نہیں ہے، قانون اللہ کی طرف سے ہے، حق آزادی پیدائشی ہے، فرعون، ہامان اور قارون کی اسلامی معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں۔ سیاسی حقوق، شورائیت، رعایا پر اپنے اولی الامر (حاکم) کی اطاعت لازم ہے، جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قتل انسانی حرام ہے۔ امن و امان کا قیام، فتنہ وفساد کی بیخ کنی، افراد کی اسلامی، اخلاقی، صنعتی و حرفتی، فنی اور عسکری تربیت حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اقامت اور زکوۃ کے نظام کا قائم کرنا، حکمران اللہ کا خلیفہ ہی ہے، تبلیغ قانونی مساوات، مال عزت اور جان کی حفاظت اور فی الفور انصاف۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست کا ایک پاکیزہ تصور عطا فرمایا جسے آپ نے رائج کر کے بھی دکھایا۔ بقول شبلی نعمانیؒ و علامہ سید سلیمان ندویؒ: احادیث میں متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت ہے کہ: "السلطان علی اللہ فی الارض یاوی الیه کل مظلوم من عباداللہ۔" (١٩)

عقل ہے تری سپر عشق ہے شمشیر تری



Marfat.com

ما سوا اللہ کے لیے آگ سے تکبیر تری
کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
تو مسلماں ہے توتقدیر ہے تدبیر تری
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں (۲۰)

## مملکت مدینہ کے جمہوری سیاسی نظام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامات :

(۱) مملکت مدینہ کا قیام جو ابتدائی طور پر صرف ایک منظم سوسائٹی کی تشکیل تک محدود تھا دراصل مکہ کے تیرہ سالہ تربیتی انقلاب کا منطقی نتیجہ اور مرہون منت تھا اس لیے ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ایک منظم اور مہذب سوسائٹی اور اسٹیٹ کے لیے افراد کی اخلاقی تعلیم و تربیت اور روحانی پاکیزگی (تزکیہ نفس) بنیادی ضرورت (Pre-requisite) ہیں۔

(۲) اخلاقی تعلیم و تربیت اور روحانی پاکیزگی کا لازمی نتیجہ افراد ریاست کی اخوت اور مساوات ہے سے ایک بلند نصب العین کے ذریعے ریاست کے استحکام کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ وہ بلند نصب العین اپنے رب کی رضا ہے۔ جو دل میں پیدا ہو جائے تو دشمن کی بھی دوست بنانے میں دیر نہیں لگتی۔ یاد کیجئے اس وقت کو۔۔۔ "جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔" (۲۱)

(۳) جب یہ جماعت مومنین پے درپے تکالیف و مصائب سے گزر کر ہجرت کے کٹھن مرحلے سے بھی سرخرو ہو کر مدینہ میں قیام پذیر ہوئی تو انہوں نے اپنے کچھ رہنما اصول بھی متعین کر لیے۔ انہی اصولوں پر کاربند ہونے کا نتیجہ تھا کہ وہ ریاست جو صرف مدینہ منورہ کے کچھ حصے تک محدود تھی ایک قلیل مدت میں جزیرہ نمائے عرب سے بڑھ کر عراق، ایران، اور شام و مصر تک وسیع ہوگئی اور مدینہ منورہ اس ریاست کا دار الخلافہ قرار پایا۔ استحکام ریاست کے لیے وضع کیے گئے اصولوں کا خاکہ حسب ذیل تھا۔

۱۔ کتاب و سنت کی برتری
۲۔ امن و امان کا قیام
۳۔ بلالحاظ عدل و انصاف کی فراہمی
۴۔ بنیادی انسانی حقوق کی یکساں فراہمی
۵۔ عمال حکومت کا ذمہ دارانہ رویہ
۶۔ شورائی جمہوریت
۷۔ اطاعت امیر
۸۔ اقتدار کی طلب رکھنے والا خائن ہے
۹۔ ریاست کا بلند نصب العین
۱۰۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (۲۲)



Marfat.com

یہاں ان اصولوں کی وضاحت اور تشریح کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی گنجائش ہے تاہم ہر عنوان اپنی تشریح خود کر رہا ہے۔ یہی وہ اصول عشرہ تھے جو استحکام ریاست کی ضمانت تھے۔ معاہدہ مواخات، میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ، سلسلہ غزوات و سرایا اور بالآخر فتح مکہ کو درج بالااصولوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی طور پر استحکام ریاست کا بنیادی سبب یہی دس اصول تھے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف یہی اصول اپنا لینے سے استحکام پاکستان ممکن ہے۔ اس کا جواب اگرچہ نفی میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم صرف انہی اصولوں پر ہی کاربند ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ استحکام اور خوشحالی کا خواب پورانہ ہوسکے۔ البتہ چند عصری مسائل بھی توجہ طلب ہیں جن کے بغیر شاید یہ خواب شرمندہ تعبیرنہ درسکے۔(۲۳)

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے(۲۴)
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے

## عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جمہوری سیاسی نظام :

مل گئے خاک میں دستور کہن کے اوراق
ایک نئے دور کے عنوان کا سورج چمکا

رحمت عالم، بے مثل حکمران، مدبر و منتظم، قائد تمدن، امن عالم کے نقیب، رہنمائے کاروانِ انسانیت، خیر البشر، رحمۃ للعالمین، رؤف ورحیم پیغمبر، معلم کتاب وحکمت، صاحبِ خلق عظیم، صاحب مقام محمود، شاہ امم، خاتم المرسلین، مونس دل شکستگاں، پشت پناہ خستگاں، ہادی اکرم، پیغمبر اعظم، جان عالم، فخر عالم، مینارہ نور، جمال اولین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ وہ واحد منبع ہے جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر بے شمار درود و سلام ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حلم، بردباری اور بے پایاں شفقت و برداشت سے دنیا کو امن کا خطہ بنا دیا۔ آپ کی تعلیمات عالیہ اور لائے ہوئے نظام میں دنیا کی فلاح و بہبود پوشیدہ ہے۔ یہ جہان رنگ و بو جلوہ گاہ حیات ہے، زندگی کی رنگینیوں کے باعث یہ جہاں آباد ہے۔ یہ انسان ہی ہے جس کو خلعت وجود بخشنے کے بعد، خالق حقیقی نے ۔"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نمونہ بنایا ہے"علم اور عمل، فکر اور تخلیق، تدبیر اور تعمیر کی جو بے پناہ صلاحیتیں اس پیکرِ خاکی میں ودیعت فرمائیں ان کا تذکرہ "نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوحِيْ "کے معنی خیز الفاظ سے کیا۔(۲۵) آیئے ایک نظر دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل دنیا کا جمہوری سیاسی نظام کس طرح چل رہا تھا۔

## پیغمبر اعظم سے پہلے ملکوں اور قوموں کی حالت:

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے دور میں روئے زمین پر جلوہ فرما ہوئے، جب دنیا کی تمام قومیں اور سلطنتیں طوائف الملوکی کے عذاب میں مبتلا تھیں، بنی اسرائیل بربادیوں کے منتا سے رحمت عالم کے



Marfat.com

انتظار میں تھیں۔ عیسائی دنیا آپس میں جنگ آزما تھی اور اس خیال پر قائم کہ خدا کی بادشاہت محض ایک تصوری شے ہے، واقعی، وجودی اور حقیقی امر نہیں ہے۔

یہودی قدس سے یثرب تک پراگندہ حال آباد تھے اور عربوں کے مقاومت سے بے حال ہو رہے تھے۔ عیسائی تاجداری کے تخت پر سیدنا مسیح علیہ السلام کے احکام کے خلاف صف آرا تھے اور اپنے فرائض بھول چلے تھے۔ فارس کی عظیم قوم سکندر اعظم کے عمل جراحی سے شفا پانے کے بعد قوت حاصل کرچکی تھی مگر شوکت وسطوت کے باوجود تمام قوت انسانیت کے اصولوں کو شکست دینے کے لیے صرف کررہی تھی۔

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی میدان میں اسلام کا نظام حکومت قائم کرنے میں جن اعلیٰ اور فطری اصولوں کا لحاظ رکھا ہے ان کا اندازہ درحقیقت اس زمانہ کے حالات پر موقوف ہے۔ اگر اسلام سے پہلے ظاہر ہونے والے واقعات کو میزان عدل میں رکھ کر وزن کیا جائے تو ان کے بارے میں یہ ماننا ہوگا کہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہولناک مخالفتوں، تباہ کن جنگوں اور افسوسناک برائیوں کا دور دورہ تھا۔(۲۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چھ سو سال بعد انسانیت عامہ کے سب سے بڑے محسن اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے سے پہلے تاریخ کی بہت سی قوموں نے دنیا کے آئینہ میں اپنا چہرہ دکھایا، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کام شروع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم بردار سپاہیوں نے گردن بلند کرکے دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالی تو ان کے قدموں کے نیچے راستہ صاف تھا۔

## یونان و روم میں جمہوری سیاسی نظام :

دنیا کی تاریخ میں یونان و روما کا نام بہت اچھالا گیا ہے اور اس سے دور جدید کا اسلامی فکر بھی بہت متاثر ہوا ہے لیکن جدید علم تحقیق نے ان دونوں یورپی سلطنتوں کی بربادی کی داستان بھی سامنے رکھ دی ہے۔ روم نے قرونِ وسطیٰ تک حکومت وسلطنت کے تین دور دیکھے، گیلوس، آگسٹس دونوں پہلے دور کے حکمراں ہیں۔ ان میں سے دوسرے حکمراں نے قیصر روم کا لقب اختیار کرکے یونان، شام اور مصر پر کامیاب فوج کشی کی اور ہیروڈوٹس کا شام کا پہلا وائسرے بنایا یہی دور ہے جس میں عیسوی مذہب کو فروغ حاصل ہوا، اسی دور میں بلادِ عرب کے بعض حصوں پر رومی اجنبیوں نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ دوسرے دور قسطنطین سے شروع ہوا، ہرقلس (ہرکلیس) پر ختم ہوا۔ اس دور میں موجودہ ترقی، شام، مصر اور عرب کا شمالی علاقہ رومیں کے ماتحت نو آبادی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دور کے فرمانروا ہرقلس کو اسلام کے اجتماعی نظام میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی۔ تیسرا دور ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شروع ہوا۔ المقتدر اور المستکفی باللہ کے عہد (۹۴۴ء ۳۳۴ھ) تک جاری رہا۔(۲۷)



Marfat.com

روما کا نظریہ حکومت: رومی حکومت دنیائے قدیم کی حقیقی حکمران طاقت تھی، زمانہ حال کے علماء سیاست اور مدبرین اپنی حکومتوں کا سلسلہ حسب و نسب روما ہی سے ملاتے ہیں اور کہتے ہیں: " دنیا ایک انگشتری تھی اور روما اس کا نگینہ۔" مسلمانوں کا جدید علمی دماغ بھی روما کے بوجھ میں دبا ہوا ہے لیکن اسلام کے نقطہ نگاہ سے یہ جاہلیت کا پہلا دور تھا اور بحر روم کی آخری تباہ حال شہنشاہیت تھی جس کو اسلام نے اللہ کے حکم اور جمہور کی طاقت سے پاش پاش کر دیا۔ رومی سلطنت میں ایک طرف تو توہم پرستی کی حد یہ تھی کہ دیوتا پوجے جاتے تھے اور دوسری طرف رومیوں کا خیال تھا کہ وہ دنیا کو اپنے اقتدار کے ماتحت لانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ (۲۸)

بلنچلی کا بیان ہے کہ یونان کی بنیاد قوموں کے اختلاط پر تھی روما کی بنیاد ایک قوم کی اعلیٰ فطرت پر تھی جس نے چاہا کہ تمام دنیا کو رومی بنادے یہی اس کا جرم تھا کوئی قوم ایسی جلیل القدر نہیں ہوسکتی کہ دوسری قوموں کو اپنی آغوش میں فنا کردے یہی وجہ ہے کہ وہ ٹیوٹن قوم کے تازہ جوشِ جوانی سے ٹکرا کر فنا ہوگئی۔" (۲۹)

یونانیوں نے شہری حکومت پیدا کی، رومیوں نے قومی مملکت کی داغ بیل ڈالی، ان کا دعویٰ تھا کہ حکومت قوم کی تنظیم شدہ ہیئت سے بنتی ہے، کنافیوس آگسٹس (روم کے پہلے قیصر) (۶۳ق م) سے لے کر اسلام کے ظہور تک روم کے شہنشاہ کو اب لامتناہی اختیار حاصل تھا جو نہ حکمراں کے لیے مفید ہوسکتا ہے اور نہ قوم کے لیے۔ رومی حکومت کا تخیل بہبودعامہ تھا جو بہت کم عمل میں آتا تھا۔ رومی قوم کی اخلاقی تباہی ان کی نہ سیر ہونے والی حرص کا جذبہ تھی جو انہیں فتوحات کے پیچھے لیے لیے پھرتی تھی۔

اسلامی حکومت ایک صاف آئینہ کی مانند تھی جس میں رومی دور کی کوئی خرابی نہ تھی، دیوتا پرستی ختم ہوچکی تھی، شہنشاہیت باقی تھی، پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا سفیر روم بھیجا اور سفارت کی ناکامی کے بعد فرمایا: " قیصر کے خاتمے کے بعد قیصر نہ ہوگا۔" اسلام کی قوت نے یہ معجزہ کر ہی دکھایا یہ تھا وہ دن جب پہلی مرتبہ انسان کے کانوں نے جمہوریت کی زبان سے شہنشاہیت کی شکست کا اعلان سنا۔ (۳۰)

## یونان کا جمہوری سیاسی نظام:

یونان دنیائے قدیم کا سیاسی پایہ تخت رہا ہے۔ دنیائے جدید اس سے کافی مرعوب ہے اور یہ اقرار کرتی ہے کہ علم السیاست کی حقیقی ابتداء اور انسان کی خود آگاہی کا اظہار اول اول یونان میں ہوا۔ یہ دعویٰ بجائے خود صحیح، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یونانی تصور اجتماعی زندگی کا بہت ہی ناقص ظہور ہے، اور اس کے مقابلہ میں اسلامی حکومت ایک کامل و مکمل، اتم اور اکمل سلطنت کی جیتی جاگتی اور جگمگاتی تصویر ہے۔ یونانی سیاستدان شہر اور سلطنت کو ایک ہی لفظ پولیس کے نام سے ظاہر کرتے تھے، جس کے معنی



Marfat.com

ہیں کہ ان کی سلطنت کا تصور شہر پر مبنی تھا۔ جرمن سیاستدان بنچلی کہتا ہے کہ " اس کے حدود ارضی مختصر تھے، طاقت محدود تھی، مادی حیثیت بہت ہی حقیر اور اس کی حیثیت طفلانی تھی۔"

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ایڈورڈ جیکسن لکھتے ہیں کہ : " اس حکومت میں نالائقی کے اتنے مہلک عناصر تھے، جن کی وجہ سے اس پر وقت سے پہلے تباہی آگئی۔"

یونانی حکومت کے برعکس اسلامی، خلافت ارضی ہے۔ اس سے چار فرائض متعلق ہیں، آبادکاری، سیاسی رہنمائی، تمدنی اصلاح اور احکامِ سیاست کا اجراء۔ یہ چاروں اجزاء قلمروئے ارضی سے متعلق ہیں۔ یونانی حکومت نسلوں کی تقسیم در تقسیم سے مرکب ہے اسلامی حکومت اپنی شیرازہ بندی کے اعتبار سے ایک ایسی وحدت ہے جس میں نسلی تقسیم کا کوئی گزر نہیں۔ اسلام ایک عظیم الشان انسانی برادری ہے اور دنیا کی سب سے بڑی پارلیمنٹ جس کے سایہ میں تمام انسان اپنا مقصد حاصل کرسکتے ہیں۔ ہر وہ انسان جو اس کا رکن سکتا ہے، یونان کی اس حکومت سے کوئی اثر نہیں لے سکتا جس کے بارے میں کہا گیا ہے : " اس کی وجہ سے قدیم نظام ٹوٹ پھوٹ گیا، جدید نظام نہ بن سکا، یورپی تہذیب بے باکانہ عیاشی میں تبدیل ہوگئی اور ایشیا کی پستی مکمل کردینے میں معاون بن گئی۔(۳۱)

## افلاطون کا نظریہ حکومت و سیاست

افلاطون خدا کا قائل ہے۔ خدا کی بادشاہت کا بھی ذکر کرتا ہے شاید اسی لیے مسلمان اس کو افلاطون الٰہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ افلاطون حکومت کی چار قسمیں کرتا ہے شخصی بادشاہی، شخصی موتمری یعنی چند فلسفیوں کی حکومت جس کا حکمراں شخص واحد ہو، حکومتِ خواص یعنی اعلیٰ طبقے کی سرمایہ دار حکومت اور جمہوری جس میں جمہور حکمراں ہو اور حکامِ محکوم۔ تاہم افلاطون شخصی موتمری حکومت کا قائل ہے۔ لیکن اسلام شخصی حکومت سے بلند و بالا ہے کیونکہ اس نے اپنے عہد میں شخصی حکومت کو ختم کرکے حکومت کی زمام جمہور انسانوں کے ہاتھوں میں دی ہے، تعجب ہوتا ہے کہ افلاطون کا مشہور و معروف دماغ کیوں شخصی قید سے آزاد نہ ہوسکا۔(۳۲) وہ سوسائٹی کو جسم واحد مانتا ہے اور یہ اسلام کے عین مطابق ہے۔ افلاطون محدود یونانی تصور کی بنا پر صرف شہر والوں سے کہتا ہے، " شہریو! تم سب بھائی بھائی ہو مگر اسلام ذاتوں، طبقوں اور نسلوں سے بلند ہوکر دنیا بھر کے انسانوں سے خطاب کرتا ہے، تم سب ایک انسان کی اولاد ہو، سب مٹی سے ہو اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو۔"

**ارسطو کا نظریہ حکومت و سیاست:** ارسطو اونچے طبقے کے لائق و فائق اشخاص کی حکومت کا قائل ہے۔ افلاطون اس حکومت کو حکومتِ خاص کہتا ہے اور ارسطو اسے ارسطو کریسی کا نام دیتا ہے۔ ارسطو بذات خود اونچے طبقے کی اعیانی حکومت کا حامی ہے اور اس حکومت میں طبقاتی امتیاز ناگزیر طور پر ہوتے ہیں۔ افلاطون کہتا ہے کہ " ادنیٰ طبقہ کو اعلیٰ طبقہ کی اطاعت کرنی چاہیے۔" ارسطو کہتا ہے کسی



Marfat.com

شہری کی کوئی ہستی نہیں، ہر شخص سلطنت کا جزو ہے اور اس کے تابع۔"

جبکہ اسلامی حکومت میں امت کے بہترین افراد جو اللہ اور عوام کی نگاہوں میں منتخب ہوتے ہیں، مرضی عامہ کے بعد حکومت کا کام امانت سمجھ کر اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور امیر ایک عامی کے برابر ہو کر اُمت کی خدمت کرتا ہے۔ یہ سیاسی تصور کی وہ بلندی ہے جہاں سکندر اعظم کے استاذ ارسطو کا دماغ نہیں پہنچ سکا۔(۳۳)

**یورپ کا جمہوری سیاسی نظام :** فرانس کے اہل قلم موسیو گال لیبام نے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں یورپ کے حالات کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے میلاد سے کچھ پہلے اور کچھ بعد چھٹی صدی (۶۰۰ء) کے اطراف میں ساری دنیا کا مطلع فتنہ و فساد کے سیاہ بادلوں سے تیرہ و تار تھا۔ اسپین اور جنوبی فرانس کے باشندے شہنشاہ کلاوڈیس کے کیتھولک خاندان کے رؤساء سے پریشان تھے۔ انہوں نے مشرقی روم کے شہنشاہ کیسٹینن کو امداد کے لیے بلایا جب وہ قاہر طاقتوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے آیا تو انہی مظلوموں کو جبری لام بندی کے ماتحت مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں اپنے محسنوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑا۔"(۳۴) فرانس و اسپین کے مجموعی دائرہ میں کلاوڈیس کا خاندان اور فرانکی حکومت میں جنگ کا بازار گرم تھا۔ تاریخ میں اس سے زیادہ رنج دہ جنگ کی مثال نہیں ملتی۔" (۳۵)

انگلستان میں کیمرس نسل اور انگلو سیکسن قومیں وحشیانہ معرکہ آرائی اور کشت و خون میں غرق تھیں۔ بربر نسل، اسکاٹ لینڈ کی کلٹک نسل، جیوٹ نسل یکے بعد دیگرے دست و گریبان تھے۔ ۴۹۴ء میں کسی قدر حکومت کی سطح پر ان کا اجتماعی میلان ظاہر ہوتا ہے، لیکن ۸۲۸ء تک انگلستان کی شہنشاہیتِ متحدہ کا خاکہ نہیں بن سکا۔(۳۶)

رومۃ الکبریٰ کی حکومت جس کا نام آج تک دلوں کو مرعوب کرتا ہے سخت قسم کی پایائی کشمکش میں مبتلا تھی۔ یونان اپنی تاریخی عظمت کو فراموش کرچکا تھا۔ مملکتِ یونان مشرقی روما کی مملکت میں گم ہوگئی تھی۔(۳۷)

مشرقی یورپ دریائے رائن کے جنوبی کنارے سے دریائے ڈینوب کے مشرقی اور مغربی وادی تک اضطراب و اختلاف کی آماجگاہ بنا ہوا تھا

اسکنڈینویا (بحر بالٹک کے ممالک) ناروے اور ڈنمارک کے باشندے گاتھ اور ہون قوموں کے مقابلہ اور مزاحمت میں مصروف تھے۔ موسیو رینان نے رومنوں کے متعلق بالکل صحیح کہا ہے کہ پہلی صدی کی رومن حکومت اور چھٹی صدی کے رومنوں میں کوئی مشابہت نہیں کیونکہ چھٹی صدی کی رومن سلطنت برائیوں، خرابیوں اور وحشیانہ جنگ و جدال کا نقشہ پیش کرتی ہے۔(۳۸)

**دوسری تاریخی جمہوری سیاسی حکومتوں پر نظر :** یونان و روما کے بعد جرمن فرانی قبیلے نے رومی سرزمین پر ایک بہت بڑی سلطنت قائم کرلی، اس جرمن رومن متحدہ شاہی نے فرانکی شہنشاہیت کا نام پایا



Marfat.com

مگر اسے دو چیزوں نے تباہ کردیا۔ موروثی اصول جس سے حکومت مختلف بیٹوں میں تقسیم ہوگئی اور اس سے سلطنت و قوم دونوں تباہ ہوگئے، دوم قومیت کا شعور، قومیتوں کے افتراق نے فرانس کو جرمنی سے علیحدہ کردیا اور فرانکی شاہی کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اس کے بعد مغربی شہنشاہیت پیدا ہوئی اور اس نے مذہب عیسوی کی پناہ لی۔ عیسائیت نے یہ ظاہر کردیا کہ سلطنت اور مذہب دو مختلف چیزیں ہیں اور ان میں سخت اختلاف ہے۔ یہی وہ منزل ہے جس سے مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا فاسد عقیدہ پیدا ہوا۔ یورپ کی تمام حکومتوں میں شخصی بادشاہی، موروثی ولی عہدی، قوموں کی تفریق، طبقاتی امتیاز تباہی کی حد تک موجود تھا۔ فریڈرک ثانی جیسے مدبر اور ڈانٹے جیسے صاحب کفر معنی آفریں کا خیال شہنشاہیت ہی کی جولا نگاہ بنا ہوا تھا۔ اسلام نے کارناموں کی دنیا میں جو کارنامہ انجام دیا اس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس نے سیاست و سلطنت کے دائرہ سے ان تمام خرافات الاصنام کا خاتمہ کردیا جن کا تعلق شاہ پرستی اور فاسد قومیت پرستی تھا۔(۳۹)

موسیو گال لیبام کے مطابق : " محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا پر فتنہ فساد کے گھرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے مطابق : " اسلام سے پہلے قدیم چیزیں فنا ہوچکی تھیں، جدید ابھی وجود میں نہ آئی تھیں، اس لیے سارے یورپ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔"

مؤرخ دان کریمر کے مطابق : " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مذہب کی بنیاد ڈالی، نیا طرز حکومت پیدا کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تم تمام قلمرو عرب پر خدائی امن چھایا ہوا تھا۔" (۴۰)

ڈاکٹر لوتھر کے مطابق : " اسلام نے بڑی سلطنتوں اور مستقل مذہبوں کو تہ و بالا کرکے نفوس اقوام کو نئی ترکیب دی اور ایک مکمل جدید دنیا یعنی دنیائے اسلام تعمیر کی جس کا اثر تمام نوع انسان پر پڑ کر رہے گا۔"(۴۱)

**ایران میں جمہوری سیاسی نظام :** ایران نے اسلام سے پہلے چار سلطنتیں دیکھیں۔ (۴۲)
۱۔ سلطنت پیشدادیاں، ۲۔ سلطنت اشغانیاں، ۳۔ سلطنت کیانیاں، اور ۴۔ سلطنت ساسانیاں۔ نوشیرواں کے عہد میں پیغمبر اعظم کی ولادت ہوئی اور پرویز کے زمانے میں اسلام کی حکومت نے اپنے سیاسی آثار کو ظاہر کیا(۴۳)۔ چاروں طبقوں کے بے شمار بادشاہوں میں صرف نوشیروان عادل نے نام نیک چھوڑا۔ آخر میں شاہی کا فساد پوری طرح ظاہر ہوا، جب اسلام کا ظہور ہوا فارس کے مجبور و مقہور جمہور اپنے چھ بادشاہوں کو قتل کرچکے تھے۔ دراصل یہ انجام تھا اس آغاز کا جس کا ظہور یا طبقہ مدیا کی "مانائی مملکت" کے شہزادوں کی جنگ میں ہوچکا تھا۔ تمام ایشیا اسی حال میں تھا جابر حکومتیں، جنگی بادشاہ، جنگجو شہزادے اپنے ظلم و جبر کی جولانگاہ میں آزاد تھے۔ اسلام آیا اور اس نے صورت حال کو یکسر تبدیل کردیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ



Marfat.com

اسلامی حکومت نے شہنشاہیت کے فاسد تصور کا خاتمہ کرکے حسب مرضی جمہور کا قانون جاری کیا تو اس سے مجبور و مقہور دنیا کو کتنی بڑی دولت ملی ہوگی۔(۴۴)

**مصر و نینویٰ کا جمہوری سیاسی نظام:** مصر قدیم میں حکومت کے تین طبقے ہوئے، جن میں دولت فارس کے قیام تک بارہ خاندانوں کے ستر سے زیادہ بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ ہجرت عامہ بنی اسرائیل کے چار ہزار سال کے عرصہ میں انسان کی قسمت شخصی بادشاہت کی غلامی سے نجات نہ پا سکی۔ نینویٰ، موصل اور کردستان میں سینس کا اثوری خاندان سیاسی اور شاہی اقتدار کا مالک تھا اور بابل میں سلسلہ نمرود کے پچاس بادشاہ اپنی تعمیر کے لیے ہمسایوں کو زیر و زبر کرتے رہے۔(۴۵)

### ہندوستان میں جمہوری سیاسی نظام:

ہندوستان کے متعلق تاریخی طور پر کچھ کہنا بہت مشکل ہے، یہاں مذہبی اور سیاسی میلانات کی تاریخ کا بڑا حصہ روایتی اور قیاسی ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھئے مقدمہ مہابھارت ورمن، لاہور، ص ۳) یہاں مغربی ایشیا سے آنے والی آرین نسل نے ویدوں کے مطابق آریہ حکومتیں قائم کیں، جنگ آزما حکومتوں کا یہ سلسلہ بہت سے راجگان کے ماتحت تھا۔ پورا ملک کئی ملکوں میں تقسیم تھا اور انسانی معاشرے میں وحدت مفقود تھی۔ جنگ مہابھارت اور منو کے قوانین کا تعلق اسی عہد سے ہے۔(۴۶) ہندوؤں کی روایتی کہانیاں یہ کہتی ہیں کہ دو ہزار سال قبل مسیح اجودھیا میں سورج بنسی حکومت کر رہے تھے۔ ۵۰۰ ق۔م ویشالی راج تھا۔ اسی زمانہ میں ریاست کپل وستو (نیپال) میں راجہ سدھو دھن شاکیہ کے محل میں گوتم بدھ پیدا ہوا جس کے بعد ۳۳۲ ق۔م چندر گپت کی حکومت قائم ہوئی۔ چند کے پوتے اشوک نے بدھ حکومت کو ٹیکسلا، افغانستان، بلخ، بخارا، بلوچستان تک وسیع کیا۔ یہ حکومت ظہور اسلام تک مختلف علاقوں میں باقی تھی۔ ۲۰۰ء ق۔م میں چین کا خانہ بدوش یوچی قبیلہ براستہ کابل ہندوستان پہنچا اور اس نے کُش خاندان کی حکومت قائم کی۔(۴۷) ہندوستان میں آریہ آئے اور انہوں نے ملک کے اصلی باشندوں کو اچھوت ("بھنگی، چمار اور غلام") بنا کر چھوڑا۔ ہندوستان کے ایک سیاستدان کے اعتراف کے مطابق یہ آریہ مغرور تھے، خود بیں تھے، دوسروں کو ذلیل سمجھتے تھے، ملک ایک تھا اور حکومتیں بے شمار۔ اسلام سے قبل ملک کی خراب حال حکومتوں میں اور اضافہ ہوگیا۔ ان گنت حکومتیں راجگان، ٹھاکر داریاں۔ نتیجہ یہ ہوا ملک کمزور ہوا اور اس پر زوال آگیا۔

چین کا جمہوری سیاسی نظام: چین کی تہذیب اور اس کا تمدن اتنا قدیم ہے کہ صحیح معنوں میں اس کے آغاز کا تعین اب تک نہیں ہوسکا۔(۴۸) چین کے تاریخی دور کی ابتداء جیسا کہ کہا جاتا ہے یاؤ (Yao) کے زمانہ (۵۰۸ تا ۴۰۰ ۲ق م) سے ہوئی (۴۹)۔ اس کے بعد بتدریج شون (Shone)، ہیا (Haia)، شانگ (Shang) اور اینگ کے خاندان برسر اقتدار آئے۔(۵۰) پھر طوائف الملوکی کا طویل



Marfat.com

دور شروع ہوا جو ہان (Han) خاندان کی حکومت کے قیام تک جاری رہا۔ہان کا پہلا فرمانروا کوٹی (-Kao Ti) تھا۔(۵۱)(۱۰۴) اس کے زمانے میں ملک کی علمی وسیاسی قوت نے فروغ پایا۔اس خانوادہ کو تیسری صدی عیسوی تک حکومت کا موقع ملا۔لیکن کا آغاز سے کچھ ہی عرصہ بعد ضعف و انحطاط کا عمل جاری ہو گیا تھا۔رفتہ فتہ خانہ جنگیاں،بغاوتیں اور دوسرے فتنے بڑھ گئے یہاں تک کہ ایک فوجی نے بغاوت کر کے ۲۲۱ء میں اس کا خاتمہ کر دیا۔(۵۲) اس کی وجہ سے اندرونی خلفشار اور افرا تفری مزید بڑھ گئی اور صورتحال اس حد تک خراب ہوگئی کہ چالیس سال سے زائد عرصہ تک تخت شاہی خالی رہا اور کوئی حکومت وہاں قائم نہ ہوسکی۔آخر کار ۲۶۵ء میں خاندان شی چیہ (Shee-Cheu) نے حالات پر قابو پایا اور اپنی بساط اقتدار کو چھٹی صدی عیسوی تک پھیلا دیا۔(۵۳) بظاہر حکومت وسیاست کا یہ ایک طویل عرصہ ہے لیکن فی الحقیقت چین کی تاریخ میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں۔کیونکہ ساڑھے تین سو سال کا یہ دور سخت انتشار واضطراب سے عبارت ہے۔(۵۴) اور طوائف الملوکی سے مختلف نہیں ہے بہر حال عرصہ دراز کے افتراق کے بعد ۵۸۹ء میں سوئی (Sui) خاندان سریر آرائے سلطنت ہوا تو کچھ مدت کے لیے ملک کے حالات سُدھر گئے،اس کے باشندوں کو امن وامان میسر آیا اور ایک گونہ سیاسی اتحاد قائم ہونے کے علاوہ ملک کا وقار بھی بلند ہوا۔مگر ۶۱۸ء میں یعنی ہجرت نبویؐ سے چار سال پہلے سوئی خاندان کو تانگ خاندان کے لیے جگہ خالی کرنا پڑی۔(۵۵)تانگ کا دور ۶۱۸ء سے ۹۰۶ تک رہا۔(۵۶)

اس تفصیل سے یہ واضح ہے کہ حضورؐ کی بعث کے وقت چین میں سوئی خاندان مسند اقتدار پر فائز تھا اور تانگ خاندان نے اس وقت زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث کو آٹھ سال ہو چکے تھے اور آپ قریش کے معاشی و معاشرتی مقاطعہ کا سامنا کر رہے تھے۔تانگ کا دورِ حکومت بہت طویل رہا۔اس کا دوسرا فرمانرواتائی شنگ (Tai Tsung) تھا۔(۵۷) اس نے ۶۲۷ء سے ۶۴۹ء تک حکومت کی۔(۵۸) اسی کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور خود جب وہ مرا تو اس وقت حضرت عثمانؓ تخت خلافت پر متمکن تھے۔بہر حال مجموعی طور پر یہ کہنا چاہیے کہ خاندان تانگ سے چین کی سیاست میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔(۵۹) مزید برآنس چین نے بت پرستی، کنفیوشس ازم اور بدھ مت کے عروج و زوال اور نسطوری ومانوی مذہب کے بعد اسلامس کا جلوہ بھی اسی دور میں دیکھا۔(۶۰)

## عرب کی جمہوری سیاس نظام حکومت:

ا۔جنوبی جزیرۃ العرب: جزیرۃ العرب کے جنوب میں بعض ممالک جن کے بارے میں قلیل معلومات کے باوجود ان منطقوں میں سیاسی تنظیم کے پائے جانے کی عمومی صورت سامنے آجاتی ہے اور ان منطقوں میں نمایاں ممالک درج ذیل ہیں:



Marfat.com

☆ مملکت معین (۶۳۰-۲۰۰اق م) کے دوران یمن کے شمال میں۔
☆ مملکت سبا(۹۰-۱۱۵اق م) کے دوران یمن کے جنوب میں ظاہر ہوئی اور اس نے مملکت معین کو بطور وراثت پایا۔
☆ مملکت قتبان :(۶۱)

یہ یمن کے علاقوں کے جنوب سے درے (۲۵-۱۰۰اق م) کے دوران تھی۔ یہ معین و سبا کے ہم عصر تھی۔

☆ مملکت حمیر: یہ یمن میں سبا اور بحر احمر کے مابین ۱۱۵اق م کے بعد وجود میں آئی اور ۶۴۰سال کے لگ بھگ رہی۔(۶۲)

☆☆شمالی جزیرہ:

☆مملکت مناذرہ: بعض عربی قبائل یمن سے ہجرت کرکے جزیزۃ العرب کے شمال مشرق میں آباد ہو گئے اور یہ ریاست وجود میں آئی جس نے حیرہ کو اپنا دارالحکومت بنایا او ر تہذیب فارس کواپنایا۔

☆مملکت غساسنہ: بعض عرب قبائل یمن سے ہجرت کرکے جزیزہ عرب ک شمال مغرب میں آباد ہوئے۔ یعنی اردن اور جنوبی شام۔ غسان نامی پانی پر۔ اور انھوں نے اس کا نام غساسنہ رکھا۔روم غساسنہ کا حلیف تھا اور فرس مناذرہ کا۔غساسنہ کی ریاست کی حکمرانی عربی ثقافت اور رومی قانون سے مخلوط تھی۔(۶۳)

☆☆بلاد حجاز

اس وقت بلاد حجاز میں عربوں کی کوئی معروف حکومت نہیں تھی اورنہ ان کا کوئی عدالتی نظام تھا جہاں فیصلوں کے لیے رجوع کرتے اور نہ ہی کوئی منصوبہ امن تھا جو نظام کو مقرر کرتا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا حتی کہ کوئی لشکر نہ تھا جو ان کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھتا اور نہ کوئی اقتدار تھا جو سرکشوں کی سرکوبی کرتا اور نہ مجرموں کو سزا دینے کی امید بر آتی تھی۔ زیادتی کا شکار اپنے لیے اپنی ذات سے ہی انتقام لیتا یا یہ کہ اس کا قبیلہ اس کی مدد کرتا۔(۶۴)مکہ میں مناصب کی ایک قسم تھی جو بلاد عربیہ کے کسی دوسرے علاقے میں نہ تھی اور وہ اس علاقے کے دینی مرکز ہونے، نیز ہر طرف سے آنے والے حجاج کے وفود کے باعث تھی۔

بعض محققین نے اسے ۱۶ مناصب تک شمار کیا ہے۔ جن میں سے حجابت، سقایہ اور رفادت تھے اور انھوں نے انھیں سیاسی اقتدار کی اقسام قرار دیا حالانکہ زیادہ قرین حقیقت یہ ہے کہ وہ اشرافیہ کے مناصب تھے جن کا تقاضہ علاقے کا مزاج اور حجاج کے حالات کرتے تھے اور وہ کسی قسم کا سیاسی تسلط نہیں تھا۔

بلاد حجاز کے سیاست سے فارغ ہونے کی تائید جس چیز سے ہوتی ہے وہ یہ کہ جب ابرہہ اشرم کعبہ شریف کو منہدم کرنے کے لیے آیا تو جناب عبدالمطلب نے نکل کر اس سے اپنے اونٹوں کی واپسی کو



Marfat.com

مطالبہ کیا اور مکہ و اہل مکہ کے بارے میں کوئی جھگڑا نہیں کیا۔(۶۵)

نیز تجدید کعبہ کے موقع پر حجر اسود کی تنصیب پر اختلاف بھی اسی موقف کی تائید میں ہے۔اگر بلاد میں کوئی سیاسی اقتدار ہوتا تو اس قسم کی مشکلات میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا۔(۶۶)

لیکن ان عربی قبائل نے سفارت کاری جیسا احلاف وجوار(Good Neighbourhood)کا طریق کار اپنا رکھا تھا۔احلاف جمع ہے حلف کی جو اصل میں ایک طرح کا باہمی تعاون، امداد اور نصرت کا معاہدہ ہوتا تھا۔(۶۷)

جاہلیت کے احلاف، ان میں سے کوئی بھلائی کے لیے ہوتا مثلاً حلف الفضول جس میں قریش کے رشتہ داروں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر عہد کیا کہ اگر مکہ میں کسی پر ظلم کیا گیا تو وہ اس مظلوم کا ساتھ دیں گے حتی کہ ظلم کا ازالہ ہو جائے۔اور ان میں سے ایک شر کا معاہدہ تھا، قریش کا نبی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور بنی ہاشم کا شعب ابی طالب میں محصور کرنے کا باہمی حلف تھااور ان میں سے جو بھلائی پر مبنی تھا، اسلام نے اس کی توثیق کی اور ان میں سے جو شر پر مبنی تھا، اسلام نے اسے باطل قرار دے کر توڑ ڈالا۔جہاں تک جوار کا تعلق ہے اس کا مقصود پناہ گزین کی حمایت اور اسے قوت بہم پہنچانا تھا۔(۶۸)

نیز جاہلیت میں ایک دوسرے کو پناہ دینا۔کوئی نہیں چاہتا تھا کہ عرب سنیں کہ اس نے اپنے معاہدے کے بارے میں شرمندگی اٹھائی ہے۔(۶۹)جاہلیت میں جوار صرف ظلم کے خلاف حمایت نہ تھی بلکہ معاملہ ظالموں کے اجارہ تک بڑھ گیا، جسے اسلام نے حرام قرار دیا اور اس کے عامل کو عذاب کی دھمکی دی۔(۷۰)

اسلام سے قبل عرب قبائل متفرق تھے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا: " لَوْ اَنفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ "(۷۱) ترجمہ " تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے، یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔ "

یہی حال اوس و خزرج کا مدینے میں تھا اور بقایا قبائل عرب بھی اس حقیقت سے دور نہیں تھے۔ ان کے دل پھٹے ہوئے تھے۔ان کے مابین جنگیں نہایت بے ہودہ اسباب سے چھڑ جاتیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

☆ حرب بسوس : بنی وائل کے دو قبیلوں بکر اور غالب کے درمیان تھی۔وہ صرف ایک اونٹنی کے سبب چالیس سال تک ہوتی رہی۔

☆ حرب داحس والغبر : عبث وضبیان کے مابین چالیس سال تک جاری رہی۔اس کا سبب صرف یہ



Marfat.com

تھا کہ دو گھوڑوں میں سے کس کے گھوڑے کو پہلے آگے گزرنا ہے۔

☆ ایام الفجار: یہ جنگیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۲۶ سال قبل حجاز کے عربوں کے مابین حرمت والے مہینوں میں ہوئیں۔ (۷۲)

اسلام سے پہلے تاریخ عالم کی مشہور و معروف حکومتیں سلسلہ بسلسلہ قائم ہوتی رہیں۔ ایک حکومت قائم ہوکر ختم ہوجاتی تو دوسری حکومت منظر عام پر آتی۔ آخر اسلام ظاہر ہوا اور اس نے سب سلطنتوں اور حکومتوں کو فطری حکومت کے نظریہ اور نظام اساسی سے آشنا کیا۔ فارس، روم اور ہندوستان کی خراب و خستہ تنظیمات ٹوٹ پھوٹ گئیں اور خدا کی حکومت کے اوصاف کو ظاہر ہونے کے لیے ایک نیا میدان مل گیا۔

## قیام پاکستان اور تحریک پاکستان:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۵۵) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ " ترجمہ : "وعدہ فرمایا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے اور ان کے لئے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی موجودہ حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ پس وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں تو ایسے ہی لوگ فسق میں مبتلا ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اطاعتِ رسول کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(۷۳)

اس آیت کی روشنی میں تحریکِ پاکستان پر غور کریں تو اس کے ایک ایک لفظ کی صداقت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ واقعی تحریکِ پاکستان کے دوران برصغیر کے مسلمانوں نے جذبہء ایمانی سے سرشار ہو کر جرأت، ایثار، ہجرت، جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی ایسی ناقابلِ فراموش مثالیں قائم کیں جو اس عہد میں مذکور مومنوں کی صفتِ ایمانی "عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" (نیک عمل کئے) کی تصدیق کر رہی ہیں۔

چنانچہ مذکورہ وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ مسلمانانِ برصغیر کو اعمال صالح کے ذریعے اپنے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے بعد ایک ایسا خطہِ ارضی بھی عطا کر دیا۔ جس میں اللہ کے پسندیدہ دین کا نفاذ کر سکیں۔

یہاں ہمیں تحریکِ پاکستان کے مجاہدین کے ان عزائم کو فراموش نہیں کرنا چاہئے جس میں انہوں نے اسلام کے نفاذ کی خاطر مملکت کے حصول کی خواہش کی تھی۔



Marfat.com

بقول قائد محترم محمد علی جناح: "آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرک کیا تھا؟ مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے، نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔" (۷۴)

یہاں تک تو مرحلہ تھا اللہ تعالیٰ کے وعدے کی پابندی کا جو اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا کیونکہ "وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیۡثًا" "اللہ سے بات میں اور کون سچا ہوسکتا ہے"۔(۷۴ الف) اب اللہ تعالیٰ نے زمان واختیار جنہیں سونپی تھی ان کے وفائے عہد کا زمانہ شروع ہوا، مذکورہ بالا آیت کے مطابق ان کے فرائض درج ذیل تھے۔

☆ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ: وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

مگر۔۔۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اس شرط کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے غیر ملکی آقاؤں کی بندگی اختیار کر لی گئی۔ انکی کاسہ گدائی کو استحکامِ اقتدار کی علامت سمجھ گیا۔ مٹی کے بت نہ بنائے تو کیا ہوا؟ اللہ کے نام پر حاصل شدہ خطۂ ارضی میں رشوت، سود، سفارش، غیر اقوام کی بلاچون و چرا اطاعت جیسے بے شمار بت تراش لئے۔ جن کا تصور بھی ہمارے لئے سوہانِ روح ہوتا ہے ملک کے کسی کونے سے باغیرت مسلمانوں کی دبی دبی صدائے احساس انہیں پاش پاش کرنے کے لئے بلند ہو تو ہمارے ملک کی کوئی نہ کوئی مقتدر شخصیت فوراً ایسے بیانات داغ دیتی ہے۔"ہم دنیا میں اکیلے رہ گئے ہیں۔ وطنِ عزیز اسلام کے لئے بنا تھا نہ کہ فنڈا منٹلزم کے لئے آج دنیا بھی میں اسلام اور پاکستان کو بدنام کیا جارہا ہے۔" (۷۵)

☆ قیامِ صلوٰۃ: قیامِ پاکستان کے بعد مسلمانوں کا عبادتِ الٰہی اور شرک نہ کرنے کے معاہدے پر عمل کے بعد دوسرا اہم فریضہ اقامتِ صلوٰۃ تھا۔ اس کی تشریح و تائید درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔ وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ○ اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ "(۷۶) ترجمہ: "اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا، جو اس کی مدد کریں گے، اللہ بڑا طاقت ور اور زبردست ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ قیامِ صلوٰۃ کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور انجامِ کار تمام معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔" صلوٰۃ دین کا ستون اور تمام برائیوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ السلامی نظامِ سیاست کی ایسی عملی تربیت ہے جس میں اطاعتِ الٰہی، اطاعتِ امیر، پابندیِ وقت اور پابندیِ سنت کا سبق مضمر ہے۔

☆ ایتاءِ زکوٰۃ: دوسرا فریضہ تھا جس میں تمام معاشی مسائل کا حل مضمر ہے۔(۷۷)

☆ تیسرا اور چوتھا فریضہ، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تھا۔ کسی مملکت کا مستحکم ہونا نظامِ معاشرت کی درستگی پر منحصر ہوتا ہے۔ فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسی درستگی کی نمود کا ذریعہ ہے۔(۷۸)



Marfat.com

قیامِ پاکستان کے بعد یہ فرائض کہاں تک پورے کئے گئے وہ کسی سے مخفی نہیں، ان ہی احکامات پر عملدرآمد نہ کرنے کی صورت میں پاکستانی معاشرہ گوناگوں مسائل کے بھنور میں پھنس چکا ہے۔ یہ مسائل ایسے گوناگوں اور خاردار ہیں کہ ان سے نپٹنے کی سرتوڑ کوشش کریں تو بھی اصلاح کی کوئی صورت نکلتی نہیں اور نکلے بھی کیسے؟ جب مسائل کی گتھی کا اصل سرا تلاش کرنے کی بجائے بے ترتیبی سے دھاگے کھینچنا شروع کردیں گے تو "کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا" ترجمہ "جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالا" (۷۹) کے مصداق دھاگے کے کئی ٹکڑوں کی شکل تو اختیار کرلے گی لیکن اپنی وحدانیت کھودے گی۔ ہماری حالت تو اکبر الہ آبادی کے درج ذیل شعر کی مصداق ہے۔(۸۰)

فلسفی کو بحث کے اندر خدا نہیں ملتا
ڈور کو سلجھا رہا ہے سرا نہیں ملتا

## پاکستان، قائداعظم اور جمہوری سیاسی نظام:

☆☆ تحریک پاکستان میں جب قائد اعظمؒ سے پوچھا گیا کہ اس ملک کا آئین کیا ہوگا؟ تو قائد اعظمؒ نے فرمایا: "میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل ہوگا اور جمہوری نوعیت کا ہوگا۔" (۸۱)

اس آئین کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی ہوتا ہے کہ قرارد مقاصد ۱۹۵۶، ۱۹۶۲ اور ۱۹۷۳ کے دساتیر کے دیباچے کی حیثیت حاصل ہے۔ قرارد مقاصد میں اقتدار اعلی اللہ تعالی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں جمہوری طریقے کے قائل تھے مجلس شوریٰ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منعقد ہوتی تھی جس میں ہر مسلمان شریک ہوتا تھا۔ پاکستان میں دو ایوان مقننہ ہیں ایوان بالا اور ایوان زیریں یہ دونوں ادارے قانون سازی کے ادارے ہیں۔

☆☆ قائداعظم نے سرحد میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "مسلمانوں کا ایک ہی مطالبہ ہے اور وہ ہے "پاکستان" وہ یہ مطالبہ اس لیے کررہے ہیں تاکہ وہ اپنے مخصوص ضابطہ حیات، ثقافت، روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق یہاں حکمرانی کرسکیں۔" (۸۲)

☆☆ قائد اعظم کا ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندوں کو انٹرویو: "ہمیں پاکستان بنانے دیجئے، یہ دنیا کی ریاستوں میں ایک اچھی ریاست ہوگی، بلکہ میں یہ کہوں گا کہ پاکستان دنیا کے نقشے پر موجود بہت سے آزاد ملکوں کے مقابلے میں ایک بہتر ملک ہوگا۔ یہ ایک مسلم ریاست ہوگی۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو وہ ہندوؤں یا کسی دوسرے گروہ کے خلاف کوئی سماجی رکاوٹیں نہیں ڈالیں گے، مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو انسانی مساوات اور بھائی چارے کے اصولوں پر نہ صرف یقین رکھتی ہے بلکہ اس پر عمل بھی کرتی ہے۔" (۸۳)



Marfat.com

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے اسلامی علوم تاریخ اور ثقافت کا بڑی گہری نظروں سے مطالعہ کیا تھا۔انہوں نے ۱۹۱۱ء میں ہی مسلمانوں کے لیے وقف الاولاد کا قانون پاس کرانے میں انتہائی اہم رول ادا کیا تھا۔ان کی اسلامی سوچ نے ہی انہیں یقین دلایا تھا کہ مسلمان اور ہندو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں جو ایک ساتھ رہ کر اسلامی اصولوں کے مطابق مسلمانوں کو ان کے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور اقتصادی حقوق نہیں دلا سکتیں۔ قائد اعظم نے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر کراچی بار سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

☆☆ "پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام انسانوں سے بہتر تھے جن کو دنیا نے دیکھا ہے۔ انہوں نے تیرہ سو سال قبل جمہوریت کی بنیاد رکھی تھیں۔ "(۸۴)

☆☆ قائداعظم نے ۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء مسلم لیگ کے صدارتی خطبے میں اس طرح کہا۔"ہم نے تیرہ سو سال قبل جمہوریت کا سبق سیکھا۔یہ ہمارے خون میں ہے اور یہ ہندو معاشرے سے اس قدر دور ہے جیسے کہ زمین کے قبطین۔" انہوں نے مزید فرمایا کہ"میرا ایمان ہے کہ جمہوریت ہمارے خون میں ہے۔یہ ہماری ہڈیوں(MARROW)میں ہے اور تمہاری رگوں نے کام چھوڑ رکھا تھا۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ اب خون کی گردش دوبارہ شروع ہو گئی ہے۔یہ مسلم لیگ کی جدوجہد کی وجہ سے ہے۔"(۸۵)

☆☆ سبی دربار کے موقع پر ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کے دن قائد اعظم نے فرمایا:"یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اور بھلائی ان سنہری اصولوں پر عمل کرنے میں ہے جو ہمارے عظیم قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے عطا کیے تھے۔آیئے ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد ان حقیقی اسلامی آدرشوں اور اصولوں پر رکھیں۔ ہمارے اللہ نے ہمیں سکھایا ہے کہ ریاست کے معاملات میں ہمارے تمام کام اور رہنمائی باہمی مشاورت اور عقلی دلائل کے ذریعے طے پائیں گے۔"(۸۶)

☆☆ یہ حقیقت ہے کہ اگرچہ اسلام نے دنیا کو جمہوریت اور مساوات کا سبق چودہ سو سال قبل ہی دے دیا تھالیکن باقی انسانیت کو جمہوریت کا خیال دیگر تمام ظالمانہ نظاموں کو صدیوں پر محیط طویل وقت پر پرکھنے اور نقصان اٹھانے کے بعد ان سے مایوس ہونے کے بعد آیا۔(۸۷)

## قرار داد مقاصد ۱۹۴۹ء: اللہ کی حاکمیت اور شریعت کی بالادستی کا اعلان :

قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلی کوشش جو پاکستان کو اسلام اور نظریہ پاکستان سے ہم آہنگ کرنے کی گئی وہ قرار داد مقاصد تھی جسے قائد ملت لیاقت علی خان نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پیش کی اس قرار داد کے ابتدائی الفاظ اس طرح تھے۔"تعریف اس اللہ کی جس کی حکومت زمین اور آسمان پر پھیلی ہوئی ہے اور اب جو اختیارات مملکت پاکستان کے عوام کی وساطت سے نافذ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیے اور جن کی حدود مملکت خداداد پاکستان کے عوام نے مقرر کی ہیں ایک مقدس امانت ہیں۔"



Marfat.com

اس کی دفعات درج ذیل ہیں:

☆☆ **مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ:** اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

☆☆ **جمہوریت:** جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اصولوں پر مبنی اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

☆☆ **اسلامی زندگی کے لیے تیاری:** مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر ان اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے گی جو قرآن اور سنت کے مطابق ہو۔

☆☆ **اقلیتوں کا تحفظ:** اقلیتوں کو اجازت ہوگی کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کریں اور اس کی تبلیغ کریں۔

☆☆ **وفاقی حکومت:** اس وقت جو علاقے پاکستان میں شامل ہو چکے ہیں جو شامل ہوں گے ایک وفاق کی تشکیل کریں گے۔صوبوں کو خود مختاری حاصل ہوگی اور ان کی حدود اختیارات اور دائرہ کار کا تعین ہوگا۔

☆☆ **بنیادی حقوق:** ملک کے تمام حصوں کو بنیادی حقوق، مساوی حیثیت، قانونی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، آزادی کا اظہار خیال، عقائد اور عبادات کی ضمانت دی جاتی ہے۔تاہم یہ سب قانون کے احترام اور حدود کے اندر ہونا ضروری ہے۔

☆☆ **مساوات و عدل عمرانی:** پاکستان میں عدلیہ ہر قسم کے اثرات سے آزاد ہوگی۔

☆☆ **روشن مستقبل:** وفاق کے علاقوں کی سالمیت ان کی آزادی اور ان کے تمام حقوق یہاں تک کہ ان کی زمین، سمندر اور فضاء میں تمام حقوق اور ان کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے تاکہ پاکستانی عوام ترقی کریں اور عالمی برادری میں ایک باعزت مقام حاصل کریں۔ پاکستان ایک ایسا ملک بن جائے گا جس کے باشندے بلا تمیز عقائد و حیثیت ترقی کے لیے فکر کریں گے یہ قوم زبردست کامیابیوں کی روایات رکھتی ہے اس کی تاریخ شاندار کارناموں سے بھرپور ہے۔(۸۸)

## قرارداد مقاصد کی عالمی اہمیت :

گزشتہ دو صدیوں سے یورپ کا بلکہ تقریباً ساری دنیا کا سیاسی مسلک لادینیت رہا ہے۔سب سے پہلے فرانس کی فری میسن لاج نے ۱۸۶۶ء میں لادینی طرز زندگی کا نظریہ پیش کیا تھا (سیکولرازم) اس نے مذہب کو انسانی زندگی میں ایک مؤثر قوت ماننے سے انکار کردیا تھا، ان کے پروپیگنڈے نے انقلاب فرانس برپا کیا۔انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء کے بعد فرانس کے عوام نے لادینیت کا نظریہ کرلیا وہاں کے فلسفیوں اور مفکروں نے زندگی کے مظاہرات کو لادینی نظریے کے مطابق مرتب کرڈالا۔انقلاب روس ۱۹۱۷ء نے " لا کلیسا، لا سلاطین، لا الہ " کا نعرہ بلند کیا۔لادینیت کی اس یلغار کے سامنے عالم اسلام کے قدیم ترین اور



Marfat.com

مقدس ترین ادارہ " خلافت اسلامیہ " کو بھی مصطفی کمال نے ۱۹۲۴ء میں ختم کردیا اور ترکیہ لادینی نظریہ قبول کرلیا۔ اسکے بعد دوسری اسلامی ممالک نے بھی ترکی کی تقلید میں دین و دنیا کی تفریق کا نظریہ قبول کرلیا۔ اس پس منظر میں پاکستان کا اس قرارداد کو منظور کرنا بہت بڑا انقلابی قدم ہے۔ یہ قرارداد منظور کرکے پاکستان نے دوبارہ حاکیت اللہ اور حاکمیت شریعت کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد ہی دوسرے مسلمان ممالک میں اسلامی حکومت اور اسلامی نظام زندگی کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ (۸۹)

## قرار داد مقاصد کے حوالے سے ملکی مقتدر شخصیات کی آراء

**مولانا شبیر احمد عثمانی:** قرارداد مقاصد کی تائید میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو فرمایا: " قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز باعزت مآب جناب لیاقت علی خان صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کا تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے، اسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و ہمت اور جرات ایمانی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ "(۹۰)

**وزیر خارجہ ظفر اللہ خان:** اس تجویز کی تائید پھر ظفر اللہ خان نے کی، انہوں نے کہا: " یہ خیال کہ مذہب اور سیاست جدا جدا چیزیں ہیں، مذہب کے غلط تصور سے پیدا ہوتا ہے، اسلام انسان اور انسان کے تمام تعلقات کے قواعد وضع کرتا ہے اسلام میں عبادت کے معنی صرف بندگی اور پرستش کے ہی نہیں بلکہ ان اعمال کو بھی عبادت کہا گیا جو انفرادی اور اجتماعی قومی اور بین الاقوامی مفاد کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اسلام نہ شہنشاہیت نہ ملوکیت۔ اسلامی دستور میں فرد کے ووٹ (رائے) کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور اختیارات کے وارث عوام ہوتے ہیں نہ چند افراد۔ یہ قرارداد تمام مضمرات کے حامل ہے۔ (۹۷)

**ڈاکٹر عمر حیات ملک** نے کہا کہ " دنیا میں صرف دو قومی نظریے ہی کار فرما نہیں ہیں یعنی سرمایہ داری اور کمیونزم بلکہ ایک تیسرا نظریہ حیات بھی ہے اور وہ ہے اسلام جو اس قرارداد کی روح ہے۔ "(۹۸)

**ڈاکٹر محمود حسین نائب وزیر خارجہ:** " یہ تجویز سیاسی ارتقاء کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ "

**ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی** نے کہا: " پاکستان میں لادینی حکومت کا تصور کبھی کامیاب ثابت نہیں ہوسکتا۔ "

**بیگم شائستہ اکرام اللہ:** " قرار داد مقاصد کے بعد اسلامی حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل بھی کرکے دکھائیں۔ "

**میاں افتخار الدین** (حزب اختلاف کے لیڈر اور بائیں بازو کے ترجمان) نے کہا: " اگر ہم رومن



Marfat.com

قوانین، برطانوی پارلیمانی نظام اور ایسی ہی دوسری اصطلاحیں استعمال کرتے ہوئے نہیں شرماتے تو پھر اسلامی قانون کی اصطلاح سے بدکنا کیا معنی اگر ہم دنیا کو ایک مناسب اسلامی دستور دینے میں کامیاب ہوجائیں تو یقیناً یہ ایک بڑا کارنامہ انجام دیں گے۔ اسلام کا تصور ریاست اتنا ہی ترقی پسندانہ، انقلابی، جمہوری اور فعال ہے جتنا کہ شاید ہی دنیا کا کوئی اور تصور ریاست ہوسکتا ہے۔"(۹۹)

یہ قرارداد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو بالاتفاق منظور ہوئی۔ بنگال کے ہندو ممبران نے البتہ اس کی مخالفت کی تھی۔(۱۰۰)

مختلف مکتبہ فکر کے جید علماء کرام کے پیش کردہ ۲۲ نکات، اسلامی مملکت کے بنیادی اصول :

## پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ :

۱۲ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کا اجتماع منعقد ہوا ہے، جس میں اسلامی دستور کے لیے درج ذیل ۲۲ بنیادی اصول بالاتفاق طے ہوئے۔

اسلامی مملکت کے دستور میں حسب ذیل امور کی تشریح لازمی ہے۔

۱۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلا اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی و لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کرکے ملت اسلامیہ کی وحدت کا تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی۔ جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعیٔ اکتساب پر قادر نہ ہوں۔



Marfat.com

۷۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدود و قانون کے اندر تحفظ جان ومال و آبرو، آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل و حرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادے کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق، اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا، اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیرؤوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کرسکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنی فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں وہ اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق چلانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کی تدیّن، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جز کسی فرد یا جماعت کو تفویض کرسکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی، یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ دستور کو "کلاً یا جزءً" معطل کرکے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذے سے بالاتر نہ ہوگا۔



Marfat.com

۱۸۔ ارکان و عمل حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون اور ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہوں۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزا انتظامی متصور ہوں گے، ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی اور واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔(۱۰۱)

## اسلام میں تصورِ سیاست و ریاست

### اسلام سیاسی ہی ہوتا ہے :

علامہ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں کہ : " اسلام ہوتا ہی سیاسی ہے، اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اسلام کا سیاست کے بغیر تصور ہی ممکن نہیں۔ اگر آپ اسلام کو سیاست سے الگ کردیں گے تو آپ اسے کوئی اور مذہب بنادیں گے، بدھ مت یا عیسائیت جیسا۔ مگر یہ اسلام نہیں ہوگا۔(۱۰۲)

اسلام اور سیاست ایک ایساعنوان ہے جسے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اسلام سے سیاست کو نکال دیاجائے تو اس کا مطلب اسلام کو بے روح کردیاجائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھاکہ فرد کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ معاشرت، معیشت اور سیاست، فلسفہ سیاست کا بنیادی تصور ریاست ہے۔ تمام سیاسی خیالات وکردار بلاواسطہ یابالواسطہ اسی سے وابستہ ہیں۔

اسلام کا تصور سیاست اس امر کا متقاضی ہے کہ

☆ طبقاتِ معاشرہ اور مختلف مذہبی اکائیاں مل کر ایک آئینی ریاست تشکیل دیں۔ یعنی تشکیلِ ریاست اور تدوینِ آئین بنیادی اسلامی احکامات و تصورات میں سے ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ریاست مدینہ کی تشکیل اور میثاق مدینہ کی صورت میں ایک آئینی دستاویز کی تیاری ایک قوی ترین اور ناقابل تردید دلیل اور حجت ہے۔

☆ اسلام نے ریاست کے سربراہ کے تقرر کے لیے اُس ریاست کے شہریوں کی اتفاق رائے یا کثرت رائے کا اصول مقرر کیا ہے۔



Marfat.com

☆امورِ ریاست آمریت یا شخصی حکومت کے بجائے مشاورت سے چلانے کا ضابطہ مقرر کیا ہے جیسا کہ " وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ " (۱۰۳)کا قرآنی حکم اس باب میں واضح ہے۔

☆اسلام نے حکمرانوں اور اہل شوری (ممبران پارلیمنٹ) کے لیے عدل، صدق، امانت، دیانت، علمی و ذہنی قابلیت اور جسمانی صحت کے معیارات مقرر کیے ہیں۔

☆طرزِ حکومت اور نظامِ انتخابات کو اسلام نے اجتہادی امور کے طور پر open چھوڑ دیا تاکہ ہر دور کے تقاضوں اور معاشرے کے رجحانات و میلانات اور معاشرتی صورت کے مطابق اس کی شکل بنائی جاسکے۔

☆اسی طرح اسلامی نظام میں حکمران کو اقتدار سے الگ کرنے کا اصل اختیار بھی عوام اور شہریوں کو دیا گیا جس کی بنیاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مسند خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد پہلے خطبے کے یہ الفاظ ہیں:'اے لوگو مجھے تم پر حکمران مقرر کر دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھائی کی راہ پر چلوں تو میری مدد کرنا اور اگر برائی کی راہ پر چلوں تو مجھے پکڑ کر سیدھا کر دینا۔ تم میری اس وقت تک اطاعت کرتے رہنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نافرمان ہو جاؤں تو تم پر میرے فرمان کی اطاعت قطعاً واجب نہیں۔ "(۱۰۴)

☆اسلام میں ریاست کے پارلیمان / مجلس شوریٰ کو آئین سازی و قانون سازی کا مکمل اختیار ہے مگر وہ اِسلام کے بنیادی اصولوں و تصورات سے ہم آہنگ قانون و آئین سازی ہی کر سکتی ہیں یہ اختیار مطلق نہیں بلکہ مشروط ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کے حکومت کے قیام اور اس کے آئینی قوانین کے حوالے سے دین اسلام کی طرف سے کوئی واضح رہنمائی نہیں یا اس بارے میں مسلمانوں کے کوئی فرائض و واجبات نہیں، یہ درست مؤقف نہیں۔ (۱۰۵)

انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی کے لیے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز و محور، اس کی روح اور اس کا جوہر یہی عقیدہ ہے کہ اور اسی پر اسلام کے نظریہ سیاسی کی بنیاد بھی قائم ہے۔اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد یہ قاعدہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے فرداً فرداً اور مجتمعاً سلب کرلیے جائیں، کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں،وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں۔ یہ اختیار صرف اللہ کو ہے۔ارشاد ربانی ہے :

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (۱۰۶)

ترجمہ : "حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں، اس ک فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو، یہ صحیح دین ہے۔"

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (۱۰۷)



Marfat.com

ترجمہ: "وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔"

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (۱۰۸)

ترجمہ "اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو، کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام"

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ" (۱۰۹)

ترجمہ: "جو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل کافر ہیں۔"

اس نظریہ کے مطابق حاکمیت (Sovereignty) صرف اللہ کی ہے۔ قانون ساز (Law Giver) صرف اللہ ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، بذات خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ کے حکم کا پیرو ہے۔ "اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ" (۱۱۰) میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔" عام انسان نبی کی اطاعت پر صرف اس لیے مامور ہے کہ وہ اپنا حکم نہیں بلکہ اللہ کا حکم بیان کرتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۱۱۱)

ترجمہ: "ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کے تحت اس کی اطاعت کی جائے۔"

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (۱۱۲)

ترجمہ: "یہ نبی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب دی، حکم سے سرفراز کیا اور نبوت عطا کی"۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ (۱۱۳)

ترجمہ : "کسی بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو۔"

پس اسلامی اسٹیٹ کی ابتدائی خصوصیات جو قرآن کی مذکورہ بالا تصریحات سے نکلتی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ کوئی شخص، خاندان، طبقہ یا گروہ بلکہ اسٹیٹ کی ساری آبادی مل کر بھی حاکمیت کی مالک نہیں ہے، حاکم اصلی صرف اللہ ہے اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ قانون سازی کے اختیارات بھی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ سارے مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لیے کوئی قانون بناسکتے ہیں اور نہ اللہ کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم کرسکتے ہیں۔

۳۔ اسلامی اسٹیٹ بہرحال، اس قانون پر قائم ہوگا جو اللہ کی طرف سے اس کے نبی نے دیا ہے اور



Marfat.com

اس اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہوگی کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔(۱۱۴)اسلام کا سیاسی نظام توان روحانی لوگوں کے ذریعے چلایا جائے گا۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی(۱۱۵)

دنیا میں حکمت و سلطنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ حتیٰ کہ کتاب اللہ اور نبوت و رسالت کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا " (۱۱۶)

ترجمہ "سو بے شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کو کتاب اور حکمت نبوت بھی دی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت بھی عطا فرمائی۔"

اس آیت میں کتاب اور حکمت (احکام شرعیہ، نبوت اور رسالت وغیرہ) کے بعد حکومت و سلطنت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو بڑی بڑی سلطنتیں عطا فرمائی تھیں اسی طرح کچھ بعید نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کے ساتھیوں کو ان جیسی یا ان سے بھی بڑھ کر سلطنت عطا فرما دے۔(۱۱۷)ایک اور مقام پر فرمایا: " اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ "(۱۱۸) ترجمہ "بلاشبہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہیں۔"

لیکن دوسرے مقام پر اس امر کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہ سلطنت اور حکومت اگرچہ انسان کو عطا ضرور کی گئی ہے مگر یہ کسی کی ملکیت نہیں،اس کے پاس صرف امانت ہے۔اس کا مالک حقیقی اور اس کا وارث اصلی صرف اور صرف ایک ذات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ۔ ارشاد باری ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ "(۱۱۹)

ترجمہ "بلاشبہ ہم ہی زمین اور اس پر بسنے والوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی جانب ان کو مال کار لوٹنا ہے۔"

بعض روایات میں ہے کہ" جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور سب مسلمانوں کی۔"(۱۲۰)آج جہاں نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے۔وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کیے



Marfat.com

جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظام حکومت برباد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:" جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو "اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں" قیامت کا انتظار کرو"۔(۱۲۱) ارشاد ہے ربانی ہے : إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا "ترجمہ:" اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچادیا کرو" (۱۲۲)

اس حکم کا مخاطب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام مسلمان ہوں اور یہ بھی احتمال ہے۔ کہ خاص امراء مخاطب ہوں اور زیادہ ظاہر یہ ہے۔ کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے۔ اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی۔ حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل و مستحق کو پہنچا دے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے امانت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بہت ک ایسا ہوگا۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو:"جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں"۔(۱۲۳)

## اسلامی ریاست ایک شورائی وجمہوری ریاست:

حقیقی اسلامی ریاست ایک شورائی اور جمہوری ریاست ہے جس میں تمام انسان برابر ہیں اور رنگ، نسل ونسب کی بنیاد پر کسی خاص گروہ کو کوئی برتری یا افضلیت حاصل نہیں ہوتی۔ وحدت آدم اور انسانی مساوات اس کے بنیادی اصول ہیں۔ قیادت کی ذمہ داری ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو پوری ملت کے معتمد علیہ ہوں ارباب امر تمام امور سلطنت میں بنیادی پالیسی باہم مشورے سے طے کرتے ہیں اور نظام حکومت کو جمہور کی مرضی کے مطابق چلاتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا مزاج نہ آمریت کو گوارہ کر سکتا ہے اور نہ موروثی شہنشاہیت کو اس کا مزاج خالص جمہوری اور شورائی مزاج ہے، اللہ تعالیٰ خود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: " وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ "ترجمہ" اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو" (۱۲۴)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:"میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔"(۱۲۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث مبارکہ میں اسلامی معاشرے کی صحیح حالت کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا گیا۔ "جب تمہارے حکام تم میں نیک اور صالح ہوں، تمہارے اہل ثروت تم میں فیاض ہوں اور تمہارے امور باہم مشورے سے طے ہوں۔ " (۱۲۶) اس لیے علماء قانون نے یہ کہا کہ شوریٰ نظام کی روح اور اس کا ایک لازمی جزو ہے مشاورت کا یہ حکم ہر اہم معاملے اور اس کی ہر منزل



Marfat.com

کے لیے ہے اس کی شکل کیا ہو؟ اس کا تعین ہر زمانے کے حالات کے مطابق کیا جائے گا۔لیکن اس کی روح یہ ہے کہ مشورہ ان لوگوں سے کیا جائے جو اہل حل و عقد ہوں۔ فہم و بصیرت رکھتے ہوں اور لوگوں کے معتمد علیہ ہوں۔ مسلمانوں کے تمام اجتماعی کام مشورے سے طے ہوں اور کوئی شخص اپنی من مانی نہ کرے۔

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہء بدر کے لیے نکلنے لگے تو عام صحابہ کرامؓ سے رائے لی اور مہاجرین اور انصار سب سے عمومی مشورہ فرمایا۔اسی طرح غزوہ احد میں اس مسئلہ میں کہ آیا مدینہ میں رہ کر جنگ کرنی چاہیے یاباہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے، جمہور صحابہ حتیٰ کہ منافقین تک سے مشورہ فرمایا اور اپنی ذاتی رائے کو ان کی اجتماعی رائے کے مقابلے میں نظر انداز فرمایا لیکن بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھوڑ دینے یا قتل کر دینے کے معاملے میں جو خاص اہمیت رکھتا تھا صرف خصوصی جماعت سے مشورہ فرمایا اور حضرت ابو بکرؓ کی رائے پر عمل فرمایا۔اسی طرح حضرت عائشہؓ کے معاملے میں (حادثہ افک کے سلسلے میں) جو خانوادہ نبوت کی عزت و رحرمت کا معاملہ تھا حضرت علیؓ و حضرت اسامہؓ سے مشورہ فرمایا۔ غزوہء احزاب میں حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر جو ایرانی طریقہ جنگ سے واقف تھے خندق کھود کر لڑنے کی تجویز کو پسند فرمایا اور بدر کے میدان میں پڑاؤ ڈالنے کے لیے حباب ابن منذر بن جموعؓ کی رائے پر عمل فرمایا۔(۱۲۷)

خلفائے راشدین کے انتخاب کی اگرچہ کوئی متعین و منظم شکل نہ تھی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی بیعت میں شوریٰ کا دخل تھا اسلامی نظام کے شورائی ہونے کی یہ بھی ایک بڑی دلیل ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں تمام ملکی معاملات عہد نبوی کے نظام پر قائم رہے۔ صحابہ کرامؓ کی مجلس شوریٰ تمام ضروری امور کو انجام دیتی تھی آپ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر ان ہی بزرگوں کو مامور فرماتے تھے جنہوں نے دانش گاہ نبوی سے فضیلت کی سند حاصل کی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کا مرتب کیا ہوا آئین حکومت اور جمہوری نظام ہے جس نے مسلمانوں کو دینی و دنیوی اوج ترقی کے فلک الافلاک پر پہنچا دیا اور جس سے بہتر جمہوری نظام نہ موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں موجود ہے نہ آئندہ قائم کیا جاسکے گا۔

مندرجہ بالا تمام تر بحث اور تاریخی پس منظر میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیاوی اور سیاسی معاملات، امور مملکت اور نظم حکمرانی میں مشاورت اسلام کا خاصہ اور لازمی جز ہے۔ قرآن میں بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور خلفاء راشدین نے بھی اسے اپنایا۔ اس حقیقت سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ باہمی منشا اور نیک نیتی سے طے پانے والے امور مملکت اور عوام کی خیر فلاح میں ممدو معاون ثابت ہوتے ہیں اگر آج بھی اس اسلامی اصول کو بروئے کار لا کر امور مملکت انجام دیئے جائیں تو مملکت کی ترقی اور استحکام لازم ہے اور فی زمانہ ہر اسلامی مملکت میں ایک مجلس مشاورت کی



Marfat.com

ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔(۱۲۸)اسلام نے جو انوکھا جمہوری شورائی نظام پیش کیا اس کا طرہ امتیاز اور حقیقی روح یہ تھی کہ

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز(۱۲۹)

## بحیثیت سربراہ مملکت و عظیم سیاسی مدبر و منتظم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتماعی کارنامے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول درجہ کے عامل حکومت کی حیثیت سے انسانی سوسائٹی کی تشکیل، جامعہ اسلامیہ کی تنظیم اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جو کارنام انجام دیئے وہ مختصراً اور مستند سے مستند الفاظ میں یہ ہیں۔

۱۔ حکومت کی ہستی کو متام بے فائدہ نمائشوں، تباہ کن جعلسازیوں اور سرمایہ دارانہ آرائشوں اور آلائشوں سے پاک و صاف کیا۔ دنیا کے دائرہ میں حکومت کو عوام کی چیز بنایا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا۔(۱۳۰)

۲۔ حکومت کو ریاست عامہ قرار دیا اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا، جس کی وجہ سے تاج و تخت، قصور و محلات، حاجب و دربان، حشم و خدم، بڑی بڑی تنخواہوں والے حکام اور رشوت خور عمال سب ختم ہو گئے۔(۱۳۱)

۳۔ انصاف کی حقیقت کو نافذ کیا جس سے انصاف کا حصول آسان اور خود انصاف سستا ہو گیا، انصاف کا مقصد کمزور کی حمایت اور فریقین مقدمہ کی باہمی صلح اور اصلاح ٹھہرا نا کہ دونوں کے مفاد کی تباہی اور گھروں کی ویرانی۔

۴۔ آپ نے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، مناسب محصول عائد کیے اور اس کام کے لیے مالیات کے افسر مقرر اور دفتر مالیات قائم کیے۔

۵۔ سرکاری روپے کے لیے قانون مقرر کیا کہ امیروں پر ٹیکس لگایا جائے اور غریبوں پر خرچ کر دیا جائے۔

۶۔ انتظامی حلقے قائم کیے۔ مدینے کو دارالسلطنت بنایا اطراف کے لیے حکام مقرر کیے، تقرر کا معیار کردار، کام کی اہلیت، علم سے بہرہ مند ہو اور حاکم رائے عامہ کے مطابق مفاد عامہ کے لیے کام کرے۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا، حکومت کے مزاج میں مرکزیت، قوت اور استحکام پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ حکومت کے کام شوریٰ سے طے کیے جائیں۔(۱۳۲)

۸۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوجوں کی تنظیم کی اور نو جنگوں اور اٹھارہ دفاعی و اکتشافی حربی مہموں



Marfat.com

میں حصہ لیا۔ انتالیس عسکری مہموں کو اپنے حکم سے محاذ پر بھیجا اور فوج کے کمانڈر مقرر کیے۔ جنگ میں انسانیت کے طریقوں کو جاری کیا۔ فتح میں انسانی خون کی قدروقیمت کی حفاظت کی اور صلح کے وقت معاہدوں کے لیے نیا معیار مقرر کیا۔(۱۳۳)

۹۔ بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لیے سلاطین، امراء، والیان ریاست کو فرمان لکھے اور سب کو ایک خدا کے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ مختصر یہ کہ پیغمبری، سیاست اور حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اصول اور قانون نہ پیش کیا ہو۔(۱۳۴)

## جمہوری سیاست اسلامی عہد میں:

اسلامی عہد میں ارقم بن ارقم کے مکان میں خفیہ اجتماع سے اُمت کی تنظیم کا نتیجہ خیز کام شروع ہوا تھا جس کی تکمیل اس وقت ہوئی جب مدینہ نبوت اور خلافت کا پایہ تخت بن گیا، مکہ میں ملت ابراہیم کی شیرازہ بندی، بین الاقوامی تعلقات کے لیے اصولِ ہجرت کا اجراء اور اسلامی معاشرہ کے استحکام کے لیے اصول بیعت (اجتماعی حلف) کا نفاذ، مدینے میں انصار و مہاجرین کے بھائی چارہ کی تشکیل، غزوہ بدر، صلح حدیبیہ، فتح مکہ، فتح کے بعد انسانی مساوات، امن، آزادی، اور اخوت کا اعلانِ عام، سلاطین عالم کے درباروں میں سفراء کی روانگی، بیرونی سفراء کی مدینے میں باریابی، صوبائی تنظیم، حکام کا تقرر، فرامین کا اجراء، سقیفہ کی شوروی مجلس میں رائے عامہ منصب حکومت کا فیصلہ، ایسے کارنامے ہیں جن کا تعلق سر تا سر اسلامی سیاست سے تھا۔(۱۳۵)

اسلام کی تاریخ حکمرانی پر سیاسی نقطہ نظر سے غور کیجیے، سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری اور تاریخ ابن کثیر، تاریخ فتوحات الاسلامیہ دحلان میں جا بجا اسلامی سیاست کے آثار ملتے ہیں محمد علی کرد نے اپنی کتاب " الاسلام و الحصناۃ العربیہ جلد ۲ میں " السیاستہ فی الاسلام " کے عنوان سے اسلامی سیاست کے ہر دور کے واقعات پیش کیے ہیں۔ (۱۳۶)

☆☆ جولیو کسٹلاٹ، اپنی کتاب قانون تاریخ میں لکھتا ہے کہ : " ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دائرہ اسلام میں آنے کے لیے تیار تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی تمدن آناً فاناً بروئے کار آیا۔ دسویں صدی سے چودھویں صدی تک تو ایسا زمانہ گزرا ہے جب یورپ میں اس تمدن کے علاوہ اور کوئی تمدن نہ تھا۔"

☆☆ کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری لکھتے ہیں: "ابھی سو سال نہ ہوئے تھے کہ اسلام کی حکومت سب جگہ چھاگئی اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو ابھرنے، اوپر اٹھنے اور ساری کائنات تک اپنی روشنی پہنچانے میں مانع نہ ہو سکی۔"

☆☆ موسیو ریناں ڈینہ نے نپولین کی تاریخی یادداشتوں سے ثابت کیا ہے کہ نپولین کے سیاسی



Marfat.com

تصورات میں اسلام کا تصورِ حکومت کام کررہا تھا۔(۱۳۷) ۲۸ اگست ۱۷۹۸ء کی یادداشت یہ ظاہر کرتی ہے کہ نپولین انسانی بہتری کے لیے یہ ضروری سمجھتا تھا کہ قرآن کی سیاست پر نظام حکومت کی بنیاد رکھی جائے۔(۱۳۸)

یہ بیانات اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ اسلام کے نظریات یورپ میں سیاست و تمدن کی تخلیق کا باعث ہوئے۔ اسلام کے ظہور سے مغربی کرہ ارض میں صدیوں کی جہالت کے بعد حکومت و سلطنت کا قانون روشن ہوا۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سیاست کے بنیادی اصول متعین صورت میں بروئے کار آئے اور خلافت راشدہ میں سیاسی حکمت عملی کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ کر مشرق و مغرب کے سر پر طلوع ہوا۔ خلافت راشدہ کے بعد امامت و خلافت کے تصورات نے سلطنت و شہنشاہیت کی شکل اختیار کرلی، لیکن صدیوں تک اسلامی سیات کے اثرات موجود رہے جن کا مظاہرہ کبھی کبھی بہت اچھا ہوتا تھا۔(۱۳۹)

حضرت معاویہؓ کے دور میں پہلی سیاسی تاریخ کتاب الملوک، تیسری صدی ہجری میں ابن قتیبہ الدینوری عیون الاخبار میں سلطنت پر ایک مستقل کتاب، چوتھی صدی کے آغاز میں علامہ ابو نصیر فارابی نے اپنی بلند پایہ کتاب "مبادی آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ"، چوتھی صدی میں امام ابو الحسن علی الاہوازی حنفی کی نادر کتاب "التبر المنسبک فی تدبیر الملک"، پانچویں صدی میں علامہ ابو الحسن الماوردی کی کتاب " الاحکام السلطانیہ "، پانچویں صدی کے آخر میں امام راغب اصفہانی کی بلند پایہ کتاب "الذریعہ مکارم الشریعہ"، ابن ابی ربیع کی کتاب" ملوک الممالک فی تدبیر الممالک"، امام ابو عبید القاسم کی کتاب، " کتاب الاموال" اور علامہ ابن الجوزی کی کتاب "الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ" وہ سیاسی علمی شاہکار ہیں جنھوں نے سیاست پر مفصل بحث کی اور اپنی بلندیوں کو چھوا۔(۱۴۰)

## اسلام، جمہوریت اور مسلم ممالک:

عموماً لوگوں میں یہ خیال عام طور پر پایا جاتا ہے کہ جمہوریت ایک مغربی اصطلاح ہے، اسے مذہبی اعتبار سے سیاسی اعتبار سے بھی مغرب ہی کے مفکرین نے پروان چڑھایا اور یہی وجہ ہے کہ جمہوریت اسلام کی تعلیمات اور اس کے بنیادی عقائد سے قطعی طور پر ایک مختلف نظام حکومت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے اس لیبل کی وجہ سے جمہوریت کو دنیا میں ۵۵ اسلامی ممالک کے کروڑوں باشندوں میں مقبولیت حاصل نہ کرسکی اور اکثر اسلامی ممالک جبر و استبداد اور آمریت کے خوفناک شکنجے میں کسے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات راسخ کردی گئی ہے کہ تم جمہوریت چاہتے ہو یا اسلام؟ گویا جمہوریت اسلام دو متضاد نظام ہیں جو اکٹھے نہیں چل سکتے۔ علامہ رضوان معموری نے اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام اور جمہوریت میں کوئی تضاد نہیں۔ اسلام کے سیاسی ضوابط اور جمہوریت



Marfat.com

میں تضاد ہے۔بلکہ اس کے متعدد عوامل ہیں، تاریخی، اقتصادی، سیاسی، ثقافتی، عوامل نے ہی اسلامی ممالک جو جمہوریت کی راہ پر نہیں چلنے دیا۔ دین اسلام جمہوریت کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم مذکورہ بالا عوامل کی باریکیوں پر بحث کرتے رہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ ذرائع اور اسلوب اختیار کریں، جن کے ذریعے ہم موجودہ صورتحال سے نکل سکیں۔ وہ کون سے وسائل ہیں جنہیں اختیار کر کے ہم اسلامی ممالک میں جمہوری عمل کو فروغ دے سکتے ہیں۔ معموری نے اپنے مقالہ میں استفسار کیا ہے کہ: " ہم نے اس بات پر سمجھوتہ کرلیا ہے کہ ہم اس وقت تک عالم اسلام کے ان جابر حکمرانوں کی پشت پناہی کرتے رہیں جب تک وہ امریکی مفادات کے لیے کام کرتے رہیں گے اور ہمارے بندہ بے دام بن کر ہماری ہاں میں ہاں ملاتے رہیں گے۔اس طرح کی سودے بازی امریکہ کے خلاف مزید نفرتوں اور دشمنیوں اور دہشت گردی کو فروغ دے گی۔(۱۴۱)

**اسلام اور جمہوریت میں مطابقت :**

یہ کہنا کہ اسلامی دنیا میں جمہوریت سرے سے ہی نہیں بالکل غلط ہے۔۷۵ فیصد مسلمان بنگلادیش، پاکستان، ہندوستان، انڈونیشیا، یورپ، شمالی امریکہ، اسرائیل اور ایران وغیرہ میں جمہوری اداروں کے تحت ہی زندگی گزار رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ہمیں علماء دین کو کشمکش اقتدار میں شریک ہوتے نہیں دیکھا سوائے ایران کے انقلاب کے، جبکہ گزشتہ پندرہ سو سال سے ظہور اسلام سے لے کر آج تک اسلامی ممالک میں اقتدار سیکولر منتخب لوگوں کے ہاتھوں میں رہا۔اسلام اور جمہوریت کے درمیان عدم مطابقت کا دعویٰ بالکل دو متضاد فکر رکھنے والے گروپوں کے درمیان تنازعہ ہے۔بعض مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ اسلام بنیادی طور پر جمہوری نظام کے خلاف ہے اور یہ مذہب دراصل استبدادی نظام پر استوار ہے جس سے دراصل یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اسلام کی اصل تصویر کو مسخ کر دیا جائے اور بتایا جائے کہ مغربی لبرل ازم کے مقابلے میں اسلام کی کوئی حیثیت نہیں نہیں اور یہ اسلام جدید تمدن اور ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔اس فکر کے حاملین دراصل اسرائیلی گماشتے ہیں جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ میں صرف اسرائیل ہی جمہوریت کا علمبردار ہے۔دوسری طرف بہت سارے جدید فکر کے حامل مسلمان لادین حکومت اور اقتدار کو غلط معانی پہنا لیتے ہیں تاکہ جمہوریت کی نفی کی جاسکے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جاسکے کہ عوام کی حکومت دراصل حاکمیت اعلیٰ کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے۔جو کہ سراسر شرک ہے جبکہ ان کا یہ خیال قطعی طور پر غلط ہے کہ لادین حکومت اور جمہوریت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ (۱۴۲)

حکومت کو چلانا بندوں کا کام ہے خواہ وہ جمہوری نظام ہو یا اسلامی نظام۔اسلامی نظام حکومت ہو یا جمہوری بہرحال دونوں نظاموں میں فیصلہ صادر کرنے کا اختیار بندوں کے پاس ہوتا ہے۔اسلامی نظام میں انسان اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے جو اس کے دیئے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے کا پابند ہے۔وہ خود شارع نہیں



Marfat.com

کہ اپنی مرضی سے تشریع کرتا پھرے۔ اسلامی نظام کا اصل ہدف یہ ہے کہ نوع انسانی کی بھلائی کے لیے اللہ کی طرف سے دی گئی امانت اقتدار کو کس طرح استعمال کیا جائے کہ انسانیت کا مستقبل اور حال روشن ہو، ہماری اس دنیا میں حقیقی حکومت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ انسان تو صرف اس کی حاکمیت کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لیے اس کا نمائندہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اسلامی جمہوری نظام کا ایک مکمل نمونہ نظر آتی ہے۔ میثاق مدینہ کے احکامات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ ۶۲۲ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نقشہ عالم میں پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی امت مسلمہ کے قائد اور رہنما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سیاسی لیڈر تھے، مسلسل دس سال تک مدینے کے تین سیاسی اور مذہبی عناصر کو ساتھ لے کر چلتے رہے یعنی مہاجرین، انصار، یہود۔ میثاق مدینہ دورِ حاضر میں ایک شاندار گائیڈ کا کام دے سکتا ہے۔ میثاق مدینہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آسمانی ہدایت اور زمینی دستور میں کس طرح توازن رکھا جاسکتا ہے۔ یہ بات ممکن تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو حکم دیتے کہ جو کچھ بذریعہ وحی نازل ہوگا اس کا تسلیم کرنا سب پر واجب ہوگا اور ہر غیر مسلم وحی آسمانی کا پابند ہوگا، لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہوری روح پیدا کرنے کے لیے میثاق مدینہ اصحاب کرامؓ کے مشورے سے تحریر فرمایا جس پر یہود کے دستخط بھی تھے اور مسلمان زعما کے دستخط بھی۔ اس میثاق سے ایک سوشل ویلفیئر ریاست وجود میں آئی، جس میں بلا لحاظ مذہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح اپنا حاکم تسلیم کرلیا جس طرح مسلمانوں نے۔ میثاق مدینہ عوام کی مرضی، مسلم عوام اور حکومت سب کو مساوی حقوق حاصل تھے۔ تمام مذاہب کو اپنے اپنے مذہبی عقیدہ کے مطابق اعمال کرنے کی اجازت تھی۔ مساوات، عوامی رائے کا احترام، مختلف النوع افراد اور قبائل کا باہمی اتفاق و اتحاد میثاق مدینہ کی روح تھی۔(۱۴۳)

## جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اب تک کی بحث سے یہ امر واضح کرنا مقصود تھا کہ دین اسلام کا مذہبی پہلو، ریاستی و سیاسی معاملات سے آزاد ایک الگ subject ہے۔ اہل مذہب کی اُمورِ سیاست میں شرکت پر نہ پابندی ہے اور نہ ہی یہ لازمی ہے۔ چودہ سو سالہ تاریخ اسلام سے واضح ہوتا ہے کہ کبار آئمہ و اَسلاف نے عموماً سیاسی و ریاستی معاملات سے الگ تھلگ رہ کر ہی مذہب کی خدمت کی اور اہل مذہب کے لیے یہی اسوہ بہترین راستہ ہے، لیکن اس کا یہ معنی لے لینا کہ دین اسلام ریاستی و سیاسی معاملات میں کوئی رہنمائی نہیں دیتا یا ریاست و سیاست کے باب میں اسلام کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں، یہ دوسری انتہا اور اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت ہے۔(۱۴۴)



Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ ریاست قائم کر کے اور خلفاء راشدین نے اس ریاست کے استحکام و توسیع کے ذریعے اسلام کے ریاستی و سیاسی احکام بڑی صراحت کے ساتھ واضح کیے ہیں۔ اسلام کے سیاسی و ریاستی احکام ہی اسلام کو دین بناتے ہیں اور اسے دیگر مذاہب سے ممتاز کرتے ہیں۔ ان کو دین اسلام سے الگ کرنا یا ریاست و سیاست کو دین سے کلیتاً آزاد کر دینا دین اسلام کے حقیقی تصور میں تحویل کے مترادف ہے۔دین و سیاست کا دو الگ الگ خانوں میں بٹوارہ کرنے والے اِسی مکتبِ فکر کا رد حکیم الامت علامہ اقبال رحمہ اللہ علیہ نے بھی فرمایا تھا:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو   جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی(۱۴۵)

## اقوام عالم میں پائے جانے والے مختلف نظام ہائے سیاست :

اس وقت تک دنیا میں جو نظا ہائے سیاست معروف رہے ہیں، ان کو تین بڑے خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔بادشاہت، اشرافیہ اور جمہوریت۔ انہی تینوں نظاموں کی مختلف شاخیں بنی ہیں۔ ان کی مختصراً ذکر ضروری ہے۔

**بادشاہت :** شاید تاریخ عالم میں سب سے زیادہ جاری اور نافذ رہنے والا سیاسی نظام بادشاہت کا نظام ہے جو اپنی مختلف صورتوں میں شروع سے لے کر آج تک نافذ چلا آتا ہے اور تاریخ کے بیشتر حصوں میں اس کا عمل دخل زیادہ رہا ہے۔کہنے کو بادشاہت ایک لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سربراہ حکومت بادشاہ کہلاتا ہے، وہ شخصی طور پر حکومت کرتا ہے اور اس کی شخصی حکومت ہوتی ہے۔ لیکن اس کی شکلیں مختلف ادوار میں مختلف ممالک میں مختلف رہی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں بادشاہت کی بہت سی قسمیں ہیں

**۱۔ مطلق العنان بادشاہت:** اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بادشاہ کسی دستور یا قانون کا پابند نہیں ہوتا بلکہ اس کی زبان قانون ہوتی ہے، جو وہ کہے وہی قانون بن جاتا ہے اور وہ اپنے احکام جاری کرنے میں کسی کا پابند نہیں۔ (۱۴۶)

**۲۔ شورائی بادشاہت:** بادشاہت کی دوسری قسم وہ ہے جس کو شورائی بادشاہت (Counciling Monarchy) کہا جاتا ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ بادشاہ اگرچہ خود قانون بناتا ہے اور انتظامی فیصلے بھی کرات ہے، لیکن وہ اپنے ساتھ ایک شوریٰ بھی رکھتا ہے اور قوانین کے اجراء میں بھی اور احکام کے اجرا میں بھی اور انتظامی معاملات میں بھی ان سے مشورے کرتا ہے۔ یہ شورائیں بھی مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں کسی کا نام کونسل، کسی کا نام سینیٹ، کسی کا کچھ اور رکھ دیا۔(۱۴۷)

**۳۔ مذہبی بادشاہت:** بادشاہت کی تیسری قسم مذہبی بادشاہت (Religious Monarchy) یعنی ایسی بادشاہت جس میں بادشاہ کے اقتدار اور اختیار کا سرچشمہ مذہب ہوتا تھا۔ یعنی



Marfat.com

مذہبی طور پر اس کو نامزد کیا جاتا تھا اور مذہبی پیشوا ہی اس کی نامزدگی کی توثیق کرتے تھے۔ تاہم یہ بادشاہ اپنے نظام حکومت میں ان مذہبی پیشواؤں کا فی الجملہ تابع فرمان ہوتا تھا۔ اسی مذہبی بادشاہت کا طویل رواج عیسائیوں میں رہا ہے اور اس کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے تقریباً ۳۰۰ سال بعد ہوا۔(۱۴۸)

**۴۔ دستوری بادشاہت:** دستوری بادشاہت (Constitiutional Monarchy) کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسی بادشاہت جس میں بادشاہ کسی دستور کا پابند ہوتا ہے یہ ہیں کہ جو زبان سے نکل گیا وہ قانون بن گیا اور جو چاہا وہ حکم جاری کر دیا، جو چاہا اقدام کرلیا، بلکہ اس کے اقدامات کسی دستور کے پابند ہوتے ہیں۔ قرون وسطیٰ کے بعد کے ادوار میں بادشاہت زیادہ تر دستوری رہی۔ اسی دستوری بادشاہت کی ایک قسم وہ دستوری بادشاہت ہے جو آج کل پارلیمانی نظام کا ایک حصہ ہوتی ہے، جیسے برطانیہ میں ہے۔ اس وقت برطانیہ میں بادشاہ ملکہ الزبیتھ ہے اور وہاں دستوری بادشاہت کا نظام ہے لیکن وہ بادشاہت برائے نام ہے۔ اختیارات اس کے کچھ نہیں ہیں۔ اصل انتظامی اختیارات کابینہ کے پاس ہیں یا پارلیمنٹ کے پاس ہیں۔ (۱۴۹)

**اشرافیہ کا نظام:** دوسرا سیاسی نظام اشرافیہ کا نظام ہے جسے انگریزی میں Aristocracy کہتے ہیں۔ اشراف کہتے ہیں شریف لوگوں کو یعنی ایسے لوگ جو معاشرے میں عظمت کا کوئی مقام رکھتے ہیں ان کو اشراف کہا جاتا ہے۔ اس نظام کا خلاصہ یہ ہے، یا اس نظام کے پیچھے نظریہ یہ ہے کہ حکومت کرنا ہر انسان کے بس کا کام نہیں ہے اور نہ اس کا حق ہر انسان کو پہنچتا ہے، بلکہ حکومت کرنے کا حق کچھ منتخب لوگوں کو حاصل ہوتا جو کچھ مخصوص حسب نسب کے مالک ہوں یا مخصوص اوصاف کے حامل ہوں۔ جن کو طبقہ اشرافیہ کہتے ہیں۔ اب اس کے اہل کون ہیں؟ بعض لوگوں نے کہا جو نسبی اور حسبی اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتے ہوں، بعض لوگوں نے کہا جو مذہبی اعتبار سے ممتاز ہوں، بعض نے کہا جو کچھ مخصوص صلاحیتوں اور اوصاف کے حامل ہوں، زیادہ بہادر ہوں، زیادہ عقل مند ہوں، وہ اشراف ہیں اور ان کی حکومت قائم ہونی چاہیے۔ لیکن سب کا مجموعی تصور یہ ہے کہ حکومت ہر کہہ و مہہ کا کام نہیں بلکہ مخصوص طبقہ ہے جو حکمران بن سکتا ہے اور تمام لوگوں کو اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔(۱۵۰)

**نسلی اشرافیہ:** اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک نسل کا تعین کرلیا جائے کہ صرف اس نسل یا قبیلے کے لوگوں حکمرانی کی اہلیت رکھتے ہیں۔

**مذہبی اشرافیہ یا تھیوکریسی:** مذہبی اشرافیہ کو تھیوکریسی بھی کہا جاتا ہے اصل میں یہ لفظ بھی یونانی اصلیت رکھتا ہے۔ یونانی زبان میں Theo خدا کو کہتے ہیں۔ (اور اسی سے تھیولوجی بنا ہے لوجی کہتے ہیں علم کو، تو تھیولوجی کے معنی علم الٰہیات ہیں۔) Cracy کے معنی ہیں حاکمیت۔ اس طرح Theocracy کے معنی ہوئے خدا کی حاکمیت۔ اس نظام کا اصل تصور تو بڑا مبارک ہے، درحقیقت اس کائنات میں اصل



Marfat.com

حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہاں جو بھی حکومت قائم ہو، اسے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرنی چاہیے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا تعین کون کرے؟ عیسائی دنیا میں اس کا عملی جواب یہ تھا کہ چرچ کا سربراہ جو پوپ کہلاتا تھا، اسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا تعین کرکے بادشاہ کو بتائے، چنانچہ جس بات کو پوپ اللہ کا حکم قرار دے دے، حکومت کا سربراہ اسی پر عمل کرنے پر مجبور ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عملاً تھیوکریسی کا مطلب مذہبی پیشواؤں کی حاکمیت ہوگیا۔ اب تھیوکریسی کا بکثرت ترجمہ "مذہبی پیشواؤں کی حاکمیت" کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔(۱۵۱) یہودی تھیوکریسی، ہندو تھیوکریسی اور عیسائی تھیوکریسی اپنے اپنے وقت میں پیش پیش رہیں۔

**جاگیردارانہ نظام سیاست:** اس نظام کو انگریزی میں Feudalism کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بعض اوقات اسے کاشتکاری کے اس نظام پر بھی چسپاں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس کی اسلام میں اجازت ہے۔ جب کسی زمانے میں اشتراکیت اور سوشلزم کا بہت شور تھا تو اس وقت یہ الزام عائد کیا جاتا تھا کہ علماء اسلام جاگیردارانہ نظام کے حامی ہیں اور جاگیردارانہ نظام کو تقویت دینے والے ہیں۔ درحقیقت یہ یورپ کے قرون وسطیٰ کا ایک نظام تھا۔ حاکم اور محکوم کا رشتہ زمین سے وابستہ ہے۔ جو شخص زمین کا مالک ہے وہ حاکم ہے اور جو اس زمین کو استعمال کررہا ہے وہ اس کا محکوم ہے۔ لہٰذا اس کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ مالک ہے تو اگر کسی بادشاہ کو زمین دی گئی ہے تو وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ کا محکوم ہے۔ پھر بادشاہ بطور جاگیر جس کو کوئی زمین دے دے تو وہ جاگیر دار یا بادشاہ کا محکوم۔ پھر وہ جاگیردار اپنے کسی کاشتکار کو دے دے تو وہ کاشتکار اس کا محکوم۔ پھر بڑا کاشتکار کسی چھوٹے کاشتکار کو دے دے تو چھوٹا اس کا محکوم غرض حکومت، حاکمیت اور محکومیت یہ تمام تر زمین کی ملکیت سے وابستہ ہے۔(۱۵۲)

**فسطائیت یا فاشزم:** یہ ایک سیاسی نظام ہے جس کا بانی اور مؤجد اٹلی کا ڈکٹیٹر مسولینی (Mussolini) تھا اور یہ لفظ اسی نے وضع کیا۔ فاشزم کا لفظ ایک یونانی لفظ فاست سے نکلا ہے اور وہ عربی کے لفظ فاس سے مأخوذ ہے، جو عربی میں کلہاڑی کو کہتے ہیں۔ اس ڈکٹیٹر نے اپنی حکومت کا قومی نشان کلہاڑی بنایا تھا۔ جیسے روس کا نشان درانتی ہوتا ہے یا جیسے ہمارے پاکستان کا نشان چاند تارا ہے۔ مسولینی کی فاشزم کا حاصل یہ ہے کہ درحقیقت کوئی فرد کوئی چیز نہیں ہے جو کچھ ہے وہ قوم ہے جس کی نمائندگی اسٹیٹ کرتی ہے۔ وہ جو اقبال کا مشہور شعر ہے

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں(۱۵۳)

بنیادی طور پر یہی فلسفہ مسولینی نے پیش کیا تھا کہ فرد اپنی ذات میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اصل اہمیت یہ ہے کہ قوم کے مفاد کو سامنے رکھنا چاہیے اور اس کے مفاد کے سامنے رکھنے کے لیے ایسے



Marfat.com

اقدامات کرنا چاہئیں جن سے قوم ترقی کرے۔(۱۵۴)

**پرولتاری حکومت :** درحقیقت کمیونسٹ اسٹیٹ کی حکومت کا دوسرا نام پرولتاری(Prolatriat) حکومت ہے اور اس کا فلسفہ درحقیقت کارل مارکس کے نظریات پر مبنی ہے۔اس حکومت کا فلسفہ یہ تھا کہ معیشت کے عوامل پیداوار مثلاً زمینوں اور کارخانوں پر کسی شخص کی انفرادی ملکیت قائم نہیں ہوسکتی۔ یہ ساری چیزیں ریاست کی ملکیت ہیں اور ریاست کو چلانے کا تمام تر حق محنت کشوں کی پرولتاری حکومت کو حاصل ہے۔روس میں ۷۴ سال تک یہ نظام نافذ رہا لیکن رفتہ رفتہ اس کی معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی خرابیاں اتنی بڑھیں کہ سب نے چیخ چلا کر اس نظام کو ختم کردیا۔(۱۵۵)

**جمہوریت :**

مغربی دنیا میں جمہوریت کی صورت گری جن مفکرین نے کی اور جن کو جدید آزاد خیال جمہوریت کا بانی سمجھا جاتا ہے وہ تین فلسفی ہیں جنہوں نے Liberal Democracyکی داغ بیل ڈالی ایک وولٹائر (Voltire)دوسرا مونٹیسکو(Montesuiue)، تیسرا روسو(Rousseau)یہ تین افراد ہیں جنہوں نے اپنے اپنے نظریات اور فلسفے کی بنیاد پر ایسے افکار دنیا میں پھیلائے جس کے نتیجے میں جمہوریت وجود میں آئی۔ان تینوں کا تعلق فرانس سے ہے۔

قانون سازی کا اختیار جس ادارے کو حاصل ہوتا ہے، اس کا نام مقننہ (Legislature)ہے اور جمہوریت میں یہ اختیارات پارلیمنٹ کو حاصل ہوتے ہیں۔ ملک کا انتظام چلانے کا اختیار جس ادارے کو حاصل ہوتا ہے اسے انتظامیہ (Exectuive)کہا جاتا ہے جس کا سربراہ صدارتی نظام میں صدر اور پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم ہوتا ہے۔تیسرا اختیار یعنی قانون کی تشریح اور تنازعات کا تصفیہ جو ادارہ کرتا ہے اسے عدلیہ یا جوڈیشری (Judiciary)کہا جاتا ہے۔(۱۵۶) جمہوریت کی دواقسام ہیں۔

**مرکزی جمہوریت:** عوام کے منتخب نمائندوں اور جمہوری پارلیمنٹ کے ارکان کی حکومت جو ایک طاقتور مرکز سے ان تمام صوبوں کی مجموعی ہیئت پر حکومت کرے، جو پوری طرح مرکزی اقتدار کے ماتحت ہوں۔

**لامرکزی حکومت :** یہ طرز حکومت آزاد حکومتوں کی تنظیم سے ایک خاص قسم کی حکومت کو وجود میں لاتا ہے۔اس کے آزاد عناصر عجیب و غریب قانونی مسلمات کے ماتحت ایک عجیب و غریب مرکز کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں جو درحقیقت عام مفہوم میں مرکزی اقتدار اور طاقت کا مالک نہیں ہوتا۔ آزاد عناصر یا آزاد حکومتیں محض اپنے مفاد کے لیے ایک تنظیم کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ وہ خاص خاص نمائشی اختیارات مرکز کو دے دیتی ہیں اور باقی تمام اختیارات اپنے مضبوط ہاتھ میں رکھتی ہیں۔ امریکن جمہوریت اس طرز حکومت کی حیرت انگیز مثال ہے۔(۱۵۷)



Marfat.com

## جمہوریت کے معنی و مفہوم اور تعریفات:

جمہوریت کو دنیا تہذیب وتمدن کی علامت اور ایک فطری طرز حکومت کے طورپر تسلیم کرچکی ہے۔ بیشتر ممالک میں جمہوری نظام سیاست قائم ہوچکا ہے اور جہاں اب تک جمہوری نظام قائم نہیں ہوسکا ہے، وہاں جد وجہد جاری ہے۔ لیکن ایک صدی قبل دنیا کو جمہوریت سے جو توقعات وابستہ تھیں، وہ آج تک پوری نہیں ہوسکیں۔ اس کی دو اہم وجوہات ہیں:

۱۔ جمہوریت کے علمبرداروں اور اس کا خیر مقدم کرنے والوں نے درحقیقت اس کے مفہوم کو خود ہی نہیں سمجھا تھا۔ وہ لوگ اس غلط فہمی یا خوش فہمی میں رہ گئے کہ جمہوریت قائم ہوتے ہی بس ہر طرف عدل وانصاف اور آزادی ومساوات کا دور دورہ ہوگا، مگر یہ ایک خواب تھا جو شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ کہ اس نظام کو قائم کرنے والوں نے صحیح معنیٰ میں جمہوری نظام قائم ہی نہیں کیا۔

ماہرین سیاسیات نے مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ کا تنقیدی جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابتداء سے ہی جمہوریت کا مفہوم واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اس کی اتنی مختلف اور مبہم تعریفات بیان کی گئیں کہ ہر شخص نے اس کا جو مطلب چاہا، سمجھ لیا۔ اور آج بھی صورت حال یہ ہے کہ ہر فریق اپنے پسندیدہ نظام کو ہی جمہوری نظام بتاتا ہے اور اپنے آپ کو ہی جمہوریت کا حامی اور علمبردار کہتا ہے، جب کہ ان میں سے ہر گروہ کے نظریات و اصول بالکل مختلف ہیں اور ہر فریق مخالف فریق کو جمہوریت کا دشمن، ملک کا دشمن، قوم کا دشمن اور آخر میں دہشت گرد قرار دیتا ہے۔(۱۵۸)

☆☆مفتی تقی عثمانی: جمہوریت کا لفظ درحقیقت ایک انگریزی لفظ "Democracy" کا ترجمہ ہے اور انگریزی میں بھی یہ یونانی زبان سے آیا ہے اور یونانی زبان میں "Demo" عوام کو کہتے ہیں۔ "Cracy" یونانی زبان میں حاکمیت کو کہتے ہیں۔ اسی لیے عربی میں جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اسے "دیمقراطیہ" کہا گیا۔ عربی زبان میں جمہوریت نہیں بولتے۔ اردو میں اس کا ترجمہ "جمہوریت" کیا گیا ہے۔ جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لیے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع و مانع تعریف میں بھی خود علماء سیاست کا اتنا زبردست اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے ملتی نہیں، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔(۱۵۹)

☆☆۔ پروفیسر گیٹل نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: " یہ ایک ایسی طرز



Marfat.com

حکومت ہے، جس میں آبادی کا بیشتر حصہ حاکمانہ طاقت کے استعمال میں شرکت کا حق رکھتا ہے۔"

☆☆۔ چارلس ای میریم نے اس کی تعریف یوں کی ہے " جمہوریت نہ تو اصولوں کا مجموعہ ہے اور نہ ہی کسی تنظیم کا خاکہ بلکہ یہ ایک طرز فکر اور طرز عمل کا نام ہے جس کا مقصد فلاح و بہبود کا حصول ہو۔"

☆☆۔ ابراہام لنکن کے مطابق : " جمہوریت عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے ہوتی ہے۔" (۱۶۰)

Democracy is the government of the people, by the people for the people.

علامہ اقبال :

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے جس میں     بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے (۱۶۱)

لیکن بنیادی جمہورتیوں کے حوالے سے افضل توصیف نے اپنی کتاب، الیکشن، جمہوریت اور مارشل لاء میں جمہوریت کی تعریف کچھ یوں کی ہے " جمہوریت عوام کے بغیر حکومت، عوا سے خریدی ہوئی اور عوام سے دور ہوتی ہے۔(۱۶۲)

"Democracy is a Government off the people, buy the people and far the people".

## سیاست اور سیاسی نظام کے معنی و مفہوم اور تعریفات:

☆☆علامہ ابن خلدون : ان کے مطابق سیاست اس ذمہ داری کا نام ہے جس کی رو سے عام انسانی نگہداشت کا کام پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے، جس کے ذریعے اللہ کی نیابتی حکومت بندگان خدا میں اللہ کے قوانین کو نافذ کرتی ہے اور احکام کا اجراء عمل میں لاتی ہے۔اس کام میں انسانی بہتری اور مفاد عامہ کا لحاظ رکھتی ہے اور قانون (شرائع) کو فیصلہ کن قوت تسلیم کرتی ہے۔(۱۶۳) وہ مزید کہتے ہیں کہ سیاست وہ قانونی حکمت عملی ہے جس کی قوت سے اجتماعی کردار اور مصالحِ عامہ کا تحفظ کیا جاتا ہے اور حکومت کا نظم چلایا جاتا ہے۔(۱۶۴)وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے طرز سیاست، سلطنت اور حکومت کو دنیا سے روشناس کرایا۔وان کریمر لکھتا ہے کہ ابن خلدون اطالوی سیاستدان میکاولی اور نیکو کے مدرسہ علم و سیاست کا امام اور پیشرو ہے۔پروفیسر کلازیو نے زیادہ فیصلہ کن الفاظ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ عصر حاضر کے علماء سیاست کا پیشوا ہے۔(۱۶۵)

☆☆علامہ ابو البقاء حنفی : ان کے مطابق وہ کام جس کا مقصد انسان کی بہتری کے لیے ایک ایسا راستہ پیدا کرنا ہے جو حال اور مستقبل کی رہنمائی کے لیے ضمانت کرسکے۔سیاست انبیاء کی ذمہ داری ہے جو



Marfat.com

اپنے عام اور خاص، ظاہری اور باطنی دائرہ میں اسی طرح کام کرتی ہے جس طرح حکمراں صرف ظاہری حلقہ اثر میں اس ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں۔ (۱۶۶)

☆☆ڈاکٹر جے ڈبلیو گارنر (Dr. J.W. Garner) کے مطابق "سیاسیات وہ علم ہے جو ریاست سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے"۔

☆☆ڈاکٹر سٹیفن لیکاک (Dr. Stephen Leacock) کے خیال میں "علم سیاست حکومت کا علم ہے"۔

☆☆پروفیسر آر این گلکرائسٹ (R.N. Gilchrist) کے مطابق "علم سیاست ریاست اور حکومت دونوں سے بحث کرتا ہے"۔(۱۶۷)

☆☆فرانسیسی مصنف پال جینٹ (Paul Janet) کہتا ہے: "سیاسیات عمرانی علوم کا وہ جزو ہے جو ریاست کی بنیادوں اور حکومت کے بنیادی اصولوں سے بحث کرتا ہے۔"

☆☆سوئس مصنف جے کے بلنشلی (J.K. Blunstschli) لکھتا ہے کہ " علم سیاست ریاست کے علم کا نام ہے جو ریاست کے بنیادی حالات اور اس کی نوعیت اور اس کی ظاہری حیثیت کی روشنی میں اس ادارے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔"

☆☆ پروفیسر الیاس احمد علم سیاست کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "یہ ریاست کے مسائل کے بارے میں باضابطہ مطالعہ ہے"۔(۱۶۸)

ان تعریفوں کی روشنی میں ہم سیاسیات کی جامع تعریف ان الفاظ میں کرسکتے ہیں" سیاسیات عمران علوم کا وہ حصہ ہے جو ریاست کی نوعیت، ابتداء اور ارتقاء اور ریاست و حکومت کی مختلف اشکال اور ان کے اغراض و مقاصد، شہریوں کی آزادی، حقوق و فرائض اور ریاستوں کے مابین تعلقات وغیرہ کا مدلل اور سائنٹیفک مطالعہ کرتا ہے"۔

☆☆ایم جی اسمتھ (M.G.Smith) سیاسیات کو سیاسی تنظیموں، ان کے عناصر، معاونین، اختلافات اور تبدیلی کے طریق کار کا مطالعہ گردانتا ہے۔

☆☆رابرٹ ڈھل (Robert Dahl) نے سیاسیات کی تعریف کو مزید وسعت دی ہے۔ (۱۶۹)

ڈھل کے خیال میں سیاسی نظام انسانی تعلقات کا ایک مستقل نمونہ ہے جس میں کنٹرول، غلبہ اور اتھارٹی اہم ہیں۔ سیاسی تنظیم میں وہ اتنا آگے چلا گیا ہے کہ تمام انسانی تنظیموں کو سیاسی تنظیموں میں شامل کرتا ہے۔ علم سیاست میں ان تمام انسانی اعمال اور سرگرمیوں کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے جو ریاست کے اندر منظم زندگی سے متعلق ہوں۔ (۱۷۰)



Marfat.com

# اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جمہوری سیاسی سفر : ایک جائزہ

## جمہوری و سیاسی معاشرے کا قیام عوامی مطالبہ :

جمہوری معاشرے کا قیام ہمیشہ پاکستانی عوام کے مطمع نظر رہا اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ جمہوریت کے نظریہ کو چیلنج کر سکے۔ نظریہ پاکستان کا مقصد بھی دراصل ملک میں اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری طرز حکومت کا قیام تھا۔ یہ مفروضہ کہ جمہوریت پاکستان میں ناکام ہو چکی ہے ہر اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ ملک میں پہلے عام انتخابات ۱۹۷۰ء میں منعقد ہوئے۔ اس تمام عرصے میں عوام کو دانستہ طور پر ملک کے سیاسی منظر نامے سے الگ رکھا گیا۔ قوم کے خود ساختہ لیڈروں نے پارلیمانی اداروں کو تماشہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ آخر کار طالع آزماؤں کی سازشیں، دان رات بدلتی سیاسی وفاداریاں اور جوڑ توڑ پاکستانی جمہوریت کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سیاستدانوں کی اکثریت کو عوام میں کوئی قابل احترام مقام حاصل نہ تھا اور اگر ملک میں مناسب وقفوں کے بعد عام انتخابات باقاعدگی سے ہوتے رہتے تو ان کی اکثریت میدان چھوڑ کر بھاگ جاتی یا عوام انہیں مسترد کر دیتے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ پاکستانی عوام نے جمہوریت کو مسترد کر دیا تھا درست نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ایسا سوچنا ایک ایسی قوم پر آمریت پسندی کا الزام لگانا ہے جس نے ہمیشہ آمریت کے خلاف جنگ لڑی ہے۔

پاکستان میں جمہوریت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ یہاں جمہوری اداروں کو کھل کر کام کرنے دیا جائے۔ سوچنے کا مقام یہ ہے کہ ہندوستان میں پارلیمانی طرز حکومت کامیابی سے کام کرتا رہا جبکہ پاکستان میں اسے المناک انجام سے دوچار ہونا پڑا؟ اسلام جمہوریت کے ارتقاء کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا اس کے برعکس اسلام کا مدعا جمہوری اقدار کو فروغ دینا ہے۔(۱۷۱)

قیام پاکستان کے بعد معرض وجود میں آنے والی آئین ساز اسمبلی کا مقصد جمہوری آئین کی تیاری کے ساتھ ساتھ نوزائیدہ مملکت کے لیے ایک ذمہ دار حکومت کی تشکیل بھی تھا۔ مگر بدقسمتی سے یہ اسمبلی ان دنوں حوالوں سے بری طرح ناکام ثابت ہوئی کیونکہ اس کے اراکین کی اکثریت بدعنوان اور نااہل تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اسمبلی علاقائی اور مذہبی گروپوں کے دباؤ کے سامنے بے بس ہوتی چلی گئی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء کے دوران مختلف حکومتوں کے تحت نامزد کیے گئے تقریباً ایک تہائی وزراء اسمبلی کے باہر سے لے گئے تھے۔(۱۷۲) آئین ساز اسمبلی کے اراکین ہر قیمت پر اپنے لیے جاہ و منصب کے حصول کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ اس اسمبلی کے ۲۰ میں سے ۱۶ وزیر، اسمبلی کی حیات میں سفیر، گورنر جنرل بنے اور وزارت سے بچھڑنے کے بعد ۶ کے علاوہ سب نے سیاست کو خیر باد کہہ دیا۔(۱۷۳)

## پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام میں صدر اور وزرائے اعظم

## پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام میں سابقہ ۱۱ صدور میں سے ۵ فوجی جنرل تھے :



Marfat.com

## سکندر مرزا سے غلام اسحاق خان تک

پاکستان کے پہلے صدر میجر جنرل سکندر مرزا تھے جو ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ سے ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ تک اس عہدے پر فائز رہے۔اس سے قبل وہ پاکستان کے آخری گورنر جنرل بھی رہ چکے تھے۔۱۹۵۶ میں جب پاکستان کا پہلا آئین منظور کیا گیا تو اس میں گورنر جنرل کا عہدہ ختم کر کے صدارت کا منصب تخلیق کیا گیا، جس کا انتخاب الیکٹرل کالج کے ذریعے ہونا تھا۔

تاہم صرف دو سال بعد ہی سکندر مرزا جس آئین کے تحت صدر بنے تھے،انھوں نے اسی آئین کو معطل کر کے مارشل لا نافذ کر دیا اور جنرل ایوب خان کو چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا پہلا مارشل لا تھا۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ کو سکندر مرزا نے ایوب خان سے اختلافات کی بنا پر استعفیٰ پیش کر دیا اور جنرل ایوب خان نے صدر کا منصب سنبھال لیا۔

ایوب خان کو الیکٹرل کالج نے منتخب نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے یہ ساغر خود بڑھ کے اٹھایا تھا۔ تاہم اپنے عہدے کو قانونی چھتری فراہم کرنے کے لیے انھوں نے ۱۹۶۰ میں ریفرینڈم منعقد کروایا، جس میں انھیں بھاری حمایت فراہم ہو گئی۔

ایوب خان گیارہ سال کے لگ بھگ صدارت کے عہدے پر براجمان رہے۔اس دوران ایک اور آئین منظور کیا گیا جس میں ان کی صدارت کی توثیق کی گئی۔جب کہ اسی دوران انھوں نے محترمہ فاطمہ جناح سے انتخابات میں بھی کامیابی حاصل کی۔

ان انتخابات میں دھاندلی کے الزامات کے بعد ایوب کی حکومت کے خلاف عوامی ناپسندیدگی جس رفتار سے بڑھتی گئی،اسی رفتار سے ایک شعلہ بیان سیاست دان یعنی ذوالفقار علی بھٹو کا ستارہ بلند ہوتا گیا۔ بالآخر ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کو ایوب خان نے اپنا عہدہ جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے سپرد کر کے بن باس لے لیا۔

یحییٰ خان کو پاکستان کی سیاسی تاریخ کا سب سے رنگین و سنگین کردار کہا جائے تو بے جا نہیں ہو گا۔انھوں نے پاکستان میں دوسری بار مارشل لا نافذ کیا۔انھیں بڑے پیمانے پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا ذمے دار سمجھا جاتا ہے۔ان کے شراب و شباب کے رسیا ہونے کے قصے بھی مشہور ہیں، تاہم ان کے نامہ اعمال میں یہ نیکی ضرور لکھی ہوئی ہے کہ انھوں نے ۱۹۷۱ میں ملک کی تاریخ کے سب سے صاف و شفاف انتخابات منعقد کروائے۔

تاہم بھارت سے بدترین شکست اور ملک کے دولخت ہونے پر رائے عامہ ان کے اس قدر غیر موافق ہوگئی کہ ان کا مزید اپنے عہدے پر برقرار رہنا ناممکن ہو گیا۔چناں چہ وہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو عنانِ اقتدار ذوالفقار علی بھٹو کو سونپ کر چلتے بنے۔

ذوالفقار علی بھٹو کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پاکستان کے وزیرِ خارجہ،وزیرِ اعظم اور چیف مارشل



Marfat.com

لا ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ ساتھ ڈیڑھ برس تک ملک کے صدر بھی رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ میں ان کی جماعت نے مغربی پاکستان میں واضح برتری حاصل کی تھی، جس کے باعث وہ ۱۹۷۳ میں وزیرِاعظم منتخب ہو گئے۔

بھٹو کے دورِ وزارتِ عظمیٰ میں ملک کے صدر چودھری فضل الٰہی تھے۔ ۱۹۷۳ کے آئین کے تحت ملک کو پارلیمانی جمہوریت بنا دیا گیا تھا جس میں اختیارات کا طرہ منتخب پارلیمان اور وزیرِاعظم کے سروں پر سجا دیا گیا، جس کے بعد صدر کا عہدہ فائلوں پر دستخط کرنے اور تقریبات میں فیتہ کاٹنے تک سمٹ کر رہ گیا۔ بعض ستم ظریفوں نے صدارت کی اسی بے توقیری کے پیشِ نظر ایوانِ صدارت کی دیواروں پر لکھ دیا تھا، 'چودھری فضل الٰہی کو رہا کرو'۔

بھٹو نے وہی غلطی کی جو ان سے قبل سکندر مرزا اور جنرل ایوب خان کر چکے تھے، یعنی فوج کے سربراہ کا ناعاقبت اندیشانہ چناؤ۔ اس کا خمیازہ انھیں یوں بھگتنا پڑا کہ جنرل ضیاالحق ۱۹۷۷ میں انھیں معزول کر کے ملک کے تیسرے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بن گئے۔ چودھری فضل الٰہی نے کچھ عرصہ ساتھ نبھایا لیکن تا بکے؟ آخر ۱۴ ستمبر ۱۹۷۸ کو وہ سبک دوش ہو گئے، جس کے دو دن بعد جنرل ضیاالحق نے صدرِ پاکستان کی حیثیت سے حلف اٹھا لیا۔

اس مدتِ صدارت کو توسیع دینے کے لیے جنرل ایوب کی مانند جنرل ضیاءالحق کو بھی ریفرینڈم کی بیساکھیوں کی ضرورت پڑی۔ چناں چہ ۱۹۸۴ میں انھوں نے وہ بے حد متنازع ریفرینڈم منعقد کروایا جس میں وہ ۹۵ فیصد ووٹ لے کر سرخ رو ہوئے۔

اگلے برس ضیاالحق نے غیر جماعتی انتخابات منعقد کروائے۔ نومنتخب اسمبلی نے نہ صرف ضیاالحق کے تمام سابقہ اقدامات کی توثیق کر دی بلکہ آٹھویں ترمیم بھی منظور کر دی جس کی بدنامِ زمانہ ۵۸- B2 شق کے تحت صدر کو اسمبلی کو تحلیل کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔

اب صدر محض چودھری فضل الٰہی نہ رہا بلکہ اس کے سامنے وزیرِاعظم اور پارلیمان ربر سٹیمپ بن کر رہ گئے۔

۱۷ اگست ۱۹۸۸ کو گیارہ برس کے بعد صدر ضیاالحق کے اقتدار کا سورج اس وقت غروب ہوا جب ان کا طیارہ بہاولپور کے قریب فضا میں پھٹ کر تباہ ہو گیا۔ ۱۹۷۳ کے آئین کے تحت صدر کی غیر موجودگی میں سینیٹ کا چیئرمین صدر بن جاتا ہے۔ اس وقت سینیٹ کے چیئرمین غلام اسحٰق خان تھے، چناں چہ وہ ملک کے پانچویں صدر بن گئے۔ (۱۷۴)

## غلام اسحاق خان سے آصف علی زرداری تک

جب ۱۶ نومبر کو انتخابات ہوئے تو پیپلزپارٹی ایک بار پھر اقتدار میں آ گئی۔ تاہم بے نظیر بھٹو کی حکومت نے مصلحتاً جنرل ضیا کے محرمِ دروں خانہ غلام اسحٰق خان ہی کو صدر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ خاصا



Marfat.com

بھاری ثابت ہوا اور جی آئی کے نے دو سال کے اندر اندر ہی بے نظیر بھٹو کی حکومت کی بساط لپیٹ دی۔

اس کے بعد نواز شریف کی حکومت آئی۔ شروع شروع میں تو ان کی حکومت کی غلام اسحٰق خان کے ساتھ خوب پینگیں بڑھیں لیکن رفتہ رفتہ حالات خراب ہوتے گئے اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ نواز شریف ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے جولائی ۱۹۹۳ میں نہ صرف خود وزارتِ عظمٰی سے ہاتھ دھو لیے بلکہ غلام اسحٰق خان کو بھی ساتھ لے ڈوبے۔

یہ سیاسی میوزیکل چیئر کا زمانہ تھا، کبھی ہم کبھی تم۔ ایک بار پھر بے نظیر بھٹو اقتدار میں آ گئیں۔ اس بار انھوں نے کسی اور جماعت کے صدر پر بھروسا کرنے کی بجائے اپنی جماعت کے فاروق احمد لغاری کو بھاری اکثریت سے صدر منتخب کرا دیا۔ لیکن نومبر ۱۹۹۶ میں جن پہ تکیہ تھا، انھی پتوں نے ہوا دے دی اور ایک بار پھر بے نظیر بھٹو کی حکومت کو معزول کر دیا گیا۔

نواز شریف ایک بار پھر وزیرِاعظم بن گئے۔ اور جیسا کہ ہوتا آیا ہے، زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ان کے فاروق لغاری کے ساتھ اختلاف پیدا ہو گئے۔ نواز شریف چوں کہ پہلے ہی ایک سوراخ سے ڈسے ہوئے تھے اس لیے انھوں نے آتے ہی بھاری مینڈیٹ کے زنبور سے آٹھویں ترمیم کا ڈنک نکلوا دیا۔ فاروق لغاری کو چودھری فضل الٰہی بننا منظور نہیں تھا، اس لیے دو دسمبر ۱۹۹۷ کو انھوں نے تنگ آ کر استعفٰی دے دیا۔

فاروق لغاری کے بعد سپریم کورٹ کے سابق جج اور نواز شریف کے معتمد محمد رفیق تارڑ ملک کے صدر بنے۔ ان کے دورِ میں چوں کہ صدر کے خصوصی اختیارات ختم ہو چکے تھے، اس لیے ایک بار پھر لوگوں کو چودھری فضل الٰہی کی یاد آ گئی۔

نواز شریف نے ماضی سے سبق نہ سیکھتے ہوئے جنرل پرویز مشرف کو خصوصی ترقی دے کر آرمی چیف بنا دیا۔ جب جنرل مشرف نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ کو نواز شریف کی حکومت کو برطرف کیا تو اپنے لیے چیف ایگزیکٹو کا عہدہ منتخب کیا اور رفیق تارڑ کو صدر رہنے دیا۔ لیکن انھیں محسوس ہوا کہ ملک کے دوسرے فوجی سربراہان کی طرح ان پر صدارت ہی سجے گی، اس لیے انھوں نے بھی ایک ریفرینڈم منعقد کروایا اور رفیق تارڑ کو گھر بھجوا کر ۲۰ جون ۲۰۰۱ میں خود صدارت کا حلف اٹھا لیا۔

تاہم مشرف کی یہ صدارت رفیق تارڑ اور چودھری فضل الٰہی کی طرح بے ضرر نہیں تھی، بلکہ انھوں نے 58- 2B کا گڑا مردہ نکالا اور اسے جھاڑ پونچھ کر اسمبلی اور وزیرِاعظم کے سر پر داموکلس کی تلوار کی طرح لٹکا دیا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور منتخب وزیرِاعظم اٹھتے بیٹھتے 'یس باس' کا ورد کرنے لگے۔

انھیں بھاری اختیارات کے ساتھ ۲۰۰۷ء میں ایک بار پرویز مشرف کے سر پر صدارت کا سہرا سجایا گیا۔ اس بار انھیں الیکٹرل کالج نے منتخب کیا تھا۔ ۲۰۰۸ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کی حکومت بنی، اور اس کے چند ماہ کے اندر اندر ہی حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ پرویز مشرف کو نہ صرف ایوانِ صدر بلکہ



Marfat.com

ملک ہی کو خیر باد کہنا پڑ گیا، اور آصف علی زرداری گیارھویں صدر منتخب ہو گئے۔ ویسے تو ملک میں ان کی مخالفت جاری رہی، لیکن یہ کریڈٹ انھیں ضرور دینا پڑے گا کہ وہ 58- 2B سے دست بردار ہو گئے۔ تاہم ان کا اپنی پارٹی پر شکنجہ اتنا مضبوط تھا کہ انھیں بقیہ ماندہ مدتِ وزارت میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا۔ ۸ ستمبر ۲۰۱۳ صدر آصف علی زرداری کی مدت صدارت مکمل ہوئی۔ ملک کی سیاسی تاریخ میں پہلی بار ایک آئینی صدر نے اپنی مدتِ صدارت مکمل کی۔ اس کے بعد ملک کے بارہویں صدر کے انتخاب کے لیے جمہوری طریقہ کے تحت صدر کے انتخاب عمل میں لایا گیا۔ ۹ ستمبر ۲۰۱۳ بروز پیر ملک کے بارہویں صدر کی حیثیت سے ممنون حسین نے حلف اٹھایا۔(۱۷۵)

## ۱۹۸۵ء کے عام انتخابات:

۱۹۸۵ء کو اس اعتبار سے پاکستان کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کہ اس کے دوران پاکستان کے طویل ترین مارشل لاء کے حکمرانوں نے منتخب حکومت کے قیام کے عمل کا آغاز کیا جو ۱۹۷۳ء کے ترمیم شدہ آئین کی بحالی اور ایک جمہوری حکومت کے قیام پر منتج ہوا۔ اس سے قبل انتخابات دو دفعہ ملتوی کئے جاچکے تھے اور قوم ان کا انتظار کرتے تھک کر یاس و امید کی کیفیت کا شکار ہوچکی تھی۔ بالآخر فروری ۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات منعقد کئے گئے۔(۱۷۶)

## ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات:

نومبر ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات کی مہم شروع ہوتے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ انتخابات میں پی پی پی کا پلہ بھاری رہے گا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے پارٹی کے سینئر ارکان پر انحصار کرنے کی بجائے ایک نئی اور جواں عمر ٹیم اپنے ساتھ ملائی۔ پاکستان مسلم لیگ نے پی پی پی کی مقبولیت کی اس لہر کو روکنے کی پوری کوشش کی اور ایک متحدہ محاذ بنانے کی کوشش شروع کردی۔ مسلم لیگ کی قیادت اگرچہ محمد خان جونیجو کے پاس تھی مگر اتحاد استوار کرنے میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں محمد نواز شریف پیش پیش تھے۔ ان کی کوششوں سے ۵ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو ۸ سیاسی جماعتوں پر مشتمل اسلامی جمہوری اتحاد (IJI) کا قیام عمل میں آیا جس میں پاکستان مسلم لیگ (جونیجو گروپ) جماعت اسلامی، جمعیت اہلحدیث، جمعیت علمائے اسلام درخواستی گروپ، نیشنل پیپلز پارٹی (جتوئی گروپ) جمعیت مشائخ پاکستان، حزب جہاد اور آزاد گروپ (فخر امام) شامل تھیں۔ ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء میں انتخابات منعقد ہوئے اور نتائج کچھ اس طرح سے تھے۔

| جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد | جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد |
|---|---|---|---|
| پاکستان پیپلز پارٹی | ۹۳ | اسلامی جمہوری اتحاد | ۵۶ |
| حق پرست | ۱۳ | جمعیت علمائے اسلام (ف) | ۷ |
| پاکستان عوامی اتحاد | ۳ | عوامی نیشنل پارٹی | ۳ |



Marfat.com

| | | | |
|---|---|---|---|
| بلوچستان نیشنل الائنس | ۲ | نیشنل پیپلز پارٹی (کھر) | ۱ |
| پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی | ۱ | جمعیت علمائے اسلام (د) | ۱ |
| آزاد | ۲۷ | **کل تعداد** | ۲۰۷ |

۱۹۹۰ء میں صدر مملکت غلام اسحاق خان نے آئین کی دفعہ ۵۸(۲)بی کے تحت محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کو برطرف کر دیا گیا اور قومی اسمبلی توڑ دی گئی۔ بعد ازاں صوبائی گورنروں نے صوبائی اسمبلیاں بھی توڑ دیں۔ (۱۷۷)

## عام انتخابات ۱۹۹۰ء

اکتوبر ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات کی اہم بات یہ ہے کہ اس مرتبہ پیپلز پارٹی نے انفرادی طور پر انتخاب لڑنے کی بجائے ایک سیاسی اتحاد قائم کیا۔ اس اتحاد کا نام پیپلز ڈیموکریٹک الائنس (PDA) رکھا گیا۔ جس میں تحریک استقلال، تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور پاکستان مسلم لیگ (قاسم گروپ) شامل تھیں۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں انتخابات کا انعقاد ہوا۔ قومی اسمبلی میں سیاسی جماعتوں کی نمائندگی حسب ذیل رہی۔

| جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد | جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد |
|---|---|---|---|
| پاکستان پیپلز پارٹی | ۴۴ | اسلامی جمہوری اتحاد | ۱۰۶ |
| حق پرست | ۱۵ | جمعیت علمائے اسلام (ف) | ۶ |
| جمعیت علماء پاکستان (ن) | ۳ | عوامی نیشنل پارٹی | ۳ |
| جمہوری وطن پارٹی | ۲ | پاکستان نیشنل پارٹی | ۲ |
| پختون خواہ ملی عوامی اتحاد | ۱ | آزاد | ۲۲ |
| | | کل تعداد | ۲۰۷ (۱۷۸) |

## عام انتخابات ۱۹۹۳ء

اکتوبر ۱۹۹۳ء کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ (ن) دونوں نے انفرادی طور پر حصہ لیا۔ جمعیت العماء اسلام (ف) اور جمعیت العلماء اسلام (ن) نے اسلامی جمہوری محاذ کے نام سے اتحاد کیا۔ متحدہ دینی محاذ، جمعیت العلماء اسلام (درخواستی) اور سپاہ صحابہ کے درمیان قائم ہوا۔ جماعت اسلامی نے پاکستان اسلامک فرنٹ کا نام استعمال کیا۔ مہاجر قومی موومنٹ حق پرس نے قومی اسمبلی کے انتخابات کا بائی کاٹ کیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ۶ اور ۹ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو علی الترتیب قومی اور اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ قومی اسمبلی میں مختلف سیاسی جماعتوں کی نمائندگی حسب ذیل رہی۔

| جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد | جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد |
|---|---|---|---|
| پاکستان پیپلز پارٹی | ۹۱ | پاکستان مسلم لیگ (ن) | ۷۳ |



Marfat.com

| | | | |
|---|---|---|---|
| پاکستان مسلم لیگ (ج) | ۶ | متحدہ دینی محاذ | ۲ |
| پاکستان اسلامک فرنٹ | ۳ | نیشنل پیپلز پارٹی | ۱ |
| نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی | ۱ | بلوچستان نیشنل موومنٹ | ۱ |
| بلوچستان نیشنل موومنٹ (حیٔ) | ۱ | آزاد | ۵۱ |
| عوامی نیشنل پارٹی | ۳ | کل تعداد | ۲۰۷(۱۷۹) |

## محترمہ بے نظیر بھٹو حکومت کی برطرفی ۱۹۹۶ء

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے عہد ثانی میں ابھی ۳ سال ہی مکمل کیے تھے کہ ۵ نومبر ۱۹۹۶ءکو صدر لغاری نے آئین کی دفعہ (۲)۵۸بی کے تحت قومی اسمبلی توڑ دی اور ان کی حکومت کو برطرف کردیا۔ اس موقع پر صدر مملکت نے اعلان کیا کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات ۳ فروری ۱۹۹۷ءکو ہوں اور عبوری دور میں ملک معراج خالد نگران وزیر اعظم ہوں گے۔(۱۸۰)

## عام انتخابات ۱۹۹۷ءاور نواز شریف دور حکومت (دورِ ثانی)

حسب پروگرام ۳ فروری ۱۹۹۷ء کو قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات منعقد ہوئے ان انتخابات میں قوم نے بحیثیت مجموعی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے والوں کی حوصلہ شکنی کی۔ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بے اثر ہوگئیں۔ ان انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ نواز کی عدیم المثال کامیابی کے بعد میاں نواز شریف نے ۱۷ فروری ۱۹۹۷ءکو دوسری بار وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھایا۔ قومی اسمبلی میں مختلف سیاسی جماعتوں کی نمائندگی حسب ذیل رہی۔

| جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد | جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد |
|---|---|---|---|
| پاکستان پیپلز پارٹی | ۱۸ | پاکستان مسلم لیگ (ن) | ۱۳۶ |
| حق پرست (ایم کیو ایم) | ۱۲ | عوامی نیشنل پارٹی | ۱۰ |
| جمعیت العلماء اسلام (ف) | ۲ | بلوچستان نیشنل الائنس | ۲ |
| نیشنل پیپلز پارٹی | ۱ | پیپلز پارٹی شہید بھٹو گروپ | ۱ |
| بلوچستان نیشنل موومنٹ (حیٔ) | ۳ | آزاد | ۲۲ |
| | | کل تعداد | ۲۰۷ (۱۸۱) |

## عام انتخابات ۲۰۰۲ء

صدر جنرل پرویز مشرف نے سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۲ءکو عام انتخابات منعقد کروائے۔ ان انتخابات میں ووٹر کی عمر ۲۱ سال سے کم کرکے ۱۸ سال اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کے



Marfat.com

ارکان کے لیے تعلیمی قابلیت گریجویشن مقرر کی گئی۔ خواتین کی مخصوص ۶۰ اور اقلیتوں کی مخصوص ۱۰ نشستوں کو متناسب نمائندگی کی بنیاد پر سیاسی جماعتوں کو ملنے والی مجموعی نشستوں کی شرح تناسب کے اعتبار سے پُر کیا گیا۔ قومی اسمبلی میں سیاسی جماعتوں کی نمائندگی درج ذیل رہی۔

| جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد | جماعت / اتحاد | نشستوں کی تعداد |
|---|---|---|---|
| پی پی پی پی | ۶۳ | پاکستان مسلم لیگ (ق) | ۹۱ |
| متحدہ قومی موومنٹ | ۱۳ | گرینڈ نیشنل الائنس | ۱۳ |
| متحدہ مجلس عمل | ۴۶ | مسلم لیگ فنکشنل | ۴ |
| مسلم لیگ جونیجو | ۲ | پی پی پی شیرپاؤ | ۲ |
| مسلم لیگ جناح | ۱ | مسلم لیگ ضیاء | ۱ |
| پی ٹی آئی | ۱ | پاکستان عوامی تحریک | ۱ |
| جمہوری وطن پارٹی | ۱ | پختون خواہ ملی عوامی پارٹی | ۱ |
| بلوچستان نیشنل پارٹی | ۱ | مہاجر قومی موومنٹ | ۱ |
| آزاد اور فاٹا | ۱۵ | کل تعداد | ۲۷۲(۱۸۲) |

انتخابات کے ۲۱ دن بعد ۲۱ نومبر ۲۰۰۲ء کو قومی اسمبلی میں اکثریتی جماعت کے ایک لیڈر میر ظفر اللہ خان جمالی کو قائد ایوان منتخب کیا گیا اور ۲۳ نومبر کو انہوں نے وزیر اعظم کے عہدکا حلف اٹھایا۔ تقریباً ۱۹ ماہ بعد جمالی کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد پہلے دو ماہ کے لیے چوہدری شجاعت حسین کو اور پھر ۲۸ اگست ۲۰۰۴ء کو شوکت عزیز کو وزیراعظم بنایا گیا۔

## عام انتخابات ۲۰۰۸ء

۱۶ نومبر ۲۰۰۷ء کو سینیٹ کے چیئرمین محمد میاں سومرو کو عبوری حکومت کا نگراں وزیر اعظم مقرر کیا۔ شوکت عزیز سابق وزیر اعظم ہوتے ہی نہایت خاموشی کے ساتھ ملک چھوڑ گئے۔ عام انتخابات کے لیے ۸ جنوری ۲۰۰۸ء کی تاریخ مقرر کی گئی اور ۱۵ دسمبر ۲۰۰۷ء کو ایمرجنسی اٹھالی گئی۔ انتخابی مہم کے دوران ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء کو ملکی تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ لیاقت باغ راولپنڈی میں پیش آیا جس میں پی پی پی کی قائد اور دخترمشرق محترمہ بے نظیر بھٹو کو شہد کردیا گیا۔ سانحہ لیاقت باغ اور محرم الحرام کی آمد کی وجہ سے انتخابات ۴۰ دن کے لیے ملتوی کرکے نئی تاریخ ۱۸ فروری ۲۰۰۸ء مقرر کی گئی۔ مقررہ تاریخ پر انتخابات کا انعقاد ہوا اور پاکستان پیپلز پارٹی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ مشرف کی جماعت ق لیگ کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کم و بیش ۲۵ مرکزی وزراء اور پارٹی کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین بھی الیکشن ہار گئے۔ ۲۵ مارچ ۲۰۰۸ء کو سید سف رضا گیلانی نے وزیر اعظم کے



Marfat.com

عہدے کا حلف اٹھایا۔(۱۸۳)

## عام انتخابات ۲۰۱۳ء اور نواز شریف حکومت کا دور ثالث :

۱۱ مئی ۲۰۱۳ء کو عام انتخابات کا انعقاد ہوا۔ پاکستان مسلم لیگ نواز ۱۲۹ نشستوں کے ساتھ سر فہرست جماعت رہی اور ۵ جون ۲۰۱۳ء کو پاکستان مسلم لیگ ن کے ۶۴ سالہ قائد میاں نواز شریف نے تیسری بار وزیراعظم کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ یہ اعزاز پاکستان کی سیاسی تاریخ میں آج تک کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔

پاکستان کی گزشتہ سیاسی تاریخ کا تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں کوئی ایسا نظام کامیاب نہیں ہو سکتا جس میں عوام کو احساسِ شرکت حاصل نہ ہو اور یہ کہ عوام سچی جمہوریت میں یقین رکھتے ہیں۔ اس کے باوصف کہ عوام کا تعلیمی معیار پسماندہ ہے ان کا سیاسی ذوق قابل اعتماد ہے۔ جمہوریت کی کامیابی کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ جمہوری نظام کسی نہ کسی طرح جاری و ساری رہے۔ سیاسی آزادیاں اور بنیادی حقوق بحال رہیں۔ سیاسی پارٹیاں کام کرتی رہیں، عدلیہ آزاد رہے اور انتخابات ہوتے رہیں تاکہ عوام کی سیاسی تربیت کا عمل جاری رہے، جمہوری ادارے مضبوط ہوں غیر مقبول پارٹیاں اور قیادت سیاسی اُفق سے غائب ہو جائیں اور صرف ایسی قیادت سیاسی میدان میں باقی رہ جائے جسے عوام کی حمایت حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ قوم کے باطنی استحکام کی ضمانت صرف قومی سیاسی پارٹیاں اور قومی سطح کی قیادت ہی دے سکتی ہے کیونکہ نظریاتی طور پر پاکستانی ایک قوم ہیں یہاں نظریے مذہب اور ثقافت و تاریخ کا کوئی جھگڑا نہیں۔ صوبائیت کا مسئلہ طویل مارشلاؤں اور عوام کو محروم اقتدار رکھنے کا نتیجہ ہے۔ اگر اسی طرح سیاسی و جمہوری عمل جاری رہے تو موجود خلفشار خود بخود ختم ہو جائے گا لیکن ظاہر ہے کہ اس منزل تک پہنچنے کے لئے ہمیں طویل سفر کرنا پڑے گا اور طویل سفر کے لئے طویل صبر کی ضرورت ہوتی ہے ماضی میں یہاں جمہوری تجربات ہمیشہ حکمرانوں کی ہوس اقتدار کے سبب ناکام ہوئے ہیں۔ ہر قیمت پر اقتدار کی روایت جمہوریت کی لٹیا ڈبوتی رہی ہے۔ اسی صورت حال نے ہمیشہ ملک میں جمہوری سیاسی عدم استحکام پیدا کیا جس سے فائدہ اٹھا کر غیر سیاسی قوتیں اقتدار پر قابض ہوگئیں جبکہ جمہوری سیاسی عدم استحکام کا علاج انتخابات ہیں اور انتخابات کے نتائج کو دل سے تسلیم کرنا جمہوری رویے کا بنیادی اصول ہے۔ اگر ہم عوام کے فیصلے کو دل سے قبول کرنے کی عادت ڈال لیں اور قومی فیصلے عوام ہی سے کروائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں جمہوریت قابلِ رشک حد تک کامیاب نہ ہو۔(۱۸۴)

## اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جمہوری سیاسی آئین اور سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

"حضرت جعفر سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اصحاب شوریٰ سے کہا کہ تم اپنے معاملات میں مشاورت کیا کرو اور ایک طرف دو اور دوسری طرف بھی دو ہوں تو مشاورت کریں اور اگر چار اور دو ہوں



Marfat.com

تو زیادہ لوگوں کی بات مان لو۔"

"حضرت اسلم نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ اگر ایک بات میں رائے پر تین کا گروپ ہو تو جس گروپ میں عبدالرحمن بن عوف ہوں اس گروپ کی رائے سنیں اور ان کی پیروی کریں۔ "(۱۸۵)

متذکرہ بالا آیات اور احادیث مبارکہ سے درج ذیل دستوری و آئینی اصول مترشح ہوتے ہیں:

۱۔ اسلامی ریاست میں اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم (Supreme Authority of Almighty Allah and Holy Prophet) کی ہوگی۔

۲۔ قرآن و سنت ملک کا اعلیٰ ترین قانون (Quran & Sunnah Supreme Law of State) ہوگا۔

۳۔ عدلیہ کی بالا دستی (Supermacy of Judiciary) کو ہر حال میں یقینی بنایا جائے گا۔

۴۔ آئینی نظام کے نفاذ کا وجوب (Essentiality of kEnforcement of Constitution) کے درجے کا حامل ہوگا۔

۵۔ قانون کی حکمرانی و بالادستی (Rule of Law) ہوگی۔

۶۔ آئینی و سیاسی عہدے شرائط اہلیت (Qualification for Constitutional and Political Office) کے حامل افراد کو ہی دیئے جائیں گے۔

۷۔ سربراہ مملکت (Muslim Head of State) مسلمان ہوگا۔

۸۔ ریاستی و حکومتی عہدے بطور امانت و نیابت (State Responsibilities as Trust) سونپے جائیں گے۔

۹۔ ہر شہری آئینی منصب امانت (Constitutional Status of Trustee for every Citizen) کا حامل ہوگا۔

۱۰۔ حکومت کا حق اطاعت مشروط (Conditional Superordination of State) ہوگا۔

۱۱۔ ہر عاقل و بالغ کو حق رائے دہی (Adult Franchise) حاصل ہوگا۔

۱۲۔ حق رائے دہی جنسی امتیاز (No Gender Discrimination in Adult Franchise) سے ماوراء ہوگا۔

۱۳۔ اختلاف رائے کو بنیادی حقوق (Difference of Opinion as Fundamental Right) کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔

۱۴۔ اکثریت کی رائے کا احترام (Respect of Majority Opinion) کیا جائے گا۔

۱۵۔ اسلامی حکومت، منتخب اور نمائندہ حکومت (Elected and Representative Govt) ہوگی۔

۱۶۔ نظام حکومت کی ہیئت ترکیبی (Structure of Govt System) عوام کی صوابدید پر ہوگی۔



Marfat.com

۱۷۔ حکومت دو طرفہ معاہدہ (Govt - a Biletral Contract) متصور ہو گا۔

۱۸۔ حکومت کا مقصد نظام عدل و فلاح کا قیام( Purpose of Govt Maintenance of Justice & Welfare System)ہو گا نہ کہ شخصی اقتدار کا قیام۔

۱۹۔ حکومت اور عوام کو باہم حقوق و فرائض(Duties & Rights of Govt & People)حاصل ہوں گے۔

۲۰۔ اقتدار کے اختیار کا مقصود خلافت نبوی کا نفاذ ( Viceregency of Holy Prophet in Exercise of Govt Powers)ہو گا۔

۲۱۔ مذہبی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Religious Freedom)دی جائے گی۔

۲۲۔ سیاسی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Political Freedom)دی جائے گی۔

۲۳۔ بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت(Guarentee of Equal Human Rights)ہو گی۔

۲۴۔ حکومتی اختیارات کی جواب دہی( Accountability in Exercise of Govt. Powers)ریاست کے آئینی نظام کا حصہ ہو گی۔

## سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینی پہلو( Constitutional Aspect of Seerah)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریت لانے کے بعد جن امور کو اپنی ترجیحات میں رکھا ان میں سر فہرست آئینی ریاست کی تشکیل اور اس کا دستور متفقہ طور پر منظور کروانا تھا۔ نئی ریاست کے دستور کی تیار آپ نے قیام مدینہ کے ابتدائی دنوں میں ہی شروع کر دی تھی کیونکہ مدینہ طیبہ میں آپ سے پہلے ہونے والی جنگوں خصوصاً جنگ بعاث نے اہل مدینہ کو اس سوچ بچار پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ مدینہ میں مستقل خون ریزی اور قتل غارت کے خاتمے کے لیے کچھ اقدامات کریں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد اس بات کے امکانات بہت روشن ہو گئے کہ مدینہ طیبہ لا قانونیت کی کیفیت سے نکل کر ایک منظم معاشرے میں ڈھل جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خدا داد پیغمبرانہ صلاحیت کے ذریعے شروع ہی سے ایسے اقدامات کیے جن سے آگے چل کر ایک متفقہ دستور کی منظوری کی راہ ہموار ہوئی مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء کے بعد اہل خزرج کے ہاں قیام فرمایا۔ کیونکہ یہاں کے اکثر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی والدہ قبیلہ خزرج سے ہی تھیں۔ چنانچہ یہاں سے آپ کو دستور کی تاری اور دستور کی منظوری کے حطالے سے واضح حمایت ملنے کے امکانات روشن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام کیا جہاں نبو نجار کا قبیلہ رہتا تھا اور جلد ہی وہاں کے لوگوں کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ اس اجلاس میں مدینہ کی



Marfat.com

وادی کے تمام نمائندے موجود تھے اور ان کے سامنے قیام حکومت کی تجویز پیش کی گئی۔ اس تجویز کو تقریباً سبھی لوگوں نے قبول کر لیا۔ مخالفت کرنے والے قبیلہ اَوس کے دو یا چار افراد تھے۔ اس طرح ایک مملکت کے قیام کی ابتداء ہوئی جس سے تاریخ انسانیت میں ایک نئے علمی، سیاسی، فکری، دستوری، معاشی اور سماجی دور کا آغاز ہوا اور انسانیت دور قدیم سے دور جدید میں داخل ہو گئی۔ بنیادی سنگ میل جو اس دورِ نو کا آغاز کا باعث بنا، حکمرانوں اور رعایا کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین کرنے والا ایک تاریخی دستور تھا۔ یہ دستور تمام شرکاء اجلاس کے مشورے سے مرتب اور منظور ہوا۔ اس طرح کائنات انسانی کا پہلا تحریری دستور وجود میں آیا۔ یہ دستور ریاست کی نوعیت و حیثیت، افراد ریاست کی آئینی حیثیت اور دیگر ریاستی امور سمیت تمام تفصیلات کا جامع احاطہ کرتا تھا جس کی تفصیل یہاں بیان کی جا رہی ہے۔(۱۸۶)

## مملکت خداداد پاکستان کے آئین کی اسلامی دفعات:

☆☆۔ دستور پاکستان ۱۹۵۶

☆۔ اس دستور کے مطابق ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

☆۔ دستور کے مطابق ملک کا صدر مسلمان ہو گا۔

☆۔ ایسا کوئی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہو اور موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

☆۔ دستور کے مطابق ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کیا جائے گا جو اسلامی احکام کی تدوین و نفاذ کے بارے میں تحقیق کرے گا۔

☆۔ ملک میں سود کا جلد از جلد خاتمہ کیا جائے گا۔

☆۔ پالیسی کے رہنما اصولوں میں کہا گیا کہ پاکستان کے دیگر اسلامی ممالک کیساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں گے۔(۱۸۷)

☆☆۔ دستور پاکستان ۱۹۶۲ کی اسلامی دفعات :

☆۔ دستور میں ملک کا نام جمہوریہ پاکستان تجویز کیا گیا بعد میں ایک ترمیم کے ذریعے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

☆۔ کوئی ایسا قانون لاگو نہیں کیا جائے گا جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو اور تمام موجودہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

☆۔ قرآن و اسلامیات کی تعلیم مسلمانوں کے لیے لازمی قرار دی جائے گی۔

☆۔ حکومت زکوٰۃ، اوقات اور مساجد کی تنظیم کے لیے ادارے قائم کرے گی۔

☆۔ اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی جائے گی جو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو مسلمانان پاکستان



Marfat.com

کی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے سلسلے میں اقدامات تجویز کرے گی۔
☆۔ حکومت ادارہ تحقیقات اسلامیہ قائم کرے گی جو اسلامی احکام کے بارے میں اپنی رائے دیگا۔(۱۸۸)

☆☆۔دستور پاکستان ۱۹۷۳ کی اسلامی دفعات

☆۔ تمام کائنات پر اقتدار اعلیٰ حاکمیت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔وہ یہ اختیار پاکستان کے مسلمانوں کو تفویض کرتا ہے جو اسے مقدس امانت کے طور پر اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق استعمال کریں گے۔

☆۔ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا۔

☆۔صدر اور وزیراعظم دونوں مسلمان ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو واحد اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول مانتے ہوں۔

☆۔ ۱۹۷۳ کے آئین میں پہلی دفعہ مسلمان کی تعریف شامل کی گئی۔ جس کی رو سے توحید، رسالت، قیامت، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرنا لازمی ہے۔

☆۔ غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہب اور عقائد پر عمل کرنے اور اپنی ثقافت اور روایات کو ترقی دینے کی مکمل آزادی ہو گی۔اقلیتوں اور دیگر پسماندہ طبقوں کے جائزہ حقوق کی حفاظت کا انتظام کیا جائیگا۔

☆۔ موجودہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات کے متصادم ہو۔

☆۔ قرآن اور اسلامیات کی تعلیم سکولوں اور کالجوں میں لازمی ہو گی۔

☆۔ سکولوں میں چھٹی سے آٹھویں تک عربی کی تعلیم لازمی ہو گی اور قرآن پاک کی طباعت غلطیوں سے پاک کی جائے گی۔

☆۔اسلامی اقدار یعنی جمہوریت، انصاف، رواداری، آزادی اور مساوات آئین کا حصہ ہوں گے۔

☆۔ ایسے حالات مہیا کیے جائیں گے کہ مسلمان انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر اپنی زندگیاں اسلام کے مطابق ڈھال سکیں گے۔

☆۔ ۱۹۷۳ کے آئین کے مطابق حکومت زکوٰۃ و عشر کا نظام قائم کرے گی اور زکوٰۃ کونسلیں بھی قائم کی جائیں گی۔

☆۔ حکومت سود کے نظام کو ختم کرے گی اور ملکی معیشت کو سود سے پاک کیا جائے گا۔

☆۔ اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی جائے گی جو قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانے میں



Marfat.com

قانون ساز اداروں کی راہنمائی کرے گی اور موجودہ قوانین کو بھی اسلام کے مطابق ڈھالے گی۔(۱۸۹)

## بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۵۰:

آئین ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد کی منظوری کے بعد مختلف کمیٹیاں اور سب کمیٹیاں تشکیل دیں۔ ان سب سے اہم بنیادی اصولوں کی کمیٹی (Basic Principles Committee) تھی اس میں مختلف سیاسی جماعتوں کے ۲۴ نمائندے شامل تھے۔لیاقت علی خان بحیثیت وزیر اعظم کمیٹی کے چیئرمین تھے۔۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے آئین ساز اسمبلی کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی۔رپورٹ کے اہم نکات حسب ذیل تھے۔

۱۔ وفاقی مقننہ، دو ایوانی ہو،ایوان بالا میں تمام صوبوں کو مساوی اور ایوان زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے۔

۲۔ صدر مملکت کو وفاقی مقننہ کے دونوں ایوان پانچ سال کے لیے منتخب کریں گے۔ اور وفاقی مقننہ جب چاہے اسے دو تہائی اکثریت سے برطرف کرسکتی ہے۔

۳۔ صوبوں کی ایک ایوانی مقننہ ہوگی اور گورنر کی حیثیت صدر کے تشابہ ہوگی۔

۴۔ مرکزی اور صوبائی قانون میں تضاد کی صورت میں مرکزی قانون کو بالادستی حاصل ہوگی۔

۵۔ قومی زبان اردو ہوگی۔

پورے ملک میں اس رپورٹ پر سخت تنقید کی گئی۔ رپورٹ میں اسلامی طرز حکومت کی ضمانت نہیں دی گئی تھی۔ قرارداد مقاصد کو نظر انداز کیا گیا تھا۔بنگالی قائدین مضبوط مرکز کے تصور ہی کے خلاف تھے۔صدر کے غیر معمولی اختیارات کی وجہ سے آئینی ڈھانچے کو آمرانہ قرار دیا گیا۔رپورٹ کی مخالفت میں عوام کے جذبات دیکھتے ہوئے لیاقت علی خان نے ایوان سے درخواست کی ان کی تجاویز کو معرض التواء میں ڈال دیا جائے اور عوام سے اپیل کی کہ وہ رپورٹ میں ترامیم کی تجاویز پیش کریں۔ تاہم ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی میں انہیں شہید کردیا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین نے فوری طور پر گورنر جنرل کا عہدہ چھوڑ کر وزیراعظم کا عہدہ سنبھال لیا تاکہ مذکورہ رپورٹ کو اپنی مرضی کے مطابق مرتب کرواسکیں۔ (۱۹۰)

## اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آئینی تاریخ اور اختیارات کی جنگ:

۱۹۵۶ء کا دستور بنایا گیا تھا تو اس کی بڑی تعریف کی گئی تھی اور دوسرا آئین ۱۹۶۲ میں نافذ کیا گیا۔لیکن پہلا اڑھائی سال بعد ہی صدر سکندر مرزا نے اور دوسرے کو ایوب کے جانشین یحییٰ خان نے ۱۹۶۹ میں منسوخ کردیا تھا۔اسی طرح ۱۹۷۳ء کے آئین کی بھی بہت تعریف کی گئی تھی اور غالباً اس کی وجہ



Marfat.com

یہ تھی کہ عوام نے یہ سمجھا تھا کہ یہ دستور و آئین ایک اسلامی ریاست کے لئے بنایا گیا ہے اور اس کے تحت ایک اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا جو معاشرہ میں اتحاد و یگانگت اور عدل و انصاف کی اسلامی فضا پیدا کرے گا جس کے لئے یہ ملک بنایا گیا ہے۔

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ اس پر پاکستانی عوام کا ایمان ہے۔ نظریاتی طور پر پاکستانی خود کو مسلمان کہتے ہیں اور اپنا رشتہ اسلام سے جوڑتے ہیں۔ اسلامی ریاست کی بنیاد پیغمبر اسلام نے "لاالٰہ الااللہ" کے اصول پر رکھی تھی اور مسلمانوں کو اسلامی اخوت اور دینی بھائی چارہ کی بنیاد پر ایک ہی رشتہ مواخات میں برویا تھا۔

۱۹۵۶ء کے دستور کے تحت اس ملک کا نام "جمہوریت اسلامیہ پاکستان" رکھا گیا تھا اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی تحریر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" یعنی اللہ کے نام سے شروع کی گئی تھی جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور اس آئین کا نام "اسلامی جہوریہ پاکستان کا آئین" رکھا گیا تھا۔ ۱۹۵۶ء کے دستور کی طرح ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ "چونکہ تمام کائنات کا اقتدار اعلیٰ صرف خدا تعالیٰ کی عظیم ذات کو حاصل ہے اس لئے جو اختیارات اپنی حدود میں رہ کر پاکستان کے عوام نے استعمال کرنے ہیں وہ ان کے پاس خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت ہیں اور پاکستان کے عوام کی مرضی ہے کہ وہ ایسا آئین بنائیں..... جس میں ریاست کے تمام اختیارات اور طاقت کا استعمال عوام کے نمائندوں کے ذریعے کرے۔(۱۹۱)

ہر چند کہ ۱۹۵۶ء کا دستور اور ۱۹۷۳ء کا آئین دونوں ایک اسلامی ریاست کے لئے بنائے گئے ہیں مگر عملاً دونوں میں سے اسلامی روح کو نکال کر باہر پھینک دیا گیا ہے۔ پاکستان ایک ایسی جمہوریت بنے گا جس میں اسلامی اصولوں کی بنیاد پر معاشرتی انصاف ہو گا۔ آئین کی دفعہ ۲-۳۱ب کے تحت "اتحاد کی ترقی اور اسلام کے اخلاقی معیار کی بلندی کے لئے کام کیا جائے گا۔" آئین کی دفعہ ۳۳میں لکھا گیا ہے کہ "ریاست ہر قسم کے لسانی، نسلی، قبائلی، گروہی اور صوبائی تعصبات کو ختم کرنے کے لئے ان کی حوصلہ شکنی کرے گا اور آرٹیکل ۲۵۱میں پاکستان کی قومی زبان "اردو" قرار دی گئی تھی۔ اسے سرکاری اور دیگر مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے لئے آئین کے نفاذ سے پندرہ سال کے اندر انتظامات کئے جائیں گے۔

ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں پاکستان کا پہلا متفقہ آئین ۱۹۷۳ء میں نافذ العمل ہوا۔ مگر اس آئین کے ساتھ بھی پہلے آئینوں کی طرح چھیڑ چھاڑ کی جاتی رہی اور حکمران کچھ قومی مفاد اور کچھ اپنے مفادات کے لئے اس میں ترامیم کرتے رہے۔ اب تک ۱۴ ترامیم کی جا چکی ہیں۔ ۳ ترامیم اس کے علاوہ ہیں جو یا تو واپس لے لی گئیں یا پھر مکمل نہ ہوسکیں، ان ۱۷ترامیم کی تفصیل کچھ اسطرح سے ہے

ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں سات آئینی ترامیم کی گئیں، ضیاء الحق کے دور میں تین، نواز شریف کے دور میں پانچ اور پرویز مشرف کے دور میں ایک آئینی ترمیم ہوئی۔ سب سے پہلی ترمیم ۸ مئی ۱۹۷۴ کو



Marfat.com

اور اب تک کی سب سے آخری یعنی سترھویں ترمیم ۲۱اگست ۲۰۰۲ کو کی گئی۔ ہرچند کہ ان میں سب سے متنازعہ آٹھویں، چودھویں اور سترھویں ترامیم ہیں، تاہم ان کے علاوہ بھی کچھ تاریخی اہمیت کی حامل ہیں، جن کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

پاکستان کے آئین کی دوسری ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ یہ تاریخی ترمیم ستمبر ۱۹۷۴ میں کی گئی تھی۔

آئین کی چھٹی ترمیم میں پاکستان کی عدالت عظمٰی کے منصف اعظم کے حوالے سے یہ نکات داخل کیے گئے کہ ۶۵ سال کی عمر میں ریٹائر جبکہ صوبائی عدالت عالیہ کے منصف اعظم کو ۶۲ سال کی عمر میں لازماً ریٹائر ہو جانا چاہیے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں یہ ترامیم ۲۲ دسمبر ۱۹۷۶ء کو منظور کی گئیں۔

ملکی آئین کی پہلی سب سے متنازعہ آٹھویں ترمیم نومبر ۱۹۸۵ء میں نافذ العمل ہوئی۔ اس ترمیم کے ذریعے ضیاء الحق نے پارلیمانی طرز حکومت کو صدارتی نظام میں بدل دیا۔ صدر پاکستان کو کئی اضافی اختیارات اور آئینی طاقت میسر آ گئی۔ آئین پاکستان کے ذیلی حصہ ۲ (بی) کے آرٹیکل ۵۸ میں شامل ہونے سے صدر کو قومی اسمبلی تحلیل کرنے کا اختیار مل گیا تاہم وہ سینٹ کو تحلیل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا، گویا اس ترمیم کی رو سے صدر پاکستان وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو کوئی بھی الزام لگا کر فارغ کر سکتے تھے۔ اب تک ۵۸ ٹو بی کی تلوار چار مرتبہ چلائی جا چکی ہے۔ سب سے پہلے اس کے خالق ضیاء الحق نے ۱۹۸۸ میں جونیجو حکومت پر وار کیا، اس کے بعد ۱۹۹۰ء کی دہائی میں اس کا استعمال تین بار کیا گیا۔ صدر غلام اسحٰق خان نے ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو بے نظیر بھٹو کی حکومت اور ۱۹۹۳ء میں نواز شریف کی حکومت ختم کی جبکہ صدر فاروق احمد لغاری نے نومبر ۱۹۹۶ء میں بے نظیر کی دوسری حکومت کو ختم کیا۔

ایک اہم ترمیم ۱۹۹۱ میں کی گئی جس کے تحت انسداد دہشت گردی کی عدالتیں وجود میں آئیں۔ اسی قانون کو بعد میں آنے والی حکومتوں نے مزید ترامیم کر کے ملک میں نافذ کیا اور دہشت گردی کو روکنے کے لیے استعمال کیا۔

پاکستان میں ادارہ جاتی احتساب پہلے ہی نہ ہونے کے برابر تھا کہ آئین میں کی جانے والی تیرہویں اور چودھویں ترمیم کے ذریعے حکومتی احتساب کی ساری راہیں بھی مسدود کر دی گئیں۔ ۱۹۹۷ء میں آئین پاکستان میں تیرہویں ترمیم کی گئی جس کی رو سے صدر پاکستان سے وہ اختیارات واپس لے لیے گئے جس کے تحت وہ اسمبلی کو تحلیل کر سکتے تھے۔ اس طرح صدارتی کیمپ بظاہر ربڑ سٹمپ بن کر رہ گیا۔ چودھویں ترمیم کے ذریعے وزیر اعظم پاکستان کو اتنا مضبوط کر دیا گیا کہ کسی صورت بھی وزیر اعظم یا ان کی انتظامیہ اور کابینہ کا احتساب دوران حکومت ممکن نہ رہا تھا۔

آئین میں متنازعہ سترھویں ترمیم کی منظوری پارلیمنٹ نے سن دو ہزار تین میں دی تھی۔ پرویز مشرف نے ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب میں یہ وعدہ کیا تھا تاہم وہ بعد میں اس وعدے سے منحرف



Marfat.com

ہوگئے۔ آئین میں متنازعہ سترہویں ترمیم کے تحت صدر کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہوگئے۔ اس ترمیم کی سکیشن اٹھاون ٹو بی کے تحت صدر کو پارلیمنٹ توڑنے کا اختیار حاصل ہوگیا۔ آرٹیکل دو سو ستر ڈبل اے کے تحت اکتوبر انیس سوننانوے سے لے کر سن دو ہزار تین تک کے تمام صدارتی اور چیف ایگزیکٹو کے اقدامات کو قانونی قرار دے دیا گیا۔ سترہویں ترمیم میں ایک شق کے تحت دو بار سے زائد وزیر اعظم بننے پر بھی پابندی عائد کی گئی ججز کی عمر کی حد مقرر کی گئی۔ اس متنازعہ ترمیم کے تحت بالخصوص صدر پرویز مشرف کے اکتوبر انیس سو ننانوے کے اقدامات کو آئینی تحفظ دیا گیا۔ ۱۸ ویں ترمیم قومی اسمبلی میں پیش کی گئی، ان آئینی اصلاحات کو تیار کرنے والی کمیٹی نے ۹ ماہ کی طویل جدوجہد اور صلاح مشورے کے بعد اتفاق کر کے دستخط کیے۔ اس ترمیم کے نفاذ سے اپوزیشن کا وہ دیرینہ مطالبہ پورا ہوگیا جو وہ گزشتہ دو برسوں سے کر رہی تھی۔ اس ترمیم کی شقیں ۹۵ ہیں، جن میں سے سات کی تفصیل اس طرح سے تھی۔

(۱) مسودہ میں صدر کو آئین کے آرٹیکل ۵۸ ٹو بی کے تحت حاصل اسمبلی توڑنے کا اختیار ختم ہو جائے گا۔

(۲) صوبہ سرحد کا نیا نام خیبر پختونخواہ ہوگا۔

(۳) اعلیٰ عدلیہ میں ججوں کی تقرری کا صدارتی اختیار پارلیمانی کمیٹی کرے گی۔

(۴) فوجداری مقدمات، اعلیٰ عدلیہ، بین الاقوامی معاہدوں، ثالثی اور نارکوٹکس کو کنکرنٹ لسٹ سے نکال کر فیڈرل لیجسلیٹیو کے پارٹ ٹو میں شامل کیا جائے گا۔

(۵) چیف الیکشن کمشنر کی تعیناتی قائد حزب اختلاف ارکان کے مشورہ سے مشروط ہوگی۔

(۶) صدر کو فوجداری مقدمات میں حاصل استثنیٰ برقرار رہے گا اور مجرموں کی سزائیں ختم کرنے کا اختیار بھی صدر کے پاس ہی رہے گا۔

(۷) گورنر کو حاصل کئی اہم اختیارات وزیر اعلیٰ کو مل جائیں گے اور گورنر وزیر اعلیٰ کے مشورے پر عمل کا پابند ہوگا۔

آئینی ترامیم کے اسباب زیادہ تر اختیارات کی جنگ ہے جو گورنر جنرل غلام محمد کے دور میں شروع ہوئی تھی اور آج بھی کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔ جس طرح ۸ ویں اور ۱۷ ویں ترامیم میں صدر کو پارلیمنٹ پر بالادستی حاصل ہوگئی، اسی طرح ۱۳ اور ۱۴ ویں ترمیم سے وزیراعظم کو عملی طور پر پارلیمنٹ پر بالادستی مل جاتی ہے۔ اب ۱۸ ویں ترمیم کے ذریعے صدر کے بجائے پارلیمنٹ کو مضبوط اور زیادہ خود مختار بنایا جا رہا ہے۔ (۱۹۲)

## جمہوری سیاسی نظام کے لیے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی:

حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوحازمؒ سے روایت ہے کہ میں پانچ سال تک حضرت ابوہریرہؓ کے



Marfat.com

ساتھ رہا تو میں نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو اس کا خلیفہ ونائب نبی ہوتا تھا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور عنقریب میرے بعد خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے صحابہ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ہاتھ پر پہلے بیعت کرلو اسے پورا کرو اور احکام کا حق انکو ادا کرو بے شک اللہ ان سے انکی رعایا کے بارے میں سوال کرنے والا ہے۔"(۱۹۳)

☆☆۔"وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور کی نگرانی بخشی اور اس نے ان کی حاجات و ضروریات اور فقر کے حالات کی پروانہ کی تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضرورت و احتیاج سے بے نیاز ہوجائے گا۔"(۱۹۴)

☆☆۔"امیر جو کہ مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار ہے اگر ان کی بھلائی کے لیے کوشش کرے اور ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"(۱۹۵)

☆☆۔"جو شخص میری فرماں برداری کرتا ہے، وہ اللہ کی فرماں برداری کرتا ہے اور جو شخص میرا نا فرمان ہے، وہ اللہ کا نافرمان ہے اور جو شخص امیر (رئیس مملکت) کی اطاعت کرتا ہے، میری اطاعت کرتا ہے اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے، وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔(۱۹۶)

☆☆۔" سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تم پر ایک حبشی کو حاکم بنادیا جائے، جس کا سر کشمش کے دانے کی طرح ہو یعنی بد وضع ہو۔" (۱۹۷)

☆☆۔"یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر یہ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں تو اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں۔ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمھاری کمزوریاں) ایسی تھیں کہ معدد دے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے"۔(۱۹۸)

## پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام میں قیادت کا بحران

### پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام میں قیادت کے مفادات:

بد قسمتی یہ ہے کہ نصف صدی سے زائد کا عرصہ گزر گیا، آج تک اسے وہ لیڈر میسر نہیں آئے جو پاکستان کو بلدہ طیبہ بناتے۔ اس کے برعکس، جس جس کے ہاتھوں میں زمام کار، آئی اس نے پاکستان کے قیمتی انسانی وسائل بے دردی کے ساتھ ضائع کیے۔ جوانوں کی جوانی، بوڑھوں کی فرزانگی، اہل علم کی دانش، محنت کاروں کی محنت، سب رائیگاں جاتی رہی۔ جو قدرتی وسائل موجود تھے، ان سے بھی ان کی غفلت کے



Marfat.com

باعث استفادہ نہیں کیا جاسکا۔ کھیتوں کی پیداوار کم ہوتی گئی، پانی کی فراہمی گھٹتی تھی اور جو نئے وسائل وجود میں آئے بھی، تو انہوں نے دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور ان پر داد عیش دینے میں مصروف رہے۔(۱۹۹)

لیڈروں سے ہماری مراد ہر شعبہ زندگی کے لیڈروں سے ہے، لیکن ان میں سیاسی لیڈر، جنرل اور بیورو کریٹ یقیناً سر فہرست ہیں۔ یہ پاکستان بنانے کے دعویدار ہوں یا بعد میں آنے والے۔ یہ اسکندر مراز، ایوب خان، ضیاء الحق یا کوئی اور لیکن درست بات یہ ہے کہ لوگوں کو ویسے ہی لیڈر ملا کرتے ہیں، جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ دودھ زہریلا ہو تو اوپر مکھن بھی زہریلا ہو گا۔ اس لیے عوام بھی سارا الزام لیڈروں کے سر رکھ کر خود بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔ خصوصاً سلطانی جمہور کے دور میں، جب وہ خود انہی لیڈروں کو اپنا ہیرو بناتے ہیں، اور انہی کو ووٹ دینے کے لیے بیلٹ بکس تک چل کر جاتے ہیں۔

۲۵ سال نہ گزرے تھے کہ ملک دو ٹکڑے ہوگیا، مزید پچیس سال گزرنے کے بعد دوسری مارشل لاء حکومت کا آکسیجن ماسک جب سے اترا قوم مسلسل ایک کے بعد دوسرے بحران کا شکار ہے۔ اگرچہ الیکشن بھی ہوئے، لیکن سیاسی استحکام کا دور دور تک پتا نہیں۔ چنانچہ ملک کی کشتی بھنور میں پھنسی ہوئی ہے اور اس تختہ تختہ ہل رہا ہے۔ ان لیڈروں نے ملک کو صرف شکست و ریخت، سیاسی محاذ آرائی اور عدم استحکام کے " تحائف " ہی دیئے ہیں، بلکہ جس شعبہ زندگی کو لیجئے اس میں بگاڑ اور انحطاط ہی پیدا کیا ہے۔ ملک چلانے میں ان سیاسی، سول اور فوجی لیڈروں کی کارکردگی گھٹیا اور ناقص رہی ہے۔(۲۰۰)

جو لوگ مسائل پیدا کررہے ہیں، وہ انہیں حل کرنا چاہتے ہیں۔ حکمرانوں کو عدالت کے سامنے جواب دہ بنایا جاسکتا ہے۔ احتساب کے لیے بااختیار عدالتیں بنائی جاسکتی ہیں۔ جب تک مقتدر سیاسی قوتیں خود حل تلاش کرنے میں مخلص نہ ہوں، تجاویز سے کچھ نہیں بنے گا۔ مگر ان کا حال یہ ہے کہ ہر گروہ اپنے موقف اور روش پر اٹل اور اسی میں مگن ہے۔ " كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ " (۲۰۱) ترجمہ "ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔"

"أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا " (۲۰۲) ترجمہ: " ہر ایک اپنے برے اعمال کے پیچھے دل و جان سے لگا ہوا ہے، اس کو وہی اچھے نظر آتے ہیں اور باقی سب غلط "

"وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ "(۲۰۱) ترجمہ: " انکے سامنے صرف اپنی خواہشات ہیں۔

" بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ" (۲۰۴) ترجمہ: " صحیح بات یہ ہے کہ بحر و بر میں فساد لوگوں کے اعمال کی وجہ سے ہے "

حالات سنگین اور تلخ ضرور ہیں، لیکن مایوسی کفر ہے اور لوگ کشتی میں چھید کر رہے ہوں تو پوری تندہی سے کشتی کو بچانے میں لگ جانا سب سے اہم اور مقدس فریضہ ہے۔ کچھ بھی نہ کرسکیں تو کم سے کم بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح، مرثیہ پڑھنے، رہنماؤں اور قوم کو جھنجھوڑنے اور جگانے، ان کے کانوں میں صور پھونکنے، اور ان کے سر پر منڈلاتے ہوئے مہیب خطرات سے آگاہ اور خبردار کرنے کا کام تو کرنا



Marfat.com

ہی چاہیے۔(۲۰۵)

## پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام میں اقتدار اور ادارے :

آج کے حکمران اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ جس طرح حکومت چلا رہے ہیں، اس طرح حکومت کچھ زیادہ عرصہ چل سکتی ہے، تو وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اگر وہ حقیقت حال سے آگاہ ہیں تو جان بوجھ کر خود کشی کر رہے ہیں۔ سیاسی جمہوری استحکام صرف ملک کے نہیں، خود ان کے مفاد میں بھی ہے۔ احتساب کے نام پر سیاسی انتقام لیا جاتا ہے، اس طرح جمہوری استحکام کی کوئی راہ کھل بھی سکتی ہے تو وہ مسدود ہو جاتی ہے۔ سیاسی نظام میں اعلیٰ ترین ادارے قومی اسمبلی اور سینیٹ ہیں، انہیں باہمی جنگ و جدل کا اکھاڑا بنا دینے میں اپوزیشن کا کردار بھی کم قابل مذمت نہیں، انہی اداروں کے احترام سے حکومت کا احترام اور انہی کی بقا سے حکومت کی بقا وابستہ ہے، مگر نہ حکومت کے وزرا اجلاس میں آتے ہیں، نہ ممبران اور نہ پالیسیوں اور قانون سازی پر بحثوں پر مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ (۲۰۶)

## اسلامی جمہوریہ پاکستان میں حکومتیں ناکام کیوں؟

پاکستان اپنے قیام سے اب تک نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گزار چکا ہے لیکن اب تک یہاں کوئی بھی مستحکم نظام حکومت رواج نہ پا سکا۔ اس تمام تر عرصہ میں پارلیمانی، صدارتی اور مارشل لا تقریباً سارے ہی نظام حکومت رواج نہ پا سکا۔ اس تمام تر عرصہ میں پارلیمانی، صدارتی اور مارشل لاء تقریباً سارے ہی نظام حکومت آزمائے جا چکے ہیں اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم قیام پاکستان سے اب تک تین مکمل اور چار عبوری دساتیر کے تجربے بھی کر چکے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں اب تک کوئی مستحکم حکومت قائم نہ ہو سکی؟

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے جو پاکستان کے ہر ذی شعور شہری کے ذہن میں موجود اور وہ اس سوال کا جواب چاہتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی نظام از خود کلیتاً خراب نہیں ہوتا، بلکہ نظام کی کامیابی اور ناکامی کا تمام تر دارومدار اس نظام کے چلانے والوں کی لگن، خلوص، نیت اور دیانت داری پر ہوتا ہے اور اگر نظام کے چلانے والوں میں لگن و خلوص نہ ہو، نیک نیتی نہ ہو، ایمان داری دیانت داری نہ ہو، ذاتی مفاد کو ملکی و قومی مفاد پر ترجیح دیتے ہوں تو نظام خواہ کتنا بھی اچھا ہو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اور ساتھ ہی ساتھ کسی نظام یا حکومت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس نظام یا حکومت کو عوام کی بھرپور تائید و حمایت حاصل ہو۔ اگر ہم پاکستان کی سیاسی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کریں تو ہمیں کسی بھی مستحکم حکومت یا کسی بھی نظام کا پاکستان میں کامیاب نہ ہونے کی مندرجہ ذیل وجوہات واضح نظر آئیں گی۔

۱۔ سیاست دانوں کا غیر محب وطن اور ہوس اقتدار کا حامل ہونا۔

۲۔ سیاست دانوں میں جمہوری فکر کا فقدان۔



Marfat.com

۳۔ ایسی سیاسی جماعت کا فقدان جو عوام کی پیداوار ہوں ہمارے ملک میں زیادہ تر (۹۹فیصد) سیاسی جماعتیں شخصیات کی پیداوار ہیں یا شخصیات کے باہمی تصادم سے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر بنی ہیں۔

۴۔ تقریباً تمام مذہبی جماعتیں جو سیاست میں حصہ لیتی ہیں، فرقہ واریت کی پیداوار ہیں اور یہاں بھی مذہبی شخصیات کی ہی اجارہ داری ہے اور انہیں صرف ان کے مخصوص فرقہ کے افراد کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ ہمارے ملک میں تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کے اندر خود جمہوریت کا فقدان ہے اور اندرون جماعت کوئی جمہوری عمل نہیں ہوتا۔

۶۔ ملک میں فوج نے جب بھی سیاسی حکومت کو ختم کیا اس کی بنا خود نا اہل، مفاد پرست، غیر محب وطن اور چور سیاست دان رہے ہیں۔

۷۔ یقینا فوج کا کام ملک میں سیاست کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے فوج کا کردار مشکوک اور کمزور ہو رہا ہے لیکن ملک کے سیاست دانوں کو بھی صراط مستقیم اختیار کرنی چاہیے اور انہیں چاہیے کہ وہ فوج کو کسی صورت بھی یہ موقع نہ دیں کہ وہ اقتدار پر قابض ہو جائے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں ایک پاک اور صاف سیاسی کلچر ہو۔ایسا سیاسی نظام ہو جس میں آسانی سے عوام کی رسائی ہو۔پرانے اور روایتی سیاسی رہنماؤں سے جنہوں نے ملک کو کچھ نہیں دیا جان چھڑا لی جائے اور اچھے کردار کے حامل، دیانت دار، ملک اور قوم کے مخلص افراد کو آگے لایا جائے تو ملک کسی نظام پر قائم رہ سکتا ہے یا کوئی مستحکم حکومت قائم ہو سکتی ہے.... لیکن

☆ ایسے افراد کہاں سے اور کس طرح مہیا ہوں گے؟ یہ سب سے اہم اور غور طلب مسئلہ ہے۔(۲۰۷)

## اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام میں بدعنوانی بڑھ رہی ہے:

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے مشیر نے خبردار کیا ہے کہ کرپشن میں ملوث افراد کو سزا نہ دینے کے باعث پاکستان میں کرپشن کی شرح میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، پریس کلب میں نیوز کانفرنس کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ گزشتہ ۲برس کے دوران سب سے زیادہ کرپشن لینڈ سروسز میں کی گئی، یہ شرح ۷۵فیصد رہی، پولیس کا محکمہ ۶۵فیصد کرپشن کے ساتھ دوسرے نمبر پر رہا، عدلیہ اور سیاسی جماعتیں بھی کرپشن کا شکار ہیں، دیگر ملکی ادارے بھی کرپشن کی زد پر ہیں، کرپشن میں عدلیہ چھٹے نمبر پر رہی، دنیا بھر کے کرپٹ ممالک میں پاکستان ۳۴ ویں جبکہ بھارت ۸۷ ویں نمبر پر ہے، کرپشن کا خاتمہ پاکستان کی نئی حکومت کیلئے سب بڑا



Marfat.com

چیلنج ہے، دریں اثنا ایک برطانوی اخبار کے مطابق ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے ۹۵ ممالک میں کرپشن کی صورتحال کے جائزے پر مشتمل اپنی تازہ ترین رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ پاکستان میں ۴۴ فیصد شہریوں کو رشوت دینی پڑتی ہے، سیرالیون میں کرپشن کی شرح سب سے زیادہ یعنی ۸۴ فیصد ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ متعدد ممالک میں سیاسی جماعتوں اور پولیس کے علاوہ عدلیہ میں بھی رشوت کی شرح بہت زیادہ ہے۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ سرکاری افسران اور ارکان پارلیمنٹ میں کرپشن کی شرح عدلیہ اور پولیس کی نسبت بہت کم ہے۔ تجارتی اور مذہبی ادارے بھی کرپشن کا شکار ہیں لیکن ان اداروں میں اس برائی کی شرح کمتر ہے۔ اس رپورٹ کی تیاری کیلئے ۹۵ ممالک کے اعداد و شمار جمع کئے گئے، ان کے مطابق مجموعی طور پر ان ممالک کے کم از کم ۲۵ فیصد شہری حکومتی اداروں کو رشوت دینے پر مجبور ہیں، دنیا بھر کے جن ۹ ممالک میں رشوت کی شرح بہت زیادہ ہے ان میں سیرالیون ۸۴ فیصد کے بعد لائبیریا ۷۵ فیصد، یمن ۷۴ فیصد، کینیا ۷۰ فیصد، کیمرون، لیبیا، موزمبیق اور زمبابوے ۶۲ فیصد اور یوگنڈا ۶۱ فیصد شامل ہیں۔ رپورٹ کے مطابق زیر جائزہ ممالک میں سیاسی جماعتوں میں رشوت کی شرح ۵۱ فیصد، پولیس ۳۶ فیصد، عدلیہ ۲۰ فیصد، ارکان پارلیمنٹ اور سرکاری افسران ۷ فیصد، میڈیکل اور ہیلتھ سروسز کے اداروں میں ۶ فیصد، ذرائع ابلاغ میں ۴ فیصد، مذہبی اور تجارتی اداروں میں یہ شرح ۳ فیصد ہے، رپورٹ کے مطابق کرپشن میں سرفہرست ۹ ممالک کے علاوہ دیگر ممالک میں افغانستان ۴۶ فیصد، الجیریا ۴۱ فیصد، بنگلہ دیش ۳۹ فیصد، مصر ۳۶ فیصد، بھارت اور گھانا ۵۴ فیصد، انڈونیشیا ۳۶ فیصد، عراق ۲۹ فیصد، کرغیزستان ۴۵ فیصد، نائیجیریا ۴۴ فیصد، ملائیشیا اور مالدیپ میں یہ شرح ۳ فیصد ہے اور فلسطین میں ۱۲ فیصد جبکہ امریکا میں ۷ فیصد اور برطانیہ میں ۵ فیصد ہے۔(۲۰۸)

## پاکستان میں میگا کرپشن اسکینڈلز میں قومی خزانے کو کھربوں کا نقصان:

میگا کرپشن اسکینڈلز میں قومی خزانے کے کھربوں روپے لوٹے گئے، کرپشن کی اس دوڑ میں بیوروکریٹس اور دیگر سرکاری افسر بھی پیچھے نہیں جن پر اربوں روپے لوٹنے کے الزامات ہیں سابق چیئرمین این آئی سی ایل ایاز نیازی دو ارب روپے سے زائد کی کرپشن اسکینڈل میں ملوث ہیں، یونس حبیب پر حبیب بینک قرضہ کیس میں تین ارب سے زائد روپے کا کرپشن سکینڈل ہے۔ پنجاب بنک قرضہ جات کیس میں سات متفرق پرائیویٹ کمپنیاں ڈیڑھ ارب روپے سے زائد کے اسکینڈل میں ملوث ہیں، سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ ڈویژن پر ڈیڑھ ارب روپے سے زائد کرپشن کا اسکینڈل ہے ایم سی بی کی نجکاری میں میاں منشا پر کرپشن کیس، ہیپیکو افسروں پر غیر قانونی طریقہ سے بجلی کی خریداری پر دو ارب کی کرپشن کا اسکینڈل ہے، شیخ افضل اور پنجاب بنک حکام ایک ارب سے زائد کے بنک فراڈ میں ملوث ہیں، مضاربہ کرپشن اسکینڈل میں مولوی ابراہیم سات ارب روپے سے زائد کی کرپشن میں ملوث ہیں، غلام رسول ایوبی مضاربہ اسکینڈل کا حجم تین ارب روپے ہے، اسی طرح سابق وی سی پنجاب یونیورسٹی عظمت حیات اراضی کی خرید و فروخت



Marfat.com

میں دس کروڑ کی کرپشن میں ملوث ہیں، ای جی ڈی سی ایمپلائز سوسائٹی کی زمین کی خرید میں ساٹھ کروڑ سے زائد کی خورد برد کا کیس بھی موجود ہے، سابق سیکرٹری پوسٹل سروسز اکرام الحق کے خلاف زمین کی خریداری میں دس کروڑ کا اسکینڈل ہے، ڈیفنس ہاؤسنگ انتظامیہ کے خلاف لاکھوں کنال اراضی کی خرید و فروخت میں خر برد کا کیس ہے، وزارت ہاؤسنگ اینڈ ورکسز میں کئی افسر اراضی خریداری میں ڈیڑھ ارب کی کرپشن میں ملوث ہیں، سی ڈی اے پلاٹوں کی فروخت میں کئی افسر ساڑھے تین ارب سے زائد کرپشن میں ملوث ہیں، نیشنل پولیس فاؤنڈیشن اراضی اسکینڈل میں ادارے کی انتظامیہ ڈھائی ارب سے زائد کی کرپشن میں ملوث ہے۔ سابق افسر ریونیو ڈیپارٹمنٹ مصطفی جمال قاضی اور سابق سیکرٹری لینڈ یوٹیلائیزیشن شاہ زر شموں پر اراضی اسکینڈل میں پانچ ارب کی کرپشن کا الزام ہے سابق چیئرمین متروکہ وقف املاک آصف ہاشمی اراضی اسکینڈل میں تیس کروڑ روپے کی کرپشن کے ملزم ٹھہرے، سابق چیئرمین ریلوے بورڈ جنرل ر سعید ظفر اور دیگر پر پچاس ارب روپے کرپشن کاالزام ہے، سابق چیئرمین نیشنل انشورنس کارپوریشن ایاز خان نیازی اور دیگر کے خلاف ڈھائی ارب روپے کی کرپشن کااسکینڈل ہے، سابق چیئرمین ایف بی آر اظہر مجید اور دیگر پر ٹھیکوں میں خردبرد اور ایک کروڑ ڈالر کی کرپشن کا کیس ہے۔ خیبر پختونخوا کے سابق بیوروکریٹس نوید قادر اور محمد جاوید ڈیڑھ ارب روپے، سابق چیئرمین اسٹیٹ لائف محمد ظہیر پر بیس کروڑ روپے کا الزام ہے۔(۲۰۹)

| | | | |
|---|---|---|---|
| پاکستان کی آبادی | ۲۰ کروڑ | ٹیکس ادا کرنے والوں کی تعداد | ۱۵ لاکھ |
| انتظامیہ کے اخراجات | ۲۵۰ارب روپے | غیر ملکی قرض ادا کرنے پر اخراجات | ۸۰۰ ارب روپے |
| اندرونی قرضہ جات | ۲۰۱۳ ارب روپے | مجموعی قرضے | ۱۶۰۰ کھرب روپے |
| ہر پاکستان مقروض | ۸۰ ہزار روپے | جو قرضے سیاست دان ہڑپ کر گئے | ۳۰۰ارب روپے |
| بیوروکریسی جو رقم سالانہ کھاجاتی ہے | ۳۰۰ارب روپے | سالانہ ٹیکس جو چوری ہوتے ہیں | ۴۰۰ارب روپے |
| بیرونی قرضہ جات | ۶۰ ارب ڈالر سے تجاوز کر کے ۶۵ارب ڈالر(۱۰۹ کھرب ۳۰ ارب روپے)(۲۱۰) | | |

پاکستان میں منصب کا غیر ذمہ دارانہ استعمال بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے پچھلے پانچ سالوں کے دوران ۱۲۶۰۰ارب روپے کی بدعنوانی کی گئی۔ سابق چیئرمین نیب فصیح بخاری کے مطابق ملک میں روزانہ ۷ ارب روپے کی کرپشن ہورہی ہے۔ سابق وزیر اعظم کے دور حکومت کے دوران پاکستان کو ناقابل حد تک



Marfat.com

مالی نقصان ہوا ہے اور کرپشن، ٹیکس چوری، اور خراب طرز حکمرانی کی وجہ سے ملک کو ۸۵۰۰ ارب روپے (۸ء۵ کھرب روپے یا ۹۴ ارب امریکی ڈالرز) کا نقصان ہوا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ بدعنوانی پر مؤثر طریقے سے قابو پایا جائے اور اچھی طرز حکمرانی کو یقینی بنایا جائے۔عمومی طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ملکی تاریخ میں سابق حکومت کے چار سال کرپشن اور خراب طرز حکمرانی کے لحاظ سے بدتر گزرے ہیں۔ کرپشن کے ماضی کے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے اور ملک دنیا کے انتہائی کرپٹ ممالک کی فہرست میں اونچا ہوتا گیا۔سابق وزیر خزانہ عبدالحفیظ شیخ خود اس بات کا اعتراف کرچکے تھے کہ ایف بی آر میں سالانہ ۵۰۰ ارب روپے کی کرپشن ہوتی ہے جو دراصل ۲۰۰۰ ارب روپے بنتی ہے۔سابق حکومت نے کرپشن کو کنٹرول کرنے کی بجائے جمہوریت کے نام پر اس کا دفاع کرنا شروع کیا تھا۔نیب اور ایف آئی اے نے کرپشن روکنے کی بجائے کرپٹ لوگوں کا ساتھ دیا، جس کی وجہ سے عوام کا ان سے اعتماد ختم ہوچکا ہے۔(۲۱۱)

## پاکستان کا مجوزہ جمہوری سیاسی نظام تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روشنی میں

☆☆اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے لیے جرات مند اور مخلص قیادت کی ضرورت:

کسی بھی ملک کی داخلی وخارجی سلامتی کے لئے چند لازمی عناصر ہوتے ہیں جن کا گراف جس قدر اونچا ہوتا ہے ملک اسی قدر مستحکم و مضبوط ہوتا ہے اور جتنا گراف نیچے آتا ہے ملک اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔ان میں سب سے پہلی چیز یا راس العناصر جرات مند، نڈر اور مخلص قیادت ہے جو نا مساعد حالات میں بھی قوم میں مایوسی پیدا نہ ہونے دے۔قوم کے سامنے ایسا نصب العین پیش کرے جو اتنا واضح ہو کہ قوم اس کی حقانیت میں کسی قسمکا شبہ نہ ہو۔پھر قیادت اس نصب العین کے ساتھ اتنی مخلص ہو کہ قم کا کوئی فرد اس کے اخلاص پر انگلی نہ رکھ سکے۔قیادت میں اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو قوم کی طرف سے وفا ہمیشہ غیر مشروط ہوتی ہے اور قوم و قیادت کے درمیان اس طرح کا وفادارانہ تعلق ملکی استحکام میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے موجود ہے اعلان نبوت کے بعد کون سی ایسی اذیت اور مصیبت ہے جو مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہیں آئی۔ مگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کٹھن حالات میں بھی نہ خود ہمت ہاری نہ پستی دکھائی نہ اپنے مشن سے پیچھے ہٹے۔(۲۱۲) نہ اپنے ماننے والوں کا حوصلہ پست ہونے دیا بلکہ کلمہ طیبہ کی برکت سے انہیں عرب و عجم کے باج گزار ہونے کا مژدہ سنایا(۲۱۳) لوگوں کے ساتھ مخلصانہ ہمدردی، خیر خواہیاور غمخواری کی چشم دید گواہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریب ترین شخصیت سیدہ خدیجۃ الکبری نے دی(صحیح بخاری:۳:۱،طبع کرزنی پریس دہلی)اپنی قوم کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی کا بے مثال طرز عمل آپ نے اس وقت بھی نہ چھوڑا جب



Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس لاکھ مربع میل کے واحد حکمران تھے۔(۲۱۴)اور جب رب کریم نے آپ کے واسطے زمین کے خزانے کھول دیے بلکہ زمین کے خزانوں کی چابیاں عنایت فرمادی تھیں۔ (۲۱۵)جب آپ کے سامنے ہدایا، خمس، جزیہ اور مال غنیمت کا ڈھیر لاگ جاتا تھا۔(۲۱۵)اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہاڑوں کو سونا بنادینے کی پیش کش کی گئی تھی۔(۲۱۶)اپنی لیڈری چمکانے کے لیے عوام کی ہمدردی، خیر خواہی اور خدمت کے نعرے لگانے والے تو بہت مل سکتے ہیں چشم فلک نے آج تک ایسا قائد نہیں جس پر ہن برس رہاہو، اقتدار قدم چوم رہا ہو عیش و آرام کے تمام مواقع میسر ہوں مگر یہ دعا کر رہا ہو اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔(۲۱۷)شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے بقول :

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں،نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں(۲۱۸)

## ☆☆ پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے کامیابی کے لیے دیانت دار، اہل اور خادم انتظامیہ کا تقرر

ملکی استحکام کے لئے عہدوں پر حکومت کے تمام چھوٹے بڑے عہدوں پر انتہائی دیانت دار، اہل علم، باصلاحیت اور خادم بن کر قوم کی خدمت کرنے والے افراد کا تقرر ضروری ہید دیانت، کرپٹ اور نااہل لوگ نہ صرف ملک کا وقار بلند نہیں کرسکتے بلکہ ملکی سالمیت و بقاکو بھی خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔ اسلام میں کوئی حکومتی عہدہ ایک امانت اور انتہائی ذمہ داری کی چیز ہے، دوسرے لفظوں میں کانٹوں کی سیج نہ کہ پھولوں کی۔(۲۱۹) کوئی حکومت اگر کسی نا اہل آدمی کو کسی منصب پر فائز کرتی ہے تو قرآن مجید اسے خیانت قرار دیتا ہے(۲۲۰)(سورۃ الانفال :۲۷)ابن تیمیہؒ نے زیادہ اہل اور مستحق شخص کے مقابلے میں کسی بھی وجہ سے دوسرے آدمی کے تقرر کو اللہ و رسول اور مومنوں کے غداری اور بے وفائی قرار دیا ہے۔(۲۲۱)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عمال اور حکومتی کارندوں کا تقرر ہمیشہ ان کی ذاتی اہلیت اور تقوی کی بنیاد پر کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تقرری سے قبل ان کا امتحان لیا کرتے۔چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ جب یمن کا گورنر بناکے روانہ فرمانے لگے تو کس طرح تم لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کروگے؟انہوں نے حسب منشا جواب دیا تو انہیں شاباش دی۔(۲۲۲)

آگے چل کر خلیفہ راشد سیدنا فاروق اعظمؓ نے تو عمال کو تقرری سے قبل کئی چیزوں کا پابند بنایا۔(۲۲۳)

## ☆☆پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے استحکام کے لیے حقدار کو حق کی ادائیگی :

جس قوم کو بنیادی حقوق حاصل نہ ہوں اور ان کے فرائض کا صحیح تعین نہ کیا گیا ہووہ قوم کسی



Marfat.com

میدان میں مستحکم نہیں ہوسکتی۔ بنیادی ضروریات زندگی، جان، مال اور عزت کی حفاظت اور دیگر سیاسی و سماجی حقوق فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی ریاست میں اس قسم کے تمام حقوق مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی حاصل تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی حکومت میں بہت کم احتجاج تحریکیں اٹھیں۔ معاشرے کے اکثر افراد کو حقوق بلا امتیاز مہیا کیے گئے تھے چنانچہ معاشرے میں امن و سکون کا دور دورہ تھا۔(۲۲۴)

حکومت کو چاہیے کہ حقوق کی فراہمی میں امتیازی سلوک کا خاتمہ کرے تاکہ معاشرے کے کمزور افراد محروم نہ رہیں اور کسی طبقے کا استحصال نہ ہونے پائے۔ اجرتوں کا صحیح تعین کیا جائے تاکہ مزدور اور عام طبقہ متاثر نہ ہو کیونکہ اس طرح کی صورتحال میں طبقاتی کشمکش پروان چڑھتی ہے اور لوگ اپنی جملہ صلاحیتوں کو بطریق حسن استعمال نہیں کرسکتا۔ بعض حقوق و فرائض ایسے ہوتے ہیں جو قومی یا علاقائی نوعیت اختیار کرلیتے ہیں اگر ان کی طرف صحیح توجہ نہ دی گئی تو بھی ملک میں داخلی عدم استحکام کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور ملک ملکی ترقی کی راہیں مسدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء ہی سے خصوصی توجہ فرمائی چنانچہ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی مختلف قبائل کے درمیان حقوق و فرائض کا صحیح تعین فرمایا۔(۲۲۵)

۱۔ پاکستان میں موجود بعض سرحدی قبائل کے درمیان بعض تنازعات صرف اس وجہ سے ہیں کہ ان کی حدود کا تعین موجود نہیں۔ اس ضمن میں حکومت کو چاہیے کہ صحیح علاقائی تقسیم کرے اور ظالمانہ قبضے ختم کرائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل کے درمیان علاقائی تنازعات کو ختم کیا اور ظالمانہ قبضوں کے خاتمہ کے لیے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

۲۔ پاکستان میں بسنے والے تمام قبائل و اقوام کے حقوق کا صحیح اور عادلانہ تعین کیا جائے۔ مثلاً ملازمتوں میں کوٹہ سسٹم اور دیگر حقوق کے صحیح تعین نہ ہونے کی وجہ سے سندھی، پنجابی، اور مہاجر عصبیتوں کا مسئلہ سنگین نوعیت اختیار کرتا جارہا ہے اور داخلی امن واستحکام بھی متاثر ہو رہا ہے۔

۳۔ بین الصوبائی انتظامی محکموں کے اختیارات و فرائض کا صحیح تعین کیا جائے۔ صوبوں کے حقوق کی عادلانہ تقسیم کی جائے۔

## ☆☆مساویانہ عدل کی فراہمی جمہوری سیاسی حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے:

مساویانہ انصاف کی فراہمی کے سلسلہ میں اسلام نہایت تاکید کے ساتھ تلقین کرتا ہے۔(۲۲۶) حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو ایمان باللہ کے بعد سب سے زیادہ قوی فرض قرار دیا گیا۔(۲۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف رسانی کا انتہائی مستحکم ادارہ قائم فرمایا جس کے تحت ہر



Marfat.com

چھوٹے بڑے، امیر و غریب اور شاہ گدا کو برابری کی بنیاد پر انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ سب کے لیے ایک قانون رکھا گیا تھا۔ قاضی کی عدالت میں بادشاہ پر بھی مقدمہ دائر ہو سکتا تھا۔ اس کی مثال خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی چنانچہ ایک مرتبہ اپنی آخری عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ مجھ پر کسی کا حق ہو تو وہ طلب کر لے اور جس کسی کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو وہ مجھ سے انتقام لے۔(۲۲۸)

یہی وہ مساویانہ عدل و انصاف تھا جس کے تحت آگے چل کر خلفائے راشدین اپنے گورنروں اور عمال کا بلا جھجک احتساب کرتے اور عام لوگ بھی عدالت کے ذریعے ان سے اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتے تھے۔(۲۲۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف رسانی کو ایک مرکزی ادارے کا درجہ عنایت فرمایا جس میں بلا تفریق انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے قبیلوں کا سہارا ترک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا حتیٰ کہ غیر مسلم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بخوشی فیصلے کرانے لگے۔(۲۳۰) اس طرح عرب میں معاشرتی امن کا دور دورہ ہوا۔

۱۔ پاکستان میں بلا امتیاز عدل و انصاف کے حصول کو آسان بنایا جائے تاکہ لوگ اپنی قوموں، قبیلوں اور تنظیموں کا سہارا لینا ترک کر دیں۔

۲۔ پاکستان میں عدلیہ بعض معاملات میں سیاسی نمائندوں اور انتظامیہ کے دباؤ میں ہوتی ہے۔ اس طرح عدلیہ کا صحیح مقصد یعنی مساویانہ انصاف پورا نہیں ہوتا۔(۲۳۱) لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ عدلیہ سیاسی تصرف اور انتظامیہ کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد کرے۔ کسی طاقتور کو قانون سے بالاتر قرار نہ دیا جائے موجودہ پاکستانی قانون میں صدر وزیر اعظم، وزراء اعلیٰ اور گورنر وغیرہ پر عام آدمی فوجداری مقدمہ دائر نہیں کر سکتا۔(۲۳۲) ایسے قوانین میں درستگی کی جائے۔

۳۔ ملک میں قرآن و سنت کو سپریم لا کا درجہ دیا جائے۔ یہ قانون منظور کیا جائے کہ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔

۴۔ ہر سطح کے ججوں کے لیے قرآن و سنت اور پرانے اسلامی فیصلوں کی تدریس کا مناسب بندوبست کیا جائے۔

## ☆☆پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے لیے معاشی استحکام:

انسان کی اولین ضروریات اس کی معیشت سے شروع ہوتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ نے ان بنیادی ضرورتوں کے متعلق فرمایا کہ: "اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى " ترجمہ: "بلاشبہ تمہارا یہ حق ہے کہ تم یہاں نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے اور یہ کہ تم نہ پیاسے رہو اور نہ ہی بھوک کی تپش اٹھاؤ۔"(۲۳۳)

قومی استحکام و عدم استحکام میں ان کی معیشت نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ علمی و سائنسی میدان



Marfat.com

میں بھی وہی قومیں عروج پر پہنچتی ہیں جن کی معیشت مستحکم اور خوشحال ہو وگرنہ بری معیشت انسان کو اپنے اللہ سے بھی دور کر دیتی ہے۔(۲۳۴)

## ☆☆پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے لیے خارجی امن واستحکام

ریاست کے داخلی استحکام کو بحال رکھنے کے ساتھ ساتھ بیرونی خطرات سے مدافعت کا انتظام بھی ضروری ہے۔بیرونی خطرات سے نمٹنے اور جنگ کو کم کرنے کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ فنون حرب میں اتنی ترقی کی جائے کہ دشمن کو حملہ کرنے کی ہمت ہے نہ ہو۔سیرت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جدید ہتھیار حاصل کیے اور استعمال بھی فرمائے۔(۲۳۵)آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع حاصل کرنے کے لیے جاسوسی کا صحیح انتظام فرمار کھا تھا۔(۲۳۶)

خارجی امن و استحکام کے سلسلے کی ایک اہم کڑی آپ ہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ معاہدے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے قیام کے فورا بعد کیے۔(۲۳۷)سیرت کے ذخائر سے ثابت ہے کہ دشمن کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے میں اہم قبائل سے امن معاہدے کیے یہ معاہدے اسلامی ریاست کے خارجی استحکام میں بہت کارگر ثابت ہوئے۔(۲۳۸)دفاعی سلامتی کے لیے حکومت کو نہ صرف جدید ہتھیار حاصل کرنے چاہئیں بلکہ ان کا ملک کے اندر بھی تیار کرنا ضروری ہے۔ملکی سیکرٹ سروس کو سیاسی اثرات سے بچاکر پیشہ ورانہ مقاصد کے لیے فعال بنایا جائے۔(۲۳۹)

## ☆☆ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں جمہوری سیاسی استحکام کے لیے علاقائی عصبیت کو ختم کرنا ہوگا:

ملکی استحکام کے لیے علاقائی اور قبائلی عصبیت سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ایسا معاشرہ مسلسل طبقاتی کشیدگی اور انار کی زد میں رہتا ہے جہاں کسی بھی سطح پر تعصب روا رکھا جاتا ہو،خاص کر جب یہ تعصب باہمی اور ریاستی معاملات میں دراندا ز ہو جائے تو اس کا نتائج نہایت مہلک اور دور رس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبائلی علاقائی تفریق کا رویہ ارشاد فرما کر بند کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور شرف کا مدار تقویٰ پر ہے، قوم و قبائل نہیں۔ ارشاد ہے: " يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ "(۲۴۰)

ترجمہ:"اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو،بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے،یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔"

اس ارشاد میں یہ وضاحت بھی فرما دی کہ قوم و قبائل کی تقسیم صرف باہم متعارف ہونے کے



Marfat.com

لیے کی گئی۔ اس کو عصبیت کی بنیاد بنانا درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیاس کی سنگینی کی پیش نظر اس پر اپنی توجہ مرکوز کی اور مدینہ منورہ میں ہی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سب سے پہلے انصار و مہاجرین کے مابین رشتہ مواخات قائم کر دیا، جو اپنے بعض احکامات اور ان انصارو مہاجرین کے مابین مثالی تعلقات کی وجہ سے نسبی تعلقات پر بھی فوقیت رکھتا تھا۔ ورنہ انصار ومہاجرین کے قبائلی پس منظر کو دیکھتے ہوئے ان کے مابین کسی بھی موقع پر اختلافات کا خدشہ موجود تھا۔ اس رشتے نے جس کی بنیاد صرف مذہب پر قائم ہوئی، تاریخ انسانیت میں نمایاں رقم کیا۔

اس کے باوجود جب کبھی کسی جانب سے مغایرت یا تفریق کی آواز بلند ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فوراً سدباب کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوۂ میں ایک مہاجر صحابیؓ نے ایک انصاریؓ کو تھپڑ مارا۔ انصاری نے کہا یاللانصار، اور مہاجر نے اس کے جواب میں یاللمہاجر کی صدا لگائی (قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو تھپڑ مار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کی پکار چھوڑ دیہ نہایت ناگوار بات ہے۔(۲۴۱)

یوں ایک بے مقصد مگرنہایت ضرر رساں لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ہمارے وطن پاک کے موجودہ حالات کے حوالے سے اس روایت میں راہنمائی کا بہت سامان موجود ہے۔ اگر ہم اپنے وطن کو ہر قسم کی عصبیت و تعصب سے پاک کرنا چاہتے ہیں تو اس حدیث شریف کی روشنی میں عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔ وطن عزیز اس وقت جس آزمائش سے دو چار ہے اس سے نکلنے کے لیے ہم سب کو اپنی ذاتی و شخصی خواہشات اور گروہی مفاد کو ملکی مفاد پر قربان کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے جس سے تمام طبقات میں اتفاق و اتحاد کا احساس پیدا ہو اور ایسا کوئی قدم ہر گز نہ اٹھایا جائے جس سے کسی امتیاز یا تعصب کو بو آتی ہو۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

## پاکستان میں جمہوری سیاسی کے استحکام کے لیے مذہبی تفرقہ بازی سے گریز:

دوسری چیز جس سے ملک و ملت کی سلامتی کو خطرہ درپیش ہے مذہبی فرقہ واریت ہے اور امت آج اسی صورت حال سے دوچار ہے جو دور جاہلیت میں تھی کہ اس وقت ہر مذہبی گروہ وہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار اور مخالف گروہ کو حق سے منحرف خیال کرتا تھا۔ (۲۴۲)اور " لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ " (۲۴۳) فریق مخالف پر ہر قسم کے ظلم و تشدد، بد دیانتی اور بد اخلاقی کو جائز خیال کرتا تھا۔ آج بھی مسلمانوں کے مختلف مذہبی گروہ اور جماعتیں اپنے آپ کو حق کا اجارہ دار سمجھ کر مذہب کی حقیقی روح



Marfat.com

کو فراموش کر کے اپنی تمام تر مساعی اپنے مخصوص نظریات اور فروعی مسلک کی ترویج اور اشاعت میں لگا رہی ہے۔ اس سلسلے میں سب و شتم، طعن و تشنیع طنز و تعریض اور لڑائی جھگڑوں تک سے گریز نہیں کرتیں۔ اور یہ بھلا بیٹھی ہے کہ یہ ان کا رویہ پیغمبرانہ طرز عمل اور قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن حکیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور ملاطفت کی تعریف کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اگر آپ سخت دل اور تند خو ہوتے تو کفار آپ کے قریب بھی نہ پھٹکتے بھاگ جاتے۔(۲۴۴) وہ تو حکمت اور موعظہ حسنہ کا درس دیتا ہے۔(۲۴۵) اور کافروں اور مشرکوں کو بھی سب و شتم سے منع کرتا ہے۔(۲۴۶) اس صورتحال نے مسلمانوں کو تقسیم کر کے ان کی توانائیوں کو لڑائی جھگڑوں اور فسادات کی نظر کر دیا ہے اور دشمنان اسلام تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی ذہنی اور علمی توانیاں کفر و الحاد کا مقابلہ کرنے اور ملک و ملت کے حقیقی مسائل کو حل کرنے کے بجائے مسلکی اور فروعی مسائل پر جھگڑنے میں صرف ہوجائیں اور وہ ان جھگڑوں کی آڑ میں دہشت گردی اور تخریب کاری میں مشغول ہیں۔ اس لیے مذہبی جماعتوں کا اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے مشترکہ اصولوں کی بنیاد پر اتحاد وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اختلاف رائے اگرچہ ایک طبعی اور فطری امر ہے یہ معیوب نہیں بلکہ امت کی فکری بیداری پر دلالت کرتا ہے مگر اس کی بنیاد پر تفرقہ بازی، تنظیم سازی اور مناظرہ بازی ملک و ملت میں انتشار کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تفرقہ بازوں سے قطع تعلق اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔(۲۴۷) " وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا "(۲۴۷)

فرقہ بندی کا توڑ قرآن مجید کی تعلم کے ذریعے ممکن ہے۔ مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۴۳ء میں قائد اعظم نے فرمایا: وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جن پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر قرآن مجید ہے۔ مملکت پاکستان کو ریاست مدینہ سے ایک خاص تعلق ہے اس لیے اس کی ترقی اور بقاء بھی ریاست مدینہ کے سربراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے ہی عبارت ہے۔

## ☆☆سیاسی جمہوری استحکام کے لیے اقرباء پروری کا خاتمہ:

ظلم و ناانصافی کی ایک صورت اختیارات کے ناجائز استعمال کے ذریعے اپنے اقارب کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنا اور انہیں بے جا مراعات سے نوازنا ہے۔ اسلام اسے عدل و مساوات کے منافی سمجھتے ہوئے سختی کے ساتھ اس سے منع کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ایک بار مصر گئے تو وہاں کے گورنر عمرو بن العاص کو حضرت عمرؓ نے خط لکھا کہ "خبردار! میرے خاندان کا کوئی آدمی اگر تمہارے پاس آئے تو نہ اسے تحفہ دینا نہ سوغات، نہ اس کے ساتھ خصوصی اور امتیازی برتاؤ روا رکھنا۔(۲۴۸) بعض



Marfat.com

اوقات تعلقات یا رشتہ داری کی بنیاد پر مستحق کو محروم کر کے غیر مستحق کو نوازا جاتا ہے۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ملک کے اہم انتظامی عہدوں پر جو جماعت بھی برسراقتدار آتی ہے مستحق لوگوں کو نظر انداز کر کے اپنے لوگوں کا محض ذاتی تعلقات یا جماعتی وفاداریوں کا لحاظ کر کے تقرری کرتی ہے، اس سے نفرت و تعصبات کو جگہ ملتی ہے، احساس محرومی بڑھتا ہے اور انتقامی جذبات فروغ پاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو کوئی مسلمان کا حاکم مقرر ہو اور وہ کسی کو اہلیت اور استحقاق کے بغیر (دوستی اور تعلق کی بنیاد پر) کسی عہدے پر فائز کردے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول نہ کرے گا حتیٰ کہ اسے جہنم میں داخل کردے گا"(۲۴۹)

## ☆☆ پاکستان میں سیاسی جمہوری استحکام کے لیے دھرنوں، احتجاج، محاذ آرائی کی سیاست سے اجتناب:

ایک اسلامی ریاست میں سیاسی نقطہ نظر سے اختلاف کی بنا پر سیاسی جماعتوں کی گنجائش موجود ہے۔ جب وہ شریعت کی حدود میں عوام کی فلاح و بہبود اور ان کے حقوق کے تحفظ اور ملکی استحکام پر مبنی منشور رکھتی ہوں اور ان کی جد و جہد اسلامی طرز حکومت کے قیام میں معاون ہو۔ لیکن اگر ان کا وجود ذاتی مفادات کی خاطر ہو تو اسلام اس طرح کی بے مقصد گروہ بندی کی سخت مخالفت کرتا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے انتشار، محاذ آرائی اور باہمی تعصب کے کچھ نہیں نکلتا۔ اس قسم کی جماعتیں اقتدار سے محروم ہونے کی صورت میں اقتدار کو ہر صورت میں حاصل کرنے اور جذبہ انتقام سرد کرنے کے لیے بیجا تنقید، احتجاج، ہڑتالوں اور مظاہروں کے ذریعے انتشار پیدا کرتی ہیں اور ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ یہ طریقہ کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے سراسر خلاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا تسبوا الولاة فانهم ان احسنوا كان لهم الاجر وعليكم الشكر وان اساؤ فعليهم الوزر وعليكم الصبر"۔ ترجمہ:" حاکموں نہ کوسو، کیونکہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کو اجر ہے اور تمھارے لیے موقع شکر اور اگر وہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمھارے لیے موقع صبر ہے"(۲۵۰)

احتجاجی سیاست کا یہ رویہ ان احادیث کے بھی سراسر خلاف ہے جن میں "سمع و طاعت" کی زیادہ سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر کوئی ایسا حاکم بنادیا جائے جس کا سر خشک انگور اور کشمش کی طرح ہو" اس لیے موجودہ سیاست کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیاسی جماعتیں جو منفی کردار کی حامل ہوں ملک کے اساسی نظریات کی مخالف ہوں ان کا منشور اور دستور اسلام کے منافی ہو جو اسلام اور ملک دشمن طاقتوں سے سرمایہ وصول کرتی ہوں اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلاتی ہوں ان پر پابندی لگائی جائے۔ مثبت سوچ رکھنے والی جماعتوں کے



Marfat.com

لیے ایسا ضابطہ اخلاق بنایا جائے جس سے سیاسی ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہو۔(۲۵۱)

## حاصل کلام :

جمہوریت اگر مغربی طرز کی ہے جس کا چربہ ہم پاکستان میں دیکھ رہے ہیں تو اس میں منظم، اصول پرست اور احتساب پر یقین رکھنے والی سیاسی پارٹیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں آج تک کسی سیاسی پارٹی نے اپنے کسی لیڈر کا شفاف احتساب نہ کیا، جس کے باعث پارلیمانی روایات پروان نہ چڑھ سکیں۔ پاکستان کی سیاسی پارٹیاں شخصیتوں کی لونڈی ہیں۔ ہر سیاسی پارٹی جمہوریت کا دعویٰ کرتی ہے، لیکن خود ان جماعتوں نے آج تک اپنے لیے شفاف انتخابات نہ کیے۔

پاکستان میں جمہوریت کے متعلق بلند و بانگ دعوے یا وعدے اس قدر زیادہ اور اس قدر تواتر سے کئے جاتے رہے ہیں کہ اب تو لوگ خود جمہوریت ہی سے مایوس اور بد دل سے ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ سویلین حکومت کے دور میں جو سیاسی ادارے اس وقت کام کر رہے ہیں انہیں کو ہی ہر بار جمہوری اداروں کی صورت میں عوام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہیکہ اس قسم کے سیاسی ادارے کسی بھی ملک میں جمہوریت کے قیام اور فروغ کے لیے معاون ثابت نہیں ہوتے بلکہ ان کی موجودگی کے باعث جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ حقیقی جمہوریت کے فروغ کے لیے رکاوٹ کا باعث ہوتے ہیں۔

پاکستان میں حقیقت میں جمہوری رویوں کے جڑ پکڑنے اور عوام کی سائیکی میں داخل ہونے کے لیے کم از کم بیس سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ پاکستان کا اصول اور تشویش ناک مسئلہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد نصف صدی سے زائد گزر جانے کے باوجود بھی حقیقی جمہوری اداروں کے قیام کا کام شروع تک نہیں کیا گیا اور بد قسمتی سے اس کام کی اہمیت اور فوری اقدامات کے سلسلے میں ابھی تک پوری قوم خواب غفلت میں مبتلا ہے۔

پاکستان میں اگر بار بار مارشل لاء نہ لگتے رہتے تو یہ ممکن تھا کہ لوگ بالآخر سیاست اور جمہوریت سے متعلق اپنی غلط فہمیوں اور خوش فہمیوں پر مبنی خیالات اور نظریات کی تصحیح کرنے کی کوشش کرنے پر مجبور ہو جاتے اور یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ دنیا کے دیگر جمہوری ممالک میں کس قسم کے جمہوری ادارے کام کر رہے ہیں۔ اس طرح ان ملکوں کی مثالوں کو سامنے رکھ کر پاکستان میں نام نہاد جمہوریت کا پردہ چاک ہو جاتا اور ملک میں سنجیدگی سے حقیقی جمہوری اداروں کے قیام میں پیش رفت ہو سکتی۔

ایک عرصہ پر محیط سویلین حکومتوں نے اپنے اعمال کے ذریعے لوگوں کو ایک بار پھر یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کیا موجودہ سیاسی نظام حقیقت میں جمہوریت ہے بھی کہ نہیں؟ ایسا نظام کہ جس میں قانون کی حکمرانی نہ ہونے کے برابر ہے۔ جہاں مراعات یافتہ طبقے کسی قانون اور ضابطے کے پابند نہیں ہیں جبکہ غریب عوام اور متوسط طبقے کے سفید پوش لوگ ہر قسم کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جہاں لوگوں کو ریاستی



Marfat.com

معاملات میں کسی سطح پر شراکت کے مواقع حاصل نہیں ہیں اس کے برعکس نو آبادیاتی طرز کی افسر شاہی اور ارسٹوکریسی (اشرافیہ) نے عوام کو واقعتا سیاسی، اقتصادی اور سماجی غلامی میں جکڑ رکھا ہے۔

جب کبھی عوام تنگ آکر گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کرتے ہیں تو پاکستان کا مراعات یافتہ طبقہ انہیں جمہوریت کے نام پر جھوٹی تسلیوں سے اور جمہوریت کے نام پر تھپکی دے کر سلا دیتا ہے۔ حالانکہ ایسی جمہوریت حقیقت میں "منتخب آمریت" کا دوسرا نام ہوتا ہے جس میں ہر دفعہ استحصالی طبقے کی اکثریت حکومت پر قابض ہو جاتی ہے۔

اس افسوس ناک صورت حال کی ذمہ داری پاکستان کے متوسط طبقے پر عائد ہوتی ہے جو نہ خود خواب خرگوش سے جاگنے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی عوام کو جگانے کا اپنا روایتی رول ادا کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی صورت حال کی اپنے اس شعر میں تشریح کی ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اگر پاکستانی قوم نے حالات اور واقعات سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش نہ کی اور اپنی حالت کو جوں کا توں رہنے دیا تو پھر جمہوریت اور قومی فلاح پہلے کی طرح ایک سراب ہی بنی رہے گی۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی جمہوریت کا نفاذ پاکستان کا ہدف قرار پائے اور اس کے لیے ہمیں اس یقین کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے کہ اسلامی جمہوریت میں بندوں کو گننے کے ساتھ ساتھ بولنے کی بھی پور گنجائش ہے اور تولنے کا پیمانہ صرف " تقویٰ" لیکن اس کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے :

ابھی تو حسن ازل کا سنورنا باقی ہے
ابھی تو مہر ترقی ابھرنا باقی ہے
ابھی تو عشق کا جاں سے گزرنا باقی ہے
ابھی تو کام بہت ہے جو کرنا باقی ہے

آج سے پندرہ سو سال پہلے اسلام ہمیں بہترین سیاسیات بہترین نظام حکومت دے چکا ہے۔

نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو عدم سے وجود میں لاکر اور اُسے کمال کے درجوں پر پہنچا کر دکھایا۔ پھر اس اُمت کی روشنی پھیل گئی۔ اس کے اصولوں نے دنیا کی قیادت کی اور تین براعظموں پر اس کی حکمرانی کا دور دورہ رہا۔ یہ سب کچھ صرف ۳۰ برس سے بھی کم عرصے میں ہوا۔ اس کے بعد اس اُمت کا نور مزید پھیلا اور مشرق و مغرب کی تمام تر انسانیت کو منور کرتا رہا۔ یہ نور یورپ پہنچا تاکہ اُسے قرونِ وسطیٰ کے اندھیروں سے نکال کر تہذیب و تمدن کی روشنی میں کھڑا کر دے۔ تہذیب و تمدن کی یہ روشنی اسلامی تہذیب کے گہوارے اندلس کے توسط سے بلادِ غرب کو نصیب ہوئی۔ اس بات کی شہادت مشرق و مغرب کے تمام انصاف پسندوں نے دی ہے۔ رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم



Marfat.com

نے روح اور جسم کے درمیان عادلانہ توازن قائم فرمایا، تاکہ انسان کو نفسیاتی سکون مہیا ہوسکے۔

اسی بنا پر انگریز مؤرخ ولیم میور نے اپنی کتاب Life of Muhammad میں کہا ہے: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کے واضح ہونے اور دین کے آسان ہونے کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاموں کو ایسے مکمل کر دکھایا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ تاریخ نے کوئی ایسا مصلح نہیں دیکھا جس نے اتنے مختصر عرصے میں اس طرز پر دلوں کو بیدار کیا ہو، اخلاق کو زندگی بخشی ہو اور اخلاقی قدروں کو بلند تر کر دیا ہو، جس طرح پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا"۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دھر میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اجالا کر دے

## حواشی و حوالہ جات

(۱) سورہ ابراہیم / آیت نمبر ۷

(۲) البقرہ / آیت نمبر ۱۲۲

(۳) الاعراف / آیت نمبر ۹۶

(۴) آل عمران / آیت نمبر ۱۲۸

(۵) سورہ ہود / آیت نمبر ۳

(۶) آل عمران / آیت نمبر ۱۳۹

(۷) دیکھیے، خورشید احمد، پروفیسر / اسلامی نظریۂ حیات، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ص ۵۱۹

(۸) نیو ورلڈ آرڈر، اسلام اور پاکستان / طارق وحید بٹ / لاہور / فکشن ہاؤس / ۱۹۹۸ء / ص ۳۴

(۹) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز

(۱۰) william Muir,Life of Muhammad.London 1984

(۱۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی / ڈاکٹر حمید اللہ / کراچی / دارالاشاعت صفحہ ۱۶

(۱۲) John Draper, A History of the Intellectual Development of Eurupe

(۱۳) سورہ الحج / آیت نمبر ۴۱

(۱۴) علم سیاسیات / ڈاکٹر فرحت عظیم / کراچی / عظیم سنز / ص ۲۵۰

(۱۵) اسلام کا نظام حکومت / مولانا حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / صفحہ نمبر ۲۰۳

(۱۶) حدیث بحوالہ صحیح بخاری

(۱۷) صحیح بخاری: کتاب الحدود، ابواب نمبر ۱۲-۱۱

(۱۸) سنن ابی داؤد

(۱۹) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم / سید سلیمان ندوی / ج ۷ / ص ۵۹-۵۸



Marfat.com

(۲۰) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز
(۲۱) ملاحظہ کیجئے انصار کا ایثار / ڈاکٹر محمد صدیق شاکر / لاہور / ادارہ اسلامیات / ۲۰۰۳ء / ص ۸۷
(۲۲) اسلام کا نظام کا امن / محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی / کراچی / ۱۹۹۱ء / ص ٦٧
(۲۳) استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی /ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی / اسلام آباد/ وزارت مذہبی امور اسلام آباد/ ۱۹۹۸ء/ ص ۲۰۷
(۲۴) کلیات اقبال / علامہ اقبال/لاہور /علم و عرفان پبلیشرز
(۲۵) القرآن/سورہ الحجر / آیت نمبر۲۹
(۲٦) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۸۱
(۲۷) ایضاً /ص ٦٧
(۲۸) ایضاً/ص ۴۲۳
(۲۹) جے کے بلنچلی / نظریہ سلطنت / آکسفورڈ / ۱۸۸۵ء/ ص ۲۸_۴۰
(۳۰) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۴۲۴
(۳۱) ایضاً /ص ۴۲۰_۴۲۱
(۳۲) ایضاً /ص، ۴۲۱
(۳۳) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۴۲۳
(۳۴) ایضاً /ص ۸۲
(۳۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں مقدمہ موسوگال لیبام، ترجمہ قرآن بزبان فرانسیسی بحوالہ دائرۃ المعارف فرید وجدی، ج۹،ص ۲۴۱ لفظ سلم
(۳٦) دائرۃ المعارف / ج۴/ ص ۵۵۲_۵۵۳
(۳۷) علامہ محمد فرید وجدی /الاسلام فی عصر العلم(حیات خاتم المرسلین)/ ج۱/دارالکتب العربی / ص ۲۴۵
(۳۸) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۸۳
(۳۹) ایضاً/ص ۴۲۵
(۴۰) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۴۲۵
(۴۱) ڈاکٹر آرنلڈ / پریچنگ آف اسلام اردو ترجمہ اشاعت اسلام / ص ۴_ڈاکٹر لوتھر / جدید دنیائے اسلام / ص ۱٦۵
(۴۲) الامام ابن جریر طبری / تاریخ الامم والملوک / ج ۱/بیروت/دارالکتب العلمیہ/ ص ۹۸
(۴۳) ابن الأثیرالجزری / الکامل فی التاریخ / ج۱/ بیروت / دارالکتب العلمیہ /ص ۱۳۱_۱٦۱
(۴۴) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۸٦



Marfat.com

(۴۵) اسلام کا نظام امن / محمد ظفر الدین ندوی / کراچی / ایچ ایم سعید کمپنی / ص ۹۹
(۴۶) جے کے بلنجلی / نظریہ سلطنت / آکسفورڈ / کلیرن ڈن پریس /۱۸۸۵ء/۳۶۶
(۴۷) تفصیل کے لیے دیکھئے مہابھارت و رمن، طبع دوم بحوالہ : اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری / لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص۶۷
(۴۷) ایضاً/ص۶۷
(۴۸) Benton William(ed), encyclopaedia Britannica, Encyclopaedia Britannica Inc., Chicago, 1970, Vol. V, p.574.
(۴۹) چینی۔ بدرالدین، مولوی۔ چین وعرب کے تعلقات اور ان کے نتائج۔ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۴۹ء ص ۴
(۵۰) ایضاً ص ۴،۵
(۵۱) ایضاً ص ۹
(۵۲) ایضاً ص ۱۱
(۵۳) ایضاً ص ۱۱
(۵۴) بینٹن (برٹانیکا)ص ۵۷۰
(۵۵) ایضاً
(۵۶) ایضاً
(۵۷) ایضاً
(۵۸) ایضاً
(۵۰) چینی۔ ص ۱۲
(۶۰) ایضاً
(۶۱) معجم البلدان :۳۱۰/۴
(۶۲) تاریخ اسلام / حسن ابراہیم حسن / ج۱/ص۲۸۔۳۰
(۶۳) ایضاً/ص۳۹۔۴۴
(۶۴) ایضاً/ص۵۳-۵۴
(۶۵) البدایہ والنھایہ /ج۲/ ص۱۷۰۔۱۷۶
(۶۶) سیرۃ ابن ھشام /ج۱/ص ۱۹۲۔۱۹۹
(۶۷) تاج العروس،الزبیدی/ج ۴/ ص ۷۵
(۶۸) الصحاح،الجوھری/ج۱/ ص ۶۱۸



Marfat.com

(۶۹) صحیح سیرۃ النبویۃ / شیخ محمد بن رزق بن طرھونی / ج ۱ / ص ۱۱۳
(۷۰) النظام السیاسی فی الاسلام / دکتور سلیمان العید / ص ۳۲
(۷۱) سورہ الانفال / آیت نمبر ۶۳
(۷۲) الکامل فی التاریخ / ابن الاثیر / ج ۱ / ص ۳۸۴
(۷۳) سورہ النور / آیت نمبر ۵۵،۵۶
(۷۴) فرمودات قائداعظم : ۴مارچ ۱۹۴۴ء
(۷۴ الف) سورہ النساء / آیت نمبر ۸۷
(۷۵) روزنامہ جنگ۔۴ ستمبر ۱۹۹۲ء
(۷۶) سورہ الحج / آیت نمبر ۴۰۔۴۱
(۷۷) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں سورہ توبہ / آیت نمبر ۶۰، زکوٰۃ کا ذکر ۸۲ سے زائد مقامات پر ملتا ہے
(۷۸) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں سورہ الحج / آیت نمبر ۴۱، سورہ آل عمران / سورہ توبہ
(۷۹) سورہ النحل / آیت نمبر ۹۲
(۸۰) کلیات اکبر الہ آباد / مرتب محمد انواز چوہدری / لاہور / مکتبہ شعر و ادب۔
(۸۱) قائداعظم کا نظریہ پاکستان / فیض احمد شہابی / کراچی / ادارہ معارف اسلامی / ۲۰۰۷ / ص ۹
(۸۲) ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء میں فرنٹیئر مسلم لیگ سے خطاب
(۸۳) ۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم کا پاکستان کے موضوع پر ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندوں کو انٹرویو
(۸۴) ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار سے خطاب
(۸۵) ۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء کو مسلم لیگ کے صدارتی خطبے میں خطاب
(۸۶) ۱۴ فروری، ۱۹۴۸ء کو سبی دربار سے خطاب (جمہوریت کی تلاش / سید فیروز شاہ گیلانی / کراچی / انڈس پبلیشنگ کارپوریشن / ۱۹۹۶ء / ص ۲۹
(۸۸) تاریخ نظریہ پاکستان / پروفیسر سید محمد سلیم / لاہور / ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۴ء / ص ۲۶۸۔ ۲۷۱۔ مضمون نویسی / صاحبزادہ احمد عابدی / کراچی / مکتبہ فریدی / ص ۱۳۶۔۱۳۷
(۸۹) پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور / ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء / ص ۲۹۲
(۹۰) ایضاً / ص ۲۷۹
(۹۷) ایضاً / ص ۲۸۹
(۹۸) ایضاً / ص ۲۸۹
(۹۹) ایضاً / ص ۲۹۰



Marfat.com

(۱۰۰) اخبار زمیندار، لاہور، ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء
(۱۰۱) اسلامی ریاست/ سید ابو الاعلیٰ مودودی /لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/۲۰۱۰ /ص ۲۴۳-۲۴۳-۲۴۱
(۱۰۲) سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی بحث / یوسف القرضاوی / لاہور/ ادارہ معارف اسلامی /۲۰۰۸ء/ص ۷
(۱۰۳) سورہ الشوریٰ / آیت نمبر ۳۸
(۱۰۴) ابن کثیر/البدایہ و النہایہ/ج ۶/ص ۳۰۱
(۱۰۵) اسلامی تصور ریاست/ محمد وقاص /لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز / ۲۰۰۰ء/ ص ۵۳
(۱۰۶) سورہ یوسف /آیت نمبر ۴۰
(۱۰۷) سورہ آل عمران / آیت مبر ۱۵۴
(۱۰۸) سورہ النحل / آیت نمبر ۱۱۶
(۱۰۹) سورہ المائدہ / آیت نمبر ۴۴
(۱۱۰) سورہ انعام /آیت نمبر ۵۰
(۱۱۱) سورہ النساء / آیت نمبر ۶۴
(۱۱۲) سورہ انعام / آیت نمبر ۹۰
(۱۱۳) سورہ آل عمران / آیت نمبر ۷۹
(۱۱۴) اسلامی ریاست/ سید ابو الاعلیٰ مودودی /لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/۲۰۱۰ /ص ۱۱۸)اسلام کا سیاسی نظام توان روحانی لوگوں کے ذریعے چلایا جائے گا۔
(۱۱۵) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز
(۱۱۶) النساء۔۵۴
(۱۱۷) تفسیر مظہری، النساء ۱۴۴، ۲
(۱۱۸) الانبیاء۔۱۰۵
(۱۱۹) مریم۔۴۰
(۱۲۰) الحدیث
(۱۲۱) یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے۔
(۱۲۲) سورہ النساء /آیت نمبر ۵۸
(۱۲۳) یہ درایت بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے
(۱۲۴) سورہ آل عمران :۱۵۹
(۱۲۵) بخاری و ترمذی



Marfat.com

(۱۲۶) الحدیث

(۱۲۷) الحدیث

(۱۲۸) سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاستی اہمیت /ڈاکٹر محمد طاہر القادری/ لاہور/ منہاج القرآن پبلیشر کیشنز / ۲۰۰۶/ص ۱۰۰

(۱۲۹) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز

(۱۳۰) مجمع الزوائد /ج۵/باب حق الرعیۃ و النصح لہا/ص۳۱۱

(۱۳۱) قالا میر راع علی الناس و مسؤل عن رعیتہ الخ مجمع الزوائد و منبع الفوائد عن انس، ج۵،ص ۲۰۷

(۱۳۲) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۹۷

(۱۳۳) دیکھو کتاب المغازی و السیر، ج۶،ص ۲۱۴

(۱۳۴) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۹۸

(۱۳۵) ایضاً /ص ۱۹۵

(۱۳۶) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۱۹۵) بحوالہ: محمد علی کرد/ الاسلام و الحصناۃ العربیہ /ص۵۴۳

(۱۳۷) حاضر العالم الاسلامی، تعلیقات، امیر شکیب ارسلان،ج۱/ ص ۱۲۵-۱۲۴

(۱۳۸) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۱۹۶

(۱۳۹) ایضاً /ص ۱۹۶

(۱۴۰) ایضاً /ص ۱۹۷

(۱۴۱) قاضی محمد رویس خان ایوبی / مضمون اسلام، جمہوریت اور مسلم ممالک / ماہنامہ الشریعہ / نومبر ۲۰۱۳ء/ ص ۲۷

(۱۴۲) ایضاً / ص ۲۹

(۱۴۳) اسلام میں مذہبی رواداری/ لاہور/ دارالشعور/ ص ۹۹)

(۱۴۴) http://www.minhaj.info/mag/index.php?mod=mags&month=2015-03&article=6&read=txt&lang=ur

(۱۴۵) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز

(۱۴۶) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی / کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء/ ص۲۵

(۱۴۷) ایضاً/ ص۲۵

(۱۴۸) ایضاً / ص۱۱

(۱۴۹) ایضاً/ ص۲۹



Marfat.com

(۱۵۰) ایضاً / ص۳۱۔۳۲
(۱۵۱) ایضاً/ ص۳۳۔۳۴
(۱۵۲) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء/ ص۶۴
(۱۵۳) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور/ علم و عرفان پبلیشرز
(۱۵۴) ایضاً / ص۷۲
(۱۵۵) ایضاً/ ص۷۹
(۱۵۶) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء/ ص۸۷۔
(۱۵۷) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۴۳۔۴۴
(۱۵۸) http://algazali.org/index.php?threads/1314
(۱۵۹) اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء/ ص۸۱
(۱۶۰) ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری/ سیاسیات نظریات اور اصول/ کراچی/ غضنفر اکیڈمی/ ۲۰۰۳ء/ ص۲۸۰
(۱۶۱) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز
(۱۶۲) الیکشن، جمہوریت اور مارشل لاء / افضل توصیف / کراچی / نعمان اکیڈمی / ۲۰۱۱ء/ ص ۵۴
(۱۶۳) مقدمہ ابن خلدون /علامہ ابن خلدون / مصر/ ص ۱۰۱
(۱۶۴) اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور/الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء/ص ۱۹۹
(۱۶۵) ایضاً/ص۱۹۹
(۱۶۶) کلیات ابو البقاء، ص۳۷۴
(۱۶۷) ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری/ سیاسیات نظریات اور اصول / کراچی/ غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء/ ص۲۰
(۱۶۸) ایضاً / ص۲۱
(۱۶۹) ایضاً/ ص۲۱
(۱۷۰) ایضاً / ص۲۲
(۱۷۱) پاکستان تاریخ و سیاست/ ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور/ جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء/ص ۲۷۷
(۱۷۲) Mushtaq Ahmed/ Government and Politics in Pakistan/ Karachi/ 1970/ P162
(۱۷۳) پاکستان تاریخ و سیاست/ ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور/ جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء/ص ۲۷۸
(۱۷۴) نیو ورلڈ آرڈر، اسلام اور پاکستان / طارق وحید بٹ / لاہور/ ۱۹۹۸ء/ ص ۲۰۱
(۱۷۵) پاکستان کا آئین /ڈاکٹر اعظم چوہدری / کراچی/ فرید پبلیشرز/ ص۹۹۔۱۰۱



Marfat.com

(۱۷۶) ایضاً ۲۹۶
(۱۷۷) ایضاً / ص۱۱۵
(۱۷۸) ایضاً / ص۱۱۷
(۱۷۹) ایضاً / ص۱۱۹
(۱۸۰) ایضاً / ص۱۲۱
(۱۸۱) ماہنامہ ہیرالڈ / الیکشن ۹۷ / کراچی / ڈان گروپ / مارچ ۱۹۹۷ء
(۱۸۲) پاکستان کا آئین / ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / کراچی / فرید پبلیشرز / جنوری ۲۰۱۵ء / ص ۱۳۵
(۱۸۳) ایضاً / ۱۳۹
(۱۸۴) پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء / ص ۳۱۲
(۱۸۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۶۱:۳
(۱۸۶) سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینی و دستوری اہمیت / ڈاکٹر طاہر القادری / لاہور / منہاج القرآن پبلی کیشنز / ۲۰۰۵ / ص۱۱
(۱۸۷) جدوجہد پاکستان / ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی / کراچی / شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی / ۱۹۹۰ء ص ۱۰۰
(۱۸۸) علم سیاسیات / ڈاکٹر فرحت عظیم / کراچی / ۲۰۰۱ / ص۷۹
(۱۸۹) جدید حکومتیں / ڈاکٹر عظیم چوہدری / کراچی / ۲۰۰۱ / ص۴۹۱
(۱۹۰) پاکستان کا آئین / ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / کراچی / فرید پبلیشرز / جنوری ۲۰۱۵ء / ص۲۷
(۱۹۱) عابد حسین بورے والا / پاکستانی آئین کی تاریخ / لاہور / سنگ میل پبلیشرز / ص ۹۹
(۱۹۲) http://m.hamariweb.com/articles/detail.aspx?id=6623
(۱۹۳) صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر ۲۷۶ حدیث مرفوع مکررات ۴ متفق علیہ ۳، سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر ۱۰۳۱ حدیث مرفوع مکررات ۴
(۱۹۴) سنن ابی داوٗد، کتاب الکراج والفئی والا مارہ، باب فیمایلزم الامام من امر الرعیۃ والاّ حتجاب عنھم (مطبع مجیدی، دہلی، ۱۸۶۴ء
(۱۹۵) مسند ابی عوانہ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۶۳ء، جلد اوّل، ص ۱۳۲
(۱۹۶) صحیح بخاری و مسلم، بروایت ابو ہریرۃؓ
(۱۹۷) صحیح بخاری و مسلم بہ روایت حضرت انسؓ
(۱۹۸) سرکاری ملازمین کے لیے نبی اکرم کے فرامین کا مجموعہ: کتاب الصدقہ
(۱۹۹) پاکستان کے قومی مسائل تجزیہ اور حل / خرم مراد / لاہور / منشورات / ۲۰۱۱ء / ص۱۵۱



Marfat.com

(۲۰۰) پاکستان کے قومی مسائل تجزیہ اور حل / خرم مراد / لاہور/ منشورات /۲۰۱۱ء/ص ۱۵۲
(۲۰۱) سورہ روم / آیت نمبر ۳۲
(۲۰۲) سورہ فاطر/ آیت نمبر ۸
(۲۰۱) سورہ محمد / آیت نمبر ۱۴
(۲۰۴) سورہ الروم / آیت نمبر ۴۱
(۲۰۵) پاکستان کے قومی مسائل تجزیہ اور حل / خرم مراد / لاہور/ منشورات /۲۰۱۱ء/ص ۱۶۷
(۲۰۶) پاکستان کے مسائل اور درپیش چیلنجز / ڈاکٹر سعید احمد صدیقی / اسلام آباد/ وزارت مذہبی امور اسلام آباد/ص
(۲۰۷) سنڈے میگزین / لمحہ فکریہ / روزنامہ جنگ، ۱۴ جنوری ۲۰۱۴ء
(۲۰۸) www.transparency.org.pk
(۲۰۹) روزنامہ نئی دنیا / ۱۰ جولائی ۲۰۱۴
(۲۱۰) /http://www.express.pk/story/323464
(۲۱۱) برائے تفصیل دیکھیے مختلف اردو اخبارات بتاریخ دسمبر ۲۰۱۲
(۲۱۲) عامۃ کتب سیرت ابن ہشام، ابن کثیر، ابن سعد وغیرہ
(۲۱۳) ابن سعد :الطبقات الکبری:۲۰۲:۱بیروت ۱۹۶۰ء
(۲۱۴) ڈاکٹر حمید اللہ عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۴۴ کراچی
(۲۱۵) قد اعطیت مفاتیح الخزائن، صحیح بخاری:۹۵۱:۲ طبع دہلی
(۲۱۵الف) ماوردی اعلام النبوۃ:۲۱۱ طبع مصر
(۲۱۶) مشکوۃ المصابیح، ص ۴۴۲، طبع سعید کمپنی کراچی
(۲۱۷) جامع ترمذی ۳۴۰، طبع نور محمد کراچی
(۲۱۸) اقبال رکلیاتِ اقبال ۲۷۱
(۲۱۹) صحیح مسلم۔ باب کراھۃ الامارۃ۔ ۲:۱۲ طبع کراچی
(۲۲۰) سورۃ الانفال :۲۷
(۲۲۱) ابن تیمیہؒ سیاست الٰہیہ ص ۱۱۷ لاہور طبع اول کراچی
(۲۲۲) جمع ترمذی :کتاب الاحکام ص ۲۱۰ طبع نور محمد کراچی
(۲۲۳) کتاب الخراج لامام ابی یوسف :۱۱۶ طبع بیروت
(۲۲۴) سیرت ابن ہشام، ص ۵۰۱ تا ۵۰۴، طبع مصر
(۲۲۵) دستور مدینہ۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ/ڈاکٹر حمید اللہ



Marfat.com

(۲۲۶) سورۃالنساء:۱۳۵
(۲۲۷) المبسوط للسرخسی:۶:۵۹
(۲۲۸) مصنف عبدالرزاق، طبع بیروت ۱۹۷۲ء ج: ۹ص۴۶۹
(۲۲۹) کنزالعمال، طبع بیروت ص۶۶۲ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو ج۱۲،ص۶۵۹،ج۱۳،ص۸۳
(۲۳۰) سنن ابی داود مکتبہ امدادیہ ملتان
(۲۳۱) سورہ الشوریٰ/آیت نمبر ۵، سورہ ا المائدہ/آیت نمبر ۴۲
(۲۳۲) فاروق اکٹر نجیب، دستور پاکستان ص۴۵۳
(۲۳۳) سورۃ طہٰ/آیت نمبر:۱۱۸،۱۱۹
(۲۳۴) مشکوۃ المصابیح
(۲۳۵) السہیلی :روض الانف
(۲۳۶) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی،ڈاکٹر حمید اللہ
(۲۳۷) سیرت ابن ہشام :ج ۲،ص۱۸ ۳
(۲۳۸) ابن سعد:ج ا،ص۱۷۲
(۲۳۹) استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی / سید عزیز الرحمن / اسلام آباد/ وزارت مذہبی امور اسلام آباد/ ۱۹۹۸ء/ ص ۸۹
(۲۴۰) سورہ الحجرات۔۱۳
(۲۴۱) صحیح بخاری/۱۴۵،۳
(۲۴۲) سورہ البقرۃ/آیت نمبر۱۱۳
(۲۴۳) آل عمران/آیت نمبر۷۵
(۲۴۴) ۱۶۔آل عمران/آیت نمبر۱۵۹
(۲۴۵) ۱۷۔النحل:۱۲۵
(۲۴۶) سورہ الانعام/آیت نمبر۱۰۹
(۲۴۶) سورہ انعام/آیت نمبر۱۶۰
(۲۴۷) سورہ آل عمران/آیت نمبر ۱۰۳
(۲۴۸) تاریخ طبری ج۴،ص۲۴۹
(۲۴۹) مسند احمد بن حنبل،ج۱ص۶
(۲۵۰) ابن طقطقی: "الفخری" اردو ترجمہ جعفر شاہ پھلواری،ادارہ ثقافت "اسلامیہ" لاہور ۱۹۸۱ء ص۳۸
(۲۵۱) بخاری۔کتاب الاحکام۔باب السمع والطاعۃ للامام



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

شازیہ چوہان - بہاولپور

## مقدمہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أرسل رسله بالبينات والهدى، وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ، وَأَنْزَلَ الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ، وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، وَلِيَعْلَمَ اللهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ؛ وَخَتَمَهُمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الَّذِي أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ، لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ؛ وَأَيَّدَهُ بِالسُّلْطَانِ النَّصِيرِ وبعد

جمہوریت کو سب سے بہتر طرز حکومت تصور کرتے ہوئے عہد حاضر میں اس کی طرف لوگوں کا میلان زیادہ ہے۔ عوام کی حاکمیت، مساوات اور انفرادی آزادی پر جمہوریت کی بنیاد ہے۔ عوامی حاکمیت جمہوریت کا سنگ بنیاد ہے۔ ان کی مرضی کے بغیر نہ کوئی حکومت بن سکتی ہے اور نہ ہی کوئی قانون منظور ہو سکتا ہے جمہوری حکومت میں ہر شخص کو اس بات کی آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ جو مذہب یا عقیدہ رکھنا چاہے اس کو رکھ سکتا ہے۔ جب تک کسی فرد کی آزادی ریاست کی سلامتی یا کسی دوسرے فرد کی آزادی کے لیے خطرہ نہ بنے حکومت یا کسی اور کو مداخلت کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ جمہوریت میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ سماج کے تمام افراد نسل و رنگ، ذات پات اور جائے پیدائش کے لحاظ سے مساوی ہیں ان میں کسی قسم کا امتیازی سلوک جمہوریت کی روح کے منافی ہے۔ قدرت کی طرف سے جس شخص کو جو صلاحیت ملی ہے اس کو وہ کسی روک ٹوک کے بغیر نشوونما دے کر حدِ کمال تک پہنچا سکے۔

موجودہ دور میں جمہوریت کی مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں۔ کہیں عوام براہ راست حکومتی فیصلے کرتے ہیں تو کہیں اپنے نمائندے منتخب کر کے نظام ترتیب دیا جا رہا ہے اور کہیں پر ایک آئین ترتیب دے دیا جاتا ہے جس کے تحت حکومت کا کاروبار چلتا ہے۔ جمہوریت کی عام طور پر یہی تین اقسام یعنی بلاواسطہ، نمائندگانی اور آئینی جمہوریت بیان کی جاتی ہیں، لیکن جمہوریت کو صرف ان تین اقسام تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔ معاشرتی ارتقاء کے ساتھ جمہوری ارتقاء بھی ہوتا رہے گا اور جمہوریت کی نئی شکلیں وجود میں آتی رہیں گی جمہوریت کا صرف ایک ہی مستقل اصول ہے اور وہ یہ کہ عوام کی مشاورت سے نظام ترتیب دیا جائے۔ اگر عوام کو موجودہ ووٹنگ سسٹم اور مغربی نظام پسند نہیں تو وہ باہمی مشاورت اور اتفاق رائے سے کوئی اور نظام وضع کر سکتے ہیں۔ نظام جب تک عوامی رائے اور مشاورت سے ترتیب دیا جاتا رہے گا تو وہ جمہوری نظام ہی رہے گا۔ جمہوریت کے تحت بننے والے خراب نظام میں جمہوریت کا نہیں بلکہ جمہور کا



Marfat.com

قصور ہے۔ گویا جس طرح کی عوام ویسے حکمران اور پھر ویسا ہی نظام۔

## اسلام اور جمہوریت میں مطابقت و مغایرت

جمہوریت حکومت چلانے کا ایک نظام ہے لیکن وسیع تر مفہوم میں یہ ایک طرز فکر ہے جس میں برداشت پر مبنی اختلاف اور اتفاق رائے، اکثریتی رائے کا احترام، عدلیہ کی آزادی، ہر شخص کے لئے قانونی اور سماجی مساوات وغیرہ جیسے پہلو اہم ہیں۔ جمہوریت کی اصل روح مشاورت، بحث و تمحیص کے بعد اکثیرتی رائے پر مبنی فیصلہ سازی اور عدلیہ کی آزادی وغیرہ کو اسلام نے پوری یکسوئی اور تسلسل کے ساتھ اختیار کیے رکھا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت رسول بھی تھے اور حکمران بھی، لہٰذا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

مشاورت نہ کرتے تو بھی صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور اطاعت کرتے لیکن مختلف مواقع پر جہاں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم وارد نہ ہوا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے اور اکثریتی رائے پر فیصلہ صادر فرماتے۔ جیسا کہ غزہ بدر میں قیدیوں سے سلوک (۱) اور غزوہ احد کے معاملے میں شہر کے باہر جاکر جنگ کرنے کا معاملہ پیش آیا۔(۲)

جمہوریت میں حکومت سازی کے عمل میں عوام کی شرکت اور اس معاملے میں ان کی فیصلہ کن حیثیت، نیز سماجی مساوات اور سیاسی و معاشی آزادی کے تصورات کی خوبیوں کو دیکھ کر بہت سے مسلم اصحابِ علم کا خیال ہے کہ اسلام اور جمہوریت میں مطابقت پائی جاتی ہے اور وہ ایک ایسا طرزِ حکومت ہے جس کو اختیار کرنے میں مذہب اسلام کے نقطۂ نظر سے کوئی قباحت نہیں ہے۔ علامہ رشید رضا مصری نے خلافت راشدہ کو جمہوریت ہی کی ایک شکل قرار دیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنی معروف کتاب 'الفاروق' میں کئی مقامات پر جمہوریت اور سوشلزم کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اس سے ان کا مقصود یہ دکھانا ہے کہ اسلام اور جمہوریت میں کوئی مغائرت نہیں ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ نے خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ در حقیقت حکومتِ جمہوری کی اصلی تصویر ہے اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر و صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی۔" (۳)

## شورائی اصول کے التزام کے بعد کسی بھی سیاسی نظام کو اختیار کرنے کی آزادی

عرف شریعت اسلامی میں ایک اہم ماخذ کے طور پر مانا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معروف چیزوں کو لینے سے منع بھی نہیں کیا۔ اسلامی تصور خلافت اپنے اصلی معنوں میں یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہے جس کا کام زمین پر تشریعی نظام کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کی جہد مسلسل ہے۔ خلافت کا لفظ سیاسی اقتدار کے لئے بھی آیا ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس سے مراد کوئی خاص قسم کا نظام حکومت ہے جسے خلافت سے موسوم کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم لفظ "سلطان" بھی قوت اور اقتدار کے لئے استعمال کرتا ہے لیکن اس سے یہ استنباط نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام "سلطنت" نامی کوئی نظام تجویز کرتا ہے۔ اسلام سیاست مدن اور تدبیر منزل کے اصول و مبادی بیان کر کے تفصیلی معاملات عرف کے سپرد کر دیتا ہے۔



Marfat.com

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِي صلى الله عليه وسلم مَرَّ بِقَوْمٍ يلقحون، فَقَالَ: لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا لَصَلُحَ قَالَ: فَخَرَجَ شِيصًا، فَمَرَّ بِهِمْ فَقَالَ: مَالِنَخْلِكُمْ؟ قَالُوا: قُلْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ. (۴)

"حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گذرے جو کھجوروں کو گابھادے رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو بھی ٹھیک ہے۔ کھجور عمدہ قسم کی نہ اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے دنیاوی معاملات کے بارے میں بہتر جانتے ہو۔"

شورائی اصول کے التزام کے بعد اسلام کسی ایک خاص طرز حکومت کو اختیار کرنے کا پابند نہیں کرتا۔ اسلام یہ کام عرف پر چھوڑ دیتا ہے کہ وفاقی طرز حکومت اختیار کیا جائے یا پارلیمانی، پارلیمان ایک ایوان پر مشتمل ہے یا دو پر، صوبوں کو زیادہ خود مختاری دی جائے ہے یا مرکز کو، متناسب نمائندگی کا طریقہ اپنایا جائے یا عام انتخاب کا، حکومتی سربراہ کو صدر، وزیر اعظم، ناظم اعلیٰ یا خادم اعلیٰ، سلطان، امیر المومنین، خلیفہ یا کوئی اور نام دیا جائے، عمال کے نصب وعزل اور ان کے مشاہرے، احتساب کا کیسا نظام ترتیب جائے۔ مساجد و مدارس کو حکومتی نگرانی میں چلایا جائے یا کوئی مناسب بندوبست کیا جائے، علی ہذا القیاس، اس طرح کے بے شمار موضوعات ہیں جن کے لئے اسلام نے صرف اصولی مؤقف دینے پر اکتفا کیا ہے اور ان کی تفصیلات عرف اور عقل عام پر چھوڑا ہے۔

## اسلام اور جمہوریت میں مغایرت

مسلم دانشور اور کی اکثریت موجودہ جمہوری نظام کو طاغوتی اور اسلام سے متصادم اور مساوی نظام خیال کرتے ہیں۔ ناقدین کے نزدیک بعض جزوی مشابہتوں کے باوجود اسلام اور جمہوریت میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ بھی مغربی جمہوریت کے شدید مخالف تھے۔ انھوں نے اپنی نظم ونثر دونوں میں اس تصورِ حکومت کی نفی کی ہے۔ اس سلسلے میں آپؒ کی مشہور نظم خضرِ راہ، ابلیس کی مجلس شوریٰ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپؒ نے اپنے بعض مضامین میں بھی جمہوریت کے بارے میں اپنے ذہنی تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ مولانا مودودیؒ، ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مولانا گوہر رحمانؒ، مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ وغیرہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔

حمید الدین فراہیؒ جمہوریت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " مغرب میں بہت سے لوگ اس طرز حکومت کے داعی و مبلغ ہیں اور اس سے عوام کو گم راہ کرتے ہیں، مگر یہ طریقہ بھی پہلے طرزِ حکومت کی طرح فتنہ اور نظام انسانی کی شکست وریخت کا ایک ذریعہ ہے" (۵) مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا بھی خیال تھا کہ جمہوریت اسلام کے بالکل برخلاف تصور حکومت ہے۔ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "تاریکی اور روشنی میں، رات اور دن میں، بدی اور نیکی میں جو فرق ہے وہی جمہوریت اور اسلام میں ہے۔(۶)

## پہلی اسلامی ریاست کے بنیادی خدوخال

ریاست مدینہ تاریخ کی پہلی ریاست ہے جو تحریری دستور کی بنیاد پر وجود میں آئی اور اسی دستور کی بنیاد پر



Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ریاست کے حکمران مقرر ہوئے۔ اس معاہدہ کی ہر دفعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ایسے مدبر اور ماہر قانون کا تیار شدہ ہے جو حالات کی جزئیات تک سے کلی طور پر واقف ہو۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے بجا طور پر اسے دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور قرار دیا ہے۔(۷) ریاست مدینہ تاریخ انسانی کی پہلی ریاست تھی جو کثیر المذہبی، کثیر القومی اور کثیر اللسانی معاشرے پر مشتمل تھی۔ مختلف المذاہب قبائل و جماعت کو ایک نظام کے تحت انسانیت کے بہترین مقاصد کے لئے متحد کرنے کی یہ ایسی دستاویز ہے جس کی نظیر ناپید ہے۔ ہر گروہ کے تمام جائز حقوق کی حفاظت کے ساتھ سب کو اجتماعی امن و ترقی کی راہ پر لگا دینے کا کا کوئی نقشہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ آج بھی اقوام عالم ایسے نظام کے تحت متحد ہو کر عالمی امن کے خواب کے لئے مؤثر ترین کوشش کر سکتی ہے۔

میثاق مدینہ صرف ریاست مدینہ کی تاسیس کے لئے ہی اہمیت کا حامل نہیں تھا بلکہ اس میں آنے والے تمام مسلمان حکمرانوں کے لئے بھی رہنما اصول مہیا کئے گئے ہیں۔ موجودہ دور میں تحریری دستور کی جو خصوصیات ہوتی ہیں وہ سب اس معاہدہ میں موجود ہیں لہذا اس کے نتیجے میں ایک آئینی ریاست وجود میں آئی۔ جدید علم سیاسیات میں آئینی ریاست ایسی ریاست ہے جو قانون کی حکمرانی کے تصور پر قائم ہو۔ ریاست مدینہ دنیا کی اولین ریاست تھی جس میں قانون سب کے لیے یکساں تھا۔ ریاست مدینہ کی تشکیل و تاسیس تک تو کسی ریاست نے اس بات کا دعوی بھی نہیں کیا تھا اس کے ہاں سب برابر ہیں لیکن اس کے بعد آج کی ریاستوں میں کاغذی دعوے تو کیے جاتے ہیں لیکن قانون سب کے لیے یکساں کا رواج عملاً کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ عیسائی راہبات کے لیے سکارف کی اجازت ہے جبکہ مسلمان خواتین کے لیے اس قانون میں کوئی گنجائش نہیں۔ مملکت پاکستان کے دستور میں تو ریاست مدینہ کے دستور کی جھلک موجود ہے لیکن جس طرح دستور مدینہ نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت عملاً قائم کر کے سیاسی و سماجی نظام کو اس کے تابع کیا، دستور پاکستان ایسا کرنے میں ناکام ہے۔

## شورائیت ریاست مدینہ کی ایک مستحکم روایت

موجودہ دور میں جمہوریت کے نام پر اکثریت کی بات کو تسلیم کرنے کا رواج پیدا ہوا ہے جبکہ ریاست مدینہ کے حکمران نے تاریخ انسانی میں سب سے پہلے اپنی رائے کی قربانی دے کر اپنے صحابہ کی رائے کو فوقیت دی۔ جبکہ یہ وہ دور تھا جب دنیائے انسانیت میں سرداری و بادشاہی کا نظام رائج تھا، اور حکمران سے اختلاف تو بڑی دور کی بات تھی اس کے سامنے بولنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ ریاست مدینہ کا وجود آزادی رائے کا مجسم نمونہ تھا جس میں معاشرے کے ہر طبقے کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے مکمل مواقع میسر تھے اور ان پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ فجر کی نماز کے بعد محسن انسانیت مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے اور مرد و خواتین میں سے جو بھی جو کہنا یا پوچھنا چاہتا اسے ادب و احترام کی حدود کے اندر مکمل آزادی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی غیر جمہوری فیصلہ صادر نہیں فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول و ضوابط دے دیئے ہیں، اب انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن و حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے نظام وضع کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:



Marfat.com

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔(۸)

پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں، اور اگر آپ تُند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے، سو آپ ان سے در گزر فرمایا کریں اور ان کے لئے بخشش مانگا کریں اور (اہم) معاملات کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ(۹)

اور جو لوگ اپنے رب کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور اُن کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور اس مال میں سے جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

معاشرتی اصلاح کے لئے ریاست کے بنیادی ڈھانچہ کی اصلاح ناگزیر ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تنفیذ اور مقاصد شریعت کا حصول ایک مستحکم اور صالح ریاست کے قیام سے ہی ممکن ہے۔ مستحکم ریاست کے قیام وبقاء کے ضروری ہے کہ حاکم حدود اللہ کو قائم رکھیں، محکومین اطاعت کریں اور اجتماعی معاملات باہمی مشاورت سے طے کریں۔ چنانچہ جن امور میں وحی کے ذریعے رہنمائی نہ کر دی جاتی تو ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے مشورہ کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا۔

جب تمہارے حاکم تم میں سے بہترین لوگ ہوں، تمہارے مال دار سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہم مشاورت سے طے ہوں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے بہتر ہے، اور اگر تمہارے حاکم برے ہوں تمہارے مال دار بخیل ہوں اور معاملات وعورتوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔(۱۰)

شورائی نظام کے قیام کی تمام کاوشیں اسی صورت میں بارآور ثابت ہو سکتی ہیں جب کوئی منظم حکومت اس جدوجہد کی پشت پناہی کے لئے موجود ہو۔ حقوق و فرائض کی تنفیذ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ریاست کی قوت بھی خدا کے احکام کے تابع ہو اور زندگی کے تمام معاملات شریعت کی روشنی میں طے پائیں۔ حکومت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کرتے ہوئے اس پورے عمل کی نگران و محافظ ہو۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین وسیاست کی دوئی کے تصور کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ:

الإسلام والسلطان أخوان توأمان لا يصلح واحد منهما إلا بصاحبه فالإسلام أس والسلطان حارس وما لا أس له يهدم وما لا حارس له ضائع۔(۱۱)

اسلام اور حکومت دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی مثال عمارت اور حکومت کی نگہبان کی ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ



Marfat.com

لوٹ لیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے اصولوں پر مبنی شورائی نظام وضع کر کے اس پر ایک مستحکم ریاست کی بنیاد رکھی۔ دستور پاکستان میں بھی قرآن وحدیث پر مبنی شورائی نظام کی ضمانت مہیا کی گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی کہ حکمران اخلاص نیت کے ساتھ دو قومی نظریئے کا تحفظ کرتے ہوئے ملک میں جمہوری اقدار کو فروغ دیں اور ایسا نظام وضع کریں جس میں حاکم ومحکوم کی عزت وناموس جان ومال کا تحفظ ہو اور تمام تر ضروریات زندگی سب کو با آسانی دستیاب ہوں۔

## قیام پاکستان فتح مکہ کے بعد تاریخ اسلام کا دوسرا سنگ میل

قیام پاکستان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے فتح مکہ کے بعد تاریخ اسلام کا دوسرا اہم سنگ میل ہے۔ فتح مکہ ریاست مدینہ کا فیصلہ کن اور تاریخ ساز اقدام تھا جس کے بعد انسانیت نے جہالت سے روشنی کی طرف اپنے سفر کی تاسیس نو کی۔ ریاست مدینہ دنیا کی اولین ریاست تھی جو مذاکرات پر یقین رکھتی تھی۔ غزوہ خیبر میں فتح مند ہونے کے بعد اس وقت تک کے رواج کے مطابق مفتوح قوم کی قتل و غارت گری ہونی تھی، بچ جانے والوں کو لونڈی غلام بنایا جانا تھا اور اس قوم کی املاک و جائداد سب فاتحین کا حق تھا لیکن خلاف روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتوح کو اپنے سامنے برابری کی بنیاد پر بٹھا کر ان سے مذاکرات کیے، مفتوحین کا سب کچھ انہیں لوٹا

کر نصف پیداوار پر معاہدہ طے پایا۔ ریاست مدینہ نے بیعت رضوان کے باوجود جنگ روک کر دشمن تک سے مذاکرات کیئے اور تحریری صلح نامہ پر دستخط ہونے سے پہلے بھی ثابت کیا کہ مذاکرات میں قول و قرار ہو چکنے کے بعد کسی رو رعایت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

## ریاست مدینہ اور قیام پاکستان میں مماثلت

تاریخ اسلام پر طائرانہ نظر ڈالیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ریاست مدینہ اور ریاست پاکستان میں خاصی مماثلت پائی جاتی ہے۔

- لفظ مدینہ کا مطلب رہنے کی جگہ ہے اور طیبہ کا مطلب پاکیزہ ہے جبکہ یہی مطلب لفظ "پاکستان" کا بھی ہے، ایستان رہنے کی جگہ کو کہتے ہیں اور پاک کا مطلب پاکیزہ ہے۔ ریاست مدینہ کے سبق کا اولین باب ہجرت ہے اور پاکستان کا مقدمہ بھی ہجرت سے شروع ہوتا ہے۔ آج کے " دانشور" ریاست مدینہ کے وقت موجود ہوتے تو حالات کے زیر وبم سے وہ یہی نتائج اخذ کرتے کہ "زمینی حقائق" بتاتے ہیں یہ ریاست اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکے گی۔ لیکن تاریخ نے ثابت کیا کہ جس طرح وقت کے ابوجہل وابولہب یہود کی دولت وثروت کے ساتھ مل کر بھی ریاست مدینہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے اسی طرح وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان جو دنیا کے نقشے پر نہ صرف قائم ودائم ہے بلکہ امت مسلمہ کے لئے ایک مسجد کا سا تقدس رکھتا ہے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ہراول دستہ ثابت ہو کر خلافت علی منہاج نبوت کا سامان میسر کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔



Marfat.com

- رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قومی نظریئے کی اس وقت بنیاد رکھی جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں کا سماجی مقاطعہ ختم کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصالحتی فارمولا پیش کیا اور کہا کہ اگر انہیں ایک ماہ کے لئے اپنے عقائد و عبادات پر عمل کرنے کی اجازت دے دی جائے تو اگلے ایک ماہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرینگے اور یہ سلسلہ یونہی آگے چلتا رہے گا۔(۱۲) اس طرح آپس کے دنیاوی جھگڑوں اور عذاب آخرت سے بھی انکی گلو خلاصی ہو جائیگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے سے قبل ہی جبرائیلؑ تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ الکافرون پیش کی۔

کہہ دیجئے اے کافرو، جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنیوالے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔(۱۳)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مصالحتی پیش کش کے حوالے سے مشرکین مکہ سے کوئی بھی بات کرنے سے منع فرمادیا۔ اس سورۃ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی کہ جو افراد دین اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونگے صرف وہی اس نئے دین اور اسلامی بھائی چارے میں شامل سمجھے جائیں گے اور جو اسے قبول نہیں کرینگے وہ اس سے خارج تصور کئے جائیں گے۔ اس سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے دو قومی نظریے کا حکم فرمایا تھا اور دو قومی نظریہ کے اعلان سے ہی تحریک پاکستان کا آغاز ہوا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے ۱۹۴۰ء میں حصول پاکستان کی جدوجہد کے آغاز کے موقع پر انتہائی سنجیدگی سے برعظیم کے مسلمانوں سے یہ کہا تھا کہ:۔

ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ زبان و ادب، فنونِ لطیفہ، فن تعمیرات، اقدار اور تناسب کا شعور، قانونی اور اخلاقی ضابطے، رسوم اور جنتری، تاریخ اور روایات، رجحانات اور امنگیں، ہر ایک لحاظ سے ہمارا ایک انفرادی زاویہ نگاہ اور فلسفہ حیات ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف کے مطابق ہم ایک قوم ہیں۔(۱۴)

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف رنگ، نسل، زبان اور قبائل سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرام کو ایک قوم قرار دیا تھا۔ قوم کی مروجہ تعریف اور انسانی سوچ کے کسی بھی زاویے سے انہیں ایک قوم قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ صرف اس کی وجہ سے وہ اسلامی اخوت کے بندھن میں بندھے ہوئے تھے کہ وہ سب اللہ کو وحدہ لاشریک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول ماننے والے تھے۔ تحریک پاکستان کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے اس میں بھی ساحل مکران پر بسنے والے مسلمانوں سے لیکر پنجاب، بنگال، سندھ، بلوچستان، افغان اور برعظیم پاک و ہند کے دیگر علاقوں میں مقیم سبھی مسلمان شامل تھے۔ ان مسلمانوں کی زبان و ثقافت، رنگ و نسل، تہذیبی و تمدنی ورثہ سب کچھ ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن یہ سب مسلمان تھے اور ان کا مقصود پاکستان تھا۔



Marfat.com

- ہجرت مدینہ سے ایک نئی ریاست کی بنیاد پڑی جو مستقبل میں ایک عظیم اسلامی ریاست ثابت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی افرادی یا فوجی قوت نہ تھی اور نہ ہی پہلے سے قائم کسی ملک کو فتح کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے ساتھ ہی یہ قصبہ مدینہ سے مدینۃ النبی ہو گیا اور اس طرح ایک نئی جمہوری ریاست معرض وجود میں آگئی تھی۔ بعینہٖ قائداعظمؒ ۷ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی پہنچے تو ان کی آمد کے ساتھ ہی ایک نیا ملک معرض وجود میں آگیا جو تاریخی لحاظ سے ویسے ہی اثرات کا حامل تھا جیسی کہ ریاستِ مدینہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہجرت کے جس عمل سے گذرے تھے، برعظیم کے مسلمانوں نے بھی قیام پاکستان سے قبل اور بعد ازاں ہجرت کی یہ مشقت برداشت کی اور سرخرو ہوئے۔
- ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ کے مابین رشتہ مواخات قائم فرمادیا۔ مواخات میں یہ فلسفہ کارفرما تھا کہ انصار مدینہ مہاجرین کو اپنے خونی رشتے داروں کی طرح دنیاوی مال و اسباب میں شریک کرلیں۔ قیام پاکستان کے وقت بھارت سے آنے والے لاکھوں مفلوک الحال مہاجرین کو خوش آمدید کہنے اور ان کی دیکھ بھال کے حوالے سے مقامی لوگوں نے جس اخوت اور دریادلی کا مظاہرہ کیا اس سے ہجرت مدینہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ ہندو جن لوگوں کو شودر کا رتبہ دینے کو بھی تیار نہ تھے وہ مساوی درجے کے شہری بن گئے۔ یہاں پر فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی مثال دیکھنے کو ملی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام خودساختہ مراتب کو باطل قرار دے دیا اور یوں ریاست اور معاشرے کی نگاہوں میں تمام باشندوں کو مساوی درجہ عطا فرمادیا:

" یا أَیُّھا النَّاسُ، إِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاکُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلَی عَجَمِیٍّ، وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلَی عَرَبِیٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَی أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَی أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَی، إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللہِ أَتْقَاکُمْ" (۱۵)

اے لوگو: تمہارا رب اور تمہارا باپ ایک ہے، آگاہ رہو کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور نہ ہی کسی سفید کو سیاہ پر اور نہ ہی کسی سیاہ کو سفید پر سوائے تقویٰ کے کوئی برتری حاصل نہیں، بے شک تم سے اللہ کے نزدیک باعزت وہ ہے جو صاحب تقویٰ ہے۔

کفار مکہ اور طاغوتی قوتوں نے جب یہ محسوس کرلیا کہ ایک نئی قوت جنم لے چکی ہے تو انہوں نے نوزائیدہ ریاست مدینہ کو تمام تر عسکری وسائل کے ذریعے تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ احزاب کی صورت میں تین جنگیں مسلمانوں پر مسلط کیں۔ مسلمانوں کے سب سے مکروہ دشمن بھارت نے بھی من وعن اسی طرح پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے اس پر تین جنگیں مسلط کیں جس کے نتیجے میں ملک دولخت اور اندرونی سازشوں کا شکار ہو گیا۔ کفار مکہ اپنے مکروہ عزائم سے ریاست مدینہ کو ختم نہ کرسکے اور نہ ہی ہندو بنیئے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکے۔



Marfat.com

## پاکستان کے سیاسی نظام کا فکرِ اقبالؒ کے تناظر میں جائزہ

مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبالؒ جسمانی طور پر ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں مگر ان کا فکر و فلسفہ آج بھی زندہ و تابندہ اور امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپؒ نے مغربی جمہوریت کے بعض پہلوؤں پر تنقید ضرور کی مگر جمہوری فلسفہ سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ آپؒ چاہتے تھے کہ پارلیمنٹ میں ایسے افراد ہوں جن کی فکر پختہ ہو اور ہر لحاظ سے اہل و دیانت دار ہوں تاکہ قوم کی ترقی اور خوشحالی کے لیے مثبت اور تعمیری کردار ادا کر سکیں۔ (۱۶) آپؒ نے ۱۹۱۹ء میں "Political Thought in Islam" کے عنوان سے ایک آرٹیکل تحریر کیا جس میں بیان کیا گیا ہے کہ اسلام سے قبل عرب قبائل کی یہ روایت تھی کہ وہ اپنے قبیلہ کے سردار کی وفات کے بعد اُس کے جانشین کا انتخاب مشاورت اور اکثریت کے اصول پر کرتے تھے۔ فکر اقبال کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی اس قدیم رسم مشاورت کو قائم رکھا۔ (۱۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانشینی کے متعلق مسلمانوں کو کوئی ہدایات نہ فرمائیں تاکہ مسلمان مشاورت سے اپنا خلیفہ منتخب کر سکیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائد اعظم کے نام خط میں تحریر کیا:

> "اسلام کے قانونی اصولوں کے مطابق کسی مناسب شکل میں سماجی جمہوریت کو قبول کر لینا کوئی انقلاب نہیں ہے بلکہ اسلام کی اصل کی جانب لوٹنا ہو گا۔" (۱۸)

علامہ محمد اقبالؒ ایسی سماجی جمہوریت کے قائل تھے جس کے ثمرات سے مخصوص طبقہ نہیں بلکہ سب عوام بلا تفریق مستفیض ہو سکیں اور سماج کا ہر فرد اپنی صلاحیتوں کے مطابق ترقی کر سکے۔ آپؒ نے ایک ایسی جمہوریت کا خواب دیکھا تھا جس کی بنیاد مساوات پر رکھی گئی ہو۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ "دوسرا سیاسی اصول جمہوریت ہے جو انسانوں کی غیر مشروط اور کامل مساوات پر مبنی ہو۔ مسلم ملت کے تمام افراد معاشرتی اور معاشی تفاوت کے باوجود قانون کی نظر میں مساوی حقوق کے مالک ہیں۔" (۱۹)

علامہ محمد اقبالؒ ایسی روحانی جمہوریت کے علمبردار تھے جس میں ارکان پارلیمنٹ کا انتخاب سرمایہ اور جاگیر کی بنیاد پر نہیں بلکہ اہلیت اور دیانت کی بنیاد پر کیا جائے۔ آپؒ جمہوریت کو اسلام کے سنہری اصولوں کے تابع رکھنا چاہتے تھے پاکستان کا موجودہ جمہوری نظام علامہ محمد اقبالؒ کے تصور جمہوریت کے منافی ہے۔ یہ نظام اسلامی، مغربی اور جمہوری بھی نہیں ہے۔ ایک ایسے انتخابی نظام کو جمہوریت کا نام دے دیا گیا ہے جس میں صرف اشرافیہ کے افراد ہی منتخب ہو سکتے ہیں۔ پاکستانی جمہوریت میں گڈ گورننس، مساوی ترقی، اخلاقیات اور قانون کی حکمرانی نہیں ہے۔ پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کو حقیقی جمہوری بنانے کی ضرورت ہے۔

## پاکستان کا دستوری ڈھانچہ اسلامی اور جمہوری اقدار پر مشتمل ہے

مسلمان ممالک میں عموماً یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہمیں مادر پدر آزاد جمہوریت نہیں چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ



Marfat.com

جمہوریت کبھی بھی مادر پدر آزاد نہیں ہوتی۔ جمہوریت تو لوگوں کی اجتماعی سوچ کی عکاس ہوتی ہے۔ عام لوگ جس طرح سوچتے ہیں، اور ان کے جو بھی عقائد اور خیالات ہوتے ہیں وہ جمہوریت کے ذریعے امورِ مملکت میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک مسلمان ملک میں، جہاں کے باشندے باشعور ہوں اور اپنے دین سے محبت کرتے ہوں، پارلیمنٹ کی قانون سازی کے وقت یہ سب شعور و آگہی ایک عکس کی صورت میں سامنے آئے گا۔ جمہوری ملک میں حکمرانوں سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور وہ خلافِ قانون کاموں میں بھی ملوث ہو سکتے ہیں۔ لیکن جمہوریت کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ غلطی کا احساس ہونے پر غلطی کا اعتراف بھی کر لیا جاتا ہے۔

اسلامی ریاست قرآن و سنت کو اصل الاصول کی حیثیت حاصل ہے۔ جن امور میں قرآن و سنت کے احکام واضح اور محکم ہیں ان میں کسی انسان کو حذف و اضافے کا اختیار نہیں۔ دوسرے درجے میں وہ معاملات ہیں جن میں قرآن و سنت سے استنباط کی بنیاد پر قانون وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، یہ کام مقننہ ماہرین کی اکثریتی رائے کی روشنی میں کر سکتی ہے۔ تیسرے درجے میں وہ امور ہیں جن کو عرف اور عقل عام پر چھوڑا گیا ہے ان پر قانون سازی کا اختیار عوام الناس کو حاصل ہے جو اکثریت اور مشاورت کے اصول پر اس اختیار کا استعمال کر سکتی ہے۔ دستور پاکستان میں اس بات کی ضمانت موجود ہے کہ پارلیمنٹ قرآن و سنت سے متصادم قانون سازی نہیں کر سکتی۔ عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ کو قرآن و سنت سے متصادم قانون سازی کو کالعدم قرار دینے کا اختیار ہے۔ (۲۰) اسلامی نظریاتی کونسل کی صورت میں آئینی ادارہ موجود ہے جو دستور سازی اور مروجہ قوانین سے متعلق حکومت کو سفارشات پیش کرنے کی پابند ہے۔ (۲۱) کونسل اپنے دستوری فرائض دیانتاً سرانجام دے رہی ہے لیکن شومئی قسمت حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل کی کسی رپورٹ کو بھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ موجودہ صورتحال میں میڈیا اور عدلیہ کے فعال ہوتے ہوئے اسلام کے اصول و مبادی کے منافی قانون سازی کی جسارت مشکل ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ملک میں شرعی قوانین تو موجود ہوں لیکن ان کی عملی تنفیذ نہ ہو، اگر ایسا ہے تو پھر تبدیلی کا طریقہ کار بھی شرعی ہونا چاہئے۔ پاکستان خالصتاً ایک اسلامی ریاست ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غیر مسلم علاقوں میں بھی دعوت اور اصلاح معاشرہ کا طریقہ اختیار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت عام کے ذریعے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا۔ ریاست مدینہ کی بنیاد جبر یا عسکری مہم جوئی کے ذریعے نہیں بلکہ تمام فریقوں کی مشاورت پر مبنی میثاق مدینہ کے ذریعے رکھی گئی اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم انقلابی تبدیلی لے آئے۔ جب غیر مسلموں کے ساتھ ایسا معاملہ ہے تو مسلمانوں کی آبادی میں تو بدرجہ اولیٰ اسی دعوت اور اصلاح احوال کا راستہ مستحسن ہے۔ حکمران جب تک معصیت کا حکم نہیں دیتے عوام کے پاس تبدیلی کا واحد راستہ پر امن جدوجہد ہے۔ اس جدوجہد میں وعظ نصیحت سے لیکر حکومت کے غلط طرز عمل کے خلاف رائے عامہ کی ہمواری، پر امن احتجاج اور بالآخر اقتدار سے علیحدگی کی کوشش بھی شامل ہے۔ دستور پاکستان میں حکمران کی تبدیلی سے لیکر معزولی تک کا طریقہ کار بالکل واضح انداز میں درج ہے۔ (۲۲) لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کا دستوری ڈھانچہ قرآن و سنت کی بالادستی اور جمہوری اقدار پر استوار ہے۔



Marfat.com

## پاکستان میں مروجہ جمہوری نظام اور مغربی جمہوریت کا تقابلی جائزہ

پاکستان میں مروجہ دستوری اور جمہوری نظام بھی معروف ہی کے زمرے میں ہے لیکن اس میں اور خالصتاً مغربی جمہوریت میں بنیادی فرق ہے۔ مغربی معاشرہ انسانی خواہشات کی بنیاد پر قانون سازی کرتا ہے جبکہ اسلامی ریاست کے سارے قانون عقل سلیم کے مطابق اور آفاقی والہامی ہوتے ہیں۔ اہل مغرب بار بار کے تجربات کے بعد جس آفاقی اصول پر متفق ہوئے ہیں اسلام نے بہت پہلے انہی آفاقی اور الہامی اصولوں پر اپنے نظریات اور اصولوں کی بنیاد رکھی اور اپنی ریاست میں تمام شہریوں کے حقوق اور شخصی آزادی کی ضمانت فراہم کی، جبکہ مغربی معاشرہ میں گزشتہ صدی تک اسکا تصور بھی موجود نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے فرمادیا تھا کہ دو ایک سے بہتر ہیں، تین دو سے بہتر ہیں اور چار تین سے بہتر ہیں۔ جمہوری طرز استدلال اور حکمرانی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خلفاء سے فرماتے ہیں کہ اے ابو بکر و عمر! اگر میری ذاتی رائے کے مقابل تم دونوں کا نقطہ نظر ہو تو میں اس رائے اور فیصلے کا احترام کروں گا اور اسی پر عمل کروں گا۔

مغربی جمہوریت کے برخلاف پاکستان کا آئین اقتدارِ اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کے لئے خاص تسلیم کرتا ہے اور اس چیز کی بھی یقین دیہانی کروائی گئی ہے کہ کوئی وضعی قانون ایسا نہیں بنایا جائے گا جو قرآن وسنت سے متصادم ہو۔ اس غرض کے لئے ملک میں دستوری ادارے موجود ہیں۔ مغربی جمہوریت اور پاکستان میں مروجہ جمہوری نظام میں کوئی مماثلت تلاش کرنا درست نہیں ہے۔ تاہم پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں یقیناً اصلاح اور بہتری کی ضرورت ہے۔ انسانوں کا وضع کردہ کوئی بھی نظام حتمی اور کمی کوتاہیوں سے مبرا نہیں ہوسکتا لیکن کسی نظام کے عملی نفاذ میں موجود چند خامیوں کی وجہ سے یکسر نظام کو ہی مسترد کردینا بھی درست رویہ نہیں ہے۔ نظام کے عملی نفاذ میں موجود خرابیوں کا علاج پورے نظام کا بوریا بستر گول کرنے میں نہیں بلکہ نظام کے اندر رہتے ہوئے اس کی اصلاح میں ہے۔

## پاکستان کے دستور میں حق رائے دہی کا جمہوری اصول

پاکستان کے دستور میں حق رائے دہی کے جمہوری اصول تسلیم کو کیا گیا ہے۔ دستور کی شق کے مطابق ہر پاکستانی حق رائے دہی اپنی آزادانہ منشاء کے مطابق استعمال کرسکتا ہے۔ (۲۳) پاکستان میں یہ اصول ان امور کے لئے نہیں ہے جن کا تعلق قرآن وسنت کی تفہیم وتشریح سے ہو۔ تشریعی اور اجتہادی امور کے لئے صرف اہل علم ہی اہل ہیں اور اس مقصد کے لئے ملک میں مجاز ادارے موجود ہیں، لیکن وہ امور جن کا دنیاوی معاملات سے تعلق ہے اور جن پر قانون سازی کے اثرات عام وخاص شہریوں پر ہوں، ان میں ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ ووٹ دے اور اس کا ووٹ وزن میں کسی عالم کے ووٹ سے کم نہ ہو۔ مروجہ قوانین میں عمال کے انتخاب کے لئے سب سے آسان اور قابل قبول طریقہ انتخابات کا ہے۔ اسلام نے اس سلسلے اصولی ہدایات دینے پر اکتفا کیا ہے؛

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (۲۴)



Marfat.com

قرآن حکیم نے عمال کے انتخاب کے سلسلے میں خطاب صرف اہل علم کو نہیں بلکہ تمام اہل اسلام کو کیا ہے۔ خلفائے راشدین نے بھی مسجد نبوی میں عام بیعت کے لئے اکثریتی رائے کے حصول کے لئے یہی معروف طریقہ اختیار کیا۔ پاکستان کے مروجہ سیاسی نظام میں بھی یہی طریقہ وضع کیا گیا ہے اور اس کو اختیار کرنے میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہیں ہے۔ پاکستان کا مروجہ جمہوری سیاسی نظام بڑی حد تک قانونی اور آئینی اعتبار سے اسلام سے ہم آہنگ ہے البتہ اس میں مزید بہتری کی گنجائش ہے اور اسے پرامن سیاسی اور جمہوری جدوجہد سے درست کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

## پاکستان کا دستوری ڈھانچہ -بانی پاکستان کے ارشادات کی روشنی میں

برعظیم میں مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال حکومت کی اور اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود اسلامی قانون اور معاشرت میں بنیادی اسلامی اصولوں کا احترام و عمل جاری رہا۔ جب مسلمان حکمران نااہلیت، ناعاقبت اندیشی، خودغرضی، عیش و عشرت اور نفسا نفسی کا شکار ہو گئے تو پھر ریاست کا زوال یقینی ہو گیا۔ چنانچہ "بوئے گل لے گئی بیرون چمن راز چمن" (۲۵) کے مصداق دیار غیر سے آنے والوں نے گھر کے باغیوں کے تعاون سے تجارتی منڈیوں کے بہانے آنے والے انگریزوں نے ملک پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اور پھر تقریباً دو سو سال مسلمان غلامی کا شکار رہے۔ اس غلامی سے نکلنے کے لیے جس سیاسی تحریک کا آغاز ہوا وہ آغاز میں مشترک تھی، لیکن جلد مسلمانوں کو یہ یقین ہو گیا کہ اپنے مفادات کا تحفظ وہ ہندو اکثریت کے حوالے نہیں کر سکتے اور انھیں اپنے دین و ثقافت پر عمل کرنے کے لیے ایک آزاد خطے کی ضرورت ہے۔ اس احساس کے مندرجہ ذیل تین اہم پہلو آج بھی غور و فکر کا مطالبہ کرتے ہیں:

اولاً یہ کہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اور اس پر عمل ایک آزاد ریاست کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلام اور پاکستان کے اس تعلق کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ پاکستان بننے کے بعد بعض بااثر علما نے سیاست دانوں پر دباؤ ڈال کر یا بعد میں آنے والے فوجی آمر نے پاکستان کے اصل تصور کو جو بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے دیا تھا، اپنے مفاد کے لیے اسلام سے وابستہ کر دیا، ایک تاریخی جھوٹ اور بانیٔ پاکستان کے تصور سے فکری اور سیاسی بغاوت ہے۔ پاکستان کے قیام سے قبل ۱۵ جون ۱۹۴۵ء کو فرنٹیر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی کانفرنس میں اپنے تحریری پیغام میں قائداعظمؒ کے الفاظ اس پہلے پہلو کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیتے ہیں:

اگر مسلمان باوقار اور لائق احترام لوگوں کی طرح سے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ان کے سامنے ایک ہی راستہ ہے: پاکستان کے لیے لڑیئے، پاکستان کے لیے زندہ رہیے اور اگر ناگزیر ہو تو حصولِ پاکستان کے لیے مر جایئے، یا پھر مسلمان اور اسلام دونوں تباہ ہو جائیں گے۔ ہمارے سامنے ایک ہی راہ ہے: اپنی قوم کی تنظیم کرنا، اور یہ ہم اپنی محنت، مصمم اور پُرعزم مساعی کے ذریعے سے ہی قوت پیدا کر سکتے ہیں اور اپنی قوم کی حمایت کر سکتے ہیں، نہ صرف اپنی آزادی اور خودمختاری حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اسے برقرار بھی رکھ سکتے ہیں، اور اسلامی آدرشوں اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ پاکستان کا مطلب نہ صرف آزادی اور خودمختاری ہے بلکہ مسلم نظری بھی ہے جسے ہمیں محفوظ رکھنا ہے



Marfat.com

جو ایک بیش قیمت تحفے اور سرمایے کے طور پر ہم تک پہنچا ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں اور لوگ بھی اس میں ہمارے ساتھ شراکت کر سکیں گے۔(۲۶)

دوسرا پہلو غیر منقسم برعظیم کے تناظر میں مسلمانوں کے معاشی مستقبل کا تھا۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں ہندو سود خور مالی وسائل پر قابض ہو، کسی بھی مسلمان کے لیے سودی کاروبار سے بچنا ناممکن تھا۔ اسی بنا پر بعض علما نے برعظیم کو حالتِ جنگ میں تصور کرتے ہوئے پچاس فی صد بُرائی کو مجبوری کی بنا پر وقتی طور پر مباح قرار دے دیا تھا۔ اگر بطور مفروضے کے انگریز سامراج کے جانے کے بعد مسلمان ایک غیر مسلم اکثریت کے ملک میں بطور اقلیت کے رہتے تو کیا قیامت تک یہ ممکن تھا کہ وہ سودی نظام سے نکل سکیں۔ اسی بات کو مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبالؒ نے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائد اعظمؒ کے نام اپنے خط میں واضح الفاظ میں لکھا:

روٹی کا مسئلہ شدید تر ہوتا جا رہا ہے، مسلمان نے محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ گذشتہ ۲۰۰ سال میں نیچے ہی نیچے جا رہا ہے۔ عام طور پر وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کی غربت کی وجہ ہندوؤں کا مقروض ہونا یا سرمایہ داری ہے۔ جواہر لال کے الحادی سیکولرازم کی مسلمانوں سے زیادہ پذیرائی کی توقع نہیں ہے۔ اس لیے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کا مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ خوشی کی بات یہ ہے کہ اسلامی قانون کے نفاذ اور جدید خیالات کی روشنی میں اس کے ارتقا میں ایک حل موجود ہے۔ اسلامی قانون کے ایک طویل اور گہرے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر یہ قانون سمجھا جائے اور اس کا اطلاق کیا جائے تو ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق مل جائے گا۔(۲۷)

تیسرا پہلو خالصتاً سیاسی تھا، یعنی وہ تمام دانشور جو آج بھی پاکستان میں یہ فکر رکھتے ہیں کہ غیر منقسم خطے میں مسلمان کو اپنے مفادات کا تحفظ پارلیمنٹ میں متناسب نمائندگی حاصل کر کے مل جائے گا۔ قائد اعظمؒ نہ صرف ایک سیاسی مدبر تھے وہ ایک ماہر قانون دان کی حیثیت سے ایک ایک لفظ کے معنی اور اثرات سے بخوبی واقف تھے۔ ان کے نقاد بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ کھرے انداز میں بات کرنے کے قائل تھے۔ اپنے مقام کا احترام رکھتے ہوئے انھوں نے امریکی عوام کو خطاب کرتے ہوئے فروری ۱۹۴۸ء میں دستورِ پاکستان کے حوالے سے جو بات کہی وہ ان کے تصورِ پاکستان کی پوری وضاحت کر دیتی ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں:

مجلس دستور ساز پاکستان کو ابھی پاکستان کے لیے دستور مرتب کرنا ہے۔ مجھے اس بات کا تو علم نہیں کہ دستور کی حتمی شکل کیا ہوگی، لیکن مجھے اس امر کا یقین ہے کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا جس میں اسلام کے لازمی اصول شامل ہوں گے۔ آج بھی ان کا اطلاق عملی زندگی میں ویسے ہی ہو سکتا ہے جیسے کہ ۱۳ سو برس قبل ہو سکتا تھا۔ اسلام نے ہر شخص کے ساتھ عدل اور انصاف کی تعلیم دی ہے۔ ہم ان شان دار روایات کے وارث ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے مرتبین کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے باخبر ہیں۔ بہر نوع پاکستان ایک ایسی مذہبی مملکت نہیں ہوگی جس پر آسمانی مقصد کے ساتھ پاپاؤں کی حکومت ہو۔ غیر مسلم، ہندو، عیسائی اور پارسی ہیں، لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ انھیں وہ تمام حقوق اور مراعات حاصل ہوں گے جو کسی اور شہری کو حاصل ہو سکتے ہیں اور وہ اُمورِ پاکستان میں اپنا جائز کردار ادا کر سکیں گے۔(۲۸)



Marfat.com

اس اقتباس میں دستور ساز اسمبلی کے پہلے صدر کی حیثیت سے بغیر دستور یہ کی رائے کو متاثر کیے محتاط الفاظ میں وہ آخری فیصلہ دستور ساز اسمبلی کا تسلیم کرتے ہوئے ہر بات صاف الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ بہر صورت جو بھی دستور بنے گا وہ بنیادی طور پر اسلامی اصولوں کا مظہر و مرقع ہوگا اور اُس جمہوریت کا عکس ہوگا جو ۱۳سو سال پہلے اسلام نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم کی تھی، جس میں انسانی مساوات، عدل اور شفافیت پائی جاتی تھی۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں قائداعظمؒ نے ۱۰-اورنگ زیب روڈ، دہلی اپنے گھر پر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو دعوت دی۔ مولانا نے پوچھا: پاکستان کا دستور کس نوعیت کا ہوگا تو بانی پاکستان نے جواب دیا:

قرآن پاکستان کا دستور ہوگا۔ میں نے قرآن ترجمے کی مدد سے پڑھا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ کوئی دستور قرآنی دستور سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ میں نے یہ جنگ مسلمانوں کے ایک سپاہی کی حیثیت سے جیتی ہے۔ میں قرآنی دستور کا ماہر نہیں ہوں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اور آپ کی طرح کے دیگر علماء مل کر قرآنی دستور تیار کریں۔(۲۹)

اسلام نہ صرف رسم و رواج، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے، بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی حیات اور اس کے رویے بلکہ اس کی سیاست و اقتصادیات وغیرہ پر محیط ہے۔ یہ وقار، دیانت، انصاف اور سب کے لیے عدل کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ ایک خدا اور خدا کی توحید، اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ اسلام میں ایک آدمی اور دوسرے آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ مساوات، آزادی اور یگانگت، اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔

## پاکستان کے عدم استحکام اور اخلاقی بگاڑ کے تشویش ناک پہلو

۱. قوم کا اخلاقی بگاڑ بد سے بدتر صورت اختیار کر رہا ہے اور ظلم اور بد اخلاقی اس نشان کو چھو رہی ہے جہاں کارواں کے دل سے احساسِ زیاں بھی رخصت ہوتا نظر آتا ہے۔ ہر سُو بدعنوانی کا دور دورہ ہے جو تقریباً ہر سطح پر طرزِ حیات بنتی جا رہی ہے، حتیٰ کہ بین الاقوامی ادارے بھی پاکستان کو دنیا کے سب سے زیادہ بدعنوان ملکوں میں شامل کر رہے ہیں۔(۳۰) تعلیم کے نظام نے صرف علم ہی کی رسوائی کا سامان نہیں کیا ہے، بلکہ اخلاق کا بھی جنازہ اُٹھا دیا ہے۔ روایات کے بندھن کھل رہے ہیں اور اباحیت پسندی اور آزادروی کا سیلاب اُمڈ رہا ہے اور بچشم سر دیکھا جاسکتا ہے کہ اس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

۲. افراد کے اخلاقی بگاڑ کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کے ہر اس ادارے کو تباہ کیا جا رہا ہے، جو قوم کی کشتی کو لنگر کی طرح تھامتا ہے۔ دستور ہو یا قانون، پارلیمنٹ ہو یا انتظامیہ، عدلیہ ہو یا پولیس، سول سروس ہو یا بلدیاتی نظامِ حکومت، تعلیم ہو یا ذرائع ابلاغ، حتیٰ کہ قوم کا آخری سہارا، یعنی خاندان ہر ایک کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ جن اداروں کو بڑی محنت اور قربانی سے استعمار کے اقتدار کے باوجود محفوظ رکھا گیا تھا، آج ان کی چولیں بھی ہل گئی ہیں اور دیواریں گر رہی ہیں۔



Marfat.com

۳۔ پالیسی سازی کے سارے عمل اور فیصلہ کرنے والے ادارے اور افراد بیرونی اثرات کے تابع ہیں، جس سے ملک کی سیاسی اور نظریاتی آزادی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ معاشی پالیسیاں بیرونی ساہوکاروں کے ہاتھوں گروی رکھ دی گئی ہیں اور اب عالمی بنک اور عالمی مالیاتی فنڈ کا عمل دخل اتنا بڑھ گیا ہے کہ ملک کا بجٹ ملک کی پارلیمنٹ نہیں، ان اداروں کے احکام کے مطابق بنایا جارہا ہے۔

## قرارداد مقاصد جمہوری کلچر کی عکاس ہے

قیام پاکستان کے بعد برطانوی پارلیمنٹ کا بنایا ہوا حکومت ہند کا قانون مجریہ ۱۹۳۵ پاکستان کا عارضی آئین بنا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ذمے پاکستان کے لیے آئین بنانے کا کام تھا۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی ان اراکین پر مشتمل تھی جو غیر منقسم ہندوستان میں ۱۹۴۶ کے انتخابات میں اُن علاقوں سے منتخب ہوئے تھے جو بعد میں پاکستان کی جغرافیائی حدود میں شامل ہوئے۔ ان کے علاوہ کچھ مسلم اراکین ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے مارچ ۱۹۴۹ میں اس اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کر کے آئین سازی کے لیے بنیادی خاکہ ترتیب دے دیا۔ دستور ساز اسمبلی کے رکن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس قرارداد کا مسودہ تیار کیا اور وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خانؒ نے ۷ مارچ ۱۹۴۹ کو اسے دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا۔ یہ قرارداد بحث و مباحثے کے بعد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ کو منظور ہوئی۔ قائد اعظمؒ کے دستِ راست لیاقت علی خانؒ نے قرارداد پیش کرتے ہوئے اس کے حق میں بہت سے دلائل دیئے۔ بقول لیاقت علی خانؒ یہ قرارداد ان اصولوں پر مشتمل ہے جن پر پاکستان کا دستور اساسی مبنی ہو گا۔(۳۱)

## قرارداد مقاصد کا متن

- اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کا واحد مالک ہے اور پاکستان کے عوام کے پاس اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہو گا، وہ ایک مقدس امانت ہے؛
- مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔ جس کی رُو سے مملکت اپنے تمام اختیارات و حقوق حکمرانی کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی؛
- اسلام کے پیش کردہ جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے گا؛
- پاکستان کے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن اور سنت میں درج اسلامی تعلیمات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔ جس میں تمام اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ اور اُن کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کے لیے پوری آزادی ہو گی۔ پاکستان ایک وفاقی ریاست ہو گی۔ مقرر کردہ اختیارات کے تحت تمام صوبوں کو خود مختاری حاصل ہو گی۔ عوام کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔ اقلیتوں اور پسماندہ طبقوں کے جائز مفادات کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا؛ جس کی رو سے عدلیہ کی آزادی پوری طرح محفوظ ہو گی؛



Marfat.com

- وفاقیہ کے علاقوں کی سلامتی و آزادی اور اس کے خشکی، تری اور فضا کے جملہ حقوق کا تحفظ کیا جائے گا؛
- جس کی رُو سے اہل پاکستان فلاح و بہبود حاصل کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم اور بنی نوع انسان کی ترقی و خوشحالی کے لیے پوری کوششیں کر سکیں۔(۳۲)

قرار داد مقاصد اسلام کے اصول جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور سماجی انصاف کی علمبردار ہے۔ ۱۹۵۶ اور ۱۹۶۲ میں جب ملک کے لیے آئین بنائے گئے تو قرارداد مقاصد کو اس کے تمہید میں رکھا گیا، لیکن پاکستانی عوام کے مسلسل اصرار پر قرار داد مقاصد کو ۱۹۷۳ کے آئین کا مستقل حصہ بنا دیا گیا۔ آزادی کے بعد چوبیس سال تک انتخابات کا انعقاد نہ ہونا اور آئین کو معطل اور برخاست کیا جانا درحقیقت قرارداد مقاصد سے رُوگردانی تھی۔ قرارداد مقاصد اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات اور جمہوری اقدار کی عکاس ہے، لہٰذا پاکستان کو فلاحی ریاست بنانے کے تصور کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے قرارداد مقاصد کے مندرجات پر من و عن عمل ناگزیر ہے۔

## پاکستان کی سیاسی جماعتوں میں جمہوری اقدار کا فقدان

پاکستان کے ذرائع ابلاغ کے توسط سے لفظ جمہوریت روزانہ متعدد بار سنائی دیتا ہے، جمہوری اداروں اور سیاسی جماعتوں میں جمہوری روایات کا فقدان ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ محسوس ہوتی ہے کہ پاکستانی عوام کی جمہوریت سے جان پہچان کچھ کم ہے اس لئے کہ پاکستان میں جمہوریت آتی کم اور جاتی زیادہ ہے، اس کے علاوہ اگر کبھی آ بھی جائے تو وہ اپنے ساتھ اتنے جمہوری فنکار لے آتی ہے کہ پورے جمہوری دور میں عوام کی توجہ ان جمہوری فنکاروں کے فن کی طرف رہتی ہے، لہٰذا عوام فن کاروں کی فنکاری کو ہی جمہوریت سمجھتے ہیں۔ سیاستدان جب جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد حصول اقتدار ہوتا ہے۔ پاکستان میں جمہوری کلچر کسی بھی سیاسی جماعت میں موجود نہیں ہے۔ جو ملک جمہوری عمل کے نتیجے میں عمل میں آیا وہاں جمہوریت کا فقدان ہے۔

جمہوری روایات کے تناظر میں پاکستانی معاشرے کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بالادست طبقات اور سیاسی جماعتیں ابھی اس کلچر سے کوسوں دور ہیں۔ طبقہ اشرافیہ کے اندر رعونت، اختیارات کو اپنی ذات میں مرتکز کرنے کا رجحان، مال و زر اور عہدے کی نمائش اور شاہی مزاج پر مبنی جاگیردارانہ ذہنیت اپنی انتہائی حدوں میں موجود ہے۔ تقریباً تمام سیاسی جماعتوں میں قیادت ایک میراث بن چکی ہے۔ خوشامد کو پسند کیا جاتا ہے اور خوشامد کے کلچر کے ذریعے لوگ آگے بڑھتے ہیں۔ ہر پارٹی کے اندر لابینگ، سازشوں اور دھڑے بندیوں کی بنیاد پر سیاست ہوتی ہے۔ درحقیقت جمہوری کلچر ہی تمام ملکی مسائل کا حل ہے۔ جمہوریت کی خامیوں پر قابو پانے کا طریقہ یہ ہے کہ ملکی سیاست میں جمہوری رویے کو مزید فروغ دیا جائے۔ جمہوریت و شورائیت کی طرف مسلسل پیش قدمی ہی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔

## پاکستان کے سیاسی نظام میں جمہوریت نہیں سیاستدان ناکام ہیں

پاکستان کے معروضی حالات کے پیش نظر یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان کی بقاء



Marfat.com

جمہوریت میں ہے۔ ملکی تاریخ میں متعدد ایسے مواقع آچکے ہیں کہ جمہوریت پر سے لوگوں کا یقین متزلزل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ متعدد بار فوجی انقلابات کے موقع پر فوجی آمروں نے قوم کو یہ پیغام دیا کہ جمہوری ادارے اور سیاستدان ناکام ہوچکے ہیں اور جمہوریت کو ناکام بنانے میں ان کی بدعنوانی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ افواج کے سربراہ کو وسیع تر قومی مفادات میں جمہوری حکومت کو ختم کرکے فوجی

حکومت قائم کرنی پڑی ہے۔ ان سب اعلانات میں اہم بات یہ ہے کہ کسی ایک آمر کو بھی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ وہ جمہوریت کو مسترد کر کے یہ اعلان کرتا کہ ملک میں جمہوریت ناکام ہو چکی ہے۔ سب نے یہ کہا کہ سیاست دان ناکام ہوئے اور عوام دوست نظام اور حقیقی جمہوریت کے قیام کے لئے فوج کو مجبوراً انضمام اقتدار سنبھالنا پڑا ہے تاکہ ملک و قوم کو مزید تباہی سے بچایا جاسکے۔

پاکستان میں فوجی حکومتوں کے تسلط کے حوالے سے یہ بات قابل غور ہے کہ "میرے عزیز ہم وطنو" سے شروع ہونے والا خطاب جب بھی نشر کیا گیا اس میں قوم و ملک سے فوج کی شکوک و شبہات سے بالا وابستگی کا اعادہ کیا جاتا رہا ہے۔ سیاست دانوں کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے پاکستان کو درپیش خطرات کی تفصیل بیان کی جاتی تھی اور آخر میں ہر آنے والے آمر نے قوم سے وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد انتخابات منعقد کرواکے عوام کو حقیقی قیادت منتخب کرنے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ ان خطابات میں خاص طور سے اس بات کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ جمہوریت ہی ملک کی فلاح کا راستہ ہے لیکن پاکستانی عوام نے جن لوگوں کو ملک کی باگ ڈور سونپی تھی انہوں نے عوام کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی، اس لئے فوج کو قوم و ملک کے محافظ کے طور پر اقتدار سنبھالنے کا انتہائی اقدام کرنا پڑا۔

آج پاکستانی فوج کے جمہوریت دوست کردار کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ اس کا سربراہ جمہوریت اور سیاست دانوں کے بارے میں کیا رویہ رکھتا ہے۔ ماضی میں دو حکومتوں نے سپہ سالار کا انتخاب کرنے میں بہت احتیاط برتی اور اس سلسلے میں کئی حق دار آفیسرز کو بائی پاس کر کے ان کو افواج کا سربراہ مقرر کیا گیا لیکن دونوں بار جمہوریت کے استحکام کے لئے چنے گئے سپہ سالار جمہوریت کو پامال کر کے ایک ایک دہائی تک ملک پر قابض رہے۔ پاکستان میں تعلیم کی کمی اور مناسب جمہوری ماحول نہ ہونے کے باوجود اس کے عوام کا شعور اور خود مختاری کا احساس بہت پختہ ہے۔ پاکستان میں جمہوریت کے مستقبل کے بارے میں مایوسی کی ضرورت نہیں ہے۔ ملکی استحکام، جمہوریت کی بقاء اور تسلسل کے لئے ضروری ہے کہ عدالت عظمیٰ نظریہ ضرورت کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دے۔ نیز یہ کہ سیاست دان غیر سیاسی افراد اور اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے اور ان کے سیاسی مقاصد کے لئے خود آلہ کار بننے کا رویہ ترک کریں۔

### خلاصہ بحث

کائنات کے ہر ذرے میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیاں بکھری پڑی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ ان پر غور و فکر کیا جائے اور ان کی روشنی میں اپنا عمل مرتب کیا جائے۔ قرآن حکیم بار بار انسانوں کو ان نشانیوں پر غور کرنے



Marfat.com

اور کھلی آنکھوں اور کھلے دماغ سے ان سے روشنی حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مملکت خداداد پاکستان کا قیام بھی اللہ کی ایک نشانی ہے۔ صرف سات سال کی بھرپور اور پُر امن جدوجہد کے نتیجے میں دنیا کے سیاسی نقشے پر نظریے کی بنیاد پر ایک ریاست کا قیام ایک تاریخی کرشمے سے کم نہ تھا۔

قیام پاکستان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے فتح مکہ کے بعد تاریخ اسلام کا دوسرا اہم سنگ میل ہے۔ فتح مکہ ریاست مدینہ کا فیصلہ کن اور تاریخ ساز اقدام تھا جس کے بعد انسانیت نے جہالت سے روشنی کی طرف اپنے سفر کی تاسیس نو کی۔ میثاق مدینہ صرف ریاست مدینہ کی تاسیس کے لئے ہی اہمیت کا حامل نہیں تھا بلکہ اس میں آنے والے تمام مسلمان حکمرانوں کے لئے بھی رہنما اصول مہیا کئے گئے ہیں۔ مملکت کے دستور میں تو ریاست مدینہ کے دستور کی جھلک موجود ہے لیکن جس طرح دستور مدینہ نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت عملاً قائم کر کے سیاسی و سماجی نظام کو اس کے تابع کیا، مملکت پاکستان کا دستور ایسا کرنے میں ناکام ہے۔

قیام پاکستان کا مقصد ایک ایسی مملکت کا حصول تھا جس میں اسلام کی آفاقی تعلیمات کو عصری تناظر میں نافذ کیا جا سکے۔ عالم اسلام میں صرف مملکت خداداد پاکستان ہی ایک ایسی ریاست ہے جو خالصتاً اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ہے۔ "پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ" کا جو نعرہ قیام پاکستان کے وقت لگایا گیا تھا وہ آج بھی زبان زد عام ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں قانون سازی کا عمل قیام پاکستان کے روز اول سے ہی کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔ پاکستان میں معاشرتی اصلاح مخلص اور ایماندار قیادت کے بغیر ممکن نہیں ہے، مروّجہ ناقص جمہوری نظام کی بدولت صالح قیادت کا قانون ساز اداروں میں پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس مقصد کے لئے نہ صرف نظام تعلیم کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے بلکہ انتخابات کے طریقہ کو شفاف بنانے اور اس سے متعلقہ دستور پاکستان کی دفعات اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر سختی سے عمل درآمد کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان میں جمہوریت کی بجائے جمہوری رویہ اپنانے کی ضرورت ہے، جو انتخابات سے بہت آگے کی منزل ہے۔ جمہوری کلچر میں بروقت انتخابات ہوتے ہیں، نمائندہ حکومت وجود میں آتی ہے، سب کچھ پارلیمنٹ کی مشاورت سے ہوتا ہے اور قانون سازی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جاتا۔ مملکت کا ہر ادارہ سیاسی اثر سے آزاد اور احتساب کا مؤثر نظام قائم ہوتا ہے۔ اجتماعی سطح پر جمہوری کلچر کا تقاضا ہے کہ قومی معاملات مشاورت سے طے کئے جائیں۔ عوام کی زبان بند کر کے اور ان کو بے خبر رکھ کر اجتماعی معاملات چلانا خیانت اور بد دیانتی ہے۔ انفرادی سطح پر اس کا تقاضا یہ ہے کہ عوام اپنے علم اور ایمان و ضمیر کے مطابق حق رائے دہی کا دستوری حق استعمال کریں۔ اگر وہ کسی لالچ، خوف یا محض سیاسی گروہ بندی کی بنیاد پر اپنے ضمیر کے خلاف رائے دیں تو یہ درحقیقت خیانت ہے۔

## پاکستان میں جمہوری نظام کے استحکام کے لئے تجاویز و سفارشات

ا) عزم مسلسل بنیادی اور انقلابی تبدیلیوں کے ذریعہ پاکستان کو حقیقی معنوں میں آزاد، خود مختار اور عالم اسلام کی قیادت کرتا ایک ترقی یافتہ اور باوقار پاکستان بنایا جا سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کے وہ تمام عناصر جو



Marfat.com

ملکی حالات سے غیر مطمئن اور اصلاح احوال کے خواہاں ہیں، وہ مل جل کر مؤثر سیاسی جدوجہد کے ذریعے نظام کو بدلنے کی کوشش کریں۔

۲) قیام پاکستان کے حقیقی مقاصد، اس کی منزل اور ترجیحات کے بارے میں یکسوئی ہو اور وہ تمام دینی اور سیاسی عناصر جو اسلام، جمہوریت، عدلِ اجتماعی اور خود انحصاری پر یقین رکھتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے قریب آئیں اور اصولوں پر پختہ ایمان رکھنے والی باکردار قیادت کو قوم کے سامنے لائیں۔

۳) قابل اور متدین حکام کا انتخاب کیا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نئی قیادت عوام میں سے اُبھرے اور اپنے اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دستورِ پاکستان میں مرقوم معیار پر پوری اُترے۔

۴) مغربی اقوام سے محتاجی کا جو رشتہ قائم ہو گیا ہے جو اب صرف پالیسیوں تک محدود نہیں بلکہ انتظامی تعلق بن گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں سیاسی، عسکری، معاشی اور تہذیبی ہر میدان میں بیرونی ممالک اور قوتوں کا اثر و نفوذ بڑھ کر اس مقام پر پہنچ چکا ہے، جہاں وہ پاکستان کی آزادی، خود مختاری اور نظریاتی شناخت کو متاثر کر رہا ہے۔ نئی آزاد خارجہ پالیسی کی تشکیل اب ملک کی آزادی اور سلامتی کے لیے ازبس ضروری ہو گئی ہے، لہٰذا آزاد خارجہ پالیسی تشکیل دے کر اس کی مؤثر تنفیذ کی جائے۔

۵) شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کو جلد اور ایک متعین شکل دے کر مسئلے کے اصل سیاسی، معاشی اور تعلیمی ذرائع سے حل کی طرف بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے

۶) سول انتظامیہ اور پولیس کا ایسا انتظام کیا جائے جو ان کی آزاد اور غیر سیاسی حیثیت کو مستحکم کر سکے۔ ریاستی ادارے حکمران پارٹی کے سیاسی آلہ کار نہ ہوں۔ اداروں کو دستوری تحفظ دیا جائے، نیز ان کی تربیت اور وسائل دونوں کا اہتمام کیا جائے۔

۷) قومی زندگی سے کرپشن کا خاتمہ اور اس کے لیے ہر سطح پر مؤثر مہم ہے۔

۸) سماجی اور معاشی پالیسی کا از سر نو جائزہ لیا جائے، جس کا ہدف صحیح تعلیم کا فروغ، علاج کی سہولتوں کی فراہمی، غربت اور بے روزگاری کا خاتمہ اور روزگار کے مواقع کی فراہمی اور ایسی معاشی اصلاحات ہوں، جن سے سود، قمار اور ہر طرح کے استحصال کا خاتمہ ہو، دولت کی تقسیم منصفانہ ہو سکے اور تمام انسانوں کو زندگی کی جائز ضروریات مل سکیں۔

۹) تمام ممالک کے ساتھ برابری، انصاف، پُرامن بقائے باہمی اور عدم مداخلت کی بنیاد پر تعلقات استوار کئے جائینگے

۱۰) تمام بین الاقوامی معاہدات پارلیمان کے توسط سے کئے جائیں گے۔

مذکورہ بالا نکات پر عمل کر کے پاکستانی قوم ایک بار پھر اسلام کے حیات بخش نظام کے قیام کے لیے متحد اور سرگرم عمل ہو سکتی ہے اور چمن میں اس کی روٹھی ہوئی بہار واپس آسکتی ہے۔

## حوالہ جات و حواشی

۱- الأصبهاني، أبو نعيم أحمد بن عبد الله، دلائل النبوة، مَا حَدَثَ مِنَ الْمُعجِزَاتِ فِي غَزْوَةِ بَدْرٍ، دار



Marfat.com

النفائس، بیروت، الطبعة: الثانية، ١٤٠٦ھ - ١٩٨٦م، رقم الحدیث ٤٠٨

٢- البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي، أبو بكر، دلائل النبوة، بَابُ ذِكْرِ مَا أُرِيَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي مَنَامِهِ مِنْ شَأْنِ الْهِجْرَةِ وَأُحُدٍ، دار الكتب العلمية، دار الريان للتراث، الطبعة: الأولى - ١٤٠٨ھ - ١٩٨٨م، ٣/٢٠٤

٣- شبلی نعمانی، شمس العلماء، الفاروق، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ١٩٧٦ء، ص ١٩٣

٤- مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، كتاب الْفَضَائِلِ، بَابُ وُجُوبِ امْتِثَالِ مَا قَالَهُ شَرْعًا، دار إحياء التراث العربي، بیروت، رقم الحدیث ٢٣٦٣

٥- اصلاحی، امین احسن اصلاحی، مولانا، اسلامی ریاست، دارالتذکیر، ٢٠٠٦، ص ٢٧

٦- ایضاً، ص ٢٨

٧- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، مقالاتِ حمید اللہ، مرتبہ زیبا افتخار، قرطاس، ٢٠٠٤ء، ص ٧٦

٨- آل عمران ٣: ١٥٩

٩- الشوریٰ ٤٢: ٣٨

١٠- جامع الترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ٧٨ متی یکون ظہر الارض، رقم الحدیث ٢٢٦٦

١١- السیوطی، عبد الرحمٰن بن أبی بکر، جلال الدین، جامع الاحادیث، الہمزۃ مع الیاء، رقم الحدیث ١٠٥٦

١٢- ابن هشام، أبو محمد، عبد الملك، جمال الدين، السيرة النبوية، مَقَالَةُ ابْنِ الزِّبَعْرَى، وَمَا أَنْزَلَ اللهُ فِيهِ شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، ١٣٧٥ھ - ١٩٥٥م، ١/٣٥٩

١٣- الکافرون ١٠٩: ١ - ٦

١٤- اقبال احمد صدیقی، قائد اعظم: تقاریر و بیانات، بزم اقبال لاہور، آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں اجلاس ٢٢ مارچ ١٩٤٠ء، مطبوعہ نومبر ١٩٩٧ء، ٢/٣٥٩

١٥- البيهقي، أبو بكر، أحمد بن الحسين بن علي، شعب الإيمان، فَصْلٌ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ عَنِ الْمُفَاخَرَةِ بِالْجِمَاعِ، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، ١٤٢٣ھ - ٢٠٠٣م، رقم الحدیث ٤٧٧٤

١٦- محمد اقبال علامہ، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، بزم اقبال لاہور، ١٩٨٦ء، چھٹا خطبہ الاجتہاد فی الاسلام، ص ٢٧٠

١٧- دیکھئے: غازی، محمود احمد ڈاکٹر محاضرات سیرات، الفیصل ناشران لاہور، ٢٠١٢، مطالعہ سیرت دور جدید میں، ٦٤٣-٦٩٢

١٨- احمد سعید، اقبال اور قائد اعظم، اقبال اکادمی لاہور، ١٩٧٧ء، خط نمبر ٧، ص ٧١

١٩- دیکھئے: غازی، محمود احمد ڈاکٹر محاضرات سیرات، مطالعہ سیرت دور جدید میں، ٦٤٣ - ٦٩٢



Marfat.com

۲۰- Government of Pakistan, The Constitution of The Islamic Republic of Pakistan, PLD Publishers, Preamble

۲۱- Ibid, Article 230

۲۲- Ibid, Article 41-47

۲۳- Ibid, Article 218 (3)

۲۴- النساء ۴: ۵۸

۲۵- علامہ محمد اقبالؒ، کلیات اقبال اردو، بانگ درا، شکوہ، اقبال اکادمی پاکستان لاہور،، ص ۱۹۸

۲۶- فرنٹیر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام پیغام، ۱۵ جون ۱۹۴۵ء، قائد اعظم: تقاریر و بیانات، ۱/ ۴۳۸

۲۷- احمد سعید، اقبال اور قائد اعظم، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء، خط نمبر ۷، ص ۷۱

۲۸- امریکا کے عوام سے نشری خطاب، کراچی، فروری ۱۹۴۸ء، قائد اعظم: تقاریر و بیانات، ۴/ ۴۲۱

۲۹- سعید راشد، قائد اعظم گفتار و کردار، قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

۳۰- See: http/www.amnesty.org/en/region/Pakistan/report-2014

۳۱- ڈاکٹر صفدر محمود، قرارداد مقاصد میں وارث، طیب اقبال پرنٹرز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۲۹۹

۳۲- Government of Pakistan, The Constitution of The Islamic Republic of Pakistan, PLD Publishers, Article (A)



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

طیبہ رزاق*

ابتدائیہ:

قیام پاکستان ایک تاریخ ساز واقع ہے۔ مقصد قیام پاکستان جہاں زوال پذیر برطانوی استعمار اور ابرھتے ہوئے ہندو سامراج کی گرفت سے آزادی تھا وہاں اس سے زیادہ یہ ایک نظریاتی اور تہذیبی احیاء کی تحریک تھی جس کا مقصد برعظیم کے ان علاقوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں کے لوگوں کو اپنے دین، ایمان، تصور حیات، روایات اور ملی عزائم کی روشنی میں آزاد فضاء میں ایک روشن مستقبل کی تعمیر کا موقع فراہم کرنا تھا۔ سیاسی آزادی اور دینی و تہذیبی تشکیل نو کا مقصد، یہ پاکستان کے دو اہداف تھے جو ایک تصویر کے دو رخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دونوں کا ناقابل انقطاع تعلق ایک اسلامی جمہوری پاکستان کی قوت کا راز ہے۔ ان میں تفریق اور امتیاز بگاڑ اور خرابی کی اصل وجہ ہے۔ پاکستان کی بنیاد اسلام کا تصور قومیت ہے۔ جس کی روشنی میں قوم کی آزادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل نوع کے لیے مملکت کا حصول عمل میں آیا۔ پاکستان کی اصل بنیاد اور روح یہ تھی کہ برعظیم ہند میں مسلمان محض دوسری اکثریت نہیں بلکہ ایک نظریاتی قوم ہیں۔ قیام پاکستان کا اصل ہدف ایک ایسے معاشرے اور ریاست کا قیام تھا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی وفاداری اور ان کی تعلیمات کی آئینہ دار ہو جو انہوں نے انسانیت کو عطا کی ہیں۔ جہاں اخلاقی اقدار کو بالادستی حاصل ہو۔ افراد کے حقوق کا تحفظ نیز ہر مرد و عورت کے جان، مال اور آبرو کا تحفظ ممکن ہو۔ جہاں تعلیم کی روشنی بلا تخصیص، مذہب و عقیدہ ہر فرد کو حاصل ہو۔ عدل اجتماعی کا بول بالا ہو اور حاکم عوام کے خادم ہوں۔ جس کی مثال عہد نبوی اور پھر خلفائے راشدین کا زمانہ ہے۔

جمہوریت کا مفہوم:

جمہوریت کا لفظ عربی مصدر "جم" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "لوگ" جم کی جمع جمہور ہے گویا اس سے مراد لوگوں کی حکومت ہے۔ "وجمھور کل شیءٍ معظمہ وجمھور الناس جُلھم۔" (۱)

جمہوریت یونانی زبان کے دو الفاظ Demos اور Krates سے عبارت ہے جن کے معنی علی الترتیب لوگ اور حکومت ہیں۔ (۲)

* لیکچرار، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور / ایم فل سکالر، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور



Marfat.com

جمہوریت سے مراد عوام کی حکومت ہے۔ جمہوری نظام ایسے نظام سیاست کو کہتے ہیں جس کے تحت لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاسی معاملات میں شرکت کر سکیں۔ نظریاتی اعتبار سے ایک جمہوری نظام میں کسی مخصوص طبقہ کو سیاسی معاملات پر اجارہ داری حاصل نہیں ہوتی، بلکہ تمام شہریوں کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

## جمہوریت (مختصر پس منظر):

موجودہ دور جمہوریت کا دور ہے۔ جدید جمہوریت نے ایک ترقی یافتہ ضابطۂ حیات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جمہوریت کو یہ ترقی اور ہمہ گیری ڈھائی ہزار سال کی جدوجہد اور کشمکش کے بعد ملی۔ یوں تو جمہوریت ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے، پھر مختلف صورتوں میں ڈھلتی بھی رہی۔ لیکن مطلق العنان نے ہمیشہ اس کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جمہوریت کہیں تو ملوکیت سے متصادم ہوئی کبھی عیسائیت سے، کبھی آمریت سے برسرپیکار رہی اور کبھی شہنشاہیت سے۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد اس کو فاشیت اور نازیت کا مقابلہ کرنا پڑا اور دوسری جنگ عظیم کے بعد سوشلزم کا سامنا رہا۔ لیکن آخر کار جمہوریت زیادہ شدت اور تنظیم و استحکام کے ساتھ آگے بڑھی اور عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی۔

## جمہوریت کے اساسی اصول و ہیئت ترکیبی:

جمہوریت سے مراد "عوام کی حکومت" ہے اور جمہوری نظام ایک ایسے نظام سیاست کو کہتے ہیں جس کے تحت لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاسی معاملات میں شرکت کر سکیں۔ ایک جمہوری ریاست میں ایسے ادارے موجود ہوتے ہیں جن کے ذریعے رائے عامہ کا اظہار ہو سکتا ہے۔ ملکی نظم و نسق رائے عامہ کی خواہشات کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ عوام کی نمائندہ حکومت عوامی مفادات کے لیے سرگرم عمل رہتی ہے۔ ایک جمہوری ریاست میں کسی مخصوص طبقہ کو سیاسی معاملات پر اجارہ داری حاصل نہیں ہوتی بلکہ تمام شہریوں کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

سیاسی مفکرین کے نزدیک جمہوریت ایک مکمل فلسفہ زندگی ہے جو افراد کے نہ صرف سیاسی بلکہ سماجی ثقافتی اور معاشی روابط کو نئے سرے سے استوار کرتا ہے۔ چنانچہ معاشی مساوات، شہریوں میں جذبہ تعاون، اخلاقی اصولوں کی پاسداری اور میانہ روی جیسی خصوصیات کو جمہوریت کے لیے لازم گردانا جاتا ہے۔ بلاشبہ سیاسی آزادی جمہوریت کی اساس قرار پاتی ہے۔ انتخابات کے ذریعہ منتخب شدہ حکومت کا طرز عمل عموماً جمہوری طریق کار کے مطابق ہوتا ہے۔

جمہوریت کے لوازمات میں رواداری، معاشی عدل، شہریوں کو بنیادی ضروریات و حقوق کی فراہمی، آئین و قانون کی بالادستی، سیاسی اختیار میں اخلاقی و قانونی حد بندی کا التزام کرنا ہے۔

جمہوریت کے تین اہم اور بنیادی اصول ہیں: ۱-اقتدار اعلیٰ عوام کو حاصل ہے۔ ۲-بنیادی آزادی، انسانی مساوات اور انصاف؛ ۳-بالغ رائے دہی، کثرت رائے اور مشاورت۔(۳)

جمہوری ریاست کی ہیت ترکیبی حاکمہ (Executive) مقننہ (Legislature) اور عدلیہ (Judiciary) ہیں۔ مقننہ کا اختیار ہے کہ وہ تنظیم اور قانون سازی کے طریق کار سے متعلق قواعد و ضوابط کا اجراء



Marfat.com

کرے۔ مقننہ پوری قوم کی نمائندہ ہوتی ہے۔ مقننہ کے بتائے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے کا شعبہ عاملہ حکومت کا ہے۔ جبکہ عدلیہ کا کام جمہوری ریاست میں عدل کا قیام ہے۔

## پاکستان کا جمہوری و سیاسی نظام... تاریخی جائزہ

دورِ حاضر میں پاکستان کے جمہوری نظام کی ساخت کے تین ستون یا شاخیں ہیں جو کہ مقننہ (Legislature) انتظامیہ اور عدلیہ کہلاتی ہیں۔

### مقننہ:

مقننہ کا کام قانون سازی ہے۔ اراکین کی تعداد کا تعین کرتے ہوئے اس بات کو مد نظر رکھا جاتا ہے کہ تمام مکتبہ ہائے فکر کی مناسب نمائندگی ہو سکے۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں محمد علی بوگرا نے آئین ساز اسمبلی میں اپنا آئینی فارمولا پیش کیا۔ اس فارمولا کے مطابق وفاقی مقننہ دو ایوانوں یعنی ایوان بالا اور ایوان زیریں پر مشتمل ہو گی۔ ایوان بالا کی تعداد ۵۰ ہو گی جو کہ پاکستان کے پانچ یونٹوں میں یکساں تقسیم ہو گی۔ ایوانِ زیریں ۳۰۰ اراکین پر مشتمل ہو گا۔

| علاقے / صوبے | ایوان بالا | ایوان زیریں | میزان |
|---|---|---|---|
| مشرقی پاکستان | ۱۰ | ۱۶۵ | ۱۷۵ |
| پنجاب | ۱۰ | ۷۵ | ۸۵ |
| سندھ / خیر پور | ۱۰ | ۱۹ | ۲۹ |
| سرحد، قبائلی علاقہ جات، سرحدی ریاستیں | ۱۰ | ۲۴ | ۳۴ |
| بلوچستان، سٹیٹس یونین بہاولپور، کراچی | ۱۰ | ۱۷ | ۲۷ |
| میزان | ۵۰ | ۳۰۰ | ۳۵۰ |

ادھر مرکز میں آئین سازی کا کام جاری تھا کہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ایمر جنسی نافذ کر کے اسمبلی توڑنے کا اعلان کر دیا۔(۴)

ڈیڑھ برس کے مختصر عرصہ میں گورنر جنرل غلام محمد کی طرف سے دوسرا اقدام تھا اس سے بیشتر وہ ناظم الدین کی کابینہ توڑ چکے تھے۔ ۱۹۵۸ء میں آئین کے نفاذ کے بعد عام انتخابات کا دعویٰ ۱۹۵۸ء میں پورا نہ ہوا کیونکہ جنرل ایوب نے مارشل لاء نافذ کر دیا اور اسمبلی برخاست کر دی اور اپنا سیاسی فلسفہ "کنٹرولڈ ڈیموکریسی" صدارتی انتخاب متعارف کرایا ۱۹۶۱ء میں قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں دستور نافذ ہو گیا۔ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے بعد معاہدہ تاشقندی کی وجہ سے اس کے خلاف زور دار عوامی تحریک چلی جس کے نتیجے میں جنرل یحییٰ خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے قومی و صوبائی اسمبلیاں توڑ دیں اور ۱۹۶۲ء کا آئین بھی منسوخ کر دیا۔ یحییٰ خان نے لیگل فریم ورک آرڈر جاری کر دیا۔ اس فارمولے کے تحت ۱۹۷۱ء کو انتخابات منعقد کروائے، ۱۹۵۶ء کا آئین چند ترامیم کے ساتھ بحال ہوا۔ انتخابات کے بعد قومی اسمبلی کی تشکیل کے مرحلے میں بھٹو نے بعض شرائط عائد کریں جبکہ شیخ مجیب الرحمن



Marfat.com

نے بھی غیر لچک دار رویہ اختیار کیا۔ یحییٰ خان نے بھی ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اجلاس ملتوی کر دیا جس کے خلاف مشرقی پاکستان میں ہنگامے پھوٹ پڑے۔ اور سول نافرمانی کی تحریک چلی۔ بالآخر مشرقی پاکستان علیحدگی کا نقطہ آغاز بن گیا۔ یوں متحدہ پاکستان کی یہ آخری قومی اسمبلی بھی اپنی مقررہ معیاد بلکہ اپنا پہلا جلاس منعقد ہونے سے قبل ہی منقسم ہو گئی۔

۱۹۷۳ء میں ایک مسودہ آئین ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں عمل میں آیا۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کر کے آئین معطل کر دیا۔ عبوری حکومت تشکیل دی۔ ریفرنڈم کروایا اور ایک طویل عرصہ تک سلطنت پہ قابض رہا اور آئین میں بہت سی ترامیم واضافے کیے۔ ۱۹۸۸ء کو پہلی خاتون وزیر اعظم بے نظیر بھٹو بنیں۔ کچھ تبدیلیوں کے ساتھ ۱۹۷۳ء کے آئین کو ہی بحال رکھا، تاحال ۱۹۷۳ء کا دستور ہی کچھ ترامیم واضافے کے ساتھ نافذ العمل ہے۔

## عاملہ Executive:

پاکستان کی حکومت کا اہم شعبہ جو مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین کو نافذ کرتا ہے۔ عام مفہوم کے اعتبار سے عاملہ میں ایسے تمام شعبے شامل ہیں جو انتظام مملکت میں سرگرم عمل ہوں۔ یعنی ایسے اعلیٰ عہدیداران مثلاً صدر، وزراء، وفاقی وزراء، وزرائے مملکت، اسپیکر قومی اسمبلی، چیئرمین سینٹ، وغیرہ سے لے کر لاتعداد ماتحت افسران، وغیرہ تمام عاملہ ہی کی انتظامی مشینری کے کل پرزے شمار ہوتے ہیں۔ مگر خالص سیاسی مفہوم کے اعتبار سے عاملہ کا اطلاق صرف ان چند افراد پر ہوتا ہے جو انتظامی پالیسی کو نافذ کرنے کے اصل ذمہ دار ہیں۔ انہیں سول ملازمین کہا جاتا ہے۔ یہی شعبہ پاکستانی ریاست کے دفاعی امور اور امور خارجہ سے متعلق معاملات کی نمائندگی کرتا ہے۔ سیاسی عاملہ میں سربراہ مملکت مختلف وزراء، مختلف انتظامی شعبوں کے سربراہ اور مشیر وغیرہ شامل ہیں۔ نظم و نسق سے متعلق ادارے اور ایجنسیاں بھی قابل ذکر کام سرانجام دیتی ہیں۔

اختیارات کی تقسیم کے لیے پاکستان میں صدارتی طرز حکومت اور پارلیمانی طرز حکومت دونوں عمل میں آچکی ہیں۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کی آٹھویں ترمیم کی رو سے صدر مملکت اور وزیر اعظم کے مابین اختیارات کی تقسیم میں توازن پیدا کیا گیا۔

## عدلیہ:

جمہوریت کا تیسرا ستون عدلیہ ہے۔ عربی میں عدالتی نظام کو نظام القضاء کہا جاتا ہے، القضاء کے معنی "الحکم بین الناس" (۵) لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے ہیں۔

قضاء کو حکم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں حکمت پائی جاتی ہے کہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھ دیا جاتا ہے جس کا جو حق بنتا ہے اسے دیا جاتا ہے۔ ظالم کو ظلم سے روکا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:



Marfat.com

{وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ} (٦)

اور پھر تاکید کرتے ہیں جو اللہ نے نازل فرمایا اس کے مطابق فیصلہ کرنا۔

{اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ} (٧)

اے پیغمبر! ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تا کہ اللہ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کرو۔

کسی بھی حکومت کے استحکام کا دارومدار عدل وانصاف کے قیام اور اس کے استقرار سے ممکن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ ریاست میں آپ بذات خود چیف جسٹس تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دیوانی و فوجداری مقدمات کی سماعت ہوتی۔ گویا عدلیہ کی بنیادیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے ثابت ہیں۔

پاکستان میں آئین کے مطابق نظام عدل کا قیام عدلیہ کی ذمہ داری ہے۔ پاکستان میں نظام عدل کے قیام کے سلسلے میں عدلیہ کی روایات شروع سے ہی رخشندہ رہیں۔ عدلیہ نے ہر دور میں شخصی آزادیوں کا تحفظ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری میں اعلیٰ عدالتوں نے عدل و انصاف اور غیر جانبداری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ پاکستان میں شروع سے ہی عدالتوں کا سلسلہ قائم رہا۔ عدالتی سلسلہ میں سب سے نچلی سطح مجسٹریٹ اور سول ججوں کی عدالتیں ہیں جبکہ اوپر کی سطح پر ہر صوبہ میں ایک ہائی کورٹ قائم ہے اور ان سب پر ایک سپریم کورٹ قائم کی گئی۔ ہائی کورٹ کا دائرہ سماعت صرف ایسے مقدمات تک ہی محدود نہیں جو صوبائی قانون کے دائرے میں آتے ہیں بلکہ وہ دستوری قانون سے متعلق مقدمات کی سماعت کرتی ہیں۔

حکومت پاکستان میں وفاقی ریاستوں میں مرکزی اور علاقائی حکومتوں کے مابین اختیارات کی تقسیم آئینی طور پر کر دی جاتی ہے اور آئین کو پورے نظام میں بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ مرکزی و علاقائی دائرہ عمل کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے تنازعات کا تصفیہ کرنے کے لیے ایک آزاد، بااختیار اور غیر جانب دار ادارہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام بالعموم سپریم کورٹ کو دیا جاتا ہے۔ عدلیہ کو آزاد اور خود مختار رکھنے کے لیے آئین میں متعدد شقیں موجود ہیں۔ ججوں کو بیرونی دباؤ سے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ تا کہ فرائض منصبی پوری آزادی اور غیر جانبداری سے ادا کر سکیں۔

ججوں کے تقرر کے لیے چھوٹی عدالتوں کے ججوں کے مقابلے کے امتحان کے ذریعے چناؤ کیا جاتا ہے تا کہ لائق اور دیانت دار افراد جج مقرر ہوں۔ پاکستان کے آئین کی ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں ترمیم کے مطابق اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کے تقرر کے لیے پاکستان کے چیف جسٹس کی سربراہی میں ۹ رکنی عدالتی کمیشن قائم کیا جاتا ہے نیز ایک آٹھ رکنی پارلیمانی کمیٹی بھی فعال کی جاتی ہے۔ دونوں مل کر ججوں کے تقرر کے لیے ایک متفقہ نام تجویز کرتے ہیں۔ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین کی رو سے اعلیٰ عدالتی کمیشن کی تحقیقاتی رپورٹ کی بناء پر صدر ججوں کو معزول بھی کر سکتا ہے۔ ججوں کی آزادی اور وقار کو برقرار رکھنے کے لیے معقول تنخواہیں اور بے شمار مراعات بھی حکومت پاکستان کی جانب سے حاصل ہیں۔



Marfat.com

## اسلام کا تصور جمہوریت وسیاسی نظام...پاکستان کے تناظر میں:

شریعت اسلامیہ کا بنظر عمیق مطالعہ کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے اسلامی حکومت کے بنیادی عناصر جن میں خطہ زمین، آبادی یا قوم اور اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت اعلیٰ سب کا کسی نہ کسی طور تذکرہ فرمایا۔ عصر حاضر میں اس سلسلہ میں کوئی لگا بندھا ماڈل طے نہیں بلکہ انسانی بصیرت اور ضرورت پہ امور کو چھوڑا کہ معاشرتی وسماجی ضروریات کی بنیاد پر انسان کا اجتماعی شعور، ریاست اور حکومت کا جو نقشہ بنالے وہی موزوں ہے۔ تاہم اسلامی حکومت وسیاست کے بنیادی اصول فراہم کر دیے جو تہذیب وتمدن کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآن حکیم کا تصور حکومت ذمہ دار افراد کا منظم معاشرہ ہے جو اپنا حقیقی مقتدر اعلیٰ خالق کائنات کو مانتے ہوئے اس کے عطا کردہ اختیاراتِ حکومت اپنے میں سے اہل تر افراد کو سونپتے ہیں اور باہم مشاورت سے اپنے معاملات میں بہتری کی مثبت کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہو کر خوش گوار ماحول اور خوشحال معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ جس میں انصاف کا بول بالا ہوتا ہے۔ اور اطاعتِ احکام الٰہیہ کے لیے افراد ساز گار ماحول پاتے ہیں۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ نے انبیاءے کرام مبعوث فرمائے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

{لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ} (۸)

تحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

قبل اس کے پاکستان کے نظام جمہوریت کی اسلامی بنیادوں اور اس کے خدوخال کا جائزہ لیں، یہ دیکھنا لازم ہے کہ اسلام کے دستوری قانون اور جمہوری وسیاسی نظام میں مذہب اور سیاست کا باہم تعلق کیا ہے؟ کیونکہ ہمارے ہاں جو جمہوری نظام رائج ہے وہ اہل مغرب کا نظام ہے۔ اہل مغرب کے ہاں مذہب اور سیاست دو الگ الگ نظام ہیں۔

مروجہ سیاست اور اس کے تمام اطوار کم وبیش یورپ سے درآمد ہوئے ہیں لہٰذا مغرب گزیدہ لوگوں نے سوچ کر کہ ایسی سیاست کا دین اسلام سے کوئی جوڑ نہیں انہوں نے نعرہ لگایا:

"دین وسیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں۔"

ان کا نعرہ ان کے الحاد وبے دین ہونے کا اظہار ہے۔ اہل مغرب کے ہاں سیاست کے کوئی رہنما اصول نہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس پہلو پر جامع رہنمائی وروشنی پائی جاتی ہے کہ سیاست دین سے جدا نہیں بلکہ دین کا اہم شعبہ ہے۔ مروجہ نعرہ مغرب پرست لوگوں کا پھیلایا ہوا ہے۔ (۹)

بقول اقبال:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو ؎<br>
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

کسی بھی ریاست کی ہیت حاکمہ یا حکومت اس کا انتہائی اہم حصہ ہوتی ہے۔ ریاست اور حکومت عموماً دونوں



Marfat.com

کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے حالانکہ ان کے درمیان فرق برقرار رکھنا لازمی ہے کیونکہ ریاست کل ہے جبکہ حکومت اس کا جزو ہے، گویا جز سب سے اہم ہے۔ ریاست اپنے اختیارات کے استعمال کے لیے نیز اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حکومت کے ادارے کی محتاج ہے۔ دراصل ریاست کے مقاصد کا تعین بھی حکومت ہی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ حکومت کے عناصر ترکیب اس کا اندازِ حاکمیت پورے تہذیب تمدن پر گہرے اثرات رکھتا ہے۔ اسلامی ریاست میں قرآن وسنت کے مطابق اقتدارِ اعلیٰ کا تصور، آئین ودستور سازی کا فلسفہ، عمال حکومت کا انتخاب اور عوام الناس کی حکومت میں شرکت کسی بھی اسلامی حکومت کا خاصہ رہی ہے۔

حاکمیت الٰہیہ کے تصور کی بنیاد قرآن حکیم کی یہ آیات مبارکہ ہیں:

{اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ} (۱۰) خبردار اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔

انسانوں کا حقیقی فرماں روا اور حاکم بھی وہی ہے جو کائنات کا حاکم و فرمانروا ہے۔ انسانی معاملات میں حاکمیت کا حق اُسی کو پہنچتا ہے اس کے سوا کوئی انسانی یا غیر انسانی طاقت بطور خود حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ اللہ اپنی حاکمیت بزور مسلط نہیں کرتا بلکہ الہامی کتابوں کے ذریعے سے جن میں یہ آخری کتاب قرآن ہے۔ سب کو دعوت دیتا ہے۔ شعور وارادہ کے ساتھ اس کی حاکمیت تسلیم اور اس کی اطاعت اختیار کریں۔ (۱۱)

کسی ریاست میں سب سے بالا اختیار (جو سب کا حاکم ہو اور اس کے اوپر کوئی اور حاکم نہ ہو) کا نام اقتدارِ اعلیٰ ہے۔ پاکستانی جمہوریت میں یہ حکمرانوں کا انتخاب عوام کی اجتماعی ملکیت مانا جاتا ہے۔ جس کو انتخابات کے ایک نظام کے تحت اپنی نمائندہ حکومت کے حوالے کرتے ہیں۔ ریاست اسلامیہ کی سنہری تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ نہ تو کسی فرد واحد کو حاصل تھا اور نہ ہی افراد کے کسی ادارے کو یا اکثریتِ افراد کو بلکہ مقتدرِ اعلیٰ صرف اور صرف خالق کائنات کو تسلیم کیا گیا۔ اس کے عملی اظہار کی صورت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ تھی۔ اسلامی حکومت میں اقتدارِ اعلیٰ کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ بلاشرکت غیرے مقتدر و حاکم کائنات ہے۔

{قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ} (۱۲)

کہہ دو کہ اے اللہ الملک کے مالک! تو جسے چاہے، حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے، بھلائی تیرے اختیار میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

## پاکستان کے نظام جمہوریت کی اسلامی بنیادیں:

مملکتِ پاکستان کی جمہوریت کا آئین اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ہمارے دستور کا اولین بنیادی قاعدہ حاکمیت الٰہیہ صرف اللہ کی ذات کی ہے۔ کسی شخص یا ادارہ کو مطلق العنان بن کر کام کرنے کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ اس کو لازماً قانونِ خداوندی کے تحت رہ کر ہی کام کرنا ہے اس قانون کا اصل مآخذ کتاب اور سول کی سنت ہے۔ یہی



Marfat.com

اصل الاصول ہے۔ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد ارشادات میں صراحت سے بیان فرمایا:

علیکم بکتاب اللہ احلوحلالہ وحرمواحرامہ۔(۱۳)

تم پر لازم ہے کتاب اللہ کی پیروی کرو، جس چیز کو اس نے حلال کیا ہے، اُسے حلال کرو اور جس کو اس نے حرام کیا ہے، اُسے حرام کرو۔

شریعت اسلامیہ کی رو سے اسلامی ریاست کا دستور جن بنیادی اصولوں پر قائم ہو گا وہ یہ ہیں:

{يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ} (۱۴)

یہ آیت چھ دستوری نکات واضح کرتی ہے:۱-اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر ہر اطاعت پر مقدم ہونا۔ ۲-اول الامر کی اطاعت اللہ ور سول کی اطاعت کے بعد۔ ۳-اولی الامر اہل ایمان میں سے ہو۔ ۴-لوگوں کو حکام اور حکومت سے نزاع کا حق ہے۔ ۵-نزاع کی صورت میں حتمی فیصلہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون ہے۔ ۶-نظام حکومت ایسا ہو کہ اولی الامر اور عوام کے دباؤ سے آزادرہ کر اس بالاتر قانون کے مطابق جملہ نزاعات کا فیصلہ دے سکے۔(۱۵)

انسانی زندگی ایک اکائی ہے اسے خانوں میں بانٹا نہیں جاسکتا۔ مذہب زندگی کے تمام گوشوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو یہ فریضہ سونپا تھا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آخری نبی تھے جن پر اللہ نے اپنی ہدایت مکمل کی تاکہ مثالی معاشرہ و مثالی تہذیب قائم کریں۔

پہلی اسلامی ریاست مدینہ کی طرف ہجرت سے قبل ہی درج ذیل آیات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اقتدار اور ریاست کے حصول کی دعا سکھائی گئی۔

{وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا}(۱۶)

اس آیت کی تشریح میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

یعنی یا تو مجھے خود اقتدار عطا فرمایا یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنادے تاکہ اس کی طاقت سے میں دنیا کے اس بگاڑ کو درست کرسکوں۔ فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کرسکوں۔(۱۷)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے بزرگ وبرتر کے عطا کردہ اختیارات کو بطور شارع اور شارح کے استعمال کیا اور حاکمیت الٰہیہ قائم کی۔ اس حاکمیت کے قیام میں عوام الناس کی تائید و مرضی شامل تھی۔ گویا حاکم وقت کی رضاکارانہ اطاعت اور شعوری محکومیت کے فیصلہ کا اعلان کیا جس کو باقاعدہ قانونی اور آئینی حیثیت ہوئی تھی۔

ہمارے یہاں رائج نظام جمہوریت میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف دو گروہ ضروری ہیں اور فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ یہ مغربی طرز جمہوریت ہے کہ جس میں سروں کو گنا تو جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ پاکستان میں انتخابی مہمات کے دوران پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ پھر قوم کے یہ منتخب نمائندگان ایوان اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں۔



Marfat.com

خود قائد اعظم نے اپنی ۱۹۳۶ء کی تقریر میں قیادت کے لیے مطلوبہ معیار کی نشاندہی کی تھی۔ انہوں نے طلباء کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

"ملکی حالات کا بغور مطالعہ کیجئے، تجزیہ کیجئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے اس بات کو یقینی بنائے کہ Legislation مقننہ میں دیانت دار، حقیقی مخلص اور محب وطن نمائندے پہنچیں۔"

اسلام کے سیاسی نظام میں اور پاکستان میں رائج مغربی طرز سیاست میں بنیادی فرق سربراہ مملکت / حکومت کے انتخاب کا طریق کار ہے۔ اسلام میں سربراہ مملکت کے انتخاب کے سلسلہ میں ہر کس وناکس کو (رائے دہی) ووٹ کا حق نہیں دیتا بلکہ یہ حق صرف اہل الحل والعقد کو تفویض کرتا ہے۔ اہل الحل والعقد غور وفکر کرکے ایک امیر مملکت کا انتخاب کرتے ہیں۔

اہل حل والعقد کے لیے دین نے شرائط دی ہیں:

۱-عقائد اسلام میں رسوخ ومضبوطی۔ ۲-زکورہ ۳-علم دین میں رسوخ ۴-تقویٰ وتصلب فی الدین ۵-ملکی حالات وسیاسیات حاضرہ میں بصیرت نامہ (۱۸)

مروجہ جمہوریت میں سربراہ مملکت خود مختار نہیں ہے بلکہ مقننہ کے فیصلے کا پابند ہے جبکہ اسلامی جمہوریت میں امیر المومنین خود مختار ہوتا ہے۔ اہم امور میں اہل حل وعقد کے مشورہ کے تابع جس سے اس کی رائے میں صواب ہو، اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ شوریٰ کے فیصلہ کا پابند نہیں ہے۔

## پاکستان میں مروجہ جمہوریت میں صدارتی نظام رائج ہورہا ہے یا پھر پارلیمانی نظام؟

حکومت کے مروجہ طریقوں میں صدارتی طرز حکومت اسلام کے مزاج اور اصول سے قریب تر ہے۔ قرآنی حکم ہے۔

{يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ} (۱۹)

اے داؤد بے شک ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔

اسلامی حکومت میں حکم وفیصلہ کی تمام تر ذمہ داری خلیفہ وقت یعنی امیر المومنین پر ڈالی گئی ہے۔

جبکہ دیکھا گیا ہے کہ پارلیمانی طرز حکومت میں صدر پر ایسی ذمہ داری بالعموم نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں "یہ دونوں طریقے رائج رہے اور صدارتی طرز حکومت بالعموم طویل ڈکٹیٹر شپ کے ثمرات کے طور پر دیکھی گئی۔ اسلامی شریعت میں صدر یا امیر المومنین / اولی الامر کے لیے مسلم ہونے کی شرط قرآن حکیم میں آئی ہے:

{يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ} (۲۰)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔



Marfat.com

عصر حاضر میں صدارت طرز حکومت پر با آسانی عمل ہو سکتا ہے جس میں ولایت امر اور اقتدار اعلیٰ صدر مملکت کا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مسلمان ہونے کی شرط عملاً سہل ہے بخلاف پارلیمانی نظام حکومت کے کہ اس میں صدر مملکت محض ایک نمائشی چیز ہے۔

پارلیمانی نظام میں اصل اقتدار صرف پارلیمان کا ہوتا ہے اور پوری پارلیمان میں کسی غیر مسلم کو شامل کرنا عملاً دشوار ہے۔ اس لیے صدارتی طرز حکومت اصول اسلام کے قریب تر ہے۔(۲۱)

گویا مفتی محمد شفیع صاحب کے مطابق صدارتی نظام اسلام سے قریب تر ہے جبکہ حافظ عبدالستار الحماد کی رائے بھی اس رائے سے مطابقت رکھتی ہے۔

سربراہ مملکت کے انتخابات کے لیے اسلام نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کیا، چنانچہ منصب کے اہل افراد کے تقرر کے لیے جدید طریق انتخابات جائز ہے۔ واضح رہے کہ موجودہ الیکشن جمہوریت کی پیداوار ہے۔ صدر مملکت کے انتخاب کے لیے کوئی لگا بندھا قاعدہ مقرر نہیں بلکہ حالات کے پیش نظر اسلام میں اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔(۲۲)

اسلامی طرز حکومت اور سیاسی نظام میں سربراہِ حکومت کے انتخاب و تقرر کے ضمن میں مملکت کے تمام شہریوں کو حق رائے دہی حاصل نہیں بلکہ یہ حق صرف اہل حل و عقد کو ہی حاصل ہے۔ عوام پر یہ فرض ہے کہ انتخاب صدر مملکت کا فیصلہ ایسے اہل حل و عقد کے سپرد کریں جن میں انتخاب کی اہلیت بھی ہو۔ نصوص شرعیہ کے علاوہ عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صدر کا انتخاب ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لیے عقل کی ضرورت بھی ہے اور علم دین و تقویٰ کے بغیر عقل کامل نہیں ہو سکتی۔

پاکستانی معاشرہ میں صدارتی طرز حکومت میں انتخاب صدر کے ساتھ ۵ سالہ Tenure معینہ مدت کا عرصہ بھی متعین ہے۔ جبکہ شریعت اسلامیہ کی رو سے مدت انتخاب سے زیادہ اس منصب کے لیے منتخب ہونے والے افراد کا اہل اور مطلوبہ اوصاف کا حامل ہونا زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ جیسا کہ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے عہد میں دیکھنے میں آتا ہے کہ مدت کا تعین فی الحقیقت کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

### انتخابات اور حق رائے دہی:

وہ عمل جس کے ذریعے شہری اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں، انتخاب کہلاتا ہے۔ ووٹ دینے کے حق کو حق رائے دہی کہا جاتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف پولیٹیکل سائنس کے مطابق ووٹ سے مراد مجموعی فیصلوں کے لیے مجموعی طور پر انفرادی ترجیح ہے۔ جمہوری ملکوں میں ووٹ ہر شہری کا اہم سیاسی حق تسلیم کیا جاتا ہے اسی حق پر جمہوریت کی بنیاد ہوتی ہے۔

پاکستان میں انتخابات کے عمل میں حق رائے دہی کو ذمہ داری سے ادا کیا جاتا رہا اور کہیں صرف ذاتی مفاد کے لیے جعلی ووٹوں کا سلسلہ جاری رہا۔ انتخابی عہدے خواہ وہ قانون ساز ادارے یا پارلیمنٹ اور کونسل ہوں ووٹ قومی



Marfat.com

امانت تصور کیا جانا چاہیے۔ صرف دیانت دار، امانت دار، عدل و قسط اور تقویٰ جیسی صفات سے متصف اور اچھے کردار کے حامل امیدواروں کے حق میں استعمال کرنا چاہیے۔ نیز اس سلسلہ میں ترغیب و ترہیب، لالچ، طمع، اور رشوت سے اجتناب کو شرعی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

ملک میں انتخابات محض چند انتظامی نوعیت کی تبدیلیوں کے لیے منعقد نہیں کروائے جاتے۔ درحقیقت یہ پورے ملک کی زندگی کا انقلابی موڑ ہے۔ عصر حاضر میں جبکہ لڑائی اسلام اور لادینیت کی اور پاکستان کے بقاء اور فنا کی ہے۔ ہر باشعور شخص کے لیے جانبدار رہنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ایسے حالات میں ووٹ ڈالنا ہر شخص کی قومی امانت ہوتا ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت و گواہی کی سی ہے۔ جس طرح جھوٹی گواہی حرام و ناجائز ہے، اسی طرح موقع پر شہادت چھپانا حرام ہے۔ (۲۳)

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

{وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ} (۲۴)

اور تم گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص اس (گواہی) کو چھپائے اس کا دل گنہگار ہے۔

غلط ووٹ کو جھوٹی شہادت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی شہادت کو اکبر الکبائر میں شمار فرمایا ہے۔

ووٹ کے سلسلے میں جھوٹ بولنا بھی حرام اس پر کوئی معاوضہ نہ لینا بھی حرام۔ اس کو محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بھاری غلطی ہے۔ ووٹر جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں۔ شرعاً وہ اس بارے میں اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے، علم، عمل اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے جس کام اور منصب کے لیے یہ انتخابات ہو رہے ہیں۔ (۲۵)

## پاکستان میں جمہوری تاریخ میں سیاسی، عسکری، معاشی مسائل:

بدقسمتی سے پاکستان ایک طویل عرصہ تک جمہوری تجربات کی زد میں ہی رہا۔ جمہوریت کا دائرہ کار صرف حکومت چلانے تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ ملک کے نظام کو بطریق احسن چلانے کے لیے مساوات، احتساب، انصاف، آزادی اور جواب دہی جیسے بنیادی فضائل کی ادائیگی بھی ہے جو ہر طرز حکومت پر لاگو ہوتی ہے۔ خواہ پارلیمانی ہو یا صدارتی۔

سیاسی پارٹیوں کا وجود اور تصادم پر مبنی نظام، اقتدار کی ہوس، مثبت رویے کا فقدان اور منفی رویوں کی پاسداری اکثریت کی نمائندگی سے محرومی، جائز اور ناجائز دولت کا بے دریغ استعمال اور اس کے نتیجے میں عوام اور انسانیت کا استحصال۔ یہ تمام اثرات پاکستان کی جمہوری تاریخ نے قوم کو عطا کیے جس کی بناء پر جمہوری معاشرہ ہونے کے باوجود آج ۶۷ سال گزرنے کے بعد بھی ہم انہی بنیادی مسائل کا شکار ہیں جن کا شکار پہلے سے چلے آ رہے تھے۔

دوسری طرح دیکھا جائے تو مندرجہ ذیل مثبت پہلوؤں کا فقدان نظر آتا ہے جس میں ایک تو یہ ہے کہ پاکستانی عوام جمہوری شعور اور رویوں سے محروم نظر آتی ہے۔ پھر یہ کہ سیاست دانوں کا احتساب ہونا چاہیے۔ سیاست



Marfat.com

دانوں کو بھی جمہوری اصولوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔ مخلص سیاسی لیڈر سے قوم محروم ہے نیز اپوزیشن میں بھی متبادل اہل قیادت دکھائی نہیں دیتی۔ سیاست دان ہارنے کے بعد شکست تسلیم کرنے کی بجائے ایک دوسرے پہ کیچڑ اچھالتے ہیں اور فتح کی صورت میں آپے سے باہر ہو کر اسلحہ کی طاقت کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مزید یہ کہ انتخابات کے دوران خاص طور پر نظم و ضبط کا فقدان دکھائی دیتا ہے۔ پاکستانی سیاست دھوکہ دہی، جعل سازی اور دھاندلی میں ملوث دکھائی دیتی ہیں۔ پاکستان میں سیاسی پارٹیاں باہم متصادم نظر آتی ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کی وجہ سے

تمام معاشرہ نظریاتی طبقات میں منقسم ہو جاتا ہے۔ اس نظام سے طبقاتی اختلافات کو ہوا ملتی ہے۔ انسانوں کے اندر پوشیدہ نفرت اور گروہ بندی کو ہوا ملتی ہے۔ جبکہ اسلام نے مسلمانوں کے اندر سے اختلاف، نفرت، دشمنی، فرقہ پرستی کی بنیادیں ختم کر دی ہیں۔ قبیلہ، خاندان رنگ نسل کے تمام بت چودہ سو برس پہلے ہی پاش پاش کر دیے۔ ارشاد ربانی ہے: {اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ} (۲۶)

پاکستان کی مختصر سی تاریخ میں پارٹی نظام نے ملک و قوم کو بے انتہا نقصان پہنچایا ملک کو دو ٹکڑے کر کے تباہی کے قریب لا کھڑا کیا۔ عوام کو کئی مرتبہ مارشل لاء کا طوق پہنایا۔ پاکستانی مسلم معاشرے میں سیاسی پارٹیوں کی مدد سے مغربی جمہوریت کو ملک میں رائج کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو گویا ہم دانستہ یا غیر دانستہ طور پر مضبوط اسلامی بنیاد اکھاڑنے کے فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نتیجتاً معاشرے میں تضاد کی وجہ سے انتشار جنم لیتا ہے۔ اسلامی اتحاد ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے اور جمہوریت بھی مذاق بن جاتا ہے۔ (۲۷)

پاکستان کے حالات کے بگاڑ کی ایک بڑی وجہ یہاں جمہوری حکومتوں کو پنپنے کا موقع نہیں دیا۔ ۱۹۵۳ء میں منتخب وزیر اعظم کو کان سے پکڑ کر باہر نکالا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں دستور کو ایک بیورو کریٹ صدر نے توڑا۔ بڑی مشکل سے ۱۹۵۶ء میں دستور بنا، ۱۹۵۸ء میں ایک اور فوجی حکمران نے اس دستور کو ختم کر دیا۔ دس سال تک آمرانہ نظام مختلف شکلوں میں نافذ رہا۔ اس کے بعد ایک آمر نے اپنے بنائے دستور کے مطابق اسمبلی کے سپیکر کو اقتدار نہ دیا۔ بلکہ چیف آف آرمی سٹاف کو قبضہ کی دعوت دی۔ جسے بعد میں سپریم کورٹ نے غلط قرار دیتے ہوئے مقتدر کو غاصب قرار دیا۔ اس کے بعد پاکستان دولخت ہو گیا۔ ایک اور سول مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے عبوری آئین دیا۔ اور صدر کے ہاتھوں تمام اختیارات کی منتقلی کا ڈرامہ رچایا۔ ۱۹۷۷ء میں پھر ووٹ کے تقدس کو پامال کیا۔ وہ مارشل لاء جو ۹۰ دن کے لیے آیا تھا آٹھ سال تک حکمرانی کر گیا۔ چھوٹے صوبوں کو اقتدار میں شرکت سے محروم رکھا گیا۔

ملک کے سیاسی فیصلوں اور انتظامی امور اور ملکی معاملات سے صوبوں میں محرومی ان کو غلط راہوں پر لے چلی۔ کبھی اسلام کا نام لے کر سیاسی پارٹیوں پر پابندیاں لگائی گئیں، ملک میں علاقائیت، زبان و برادری کا تعصب پیدا ہوا۔

دوسری تلخ حقیقت ملک میں حکمرانی یا تو بیورو کریسی کی رہی یا فوج کی۔ فوج کے متعلق تجزیاتی مطالعے سے معلوم ہوا کہ اس میں پنجاب کے تین اور سرحد کے دو اضلاع کا غلبہ ہے۔ باقی علاقوں اور صوبے کے لوگوں کو محروم رکھا گیا۔ (۲۸)

پاکستان کی جمہوری تاریخ میں سیاسی و عسکری مسائل کے ساتھ ساتھ غلط معاشی حکمت عملی بھی حکومتی پالیسیوں کا حصہ رہی۔ عوام میں صوبوں اور علاقائی تقسیم نے معاشی عدم مساوات اور علاقائی عدم توازن اور تفاوت کو



Marfat.com

مزید بڑھا دیا۔ مغرب کی اندھی تقلید میں غلط معاشی حکمت عملی اختیار کی کہ سرمائے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ عدم مساوات کو پروان چڑھایا جائے تاکہ سرمایہ کاری میں اضافہ ہو۔ ابتدائی خاکوں سے لے کر ورلڈ بنک ڈویلپمنٹ سٹڈی تک یہی وہ فکر ہے جس پر ہماری منصوبہ بندی پروان چڑھی۔ بھٹو صاحب کے دور میں عوامی سیکٹر کے نام پر سارے کے سارے معاشی وسائل مرکزی حکومت کو چلے گئے۔ اگر چوتھے پانچ سالہ منصوبے کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ترقی منصوبے کا ۵۲ فی صد مرکز کے پاس جبکہ ۴۸ فی صد صوبے چلا رہے تھے۔

۱۹۷۰ء کے عشرے میں مرکزی اقتدار نے یہ صوبائی حصہ مزید ۲۰ فی صدی کم کر دیا۔ ضیاء الحق نے مارشل لاء میں یہی روش جاری رکھی۔ نتیجتاً ترقیاتی منصوبہ بندی کا ۷۲.۷۰ فی صد، مرکز کے ہاتھوں میں ارتکاز کے نتیجے میں صوبے اقتصادی ترقی سے محروم ہو گئے۔ (۲۹)

خاص کر سندھ اور بلوچستان میں سب سے زیادہ بے اطمینانی پیدا ہوئی۔ سندھیوں کی شکایت کی اہم وجہ زرعی اراضی کی تقسیم ہے جو نئے بیراجوں کی تعمیر کے نتیجے میں دستیاب ہوئی۔ پہلی پارلیمانی حکومت کے وعدوں کے برعکس ون یونٹ حکومت اور مارشل لاء کی حکومت ۱۹۵۸-۵۹ء نے سینئر فوجی افسران اور سول بیوروکریٹس کو جن میں اکثر پنجابی، مہاجر، پختون تھے، انتہائی زرخیز زمین انتہائی قلیل نرخوں پر دے دیے۔ مقامی کاشتکار کی حق تلفی ہوئی۔ ان پالیسیوں کی وجہ سے تقریباً ۴ ملین ایکڑ زمین متاثر ہوئی تھی۔

اسی طرح دیہی علاقوں میں رہائش پذیر لوگوں کو تعلیم کی دستیاب سہولیات میں تغافل برتا گیا۔ نجی شعبہ جات (صنعت و حرفت) میں دیہی آبادی کے لوگوں کے لیے روزگار کے مواقع قلیل میسر تھے۔ نیز سرکاری ملازمتوں میں بھی تمام آبادی کو یکساں نمائندگی حاصل نہ رہی۔

پاکستان کی جمہوری تاریخ میں ایک نظریاتی طور پر تسلیم شدہ دستور یہ تھا کہ ہماری انتظامیہ اور عدلیہ کو علیحدہ ہونا چاہیے اور قیام پاکستان کے بعد آج تک ہمیشہ یہی موقف اپنایا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی سب سے پہلے اسی بات کو لکھا گیا۔ اصلاً اگلے پانچ سالوں میں بھی ایسا نہ ہوا۔ فوج اور انتظامیہ کو اپنے اپنے دائرہ کار میں محدود ہو کر کام کرنا چاہیے تھا۔ پاکستان میں جمہوریت کی بار بار ناکامی کی ایک وجہ جاگیرداری بھی ہے۔ بھٹو نے اگرچہ اپنے عہد میں زرعی اصلاحات کیں مگر ان کا کوئی خوشگوار اثر مرتب نہ ہو سکا۔ اس طبقے کا سیاست اور حکومت پہ غلبہ رہا۔

اقتدار کے تمام بالائی اور زیریں ایوانوں میں ان کے نمائندے پہنچتے رہے۔ ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی نے پنجاب میں قومی اسمبلی کی ۱۱۵ نشستوں کے لیے جو امیدوار کھڑے کیے ان میں سے ۵۳ جاگیردار اور ۱۳ صنعت کار تھے۔ (۳۰)

پاکستان کا اصل المیہ ہی یہ ہے کہ اصل اقتدار اور اختیار آج تک عوام کی طرف منتقل نہیں ہوا۔ سارے وسائل پر ایک طبقہ قابض رہا جس کا تعلق سیاسی، انتظامی اور عسکری اشرافیہ سے ہے۔ جو باری باری اقتدار پر براجمان ہو کر ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا ہوا ہے۔ قومی دولت کا ۸۰ فیصد آبادی کے اوپر حاکم، ۱۰ فی صد حاکم خاندانوں کے پاس ہے۔ ۱۲/۱۰ ہزار بڑے خاندان ہیں جو زراعت، صنعت اور تجارت پر مکمل تصرف رکھتے ہیں اور یہی خاندان سیاست



Marfat.com

پر بھی چھائے ہوئے ہیں۔ پارٹی خواہ کوئی بھی ہو، سول بیوروکریسی اور عسکری اسٹیبلشمنٹ سب ہی اس گٹھ جوڑ کا حصہ ہے۔ پہلے وزیر اعظم کو گولی کا نشانہ بنا کر قومی منظر نامے سے ہٹا دیا گیا اور دوسرے کو بھی برطرفی کی تلوار کے زور پر نکالا گیا۔ منتخب دستور ساز اسمبلی کو بار بار توڑا گیا۔ انتظامیہ و پولیس کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے حتیٰ کہ فوج کو بھی سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ ہمارے ہاں دستور تو موجود ہے مگر عملاً قانون، ضابطے اور میرٹ کا کوئی احترام نہیں۔ عدالت، خصوصیت سے اعلیٰ عدالت کو کچھ آزادی حاصل ہے۔ مگر اس کے فیصلوں کو بھی بسا اوقات کھلے بندوں نظر انداز کیا جاتا یا عملاً غیر موثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مہنگائی اور بے روزگاری نے عوام کے مسائل میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ بجلی، پانی اور گیس کے بحران وقتاً فوقتاً تباہی مچاتے دکھائی دیتے رہے ہیں اور رہی سہی کسر لاقانونیت اور دہشت گردی کے سبب عوام الناس کی جان، مال اور عزت داؤ پہ لگی رہتی ہے۔

## پاکستان میں قانون سازی وانتظامی اُمور:

جمہوریت میں مملکت کا آئین سب سے مقدس دستاویز ہے اور تمام نزاعی امور میں آئین و دستور کی طرف رجوع لازم ہے۔ حتیٰ کہ عدالتیں بھی آئین کے خلاف فیصلے صادر نہیں کر سکتیں۔ ملک کا دستور اپنے تمام تر تقدس کے باوجود منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو کہ مطلوبہ اکثریت کے بل بوتے پر اس میں جو چاہیں ترمیم و تنسیخ کر سکتے ہیں۔ مملکت کے شہریوں کے لیے جو قانون چاہیں بنا سکتے ہیں کیونکہ قوم اپنے منتخب نمائندوں کو قانون سازی کا مکمل اختیار دے دیتی ہے۔

کسی ملک کا دستور درحقیقت اس کی بنیاد ہے جس پر نظام حکومت کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ملک کی تعمیر و ترقی، استحکام و خوشحالی، باشندوں کا امن و سکون سب کچھ اس پر موقوف ہے۔ آئین دراصل ان اصولوں کے مجموعے کا نام ہے جن کی پابندی کر کے حکومت چلائی جاتی ہے اور ان کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔ ان دستاویزات کے طے ہونے کے بعد دستور و قانون کے بنیادی خدوخال میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی تاہم اللہ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تھا کہ دستور کی فروعات و جزئیات سے متعلق معاملات اور دستور کے نفاذ کی حکمت عملی کے سلسلے میں اپنے پیروکاروں سے مشورہ کیا کریں۔

{وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ} (۳۱)

اور اپنے کاموں میں ان سے مشاورت لیا کرو اور جب کسی کام کا عزم مصمم کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔

{وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ} (۳۲)

اور مسلمانوں کا کام آپس میں مشورہ سے چلتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآنی دستور کے علم بردار اس کو وسعت دینے والے اور اس کے لیے اپنا سب کچھ لگا دینے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں مشورہ فرماتے اور فیصلہ ان کے سپرد کر دیتے، اس کی امثال دار ارقم کا انتخاب، اذان کی ابتداء، سن ہجری



Marfat.com

کی ابتداء، غزوات کے موقع پر شوریٰ سے کام لیا، نیز مشاورت سے فیصلے بھی فرمائے۔(۳۳)

پاکستانی دستور ساز اسمبلی میں بھی یہی روش ہونی چاہیے کہ صاحب حل و عقد کی رائے اور مشورے سے اہم ملکی امور اور تصفیہ طلب مسائل کا حل تلاش کیا جانا چاہیے۔ منتظمہ لازماً شوریٰ سے وجود میں آنی چاہیے۔ لیکن انتخاب اور مشاورت، دونوں کے متعلق قرآن قطعی اور متعین صورتیں مقرر نہیں کرتا بلکہ ایک وسیع اصول قائم کر کے اس پر عمل درآمد کی صورتوں کو مختلف زمانوں میں معاشرے کے حالات اور ضروریات کے مطابق طے کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔(۳۴)

اسلامی طرز حکومت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتظامی لحاظ سے چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں ریاست کو تقسیم فرماتے۔ صوبوں کے گورنر مقرر ہوتے اور یہ گورنر نہ صرف صوبوں کے والی ہوتے بلکہ وہاں مبلغ دین کا فریضہ بھی سرانجام دیا کرتے تھے۔ نمازوں سے لے کر لوگوں کے معاملات تک میں حکمرانی کا فریضہ سرانجام دیتے۔ کارکردگی تسلی بخش نہ ہونے پر ان کا احتساب اور معزولی بھی عمل میں آتی۔ نیز حکام کی تقرری و تبدیلی و تبادلہ بھی بوقت ضرورت فرماتے۔ چھوٹی اکائیوں میں ذمہ داریوں اور عہدوں کی تقسیم دراصل حسن انتظام کی صورت ہے۔ پاکستانی جمہوریت میں پارلیمانی نظام ہو یا صدارتی ایوان بالا اور ایوان زیریں کے منتخب نمائندگان کی اسمبلیوں میں تقرری کے بعد چھوٹے چھوٹے یونٹوں میں ضلع کونسل اور یونین کونسل کے انتخابات میں سرکاری سرپرستی میں عمل میں لائے جاتے ہیں۔ حسن انتظام کی اس سنت مطہرہ کو آج کے جدید سیاسیات کے ماہرین بھی غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ رسول خدا نے یہ اصول اس لیے اختیار فرمایا کہ عوام الناس کی رسائی سہولیات زندگی تک آسان ہوسکے۔ نیز عوام اور حکمرانوں کے مابین فاصلہ کم ہونے کی صورت میں انتظامی امور کی نگہداشت میں سہولت رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں والیٔ ریاست کی ذمہ داریوں میں قانون کا نفاذ، امن عامہ، عام انتظام سلطنت، محصولات کی وصولی، مقدمات کے فیصلے نیز اشاعت اسلام شامل تھیں۔ معاذ بن جنبل کے نام، آپ کا وصیت نامہ جس کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے:

"انک ستأتی قوما من اهل الکتاب فاد عهم الی شهادة أن لا اله الا الله و اِلی رسول الله فاِن هم اطاعو لذلک فاعلمهم أن الله افترض علیهم خمس صلوات فی کل یوم و لیلة، فاِن أطاعوا لذلک فاعلمهم أن الله افترض علیهم تؤخذ من اغنیائهم و ترد اِلی فقرئهم، فان اطاعوا لذلک فأیاک و کرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فان لیس بینهما و بین الله حجاب۔" (۳۵)

چند بنیادی مسائل ایسے ہیں جن میں ردوبدل کا کسی شخص کو اختیار نہیں۔ صرف ارکان اسمبلی کے اتفاق ہی نہیں بلکہ عوامی ریفرنڈم کے ذریعہ بھی ان میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ اگر کسی دستور میں ان کی رعایت نہ کی گئی ہو تو اسے اسلامی دستور Legislation نہیں کہا جاسکتا۔ حاکمیت الٰہی صرف اللہ کی ذات ہے۔ انسان اس کا نائب ہے۔ کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ سازی کی جائے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ، عدل و انصاف کا قیام، فساد کا خاتمہ، باہم مشاورت، اخوۃ، عہد و پیمان کی پاسداری وغیرہ، یہ اسلامی دستور کے وہ بنیادی نکات جن کی رعایت کے بغیر کوئی دستور اسلامی نہیں کہلاسکتا۔ ان دستوری نکات کے مآخذ کتاب الٰہی کی آیات قرآنی اور احادیث نبویہ ہیں۔



Marfat.com

دنیا کا پہلا دستور خود سرکارِ دوعالم نے مدینہ طیبہ کی حکومت قائم کرنے کے بعد مرتب فرمایا تھا۔ یہ دستاویز باون دفعات پر مشتمل ہے۔ اس کو کتب تاریخ میں دستور العمل اور فرائض نام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ (۳۶)

اس دستاویز میں ایک جگہ "دین" کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ جس میں مذہب اور حکومت کا مفہوم بیک وقت پایا جاتا ہے اور دونوں کو یکجا کر کے منظم و مرتب صورت میں میثاق مدینہ نے ایک ریاست کی شکل دے دی۔ (۳۷)

## جمہوریت کے جواز اور عدم جواز کے قائلین کا نقطہ نظر:

جمہوریت کے جواز اور عدم جواز کے ضمن میں مختلف مفکرین اور ماہرین سیاسیات نے اپنی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ سطورِ ذیل میں ان کی رائے پیش کی جا رہی ہے۔ عمومی رائے علمائے کرام کی یہ ہے کہ مروجہ جمہوریت مغرب گزیدہ افراد کے لیے تو ٹھیک ہے مگر دین اسلام کے ماننے والے اس کی کمزور اور غیر مستحکم بنیادوں پر اسلامی مملکت کی عمارت استوار نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر سیف الاسلام سیف لکھتے ہیں:

اسلام نہ تو جمہوری فلسفے کے خلاف ہے اور نہ ہی جمہوری نظام کو ناپسندیدہ تصور کرتا ہے بلکہ در حقیقت مغربی جمہوری نظام کے کچھ اصول اور انتخابی نظام کے کچھ طریقہ ہائے کار اور ان کے عملی نتائج اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں ہیں۔" (۳۸)

مولانا مودودیؒ کا نقطہ نظر یہ ہے:

فلسفیانہ نقطہ نظر سے جمہوریت تو نام ہی اس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت اعلیٰ حاصل ہو۔ انہی کی رائے سے قوانین بنیں اور صرف انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو۔ اور جسے نہ چاہیں وہ کتاب آئین میں سے محو کر دیا جائے۔ (۳۹)

مولانا عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں:

جمہوریت میں یہ لازمی امر ہے کہ مقتدر اعلیٰ کوئی انسان ہو یا انسانوں پر مشتمل ادارہ انسان سے ماوراء کسی ہستی کو جمہوریت میں مقتدر اعلیٰ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے مقتدر اعلیٰ کوئی انسان ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ بلکہ مقتدر اعلیٰ صرف اللہ کی ذات ہے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جس کی بنا پر ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ جمہوریت کے ذریعے اسلام کبھی سربلند نہیں ہو سکتا ہے۔" (۴۰)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی، جمہوریت کے بارے میں لکھتے ہیں:

جمہوریت اس دور کا صنم اکبر ہے جس کی پرستش اول اول دانایان مغرب نے شروع کی کیونکہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے۔ اس لیے ان کی عقل نے جو دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں جمہوریت کا بت تراش لیا۔ پھر اس کو مثالی حکومت قرار دیا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں نے بھی تقلید مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کر دی۔ اسلام جمہوریت کا علمبردار ہے۔ اسلامی جمہوریت کی اصطلاح وضع کی۔ حالانکہ مغربی جمہوریت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔



Marfat.com

بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظام کی ضد ہے۔(۴۱)

آج کل کی سیاست و جمہوریت کے بارے میں ڈاکٹر محمود احمد غازی کہتے ہیں:

طلب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

یہ تو ایک افیون اور نشہ ہے جو اہل مغرب حقوق کے نام پر دے رہے ہیں۔(۴۲)

گویا ان کی رائے میں اسلام اور مغربی جمہوریت کے مابین فرق نہایت عمیق ہے۔ بلکہ اپنی روح کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی۔

مولانا اسحٰق، اسلام کا سیاسی نظام میں جمہوریت کے عدم جواز کی دلیل یوں دیتے ہیں:

جمہوریت میں اجتماعی ادارہ کی فرمانروائی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے جو پرزور چیز سے دباؤ کھا کر اپنی شکل بدل دیتی ہے۔ اس کو لالچ اور دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ ایسی غیر مستقل چیز پر جس ریاست کی بنیاد رکھی جائے گی تو اس سے نہ تو استقلال ہو گا اور نہ ہی پائیداری ہو گی۔ جبکہ قائلین جمہوریت اس کے جواز کی دلیل یوں دیتے ہیں۔ مولانا گوہر الرحمن کے مطابق جمہوری طرز حکومت میں حکمرانوں کے ذاتی مفادات کی بالادستی کم ہوتی ہے کیونکہ حکومت عوام کو جوابدہ ہوتی ہے۔ اسی طرح احساس ذمہ داری اعلیٰ کارکردگی کی ضمانت ہے۔

ائیر مارشل محمد اصغر خان نے تاریخ میں غیر مسلمانوں کی نظام حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ علماء نے ایک طرف تو مطلق العنان حکمرانوں کی تائید کی اور اس سے عوام کا استحصال کیا جس کے نتیجے میں مسلمان معاشرے میں موجود معاشرتی اور اخلاقی بدحالی کی صورت میں نکلا۔ مطلق العنان حکمرانوں اور ان کے گماشتوں نے غلبہ حاصل کرنا شروع کیا تو جاگیر دار طبقوں اور موقع پرست مذہبی رہنماؤں نے ایک ایسا استحصالی اور زوال آمادہ نظام مسلط کر دیا کہ معیشت اور ان اداروں کی بربادی کر دی اور علمی اور دانشورانہ سرگرمیاں مفلوج ہو گئیں۔(۴۳)

اسد سلیم شیخ صاحب نے "اسلامی جمہوریت" کی اصطلاح استعمال کی اور اسلام کے ابتدائی دور کو ایک مثالی جمہوری نظام روبہ عمل لانے کی بنیاد قرار دیا۔(۴۴)

مغربی جمہوریت، آمریت، مطلق العنانیت سے نجات کے متلاشی صرف اسلامی طرز سیاست میں پناہ حاصل کر سکتے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مندرجہ بالا آراء کے مطابق آج سیاسی نظام کے اہم مسائل یعنی اقتدار کی پرامن منتقلی، حق حکومت، اسلامی نظام کو معاشرے میں دوام اور حکومت کا استحکام ہے۔ امن عامہ کا حصول ہر شخص کی جان و مال اور آبرو کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ آج اسلامی نظام سیاست کا تصور نہایت مشکل اس لیے ہوا کہ مسلمانوں نے زیادہ تر یا تو مطلق العنان حکمرانوں کی بادشاہی میں وقت گزارا یا غلامی میں بلکہ یہ خیال آتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح کوئی شخص واحد اقتدار سنبھال کر خلفائے راشدین کے زمانے والا انصاف، مساوات، شرعی قوانین اور معاشرے میں پابندیاں بزورِ طاقت نافذ کر دے۔ اس لیے جو کوئی بھی اسلامی نظام کی بات یا کوشش کرتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے سیاسی (اسلامی) نظام کا خاکہ و ساخت وضع کرے جو مکمل قرآن و سنت اور خلفائے راشدین کے زمانے کی مثل ہو مگر جب طاقت کے بل بوتے پر اقتدار حاصل کر کے اس کو قائم رکھنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کی منتقلی کے لیے موجودہ مغربی



Marfat.com

طور طریقوں کا سہارا لینا پڑے گا تو معاشرہ کو قانون، انصاف، مساوات اور امن جیسی نعمتیں کبھی میسر نہ ہوں گی۔

## پاکستان میں نفاذ قانون اسلام کی کوششوں کا جائزہ:

اسلام کا یہ مزاج ہے اور تاریخ کا سبق بھی کہ بالاتر وفاداری کے اصول کے تحت لوگ جڑے رہتے ہیں۔ اگر وفاداری کا کوئی اصول وضابطہ نہ رہے تو اتحاد کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی وفاداریاں اور مفادات وجود میں آتے ہیں۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ تنوع واختلاف رہیں مگر تفرقہ وتصادم کی طرف نہ بڑھیں۔ گروہ بندی اور نسل پرستی کو خدا بنالیا تو باہم جوڑنے والے اسلام اور پاکستان کی وحدت کو نظر انداز کیا تو اختلافات اور مفاد پرستی کی کوئی حد باقی نہ رہے گی۔ باہم اتحاد کی وجہ ہمارا دین ہے۔ جس کی وجہ سے یہ مملکت وجود میں آئی۔ پاکستان بننے کے بعد وہ بنیاد جس پر پاکستان بنا یعنی اسلام، اس کے نفاذ کو عملاً قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ تعلیم، معیشت، سیاسی نظام، سماجی پالیسی اور اطلاقی پالیسی میں ہم نے اسلام کے اصول انصاف کو سنجیدگی سے قائم کرنے کی کوشش نہ کی جس کے نتیجے میں بگاڑ پیدا ہوا۔

مفتی رشید احمد نے پاکستان میں نفاذ اسلام کے ضمن میں کوتاہ نظری کے متعلق یوں لکھا:

جس ملک میں اگرچہ اسلامی احکام کا نفاذ نہ ہو مگر تنفیذ احکام پر قدرت ہو تو وہ دارالاسلام ہے۔ اس معنی سے اسے اسلامی ملک بھی کہا جاسکتا ہے۔ مگر ایسے ملک کی حکومت کو اس وقت تک حکومت اسلامیہ نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ احکام اسلام کی تنفیذ نہ کرے۔" (۴۵)

تاریخ کے اوراق پلٹنے سے نفاذ شریعت کے سلسلے میں کاوشوں کا جائزہ یوں لیا جاسکتا ہے۔ بانی پاکستان قائد اعظم نے پاکستان، اسلام اور جمہوریت کے لیے ہی بنایا۔ انہوں نے فروری ۱۹۴۸ء میں دستور پاکستان کے حوالے سے فرمایا تھا۔ "دستور ساز پاکستان کو ابھی پاکستان کے لیے دستور مرتب کرنا ہے۔ مجھے اس بات کا تو علم نہیں کہ دستور کی حتمی شکل کیا ہوگی۔ اس امر کا یقین ہے کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا۔ جس میں اسلام کے لازمی اصول شامل ہوں گے۔ آج بھی ان کا اطلاق عملی زندگی میں ویسے ہی ہو سکتا ہے جیسے کہ ۱۳ سو برس قبل اسلام نے ہر شخص سے عدل وانصاف کی تعلیم دی۔ ہم ان شاندار روایات کے وارث ہیں۔" (۴۶)

قائد اعظم کی وفات کے بعد مفاد پرستوں نے قبضہ کرلیا۔ جاگیرداروں، سرمایہ داروں، سول اور ملٹری، ڈکٹیٹروں نے بار بار شب خوں مارا۔ اقتدار کی حرص نے اپنا رنگ دکھایا۔

پاکستان میں قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد طویل عرصہ تک دستوری خلاء باقی رہا۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کو عبوری رپورٹ ۱۹۵۴ء مسودہ دستور اس سب میں اور اس تمام عرصہ میں اسلام کے حوالے سے کوئی ٹھوس اور سنجیدہ قدم نہ اٹھایا گیا۔

۱۹۵۴ء میں غلام محمد نے اقتدار پہ قبضہ کیا۔ ۱۹۵۶ء کا پہلا آئین بنا مگر چلنے نہ دیا گیا۔ ۹ جنوری ۱۹۵۶ء کو دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد غور و بحث کے لیے پیش ہوا۔ ۲۰ فروری کو ریاست کے نام پر زوردار بحث ہوئی۔ "اسلامی جمہوریت پاکستان" کا نام ۲۲ سے مقابلے میں ۴۷ ووٹوں سے منظور ہوا۔ اس لمحے پارلیمنٹ کے ارکان نے بے



Marfat.com

ساختہ "نعرہ تکبیر، اللہ اکبر" بلند کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور صدر اسکندر مرزا کے دستخطوں کے بعد ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو یہ پاکستان میں دستور کا مسودہ نافذ کر دیا گیا۔ (۴۷)

۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے تمام دینی مکاتب فکر اور سیاسی و دینی جماعتوں و مسالک کے علماء ایک کانفرنس کی شکل میں کراچی میں جمع ہوئے جس کا مقصد دستور کے بنیادی اصول طے کرنا تھا۔ یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی۔ اسلامی دستور کی جدوجہد میں مولانا محمد ظفر احمد انصاری کا بھی بہت اہم کردار رہا۔ ۱۹۵۶ء کے آئین میں امر بالمعروف کو بھی ریاستی اداروں میں شامل کیا گیا۔ نیز قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون قابل عمل نہ ہوگا۔ صدر کے لیے مسلم ہونے کی شرط تھی مگر دیگر انتظامی عہدے جیسے ڈپٹی اسپیکر کے لیے مسلمان ہونا لازمی شرط نہ تھا۔ (۴۸)

۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب خان کا مارشل لا آگیا۔ پھر ۱۹۶۹ء میں جنرل یحییٰ خان کا مارشل لاء آیا۔ سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت نہ دی۔ ۱۹۷۰ء میں پہلے عام انتخابات ہوئے۔ مشرقی پاکستان میں انتخابات کے نتائج کو اسٹیبلشمنٹ، جاگیرداروں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عوامی فیصلے کے مطابق اقتدار اکثریتی جماعت کے سپرد نہ کیا گیا۔ اس بے اطمینانی کی فضاء میں ہندوستان نے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرقی پاکستان میں فوج کشی کی اور ملک کو نتیجتاً ایک حصے سے ہاتھ دھونا پڑا۔

۱۹۷۳ء میں متفقہ آئین بنا جس پر چاروں صوبوں نے اور ملک کی تمام جماعتوں نے دستخط کیے۔ اس میں اللہ کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا گیا۔ اسلامی جمہوری پاکستان ریاست کا نام اور صدر و وزیر اعظم کے لیے مسلم ہونے کی شرط رکھی گئی جبکہ ۱۹۶۲ء کے دستور میں اسلامی شقیں تلاش کرنا سعی لاحاصل ہے۔

جب مارشل لا نافذ تھا اور ۱۹۷۳ء کا دستور پوری طرح نافذ نہیں تھا اس بات کی کوشش کی گئی۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں لایا جائے۔ مارشل لاء کے نفاذ کے چند ماہ کے اندر ہی نئی اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی مگر ۱۹۸۴ء سے عملاً کام کا آغاز کیا۔ اس دستور میں قرارداد مقاصد شامل ہے۔ وفاقی شرعی عدالت اس آئین کی پیداوار ہے۔ قانون سازی قرآن و سنت کے مطابق ہوگی۔ اس کے برخلاف کوئی قانون نہ بنایا جائے۔ تعلیمات اسلامیہ کا پرچار کیا جائے۔ مطالعہ اسلام بطور لازمی مضمون ہوگا۔ عربی زبان سکھائی جائے۔ تعلیم نسوں کا حق دیا گیا۔ میرٹ اور اظہار رائے کے حق کو سلب نہیں کیا جاسکتا۔ تمام صوبوں کو یکساں حقوق دیے گئے نیز وسائل کی منصفانہ تقسیم کا کام کیا گیا۔ اعلیٰ عدالتوں کو فیصلوں کا اختیار دیا گیا۔ پارلیمنٹ کی بالادستی کو تسلیم کیا گیا۔ شفاف نظام انتخابات اور الیکشن کمیشن کی گارنٹی دی گئی مگر عملاً! یہاں جمہوریت کو پنپنے نہیں دیا گیا۔

۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء نے دستور پہ عملاً نفاذ نہ کرایا۔ اپنے اقتدار کو طوالت بخشی جبکہ اس سے قبل ذوالفقار علی بھٹو جس نے یہ دستور بنایا اس نے خود ہی کچھ عرصے میں اس میں ترامیم کر کے آمریت کو تقویت بخشی۔ اس سے جمہوریت تو بحال ہوئی مگر سیاسی قوتوں اور صاحب اقتدار افراد نے اس کو مثبت ڈگر پر چلنے نہ دیا۔ پھر ۱۹۹۹ء میں پرویز مشرف نے آئین توڑا۔ ۲۰۰۷ء میں پھر یہی عمل دہرایا گیا۔ آئین کی بار بار پامالی کی گئی۔ (۴۹)

جہاں آئین پر عمل درآمدی پالیسیوں کو فقدان رہا وہاں دستاویزی مسودات جہاں یہ تصریح تو موجود تھی کہ



Marfat.com

قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا مگر رائج الوقت غیر شرعی قوانین کو تبدیل بھی نہ کیا گیا اور یہ بھی کہ اگر کوئی غیر اسلامی قانون اسمبلی میں منظور ہو جائے تو اس کی اسلامی حیثیت کو عدالت (سپریم کورٹ) میں بدلوایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ یہ طریق کار اصولی طور پر تو درست ہے لیکن عملی شکل یہ کہ سپریم کورٹ کے موجودہ جج صاحبان رائج الوقت قوانین میں خواہ کتنا وسیع و عمیق علم رکھتے ہوں مگر وہ اسلامی علوم سے یا تو ناواقف ہیں یا محض سرسری علم رکھتے ہیں۔ لہٰذا دستور میں یہ ضمانت ہونی چاہیے کہ فیصلہ ایسے علماء کریں جنہوں نے قرآن و سنت، فقہی بصیرت، دیانت و تقویٰ، پر عام مسلمانوں کو اعتماد ہو۔ اس کی بہترین صورت ۱۹۵۳ء میں دیکھی گئی جب ہر مکتبہ فکر کے ۳۳ علمائے دین نے اپنی دستوری سفارشات پیش کیں، مزید سپریم کورٹ کی ایک خصوصی بینچ، جس میں سپریم کورٹ کا ایک جج اور پانچ یا چھے علمائے دین تھے، تشکیل دیا گیا۔(۵۰)

اگرچہ زمانہ ماضی میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے کئی ادارے (مذہب) حکومت کی طرف سے قائم کیے گئے جن میں لاء کمیشن، میرج کمیشن، زکوٰۃ کمیٹی، اسلامی کونسل، اسلامی مشاورتی کونسل اور ادارہ تحقیقات اسلامی شامل ہیں۔ اپنے اپنے تئیں اسلامائیزیشن کے لیے سعی کرتے رہے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے اسلامی ریاست میں کلیدی مناصب پر صرف مسلمانوں ہی کو فائز کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن وسنت کے احکامات صریح ہیں۔ موجودہ آئین پاکستان کی رو سے صدر اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ مگر دوسرے کلیدی مناصب کے لیے یہ شرط موجود نہیں ہے۔ جہاں غیر اسلامی قوانین کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی چھوٹ رکھی گئی وہاں یہ بات غور طلب ہے کہ غیر شرعی قوانین کے بل کی منظوری کے خلاف سپریم کورٹ کا سربراہ ہی اگر خود غیر مسلم ہو تو شنوائی کا سامان کیا ہوگا؟ جیسا کہ ہماری عدلیہ کی تاریخ میں ہندو چیف جسٹس بھگوان داس کی مثال ملتی ہے۔ ملک میں اسلامائیزیشن کے لیے اور بنیادی ستاویز میں اسلام کی حقانیت کو صحیح معنوں میں تسلیم کرنے کے لیے کلیدی مناصب پر مسلمان حکام کی تقرری کو یقینی ہونا چاہیے۔ بلکہ تینوں افواج کے سربراہانِ اعلیٰ، ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، اسمبلیوں کے سپیکر، سینٹ کے چیئر مین اور صوبوں کے گورنر اور وزرائے اعلیٰ کے لیے بھی مسلمان ہونے کی شرط ہونی چاہیے۔

پاکستان میں نفاذ شریعت کے سلسلہ میں قائم ہوئی وفاقی شرعی عدالت کا قیام، ایک غیر جمہوری حکومت کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ مگر یہ جمہوری امنگوں کی صحیح ترجمانی ہے۔ ۱۹۸۵ء کے بعد پانچ اسمبلیوں سے بننے والی حکومتوں کے دور اقتدار میں کسی بھی اسمبلی میں وفاقی شرعی عدالت کے بارے میں کوئی قانون سازی نہ ہوئی۔ نہ اس کے دائرہ کار یا اختیارات کم کرنے کے لیے بل پیش کیا۔ قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے میں اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ قائم کیا گیا۔ اگرچہ اس کی رپورٹوں پر عمل درآمد میں تذبذب رہا، اور بظاہر یہ غیر موثر ادارہ ہے، مگر اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ متعدد قوانین کونسل کی سفارش پر بنائے گئے۔ مثلاً حدود آرڈیننس، شفعہ، غیر سودی اقتصادی نظام وغیرہ۔ وزارت مذہبی امور اور قانونِ شریعت کے ضمن میں ججوں اور وکلاء کی تربیت کے لیے شریعہ اکیڈمی کا قیام بھی کونسل کی سفارش پر ہوا۔



Marfat.com

## نظام احتساب:

نظام احتساب جمہوریت کا ایک مستقل اور دائمی عمل ہے۔ اسلامی شریعہ نے اس کی مضبوط بنیادیں فراہم کی ہیں۔ احتساب کے تین راستے ہیں۔ پہلا راستہ جمہوری ادارے ہیں، پارلیمنٹ، قومی اسمبلی، سینٹ، وقفہ سوالات، تحاریک استحقاق و التواء وغیرہ۔ یہ انتظامیہ کے لیے مستقل نوعیت کا احتساب ہیں۔ دوسرا راستہ انتخابات ہیں۔ جو حکومت اپنا مینڈیٹ کھو دے تو عوام اس کا احتساب کرتے ہیں۔ اس کا راستہ پھر سے نئے انتخابات ہیں۔ اور تیسرا راستہ ملک کا قانونی اور عدالتی نظام ہے۔ ٹربیونل کا قیام دستور کے تحت ہے۔ دستور پاکستان میں یہ صراحت سے واضح ہے۔ عدلیہ میں سپریم کورٹ، ہائیکورٹ کے علاوہ جو معروف درجات ہیں ٹربیونل بھی ان میں سے ایک ہے۔ اس کے ذریعے احتساب یا قانون کا نفاذ عمل پذیر ہوتا ہے۔ خصوصیت سے بدعنوانی کے سلسلے میں Criminal کیس عام عدالتوں میں جاتے ہیں اور سیاسی کیس ٹربیونل میں۔ اس ٹربیونل کے فیصلے کے خلاف براہ راست سپریم کورٹ میں اپیل کی جاسکتی ہے۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

## جمہوری استحکام کے لیے تجاویز:

جمہوری عمل کو بلا انقطاع آگے بڑھانے کے لیے محاذ آرائی اور تصادم کی پالیسی سے حتی الوسع گریز کیا جائے۔ اعتدال کی راہ میں کچھ حدود کی پابندی کر کے، اتفاق رائے اور قومی ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسلام کے نام پر اپنے ملک میں قرآن و سنت کی بالادستی کو ہرگز متنازعہ نہ بنایا جائے۔ ملک کا دستور وقتاً فوقتاً بقدر ضرورت ترامیم کر کے آگے بڑھایا جائے۔ دستوری اداروں کا احترام کیا جانا چاہیے۔ میرٹ پر تقرریاں و داخلے کو یقینی بنایا جائے اور اس سلسلے میں دستوری و قانونی حدود کی پاسداری کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ انتظامیہ کو تحفظ دیا جائے اور اسے سیاسی مقاصد کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ میڈیا کو آزاد ہونا چاہیے مگر ان حدود کی پاسداری کے ساتھ جو دستور نے مرتب کی۔ فوج کو سیاست سے الگ رکھا جائے۔ ان کا کام ملکی دفاع و سالمیت کا حصول ہے۔ احتساب کا نظام مستقلاً قائم ہونا چاہیے۔ یہ ایک اعلیٰ اختیاراتی ادارہ ہو جسے صدر، پارلیمنٹ یا کوئی بھی شہری ریفرنس بھیج سکے۔ اس ادارہ کے سامنے ماضی و حال کے تمام افراد جواب دہ ہوں۔ اس طرح ہم اپنی سیاسی و ملکی زندگی کو کرپشن سے پاک کر سکتے ہیں۔ یہی راستہ اس ملک کو جمہوریت اور دستوری طور سے آگے بڑھانے کا راستہ ہے۔

ایک اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ امور شامل ہیں کہ وہ شریعت کے احکام کا نفاذ کرائے۔ حدود قائم کرے۔ مسلمانوں کے وطن اور گھر کا دفاع کرے۔ ان کی عزت کی نگہبانی کرے۔ ریاست کی فوجیں شمار رکھے۔ صدقات و خیرات کی تقسیم کا صحیح طریقے سے انتظام کرے۔ شخصی، خاندانی اور اجتماعی معاملات میں اختلاف کی صورت میں وہاں جا کر فیصلہ کرے۔ مسلمانوں میں جمعہ کی نمازوں، عیدین کی نمازوں کا سرکاری طور پر بندوبست ہو۔ عدالتوں، مقامی حکام کا افسران کا تقرر کرے۔ ملک کے اندر اور باہر قرآن سکھانے والے اور دعوت دین دینے والوں کو مامور کرے۔ گویا دنیاوی معاملات کا نظم و نسق اور دین کی حفاظت اور تحفظ در حقیقت اسلامی جمہوریہ کے اولین فرائض ہیں۔



Marfat.com

پاکستان میں بسا اوقات قانونی مسائل میں فرقہ وارانہ اختلافات پر شدید نزاع و جدال برپا رہا کرتا ہے۔ اسلامی قانون سازی کے ذریعے اس اختلاف کو ختم کرنا ضروری ہے۔ یا ان اختلافات کو باقی رکھتے ہوئے قانون سازی کی کوئی ایسی صورت نکالنی چاہیے جس سے تمام فرقوں کی پوری رعایت رکھی گئی ہو۔

قانون سازی خواہ کتنی ہی موثر بنالی جائے۔ جب تک اس کو نافذ کرنے والے ادارے جاندار، فعال اور متحرک نہ ہو، قانون بے کار ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے انتظامی حالات سب کے سامنے عیاں ہے۔ پولیس اور عدالتوں کا طریق کار اس قدر پیچیدہ اور مشکل الحصول اور گراں ہے کہ بسا اوقات ایک عام آدمی کو ظلم پر صبر کرلینا عدالت جانے سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے عدالتوں میں رائج طریقہ کار کے مطابق معمولی معمولی مقدمات سالہا سال لٹکتے ہیں اور اگر بالفرض کوئی اور بد عنوانی نہ ہو تب بھی اتنی طویل مدت تک عدالت کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ اخراجات کا حوصلہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس دولت وافر مقدار میں ہو۔ عدالتوں کے ضوابط طریقہ کار پر نظر ثانی کر کے انصاف کے حصول کو آسان اور مفت بنایا جائے اور ماہر و تجربہ کار ججوں پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل کیا جاسکتا ہے جو اپنے تجربات کی روشنی میں عدالتی ضوابط پر تنقیدی نظر ڈال کر انہیں تبدیل کرنے کے لیے اپنی مفصل سفارشات پیش کرے۔ ایسے بورڈ میں علماء کرام کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ جنہیں قضا شرعی کا علم و تجربہ بھی ہو۔ کیونکہ اسلامی نظام عدالت میں ایسی بہت سی سہولتیں موجود ہیں جن کی مدد سے موجود پیچیدہ عدالتی طریق کار کو آسان بنایا جاسکتا ہے اور اس کے لیے قضاء شرعی کے ماہرین کی رہنمائی ضروری ہوگی۔ غیر ضروری مقدمہ بازی سے گریز کیا جانا چاہیے۔ اس کے لیے افراد کی تعلیم و تربیت ہونی چاہیے۔ قانون کے ذریعے مصالحتی بورڈ قائم کیا جائے تاکہ مقدمات طوالت نہ پکڑیں اور بروقت انصاف کا حصول ممکن ہو۔ اور ایک منظم اور حقیقی اسلامی جمہوریت کا قیام ممکن ہو۔

☆☆☆☆☆

## حوالہ جات


۱- ابن منظور (م: ۷۱۱ھ)، لسان العرب، دار حیات التراث العربی، بیروت لبنان، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ج/ ۴، ص: ۱۴۵

۲- محمد سرور، معارف سیاسیات، علمی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص: ۱۸۴

۳- پروفیسر سیف الاسلام سیف، ایک جدید عملی اسلامی جمہوری نظام کی تجویز، وحید پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص: ۳۹

۴- اسد سلیم شیخ، پاکستان جمہورتی اور انتخابات، سنگ ملی پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۴ء، ص: ۳۲

۵- ابن منظور، لسان العرب، ۲۱۰/۱۱

۶- المائدہ، ۵: ۴۹

۷- النساء، ۴: ۱۰۵

۸- الحدید، ۵۷: ۲۵




Marfat.com

-9 مفتی رشید احمد، احسن الفتاویٰ ایم ایچ سعید کمپنی، کراچی، طبع ششم، ۱۴۲۲ھ، ج: ۶، ص: ۲۳
-۱۰ الاعراف، ۷: ۵۴
-۱۱ المودودی، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۲-۲۱
-۱۲ آل عمران، ۳: ۲۶
-۱۳ امام احمد بن حنبل، المسند، ۹۰۷/۱؛ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۱ء۔
-۱۴ النساء، ۴: ۵۹
-۱۵ مودودی، خلافت وملوکیت، ص: ۴۲
-۱۶ بنی اسرائیل، ۱۷: ۸۰
-۱۷ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ج: ۲، ص: ۶۳۸
-۱۸ مفتی رشید احمد، احسن الفتاویٰ، جلد: ۶، ص: ۱۴۴-۱۴۳
-۱۹ ص، ۳۸: ۲۶
-۲۰ النساء، ۴: ۵۹
-۲۱ مفتی محمد شفیع، جواھر الفقہ، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۳۶۱ھ / ۲۰۱۰ء، ج: ۵، ص: ۴۷۹
-۲۲ ابو محمد حافظ عبد الستار الحماد، فتاوی اصاحب الحدیث، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۷ء، ج: ۲، ص: ۴۵۸- ۴۵۹۔
-۲۳ مولانا تقی عثمانی، عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟، ص: ۱۱۲
-۲۴ البقرہ، ۲: ۲۸۳
-۲۵ مفتی محمد شفیع، جواہر الفقہ، جلد: ۵، ص: ۵۳۵
-۲۶ الحجرات، ۴۹: ۱۰
-۲۷ ڈاکٹر سیف الاسلام سیف، ایک جدید عملی اسلامی جمہوری نظام کی تجویز، ص: ۷۷
-۲۸ پروفیسر خورشید احمد، پاکستانی سیاست اور آئین، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ج: ۴، ص: ۱۱
-۲۹ پروفیسر خورشید احمد، پاکستانی سیاست اور آئین، ص: ۱۲
-۳۰ اسد سلیم شیخ، پاکستان، جمہوریت اور انتخابات، ص: ۲۲۳
-۳۱ آل عمران، ۳: ۱۵۹
-۳۲ الشوریٰ، ۴۲: ۳۸
-۳۳ عبد الملک ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصطفی البابی، مصر، ۱۹۳۶ء، ۲۳۰/۱
-۳۴ المودودی، خلافت وملوکیت، ص: ۴۲
-۳۵ امام مسلم، بن الحجاج قشیری الجامع الصحیح، (بیروت: ۱۹۸۱ء) کتاب الایمان،: ۶۳
-۳۶ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، (دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء) جلد: ۱، ص: ۱۶۱



Marfat.com

۳۷- ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص: ۹۶

۳۸- پروفیسر ڈاکٹر سیف الاسلام سیف، ایک جدید عملی اسلامی جمہوری نظام کی تجویز، ص: ۳۹

۳۹- ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص: ۱۲۹

۴۰- عبدالرحمن کیلانی، خلافت و جمہوریت، ص: ۲۱۸-۲۱۶

۴۱- مولانا محمد یوسف لدھیانوی، آپ کے مسائل اور ان کا حل، مکتبہ لدھیانوی، ۱۹۹۹ء، کراچی، جلد: ۸، ص: ۱۸۲-۱۸۵

۴۲- ڈاکٹر محمود احمد غازی، عصر حاضر اور شریعت اسلامی، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص: ۲۱۵

۴۳- ائیر مارشل محمد اصغر خان، اسلام، جمہوریت اور پاکستان، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۵-۱۴

۴۴- اسد سلیم شیخ، پاکستان جمہوریت اور انتخابات، ص: ۱۳

۴۵- مفتی رشید احمد، احسن الفتاویٰ، ایم ایچ سعید کمپنی کراچی، طبع ششم، ۱۴۲۲ھ، ج: ۶، ص: ۲۱

۴۶- قائداعظم: تقاریر و بیانات، چہارم، امریکا کے عوام سے نشری خطاب، کراچی، فروری، ۱۹۴۸ء

۴۷- میاں طفیل محمد، مشاہدات، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۵۳

۴۸- ڈاکٹر شہزاد اقبال شام، دساتیر پاکستان کی اسلامی دفعات، شریعۃ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۱۷۔

۴۹- پروفیسر خورشید احمد، پاکستان میں نفاذ اسلام، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص: ۲۱

۵۰- مولانا تقی عثمانی، عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟ مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ۱۴۱۴ھ، ص: ۲۹-۲۸




Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ثناء اسلم*

## ☆ سیاست کی تعریف:

انسائیکلوپیڈیا میں سیاست کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"لوگوں کے مصالح کی نگہداشت بذریعہ راہنمائی جو دنیا و آخرت کی نجات کا موجب ہو" (۱)

} امام راغب اصفہانی نے سیاست کی تعریف میں تین ارکانِ سیاست کا ذکر کیا:

۱) عمارۃ الارض — زمین کو آباد کرنا اور عمرانی تمدن قائم کرنا

۲) تنفیذ احکام اللہ — خدا کے احکام کو نافذ کرنا

۳) مکارم الشریعۃ — اخلاق فاضلہ تیار کرنا (۲)

## ☆ سیاست کا وسیع مفہوم:

سیاست سے مراد وہ سرگرمیاں ہیں جو کسی ریاست میں حکومت کے نظام کو ایک خاص نہج پر چلانے کیلئے بروئے کار لائی جاتی ہیں ان سرگرمیوں میں ریاست کے امور داخلہ بھی شامل ہوتے ہیں اور امور خارجہ بھی۔ نیز راعی اور رعایا اور عوام کے حقوق و فرائض سے بحث کی جاتی ہے۔

سیاست ریاست پر حکومت کا ایک فن ہے بالفاظ دیگر یہ ان بنیادی اصولوں کا علم ہے جن پر حکومتیں قائم ہوتی ہیں اور ان قواعد و ضوابط کا علم ہے جن سے حکومت اور شہریوں کے تعلقات اور بیرونی ریاستوں کے ساتھ روابط کی حدود مقرر کی جاتی ہے۔

## ☆ جمہوریت کا مفہوم:

جموریت کا لفظ اپنے عربی ماخذ "الجمھور" کے لغوی مفہوم کی بنیاد پر معروف ہوا ہے۔ اس کے معنی "اپنے ماحول سے بلندتر" اور "اکثریت" کے ہیں۔

} ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

"قال الأصمعی: الجمھور ھی الرملة المشرفة علی ماحولها المجتمعة" (۳)

---

* ایم فل (شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی-لاہور



Marfat.com

ترجمہ: "جمہور ریت کے اس ڈھیر کو کہتے ہیں جو اردگرد کی زمین سے بلند اور مجتمع ہو"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ الجمھور کا بنیادی مفہوم کسی چیز کی اکثریت اور اس کا ممتاز اور نمایاں ہونا ہے۔ جمھور کا لفظ انسانوں کیلئے آئے تو اس سے ان کی اکثریت یا ممتاز اکثریت مراد ہوتی ہے جیسا کہ علمائے لغت نے بیان کیا ہے۔

﴿الجمھور﴾۔۔۔۔ و من الناس، جُلُّھُمْ (۴)

وجمھور الناس: جُلُّھُم، وجَماھیر القوم: أشرافھم (۵)

مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "جمھور" کا بنیادی معنی اکثریت یا کثرت اور نمایاں یا بلند تر ہے اور انسانوں کے حوالے سے جب یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد عوام الناس یا ان کے معززین کی اکثریت ہوتی ہے۔ اسی مفہوم کے پیش نظر کتب اسلامی میں "جمھور" کا لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے جس سے مراد "معتبر علماء کی اکثریت" ہوتا ہے۔

اصطلاح جمہوریت کا لغوی مفہوم واضح ہو جانے کے بعد اس کے متبادل انگریزی لفظ Democracy کا تجزیہ ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس لفظ کا وہ فکری پس منظر کیا ہے جس کے تحت یہ اصطلاح عام ہوئی۔ اس تجزیاتی مطالعہ کے نتیجے میں جمہوری طرز حکومت اور جمہوری نظام کی خصوصیت سامنے آسکیں گی۔

DEMOCRACY:

Democracy is a word that comes from two Greek roots, "Demos", the populace and "Kratia", rule taken together, rule by the people. The Greeks used the term to describe the government of Athens and other Greek city states that flourished in the fifth century B.C. In his famous funeral oration, Pericles the Athenian states man, declared: "our constitution is named a democracy because it is in the hands not of the few, but of the many(۶)"

ترجمہ:

لفظ جمہوریت دو یونانی الفاظ Demos اور Kratia سے بنا ہے ان کے معنی بالترتیب لوگ اور حکومت ہیں ان دونوں الفاظ کا آپس میں مل کر اس کا مطلب "لوگوں کی حکومت" بنتا ہے۔ یونانی لوگ اس لفظ کو عام طور پر یونان اور دوسری یونانی ریاستوں کیلئے استعمال کرتے تھے جو ۵۰۰ ق۔م میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یونان کے سیاست دان پریکلز نے اپنے مشہور "جنازے کی تقریر" میں واضح کہا ہے کہ

"ہمارا دستور جس کا نام جمہوریت ہے وہ اس وجہ سے کہ اس میں بہت سے لوگ حصہ لیتے ہیں نہ کہ چند ایک"

ابراہیم لنکن نے جموریت کی تعریف یوں کی:

"Government of the people, for the people, by the people(۷)"

ترجمہ: "جمہوریت وہ نظام حکومت ہے جس میں عوام کی حکومت، عوام کیلئے حکومت اور عوام کے ذریعے



Marfat.com

حکومت ہوتی ہے"

اہل مغرب نے جمہوریت کا تصور عربی ڈکشنری سے نہیں لیا بلکہ یونانی لفظ ڈیموکریسی سے لیا ہے جس کے معنی ہیں "عوام کی حکومت، عوام کیلئے، عوام کے ذریعے"۔ اس نظام میں معیارِ حق اور ماخذ قانون، عوام کی مرضی اور منشاء ہوتی ہے۔ جمہور الناس مختار کل اور مقتدر اعلیٰ ہوتے ہیں اور جموریت "مطلق العنان" ہوتی ہے اس نظام کے قومی اور عوامی نمائندوں کیلئے اللہ، رسول، دین اور آسمانی کتابوں یا اخلاقی قدروں کی تابعداری ضروری نہیں ہوتی بلکہ عوام کی مرضی اور ان کی پسند کی تابعداری اور وفاداری لازمی ہوتی ہے۔(۸)

## ☆ مغربی جمہوریت (Democracy) کی بنیاد:

اسلام ڈیموکریسی کی نفی کرتا ہے کیونکہ ڈیموکریسی کی بنیاد درج ذیل معقول عناصر پر ہے۔

### ۱) عوام کی حاکمیت:

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی جگہ، عوام کی بالادستی اور حاکمیت، جس کا ماحصل یہ ہے کہ قانون کا منبع و مصدر اور سرچشمہ عوام کی منشاء ان کا ارادہ اور ان کی خواہش و مرضی ہے۔ یعنی عوام کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہو اور ان کی رائے سے قوانین بنیں اور پھر انہیں کی رائے سے قانون میں تغیر و تبدیلی کی جائے۔ مغربی جمہوریت میں اقتدار کا سرچشمہ ملک کے عوام ہوتے ہیں جو اپنے نمائندوں کا انتخاب کر کے مجالس قانون ساز میں بھیج دیتے ہیں اس کے برخلاف اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا" (۹)

ترجمہ: آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعوی تو کرتے ہیں کہ وہ اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر اُتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم سے پہلے اُتاری گئی ہے لیکن چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات فیصلہ طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔

### ۲) سیکولرزم (Secularism)

مغربی جمہوریت کی بنیاد سیکولرزم پر ہے یعنی دین اور سیاست میں مکمل تفریق، اسلام اس کی نفی کرتا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس دعوے کی آیت قرآنی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے اعلان سے پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ اسلام کا مقصد اللہ اور اس کے بندے کے درمیان محض تعلق کے اصول اور ذرائع بیان کرنا ہی نہیں بلکہ بندوں کے آپس میں نجی، معاشرتی، سیاسی تعلق اور میل جول کو ایک قاعدے کے مطابق اور کارگاہ ہستی کو نظم و ضبط کے ساتھ چلانا بھی مقصود ہے۔ سیاست کے شعبے میں بھی مسلمان سیاست کو دین سے الگ نہیں سمجھتا۔ سیکولرزم کی مذمت شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے ان الفاظ میں کی:

ع جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو



Marfat.com

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (۱۰)

(۳) لبرل ازم (Liberalism):

یعنی مطلق اور کھلی آزادی جو ہر طرح کے حدود و قیود اور قوانین و ضوابط سے بالاتر ہو چنانچہ ڈیموکریسی نظام میں ایک انسان بر سر محفل جنسی تعلقات قائم کر سکتا ہے۔ سارے ادیان و مذاہب کی پابندیوں سے آزاد ہو سکتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی کر سکتا ہے اور شریعت پر انگلی اُٹھا سکتا ہے اور اخلاقی و ایمانی اقدار و روایات کا مذاق اُڑا سکتا ہے بھلا اس طرح کی حریت اور آزادی جانور پن نہیں تو اور کیا ہے جس کی الٰہی شریعت سخت مذمت کرتی ہے۔

(۴) سرمایہ داری (Capitalism) اور مادیت (Materialism):

چنانچہ اس نظام کے سایہ میں انسان پیٹ کا غلام اور روپے پیسہ کا پرستار ہو جاتا ہے سو وہ مادی فوائد کے پیچھے دوڑتا ہے، کمزوروں کا استحصال کرتا ہے، فقراء اور مصیبت زدہ لوگوں پر رحمت و شفقت سے دور ہو جاتا ہے بڑی مقدار میں دولت کا حصول ہی اس کا مقصد اصلی بن جاتا ہے اور پیسہ ہی اقتصادی سرگرمیوں کا محرک ہوتا ہے الغرض دولت کا حصول ہی اس کا مطمع نظر ہوتا ہے خواہ اس مقصد کے لئے جسم فروشی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

(۵) قوم پرستی (Nationalism):

جس کی بنیاد رنگ، نسل اور وطن ہوتی ہے جو سامراجیت پر اکساتی ہے دوسری قوموں کے استحصال پر آمادہ کرتی ہے اور ان کو لوٹنے کھسوٹنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی ہے۔

(۶) پارٹی سسٹم:

جمہوریت کی چھٹی بنیاد سیاسی پارٹیوں کے مقابلے پر ہے چنانچہ بلدیہ، اسمبلی اور پارلیمنٹ میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے مستقل طور پر دو گروپ ہوتے ہیں جس میں اپوزیشن پارٹی حزب اقتدار کی مخالفت کرتی ہے اگرچہ حزب اقتدار کی طرف سے پاس کردہ بل اور قرارداد ملک و قوم کے حق میں نفع بخش ہی کیوں نہ ہو چنانچہ اس نظام میں پارٹی مفاد، قومی اور ملکی مفاد پر فوقیت رکھتا ہے۔

(۷) اقلیتوں (Minorities) کی حق تلفی:

اگرچہ ڈیموکریسی کی تعریف بہت ہی خوش کن الفاظ میں کی گئی ہے کہ وہ قوم کے واسطہ سے قومی مفاد والی قومی حکومت ہے۔

(Government of people, for the people, by the people)

لیکن در حقیقت ڈیموکریسی پر مبنی حکومت اکثریت کی حکومت میں تبدیل ہو جاتی ہے کیونکہ جمہوریت ووٹ کے نظام پر قائم ہوتی ہے چنانچہ بھاری اور کثیر ووٹوں سے جیت حاصل کرنے کے لئے اکثریت کا بے جا خیال رکھتی ہے اور اقلیت کو نظر انداز کرتی ہے جس کے نتیجہ میں اقلیتوں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے۔



Marfat.com

## ☆ جمہوریت کی اقسام:

جمہوریت کی دو قسمیں بتائی جاتی ہیں۔

۱) بلاواسطہ جمہوریت:

بلاواسطہ جمہوریت ایسی جمہوریت ہے جس میں تمام شہری بلاواسطہ حکومت کے انتظام میں حصہ لے سکیں یہ قدیم یونان اور روما کی شہری ریاستوں میں پائی جاتی تھی ایسا نظام چونکہ صرف ایک چھوٹی سی ریاست میں قائم ہو سکتا ہے لہذا آج کے دور میں یہ نا قابل عمل ہے سوائے سوئٹزرلینڈ کے چند علاقوں اور امریکہ کی بعض میونسپلیٹوں کے اور کسی جگہ نہیں پایا جاتا ہے۔

۲) بالواسطہ جمہوریت:

اس میں عوام ایک معینہ عرصے کے لئے اپنے تمام نمائندے منتخب کر کے مجلس قانون ساز کی تشکیل کرتے ہیں جو ملک کے لئے قانون بناتی ہے جمہوریت کی یہی قسم آج کل رائج ہے۔(۱۱)

## ☆ اسلامی جمہوری سیاسی نظام:

ہر وہ سیاسی نظام حکومت اسلامی متصور ہو گا جس کا بنیادی نظریہ یہ ہو کہ اقتدار اعلیٰ اللہ کی پاک ذات کو حاصل ہے اور اقتدار نظامت عوام کو بخشا گیا ہے جو کہ گروہ بندی اور طبقاتی کشمکش سے پاک، اتحاد، وحدت، مساوات اور انصاف کے اصولوں پر قائم ہو اور رزق حلال پر مکمل ایمان جس کی بنیاد ہو جو دولت اور طاقت کی بنیاد پر نہیں بلکہ صرف جمہور کی طاقت اور اس کی مرضی کی بنیاد پر پُر امن طریقے سے مسلمانوں کے لئے قانون کے دائرے کے اندر ایک بااختیار امیر (صدر) اور اس کی مدد اور مشورے کے لئے عوامی نمائندوں کا انتخاب باقاعدگی سے مقررہ وقت پر عمل میں لا سکے۔(۱۲)

## ☆ اسلامی جمہوریت اور غیر اسلامی جمہوریت میں فرق:

موجودہ جمہوریت اور اسلامی نظام سلطنت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ غیر اسلامی جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ عوام کو حاصل ہے جو کہ بہت سی خرابیوں کا باعث بنتا ہے جبکہ اسلامی جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہے اور اقتدار نظامت عوام کو بخشا گیا ہے۔ مسلمان اپنے حکمران کو اگر وہ اللہ اور رسولؐ کے حکم کی مخالفت میں کوئی حرکت کرے تو فوراً روکنے اور ٹوکنے کا قانونی حق رکھتے ہیں لیکن اس کے ہر ایک حکم کی تعمیل کو جو قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو ضروری سمجھتے ہیں اور اس سے بغاوت و سرکشی کے خیال کو دل میں نہیں آنے دیتے مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اللہ اور رسول اللہؐ کے احکام کی خلاف ورزی پر اپنے خلیفہ کو معزول کر سکتے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ ایک تجربہ کار، نیک نیت اور قیمتی شخص کو جو اپنے فرائض عمدگی سے بجالا رہا ہے محض اس لیے کہ اس کو تین یا پانچ سال کی مدت گزر چکی ہے معزول کر کے نئے انتخاب کی زحمت گوارا کریں اور کسی نئے تجربے کی مصیبت میں اپنے آپ کو مبتلا کریں۔



Marfat.com

اسلامی جمہوریت مغربی جمہوریت سے اس لحاظ سے بے حد ممتاز ہے کہ اس میں معاشی انصاف اور آزادی کا واضح تصور موجود ہے اس میں دولت کے چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے کی مخالفت کی گئی ہے اور ملکی وسائل پر مخصوص افراد کی اجارہ داری کی بھی نفی کی گئی ہے۔

الغرض اسلامی جمہوریت صحیح انداز میں فلاحی مملکت ہے جس میں عوام کی ضروریات کی تکمیل کا فرض سربراہ مملکت کو سونپا گیا ہے۔

## ☆ اسلامی جمہوری اصولوں کا عملی مظاہرہ:

سب سے پہلی اسلامی ریاست اس وقت وجود میں آئی جب اللہ کے رسولؐ اور اُن کے صحابہ کرامؓ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں کی عوام یعنی انصارؓ نے انہیں خوش آمدید کہا اور آپؐ کو پیغمبر ماننے کے ساتھ ساتھ انہیں امیر بھی تسلیم کیا جب تک آپؐ زندہ رہے وہ نبی بھی تھے اور اس نئی اسلامی ریاست کے سربراہ بھی تھے وہ نبوت کے فرائض کے ساتھ ساتھ اس نئی حکومت کے قوانین، اصول اور معاملات بھی طے کرتے تھے وہ اس حکومت کے اندرونی اور بیرونی معاملات نپٹاتے رہے اور پالیسیاں مرتب کرتے رہے اور اس اسلامی فوج کے سپہ سالار بھی تھے اور دوستی دا من کے معاہدے بھی کرتے رہے غرض یہ کہ انہوں نے ایک مکمل ریاست کی بنیاد رکھ دی تھی اس طرح وہ اپنی ذات مبارکہ میں بحیثیت نبی مسلمانوں کے روحانی پیشوا اور بحیثیت ایک اعلیٰ سیاسی مدبر مسلمانوں کے سیاسی لیڈر بھی تھے۔

آپؐ کو اپنی زندگی میں ہی اپنے مشن پوری ہونے کی پیشن گوئی مل گئی تھی اور ان کو علم ہو گیا کہ وہ اب اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ وہ اپنے پیچھے ایک عظیم روحانی اسلامی سیاسی سلطنت چھوڑنے والے ہیں ان کو یہ بھی علم تھا کہ اس عظیم سلطنت کو قائم رکھنا اور امور مملکت کو چلانا بغیر کسی امیر یا لیڈر کے ممکن نہیں ہو گا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی زندگی میں کسی شخص کو مسلمانوں کا امیر مقرر نہیں کیا۔ امیر مقرر نہ کرنا اس کی طرف سے ایک اعلیٰ سیاسی تدبر اور ایک عظیم اسلامی سیاسی اصول پر مہر ثبت کرنا تھا اور وہ اصول یہ تھا کہ مسلمانوں کے امیر، خلیفہ یا لیڈر کا عہدہ نہ تو کسی فرد واحد کے حکم پر ملے گا (چاہے وہ فرد واحد پیغمبر ہی کیوں نہ ہوں) اور نہ ہی یہ عہدہ موروثی ہے بلکہ یہ عہدہ وہ شخص سنبھالے گا جس کو مسلمان آپس میں صلاح مشورے سے اپنا امیر مان لیں اور جس کو اکثریت امیر تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو وہی شخص مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ بننے کا حقدار ہو گا اسی ایک فیصلے سے نبی کریمؐ کو اپنی وفات کے بعد مسلمانوں میں، صحیح جمہوریت، کی تخم ریزی کرنا مقصود تھی۔

اگر آپؐ اپنے حکم سے اپنی زندگی میں ہی کسی کو امیر مقرر کرتے تو یہ مثال بعد کے امیر بھی دہرانے کی کوشش کرتے اور نبی کریمؐ جو کہ عظیم ماہر نفسیات بھی تھے اس حقیقت سے واقف تھے کہ اکثر انسان اپنی اولاد، خاندان اور ذاتی مفاد کے حق میں زریں اصول بھی پامال کرتے ہیں اور آپؐ کے یہ عمل یعنی 'امیر بحکم فرد واحد، آخر کار موروثی سلطنت پر منتج ہو گا اور اس طرح نا اہل اور بد کردار افراد کو بھی مسلمانوں کے امیر بننے کے مواقع ہاتھ آئیں



Marfat.com

گے جس کا نتیجہ امت مسلمہ کی تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

آپؐ کی وفات کے بعد امیر کے انتخاب کے لیے صحابہ کرامؓ نے آپس میں مشورے کئے اور صحابہ کرامؓ نے آپس کے مشورے سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر مقرر کیا۔ کثرت صحابہ کے مشورے سے جب حضرت ابو بکر صدیقؓ امیر منتخب ہوئے تو اس کے بعد صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ بیعت سے فارغ ہو کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک مختصر لیکن جامع تقریر کی۔ حمد و ثناء اور نبیؐ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا:

"لوگو! میں تمہارے امر (خلافت) کا والی تو ہو گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں قرآن نازل ہوا اور نبیؐ نے طریقے مقرر کر دیئے آپؐ نے ہمیں سکھایا اور ہم سیکھ گئے خوب جان لو کہ تمام عقلوں سے بڑھ کر عقل مند تقویٰ ہے اور تمام حماقتوں سے بڑھ کر حماقت بدکاری ہے آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں جو کمزور ہیں۔ میرے نزدیک وہی بڑے زبردست ہیں یہاں تک کہ ان کا حق میں دلا دوں اور تم میں سے جو زبردست ہے وہی میرے نزدیک بڑا کمزور ہے۔ یہاں تک کہ حق کو اس سے واپس لے کر مستحق کے سپرد کر دوں۔ لوگو! میں پیروی کرنے والا ہوں ایجاد کرنے والا نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو اور اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کرو۔ (۱۳)

یہ انسانی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ کوئی شخص اعلیٰ کردار، بلند اخلاق اور عظیم قربانیوں کی بدولت قوم کا لیڈر منتخب ہوا ورنہ ابھی تک حکمران اور لیڈر بننے کیلئے دنیاوی طاقت، دولت، ظلم و جبر اور درندگی جیسی صفات سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ یہ صحیح معنوں میں اعلیٰ جمہوری نظام کی ابتداء تھی جس میں اس وقت کے حالات کے مطابق زیادہ سے زیادہ لوگوں کی مرضی شامل کروانے کی پوری کوشش کی گئی۔

اس طریقے سے صحابہ کرامؓ نے مندرجہ ذیل اہم اصول عملی طور پر ثابت کر کے دکھائے۔

۱) جبر اور دولت کے ذریعے حکومت حاصل کرنے کو ناجائز ٹھہرایا۔

۲) امیر یا خلیفہ بننے کے لئے اعلیٰ کردار، بلند اخلاق، قربانی اور ایثار کو معیار قرار دیا گیا لیکن ساتھ یہ مظاہرہ بھی ہوا کہ کسی شخص میں چاہے یہ خوبیاں کتنی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ یہ خوبیاں بتا کر اپنے آپ کو امارت یا خلافت کا حقدار نہیں بن سکتا بلکہ معاشرے کے باقی افراد کو یہ موقع فراہم کرنا چاہئے کہ ان خوبیوں کی بناپر سب سے موزوں شخص کو اپنے لیے امیر مقرر کریں۔

۳) امیر کے لئے ضروری ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ عوام کی تائید حاصل ہو۔

تاریخ شاہد ہے کہ خلفائے راشدین میں سے کسی کا تقرر بحق یا باستبداد رائے نہیں ہوا بلکہ مجمع عام میں مہاجرین و انصار کی کثرت رائے سے ہوا (جو بمنزلہ ارکانِ عام تھے) خلفائے راشدین کے انتخاب کے طریقے سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱) کسی خلیفہ نے طاقت، دولت اور وراثت کے بل پر خلافت نہیں حاصل کی۔

۲) کسی خلیفہ نے اپنے آپ کو خلیفہ بنانے کی مہم نہیں چلائی۔



Marfat.com

۳) کسی خلیفہ نے اپنے رشتے دار کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔

۴) کسی خلیفہ نے مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر اپنا جانشین نہیں تھوپا۔

۵) تمام خلفاء نے حکومت کو اپنی ملکیت کے بجائے امانت سمجھا۔

## ☆ قائد اعظم نے جمہوری اسلامی ریاست کو پاکستان کی بنیاد قرار دیا:

بانی پاکستان قائد اعظم نے اسلام اور جمہوریت کو پاکستان کی بنیاد قرار دیا تھا انہوں نے فرمایا کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں گے۔ اس عزم اور وعدے کے ساتھ قیام پاکستان کی جدوجہد کو منزل مقصود تک پہنچایا تھا کہ پاکستان ایک جمہوری ریاست ہو گی جو اسلامی اصولوں کے دائرے میں کام کرے گی اور نئے دور میں دنیا کو اسلامی اصولوں کے تحت ایک جمہوری ریاست اور فلاحی معاشرے کا عملی نمونہ دکھائے گی۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی طرف سے پاکستان میں جمہوری حکومت اور قرآن و سنت کی بالادستی کی یقین دہانی پر اعتماد کرتے ہوئے ہی علمائے کرام کی ایک بڑی تعداد تحریک پاکستان میں شامل ہوئی اور اسی مقصد کے لیے پاکستان کا مطلب کیا؟ "لا الہ الا اللہ" کا نعرہ لگایا گیا تھا جس کی گونج میں لاکھوں مسلمانوں نے تحریک پاکستان کو اپنے خون کا نذرانہ پیش کر دیا۔(۱۴)

قیام پاکستان کے بعد سے اب تک اسلام اور جمہوریت دونوں کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیلا جا رہا ہے۔

## ☆ پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام۔ تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے اس کا دیا ہوا ہر نظام چاہے وہ معاشی ہو، معاشرتی ہو یا سیاسی مکمل نظام ہے اس لئے اسے کسی دوسرے نظام کے ساتھ ملا کر نافذ کرنے سے ہم مطلوبہ نتائج بر آمد نہیں کر سکتے۔ اسلام کے سیاسی نظام کو کسی دوسرے انسانی ساختہ نظام کے پیوند کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

پاکستان میں اسلام کے سیاسی نظام کو نافذ کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے کیونکہ اس نظام کے نفاذ میں بہت سی مشکلات آڑے آتی ہیں جو تقریباً مغرب کی تہذیب سے ہی مسلمانوں نے اخذ کی ہوئی ہیں جب تک ان مشکلات کو دور نہ کریں گے ہم پاکستان میں اسلامی نظام سیاست کا نفاذ نہیں کر سکتے، پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں بہت سی خامیاں موجود ہیں۔ پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں لیتے ہیں۔

### ۱) اقتدار اعلیٰ عوام کو حاصل ہے:

پاکستان میں رائج جمہوری نظام میں اقتدار اعلیٰ عوام کو حاصل ہے یعنی عوام سب سے بڑی طاقت ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کے اندر عوام کی طاقت سے بڑی اور کوئی طاقت نہیں ہے اس لئے ملک کا نظام چلانے اور اس کے تحفظ کے تمام تر فیصلے عوام کی مرضی اور ان کے حق میں ہونے ضروری ہیں۔ سیاست کے اس نظریے کو Sovereignty کا نام دیا گیا ہے اور ہر جگہ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ Sovereignty عوام کا حق ہے۔ اب اگر سوال کیا جائے کہ ایک ملک کے اندر تو Sovereignty عوام کا حق ہے لیکن کائنات کے اندر Sovereignty کس کا



Marfat.com

حق ہے؟ کیا یہ بھی عوام کا حق ہو سکتا ہے اور پھر کونسے ملک کے عوام کا حق ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے اور کائنات کی Sovereignty کی حق دار کوئی اور ہستی ہے اور کسی بھی ملک کے عوام یا تمام دنیا کے عوام کسی صورت میں بھی اس قابل نہیں کہ وہ تمام کائنات کی Sovereignty کے حق دار بن سکیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر تمام کائنات کی Sovereignty کا حق دار کوئی اور ہستی ٹھہری تو یہ کیسے ممکن ہے کہ زمین جیسے ایک چھوٹے سیارے پر چھوٹے چھوٹے ملکوں کے اندر اس بڑی ہستی کی Sovereignty ختم ہو جاتی ہو اور عوام کی Sovereignty شروع ہو جاتی ہو؟ یہ نظریہ عقلی دلیل پر پرکھنے سے غلط ثابت ہوتا ہے اور مغرب کے سیاسی مفکرین نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ البتہ اسلام نے اس مسئلے کو نہایت صحیح طریقے سے پیش کیا ہے اور جو حقیقت ہے وہ کھلم کھلا انسانوں پر اچھی طرح واضح کر دی جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۱۵)

ترجمہ: حاکمیت اعلیٰ سوائے اللہ کے اور کسی کے پاس نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۶)

ترجمہ: اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں

لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۱۷)

ترجمہ: اس کے لیے حمد ہے دنیا اور آخرت میں اور فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔

ان تین آیات قرآنی نے یہ بات بلا کسی شک و شبہ کے واضح کر دی ہے کہ تمام کائنات کی حاکمیت اعلیٰ یا اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حاکمیت اعلیٰ میں کسی مخلوق کو شریک نہیں کیا اور نہ ہی ایسی کوئی مخلوق موجود ہے جو اس حاکمیت اعلیٰ کو سنبھال سکے۔ البتہ زمین پر نظم و نسق قائم کرنے کے متعلق اسلام کا نقطہء نظر اور اصول بالکل مختلف ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (۱۸)

ترجمہ: (اے رسول) کہہ دیں کہ اے اللہ حاکمیت اعلیٰ کے مالک آپ ہیں جس کو چاہتے ہیں حاکمیت بخشتے ہیں اور جس سے چاہیں حاکمیت چھین لیتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (۱۹)

ترجمہ: اور جس وقت تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہا کہ بے شک میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (۲۰)

ترجمہ: اور وہی اللہ ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا۔

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیتوں پر اگر اکٹھا غور کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حاکمیت دو طرح کی ہے ایک لامحدود جو کہ تمام کائنات پر محیط ہے اور اس کا حق دار سوائے اللہ کے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ پہلی تین



Marfat.com

آیات کریمہ اس قسم کی حاکمیت کی دلیل ہیں اور اس حاکمیت کی بدولت تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے۔ دوسری قسم کی حاکمیت بہت محدود ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے کسی بھی چھوٹے یا بڑے حصے میں اپنی کسی بھی مخلوق کو بخش دیتا ہے ار اس کو اپنا نائب بناتا ہے۔ مندرجہ بالا چوتھی آیت شریف اس محدود حاکمیت کی موجودگی کی دلیل ہے اور اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اللہ جب بھی چاہے یہ محدود حاکمیت مخلوق کو عنایت فرماتا ہے اور جب چاہے واپس لے لیتا ہے پانچویں آیت اللہ کے اس ارادے کے اظہار کی دلیل ہے کہ کائنات کے نہایت چھوٹے سیارے یعنی زمین پر خلافت انسان کو دی جانے والی ہے۔ چھٹی آیت کریمہ کے مطابق یہ محدود حاکمیت زمین کے اوپر انسان کو بخش کر اسے اپنا نائب مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس محدود حاکمیت کی بدولت اللہ نے انسان کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ زمین یا اس کے کسی حصے اور اس میں آباد انسانوں، حیوانات، نباتات اور جمادات کا اچھی طرح انتظام کرے اس محدود حاکمیت کی وجہ سے انسانی عوام کو صرف "اقتدار نظامت" حاصل ہے اور "اقتدار اعلیٰ" ہر گز حاصل ہیں ہے لیکن آخری تین آیات کریمہ کے مطابق اس "اقتدار نظامت" کا سرچشمہ بھی اللہ کی ذات ہے نہ کہ انسان کی اپنی طاقت اور قدرت۔ اس لیے انسان کو نہ تو مطلق العنان بن کر زمین کا انتظام کرنے اور نہ بد انتظامی، ظلم و جبر اور جنگ و جدال پھیلانے کی اسلام میں اجازت ہے۔

مندرجہ بالا جائزے سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام کے سیاسی فلسفے کے مطابق "اقتدار اعلیٰ" صرف اللہ کو حاصل ہے اور اقتدار نظامت، انسانی عوام کو حاصل ہے۔

قرآن کریم کی طرح احادیث پاک کا ایک بڑا ذخیرہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر دلالت کرتا ہے چند احادیث درج ذیل ہیں:

} رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"وبک خاصمت وإلیک حاکمت" (۲۱)

ترجمہ: "میں تیری مدد سے بحث کرتا ہوں اور اپنے معاملات فیصلے کیلئے تیرے پاس لے جاتا ہوں"

حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

"علیکم بکتاب اللہ أحلوا حلالہ وحرموا حرامہ" (۲۲)

ترجمہ: تم اپنے اوپر کتاب اللہ کی پیروی کو لازم پکڑ لو اور اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام قرار دو۔

لہٰذا اقتدار اعلیٰ عوام کو حاصل ہے، اس اصول کی اسلامی نظام میں بالکل بھی گنجائش موجود نہیں ہے یہ اصول مغرب میں چاہے جتنا بھی مقبول ہو اور اس کا جتنا بھی پرچار ہو اور اس کو موجودہ جمہوریت کا روح رواں اصول گردانا جا رہا ہو۔ مسلمان کو نہایت دلیری اور بے خوفی سے اس اصول کو اپنے سیاسی نظام میں سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا اور اس کی جگہ اپنا جمہوری نظام اس اصول پر استوار کرنا ہوگا کہ "اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہے اور انسانی عوام کو اقتدار



Marfat.com

نظامت حاصل ہے" یہی اصول قرآن کریم سے ثابت ہے اور اسی اصول پر مسلمانوں کو اپنے جمہوری نظام کی بنیاد رکھنی چاہئے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کر کے ثابت کرنا ہوگا کہ قرآنی نظریات دور جدید میں بھی قابل عمل ہیں۔

## ۲) سیاسی پارٹیوں کا وجود اور تصادم پر مبنی نظام:

پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں سب سے اہم عملی عنصر سیاسی پارٹیوں کا وجود ہے۔ یہی وہ عنصر ہے جو کہ اسلام کی تعلیمات اور مقاصد کے سب سے زیادہ خلاف ہے۔ سیاسی پارٹیوں کا یہ نظام تصادم پر مبنی ہے۔ پارٹی سسٹم میں مستقل طور پر دو گروپ ہوتے ہیں۔ ایک حزب اقتدار ہوتا ہے اور دوسرا حزب اختلاف۔ حزب اختلاف کا کام ہی یہ ہے کہ حزب اقتدار کے ہر جائز اور ناجائز اقدام کو تنقید کا نشانہ بنائے اور اسمبلی کے اندر باہر اس پر کیچڑ اُچھالتا رہے۔ سیاسی پارٹیوں کی وجہ سے تمام معاشرہ نظریاتی طبقات میں منقسم ہو جاتا ہے اسی نظام میں طبقاتی اختلافات کو ہوا ملتی ہے۔ اقتدار کی ہوس پورا کرنے کے لیے معاشرے میں بے اتفاقی، نفرت اور مخالفت پھیلانا سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے۔ انسان کے اندر پوشیدہ نفرت اور گروہ بندی کے جذبات کو اُبھار کر انسانوں کو اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں تباہ اور بے عزت کروا کر اقتدار کے لیے راہ ہموار کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ گروہ بندی، انتشار اور آپس کی دشمنی کا شکار ہو جاتا ہے یہ سب باتیں اسلام کے خلاف ہیں۔ اسلام امت میں اتحاد، وحدت، پیار، محبت اور دوستی قائم رکھنے کا خواہاں ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کے اندر نفرت، دشمنی اور فرقہ بندی کی بنیادیں ختم کر دی ہیں۔ اسلام مسلمانوں کے معاشرے میں کسی قسم کا تصادم گوارہ نہیں کرتا اور ہر حالت میں اخوت اور بھائی چارہ قائم کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

} قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (۲۳) ترجمہ: بے شک مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (۲۴)

ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو۔

"وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ "(۲۵)

ترجمہ: ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے واضح نشانیوں کے پہنچ جانے کے بعد باہم تفریق کر لی اور اختلاف کیا انہی لوگوں کے لیے عذاب عظیم ہے۔

} رسول اللہ نے فرمایا:

"تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی لہ سائر جسدہ بالسھر والحمی" (۲۶)

ترجمہ: "تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت و محبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف و نرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف



Marfat.com

میں ہوتا ہے ایسی کہ نیند اُڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے"

ان آیات اور احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام امت میں اتحاد کا علمبردار ہے جبکہ سیاسی پارٹیوں کا نظام نفرت اور تصادم پر استوار ہے۔ اسلام کے نظام سیاست میں اس طرح کی پارٹی بندی نہیں ہوتی۔ اس میں تو صرف ایک ہی حزب ہوتا ہے اور وہ ہے "حزب اللہ"۔ ساری قوم دل و جان سے اس کا احترام کرتی ہے اور اس سے تعاون کرتی ہے۔ پاکستان کی مختصر سی تاریخ میں پارٹی نظام نے ملک و قوم کو بے انتہا نقصان پہنچایا اور ملک کو دو ٹکڑے کر کے تباہی کے قریب لا کھڑا کیا اور عوام کو مارشل لاء کا طوق کئی مرتبہ پہننے پر مجبور کیا۔ پاکستان میں جب ہم سیاسی پارٹیوں کی مدد سے مغربی جمہوریت کو ملک میں رائج کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس وقت ہم دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اپنی مضبوط اسلامی بنیاد اکھاڑنے کے فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں تضاد کی وجہ سے انتشار جنم لیتا ہے۔ اسلامی اتحاد ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور جمہوریت بھی ایک مذاق بن جاتا ہے۔

مغربی جمہوریت کا ظاہری خوش رنگ شربت میں ملا ہوا پارٹیوں کا زہر ہمارے لیڈران فخر سے قوم کو پلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی طرح قوم کو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال بھی ہمیں اس تباہی سے خبردار کرتے ہیں:

وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زبان
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامہ محشر یہاں

پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاسی نظام چونکہ تصادم پر استوار ہے اس لیے اس میں مثبت رویے کا فقدان اور منفی رویے کی پاسداری کی پالیسی کارفرما رہتی ہے۔ مخالف پارٹی یا گروہ کے نہایت ہی اعلیٰ پروگرام کو بھی کبھی نہیں سراہا جاتا بلکہ اس کو عوام میں بدنام اور ناکام بنانے کی بھرپور کوششیں کی جاتی ہیں اس نظام کا سب سے بڑا اسلحہ یہی ہوتا ہے کہ پروپیگنڈے کے ذریعے مخالف کو جھوٹا، غلط، ادنی، کمزور، بے کار اور بدنام قرار دیا جائے۔ بے شک وہ درحقیقت سچا، صحیح، اہل، نیک نام ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام اس کی مخالفت کرتا ہے۔

"عن أبي موسى ﷺ عنه قال: قالوا: يا رسول الله أي الاسلام أفضل؟ قال: من مسلم المسلمون من لسانه ويده" (۲۷)

سیدنا ابو موسیٰ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کس کا اسلام افضل ہے؟ تو نبی کریمؐ نے فرمایا جس کے زبان اور ہاتھ سے سارے مسلمان سلامتی میں رہیں۔

## (۴) اکثریت کی نمائندگی سے محرومی:

پاکستان میں حکومت سادہ اکثریت سے برسر اقتدار آتی ہے۔ یعنی جس پارٹی یا شخص کو سب سے زیادہ ووٹ ملے وہ کامیاب قرار دیا جاتا ہے اور اس بنا پر عہدے یا حکومت کرنے کے حق کا دعوے دار ہوتا ہے۔ کئی افراد یا سیاسی پارٹیاں انتخابات میں حصہ لیتی ہیں اور جو پارٹی یا شخص بھی سادہ اکثریت سے کامیاب قرار دیا جاتا ہے اسے اکثر اوقات



Marfat.com

کل ووٹوں کے آدھے سے بھی بہت کم ووٹ ملے ہوتے ہیں جبکہ باقی تمام ناکامیاب امیدواروں کے مجموعی ووٹ آدھے سے کافی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اقتدار جس کو سونپا جاتا ہے درحقیقت وہ عوام میں سے ایک اقلیت کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ عوام کی اکثریت حزب اختلاف کے حق میں فیصلہ دے چکی ہوتی ہے۔ یہ ایک طرف تو عوام کی اکثریت کے ساتھ ناانصافی ہے دوسری طرف یہ عوام میں گروہ بندی اور فرقہ بندی کی حوصلہ افزائی ہے کیونکہ سیاست دانوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے مقابلے میں ایک سے زیادہ امیدوار ہوں تاکہ حزب مخالف کے ووٹ تقسیم ہو جائیں اس سے عوام کی صفوں میں انتشار اور دشمنی بڑھتی ہے یہ کیفیت اسلامی جمہوری اصولوں کے بھی منافی ہے کیونکہ ہم نے دیکھ لیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب کی صورت میں ان کی کوشش تھی کہ ان کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کی تائید حاصل ہو جائے۔

کثرت رائے کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کے سلسلے میں شریعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ احکام دو طرح کے ہیں۔ ایک قطعی و اصولی احکام و مسائل، ان میں کسی طرح کی بھی رائے دہی کی گنجائش نہیں ہے۔ شریعت نے ان کے خدوخال واضح و متعین کر دیئے ہیں جیسے کہ اسلامی عقائد، عبادات کا طریقہ کار، معاملات کی بنیادی باتیں وغیرہ کہ ان میں ایک فرد بھی اگر حق پر قائم ہو تو وہ تنہا جماعت کے درجہ میں ہے ان ہی کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ" (۲۸)

ترجمہ: اگر آپ زمین میں جو ہیں ان میں سے اکثر کی اطاعت کریں گے وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔

"وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ" (۲۹) ترجمہ: اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور دوسرے قسم کے مسائل وہ ہیں جو "تدبیر مدن" سے متعلق ہیں، ٹرافک کے نظام کیلئے قواعد و ضوابط متعین کرنا، تجارت و صنعت، بین ملکی تعلقات کے اصول و ضوابط، اشیاء کے نرخ و غذائی اجناس کی قیمتوں میں اضافہ، کارخانوں کے لئے ضابطہ اخلاق کی تدوین وغیرہ، کہ ان امور میں کثرت رائے کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اسے انتخاب سے بنایا جا سکتا ہے اور اس کے ضمن میں ریاست کے حکمران یا والی امر اور دیگر مناسب کے لئے عہدہ کا انتخاب بھی ہے جیسے کہ آپؐ نے فرمایا: "إن الشيطان مع الأحد وهو مع الاثنين أبعد" (۳۰)

اس طرح غزوہ اُحد کے موقع پر آپؐ خود اپنی رائے گرامی جو کہ بعض دیگر مؤقر صحابہ کی بھی تھی سے دستبردار ہو گئے اور کثرت رائے کی بنیاد پر مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ اس جیسے کئی واقعات سیرت و تاریخ میں موجود ہیں جن میں کثرت رائے کی بنیاد پر فیصلہ کیا گیا ہے اس لئے تدبیر مدن سے متعلق امور میں اسے فیصلہ کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے انتخابات بھی اسی قبیل سے ہے۔

## ۴) انتخابات کا موجودہ طریقہ کار:

برسر اقتدار پارٹی کے زیر اثر انتظامیہ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ غیر جانبدار انتخابات منعقد کرے گی خام خیالی



Marfat.com

کے سوا کچھ نہیں پاکستان میں غیر جانبدارانہ حکومت کا قیام اور فوج سے یہ مطالبہ کہ وہ انتخابات کی خود نگرانی کرے اس بات کی دلیل ہے کہ موجودہ طریقہ انتخابات ناقص اور ناکام ہے اور قوم اس کا کوئی اور حل چاہتی ہے۔ فوج ہمیشہ کے لئے یہ ذمہ داری قبول نہیں کر سکتی اور ایک الیکشن فوج کے زیر نگرانی کرانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ موجودہ طریقہ انتخاب کو ختم کر کے اس کے لئے ایک مستقل حل تلاش کرنا ہو گا۔ اس لیے اسلامی جمہوری نظام میں انتخابات منعقد کرانے کا متبادل بندوبست ضروری ہے تاکہ یہ ممکن ہو کہ انتظامیہ کے اثرورسوخ سے بالکل آزاد، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات دوستانہ ماحول میں نظم وضبط کے ساتھ منعقد کیے جا سکیں۔

} ہمیں اسلام سے انتخابی نظام کے بارے میں مندرجہ ذیل ہدایات ملتی ہیں:

اکیلا شخص جو خود کسی عہدے یا منصب کا خواہشمند ہو وہ اس کا اہل ہی نہیں رہتا۔ اس نکتے کی گہرائی میں اُتریں تو پتہ چلتا ہے کہ اجتماعی امور کی تکمیل و ادائیگی کے لیے جس اخلاص کی ضرورت ہوتی ہے وہ عہدے کی طلب اور لالچ کے جذبے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ طلب مناسب کی ممانعت میں آپؐ نے فرمایا:

"إنا واللہ! لا نولي علی هذا العمل أحداً اسأله ولا أحدا احرص علیه" (۳۱)

ترجمہ: اللہ کی قسم! ہم اپنے امور پر ہرگز کسی ایسے شخص کو نگران نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے اور جو اس کا حریص ہو۔

اسلام کے تصور اجتماع کے مطابق اگر کسی شخص کو منصب ملے تو اس کی حیثیت ایک "امین" کی ہو جاتی ہے۔ جو اپنے جملہ فرائض کے لیے سب سے پہلے اللہ ربّ العزت کو جواب دہ ہوتا ہے کیونکہ حاکمیت اعلیٰ کا منصب صرف اللہ کے پاس ہے اس تصور کو "احساس امانت" کہہ سکتے ہیں۔

} آپؐ نے فرمایا:

"مامن عبد یسترعیه اللہ رعیة فلم یحطها بنصحه إلاّ لم یجد رائحة الجنة" (۳۲)

ترجمہ: اللہ جب کسی بندہ کو کسی رعیت کا حاکم بناتا ہے اور وہ اس کے خیر خواہی کے ساتھ حفاظت نہیں کرتا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

اسلام جس نظم مملکت کو پسند کرتا ہے وہ کبھی بھی باہمی مشاورت و رضامندی کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔

} قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (۳۳)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا اور نماز قائم کی اور اپنے امور میں باہمی مشاورت کی

یہاں قرآن پاک میں اسلامی معاشرے کی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے امور کو باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں بایں ہمہ انتخابی عمل بالخصوص حکمران کے انتخاب کے لیے اصحاب شوریٰ کی مشاورت لازم ہے۔

انتخابی نظام کی عملی نظیر ہمیں خلافت راشدہ سے ملتی ہے کیونکہ عہد نبوت میں "کاشانہء نبوت" سے جاری



Marfat.com

ہونے والا ہر حکم ہی ایک مستقل آئین تھا جسے تمام مسلمانوں نے بسر و چشم قبول کیا۔ آپؐ کی موجودگی میں اس ضرورت (انتخابی نظام) کا احساس ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن خلفائے راشدین کے "انتخاب خلافت" کی نوعیت سے ہمیں حسب ذیل نکات ملتے ہیں جو اسلام کے انتخابی عملی کے لئے رہنما کلید کی حیثیت رکھتے ہیں:

۱) جس امر میں انتخاب کا مرحلہ درپیش ہو اس کے لیے اصحاب فضیلت کی طرف سبقت کی جائے۔

۲) لوگوں سے مشاورت کی جائے لیکن ہر طبقے کی رائے (ووٹ) برابر نہیں ہو سکتی، اس لیے ارباب حل و عقد کی رائے کو اہمیت دی جائے اور ان کی اکثریت جس رجحان فکر کی تائید کرے اسے قبول کیا جائے۔

۳) امیدوار کی نامزدگی بھی ارباب شوریٰ کریں گے۔

۴) کوئی بھی شخص از خود اپنا نام پیش نہیں کر سکتا۔

۵) مسئلہ حکمرانی طے ہو جانے کے بعد تمام احوال اپنی اپنی جگہ لوٹ آئیں غیر منتخب افراد فطری و اصولی طور پر منتخب خلیفہ کے وزراء قرار پائیں گے۔

۶) جسے منتخب کیا جائے اس کی شخصیت کے لیے عوام الناس میں بھی رائے عامہ ہموار ہونی چاہئے۔(۳۴)

اسلام میں اصل انتخاب خلیفہ کا ہے اس کے بعد جتنے بھی ذیلی عہدے و مناسب ہیں وہ خلفیہ وقت اپنی شوریٰ کے مشورے سے وقتاً فوقتاً طے کرتا رہے گا۔

### ۵) جمہوریت کا مالیاتی پہلو:

پاکستان میں مروجہ جمہوری نظام کی بہت بڑی خرابی دولت کا بے دریغ استعمال ہے۔ ناجائز طریقوں سے کثیر دولت جمع کر کے الیکشن پر خرچ کی جاتی ہے۔ حرام اور ناجائز دولت اکٹھی کرنا بذات خود اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اپنی ذاتی مالیات اور اسلامی معاشرے کی اقتصادیات صاف ستھرا رکھنے کی جتنی تلقین کی ہے۔ دوسرے کسی مذہب نے نہیں کی اور اس مقصد کے لیے ایک سادہ لیکن انتہائی اہم قانون وضع کیا ہے۔ جس کو رزق حلال کا قانون کہتے ہیں اور ہر مسلمان کو اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی تلقین کی ہے اس لئے اسلام کے نزدیک ناجائز طریقوں سے الیکشن کے لئے دولت حاصل کرنا حرام کے زمرے میں شامل ہے۔ اس لئے اسلام کے نزدیک یہ سارا سلسلہ حرام ہے۔ یہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ عصر حاضر میں اکثر مسلمان حرام دولت حاصل کرنے کے پیچھے ایسے ہاتھ دھو کر پڑ چکے ہیں جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس معاملے میں مسلمان حکومتیں بھی بالکل بے حس ہو چکی ہیں۔

موجودہ جمہوری نظام میں الیکشن پر جو کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں وہ بڑے پیمانے پر حرام خوری اور کرپشن کی بنیاد ہے۔ اس وقت ملک و قوم کو درپیش مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ کرپشن کا ہے اور اس کی واحد وجہ مغربی



Marfat.com

جمہوریت کا مالیاتی پہلو ہے جبکہ ساری دنیا میں مغربی جمہوریت کی روح رواں دولت ہے اسی طرح پاکستان میں بھی اس نظام کو کروڑوں اور اربوں روپے کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی اب اسمبلیوں میں ممبر بننے کے لئے انتخابی مہم کا بل لاکھوں سے کروڑوں تک پہنچ چکا ہے۔ اتنی بڑی رقم ایک آدھ بزنس مین ساری زندگی کی دن رات محنت سے حلال طریقے سے کمالے تو ممکن ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی دولت ناجائز طریقوں سے حاصل کی ہوئی ہوتی ہے اور اتنی بڑی دولت خرچ کرنے کے بعد جب وہ حکومت میں جا کر اختیارات سنبھالتے ہیں تو وہ خرچ کردہ دولت بھی پوری کرنی ہوتی ہے اور آئندہ الیکشن کے اخراجات کا بندوبست بھی کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے اور حواریوں کی عیاشانہ زندگی کو برقرار رکھنے کا بھی پورا بندوبست کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے خود بھی بددیانی اور کرپشن کے مرتکب ہونا پڑتا ہے اور چونکہ یہ کام اکیلے سرانجام نہیں دیا جاسکتا تو اپنے اپنے محکموں میں اعلیٰ افسروں سے لے کر ادنی کلرکوں تک کو کرپشن کے راستے پر چلا دیا جاتا ہے اور محکمے کا ہر فرد اپنی اپنی سطح تک اپنا اپنا حصہ نکالنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اس سارے کھیل کے نتیجے میں ملک کے وسائل سے حاصل شدہ کروڑوں روپے جو کہ عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ ہونے چاہئیں وہ سیاست دانوں کی وساطت سے مغربی جمہوریت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ کرپشن کے اس بڑھتے ہوئے کاروبار کی وجہ سے وہ لوگ بھی اس چکر میں مجبوراً پھنس جاتے ہیں۔ جن کو آسانی سے بددیانتی کے مواقع میسر نہیں ہوتے لیکن دیکھا دیکھی ان کو بھی اپنے گھر والوں کی خواہشات پوری کرنی پڑجاتی ہیں اور ڈھونڈ کر کہیں نہ کہیں سے ناجائز روپیہ حاصل کرنے کے طریقے پیدا کر لیے جاتے ہیں اسی طرح یہ Chain Reaction کی وجہ سے کرپشن کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس نے ہمارے معاشرے کے ہر پہلو کو متاثر کیا ہوا ہے اور ماسوائے چند لوگوں کے، حکومت اور پرائیویٹ سیکٹر کا تقریباً ہر فرد اسی چکر میں گرفتار ہے۔

اسلام میں حرام طریقے سے کمانے کی سخت ممانعت کی گئی ہے اور ہر شخص کے لیے اس کا منصب ایک امانت ہوتا ہے اور اس میں بددیانتی کرنا بھی اسلام میں منع ہے۔

} قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ" (۳۵)

ترجمہ: بے شک خیانت کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا ہے۔

} رسول کریمؐ کا ارشاد ہے:

"لاایمان لمن لا أمانة له، ولادین لمن لاعهد له" (۳۶)

ترجمہ: اس میں ایمان نہیں جس میں امانت نہیں اور اس کا دین نہیں جس میں عہد کی پابندی نہیں۔

} رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

"إن رجالا یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق فلهم النار یوم القیامة" (۳۷)

ترجمہ: بلاشبہ کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہیں پس ایسے لوگوں کے لیے قیامت کے دن جہنم کی آگ ہے۔



Marfat.com

آپؐ نے فرمایا:

"کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته۔۔۔۔۔۔" (۳۸)

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں سے متعلق سوال ہو گا۔

ان آیات کریمہ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں حرام طریقے سے کمانا، بد دیانتی اور خیانت کے ذریعے کمانے کی سخت ممانعت کی گئی ہے لہذا اسلامی جمہوری نظام کے لئے ان تمام ناجائز طریقوں کو چھوڑنا ہو گا۔

## ۶) پارلیمانی نظام:

دور حاضر میں ہر جمہوری حکومت کے تین ستون یا شاخیں ہوتی ہیں اور یہ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کہلاتی ہیں مقننہ کی ذمہ داری قانون سازی ہوتی ہے اور یہ قانون ساز اداروں یعنی اسمبلیوں اور سینٹ وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ انتظامیہ کے ذمے ملک کے ہر شعبے میں انتظام سنبھالنا ہوتا ہے۔ یعنی ملک کا دفاع اور شہری زندگی کے ہر پہلو کا انتظام کرنا انتظامیہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ انتظامیہ صدر، وزیر اعظم اور وزراء پر مشتمل ہوتا ہے۔ عدلیہ کی ذمہ داری ملک میں انصاف مہیا کرنا ہوتا ہے اور یہ ایک مکمل عدالتی نظام پر مشتمل ہوتا ہے ایک صحیح جمہوری نظام میں ان تین ستونوں یا شاخوں کا ایک دوسرے سے آزاد ہونا لازمی ہے لیکن پاکستان کے جمہوری نظام میں عدلیہ ہر لحاظ سے انتظامیہ کے زیر اثر رہتی ہے اور انتظامیہ مختلف طریقوں سے عدلیہ پر دباؤ ڈالتی رہتی ہے۔ مثلاً عدلیہ کا بجٹ (جس کے بغیر عدلیہ ایک منٹ بھی اپنی ذمہ داری سرانجام نہیں دے سکتی) مکمل طور پر انتظامیہ کی مرضی کے تابع ہے۔ ملک کے مختلف اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کی تقرریاں اور ترقیاں سب کے سب انتظامیہ کے ہاتھوں میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عدالتی نظام انتظامیہ کی مرضی کے بغیر آزادانہ طور پر نہیں چل سکتا۔ انتظامیہ نے مکمل طور پر عدلیہ کے وجود میں اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں اور اس کی روح کو فنا کر کے رکھ دیا ہے۔

حکومت کی ان تین شاخوں میں سب سے زیادہ جس شاخ کا حلیہ بگڑا ہوا ہے وہ مقننہ ہے۔ آئینی اور قانونی لحاظ سے اس شاخ کی واحد لیکن انتہائی اہم ذمہ داری " قانون سازی " ہے تاکہ کاروبار حکومت اور عوامی زندگی پورے سکون اور منظم طریقے سے آگے بڑھتے رہیں۔ یہ حقیقت نہایت ہی پریشان کن ہے کہ پاکستان کی جمہوری تاریخ میں قانون سازی کی رفتار نہایت سست اور معیار نہایت پست رہا ہے اور مقننہ کے ممبران اپنے آپ کو ایسی کاروائیوں میں ملوث کرتے آرہے ہیں جن کا قانون سازی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اپنے اپنے حلقوں کے ووٹ دہندگان کے بچوں کے داخلوں، نوکریوں، تبدیلیوں، مقدمات اور دشمنیوں میں مدد کرنا ان کے فرائض میں شامل رہا ہے۔ دوسری طرف ترقی کے کام (جو کہ انتظامیہ کے فرائض میں شامل ہیں) یعنی سڑکیں، پل، گلی کوچے، نالیاں، سکول اور ہسپتال وغیرہ کے قیام بھی مقننہ کے ان ممبروں کے فرائض میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ سڑکوں، پلوں، پٹرول پمپوں کے افتتاحی تقریبات سے اور شادی بیاہ کے تقریبات میں شمولیت بلکہ یہاں تک کہ بادل ناخواستہ جنازوں کی حاضری، تعزیتی پیغامات اور عیادتیں بھی ان کے فرائض منصبی کا حصہ تصور کیا جاتا ہے ان فرائض (جن پر ان کی سیاسی زندگی کا انحصار



Marfat.com

ہے) کو جیسے تیسے سر انجام دینے کے بعد قانون سازی کے لئے کسی کے پاس وقت اور توانائی بچ سکتی ہے۔

ملک کی قانون ساز اسمبلیاں عوام کے لیے قابل فخر اور قابل احترام ادارے ہوتے ہیں۔ ان کے ممبر زاعلیٰ اخلاق، کردار اور شائستگی کے نمونے ہونے چاہئیں اور فہم وادراک کے لحاظ سے ان میں زمان ومکان کے سرحدوں کے اُس پار جھانکنے کی صلاحیت ہونی چاہئے۔ لیکن ہماری قانون سازی کی تاریخ شاہد ہے کہ ان ایوانوں نے جو مناظر پیش کیے ان سے ساری قوم دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوتی رہی۔

ہم نے دیکھ لیا ہے کہ پاکستان میں رائج نظام کے اندر انتظامیہ نے کس طرح عدلیہ کو اپاہج کر کے رکھا ہوا ہے اور دوسری طرف انتظامیہ کا اپنا وجود مقننہ کے رحم وکرم پر ہے جبکہ مقننہ سے قانون سازی کی ذمہ داری انتظامیہ نے لے رکھی ہے اور اس کے بدلے انتظامیہ میں سے کچھ ذمہ داریاں مقننہ نے سنبھال رکھی ہیں۔ ایک صحیح جمہوری نظام میں حکومت کے یہ ستون ایک دوسرے سے ممکن طور پر آزاد ہونا لازم ہے ورنہ جمہوریت صرف ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے۔ مزید یہ کہ اس نظام میں کسی فرد کو بھی بیک وقت ان میں ایک سے زیادہ شاخوں میں ذمہ داری سنبھالنے کی اجازت نہیں ہوگی یعنی کوئی فرد جو کہ قومی یا صوبائی اسمبلی یا سینٹ کا ممبر ہو گا وزارت قبول نہیں کر سکتے گا اور نہ ہی مشیر وغیرہ کے عہدے پر فائز ہو سکے گا۔ اس اسلامی جمہوری نظام میں ان دو اہم اصولوں پر سختی سے عمل کرنا ہو گا ورنہ اس مجوزہ نظام کا حشر بھی پاکستان کے موجودہ جمہوری نظام سے مختلف نہیں ہو گا۔

جہاں تک پارلیمانی نظام کا تعلق ہے تو یہ اسلامی اصولوں کے ساتھ منطبق نہیں ہے کیونکہ اس نظام میں ملک کا سربراہ یعنی صدر ایک برائے نام حیثیت رکھتا ہے اور اس کے پاس کوئی اختیارات نہیں ہوتے اور وہ صرف دستخط کی مشین سمجھی جاتی ہے بلکہ عام طور پر ایک کٹھ پتلی کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نظام میں اختیارات تمام وزیر اعظم کے پاس ہوتے ہیں جو کہ حکومت کا اختیار مند ہوتا ہے۔ لیکن ملک و قوم کا امیر نہیں ہوتا۔ اسلام نے نہ اس قسم کے امیر کا تصور پیش کیا ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین نے اس قسم کے امیر کا کوئی عملی مظاہرہ کیا ہے اسلام مسلمانوں کے امیر کو قانون کے دائرے کے اندر مکمل طور پر با اختیار اور قابل تقلید ہستی تصور کرتا ہے۔

اسلام کو ایسا امیر پسند نہیں جو کہ برائے نام تو امیر ہو لیکن اہم فیصلوں اور پالیسیوں کے لئے وزیر اعظم کا محتاج ہو دوسرا یہ کہ اسلام معاشرے میں استحکام، امن اور سکون کا خواہاں ہے جبکہ پارلیمانی نظام میں انتشار، افراتفری اور غیر مستحکم حالات پیدا ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔

پارلیمانی نظام ایک مثالی اسلامی حکومت کے تصورت کے منافی ہے اسلام صرف اس نظام حکومت کا تصور پیش کرتا ہے جس میں امیر (صدر) تمام قوم کے افراد کے ووٹوں سے منتخب ہو اور وہ آئین اور قانون کے اندر رہ کر ایک با اختیار ہستی کے طور پر ملک و قوم کی راہنمائی کرے۔ اسلام میں بر سر اقتدار گروہ یا بر سر اقتدار خاندان کا کوئی تصور نہیں صرف فرد واحد ہی مسلمانوں کا امیر سمجھا جاتا ہے اور اس کے خاندان کے افراد، بیوی، اولاد یا دوست وغیرہ بھی اس کے ساتھ حکومت میں کوئی شراکت نہیں رکھتے۔ ہمارے ہاں مشاورت کے لیے شوریٰ (اسمبلیاں اور سینٹ) کا وجود اور انتظام چلانے کے لئے صرف اہلیت کی بناء پر منتظمین (مشیر اور وزراء) کا تقرر اسلام کے مطابق ہے۔



Marfat.com

اسلامی جمہوری نظام میں امیر یعنی صدر کا انتخاب قوم کے تمام بالغ افراد کے براہ راست ووٹوں سے ہونا ضروری ہے اور صدر کا قانون کے دائرے میں بااختیار ہونا ضروری ہے۔ قرآنی فلسفہ "اقتدار نظامت" اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ مسلمانوں کے امیر (صدر) کو گنتی کے چند افراد منتخب کریں چاہے وہ پارلیمنٹ کے ممبرز ہوں، اہل علم یا اہل رائے ہوں یا بنیادی جمہوریت کے ممبرز ہوں۔

} اس کے علاوہ اسلامی جمہوری نظام میں مندرجہ ذیل باتوں کا خاص طور پر بندوبست ہونا لازمی ہے۔

١) مخلص، دیانت دار اور اہل افراد کے لیے یہ ممکن اور آسان ہو کہ وہ اگر چاہیں تو قوم کی خدمت کے لیے سیاست میں آگے آسکیں چاہے وہ مالی لحاظ سے معمولی حیثیت کے مالک کیوں نہ ہوں بلکہ اس قسم کے افراد کی حوصلہ افزائی ہوسکے تاکہ قومی زندگی کی ہر سطح پر ذمہ داری سنبھالنے والے دیانت دار، مخلص اور اہل افراد کی کوئی کمی نہ ہونے پائے۔

٢) اسلامی سیاسی جمہوری نظام میں لیڈروں کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ سادہ لوح عوام کے جذبات کا استحصال کرسکیں۔

٣) نظام کے اندر عوام اور لیڈروں کے لیے سیاسی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کا مکمل بندوبست موجود ہو تاکہ ان کی ایک مکمل سیاسی ضابطہ اخلاق کے اندر پوری طرح ٹریننگ ہوسکے اور اسی طرح تمام سیاسی کاروائیاں سیاسی ضابطہ اخلاق کی پابند ہوں۔

٤) لیڈروں کی مکمل جواب دہی اور احتساب کا نظام موجود ہو جس میں عوام کے علاوہ ذرائع ابلاغ اور عدلیہ بھر پور کردار ادا کرسکیں۔

٥) یہ سیاسی نظام مکمل طور پر ایک شفاف نظام ہو یعنی اس کا ہر پہلو، ہر اصول اور ہر قانون مکمل طور پر واضح ہو اور عوام کو ان سے بخوبی واقف کرانے کا بندوبست موجود ہو تاکہ اگر کوئی ذرا بھی غیر قانونی اور غیر آئینی عمل کا ارتکاب کرے تو عوام اس کو فوراً سمجھیں اور اس کے تدارک کے لیے آواز اُٹھائیں۔

٦) ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح سیاست میں بڑے پیمانے پر بد دیانتی اور بے ایمانی باقی معاشرے میں پھیل جاتی ہیں۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ سیاست میں بڑے پیمانے پر قوم کے سرکردہ افراد تو بد دیانت اور بے ایمان ہوں اور باقی سارا معاشرہ دیانت اور ایمانداری کا نمونہ ہو۔ جب تک منتقلی اقتدار اور سیاست کے باقی پہلوؤں میں دیانت داری، ایمان داری، راست بازی صبر و تحمل، مساوات اور جمہوری جذبہ پیدا نہ کیا جائے، مسلمان معاشرے کے کسی بھی پہلو میں یہ خوبیاں پیدا نہیں کی جاسکتیں۔

## {حواشی}

١) اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ١١/ ٤٨٣

٢) اصفہانی، راغب، امام، الذریعہ الحی الی مکارم الشریعۃ، باب ٨، ص ١٨



Marfat.com

۳) ابن منظور، لسان العرب، داراحیاء التراث العربی، لبنان، ۱۹۸۸ء، ج ۲، ص ۳۷۰

۴) فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دارالاحیاء التراث العربی، لبنان، ۱۹۹۱ء، الجزء الاول، ص: ۷۳۰

۵) ابن منظور، لسان العرب، داراحیاء التراث العربی، لبنان، ۱۹۸۸ء، ج ۲، ص: ۳۷۰

۶) Harecoust Brace, Democracy under pressure, oxford encyclopedic dictionary, United States of America, Page: 16

۷) اقرار حسین، شیخ، جمہوریت ایک نظام حیات، ایک طرز حکومت، دی بکس (لائبریری ڈویلپر)، اسلام آباد، س ن، ص: ۹

۸) گوہر الرحمن، مولانا، اسلامی سیاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، اپریل ۱۹۸۱ء، ص: ۷۵

۹) النساء: ۶۰

۱۰) اقبال، محمد، ڈاکٹر، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، فروری، ۱۹۷۳ء، ص: ۴۰

۱۱) عبدالرحمن کیلانی، مولانا، خلافت و جمہوریت، دارالسلام، لاہور، اکتوبر ۲۰۱۰ء، ص: ۱۹۶

۱۲) سیف، سیف الاسلام، ڈاکٹر، ایک جدید عملی اسلامی جمہوری نظام کی تجویز، وحید پرنٹرز، لاہور، س ن، ص: ۲۲

۱۳) سعد، ابوعبداللہ محمد، طبقات ابن سعد، نفیس اکیڈمی آفسٹ پرنٹرز، کراچی ۱۹۸۰ء، ج ۳، ص ۲۷

۱۴) الراشدی، ابوعمار زاہد، اسلام، جمہوریت اور پاکستان، بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص: ۸۳

۱۵) یوسف: ۴۰

۱۶) التوبہ: ۱۱۶

۱۷) القصص: ۷۰

۱۸) آل عمران: ۲۶

۱۹) البقرہ: ۳۰

۲۰) الانعام: ۱۶۵

۲۱) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب التہجد باللیل، حدیث نمبر ۱۱۲۰

۲۲) طبرانی، سلیمان بن احمد، مسند الشامیین، حدیث نمبر ۱۱۷۰، ط: ا، بیروت، موسستہ الرسالتہ، ۱۹۸۴ء

۲۳) الحجرات: ۱۰

۲۴) آل عمران: ۱۰۳

۲۵) آل عمران: ۱۰۶

۲۶) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الادب: باب رحمۃ الناس والبھائم، حدیث نمبر ۶۰۱۱

۲۷) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الایمان: باب أی الاسلام أفضل: ۱۱

۲۸) الانعام: ۱۱۶




Marfat.com

۲۹) الاعراف: ۱۸۷
۳۰) سنن الترمذی، ابواب الفتن، حدیث نمبر: ۲۱۶۶
۳۱) مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا، حدیث نمبر: ۴۷۱۷
۳۲) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الاحکام: باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح، ۷۱۵۰
۳۳) الشوریٰ: ۳۸
۳۴) قاسمی، سراج الدین، محمد، مفتی، "اسلام کا سیاسی نظام"، ایفا پبلی کیشنز، فروری ۲۰۱۴ء، ص: ۴۴
۳۵) الانفال: ۵۸
۳۶) رواہ ابن حبان، کتاب الایمان: ۱۹۴
۳۷) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس: باب قولہ تعالیٰ: (فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ) (الأنفال: ۴۱) حدیث نمبر: ۳۱۱۸
۳۸) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب النکاح: باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا: حدیث نمبر: ۵۲۰۰



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر سیدہ کہکشاں ہاشمی *

**ابتدائیہ:**

اسلام ایک کامل و مکمل دین اور ابدی ضابطۂ حیات ہے۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہر شعبۂ زندگی میں ہماری راہ نمائی کرتی ہیں۔ اسلام کا نظام سیاست و حکومت ایک عادلانہ نظام زندگی ہے۔ اسلام نے ہر شعبۂ حیات میں عدل و مساوات، اعتدال و توازن، دیانت و امانت، احساس ذمہ داری، قانون پر عمل درآمد پر زور دیا ہے۔ اسی طرح نظامِ حکومت و مملکت میں انتظامیہ اور سرکاری مناصب و ذرائع پر فائز افراد کی یہ بنیادی ذمے داری ہے کہ وہ دیانت و امانت تعلیمات نبوی اور اسلام کی اخلاقی اقدار کو پیش نظر رکھیں، سرکاری مناصب و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال ایک دینی و معاشرتی فریضہ ہے جس طرح ایک حاکم ریاستی اور انتظامی معاملات میں جوابدہ ہے بالکل اسی طرح انتظامی شعبوں سے وابستہ افراد پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو سمجھیں۔ اسوۂ نبوی، خلفائے راشدین کے طرز عمل، اسلامی تاریخ میں مسلم حکمرانی کے مختلف ادوار اور خود فقہ اسلامی اس سلسلے میں پوری طور پر راہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔ اسلام نے مثالی فلاحی مملکت کا نظریہ پیش کیا اور حکمرانی کی تاریخ میں عدل و مساوات اور بے باک انصاف کے وہ نظائر پیش کیے جس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ پیش نظر مقالے میں تعلیمات نبوی کی روشنی میں اسوۂ رسول کو راہ نما بناتے ہوئے مقالے کی تکمیل کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سرکاری مناصب و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال الگ دینی فریضہ ہے۔ اسلام انسانی زندگی کے سارے ہی شعبوں پر حاوی ہے وہ عقائد و ایمانیات، اخلاق، آداب معاشرت اور معاملات کی طرح نظام حکومت کے بارے میں بھی اپنے ماننے والوں کو نہ صرف رہنمائی فراہم کرتا ہے بلکہ احکام وہدایات دینے کے ساتھ ساتھ سلطنت و حکومت کو اس کا ایک اہم شعبہ قرار دیتا ہے کیونکہ دوسرے بہت سے شعبوں کا وجود اس سے وابستہ ہے بلکہ اسی پر موقف ہے۔(۱)

## اسلام کا جمہوری نظامِ خلافت تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

**خلافت کا مفہوم:** قرآن کریم میں خلافت یا خلیفہ کے الفاظ بہت سی جگہوں پر آئے ہیں۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ خلافت الٰہیہ کے دو معنی ہیں۔

---

* شعبہ اسلامک اسٹڈیز، وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس، بابائے اردو مولوی عبدالحق، کراچی



Marfat.com

**پہلا مفہوم:** ایک معنی یہ ہیں کہ ہر انسان جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور پابندی کرے اور اللہ جل جلالہ کے اخلاق سے تشبہ اختیار کرے جس کو "تخلق با خلاق اللہ" کہا گیا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، اور انسان سے مطالبہ ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی خلافت اسی معنی میں اختیار کرے۔ چنانچہ بیشتر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو فرمایا گیا ہے کہ {اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً} وہ اسی معنی میں ہے، یہ خلافت انفرادی ہے جس میں ہر انسان اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کا حکم کا پابند ہے اور "تخلق با خلاق اللہ" کا مامور ہے۔

**دوسرا مفہوم:** خلافت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفت حاکمیت ہے اس کو دنیا میں نافذ کرنے کے لئے کوئی اس کا نائب ہو، اور اللہ تعالیٰ کی نیابت اور خلافت میں لوگوں پر حکومت کرے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں جو فرمایا گیا ہے کہ {اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ} (۲) یہ اسی دوسرے معنی میں ہے جب ہم سیاست کے اصول کے طور پر خلافت کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا مقصود یہی دوسرے معنی ہوتے ہیں۔

**جمہوریت و خلافت کا فرق:** اس دوسرے معنی کے لحاظ سے اسلام میں جو حاکم ہے اس کے بارے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ حاکم بالذات نہیں ہے بلکہ اللہ جل جلالہ کا خلیفہ ہے اور جب خلیفہ ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی حکومت میں احکام الٰہیہ کا تابع ہو گا۔ یہیں سے اسلام کے تصور سیاست اور دوسرے نظریات کے درمیان ایک واضح حد فاصل قائم ہو جاتی ہے کہ لادینی نظاموں میں حکمران اپنے آپ کو احکام الٰہی کا پابند قرار نہیں دیتا، لیکن خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کا پابند ہو کر احکام جاری کرے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اصل خلیفہ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ کے بعد جو خلفاء راشدین آئے وہ آپ کے واسطے سے خلیفہ بنے، اسی لئے انہوں نے اپنے آپ کو "خلیفۃ اللہ" کے بجائے "خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہلوایا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ کو کسی نے "یا خلیفۃ اللہ" کہہ کر خطاب کیا تو آپ نے فرمایا: "لست خلیفة الله ولکن خلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم" (۳)

**سیاسی نظام کی تقسیم:** ابن خلدون نے مقدمہ ابن خلدون میں لکھا ہے کہ بنیادی طور سے حکومت کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) ملک طبیعی (۲) ملک سیاسی (۳) خلافت ابن خلدونؒ ملک طبیعی کی تعریف یوں کرتے ہیں: (حمل الکافة علی مقتضی الغرض الشهوة) یعنی کسی حاکم کا اپنی غرض اور شہوات و خواہشات کے تقاضوں کے مطابق اپنی حکومت چلانا، جیسا کہ مطلق العنان بادشاہوں کا یہی طریقہ تھا۔ دوسری قسم ملک سیاسی ہے جس کی تعریف وہ یوں کرتے ہیں کہ "حمل الکافة علی مقتضی النظر العقلی فی جلب المصالح الدنیویة و دفع المضار" یعنی تمام لوگوں کو اپنے عقلی نظریات کے مطابق دنیوی مصلحتوں کے حصول اور نقصانات سے بچانے پر مجبور کرنا۔ سیکولر ڈیموکریسی اسی میں داخل ہے، کیونکہ اس کے پاس کوئی ابدی قدر تو ہے نہیں، اس لئے عقلی اعتبار سے جس کو بہتر سمجھا اسی کو اختیار کر لیا۔ تیسری قسم خلافت ہے جس کی تعریف ابن خلدون اس طرح کرتے ہیں کہ: حمل الکافة علی



Marfat.com

مقتضی النظر الشرعی فی مصالحھم الأخرویۃ والدنیویۃ الراجعۃ الیھا یعنی لوگوں کو شرعی طرز فکر کے مطابق چلانا جس سے ان کی آخرت کی مصلحتیں بھی پوری ہوں جن کا نتیجہ آخر کار آخرت ہی کی بہتری ہوتا ہے (۴) اگر دیکھا جائے تو مروجہ جمہوری نظام حکومت کی ساری صورتیں ان تین قسموں میں سمٹ آئی ہیں۔

**آمریت وجمہوریت وخلافت کا فرق:** ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ مجھے پتہ نہیں میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ ہوں؟ ایک صاحب مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! دونوں میں فرق ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا فرق ہے؟ انہوں نے جواب دیا: فرق یہ ہے کہ خلیفہ وہ ہے کہ جو کچھ لیتا ہے، برحق لیتا ہے اور اسے برحق جگہ پر ہی خرچ کرتا ہے، اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر ظلم کرتا ہے، اور ایک سے لے کر دوسرے کو دے دیتا ہے، اس پر حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے۔ (۵)۔ ظاہر ہے کہ برحق لینے اور برحق دینے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی شامل ہے۔ لہٰذا تمام حقوق کو اپنے اپنے مواقع پر ادا کرنے والا وہی ہوگا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے تابع وفرماں بردار ہو۔ اسی کا نام خلافت ہے۔ (۶)

**مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ:** آج حکومت کے جو مقاصد بیان کئے جارہے ہیں وہ کیا ہیں؟ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو خوشی فراہم کرنا، اور ان کے حقوق کا زیادہ سے زیادہ تحفظ کرنا۔ لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ مروجہ نظریات میں کوئی نظریہ سیاست یہ نہیں کہتا کہ حکومت کے مقاصد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ عوام کی تربیت کرے، نیکی کو فروغ دے، اور برائی کو روکے۔ یہ بات کسی نظامِ حکومت یا سیاسی نظریہ میں موجود نہیں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اچھائی برائی کا تو ان نظریات میں کوئی مستقل تصور ہی نہیں آج کے فیشن ایبل دور میں اچھائی اور برائی تو محض ایک اضافی اصطلاح (relative term) ہے۔ یعنی معاشرہ اپنے رواج کے ذریعے خود یہ طے کرتا ہے کہ کونسی چیز اچھی اور کونسی بری ہے اور ضروری نہیں کہ جس چیز کو کبھی برا کہا گیا تھا وہ آج بھی بری سمجھی جائے بلکہ اگر معاشرے میں اس کا چلن عام ہوجائے اور لوگ اسے اچھا سمجھنے لگیں تو وہی بری چیز اچھی ہوجائے گی۔ نیز ایک ملک میں اگر کسی چیز کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں تو ضروری نہیں کہ دوسرے ملک میں بھی اسے اچھا سمجھا جائے۔ خلاصہ یہ کہ خیر مطلق اور شر مطلق کا کوئی تصور ہی موجود نہیں ہے، اس لئے حکومت کے مقاصد میں اچھائی یا نیکی کے فروغ اور بدی سے اجتناب کا کوئی ذکر نہیں آتا۔

اس کے برخلاف اسلام میں چونکہ اچھائی اور برائی کا جچا تلا معیار موجود ہے کہ جس چیز کو اس کائنات کے خالق نے اچھا قرار دے دیا وہ اچھی اور جسے اس نے برا قرار دے دیا وہ بری ہے، اس لئے نظام خلافت میں حکومت کے بنیادی مقاصد میں سب سے پہلے یہ بات داخل ہے کہ حکومت اچھائی کو پھیلانے اور برائی کو روکنے کا فریضہ انجام دے۔ چنانچہ حکومت کے مقاصد کھول کھول کر بیان فرمادیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

{اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ}

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں



Marfat.com

اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔"

قرآن کریم نے اس طرح واضح فرمادیا ہے کہ حکومت کے مقاصد محض یہ نہیں کہ خوشی حاصل ہو، جیسے کہ حکومت کے بعض نظریات میں کہا گیا ہے، کیونکہ خوشی تو ایک مبہم چیز ہے اور مختلف طبیعتوں کے لحاظ سے مختلف چیزوں میں خوشی حاصل ہوسکتی ہے۔ جس میں ہر برائی کو چھپایا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم نے ایک اچھی حکومت کے جو مقاصد بیان فرمائے ہیں، ان پر غور کیا جائے تو در حقیقت وہی حکومت کے اصل مقصد کو پورا کرتے ہیں۔(۷)

**برصغیر کے سیاسی نظام کا تاریخی پس منظر:** اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا اور مرہٹوں اور سکھوں کی پے درپے یورشوں کے نتیجہ میں برصغیر میں مسلم حکومت کا وجود خطرے میں پڑ گیا۔ شاہ ولی اللہؒ کی دوررس نگاہوں نے مسلمانوں کے مستقبل کے درپیش خطرات کو بھانپ لیا انھوں نے مسلمان نوابوں کو خطوط لکھے جن میں آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے متحد ہونے کی تلقین کی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانوں کی بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کرنے اور اسلام کی عظمت کے تحفظ کے لئے تحریک کا آغاز کیا انکی تحریک کا مقصد معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کی بیخ کنی اور مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو از سر نو زندہ کرنا تھا۔ شاہ ولی اللہ کی یہ تحریک ہندوستان میں پہلی عوامی تحریک تھی شاہ ولی اللہؒ کی دعوت نے مسلمانوں کے مردہ قلوب میں اسلام کی تڑپ کو بیدار کردیا اور وہ متحد ہوکر سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوگئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شاہ ولی اللہؒ کی چلائی ہوئی تحریک کا ہی شاخسانہ تھی۔(۸)۔ ۱۸۵۷ء میں مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار کو ہندوستان کے تخت سے محروم کردیا گیا اور اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے نکل کر تاج برطانیہ کو منتقل کردیا گیا۔

انگریزوں کے نزدیک مسلمانوں کی کڑی نگرانی ضروری تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمان کسی وقت بھی مزاحمت کرسکتے ہیں اور ان کے پاس اپنی نوزائیدہ حکومت کے فروغ اور استحکام کا ایک ہی راستہ تھا کہ مسلمانوں کو کمزور کردیا جائے تو دوسری طرف ہندوؤں نے اجنبی راج کو کھلے دل کے ساتھ خوش آمدید کہا کیونکہ انگریز حکومت ان کے لئے محض آقاؤں کی تبدیلی تھی اور جیسا کہ رام گوپال نے لکھا ہے کہ

> "ہندو ایک بے پایاں احساس مسرت کے ساتھ کاروباری مملکت میں شریک ہوگئے اور انگریزوں کو اپنا محسن گرداننے لگے۔" (۹)

برطانوی حکومت کے جابرانہ سلوک نے مسلمانوں میں رد عمل کی کیفیت کو جنم دیا اور انہوں نے اینگلو انڈین اسکولوں اور نئے تعلیمی نظام کا بائیکاٹ کردیا ان کا خیال تھا کہ انگریز کا نظام تعلیم ان کے ایمان کی تباہی کا باعث ہوگا۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر نے اعتراف کیا ہے کہ

> "کوئی نوجوان اپنے آباؤاجداد کے دین پر شک کرنا سیکھے بغیر ہمارے اینگلو انڈین اسکولوں سے فارغ التحصیل نہیں ہوتا۔" (۱۰)

**تحریک پاکستان کا آغاز:** ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جو ہندوستان کے مسلمانوں



Marfat.com

کی تاریخ کا روشن مینار ثابت ہوا یہی وہ اجلاس تھا جس میں اقبال نے اپنا تاریخی صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں کی منزل کی نشاندہی کی۔

"یورپی ممالک کی طرح ہندوستانی معاشرے کی وحدتیں علاقائی حدود میں پابند نہیں ہیں برصغیر ہندوستان میں بھانت بھانت کے لوگ اور مختلف مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں چنانچہ مسلمان اپنے لئے مسلم انڈیا کے قیام کے مطالبے میں پورے حق بجانب ہیں۔" (۱۱)

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء قرارداد لاہور کے محرک بنگال کے لیڈر مولوی فضل حق تھے اور یہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منظور ہوئی۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ "ہندوستان کے مسلمان صرف اس دستوری ڈھانچے کو اس ملک میں قابل عمل سمجھیں گے جسے مرتب کرتے ہوئے ذیل کے امور اور اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا۔ جغرافیائی طور پر متعلقہ وحدتوں کے صوبے اس طرح وضع کئے جائیں (ضروری علاقائی ردوبدل کے ساتھ) جن میں بلحاظ تعداد مسلمان زیادہ ہیں جیسے کہ شمال مغربی زون انہیں باہم ملا کر ہندوستان کے اندر خود مختار آزاد مملکتیں بنادی جائیں جن میں یہ بنائے گئے یونٹ آزاد اور خود مختار ہوں۔" (۱۲)

اجلاس کے اختتام پر محمد علی جناح نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ "ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف فلسفوں سماجی رسوم اور ادبی روایات سے ہے کہ وہ نہ باہم شادی کرتے ہیں نہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں جو بنیادی طور پر متصادم نظریات و تصورات پر مبنی ہے ان کا تصور حیات ایک دوسرے سے مختلف ہے ان کے ہیرو اور تاریخ الگ ہے مسلمان ہر اعتبار سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور انہیں اپنا وطن اپنا علاقہ اپنی ریاست ملنی چاہئے۔(۱۳)

**قیام پاکستان اور آئینی سیاسی نظام:** قیام پاکستان کے بعد قومی سیاست کو ابتری کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ آئین کی تیاری میں ناکامی تھی۔ قیام پاکستان کے وقت کوئی آئین نہ تھا۔ چنانچہ آزادی ہند کے ایکٹ مجریہ ۱۹۴۷ء کے تحت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء کو ترامیم کے بعد نوزائیدہ مملکت کے لئے آئین کے طور پر اختیار کیا گیا۔

(۱) آئین میں اسلام کے کردار کا تعین کیا گیا۔

(۲) ملک کی جغرافیائی تقسیم اور وفاقی مقننہ میں نمائندگی کا مسئلہ۔

(۳) وفاقی حکومت اور صوبوں میں اختیارات کی تقسیم۔

(۴) زبان کا مسئلہ۔

(۵) انتظامیہ اور مقننہ میں تعلق کا تعین یعنی یہ کہ پاکستان کو پارلیمانی نظام اختیار کرنا چاہئے یا صدارتی

(۶) صوبائی اور گروہی اختلافات

گیارہ اگست کو قائم ہونے والی آئین ساز اسمبلی نے تفصیلی بحث اور طویل غوروخوض کے بعد مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد منظور کی۔ قرارداد مقاصد کے نام سے معروف ہونے والی اس قرارداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لیاقت علی خانؒ نے کہا کہ یہ ہمارے ملک کی تاریخ میں خود ملک کے قیام کے بعد دوسرا بڑا واقعہ ہے۔ قرارداد میں وہ بنیادی اصول بیان کئے گئے جن پر پاکستان کے آئندہ آئین کو استوار کرنا تھا قرارداد میں اس بات کا عزم کیا گیا کہ ملک میں



Marfat.com

اسلام کے بتائے ہوئے جمہوریت، آزادی، مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے گا اور یہ کہ یہاں مسلمانوں کو اپنی زندگیوں کو اسلام کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کا موقع دیا جائیگا۔(۱۴)

## پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کی ناکامی کی وجوہات:

(۱) انتخابات کا منعقد نہ ہونا۔

(۲) سربراہان مملکت کا وزراء اور سیاسی جماعتوں کے معاملات اور مرکزی حکومت کی صوبائی حکومتوں کے کاموں میں غیر ضروری مداخلت۔

(۳) قیادت کا فقدان جس کی وجہ سے منظم سیاسی جماعتیں تشکیل نہ پاسکیں اور سیاسی رہنماؤں کی انتظامیہ میں غیر ضروری مداخلت۔

(۴) متفقہ آئین کا نہ ہونا۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد یحییٰ خان نے عنان اقتدار پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کر دیا۔ نئی حکومت کے سامنے ملک کی تعمیر نو کے علاوہ پاکستان کے لئے ایک آئین کی تشکیل کا چیلنج موجود تھا قومی اسمبلی نے ۱۷ اپریل ۱۹۷۲ء کو ایک عبوری آئین منظور کر چکی تھی اس کے بعد ملک سے مارشل لاء اٹھالیا گیا۔

**۱۹۷۳ء کا آئین:-** آئینی کمیٹی نے ۲ فروری ۱۹۷۳ء کو ایک مسودہ آئین پیش کیا آخر کار حکومت اور حزب اختلاف نے اسے ۱۲ اپریل کو متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ آئین کا نفاذ ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو عمل میں آیا اور وزیر اعظم کی سربراہی میں ایک نئی کابینہ نے حلف اٹھایا۔ ۱۹۷۳ء کا آئین عوامی امنگوں کا آئینہ دار ہے اس آئین کا مقصد ملک میں پارلیمانی جمہوریت کا قیام ہے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ میں اس آئین کا حلیہ بھی بگاڑ دیا گیا اب تک اس میں ۲۰ ترامیم ہو چکی ہیں۔

**انگریز کی تربیت یافتہ بیوروکریسی:** برصغیر پاک وہند، کیونکہ سلطنت برطانیہ کی ایک نو آبادی رہی ہے، اس لئے اس کی بیوروکریسی پر بھی نو آبادیت کے بڑے دور رس اثرات پڑے ہیں۔ بدیسی نیتاؤں کو برصغیر کا نظم و نسق چلانے کے لئے ایسی مشینری کی ضرورت تھی جو ان کے خدام کی طرح ہو اور اس طرح وہ ان کے ذریعے برصغیر کے عوام پر حکومت کر سکیں۔ اس نوکر شاہی کی حیثیت سلطنت برطانیہ کے وفادار کی طرح تھی۔ لیکن دوسری طرف کہا جا سکتا ہے کہ برطانیہ سے حکومت کرنے کے لئے آنے والے زعماء نے برصغیر کی ایڈمنسٹریشن کو انتہائی جدید خطوط پر استوار کیا۔ خاص کر بیسویں صدی میں پبلک ایڈمنسٹریشن میں بڑی ترقی ہوئی۔

ایک سینئر بیوروکریٹ، گھلون (۲۰۰۹) [۱۴] کی تحقیق کے مطابق انڈین سول سروس (ICS) کی بنیاد بہت پہلے رکھ دی گئی تھی اور مقابلے کے تحریری امتحانات ۱۸۵۴ میں شروع ہو گئے تھے۔ رچمونڈ سیمنڈس نے اپنی کتاب The British and their successors (1966), p.41 میں لکھا ہے کہ ۱۹۰۶ میں آل انڈیا مسلم لیگ نے وائسرائے سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو ICS میں علیحدہ نمائندگی دے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے 1917



Marfat.com

میں اس مطالبے کی حمایت کی اور ان کی کوششوں سے ۱۹۳۴ تک ICS میں مسلمانوں کے لئے ۲۵ فیصد نشستیں مختص کی گئیں۔ مزید اگر یہ نشستیں مقابلے کے ذریعے پُر نہ ہو سکیں تو پھر ان کو نامزدگیوں (nominations) کے ذریعے پُر کیا جاتا تھا۔

پاکستان بننے کے بعد اس سروس کو سنٹرل سپیریئر سروس آف پاکستان (CSSP) کا نام دیا گیا۔ بعد میں یہ سروس ایک مضبوط بیوروکریسی کی شکل اختیار کر گئی جو حکومتی نظم و نسق کو چلاتی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بے انتہا اختیارات، پرکشش تنخواہوں اور مراعات اور عوام الناس سے دور رہنے کی وجہ سے اور عوامی مسائل، کماحقہ، طریقے سے، حل نہ کرنے کی وجہ سے، اس میں کئی نقائص رونما ہوئے اور چند ایک نیک نام افسروں کو چھوڑ کر، اس کے اہلکار عوام میں غیر مقبول ہونا شروع ہو گئے۔ اگر یہی اہلکار، اسلامی روایات کے مطابق، مومن، صاحب فراست، خادمین عوام کے نقش قدم پر چلیں تو عوام میں بے حد مقبول ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت پاکستان نے اس سروس کی اصلاح کے لئے بہت سے کمیشن بٹھائے۔ latest کمیشن National Commission for Govt. Reforms (NCGR) ڈاکٹر عشرت حسین کی سرکردگی میں بٹھایا، جس نے جولائی ۲۰۰۹ میں اپنی سفارشات پیش کیں۔ (www.ncgr.gov.pk) ان کا خلاصہ یہ تھا کہ میرٹ پر مبنی کھلے اور شفاف مقابلے کے ذریعے ہر سطح پر، پبلک سروسز کے لئے بھرتیاں کی جائیں اور اس میں ہر صوبے کو آئین پاکستان کے مطابق نمائندگی دی جائے۔ سروس کے بعد، کیریئر کے درمیان اور سینئر لیول پر افسروں کی ٹریننگ کا انتظام کیا جائے۔ ہر علاقے کے افسر کو آگے بڑھنے کے لئے پورے مواقع ہوں۔ تنخواہ اور ریٹائرمنٹ کے فوائد پرکشش بنائے جائیں۔ سیکورٹی امپروو کی جائے۔ ایک آل پاکستان national executive service بنائی جائے جس میں وفاقی، صوبائی اور ضلع سطح کے ایگزیکٹیوز اور پروفیشنلز کو بھی شامل کیا جائے۔ (۱۵)

یہاں راقم الحروف کی ایک تجویز ہے کہ سینئر لیول پر پروفیشنلز اور بیوروکریٹس کا ایڈمنسٹریشن کا کافی تجربہ ہو جاتا ہے ان کا ایک یونیفائیڈ سکیل بننا چاہیئے اور کسی ضلع، کمشنری یا وزارت میں اس ضلعے، کمشنری اور وزارت کے سینئر ترین آدمی کو اس کا سربراہ یعنی ڈپٹی کمشنر، کمشنر یا سیکرٹری مقرر کرنا چاہیئے۔

**کرپشن کا فروغ:** رشوت (gratification) کوئی غلط فائدہ حاصل کرنے کے لئے، کسی شکل میں کوئی تحفہ یا نذرانہ دینے کو کہا جاتا ہے (۱۶)۔ جس کی کوئی قیمت ہو اور وہ ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لئے استعمال کی جائے۔ ورلڈ بینک نے کرپشن کی اپنی ایک تعریف متعارف کرائی ہے۔ جس کے مطابق کسی بھی پبلک آفس کو کسی پرائیویٹ فائدے کے لئے استعمال کرنا، کرپشن کے دائرے میں آتا ہے۔

کہتے ہیں کہ رشوت اور سود یہودیوں کی ایجاد کردہ ہے لیکن اب تو یہ ایک عالمی معاشرتی برائی (universal social evil) بن گئی ہے اور دنیا کے ہر معاشرے، خواہ وہ سرمایہ دارانہ (capitalism) یا دہریت (communism) پر مبنی ہو، کے لئے دردِ سر بنی ہوئی ہے۔ اس کو مسلم معاشرے میں بھی انتہائی حقارت سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے کہ رشوت دینے اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی



Marfat.com

ہیں۔ لیکن کمال کی بات ہے کہ ہمارے اسلامی معاشرے کے ہر شعبے، خاص کر ہماری بیورو کریسی میں، یہ انتہائی سرعت سے پنپ رہی ہے اور ہماری اکانومی اور معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے اس سے حکومت کے ذرائع آمدن پر کاری ضرب لگتی ہے وہ سارے عوام کی فلاح و بہبود پر لگنے کی بجائے رشوت خوروں کے گلچھروں پر خرچ ہو جاتے ہیں۔ قومی دولت پر عیش کرنے والوں کو اس چیز کا ذرا سا احساس (scant regard for) بھی نہیں ہوتا کہ ہمارا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے اور پائی پائی کے زر مبادلہ کے لئے، ہم خون پسینہ ایک کر رہے ہیں۔ ان دگرگوں حالات میں غریب (penurious) عوام کے ٹیکسوں پر داد عیش دینا قوم پر ایک بڑا ظلم کرنے کی طرح ہے۔ حکومت کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کے گھٹنے یا ختم ہونے کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔ اس کو ختم کرنے کے لئے بہت سی investigation agencies, anti corruption corporations and accountability bureau اور دوسرے بہت سے ادارے بنائے گئے۔ لیکن پھر بھی یہ لعنت ہمارے معاشرے سے ختم نہیں ہو سکی۔ یہ صرف اس وقت ختم ہو سکتی ہے کہ اسلام کے اصولوں کے مطابق، مسلمانوں میں قناعت ہو اور ہوس زر ختم ہو جائے۔ ہر افسر یہ سوچے کہ ایک سائل، جو کہ میرا بھائی ہے، وہ چل کر میرے پاس آیا ہے تو میں اس کی جیب پر کیوں ڈاکہ ڈالوں! یہی میرے لئے باعث تکریم ہے کہ وہ چل کر میرے پاس آیا ہے! اگر ہماری بیورو کریسی کے اعلیٰ عہدیدار، اپنے اسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، قرآن اور اسوۂ حسنہ پر مبنی، ایک مومنانہ زندگی اپنائیں تو یقیناً یہ برائی ختم ہو سکتی ہے۔ اس سے ہماری اکانومی بے انتہا ترقی کرے گی اور ہمارا معاشرہ گل و گلزار بن جائے گا۔

## اسلام کا جمہوری سیاسی نظام تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

**نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نظام حکومت:** اسلام کے نظام سیاست کی بنیاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اصول سیاست پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڈمنسٹریشن صرف چند تعلیمات یا زبانی احکامات (verbal orders) پر مبنی نہیں تھی بلکہ آپ نے اپنے معاشرتی اور سیاسی نظام system socio political کو عملی طور پر لاگو کر کے دکھایا۔ انہوں صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام اتنی عمدگی سے انجام دیا کہ وہ ہمیشہ کامیاب و کامران رہے۔ گوناں گوں مصروفیتوں کے باوجود، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ریاست کے امور اور ایڈمنسٹریشن کو پوری تن دہی سے انجام دیتے تھے۔(۱۷)

اسلام میں قیادت کا انتخاب دوسری حکومتوں سے مختلف ہے۔ یہاں اصل چیز اہلیت، دیانت، تقویٰ اور حسن سلوک ہے۔ ایک مومن افسر اکل الحلال کھاتا ہے، صدق مقال کہتا ہے اور تقویٰ کمال کا حامل ہوتا ہے۔ نہ صرف ارکان دین (کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) کو پورا کرتا ہے بلکہ پانچ بڑے عیب شرعی یعنی قتل، جنسی بے راہ روی (adulty)، رشوت لینا یا دینا (gratification) شراب نوشی (drinking) اور جوا (gambling) سے اپنا دامن بچاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ چھوٹی ذلالتیں، مثال کے طور پر، طوطا چشمی، موقع پرستی (opportunism) ظلم اور زیادتی (opperession، دھوکہ دہی، بے ایمانی (hoodwink) مکاری (cunningness) جھوٹ فریب (deception) منافقت اور دوسری برائیوں سے پرہیز کرتا ہے۔ اس کا ہر عمل صداقت شعاری پر مبنی ہوتا



Marfat.com

ہے۔ وہ اپنے وسیع اختیارات کو مظلوم کی دادرسی اور ظالم کی سرکوبی کے لئے استعمال کرتا ہے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت　　　یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ایک مومن افسر حکومت کے بیت المال۔ یعنی وسائل پر عیش نہیں کرتا نہ ہی ان کا بے دریغ استعمال کرتا ہے، بلکہ اس کو قوم کی امانت سمجھتے ہوئے انتہائی احتیاط سے استعمال کرتا ہے۔

مختصراً ایک مومن افسر اپنے ضمیر کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ اس کی سوچ اس طرح ہوتی ہے کہ جب وہ خدا کے حضور داخل ہو تو شرمسار نہ ہو بلکہ صمیم قلب سے کہہ سکے کہ اس نے اپنا کام انتہائی دیانتداری، لگن اور خلوص سے انجام دیا ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی نظام چند صفحات میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے میں اختصار کی خاطر خاکہ کی صورت میں پیش کر رہی ہوں۔

## عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرکاری نظم و نسق کا اجمالی خاکہ

| نمبر شمار | نظم و نسق | مناصب | ذمہ داریاں | Term of Reference (معیار و معاہدہ کی شرائط) | چند ایک صحابہ کرام کے اسمائے گرامی جن کو یہ مناصب ملے | پاکستانی آئین میں ان کے متوازی عہدے |
|---|---|---|---|---|---|---|
| (۱) | مرکزی Central | نائبین (Deputies) | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ملٹری مہم (expedition یا دینی خدمت کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنے کسی نائب کو چارج دے جاتے۔ یہ اس مدت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر فرائض انجام دیتے تھے۔ | یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی بااعتماد (reliable) صحابہ کرامؓ ہوتے تھے اور یہ اس مدت تک کام کرتے جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر سے تشریف فرما ہوتے۔ | (۱) سعد بن عبید (۲) سعد بن معاذ (۳) زید بن حارث (۴) ابوسلامہ بن عبدالاسد (۵) عبداللہ بن ام المکتوم (۶) عثمان بن عفان (۷) عبداللہ بن رواحہ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ | صدر مملکت Head (of state کی ملک سے غیر حاضری پر سینیٹ (upper house کے چیئرمین، صدر کے فرائض انجام دیتے ہیں اور وزیر اعظم (head of Govt) کی ملک سے غیر حاضری پر سپیکر قومی اسمبلی وزیر اعظم کے فرائض انجام دیتے |



Marfat.com

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ہیں۔ | | | | | | |
| صدر، وزیراعظم، گورنرز اور وزیر اعلیٰ کے مختلف شعبوں میں مقرر کردہ مشاہیر (advisors) | مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ مقدادبن عمر الاوزاعی اور انصار میں سعد بن معاذ۔ سعد بن عبیدہ۔ خباب بن المنذر۔ حمزہ بن عبدالمطلب۔ نعمان بن مالک۔ مالک بن سنان۔ خشعمہ بن الحارث۔ انس بن قتادہ اور دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اعتماد کے صحابہ کرامؓ جو شوریٰ کے ممبر بھی تھے۔ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سول اور ملٹری معاملات ( civil & military affirs) میں صلاح ومشورہ دینا | مشاہیر Advisors | | |
| گورنمنٹ کی ہدایات کو سینٹر میں لاگو (implement) کرانے کے لئے ہر ایک Ministry کے دفتری امور کا سربراہ وفاقی سیکرٹری اور اسی طرح صوبے میں ہر | عثمان بن عفان۔ علی ابن ابی طالب۔ معاویہ بن ابو سفیان۔ ثابت بن قیس بن شمس۔ عبداللہ بن زید۔ عبداللہ بن ابی بکر اور دوسرے تقریباً ستر کے قریب صحابہ کرامؓ | ایک ماہر کاتب (scribe) ہونا ضروری تھا۔ | جو عہد نبویؐ کے مختلف محکموں کے سیکریٹریز کی طرح تھے۔ | کاتب secretaries | | |



Marfat.com

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | | | | | | ایک محکمے کے سربراہ صوبائی سیکریٹری |
| | | ایلچی Envoys Embassador | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رساں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط، سلطنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اور باہر لے جاتے تھے۔ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کے لئے عام طور پر کسی انصاری یا مہاجر قبیلہ کے سربراہ مقرر فرماتے تھے۔ | عمر بن امیہ۔ عبداللہ بن کلبی۔ عبداللہ بن خزامہ۔ حاطب۔ شجاع بن وہب۔ اسدی بن عمر عامری۔ عمرو بن عاصؓ۔ ان سفراء میں شامل تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط ہمسایہ ریاستوں میں لے کر گئے۔ | پاکستانی ایمبسیڈرز اور دولت مشترکہ میں ہائی کمشنرز (اور ان کے ماتحت کام کرنے والے فرسٹ۔ سیکنڈ اور تھرڈ سیکریٹریز۔ حکومت کے مقرر کردہ (dignitaries) جو خاص مقصد کے لئے بیرونی ممالک کا دورہ کرتے۔ |
| | | کمشنرز Commissioners | وہ صحابہ کرامؓ جن کو چھوٹے معاملات (petty matters) کو ڈیل کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیارات دیئے تھے۔ | یہ مستقل نہیں تھے جس طرح کہ گورنرز یا لوکل ایڈمنسٹریٹرز، ان کی حیثیت صرف کسی کام کے لئے OSD کی طرح تھی۔ جونہی کہ وہ کام مکمل ہو جاتا ان کو ان ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا جاتا تھا۔ | علی بن ابی طالب۔ سعد بن معاذ۔ انس بن الاسحاق۔ صالح بن عبید اللہ۔ حنظلۃ بن الیمان۔ مالک بن الدخشوم۔ معن بن عدی اور دوسرے صحابہ کرامؓ۔ | پاکستانی بیوروکریسی میں ڈویژنل کمشنرز اور ڈپٹی کمشنرز |
| (۲) | صوبائی (Provincial) | والی (Governor) | سلطنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف صوبوں کے افسر اعلیٰ۔ | ولی کا متقی، پاکباز، ایماندار، رحمدل اور اسلام سے پوری | عمرو بن سعید۔ عبداللہ بن سعید۔ سواد بن غزیہ۔ | صوبائی گورنرز |



Marfat.com

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | | | | واقفیت رکھنے والا ہونا ضروری تھا۔ | ثعبان بن ابھی العاص۔ عمرو بن العاص۔ الاعلی الخضرمی، ابان بن سید۔ عبئی بن کعب اور دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ۔ | |
| (٣) | لوکل Local | نقیب۔عامل tax collector | قبیلے کا سربراہ جو معاملات کا ذمہ دار اور عوام سے زکوٰۃ جمع کرے۔ | قبیلے کا سربراہ | ابوامامہ اسعد بن ضرارہ۔ عمرو بن جموح۔ رافع بن خدیج۔ البراء بن معروراور دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ | ضلعی ناظم، کونسلراور دیہات میں نمبردار اور ذیلدار (پرانے پنچائتی نظام کے مطابق) |
| | | قاضی | عوام کو ان کی دہلیز پر ستا انصاف دینا | نمایاں سکالر ہونا، گناہ کبیرہ سے پاک ہونا باصلاحیت ذہین اور اسلامی شریعت سے واقف ہونا۔ | سارے مرکزی، صوبائی اور لوکل ایڈمنسٹریٹرز کو اپنے اپنے علاقوں میں عدلیہ کے اختیارات دیئے گئے تھے۔ ان میں بہت سے صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ | ججز، صوبائی چیف جسٹس اور چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان |
| | | محتسب market officer | محتسب کا فرض منصبی، مارکیٹس میں لین دین کو بددیانتی سے پاک | محتسب کا دیانتدار، انصاف پسند اور اسلامی قوانین سے | سعد بن العاص۔ عمربن الخطاب اور دوسرے بہت سے | محتسب اور ان کا عملہ |



Marfat.com

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | | | رکھنا تھا۔ (اس طرح عوامی کردار اور مورال قائم رکھا جاتا تھا۔ | واقف ہونا ضروری تھا۔ | صحابہ کرامؓ | |

(۱۸۔۱۹)

**عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اعلیٰ افسران کا تقرر:** عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی ریاست کو صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اور ہر صوبے کا گورنر بنایا گیا جو فوجی، مالی مذہبی انتظامی اختیارات میں مکمل خود مختار تھے۔ڈاکٹر لیسین مظہر صدیقی رقمطراز ہیں:

"عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی ریاست ستائیس ولایتوں میں تقسیم تھی اور ان میں سے ہر ایک پر ایک والی مقرر تھا جو اپنے علاقے کے نظم ونسق میں خود مختار تھا"۔(۲۰)

اس اہم اعلیٰ عہدے پر تقرری کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن صلاحیتوں کو پیش نظر رکھتے ان میں سے سب سے پہلے تو یہ ہے کہ وہ اسلام کا عالم ہو۔ امانت و دیانت والا ہو۔مالی بدعنوانیوں سے پاک ہو۔ ملکہ اجتہاد رکھتا ہو۔(۲۱)

**عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنرز کا تقرر:** حضرت عمرو بن سعید وادی القری، یزید الدین بن ابی سفیان تیراء۔ عتاب بن اسید مکہ مکرمہ۔ حضرت عثمان بن ابی العاص طائف۔ حضرت حذیفہ بن یمان طائف۔ حارث بن نوفل ہاشمی طائف کے قریب دیبا قاجی جگہ۔ علاء بن حضرمی بحرین۔ عمرو بن العاص عمان۔ شرجیل بن حسنہ کندی شام۔ معاذ بن جبل جنوبی عرب۔ باذان یمن۔ مہاجر بن ابی امیر یمن کے کندہ اور صدف۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کوفہ وبصرہ۔ زید بن ولید حضر موت۔ عمرو بن حزم نجران۔

**عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سفارتی مناصب اور عہدوں پر تقرریاں:** عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سفارتی مناصب وعہدہ مستقل تھا مگر دور جاہلیت کی طرح اس کے عہدے دار مستقل نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم منصب کے لئے ایسے افراد کا تقرر کیا جن میں پختہ ایمان، عقل ودانش، امانتداری، دیانتداری شخصی وجاہت، فصاحت وبلاغت، شجاعت، صبر وتحمل جیسی خوبیاں موجود ہوتی تھیں۔

ڈاکٹر لیسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر نثار احمد، ڈاکٹر خالد علوی کی کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس منصب پر فائز ہونے والوں کی خوبیاں درج ذیل تھیں۔

امانت ودیانت، مالی معاملات کا درست ہونا، فصاحت وبلاغت، شخصی وجاہت، حکمت وفراست، شجاعت۔

**عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منصب قضاء پر ججز کا تقرر:** اسلامی ریاست کے چیف جسٹس بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق فیصلے فرماتے تھے۔ اسلامی ریاست کے پھیلاؤ کی وجہ سے ہر مقدمہ کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود نہیں فرما سکتے تھے تاہم معاملات حکومت میں آخری



Marfat.com

فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نافذ ہوتا تھا۔ اس غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے مختلف علاقوں میں قاضیوں کا تقرر فرمایا۔ قاضیوں کی تقرری کے لئے معیار خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (۲۲)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہلوں کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل کے ساتھ فیصلے کرو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب قضاء پر جن لوگوں کو فائز کیا ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت موسیٰ اشعریؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عتاب بن اسیدؓ شامل ہیں۔

**عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فوجی مناصب اور عہدوں پر تقرریاں:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عسکری مناصب اور عہدوں پر وقتاً فوقتاً تقرریاں فرمائیں۔ ان میں سے "سریہ" کی امارت، ایک مستقل عہدہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں اس نوعیت کی چوہتر تقرریاں فرمائیں ان میں تقریباً انچاس افراد کو بطور امیر سریہ بنایا۔ (۲۳)

تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چونتیس مرتبہ سالاروں کو ایک، ایک بار فوجی قیادت کا موقع ملا۔ دو مرتبہ سالاری کا عہدہ سنبھالنے والوں میں ابو عبیدہؓ بن جراح، ابو قتادہؓ خزرجی، عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن رواحہ، عکاشہ بن محصن، بشیر بن سعدؓ شامل ہیں۔ (۲۴)

تین بار یہ مقصد سنبھالنے والوں میں سے حضرت علیؓ، محمد بن مسلمہ شامل ہیں۔ چار مرتبہ یہ منصب سنبھالنے والوں میں سے خالد بن ولیدؓ، غالب بن عبد اللہؓ لیثی شامل ہیں۔ سب سے زیادہ مرتبہ حضرت زید بن حارثہؓ کلبی گیارہ یا تیرہ مرتبہ اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرکاری مناصب کا ذمہ دارانہ استعمال: سرکاری مناصب اور ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال کے بارے میں قرآن وسنت تعلیمات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا گیا سب سے پہلا اصول:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (۲۵)

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے خیانت مت کرو، تم اپنی امانتوں میں خیانت کرتے ہو اور تم جانتے ہو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری منصب اور عہدے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"فاذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اضاعتھا قال اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔" (۲۶)

جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ امانت کا



Marfat.com

ضائع ہونا کیسے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب ذمہ داری کسی غیر اہل کے سپرد کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے جس کسی کو بھی کوئی سرکاری اہم منصب سونپا گیا وہ قیامت کے دن ذمہ داری کی ادائیگی کا حساب دے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (۲۷)

(اور ان سے کہئے کہ کام کرو اللہ اور اس کا رسول اور مومنین اس کو دیکھنے والے ہیں)

ہر سرکاری عہدہ دار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تصرفات میں اس چیز کی عکاسی کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته فالا مام الذی علی الناس راع وھو مسؤل عن رعیته"۔ (۲۸)

"خبردار تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر کوئی اپنی رعیت کے بارے میں ذمہ دار ہے۔ پس سربراہ مملکت جو لوگوں پر ہے وہ اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے"۔

امانت داری وہ بنیادی شرط ہے جو اسلام میں ہر سرکاری، منصب پر فائز کے لئے بنیادی شرط ہے۔ امانت تین چیزوں پر دلالت کرتی ہے۔

(۱) فرائض کی ادائیگی میں خوف خدا۔

(۲) فرائض کی بروقت ادائیگی

(۳) انسانوں سے کسی قسم کا خوف نہ ہونا۔ (۲۹)

اگر ہم اس پس منظر میں اسے سمجھیں کہ کسی ملک کے مالیاتی نظام میں بددیانتی، خیانت اور بے ایمانی سرایت کر جائے تو وہاں دولت کی عادلانہ تقسیم ختم ہو جاتی ہے۔

اگر سرکاری مناصب اور عہدے دار، افسران بدعنوانی میں مبتلا ہو جائیں تو ملک مقروض ہو جاتا ہے۔ غربت میں اضافہ ہوتا ہے اور ملکی سلامتی ان سودی قرضوں کی وجہ سے داؤ پر لگ جاتی ہے۔ پوری قوم اخلاقی طور پر بدعنوانی کے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ رشوت کے ذریعے پوری قوم کی اخلاقی حس مردہ ہو جاتی ہے۔

اس سنگین مسئلے کے حل کے لئے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں تو ہمیں واضح قابل عمل اور موثر حل ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"لا تزول قدم ابن ادم حتی یسئل عن خمس"۔ (۳۰)

ان میں سے ایک سوال یہ ہوگا کہ تم نے جو دولت کمائی وہ کہاں سے اور کن ذرائع سے حاصل کی اور اسے کن جگہوں پر خرچ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا ایمان لمن لا امانة له"۔ (اس شخص میں ایمان نہیں جس میں ایمانداری نہیں)



Marfat.com

یہاں ہم قرآن مجید سے حضرت یوسفؑ کی بات عرض کرتے ہیں۔

اسلامی نظام حکومت میں استحقاق کے بغیر سرکاری مناصب طلب کرنے سے منع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ سربراہ مملکت اپنے ہاں محدود لوگوں میں سے جن کو وہ جانتا ہو آزادی سے مناسب افراد کا انتخاب کر سکے لیکن جب کسی عہدے کے لئے بہت زیادہ لوگ ہوں اور حکومت ان کی صلاحیتوں کو نہ جانتی ہو تو ایسی صورت میں اسلامی نظام کسی منصب کے لئے امیدوار بننے سے منع نہیں کرتا اگر مقصد لوگوں کی کثیر تعداد میں سے اپنی صلاحیتوں سے آگاہ کرنا ہو اور یہ بتا سکے کہ کونسی صفات کی بناء پر منصب حاصل کرنے کا حقدار ہے۔(۳۱) جس طرح کہ حضرت یوسفؑ نے کہا:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (۳۲)

(زمین کے خزانوں کی نگرانی میرے ذمہ لگا دو میں ان کی حفاظت کرنے والا اور علم رکھنے والا ہوں)

## عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرکاری منصب اور عہدہ دار کے لئے ضروری شرائط تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

**(الف) پیشہ وارانہ مہارت:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو جو متعلقہ شعبے میں پیشہ وارانہ مہارت نہ رکھتا تھا اس منصب کے لئے مقرر نہیں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو امیر لشکر تعین کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ کیا ان میں بہادری مناسب فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور تجربہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لشکر کی قیادت سونپ دی۔

**(ب) علم وثقافت سے محبت:** مسلمان افسروں اور سرکاری منصب رکھنے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ علم وثقافت سے محبت رکھنے والا ہو۔

"فیجب ان یکونوا من افضل الناس فی العلم والدین"۔(۳۳)

(ضروری ہے یہ افسران علم اور دین میں تمام لوگوں سے بہتر ہوں)

اسی اہمیت کے پیش نظر کہا گیا ہے:

"ان کان الملک جاھلا ووزراء عالمون استقام امرہ وان کان عالما ووزراء جاھلون تفرق علیہ امرہ واضطرب علیہ رأیہ۔" (۳۴)

(جب بادشاہ جاہل ہو اور اس کے وزراء عالم ہوں تو اس کی حکومت قائم رہتی ہے اور اگر وہ عالم ہو اور اس کے وزراء جاہل ہوں تو اس کی حکومت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے اور اس کی رائے مضطرب ہو جاتی ہے)۔

**(ج) طاقت اور جوانمردی:** سرکاری افسران کی شرائط میں طاقت و قوت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ (۳۵)

(طاقت کا مفہوم عمل کی نوعیت کے اعتبار سے بدل جاتا ہے)



Marfat.com

امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

"ہر منصب میں طاقت اسی کے مطابق ہے۔ جنگ میں طاقت سے مراد دل کی بہادری اور جنگوں میں اس کی چالوں کا تجربہ ہے۔ نیز مختلف جنگی چالوں اور جنگ کی قسموں کا معلوم ہونا ہی طاقت کی دلیل ہے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں طاقت سے مراد عدل کا قرآن وسنت کے احکام کے علم کی روشنی میں نفاذ ہے"۔(۳۶)

جن لوگوں کو سرکاری عہدے دیئے جائیں ان کے لئے یہ اساسی شرط ہے کہ وہ طاقتور اور ایماندار ہوں۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں کہا: "هو والله القوى الامين"۔(۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر"۔(۳۸)

(بے شک اللہ اس دین کی فاجر شخص کے ساتھ تائید کرے گا)۔

اس حدیث کی شرح میں امام ابن تیمیہ ؒ ذکر کرتے ہیں۔ "امام احمد بن حنبل سے دو آدمیوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان میں سے کون ساجنگ میں قیادت کا اہل ہے ایک طاقتور مگر فاجر اور دوسرا کمزور لیکن متقی۔ امام صاحب نے فرمایا:

"اما الفاجر فقوته للمسلمين وفجوره على نفسه وأما الصلاح الضعيف، فصلاحه لنفسه وضعفه على المسلمين فيخرى مع القوى الفاجر"۔(۳۹)

(جہاں تک فاجر طاقتور کا تعلق ہے تو اس کی طاقت مسلمانوں کے لئے اور اس کا فجور اس کی اپنی ذات کے لئے ہے۔ جبکہ متقی کا تقویٰ تو اس کی ذات کے لئے ہے۔ جبکہ اس کی کمزوری مسلمانوں کے لئے ہے اس لئے طاقتور اگرچہ فاجر ہی ہو اس کے ساتھ ہو کر جنگ کی جائے گی)۔

یہ تمام دلائل اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ سرکاری مناصب اور ذرائع ذمہ دارانہ استعمال کے لئے ضروری ہے کہ سرکاری افسر طاقتور اور جوانمرد ہو تاکہ وہ اپنے منصب کا استعمال اچھے طریقے سے کر سکے۔

(د) **عوام الناس کے مسائل حل کرنا:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء عوام الناس کے مسائل حل کرنے کے لئے وقت مقرر کرتے تھے اور ان مسائل کا حل نکال لیتے تھے۔

ہر ضلع کا ڈپٹی کمشنر تحصیل کا اسسٹنٹ کمشنر ہر ادارے کا اعلیٰ افسر اپنے علاقے اور ادارے کے مسائل سے باخبر رہنے کے لئے صرف ایک دن لوگوں کی شکایات سننے کے لئے مختص کر دے تو لوگوں کی زندگی آسان ہو سکتی ہے اس کام کے لئے کسی بجٹ کی ضرورت نہیں ہر مقامی اعلیٰ افسر یہ کام آج سے ہی شروع کر سکتا ہے۔

## سرکاری وسیاسی عہدوں کا ناجائز استعمال تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

سرکاری منصب اور عہدہ اختیارات اور اموال اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کی امانت ہیں اس کا استعمال بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکامات کو سامنے رکھ کر ہی کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"مامن مال يلى رعيته من المسلمين فيموت وهو غاش لهم الاحرم الله عليه الجنة"۔(۴۰)

کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو اگر اسی حالت میں مرے کہ وہ ان



Marfat.com

کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام کرے گا۔

"مامن امیر یلی امر المسلمین ثم لا یجهد لهم و لا ینصح الالم یدخل معهم فی الجنة"۔(۴۱)

(کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کو کوئی منصب سنبھالے پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً داخل نہ ہو گا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری منصب اور تصرفات کا دائرہ بیان فرمایا مستور بن شداد سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

"من ولی لنا عملا ولم تکن له زوجة فلیتخذ زوجة ومن لم یکن له خادم فلیتخذ خادما اولیس له مسکن فلیتخذ مسکنا اولیس له دابة ولیتخذ عابة فمن اصاب سوی ذلک فهو غال أوسارق"۔(۴۲)

(جو شخص ہماری حکومت کے کسی منصب پر فائز ہو اوہ اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کر لے اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کر لے اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر لے لے۔ اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سوری لے لے۔ اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے وہ خائن ہے یا چور)

## پاکستان کی سیاسی وانتظامی استحکام کے لئے رہنما اصول تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

اسلام میں چھوٹے سے لے کر بڑے سے بڑے حکومتی عہدہ دار کی حیثیت مخدوم، عوام کے مقابلے میں وی آئی پی، مطلق العنان بادشاہ یا غیر محدود اختیارات کے حامل حاکم کی نہیں بلکہ خادم (۴۳) اور عام کے جان و مال، عزت و آبرو اور دیگر حقوق کی حفاظت پر مامور نوکر اور "راعی" (نگران) کی ہوتی ہے۔ اس جامل کی تفصیل ہم آئندہ سطور میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلامی حکومت میں امیر یا خلیفہ کی حیثیت اور اس کی بنیادی ذمہ داری کے حوالے سے مشہور تابع حضرت ابو مسلم خولانیؒ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان درج ذیل مکالمہ قابل ملاحظہ ہے۔ ابن تیمیہؒ (م۷۲۸) فرماتے ہیں:

حضرت ابو مسلم خولانیؒ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے تو سلام کے طور پر کہا: السلام علیک ایها الاجیر (اے مزدور تمہارے اوپر سلامتی ہو) لوگوں (درباریوں) نے کہا حضرت: السلام علیک ایها الامیر کے الفاظ سے سلام کہیں۔ آپ نے پھر کہا السلام علیک ایها الاجیر تو لوگوں نے کہا: ایها الامیر کے الفاظ سے سلام کریں۔ آپ نے تیسری بار بھی السلام علیکم ایها الاجیر ہی کے الفاظ سے سلام کیا۔ لوگوں نے کہا کم از کم امیر ہی کہہ دیں۔ اس پر امیر معاویہؓ نے کہا لوگو! ابو مسلم کو چھوڑ دو، وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے بخوبی جانتے ہیں۔ حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ آپ اجیر (مزدور) ہیں ان بھیڑ بکریوں (رعایا) کی حفاظت و نگرانی کے لئے ان کے مالک (باری تعالیٰ) نے تمہیں اجرت پر رکھا ہے۔ اگر تو نے ان میں خارش زدہ بکریوں کے زخموں پر مرہم رکھا اور بیماروں کا علاج کیا اور پہلی سے لے کر آخری تک کو اپنی جگہ پر روک رکھا (یعنی ان کی پوری طرح نگرانی کی اور انہیں بھیڑیئے وغیرہ سے بچا کر رکھا) تو ان کا مالک تمہیں پورا پورا اجر دے گا اور اگر تم نے ان کی خارش زدوں کے زخموں کے مرہم نہ رکھا اور بیمار



Marfat.com

بکریوں کا علاج نہ کیا اور تمام بکریوں کی حفاظت و نگرانی نہ کی تو ان کا مالک (باری تعالیٰ) تمہیں سزا دے گا۔(۴۴)

اسی طرح خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اپنے پہلے پالیسی ساز خطبہ میں بطور خلیفہ اپنی بنیادی ذمہ داری کی یوں وضاحت کی:

آپ لوگ یقین رکھیے کہ میری نظر میں معاشرہ کا سب سے زیادہ طاقتور آدمی وہ کمزور شخص ہو گا جس کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہو گی یہاں تک کہ میں اس کے جملہ حقوق واپس نہ دلا دوں۔ اسی طرح میرے نزدیک معاشرہ کا کمزور ترین فرد وہ طاقتور شخص ہو گا جو لوگوں کے حقوق غصب کرتا ہے تا کہ میں اس سے غصب شدہ حقوق واپس نہ لے لوں"۔(۴۵)

علی ہذا القیاس لفظ رعیت اور رعایا کی تشریح و تحقیق بھی بڑی حد تک خلیفہ کی حیثیت اور اس کی ذمہ داریوں کو واضح کر دیتی ہے۔ چنانچہ سید سلیمان ندویؒ نے بڑی عمدہ تحقیق لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

حدیثوں میں لفظ راعی اور رعیت بار بار آئے ہیں۔ یہ الفاظ لفظ "رعی" سے نکلے ہیں جس کے اصل معنی جانوروں کے چرانے کے ہیں، راعی چرواہا اور رعیۃ وہ ہے جس کو وہ چرائے اور جس کی وہ نگہبانی کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی کی رعیت وہ ہے جس کی تربیت، پرورش، نگرانی اور حفاظت کسی راعی و محافظ کے سپرد ہو۔ تو در حقیقت ایک امیر کی حیثیت ایک شفیق و محافظ چرواہے کی ہے جو اپنے گلے کو سرسبز چراگاہوں میں لے جاتا ہے اور ان کی شکم سیری کا سامان کرتا ہے۔ درندوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے اور حادثات سے ان کو بچاتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق یہ غور طلب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر لفظ رعیت کس قدر شفقت آمیز اور پر محبت معنوں میں آیا ہے اور ظالم وسفاک امراء اپنے عمل سے اس کو کتنے ذلیل اور پست معنوں میں استعمال کر رہے ہیں حالانکہ اسی لفظ میں ان کی ذمہ داریوں کا ایک بڑا دفتر پوشیدہ ہے۔(۴۶)

شریعت اسلامیہ میں رعیت کا مفہوم اس سے قطعاً جداگانہ ہے جو آج کل سیاسیات اور قانون سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ سیاسیات و قانون میں رعیت انگریزی لفظ Subject کا ترجمہ ہے جو انسانی حکومت اور خدا دونوں کے مقابلہ میں مشترک طور پر بولا جاتا ہے اور ایک حد تک عربی لفظ "عبد" یا اردو لفظ "بندے" کے مترادف ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے اسلام کسی انسان کو کسی انسان کی رعیت قرار نہیں دیتا۔ ان معنوں میں انسان صرف اور صرف اللہ کی رعیت ہے نہ کہ کسی انسان یا حکمران کی۔ رعایا کو غلام یا عبد سمجھنا "فرعونی سیاست" کا اصول ہے۔(۴۷)۔ ایک اسلامی حکمران کو اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا کلکم راع و کلکم مسول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع و ھو مسول عن رعیتہ الخ۔(۴۸)

آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک آدمی (اپنی جگہ) نگران / حاکم ہے اور (قیامت کے دن) اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگوں) کے بارے میں باز پرس ہو گی تو (اس قاعدے کے تحت) لوگوں پر امیر / حکمران بھی ایک نگران / چرواہا ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

شرعی نقطہ نظر سے اگر کوئی آدمی خلیفہ و امیر کے منصب پر فائز ہوتا ہے اور گزشتہ تفصیل کی رو سے اپنے



Marfat.com

فرض منصبی کے مطابق رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش کرتا ہے نہ ان کی خیر خواہی کرتا ہے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کو احساس دلانے کے لئے ایسے حکمران کے لئے بڑی وعیدیں سنائی ہیں: مثلاً فرمایا:

مامن امریلی امر المسلمین ثم لا یجھد لھم وینصح الالم یدخل معھم الجنۃ۔(۴۹)

جو آدمی مسلمانوں کے معاملے (حکومت) کا والی/ حکمران بنے پھر ان کی بہتری کے لئے کوئی کوشش نہ کرے خیر خواہی تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا۔

ایک روایت میں ایسے حکمران کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے اس پر جنت کو حرام قرار دے دیا ہے۔(۵۰)

ایک دوسری روایت میں حکمرانوں کو یوں تنبیہ فرمائی:

مامن عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ الالم یجد رائحۃ الجنۃ۔(۵۱)

جس آدمی کو اللہ نے کسی رعایا کا حکمران بنایا پھر اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔

اسی طرح حضرت ابو مریم ازدیؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ولا ہ اللہ عزوجل شیئا من امور المسلمین فاحتجب دون حاجتھم وخلتھم وفقرھم احتجب اللہ تعالیٰ ونہ دون حاجتہ وخلتہ وفقرہ۔(۵۲)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔

ابو مریم ازدیؓ نے یہ روایت حضرت امیر معاویہؓ کو سنائی تو انہوں نے فوراً ایک آدمی عوام کی ضروریات و حاجات پوری کرنے پر مامور کر دیا۔ اسی مضمون اور ان الفاظ کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ میں ایک روایت امام حاکم اور امام ترمذی بھی لائے ہیں۔(۵۳)

کسی بھی ریاست کا داخلی و خارجی استحکام، معاشرتی امن و امان، معاشی و اقتصادی ترقی، صنعت و حرفت کا فروغ، علوم و فنون کی ترویج رسل و رسائل کی سہولتیں اور ملکی ترقی کے لئے دیگر منصوبوں کا زیادہ تر دارومدار چونکہ حکمرانوں اور رعایا کے درمیان باہمی مخلصانہ ہمدردانہ اور خواہانہ تعلق پر ہے۔ اس لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب و ترہیب کا انداز اپناتے ہوئے مذکورہ دونوں طبقوں، خصوصاً حکمران کو رعایا کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی اور عدل و انصاف کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

ان من احب الناس الی واقربھم منی مجلسا یوم القیامۃ امام عادل وان ابخضھم الی یوم القیامۃ واشدھم عذابا امام جائر۔(۵۴)

بے شک قیامت کے دن سارے لوگوں میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور قریب تر امام عادل اور سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ عذاب پانے والا آدمی (رعایا پر) ظلم کرنے والا امام ہو گا۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:



Marfat.com

انما الامام جنة یقاتل من ورائه ویتقی به فان امر بتقوی الله و عدل فان له بذالک اجراً وان اتی بغیرہ فعلیه اثمه۔(۵۵)

بے شک امام حکمران (رعایا کے لئے) ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے جنگ کی جاتی اور اس کے ذریعے (دشمن و دیگر مصائب سے) بچا جاتا ہے۔ پس اگر وہ خوف خدا کا حکم دے اور عدل و انصاف سے کام لے تو اس کے لئے اس پر بہت اجر ہے اور اگر اس کے برعکس کرے تو اس پر اس خلاف ورزی کا گناہ ہو گا۔

## پاکستان کے حکمرانوں وسیاست دانوں کے لئے اہم ہدایات تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

عام انسانی نفسیات ہے کہ جب کسی انسان کے پاس اقتدار اور اختیارات آ جاتے ہیں تو عموماً اسے اقتدار کا نشہ چڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں سے ناانصافی اور ظلم و زیادتی پر اتر آتا ہے۔ اسی طرح سرکاری وسائل کے استعمال میں بسا اوقات ناانصاف اور امانت و دیانت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس لئے مذکورہ انسانی نفسیات اور بشری کمزوریوں کے پیش نظر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری عمال کو اختیارات و وسائل کے ذمہ دارانہ استعمال کی تلقین فرمائی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ "تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے تو سب سے پہلے انہیں بتانا کہ اللہ نے ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں ان پر فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوۃ (صدقہ) فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور انہی کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے گی۔" (پھر فرمایا):

فان ھم اطاعوا لذلک فایاک و کرائم اموالھم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینھا و بین الله حجاب"

تو اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو ان کا عمدہ ترین مال لینے سے گریز کرنا اور (یوں کسی پر بھی ظلم نہ کرنا بلکہ) مظلوم کی بد دعا سے بچنا کیونکہ اس کے درمیان اور (اس کے قبول ہونے میں) اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں) متفق علیہ (۵۶)

۲۔ عامل حضرات بعض اوقات لوگوں پر سختی پر جائز ناجائز اتر آتے ہیں اور سخت قوانین بناتے ہیں۔ اس لئے حضرت معاذ بن جبلؓ کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو دونوں کو یہ وصیت فرمائی۔

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وطاوعا ولا تختلفا۔(۵۷)

تم دونوں (لوگوں کے لئے) آسانی پیدا کرنا اور (ان کے لئے) دشواری پیدا نہ کرنا لوگوں کو بشارت دینا اور (اپنے طرز عمل سے انہیں) متنفر نہ کر دینا۔ علاوہ ازیں باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

صحابہ کرام اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت و تربیت یافتہ تھے اور اس بات کا امکان بہت کم تھا کہ ان سے کسی بھی آدمی کے ساتھ بے جا سختی، ناروا زیادتی اور بے انصافی ہو جائے گی۔ اس کے باوجود تعلیم امت کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی صحابی کو کسی کام پر مامور فرماتے تو سختی سے ہدایت فرماتے:

بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا۔(۵۸)



Marfat.com

لوگوں کو طاعت پر اجر و ثواب کی بشارت سنانا اور (دین اسلام اور رحمت خداوندی) سے انہیں متنفر نہ کر دینا اور احکام کے نفاذ میں ان پر آسانیاں پیدا کرنا اور دشواریاں پیدا نہ کرنا۔

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہوا:

ان اللہ رفیق یحب الرفق فی الامر کلہ ویحطی علیہ مالا یعطی علی العنف۔(۵۹)

بے شک اللہ تعالیٰ (اپنے بندے کے ساتھ) نرمی فرمانے والا اور ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتا ہے اور اس نرمی پر وہ کچھ عنایت فرماتا ہے جو سختی کرنے پر نہیں دیتا۔

رعایا کے ساتھ سختی نہ کرنے کی اسی تعلیم نبوی کے پیش نظر شام کے سفر سے واپسی پر حضرت عمر فاروقؓ نے جب یہ دیکھا کہ اہل الذمہ کو دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر تیل انڈیلا جا رہا ہے تو استفسار پر معلوم ہوا کہ جزیہ کی عدم ادائیگی کے باعث انہیں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ عدم ادائیگی کی وجہ ان کی ناداری ہے تو فرمایا:

قدعوہم لا تکلفوہم مالا یطیقون۔ (انہیں چھوڑ دو، انہیں ایسی چیز کا مکلف نہ ٹھہراؤ جس کی یہ طاقت نہیں رکھتے) (۶۰)

اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے ذمی کو تنگدستی کے باعث جزیہ کی ادائیگی کے لئے بھیک مانگتے دیکھا تو آیت صدقات {اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ} الخ (۶۱)۔ سے استدلال کرتے ہوئے اس طرح کے تمام مسکین ذمیوں سے جزیہ معاف کر دیا۔(۶۲)

۳۔ غزوہ خیبر کے موقعہ پر ایک یہودی نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شکایت کی کہ لوگ ہمارے جانوروں کو ذبح کر رہے ہیں۔ ہمارے پھل کھا رہے ہیں، عورتوں کو مار پیٹ رہے ہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شکایت پر فوری توجہ فرمائی۔ لوگوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر نماز پڑھی اور خطبہ دیا جس میں فرمایا:

ان اللہ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اہل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائہم ولا اکل ثمارہم اذا اعطوکم ما علیہم۔(۶۳)

بے شک اللہ نے تمہارے لئے اس بات کو جائز نہیں کیا کہ تم (اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے) بلا اجازت اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو جاؤ۔ اسی طرح ان کی عورتوں کو مارنا اور ان کے پھل کھانا بھی تمہارے لئے حلال نہیں جبکہ وہ اپنے ذمہ واجبات کو ادا کر دیں۔

۴۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑے سے بڑے دشمن سے بھی ناانصافی کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ کسی آدمی کے ساتھ محض اس وجہ سے کوئی حکمران یا قاضی ناانصافی نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا ذاتی یا مذہبی دشمن ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اہل ایمان کو یوں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ:

{يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۤءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۗ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ} (۶۴)



Marfat.com

اے ایمان والو! اللہ کے (حکم کی تعمیل کے) لئے خوب قائم ہونے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر ہر گز نہ اکسائے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ ان کاموں سے اچھی طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

انسانی نفسیات کے مطابق شدت غضب میں اپنے آپ پر قابو رکھنا عموماً مشکل ہوتا ہے اس لئے تاکید فرمادی گئی کہ جو غصہ تمہارے دلوں میں کفار اور دشمنان اسلام کے خلاف ہے وہ کہیں تمہیں ان کے مقابلے میں زیادہ اور ناانصافی پر آمادہ نہ کردے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

والمعنی لا یحملنکم شدة بعضکم للمشرکین علی ترک العدل فیهم فتعدوا علیهم بارتکاب مالا یحل کمثلة و قذف و قتل نساء و صبغة و نقض عهد تشفیا مما فی قلوبکم۔(٦٥)

آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ تمہارے بغض کی شدت ان کے معاملے میں تمہیں عدل کا رستہ چھوڑ دینے پر آمادہ نہ کرے جس کے باعث تم شرعی طور پر ایک ناجائز چیز کا ارتکاب کرکے ان پر زیادتی کرو مثلاً اپنی دلی عداوت و بغض کی تسکین کے لئے ان کا مثلہ کرو، تہمت لگاؤ ان کی خواتین اور بچوں کو قتل کرو یا ان سے نقض عہد کرو۔

تاریخی اور عمومی مشاہدہ یہی ہے کہ معاملات، مقدمات اور مخالفت و نزاع میں ناانصافی اور زیادتی کا بڑا سبب عام طور پر دو ہی چیزیں بنتی ہیں۔ ایک تو اپنا ذاتی مفاد اور قرابت داروں کی رورعایت، دوسرے کسی فریق کی عداوت و مخالفت۔ قرآن مجید میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ١٣٥ (٦٦) میں اقامت عدل کا حکم ناانصافی کے سبب اول کی مناسبت سے اور سورۃ المائدہ کی درج بالا آیت میں سبب دوم کی مناسبت سے دیا گیا ہے۔

دوست دشمن، مسلم غیر مسلم اور چھوٹے بڑے کے معاملے میں بے لاگ عدل و انصاف کی اسی اسلامی تعلیم اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر عہد فاروقی میں جب ایک گھوڑ دوڑ مقابلے میں ایک مصری غیر مسلم، ذمی کے گھوڑے کے محض سبقت لے جانے پر انا ابن الاکرمین (میں شریف زادوں کا بیٹا ہوں) کے زعم میں گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے اس غیر مسلم کو مارا اور پھر اس غیر مسلم کی بارگاہ خلافت میں شکایت پر جرم ثابت ہو گیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس مظلوم مصری (ذمی) کے ہاتھ میں درہ پکڑاتے ہوئے فرمایا: اس شریف زادے کو پیٹو۔ جب وہ تسلی کر چکا تو فرمایا: اس کے باپ کے سر پر بھی مارو کیونکہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنے باپ کی بڑائی کے بل بوتے پر تمہیں مارا تھا۔ مگر اس مصری نے بے گناہ باپ کو مارنے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے گورنر مصر عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو اسلام میں انسانی حریت و مساوات اور عدل و انصاف کا شاہکار ہے۔ فرمایا:

یاعمرو! متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا۔(٦٧)

اے عمرو! کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنالیا جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔



Marfat.com

۵۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عبد اللہ بن ارقم کی اہل الذمہ (غیر مسلم شہریوں) سے جزیہ وصول کرنے کی ڈیوٹی لگائی اور پھر جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں روانہ ہو پڑے تو انہیں آواز دے کر بلایا اور یوں تنبیہ فرمائی:

الا من ظلم معاھدا او کلفہ فوق طاقتہ او انتقصہ او اخذ منہ شیئا بغیر طیب نفسہ فانا حجیجہ یوم القیامۃ۔ (۶۸)

سن لو! جس آدمی نے بھی (اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے) کسی معاہد (جس غیر مسلم کے جان و مال کے تحفظ کا اسلامی ریاست نے ذمہ لے رکھا ہے) پر ظلم کیا یا اسے اس کی طاقت سے زیادہ (جزیہ و خراج وغیرہ کے معاملے میں) تکلیف دی یا اس کے حق میں کمی کی یا اس کی دلی خوشنودی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو قیامت کے دن (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خود اس (غیر مسلم معاہد) کی طرف سے مدعی بن کر کھڑا ہوں گا۔ سنن بیہقی کی روایت کے مطابق اس کے بعد مزید تاکید کے لئے آپ نے انگلی سے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ بھی فرمایا۔

منصبی اختیارات و ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال کے لئے درج بالا تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر خلفاء راشدین نے اس سلسلے میں جو عملی نمونے چھوڑے اور مثالیں قائم کیں ان کا احاطہ یہاں ممکن نہیں تاہم ایک دو مثالوں کی وضاحت بے جا نہ ہوگی۔ چنانچہ پہلے خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد صحابہ کے سامنے سب سے پہلا جو پالیسی ساز خطبہ خلافت دیا اس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا:

ایھا الناس قد ولیت علیکم و لست بخیر کم فان احسنت فاعینونی و ان اسات فقوموني۔ اطیعوني ما اطعت اللہ و رسولہ فاذا عصیت اللہ و رسولہ فلا طاعۃ لی۔ (۶۹)

لوگو! میں تمہارا ولی (حکمران) بنایا گیا ہوں مگر اس کے باوجود میں (قانون اور عدل و انصاف کی نظر میں) تم سے برتر نہیں ہوں۔ میں اگر اچھا کام کروں تو میری اعانت کرو اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ (پھر دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا) میری اس وقت تک اطاعت کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں اور جب (خدانخواستہ) میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں۔ (میں منصبی اختیارات کے زور پر تمہیں اپنی اطاعت پر مجبور نہیں کروں گا)۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور اس نے آپ کے روبرو آپ کو بہت برا بھلا کہا۔ وہاں موجود ایک صحابی نے اجازت طلب کی کہ میں اس گستاخ اور بدزبان کی گردن اڑا دوں؟ تو آپ نے انہیں اس ارادہ سے روکا اور فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے سوا کسی اور کی شان میں بدزبانی اور گستاخی کرنے والے کی گردن اڑانا درست نہیں ہے (۷۰)۔ آپ چاہتے تو منصبی اختیارات، اپنی حکومتی و سیاسی اور معاشرتی و مذہبی حیثیت اور رتبہ و مقام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دے سکتے تھے۔ مگر اپنے اختیارات و تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا۔

المختصر مناصب و ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال کے سلسلے میں خلفاء راشدین نے اپنے اپنے عہد خلافت



Marfat.com

میں حکومت کے سب بڑے منصب (خلیفۃ المسلمین) کا جس ذمہ دارانہ انداز میں استعمال کیا اور اس معاملے میں جس کمال احتیاط اور ذمہ داری کا عملی مظاہرہ کیا، اس کی نظیر آسمان کی آنکھ آج تک نہیں دیکھ سکی۔ جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔(۷۱)

## پاکستان کے جمہوری وسیاسی نظام کی خامیاں اور اصلاحی تجاویز

بیوروکریسی کی اقسام اور ان کے مخصوص طریقہ کار سے جب تک آگہی نہ ہو تب تک ان کی اصلاح کا عمل نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔ ان کی مختلف اقسام ہیں۔ پہلی نمائندہ بیوروکریسی جو منتخب عوامی نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی بیوروکریسی کلی طور پر مختار ریاست کی پروردہ ہوا کرتی ہے۔ یہ ان ملکوں میں رائج ہے جہاں صرف ایک سیاسی پارٹی کی حکومت رہتی ہے جیسے روس، چین وغیرہ۔ ان ملکوں میں حکومتی بیوروکریسی پارٹی بیوروکریسی کے تابع ہوا کرتی ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو فوجی حکومتوں کے زیر اثر ہوا کرتی ہے۔ ایسی حکومتیں عموماً بیوروکریسی کو فوجی اقدار اور ڈسپلن کے تحت ڈھالنا چاہتی ہیں۔ ایسی حکومتوں کو اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے چونکہ سول بیوروکریسی کا سہارا لینا پڑتا ہے اس لئے معاوضے کے طور پر بیوروکریسی اپنی طاقت اور اختیارات میں بے پناہ اضافہ کر لیتی ہے۔ پہلے مارشل لاء کا دور اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ چوتھی قسم وہ ہے جس میں بیوروکریسی کسی مطلق العنان حاکم یا ڈکٹیٹر کا آلہ کاربن کر رہ جاتی ہے۔ وہ اس کے ذریعے اپنے مقاصد کی نشاندہی کرتا ہے اور اپنی وضع کردہ اصلاحات پر عمل درآمد کرواتا ہے ایسے حالات میں بااثر بیوروکریٹس ڈکٹیٹر کی قربت حاصل کر کے اپنی من مانی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔(۷۲)

**(الف) بدعنوانی کا آغاز:** استعماری دور میں لوگوں کو ناجائز جاگیریں دے کر انہیں خطابات دے کر اور خصوصی عہدے دے کر ہوا۔ یہ سب کچھ ان لوگوں کو دیا گیا جو اس استعماری نظام کی تقویت کا باعث بنتے تھے، انہیں یہ سب ایک سیاسی رشوت کے طور پر دیا گیا۔ دوسری عالم گیر جنگ تک کرپشن چھوٹے ملازمین میں ریونیو، پولیس، ایکسائز اور پبلک ورکس کے محکموں میں ایک حد تک موجود تھی۔ قیام پاکستان کے بعد سرکاری ملازمین میں بدعنوانی میں قابل توجہ اضافہ ہوا۔ پاکستان میں (White Collar) جرائم کی بنیادیں ۱۹۵۰ کی دہائی میں پیدا ہوئیں۔ ان بدعنوانیوں کا آغاز مہاجرین کی آبادکاری، مہاجرین کے دعووں، صنعتیں لگانے کے لئے رقوم کی فراہمی، زرعی اراضی کے حصول وانظام میں بدعنوانی کو دولت کمانے کے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ان شعبوں میں بے قابو بدعنوانی شروع ہوئی۔

**سرکاری ملازمین کا پر تعیش طرز زندگی:** زندگی کا یہ پر تعیش انداز بیوروکریسی کی اصلاح میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اس طبقہ کو بے مہابہ سہولیات میسر ہیں۔ اور ان سہولیات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہ طبقہ "سہولیات" کے نام پر ان وسائل کو اپنی ذات پر مصرفانہ انداز میں خرچ کر رہا ہے۔ اخبار پاکستان آبزرور کے مطابق:

Ruling country which corruption of type a are Perks of form an Enjoying



Marfat.com

is elite military and cracy bureau politician of army and cars luxury, accomodation, electricity, fuel, free parks. Such for justification moral and legalnois there servants. By Pakistan, of Dilemma Economic and Crisis Government (73)

ہماری دانست میں اصلاح کی ضرورت صرف مروجہ بیورو کریسی یا اہلکاران حکومت ہی کو نہیں بلکہ ہر وہ فرد جو کسی بھی سطح پر سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں بااختیار اور مقتدر ہو، نظام مملکت چلانے کے لئے اس کی اصلاح از حد ضروری ہے۔ ایسے افراد خواہ کسی دفتر، فیکٹری یا کسی تعلیمی ادارہ میں ہوں، وہ جج ہوں یا اسمبلی کے ممبر، وزیر ہوں یا امیر وہ جس طرح پر بھی ہوں اختیار سے بہرہ ور ہیں۔ تو وہ حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "کلم راع" کے تحت جوابدہ اور مسول ہیں ان سے حقیقی مسولیت تبھی ممکن ہو سکتی ہے جب ان کی تربیت خدا پرستی، خدا خوفی، انسان دوستی اور جذبہ خدمت جیسے عوامل پر کی جائے۔

**(ب) محکمہ احتساب کا فروغ و عمل درآمد:** اس محکمے کا کام سرکاری فرائض کے ساتھ ساتھ دینی شعائر اور واجبات کی پابندی کروانا ہو گا۔ محکمہ احتساب دردمندی اور جذبہ اصلاح کے ساتھ کڑے احتسابی اصولوں کی روشنی میں سرکاری اہلکاروں پر نگاہ رکھے گا نیز جملہ ملازمین کی ترقی و تنزلی میں ان کی ہمہ پہلو کارکردگی مد نظر رکھی جائے گی۔ لیکن احتساب اصلاح کا آخری جزو ہے۔ اصلاح کی خشت اول تقوی پیدا کرنا۔ اجتماعی عدل کو فروغ دینا۔ فلاحی اقدامات کو رائج کرنا ہے۔ انسان دوستی کی فضا پیدا کرنا ہے اور اگر اس کے باوجود مطلوبہ نتائج نہ نکلیں تو پھر ناقابل اصلاح افراد کو محکمہ احتساب کے سپرد کیا جائے گا۔

نفاذ اسلام کو محض تبلیغ کرنے سے عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ آغاز کے طور پر حلال اور حرام کو شناخت کروانا ہو گی اور تزکیہ کے عمل کو جاری کرنا ہو گا۔ اصلاح کا آغاز تو تعلیم و ترغیب سے ہو گا جبکہ احتساب سب سے آخر میں ہو گا صرف اس وقت جب ترغیب و تنبیہ مطلوبہ نتائج پیدا نہ کر سکے۔ نفاذ اسلام کے لئے لغزشوں کو جبراً روکنا اصلاح کا آخری ذریعہ ہے۔ سرکاری محکموں میں احتساب کی نوعیت اور دائرہ کار کے متعلق، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ان سرکاری محکمہ جات اور شعبہ جات کے سربراہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو صرف امانت دار نگران کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا کام صرف حقیقت کے مطابق رپورٹ پیش کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ایک گواہ جو حاکم کے پاس جا کر کسی معاملہ کی گواہی دے دیتا ہے اسی طرح دیوان حاکم کا سیکریٹری جس کا کام محض دیوان میں آمد خرچ کا حساب رکھنا ہوتا ہے یا حاکم کا پرسنل سیکریٹری اور افسر تعلقات عامہ کہ ان کا کام فقط حاکم وقت کو حالات سے باخبر رکھنا ہوتا ہے۔ حکومتی محکمہ جات اور شعبہ جات کے سربراہان کی دوسری قسم وہ ہے جن کی حیثیت بااختیار امین کی سی ہوتی ہے اور عدل و انصاف مہیا کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے جیسا کہ حاکم وقت، قاضی اور محتسب وغیرہ۔ ہر بات میں سچ بولنے اور ہر اقدام میں عدل و انصاف کا دامن تھامے رہنے سے تمام حالات درست ہو سکتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ (۷۴)



Marfat.com

احتساب کے نظام کو قائم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل سفارشات کی جاتی ہیں۔ دفاتر میں محتسب مقرر کیا جائے۔ محتسب ان انتظامی اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے کا ذمہ دار ہو گا جن کا بیڑا اٹھایا گیا ہے۔ محتسب تمام شکایات پر دھیان دے گا۔ ملازمین اپنی تکالیف موزوں واسطوں سے پیش کر سکتے ہیں۔ شکایات کی ایک نقل بلاواسطہ محتسب کو بھی بھیجی جا سکتی ہے۔ ایسی شکایات کی وصولی پر محتسب انکوائری کا آغاز کر سکتا ہے اور مطلوبہ کاروائی کے لئے انتظامیہ کو سفارش کر سکتا ہے۔

(ج) **کرپشن کا خاتمہ:** احتساب کے ذریعہ کرپشن کی بہت سی بنیادوں پر کامیابی سے تیشہ چلایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اسی بدعنوانی نے ہی ہماری انتظامیہ کی جڑیں کھوکھلی کر دیں ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ملک کی سالمیت بھی ایک سوال بنتی جا رہی ہے۔ ایک سابق بیوروکریٹ پاکستان میں درج ذیل عناصر کو کرپشن بڑھانے کا سبب بتاتے ہیں:

(۱) منصوبہ بندی میں بنیادی خامیاں اور کمزور حکومتی پالیسیاں

(۲) افسران اور سرکاری اہلکاران کو ناکافی محکمانہ ہدایات

(۳) غیر ضروری دفتری ضوابط

(۴) ناکافی نگرانی

(۵) ضرورت سے زیادہ صوابدیدی اختیارات

(۶) دفتری کاموں میں غیر ضروری تاخیر

(۷) ناقابل نفاذ قوانین اور ضابطے

(۸) افسران کے اختیارات کے بارے میں عوام کی لاعلمی

(۹) اپنے عہدے اور پوزیشن سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا۔(۷۵)

(د) بیوروکریسی کی فکر و عملی تربیت اور ان کی درجہ بندی تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

نئے اسٹاف کی بھرتی کے ضمن میں قرآن مجید، سیرت مطہرہ اور خلفائے راشدین کے مبارک ادوار سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ اس حوالے سے ملازمین کی تین حسب ذیل درجہ بندیاں ہوں گی۔

ا۔ **اعلیٰ ترین افسران:** انتہائی نازک اور حساس ذمہ داریاں جو بلند ترین عہدوں پر اعلیٰ اذہان کے حامل افراد کے سپرد ہوں۔ ان افراد کے انتخاب کی بنیاد (حفیظ علیم) جیسی عالی صفات پر ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے ایک مفسر لکھتے ہیں؛ یعنی دولت کی حفاظت بھی پوری کروں گا اور اس کی آمد خرچ کے ذرائع اور حساب و کتاب سے خوف واقف ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خود درخواست کر کے مالیات کا کام اپنے سر لیا تا کہ اس ذریعہ سے عامہ خلائق کو پورا نفع پہنچا سکیں۔ خصوصاً آنے والے خوفناک قحط میں نہایت خوش انتظامی سے مخلوق کی خبر گیری اور حکومت کی مالی حالت کو مضبوط رکھ سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی عقل بھی کامل رکھتے ہیں اور یہ کہ ہمدردی خلائف کے لئے مالیات کے قصوں میں پڑنا شان نبوت یا بزرگی کے خلاف نہیں



Marfat.com

سمجھتے۔(۷۶)

امام قرطبی نے اس سلسلے میں بڑا لطیف استنباط کیا ہے۔ حکومتی رازوں کی حفاظت، ملکی سالمیت کے معاملے کے حوالے سے یہ افراد صاحب ضمیر اور بیدار مغز ہوں مملکت کے وسائل اور سرکاری رازوں Confidential Reports کے حفیظ ہوں۔ اور رموز مملکت کے ہر ہر پہلو سے کماحقہ آشنا علیم بھی ہوں۔ تاکہ خارجہ امور اور ملکی سلامتی سے متعلق نازک اور حد درجہ حساس ذمہ داریوں کو نبھا سکیں۔

۲۔ انتظامیہ: (Executive) کے افراد کے لئے بنیاد قوی اور امین کی صفات ہوں۔ انتظام کے لئے قوی ہونا ازبس لازم ہے اور اس ذمہ داری کے مثبت نتائج حاصل کرنے کیلئے ملازم کا امین ہونا ضروری ہے۔ امین کی صفت میں کمزوری کے سبب اخلاقی اور بالخصوص مالی کرپشن کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اس کرپشن کو روکنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کوئی تم میں سے ایسا مال (ہدیے کے طور پر) نہ لے مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر اسے لائے گا۔ اس طرح حاصل کیا ہوا اگر اونٹ ہو گا تو وہ بڑبڑا رہا ہو گا۔ گائے ہو گی تو چلا رہی ہو گی۔ بکری ہو گی تو ممیا رہی ہو گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی ہمیں نظر آنے لگی اور فرمایا اللہ میں نے تیرا حکم لوگوں کو پہنچا دیا۔(۷۷)

۳۔ پولیس اور سیکورٹی: پولیس اور سیکورٹی کے عملے کے لئے معیار (بَسۡطَةً فِي الۡعِلۡمِ وَ الۡجِسۡمِ) ہو ایسے افراد کو مناسب جسمانی صحت کا حامل ہونا چاہیئے۔ ان کی زندگی میں تحرک و حرکت ہو۔ یہ لوگ اپنے فرائض کا علم رکھنے والے ہوں اور جسمانی طور پر اسے نبھانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ اس حوالے سے ایک مفسر لکھتے ہیں: اس کڑے انتخاب کا نتیجہ و ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ صحیح انتخاب پر نزول برکات لازمی ہے (۷۸)۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں: علم سے مراد وہ علوم و فنون ہیں جن کا تعلق ملک گیری و ملک داری سے ہے (۷۹)۔ یعنی طاقتور، جرات مند پر اعتماد، چوکنا اور باخبر قسم کا انسان ہونا چاہیئے۔

۴۔ نئے اسٹاف کی تربیت: نئے اسٹاف کو شروع سے ہی فرض شناسی، احترامِ آدمیت اور خدمتِ انسانیت کا خوگر بنایا جائے۔ ان کی تنخواہیں کافی معقول ہوں ایثار و قربانی کے جذبے کو (يُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ) کی بنیاد پر ابھارا جائے تاکہ ان کے اندر بھی ایسی عالی صفات پیدا ہو سکیں۔

۵۔ کارکردگی و احتساب: ملازم کی سالانہ کارکردگی کا جائزہ درج ذیل طریقہ پر کیا جائے:

| نمبر شمار | صفت | زیادہ سے زیادہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱۔ | بنیادی ذمہ داری | ۴۰ |
| ۲۔ | اخلاقی حالت | ۱۵ |
| ۳۔ | عبادتی پہلو | ۱۵ |
| ۴۔ | معاشرتی رویہ و ایثار | ۳۰ |



Marfat.com

کل میزان　　　　۱۰۰

ان تمام اوصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی سالانہ کارکردگی کا جائزہ لے کر اس کی ترقی کا فیصلہ کیا جائے۔

۶۔　اسٹاف کی تقرری کا مجوزہ خاکہ:

۱۔ نام مع ولدیت　۲۔ تاریخ پیدائش　۳۔ آغاز ملازمت

۴۔ عہدہ　۵۔ تنخواہ کا اسکیل　۶۔ موجودہ بنیادی تنخواہ

۷۔ مستقل پتہ

اقرار نامہ

میں اقرار کرتا / کرتی ہوں کہ:

(الف)　میرے نامہ تقرری میں جو اخلاقی اوامر و نواہی درج ہیں میں نے انہیں اچھی طرح پڑھ لیا ہے، سمجھ لیا ہے۔ میں حتی المقدور صدق نیت سے اس امر پر کاربند رہوں گا / گی، میں ان شاء اللہ نواہی سے پرہیز کروں گا / گی۔

(ب)　یہ بات میرے علم میں ہے کہ میری کارگزاری کا جائزہ جن اوصاف پر منحصر ہے وہ یہ ہیں: اخلاص، صدق، امانت، عہد، احسان، حفظ لسان، شفقت، نماز اور تقویٰ۔ اور یہ کہ میری ترقی اور سالانہ تنخواہ کا انحصار ان اخلاقی خصوصیات پر ہے اور اہلیت پر بھی۔

(ت)　مجھے اس امر کا ادراک ہے کہ اگر مجھ سے مندرجہ بالا اخلاقی قیود کے بارے میں کوتاہی ہوئی تو میرے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے گی جو انتہائی صورت میں سبکدوشی پر منتج ہو سکتی ہے۔

۷۔　**تربیت گاہیں:**　سرکاری اداروں میں (نیپا) NIPA اور CIVIL SERVICE ACADEMY جیسی تربیتی اکیڈمیاں موجود ہیں۔ اس رپورٹ کی سفارشات کی روشنی میں ان ٹریننگ اکیڈمیوں کے بنیادی قواعد و ضوابط میں تبدیلی لا کر ان کا قبلہ درست کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی جن اداروں کے لئے نئی ٹریننگ اکیڈمی کی ضرورت ہو وہاں مطلوبہ صفات کی حامل اکیڈمیاں قائم کی جائیں۔ اصلاح بیوروکریسی کا دارومدار انہی اکیڈمیوں پر ہے۔ اگر یہ اکیڈمیاں اپنا نصب العین حاصل نہ کر سکیں تو اصلاح خام خیالی ہوگی۔

۸۔　**مسلم بیوروکریسی کی تعمیر نو کا خاکہ:**

ماخذ اصلاح: (اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ)

(بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم کرتے ہیں اور اہل قرابت کا حق ادا کرنے کا اور منع کرتے ہیں بے حیائی کے امور، بد اخلاقی اور زیادتی سے)۔ (النحل آیت ۹۰)

اس اصلاحی عمل کی بنیاد قرآن مجید کی اس ہمہ پہلو آیت پر ہے: "بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا، اور ذوی القربی کو دیتے رہنے کا اور روکتا ہے بے حیائی، برائی اور سرکشی سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد دہانی



Marfat.com

حاصل کرو" (۸۰)۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سارے قرآن کی جامع ترین آیت یہ ہے۔(۸۱)

یہ آیت امانت اور اہلیت کی ہر جہت کا احاطہ کرتی ہے۔ اس لئے بیورو کریسی میں امانت کی وسعت کا تصور راسخ کیا جائے اور عدل و احسان کے تقاضوں کو نبھانے کے لئے ان کی ذہن سازی کی جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں: اللہ کی امانت ایمان اور اسلام ہے۔ دین حق برپا کرنے کی سعی و کوشش امانت ہے۔ لوگوں کو دین کی طرف بلانا امانت ہے۔ راعی اور رعیت کی خیر خواہی امانت ہے بچوں کی پرورش امانت ہے۔ ہر مسلمان کی فلاح اور خیر کا خیال رکھنا امانت ہے، معاشرے کے ہر فرد کے مال، جان اور عزت کی حفاظت امانت ہے۔ مادی اشیاء امانتیں ہیں۔ ان تمام امانتوں کو ادا کرنا، مومن کے ذمہ لازم ہے۔ (۸۲)

۹۔ **اسٹاف میں تزکیہ یعنی تربیت کا جذبہ پیدا کیا جائے:** اسلام کا مقصد قلب اور روح کی صفائی ہے جبکہ بے راہ روی باہی کی طرف لے جاتی ہے۔ قرآن میں ارشاد باری ہے: یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔ (۸۳)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت، نظام صلوۃ پر ثابت قدمی اور اس دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دینے سے تزکیہ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق: فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا۔ پھر نماز پڑھی اور تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ (۸۴)

تزکیہ پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے کہ تقویٰ صدق امانت وغیرہ جیسی خوبیوں کی نشوونما کی جائے اور تکبر، لالچ اور جاہ طلبی جیسی مہلکات سے کنارہ کشی کی جائے۔ غیر اسلامی معاشروں میں تزکیہ کی طرف کسی فرد، گھرانہ، معاشرہ، معلم، ادارہ کی توجہ ہی نہیں جبکہ اسلام اصحاب اقتدار مسلمانوں کو اپنے زیر اثر عملہ میں تزکیہ اختیار کرنے کی ذمہ داری دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کو خیرات کرنے کی ہدایت دینے کے لئے فرمایا ہے۔ انفاق تزکیہ کی نشوونما کے لئے ایک اہم ذریعہ ہے۔

دنیاوی پہلو سے گڈ گورننس پر آج کل بہت زور دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے قانون کی حکمرانی اور عوام کا تعاون از حد ضروری ہے جبکہ حقیقی گڈ گورننس کی بنیاد "تزکیہ" پر ہے چاہے اس کا عنوان کوئی بھی رکھ لیا جائے۔ اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام کی روشنی میں انسانی ترقی کے لئے ایک دیرپا منصوبہ بندی کا ذکر ضروری ہے کیونکہ آخر کار گڈ گورننس کا منتہائے مقصود یہی تو ہے۔ ڈارون یونیورسٹی کے پروفیسر پیٹر بلنٹ کہتے ہیں کہ اقوام متحدہ کا نظریہ تین بڑے اصولوں پر مشتمل ہے۔

(۱) عوام کی ترقی یا انسانی استعداد اور صحت کو بہتر بنانا تاکہ وہ زندگی میں فعال کردار ادا کر سکیں۔

(۲) عوام کے لئے ترقی جس سے معاشی ترقی سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے عوام کے لئے مناسب اور برابر حصہ حاصل کرنے کے مواقع مہیا کرنا۔

(۳) ملک کی ترقیاتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے عوام کو بہتر مواقع مہیا کرنا۔



Marfat.com

اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام کے مطابق عوام کے لئے ان سرگرمیوں میں شامل ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ملک میں سیاسی، معاشی اور سماجی سرگرمیاں وسیع البنیاد نہ ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب عوام کا سیاسی قوت میں خاطر خواہ حصہ ہو اور وہ اسے بطور استحقاق مختلف موقعوں پر پوری طرح استعمال کر سکیں۔(۸۵)

انسان نے فنی ترقی حاصل کرنے کے لئے محنت کی ہے اور اسے اس کا صلہ دیا گیا ہے وہ چاند تک پہنچ گیا ہے لیکن انسان نے تزکیہ کو نظر انداز کیا اور اخلاق کو کھو دیا ہے اس لئے یہ دنیا رہنے کے قابل نہیں رہی۔ نتیجتاً بنی نوع انسان خسارے میں ہے۔ ہر آجر اور انتظامیہ کو چاہیئے کہ اپنے عملے کے تزکیہ کی اہمیت کو تسلیم کرے اور اس کی نشوونما کی ذمہ داری اپنائے۔ اس غرض کے لئے سرکاری محکموں اکیڈمیوں کا قبلہ درست کرنا ہوگا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کی سفارش کی جاتی ہے۔

(۱) محکمہ تربیت کو تزکیہ کی نشوونما کا ذمہ دار بنایا جائے۔ تربیتی کورسز میں زیر نگرانی عملہ کو شامل کیا جائے۔ پہل ان سینئر حکام سے کی جائے جو نظام بدلنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

(۲) ظاہر کردہ نصاب تربیت کو مکمل جامع تشکیل کیا جائے۔ مثال کے طور پر اس میں توحید، انفاق، توکل، صبر، شکر، ایثار اور محبت جیسی حسنات شامل ہوں اور اسی طرح ان مہلکات کو بھی ختم کرنا ہوگا جن کی وجہ سے رذائل پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے تکبر، بخل، لالچ وغیرہ۔ شعبہ تربیت کو ایک جامع نصاب اپنانا چاہیئے اور اس کی تعلیم جتنی جلد ممکن ہو شروع کرنی چاہیئے۔

(۳) ملازمین کو بار بار یاددہانی کرائی جائے کہ تزکیہ کا عمل ایک ہمیشہ سے جاری رہنے والا مجاہدہ ہے اور کسی سطح پر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ کمال حاصل ہو گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہر سال ملازمین کو ایک بیان حلفی داخل کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ ہر ایک ملازم اپنی اے سی آر کے حصہ اول کو خود بھرے گا اور ایسا کرتے وقت وہ تصدیق کرے گا کہ وہ تزکیہ کی اہمیت سے باخبر ہے اور یہ کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے اخلاقی معیار کی پرکھ تقویٰ جیسی صفات پر مبنی ہے۔

(۴) صلاحیت اور ذہانت کے ساتھ ساتھ اخلاقی صفات اور اچھی شہرت کو ترقی سالانہ اضافہ تنخواہ (Annual Increment) کے لئے معیار بنا دیا جائے۔

(۵) افرادی قوت کا انتخاب احتیاط سے کرنا ہوگا۔ یہ قابل افسوس امر ہے کہ عملہ کا انتخاب بسا اوقات سفارش، ذاتی پسند، رشوت، عجلت یا لاپرواہی سے کیا جاتا ہے۔ صلاحیت اور دیانت کو اکثر و بیشتر معیار انتخاب نہیں بنایا جاتا۔ صلاحیت اور امانت کو بھرتی کے لئے معیار مقرر کیا جائے۔ کسی شخص کی امانت کا اندازہ صرف قریبی میل جول کے ذریعے مثلاً ایک سال میں ہی ہو سکتا ہے (لیکن کسی بھی صورت میں چھ ماہ سے کم عرصے میں یہ کام نہیں ہو سکتا) اس لئے یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ نئی بھرتی کے لئے مندرجہ ذیل حکمت عملی اختیار کی جائے۔



Marfat.com

اعلیٰ عہدوں کے لئے بلاواسطہ نئی بھرتیوں کی حوصلہ شکنی کی جائے اس کی بجائے یہ حکمت عملی اپنائی جائے کہ ہر ادارے میں سب سے نچلی سطح کے کارکن بھرتی کئے جائیں۔ عملہ کی مناسب تربیت اور دیکھ بھال کی جائے تاکہ ان کو مناسب وقفوں کے بعد اعلیٰ اسامیوں کو پر کرنے کے لئے ترقی دی جائے۔

ملازمین میں احساس محرومی پیدا نہ ہو اور وہ سنیارٹی کے ساتھ ساتھ صلاحیت کی بنیاد پر آگے بڑھ سکیں۔ جس کے لئے محکمانہ امتحان ہو اور ملازمین میں تجربہ اور اہلیت اور دیانت و اچھی شہرت کی بنیاد پر ان میں اعلیٰ افسران کا چناؤ کیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی امانت و حفاظت کی صلاحیت پر مسلسل نگاہ رکھی جائے تاکہ وہ کسی مفاد اور مادی آلائش کے پھندے میں گرفتار نہ ہوں اور باعزت ہو کہ وہ کسی اور طرف نہ دیکھ سکیں۔

اسلام سادہ اور فطری اسلوب زندگی کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حاجت مندوں اور مصیبت زدہ لوگوں کو خیرات دینے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن اسراف اور دولت کی نمائش سے روکتا ہے اور میانہ روی اور سادگی کا حکم دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "فضول خرچی نہ کرو اور فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے"۔(۸۶)

قرآن مجید احسان اور خیر خواہی کی تعلیم دیتا ہے: پورا دین ہی نصیحت اور خیر خواہی کا عنوان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الدین النصیحۃ۔ للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین و عامتھم" (۸۷) یہ جامع کلمہ خیر خواہی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ قرآن مجید میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ رکھنے کے لئے ہدایت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ایک اونچا اڑنے والا پرندہ ہوتا ہے وہ کس شفقت کے ساتھ اپنے بچوں پر پر پھیلاتا ہے۔ یہی رویہ اہل مناصب کا عوام کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ نظام عدل کا قیام اسلام کی روح ہے۔ احسان یا خیر خواہی اس سے بلند تر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے معاشرے میں امن کو یقینی بنانے کے لئے عدل اور احسان کا حکم دیا ہے۔ یہ بقا کا قانون ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تلچھٹ اور جھاگ کو ضائع کرتا ہے لیکن جو کچھ بھی اچھا اور مفید ہے اس کی پرورش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "اور ایمان والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ" (۸۸)۔ جو انسان کے لئے نافع ہو وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے اسی طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھایا کرتا ہے۔(۸۹)

"کلکم راع و کلکم مسول عن رعیتہ" (۹۰)

ترجمہ: (تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داریوں کے متعلق پوچھا جائے گا)

یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ ریاست سے لے کر ایک ادنیٰ اہل کار تک کے پیش نظر اور پیش عمل رہنا چاہیئے۔ اس فرمان کے استحضار سے مناصب اور ذرائع کا از حد ذمہ دارانہ استعمال ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ اگر اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل ہو جائے تو اہل پاکستان دینوی اور اخلاقی ترقی کے عروج پر پہنچ سکتے ہیں۔



Marfat.com

## خلاصہ بحث وچند اہم تجاویز

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے:

☆ ملک وہی ترقی کرتا ہے جس کے ادارے موثر طور پر چل رہے ہوں، ادارے اسی وقت موثر طور پر کام کرتے ہیں جب انہیں سازگار دوستانہ ماحول میسر آتا ہے جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ ایک دوسرے کے احترام، مقام اور عزت نفس کا خیال رکھا جائے۔

☆ ملک کی ترقی اور استحکام اجتماعی احساس اور کوشش میں مضمر ہے۔ اس لئے ہر محکمے اور شعبے کے ذمہ دار افراد فکر و عمل میں یکسو ہو کر اپنا کردار ادا کریں اور ملک و قوم کی اپنے حصے کی خدمت کا فرض اپنی تندہی سے سر انجام دیں۔

☆ منصب اور عہدے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی امانتیں ہیں جو کسی کو صرف اس لئے سپرد کئے جاتے ہیں کہ وہ ان کی مصالح کے لئے کام کرے۔

☆ منصبوں اور عہدوں پر صرف افراد کا تقرر ہونا نہ چاہیئے جو اہل اور قابل ہوں، قوی اور امین ہوں، اسی میں اداروں کی مضبوطی اور کامیابی ہے، ملک و قوم کی عزت و وقار ہے۔ نااہل اور غیر ذمہ دار تباہی اور بربادی کا سبب بنتے ہیں۔

☆ مناصب پر فائز افراد اپنی منصبی ذمہ داریوں اور فرائض کو سمجھیں اور اپنی دانش اور استعداد کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی پوری لگن، دیانت اور جذبے سے انہیں ادا کرنے کی کوشش کریں۔

☆ اپنے اختیارات، سرکاری وسائل اور ذرائع کا موزوں اور مناسب استعمال یقینی بنایا جائے۔ انہیں ذاتی ملکیت تصور نہ کیا جائے۔ ان میں بے جا تصرف فساد اور اجاڑ کا سبب بنتا ہے۔ اس کے لئے چیک اینڈ بیلنس ضروری ہے۔ نیز ذمہ داروں کے بے لاگ احتساب اور معاملات کی کڑی نگرانی لازمی ہے۔

☆ سرکاری اہلکار دفاتر میں سادگی اپنائیں تعیشات سے پرہیز کریں، قومی خزانے سے اپنی عیش و عشرت کا سامان نہ کریں غیر ضروری پروٹوکول اور مراعات کی خواہش نہ رکھیں۔

☆ ہر اس امر اور سبب سے گریز ضروری ہے جس سے ذاتی وقار اور منصب کی ساکھ مجروح ہو، مفاد عامہ کو نقصان پہنچے۔ ظلم اور حق تلفی کی راہ نکلے، بدامنی، تصادم اور انتشار رونما ہونے لگے۔

☆ نمونے کے طور پر دیکھنا ہو تو خلفائے راشدین کا عمل اور کردار ہمارے سامنے ہے جس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے خلافت کی نازک ذمہ داریاں کس طرح ادا کیں، اس سلسلے میں اپنے اختیارات کا کیسا استعمال کیا اور اپنے فرائض سے کیونکر عہدہ برآ ہوئے۔

آخر میں دعا ہے اللہ تعالیٰ پاکستان کو دائمی استحکام و تحفظ عطا فرمائے اور ملک کے ارباب حل و عقد کو ہدایت عطا فرمائے (آمین) میں اپنی بات صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے ان اشعار پر ختم کرنا چاہوں گی:

وہ جس کے دم قدم سے عظمت انسانیت ابھری　　　چمک اٹھا ستارہ نوع انساں کے مقدر کا



Marfat.com

وہ جس کے فقر کے آگے نگوں سر تھی شہنشاہی
یہ حسن خلق، یہ لطفِ نظر، یہ عفو، یہ بخشش

وہ جس کے بوریا پر سر جھکا فغفور و قیصر کا
خراماں جس طرح کیفِ رواں تسنیم کوثر کا(۹۱)

## مصادر و مراجع / حواشی و حوالہ جات


۱۔ معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۹۷ء ج: ۷ ص: ۲۳۰

۲۔ سورہ ص: ۲۶

۳۔ تحریر الاحکام فی تدبیر اہل الاسلام لبدر الدین بن جماعۃ ص ۵۷ طبع قطر

۴۔ مقدمہ ابن خلدون، الباب الثالث، الفصل الخامس والعشرون ص ۱۸

۵۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۲۸۵ استخلاف عمر

۶۔ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبۃ معارف القرآن کراچی، ۲۰۱۰م ص: ۱۷۳۔۱۸۳

۷۔ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبۃ معارف القرآن کراچی، ۲۰۱۰م ص: ۱۷۳۔۱۸۳

۸۔ صفدر محمود اور جاوید اظفر Founders of pakistan لاہور: ۱۹۶۸ء پبلیشرز یونائیٹڈ صفحہ ۹

۹۔ رام گوپال Indian Muslim - Apolitical History بمبئی ایشیاء: پبلشنگ ہاؤس صفحہ ۱۶۔

۱۰۔ بحوالہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صفحہ ۱۷۲

۱۱۔ Shamloo‹Speeches and Statements of Iqbal "" لاہور ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۲۔

۱۲۔ شریف الدین پیرزادہ، "Foundation of Pakistan" نیشنل پبلشنگ ہاؤس کراچی، جلد ۱۱، صفحہ ۳۴۱۔

۱۳۔ Speeches and writing of Mr. Jinnah جلد ۱، صفحات ۱۶۲ - ۱۶۰

۱۴۔ قرارداد کے متن کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ

۱۵. Ref. Muhammad (Peace Be Upon Him) Encyl. of Seerat, Vol. 1, 1981, p.781-82

۱۶۔ US Bribery Ligeslation-o-Ammah, W 1999

۱۷۔ مقالات سیرت ۲۰۱۴ء وفاقی وزارت مذہبی امور اسلام آباد ص۔ ۶۲۶ تا ۶۲۸۔

۱۸۔ Ref. Muhammad (Peace be Upon Him) Encyl. of Seerat Vol-1 1981, P, (784

۱۹۔ Haykal M.H. The life of Muhammad (Peace Be Upon Him) (Transl. Al-Farooqui I.R.A) 8th Ed. Publ. Daral Ashat, Karachi, Pakistan.




Marfat.com

۲۰۔ ایضا، ص ۲۸۸
۲۱۔ عہد نبوی میں ریاست کا نشوونما وارتقاء، ص ۴۴۹
۲۲۔ النساء۔ ۵۸
۲۳۔ عہد نبوی کا نظام حکومت۔ ۳۹
۲۴۔ النقوش رسول نمبر ۸/۱۲
۲۵۔ الانفال: ۲۷
۲۶۔ البخاری، کتاب العلم، باب فضیلۃ العلم رقم ۵۹
۲۷۔ التوبہ: ۱۰۵
۲۸۔ البخاری، کتاب الاحکام، باب قولہ تعالیٰ اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، رقم ۶۷۱۹
۲۹۔ Kamil Muhammad Hashim ibid, p.196
۳۰۔ ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ ح ۲۵۳۱، امام ترمذی لکھتے ہیں یہ غریب ہے۔ مگر دیگر ذرائع سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ مشکوۃ ح ۱۵۹۷
۳۱۔ Kamil Muhammad Hashimi siyasah sharia ar the politics of Islam. The American Journal of Islamic social sciences v.6n1, p68 September .1989
۳۲۔ یوسف۔ ۵۵
۳۳۔ ابو یعلی الاحکام السلطانیہ، ص ۲۰ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ۱۴۰۳ھ
۳۴۔ المرادی، ابو الحسن محمد بن الحسن کتاب السیاسہ، ص ۱۰۱، ۱۴۰۱ھ
۳۵۔ القصص۔ ۲۶
۳۶۔ ابن تیمیہ، السیاسۃ الشریعہ ص ۱۹
۳۷۔ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ص ۱۸/۵، بیروت، ۱۹۷۹ء
۳۸۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب ان یعود الدین بالرجل الفاجر، ح ۲۸۹۷، ص ۱۱۱۹/۳
۳۹۔ السیاسۃ الشریعہ، ص ۱۹
۴۰۔ البخاری، الجامع الصحیح کتاب الاحکام باب ۸ ص ۲۲۳
۴۱۔ مسلم، کتاب الامارہ باب ۵ ص ۳۱۲/۲
۴۲۔ ابوداؤد، کتاب الامارۃ والخراج، باب فی ارزاق العمال، ۱۳۴/۳، ح ۲۹۴۵
۴۳۔ حضرت سہل بن سد سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے "سید القوم فی السفر خادمھم" (سفر میں قوم کا سردار ان کا خادم ہے) دیکھئے: خطیب



Marfat.com

تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح (باب وآداب السفر آخری حدیث)، ص ۳۴۰: سفر میں چند لوگوں کا امیر اگر ہم سفروں کا خادم ہے تو پوری قوم کا امیر بدرجہ اولیٰ ان کا خادم ہو گا۔ چنانچہ اسلام کی اسی تعلیم کے پیش نظر خلفائے راشدین نے عملی طور پر عوام کا خادم بن کر دکھایا۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہو سکتی۔
دیکھئے: عبد السلام ندوی، اسوہ صحابہ، مکتبہ عارفین کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۴ تا ۷۔

۴۴۔ دیکھئے: السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، ص ۳: الاصبہانی، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، حلیۃ الاولیاء، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء، ۱۲۵/۲۔

۴۵۔ ابو عبید القاسم، کتاب کتاب الاموال، موسسۃ ناصر للثقافۃ بیروت ص، ۱۰ پیرا نمبر ۸: ابن سعد الطبقات الکبری، دار صادر بیروت، ۱۸۲/۳۔۱۸۳: السیوطی، تاریخ الخلفاء، دار الکتاب العربی بیروت، ص ۵۶: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ مکتبہ المعارف بیروت ۳۰۱/۶؛ ابن جریر طبری، تاریخ، دار المعارف القاہرہ، س۔ن ۲۱۰/۳۔

۴۶۔ سیرۃ النبی، الفیصل اردو بازار، لاہور ۱۹۹۱ء، ۷/۷۹۔۸۰۔

۴۷۔ دیکھئے: سورۃ المومنون ۲۳: ۷۴ اور سورۃ الشعراء، ۲۶: ۲۲

۴۸۔ دیکھئے: بخاری، الجامع الصحیح (کتاب الاحکام باب قول اللہ اطیعو اللہ و اطیعو الرسول الخ) ۱۰۵۷/۲، رقم ۱۳۸۷ (یہ روایت صحیح بخاری کے کئی اور مقامات پر بھی موجود ہے مثلاً رقم الحدیث، ۸۹۳، ۲۰۹، ۲۵۵۴، ۲۷۵۱، ۵۱۸۸، ۵۲۰۰) ؛ مسلم الجامع الصحیح (مع شرح نووی)، (کتاب الامارۃ باب فضیلۃ الامیر العادل الخ)، ۱۲۲/۲ رقم ۴۷۲۴؛ ہیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد (کتاب الخلافۃ باب کلکم راع و مسوئل) دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۶۷ء، ۲۰۷/۵؛ ابو داؤد، السنن (کتاب الخراج والفیئی والامارۃ باب مایلزم الامام من حق الرعیۃ)، ۵۸/۲، رقم ۲۹۲۸؛ ابو عوانہ، مسند ج (کتاب الامرء) ۳۸۵-۳۸۴/۴ (الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ متعدد طرق سے مروی) ؛ ابو عبید کتاب الاموال، ص ۹ (پیرہ نمبر ۳)

۴۹۔ دیکھئے: مسلم، الجامع الصحیح (مع شرح نووی)، (کتاب الامارۃ باب فیضلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر والحث علی الرفق بالرعیۃ النہی عن ادخال المشقۃ علیہم)، ۲۲/۲ رقم الحدیث ۴۷۳۱؛ ابو عوانہ، مسند (کتاب الامراء) دار المعرفۃ بیروت، ۳۸۶/۴، رقم ۷۰۴۳۔

۵۰۔ ابو عوانہ، مسند (کتاب الامراء) ۳۸۷/۴، رقم: ۷۰۴۵۔۷۰۴۶۔

۵۱۔ بخاری، الجامعی الصحیح (کتاب الاحکام باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح)، دار ابن کثیر، دمشق ۱۴۱۰ھ / ۱۹۹۰ء، ۲۶۱۴/۶، حدیث نمبر ۶۷۳۱۔

۵۲۔ ابو داؤد، السنن کتاب الخراج والفئی والامارۃ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور ۶۰/۲، رقم ۲۹۴۸

۵۳۔ دیکھئے: ترمذی، جامع (ابواب الاحکام باب ماجاء فی امام الرعیۃ) مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۳۸۰/۱ رقم: ۱۳۳۲؛



Marfat.com

حاکم نیشاپوری، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین (کتاب الاحکام) دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۰ء، ۴/۱۰۵

۵۴۔ امام ابو یوسف، کتاب الخراج، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء، ص ۸

۵۵۔ حوالہ مذکور، ص ۹

۵۶۔ خطیب، تبریزی، مشکوۃ المصابیح (کتاب الزکوۃ) ص ۱۵۵۔

۵۷۔ بخاری الصحیح (کتاب الادب باب قول النبی یسروا ولا تعسروا لخ) ۲/۹۰۴ نیز صحیح بخاری (کتاب المغازی باب بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن قبل حجۃ الوداع، ۲/۶۲۲؛ خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح (کتاب الامارۃ باب ماعلی الولاۃ من التیسیر، ص ۳۲۳)

۵۸۔ بخاری الصحیح (کتاب العلم باب ماکان النبیؐ یتخولہم بالموعظۃ، الخ) ۱/۱۶؛ ابو داؤد، السنن (کتاب الادب باب فی کراھیۃ المراء)، ۲/۳۲۲، رقم ۴۸۳۵

۵۹۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلہ والآداب باب الرفق، ۲/۳۲۲، ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی الرفق ۲/۳۱۹

۶۰۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۲۳

۶۱۔ سورۃ التوبہ: ۶۰

۶۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۲۵۔۱۲۶

۶۳۔ ابو داؤد، السنن (کتاب الخراج والفی والامارۃ باب فی تعشیر اھل الذمۃ) رحمانیہ کتب خانہ لاہور، ۲/۸۱ رقم الحدیث ۳۰۴۹؛ بیہقی، السنن لاکبری (کتاب الجزیۃ، باب لا یاخذ المسلمون من ثمار اھل الذمۃ) ۴/۴۹، رقم الحدیث ۱۹۲۴۰

۶۴۔ سورۃ المائدہ، ۵: ۸

۶۵۔ انوار التنزیل واسرار التاویل، دار فراس للنشر والتوزیع (الجزالسادس) ص ۱۴۲

۶۶۔ یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھد آءؤ ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین الخ

۶۷۔ علی متقی ہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، موسسۃ الرسالۃ بیروت۔ بغداد، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء، ۲/۴۵۵، محمد حسین ہیکل، الفاروق عمر (مترجم محمد مسعود عبدہ) الفیصل لاہور، س۔ ن، ص ۷۵۸؛ القرضاوی، یوسف غیر المسلمین فی المجتمع الاسلامی مکتبہ وھبۃ القاہرہ ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء (الطبعۃ الثالثۃ) ص ۳۰

۶۸۔ ابو داؤد السنن (کتاب الخراج والفئی والامارۃ باب فی تعشیر اھل الذمہ، ۲/۷۰ رقم الحدیث ۳۰۵۲؛ بیہقی، السنن الکبری (کتاب الجزیۃ باب لایاخذ المسلمون من ثمار اھل الذمۃ) ۱۴/۵۰ رقم الحدیث ۱۹۲۴۳؛ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۳۵۔



Marfat.com

٦٩۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف بیروت (الطبعۃ الاولی) ۱۹۶۶، ۳۰۱/۶، ابن سعد الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، ۱۸۲/ ۳ ۱۸۳-؛ ابو عبید القاسم، کتاب الاموال، ص ۱۰ (پیرہ نمبر ۸)

۷۰۔ ظفیر الدین مصباحی، اسلام کا نظام امن، ص ۶۳؛ السیوطی، تاریخ الخلفاء (اردو ترجمہ) مشتاق بک کارنر لاہور، س۔ن، ص ۲۱۸۔

۷۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، عبد السلام ندوی، اسوہ صحابہ (حصہ دوم)، معین الدین ندوی، خلفائے راشدین؛ صحابہ کرام کے تذکروں الاصابہ فی تیمیز الصحابہ، اسد الغالبہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں خلفائے راشدین کے تراجم؛ نیز تاریخ طبری، الکامل لابن اثیر اور البدایہ والنہایہ لابن کثیر وغیرہ میں خلفائے راشدین کا عہد حکومت۔

۷۲۔ Braiabante, Ralph Research on the Bureaucracy of Pakistan Duke (University Press, 1966 (P,172,280

۷۳۔ Pakistan Absurver 2011, 30, April, Zafar Masood Shaukat

۷۴۔ ابن تیمیہ، تقی الدین، السیاسۃ الشریعہ فی اصلاح الراعی والرعیہ، دار الدعوۃ الاسلامیہ، لاہور، ص ۲۴۔ نیز الحسبہ فی الاسلام، ص ۱۱۱، ۱۱۲۔

۷۵۔ عنایت الٰہی ملک، پاکستان میں انتظامیہ کا زوال، ناشر مشعل نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور، ص ۱۵۷

۷۶۔ عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، ادارہ صدائے اسلام، ص ۳۲۱۔ امام قرطبی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول کے ذیل میں یہ فقہی مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی انسان کو اپنے بارے میں یقین ہو کہ وہ منصب قضا یا منصب حسبہ کی ذمہ داریاں صحیح نباہ سکتا ہے اور اس وقت کوئی شخص بھی ایسا نہ ہو جس میں یہ صلاحیت موجود ہو تو اس پر فرض عین ہے کہ یہ منصب سنبھالے اور اس منصب کی اہلیت کے جو ضروری کوائف ہیں مثلاً علم اور استعداد وغیرہ، اس کے بارے میں بتائے جیسا کہ یوسف علیہا لسلام نے کیا۔ تفسیر قرطبی: سورہ یوسف ۱۲، ۵۵۔

۷۷۔ مسلم، کتاب الامارۃ باب تحریم، ہدایا، العمال، ج ۳، ص ۱۴۶۳، ۱۴۶۴۔

۷۸۔ ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری، ادارہ خدام الدین، لاہور، ص ۶۳۔

۷۹۔ دریا آبادی، عبد الماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لاہور، ص ۹۹۔

۸۰۔ النحل: ۱۶ آیت ۹۰۔

۸۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۶۳۔

۸۲۔ سید، قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، اسلامی اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۸ء ج ۲، ص ۱۳، ۳۱۲

۸۳۔ الشمس: ۹۱، آیت ۹، ۱۰۔



Marfat.com

۸۴۔ الاعلیٰ: ۸۷، آیت ۱۴ تا ۱۹۔

۸۵۔ Chapman. Brian The Profession of Government George Allen & Unwin Ltd, 1963 بحوالہ عنایت الٰہی ملک، پاکستان میں انتظامیہ کا زوال، مشعل پبلیشر نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور ص ۱۳۶،۳۷۔

۸۶۔ بنی اسرائیل: ۱۷، آیت ۲۶، ۲۷

۸۷۔ الصحیح المسلم، باب ان الدین النصیحہ، رقم الحدیث ۲۰۵۔

۸۸۔ الشعراء: ۲۶، 215

۸۹۔ الرعد: ۱۳، ۱۷

۹۰۔ الجامع الصحیح، للبخاری، باب الجمعہ فی القری والمدن، رقم الحدیث ۸۹۳۔

۹۱۔ محمد اقبال جاوید، پروفیسر / اسوۂ حسنہ اردو نعت کے آئینے میں، نعت رنگ کراچی، شمارہ ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص ۱۴۱۔



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

مبشرہ ثانی*

الحمدُ للہ ربّ العالمین والعاقبۃ للمتّقین والصّلوٰۃ والسّلامُ علیٰ سیّد المُرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ وبعد: فقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی کلامہ المُبین: {کِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ}o (۱)

وقال تعالیٰ: {اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ} (۲)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: {الا کلکم راعٍ و کلکم مسؤلٌ عن رعیتہٖ فالامام الأعظم الّذی علی النّاس راعٍ وھو مسؤلٌ عن رعیتہٖ۔} (۳)

وقال علیہ السّلام: {من یّکون امیراً فانّہ من اطول النّاس حساباً واغلظہ عذاباً ومن لّایکون امیراً فانّہ من ایسر النّاس حساباً واھونہ عذاباً لانّ الامراء اقرب النّاسِ من ظُلم المُؤمنین ومن ظَلمَ المُؤمنین فانّما یخفر اللہ۔} (۴)۔

فخرِ موجودات، سلطانِ دین وملّت، شاہِ شہاں، فخرِ دوعالم، سرکارِ دوجہاں، خواجۂ کون ومکاں، صاحبِ قاب قوسین، سرورِ کونین، صاحبِ لوح وقلم، سیّدِ عرب وعجم، حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اہلِ ایمان کے لیے سرچشمۂ ہدایت بھی ہے اور مرکزِ عشق ومحبت بھی۔ مسلمانوں کا دینی، تمدنی، تہذیبی، سیاسی، معاشرتی نظام اور ضابطۂ حیات آپؐ ہی کے اسوۂ حسنہ پر قائم ہے۔

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وُجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

---

* ریسرچ اسکالر (ایم فل / پی ایچ ڈی) کلیہ مطالعات مذاہب، (شعبہ مطالعہ ادیانِ عالم) وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس، کراچی



Marfat.com

ذرّہ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق، حضورو اضطراب (۵)

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب، فخرِ دوعالم، سرورِ کائنات، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول، فائنل رول ماڈل اور کامل اسوہ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپؐ کی حیات طیبہ، بے مثال سیرت مقدسہ، مثالی تعلیمات اور اسوہ حسنہ ہر عہد اور ہر دور میں مسلمانوں کی قوت و رفعت کا سرچشمہ اور ان کی قومی سیرت کی تشکیل و تعمیر کا بنیادی عنصر رہا ہے کہ:

آپؐ دنیا میں جب جلوہ فرما ہوئے، زندگی مستند، معتبر ہوگئی
تب گریبانِ شب چاک ہونے لگا، آسماں مسکرایا، سحر ہوگئی
ذرّے ذرّے کا چہرہ دمکنے لگا، پتّے پتّے سے موجِ بہاراں اٹھی
رُخ سے پردہ اٹھا کر جدھر آگئے، صبحِ محشر ادھر جلوہ گر ہوگئی

کیا عرب کی زمیں، کیا عجم کی زمیں، احتشامِ مقدر میں کچھ کم نہیں پھول ہی پھول کھلنے لگے جس طرف اُن کی رحمت میں ڈوبی نظر ہوگئی (۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو قرآن کریم نے اہل ایمان کے لیے ایک بے مثال اور لائق تقلید نمونہ قرار دیا ہے۔ اسوہ نبویؐ کی جامعیت کے حوالے سے علامہ سید سلیمان ندویؒ کیا خوب لکھتے ہیں: "ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ کا اسوہ حسنہ ہے، کسی حال میں بھی ہو زندگی کے لیے نمونہ اور سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نُور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔ اس لیے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نُور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ اسوہ حسنہ ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اس کے سامنے حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ، ایوبؑ و یونسؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سب کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام انبیاءے کرامؑ کی سیرتیں صرف ایک ہی



Marfat.com

جنس کی اشیاء کی دکانیں ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکیٹ) ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لیے بہترین سامان موجود ہے۔" (۷) علامہ سید سلیمان ندویؒ مزید لکھتے ہیں: ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو، وہی اس لائق ہے، جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، سلیمانؑ اور داؤدؑ، ایوبؑ اور یونسؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سما گئی ہیں۔" (۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور امت کے لیے لائق تقلید نمونہ ہے۔ آپؐ نے زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں انسانیت کی مکمل رہنمائی کی ہے۔ آپؐ کا لایا ہوا دین اور شریعت کامل و مکمل اور مینارۂ نور ہے۔ اسوۂ نبویؐ سے ہمیں ہر دور میں رہنمائی ملتی ہے۔ یہ ہمارے ہر درد کا مداوا، ہر مسئلے کا حل اور ہر دور کی شاہ کلید ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نہ نکتہ ور، نہ مفکر، نہ فلسفی کے چراغ — مرے لیے ہیں بہت اسوۂ نبیؐ کے چراغ
رخِ حیات کا غازہ ہے خاکِ پا تیری — ہیں مہر و ماہ سے بڑھ کر تری گلی کے چراغ (۹)

## عصرِ حاضر میں موضوع کی ضرورت و اہمیت:

سرورِ کائنات، امام الانبیاء، سیّد المرسلین، خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت، آپؐ کی سیرتِ طیّبہ اور اسوۂ حسنہ رُشد و ہدایت کا سرچشمہ، مینارۂ نور اور منبع ہدایت ہے۔ آپؐ کی شریعت اور آپؐ کی تعلیمات میں ہر دور کے مسائل کا حل اور ہر عہد کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کا جامع دستور موجود ہے۔ یہ دین و دنیا کے تمام مسائل میں انسانیت کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ آپؐ نے جہاں عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشرت، تہذیب و تمدن، دین و دنیا کے مسائل میں انسانیت کی رہبری فرمائی۔ وہیں بنی نوع آدم کو جامع دستورِ حیات اور ابدی ضابطۂ زندگی بھی عطا فرمایا۔ جہاں دینی معاملات میں رہنمائی فرمائی۔ وہیں اصولِ جہاں بانی و فلسفۂ حکمرانی بھی عطا فرمایا۔ آپؐ نے نظامِ سیاست، طرزِ حکمرانی کی بنیاد بے لاگ عدل، مساوات اور جمہوری اقدار کے فروغ، بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ، خدمتِ خلق، خود احتسابی، جواب دہی، احساسِ ذمّہ داری، فرض شناسی، دیانت و امانت کے اعلیٰ اصولوں پر استوار کی ہے۔ عہدِ نبویؐ، دورِ خلافتِ راشدہ اور اسلامی تاریخ کے دیگر سنہرے ادوار میں مسلم حکمرانوں نے اعلیٰ اسلامی اصولوں پر مبنی اسلامی سیاست و جمہوریت کی شان دار اور قابل فخر روایات پر مبنی مثالی اسلامی فلاحی مملکت، عدل و مساوات پر مبنی طرزِ حکمرانی اور جہاں بانی کے ان مٹ اور تاریخ ساز نقوش چھوڑے ہیں، جو ایک جانب اسلام کے فلسفۂ سیاست و حکومت کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں، دوسری جانب اسلام میں بے لاگ انصاف اور عدل کی بالادستی کا مظہر ہیں۔ بدقسمتی سے موجودہ دور میں اسلام، قرآن و سنت، شریعت اسلامی، کلمہ طیبہ اور دین مبین کے نام قائم ہونے والی مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جمہوری و سیاسی نظام نے جو اثرات مرتب کیے ہیں، جس طرح



Marfat.com

جمہوریت وسیاست کے نام پر ملک و قوم کے ساتھ مزاق کیا گیا، جس طرح قیام پاکستان کے حقیقی مقاصد سے یکسر انحراف کیا گیا۔ سرکاری وسائل و ذرائع کا غیر ذمّہ دارانہ استعمال کیا گیا۔ لوٹ مار، خیانت، رشوت، غیر ذمّہ داری اور کرپشن کا کلچر عام ہو چکا ہے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ مملکتِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا شمار دنیا کے کرپٹ ترین ملکوں میں ہونے لگا ہے۔ ایک ایسے ملک میں جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا اور جس کا دستور قرآن وسنت کی اساس پر مبنی ہے۔ یہ چشم کشا اور شرمناک حقائق ہمارے نظامِ سیاست اور حکمرانی کے کھوکھلے پن اور بدترین کرپشن کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ جبکہ انتظامی امور میں غفلت برتنے اور سرکاری وسائل و ذرائع کے غیر ذمّہ دارانہ استعمال کے اعداد و شمار کا احاطہ ممکن نہیں۔ ایسے حالات میں اور اس تناظر میں موضوع کی اہمیت بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔ ملک سے لوٹ مار، خیانت، دھوکہ دہی، کرپشن، سرکاری مناصب و ذرائع کے غیر ذمّہ دارانہ استعمال کے سدباب کے لیے ہمیں اپنے دین اور اپنے ہادی، معلمِ انسانیت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی تعلیمات اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ سے رہنمائی لینی ہوگی۔ آپؐ نے حکمرانوں کو حاکم کی بجائے خادم کے طور پر فرائض منصبی ادا کرنے کا تصور دیا۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے: {سید القوم خادمھم} (۱۰) "قوم کا سربراہ اس کا خادم ہوتا ہے۔" آپؐ نے تصور حکومت بہ طور امانت (Government as Trust) پیش کیا۔ بعد ازاں صدیوں بعد مغرب میں اسلام کے سیاسی فلسفے کے زیر اثر حکومت کے خادم اور امین ہونے کا تصور پروان چڑھا۔ دنیا سے جبر واستبداد اور بدترین مظالم پر مبنی موروثی نظام سلطنت اور بدترین شاہانہ نظام کا خاتمہ اسلام اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا اور دین ہے۔ موجودہ دور میں بھی ہمیں مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی شریعت کے احیاء، قرآن وسنت کی عملی نفاذ اور پاکستان میں رائج سیاسی و جمہوری نظام میں پائے جانے والے نقائص، اسلامی تعلیمات کے منافی اقدامات اور کرپٹ کلچر اور برائیوں کے سدباب کے لیے شاہ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے رہنمائی لینا ہوگی جو رشد وہدایت کا ابدی سرچشمہ اور عالم انسانیت کے لیے مینارۂ نور ہے۔

مغرب کے نامور مفکر جارج برنارڈ شا نے اسلام کی عظمت و صداقت اور ایک مثالی نظام مملکت کے طور پر شاہ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز حکمرانی کو انسانیت کے لیے ایک مثالی ضابطۂ مملکت قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کو میں نے ہمیشہ اس کی حیران کن قوت وصداقت کی وجہ سے اعلیٰ ترین مقام دیا ہے۔ میرے خیال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب دنیا کا واحد نظام ہے جو ہر دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے لیے کشش رکھتا ہے۔ میں نے اس حیران کن انسان کی سیرت کا بغور مطالعہ کیا ہے، اس پر میرا ایمان ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا شخص دنیا کا حکمراں ہوتا تو ہماری اس دنیا کے سارے مسائل حل ہو چکے ہوتے اور دنیا خوشیوں اور امن کا گہوارہ بن جاتی"۔(۱۱)

## جمہوریت: لغوی و اصطلاحی معنٰی و مفہوم:

اہل لغت کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان میں جمہوریت کا لفظ اپنے عربی ماخذ "الجمھور" کے



Marfat.com

لغوی مفہوم کی بنیاد پر معروف ہوا ہے۔ اس کے معنیٰ "اپنے ماحول سے بلند تر" اور "اکثریت" کے ہیں۔ عام بول چال میں جمہوریت سے مراد "اکثریت (کی مرضی) کی حکومت" ہوتی ہے اور یہ انگریزی زبان کے لفظ "Democracy" کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ عربی لغت کے ماہرین کی آراء سے واضح ہوتا ہے کہ جمہوریت کا ماخذ... لفظ "جمہور" ہے، جس کا بنیادی مادہ "جمھر" (ج،م۔ہ،ر) بتایا گیا ہے۔

لسان العرب میں ہے: "جمہرت القوم: اذا جمعتھم، جمہرت الشئ اذا جمعتہ۔" (۱۲)

فیروز آبادی لکھتے ہیں: وجمھرہ، جمعہ والقبر جمع علیہ التراب ولم یطینہ (۱۳)

مرتضیٰ زبیدی کے بقول: وجمھر، ای الشئ: جمعہ (۱۴) گویا جمھر کا بنیادی معنیٰ ہوا کسی چیز کا جمع ہونا یا اکثریت میں ہونا۔ اسی سے لفظ جمہور ترکیب پاتا ہے۔

القاموس میں ہے: الجمھور: بالضم، الرملۃ المشرفۃ علیٰ حولھا۔ (۱۵)

مرتضیٰ زبیدی کے بقول: "والجمھور: معظم کل شئ" (۱۶) اس کا مطلب یہ ہوا کہ الجمھور کا بنیادی مفہوم کسی چیز کی اکثریت اور اس کا ممتاز اور نمایاں ہونا ہے۔ جمہور کا لفظ انسانوں کے لیے آئے تو اس سے ان کی اکثریت یا ممتاز اکثریت مراد ہوتی ہے۔ جیسا کہ علمائے لغت نے بیان کیا ہے: "وجمھور الناس: جلھم، وجماھیر القوم: أشرافھم"۔ (۱۷)

مرتضیٰ زبیدی کے الفاظ میں اس کا خلاصہ یوں بنتا ہے: "والجمھور من الناس: جلھم وأشرافھم، وھذا قول الجمھور۔" (۱۸)

لوئس معلوف کی المنجد اور المعجم الوسیط کے مصنفین کے مطابق "جمہور" کی جمع "جماہیر" آتی ہے۔ (۱۹)

جیسا کہ درج بالا عبارت کے الفاظ "جماھیر القوم" سے ظاہر ہے۔ مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "جمہور" کا بنیادی معنیٰ اکثریت یا اس سے مراد عوام الناس یا ان کے معززین کی اکثریت ہوتی ہے۔ اسی مفہوم کے پیشِ نظر کتب اسلامی میں "جمہور" کا لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے جس سے مراد "معتبر علماء کی اکثریت" جیسا کہ مندرجہ بالا علامہ زبیدی کے الفاظ "وھٰذا قول الجمھور" سے ظاہر ہے۔ اسی طرح الماوردی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں یہ لفظ، امامت کے انعقاد کی شرائط کے سلسلہ میں استعمال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"فقالت طائفۃ لا تنعقد الا بجمھور اھل العقد والحل من کل بلد" (۲۰) درج بالا تجزیے سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ ایسی کوئی بھی چیز جو اکثریت سے منسوب ہو، جمہوری کہلاتی ہے، اور اسی سے لفظ "جمہوریت" ترکیب پایا ہے۔ گویا اسی بنیاد پر اکثریت کی مرضی کی حکومت و ریاست جمہوریت کہلاتی ہے اور یہ اصطلاح عربی سے اردو زبان میں استعمال ہونا شروع ہوئی ہے۔ جمہوریت کے لغوی مفہوم کی اس وضاحت کے بعد ہم اس کا اصطلاحی مفہوم جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔



Marfat.com

**اصطلاحی مفہوم:**

الفارابی نے کتاب "آراء اھل المدینۃ الفاضلۃ" میں افلاطون (Plato) کی Republic کے لیے عربی زبان میں متبادل لفظ "مدینہ" استعمال کیا ہے، جب کہ جمہوری حکومت کے لیے وہ "مدینۃ الجماعیۃ" کی ترکیب استعمال کرتے ہیں۔ ان کے بقول "مدینة الجماعية هي اللتي قصدأهلها ان يكونوا احرار، يعمل كل واحد منهم ماشاء"(۲۱)

اس سے جمہوریت کا اصطلاحی مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد لوگوں کی آزادانہ رضامندی سے قائم ہونے والی حکومت و ریاست ہے۔ عربی میں جمہوری حکومت کا ترجمہ "حکم جمہوری" سے کیا جاتا ہے۔(۲۲) جب کہ ڈیموکریسی کو "دیمقراطیۃ" لکھتے ہیں جیسا کہ دائرۃ المعارف میں ہے: "جمهورية: ديمقراطية، وهي ماتكون بيداكثر الاهالي" (۲۳) لفظ "جمہوریت" انگریزی زبان میں سولہویں صدی عیسوی میں فرانسیسی سے آیا ہے، جب کہ یہ اپنی اصل کے لحاظ سے یونانی زبان کے الفاظ "ڈیماس" (یعنی لوگ) اور "کراتوس" (یعنی حاکمیت) سے ماخوذ ہے۔ گویا جمہوریت سے مراد ایسا طرزِ حکومت ہے جس میں بادشاہت اور اشرافیہ کے بالعکس، لوگ خود حکم ہوں۔

گویا یہ لفظ یونانی زبان سے ماخوذ ہے، جس کا معنٰی "لوگوں کی قوت" ہے۔ یہ اصطلاح بادشاہت یا آمریت (یعنی ایک فرد یا چند لوگوں کی حکومت) کے مقابلے میں استعمال ہوتی ہے اور اس کا مفہوم "عوام الناس کی حکومت" ہے۔(۲۴)

آج کی جمہوریت جس طرزِ زندگی کی علمبردار ہے، اس کے بنیادی عناصر کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱) عوام کی بالادستی (Supremacy of People) (۲) مساوی حقوق (Equal Right)

(۳) شہری آزادی ((Civil Liberty (۴) عوامی فلاح و بہود (Welfare of the People)

گویا جمہوریت ایسے طرزِ حکومت کا نام ہے، جو عوام الناس کی مرضی، منشا کے ساتھ ان کی فلاح و بہبود کے لیے اس طرح سے ترتیب دیا جائے کہ شہریوں کی آزادی اور مساوی حقوق کو تحفظ حاصل ہو۔(۲۵) مختصر اور عام فہم لفظوں میں یوں تعریف کی جاسکتی ہے: "سیاسی، معاشی، مذہبی اور ذہنی آزادی، تحریر، تقریر اور تبلیغ کی آزادی نیز احتیاج و خوف سے آزادی بھی جمہوری آزادیوں میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ حکومت کا اقتدار عوام کی مرضی پر مبنی اور دستور کا پابند ہو۔ طرزِ حکومت نمائندہ ہو اور نمائندے اپنے رائے دہندوں کے خیالات کی ترجمانی کریں۔ اکثریت کے فیصلے کا احترام کیا جائے اور کسی فیصلے کو بدلنے یا مطالبات منوانے کے لیے آئینی طریقہ اختیار کیا جائے۔ ملک میں مساوات قائم ہو اور حکومت میں حصہ لینے کے مواقع سب شہریوں کو یکساں حاصل ہوں۔ ہر شہری کو قومی مسائل پر اظہار رائے کا پورا حق ہو اور حکمران اس پر ظلم و ستم نہ کر سکیں۔ اجتماعی مفاد کے ساتھ ہی انفرادی حقوق کو بھی ملحوظ رکھا جائے اور حکومت شہریوں کے لوازمات زندگی کی تکمیل کی ذمہ دار ہو۔(۲۶)



Marfat.com

## جمہوریت کے معنی و مفہوم کی وسعت:

جمہوریت کے لفظی معنی لوگوں کا نظام ہے، مگر سیاسی اصطلاح میں جمہوریت کو انگریزی لفظ ڈیموکریسی کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں، لوگوں یا عوام کی حکومت انگریزی کی اصطلاح یونانی زبان کے دو الفاظ ڈیموس (Demos) بمعنی عوام اور کریشیا (Cratia) بمعنی حکومت کا مرکب ہے۔ پس یونانی اصطلاح ڈیموکریشیا سے مراد لوگوں یا عوام کی حکومت ہے۔ اردو میں جمہوریت کی اصطلاح اب یونانی اصطلاح کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

جمہوریت کی تعریف مغربی مفکرین کی نظر میں: جمہوریت کی مختلف اہل قلم نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

☆... یونانی مفکر ارسطو (Aristotle) جو جمہوریت کو ناپسند کرتا تھا اس کی تعریف "ہجوم کی حکمرانی" کرتا ہے اور اس طرح اسے بُرا قرار دیتا ہے۔

☆... ایک دوسرا یونانی مفکر ہروڈوٹس (Herodotus) کہتا ہے کہ جمہوریت ایک ایسی حکومتی ہوتی ہے "جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر کسی مخصوص جماعت یا جماعتوں کی بجائے مجموعی طور پر پورے معاشرے کے ارکان کو حاصل ہوتے ہیں۔" چوبیس صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی اس تعریف کو درست اور جامع تسلیم کیا جاتا ہے۔

☆... ابراہام لنکن (Abraham Lincoin) کے الفاظ میں "جمہوریت عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے اور عوام کے لیے ہوتی ہے۔" (۲۷)

مذکورہ بالا تعریفوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت ایک ایسی طرزِ حکومت ہے، جس میں عوام کی شرکت لازمی ہے اور عوام کے منتخب نمائندے ہی اقتدار اعلیٰ کے مالک ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ عوام کی بھلائی کے لیے قانون وضع کرتے ہیں۔ محدود میعاد کے لیے منتخب ہوتے ہیں اور اپنی کارکردگی کے سلسلے میں عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ جمہوری حکومت عوام کی سیاسی معاشی اور معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں تفصیل سے بحث کرتی ہے۔ فلاحی ریاست کا تصور بھی پیش کرتی ہے۔ عوام بالواسطہ طور پر حکومت کے معاملات میں شریک ہوتے ہیں اور منتخب نمائندے عوامی منشاء کے مطابق حکومت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ (۲۸)

## جمہوریت کا آغاز وارتقاء:

جمہوریت کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح میں یونان کی شہری ریاست سے ہوا۔ جمہوریہ روم (۵۰۹ق م۔ ۳۱ ق م) میں عوامی نمائندگی کے اصول کو تسلیم کیا گیا تھا اور یہی اصول جدید جمہوری ریاستوں کی اساس ہے۔ بعد ازاں رومی سلطنت (۳۱ق م۔ ۴۷۶ء) اور قرونِ وسطیٰ میں جمہوریت غالب ہوگئی۔

جدید جمہوری تصورات کے ارتقاء میں "نظریہ فطری حقوق" نے اہم کردار ادا کیا۔ فطری حقوق کا نظریہ



Marfat.com

قرون وسطیٰ کے آخری دو میں مقبول ہوا۔ اس نظریے کے مویدین کا خیال ہے کہ تمام لوگوں کو مملکت کے کاروبار میں یکساں حق حاصل ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں نظریہ فطری حقوق کے تحت انگلستان کے عوام اپنے مطلق العنان بادشاہ چارلس اول کے خلاف صف آراء ہوئے۔ پیورٹن انقلاب (۱۶۴۹ء) کے زمانے میں لیویلیر (Leveller) نے ایک رسالہ نکالا، جس میں دعویٰ کیا گیا کہ ہم عوام کی آزادی، حق ملکیت، آزادی ضمیر، سیاسی مراعات میں مساوات اور دیگر حقوق عقل سلیم سے اخذ کرتے ہیں اور ۱۶۴۹ء کے جمہوری دستور کے تحت اعلان کرتے ہیں کہ عوام فطری حقوق اور مساوات کے تحت اپنے نمائندے کے ذریعے اپنے لیے قوانین وضع کریں۔ اس کے بعد برطانوی مفکر جان لاک نے ۱۶۸۸ء کے شاندار انقلاب (Glorious Revolution) کی اس بنیاد پر حمایت کی کہ افراد اپنی مرضی سے حکمران مقرر کرتے ہیں، جو ان کی جان ومال اور آزادی کا تحفظ کرتا ہے۔ ناکامی کی صورت میں اسے برطرف کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد فرانسیسی مفکر جیکوئس روسو نے ارادہ عامہ (General Will) کے تحت ایسی حکومت کا تصور پیش کیا، جس میں تمام افراد بذاتِ خود شریک ہوتے ہیں اور عوامی مفاد کے تحت حکومت کرتے ہیں۔ روسو اور والٹیر کے انقلابی افکار سے فرانس میں انقلاب (۱۷۸۹ء) برپا ہوا، جس نے آزادی، مساوات اور اخوت کا نعرہ دیا۔ امریکیوں نے جان لاک کے "نظریہ رضامندی کی حکومت" سے متاثر ہوکر برطانیہ سے آزادی کی جنگ لڑی اور اپنے یہاں جمہوری نظام قائم کیا۔ جریمی بینتھم (۱۷۴۸ء۔۱۸۳۲ء) نے نظریہ افادیت کے تحت واضح کیا کہ سیاسی حکومت کا مطمع نظر زیادہ سے زیادہ افراد کی فلاح وبہبود کو فروغ دینا ہے اور کم سے کم افراد کو نقصان پہنچانا ہے اور یہ مقصد جمہوری حکومت ہی کے تحت حاصل ہوسکتا ہے۔ بیسویں صدی کے آخری نصف میں فطری حقوق کے نظریے کے تحت یہ محسوس کیا گیا کہ انسان کی شخصیت کی تکمیل صرف جمہوری نظامِ حکومت ہی میں ممکن ہے اور جمہوریت کے مسحور کن نعروں نے نوآبادیاتی ممالک کی آزادی کی تحریکوں کو تیز تر کردیا۔ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے بے شمار ممالک نے سامراجی طاقتوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد جمہوری حکومتیں قائم کیں۔ ۱۹۴۵ء میں آزاد اور خود مختار ممالک کی تعداد ۵۰ کے لگ بھگ تھی اور یہی اقوام متحدہ کے ممبر بنے لیکن ۲۰۰۰ء تک یہی تعداد ۱۸۴ ہوگئی ہے۔ ان سب ممالک نے جمہوری نظام قائم کیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ بعض ممالک میں فوجی انقلابات نے جمہوری ارتقاء کو بُری طرح سے متاثر کیا ہے۔(۲۹)

## جمہوریت کا تاریخی سفر۔ارتقائی مراحل:

جدید مغربی جمہوریت کا ارتقاء یورپ میں پندرہویں اور سولہویں صدی کی نشاۃ ثانیہ سے شروع ہوا۔ نشاۃ ثانیہ نے دراصل یورپ میں قدیم یونانی علوم کی ترویج اور اس کے اسلامی تہذیب کے ساتھ (صلیبی جنگوں، تعلیمی اداروں اور کتب کے ذریعے سے) تعارف کی بنیاد پر جنم لیا تھا۔☆... جدید جمہوریت کے کارہائے نمایاں میں دستوری جدوجہد کے ذریعے، انسانی آزادی اور فرد کی اہمیت وعظمت کا منوایا جانا، بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی بنیاد کی پر مرد وعورت کے حقوق کا تحفظ ہوا، سیاسی ومعاشرتی آزادیاں نصیب ہوئیں، معاشی حقوق اور عورتوں کی آزادی کی راہ ہموار ہوئی۔ اس کا



Marfat.com

دُوررس اثر مغربی دنیا کے انسانوں کے عمومی رویوں پر ہوا۔ یوں جمہوریت ایک طرزِ حکومت سے ایک طرزِ زندگی تک سفر کر گئی۔(۳۰)

## جمہوریت بحیثیت ایک نظام حکومت:

سیاسی جمہوریت یا جمہوریت بحیثیت ایک نظامِ حکومت، اس وقت بحث کا موضوع ہے۔ عام طور پر مصنفین اور مفکرین سیاسی جمہوریت کا ہی ذکر کرتے ہیں، جس سے مراد بقول ابرہام لنکن "عوام کی حکومت" عوام کے لیے حکومت اور عوام کے ذریعے حکومت۔" ہے غرضیکہ جمہوریت ایک ایسا طرزِ حکومت ہے، جس میں عوام کی اکثریت کو سیاسی اقتدار کے استعمال کا حق حاصل ہو۔

جمہوریت کے لفظی معنیٰ "عوام کی حکومت" کے ہیں۔ Democracy کا لفظ یونانی زبان کے دو الفاظ Demos بمعنیٰ لوگ اور Kratos بمعنیٰ حکومت سے لیا گیا ہے، لیکن افلاطون اور ارسطو دونوں نے جمہوریت کو جن معنوں میں استعمال کیا آج کل کی اصطلاح میں اس کو Mobocracy یا Mobrule کہا جاتا ہے۔

مغربی ماہرین سیاسیات کے مختلف تعریفوں اور بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمہوریت کی غیر متنازعہ یا متفق علیہ تعریف یا معنیٰ ممکن نہیں، جن مفکرین و مصنفین نے جمہوریت کے معنیٰ اور مفہوم کی وضاحت کی کوششیں کی ہیں، ان کو واضح طور پر دو مختلف مکاتب فکر میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، یعنی ایک تو وہ جو جمہوریت کو محض ایک طرزِ حکومت سمجھتے ہیں اور دوم وہ جو جمہوریت کو طرزِ حکومت سے زیادہ ایک طرزِ زندگی ایک فلسفہ یا ایک طرزِ فکر بھی سمجھتے ہیں۔ یہ جمہوری فلسفہ یا طرزِ فکر معاشرے کے افراد کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی زندگی کے مسائل میں راہ نمائی کرتا ہے، یہ طرزِ عمل کی راہ متعین کرتا ہے اور معاشرتی روابط و تعلقات کو بھی بہتر بناتا ہے۔(۳۱)

## جمہوری طرزِ حکومت اور اس کے اثرات:

جمہوریت کی تمام تعریفوں سے قطع نظر اگر اس کو ایک طرزِ حکومت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو جمہوریت کا مطلب ہوگا "عوام کی حکمرانی" یعنی عوام اپنے ووٹوں کے ذریعے اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں گے اور یہ نمائندے عوام کے اختیار حکمرانی کو بطور امانت استعمال کریں گے۔ جہاں تک جمہوریت کی خوبیوں اور خامیوں کا تعلق ہے کسی بھی طرزِ حکومت کی خوبیوں اور خامیوں کو جانچنے اور پرکھنے کے دو معیار ہیں۔ اول کارکردگی یعنی حکومت اپنے قیام کے بنیادی مقاصد پورے کر رہی ہے یا نہیں؟ دوم حکومت کے اقدامات سے شہریوں کی تعلیمی معاشرتی اور تمدنی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟ اگر جمہوری طرزِ حکومت کو کارکردگی کی بنیاد پر جانچا جائے تو بہترین طرزِ حکومت ثابت ہوگا کیوں کہ "جمہوری کنٹرول اور عوامی ذمّے داری کا اصول جمہوری طرز حکومت کی اعلیٰ کارکردگی کی ضمانت ہیں۔ جمہوریت میں حکومت کے عمال اور عوام میں بعد نہیں ہوتا بلکہ تعلقات کی عجیب فضا ہوتی ہے۔ عمال حکومت عوام کے منتخب کردہ ہوتے ہیں اور اپنے اعمال کے لیے عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ عوام کسی وقت بھی حکومت کے عہدے داروں کا محاسبہ کرسکتے ہیں۔ اسی طرح نمائندگی کے اصول اور اہمیت کے بارے میں مل MILL کا خیال ہے کہ:



Marfat.com

"مثالی طرزِ حکومت میں اقتدار اعلیٰ کل آبادی یعنی کیمونٹی کو اجتماعی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ ہر شہری کا اس اختیار حکمرانی کے استعمال میں نہ صرف یہ کہ حصہ ہوتا ہے، بلکہ وہ کبھی کبھی ذاتی طور پر فرائض کی ادائیگی میں حکومت کے معاملات میں شریک بھی ہوتا ہے۔" جمہوریت میں عوامی نمائندوں کے انتخابات کا معیار عوامی حقوق اور مفادات کا تحفظ اور ان کی نمائندگی کی صلاحیت ہوتا ہے، اس طرح عوام کے منتخب نمائندے من مانی کرنے کے بجائے عوام کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور اپنے آپ کو عوام کے اعتماد کا اہل ثابت کرتے ہیں۔

جمہوری طرزِ حکومت کی برتری اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ عوام الناس کی ترقی و نشو نما کے لیے مواقع فراہم کرتی ہے۔ جمہوری طرزِ حکومت ہی میں وہ فضا میسر آسکتی ہے جہاں ہر شخص اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ بقول مل: "جمہوریت ہی میں قومی کردار اعلیٰ منازل طے کرتا ہے۔" "کسی دوسرے طرزِ حکومت میں انفرادی صلاحیتوں کی نشوونما اور ان کا بروئے کار آنا شخصیت کی تعمیر و ترقی اور ان سب کے نتیجے میں عام فلاح و بہبود اس حد تک ممکن نہیں، جتنی جمہوری طرزِ حکومت میں ممکن ہے۔ یہ ایسے حالات پیدا کرتی ہے کہ معاشرے کا ہر شخص بھرپور اور صحت مند زندگی گزار سکے۔ جارج برنارڈ شا کہتا ہے کہ: "جمہوریت سے مراد ایسا معاشرتی نظام ہے، جس کا مقصد کسی خاص طبقہ کی بجائے پوری آبادی کے لیے زیادہ سے زیادہ خوش حالی اور فلاح و بہبود کا حصول ہے۔"

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر عوام کو حکومت میں شریک نہ کیا جائے اور ان کو حق رائے دہی حاصل نہ ہو تو وہ غیر مطمئن رہیں گے۔ اس طرح وہ نہ صرف یہ کہ معاشرے کی عام فلاح و بہبود اور ترقی میں دلچسپی نہیں لیں گے، بلکہ ان میں قربانی و ایثار کی بھی کمی ہو گی جمہوری طرز حکومت میں عوام کے نظم و نسق میں شمولیت کا نتیجہ حب الوطنی میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ (۳۲)

## مختصر جائزہ:

☆... جمہوریت کا لفظ عربی زبان سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ کسی چیز کا کثرت میں اور بلند یا نمایاں ہونا ہے، اسلامی کتب میں جمہور کا لفظ نمایاں اکثریت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

☆... اصطلاح کے طور پر اکثریت کی مرضی کے مطابق قائم شدہ نظامِ حکومت کے لیے یہ لفظ انگریزی کے Democracy کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

☆... مثالی جمہوریت ایک خاص طرح کے معاشرے میں نشوونما پا سکتی ہے جہاں عوام کو بہتر معاشی اور معاشرتی ماحول میسر ہو، جو تعلیمی پسماندگی سے پاک اور سماجی مساوات سے مزین ہو۔

☆... جدید جمہوریت عوام کی بالادستی، ان کے مساوی حقوق، شہری آزادی اور عوامی فلاح و بہبود کے عناصر ترکیبی پر مشتمل ہے۔ (۳۳)

## سیاست۔ لغوی و اصطلاحی معنیٰ و مفہوم:

جدید دنیا کی سماجی زندگی میں سیاسیات کے دائرے وسیع اور پیچیدہ صورت حال اختیار کر گئے ہیں۔ ایسے



Marfat.com

حالات میں سیاست ایک وسیع سائنس بن چکی ہے۔ اس کا اپنا فلسفہ، اپنی اصطلاحات، ادارے، طریقہ کار اور حکمت عملی ہے۔ جدید دور میں یہ سارا نظام جمہوریت کی چھتری تلے سانس لے رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جمہوری فکر و عمل کے تناظر میں سیاست انسانی کے مختلف پہلو، اسلام کی آفاقی تعلیمات سے کہاں کہاں مطابقت رکھتے ہیں اور کہاں کہاں انسانی فکر کی نارسائی ٹھوکریں کھارہی ہے۔ اس تجزیے سے یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ جمہوری طرزِ سیاست و حاکمیت کے پس منظر میں کون سی فکری کوتاہیاں کارفرما ہیں، جن کی وجہ سے انسان کی سیاسی و سماجی زندگی سرابوں کا شکار ہوگئی ہے۔(۳۴)

قرآن مجید میں لفظ سیاست مذکور نہیں۔ اس مفہوم کے لیے قرآن حکیم کی اپنی اصطلاحات ہیں۔ زمینی اقتدار اور حاکمیت کے تصور کو الفاظ قرآنی میں یوں بیان کیا گیا ہے: "تمکن فی الارض، استخلاف فی الارض، تحکم بین الناس" یہ اصطلاحات مختلف قرآنی آیات سے ماخوذ ہیں۔ ان آیات میں انسانی معاشرت کی اجتماعی تنظیم، اس کی اصلاح، حکومت کے نظام اور عدل گستری کے آداب کا خاکہ بیان کیا گیا ہے۔ انہی اصولوں کو آج کے دور میں سیاست سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام غزالی سیاست کو استصلاح الخلق (مخلوق کی اصلاح کا کام) قرار دیتے ہیں اور علامہ ابن خلدون نے اسے کفالۃ للخلق و خلافۃ اللہ (مخلوق کی سرپرستی اور اللہ کی نیابت) سے موسوم کیا ہے۔(۳۵) عربی زبان میں لفظ سیاست "ساس یسوس سوس" سے ماخوذ ہے، جس کے معنٰی اصلاح کرنے اور سنوارنے کے ہیں۔ اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے اس کا معنٰی تدبیر ریاست یعنی ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کے لیے کام کرنا ہے۔ اسی سے سائیس نکلا ہے، جس کے معنٰی سرداری و رہنمائی کے ہیں۔(۳۶) سیاست انسانی معاشرے کو منظم کرنے، اس کی اصلاح کرنے اور اس کا نظم و نسق چلانے کے لیے درکار ہے۔

عربی کے لفظ سیاست کے مقابلے میں انگلش لفظ Politics استعمال ہوتا ہے۔ یہ یونانی زبان Greek کے Polis سے ماخوذ ہے، جو شہری ریاست کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ لہٰذا پالیٹکس یا سیاسیات، شہری حکومت کے علم و فن کو کہا جاتا ہے۔ اب یہ صرف ایک فنِ حکومت کے طور پر مقبول ہے۔ سیاست کے وسیع مفہوم میں ریاست و حکومت کے تمام امور شامل ہو جاتے ہیں اور اس طرح انسان کی اجتماعی زندگی کے سبھی دائروں سے اس کا تعلق مربوط ہو گیا ہے۔(۳۷) جب کہ جمہوریت بنیادی طور پر سیاست کے ایک حصے، حکومت کی تنظیم اور طریق کار سے منسلک ہے۔ عربی زبان سے ماخوذ یہ لفظ، انگریزی کے Democracy کے متبادل کے طور پر مقبول ہوا ہے۔ جمہوریت کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں اکثریت اور نمایاں اکثریت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۳۸) جب کہ سیاسیات کی یہ اصطلاح اپنے وسیع مفہوم میں ایسے طرزِ حکومت کے لیے بولی جاتی ہے جس میں کسی ریاست کی حکومت، رعایا کی اکثریت کی مرضی کے تابع ہو۔ انگریزی میں ڈیموکریسی کا لفظ جو کہ یونانی زبان سے ماخوذ ہے، لغوی مفہوم کے لحاظ سے "لوگوں کی حکومت" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(۳۹) جمہوریت اسی وقت عمل میں آتی ہے جب عوام الناس کی اکثریت بالواسطہ یا براہِ راست، اقتدار میں شریک ہو۔(۴۰)



Marfat.com

## سیاست: مشہور مسلم مفکرین کی نظر میں:

علامہ ابنِ خلدون "سیاست" کی تعریف ان لفاظ میں کرتے ہیں: سیاست اس ذمہ داری کا نام ہے، جس کی رو سے عام انسانی نگہداشت (کفالت) کا کام پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے، جس کے ذریعے خدا کی نیابتی حکومت بندگان خدا میں خدا کے قوانین کو نافذ کرتی ہے اور احکام کا اجر عمل میں لاتی ہے۔ اس کام میں انسانی بہتری اور مفاد عامہ کا لحاظ رکھتی ہے اور قانون (شرائع) کو فیصلہ کن قوت تسلیم کرتی ہے۔ (۴۱) سیاست کی اس تعریف کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے سیاست کا تعلق حکومت و سلطنت کے اس کاروبار سے ہے، جس سے مصالح عامہ کی تکمیل ہو اور عام بندگان خدا کی حالت میں بہتری پیدا ہوتی ہے۔ علامہ ابو البقا حنفی سیاست کی تعریف یہ کرتے ہیں: وہ کام جس کا مقصد انسان کی بہتری کے لیے ایک ایسا راستہ پیدا کرنا ہے، جو حال اور مستقبل کی رہنمائی کے لیے ضمانت کر سکے۔ اسلامی فلسفۂ حیات کے مطابق سیاست انبیاء کی ذمے داری ہے، جو اپنے عام و خاص ظاہری اور باطنی دائرہ میں اسی طرح کام کرتی ہے، جس طرح حکمراں صرف ظاہری حلقہ اثر میں اس ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں۔ علامہ محترم سیاست معاشی، سیاست مدنی کی اصطلاح خاص کرتے ہیں۔ اور سیاست اجتماعی کو سیاست خلافت قرار دیتے ہیں۔ (۴۲) علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ انسانی سرگرمیوں کا مدار تین حقیقتوں پر ہے، اول (عمارت الارض) روئے زمین پر عمرانی تمدن کے بروئے کار لانے پر۔ دوسرے (خلافت) اسلامی طرز کی نیابتی حکومت پر جو سیاست کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کی مکمل اطاعت کرے۔ تیسرے (مکارم شریعت) اسلامی قانون کے اعلیٰ اوصاف پر۔ (۴۳)

علامہ ابو الحسن ماوردی (۴۵۰ھ) نے زیادہ صاف پیرایہ بیان اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں اسلامی حکومت ایک قسم کی قیادت ہے، جو دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست پر مبنی ہے۔ گویا دین کی حفاظت کے بعد دنیا کے کاموں میں اس کا حصہ لینا سیاست پر موقوف ہے۔ اسلامی حکومت کے قائد کے لیے سیاست ایک خدائی آلہ کار ہے، جس کا کام اجتماعی نظام کا اتحاد ہے۔ (۴۴)

علامہ ماوردی اس رائے پر بھی زور دیتے ہیں کہ قانون (شریعت) کا تعلق ذمہ داریوں سے ہے اور سیاست کا دنیا کی تعمیر سے۔ (۴۵)

امام غزالی کے نزدیک دنیا ایک ارضی نظام ہے، جس سے انسان خاص تعلق رکھتا ہے، انسان ایک وحدت ہے، مگر یہ وحدت اجتماعیت میں گم ہو جاتی ہے۔ اسلامی زندگی کا تعلق اسلام کے قوانین سے ہے اور یہ قوانین معاملات دنیا کے دائرے میں سیاست کے کارنامے ہیں۔ (۴۶) آخری دور کے علما میں امام شاہ ولی محدث دہلوی نے اسلامی زندگی کے سیاسی محرکات کو حکیمانہ طرز بیان کے ساتھ پیش کیا ہے و تصریح کرتے ہیں کہ اسلام کے نظام اجتماعی کا تعلق سیاست سے ہے اور سیاست کی اساس معتدل واجبات پر ہے۔ انبیاءؑ کی جدوجہد کا مدار بھی درحقیقت دو چیزوں پر رہا ہے۔ صحیح انسانی تہذیب پر اور اُمت کی سیاست پر۔ (۴۷) امام ابو الحسن ماوردی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: نیابتی حکومت (خلافت) ایک منصب کی حیثیت سے سیاسی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے۔ (۴۸) امام ابن تیمیہ کے نزدیک حکومت ایک امانت ہے، جس کا کام سیاست عدل کو برقرار رکھنا ہے۔ (۴۹)



Marfat.com

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں سیاست وہ فن ہے، جو حکومت کے واجبات اور سلطنت کے نظم ونسق سے تعلق رکھتا ہے، مسلمانوں نے مدتوں سیاست و حکومت کا فانوس روشن رکھا اور ہمیں یقین ہے کہ دنیا کے موجودہ سیاسی شعور میں جو عمومیت اور حکومت کے قالب میں اختیارات کی جو قوت نظر آتی ہے، اس میں اسلام کے سیاسی دور کا بڑا دخل ہے۔ (۵۰)

## سیاست: معنیٰ و مفہوم: مغربی مفکرین کی نظر میں:

انسان کی فطرت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنی زندگی تن تنہا بسر نہیں کر سکتا۔ اپنی زندگی کی مختلف اور گوناگوں ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وہ قدم قدم پر دوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ پیدائش سے لے کر وفات تک برابر یہی صورت قائم رہتی ہے۔ اسی لیے یونانی فلسفی ارسطو (۳۸۴ق م۔ ۳۲۲ق م) نے "انسان کو مدنی الطبع (Social Animal) کہا ہے۔" وہ مزید کہتا ہے کہ "اگر کوئی انسانی معاشرے کے بغیر زندگی گزارتا ہے تو وہ یا تو دیوتا ہوگا یا پھر وحشی۔" مختصر یہ کہ انسان اپنی جبلت اور ضرورت کے باعث دوسروں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جو حکم و قانون کے اصول پر منظم کیا جائے، اسے سیاسی طور پر "منظم معاشرہ" کہا جاتا ہے اور اس منظم معاشرے کو دوسرے الفاظ میں "ریاست" کہتے ہیں۔ وہ علم جو ریاست کا مطالعہ کرتا ہے، اسے سیاسیات یا علم سیاست کہتے ہیں۔ (۵۱) ☆...ڈاکٹر جے ڈبلیو گارنر کے مطابق "سیاست وہ علم ہے جو ریاست سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔"

☆... ڈاکٹر اسٹیفن لیکاک کے خیال میں "علم سیاست حکومت کا علم ہے۔" ان تعریفوں کی روشنی میں ہم سیاسیات کی جامع تعریف ان الفاظ میں کر سکتے ہیں "سیاسیات عمرانی علوم کا وہ حصہ ہے جو ریاست کی نوعیت، ابتدا اور ارتقاء اور ریاست و حکومت کی مختلف اشکال اور ان کے اغراض و مقاصد، شہریوں کی آزادی، حقوق و فرائض اور ریاستوں کے مابین تعلقات وغیرہ کا مدلل اور سائنٹیفک مطالعہ کرتا ہے۔" (۵۲) مختصراً یہ کہ موجودہ دور میں علم سیاست میں ریاست و حکومت، اس کی نوعیت، ابتداء ارتقاء، اقسام، مقاصد، اقتدار سے دلچسپی رکھنے والے اور حکومت کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے والے مفادات گروہ، انسانوں کے باہمی تعلقات، ان کے حقوق و فرائض اور سیاسی نظام کے بارے میں ان کے طرزِ عمل سے بحث کی جاتی ہے یہی نہیں، بلکہ ان تمام انسانی اعمال اور سرگرمیوں کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے، جو ریاست کے اندر منظم زندگی سے متعلق ہوں۔ (۵۳)

## سیاست و جمہوریت۔ اسلام کا نقطۂ نظر:

اسلام ایک کامل و مکمل دین اور ابدی ضابطۂ حیات ہے۔ یہ دین انسانیت ہے، اس لیے اسے انسانی زندگی کے ہر شعبے اور بطورِ خاص سیاست پر پوری طرح حاوی ہونا چاہیے۔ چناں چہ سیاست، معیشت اور سماجی رشتے اسلام کے تابع اور اس کے رنگ میں رنگے ہونے چاہئیں۔ اس بنیادی شرط کے بعد شورائیت کے واضح اصولوں کی بنیاد پر قائم ہونے والی سیاست ہی ایسی جمہوریت کہلانے کی حقدار ہوگی، جس کا وجود اسلام کے منافی نہیں ہو سکے گا۔ مغرب کی موجودہ



Marfat.com

مادر پدر آزاد اور صرف انسانی عقل و ادراک کی بنیاد پر قائم کردہ جمہوریت اسلام میں قابل قبول نہیں ہے۔ اس تناظر میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر | خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار | قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری (۵۴)

اسلامی نقطۂ نظر سے ایک سیاست وہ ہوتی ہے، جو دین و شریعت کے اعلیٰ اصولوں اور احکام کی پابند ہوتی ہے۔ سیاست کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے، جو دین و مذہب اور اس پر مبنی اخلاق و قیود کی پابند نہیں ہوتی۔ شرعی اصولوں پر مبنی سیاست یقیناً دین کا حصہ اور سنت انبیاء ہے۔ یہ قرآن کے احکام امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل درآمد کا ایک طریقہ ہے۔ لہٰذا سیاست سے پہلو تہی کرنا اور اس سے گریز در حقیقت دین کے ایک اہم شعبے سے دُور رہنا ہے۔

امام ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کہتے ہیں کہ "شیطان حکمرانوں کو یہ دھوکا دیتا ہے کہ امورِ سیاست میں اپنی صوابدید پر عمل کرو۔ اس تلبیس ابلیس کی وجہ سے وہ شریعت کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا فریب ہے، اس لیے کہ شریعت سیاست اللہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ خدائی سیاست میں کوئی خلل یا کمی ہو، جس کی وجہ سے مخلوق کی وضع کردہ سیاست کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ترجمہ: "ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی۔ توجو شخص لادین سیاست کا مدعی ہے، وہ دراصل شریعت میں کمی کا مدعی ہے اور یہ کفر کی بات ہے۔" (۵۵)

حافظ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) کے بقول سیاستِ عادلہ شریعت کے اجزا میں سے ایک جزء ہے، جس کا انصاف پر مبنی ہونا ضروری ہے۔

"معین الحکام" کے مطابق سیاستِ شرعیہ کا اختیار کرنا واجب ہے اور اس سے انکار کرنا نصوصِ شرعیہ اور خلفائے راشدینؓ کی تردید کرنے کے مترادف ہے۔ (۵۶)

امام غزالی سیاست کے بارے میں لکھتے ہیں: "انسان کے اصولی اعمال میں بلند ترین اور اہم ترین عمل فنِ سیاست ہے۔ اس عمل کی وجہ سے عوام میں باہمی محبت اور اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے ان کی اصلاح ہوتی ہے اور اسی کے ذریعے عوام کو وہ راستہ بتایا جاتا ہے جس پر چل کر وہ دنیا اور آخرت دونوں کی نجات حاصل کر سکتے ہیں۔" (۵۷)

ارسطو کا یہ فقرہ ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے کہ "انسان سیاسی اور سماجی حیوان ہے۔" اس کے بقول "سیاسی اور تمدنی زندگی نہ رکھنے والا انسان یا تو دیوتا ہوگا یا حیوان۔"

## سیاست اور سیاسی نظام مملکت۔ علامہ یوسف القرضاوی کا جامع تجزیہ:

عالم اسلام کے نامور اسکالر ڈاکٹر محمد یوسف القرضاوی لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اسلام کا سیاست کے بغیر تصور ہی ممکن نہیں، اگر آپ اسلام کو سیاست سے الگ کر دیں گے تو آپ اسے کوئی اور مذہب بنا دیں گے، بدھ مت یا عیسائیت جیسا، مگر یہ اسلام نہیں ہوگا۔ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں:



Marfat.com

(۱) اسلام پوری زندگی پر توجہ دیتا ہے۔ بہت سے ایسے امور جنہیں سیاسی سمجھا جاتا ہے، ان کے متعلق اسلام واضح ہدایات اور صریح احکام دیتا ہے۔ اسلام عقیدہ اور عبادت ہے، یہ اخلاق اور کامل شریعت ہے۔ بالفاظ دیگر یہ زندگی کا کامل و مکمل نظام ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ زندگی کے لیے مبادیات وضع کرتا ہے، ان قواعد وضوابط کی بنیاد رکھتا ہے، وہ قوانین بناتا ہے اور وہ احکام جاری کرتا ہے، جن کا تعلق فرد کی زندگی سے بھی ہوتا ہے اور خاندانی معاملات سے بھی، معاشرتی مسائل سے بھی اور قومی و بین الاقوامی تعلقات سے بھی۔

(۲) جس شخص نے قرآن کریم، سنتِ مطہرہ اور فقہ اسلامی میں مختلف مکاتب فکر کی کتابیں پڑھی ہیں، اسے یہ بات بالکل واضح طور پر معلوم ہے۔ فقہ میں عبادات تک کا شعبہ "سیاست" سے الگ نہیں۔ مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نماز ترک کرنا، زکوٰۃ نہ دینا، رمضان میں دن کے وقت بر سر عام کھانا پینا، فریضۂ حج میں لاپروائی کرنا ایسی حرکات ہیں جن پر حکومت قانون کے تحت سزا دیتی ہے اور اگر کوئی طاقت ور مسلح جتھہ ان فرائض یا ان میں سے کسی ایک کی بجا آوری میں کوتاہی کرے، تو اس کے خلاف جنگ کی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف کی تھی۔ معلوم ہوا کہ اسلام اور سیاست لازم وملزوم ہیں۔" (۵۸)

## اسلام اور سیاست کا باہمی تعلق... مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا فکر انگیز تجزیہ:

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اسلام اور سیاست کے باہمی تعلق کے حوالے سے لکھتے ہیں: "اسلام اور سیاست کے تعلق کے بارے میں آج کل دو ایسے نظریات پھیل گئے ہیں، جو افراط و تفریط کی دو انتہاؤں پر ہیں۔ ایک نظریہ سیکولرازم کا ہے، جس کے نزدیک اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح انسان کا ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے، جس کا تعلق بس اس کی اپنی ذات سے ہے۔ سیاست و حکومت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نظریہ درحقیقت عیسائی تھیوکریسی کی خرابیاں سامنے آنے کے بعد ایک ردعمل کے طور پر اپنایا گیا اور سیکولر جمہوریت کے رواج کے بعد یہ دنیا میں مقبول ہو گیا۔ اس نظریے کو مزید تقویت بعض ان دینی حلقوں کے طرزِ عمل سے بھی ملی جنہوں نے نہ صرف اپنی سرگرمیوں کا سارا محور عقائد و عبادات اور زیادہ سے زیادہ اخلاق کی درستی کی حد تک محدود رکھا، بلکہ جو لوگ اس دائرے سے باہر جا کر کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہوئے، ان پر تنقید بھی کی کہ ایک دین دار آدمی سیاست میں کیوں ملوث ہو؟ یہ نقطۂ نظر درحقیقت اسلام کو دوسرے مذاہب پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ حالاں کہ یہ قیاس قطعی طور پر غلط ہے۔ اسلام کی ہدایات اور تعلیمات صرف عقائد و عبادات اور اخلاق کی حد تک محدود نہیں ہیں بلکہ وہ مالیاتی معاملات اور سیاست و حکومت کے بارے میں بھی ہمیں بڑے احکام عطا کرتی ہیں، جن کے بغیر اسلام کا کلی تصور نامکمل ہے۔" (۵۹)

## مذہب وسیاست کی تفریق پر اقبال کی گرفت:

مذہب وسیاست کی تفریق پر شاعر مشرق علامہ اقبال نے کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا:



Marfat.com

نظامِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اقبال نے یہ بے لاگ تبصرہ یورپ کی اس عام روش پر کیا ہے، جو مذہب و سیاست کے معاملے میں وہاں اختیار کی گئی ہے۔ یورپ میں چرچ یا پاپائیت نے اہلِ سیاست، اہلِ تحقیق اور اہلِ علم کو اتنا پریشان کیا اور غیر فطری و غیر عقلی روایات و عقائد کا سہارا لے کر ہر شعبۂ حیات میں یوں بے جا مداخلت کی کہ آخر کار یورپین اقوام نے مذہب کو سیاست و تہذیب کی وادی سے دھکے دے کر نکال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب انسان کا پرائیویٹ مسئلہ بن کر رہ گیا اور سیاسی، تہذیبی، معاشرتی اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا، حتیٰ کہ سیاست، مذہب سے آزاد ہو کر بقول اقبال دیوِ بے زنجیر بن کر رہ گئی۔ (۶۰) اس کے برخلاف جب یورپ کی استعماری طاقتوں نے اس اصول کو متعارف کرایا کہ پوپ کا حصہ پوپ کو دو اور بادشاہ (سیزر) کا حصہ بادشاہ کو دو، تو یقیناً اسلام کا نظریۂ سیاست ایک زبردست خطرے کی زد میں آ گیا اور اقبال کو بجا طور پر غیر معمولی تشویش لاحق ہو گئی کہ دین و سیاست کا تضاد پورے معاشرے کو ہمہ نوع خرابیوں کا شکار بنا سکتا ہے اور یورپ کی طرح عالمِ اسلام میں بھی ایسی مادر پدر آزادی کا چلن عام ہو سکتا ہے، جو دین اور اخلاق کی ہر قدر کو ملیا میٹ کر سکتی ہے، چناں چہ انہوں نے اسی خطرے کے پیشِ نظر دین و سیاست کے اختلاف کو پورے زور سے ہدفِ تنقید بنایا، اسے خوفناک اور ہولناک برائی قرار دیا، ملک و ملت کے لیے ناکامی و نامرادی سے تعبیر کیا اور زور دے کر کہا کہ جب تک سیاست دان اور حکمران متقی، پرہیزگار اور خدا کا خوف رکھنے والے نہیں ہوں گے، انسانیت کو حقیقی امن و سکون نہیں مل سکتا۔ "بالِ جبریل" میں فرماتے ہیں:

ہوئی دین و ملت میں جس دم جدائی ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی دوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری (۶۱)

یورپ نے مذہب کو پس پشت ڈال کر اس پر سیاست و سیاسی اداروں کی جو فوقیت قائم کی، اقبال مثنوی "اسرار و رموز" میں اس پر یوں اظہارِ افسوس کرتے ہیں:

تا سیاست مسندِ مذہب گرفت ایں شجر در گلشنِ مغرب گرفت
قصۂ دینِ مسیحائی فسرد شعلۂ شمعِ کلیسائی فسرد

"چوں کہ سیاست مذہب کی مسند پر قابض ہو گئی، اس لیے لادینیت کا درخت گلشنِ مغرب ہی میں پروان چڑھا، حضرت مسیحؑ کا مذہب عملاً ختم ہو گیا اور کلیسا کی شمع بجھ گئی۔

اقبال ملک و دین کو اس طرح لازم و ملزوم سمجھتے ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرے کا وجود بے معنیٰ گردانتے ہیں۔ "زبورِ عجم" میں کہتے ہیں کہ ملک کی حیثیت جسم کی سی ہے، جب کہ دین اس کی روح ہے، اس لیے اگر وطن اور ملت کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو ایک ہاتھ میں خرقہ و سجادہ اور دوسرے میں شمشیرِ سناں لے کر اٹھو۔ (۶۲)



Marfat.com

## اسلام کے تصورِ جمہوریت کا امتیاز اور اس کی وسعت و ہمہ گیری:

اسلام کا تصورِ جمہوریت مغربی تصور جمہوریت سے قطعی مختلف ہے، اسلامی ریاست کا دستور عوام کی رائے سے مرتب نہیں ہوتا، بلکہ قانونی حاکمیت اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص قرار دی گئی ہے۔ یہ قانون قرآن کی آیات کی صورت میں پیغمبرِ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جس کی مقرر کردہ حدود کو عبور نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد ربانی ہے: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (۶۳) اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا۔ ایک مقام پر فرمایا: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ (۶۴) آسمان سے زمین تک دنیا کا انتظام وہی کرتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (۶۵) اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس آیت میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ بادشاہی (حقیقی اقتدار اعلیٰ) صرف اللہ کا ہے اور کوئی دوسری ہستی اس مرتبے پر فائز نہیں ہو سکتی، اس لیے لازم ہے کہ جس ہستی کی بادشاہی قائم ہو گی، حکم بھی اسی کا ہی مانا جائے گا اور اس کے احکامات کی سرتابی نہیں کی جاسکے گی۔ وہی ہستی قانون بنائے گی، جس کی اطاعت ہر ایک پر لازم ہے۔

ارشاد ربانی ہے: اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۶۶) کیا وہ جو پیدا کرتا ہے، اس کی طرح ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کرتا؟ تم ہوش میں نہیں آتے۔ یعنی غیر اللہ ہستی، حکمت و تدبر میں اللہ تعالیٰ کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کا بنایا ہوا قانون بھی ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (۶۷) بادشاہ، عیب و نقص سے پاک، غلطی سے مبرا، امن دینے والا نگہبان، غالب، بزور حکم نافذ کرنے والا، کبریائی کا مالک۔ اللہ تعالیٰ طاقت کا سرچشمہ ہے۔ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ چناں چہ قانون بنانے کا حق بھی اسی کا ہے:

اس حوالے سے فرمایا گیا: حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

اللہ کے قانون کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس سے انکار کرنے والے کے لیے دردناک عذاب کی سزا مقرر کی گئی ہے:

اس حوالے سے فرمایا گیا: وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۶۸) یہ اللہ کی حدیں ہیں اور پابندی سے انکار کرنے والے کے لیے دردناک سزا ہے۔

صرف اس صورت میں انسانوں کو قانون بنانے کی اجازت دی گئی ہے، جب قرآن کریم میں کوئی وضاحت نہ ہو، لیکن ایسے قوانین بنانے کی صورت میں بھی قرآن کے بنیادی احکام کو مد نظر رکھنا لازمی ہے۔ (۶۹) دراصل اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کے قانون کے مطابق اسلامی ریاست کی تشکیل کا مقصد اجتماعی عدل کے نظام کا قیام ہے، تاکہ انسان کی انسان پر حکمرانی کو ختم کیا جائے اور انہیں ایک سطح پر کھڑا کیا جائے۔ موجودہ جمہوریت میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اس میں اکثریت کو، کمزور اور چھوٹی جماعتوں پر حکمرانی کا حق حاصل ہوتا ہے اور پھر ایک انسان دوسرے کی غلامی قبول کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ عوام کے مطالبے پر جو قانون ساز ادارے بنائے جاتے ہیں، وہ بھی ایک طرح کا فریب ہوتا



Marfat.com

ہے۔ اس میں پس پردہ انہی نمائندوں کا انتخاب ہوتا ہے، جو حکومت کے حامی اور اس کے پروردہ ہوتے ہیں اور جنہیں حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ جو بھی قانون بناتے ہیں، وہ لوگوں کے مفاد کو مد نظر رکھ کر نہیں بنائے جاتے، بلکہ حکومت وقت کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ (۷۰)

علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں اسے ایک جادو گری قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

آبتاؤں تجھ کو رمزِ آیہ انّ الملوک — سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے ایک جادو گری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر — پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

اسلامی جمہوریت کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے تو پھر زمین میں جو لوگ حکومت کریں گے، ان کی حیثیت اللہ کے خلیفہ کی ہوگی:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۷۱) اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا، جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا، پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس آیت میں خلافت کا وعدہ سب مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اسلام میں خلافت تمام مومنین کا حق ہے اور اس سلسلے میں کسی بھی وراثتی نظام کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ زمین میں اللہ کی حاکمیت کے نفاذ کا حق پوری مسلم ملت کو حاصل ہے، وہ اپنی پسند سے جس شخص کو بھی چاہیں، خلیفہ یا امیر کے عہدے پر فائز کر سکتے ہیں۔ (۷۲) یہ اسلامی جمہویت ہی ہے جس کی بناء پر اسلام نسلی امتیازات کی دیواروں کو گرا کر بلال حبشیؓ اور ان جیسے لاکھوں افراد کو بازوؤں میں سمیٹ لیتا ہے اور انہیں اتنے بلند مرتبے پر پہنچا دیتا ہے کہ عرب بھی ان کی عظمت پر رشک کرنے لگتے ہیں۔

اسلامی جمہوریت کا ایک اور اہم ترین رکن نظام شوریٰ ہے۔ شوریٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مشورے کا حکم دیا گیا ہے، حالاں کہ رسول یا پیغمبر سے کسی غلطی کا احتمال نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (۷۳) ان کے معاملات میں ان سے مشورہ کر لیا کرو۔

اور اس کے ساتھ سورۂ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے والوں کی تعریف فرماتے ہوئے کہا ہے: اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے، وہ بہتر بھی ہے اور پائے دار بھی۔ وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو در گزر کرتے ہیں، جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے



Marfat.com

جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔(۷۴)

پوری ملت سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک جگہ بیٹھ کر قانون سازی کرے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ امت قانون سازی کے اختیارات، کسی ایک فرد یا افراد کی محدود تعداد کے حوالے کردے۔(۷۵) اگر تمام معاملات اہلِ شوریٰ کے فیصلے پر چھوڑ دیے جائیں تو ایسی صورت میں ان کے لیے کن صفات و خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے، جو انہیں عام لوگوں سے ممتاز کریں، اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ "متقی اور پرہیز گار ہوں۔ علم و عمل اور عقل و دانش میں کامل ہوں، ان کی دیانت، صداقت اور تقدس پر کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے اور ان کا فیصلہ پوری امت کا فیصلہ ہو اور ان کو امت میں زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہو۔(۷۶) اور یہی افراد ہیں جنہیں خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مغربی جمہوریت کی ایک اور خامی جو اسے اسلامی جمہوریت سے الگ کرتی ہے، یہ ہے کہ اس میں ہر قانون یا ہر معاملہ اکثریت سے طے پاتا ہے، خواہ یہ اکثریت کسی غلط بات ہی کی پیروی کیوں نہ کر رہی ہو، اس کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں — بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اسلامی جمہوریت کا جائزہ لینے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گو اسلام کی پیدا کردہ اسلامی جمہوریت کئی لحاظ سے موجودہ جمہوریت سے مختلف ہے، جو جمہوریت اسلام نے پیش کی ہے، وہ اپنے انداز میں خاص ہے، کیوں کہ اس کا مقصد لوگوں کی فلاح ہے، ان میں تفرقہ ڈالنا اور فتنہ و فساد برپا کرنا نہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے اسلامی جمہوریت کی بنیاد پر لوگوں کو مساوات کا سبق سکھایا۔ صحیح قسم کا نظامِ شوریٰ قائم کیا اور ایک فلاحی مملکت قائم کرتے ہوئے امیروں اور حکمرانوں کو دیگر افراد کے ساتھ ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا، لیکن موجودہ جمہوریت کے بارے میں اقبال کا صرف ایک شعر ہی لکھ دینا کافی ہے۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام — چہرہ روشن، اندرون چنگیز سے تاریک تر (۷۷)

## جمہوریت کی حقیقت اور اس حوالے سے اسلام کا نقطۂ نظر:

مغربی جمہوریت کا موجودہ تصور اسلامی اصول سیاست کے منافی ہے۔ قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ سے اس کے حق میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ قرآن نے اکثریت کی حکمرانی کا کوئی ذکر نہیں کیا، بلکہ اکثریت کے بے سوچے سمجھے رویے کو بطور اصول تمدن اپنانے سے سختی سے روک دیا ہے: اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (۷۸) اور اگر آپ زمین میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت کی مانیں تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مغربی جمہوریت کی حقیقت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جمہوریت کے مبینہ مقاصد میں کہیں بھی آپ یہ نہیں پائیں گے کہ خیر کو پھیلایا جائے گا، شر کو روکا جائے گا، اچھائی کو فروغ دیا جائے گا اور برائی کو روکا جائے گا، یہ اس لیے نہیں کہتے کہ اول تو اچھائی اور برائی کا کوئی دائمی



Marfat.com

معیار ان کے پاس نہیں ہے کہ فلاں چیز اچھی ہے، فلاں بُری ہے، بلکہ اب تازہ ترین فلسفہ یہ ہے کہ خیر اور شر کوئی چیز نہیں ہے، دنیا میں ساری چیزیں اضافی ہیں، اور ان کا اپنا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے، بلکہ خیر و شر کے پیمانے ماحول کے زیر اثر متعین ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ جب سے سیکولر جمہوریت کا رواج ہوا ہے، اسی دن سے اخلاقی بے راہ روی کا زور اٹھا ہے، آج حالت یہ ہے کہ کوئی بد سے بدتر کام ایسا نہیں جس کو آج آزادی کے نام پر سند جو نہ دی گئی ہو یا کم از کم اس کا مطالبہ نہ کیا جا رہا ہو، کیوں کہ جمہوریت نہ کسی اخلاقی قدر کی پابند ہے، نہ کسی آسمانی ہدایت سے فیض یاب ہے، بلکہ عوام کی اپنی مرضی اور خواہش پر سارا دارومدار ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی نظامِ خلافت میں اچھائی اور برائی کا ایک جچا تلا معیار موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں حکم ہے کہ وہ اچھائی کو پھلانے اور برائی سے روکنے کا فریضہ انجام دیں۔ (۷۹)

ایک بات قابلِ توجہ ہے کہ قرآن مجید نے حکمرانوں، بادشاہوں اور سربراہوں کا ذکر صیغہٗ واحد میں ... خلیفہ، امام، ملک اور حکم... کے الفاظ کے ساتھ کئی مقامات پر کیا ہے۔ (۸۰) اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے اچھے اور برے حکمرانوں کے تذکرے میں اچھے بادشاہوں اور ان کی اعلیٰ کارکردگی پر تبصرہ فرمایا ہے، جیسے کہ ذوالقرنین، طالوت اور ملکہ سبا۔ لیکن جمہور کی فرمانروائی کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ البتہ وہ قوم کے حکمران طبقے کا ذکر ملاء القوم کے نام سے کرتا ہے۔ (۸۱) اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ قرآن مجید، ملوکیت یا بادشاہت کے نظام حکومت کو مثالی قرار دیتا ہے بلکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم اچھی حکمرانی کا مجوز اور موید ہے، کیوں کہ اس نے برے حکمرانوں اور بادشاہوں کی مذمت بھی کی ہے۔ (۸۲) قرآن پاک نے زمین میں انسانی اختیار و تصرف کو لفظ خلیفہ میں سمو دیا ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (۸۳) یہ لفظ انسان کے لیے متعین مقامِ نیابت، نمائندگی اور انسان کے عزو شرف پر دلالت کرتا ہے۔ (۸۴) جس سے خود بخود یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان اقتدار کا مالک نہیں، امین ہے یہ حاکمیت اس کی ملکیت نہیں، بلکہ اصل مالک کی عطا ہے، جو ایک خاص مہلت عمل تک کے لیے ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ: وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (۸۵) لہٰذا اسلامی اسلوب سیاست میں مروجہ جمہوریت کے بالمقابل خلافت کا اصول کارفرما ہے۔ اسلامی حکومت میں لوگوں کی رضامندی کا دخل ضرور ہے، مگر یہ حکومت لوگوں کی اکثریت کی خواہشات کے تابع ہو کر نہیں چلتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہوتی ہے اور اسی میں اس کی کامیابی کا راز ہے: ارشاد ربانی ہے: فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۸۶) حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت کے منصب پر فائز کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ فیصلے انصاف کے مطابق کیے جائیں اور ہوائے نفس کی پیروی سے اجتناب کیا جائے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی (۸۷) اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے، پس آپ لوگوں کے درمیان سچائی کا فیصلہ کیجیے اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔

## فکرِ اقبال اور اسلامی جمہوریت:

خلفائے راشدینؓ اور اسلامی تاریخ کے سنہرے ادوار میں اسلامی حکمرانی کا اندازہ بے مثال جمہوریت پر مبنی



Marfat.com

تھا۔ اس جمہوریت میں حکمرانوں کا کوئی طبقہ نہ تھا، ہر طرح کی آزادی ضمیر تھی۔ مملکت رفاہی تھی، جس کے اندر سیدنا عمر فاروقؓ جیسا جلیل القدر خلیفہ راتوں کو گشت کر کے دیکھتا تھا کہ کہیں ظلم تو نہیں ہو رہا یا کسی غریب کے گھر میں فاقہ تو نہیں۔ اگر کوئی غریب گھرانہ نانِ شبینہ کا محتاج دکھائی دیا تو بیت المال سے اپنی پیٹھ پر لاد کر سامانِ خورونوش معذرت کے ساتھ وہاں پہنچا دیا۔ اگر کسی امیر یا گورنر نے کسی غریب ذمی پر بھی ذرہ بھی ظلم کیا تو عمرؓ کے دڑّے اس پر بر سر عام برس گئے۔ یہ تھی مساواتِ حقوق اور عوام کی حکومت عوام کے لیے۔ اقبال کو یہ صورت کہیں نظر نہ آتی تھی، نہ مشرق میں، نہ مغرب میں، نہ ممالک اسلامیہ میں اور نہ فرنگ میں۔ وہ جمہوری نظام چاہتے تھے، جہاں خلقِ خدا کے بنیادی حقوق محفوظ ہوں اور زندگی کی اساسی ضروریات عام ہوں، جہاں حکمراں علم و اخلاق کی بنا پر منتخب ہوں اور درویش منش ہوں، خوشامد، جبر یا زرپاشی سے عوام سے اپنے حق میں ووٹ کے طالب نہ ہوں۔ اگر یہ صورت نہیں تو حریت اور مساوات سب دھوکا ہی دھوکا ہے۔ سب ملوکیت اور آمریت کی بھیس بدلی ہوئی شکلیں ہیں۔ اقبال نے اس جمہوریت کے خلاف شدید تنقید کی ہے۔ (۸۸)

## مغربی نظامِ سیاست اور نظریہ جمہوریت، اسلام اور اسلامی اقدار کے منافی عمل:

مذہب سے بے نیاز ہو کر دنیا میں جس نوع کے نظام سیاست نے رواج پایا اور اس نے شجرِ خبیثہ کی طرح جو پھل دیا، وہ انسانیت کے حق میں زہر ہلاہل ثابت ہوا۔ چناں چہ گزشتہ دو صدیوں میں یورپ کے مختلف ممالک نے دنیا کی چھوٹی اور کمزور قوموں کے ساتھ مکر و فریب اور ظلم و بربریت کا جو رویّہ اختیار کیا، سوویت یونین میں ستّر سال تک انسانیت کی جو توہین و تذلیل ہوئی اور اب امریکہ اپنے حلیفوں کے تعاون سے نیو ورلڈ آرڈر کے حوالے سے عالمِ اسلام پر اپنا غلبہ اور تسلط چاہتا ہے یہ بڑا ہی بھیانک اور دردناک پہلو ہے اور اقبال اس ابلیسی سیاست کے خلاف سراپا احتجاج بنے رہے۔ ملاحظہ کیجیے "ضرب کلیم"

تری حریف ہے یارب سیاست افرنگ　　　مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے　　　بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس (۸۹)

"ضرب کلیم" ہی میں دوسری جانب مغرب کے نظام سیاست کو تند و تیز لہجے میں "کنیز اہرمن" اور "دونہاد و مُردہ ضمیر" کا خطاب دیتے ہیں اور اس منفی، آدم بیزار نظام کو "دیو بے زنجیر" قرار دیتے ہیں جس میں اہل کلیسا کا رول بھی ہے۔

مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لادیں　　　کنیزِ اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر
ہوئی ہے ترکِ کلیسا سے حاکمی آزاد　　　فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر
متاعِ غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اُس کی　　　تو ہیں ہر اول لشکر کلیسیا کے سفیر (۹۰)

مغربی نظامِ سیاست کے سیاست کاروں کے بارے میں بھی اقبال کی رائے بڑی منفی ہے۔ فرماتے ہیں:

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے　　　یہ خاکباز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند



Marfat.com

ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفت عنکبوت ان کی کمند(۹۱)

اقبال نے "بالِ جبریل" میں ابلیس کی زبان سے مغربی سیاست دانوں اور ان کے متبعین پر جارحانہ تنقید فرمائی ہے:

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک (۹۲)

## مغربی جمہوریت: محض دھوکا اور سراب:

متذکرہ لادین سیاست نے جس قسم کی جمہوریت کو فروغ دیا، وہ بذات خود غلامی کو پختہ تر کرنے کی ایک سازش ہے۔ اس نظام میں جس طرح عوام کا استحصال کیا جاتا ہے، عیار سرمایہ داروں کا طبقہ مال وزر اور چرب زبانی سے جس طرح عوام کی سادہ دلی سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اکثریت کے بل پر پارلیمنٹوں میں جس طرح ہر نوع کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ (جیسا کہ یورپ کے مختلف ملکوں میں ہو رہا ہے اور لواطت، ہم جنس پرستی، اسقاط حمل اور حرامی بچوں تک کو جس طرح قانونی جواز دے دیا گیا ہے) اس حوالے سے اقبال نے مغربی جمہوری نظام پر پہلو بدل بدل کر حملے کیے، "بانگ درا میں برملا فرماتے ہیں کہ مغربی جمہوری نظام اپنی روح اور نتائج و مضمرات کے اعتبار سے ملوکیت اور آمریت سے مختلف نہیں ہے اور پارلیمنٹوں کے اندر لمبی چوڑی بے مقصد تقریریں دراصل سرمایہ دار طبقے کا فریب کارانہ حربہ ہے، جس کے بل پر وہ عوام کو اپنی گرفت میں رکھتے ہیں۔" (۹۳)

اقبال مغربی جمہوریت پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس، الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری
اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو (۹۴)

اور اس شعر میں تو ان کا لہجہ بے حد تلخ ہو گیا ہے۔ وہ مغرب کے جمہوری نظام کو چنگیزیت سے بدتر قرار دیتے ہیں:

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر (۹۵)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اقبال جمہوریت جیسے معروف اور مقبول عام سیاسی نظام کے بھی خلاف تھے اور اسے چنگیز سے تاریک تر، فسطائیت اور استبداد کا ہم معنی اور مکر و فریب اور انسانیت کشی کے ہم پلہ قرار دیتے تھے، تو پھر آخر انسانی معاشروں کی فلاح اور کرۂ ارض کے امن و سکون کے لیے ان کے پیش نظر کون سا نظام تھا؟ تو اس کا واضح جواب "جاوید نامہ" کے آخری شعر میں مل جاتا ہے کہ:

اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامن قرآں بگیر آزاد شو



Marfat.com

یعنی اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی آزادی و خوشحالی کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ یورپ کے مختلف سیاسی نظاموں سے کنارہ کش ہو کر قرآن کا دامن تھام لیں اور اس نظامِ خلافت کا احیاء کریں جو قرآنی دستور العمل کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رائج فرمایا تھا اور جسے خلفائے راشدینؓ نے اپنے اخلاص، حکمت و تدبر، فقر و استغناء اور جرأتِ کردار سے انسانی تاریخ میں منفرد و یکتا اور عدیم النظیر رنگ دیا تھا۔ برملا فرماتے ہیں:

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار　　لا کہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب و جگر (۹۶)

چناں چہ ان کے نزدیک مسلمانوں کا بحیثیت قوم دنیا میں منصب یا مقام یہ ہے کہ وہ "خلافتِ الٰہی" کی علمبردار ہے اور اس اعتبار سے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی حاکمیت قائم کریں۔ اسلام میں ہر نوع کی ملوکیت حرام ہے اور "خلافت" اللہ تعالیٰ کے قانون کی حفاظت کا نام ہے۔ "ارمغان حجاز" کے اشعار ہیں:

خلافت بر مقام ما گواہی است　　حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است

ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ　　خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است (۹۷)

"یعنی خلافت ہمارے مقام و مرتبہ پر شاہد ہے اور بادشاہت ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یہ مکر و فریب اور ظلم کے سوا کچھ نہیں اور خلافت ہی سے اللہ کی عظمتوں کا اظہار ہوتا ہے۔" (۹۸)

اسلام ایک جامع اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے، اسلام کا تصور سیاست و حکومت دوسرے تمام نظریات سے مختلف ہے اور اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سیاسیات کی جڑ انسان کی روحانی زندگی میں ہوتی ہے۔ اور اسلامی نظامِ حکومت نہ جمہوریت ہے نہ ملوکیت، نہ ارسٹوکریسی اور نہ تھیاکریسی، بلکہ وہ ایسا مرکب ہے جو ان تمام کے محاسن سے متصف اور قبائح سے منزہ ہے۔ (۹۹)

## سیاسی اور جمہوری بے داری میں اسلام کا کردار:

عصر حاضر میں ہمارے لیے یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام اپنے نظریۂ سیاست میں کس طرز حکومت کا داعی ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام نے حکومت کی شکل اور صورت میں کسی خاص نوعیت کو مخصوص نہیں کیا، کیوں کہ حکومت کی شکل و صورت کا تعلق شعور کی بیداری اور حالات کی تبدیلی سے ہے۔ لہٰذا اسلام شکل و صورت سے زیادہ روح اور معنویت کا قائل ہے۔ اگر آج زمانے کے تجربات اور حالات کی تبدیلی نے انسان کو ایک ایسے طرزِ حکومت تک پہنچا دیا ہے، جو اپنے اندر اسلامی روح اور معنویت کو سموئے ہوئے ہے تو اسے محض مغرب سے مرعوبیت کا طعنہ دے کر رد کر دینا انصاف کے خلاف ہے، کیوں کہ یہ سب کچھ اسلام کے پاس بہت پہلے سے موجود ہے، چناں چہ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں: "آج یورپ کے بازار حریت میں بہتر سے بہتر جو متاع دکھائی جاسکتی ہے، وہ ہمارے امانت خانوں میں تیرہ سو برس سے موجود ہے۔" (۱۰۰)

چناں چہ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اسلام اپنے بنیادی سیاسی تصورات کی بناء پر ایک حقیقی جمہوری مذہب ہے۔ اسلام نے روزِ اول ہی سے اپنے انداز فکر میں جمہوریت کو ایک بلند مقام عطا کیا ہے۔ پیغمبرِ اسلام



Marfat.com

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود نبی اور رسول ہونے کے اپنے آپ کو جمہور عوام سے وابستہ رکھا اور اپنے کسی فیصلے میں جمہوری رائے کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ ہر اہم موڑ اور موقع پر جمہور صحابہؓ سے رائے لی۔ آج دنیا خوب سے خوب تر اور بہتر سے بہتر کی تلاش میں ہے۔ آج پوری دنیا میں تبدیلیوں کی لہر اٹھ رہی ہے۔ تبدیلیوں سے دوچار معاشرے اپنے مستقبل کی تنظیم و تشکیل میں اپنے مسائل کے حل کی ضمانت چاہتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں حقیقی جمہوریت ہر ایک دکھی معاشرے کی آواز ہے۔ اگر ہم مظلوم اور مقہور انسانوں کی خدمت کا نصب العین رکھتے ہیں، تو ہمیں بڑی سنجیدگی سے جائزہ لینا ہوگا کہ اسلام میں جمہوریت کا کیا تصور ہے؟

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب "اسلام اور جمہوریت" میں لکھتے ہیں: "اسلام ایک جمہوری نظام حکومت ہے، یہ انسانی حقوق کماحقہ دینے اور دلانے کا وہ سب سے پہلا اعلان ہے، جو انقلاب فرانس سے گیارہ سو برس پیشتر ہوا۔ یہ صرف اعلان ہی نہ تھا بلکہ ایک عملی نظام تھا، مشہور مورخ گبن کے الفاظ میں یہ "اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا"۔

پیغمبرِ اسلامؐ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں (خلفائے راشدینؓ) کی حکومت ایک مکمل جمہوریت تھی اور صرف قوم کی رائے نیابت اور انتخاب سے اس کی بناوٹ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اصطلاح میں جیسے جامع اور عمدہ الفاظ اس مقصد کے لیے موجود ہیں، شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں پائے جائیں۔ اسلام نے بادشاہ کے اقتدار اور شخصیت سے انکار کیا ہے اور صرف ایک رئیس جمہوریہ کا عہدہ قرار دیا ہے، لیکن اس کے لیے بھی "خلیفہ" کا لفظ تجویز کیا، جس کے لغوی معنیٰ نیابت اور قائم مقام کے ہیں۔ گویا اس کا اقتدار محض نیابت ہے، اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ (۱۰۱) اسی طرح قرآن نے نظام حکومت کے لیے "شوریٰ" کا لفظ استعمال کیا: چناں چہ ایک پوری سورت اسی نام سے قرآن میں موجود ہے۔ "شوریٰ" کے معنیٰ باہم مشورہ کے ہیں۔ یعنی جو کام کیا جائے، جماعت کی باہم رائے اور مشورہ سے کیا جائے۔ شخصی رائے اور حکم سے نہ ہو۔ اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لیے کیا ہو سکتا ہے؟ (۱۰۲)

## قرآن وسنت کے مطابق فیصلے اور اللہ کی حاکمیت پر ایمان اسلامی جمہوریت کی اولین شرط:

اسلام میں جمہوریت کی اولین شرط اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرنا ہے۔ اس نظام میں تمام قوانین اور ضابطے قرآن وسنت کے مطابق اور ان کی پابندی کے دائرے کے اندر ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس مغربی سیکولر جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ اس کی بنیاد عوامی حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ پر ہوتی ہے اور یہ کہ عوام قانون اور طاقت کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ جمہوریت کے اسلامی نظریے کے مطابق ملک کے نظم ونسق سے لے کر سربراہِ حکومت اور مملکت کے اہلکاروں کا انتخاب اہل ایمان کے باہمی مشورے کے ذریعے ہونا چاہیے۔ "اولوالامر" کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صلاح و مشورے سے حکومت کے امور انجام دے۔ حضرت عائشہؓ کا فرمان ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لوگوں سے رائے اور مشورہ طلب کرنے والا کوئی انسان نہیں دیکھا۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ نہ صرف ضابطہ قانون ہے،



Marfat.com

بلکہ یہ ایک حکمت عملی بھی ہے۔

امام بیہقی ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نبی آخر الزماں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب شوریٰ کا حکم ملا تو آپؐ نے فرمایا: "اللہ اور اس کا رسولؐ شوریٰ سے بے نیاز ہیں، لیکن شوریٰ کا حکم امت کے لیے رحمت کا درجہ رکھتا ہے، کیوں کہ امت کا فرد مشورہ حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ ترین رہنمائی سے محروم نہیں رہے گا۔" (۱۰۳) عہدِ نبویؐ میں فیصلے کثرت رائے سے کیے جاتے تھے۔ ان کا اجلاس مجلس نبویؐ میں ہوا کرتا تھا۔ اہم معاملات میں صوبوں کے گورنروں کو بھی شریک کیا جاتا تھا اور حج کے موقع پر بھی رائے لی جاتی تھی، کیوں کہ اس موقع پر سلطنت کے کونے کونے سے عوام اور عمالِ حکومت شریک ہوا کرتے تھے۔ مدینہ میں مجلس شوریٰ کے اہم اجلاس مسجد نبویؐ میں ہوا کرتے تھے۔ شوریٰ کے عام اجلاس کھلے میدان میں ہوتے تھے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کسی معاملے میں نہ تو قرآن میں کوئی حکم ہو اور نہ آپؐ کا کوئی ارشاد ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ اس پر آپؐ نے فرمایا: "میری امت کے عابدوں کو جمع کرو اور ان کے سامنے وہ معاملہ مشورے کے لیے پیش کرو اور کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔" حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ "مشورے کے بغیر کوئی خلافت نہیں۔"

ایک دوسرے موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "جس شخص کو مشورے کے بغیر امامت دی جائے، اس کے لیے اس کا قبول کرنا حلال نہیں ہے۔"

رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱ ہجری میں نماز کے اجتماع کے لیے بھی شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور اس میں مشورے کے بعد اذان کے ذریعے مسلمانوں کو جمع کرنے کے لیے فیصلہ کیا گیا۔ جنگِ بدر کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار سے مشورہ طلب کیا کہ کیا مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنا چاہیے؟ دونوں گروہوں نے متفقہ طور پر کہا کہ وہ جنگ کریں گے۔ اس طرح جنگ بدر کے قیدیوں کا معاملہ بھی شوریٰ کے ذریعے طے پایا۔ جنگِ اُحد اور جنگ خندق کے موقعوں پر بھی اہم فیصلے شوریٰ کے ذریعے ہوئے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ، حضرت معاذ بن جبلؓ کے گورنر مقرر کرنے پر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے بلند پایہ مشیروں کی رائے طلب کی اور واضح کر دیا کہ "جس امر میں میرے پاس وحی نہیں آئے گی، اس میں میری رائے عام لوگوں کی رائے کے برابر ہوگی۔" (۱۰۴) ۱۱ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپؐ کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اس مسئلے کو شوریٰ کے اوپر چھوڑ دیا گیا۔ جب مہاجرین اور انصار بالآخر حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنانے پر متفق ہو گئے، تو بعد میں مسجد نبویؐ میں عام بیعت کی رسم شروع ہوئی۔ یہ تمام نظائر اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ اسلامی جمہوریت کی روح شورائیت ہے، عہدِ نبویؐ اور عہدِ خلافت راشدہؓ میں اسلام کے اسی اصول پر مثالی فلاحی اسلامی ریاست قائم ہوئی آج بھی یہ تعلیمات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

## اسلام کے جمہوری و سیاسی نظام پر قائم ہونے والی ریاست کی بنیادی خصوصیات:



Marfat.com

(۱) اسلامی ریاست میں اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی۔(۲) قرآن وسنت ملک کا اعلیٰ ترین قانون ہوگا۔(۳) عدلیہ کی بالادستی کو ہر حال میں یقینی بنایا جائے گا۔(۴) آئینی نظام کے نفاذ کا وجوب کے درجے کا حامل ہوگا۔(۵) قانون کی حکمرانی و بالادستی ہوگی۔(۶) آئینی وسیاسی عہدے شرائط اہلیت کے حامل افراد کو ہی دیے جائیں گے۔ (۷) سربراہ مملکت مسلمان ہوگا۔(۸) ریاستی و حکومتی عہدے بطور امانت و نیابت سونپے جائیں گے۔(۹) ہر شہری آئینی منصب امانت کا حامل ہوگا۔(۱۰) حکومت کا حق اطاعت مشروط ہوگا۔(۱۱) ہر عاقل و بالغ کو حق رائے دہی حاصل ہوگا۔(۱۲) حق رائے دہی جنسی امتیاز سے ماوراء ہوگا۔(۱۳) اختلاف رائے کو بنیادی حقوق کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔(۱۴) اکثریت کی رائے کا احترام کیا جائے گا۔(۱۵) اسلامی حکومت، منتخب اور نمائندہ حکومت ہوگی۔(۱۶) نظام حکومت کی ہیئت ترکیبی عوام کی صوابدید پر ہوگی۔(۱۷) حکومت دو طرفہ معاہدہ متصور ہوگا۔(۱۸) حکومت کا مقصد نظام عدل و فلاح کا قیام ہوگا، نہ کہ شخصی اقتدار کا قیام۔(۱۹) حکومت اور عوام کو باہم حقوق و فرائض حاصل ہوں گے۔(۲۰) اقتدار کے اختیار کا مقصود خلافت نبوی کا نفاذ ہوگا۔ (۲۱) مذہبی آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔(۲۲) سیاسی آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔(۲۳) بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت ہوگی۔(۲۴) حکومتی اختیارات کی جواب دہی ریاست کے آئینی نظام کا حصہ ہوگی۔

## عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا جمہوری وسیاسی نظام:

ارشادِ ربانی ہے: قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۱۰۵)

یہی وہ منادی تھی، جس نے انسان کی روح اور اس کی عقل و فکر اور اس کی ذہنی و مادی قوتوں کو غلامی کی ان بندشوں سے رہا کر دیا جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے اور وہ بوجھ ان پر سے اتارے جن کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے، یہ انسان کے لیے حقیقی آزادی کا چارٹر تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی کارنامے کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوا کہ: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۱۰۶) یعنی یہ نبی ان پر سے وہ بوجھ اتارتے ہیں، جو ان پر لدے ہوئے تھے اور ان بندھنوں کو کاٹتے ہیں، جن میں وہ کسے ہوئے تھے۔(۱۰۷)

## اسلام کے فلسفہ جمہوریت اور نظریہ سیاسی کے اولین اصول: قرآن کریم کی روشنی میں:

انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی کے لیے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز و محور اس کی روح اور اس کا جوہر یہی عقیدہ ہے اور اسی پر اسلام کے نظریۂ سیاست کی بنیاد بھی قائم ہے۔ اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد یہ قاعدہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے فرداً فرداً اور مجتمعاً سلب کر لیے جائیں، کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں، وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں۔ یہ اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اس حوالے سے ارشاد ربانی ہے: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (۱۰۸) حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح



Marfat.com

دین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (۱۰۹) وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ ایک مقام پر فرمایا گیا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (۱۱۰) اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔ ارشاد ربانی ہے: وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۱۱۱) جو خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل کافر ہیں۔ اس نظریے کے مطابق حاکمیت صرف اللہ کی ہے، قانون ساز صرف اللہ ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو بذات خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ کے حکم ہی کا پیرو ہے۔ عام انسان نبی کی اطاعت پر صرف اس لیے مامور ہیں کہ وہ اپنا حکم نہیں بلکہ خدا کا حکم بیان کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر قرآن کریم میں فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۱۱۲) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے، اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کے تحت اس کی اطاعت کی جائے۔ ارشاد ربانی ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (۱۱۳) یہ وہ لوگ ہیں، جن کو ہم نے اپنی کتاب دی۔ حکم سے سرفراز کیا اور نبوت عطا کی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ (۱۱۴) کسی بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کے بجائے میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو۔ پس اسلامی ریاست کی ابتدائی خصوصیات جو قرآن کی مذکورہ بالا تصریحات سے نکلتی ہیں یہ ہیں:

(۱) کوئی شخص، خاندان، طبقہ یا گروہ بلکہ ریاست کی ساری آبادی مل کر بھی حاکمیت کی مالک نہیں ہے۔ حاکم اعلیٰ صرف اللہ ہے اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (۲) قانون سازی کے اختیارات بھی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ سارے مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لیے کوئی قانون بنا سکتے ہیں اور نہ اللہ کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں۔ (۳) اسلامی ریاست بہرحال اس قانون پر قائم ہو گی، جو اللہ کی طرف سے اس کے نبی نے دیا ہے، اور اس ریاست کو چلانے والی حکومت صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہو گی کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔ (۱۱۵) ایک شخص بیک نظر ان خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ مغربی طرز کی لادینی جمہوریت نہیں ہے۔ اس لیے کہ فلسفیانہ نقطہ نظر سے جمہوریت تو نام ہی اس طرز حکومت کا ہے، جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت اعلیٰ حاصل ہو۔ انہی کی رائے سے قوانین بنیں اور صرف انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو، جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جسے وہ نہ چاہیں وہ کتاب آئین میں سے محو کر دیا جائے۔ یہاں ایک بالاتر بنیادی قانون خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعے دیتا ہے، جس کی اطاعت ریاست اور قوم کو کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے لیے زیادہ صحیح نام الٰہی حکومت ہے، جس کو انگریزی میں (Theocrcy) کہتے ہیں۔ اسلام جس تھیوکریسی کو پیش کرتا ہے عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق چلاتے ہیں۔ (۱۱۶)



Marfat.com

**اقتدار اور حکمرانی کا حقیقی سرچشمہ ذات باری تعالیٰ (مقتدر اعلیٰ):**

اسلامی حکومت کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی پوری عمارت خدا کی حاکمیت کے تصور پر قائم کی گئی ہے۔ اس کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ ملک اللہ کا ہے اور وہی اس کا حاکم ہے۔ کسی شخص یا خاندان یا طبقہ یا قوم کو بلکہ پوری انسانیت کو بھی حاکمیت کے حقوق حاصل نہیں ہیں۔ حکم دینے اور قانون بنانے کا حق صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔ حکومت کی صحیح شکل اس کے سوا کوئی نہیں کہ انسان اللہ کے خلیفہ کی حیثیت سے کام کرے اور یہ حیثیت صحیح طور پر صرف دو صورتوں سے قائم ہو سکتی ہے۔ یا تو کسی انسان کے پاس براہِ راست اللہ کی طرف سے قانون اور دستور حکومت آیا ہو یا وہ اس شخص کی پیروی اختیار کرے، جس کے پاس اللہ کی طرف سے قانون اور دستور آیا ہے۔ اس خلافت کے کام میں تمام وہ لوگ شریک ہوں گے، جو اس قانون پر ایمان لائیں اور اس کی پیروی کرنے پر تیار ہوں۔ یہ کام اس احساس کے ساتھ چلایا جائے گا کہ ہم بحیثیت مجموعی اور ہم میں سے ہر ایک فرد اللہ کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس رب کے سامنے جو ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جاننے والا ہے، جس کے علم سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی اور جس کی گرفت سے مر کر بھی ہم نہیں چھوٹ سکتے۔ خلافت کی ذمہ داری جو ہمارے سپرد کی گئی ہے، یہ اس لیے نہیں ہے کہ ہم لوگوں پر اپنا حکم چلائیں، ان کو اپنا غلام بنائیں، ان کے سر اپنے آگے جھکوائیں، ان سے ٹیکس وصول کر کے اپنے محل تعمیر کریں، حاکمانہ اختیارات سے کام لے کر اپنے عیش اور اپنی نفس پرستی اور اپنی کبریائی کا سامان کریں، بلکہ یہ بار ہم پر اس لیے ڈالا گیا ہے کہ ہم اللہ کے قانون عدل کو اس کے بندوں پر جاری کریں۔ اس قانون کی پابندی اور اس کے نفاذ میں ہم نے اگر ذرا سی کوتاہی بھی کی، اگر ہم نے اس کام میں ذرہ برابر بھی خود غرضی، نفس پرستی، تعصب، جانبداری یا بد دیانتی کو دخل دیا تو ہم اللہ کی عدالت سے سزا پائیں گے، خواہ دنیا میں ہر سزا سے محفوظ رہ جائیں۔ (۱۱۷)

**اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا تصور و اہمیت:**

قرآن کریم نے مقتدر اعلیٰ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ مغربی مفکرین کے تصور مقتدر اعلیٰ جس میں کسی ادارے، حاکم یا بادشاہِ وقت کو اقتدار اعلیٰ کا مالک تصور کیا جاتا ہے، قطعی مختلف اور بالکل جداگانہ تصور کا حامل ہے۔ وہ مغربی فلسفۂ حکمرانی اور اس کے تصور سے کئی لحاظ سے مختلف ہے مثلاً: (۱) ملکیت میں فرق:۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے کوئی فرد یا ادارہ حاکمیت کے اختیارات کا متحمل نہیں لیکن مغربی مفکرین کے نزدیک مقتدر اعلیٰ کا انسان ہونا ضروری ہے۔ انسان سے ماوراء کسی ہستی کو مقتدرِ اعلیٰ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ (۲) اختیارات میں فرق:۔ اسلامی نقطۂ نظر سے کسی فرد یا ادارے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خدائی قوانین میں ترمیم و تنسیخ کر سکے، جب کہ انسانوں کے قوانین میں آئے دن ترمیم و تنسیخ کا سلسلہ جاری رہتا ہے، کیوں کہ اس پر کئی عوامل اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔

**(۳) اکثریت کی حکمرانی:**

جمہوریت میں اکثریتی پارٹی اپنی مرضی کے مطابق قانون بناتی ہے تو اقلیت کے حقوق و مفادات نظر انداز



Marfat.com

ہو جاتے ہیں، لیکن اسلام نے اکثریت اقلیت کی اس مصنوعی تقسیم کو ختم کر کے واحد قانون کا تصور دیا ہے۔ یہ واحد قانون اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم ہے، جو ہر ایک کے لیے یکساں طور پر واجب الاطاعت ہے۔

### اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیات:۔

(۱) صرف اللہ تعالیٰ ہی حاکمِ اعلیٰ ہے، کوئی فرد، خاندان، گروہ بلکہ پوری ملت بھی حاکمیت کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ (۲) اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز ہے۔ کسی دوسرے کو قانون سازی کا اختیار حاصل نہیں اور نہ خدا کے بنائے ہوئے قانون میں ردوبدل کر سکتا ہے، حتیٰ کہ نبی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ (۳) امیر یا اسلامی حکومت صرف اسی صورت میں اطاعت کی مستحق ہے کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرے۔ (۴) اسلام میں قانونی اور سیاسی حاکمیت میں کوئی امتیاز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سیاسی اور قانونی مقتدرِ اعلیٰ ہے۔ (۱۱۸)

### مغربی سیاسی افکار پر اسلامی فلسفۂ سیاست کے اثرات۔ مختصر جائزہ:

اسلام کی تاریخِ حکمرانی پر سیاسی نقطۂ نظر سے غور کیجیے۔ سیرۃ ابنِ ہشام، تاریخ طبری اور تاریخ ابنِ کثیر، تاریخ فتوحات الاسلامیہ دحلان میں جا بجا اسلامی سیاست کے آثار ملتے ہیں، زمانہ حال کے فاضل مورخ اور عالم اجتماعیات محمد کرد علی نے اپنی کتاب (الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۲) میں السیاسۃ فی الاسلام کے عنوان سے اسلامی سیاست کے ہر دور کے واقعات پیش کیے ہیں۔ (دیکھیے: ص ۳۳۱، ۳۷۹) محمد کرد علی / الاسلام والحضارۃ العربیۃ / ۲)

یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ یورپین سیاست و تمدن نے اسلام کے نظریات حکومت و سیاست سے براہِ راست استفادہ کیا ہے۔

مسٹر جولیو کسٹلاٹ (Jolivu Castelat) اپنی کتاب قانون تاریخ میں کھلے دل سے ان عظیم ترقیات کا اعتراف کرتے ہیں، جس کا اظہار خلافت راشدہ کے سیاسی دور میں ہوا، وہ لکھتے ہیں: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دائرۂ اسلام میں آنے کے لیے تیار تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلامی تمدن آناً فاناً بروئے کار آیا۔ دسویں صدی سے چودھویں صدی تک تو ایسا زمانہ گزرا ہے، جب یورپ میں اس تمدن کے علاوہ اور کوئی تمدن نہ تھا۔ کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری لکھتے ہیں: "ابھی سو سال نہ ہوئے تھے کہ اسلام کی حکومت سب جگہ چھا گئی اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو ابھرنے، اوپر اٹھنے اور ساری کائنات تک اپنی روشنی پہنچانے میں مانع نہ ہو سکی۔ مستند فرانسیسی عالم سیوریان ڈینہ نے نپولین کی تاریخی یادداشتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ نپولین کے سیاسی تصورات میں اسلام کا تصورِ حکومت کام کر رہا تھا۔ (۱۱۹) ۲۸ اگست ۱۷۹۸ء کی یادداشت یہ ظاہر کرتی ہے کہ نپولین انسانی بہتری کے لیے یہ ضروری سمجھتا تھا کہ قرآن کی سیاست پر نظام حکومت کی بنا رکھی جائے۔ یہ بیانات اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ اسلام کے نظریات یورپ میں سیاست و تمدن کی تخلیق کا باعث ہوئے۔ اسلام کے ظہور سے مغربی کرۂ ارض میں صدیوں کی جہالت کے بعد حکومت و سلطنت کا قانون روشن ہوا۔ عہدِ نبویؐ میں سیاست کے بنیادی اصول متعین صورت میں بروئے کار آئے اور خلافت راشدہؓ میں سیاسی حکمت عملی کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ کر مشرق و مغرب کے سر پر



Marfat.com

طلوع ہوا۔ صدیوں تک اسلامی سیاست کے اثرات موجود رہے۔(۱۲۰)

## پاکستان کا مروجہ جمہوری و سیاسی نظام:

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان کے مروجہ جمہوری و سیاسی نظام کی ناقص کارکردگی، ناپختگی، ناپائیداری اور عدم استحکام کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ کو اپنے قیام سے اب تک نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، لیکن اب تک یہاں کوئی بھی مستحکم نظامِ حکومت رواج نہ پاسکا۔ اس تمام عرصے میں پارلیمانی، صدارتی اور مارشل لاء تقریباً سارے ہی نظامِ حکومت آزمائے جاچکے ہیں، اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم قیامِ پاکستان سے اب تک تین مکمل اور چار عبوری دساتیر کے تجربے بھی کرچکے ہیں، لیکن کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں اب تک حقیقی معنی میں سیاسی اور جمہوری بنیادوں پر کوئی مستحکم حکومت قائم نہ ہوسکی؟ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے، جو پاکستان کے ہر ذی شعور شہری کے ذہن میں موجود ہے اور وہ اس سوال کا جواب چاہتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی نظام از خود کلیتاً خراب نہیں ہوتا، بلکہ نظام کی کامیابی یا ناکامی کا تمام تر دارومدار اس نظام کے چلانے والوں کی لگن، خلوص، نیت اور دیانت داری پر ہوتا ہے اور اگر نظام کے چلانے والوں میں لگن و خلوص نہ ہو، نیک نیتی نہ ہو، ایمان داری و دیانت داری نہ ہو، وہ ذاتی مفاد کو ملکی و قومی مفاد پر ترجیح دیتے ہوں تو نظام خواہ کتنا ہی اچھا ہو، کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا اور ساتھ ہی ساتھ کسی نظام یا حکومت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس نظام یا حکومت کو عوام کی بھرپور تائید و حمایت حاصل ہو۔ پاکستان میں اب تک ہونے والے جمہوری تجربوں کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہر نئے جمہوری تجربے [illegible] پچھلے کے مقابلے میں کم رہی ہے، جب کہ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد یہ اصول طے ہوگیا تھا کہ پاکستان کا نظامِ حکومت جمہوری ہوگا۔ اس بارے میں قائداعظم نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ "پاکستان اسلامی جمہوری مملکت ہوگی، [illegible] حاکمیت کا حق حاصل ہوگا، مملکتِ خداداد پاکستان میں ہر شہری [illegible] مساوی حقوق [illegible] اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں آپ نے پارلیمانی جمہوریت [illegible] کہ "پاکستان کا قیام خالص جمہوری جدوجہد کا [illegible] تاریخ کی حقیقت پسندانہ تجزیہ [illegible] مستحکم حکومت [illegible] مندرجہ ذیل وجوہات [illegible]۔

☆ سیاست [illegible] ☆ [illegible]

[illegible] ☆ [illegible] شخصیت [illegible] شخصیت [illegible] جمہوریت [illegible] جب [illegible] سیاسی حکومت [illegible] سیاست [illegible] ☆ [illegible]



Marfat.com

ہے، لیکن ملک کے سیاست دانوں کو بھی صراطِ مستقیم اختیار کرنی چاہیے اور انہیں چاہیے کہ وہ فوج کو کسی صورت بھی یہ موقع نہ دیں کہ وہ اقتدار پر قابض ہو جائے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں قرآن وسنت اور اسلامی تعلیمات پر مبنی ایک پاک اور صاف سیاسی کلچر ہو۔ ایسا سیاسی نظام ہو جس میں آسانی سے عوام کی رسائی ہو۔ پرانے اور روایتی سیاسی رہنماؤں سے جنہوں نے ملک کو کچھ نہیں دیا، جان چھڑالی جائے اور اچھے کردار کے حامل، دیانت دار، ملک اور قوم کے مخلص افراد کو آگے لایا جائے تو ملک مستحکم نظام پر قائم رہ سکتا ہے یا کوئی مستحکم حکومت قائم ہو سکتی ہے... لیکن☆... ایسے افراد کہاں سے اور کس طرح مہیا ہوں گے؟ یہ سب سے اہم اور غور طلب مسئلہ ہے۔

## اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مروجہ سیاسی وجمہوری نظام۔ تاریخی جائزہ:

ڈاکٹر صفدر محمود اپنی کتاب "پاکستان، تاریخ وسیاست" میں مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رائج جمہوری وسیاسی نظام کا جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی کا بہت رونا رویا گیا ہے اور عام تاثر یہ ہے کہ جمہوریت ہمارے عمومی مزاج کے خلاف ہے، کئی مصنفین نے جمہوریت کی ناکامی کا ذمہ دار ملک کی خود غرض، بدعنوان اور نااہل قیادت کو قرار دیا ہے۔ بعض مغربی مبصرین نے اس موضوع پر خیال آرائی کرتے ہوئے جمہوریت کی ناکامی کے اسباب ملک کے اساسی نظریے یعنی اسلام میں تلاش کیے ہیں جو کہ حقائق کے قطعی برخلاف سوچ ہے، یہ تصور کہ جمہوریت ہمارے عوام کے مزاج کے مطابق نہیں ہے، اپنی جگہ محل نظر ہے۔ اگر جمہوریت پاکستان میں پنپ نہیں سکی تو اس کے لیے پاکستانی عوام کو قصور وار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ ماضی کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ہمارے عوام نے اجتماعی امنگوں کی ترجمانی کرنے والی تمام تحریکوں کی حمایت کی ہے، لیکن ہوا یہ کہ قیام پاکستان کے بعد انہیں کوئی ایسی عوامی تحریک، سیاسی جماعت یا ہر دلعزیز قیادت میسر نہ آسکی جو ان کے اجتماعی جذبوں کی عکاسی کرتی ہو۔ دوسری طرف حکمرانوں نے قومی معاملات پر عوام کی رائے دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ قومی افق پر اکثر وبیشتر نوکر شاہی یا غیر نمائندہ سیاست دانوں کا غلبہ رہا۔ حکمرانوں نے برسہابرس تک کاروبار مملکت میں عوام کو شمولیت کا کوئی موقع ہی نہ دیا۔ اگر جمہوریت کی بنیادی تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو ان برسوں کے درمیان پاکستان کے طرزِ حکومت کو کسی طور بھی جمہوری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ دور دراصل ایک طرح کی نوکر شاہی کی حکومت کا دور تھا، جس میں اقتدار بیوروکریسی کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گیا۔ چناں چہ اس صورت حال میں نہ تو ملک میں جمہوری ادارے فروغ پاسکے اور نہ ہی عوام کی سیاسی تربیت کا کوئی انتظام کیا جاسکا۔(۱۲۱)

ڈاکٹر صفدر محمود مزید لکھتے ہیں: "مذکورہ بالا حقائق کے باوصف جمہوری معاشرے کا قیام ہمیشہ پاکستانی عوام کا مطمع نظر رہا اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ جمہوریت کے نظریے کو چیلنج کرسکے۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد بھی دراصل ملک میں اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری طرزِ حکومت کا قیام تھا۔ یہ مفروضہ کہ جمہوریت پاکستان میں ناکام ہو چکی ہے ہر اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک میں جمہوریت کو حقیقی معنوں میں کام کرنے کا موقع ہی



Marfat.com

نہیں دیا گیا۔ جس کے نتیجے کے طور پر عوام میں ملک کے حکومتی ڈھانچے میں شرکت کا احساس ہی پیدا نہ ہو سکا۔ ملک میں پہلے عام انتخابات آزادی کے تیئیس (۲۳) سال بعد یعنی ۱۹۷۰ء میں منعقد ہوئے۔ اس تمام عرصے میں عوام کو دانستہ طور پر ملک کے سیاسی سین سے الگ رکھا گیا۔ ایک طرح سے سیاست ان کے لیے شجرِ ممنوعہ تھی اور اسے جاہ پسند اور خود غرض سیاست دانوں نے بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا۔ ان حالات میں عوام کے مزاج کے تقاضے جاننے کی فرصت ہی کسے تھی؟ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بعض قابل احترام ہستیوں سے قطع نظر سیاستدانوں کی اکثریت بد عنوان اور نا اہل تھی۔ سیاسی جماعتوں کا حال ناگفتہ بہ تھا اور عوام میں ان کی جڑیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ قوم کے خود ساختہ رہنماؤں نے پارلیمانی اداروں کو تماشا بنا کر رکھ دیا تھا۔ آخر کار ان طالع آزماؤں کی سازشیں، دن رات بدلتی سیاسی وفاداریاں اور جوڑ توڑ پاکستانی جمہوریت کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سیاستدانوں کی اکثریت کو عوام میں کوئی قابلِ احترام حیثیت حاصل نہ تھی اور اگر ملک میں مناسب وقفوں کے بعد عام انتخابات باقاعدگی سے ہوتے رہتے تو ان کی اکثریت میدان چھوڑ کر بھاگ جاتی یا عوام انہیں مسترد کر دیتے، چناں چہ یہ مفروضہ مبنی بر صداقت نہیں ہے کہ پاکستانی عوام نے جمہوریت کو مسترد کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں ایسا سوچنا ایک ایسی قوم پر آمریت پسندی کا الزام لگانا ہے، جس نے ہمیشہ آمریت کے خلاف جنگ لڑی ہے۔" (۱۴۲) حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کا دائرہ کار صرف حکومت تک محدود نہیں ہے۔ جمہوریت کسی بھی ملک کے نظام کو بطریق احسن چلانے کے لیے مساوات، احتساب، انصاف، آزادی اور جوابدہی جیسے بنیادی اصول وضع کرتی ہے، ہر وہ طرزِ حکومت جو ان اصولوں پر مبنی ہے، چاہے وہ پارلیمانی ہو یا صدارتی، جمہوریت کہلائے گا۔ اگر سیاستدانوں کا کوئی گروہ ان زریں اصولوں کو پس پشت ڈال کر جمہوریت کی بیخ کنی کا فیصلہ کر لے تو عوام کو جمہوریت کے لیے نا اہل قرار دیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں جمہوریت کی نشو و نما کے لیے ضروری ہے کہ یہاں سیاسی اداروں کو کھل کر کام کرنے کا موقع دیا جائے۔

برصغیر کے مسلمانوں نے آزادی کی جنگ قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں لڑی تھی۔ قائداعظم کو جمہوریت پر پختہ یقین تھا۔ انہوں نے ۱۹۴۳ء ہی میں فرما دیا تھا کہ "جمہوریت ہمارے خون میں شامل ہے، یہ ہماری رگ رگ میں رچی ہوئی ہے۔" تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ پاکستانی عوام کی سیاسی پسماندگی کا رونا ان حکمرانوں نے رویا ہے، جن کی کوئی نمائندہ حیثیت نہیں تھی۔ اس بدعت کا آغاز میجر جنرل سکندر مرزا سے ہوا۔ پھر یہ روایت فیلڈ مارشل ایوب خان سے ہوتی ہوئی صدر ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف تک پہنچی، کیوں کہ یہ حکمران غیر سیاسی پس منظر کے مالک اور عوام سے الرجک تھے۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے، وہ خود کو جمہوریت کا اہل ثابت کر چکے ہیں۔ تاریخی طور پر قوم نے ہر سیاسی موڑ پر جمہوری قوتوں کا ساتھ دیا ہے۔ ایوبی آمریت کے خلاف تحریک ہو یا ۱۹۷۷ء کی قومی اتحاد کی تحریک یا ۱۹۸۳ء کی تحریک بحالی جمہوریت یا ۱۹۸۴ء کا ریفرنڈم جس کا عوامی سطح پر بائیکاٹ کیا گیا۔ عوام نے پاکستان میں جمہوریت کے قیام کے لیے جس قدر قربانیاں دی ہیں، دوسرے ممالک کی تاریخ میں ایسی روشن مثالیں نہیں ملتیں، لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان میں ہر بار جمہوریت کی شمع سیاستدانوں نے بجھائی۔ اکثر اوقات وہ ہوسِ اقتدار اور دیگر کارناموں کے ذریعے قوم کو جمہوری نظام سے اس قدر بددل کر دیتے ہیں



Marfat.com

کہ عوام غیر جمہوری انداز میں حکومت کی تبدیلی کو وقتی طور پر احساس نجات کے تحت قبول کر لیتے ہیں، لیکن یہ قبولیت محض عارضی ثابت ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی قوم ۱۹۴۷ء سے اب تک ایک ایسے جمہوری نظام کے لیے آرزو مند اور دعا گو رہی ہے، جو انہیں سیاسی استحکام کی ضمانت دے سکے، کیوں کہ سیاسی استحکام ہی معاشی ترقی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ (۱۲۳) پاکستان کے عوام یقیناً سیاسی استحکام کو ترستے ہیں، لیکن سیاسی استحکام بھی ایسا جس میں وہ خود شریک ہوں اور جس کے سوتے ان کے دلوں سے پھوٹتے ہوں نہ کہ ایسا سیاسی استحکام جس کی بنیاد جبر پر ہو۔ ایوب خان نے اسی طرح کا تجربہ کیا تھا، جو بری طرح ناکام ہوا۔ دیکھا جائے تو ایوبی نظام کا فلسفہ ہی یہی تھا کہ عوام جمہوریت کے اہل نہیں، یہ صرف معاشی خوشحالی چاہتے ہیں، چناں چہ انہیں محدود سیاسی آزادی دے کر معاشی استحکام دے دیا جائے تو عوام مطمئن ہو جائیں گے۔ ایک طرح سے اس فلسفے کی بنیاد اس اصول پر تھی کہ عوام نے ایسی معاشی خوشحالی کو مسترد کر دیا، جس کی قیمت ان کی سیاسی آزادی تھی، کیوں کہ وہ معاشی خوشحالی کے ساتھ ساتھ مکمل سیاسی و جمہوری حقوق بھی چاہتے ہیں۔ (۱۲۴) مختصر یہ کہ پاکستان کی گزشتہ سیاسی تاریخ کا تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں کوئی ایسا نظام کامیاب نہیں ہو سکتا جس میں عوام کو احساس شرکت حاصل نہ ہو اور یہ کہ عوام سچی جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے باوصف کہ عوام کا تعلیمی معیار پسماندہ ہے، ان کا سیاسی ذوق قابل اعتماد ہے۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ جمہوری نظام کسی نہ کسی طرح جاری و ساری رہے۔ سیاسی آزادیاں اور بنیادی حقوق بحال رہیں۔ سیاسی پارٹیاں کام کرتی رہیں، عدلیہ آزاد رہے اور انتخابات ہوتے رہیں، تاکہ عوام کی سیاسی تربیت کا عمل جاری رہے، جمہوری ادارے مضبوط ہوں، غیر مقبول پارٹیاں اور قیادت سیاسی افق سے غائب ہو جائیں اور صرف ایسی قیادت سیاسی میدان میں باقی رہ جائے جسے عوام کی حمایت حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ قوم کے باطنی استحکام کی ضمانت صرف قومی سیاسی پارٹیاں اور قومی سطح کی قیادت ہی دے سکتی ہے، کیوں کہ نظریاتی طور پر پاکستانی ایک قوم ہیں۔ صوبائیت کا مسئلہ طویل مارشلاؤں اور عوام کو محروم اقتدار رکھنے کا نتیجہ ہے، اگر سیاسی و جمہوری عمل جاری رہے تو موجودہ خلفشار خود بخود ختم ہو جائے گا، لیکن ظاہر ہے کہ اس منزل تک پہنچنے کے لیے ہمیں طویل سفر کرنا پڑے گا اور طویل سفر کے لیے طویل صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ماضی میں یہاں جمہوری تجربات کی لٹیا ڈوبتی رہی ہے۔ اسی صورت حال نے ہمیشہ ملک میں عدم استحکام پیدا کیا، جس سے فائدہ اٹھا کر غیر سیاسی قوتیں اقتدار پر قابض ہو گئیں، جب کہ سیاسی عدم استحکام کا علاج انتخابات ہیں اور انتخابات کے نتائج کو دل سے تسلیم کرنا جمہوری رویے کا بنیادی اصول ہے۔ اگر ہم عوام کے فیصلے کو دل سے قبول کرنے کی عادت ڈال لیں اور قومی فیصلے عوام ہی سے کروائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں جمہوریت قابل رشک حد تک کامیاب نہ ہو۔" (۱۲۵)

## سیاسی جماعتوں کا کردار... مروجہ جمہوری و سیاسی نظام کا جائزہ:

گزشتہ تین دہائیوں میں ملک میں رونما ہونے والے آئینی اور سیاسی مسائل اور تنازعات کے اسباب کا اگر ہم بے خوفی اور دیانت داری کے ساتھ تجزیہ کریں تو ہمیں صاف نظر آئے گا کہ یہ تمام صورت حال اصلاً ملک کی



Marfat.com

سیاسی جماعتوں کی پیدا کردہ ہے۔ عوام کی پیدا کردہ نہیں ہے۔ سیاسی جماعتوں کی نااہلیت، ملک کے مفاد سے عدم التفات اور اقتدار کے لیے ان کی بے قید ہوا و ہوس نے وطن عزیز کی چولیں ہلا ڈالیں، یہاں تک کہ اپنے ظہور کے صرف ۲۴ سال بعد یہ دولخت ہو گیا۔ یہاں جتنے بھی سیاسی حوادث و سانحات رونما ہوئے، وہ تقریباً تمام کے تمام ان کے اسی رویے کا شاخسانہ ہیں۔ مثلاً (مشرقی پاکستان) میں سیاسی جماعتیں تنگ نظری اختیار نہ کرتیں تو ایک ملک میں دو سرکاری زبانیں نہ بنائی جاتیں، وہ اگر صوبہ پرستی کو ہوا نہ دیتیں تو چھ نکاتی فارمولا وجود میں نہ آتا۔ اقتدار کے حصول کی خاطر ہندوؤں سے سودا بازی نہ کرتیں تو ۱۹۵۶ء میں مخلوط انتخابات کا ہلاکت خیز بل اسمبلی میں منظور نہ ہوتا، ۱۹۶۹ء کی گول میز کانفرنس میں خود غرضی کا مظاہرہ نہ کرتیں تو جمہوریت کی بحالی کی تحریک ناکامی سے دوچار نہ ہوتی۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں سیکولر جماعتیں علاقہ پرستی کا عَلم بلند نہ کرتیں اور دینی جماعتیں دھڑے بندی نہ کرتیں تو قومی سیاست میں علاقہ پرستی کو سیاسی غلبہ حاصل نہ ہوتا۔ برسر اقتدار سیاسی جماعت ۱۹۷۳ء کے آئین کو نافذ کرنے میں پہلو تہی نہ کرتی تو تنگ نظر سیاسی جماعتوں کو صوبائی خود مختاری میں اضافہ کے لیے غوغہ آرائی کرنے کا حیلہ نہ ملتا۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں برسر اقتدار سیاسی جماعت دھاندلی نہ کرتی تو ملک کو چوتھے مارشل لاء کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ۱۹۹۹ء کا مارشل لاء اور آمریت کا ظہور انہی عوامل کا تسلسل تھا، جس کے نتیجے میں ایک عشرے پر محیط آمرانہ نظام ہمارے سروں پر مسلط رہا۔ اسی طرح دیگر امور میں بھی یہ اقتدار پرستی کا رویہ اختیار نہ کرتیں تو صوبہ پرستی فروغ نہ پاتی، نسلی قومیت کی تحریکیں وجود میں نہ آتیں، زبان کے قضیے رونما نہ ہوتے، یہ مسئلے سیاسی جماعتوں نے اقتدار کی خاطر پیدا کیے۔ عوام نے ان میں سے کوئی مسئلہ نہیں اٹھایا۔ وہ بے چارے اس بات سے کیا واقف کہ مرکز اور صوبوں کے مابین تقسیم اختیارات کا مسئلہ کیا ہے؟ یا کسی ایک ملک میں ایک سے زیادہ زبانوں کو قومی زبانیں بنانے کے مضمرات کیا ہیں؟ یا چھ نکات میں کیا تحریر ہے؟ نہ ہی انہیں یہ معلوم کہ صوبہ پرستی یا نسل پرستی کے نقصانات کیا ہیں؟ یا مرکزی حکومت کو کمزور کرنے سے ملکی استحکام کو کیا نقصان پہنچتا ہے یا مخلوط طریقہ انتخاب کو اختیار کرنے کے نقصانات کیا کیا ہیں؟ وہ بے چارے تو صرف اپنے لیڈروں کی سحر بیانی اور نعرہ بازی کا شکار ہوتے چلے آئے ورنہ ان کی دلی خواہش پہلے بھی یہی تھی اور آج بھی صرف یہ ہے کہ جس ملک میں وہ رہ بس رہے ہیں اور جسے انہوں نے بڑی آرزوؤں سے بنایا ہے، وہ مضبوط و متحد رہے اور ملک کے تمام علاقوں کے باشندے امن و عافیت اور شادمانی کے ساتھ زندگی گزاریں۔ (۱۲۶) مختصر یہ کہ اس نوع کے تمام المناک حادثے جن کا سطور بالا میں تذکرہ کیا گیا، رونما ہوتے، اگر ملک کا سیاسی و جمہوری نظام گامزن اور مستحکم ہوتا اور سیاسی جماعتیں حرص اقتدار میں مبتلا نہ ہوتیں۔ ان مسائل نے ملک میں یکے بعد دیگرے سنگین قسم کے آئینی اور سیاسی مسائل پیدا کیے اور قومی وحدت کو کمزور کیا۔ ان میں سے صرف چند واقعات کو نوکر شاہی سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ نوکر شاہی کو کامیابی بھی سیاسی جماعتوں یا سیاستدانوں کی خود غرضانہ تائید و حمایت کی مدد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

سیاسی جماعتوں نے بہ استثنائے چند ملک میں یہ سب مسائل کیوں پیدا کیے؟ اس کی بڑی بڑی وجوہات یہ ہیں:

(۱) یہ اس نظریے پر کام کرتی ہیں کہ انہیں لازماً برسر اقتدار آنا ہے۔ یہ نہایت گمراہ کن نظریہ ہے۔ سیاست



Marfat.com

اور ملک کی خدمت کرنے کے لیے یہ ہر گز ضروری نہیں ہے کہ کوئی سیاسی جماعت لازماً برسر اقتدار آئے۔ جمہوری طرز حکومت میں ملک کی خدمت کرنے کے لیے حزب اختلاف کا بھی ایک متعین اور ابدی کردار ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ حزب اقتدار کا احتساب کرتی رہے اور اسے سیدھے راستے پر چلاتی رہے۔ جمہوری طرزِ حکومت میں حزب اختلاف کا وجود ناگزیر ہوتا ہے کیوں کہ اس کے بغیر حزب اقتدار شتر بے مہار اور مطلق العنان بن جاتی ہے۔ حصولِ اقتدار کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو بھی آسان تر صورت انہیں نظر آتی ہے، خواہ نا قابل عمل ہو یا مضرت رساں، وہ اسے اختیار کرنے میں تامل نہیں کرتیں۔ (۲) کوئی سیاسی جماعت ایک بار برسر اقتدار آجانے کے بعد ہمیشہ اقتدار پر مسلط رہنا چاہتی ہے، کسی دوسری جماعت کو حکومت کرنے کا موقع دینا نہیں چاہتی، اس لیے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنی پوری قوت حزب اختلاف کو دبانے اور کچلنے پر صرف کرنے لگتی ہے۔ سرکاری مشینری کو حزب اختلاف کو دبانے اور اپنی جماعت کو ہر قیمت پر کامیاب کرانے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ پنجاب، سرحد اور سندھ کے صوبائی انتخابات اور ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات، جو سول حکومتوں کے زیر اہتمام منعقد ہوئے، اقتدار کی اس نوع کی مذموم کوششوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ (۳) سیاست میں حصہ لینے کے لیے اہلیت کا کوئی معیار نہیں ہے، حالاں کہ اس ملک میں اس کی ترقی پزیری کے باوجود ہر پیشہ اختیار کرنے کے لیے اہلیت کا معیار مقرر ہے، جس کی تکمیل کیے بغیر کوئی شخص کسی پیشے کو اختیار نہیں کر سکتا۔ عجب بات یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں اس امر کی چھان بین کرنے کے قابل نہیں کہ ان کی پارٹی میں جو شخص داخل ہو رہا ہے، وہ سیاست کاری کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں؟ سیاسی فہم و بصیرت کا حامل ہے یا نہیں، متین و سنجیدہ ہے یا نہیں؟ یا کیا وہ حقیقتاً ملک کا بہی خواہ ہے؟ قومی نقطہ نظر کا حامل ہے یا وسیع النظر ہے؟ کوئی شخص ان میں سے خواہ ایک بھی وصف کا حامل نہ ہو، اس کے لیے سیاسی جماعتیں اپنے دروازے وا کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ ایسے لوگ جو کبھی برسر اقتدار رہ چکے ہوتے ہیں اور جن کی سیاسی شہرت تار تار ہو چکی ہوتی ہے، سیاسی جماعتوں میں نہایت شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ داخل ہو جاتے ہیں اور وہاں بسا اوقات انہیں اعلیٰ عہدے پیش کر دیے جاتے ہیں۔ (۱۲۷)

بہر کیف! یہ تو وہ اسباب و عوامل ہیں، جن کی بنا پر سیاسی جماعتیں اقتدار کی بے قید ہوا و ہوس رکھنے والے عناصر کا طبقہ بن گئیں۔ اقتدار کی الفت نے مسائل کے حل کے بارے میں ان میں ایک کج فکری بھی پیدا کی۔ (۱۲۸)

پاکستان میں مروجہ جمہوری و سیاسی نظام کے عدم استحکام کی بڑی وجہ اور یہاں رائج نظام جمہوریت کی چوتھی بڑی خامی یہ ہے کہ اس کے ذریعے منتخب ہو کر ایوان حکومت میں پہنچنے والے نمائندوں کی وفاداریاں اصولوں یا وسیع تر مفادات کے مقابلے پر ووٹ کی ان پرچیوں سے وابستہ ہو جاتی ہیں، جو انہیں وہاں تک پہنچانے کا ذریعہ رہی ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایوان میں خواہ وہ بلدیہ کی میونسپل کمیٹی رہی ہو یا صوبے یا وفاق کی اسمبلی، کوئی منتخب نمائندہ ایسے مسائل یا معاملات میں جہاں کسی اصول یا اجتماعی مفاد کا اس کے انتخابی حلقے کے ووٹروں کے مفاد سے تصادم ہو، اپنے ووٹروں کی خوشنودی کو مقدم رکھتا ہے۔ بہر کیف! یہ ہیں وہ بڑی بڑی خامیاں جو ہماری سیاسی جماعتوں اور ملک کے نظامِ سیاست اور جمہوریت میں پائی جاتی ہیں۔ ان خرابیوں کی وجہ سے عامۃ الناس کو سیاسی جماعتوں اور نظام جمہوریت سے وہ فوائد حاصل نہیں ہو رہے، جن کی ان سے امید باندھی گئی تھی۔ اگر حکمرانی کے جمہوری ڈھانچے کو باقی رکھنا ہے تو سیاسی



Marfat.com

جماعتوں اور جمہوریت کو ان کی ان خامیوں سے پاک کرنا پڑے گا اور یہ مسئلہ آج کے سیاستدانوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ ان خامیوں کو دور کیے بغیر پاکستان سمیت کسی بھی ملک میں سیاسی جماعتوں اور نظام جمہوریت کا کوئی مستقبل نہیں ہے اور ان کی یہی وہ کمزوریاں اور خرابیاں ہیں، جن کی وجہ سے اپنی تمام تر خوش نمائیوں کے باوجود سیاسی جماعتیں اور نظامِ جمہوریت ایشیا میں کہیں بھی عوام کی فلاح و سلامتی کا ضامن نہیں بن سکا۔

اگر ہم حکمرانی کے جمہوری ڈھانچے کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ: (۱) سیاسی جماعتیں اپنی ممبری کے لیے کم سے کم کا ہی سہی کوئی معیار مقرر کریں۔ (۲) قوم کی خدمت گزاری کی ایسی اسکیم تیار کریں، جو اپنا متبادل بھی رکھتی ہو کہ اقتدار حاصل نہ کرسکنے کی صورت میں عوام کی خدمت کس طرح کی جائے۔ (۳) حکومت پر تنقید حکومت کو بدنام کرنے کی خاطر نہ کی جائے بلکہ صرف اسے سیدھے راستے پر چلانے کی خاطر کی جائے۔ (۴) عوام کو حق طلب کرتے وقت فرض ادا کرنے کی بھی تعلیم دی جائے۔ (۵) اپنا وقت اور اپنے مسائل ایجی ٹیشن اور ہنگامہ آرائی پر صرف کرنے کی بجائے ملک کے مسائل کو بدقت نظر سمجھنے اور ان کا حل دریافت کرنے پر اور ان مسائل کو حل کرنے کے لیے متبادل قیادت تیار کرنے پر صرف کیا جائے تاکہ اگر کبھی حکومت ہاتھ میں آجائے تو اسے عمدگی کے ساتھ چلایا جاسکے اور نہ آسکے تو ایک تعمیری حزب اختلاف کا کردار انجام دیا جاسکے۔ (۶) حزب اختلاف کی دوسری ہم عصر جماعتوں کو گوارہ کرنے کا اصول وضع کیا جائے۔ انہیں گوارہ کرنے کا کم سے کم اتنا حوصلہ ضرور ہو جتنا کسی دکاندار میں کسی پڑوسی دکاندار کے لیے ہوتا ہے اور ان پر دشنام طرازی سے گریز کیا جائے۔ (۷) سب سے آخری مگر نہایت اہم کام یہ ہے کہ صحیح و غلط اور حق و ناحق کا معیار خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کو مانا جائے، دست شماری کو معیار حق نہ مانا جائے۔ وطن عزیز کی حقیقی خدمت کے لیے ان شرائط کی تکمیل از حد ضروری ہے۔ (۱۲۹)

جمہوریت اگر مغربی طرز کی ہے، جس کا چربہ ہم پاکستان میں دیکھ رہے ہیں تو اس میں منظم، اصول پرست اور احتساب پر یقین رکھنے والی سیاسی پارٹیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں آج تک کسی سیاسی پارٹی نے اپنے کسی لیڈر کا شفاف احتساب نہ کیا، جس کے باعث پارلیمانی روایات پاکستان میں پروان نہ چڑھ سکیں۔ کہا جاتا ہے کہ مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں اور صوبائی اسمبلی میں کئی لاکھ روپے خرچ ہوتا ہے۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی سیاسی جنگ جمہوریت کو کمزور کر رہی ہے۔ بحیثیت ایک محب وطن کے ہم خدائے عزوجل سے دست بستہ دعاگو ہیں کہ وہ ہمارے سیاست دانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرے اور ہماری مملکت خداداد پاکستان کو محفوظ رکھے اور ترقی دے۔ (۱۳۰)

## پاکستان کے مروجہ سیاسی و جمہوری نظام میں قیام پاکستان کے حقیقی مقاصد سے انحراف:

یہ ہماری ملکی، دستوری اور جمہوری تاریخ کی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہم نے ابھی تک انگریز کا غلامی والا نظام اپنا رکھا ہے اور پاکستان کی اکثریت کو اس کا احساس ہی نہیں کہ یہ نظام تو کسی آزاد جمہوری معاشرے میں ہوتا ہی نہیں۔ (۱۳۱) اوپر کے تینوں طبقوں کی لاعلمی یا خود غرضی کی وجہ سے آج تک پاکستان میں حقیقی معنوں میں جمہوری نظام قائم



Marfat.com

نہیں ہو سکا اور نہ ہی اب تک اس سمت میں کوئی قابل قدر کوشش ہی کی گئی ہے۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو وہ تو غربت اور جہالت کی دوہری مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ملک کی آبادی کا یہ نوے فیصد حصہ اپنے حقوق سے غافل ہے اور اشرافیہ کے خود غرض طبقے کی ہوس زر اور اقتدار کا شکار بنا رہتا ہے۔

پاکستان میں منہ زور اور بے لگام افسر شاہی کے ذریعے غلامی کے نظام کے تواتر سے متعلق مشہور امریکی دانشور ہنری فرینک گڈ ناؤ (H.F. Goodnow) اپنی کتاب "دی سول سروس آف پاکستان" میں رقم طراز ہے:
"نو آبادیاتی دور سے آزاد ہونے والی ہر قوم اپنے سابقہ آقاؤں سے وہ نظام ورثے میں لیتی ہے جو بطور خاص مقامی آبادی پر موثر کنٹرول اور جبر قائم کرنے کے لیے وضع کیا جاتا ہے۔ یہ ادارہ حکومت اور بطور خاص حکومت کی انتظامیہ ہوتی ہے، جو اس انتظامی نوکر شاہی کو مدد دیتی ہے۔" (۱۳۲)

اس امریکی دانشور کو حیرت ہوتی ہے کہ پاکستان بننے کے بعد بھی ایک آزاد ملک میں اس قسم کے عوام دشمن فولادی یا" آہنی شکنجے" کو اب تک قائم رکھا گیا ہے، جو کسی آزاد ملک کے شایان شان نہیں ہوتا۔ ایک اور امریکی پروفیسر چارلس ایچ کینیڈی اپنی کتاب "بیورو کریسی ان پاکستان" میں اس طرح لکھتا ہے: " In Fact Pakistan can be described as a bureaucratic polity " یعنی در حقیقت پاکستان کو "افسر شاہی والے معاشرے" کا نام دیا جا سکتا ہے۔" اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں اہل ثروت سیاسی اجارہ دار طبقہ کیوں ملکی سطح پر عوام کے ساتھ فراڈ کرتے ہوئے ملک پر غلامی کے دور کا نو آبادیاتی نظام طاری کیے ہوئے ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظام ہی وہ سیاسی نظام ہے، جو اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ مراعات یافتہ طبقہ آمرانہ قسم کا اقتدار حاصل کر کے اپنے آپ کو اور زیادہ مراعات سے نوازتا رہے اور عوام کو غربت، جہالت اور ماحول کی گندگی میں ملوث کر کے انہیں بے وقوف بناتا رہے۔ اس طرح عوام کو خوشنما نعروں سے بہلا کر یہ طبقہ موجودہ نظام Status quo قائم رکھنے پر پوری توجہ دیے رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال نے کیا خوب کہا۔

دور حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم
اہل سجادہ ہیں یا اہل سیاست ہیں امام
اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے زور
سیکڑوں صدیوں سے خوگر ہیں غلامی کے عوام
اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام(۱۳۳)

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں ہم بحیثیت قوم جس چیز کو جمہوریت کی پری سمجھے ہوئے ہیں وہ دراصل منتخب آمریت کا دیو استبداد ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے متوسط طبقے کے لوگ اسلام کے جمہوری نظام کا قرآن وسنت



Marfat.com

اور خلفائے راشدینؓ کے طرز حکمرانی کی مثالوں کو سامنے رکھ کر اور پھر دنیا کے دیگر جمہوری ممالک سے متعلق اپنی معلومات بڑھا کر لوگوں کو حقیقی اسلامی جمہوریت سے روشناس کرائیں۔ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے موجودہ آئین میں آرٹیکل نمبر ۲۔اے کے علاوہ "پالیسی اصولوں" والے باب یعنی آرٹیکل نمبر ۲۹ سے ۴۰ تک حقیقی جمہوریت کے قیام کے لیے شقیں موجود ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام کو صحیح صورت حال بتا کر عوامی رائے کو اس حد تک بیدار کر دیا جائے کہ وہ حکمران طبقے کو مجبور کر دے کہ وہ آئین کی ان انتہائی اہم شقوں پر عمل درآمد کریں۔ دوسری صورت میں سیاسی عمل کے ذریعے ان غاصب طبقوں کو اقتدار سے ہٹا کر ایسی قیادت کو ابھارا جائے، جو ملک میں عوام کی بہتری کے لیے جمہوریت کے قیام کو لازمی بنا سکے۔ (۱۳۴) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں اگر بار بار مارشل لا نہ لگتے رہتے تو یہ ممکن تھا کہ لوگ بالآخر سیاست اور جمہوریت سے متعلق اپنی غلط فہمیوں اور خوش فہمیوں پر مبنی خیالات اور نظریات کی تصحیح کرنے کی کوشش کرنے پر مجبور ہو جاتے اور وہ یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ دنیا کے دیگر جمہوری ممالک میں کس قسم کے جمہوری ادارے کام کر رہے ہیں۔ اس طرح ان ملکوں کی مثالوں کو سامنے رکھ کر پاکستان میں نام نہاد جمہوریت کا پردہ چاک ہو جاتا اور ملک میں سنجیدگی سے حقیقی جمہوری اداروں کے قیام میں پیش رفت ہو سکتی۔ پاکستان میں نظام مملکت کی ناکامی، جمہوری و سیاسی نظام کے عدم استحکام، ملک میں پائی جانے والی بے چینی، اضطراب، ملک و ملت کو درپیش مختلف مسائل اور چیلنجز کی بنیادی وجہ:-

## پاکستان کے سیاسی و جمہوری نظام میں مروجہ قیام پاکستان کے فکری و مذہبی محرکات، حقیقی مقاصد اور بانیان پاکستان کے افکار و نظریات سے انحراف:

قیام پاکستان کے حقیقی مقاصد سے انحراف اور قرآن و سنت کے عملی نفاذ سے پہلو تہی ہے کہ قائداعظم ۱۹۳۶ء میں صوبہ سرحد آئے تھے، آپ نو سال بعد ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو دوبارہ یہاں تشریف لائے۔ آپ نے فرنٹیئر مسلم لیگ سے خطاب کرتے ہوئے اس بات کی یقین دہانی کرائی: مسلمانوں کا ایک ہی مطالبہ ہے اور وہ ہے "پاکستان"۔ وہ یہ مطالبہ اس لیے کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنے مخصوص ضابطۂ حیات، ثقافت، روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق یہاں حکمرانی کر سکیں۔ (۱۳۵)

۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم نے پاکستان کے موضوع پر ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر جواب دیتے ہوئے فرمایا: ہمیں پاکستان بنانے دیجیے، یہ دنیا کی ریاستوں میں ایک اچھی ریاست ہو گی، بلکہ میں یہ کہوں گا کہ پاکستان دنیا کے نقشے پر موجود بہت سے آزاد ملکوں کے مقابلے میں ایک بہتر ملک ہو گا۔ یہ ایک مسلم ریاست ہو گی۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو وہ ہندوؤں یا کسی دوسرے گروہ کے خلاف کوئی سماجی رکاوٹیں نہیں ڈالیں گے۔ مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو انسانی مساوات اور بھائی چارے کے اصولوں پر نہ صرف یقین رکھتی ہے بلکہ اس پر عمل بھی کرتی ہے۔ (۱۳۶) بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے ایک موقع پر پوری وضاحت سے کہا: ☆... پاکستان ایک خیالی منزل مقصود نہیں بلکہ عملی لحاظ سے یہی ایک چیز ہے جس کے ذریعے



Marfat.com

آپ اس ملک میں اسلام کو قطعاً فنا ہونے سے بچا لیں گے۔ (۱۳۷) ایک اور موقع پر آپ نے اپنے خطاب میں کہا:
☆... مسلم لیگ کا مشن اور پاکستان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ پاکستان میں اللہ کے دین کا نظام قائم ہو گا۔ (۱۳۸)
☆... آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس جو نواب محمد اسماعیل خان کی صدارت میں ۱۹۴۲ء کو کراچی میں ہوا، اس میں آئین کے حوالے سے ایک قرارداد مرتب کی گئی جس کے الفاظ یہ تھے "رائج الوقت قوانین میں جلد شریعت کے مطابق تبدیلی کی جائے گی۔" تمام لوگوں نے اس کی حمایت کی۔ آخر میں قائداعظم نے اپنی تقریر میں فرمایا "جہاں تک اس تجویز کا تعلق ہے وہ ہر مسلمان کے دل کی پکار ہے اور پاکستان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں اللہ کے دین کا نظام قائم ہو گا۔" (۱۳۹) ☆... آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس کے اجلاس منعقدہ کراچی مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء میں اختتامی تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے دریافت کیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے فردواحد کی طرح مسلمانوں کو متحد کر دیا ہے اور قوم کا ملجاو ماوا کیا ہے؟ انہوں نے خود ہی جواب دیا "اسلام" اور مزید کہا "یہ عظیم کتاب قرآن مجید ہے جو مسلمانان ہند کی پناہ گاہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے چلے جائیں گے، زیادہ سے زیادہ یکتائی آتی جائے گی۔ ایک اللہ، ایک کتاب، ایک رسولؐ اور ایک قوم۔ (۱۴۰) ☆... تحریک پاکستان کے ایک کارکن سید بدرالدین احمد نے ۲۶ نومبر ۱۹۴۶ء کو قائداعظم سے پاکستان کے نظریاتی تشخص کے حوالے سے پوچھا۔ اس کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا "میرا ایمان ہے کہ قرآن و سنت کے زندہ و جاوید قانون پر ریاست پاکستان، دنیا کی بہترین اور مثالی ریاست ہو گی۔ مجھے اقبال سے پورا اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام مسائل کا حل اسلام سے ہی ملتا ہے۔ ان شاء اللہ پاکستان کے نظام حکومت کی بنیاد لا الہ الا اللہ ہو گی اور یہ ایک فلاحی و مثالی ریاست ہو گی۔ میں مطمئن ہوں کہ قرآن و سنت کے زندہ جاوید قانون پر مبنی ریاست (پاکستان) دنیا کی بہترین اور مثالی ریاست ہو گی۔ یہ اسلامی ریاست، اسی طرح سوشلزم، کمیونزم، مارکزم، کیپیٹل ازم کا قبرستان بن جائے گا جس طرح کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ اس وقت کے تمام نظام ہائے فرسودہ کا گورستان بنا۔" (۱۴۱) انہوں نے کہا: ان شاء اللہ پاکستان کے نظام حکومت کی بنیاد لا الہ الا اللہ ہی ہو گی اور اس پر ایک ایسی فلاحی اور مثالی اسٹیٹ قائم ہو گی کہ دنیا اس کی تقلید پر مجبور ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ پاکستان قائم ہو کر رہے گا اور پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو گی، بلکہ اسے ایک صحیح فلاحی مملکت بنایا جائے گا۔ (۱۴۲) ☆... ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو قائداعظم نے اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہم ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، جہاں ہم اسلامی اصولوں کو آزما سکیں۔ (۱۴۳) سبی دربار بلوچستان سے خطاب کرتے ہوئے ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو فرمایا: میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اسی اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے۔ جو قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا کیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔ (۱۴۴) ☆... میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا کیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔ (۱۴۵)



Marfat.com

## شریعت کی بالادستی اور اسلامی جمہوریت کا قیام۔ قائد اعظم کا تصور پاکستان:

قائد اعظم پاکستان میں ایسے نظام حکومت کا تصور رکھتے تھے جس کے ذریعے مساوات، آزادی اور بھائی چارہ قائم ہو، انہوں نے اس کی وضاحت ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو سبی دربار کے موقع پر اپنی تقریر میں کی۔ "میں نے جو تجویز پیش کی ہے، اس کا بنیادی اصول جو میرے ذہن میں ہے، وہ اصول ہے مسلم جمہوریت کا۔ یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات ان سنہری اصولوں کی پیروی میں ہے جو ہمارے عظیم قانون دینے والے نے ہمارے لیے تعین کیے ہیں۔ آئیں ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد صحیح معنوں میں اسلامی آئیڈیلز اور اصولوں پر رکھیں۔ ہمارے قادر مطلق نے ہمیں سکھایا ہے کہ مملکت کے معاملات میں ہمارے فیصلے باہمی گفتگو اور مشورے سے کیے جائیں گے۔" (۱۴۶) ملک میں جمہوریت کے قیام کے لیے قائد اعظم برطانوی یا امریکی طرز جمہوریت کا نام بھی لے سکتے تھے۔ انہوں نے مغربی طرز جمہوریت کے برعکس مسلم طرز جمہوریت کا کیوں ذکر کیا؟ وہ اپنی تقریر میں مغربی طرز جمہوریت کے خصائص بھی گنوا سکتے تھے، جس کے ذریعے پاکستان میں سیکولر حکومت وجود میں آتی یا چلائی جاتی۔ انہیں مغربی جمہوریت میں کیا برائی نظر آئی کہ انہوں نے مسلم جمہوریت کا نام لیا۔ قائد اعظم نے اسلامی جمہوریت کی وضاحت اپنی ایک اور تقریر میں کی ہے۔ انہوں نے ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء کو ملیر کراچی میں فوجی رجمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے کہا "آپ نے دنیا کے دور دراز علاقوں میں دنیا کو فسطائیت سے نجات دلانے کے لیے اور جمہویت کی حفاظت کے لیے کئی لڑائیاں لڑی ہیں۔ اب آپ کو اپنے ملک میں اسلامی جمہوریت کے فروغ، اسلامی معاشرتی انصاف اور انسانوں کے درمیان برابری کی حفاظت کرنا ہوگی۔" ان دو تقاریر میں جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ایک جگہ انہوں نے مسلم جمہوریت کا لفظ استعمال کیا اور دوسری جگہ اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کے ساتھ اسلامی معاشرتی انصاف کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ کیا یہ الفاظ قائد اعظم کی سوچ کی صحیح وضاحت نہیں کرتے۔ دیکھا جائے تو ۱۱ اگست کی تقریر میں جو بات کہی گئی، یہ تقریر ان کی وضاحت کے زمرے میں آتی ہے۔ وہ معاشرتی انصاف کا لفظ استعمال کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے اسلامی معاشرتی انصاف کو محض "سوشل جسٹس" کے مقابلے میں زیادہ اہم خیال کیا، کیوں کہ مغربی "سوشل جسٹس" کی اصطلاح میں اسلام کے نظام عدل واحسان کا تصور سمویا نہیں جاسکتا۔ (۱۴۷) فروری ۱۹۴۸ء میں قائد اعظم نے جو تقریر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عوام کو خطاب کرتے ہوئے نشر کی اور پاکستان کے متوقع دستور پر جو رائے ظاہر کی خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ انہوں نے کہا: "پاکستان کا دستور ابھی دستور ساز اسمبلی نے تیار نہیں کیا، مجھے معلوم نہیں کہ پاکستان کے دستور کی کیا صورت ہوگی، لیکن اس بات کا پورا یقین ہے کہ یہ جمہوری طرز کا ہوگا، جس میں اسلام کے تمام اہم اصول شامل ہوں گے۔ اسلام کے یہ اصول عملی زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح وہ سکھائی گئی ہے۔ اس نے ہمیں انسانوں کی برابری، انصاف، ہر ایک کے ساتھ ایک جیسی رواداری کا درس دیا ہے۔ ہم شاندار روایات کے وارث ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے کماحقہ واقف ہیں جو ہم پر پاکستان کے دستور سازوں کی حیثیت سے عائد ہوتی ہیں۔ (۱۴۸) یہاں قائد اعظم نے جمہوریت اور جمہوری نظام کی بات کی ہے جس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جمہوریت کا سبق اسلام نے دیا ہے۔ یعنی پاکستان میں مسلم جمہوریت، اسلامی جمہوریت یا اسلام کے ان اصولوں پر مشتمل دستور بنایا



Marfat.com

جائے گا جو اصول تیرہ سو سال سے قابل عمل چلے آرہے ہیں۔

قائداعظم نے ایک سوال کے جواب میں کہا: مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ (اس ضمن میں) نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت ۱۳۰۰ سال قبل سیکھی تھی۔

اس مکالمے سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ قائداعظم کے ذہن میں جو چیز جمہوریت سے عبارت تھی، وہ اسلام تھا۔ گویا انہوں نے اسلام سے جمہوریت کا سبق سیکھا تھا اور ان کے نزدیک اسلام اور جمہوریت دو مختلف تصورات نہیں۔ (۱۴۹) قائداعظم نے اپنی تقریر میں کراچی بارایسوسی ایشن کے اجلاس منعقدہ ۲۵ فروری ۱۹۴۸ء کو کہا کہ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض لوگ جو جان بوجھ کر شرارت کرنا چاہتے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ پاکستان کا دستور اسلامی شریعت کے مطابق نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح ۱۳۰۰ برس پہلے قابل عمل تھے۔ اسلام اور اسلامی آئیڈیل ازم نے ہمیں مساوات، انصاف اور ہر ایک کے ساتھ رواداری کا سبق دیا ہے۔ کسی کو جمہوریت، مساوات، آزادی اور Integrity کے اعلیٰ ترین معیار سے خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔" تیرہ سو سال پہلے جمہوریت کی بنیادیں رکھ دی گئی تھیں۔" (۱۵۰) اس تقریر کے الفاظ کو پڑھ جائیں، اس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی شریعت نافذ نہیں ہوگی، وہ انتہائی قسم کی شرارت کررہے ہیں۔ انہوں نے بات یہیں ختم نہیں کی بلکہ یہ وضاحت بھی کردی کہ اسلام سے ان کی کیا مراد ہے۔ انہوں نے واضح طور پر کہا کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو جمہوریت، انسانی مساوات، رواداری اور انصاف پر یقین رکھتا ہے۔ اس ضابطۂ حیات میں سیاسی اور اقتصادی امور کے علاوہ دیگر امور بھی شامل ہیں۔ کیا کاروبار مملکت میں سیاسی و اقتصادی امور شامل نہیں ہوتے؟ یہ تمام باتیں اسلامی شریعت کا حصہ بھی ہیں اور مملکت کا کاروبار بھی اس میں شامل ہے۔ (۱۵۱)

## پاکستان کے جمہوری و سیاسی نظام میں قیام پاکستان کے حقیقی مقصد، شریعت کی بالادستی اور نفاذ اسلام کی آئینی و دستوری جدوجہد:

### پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ

۱۲ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ۔ مطابق ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کا اجتماع منعقد ہوا، جس میں اسلامی دستور کے لیے درج ذیل ۲۲ بنیادی اصول بالاتفاق طے ہوئے۔

### علماء کے ۲۲ نکات: اسلامی مملکت کے بنیادی اصول:

حسب ذیل بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسلامی مملکت کے دستور میں حسب ذیل امور کی تشریح لازمی ہے:

۱۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔ ۲۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا، جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ (تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو ان کی تشریح ضروری ہے کہ وہ



Marfat.com

بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیے جائیں گے۔ ۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہو گی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔ ۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء و نفاذ اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔ ۵۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہو گی، جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ (۱۵۲)

## مسودہ قرار دادِ مقاصد:

۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے دستور ساز اسمبلی کے سامنے مندرجہ ذیل مسودہ قرار دادِ مقاصد پیش کیا۔ قرار دادِ مقاصد پر مشتمل یہ مسودہ پاکستان کے نظام مملکت اور یہاں اسلامی جمہوریت کی حقیقی ترجمانی کرتا نظر آتا ہے، پاکستان کا نظام مملکت کیا ہو گا اور یہاں کا جمہوری نظام کن خطوط پر استوار ہو گا، قرار دادِ مقاصد میں اس کی واضح طور پر نشاندہی کر دی گئی ہے، چناں چہ اس وقت کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے یہ مسودہ پیش کرتے ہوئے کہا: صدر محترم! میں ذیل میں قرار داد مقاصد (Objective Resolution) پیش کرتا ہوں۔ یہ قرار دادِ مقاصد ان اصولوں پر مبنی ہے، جس پر پاکستان کا دستور اساسی مبنی ہو گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیر حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چوں کہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔ لہٰذا جمہورِ پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے۔
جس میں اول جمہوریت و حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔ جس کی رو سے انسان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔
جناب والا! پاکستان اس لیے قائم کیا گیا کہ برّصغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات و روایات کے مطابق کرنا چاہتے تھے۔

## مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

ہماری غالب اکثریت مسلمان ہے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اپنے ایمان اور نصب العین پر قائم رہ کر ہی دنیا کی فوز و فلاح میں حقیقی اضافہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جناب والا! آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس قرار داد کی تمہید میں صاف اور صریح الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام اختیار و اقتدار کا ذات الٰہی کے تابع ہونا لازمی ہے۔ (۱۵۳)



Marfat.com

ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیاروں کے مطابق استعمال کیا جائے تاکہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ اقتدار تمام تر ایک مقدس امانت ہے، جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس لیے تفویض ہوا ہے کہ ہم اسے نوعِ انسانی کی خدمت کے لیے استعمال کریں۔ اور یہ امانت ظلم و تشدد اور خود غرضی کا آلہ نہ بن جائے۔

## جمہوریت:

بہر صورت میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سے ہرگز مراد یہ نہیں ہے کہ ہم حکمرانوں اور بادشاہوں کے ظل الٰہی ہونے کے فرسودہ نظریے کو پھر سے زندہ کریں، کیوں کہ جذبہ اسلامی کے تحت تمہید قرارداد میں اس حقیقت کو کلی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خدا نے اختیارات سوائے جمہور کے کسی اور کو تفویض نہیں کیے اور اس کا فیصلہ خود جمہور کو ہی کرنا ہوگا کہ یہ اقتدار کن لوگوں کے ذریعے استعمال کیا جائے گا۔ اس لیے قرارداد میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مملکت، تمام حقوق و اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے کام میں لائے گی۔ یہی جمہوریت کا نچوڑ ہے۔ کیوں کہ جمہور کو ہی اختیارات کی امانت کا حامل تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر جمہور ہی کو ان اختیارات کے استعمال کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے۔

## مساوات و عدل عمرانی:

جناب والا! میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہوں کہ قراردادِ مقاصد میں جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر زور دیا گیا ہے اور اس کی مزید صراحت یہ کر دی گئی ہے کہ دستور مملکت میں ان اصولوں کو اس تشریح کے مطابق ملحوظ رکھا جائے، جو ان الفاظ کی تعبیر اسلام نے کی ہے۔ جمہوریت ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اس کا اطلاق جتنا ہمارے نظامِ حکومت پر ہے اتنا ہی ہمارے معاشرے پر بھی ہے۔ کیوں کہ اسلام نے دنیا کو جن عظیم الشان صفتوں سے مالا مال کیا ہے، ان میں سے ایک عام انسانوں کی مساوات ہے۔ اسلام نسل، رنگ اور نسب کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا۔ انحطاط کے دور میں بھی اسلامی معاشرہ ان تعصبات سے نمایاں طور پر پاک رہا، جنہوں نے دنیا کے دوسرے انسانوں کے باہمی تعلقات کو زہر آلود کر دیا تھا۔(۱۵۴)

وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے کہا: "دنیا مادیت کا شکار ہے اور ہم پاکستان میں ایک ایسے معاشرے کو جنم دینا چاہتے ہیں، جو انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہو۔ ہم انشاء اللہ اس قرارداد کے مضمرات کو عملی صورت دینے کی پوری کوشش کریں گے۔"

## قرارداد کی خصوصیت:

☆... یہ قرارداد اس دستور ساز اسمبلی نے پاس کی جس کے تمام ممبران ہندوستان میں انتخاب کے ذریعے منتخب ہوئے تھے۔ ☆... یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں عملاً حصہ لیا تھا۔ ☆... اس قرارداد کو تمام مسلمان ممبروں نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا۔ کسی ایک ممبر نے بھی مخالفت نہیں کی۔ ☆... اس لیے یہ



Marfat.com

قرارداد جدوجہد پاکستان کا مقصود ہے۔ یہ قرارداد مسلمانانِ ہندوپاکستان کے دل کی آواز ہے۔(۱۵۵)

## قراردادِ مقاصد اور دساتیر پاکستان میں شریعت کی بالادستی قرآن وسنت اور حقیقی اسلامی جمہوریت کے نفاذ کی حمایت:

قیامِ پاکستان کے بعد سب سے پہلی کوشش جو پاکستان کو اسلام اور نظریہٗ پاکستان سے ہم آہنگ کرنے کی گئی وہ قرارداد مقاصد تھی، جسے قائد ملت لیاقت علی خان نے ۱۲مارچ ۱۹۴۹ء کو پیش کیا، اس قرارداد کے ابتدائی الفاظ اس طرح تھے۔"تعریف اس اللہ کی جس کی حکومت زمین اور آسمان پر پھیلی ہوئی ہے اور اب جو اختیارات مملکت پاکستان کے عوام کی وساطت سے نافذ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیے اور جن کی حدود مملکت خداداد پاکستان کے عوام نے مقرر کی ہیں، یہ ایک مقدس امانت ہیں۔" قراردادِ مقاصد کی اہم دفعات درج ذیل ہیں: ☆... اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہے، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ☆... جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے مطابق زندگی بسر کرنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے گی، جو قرآن اور سنت کے مطابق ہو۔☆... اقلیتوں کو اجازت ہوگی کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کریں اور اس کی تبلیغ کریں۔ ☆... اس وقت جو علاقے پاکستان میں شامل ہو چکے ہیں، جو شامل ہوں گے ایک وفاق کی تشکیل کریں گے۔ صوبوں کو خود مختاری حاصل ہوگی اور ان کی حدود و اختیارات اور دائرہ کار کا تعین ہوگا۔ ☆...ملک کے تمام حصوں کو بنیادی حقوق، مساوی حیثیت، قانونی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، آزادی کا اظہارِ خیال، عقائد اور عبادات کی ضمانت دی جاتی ہے۔ تاہم یہ سب قانون کے احترام اور حدود کے اندر ہونا ضروری ہے۔ ☆... پاکستان میں عدلیہ ہر قسم کے اثرات سے آزاد ہوگی۔ ☆... وفاق کے علاقوں کی سالمیت ان کی آزادی اور ان کے تمام حقوق یہاں تک کہ ان کی زمین، سمندر اور فضاء میں تمام حقوق اور ان کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے تاکہ پاکستانی عوام ترقی کریں اور عالمی برادری میں ایک باعزت مقام حاصل کریں۔

## ۱۹۵۱ء کے دستور کی اسلامی دفعات:

اس دستور کے تحت مملکتِ پاکستان کو جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کا نام دیا گیا، اس میں کئی ایسی دفعات شامل تھیں، جس سے اس کے اسلامی مزاج کے عکاسی ہوتی تھی، مثلاً صدر مملکت کے لیے لازماً مسلمان ہونے کی شرط۔ اس کے علاوہ قرآن وسنت کے منافی قانون سازی کی ممانعت اور موجود غیر اسلامی قوانین کی بتدریج اسلامی ڈھانچہ میں تبدیلی وغیرہ۔ اس دستور میں حسب ذیل دفعات کو شامل کیا گیا تھا: ☆... دفعہ ۱۹۷ (۱) صدر اسلامی تحقیقات اور اعلیٰ تعلیمات کا ایک ادارہ قائم کرے گا، جو مسلم معاشرے کی صحیح اسلامی بنیادوں پر تعمیر نو کرنے میں مدد دے گا۔

(۲) پارلیمنٹ اس مقصد اور ادارے کے اخراجات کے لیے خصوصی ٹیکس صرف مسلمانوں پر لگا سکے گی۔

☆... دفعہ ۱۹۸ (۱) کوئی قانون قرآن وسنت میں مذکورہ اسلامی احکام کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور موجودہ قوانین کو بھی قرآن وسنت کے مطابق بنایا جائے گا۔(۲) شق (۱) پر عمل درآمد شق ۳میں بیان کردہ طریقہ کار کے



Marfat.com

مطابق ہو گا۔

(i) وہ کون سی تدابیر ہوں، جن سے موجودہ قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے۔ (ii) ایسی تدابیر کو کس تدریج کے ساتھ روبہ عمل لایا جائے۔

یہ کمیشن اپنی آخری رپورٹ ۵ سال کے اندر اندر پیش کرے گا اور کوئی عبوری رپورٹ اس کے دوران بھی پیش کر سکے گا۔ رپورٹ خواہ عبوری ہو یا آخری موصول ہونے پر چھ ماہ کے اندر اندر قومی اسمبلی میں پیش کی جائے گی اور اسمبلی اس رپورٹ پر غور کرنے کے بعد قانون سازی کرے گی۔

☆... دفعہ ۱۹۹ (ا) اس دفعہ کا اطلاق غیر مسلم شہریوں پر نہیں ہو گا۔ نہ ان کے پرسنل لاء پر نہ ان کے شہری مرتبے پر اور ان ہی دستور کے کسی اور حصے پر۔

**تشریح:** اس دفعہ کا اطلاق اس طرح ہو گا کہ ہر مسلمان فرقے کے نزدیک قرآن وسنت کی جو تشریح ہے، وہی مفہوم اس فرقے کے پرسنل لاء کے لیے معتبر ہو گا۔

## ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے دستور کی اسلامی دفعات:

۱۹۶۲ء کے آئین میں مندرجہ ذیل اسلامی دفعات شامل کی گئیں: ☆... اقتدار کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے اختیارات ایک مقدس امانت کی صورت میں عوامی نمائندوں کے ذریعے بروئے کار لائے جائیں گے۔ ☆... ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ ☆... صدر مملکت کے لیے لازماً مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

☆... ملک کا کوئی بھی قانون ساز ادارہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف قانون نہیں بنائے گا۔ ☆... ملک کے قوانین کو اسلام کے مطابق قوانین جاری کرنے کے لیے ملک کے جید علماء، ماہرین قانون اور انتظامی امور کے ماہرین پر مشتمل ایک اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی جو صدر، صوبائی گورنروں اور مجالس قانون ساز کو مشورے دینے کے علاوہ معاشرے میں رائج غیر اسلامی افعال کی بندش کے متعلق بھی سفارشات پیش کرتی۔ ☆... پاکستان کے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے گی۔

☆... زکوٰۃ اوقاف اور مساجد کی مناسب تنظیم کا قیام۔ ۱۹۷۳ء کے دستور کی اسلامی تعلیمات: ☆... اس دستور کو بھی اسلامی دستور کا نام دیا گیا ہے، کیوں کہ اس میں بعض ایسی دفعات شامل کی گئی ہیں، جس سے دستور میں اسلامی رنگ کی جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً ☆... اس دستور کے آغاز میں یہ تحریر ہے کہ مقتدر اعلیٰ اللہ ہے۔ ☆... احکام الٰہیہ خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق رائج کیے جائیں۔ ☆... صدر مملکت اور وزیر اعظم کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ ☆... غیر اسلامی قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کے لیے وسیع اختیارات کی حامل اسلامی مشاورتی کونسل کا قیام۔ ☆... دستور کی رو سے اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ ☆... اس دستور میں قوانین کی اساس اسلامی اصولوں پر رکھی گئی ہے اور مسلمانوں کو اپنی زندگی اسلامی طرز کے مطابق گزارنے کے مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔ دستور پاکستان ۱۹۷۳ء کے حصہ نہم میں دفعہ نمبر ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰ اور ۲۳۱



Marfat.com

اسلامی دفعات سے متعلق ہیں۔(۱۵۶)

## انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں تاریخی حکومتیں اور حکمرانی کا آغاز:

زمانہ تاریخ کی حکومتوں کے متعلق انسانی علم اب تک کوئی یقین حاصل نہیں کر سکا، ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کی کون سی قوم نے سب سے پہلے حکومت قائم کی اور سلطنت کی تنظیم کا فرض انجام دیا۔ انسانی علم الہامی قانون کی مدد سے صرف ایک دعویٰ کر سکتا ہے اور وہ یہ کہ سب سے پہلے سلطنت کا ظہور ربانی تنظیم کی صورت میں ہوا۔ خدا کی ہستی سب سے پہلی اور سب سے بلند ہے۔ انسانی عقیدے نے صدیوں تک اس اصول کو مانا ہے کہ انسان کی سیاسی تنظیم کا آغاز خداوند معظم کے نمائندے کے ذریعے ہوا۔ اس اصول سے تاریخی زمانوں سے قبل تاریخی سلطنتیں ربانی سلطنتوں کی صورت میں قائم ہو چکی تھیں۔

جرمنی کا ماہر سیاست و قانون جے کے ملنچینی بھی اس خیال کی صداقت کو مانتا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "ہمارا تاریخی علم جس زمانے تک پہنچتا ہے، اس سے بہت پہلے ابتدائی سلطنتوں کا قیام ہو چکا تھا، تاریخ کا احساس اس وقت تک پیدا نہیں ہوا تھا جب تک زمین پر بہت سی سلطنتیں قائم ہو چکیں تھیں۔(۱۵۷)

**ہندوستانی سلطنتیں:** ... سیاسی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصریوں اور یہودیوں سے پہلے ہندوستانی سلطنتیں قائم ہو چکی تھیں، ہندوستان میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کے مسئلے سے ربانی نظریہ بھی اس قیاس کی تائید کر سکتا ہے۔

**مصری سلطنتیں:** ... بنی اسرائیل کی سیاسی سلطنتوں سے پہلے مصر میں سلطنت کا قیام عمل میں آ چکا تھا، حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ کی اجتماعی زندگی کی تخلیق سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

**بنی اسرائیلی سلطنتیں:** ... یہود کی قدیم مقدس کتابوں اور قرآن حکیم سے ان سلطنتوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔

ان سلطنتوں کے بعد تاریخی اور انسانی سلطنتوں کا آغاز ہوتا ہے۔

**یونانی سلطنت:** ... یونانیوں کی سیاسی تنظیمات نے ایشیائے کوچک، اٹلی، سسلی، بحر متوسط و بحر روم کے ساحلوں اور یونانی جزیروں کو سلطنتوں کی شکل میں پیش کیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ فی الحقیقت نئی سلطنتوں کی تخلیق تھی، یونانیوں نے کوئی بڑی شہنشاہی نہیں قائم کی، بلکہ منتشر سیاسی اداروں کی حیثیت سے اپنا کام کیا۔ یونانی حکومت کی ابتداء ۶۴۳ ق میں ہوئی۔(۱۵۸)

**روما کی سلطنت:** ... تاریخ کا دعویٰ ہے کہ رومیوں کی سلطنت ابتدا ہی سے ایک عام قانونی تنظیم تھی۔ وہ بنی بنائی حکومتوں کی توسیع تھی جس کا مقصد عالمگیر سلطنت کا نظام قائم کرنا تھا۔

**کلیسائی حکومتیں:** ... کلیسا نے شہنشاہ سے علیحدہ ہو کر پوپ کے نام سے روما کو پایۂ تخت قرار دے کر رومی تخیل کی پیروی کی۔ یہ انسانی سلطنت کو مذہبی سلطنت بنانے کی کوشش تھی جو عرصہ تک یورپ میں چمک دمک دکھاتی رہی۔

**جرمن ٹیوٹن سلطنت:** ... روما کی عالمگیر شہنشاہی کو جرمن ٹیوٹن نسل نے شکست دے کر شاہی اقتدار حاصل کیا۔



Marfat.com

اس طرح از منہ وسطیٰ میں یورپ پر ہر جگہ ٹیوٹن حکمراں تھے، کلیسا کا مذہبی تصور اور رومی تہذیب دونوں ان میں جمع تھے۔ اس کے بعد جدید دور شروع ہوتا ہے۔ یہ زمانہ پندرہویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے شروع ہوتا ہے۔ نکولاس پنجم ۱۴۴۷، جولیس دوم (۱۵۰۳۔۱۳) اس عہد کے سرکردہ سمجھے جاتے ہیں۔ (۱۵۹)

## بعثت نبویؐ سے قبل جبر واستبداد پر مبنی شہنشاہیت اور مطلق العنان حکمرانی کا تصور:

بعثت نبویؐ سے قبل دنیا ظلم واستبداد کے عذاب الیم میں مبتلا تھی، غلامی کی زنجیروں نے اس کا بند بند جکڑ رکھا تھا، فرماں روایان ملک، امرائے شہر، رؤسائے قبائل، اپنے اپنے حلقۂ فرماں روائی میں ارباباً من دون اللہ تھے، اور ان کے ہاتھ میں ان کے اطاعت گزار غلاموں کی زندگی بسر کرتے تھے، جن کی زندگی کا مقصد واحد صرف اپنے حکمراں کی تکمیل ہوائے نفس، واتباع مرضات تھا۔ صداقتوں کی حقیقت اور امور وواقعات کی صداقت کا فیصلہ سلاطین وامراء کے چشم ابرو کا ایک اشارہ اور ملوک ورؤسا کے کام ودھن کی ایک جنبش کرتی تھی۔ مسیحؑ سے ۱۷۰۰ برس پہلے، ذات شاہی ہر تقدیس سے متصف، ہر لحاظ سے مقدس، اور ہر نقص وعیب سے مبرا تھی، کیوں کہ وہ خدا تھی، خدا کا سایہ تھی، یا کم از کم مرتبہ انسانیت سے ایک بالاتر شے ضرور تھی۔

## اہل روم، ہند ومصر کے دیوتا:

فراعنۂ مصر دیوتا تھا۔ اسی لیے مصر کے ایک فرعون نے مسیحؑ سے سترہ سو برس پہلے اپنے درباریوں کو کہا تھا: "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" یعنی موسیٰ کا خدا کون ہے؟ تمہارا بڑا خدا تو میں ہوں"۔ کلدانیوں کے ملک میں نمرود بابل کی پرستش کے لیے ہیکل بنتے تھے، ہندوستان کے راجہ دیوتاؤں کے اوتار بن کر زمین پر اترتے تھے، روما کا پوپ خدا کے فرزند کا جانشین تھا اور اس کا آستانہ قدس سجدہ گاہ ملوک وسلاطین تھا۔

## قیصر وکسریٰ کی بلند ترین ہستی:

روم کے قیصر اور فارس کے کسریٰ، گویا دیوتا تھے، یہ فطرت بشریہ سے منزہ اور مرتبہ انسانیت سے بلند ترین ہستی تھے، جن کے سامنے بیٹھنا ممنوع، جن کے سامنے ابتدائے کلام گناہ، جن کا نام لینا سوئے ادب اور جن کی شان میں ادنیٰ سا اعتراض بھی موجب قتل تھا۔ بیت المال ملکی سامان مصرف، رعایائے ملک غلامان درگہ شہنشاہی تھے۔ (۱۶۰)

## شاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزانہ ظہور:

دنیا اس تعبد وغلامی اور ذلت وتحقیر میں تھی کہ بحر احمر کے سواحل پر ریگستانی سرزمین میں ایک "رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم" کا ظہور ہوا۔ جس نے اپنے معجزانہ زور وتوانائی سے قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیئے، رومۃ الکبریٰ کے ایوان قدس کی بنیادیں ہلا دیں، تعبد وغلامی کی زنجیریں اس کی شمشیر غیر آہنی کی ایک ضرب سے کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں اور استقلال ذات وفکر، حریت، خیال ورائے وشرف واحترام نفس، مساوات حقوق اور ابطال شاہنشاہی کی روشنی دنیائے قدیم کے قلب سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئی۔ (ملک عرب دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے اور جغرافیہ جدید سے بھی ثابت ہے) شاہان عالم مرتبۂ قدوسیت ومعصومیت سے



Marfat.com

گر کر عام سطح انسانی پر آ گئے اور عام انسان، سطح غلامی و حیوانیت سے بلند ہو کر مصر و بابل کے دیوتاؤں اور روم و ایران کے قیصر و کسریٰ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے اور بقول گبن (مشہور مورخ) "قوائے عملی و زندہ دلی جو صومعوں اور خانقاہوں میں پڑی سوتی تھی، عسکر حجاز کی آواز دہل سے چونک پڑی اور اسلام کی اس نئی سوسائٹی کا ہر ممبر حسب استعداد فطرت و حوصلہ اپنے اپنے مرتبے پر پہنچ گیا۔"

یہ معجزانہ قوت و توانائی کیا تھی؟ جلال روحانی سے بھری ہوئی ایک آواز تھی جو بو قبیس کی پہاڑی سے بلند ہوئی اور جس سے گنبد عالم کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا کہ اے اہل عالم!

تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۱۶۱)

ترجمہ:۔ آؤ، ایک بات کی طرف جو اصولاً و عقلاً ہم میں تم میں متفق علیہ ہے، اسے عملاً بھی تسلیم کر لیں، یعنی اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں، نہ اس کی خدائی میں کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کے سوا ایک دوسرے کو اپنا خدا و آقا بنائیں۔ (۱۶۲)

مولانا ابو الکلام آزاد کے الفاظ میں: "اس آواز سے انسانی جباری و الوہیت کے بت سرنگوں ہو کر گر پڑے، شہنشاہوں کا پر اسرار اور عجیب الخواص طلسم ٹوٹ گیا، بادشاہ خادم رعایا، بیت المال خزانہ عمومی اور تمام انسان مساوی مرتبہ قرار پا گئے۔ عرب کے بادشاہ نے نہ اپنے لیے قصر و ایوان تیار کرایا نہ قیمتی فرش بچھائے، نہ سونے چاندی کی کرسیوں سے دربار سجایا اور نہ اس نے اپنی ہستی کو انسانیت سے مافوق بنایا۔ بلکہ علی الاعلان کہہ دیا: میں بھی تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں۔

## بعثتِ نبویؐ سے قبل دنیا کا تاریخی و سیاسی منظر نامہ:

محسن انسانیت، ہادیِ اعظم، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں سیاسی نظام اور طرز حکمرانی کا کیا انداز تھا، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے "محسنِ انسانیتؐ" کے مولف نعیم صدیقی لکھتے ہیں: "محسنِ انسانیتؐ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا، جب کہ انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، کہیں دورِ وحشت تھا اور کہیں شرک اور بت پرستی کی لعنتوں نے مدنیت کا ستیاناس کر رکھا تھا۔ مصر اور ہندوستان، بابل اور نینوا، یونان اور چین میں تہذیب اپنی شمعیں گل کر چکی تھی۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تھی، مگر ان شیش محلوں کے اندر بدترین مظالم کا دور دورہ تھا اور زندگی کے زخموں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ بالا دست طبقوں کی عیاشیوں اور نفس پرستیوں نے اخلاقی روح کو فنا کر دیا تھا۔ بادشاہوں کے ادل بدل، نت نئے فاتحین کے ظہور اور خوں ریز جنگوں کی وجہ سے حالات میں جو تموج پیدا ہوا تھا، اس میں بھی کوئی راہِ نجات عام آدمی کے لیے نہ تھی۔ عام آدمی کو ہر تبدیلی کی چکی اور زیادہ تیزی سے پیستی تھی، ہر قوت اسی کو آلہ کار بنا کر اور اسی کا خون صرف کر کے، اسی کی محنت سے استفادہ کر کے اپنا جھنڈا بلند کرتی اور پھر غلبہ و اقتدار پانے کے بعد وہ پہلوں سے



Marfat.com

بھی بڑھ چڑھ کر ظالم ثابت ہوتی تھی۔ خود (اس دور کی دو بڑی عالمی طاقتوں) روم و ایران کے درمیان مسلسل آویزش کا چکر چلتا تھا اور مختلف علاقے کبھی ایک حکومت کے قبضے میں جاتے اور کبھی دوسری سلطنت ان کو نگل لیتی، لیکن ہر بار فاتح قوت عوام کے کسی طبقے کو خوب اچھی طرح پامال کرتی۔ دنیا کے اکثر حصوں میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ٹکراؤ ہوتے، بار بار کشت و خوں ہوتے، بغاوتیں اٹھتیں، مذہبی فرقے خوں ریزیاں کرتے، ان ہنگاموں کے درمیان انسان بہ حیثیت انسان بری طرح پامال ہو رہا تھا۔ اسے مظالم کے کولہو میں پیلا جاتا تھا، اسے ضمیر کی آزادی کسی ادنیٰ درجے میں حاصل نہ تھی۔ کوئی مذہب اس کی دستگیری کے لیے موجود نہ تھا۔ انبیاءؑ کی تعلیمات تحریف و تاویل کے غبار میں گم ہو چکی تھیں۔ یونان کا فلسفہ سکتے میں تھا، کنفیوشس اور مانی کی تعلیم دم بخود تھی۔ ویدانت اور بدھ مت کے تصورات اور منو شاستر کے نکات سر بگریباں تھے۔ جسٹینن کا ضابطہ اور سولن کا قانون بے بس تھا۔ کسی طرف کوئی روشنی نہ تھی۔ وہ خوف ناک ترین بحران اور (ظلم و استبداد پر مبنی بدترین حکمرانی اور ظالمانہ نظام پر مبنی ملوکیت و شہنشاہت) کا ایک عالم گیر دور تھا، جس کی اندھیاریوں میں محسنِ انسانیتؐ کی مشعل یکایک اُبھرتی ہے اور وقت کے تمدنی بحرانوں کی تاریکیوں کا سینہ چیر کر ہر طرف اجالا پھیلا دیتی ہے۔ خود عرب کا قریب ترین ماحول جو حضورؐ کا اولین میدانِ کار بنا، اس کا تصور کیجیے تو دل دہل جاتا ہے، عرب پر دورِ وحشت کی تاریک رات چھائی ہوئی تھی، تمدن کی صبح ابھی جلوہ گر نہیں ہوئی تھی اور انسانیت نیند سے بیدار نہ ہو پائی تھی، ہر طرف ایک انتشار تھا، انسانیت کے محسنِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر یکہ و تنہا اٹھتے ہیں اور ایک عظیم انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔" (۱۶۳)

## بعثت نبویؐ سے قبل مشرق و مغرب میں ظلم و استبداد پر مبنی عالمی سیاسی نظام اور غیر جمہوری طرز حکمرانی: تاریخی، تحقیقی و تقابلی جائزہ:

چھٹی صدی عیسوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اسلام کے ظہور کا زمانہ ہے، اس وقت دنیا کی تمام سیاسی قوتیں مشرق و مغرب کی دو عظیم عالمی طاقتوں کے زیرِ سایہ تھیں، مشرق کی نمائندگی فارس کے کسریٰ اور مغرب کی قسطنطنیہ کر رہے تھے اور ان دونوں کے ڈانڈے عرب کے عراقی و شامی حدود پر آکر ملتے تھے، عرب کے وہ قبائل جن میں ذرا بھی تہذیب کا نام تھا، وہ انہی دونوں میں سے کسی کے زیر اثر اور تابع تھے، یمن، بحرین، عمان اور عراق ایرانیوں کے اور وسط عرب اور شام رومیوں کے ماتحت یا زیر اثر تھے۔ (۱۶۴) غرض کہ دنیا کے مختلف حصّوں اور ملکوں میں اجتماعی بد نظمی، انتشار، اخلاقی تنزل اور دینی غفلت رونما تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ تمام ممالک تنزل، انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ (۱۶۵)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بعثتِ نبویؐ سے قبل دنیا کے ہر خطے میں ظلم و استبداد پر مبنی بدترین آمریت اور بادشاہت کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ مصر، عراق، یونان، روم، ایران، جاپان، چین اور ہندوستان سب پر مطلق العنان بادشاہ حکمراں نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی حکمرانی اور اختیارات میں مطلق العنان تھے۔ سرکاری مناصب و ذرائع پر



Marfat.com

پوری طرح قابض اور اس کے غیر ذمّے دارانہ استعمال میں پوری طرح آزاد سمجھے جاتے تھے۔ قرآن کا زاویۂ نظر بادشاہوں کے متعلق یہ ہے کہ {اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ}(١٦٦) بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں، تو وہاں فساد برپا کرتے ہیں اور عزت داروں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ یعنی انہیں اپنا غلام بنا لیتے ہیں، ان کے مال و جائیداد پر قابض ہو جاتے ہیں، اپنے مناصب کا بلا جواز اور غیر ذمّے دارانہ استعمال کرتے ہیں۔ حکمران بادشاہ اپنے آپ کو زمین پر خدا کا نائب سمجھتے تھے۔ چنانچہ شاہان ایران اپنے نام کے ساتھ "برادرِ مہر و ماہ" لکھا کرتے تھے، مصر کے بادشاہ فرعون، چین کے فغفور، اشوریا کے سلاطین، جاپان کے میکاڈو اپنے آپ کو دیوتا سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے سرکاری مناصب و ذرائع کے ناجائز استعمال کی بدولت شاہی دبدبے اور شہنشاہانہ کروفر کو قائم رکھنے کے لیے ایسی رسمیں وضع کر رکھی تھیں کہ رعایا پوجا کی حد تک ان کی تکریم کرنے پر مجبور تھی۔(١٦٧)

## اسلام سے قبل عالمی طاقتوں روم اور فارس میں ظالمانہ سیاسی نظام، جبر و استبداد پر مبنی مطلق العنان بادشاہت۔ مختصر تاریخی جائزہ:

اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عالمی تہذیبوں اور ان کی نمائندہ طاقتوں روم اور فارس (ایران) میں ظالمانہ سیاسی نظام اور جبر و استبداد پر مبنی مطلق العنان آمرانہ حکومتوں کا دور دورہ تھا، اس زمانے کی سیاست مطلق العنان بادشاہت تھی، یہ بادشاہت اکثر مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوتی تھی، جیسا کہ ایران میں تھا، جسے "فارس" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔(١٦٨) مشہور مورخ اور عمرانی علوم کے ماہر ابن خلدون کے مطابق فارس میں شہنشاہیت کا دور چار ہزار دو سو اٹھاسی سال کی مدت پر محیط ہے۔(١٦٩)

وہاں آل ساسان کا یہ عقیدہ تھا کہ حکومت پر ان کا موروثی حق ہے اور انہیں تائیدِ الٰہی حاصل ہے، عام رعایا کو بھی پوری کوشش کر کے اس کا یقین دلا دیا گیا تھا۔ کبھی یہ بادشاہت محض سلاطین کی عظمت پر قائم ہوتی تھی، اہل چین اپنے بادشاہ کو "شہنشاہ فرزند آسمان" کہتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان "نر" ہے اور زمین "مادہ" اور کائنات کو انہی دونوں نے جنم دیا ہے اور شہنشاہ ختا اول زمین و آسمان کے جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے، اسی بناء پر بادشاہِ وقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا، اسے حق حاصل تھا کہ جو چاہے، کرے۔(١٧٠)

کبھی بادشاہت کسی خاص گروہ یا کسی مخصوص وطن کا حق سمجھی جاتی تھی، جیسا کہ مملکت رومہ میں اعتقاد تھا، وہاں رومی وطن اور رومی قومیت کی عظمت بیان کرنا بنیادی قانون تھا، دوسری قومیں اور دوسرے ملک اس قومیت کے غلام تھے، ان کی حیثیت ان رگوں اور شرائین کی سی تھی، جن سے خون جاری ہو کر اپنے مرکز کو پہنچتا ہے۔ رومی شہنشاہیت کا آغاز دراصل جولیس سیزر (Julius Ceasar) سے ہوتا ہے، جس نے اپنے دورِ اقتدار میں پورے طور پر استبداد اور مطلق العنانی کا مظاہرہ کیا۔(١٧١)

اسی وقت سے اس عقیدے کا بھی آغاز ہوا کہ بادشاہِ وقت "قیصر صفاتِ اُلوہیت کا مالک ہے۔" (١٧٢)



Marfat.com

بادشاہ کے اختیارات غیر محدود تھے اور وہ تمام سیاسی اور مذہبی عہدوں کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔(۱۷۳) سلطنتِ روما ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکتی اور ہر ایک کی عزت و ناموس پامال کر سکتی تھی، وہ ہر ظلم و ستم کو جائز سمجھتی تھی، کوئی قوم یا فرد رومیوں کے ظلم و ستم سے بچ نہیں سکتا تھا، کسی قوم کو حکومت خود اختیاری یا اندرونی خود مختاری کا حق حاصل نہیں تھا، ان محکوم قوموں اور مفتوح ملکوں کی مثال اس اونٹنی کی سی تھی، جس پر بوقت ضرورت سواری کی جاتی اور اس کا دودھ دوہا جاتا اور صرف اسی قدر اسے چارہ دیا جاتا جو اس کی پیٹھ کو مضبوط اور تھن کو دودھ سے بھرا رکھ سکے۔ (۱۷۴)

مشہور مغربی مورخ رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) رومی سلطنت کے بارے میں لکھتا ہے:
"رومی سلطنت ایک چھوٹے سے طبقے کی عیش اور راحت رسانی کا ذریعہ تھی اور جمہور عوام سے ناجائز منفعت اندوزی اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کو غذا پہنچانا اس حکومت کا کام تھا۔" (۱۷۵)

ایک ایک شخص اپنی ذات پر اور اپنے لباس کے کسی ایک حصّے پر اس قدر خرچ کرتا تھا، جس سے پوری ایک بستی کی پرورش ہو سکے یا جو پورے ایک گاؤں یا آبادی کی پوشاک اور ستر پوشی کے مصارف کے لیے کافی ہو۔ شعبی کہتے ہیں کہ اہلِ ایران اپنے سروں پر جو کلاہ رکھتے تھے، وہ ان کی اس حیثیت کے مطابق ہوتی تھی، جو انہیں اپنے قبیلے میں حاصل تھی، چنانچہ جو اپنے قبیلے میں شرافت و عزّت کے لحاظ سے جتنا بلند درجے پر فائز ہوتا، اس کی کلاہ ایک لاکھ کی قیمت کی ہوتی تھی۔(۱۷۶)

مدائن کی فتح کے وقت شہنشاہِ ایران یزدگرد بے سروسامانی اور پریشانی میں دارالسلطنت چھوڑ کر بھاگا تھا، "ایران بعہد ساسانیان" کا مصنف لکھتا ہے: "یزدگرد اپنے ہمراہ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار گویے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، ایک ہزار بازدار اور بہت سے دوسرے لوگ لیتا گیا اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی کم تھی۔" (۱۷۷)

اس عہد کی سپر پاورز کا یہ حال تھا کہ روم و ایران دونوں مملکتوں میں اہل ملک دو علیحدہ طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ان دونوں طبقوں کے درمیان واضح فرق تھا، ایک طبقہ بادشاہوں، شاہزادوں، اہلِ دربار، ان کے خاندانوں، عزیزوں اور ان کے متعلقین و وابستگان، جاگیرداروں اور دولت مندوں کا تھا، یہ لوگ سدا بہار پھولوں کی سیج پر زندگی گزارتے، ان کے گھر کے لوگ اور بچّے سونے چاندی سے کھیلتے اور دودھ اور گلاب میں نہاتے، یہ اپنے گھوڑوں کی نعلیں بھی جواہرات سے جڑتے اور در و دیوار کو بھی ریشم و کم خواب سے سجاتے تھے۔ دوسرا طبقہ کاشتکاروں، کاریگروں، اہل حرفہ اور چھوٹے تاجروں کا تھا، جن کی زندگی سراپا کلفت و مصیبت تھی، یہ زندگی کے بوجھ تلے ٹیکسوں اور نذرانوں کے بار سے کچلے جا رہے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی زندگی تلخ اور سراپا کوفت تھی، ان کا دماغ ہر وقت پریشان و پراگندہ رہتا، انہیں حقیقی سکون اور اطمینانِ قلب کبھی میسر نہ آتا۔(۱۷۸)

## قدیم مصری تہذیب: نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

قدیم مصری معاشرے میں سب سے اعلیٰ طبقہ بادشاہوں اور امراء کا شمار کیا جاتا تھا، جو تعداد میں بہت قلیل



Marfat.com

تھے، لیکن شاہی اختیارات اور اثر و نفوذ میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔(۱۷۹) قدیم مصری حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ تمام اختیارات کا منبع اور مصدر بادشاہ کی ذات ہوتی تھی۔ بادشاہ کا فیصلہ آخری ہوتا تھا۔ اس کا حکم قانون تھا۔ دستوری طور پر اس کے اختیارات کی کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی تھی۔ مصری بادشاہ کا لقب "فرعون" تھا، جس کے معنی ہیں بڑے عالی شان محل میں رہنے والا۔ یہ لقب خود ہی بادشاہ کی اعلیٰ حیثیت، عوام پر اس کی برتری اور عظمت کو ظاہر کرتا ہے اور حقیقتاً وہ سب سے بڑے محل میں رہا کرتا تھا۔ شان و شوکت، تزک و احتشام، حشم و حزم اور سطوت و جلال کے اعتبار سے کوئی اس کا مدمقابل نہ تھا۔ غلاموں کا ایک جمِ غفیر ہر وقت دست بستہ کھڑا رہتا تھا۔ دربارِ شاہی میں بلا امتیاز ہر آنے والا بادشاہ کو سجدہ کرتا تھا۔(۱۸۰)

## قدیم سمیری تہذیب، نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

تاریخ کے اس دور کے دستور کے مطابق سمیری حکمراں مطلق العنان، تمام اختیارات کے مالک، تمام قیود سے آزاد سمجھے جاتے تھے۔ وہ خدا کے نائب ہی نہیں، اس کے شریک تصور کیے جاتے تھے۔ ان کا حکم قانون اور ان کا فیصلہ آخری ہوتا تھا۔ سمیری بادشاہوں کے دربار بڑے پُر تکلف اور زیبائش و آرائش کا مرقع ہوتے تھے۔ وہ شاہانہ زرق برق لباس میں ملبوس ہو کر شاہی رتھ کے ساتھ دربار میں آتے اور پھر تخت پر متمکن ہوتے تھے۔ بعد ازاں عام لوگوں کو دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی جاتی تھی۔(۱۸۱)

## قدیم بابلی تہذیب، نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

بابلی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ بادشاہ تمام قوانین سے بالاتر سمجھا جاتا تھا، دستوری طور پر اس کے اختیارات کی حد بندی نہیں کی جاسکتی تھی۔ ریاست کے اندر اس کی ذات سب سے بلند اور مقتدر تھی۔ اس کی سکونت کے لیے پایۂ تخت میں بڑے بڑے قلعے تھے، جہاں وہ شان و شوکت کے ساتھ رہتا تھا۔ لوگ دربار میں آکر اسے سجدہ کرتے تھے۔(۱۸۲)

## آشوری سلطنت۔ نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

وادیٔ دجلہ و فرات کی دوسری اہم تہذیب کا نام آشوری تہذیب ہے۔ آشوریوں نے دیوتا کے نام پر ایک شہر بابل سے شمال کی طرف تقریباً تین سو میل کے فاصلے پر دریائے دجلہ کے کنارے آباد کیا تھا۔ آشوری حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ باپ کے بعد بیٹے کی تخت نشینی کا رواج تھا۔ عموماً بڑا بیٹا باپ کی جگہ لیتا تھا۔ آشوری بادشاہ آشور دیوتا کا مظہر اور نائب تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی ذات تمام غلطیوں سے پاک اور منزہ تصور کی جاتی تھی۔ تمام احکامات آشور کے نام پر جاری و ساری ہوتے تھے۔ اسی کے نام پر محصولات لگائے جاتے تھے اور اسی کے نام پر جنگیں لڑی جاتی تھیں۔(۱۸۳)

سرکاری منصب اور شاہانہ اختیارات کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کا یہ عالم تھا کہ آشوری بادشاہوں کا تخت سونے کا ہوتا تھا، جس پر بادشاہ جلوہ افروز ہوتے تھے۔(۱۸۴)



Marfat.com

### سلطنتِ روما۔ نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

انسانی تاریخ کے اہم دور یعنی چھٹی صدی عیسوی تک سلطنت روما دو حصوں میں بٹ گئی تھی، مشرقی سلطنت رومہ اور مغربی سلطنت روما۔ مشرقی سلطنت رومہ کو بازنطینی سلطنت کہتے تھے۔ اس کا دارالخلافہ قسطنطنیہ تھا اور بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔ مشرقی سلطنت رومہ مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں بھی بادشاہ وقت مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے ملک پر حکومت کرتا تھا اور اپنے آپ کو ظلِ سبحانی سمجھتا تھا۔ تمام اختیارات اور طاقت کا سرچشمہ شہنشاہ کی ذات ہوتی تھی۔ وہ عدلیہ، انتظامیہ اور فوج کا سربراہ ہوتا تھا، بادشاہ تمام قوانین سے بالاتر سمجھا جاتا تھا۔

### مغربی رومی سلطنت۔ نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

قدیم تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ مغربی رومی سلطنت کا بڑا امتیاز ان کی شہنشاہیت پسندی، استعماری روح اور زندگی کا خالص مادہ پرستانہ نقطۂ نظر تھا۔ رومی رؤسا و امراء اور اونچے طبقے کے لوگ اپنے لیے فارغ البالی اور امارت کی زندگی کا سامان حاصل کرنے کے لیے کسی ظلم و بیدردی کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ (۱۸۵)

### قدیم ایرانی تہذیب۔ نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

تاریخی روایت کے مطابق قدیم ایران تین صوبوں پر مشتمل تھا۔ امتدادِ زمانہ سے تینوں صوبے ایک حکومت کے ماتحت آگئے اور یہ چھٹی صدی قبل مسیح میں دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور سلطنت بن گئی۔ ایرانی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات تھی۔ بادشاہ وقت کو لوگ دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ ایرانی بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ ان میں خدائی خون دوڑ رہا ہے۔ رعایا ان کے آگے سر بہ سجود ہوتی اور ان کی الوہیت کے گیت گاتی تھی۔ لوگوں کے جان و مال پر ان کا مکمل قبضہ ہوتا تھا۔ رعایا کو حکومت کے مقابلے میں کوئی حقوق حاصل نہیں تھے اور ان کی حیثیت غلاموں سے بدتر تھی۔ کسی کو بادشاہ کے افعال کا محاسبہ کرنے کا حق حاصل نہیں تھا، اس کی ذات تک عوام کی رسائی ناممکن تھی۔ ان امور سے ان کی مطلق العنانی اور شاہی اطوار و انداز کا پتا چلتا ہے۔ (۱۸۶)

### قدیم جاپانی تہذیب۔ نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ جاپان میں بادشاہوں نے سورج دیوی کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ دعویٰ سب سے پہلے جیموٹینو نے کیا۔ اہل جاپان کے نزدیک جس طرح سورج دیوی تمام معبودوں کی آقا ہے، اسی طرح بادشاہ بھی تمام جاپانیوں کا مخدوم اور سردار ہے۔ بادشاہ کی ذات ہی مذہب اور سیاست کا مرکز اور محور تھی۔ سورج دیوی کی اولاد ہونے کی حیثیت سے بادشاہ آہستہ آہستہ خدائی درجے پر فائز ہو گیا۔ بادشاہ تمام اختیارات کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ (۱۸۷)

### قدیم چینی تہذیب۔ نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

روم، ایران اور ہندوستان کی طرح چین میں بھی آمریت اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا۔ قدیم چینی تہذیب میں حکومت شخصی، استبدادی اور موروثی تھی، بادشاہِ وقت اہل چین کا فرماں روائے مطلق تھا۔ اسی کو تمام



Marfat.com

اختیارات حاصل تھے۔ اس کا حکم قانون سمجھا جاتا تھا اور اس کا ایوانِ شاہی ملک کی سب سے بڑی عدالت۔ اہلِ چین بادشاہ کو "شہنشاہ فرزندِ آسمان" کہتے تھے۔ (۱۸۸) دنیا کے دیگر ممالک کی طرح چین میں بھی بادشاہت کا دور دورہ تھا۔ چینیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ بادشاہ کا تقرر آسمان کی طرف سے ہوتا ہے۔ (۱۸۹)

## قدیم ہندوستانی تہذیب۔ نظامِ سلطنت اور طرزِ سیاست:

عمرانی و معاشرتی علوم کے ماہرین اور مورخین ہندوستان کی تہذیب کو پانچ ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا دور ویدک کا دور تھا، جو دو ہزار سال قبل مسیح سے لے کر تقریباً چودہ سو سال قبل مسیح تک رہا۔ ہندوستان کے راجہ چاند اور سورج سے اپنا رشتۂ نسب جوڑتے تھے، ملک میں بادشاہت تھی اور بادشاہ ہی تمام اختیارات کا سرچشمہ تھا، اسی کا فرمان حکم کا درجہ رکھتا تھا اور رعایا فرامین شاہی کو بجالانے پر مجبور تھی۔ (۱۹۰) انتہائی قدیم زمانے سے قرونِ وسطیٰ تک ہندوستان میں حاکمیت کا ایک ہی تصور ہمیشہ قائم رہا کہ راجہ ہی سیاسی تنظیم کا سربراہ، خدائی ارادے کا مظہر، دیوتاؤں سے نسلی تعلق رکھنے والا اور اپنے ہم عصر اہلِ فارس کی طرح ہر قسم کی تنقید اور رائے زنی سے بالاتر ہے۔ راجہ ہی تمام طاقتوں کا سرچشمہ اور دیوتاؤں کا مظہر و نائب ہے۔ اس کا حکم قانون ہے، اس کا دربار سب سے بڑی عدالت ہے اور اس کی ذات غلطیوں سے پاک و منزہ ہے۔ (۱۹۱)

## بعثتِ نبویؐ سے قبل دنیا میں اجتماعی ظالمانہ سیاسی نظامِ حکمرانی، جبر و استبداد پر مبنی طرزِ حکومت۔ مختصر جائزہ:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں بھی شہنشاہیت اور آمرانہ نظام ہوگا، وہاں عوام کے حقوق کی پامالی لازمی نتیجہ ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے آمرانہ نظام میں چار برائیاں خاص طور پر نظر آتی ہیں۔

(۱) حکمراں طبقے کے پاس بے پناہ دولت کا ہونا۔ (۲) رعایا پر بھاری ٹیکس۔ (۳) مزدوروں سے بغیر مزدوری ادا کیے جبراً کام لینا۔ (۴) سُود خوری۔

بعثت نبویؐ کے وقت دنیا کی دو شہنشاہیتیں فارس (ایران) اور روم دو عالمی طاقتوں کے طور پر عالمگیر شہرت رکھتی تھیں۔ ان سلطنتوں میں سرکاری مناصب و ذرائع کا کس طرح غیر ذمہ دارانہ، بلاجواز اور ظالمانہ استعمال ہو رہا تھا۔ وہ تاریخ کے صفحات پر مخفی نہیں۔ (۱۹۲)

خسرو دوم نے ۶۰۷ء۔۶۰۸ء میں طیسفون (مدائن) میں اپنے خزانے کو نئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں چھیالیس کروڑ اسّی لاکھ مثقال سونا تھا۔ یعنی سینتیس کروڑ پچاس لاکھ فرانک طلائی (چار ارب اڑسٹھ کروڑ روپے) حکومت کے تیرہویں سال کے بعد اس کے خزانے میں اسّی کروڑ مثقال وزن کا سونا تھا۔ (۱۹۳)

ایک مورخ رومی حکومت کے طرزِ عمل اور اس کی مدات اور آمدنی کے متعلق رقم طراز ہے: "شاہی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور راس المال کا ٹیکس داخل کرے۔ فی کس ایک رقم مقرر تھی، جس کا ادا کرنا لازمی تھا۔ ہر صوبے میں ٹھیکے داروں کی متعدد کمپنیاں قائم تھیں۔ ہر



Marfat.com

کمپنی کے پاس کچھ منشی محصل ملازم تھے، جو اپنے افسروں اور مالکوں کو یہ پیش کرتے اور جس قدر انہیں لینے کا حق ہوتا تھا، اس سے زیادہ وصول کرتے، وہ لوگوں کو راحت اور آسائش سے محروم کرتے اور اکثر انہیں غلاموں کی طرح فروخت بھی کر دیتے تھے۔" (۱۹۴) خسرو پرویز کے پاس بارہ ہزار عورتیں تھیں، پچاس ہزار اصیل گھوڑے، اسی قدر سامان تعیش، محلات نقد و جواہرات تھے۔ مورخین نے فرشِ بہار کی (جس پر بیٹھ کر امرائے ایران موسم خزاں میں شراب نوشی کرتے تھے) تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "یہ ساٹھ گز مربع تھا۔ ایک ایکڑ زمین کو گھیر لیتا تھا، اس کی زمین سونے کی تھی، جس میں جابجا جواہرات اور موتیوں کی گلکاری تھی، چمن تھے، جن میں پھول دار اور پھل دار درخت تھے، درختوں کی لکڑی سونے کی، پتے صریر کے، کلیاں سونے چاندی کی اور پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے، اس کے ارد گرد ہیرے کی جدول تھی۔ درمیان میں نہریں بنائی گئی تھیں اور یہ سب جواہرات کی تھیں۔ موسم خزاں میں تاجدارانِ آل ساسان اس گلشن میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے۔ مال و دولت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ نظر آتا، جو زمانے نے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا۔" (۱۹۵) ظالمانہ سیاسی نظام اور ظلم واستبداد پر مبنی تاریخ کے اس سیاہ ترین دور میں حکمراں طبقے نے مختلف طریقوں سے رعایا کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی تھی کہ بادشاہ کی بادشاہی من جانب اللہ ہوتی ہے۔ چنانچہ بادشاہِ وقت کو یہ اختیار حاصل تھا کہ جس کے بارے میں چاہتا، مقدمہ چلائے بغیر، کوئی جرم ثابت کیے بغیر اس کے لیے موت کی سزا کا حکم جاری کر دیتا۔ (۱۹۶) تاریخ انسانی کے اس تاریک ترین دور میں دنیا کی سپر پاورز (عالمی طاقتوں) ریاستوں یونان، ترکی، فارس، روم، اور حبش کے فرمانروا پر شکوہ خطابات کے ساتھ دنیا کے اجتماعی نظام پر قابض تھے۔ یونان کا شہنشاہ "بطلیموس" کے لقب سے سرفراز تھا۔ ترکوں کا "خاقان" کے لقب سے، فارس کے شہنشاہ کا لقب "کسریٰ" تھا، روم کے شہنشاہ کا "قیصر" اور حبش کے شہنشاہ کا "نجاشی"۔ انسانی سوسائٹی جابر و قاہر شخصی حکومتوں اور غرور سے بھرے ہوئے خطاب یافتہ حکمرانوں کے شکنجۂ ظلم و استبداد میں عدل و انصاف اور انسانی مساوات کے فقدان کے باعث قریب بہ مرگ تھی۔ تاریخ انسانی کے اس دور تاریک پر جسے قرون مظلمہ (DARK AGES) کے تاریخی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مغربی دنیا کا مشہور دانشور جے ایچ ڈینی سن (J.H. DENISON) اس عہد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے! "پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانے پر کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدّت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے، وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان (عدل و انصاف اور مساوات کے فقدان کے باعث) پھر اسی بربریت کی جانب لوٹ جانے والا ہے جس میں ہر قبیلہ اور ہر گروہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائے۔ (۱۹۷)

معروف عرب محقق ڈاکٹر صبحی محمصانی اس عہد کے نظامِ عدل و انصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں! اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کے اقتدار پر موقوف تھا اور کبھی یہ مصداق جس کی لاٹھی اس کی بھینس، انفرادی اقتدار پر بھی۔ (۱۹۸) زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بدوی قبائل میں کوئی حکمراں، کوئی حکومت نہ تھی، کوئی عدالت بھی نہیں ہوا کرتی تھی، لہٰذا کسی شخص کو انصاف حاصل کرنے کے لئے کسی کے پاس جا کر شکایت کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مظلوم کیا کرے "دست خود دھان خود" ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے ظالم سے بدلہ



Marfat.com

لے گا۔ اگر ظالم کمزور ہوتو بدلہ آسان تھا لیکن اگر ظالم قوی تر ہوتو کمزور کے لئے کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ انصاف حاصل کر سکے۔(۱۹۹)

## "میثاقِ مدینہ": عدل و مساوات پر مبنی طرز سیاست و جمہوریت کا تاریخ ساز شاہکار:

یہ تاریخ ساز معاہدہ دنیا کے عظیم سیاسی مدبر، محسن انسانیت، سید عرب و عجم، شاہ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عدل و مساوات پر مبنی سیاست و حکمرانی کا بے مثال شاہکار ہے۔ اس تاریخ ساز دستاویز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدالتی، تشریعی، فوجی اور تنفیذی اختیارات اپنے لئے محفوظ فرمالئے مگر ایک نہایت اہم اور قابلِ ذکر فرق اس اقتدار و دیگر ممالک کے مستبدانہ شاہی اقتدار میں یہ تھا کہ یہاں مادیت کو دخل نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست میں اخلاقی عناصر داخل کئے۔ اصل سر چشمۂ اقتدار ذات واحد اللہ تعالیٰ کو قرار دیا تو اپنے آپ کو اس کا رسول اور نائب، اور ساتھ ہی امت کے لئے لائے ہوئے احکام اپنے اوپر بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیئے۔ اور عہدِ نبویؐ میں ذات اقدسؐ کے خلاف دیوانی اور ٹارٹ ضمان کے جو مقدمات دائر ہوئے، ان کی موجودگی میں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے (KING CAN DO NOT WRONG) حاکم وقت (بادشاہ) کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا کو مسترد کر دیا۔ اور جب مملکت کا قوی ترین شخص قانون کی خلاف ورزی پر عدالت کی دارو گیر سے محفوظ نہ رہے تو دیگر عہدیدار اور عام لوگ بھی تعمیل زیادہ توجہ کے ساتھ کریں گے۔(۲۰۰)

چناں چہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ زمانۂ قدیم میں رعایا کا یہ حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے حکام اور بادشاہوں کے اعمال کا محاسبہ کریں۔ حاکم و محکوم کا تعلق آقا و غلام کی طرح تھا، حاکمِ وقت اپنی سیاست و حکمرانی اور اختیارات کے استعمال میں پوری طرح آزاد اور مطلق العنان ہوتا تھا، وہ رعایا کے ساتھ جو چاہتا، سلوک کرتا تھا۔ مملکت ایک موروثی جائیداد سمجھی جاتی تھی، جو دوسرے اموال کی طرح ورثے میں منتقل ہوتی تھی۔ اسلام نے پہلی مرتبہ یہ تصور دیا کہ ارباب حکومت محض امین و اجیر کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کا کام بس یہ ہے کہ وہ امانت و دیانت کے ساتھ قوم کے مفادات کی نگرانی کریں۔ چنانچہ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ یہ صورت پیش آئی کہ (عہد فاروقی میں) محکوم نے حاکم اور خلیفۂ وقت سے برسر مجلس یہ پوچھا، جو لباس آپ نے پہن رکھا ہے، وہ کہاں سے آیا ہے؟ اور حاکم نے اس شخص کو نہ پھانسی کی سزا دی، نہ اسے قید میں ڈالا اور نہ جلاوطن کیا بلکہ اپنی صفائی پیش کی اور پوزیشن واضح ہو جانے پر سائل اور دوسرے سب لوگ مطمئن ہو گئے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ واقعہ بھی رونما ہوا کہ رعایا میں سے ایک نے صدر ریاست کو یوں مخاطب کیا "اے اجیر!" اس پر امیر نے تسلیم کیا کہ وہ اجیر ہے اور ایک اجرت پر کام کرنے والے کی طرح اخلاص کے ساتھ قوم کی خدمت کرنا اور خیر خواہی کے ساتھ امانت کا حق ادا کرنا اس کا فرضِ منصبی ہے۔ اسلامی تہذیب نے اس اصول کا اعلان کیا اور عملاً اسے نافذ اور منطبق کر کے دکھایا۔(۲۰۱) حقیقی جمہوریت پر مبنی یہ حریت فکر و ضمیر کی روح تھی، جو ان تمام اقوام میں پھونکی گئی، جو اسلامی معاشرے کے گرد و نواح میں آباد تھیں۔ ان سب نے آہستہ آہستہ کروٹ لی، متحرک ہوئیں، وہ آمادۂ انقلاب ہوئیں اور آخر کار اپنے بندھنوں سے آزاد ہو کر رہیں۔



Marfat.com

پورے یورپ میں یہی کچھ ہو کر رہا۔ صلیبی جنگوں کے دوران یورپ کے پیروکار بلادِ شام میں داخل ہوئے، اس سے پہلے وہ اندلس کی خلافت میں اس بات کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ عوام حکام پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں اور حکام کسی غیر کے سامنے نہیں، اپنی قوم کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یورپ کے حکمرانوں نے دیکھا کہ مسلمان حکام کسی خاص فرد یا طبقے کے ماتحت ہونے کے بجائے پوری قوم کے سامنے مسؤل ہیں اور اس کے برعکس وہ، رومن ایمپائر کے ماتحت ہیں، جب تک وہ روم کی مذہبی سیادت کو تسلیم نہ کریں، تو آئے دن انہیں ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب یہ اپنے ملکوں میں واپس لوٹے، تو انہوں نے رومی اقتدار کے خلاف بغاوت کی، حتیٰ کہ اس سے آزاد ہو گئے اور اس کے بعد ان بادشاہوں کے خلاف ان کے اپنے ہم قوموں نے بغاوت کی، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی گردنیں آزاد کرالیں۔ انقلابِ فرانس اس کے بعد وقوع پذیر ہوا ہے اور اس نے کسی ایسے نئے اصول کا اعلان نہیں کیا جس کا اعلان چودہ سو سال پہلے ہماری تہذیب نہ کر چکی ہو۔(۲۰۲)

## بعثت نبویؐ: جبر و استبداد پر مبنی ظالمانہ سیاسی نظام کے خاتمے اور مثالی اسلامی فلاحی مملکت کا نقطۂ آغاز:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے آخری فرض تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان تھا۔ چناں چہ حجۃ الوداع میں آپؐ نے بلیغ الفاظ میں اس کا اعلان فرمایا: {الیوم استدار الزّمان کھیئتہٖ یوم خلق اللہ السّمٰوٰت والأرض} (۲۰۳) زمانہ ہر پھر کے اسی مرکز پر آگیا، جس پر وہ اس دن تھا، جس دن اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان انقلاب تھا، جس نے تمام خود ساختہ قوانین، سیاسی تکلفات، خود ساختہ روایات اور مظالم سے لبریز شاہانہ نظام ہائے سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا، اس انقلاب نے نہ صرف کسریٰ و قیصر کی شخصیتوں کا خاتمہ کر دیا، بلکہ خود کسرویت اور قیصریت کو صفحۂ ہستی سے فنا کر دیا۔ یہ پیش گوئی ان الفاظ میں ظاہر ہوئی۔

{اذا ھلکٙ کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و اذا ھلکٙ قیصر فلا قیصر بعدہ} جب کسریٰ ہلاک ہو گیا، تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں اور جب قیصر ہلاک ہو گیا، تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔(۲۰۴) اور اس کے بعد ایک ایسی عادلانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا قانون خدا کا قانون، جس کی حکومت خدا کی حکومت اور جس میں ہر شخص ایک طرح سے خود ہی اپنا حاکم اور خود ہی اپنا محکوم تھا۔

علامہ سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: "دنیا میں ریاست و حکومت اور سلطنتوں کے بانیوں کا مقصد قیام سلطنت کے سوا کچھ نہیں ہوتا، لیکن اسلام جو سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا، وہ بجائے خود مقصود بالذات نہ تھی، بلکہ اس کے ذریعے دنیا کے تمام ظالمانہ نظام ہائے سلطنت کو مٹا کر جن میں خدا کے بندوں کو بندوں کا خدا ٹھہرا دیا گیا تھا، اس کی جگہ خدا کے فرمان کے مطابق ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا مقصود تھا، جس میں خدا کے سوا نہ کسی دوسری ارضی و سماوی طاقت کی سلطنت ہو اور نہ کسی دوسرے کا قانون رائج ہو اور جس میں فرماں روا افراد کی شخصیت، قومیت، زبان، نسل، وطن اور رنگ سے اسے تعلق نہ ہو، بلکہ اس کی جدوجہد کا سارا منشا سلطنت کے قانون، طرزِ سلطنت، طریق حکومت اور عدل وا



Marfat.com

نصاف اور احکام کے حق و باطل سے ہو۔" (۲۰۵)

## بعثتِ نبویؐ... اسلامی فلاحی مملکت کے قیام کا پیش خیمہ:

سرورِ کائنات، سید عرب و عجم، سرکارِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے اوصاف اور اجتماعی برکات پر جس قدر غور کیا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان شخصیت نگاہِ عقیدت کے سامنے آراستہ ہو جاتی ہے۔ چھٹی صدی عیسوی سے پہلے بڑے بڑے فرماں روا پر شکوہ خطابات کے ساتھ دنیا کے اجتماعی نظام پر قابو پا کر نام پیدا کر چکے تھے، یونان کا شہنشاہ بطلیموس کے لقب سے سرفراز تھا، ترکوں کا خاقان کے لقب سے، فارس کے شہنشاہ کا لقب کسریٰ تھا۔ روم کے شہنشاہ کا قیصر اور حبش کے شہنشاہ کا نجاشی۔ انسانی سوسائٹی جابر و قاہر شخصی حکومتوں اور غرور سے بھرے ہوئے خطاب یافتہ حکمرانوں کے شکنجے میں قریب بہ مرگ تھی، ایسے شدید اور صبر آزما زمانے میں پیغمبر اعظم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفۃ اللہ کے پاکیزہ خطابات سے سرفراز ہو کر مبعوث ہوئے۔ اہل دنیا کو معلوم ہوا کہ دنیا کے سچے اور صحیح اجتماعی تصورات پہلی مرتبہ حقیقی انسانیت اور مثالی عمومیت کے مفہوم سے آشنا ہو رہے ہیں۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی پر جس قدر غور کرتے ہیں، ہمیں اس زندگی کا ہر دور ابتداء سے انتہا تک فیصلہ کن واقعات سے بھرپور نظر آتا ہے۔ دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، یکایک آفتابِ اسلام طلوع ہوا، دنیا کی قسمت جگمگا اٹھی۔ دنیا بدی اور بدکاری میں مبتلا تھی، یکایک کونین کے سردار اور دین و دُنیا کے رہنمائے اعظم، سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ اہل دنیا کی تقدیر کے سیاسی نوشتے سیاہ سے سنہرے ہو گئے، دنیا انصاف سچائی اور خوف خدا کے مطمع نظر سے دُور تھی، یک بیک خدا کے محکم قوانین کا مجموعہ، حکمت اور سیاست و سلطنت کا بے نظیر دستور (قرآن مسطور) انسان کے دل و دماغ پر نازل ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے انسانیت عامہ کے تمام فطری احکام ایک ایک کر کے بروئے کار آ گئے۔ پہلے روئے زمین کے سردارؐ کا ظہور ہوا۔ اس کے بعد فطری قوانین نے اپنی جھلک دکھائی اور اس کے فوراً بعد ایک اُمت کی تشکیل عمل میں آئی جس کا کام ساری قوموں کو ایک کرنا، ایک کر کے ایک انسانیت عامہ کے عقیدے پر جمع کرنا اور دنیا جہاں کی واحد حکومت قائم کرنا تھا، جب ہمارے نظام کا سردار پیدا ہو گیا، تو دنیا کے تمام پرانے نظام ٹوٹ پھوٹ گئے، پچیس سال کی مدت میں دنیا بدل گئی، ایک بڑی اور بے مثال تبدیلی رونما ہوئی، جس نے مدت کے تصوراتِ زمانہ دراز کے خیالات، عرصے کی تنظیمات اور سالہا سال کے ظلم و جبر اور استبداد کی علمبردار قوموں اور حکومتوں کو ختم کر دیا، ساری عمر کے دشمن دوست ہو گئے۔ صدیوں کے جنگجو قبائل ایک امت بن گئے۔ تمام بھلائیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور برائیوں کی ہر عمارت اپنی بنیادوں پر بیٹھ گئی۔ اسلام کا دور شروع ہوا، اسلام کا نظام قائم ہوا، اسلامی حکومت کی تاسیس عمل میں آئی، جو دنیا میں سب سے برے تھے، سب سے اچھے ہو گئے، جو لوگ برے کاموں کے لیے مشہور تھے، ان کے سارے کام اچھے ہونے لگے، خدا کی شان کہ پلک جھپکتے ہی ساری دنیا میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ اس سے بہتر انقلاب نہ تاریخ نے دیکھا اور نہ اسلام سے علیحدہ ہو کر آئندہ تاریخ دیکھے گی۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک و مسعود زندگی سے نگاہوں کو آسودہ کیا



Marfat.com

جائے تو یہ معلوم ہو گا کہ آپؐ کی پیغمبرانہ زندگی میں ابتداہی سے سیاسی آثار موجود تھے اور ان سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ آپؐ کی عظیم و جلیل ہستی دو باتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ "اسلام دنیا کی سب سے بڑی اور فاتح طاقت ہے اور انسانیت کا مفاد عامہ صرف اسلام سے وابستہ ہے۔" (۲۰۶) خدا کا مقرر کیا ہوا یہ دستور نا قابلِ تغیر و تبدل ہے۔ یہ قیامت تک کے لیے اٹل دستور ہے۔ اسلامی ریاست جب قائم ہو گی، اسی دستور پر قائم ہو گی۔ (۲۰۷)

## اسلامی ریاست کے قیام کا حقیقی مقصد:

اس دستور کی حدود کے اندر جو ریاست بنے اس کے لیے ایک مقصد بھی خدا نے متعین کر دیا ہے اور اس کی تشریح قرآن میں متعدد مقامات پر کی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۲۰۸)

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں زبردست طاقت ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی واضح ہدایات اور اپنی کتاب میں جو میزان ان کو دی ہے، یعنی جس ٹھیک متوازن نظام زندگی کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی ہے، اس کے مطابق اجتماعی عدل (Social Justice) قائم کریں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاٰتَوُا الزَّكَاةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (۲۰۹) یہ وہ لوگ ہیں، جن کو اگر ہم زمین میں تمکن و حکومت عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے۔

ایک اور جگہ فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۲۱۰) تم وہ بہترین جماعت ہو، جسے نوع انسانی کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن جس ریاست کا تخیل پیش کر رہا ہے، اس کا مقصد سلبی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایجابی مقصد اپنے سامنے رکھتا ہے، اس کا مدعا صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکے، ان کی آزادی کی حفاظت کرے اور مملکت کو بیرونی حملوں سے بچائے، بلکہ اس کا مدعا اجتماعی عدل کے اس متوازن نظام کو رائج کرنا ہے، جو خدا کی کتاب پیش کرتی ہے، اس کا مقصد بدی کی ان تمام صورتوں کو مٹانا اور نیکی کی ان تمام شکلوں کو قائم کرنا ہے، جن کو خدا نے اپنی واضح ہدایات میں بیان کیا ہے۔

اس کام میں حسب موقع و محل سیاسی طاقت بھی استعمال کی جائے گی۔ تبلیغ و تلقین سے بھی کام لیا جائے گا، تعلیم و تربیت کے ذرائع بھی کام میں لائے جائیں گے اور جماعتی اثر اور رائے عامہ کے دباؤ کو بھی استعمال کیا جائیگا۔ (۲۱۱) اس نوعیت کی ریاست ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کر سکتی۔ یہ ہمہ گیر ریاست ہے۔ اس کا دائرہ



Marfat.com

عمل پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ یہ تمدن کے ہر شعبے کو اپنے مخصوص اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس میں شخصی آزادی سلب نہیں کی جاتی اور نہ اس میں آمریت پائی جاتی ہے۔ اس معاملے میں جو کمال درجے کا اعتدال اسلامی نظام حکومت میں قائم کیا گیا ہے اور حق و باطل کے درمیان جیسی نازک اور باریک سرحدیں قائم کی گئی ہیں، انہیں دیکھ کر ایک صاحب بصیرت آدمی کا دل گواہی دینے لگتا ہے کہ ایسا متوازن نظام حقیقت میں خدائے حکیم و خبیر ہی وضع کر سکتا ہے۔

**مثالی جمہوری روایات پر مبنی اسلام کے نظام حکومت کا مختصر خاکہ:**

☆... حکومت دینی نظام ہے، محض دنیاوی تنظیم نہیں۔

☆... دین اصل فطرت انسانی پر مبنی ہے اور انسانی فطرت کے تمام روحانی، مادی، سیاسی میلانات اور سرگرمیوں پر حاوی ہے۔

☆... اسلام (دینی نظام) کی حیثیت سے عین فطرت ہے۔ زندگی کا وہ مکمل اجتماعی دستور جو روح کی امداد سے منجانب اللہ مادہ پر حکومت کرتا ہے اور وجود واجب کو مادہ پر حاوی مانتا ہے اور انسان کو روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے ارتقاء پزیر تسلیم کرتا ہے "اسلام" ہے۔

☆... حکومت فطری (خدائی) تنظیم ہے اور فطرت کے ان اساسی قوانین کی علمبردار ہے جن کی سرحدوں پر انسانی بہتری ترقی اور معراج کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں جو عینی طور پر خدا کے اصل قوانین ہیں اور اس حیثیت سے ہر نقص اور ہر اعتراض سے پاک ہیں۔

☆... اللہ دنیا کا خالق ہے، اللہ دنیا کا مالک ہے، وہ عرش عظیم کا پروردگار اور عرشِ عظیم کا شہنشاہ اعظم ہے، دنیا کا حاکم مطلق ہے، حکومت اس کے حکم (مجموعۂ احکام کی تعمیل) کا نام ہے اور قانون اس کے مستند، معتبر اور ہمیشہ باقی رہنے والے فرامین کا نام ہے۔ وہ انسان کا، حکومت کا، قانون کا یکساں موجد ہے۔

☆... انسان کی اصل پیدائش (دین) فطرت (فطری نظام) پر ہوئی ہے۔ اس کے پیدا کرنے والے نے اسے حسن و خوبی کے معیار اصلح اور نمونہ احسن پر پیدا کیا ہے۔ صالح اور صلاحیت مند انسان (کامل اور نیکوکار انسان) خدا کی زمین پر خدا کی حکومت کے وارث اور نائب (خلیفۃ اللہ فی الارض) بنائے جاتے ہیں۔

☆... اصل حکومت اللہ کی ہے۔ انسان کو خدائی حکومت کی ذمے داری سپرد کی گئی اور یہ ذمے داری نیابتی حق ہے، خداوندی میراث ہے، امامت کبریٰ (قیادتِ عظمٰی) ہے۔ امارت شوریٰ (ریاست عمومی اور ریاست عامہ) ہے۔ خلافت راشدہ (تمام دنیا کے لیے اعلیٰ سیاسی کردار کا نمونہ) اچھے انسانوں کی اچھی نیابتی حکومت ہے۔ ایک عظیم الشان آسمانی امانت ہے، جس کا امین انسان کو بنایا گیا ہے (مالک نہیں بنایا گیا) خلافت ارضی روئے زمین کی عالمگیر حکومت ہے، مملکت عظمٰی (معمورہ ارضی کا عظیم و جلیل سیاسی قلم رو) ہے۔

☆... اس حکومت میں بادشاہ، تاج و تخت، شاہی محل اور شاہی ولی عہد نہیں ہوتے، صدر جمہوریہ اور اس



Marfat.com

کے سرمایہ دار اعیان نہیں ہوتے، ڈکٹیٹر اور ان کے قابو یافتہ ارکان کا وجود نہیں ہوتا۔ قوم نہیں ہوتی، اقوام نہیں ہوتیں۔ شیر ازہ بند انسانی برادری (امتِ عظمیٰ) ہوتی ہے اور ان کا امام (رہنمائے اعظم) ہوتا ہے اور ان دونوں کا وجود خدا کے قانون کا سایہ ہوتا ہے۔

☆... اس حکومت کا سیاسی منتہائے خیال یہ ہے کہ انسان، انسان کامل بن جائے، ترقی کرے اور ترقی کرتا رہے۔ اس کے دائرے میں صالح فرد، صالح امت کو پیدا کرتا ہے اور صالح امت صالح فرد کو۔ اس طرح سیاسی معاشرہ معراج آخرت تک ارتقاء کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ جب اس تخلیقی ترتیب میں فرق پیدا ہوتا ہے تو حکومت میں بھی فساد، تباہی، انقلاب رونما ہو جاتا ہے۔

☆... اسلامی مملکت کا حاکم یا امام وہ ہوتا ہے، جو خیر امت ہو۔ امت کا لقب اسے حاصل ہوتا ہے، جو خود خیر امت ہو یعنی ساری دنیا کی قوموں میں سب سے بہتر امت ہو۔

☆... امت "شوروی تنظیم" ہے۔ رائے عامہ میں رائے دہی میں آزاد ہے، مگر یہ آزادی کتاب اللہ کے قانون کے بعد ہے اس سے پہلے نہیں۔

☆... امام (رہنمائے حکومت) شوریٰ کا پسندیدہ اور مرضی عامہ کا مظہر اتم ہے۔ اس لیے اجتماعی طاقت کا زبردست نمائندہ ہے۔ اس کا درجہ جمہوریت کے صدر اور ڈکٹیٹر شپ کے ڈکٹیٹر کے درمیان ہے، نہ وہ سو فیصدی شوریٰ سے فیصلہ حاصل کرنے کا پابند ہے اور نہ شوریٰ کو سو فیصدی نظر انداز کرنے والا آمر بلکہ امیر ہے۔ اسلامی کارپوریشن کا میئر۔

☆... عناصر ترکیبی۔ امام (فرمانروائے اعظم کا نائب)۔

☆... تمام انسان انسانی حقوق میں برابر ہیں کوئی شخص کسی دوسرے پر حاکم نہیں۔ حاکم ایک مافوق الطبیعت بالادست، بالاتر ہستی ہے، جس نے عرش کی بلندی سے قانون مساوات جاری کیا ہے۔ روٹی، کپڑا، مکان، ہوا، پانی، چراگاہ سب کا حق ہیں۔ حکومت کا رہنما یہ دیکھنے پر مامور ہے کہ رات سے پہلے مملکت کے تمام انسان ان میں سے کسی چیز سے محروم تو نہیں رہے۔

☆... زمین کی تمام پیداوار اور تمام انسانوں کی ملک ہے۔ شخصی (اصطلاحی) ملک ایک اشتراکی امانت ہے، جس پر رفع نزاع کے لیے قبضہ کو علت قرار دے دیا گیا، ورنہ ہر انسان اپنی ضرورت کے مطابق مالک، باقی امانت ہے یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود زائد مال رکھنا قانوناً مکروہ ہے، بعض صحابہ کے نزدیک حرام ہے۔ خلفائے راشدینؓ اس سے ہمیشہ مجتنب رہے۔

☆... امن حقیقی شے اور جنگ جوابی۔ ☆... ہر نیکی قانون کا منشا ہے اور ہر برائی منشائے قانون سے خارج ہے۔ ہر جرم کی سزا ہر ایک کے لیے یکساں ہے۔ یہ قانون ہے اور قانون سے زیادہ حکمت عملی۔ ☆... ضمیر اور عقیدہ آزاد ہے۔ اسلام اپنی آزاد روحانی قوتوں سے دنیا کے ضمیر کو فتح کرتا ہے اور تلوار کو میان میں رکھتا ہے۔ جب جنگجو قومیں اور سازشی طاقتیں اپنے مرکز میں سازشیں کرتی ہیں، تو قانون جہاد سامنے آجاتا ہے اور ان طاقتوں کو جارحانہ



Marfat.com

حملہ کرکے ان کی سرحدوں کے اندر شکست دی جاتی ہے۔ ☆... نظامِ شمسی کی طرح نظام دنیا ایک وحدت ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کے عناصر عقل سے محروم ہیں اور اس کے عناصر عقل سے سرفراز ہیں۔ یہ دنیا ایک ہے۔ اس کا خالق ایک ہے، اس کا مذہب اور حکومت بھی ایک ہونی چاہیے۔ زمین انسان کا وطن ہے، تمام انسانوں کو اپنی سلامتی، ترقی، بہتری، کامیابی اور نجات کے لیے ایک ہونا چاہیے۔ ستارے اپنی اپنی جگہ خدا کی قدرت سے سورج کے حکمبردار ہیں۔ انسان کو ایک خدا کا حکمبردار (مسلمان) ہونا چاہیے اور دنیا کو فتح کرکے ایک کر دینا چاہیے۔ سب سے اشرف وہ ہے، جو سب سے زیادہ نیکوکار ہو۔(۲۱۴)

## اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات و امتیازات:

اسلام کے تصور پر قائم کردہ ریاست ایک مخصوص اخلاقی نظام کی حامل ہوتی ہے۔ اس میں حکومت کرنا اور اقتدار پر متمکن ہونا مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ ریاست کا مقصدِ وجود اسلام کے اصولوں کی علم برداری ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ ایک صفاتی ریاست ہے۔ ان صفات میں سے چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے۔

☆... اسلامی ریاست میں حاکمیت اعلیٰ قوم یا چند افراد کی نہیں، بلکہ اللہ رب العالمین کی تسلیم کی جاتی ہے۔ قوم اور اس کے قائدین حاکمیت کd بجائے خلافت کا مقام قبول کرکے اپنے فرائض بندگی انجام دیتے ہیں۔ ☆... اسلامی ریاست کا نظام مشاورت کے اصولوں پر چلایا جاتا ہے۔ حکومت کا بننا اور بدلنا عوام کی رائے پر موقوف ہوتا ہے۔ وہ عوام جو خود بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے تابع اور پابند ہوتے ہیں۔ ☆... اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے، اس نظریے پر ایمان رکھنے والے کارکن ہی اس ریاست کو چلا سکتے ہیں۔ یہ ملازمتیں فراہم کرنے والا ادارہ نہیں، بلکہ نظریات کے نفاذ اور سیرت و کردار کی تشکیل کرنے والا ادارہ ہے۔ ☆... یہ رنگ و نسل اور زبان و علاقے کی عصبیتوں سے بالاتر ریاست ہوتی ہے، جس میں اسلامی عصبیت کے سوا دوسری کسی عصبیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ☆... اس ریاست میں سیاست اور اس کے تمام تقاضوں کو اخلاق، انصاف، شرافت اور دیانت و امانت کے تابع رکھا جاتا ہے اور اس کی روح خدا ترسی پر مبنی ہوتی ہے۔ ☆... یہ ریاست نیکیوں کو فروغ دینے اور برائیوں کا استیصال کرنے کے لیے قائم کی جاتی ہے۔

☆... اس ریاست میں فرد کو پوری آزادی ہوتی ہے، لیکن اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بالاتر قانون کے ماتحت اور حکومت اور اس کے عمال کو پورے اختیارات ہوتے ہیں، لیکن اللہ کے بالاتر قانون اور مشاورت کی پابندیوں کے ساتھ۔ ☆... اسلامی ریاست میں عوام کے درمیان عدل کا قیام، مسلمانوں کے اندر مساوات کا فروغ، ذمہ دارانہ جمہوری اداروں اور عوام کے سامنے جواب دہی کا اہتمام، انتظام مملکت میں عوام کے نمائندوں کی آراء سے استفادہ، نیکیوں کا فروغ، برائیوں کا استیصال، اقتدار کی ہوس اور کشمکش سے پاک و صاف ماحول کا اہتمام ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ ☆... یہ ریاست فطرتاً کمزوروں، ضعیفوں، مسکینوں اور مظلوموں کی پشت پناہ ہوتی ہے۔ ☆... اس ریاست میں معاوضوں کا تعین صلاحیت اور محنت کے توازن کا اہتمام کرتے ہوئے اصول کفالت پر کیا جاتا ہے۔



Marfat.com

ریاست اور سیاست کے معاملات میں اسلام کا ایک احسان یہ ہے کہ اس نے ان چیزوں کو بھی عبادت بنا دیا۔ اسلام سے پہلے ان معاملات میں درندگی، ظلم و جور، جوڑ توڑ، سازشوں اور بے انصافیوں کا دور دورہ تھا اور سیاست کے میدان میں نیک و بد اور گناہ و ثواب کی تمیز روا نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہی معیار کامیابی تھا اور آج کی دنیا میں بھی سیاست ان غلط اندیشوں سے اپنا دامن پاک نہیں کر سکی ہے، لیکن اسلام نے بتایا کہ جو لوگ ریاست و حکومت کے کاموں کو دیانت و امانت اور اخلاقی تقاضوں اور انسان دوستی کے جذبات کے ساتھ انجام دیں، وہ بھی حسن جزا کے مستحق ہیں اور اسی طرح مستحق ہیں، جس طرح نماز، روزے اور دوسری عبادتوں کے انجام دینے والے مستحق ہیں۔ اسلام کے نزدیک معیارِ عظمت تقویٰ ہے اور یہ معیار حاکم و محکوم سب کے لیے یکساں ہے۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد ذمہ دار اور جواب دہ ہے اور ایک طرف راعی انصاف کرنے کا پابند ہے تو رعایا بھی اپنی حدود میں عدل و اعتدال سے تجاوز نہ کرنے کی ذمے دار ہے۔

## اسلامی فلاحی ریاست کی نظریاتی اساس اور بنیاد:

### (ا) اصولی اور نظریاتی ریاست:

اسلامی ریاست کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے۔ اس ریاست کی بنیاد نہ نسل پر ہے اور نہ رنگ پر، نہ زبان پر ہے اور نہ وطن پر، نہ محض معاشی مفاد کا اشتراک اس کی اساس ہے اور نہ محض سیاسی الحاق۔ اس ریاست کی اصل بنیاد یہ ہے کہ یہ اسلامی نظریۂ حیات کی علم بردار، اسے تابع اور اس کو قائم کرنے والی ہے۔ جو ریاست اللہ کی سیاسی حاکمیت کا اعلان کرے اور اس کے قانون کو نافذ کرنے والی بنے وہ اسلامی ریاست ہے۔(۲۱۳)

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو　　جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلامی ریاست کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک نظریاتی ریاست ہے اور ایک ایسے اصول کی داعی ہے جو تمام انسانوں کے لیے یکساں ہے۔

"سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ مسلمان وہ ہیں کہ اگر ہم نے انہیں زمین میں صاحبِ اقتدار کر دیا تو وہ نماز قائم کریں گے، ادائے زکوٰۃ میں سرگرم رہیں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے، برائیوں سے روکیں گے اور تمام باتوں کا انجام کار خدا کے ہاتھ میں ہے۔(۲۱۴)

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ(۲۱۵) ہم نے اپنے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) اتاری، تاکہ انسان انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے اتارا لوہا (ریاست کی قوت و جبروت) جس میں سخت خطرہ ہے اور لوگوں کے لیے بہت فوائد بھی ہیں۔ تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس (کے دین) کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے۔



Marfat.com

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں حکومت کا مقصد دین کو قائم کرنا، اللہ کی کتاب کے مطابق انصاف قائم کرنا، نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔ یہ ریاست ایک نظریاتی اور مقصدی ریاست ہے اور اس کی اصل ذمہ داری اس اصول کی سربلندی ہے جسے قائم کرنے کے لیے یہ وجود میں لائی جاتی ہے۔(۲۱۶)

## شورائی اور جمہوری ریاست:

اسلامی ریاست کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک شورائی اور جمہوری ریاست ہے، اس میں تمام انسان برابر ہیں اور رنگ نسل، نسب کسی بنیاد پر کسی خاص گروہ کو کوئی تفوق حاصل نہیں۔ وحدت آدم اور انسانی مساوات اس کے بنیادی اصول ہیں۔ قیادت کی ذمہ داری ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو پوری ملت کے معتمد علیہ ہوں۔ ارباب امر تمام امور سلطنت میں بنیادی پالیسی باہم مشورے سے طے کرتے ہیں اور نظام حکومت کو جمہور کی مرضی کے مطابق چلاتے ہیں۔ نیز تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور ان کی ذمے داریاں متعین ہیں۔ حکومت خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان حقوق کی ادائیگی کی ذمہ دار ہے اور ان میں کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتی۔ اسلامی ریاست کا مزاج نہ آمریت کو گوارا کرسکتا ہے اور نہ موروثی شہنشاہیت کو۔ اس کا مزاج خالص جمہوری اور شورائی ہے۔(۲۱۷) اسلامی جمہوریت کی پہلی بنیاد انسانی مساوات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً (۲۱۸) اللہ نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔

ایک مقام پر فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَّأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (۲۱۹)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ و قبائل بنا دیا تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ۔ مگر درحقیقت معزز تو تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللّٰھمّ ربّنا و ربّ کلّ شئی انا شہید انّ العباد کلّھم اخوۃ" (۲۲۰) اے ہمارے اور ہر چیز کے رب! میں گواہی دیتا ہوں کہ سارے انسان بھائی بھائی ہیں۔

فتح مکہ کے بعد جو خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، وہ یہ تھا: "خوب سن رکھو کہ فخر و ناز کا ہر سرمایہ، خون اور مال کا ہر دعویٰ آج میرے قدموں کے نیچے ہے۔ اے اہل قریش! اللہ نے تمہارے دور جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کی بزرگی کے ناز کو دُور کر دیا۔ اے لوگو! تم سب آدم (علیہ السلام) سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ نسب کے لیے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں اور حاکم اور محکوم، صاحبِ امر اور مامور میں اسلام کوئی تمیز نہیں کرتا۔ قانون سب کے لیے ایک ہی ہے۔ ایک بار ایک معزز خاتون کو چوری کی سزا میں قطع ید کی سزا دی جانے والی تھی، کچھ صحابہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سفارش کو غصہ سے رد



Marfat.com

کر دیا اور فرمایا: "والذی نفس محمد بیدہ لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت یدھا"۔ (۲۲۱) اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمدؐ نے بھی چوری کی مرتکب ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ ضرور کاٹ دیتا۔ یہ ہے وہ معیاری قانون اور معاشرتی مساوات جس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی جمہوریت کی دوسری بنیاد ارباب اختیار کا معتمد علیہ ہونا ہے۔ یعنی یہ کہ ریاست کی ذمہ داریاں ان کو سونپی جائیں جو اس کام کے اہل ہوں اور جن پر لوگوں کو اعتماد ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تمہارے بہترین امام اور قائد وہ ہیں، جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں اور تم ان کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تم کو دعائیں دیتے ہوں اور تم میں بدترین رہنما وہ ہیں، جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہوں اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو۔" (۲۲۲)

اسلامی جمہوریت کی تیسری بنیاد شوریٰ ہے۔ یعنی مسلمانوں کے معتمد علیہ افراد تمام امور سلطنت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے مطابق مسلمانوں کے مشورے کی روشنی میں طے کریں، اللہ تعالیٰ خود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (۲۲۳) اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ شہادت دیتے ہیں کہ: "ما رأیتُ احداً اکثر مشورۃ لاصحابہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم "(۲۲۴) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔ عام اولی الامر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور ان کے امور آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

خطیب بغدادی حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ: "میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے جس کے متعلق نہ قرآن میں کچھ اترا ہو اور نہ آپؐ سے کوئی بات سنی گئی ہو، تو ہم کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا میری اُمت میں سے عبادت گزار اور اطاعت شعار لوگوں کو جمع کرو اور اسے آپس کے مشورے کے لیے رکھ دو، اور کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔" (۲۲۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث میں اسلامی معاشرے کی صحیح حالت کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: "جب تمہارے حکام تم میں نیک اور صالح ہوں، تمہارے اہل ثروت تم میں فیاض ہوں اور تمہارے امور باہم مشورے سے طے ہوں۔" (۲۲۶) اس لیے علمائے قانون نے یہ کہا ہے کہ شوریٰ اسلامی نظام کی روح اور اس کا ایک لازمی جزو ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے مشہور عالم قانون عبدالحق بن غالب بن عطیہ لکھتے ہیں: "انّ الشوریٰ ھی من قواعد الشرعیة و عزائم الاحکام"۔ (۲۲۷) شوریٰ شریعت کے قوانین اور محکم احکام میں سے ہے۔ مشاورت کا یہ حکم ہر اہم معاملے اور اس کی ہر منزل کے لیے ہے۔ اس کی شکل کیا ہو؟ اس کا تعین ہر زمانے کے حالات کے مطابق کیا جائے گا، لیکن اس کی روح یہ ہے کہ مشورہ ان لوگوں سے کیا جائے، جو اہل حل و عقد ہوں، فہم و بصیرت رکھتے ہوں اور لوگوں کے معتمد علیہ ہوں۔ مسلمانوں کے تمام اجتماعی کام مشورے سے طے ہوں اور کوئی شخص اپنی من مانی نہ کرے، کوئی اجتماعی کام جتنے لوگوں سے متعلق ہو، مشورے میں ان سب کو یا ان کے نمائندوں کو شریک کیا جائے اور مشورہ آزادانہ، بے لاگ اور مخلصانہ



Marfat.com

ہو، اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو شوریٰ کا حق ادا ہو جاتا ہے، خواہ اس کی شکل کوئی بھی تجویز کی جائے۔ اسلامی جمہوریت کی آخری بنیاد شہریوں کے حقوق و فرائض کا تعین ہے اور ان حقوق میں دراندازی کا حق کسی کو نہیں ہے۔ یہ تمام حقوق خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ ہیں اور کسی شرعی دلیل یا حق کے بغیر ان میں سے کسی پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی یا ان میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ (۲۲۸)

## اسلامی ریاست کے شہریوں کو یہ حقوق حاصل ہیں:

### (۱) جان و مال اور ناموس کی حفاظت۔

یعنی ریاست ضمانت دیتی ہے کہ بلا تفریق اپنے شہریوں کے جان و مال اور ناموس پر نہ خود ہاتھ ڈالے گی اور نہ کسی اور کو ڈالنے دے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"پس وہ مسلم ہے، جس کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ تو خبردار، اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں غداری نہ کرو۔" (۲۲۹)

"مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔" (۲۳۰)

اسی طرح غیر مسلم شہریوں کے باب میں بھی اصول یہ ہے:

"جو کوئی ہمارا ذمی ہو، اس کا خون ہمارے خون کی طرح اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح اور اس کا مال ہمارے مال کی طرح ہوں گے۔"

(۲) شخصی آزادی۔ ہر شخص کی انفرادی آزادی محفوظ ہو گی اور اسے یہ ضمانت اس وقت تک حاصل رہے گی، جب تک وہ اپنی آزادی کو دوسروں کی آزادی کے سلب کرنے یا جماعت کے کسی حقیقی مفاد کو نقصان پہنچانے یا خطرے میں ڈالنے کے لیے استعمال نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے دوران ایک شخص نے اپنے ہمسایوں کے بارے میں پوچھا جو شبہے کی بناء پر گرفتار کر لیے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ سوال سن کر سکوت فرمایا تا کہ اگر گرفتاری کی کوئی معقول وجہ ہو تو معلوم ہو جائے اور جب کوئی چیز سامنے نہ آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خلوا لہ جیرانہ" (۲۳۱) اس کے ہمسایوں کو رہا کر دو۔

اسلام کا یہ اصول ہے کہ "لا یوسر رجلؒ فی الاسلام بغیر عدل" (۲۳۲) اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) رائے اور مسلک کی آزادی۔ اسلام ہر شخص کو اپنی آزاد رائے رکھنے کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ وہ اختلاف رائے کو خون ریزی اور فتنہ و فساد کا ذریعہ نہ بنائے۔ اس کی بہترین مثال وہ رویہ ہے جو حضرت علیؓ نے خوارج کے مقابلے میں اختیار فرمایا جو ریاست کے وجود ہی کی نفی کرتے تھے۔ (۲۳۳) حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ:

"تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خون ریزی اور رہزنی نہ اختیار کرو اور ظلم سے باز



Marfat.com

رہو۔ (۲۳۴) اسلام ہرگز پسند نہیں کرتا کہ دین کے معاملے میں جبر و اکراہ سے کام لیا جائے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۲۳۵) دین کے معاملے زبردستی نہیں۔

(۴) قانونی مساوات۔ یعنی تمام شہری خواہ امیر ہوں یا غریب، سیاہ ہوں یا سفید، صاحب امر ہوں یا مامور، قانون کی نگاہ میں برابر ہوں گے اور سب پر ایک ہی قانون لاگو ہو گا۔

(۵) معاشرتی مساوات۔ یعنی خون، رنگ، نسب، زبان، پیشہ، معاشی مقام وغیرہ کی بناء پر شہریوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔ سب برابر ہیں۔ عزت و شرف اگر ہے تو صرف علم و تقویٰ کی بناء پر۔

(۶) بے لاگ اور بے معاوضہ انصاف۔ یعنی اسلامی ریاست ہر شہری کو ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے بچائے گی اور حصول انصاف کا انتظام بلا کسی معاوضہ کرے گی۔

(۷) فریاد، اعتراض اور تنقید کا حق۔ تمام شہریوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ پوری آزادی کے ساتھ اپنی بات ارباب اختیار تک پہنچائیں، اپنی مجبوریاں اور مسائل ان کو بتائیں، ان کی پالیسیوں پر اعتراض اور تنقید کریں۔ ان کی بات سنیں اور انہیں اپنی بات سنائیں۔

(۸) اجتماع، تنظیم بندی اور نقل و حرکت کی آزادی: انہیں یہ حق بھی حاصل ہو گا کہ منظم و مجتمع ہو کر کام کریں اور بلا روک ٹوک ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوں۔

ان حقوق کے مقابلے میں شہریوں کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ ہر صحیح بات کو قبول کریں اور اطاعت کریں۔ معروف میں عدم اطاعت کی روش اسلامی ریاست کے مزاج کے منافی ہے۔ اسی طرح ان پر ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست کی خیر خواہی کریں۔ یعنی دیدہ و دانستہ ایسا کام نہ کریں، جو ریاست کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ تخریبی سرگرمیوں سے خود بھی کلی طور پر محترز رہیں اور دوسروں کو بھی نہ کرنے دیں۔ نیز یہ بھی خیر خواہی ہی کا ایک پہلو ہے کہ امور ریاست پر نگاہ رکھیں اور حکومت یا اس کے کارکنوں کو اللہ کے راستے سے ہٹنے نہ دیں اور اگر کوئی انحراف واقع ہو تو اسے روکیں ہاتھ اور زبان دونوں سے۔ اسلامی ریاست کا شہریوں پر یہ بھی حق ہے کہ وہ اس سے تعاون کریں اور اس کی خاطر مالی اور اگر ضرورت ہو تو خود جان کی قربانی پیش کریں۔ (۲۳۶)

## اسلامی ریاست کا سیاسی منہج اور دین و سیاست کا امتزاج:

ہماری اب تک بحث سے یہ نتائج نکلتے ہیں:

اسلامی ضابطۂ حیات کے مطابق:

(۱) ریاست کا ادارہ انسانی سماج کی ایک بنیادی ضرورت ہے اور اس کے بغیر منظم اجتماعی زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) اسلام انسان کی پوری زندگی کے لیے ہدایت ہے اور اس نے اجتماعی زندگی کے لیے بھی واضح رہنمائی دی ہے۔

(۳) اسلام دین و سیاست میں کسی تفریق کا روادار نہیں۔ وہ پوری زندگی کو خدا کے قانون کے تابع کرنا چاہتا ہے



Marfat.com

اور اس مقصد کے لیے سیاست کو اسلامی اصولوں پر مرتب کرتا ہے اور ریاست کو اسلام کے قیام اور اس کے استحکام کے لیے استعمال کرتا ہے۔

(۴) یہ روش دنیا و آخرت دونوں میں عتابِ الٰہی کی موجب ہے کہ کچھ احکامِ الٰہی کو تسلیم کر کے اس پر عمل کیا جائے اور کچھ دوسرے اسلامی احکام سے صرف نظر اور روگردانی اختیار کی جائے، خواہ خواہش و نفس کی اندرونی وحشت کی بناء پر یا کسی بیرونی دباؤ یا مرعوبیت کی بناء پر۔

(۵) اسلام اور ریاست و حکومت کا اتنا قریبی تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ اگر ریاست و حکومت اسلام کے بغیر ہوں تو وہ ظلم اور بے انصاف کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور ان کے نتیجے میں "چنگیزی" رونما ہوتی ہے اور اگر اسلام ریاست و حکومت کے بغیر ہوں تو ایک حصے پر عمل ہی ممکن نہیں رہتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ریاست کو اسلامی بنیادوں پر قائم کیا جائے اور حکومت اسلام کی پابند ہو اور اس کے قیام کے لیے سرگرم عمل رہے۔(۲۳۷)

## پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی کردار اور انسانی تاریخ پر اس کے ہمہ گیر اثرات:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوجوانی کے عالم میں بھی آپؐ کی سیاسی بصیرت میں قوت فیصلہ کا جوہر موجود تھا اور یہ واقعہ ہونے والے عظیم الشان واقعات کے لیے ایک ایسا نشانِ راہ تھا، جو حقیقی منزل پر پہنچنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

### اجتماعی کردار:

چھٹی صدی عیسوی کے تمام عرب مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی کردار ہر اعتبار سے ایک مثال تھا، زمانۂ جاہلیت میں آپؐ کی زندگی اجتماعی تمدن کے واجبات کا نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام قوم نے آپؐ کو صادق و امین کا خطاب دیا تھا اور اسی بنیاد پر عرب کی شریف ترین خاتون سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے اقتصادی معاملات میں آپ پر اعتماد کیا اور آپؐ کی گھریلو زندگی میں شرکت کی۔ یہ پچیس سال کی عمر کا واقعہ ہے، پینتیس سال کی عمر تھی کہ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر حجر اسود کو رکھنے اور قبائلی نزاعی حقوق کا فیصلہ کرنے کے لیے آپؐ کو اپنا جج بنایا۔ آپؐ نے حجر اسود کو چادر میں رکھ کر قبائل کے نمائندوں سے بلند کرایا اور اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس سیاسی قوت فیصلہ سے ایک منٹ میں بہت سے قبائل کا اختلاف مٹ گیا اور ایک ہمہ گیر جنگ شروع ہونے سے پہلے ختم ہوگئی۔

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن اور جوانی کے چالیس سال مکہ میں بسر کیے۔ بنو ہاشم آپ پر فخر کرتے تھے۔ علمائے کلیسا، احبار یہود، موحدین جاہلیت اپنی جگہ مطمئن تھے کہ وہ ہستی پیدا ہوگئی، جس کی بشارت تورات و انجیل نے دی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کے بعد خدا کا حکم پایا "آج سے جو حکم دیا جائے، اس کی تعمیل کی جائے، ایک بالا دست اور مسلمہ طاقت کے اس فرمان سے پہلی مرتبہ یہ ظاہر ہوا کہ ہر اجتماعی تنظیم کے لیے



Marfat.com

ایک کامل اور مکمل انسان کی ضرورت ہے۔ ہر اجتماع سے پہلے ایک فرد کا ہونا ضروری ہے، جب یہ فرد اپنے تمام اوصاف کمال کے ساتھ ظاہر ہو گیا تو دنیا پر قدرت کا منشا کھل گیا، یہ منشا کیا تھا: "تمام خرابیوں کا خاتمہ، تمام اچھائیوں کا ظہور، انسانیت عامہ کے منتشر اور فاسد عناصر کا خاتمہ اور خدائے واحد کی حکومت کے لیے ایک عظیم الشان سوسائٹی کی تشکیل جو دنیا کی روحانی اور مادی طاقتوں کی ترکیب سے ایک ایسے فطری نظام حکومت کو بروئے کار لا سکے، جس کا مطمع نظر انسانیت ہو اور اس اقتدار بالا دست کی وفاداری جس کا دنیا کے کروڑوں انسان کسی نہ کسی شکل سے تسلیم کرتے ہیں۔

## انسانی سوسائٹی کی تنظیم:

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب عظمیٰ کو قبول کرنے کے بعد خدا کے حکم پر عمل شروع کر دیا۔ علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منصب سنبھالا، ذمے داریوں کے خداداد احساس نے یہ ظاہر کر دیا کہ معاہدۂ ربانی کے مطابق ایک ایسی ہستی دنیا کی جولا نگاہ میں آچکی ہے جو دنیا جہان کے لیے رحمت ہی رحمت ہے اور جو انسانیت عامہ کی اجتماعی شیرازہ بندی کے لیے بشارت ہے۔ ہر فرد کو اس کا ساتھ دینا چاہیے اس کو ماننا چاہیے اور اس کی فوج کا سپاہی بننا چاہیے۔ اس کی ذمہ داری زبردست ہے۔ اس کا کام قوت اور عزیمت پر مبنی ہے۔ اس کے ساتھ خداداد اقتدار اور عظمت و کرامت ہے۔ ہر اجتماعی کام کے لیے ایک اجتماعی مرکز درکار ہے، اس لیے ساری دنیا کے رہنما نے ساری دنیا کو امن و سلامتی کے پایۂ تخت میں کھڑے ہو کر جمع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی بنیاد شہنشاہیت، دستوریت اور جمہوریت کی جگہ انسانیت پر رکھی۔ آپ کے خطاب اور پیغام میں عمومیت تھی اور مقصد میں انسانی رجحان کار فرما تھا۔

## خفیہ انجمن:

حصول مقصد کے لیے جو اہم صورتیں، تجاویز، اسکیمیں بروئے کار آئیں ان کا آغاز ابتداء کار کی شدید رکاوٹوں کی وجہ سے ایک خفیہ انجمن کی شکل میں ہوا۔ زمانہ کے تباہ کن عقلی رجحانات اور جہالت کی غلط روی کا مقابلہ انہی ہتھیاروں سے کرنا پڑتا ہے جو زمان و مکان کے مطابق ہوں۔

## بحیثیت حاکم و سربراہ مملکت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی کردار:

## پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم مدبر حکومت کی حیثیت سے

اگر ہم اس امر کی تحقیق کریں کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے کس قدر عظیم ذمے داری کے حامل تھے تو ہمیں ہر موقع پر یہ اعتراف کرنے کی سعادت حاصل ہو گی کہ آپؐ نے ایک بہت بڑے محسن کی حیثیت سے وہ دلیرانہ قانونی اور سیاسی کارنامے سرانجام دیے جو کارناموں کی دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں۔

آپؐ خداوند عرش کے قانونی نائب کی حیثیت سے حکومت کے امیر اور حاکم بھی تھے اور افواج کے کمانڈر اعلیٰ بھی۔ انصاف کی اعلیٰ عدالت کے حاکم بھی تھے اور اقتصادیات کے نگرانِ اعظم بھی۔ ذات واحد تمام ذمے داریوں



Marfat.com

کی امانت بردار تھی۔ اجتماعی زندگی کے تمام فرائض، جملہ شعبے اور تمام محکمے ایک محکم و منظم مرکز پیدا کر کے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے اور آپ کی گراں قدر ہستی انسانی معاشرہ کی ان تمام امیدوں کو پورا کر رہی تھی، جن میں سے ہر ایک دنیا کے لیے ایک مثال بننے والی تھی۔

خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے آپؐ کے کارنامے حیرت انگیز ہیں۔ آپؐ کی وجہ سے سیاسی دائرہ میں نئے نئے اصول، قوانین، احکام، ہدایات اور اساسی تنظیمات نے اپنا خوبصورت چہرہ دکھایا اور ان کی بناء پر قدیم فطری تصورات ایک نئے اور متوازن نظام سے آشنا ہوئے۔

**بحیثیت سیاسی مدبر و منتظم پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتماعی کارنامے:**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سربراہِ مملکت اور عامل حکومت کی حیثیت سے انسانی سوسائٹی کی تشکیل، ملتِ اسلامیہ کی تنظیم اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جو کارنامے انجام دیے وہ مختصر سے مختصر اور مستند سے مستند الفاظ میں یہ ہیں۔ ☆... حکومت کی ہستی کو تمام بے فائدہ نمائشوں، تباہ کن جعلسازیوں اور سرمایہ دارانہ آسائشوں اور آلائشوں سے پاک و صاف کیا اور قدرت کے قابل عمل قوانین کو حقیقی عدل اور سچے اعتدال کے ساتھ نافذ کر کے دکھایا۔ دنیا کے دائرے میں حکومت کو عوام کی چیز بنایا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا۔

☆... شہنشاہیت کے نظریے کو عقیدے اور عمل کی دنیا سے خارج کر کے حکومت کو "ریاستِ عامہ" قرار دیا اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا، جس کی وجہ سے تاج و تخت، قصور و محلات، حاجب و دربان، چشم و خدم، بڑی بڑی تنخواہوں والے حکام اور رشوت خور عمال سب ختم ہو گئے۔

☆... انصاف کی حقیقت کو نافذ کیا، جس سے انصاف کا حصول آسان اور خود انصاف سستا ہو گیا۔ انصاف کا مقصد ٹھہرا، کمزور کی حمایت اور فریقین مقدمہ کی باہمی صلح اور اصلاح نہ کہ دونوں کے مفاد کی تباہی اور گھروں کی ویرانی۔ ☆... آپؐ نے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، شہریوں کی حیثیتیں متعین کیں اور مناسب محصول عائد کیے اور ہر محصول کا مستقل نام تجویز کیا۔ آپؐ نے اس کام کے لیے مالیات کے افسر مقرر فرمائے اور دفتر مالیات قائم فرمایا۔

☆... اجتماعی کوششوں سے حاصل ہونے والے سرمایہ و دولت کو عوام کی دولت قرار دیا اور سرکاری مال کے لیے یہ قانون مقرر کیا کہ امیروں پر ٹیکس لگایا جائے اور غریبوں پر خرچ کر دیا جائے۔ ☆... آپؐ نے انتظامی حلقے قائم کیے، مدینے کو دارالسلطنت بنایا، اطراف کے لیے حکام کا تقرر کیا اور تقرر کا معیار یہ قرار پایا کہ کیریکٹر اول درجے کا ہو، کام کی اہلیت ہو، علم سے بہرہ مند ہو اور حاکم رائے عامہ کے مطابق مفاد عامہ کے لیے کام کرے۔ ☆... آپؐ نے شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا، حکومت کے مزاج میں مرکزیت، قوت اور استحکام پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ حکومت کے کام شوریٰ کے ذریعے طے کیے جائیں۔ ☆... آپؐ نے فوج کی تنظیم کی اور نو جنگوں اور اٹھارہ دفاعی اور انتظامی حربی مہموں میں حصہ لیا۔ انتالیس عسکری مہموں کو اپنے حکم سے محاذ پر بھیجا اور افواج کے کمانڈر مقرر کیے۔ جنگ میں انسانیت کے طریقوں کو جاری کیا۔ فتح میں انسانی خون کی قدر و قیمت کی حفاظت کی اور صلح کے وقت معاہدوں کے



Marfat.com

لیے نیا معیار قائم کیا۔ آپؐ نے انسانی سوسائٹی کے لیے فطری مذہب کے اصولوں کو لازمی گردانا، اخوت کے قانون کو حکمت عملی کے رنگ میں پیش کر کے دکھایا، بیعت کو مرکزی ہیئت کے قیام کے لیے ایک اصول بنایا۔ انسانی معاشرے کے گمراہ ارکان کے لیے نمائندے اور نقیب مقرر کیے ان کے پاس اپنے وفد بھیجے اور ان کے وفود کو اصلاح حال کے لیے طلب کیا اور نافرمان لوگوں کی سرکشی کو بہ طریق حکمت دبایا۔ ☆... بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لیے سلاطین، امراء اور والیان ریاست کو فرمان لکھے اور سب کو ایک اللہ کے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ مختصر یہ کہ پیغمبری، سیاست اور حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا، جس کے لیے آپؐ نے کوئی اصول اور قانون نہ پیش کیا ہو۔ (۲۳۸)

## سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فلسفۂ حکمرانی اور اس کے ہمہ گیر اثرات:

حکمرانی کی پوری عالمی تاریخ میں آپؐ نے جو کارنامہ انجام دیا، اس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے سیاست و سلطنت کے دائرے سے ان تمام خرافات کا خاتمہ کر دیا جن کا تعلق شاہ پرستی اور فاسد قومیت پرستی پر تھا۔ نامور فرانسیسی مفکر موسیو گال لیبام کا بیان ہے "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" سے پہلے دنیا پر فتنہ وفساد کے گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ مشہور ہندوستانی سیاستدان پنڈت جواہر لال نہرو کہتے ہیں: اسلام سے پہلے قدیم چیزیں فنا ہو چکی تھیں، جدید ابھی وجود میں نہ آئی تھیں، اس لیے سارے یورپ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی "اس حالت سے اندازہ کیجیے کہ اسلام نے اور اسلامی حکومت نے دنیا میں آکر انسان کے ہاتھ میں تحفہ دیا۔ قدیم حکومتوں کا سارا فساد ختم کر دیا گیا اور حکومت کی بنیاد خدا کے حکم سے ظالم شہنشاہیت کی جگہ مرضی جمہور (شوریٰ) پر رکھی گئی۔ بادشاہ مٹ گئے یا مٹا دیے گئے۔ اور ان کی جگہ امیر و امام (رہنمائے مملکت) کو دی گئی۔ (۲۳۹)

مغربی مورخ وان کریمر کا بیان ہے "آنحضرتؐ نے ایک مذہب کی بنیاد ڈالی۔ نیا طرزِ حکومت قائم کیا اور جب آنحضرتؐ کا وصال ہوا تو تمام قلمرو عرب پر خدائی امن چھایا ہوا تھا۔"

ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈر نے بڑی عقیدت سے یہ تسلیم کیا ہے: "اسلام نے بڑی سلطنتوں اور مستقل مذہبوں کو تہہ وبالا کر کے نفوس اقوام کو نئی ترکیب دی اور ایک مکمل جدید دنیا یعنی دنیائے اسلام تعمیر کی، جس کا اثر تمام نوع انسانی پر پڑ کر رہے گا۔"

عرب ہر شے کو بھول گئے اور اپنے حقیقی اور واحد اللہ کے لیے دنیا کو فتح کرنے کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے نورِ اسلام سے منور ہو کر ایک عظیم خلافت قائم کی جو اوائل میں خدائی جمہوریت تھی۔

جواہر لال نہرو لکھتے ہیں: "اسلام کی سادگی سمجھ میں آنے والی حقیقت سے جمہوریت اور مساوات نے بنی نوع انسان پر بڑا اثر ڈالا، مطلق العنان بادشاہ اور انہی کی طرح خود سر ظالم مذہبی پیشوا انہیں کچل رہے تھے، وہ تنگ آگئے تھے اور انقلاب کے لیے تیار تھے۔ اسلام یہ انقلاب لایا اور وہ ان کے حق میں نعمت ثابت ہوا۔ نئی بھلائیاں ابھر آئیں اور پرانی خرابیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ (۲۴۰)



Marfat.com

## مثالی سیاسی و جمہوری نظام کے حوالے سے تعلیمات نبویؐ اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جائزہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: {من ولّی عن امر النّاس شیأثمّ اغلق بابه دون المسلمین اوالمظلوم اوذی الحاجة، اغلق الله دونه ابواب رحمته عند حاجته وفقره افقر مایکون الیه۔} (۲۴۱) لوگوں کے کاموں میں سے کسی کام کا جو شخص ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا دروازہ مسلمانوں یا مظلوم اور ضرورت مند انسانوں پر بند کرے، تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص پر اپنی رحمت کے دروازوں کو اس کی اس ضرورت اور محتاجی پر بند کرلیتا ہے، جس میں وہ سب سے زیادہ مضطر (مجبور) ہوتا ہے۔ اسی بناء پر اسلامی نظام عدل میں انصاف کے حصول کو اتنا سہل اور سستا بنادیا گیا ہے کہ ہر کس وناکس آسانی کے ساتھ اپنے ذاتی حقوق کا تحفظ کرسکتا ہے اور اسے کسی طرح کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا، کیوں کہ انصاف چاہنے والا انصاف کے حصول کے لیے کھلے بندوں عدالت میں پہنچ سکتا ہے اور منصف و جج بھی ہر وقت اپنی عدالت کا دروازہ بغیر کسی دربان کے کھلا رکھتا ہے، تاکہ ہر کوئی بلا خوف وخطر آسکے۔ (۲۴۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: {انّا والله لا نولّی علیٰ عملنا هٰذا احداً سأله او حرص علیه} (۲۴۳) بخدا، ہم اپنی اس حکومت کا منصب کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے، جو اس کا طالب ہو یا اس کا حریص ہو۔ آپؐ نے فرمایا: {انّ اخونکم عندنا من طلب۔} (۲۴۴) تم میں سب سے بڑھ کر خائن ہمارے نزدیک وہ ہے جو اسے خود طلب کرے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے: {ان لا نستعمل علیٰ عملنا من اراده۔} (۲۴۵) ہم اپنی حکومت میں کسی ایسے شخص کو عامل نہیں بناتے، جو اس کی خواہش کرے۔ آپؐ نے فرمایا: {یا عبدالرحمن بن سمرةؓ لا تسئل الامارة فانّک اذا اوتیتها عن مسئلة وکلت الیها وان اوتیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها۔} (۲۴۶) (عبدالرحمان بن سمرہؓ سے حضور اکرمؐ نے فرمایا) اے عبدالرحمن بن سمرہؓ! امارت کی درخواست نہ کرو، کیوں کہ اگر وہ تمہیں مانگنے پر دی گئی، تو اللہ کی طرف سے تمہیں اسی کے حوالے کردیا جائے گا اور اگر وہ تمہیں بن مانگے ملی، تو اللہ کی طرف سے تمہیں اس کا حق ادا کرنے میں مدد دی جائے گی۔

اسلامی نظام حکمرانی میں بلا رعایت اور عادلانہ طریق کار سے فیصلے صادر کرنے کا جو دستور العمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے، اس کی مثال خود آپؐ ہی کی سیرتِ مطہرہ سے ملتی ہے، جب کہ آپؐ کے عہد میں ایک ایسی خاتون چوری کی مرتکب ہوئی جو باعزت اور اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی، قریش کو اس کی بڑی فکر ہوئی، انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ کون شخص ایسا ہو سکتا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کرے۔ بالآخر طے پایا کہ اس کی جرأت صرف اسامہ بن زیدؓ ہی کرسکتے ہیں، کیوں کہ وہ آپؐ کے بڑے چہیتے ہیں، لوگوں کے اصرار پر حضرت اسامہؓ نے لب کشائی کی جسارت کی تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: {انّما هلک من کان قبلکم انّهم کانوایقیمون الحدّ علیٰ الوضیع ویترکون الشّریف والّذی نفسی بیده لو فاطمةؓ فعلت ذالک لقطعت یدها۔} (۲۴۷) تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا کم زور لوگوں کو دیتے اور بااثر لوگوں کو چھوڑ دیتے، قسم ہے اس ذات کی، جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، اگر فاطمہ "میری بیٹی وہ کام کرتی، تو یقیناً میں



Marfat.com

اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

## اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثالی طرزِ حکمرانی کا ایک روشن نمونہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے عہد میں عدل و انصاف کے تمام تر تقاضوں کو عملاً پورا کر کے دکھا دیا اور اپنے اسوۂ حسنہ سے انصاف کا ایک ایسا نظام پیش فرمایا کہ آج تک دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں کا بھی مطالعہ کریں، آپ کو ہر جگہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عدل و انصاف کی حکمرانی نظر آئے گی، جس میں چھوٹے بڑے، امیر و فقیر، شریف و وضیع اور سلطان و گدا کی کوئی تمیز باقی نہیں ہے، کیوں کہ اسلامی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ (۲۴۸)

## حکمرانی کا ایک بے مثال نمونہ:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سلاطین شاہانہ شان و تجمل سے اونچے اونچے محلوں اور ایوانوں میں بڑے قیمتی لباسوں، سونے چاندی اور زر و جواہر کے زیوروں سے آراستہ ہو کر اونچے اونچے بیش بہا تختوں پر متمکن ہوا کرتے تھے، ان کے امراء اعلیٰ قدر سونے چاندی کی مرصع کرسیوں اور ریشمی گدوں پر بیٹھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے بہ یک جنبشِ قلم ان مصنوعی تفرقوں کو مٹا دیا، نشست کے لیے سونے چاندی کا سامان اور ریشمی لباس و فرش حرام کیے گئے۔ سونے چاندی کے زیورات مردوں کے لیے ناجائز ٹھہرے، امام وقت اور اس کے حکام کے لیے مسجد اور اس کا صحن ایوان تھا، حاجب و دربان کے پہرے اٹھ گئے، چاؤش و نقیب رخصت کر دیے گئے۔ طلائی و نقرئی و زمردی تخت اٹھوا دیے گئے۔ امام اور اس کے حاکم عام مسلمانوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر نشست کرتے تھے اور پستی و بلندی کی تفریق باقی نہیں رکھی گئی، چناں چہ وضع و لباس کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ میں کسی قسم کا فرق مراتب موجود نہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ ایک شاہی عبا لے کر آئے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے مختلف حصوں سے وفود حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اسے خرید لیں، تاکہ جب دوسرے شہروں یا ملکوں سے وفود آپؐ کی خدمت میں آئیں تو آپؐ اسے زیب تن فرمالیں یا جمعہ کے دن جو گویا مسلمانوں کے دربارِ عام کا دن ہے، آپؐ اسے پہنیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی نظر اس ظاہری جاہ و جلال اور تزک و احتشام پر گئی، جس کے شاہانِ وقت عادی تھے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتباہ کے اس پردے کو فوراً چاک کر دیا کہ مسلمانوں کا پیشوا شاہانہ جاہ و جلال کے اظہار کے لے مبعوث نہیں ہوا۔ آپؐ نے فرمایا، جو شخص اسے پہنتا ہے، آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ (۲۴۹) اس وقت کی شاہانہ حکومتوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد قانون کی زد سے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے، مگر یہاں یہ حال تھا کہ ہر قانونِ الٰہی کی تعمیل کا اصل نمونہ اس کا رسولؐ اور اہل بیتؓ رسول تھے اور اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اگر نعوذ باللہ اہل بیتؓ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو تو ان کے لیے دوہری سزا ہے۔ (۲۵۰) ایک موقع پر آپؐ صحابہؓ کو مال تقسیم فرما رہے تھے، ایک آدمی آیا اور حرص کے مارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



Marfat.com

کے اوپر ٹوٹ پڑا، آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی چھڑی تھی، آپؐ نے اس سے کونچ دیا، جس کی وجہ سے اس کے چہرے پر نشان آگیا۔ آپؐ نے دیکھا تو اسی وقت فرمایا کہ: "آؤ اور مجھ سے قصاص لے لو۔" (۲۵۱)

ایک بار ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ: "ڈرو نہیں، میں تو ایسی عورت کا بیٹا ہوں، جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔" (۲۵۲) ایک موقع پر آپؐ کی خدمت میں ایک قیدی لایا گیا، اس نے کہا کہ خدایا! میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں، محمدؐ کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ حق کس کا تھا۔" حالاں کہ یہ وہ فقرہ ہے، جس پر سلاطین کی عدالت گاہوں سے پھانسی کی سزا تک دی جاسکتی تھی کہ اس سے ان کے نزدیک ذاتِ شاہانہ کی توہین تصور ہوتی ہے۔(۲۵۳) سلطنت کے مفتوحات و محاصل کو دنیا کے بادشاہوں نے ہمیشہ اپنی ذاتی ملکیت سمجھا اور اپنے ذاتی و خاندانی عیش و آرام کے سوا ان کا کوئی دوسرا مصرف ان کے نزدیک نہ تھا اور اگر وہ اس میں سے دوسروں کو کچھ دیتے تھے، تو اسے اپنا احسان سمجھتے تھے، لیکن جو نظامِ سلطنت اسلام نے قائم کیا، اس میں سلطنت کے سارے محاصل "مال اللہ" یعنی اللہ کا مال کہلاتے تھے اور وہ صرف بیت المال کی ملکیت تھے، مسلمانوں ہی کے لیے وقف تھے۔ سنن ابوداؤد میں ہے: {قال ما اوتیکم من شئی وما من امنعکم ان انا الاخازن اضع حیث ما اُمرت۔} (۲۵۴) میں تمہیں نہ کچھ دے سکتا ہوں، نہ کچھ روک سکتا ہوں، میں صرف خزانچی ہوں، جس موقع پر صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے، وہاں صرف کرتا ہوں۔ حافظ لدھیانوی اسوۂ نبویؐ کے اس روشن و تاریخ ساز پہلو کے متعلق کیا خوب کہتے ہیں:

جلالِ بادشاہی نے لباسِ عجز پہنا ہے — درِ اقدس پہ ہے قربان عز و جاہِ سلطانی
وہ اپنی خوبیوں میں ہے جہاں میں یکہ و تنہا — صفات و ذات میں کوئی نہیں، کونین میں ثانی
عطا کی سرفرازی ان کو جو پامال انسان تھے — غلاموں کو سکھائے اس نے اندازِ جہانبانی (۲۵۵)

صحابہ کرامؓ میں سے جو لوگ ایران و روم کے ظاہری جاہ و جلال اور چمک دمک دیکھ چکے تھے، انہیں بھی یہ مغالطہ تھا کہ اسلام کے ظاہری رعب و وقار کے لیے ظاہری شاہانہ تزک و احتشام اور شان و شوکت ضروری ہے۔ چنانچہ انہیں بار بار یہ خیال ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سادگی و تواضع اور زہد و قناعت کی بجائے کاش ایسی ہی عیش و آرام کی زندگی بسر فرماتے، جیسی روم کے قیصر اور ایران کے شہنشاہ بسر کرتے ہیں۔(۲۵۶)

ایک بار حضرت عمرؓ آپؐ کے اس حجرے میں حاضر ہوئے، جہاں آپؐ کی ضرورت کی چیزیں رہتی تھیں، دیکھا تو آپؐ ایک چمڑے کے تکیے سے جس میں کھجور کے پتّے اور چھال بھری ہوئی تھی، ٹیک لگائے ہوئے ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، حجرے میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی، لیکن تین سُوکھے چمڑوں کے سوا کوئی دوسرا اثاث البیت نظر نہ آیا، ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے تھے۔ اس منظر سے حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ! میں کیوں نہ روؤں، جب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ (بستر نہ ہونے سے) چٹائی کے نشان پشت مبارک پر پڑ



Marfat.com

گئے ہیں اور آپؐ کا سارا اثاث البیت میرے سامنے ہے، اِدھر قیصر و کسریٰ ہیں، جو باغ و بہار اور عیش و آرام کے مزے لوٹ رہے ہیں اور حضور اللہ کے رسول ہیں اور ان سے بے نیاز ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے ابنِ خطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت میں لیں اور وہ دنیا میں؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ جی ہاں! بے شک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

صوفی غلام مصطفی تبسم کیا خوب کہتے ہیں:

وہ جس کے فقر کے آگے نگوں سر تھی شہنشاہی — وہ جس کے بوریا پر سر جھکا فغفور و قیصر کا
یہ حُسنِ خلق، یہ لطفِ نظر، یہ عفو، یہ بخشش — خراماں جس طرح کیفِ رواں تسنیم کوثر کا (۲۵۷)

اسلام میں ریاست و حکمرانی کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اختیارات اور اموال، اللہ اور مسلمانوں کی امانت ہیں، جنہیں خدا ترس، ایمان دار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے اور اس امانت میں کسی شخص کو من مانے طریقے پر یا نفسانی اغراض کے لیے تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا} (۲۵۸)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ☆... {الا کلکم راعٍ و کلکم مسؤلٌ عن رعیتہٖ فالامام الأعظم الّذی علی النّاس راعٍ وھو مسؤلٌ عن رعیتہٖ۔} (۲۵۹) خبردار رہو، تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمراں ہو، وہ بھی راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ☆... {ما من والٍ یلی رعیّۃ من المسلمین فیموت وھو غاشٌ لھم الّا حرّم اللہ علیہ الجنّۃ} (۲۶۰)

کوئی حکمراں جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا، تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ☆... {ما من امیر یلی امر المسلمین ثمّ لا یجھد لھم ولا ینصحُ الّا لم یدخل معھم فی الجنّۃ} (۲۶۱) کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے، پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے، وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً داخل نہیں ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ☆... {یا اباذر انّک ضعیفٌ وانّھا امانۃ وانّھا یوم القیامۃ خزیٌ وندامۃ اِلّا من اخذ بحقّھا وادّی الّذی علیہ فیھا۔} (۲۶۲) اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا منصب ایک امانت ہے اور قیامت کے روز وہ رسوائی اور ندامت کا موجب ہوگا، سوائے اس شخص کے، جو اس کے



Marfat.com

حق کا پورا پورا لحاظ کرے اور جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، اسے ٹھیک ٹھیک ادا کرے۔(۲۶۳) آپؐ نے ارشاد فرمایا: ☆... {مِن اَخون الخیانۃ تِجارۃ الوالی فی رعیّتہٖ۔} (۲۶۴) کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ☆... {من وُلّیَ لنا عملاً وَلَم تکُن لہ زوجہ فلیتّخذ زوجۃ ومن لّم یکُن لہ خادمٌ فلیتخذّ خادماً اولیس لہ مَسکنٌ فلیتخذّ مسکناً اولیس لہ دابّۃ فلیتّخذ دابّۃ فمن اصاب سِوٰی ذٰلک فھو غالٍّ اوسارق۔} (۲۶۵) جو شخص ہماری حکومت کے کسی منصب پر فائز ہو، وہ اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کرلے، اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کرلے، اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر لے لے، اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سواری لے لے۔ اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے، وہ خائن ہے یا چور۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں: ☆... {من یکون امیراً فانّہ من اطول النّاس حساباً واغلظہ عذاباً ومن لّا یکون امیراً فانّہ من ایسر النّاس حساباً واھونہ عذاباً لانّ الامراء اقرب النّاسِ من ظُلم المؤمِنین ومن ظَلَم المؤمِنین فانّما یخفر اللہ۔} (۲۶۶) جو شخص حکمران ہو، اسے سب سے زیادہ بھاری حساب دینا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ سخت عذاب کے خطرے میں مبتلا ہوگا اور جو حکمران نہ ہو، اسے ہلکا حساب دینا ہوگا اور اس کے لیے ہلکے عذاب کا خطرہ ہے، کیوں کہ حکام کے لیے سب سے بڑھ کر اس بات کے مواقع ہیں کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں پر ظلم ہو اور جو مسلمانوں پر ظلم کرے، وہ اللہ سے غداری کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ☆...{لو ھلکت حمل من ولد الضّانّ ضیاعاً بشاطئی الفراتِ خشیتُ ان یّسالنی اللہ۔}

دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچّہ بھی اگر ہلاک ہو جائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے باز پرس کرے گا۔(۲۶۷)

"معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کا چرواہا (حاکم) بنایا اور وہ اس حال میں مرا کہ اس نے لوگوں کی بدخواہی کی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردے گا۔(۲۶۸) یہی روایت دوسرے الفاظ میں یوں بیان کی گئی ہے: "جو شخص مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا جائے، پھر نہ تو وہ ان کے لیے کوشش کرے اور نہ ان کی خیر خواہی کرے، تو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔" (۲۶۹) "حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ نے فرمایا کہ اے اللہ، جو شخص میری اُمت کے لوگوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ انہیں مشقت میں ڈالے تو تُو بھی انہیں مشقت میں ڈال اور جو شخص میری اُمت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا تو تُو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر۔" (۲۷۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم مصلح اور بیدار مغز حکمران تھے، آپؐ کو جہاں یہ خیال تھا کہ عہدے دار اپنے فرائض و واجبات کی بجا آوری صحیح طور پر کریں اس سے زیادہ اہتمام اس بات کا تھا کہ عمال و حکام زیور اخلاق سے آراستہ ہوں، تاکہ جہاں بھی ان کا تقرر کیا جائے، وہ کامیاب ثابت ہوں اور کم از کم وہاں کے باشندے ان کے اخلاق کے شاکی نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذؓ بن جبل کو یمن کی جانب روانہ کیا تو فرمایا تھا کہ:



Marfat.com

{یسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولا تنفّرا۔} (۲۷۱) "تم دونوں سختی نہ کرنا، بلکہ آسانی سے کام لینا اور لوگوں کو اچھی باتیں سنانا، نفرت نہ دلانا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اس طرزِ حکومت کی نشان دہی بھی ہو جاتی ہے، جو اس اسلامی ریاست میں جاری و ساری تھا۔ عہدے داروں کی اہلیت و قابلیت کے ضمن میں یہ بتانا تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے کہ عہدے دار چاہے گورنر ہو یا قاضی، معلّم ہو یا مبلغ، امام ہو یا مفتی، اس کے لیے بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ اسلام کے نظریۂ حیات پر یقین اور اس کی تعلیمات سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔ احادیث و سیر کی یہ روایت بہت مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کے لیے مامور فرمایا تو روانگی سے پہلے ان کے تبحر علمی اور واقفیت شرع کا امتحان لیا، یہاں تک کہ آپؐ مطمئن ہو گئے۔ اعلیٰ عہدے داروں مثلاً گورنر یا والی کو نہ صرف زبانی بلکہ بعض اوقات تحریری ہدایات اور فرامین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کیے جاتے تھے۔ افسران محاصل کو ہر قسم کے محاصل کی تفصیل اور اس کے عوض نصاب کی تعلیم دی جاتی، قضاۃ کو فرائض، عدل و قضا سے مطلع کیا جاتا اور انہیں دیوانی و فوجداری مقدمات میں طرزِ عمل کی ہدایت رسول اللہؐ بنفس نفیس عطا فرماتے تھے۔ (۲۷۲) ریاست کی کارکردگی اس کی نشو و نما اور فلاح و خسران کا مدار سرکاری مناصب پر فائز افراد اور کارکنانِ ریاست پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک سربراہِ ریاست کی انتہائی اہم ذمے داری یہ ہے کہ وہ ریاست کے انتظامی مناصب پر ایسے لوگوں کا انتخاب کرے، جو ریاست کے مقصد وجود کو سمجھتے ہوں اور اپنی صلاحیتوں کو ٹھیک ٹھیک استعمال کر کے اپنے عہدوں سے انصاف کر سکتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت حکمران اس مسئلے پر اپنی پوری توجہ صرف کی اور حکومت کے عہدوں اور مناصب پر ایسے خدا ترس، باصلاحیت، بے لوث، پاکیزہ کردار اور مخلص افراد کا تقرر کیا، جو اسلام کی روح سے واقف، دین کے مزاج شناس، راہِ حق میں شدائد برداشت کرنے والے، تجربہ کار اور پختہ طور پر تربیت یافتہ تھے۔ ان کارکنان ریاست کو آپؐ نے یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ حکومت کے عہدے اور مناصب حصولِ عزت و جاہ اور کسب دنیا کے ذرائع نہیں ہیں۔ اس لیے ان کے حصول کی جدوجہد ہی غیر مستحسن ہے۔ (۲۷۳) یہی نہیں، اس سے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مناصب کا رشتہ اخلاقی تعلیمات سے جوڑا اور یہ فرمایا کہ: {انّا واللہ لانولّی علیٰ عملنا ھٰذا احدًا سألہ او حرص علیہ۔} (۲۷۴) "خدا کی قسم، ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے، جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو۔" اور آپؐ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ: {انّ اخونکم عندنا من طلبہ۔} (۲۷۴) "ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن وہ شخص ہے جو اس کا خود طالب ہو۔" ایک صحابی حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرماتے ہوئے کہا: "اے عبدالرحمن، امارت کے طالب نہ بنو، اگر یہ بن مانگے تمہیں ملی تو اس کام میں اللہ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر اسے خود مانگ کر حاصل کرو گے تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ (۲۷۵)

ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حکومت کے کسی عہدے پر مقرر کرنے کی درخواست کی تو اس کے جواب میں فرمانِ نبویؐ یہ تھا کہ: "اے ابوذرؓ! یہ ایک بھاری امانت ہے اور تم ایک کمزور آدمی ہو۔ قیامت کے دن یہ امانت ندامت اور رسوائی کا سبب ہو گی، مگر اس شخص کے لیے نہیں، جو اس کے حق کے ساتھ



Marfat.com

اسے اٹھائے اور اس سلسلے میں اس پر جو ذمے داریاں عائد ہوں، انہیں ادا کرے۔" (۲۷۶) ان ہدایات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو عہدوں کے لالچ اور حرص و طمع کی تحریک کا خاتمہ کیا اور دوسری طرف لوگوں کی نفسیاتی اصلاح کر کے ان کے نفوس کا تزکیہ کیا۔ کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ مناصب کی آزمائشوں میں پڑنے کے لیے از خود پیش ہونے والا یا تو ان مناصب کے تقاضوں سے ناواقف ہے اور یا ان سے غیر معمولی منفعت کا حصول اس کے پیش نظر ہے، علاوہ ازیں حکومت کے عہدوں اور مناصب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کے حقوق کی فہرست میں شمار کرنے کے بجائے امانت کی حیثیت دی اور اپنے دور میں صرف ان ہی لوگوں کا تقرر فرمایا، جو اس بار امانت کو اٹھا سکتے تھے۔ (۲۷۷) بہر حال کارکنانِ ریاست کے انتخاب، ارباب حل وعقد کے تقرر اور اولی الامر کے تعین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپؐ ان کلیدی مناصب پر صرف ان افراد کو مقرر فرماتے تھے، جو واقعی اس کے مستحق ہوں، صاحبِ ایمان ہوں۔ متقی، پرہیز گار، دیانت دار اور اس کی بنیادی اہلیت کے حامل ہوں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: {اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ} (۲۷۸) "اللہ کے نزدیک تم میں معزز وہ ہے، جو زیادہ پرہیز گار ہے۔" کی روشنی میں تقویٰ کا حامل ہو، دین و شریعت کا عالم، صاحب بصیرت، بے نفس و بے غرض، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عامل ریاست اور عوام دونوں کا خیر خواہ ہو۔ اور معاملات کو عدل و انصاف سے انجام دینے کا اہل ہو۔ مختصر یہ کہ حکومت و سیاست کے خالص مادی و دنیوی مناصب پر انتخاب کے یہ اصول جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت، نکتہ رسی، معاملہ فہمی اور افراد کے ذہنی و نفسیاتی مطالعے پر دلالت کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ دین و سیاست میں باہم کوئی تناقض نہیں ہے، بلکہ ان کا امتزاج اچھے سیاست دان اور اچھے منتظم پیدا کر سکتا ہے۔ (۲۷۹)

'التراتیب الاداریۃ' کے مؤلف علامہ عبدالحیٔ کتانیؒ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکاری مناصب پر فائز افراد کو نصیحت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ بے شک، اللہ جل شانہ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے، بس تم میری طرف سے اس رحمت کو دوسروں تک پہنچا دو۔ اللہ رب العزّت تم پر رحم فرمائے گا اور آپس میں اختلاف نہ کرو، جیسا کہ عیسیٰ ابنِ مریمؑ کے حواریوں نے اختلاف کیا۔" (۲۸۰)

"آپؐ نے فرمایا کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو اور سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے، پس یہی نصیحت ہر سفیر اور قاصد کے لیے ہوتی تھی کہ تم مشورہ کر کے کام کیا کرو، لوگوں سے موافقت کیا کرو۔ خوشخبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ، آسانی پیدا کرو، سختی نہ کرو۔" (۲۸۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمالِ حکومت، ریاست کے والیوں، حکومت کے انتظامی عہدوں اور مناصب پر تقرری کے وقت مذکورہ عامل، والی اور سرکاری منصب دار کے مذکورہ فریضے کو اس تحریری دستاویز میں بھی مندرج کر دیتے تھے، جو تقرر کے وقت انہیں ہدایت نامہ تقرر کے طور پر دی جاتی تھی۔ (۲۸۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معیاری نظامِ عدل کو دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا، اس کی اہم



Marfat.com

خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام کے ذریعے مملکت کے ہر فرد کے حقوق کی مکمل طور پر ضمانت دی گئی ہے، اس لیے یہ بات ارباب حکومت اور سرکاری مناصب پر فائز افراد کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ مملکت کے ہر باشندے کی عزّت و آبرو، مال و جائیداد، جسم و جان اور چادر و چار دیواری کے تحفظ کا اہتمام کریں اور عدل و انصاف کی بنیاد پر ہر اس شخص کے حقوق کی پاسداری کا بندوبست کریں، جو مملکت کا شہری ہے، ورنہ وہ نااہل تصور ہوں گے اور اپنی کوتاہیوں اور فرائض سے غفلت پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ} (۲۸۳) "بلاشبہ، اللہ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچادو۔ اور جب لوگوں میں تصفیہ کرنے بیٹھو تو انصاف کے ساتھ تصفیہ کرو۔"

اس آیت میں اربابِ حکومت کو ان کی ذمے داری کا احساس دلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کے فرائض کیا ہیں۔ آیت کے دوسرے حصّے میں خاص طور پر عدلیہ کے فرضِ منصبی کا بیان ہے، اس لیے کہ افراد کے حقوق کا تحفظ ان کی خصوصی ذمہ داری ہے۔ (۲۸۴)

علّامہ سیّد سلیمان ندوی "سورۂ نساء" کی آیت کے دوسرے حصّے {وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ} (۲۸۵) حکومت کے انتظامی عہدوں اور سرکاری مناصب پر فائز افراد کے فرائض و ذمّے داریوں کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔" فیصلہ کرنے کے لفظ سے صرف یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کا تعلق صرف عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والے منصف یا حاکم سے ہے، بلکہ اس کا تعلق حکومت کے ہر فرد اور ہر کارکن سے ہے، حکومت کے ہر فرد کا تعلق ریاست کے عوام اور باشندوں کے معاملات اور کاموں سے رہتا ہے، اس لیے ہر معاملے اور ہر کام کے متعلق حاکم کو اس منصب پر فائز فرد کو قلم اٹھاتے ہوئے انصاف کرنا چاہیے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کی پہلی تقریر میں فرمایا تھا کہ تم میں سے قوی سے قوی میرے نزدیک ضعیف ہے، جب تک اس سے حق نہ لے لیا جائے اور تم میں سے ضعیف سے ضعیف میرے نزدیک قوی ہے، جب تک اس کا حق اسے نہ دلایا جائے۔" (۲۸۶)

## اسلامی نظامِ مملکت میں حکمرانوں کے لیے منشورِ ہدایت:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاکموں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے، چودھریوں (عرفاء) کے لیے ہلاکت و بربادی ہے، متولیوں (امناء) کے لیے ہلاکت و بربادی ہے، قیامت کے دن بہت سے لوگ ہوں گے، جو تمنائیں کریں گے کہ کاش، ان کی چوٹیاں ثریا سے بندھی ہوئی ہوتیں، وہ آسمان و زمین کے درمیان لٹکے ہوئے ہوتے، مگر کسی (سرکاری منصب، انتظامی عہدے اور سرکاری و حکومتی) ذمّہ داری کے عہدے پر مقرر نہ کیے گئے ہوتے۔"



Marfat.com

"حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دس یا اس سے زیادہ آدمیوں کے معاملات کا ذمّہ دار ہے، وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور اس طرح آئے گا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے۔ پھر یا تو اس کی نیکی اسے آزادی دلائے گی یا اس کے گناہ اسے ہلاک کریں گے۔ اس (امارت) کا آغاز، ملامت، اس کا وسط ندامت اور اس کا آخر قیامت کے دن رسوائی ہے۔"

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ایک زمانہ آئے گا کہ تم لوگ امارت (سرداری) کی حرص کرو گے، حالانکہ یہ قیامت کے دن ندامت کا سبب ہوگی، یہ کیا ہی اچھی دودھ پلانے والی اور کیا ہی بُری دودھ چھڑانے والی ہے، یعنی اس کا آغاز نہایت دل کش اور لذیذ، لیکن اس کا انجام اپنی ذمّہ داریوں کے لحاظ سے نہایت ہولناک ہے۔(۲۸۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "انصاف کرنے والے (امراء اور حکام) نور کے منبروں پر اللہ تعالیٰ کے داہنے بیٹھے ہوئے ہوں گے اور جو لوگ اپنے فیصلے میں، اپنے اہل و عیال میں اور اپنے دائرۂ اقتدار میں انصاف کرتے ہیں، ان کی آستینوں میں خدا کے ہاتھ ہیں۔" (۲۸۸)

لیکن اس کے باوجود مندرجہ بالا وعیدوں سے جو شخص واقف ہوگا، وہ اپنے آپ کو خود کس طرح اس بات کے لیے پیش کرے گا کہ اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا جائے؟

جو لوگ عہدوں اور مناصب کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، اسلامی ماحول کے اندر وہ متہم اور خائن خیال کیے جاتے ہیں اور بسا اوقات ان کا یہ فعل ہی انہیں اس عہدے کے لیے نااہل قرار دینے کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اتنی بڑی آزمائش میں پڑنے کے لیے جو شخص اپنے آپ کو خود پیش کر رہا ہے، وہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ اپنی ذمّہ داری اور اس کے دُور رس نتائج سے بالکل ناواقف ہے یا اس کی نیت میں فتور ہے اور وہ اپنی خواہش سے بے بس ہو گیا ہے۔ اگر پہلی صورت ہے، تو ایسا شخص امتحان میں پڑنے کے بعد ناممکن ہے کہ اپنے آپ کو ترغیبات کے فتنوں سے بچا سکے، جب کوئی آزمائش سامنے آجائے گی، اس کے قدم ضرور لڑکھڑا جائیں گے اور اگر دوسری شکل ہے تو ایسا شخص پہلے مرحلے ہی میں خائن اور بد دیانت ہے، اسے کوئی ذمّہ داری سونپنا گویا چور کو کوتوال بنانا ہے، اس بناء سے اسلام میں سرکاری مناصب اور انتظامی عہدوں کی طلب کو ایک مستقل دلیل نااہلیت قرار دے دیا گیا ہے۔

"حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ دو آدمی میرے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک نے کہا کہ ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپؐ ہمیں حکومت کے کسی منصب پر مقرر فرمائیں۔ دوسرے نے بھی اسی قسم کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: "اِنّ اخونکُم عِندنَا مَن طَلبهٗ" ہمارے نزدیک تم میں سے سب سے بڑا خائن وہ ہے، جو کوئی عہدہ طلب کرے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ "فَلَم یستعن بهمَا حتّٰی مَات" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو کوئی کام نہیں سپرد فرمایا، یہاں تک کہ آپؐ نے وفات فرمائی۔"(۲۸۹) سرکاری مناصب اور عہدوں کے امانت اور آزمائش ہونے کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد تو فرماتا ہے، جو خود تو ان سے گریزاں رہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود کسی عہدے کی ذمّہ داری ان پر آپڑتی ہے، مگر اللہ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، جو خود اپنے آپ کو کسی عہدے کے لیے پیش



Marfat.com

کرتے اور اس سے ڈرنے اور بھاگنے کے بجائے درخواستیں دے کر اسے اپنے گھر بلاتے ہیں۔(۲۹۰)

حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمنؓ! امارت کے طالب نہ بنو، اگر یہ بن مانگے تمہیں ملی، تو اس کام میں خدا کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر اسے مانگ کر لوگے تو تم اس کے حوالے کر دیے جاؤ گے۔(۲۹۱)

## عہد نبویؐ و خلافت راشدہؓ: اسلامی طرز حکمرانی کا بے مثال نمونہ:

بحیثیت پیغمبر آخر الزماں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ منتظم اور مدبّر حکومت بھی تھے۔ آپؐ نے وہ قانونی اور سیاسی کارنامے انجام دیے ہیں، جو تمام عالم کے انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہیں۔ آپؐ کی حیثیت دنیا میں "خلیفۃ اللہ" کی ہے، جس نے وحی الٰہی کی رہنمائی میں اجتماعی زندگی کے تمام فرائض انجام دیے اور انسانی معاشرے کی ان تمام امیدوں کو پورا کیا، جن میں سے ہر ایک دنیا کے لیے ایک مثال بننے والی تھی۔ "خلیفۃ اللہ" کی حیثیت سے آپؐ کے کارنامے حیرت انگیز ہیں۔ آپؐ کی ذاتِ اقدس سیاسی دائرے میں بھی نئے نئے اصول، قوانین، احکام، ہدایات اور اساسی تعلیمات کا سرچشمہ ہے، جن کی بنیاد پر قدیم فطری تصوّرات ایک نئے اور متوازن نظام سے آشنا ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی حکومت اپنی صحیح شکل، منہاج نبوت اور سچے آثار کے ساتھ خلفائے راشدینؓ کے دور میں ملتی ہے۔ تاریخی واقعیت کے اعتبار سے اور صحیح اسلامی تعلیمات پر قائم ہونے کے اعتبار سے اس دور کو اسلامی حکومت کا عصرِ اول کہا جاتا ہے۔(۲۹۲)

اس دور میں بھی صدیقِ اکبرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کا دور ہر حیثیت سے مثالی ہے، جس کا اعتراف نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم مفکرین بھی کرتے ہیں۔ اطالوی مفکر لارڈ کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب "اسلام" میں تحریر کرتے ہیں: "ابو بکرؓ اور عمرؓ نے اپنے ہاتھ میں سلطنت کی زمام لے کر اسے چار چاند لگا دیے اور سیاسی حکمت عملی کا ایک ایسا نقشہ پیش کر کے دکھایا، جس نے ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا، یہ کہنا بغیر کسی مبالغے کے صحیح ہوگا کہ یہ دونوں مشرقی یونان کی بیزنطینی سلطنت کے جن حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں سے برسر جنگ تھے، ان کے مقابلے میں دونوں زیادہ مستقل مزاج، زیادہ انصاف پسند، زیادہ بردبار اور قانع، زیادہ شریف طبع، باعظمت، جری، اولو العزم اور زیادہ بلند مرتبے پر فائز تھے۔(۲۹۳)

تعلیمات نبوی، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین کے طرز عمل اور ان کے فلسفۂ حکمرانی میں اسلامی فلاحی مملکت اور مثالی سیاسی و جمہوری نظام کے یہ تاریخی نظائر امتِ مسلمہ کے لیے بالخصوص اور عالمی سیاسی نظام سے وابستہ عالم انسانیت کے لیے بالعموم ایک بے مثال طرز حکمرانی کا عملی نمونہ اور روشن مثال ہے۔ جس کی روشنی میں دنیائے انسانیت، بنی نوع آدم کو نظم مملکت اور مثالی سیاسی و جمہوری نظام کے حوالے سے بھرپور رہنمائی ملتی ہے۔ اسی نظام میں عالم انسانیت کی فلاح اور کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔



Marfat.com

## (.... خلاصہ بحث: تجاویز و سفارشات ....)

مغرب کا نامور مورخ اور مشہور دانشور ول ڈیورانٹ اپنی کتاب "ہیروز آف ہسٹری" میں محسنِ انسانیت، پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ حکمرانی اور آپؐ کی سیادت و قیادت کے متعلق خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے: "اگر ہم تاریخ پر اثرات کے حوالے سے تجزیہ کریں تو آپؐ کا کوئی ثانی نہیں۔ آپؐ نے جاہلیت کی دلدل میں دھنسے ہوئے لوگوں کو روحانی اور اخلاقی رفعت سے ہمکنار کیا اور کسی بھی دوسرے مصلح یا پیغمبر کی نسبت کہیں زیادہ کامیاب رہے۔ تاریخ انسانی کا شاید ہی کوئی اور آدمی کبھی اپنے خوابوں کو اس قدر بھرپور انداز میں تعبیر دے سکا۔ آپؐ نے عربوں کو تہذیب کے ساتھ ساتھ ایک نیا مذہب بھی دیا، کیوں کہ مذہب کے علاوہ کوئی اور طریقہ دستیاب ہی نہیں تھا۔ آپؐ نے عربوں کے تخیل، خوفوں اور اُمیدوں تک رسائی حاصل کی اور انہیں قابلِ فہم انداز میں ہدایت دی۔ آپؐ کی بعثت کے وقت عرب ایک صحرا تھا، جہاں بہت سے بت پرست قبائل آباد تھے۔ آپؐ کے وصال کے وقت تک عرب ایک متحد قوم بن چکے تھے۔"

یہ ایک تاریخ ساز حقیقت ہے کہ معلمِ بنی نوع آدم، محسنِ انسانیت، پیغمبرِ رحمت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تاریخ کے ایسے دور میں ہوئی، جب پوری دنیا میں کہیں بھی مثالی فلاحی ریاست کا وجود نہ تھا، کرۂ ارض، عالمی تہذیبیں اور اقوامِ عالم ایک سیاسی جمہوری مثالی، فلاحی اور منظم ریاست کے خلا کو محسوس کر رہا تھا، جس میں سرکاری وسائل کو مالِ یتیم نہ سمجھا جاتا ہو، جہاں قومی و ملکی اثاثوں کو آباء واجداد کی میراث اور ذاتی ملکیت نہ سمجھا جاتا ہو۔ بلکہ اس کی اساس خوفِ خدا، پرہیز گاری، دیانت و امانت، احساسِ ذمّہ داری، اعلیٰ اخلاق، آفاقی اقدار اور ابدی اصولوں پر استوار ہو، اسوۂ رسولؐ نے اس خلا کو فکری و عملی دونوں سطحوں پر پُر کیا اور عالمِ انسانیت کو ریاست و جہاں بانی کے ایسے آفاقی اصول و ضوابط عطا فرمائے، جن کی افادیت اور اخلاقی اہمیت سے انسانی تہذیب اور اقوامِ عالم کبھی بھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔ آپؐ نے دیانت و امانت کے اصولوں، اعلیٰ اخلاقی اقدار، اپنے کردار و عمل، مثالی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے ریاستِ مدینہ کو دنیا کی سب سے بڑی اور مستحکم مملکت بنا دیا، جس کی حدود دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبے پر محیط تھیں، جس کے دیرپا اور ہمہ گیر اثرات عہد خلافت راشدہ اور بعد کے اسلامی ادوار میں نظر آئے۔ جس کی عظمت و شوکت کے آگے قیصر و کسریٰ کے اقتدار کا سورج غروب ہو گیا، جس کے سائے میں انسانیت کو عدل و مساوات، توحید کا نور، امن، رواداری، انسان دوستی، خدمتِ خلق کا مثالی جذبہ میسر آیا۔ جس کی اعلیٰ اخلاقی اقدار، مثالی تعلیمات اور دستورِ حیات سے آج بھی انسانیت کو مفر نہیں، اس کی اتباع اور پیروی ہی میں بنی نوع آدم کی فلاح اور نجات کا راز پوشیدہ ہے۔ سرورِ کائنات، امام الانبیاء، محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جو نظام اور دین لے کر تشریف لائے، اس میں قیامت تک انسانیت کے لیے رُشد و ہدایت کا سامان موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ ہر شعبۂ حیات میں انسانیت کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ اور ایک روشن مثال ہے۔ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثالی فلاحی مملکت کے قائد و حکمراں کے طور پر انسانیت کے سامنے جو نظامِ مملکت پیش کیا وہ سیاست و جمہوریت کا لازوال نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نظامِ مملکت کی بنیاد رکھی جو عدل و



Marfat.com

مساوات اور سیاست کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی جمہوری طرزِ حکمرانی پر قائم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظامِ حکومت کو خلفائے راشدینؓ نے دوام و استحکام بخشا۔ یہ نظامِ حکمرانی پوری انسانی تاریخ میں ایک روشن مثال ہے۔ مسلم سیرت نگاروں، مورخوں، دانشوروں، ارباب سیاست، حتیٰ کہ غیر مسلم دانشوروں تک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی نظام مملکت کی مثالیں پیش کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ نظام مملکت کو انسانیت کے لیے فلاح وکامرانی اور نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانی کا جو نمونہ پیش کیا، رہتی دنیا تک وہ انسانیت کے لیے روشنی کا مینار اور روشن مثال ہے۔ موجودہ دور میں سیاسی و جمہوری حوالوں سے انسانیت کو طرزِ حکمرانی اور سیادت و قیادت کے حوالے سے جو چیلنجز درپیش ہیں، ان تمام کا حل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں موجود ہے۔ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان ریاست مدینہ کی طرز پر کلمۂ طیبہ کی بنیاد اور قرآن و سنت، شریعت محمدی کے نفاذ کے لیے قائم ہوئی۔ آج ہمارا جمہوری و سیاسی نظام اس لیے ناکامی اور بے پناہ مسائل سے دوچار ہے کہ ہم نے قرآن و سنت کے نفاذ سے پہلو تہی کی، بے لاگ عدل، بے لاگ احتساب اور حقیقی جمہوری سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی۔ لہٰذا یہاں کرپشن، لاقانونیت اور دیگر برائیوں نے جنم لیا۔ موجودہ دور میں ہم جن مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہیں، ان کے خاتمے اور سدباب کے لیے اسوۂ رسولؐ اور تعلیمات نبویؐ سے رہنمائی ایک ناگزیر امر ہے۔ سیاست و قیادت کی دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز حکمرانی پوری انسانی تاریخ میں منفرد مقام کا حامل سب سے منفرد اور سب سے ممتاز ہے۔ اس نمونۂ عمل کی اتباع میں ہی ہماری کامیابی اور نجات کا راز مضمر ہے۔

## حواشی وحوالہ جات


(۱) سورۂ ابراہیم /۱

(۲) الحج /۴۱

(۳) بخاری، کتاب الاحکام، باب ا۔ مسلم، کتاب الامارہ، باب ۵

(۴) کنز العمال، ج ۵، ح ۲۵۰۵

(۵) محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر / کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، ص ۴۰۵

(۶) بحوالہ: محمد متین خالد / مرا پیمبر عظیم تر ہے، ص ۵۸۱

(۷) ندوی، سیّد سلیمان، علامہ، خطبات مدراس، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۴ء، ص ۸۶

(۸) ایضاً ص ۹۰۔۹۱

(۹) محمد اقبال جاوید، پروفیسر / اسوۂ حسنہ اردو نعت کے آئینے میں، نعت رنگ، شمارہ ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص ۳۷

(۱۰) سیوطی، الجامع الصغیر، بیروت، ۱/۱۷۵

(۱۱) بہ حوالہ: تجلیاتِ سیرت، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۹ء، ص ۴۲




Marfat.com

(۱۲) ابن منظور / لسان العرب: ۱۴۹/ ۴
(۱۳) القاموس: ۳۹۳/ ۱
(۱۴) تاج العروس: ۲۱۵/ ۱۰
(۱۵) فیروزآبادی، القاموس: ایضاً
(۱۶) مرتضیٰ زبیدی: تاج العروض، ایضاً
(۱۷) ابن منظور: لسان العرب، ایضاً
(۱۸) تاج العروس: ۲۱۵/ ۱۰
(۱۹) المنجد: ۹۹، المعجم الوسیط: ۱۳۷ بحوالہ: مغربی جمہوریت ص ۱۲، ۱۳
(۲۰) الماوردی: ۶
(۲۱) فارابی، آراء اہل المدینۃ الفاضلہ: ۱۱۰
(۲۲) بطروس البستانی، محیط المحیط: ۱۲۶
(۲۳) دائرۃ المعارف: ۵۳۴/ ۱۰: بحوالہ: مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر / مغربی جمہوریت، ص ۱۴، ۱۵
(۲۴) ایضاً مغربی جمہوریت، ص ۱۶
(۲۵) مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر / مغربی جمہوریت، حقیقت یا سراب، لاہور، کتاب سرائے، ۲۰۰۳ء، ص ۲۶
(۲۶) شاہد حسین صدیقی، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۵ء، نیز دیکھیے راشدہ شعیب، پروفیسر / اسلام کا نظام حکومت، نظریہ اور عمل، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۳
(۲۷) محمد اعظم چوہدری، ڈاکٹر / سیاسیات، اصول اور نظریات، کراچی، غضنفر اکیڈمی، ۲۰۰۳ء، ص ۲۷۹، ۲۸۰
(۲۸) ایضاً ص ۲۸۱
(۲۹) ایضاً ص ۲۸۱
(۳۰) بحوالہ: مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر / مغربی جمہوریت، حقیقت یا سراب، ص ۱۰۱، ۱۰۲
(۳۱) ایضاً ص ۳۲۵
(۳۲) سید راشد علی / تعارف سیاسیات، رہبر پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۱ء، ص ۳۳۲، ۳۳۱
(۳۳) بحوالہ: مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر / مغربی جمہوریت ص ۲۷
(۳۴) مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر / مغربی جمہوریت، لاہور، کتاب سرائے، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۶
(۳۵) احیاء علوم الدین: ۹/ ۱، مقدمہ: ۱۱۳
(۳۶) ابن منظور / لسان العرب: ۱۰۸/ ۶، مرتضیٰ زبیدی / تاج العروس: ۱۶۹/ ۴۔ بحوالہ مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر / مغربی جمہوریت، ص ۱۳۷
(۳۷) مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر / مغربی جمہوریت، حقیقت یا سراب، ص ۱۳۸



Marfat.com

(۳۸) ابن منظور، لسان العرب: ۱۴۹/۴، مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس: ۲۱۵/۱۰
(۳۹) David Held, Models of Democracy, p-1,2
(۴۰) حوالہ سابقہ: مغربی جمہوریت، ص ۱۳۸
(۴۱) ابنِ خلدون / مقدمہ ابن خلدون، ص ۱۰۱ طبع البہیہ مصر، ص ۲۰
(۴۲) حامد الانصاری، غازی مولانا / اسلام کا نظام حکومت، ص ۹۲
(۴۳) الذریعہ الیٰ مکارم الشریعہ / ص ۱۸
(۴۴) ماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۳
(۴۵) الاحکام السلطانیہ، ص ۸۰
(۴۶) احیاء العلوم غزالی ج ۳، حقیقۃ الدنیا، ص ۱۹۶
(۴۷) حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، حقیقۃ النبوۃ ص ۹۵
(۴۸) الاحکام السلطانیہ ص ۴۔ ۱۳
(۴۹) السیاسۃ الشرعیہ ص ۳
(۵۰) حامد الانصاری، غازی، مولانا / اسلام کا نظام حکومت، ص ۱۹۴
(۵۱) محمد اعظم چوہدری، ڈاکٹر / سیاسیات نظریات اور اصول، ۲۰۰۳ء، کراچی، غضنفر اکیڈمی، ص ۱۹
(۵۲) ایضاً ص ۲۱
(۵۳) ایضاً ص ۲۲
(۵۴) سیّد فیروز شاہ گیلانی / جمہوریت کی تلاش، انڈس پبلشنگ کارپوریشن، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۸
(۵۵) ایضاً ص ۸
(۵۶) ایضاً ص ۸
(۵۷) ایضاً ص ۸
(۵۸) یوسف القرضاوی، ڈاکٹر / سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی بحث، مترجم: ظہیر الدین بھٹی، ادارہ معارف اسلامی، کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۷
(۵۹) محمد تقی عثمانی، مفتی / اسلام اور سیاسی نظریات کراچی، مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۰ء، ص ۱۶۲
(۶۰) عبد الغنی فاروق، ڈاکٹر / مغرب پر اقبال کی تنقید، کتاب سرائے، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۶۵۔ ۶۶
(۶۱) اقبال / بابِ جبریل، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء، ص ۴۱۰
(۶۲) عبد الغنی فاروق، ڈاکٹر / مغرب پر اقبال کی تنقید، ص ۶۸
(۶۳) الانعام / ۷۳
(۶۴) السجدہ۔ ۵



Marfat.com

(۶۵) بنی اسرائیل۔ ۱۱۱
(۶۶) النحل۔ ۱۷
(۶۷) الحشر۔ ۲۳
(۶۸) سورۃ المجادلہ ۴
(۶۹) راشدہ شعیب، پروفیسر / اسلام کا نظام حکومت، نظریہ اور عمل، اسلام آباد، بک پروموٹرز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۵۔۱۰۶
(۷۰) ایضاً اسلام کا نظام حکومت، نظریہ اور عمل، ص ۱۰۷
(۷۱) النور: ۵۵
(۷۲) ایضاً حوالہ سابقہ ص ۱۰۸
(۷۳) آل عمران۔ ۱۵۹
(۷۴) سورۃ الشوریٰ آیت ۳۸۔ ۳۶۔ پارہ ۲۵۔ نیز دیکھیے: راشدہ شعیب پروفیسر / اسلام کا نظام حکومت، نظریہ اور عمل، ص ۱۰۰
(۷۵) اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول، محمد اسد، ص ۷۵۔ راشدہ شعیب، پروفیسر / اسلام کا نظام حکومت نظریہ اور عمل، ص ۱۱۱
(۷۶) حیدر زمان صدیقی، اسلامی نظریہ ریاست، ص ۱۵۲۔ بحوالہ: اسلام کا نظام حکومت، نظریہ اور عمل، ص ۱۱۱
(۷۷) بحوالہ: راشدہ شعیب، پروفیسر / اسلام کا نظام حکومت، نظریہ اور عمل، ص ۱۱۴
(۷۸) سورۃ الانعام۔ ۱۱۶
(۷۹) ایضاً ص ۱۴۹
(۸۰) البقرہ: ۳۰، یوسف ۴۳، یونس ۱۰۹، المائدہ: ۴۲، البقرہ ۱۲۴
(۸۱) الکہف: ۸۳ تا ۹۸، البقرہ: ۲۴۷، النمل: ۲۳ تا ۴۴
(۸۲) صٓ: ۱۲، النمل ۳۴
(۸۳) البقرہ: ۳۰
(۸۴) راغب اصفہانی، المفردات: ۱۵۵ تا ۱۵۶
(۸۵) البقرہ: ۳۶
(۸۶) سورۃ البقرہ: ۳۸
(۸۷) سورۃ صٓ۔ ۲۶
(۸۸) خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر / فکر اقبال، لاہور، بزم اقبال، ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۹
(۸۹) اقبال / ضرب کلیم، ص ۶۰۴



Marfat.com

(۹۰) اقبال / ضرب کلیم، ص ۶۱۴

(۹۱) ایضاً ص ۶۱۹

(۹۲) اقبال / بال جبریل، ص ۴۵۴

(۹۳) بحوالہ: عبد الغنی فاروق، ڈاکٹر / مغرب پر اقبال کی تنقید، ص ۷۲

(۹۴) ایضاً ص ۷۲

(۹۵) ایضاً ص ۷۳

(۹۶) اقبال / بانگِ درا، ص ۲۶۵

(۹۷) ارمغان حجاز، ص ۹۷۲

(۹۸) بحوالہ: عبد الغنی فاروق، ڈاکٹر / مغرب پر اقبال کی تنقید، ص ۷۹۔ ۸۰)۔

(۹۹) دیکھیے: عبد الغنی فاروق، ڈاکٹر / مغرب پر اقبال کی تنقید، ص ۸۱

(۱۰۰) آزاد، ابو الکلام، مولانا / اسلام اور جمہوریت، لاہور، مکی دار الکتب، ۱۹۹۵ء، ص ۸

(۱۰۱) آزاد، ابو الکلام، مولانا / اسلام اور جمہوریت، لاہور مکی دار الکتب، ۱۹۹۵ء، ص ۱۸

(۱۰۲) ایضاً اسلام اور جمہوریت، ص ۱۹

(۱۰۳) خلافت وملوکیت از ابو الاعلیٰ مودودی

(۱۰۴) تاریخ ابن کثیر، ج ۱۱

(۱۰۵) آل عمران: ۶۴

(۱۰۶) الاعراف: ۱۵۷

(۱۰۷) مودودی، سید ابو الاعلیٰ، مولانا / اسلام کا سیاسی نظام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص ۲۰

(۱۰۸) سورہ یوسف۔ ۴۰

(۱۰۹) آل عمران۔ ۱۵۴

(۱۱۰) النحل۔ ۱۱۶

(۱۱۱) المائدہ۔ ۴۴

(۱۱۲) النساء۔ ۶۴

(۱۱۳) سورۃ الانعام۔ ۵۷

(۱۱۴) آل عمران۔ ۷۹

(۱۱۵) ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، اسلامک اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۰ء ص ۱۱۸

(۱۱۶) ایضاً اسلامی ریاست، ص ۱۱۹

(۱۱۷) سید ابو الاعلیٰ مودودی / اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۴



Marfat.com

(۱۱۸) عبدالرحمن کیلانی، مولانا/ خلافت و جمہوریت، مکتبۃ السلام، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۲۲۹، ۲۳۰

(۱۱۹) حاضر العالم الاسلامی تعلیقات امیر شکیب ارسلان ج ۱ ص ۱۲۴

(۱۲۰) حامد الانصاری غازی، مولانا/ اسلام کا نظام حکومت، ص ۱۹۶

(۱۲۱) صفدر محمود، ڈاکٹر/ پاکستان، تاریخ و سیاست، جنگ پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ۱۹۷۶ء، ص ۲۷۶

(۱۲۲) ایضاً پاکستان، تاریخ و سیاست، ص ۳۷۷

(۱۲۳) ایضاً ص ۳۰۹

(۱۲۴) صفدر محمود، ڈاکٹر/ پاکستان تاریخ و سیاست، ص ۳۱۰

(۱۲۵) ایضاً پاکستان، تاریخ و سیاست، ص ۳۱۲

(۱۲۶) حفیظ الرحمن صدیقی، پروفیسر/ پاکستان، سیاست اور اسلامی قانون، کراچی، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۶۸

(۱۲۷) ایضاً ص ۲۷۰۔۲۷۱

(۱۲۸) حفیظ الرحمن صدیقی، ڈاکٹر/ پاکستان، سیاست اور اسلامی قانون، ص ۲۷۲۔۲۷۴

(۱۲۹) حفیظ الرحمن صدیقی، ڈاکٹر/ پاکستان، سیاست اور اسلامی قانون، ص ۲۸۳، ۲۸۴

(۱۳۰) حکیم محمد سعید/ پاکستان کے پچاس سال، ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۹۱

(۱۳۱) سیّد فیروز شاہ گیلانی/ جمہوریت کی تلاش، انڈس پبلشنگ کارپوریشن، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۳۹

(۱۳۲) بحوالہ: جمہوریت کی تلاش، ص ۴۰

(۱۳۳) سید فروز شاہ گیلانی/ جمہوریت کی تلاش، ص ۴۱

(۱۳۴) ایضاً ص ۶۴

(۱۳۵) Speeches and Writings of Mr.Jinah.v0l: ii,pp: 437

(۱۳۶) Speeches and Writings of Mr.Jinah.v0l: ii,pp: 430

☆ بحوالہ فیض احمد شہابی/ قائد اعظم کا نظریۂ پاکستان اسلامی یا سیکولر؟، ادارہ معارف اسلامی، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳

(۱۳۷) مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے اجلاس منعقدہ ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء میں قائد اعظم کی تقریر، بحوالہ: محمد یوسف فاروقی، ڈاکٹر/ تصور پاکستان، بانیان پاکستان کی نظر میں، اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲

(۱۳۸) آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کراچی ۱۹۴۲ء سے خطاب، بحوالہ: محمد یوسف فاروقی، ڈاکٹر/ تصور پاکستان، بانیان پاکستان کی نظر میں، ص ۱۸

(۱۳۹) نقوش اقبال از رحیم بخش شاہین، شیخ اکیڈمی، لاہور، بحوالہ: تصور پاکستان، بانیان پاکستان کی نظر میں، ص ۱۹

(۱۴۰) روزنامہ ڈان، کراچی، ۲۷ دسمبر ۱۹۴۳ء



Marfat.com

(۱۴۱) ڈاکٹر سید بدرالدین احمد کو انٹرویو، اورنگ زیب عالمگیر روڈ نئی دہلی میں، قائداعظم کی قیام گاہ پر، مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۴۶ء، بحوالہ: محمد یوسف فاروقی، ڈاکٹر / تصور پاکستان، بانیان پاکستان کی نظر میں، ص ۲۵

(۱۴۲) محمد یوسف فاروقی، ڈاکٹر / تصور پاکستان، بانیان پاکستان کی نظر میں، ص ۲۵

(۱۴۳) قائداعظم کیسا پاکستان چاہتے تھے، از حمید رضا صدیقی، کاروان ادب لاہور

(۱۴۴) ملت کا پاسبان قائداعظم محمد علی جناح از علی سفیان آفاقی، سارنگ پبلی کیشنز لاہور، محمد یوسف فاروقی، تصور پاکستان، بانیان پاکستان کی نظر میں، ص ۲۸

(۱۴۵) شاہی دربار سبی، بلوچستان میں تقریر، ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء، بحوالہ محمد یوسف فاروقی، ڈاکٹر / تصور پاکستان، بانیان پاکستان کی نظر میں، ص ۳۱

(۱۴۶) بحوالہ کرامت علی خان / محرکات تحریک پاکستان غالب پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۴۲

(۱۴۷) کرامت علی خان / محرکات تحریک پاکستان، غالب پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۴۳

(۱۴۸) ایضاً ص ۲۴۴

(۱۴۹) ایضاً ص ۲۴۶

(۱۵۰) بحوالہ: کرامت علی خان / محرکات تحریک پاکستان، غالب پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۴۰

(۱۵۱) ایضاً ص ۲۴۱

(۱۵۲) بحوالہ: سید ابوالاعلیٰ مودودی / اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۶۴۱، ۶۴۲

(۱۵۳) سیّد محمد سلیم، پروفیسر / تاریخ نظریۂ پاکستان، ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۰۷۔۲۰۹

(۱۵۴) ایضاً ص ۲۷۰، ۲۷۱

(۱۵۵) محمد سلیم، پروفیسر / تاریخ نظریۂ پاکستان، ص ۲۹۱

(۱۵۶) بحوالہ: صاحبزادہ نواز احمد فریدی / مضمون نویس، مکتبہ فریدی، کراچی، ص ۱۳۷، ۱۳۹

(۱۵۷) نظریہ سلطنت ملنجھی، باب اول، ص ۲۶۹

(۱۵۸) دائرۃ المعارف بستانی / ۲، ص ۵۰۹

(۱۵۹) بحوالہ: حامد الانصاری غازی / اسلام کا نظام حکومت، ص ۴۰۔۴۱

(۱۶۰) آزاد، ابوالکلام، مولانا / اسلام اور جمہوریت، ص ۲۵۔۲۶

(۱۶۱) سورۂ آل عمران۔ ۶۴

(۱۶۲) ایضاً اسلام اور جمہوریت، ص ۲۷

(۱۶۳) نعیم صدیقی / محسن انسانیتؐ، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء، ۲۲، ۲۳

(۱۶۴) سید سلیمان ندوی، علامہ / ؒ، لاہور، الفیصل ناشران، جلد ۳۹ / ۷

(۱۶۵) سیّد طفیل احمد منگلوری / قدیم شہنشاہیاں، لاہور، ص ۱۰



Marfat.com

(۱۶۶) النمل / ۳۴

(۱۶۷) بحوالہ: علی عباس جلال پوری، رسوم اقوام، جہلم، خرد افروز، ص ۱۵۹، ۱۶۰

(۱۶۸) نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء ص ۳۵

(۱۶۹) ابن خلدون / کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر (تاریخ ابن خلدون) مطبوعہ ۱۲۸۴ھ، ۱۵۴/۲

(۱۷۰) ابوالحسن علی ندوی، مولانا / انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ص ۶۶

(۱۷۱) Bryce, James Viscount, The Holy Roman Empire,London, 1950,p: xxx1
بحوالہ: نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، لاہور نشریات، ۲۰۰۸ء، ص ۲۷

(۱۷۲) ایضاً ص ۲۷

(۱۷۳) ایضاً ص ۳۱

(۱۷۴) ایضاً، ص ۶۷

(۱۷۵) Robert Briffault The Making of Humanity,London, p.150

(۱۷۶) ابن جریر طبری / تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ، ۱۳۴/۴

(۱۷۷) ابوالحسن علی ندوی / انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۷۷

(۱۷۸) ارتھر کرسٹن سین / ایران بعہد ساسانیان، دہلی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۰ء، ص ۶۸۱

(۱۷۹) ابوالحسن علی ندوی / انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۸۰

(۱۸۰) پیر محمد کرم شاہ الازہری / ضیاء النبی، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۶۰

(۱۸۱) غلام رسول چیمہ، پروفیسر / سیرۃ سیّد البشرؐ، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۴ء، ص ۳۰

(۱۸۲) ایضاً سیرۃ سیّد البشرؐ، ص ۳۲

(۱۸۳) ایضاً ص ۳۲

(۱۸۴) حوالہ سابقہ ص ۳۴

(۱۸۵) علی عباس جلال پوری / روایات تمدن قدیم، ص ۱۶۱

(۱۸۶) غلام رسول چیمہ / سیرۃ سید البشرؐ، ص ۳۴

(۱۸۷) ایضاً ص ۳۵

(۱۸۸) حوالہ سابقہ ص ۳۴

(۱۸۹) دیکھیے: عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۷

(۱۹۰) ایضاً ص ۳۴

(۱۹۱) سیرۃ سید البشرؐ، ص ۳۶

(۱۹۲) بحوالہ: نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۱



Marfat.com

(۱۹۳) ارتھر کرسٹن / ایران بعہد ساسانیان، ص ۱۶۳

(۱۹۴) ایضاً ایران بعہد ساسانیان، ص ۶۱۱

(۱۹۵) محمد کرد علی / خطط الشام، بیروت، ۴/۷۰

(۱۹۶) عبدالحلیم شرر / تاریخ اسلام ۱/۳۵۴

(۱۹۷) بحوالہ: پیر محمد کرم شاہ الازہری / ضیاء النبیؐ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۱۵ھ، ۱/ ص ۶۷

(۱۹۸) DENISON. J.H/ EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION, LONDON. 1928,P.265

(۱۹۹) ڈاکٹر صبحی محمصانی / فلسفہ شریعت اسلام، مترجم محمد احمد رضوی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۶

(۲۰۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ / خطبات بہاولپور ص ۳۴۱، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۲ء

(۲۰۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ / عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۸۲، ص ۸۳

(۲۰۲) ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی / اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، مترجم: معروف شاہ شیرازی، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۶۹ء، ص ۹۳

(۲۰۳) ایضاً، ص ۹۳

(۲۰۴) خطبۂ حجۃ الوداع کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: بخاری / صحیح بخاری، طبع دہلی، ۱/ ۲۳۴۔ مسلم / صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱/ ۳۹۴۔ ۴۰۰۔ ابوداؤد / سنن ابوداؤد، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔ ۱/ ۲۶۲۔ ابن ماجہ / سنن ابن ماجہ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ ص ۱۹۴۔ ابن حجر عسقلانی / فتح الباری، الطبعۃ الخیریۃ مصر، القاہرۃ، ص ۱۱/ ۲۰۔ احمد بن حنبل / المسند، دارالمعارف مصر ۱۹۵۱ء، ۹/ ۶۱۸۶۔ علی متقی الھندی / کنز العمال فی سنن الاقوال، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن ۱۹۵۴ء، ۵/ ۱۵۹۔ ۱۶۶۔ حافظ ابوبکر الھیثمی / مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بیروت، ص ۲۶۵۔ ص ۲۷۴۔ ابن قیم الجوزی / زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مطبعۃ الازھریۃ مصر، القاہرۃ ۱۳۶۶ھ۔ ملا علی القاری / مرقاۃ الفاتیح، مکتبۂ امدادیہ ملتان، ۵/ ۲۹۸۔ ابن ھشام / السیرۃ النبویۃ، دارالفکر بیروت، ۴/ ۲۵۳۔ ابن جریر الطبری / تاریخ الطبری، دارالمعارف مصر، ۳/ ۱۴۸۔ ابن سعد / الطبقات الکبریٰ، دارالفکر بیروت، ۲/ ۱۷۲، ۱۳۷۶۔ ابن الاثیر الجزری / تاریخ الکامل، طبع مصر، ۲/ ۱۴۶۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی / بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ، ص ۲۷۸۔ الجاحظ / البیان والتبیین، مطبعہ الاستقامۃ القاہرۃ ۱۹۴۷ء، ۲/ ۲۹۔ جلال الدین السیوطی / الاتقان فی علوم القرآن، مصر القاہرۃ ۱۹۵۱ء، ۱/ ۱۷۸۔ احمد زکی صفوت / جمھرۃ خطب العرب، مصر ۱۹۳۲ء، ۱/ ۱۵۷۔ شبلی نعمانیؒ / مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۴۰۸ھ، ۲/ ۹۳۔ ۹۴۔

(۲۰۵) سیّد سلیمان ندوی / سیرۃ النبیؐ، ۷/ ۱۴

(۲۰۶) حامد الانصاری غازی، مولانا / اسلام کا نظام حکومت، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۸۶۔ ۸۷



Marfat.com

(۲۰۷) سید ابوالاعلیٰ مودودی / اسلام کا سیاسی نظام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور

(۲۰۸) سورۃ الحدید / ۲۵

(۲۰۹) سورۃ الحج / ۴۱

(۲۱۰) سورہ آل عمران۔ ۱۱۰

(۲۱۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ / اسلام کا سیاسی نظام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص ۳۱، ۳۲

(۲۱۲) بحوالہ حامد الانصاری غازی، مولانا / اسلام کا نظام حکومت، ص ۴۴۸، ۴۴۹

(۲۱۳) پروفیسر خورشید احمد / اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ۱۹۷۵ء

(۲۱۴) الحج: ۴۱

(۲۱۵) سورۃ الحدید۔ ۲۵

(۲۱۶) خورشید احمد، پروفیسر / اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ کراچی، ۱۹۷۵ء، ص ۴۷۵، ۴۷۶

(۲۱۷) خورشید احمد، پروفیسر / اسلامی نظریات حیات، ص ۴۸۷

(۲۱۸) سورۃ النساء۔ ۱

(۲۱۹) سورۃ الحجرات۔ ۱۳

(۲۲۰) مسند احمد، سنن ابوداؤد

(۲۲۱) صحیح مسلم

(۲۲۲) صحیح مسلم

(۲۲۳) سورہ آل عمران: ۱۵۹

(۲۲۴) بخاری و ترمذی

(۲۲۵) آلوسی / روح المعانی

(۲۲۶) صحاح ستہ

(۲۲۷) بستانی، جلد اول

(۲۲۸) خورشید احمد، پروفیسر / اسلامی نظریہ حیات، ص ۴۸۹۔ ۴۹۰

(۲۲۹) صحیح بخاری

(۲۳۰) صحیح مسلم

(۲۳۱) سنن ابوداؤد

(۲۳۲) موطا امام مالک

(۲۳۳) اسلامی نظریۂ حیات، ص ۴۹۰

(۲۳۴) نیل الاوطار جلد ۷، ص ۱۳۰



Marfat.com

(۲۳۵) سورۃ البقرہ۔ ۲۵۶
(۲۳۶) خورشید احمد، پروفیسر / اسلامی نظریہ حیات، ص ۴۹۲
(۲۳۷) بحوالہ: خورشید احمد، پروفیسر / اسلامی نظریۂ حیات، ص ۴۷۳
(۲۳۸) بحوالہ: حامد الانصاری، غازی / اسلام کا نظام حکومت، ص ۹۶۔ ۹۷
(۲۳۹) حامد الانصاری، غازی، اسلام کا نظام حکومت، ص ۴۲۵
(۲۴۰) ایضاً ص ۴۲۶
(۲۴۱) مشکوٰۃ، کتاب الامارۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی
(۲۴۲) پروفیسر عبدالجبار شیخ / سیرت مجمع کمالاتؐ، سیالکوٹ، ادارہ تعلیماتِ سیرتؐ، ص ۲۸
(۲۴۳) بخاری، محمد بن اسماعیل / الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، مسلم بن حجاج القشیری / الجامع الصحیح، کتاب الامارہ
(۲۴۴) ابوداؤد / السنن، کتاب الامارہ
(۲۴۵) علی متقی ہندی / کنز العمال، ج ۶، ۲۰۶
(۲۴۶) کنز العمال، ج ۶، ۲۰۶
(۲۴۷) بخاری / الجامع الصحیح، باب اقامۃ الحد
(۲۴۸) بحوالہ: پروفیسر عبدالجبار شیخ / سیرت مجمع کمالاتؐ، ص ۲۶۰، ۲۶۱
(۲۴۹) سید سلیمان ندوی / لاہور، الفیصل ناشران، ۴۳/۷، ۴۴
(۲۵۰) محمد بن اسماعیل البخاری / الجامع الصحیح، باب کراہۃ الشفاعۃ فی الحدود
(۲۵۱) ابوداؤد السجستانی / السنن، کتاب الحدود ۵۷/۲
(۲۵۲) سید سلیمان ندوی / ۴۵/۷
(۲۵۳) ایضاً حوالہ سابقہ ۴۵/۷
(۲۵۴) ابوداؤد، السنن ۲/ ص ۱۵، کتاب الامارۃ
(۲۵۵) محمد اقبال جاوید، پروفیسر / اسوۂ حسنہ اردو نعت کے آئینے میں، نعت رنگ، کراچی، شمارہ ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص ۴۵
(۲۵۶) سید سلیمان ندوی / سیرت النبیؐ ۴۷/۷
(۲۵۷) محمد اقبال جاوید، پروفیسر / اسوۂ حسنہ اردو نعت کے آئینے میں، نعت رنگ، کراچی، شمارہ ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص ۴۱
(۲۵۸) النساء: ۵۸
(۲۵۹) بخاری، کتاب الاحکام، باب ۱۔ مسلم، کتاب الامارہ، باب ۵
(۲۶۰) بخاری، کتاب الاحکام، باب ۸۔ مسلم، کتاب الامارہ باب ۵
(۲۶۱) مسلم، کتاب الامارہ، باب ۵
(۲۶۲) کنز العمال، ج ۶، ح ۱۲۲۶۸



Marfat.com

(۲۶۳) بحوالہ اسلامی ریاست، ص ۳۶۵

(۲۶۴) کنز العمال، ج ٦، ح ٧٨

(۲۶۵) ایضاً ج ٦، ح ٦٦

(۲۶۶) کنز العمال، ج ۵، ح ۲۵۰۵

(۲۶۷) اصلاحی، امین احسن / اسلامی ریاست ص ۳۶۶

(۲۶۸) مسلم باب فضیلۃ الامام العادل

(۲۶۹) مسلم، باب مذکور

(۲۷۰) مسلم، باب مذکور

(۲۷۱) بخاری / الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، ۱۰۶۳ / ۲

(۲۷۲) نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نشریات، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۴۱۳

(۲۷۳) نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۶

(۲۷۴) ابوداؤد السجستانی / السنن، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۶۹ھ، ۴۰۶ / ۲ کتاب الخراج والامارۃ

(۲۷۵) بخاری / الجامع الصحیح، دہلی، ۱۹۳۸ء، کتاب الایمان ۱۰۵۸ / ۲

(۲۷۶) ابویوسف / کتاب الخراج، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ص ۹: بحوالہ نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۷

(۲۷۷) نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۷

(۲۷۸) الحجرات: ۱۳

(۲۷۹) نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۸

(۲۸۰) عبدالحیٔ کتانی / التراتیب الاداریۃ، ترجمہ عہدِ نبویؐ کا نظام حکومت، مترجم: مولانا معظم الحق، کراچی، ادارۃ القرآن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۱

(۲۸۱) عبدالحیٔ کتانی / التراتیب الاداریۃ (عہدِ نبویؐ کا نظامِ حکومت) ترجمہ: مولانا معظم الحق، کراچی، ادارۃ القرآن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۱

(۲۸۲) طبری، ابوجعفر، محمد بن جریر / تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ، ۱۹۶۰ء، ۱۲۸ / ۱۲۹،۳

(۲۸۳) سورۃ النساء / ۵۸

(۲۸۴) النساء / ۵۸

(۲۸۵) سید سلیمان ندوی، علامہ / اسلام میں عمال حکومت اور ان کی ذمے داریاں، دعوہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۹،۱

(۲۸۶) ایضاً اسلام میں عمال حکومت اور ان کی ذمہ داریاں، ص ۱۰

(۲۸۷) بخاری، مسند احمد، نسائی



Marfat.com

(۲۸۸) مسلم، باب فضیلۃ الامام العادل

(۲۸۹) ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفی والامارۃ

(۲۹۰) بحوالہ: اسلامی ریاست،، ص ۲۷۳

(۲۹۱) متفق علیہ، ایضاً ص ۲۷۳

(۲۹۲) ماجد علی خان، ڈاکٹر / اسلام کا فلسفۂ سیاسیات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۷۹ء، ص ۷۵

(۲۹۳) ہنری دی کاسٹری / اسلام، ترجمہ بزبان عربی، احمد فتحی زغلول پاشا (مصری) ص ۳۲۔ بحوالہ: ڈاکٹر ماجد علی خان / اسلام کا فلسفۂ سیاسیات، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۷۹ء، ص ۷۵، ۷۶



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

بشریٰ اکرام-اسلام آباد*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاھرین۔ امابعد۔

میرے ہاتھوں اور ہونٹوں سے خوشبو جاتی نہیں
کہ میں نے اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا بہت اور چوما بہت
میری آنکھوں اور ذہن سے محو ہوتا ہی نہیں
کہ میں نے اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا بہت اور سوچا بہت (۱)

ہر مسلمان زندگی بھر ایسے اعمال کرنے میں کوشاں رہتا ہے جن کے باعث اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو جائے۔ یہی تمنا، آرزو اور خواہش اس مقالے کو زیب قرطاس کرنے پر ابھارنے کا باعث بنی۔

سنت نبویہ مطہرہ جو ایک تجدید پذیر عطیہ اور تا قیامت باقی رہنے والا توشہ ہے اور جس کو بیان کرنے اور جس کے مختلف عنوانات پر کتابیں اور صحیفے لکھنے کے لیے لوگوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سے مقابلہ اور تنافس جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ سنت مطہرہ مسلمانوں کے سامنے وہ عملی نمونہ اور واقعاتی پروگرام رکھتی ہے جس کے سانچے میں ڈھل کر مسلمانوں کی رفتار و گفتار اور کردار و اطوار کو نکلنا چاہیے اور اپنے پروردگار سے ان کا تعلق اور اپنے کنبہ و قبیلہ، برادران اور اخوان اور افراد امت ملک سلطنت سے ان کا ربط اس کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ اللہ عز و جل کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲)

"یقیناً تمہارے ہر اس شخص کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے جو اللہ

---

* فاضلہ علوم دینیہ، ایم ایس سی میتھمیٹکس، بی ایڈ، ایم ایڈ



Marfat.com

اور روزِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔"

اور جب حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے ہیں؟ توانہوں نے فرمایا: کان خلقہ القرآن (۳) "بس قرآن ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تھا۔"

لہٰذا جو شخص اپنی دنیا و آخرت کے جملہ معاملات میں ربانی شاہراہ پر چل کر اس دنیا سے نجات چاہتا ہو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کی پیروی کرے۔

اور خوب اچھی طرح سمجھ بوجھ کر اس یقین کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنائے کہ یہی پروردگار کا سیدھا راستہ ہے جس پر ہمارے آقا اور پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عملاً اور واقعتاً تمام شعبہ ہائے زندگی میں گامزن تھے۔ لہٰذا اسی میں قائدین و متبعین، حکام و محکومین، رہبران و مرشدین او رمجاہدین سیاسیین کی رشد و ہدایت ہے۔ اور اسی میں سیاست و حکومت، دولت و اقتصاد، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات، اخلاق فاضلہ اور بین الاقوامی روابط کے جملہ میدانوں کے لیے اُسوہ و نمونہ ہے۔

اسی چیز کو اپنا کر صحابہ کرام روشن ستارے بنے تھے۔ بقول اقبال:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر (۴)

آج کا مسلمان اس ربانی منہج سے دور ہٹ کر جہل و پسماندگی کے گڑھے میں جا گرا ہے۔ اس کے لیے کیا ہی بہتر ہوگا کہ وہ ہوش کے ناخن لے مگر پتہ نہیں کیوں ہم ایسے بے قدرے بندے ہیں کہ کوئی احساس ہی نہیں۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا (۵)

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے تعلیمی نصابوں اور مختلف اجتماعات و مجالس میں اس بنا پر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سر فہرست رکھیں کہ یہ محض ایک فکری متاع ہی نہیں ہے بلکہ یہی اللہ کی طرف واپسی ہے اور اسی میں لوگوں کی صلاح و فلاح ہے کیونکہ یہی اخلاق و عمل کے میدان میں اللہ عزو جل کی کتاب قرآن مجید کی ترجمانی کا علمی اسلوب ہے۔ جس کے نتیجے میں مومن، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت کا تابع فرمان بن جاتا ہے اور اسے انسانی زندگی کے جملہ معاملات میں حکم بنا لیتا ہے اور اس کے انعام میں اللہ اپنے بندے سے بھلا کیا کہتا ہے:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (٦)

اور اب ہم آتے ہیں پاکستان اور اس کی جمہوری و سیاسی نظام کی طرف کہ کس قدر پیچیدہ نظام



Marfat.com

ہے یہ جو تہہ در تہہ غیر واضح اور تضادات پر مبنی ہے اور ہم مسلمان اپنے فرعونی ناخداؤں سے اس قدر خوف زدہ ہیں کہ حق کے لیے انگلی ہی نہیں اٹھاتے۔ حالانکہ تکلیف تو دونوں طرف ہے، آواز نہ اٹھانے کی صورت میں خود ظلم کی چکی میں پسیں گے اور آواز اٹھانے کی صورت میں قید و بند کی صعوبت کی صورت آئے گی تو جیل میں چکی پیسیں گے تو کیوں نہ اللہ کی خاطر سچ کا علم بلند کریں۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں (۷)

اس صورت میں دل، ضمیر تو مطمئن ہوں گے کہ راہِ حق کے شہید ہوں گے۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۸)

"یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ دو ! اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں محبوب رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔"

اگر قرآن کریم کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ " ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل لے۔"(۹) کی روشنی میں ہم پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں لیں، تو یہ بات اظہر من الشمس ثابت ہوتی ہے کہ پاکستان اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، جو اس نے ہمیں عطا کی اور ہم نے اس کی اس طرح سے قدر نہ کی، جیسا کہ اس کا حق تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے رب کی بھی وہ قدر نہ کی جو کہ اس کی ربوبیت کا تقاضا تھا، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ "ترجمہ "اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی، نہیں کی۔" (۱۰)

علامہ اقبال نے دور حاضر کے انسان کو ان خرابیوں سے آگاہ کیا ہے جو اس کی روحانی تباہی کا باعث بن رہی ہیں، جو کچھ عملی طور پر ہمارے سامنے ہے، اسے انہوں نے بڑے دردمندانہ انداز میں پیش کیا ہے، ذیل کے دو اشعار اس احساس کے ترجمان ہے

مکدر کرد مغرب چشمہ ہائے علم و عرفاں را　　جہاں را تیرہ تر سازد چہ مشائی چہ اشراقی
دل گیتی انا المسموم انا المسموم فریادش　　خرد نالاں کہ ما عندی بتریاق ولا راقی (۱۱)

یہ بالکل واضح ہے کہ ہمارے غیر جمہوری رویوں، دوغلی سیاست، پاکستان کے وسائل کی لوٹ مار، نااہل سیاسی قیادت اور قرآن سے دوری نے آج ہمیں اس دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے کہ ہم حق پر ہونے کے باوجود عالمی برادری میں تنہائی کا شکار رہیں، حالانکہ قائداعظم محمد علی جناح نے ہماری صحیح خطوط پر رہنمائی فرمائی تھی اور ہمیں دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی تھی۔ چنانچہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو قائداعظم نے ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو عید کا پیغام دیتے ہوئے کہا: "کلام اللہ میں انسان کو اللہ کا



Marfat.com

خلیفہ کہا گیا ہے۔ اگر انسان کی اس تعریف میں کچھ معنویت ہے، تو پھر ہم پر قرآن کی اتباع کا فرض عائد ہو جاتا ہے، اور ہم پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کے ساتھ کرتا ہے اور یہ فرض وسیع معنوں میں صرف محبت کرنے اور شاکر رہنے کا فرض ہے۔ یقین کیجئے کہ یہ فرض منفی نہیں بلکہ اثباتی ہے۔"(۱۲) اور یہ پیغام اتنا دلنشیں اور مؤثر تھا کہ غیر مسلم بھی متاثر ہوئے حتیٰ کہ گاندھی جی نے تو پڑھ کر قائداعظم کو مبارک باد کا تار دیا اور پیغام میں مذکورہ خیالات کی صداقت کا اعتراف کیا۔

قائد اعظم نے مزید فرمایا: "مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں۔ قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے، مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے کوئی دوسرا پروگرام نہیں پیش کر سکتی۔

## سیاست کی تعریف معنی و مفہوم:

لغت اور اسلامی کتابوں کے ماخذ اور متون میں مندرج لفظ سیاست کے معنوں پر غور کرنے سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سیاست کے حقیقی معنی، انسانی معاشرے، ملک اور عوام کی سرپرستی و قیادت کے ان ابعاد پر مشتمل ہیں، جن کے ذریعہ ان کی فلاح و بہبود اور ترقی کی ضمانت ملتی ہے۔ لفظ سیاست پر مشتمل تشریحات کو لغت کی بعض کتابوں نے درج کیا ہے:

مجمع البحرین: اس، یسوس، الرعیہ، امرھا و نھاھا، سیاست کے معنی، عوام پر احکام جاری کرنے اور پابندی عائد کرنے کے ہیں۔ حدیث میں ہے: "ثم فوض الی النبی امر الدین و الامۃ لیسوس عباد" "دین اور امت مسلمہ سے وابستہ امور کی ذمہ داری پیغمبر اسلام کو سونپی گئی تاکہ لوگوں کو سیاست اور راہنمائی کریں۔(۱۳)

عربی لغت، لاروس: ساس الوالی الرعیۃ: "تولی امرھا واحسن النظر الیھا" حاکم نے رعایا کی سیاست کرنے کی ذمہ داری قبول کی: یعنی عوام کے تمام کاروبار کی ذمہ داری قبول کر کے ان کی فلاح و بہبود کے لئے سوچا۔

"منجد الطلاب" کے ترجمے میں بھی سیاست کی اس طرح تعریف کی گئی ہے۔ مملکت داری، عوام کے امور کی اصلاح، ملکی کاروبار کا انتظام، اور سیاست مدن یعنی معاشرے کو سیاست کرنا۔(۱۴)

فارسی لغت "معین" میں سیاست مذکورہ بالا معنوں کے علاوہ حسب ذیل معنی بھی درج کئے گئے ہیں۔ "قضاوت، عدالت، سزا، جزا، تنبیہ، ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور ملک کے داخلی اور خارجی امور کا انتظام"۔

سیاست لغت میں: مصدر ساس یسوس۔ السوس ضمہ کے ساتھ، معنی: فطرت، بنیاد اور عادت ہیں۔



Marfat.com

سیاست سے مراد کسی چیز کی نگرانی جس سے اس کی اصلاح ہو۔ سوسہ القوم: قوم نے کسی کو اپنا قائد، منتظم بنایا۔ نیز السیاست: سائس کا کام جو جانوروں کا نگران ہو، انھیں سدھائے اور قابو میں رکھے اور ان کا انتظام کرے۔(۱۵)

ہیروڈوٹس: "جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر پورے معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں"

رابرڈھل (Robert Dahl) نے سیاسیات کی تعریف کو مزید وسعت دی ہے۔(۱۶)

☆☆علامہ ابن خلدون: ان کے مطابق سیاست اس ذمہ داری کا نام ہے جس کی رو سے عام انسانی نگہداشت کا کام پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے، جس کے ذریعے اللہ کی نیابتی حکومت بندگان خدا میں اللہ کے قوانین کو نافذ کرتی ہے اور احکام کا اجراء عمل میں لاتی ہے۔ اس کام میں انسانی بہتری اور مفاد عامہ کا لحاظ رکھتی ہے اور قانون (شرائع) کو فیصلہ کن قوت تسلیم کرتی ہے۔(۱۷) وہ مزید کہتے ہیں کہ سیاست وہ قانونی حکمت عملی ہے جس کی قوت سے اجتماعی کردار اور مصالحِ عامہ کا تحفظ کیا جاتا ہے اور حکومت کا نظم چلایا جاتا ہے۔(۱۸) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے طرز سیاست، سلطنت اور حکومت کو دنیا سے روشناس کرایا۔ وان کریمر لکھتا ہے کہ ابن خلدون اطالوی سیاستدان میکاولی اور نیکو کے مدرسہ علم و سیاست کا امام اور پیشرو ہے۔ پروفیسر کلازیو نے زیادہ فیصلہ کن الفاظ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ عصر حاضر کے علماء سیاست کا پیشوا ہے۔(۱۹) ☆☆علامہ ابو البقاء حنفی: ان کے مطابق وہ کام جس کا مقصد انسان کی بہتری کے لیے ایک ایسا راستہ پیدا کرنا ہے جو حال اور مستقبل کی رہنمائی کے لیے ضمانت کر سکے۔ سیاست انبیاء کی ذمہ داری ہے جو اپنے عام اور خاص، ظاہری اور باطنی دائرہ میں اسی طرح کام کرتی ہے جس طرح حکمراں صرف ظاہری حلقہ اثر میں اس ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں۔(۲۰)

☆☆ڈاکٹر جے ڈبلیو گارنر (Dr. J.W. Garner) کے مطابق "سیاسیات وہ علم ہے جو ریاست سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے"۔

☆☆ڈاکٹر سٹیفن لیکاک (Dr. Stephen Leacock) کے خیال میں "علم سیاست حکومت کا علم ہے"۔

☆☆پروفیسر آر این گلکرائسٹ (R.N. Gilchrist) کے مطابق "علم سیاست ریاست اور حکومت دونوں سے بحث کرتا ہے"۔(۲۱)

☆☆فرانسیسی مصنف پال جینٹ (Paul Janet) کہتا ہے: "سیاسیات عمرانی علوم کا وہ جزو ہے جو ریاست کی بنیادوں اور حکومت کے بنیادی اصولوں سے بحث کرتا ہے۔"

☆☆سوئس مصنف جے کے بلنشلی (J.K. Blunstschli) لکھتا ہے کہ "علم سیاست ریاست کے علم کا نام ہے جو ریاست کے بنیادی حالات اور اس کی نوعیت اور اس کی ظاہری حیثیت کی روشنی میں



Marfat.com

اس ادارے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔"

☆☆ پروفیسر الیاس احمد علم سیاست کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "یہ ریاست کے مسائل کے بارے میں باضابطہ مطالعہ ہے"۔(۲۲)

ان تعریفوں کی روشنی میں ہم سیاسیات کی جامع تعریف ان الفاظ میں کرسکتے ہیں "سیاسیات عمرانی علوم کا وہ حصہ ہے جو ریاست کی نوعیت، ابتداء اور ارتقاء اور ریاست و حکومت کی مختلف اشکال اور ان کے اغراض و مقاصد، شہریوں کی آزادی، حقوق و فرائض اور ریاستوں کے مابین تعلقات وغیرہ کا مدلل اور سائنٹیفک مطالعہ کرتا ہے"

☆☆ایم جی اسمتھ (M.G.Smith) سیاسیات کو سیاسی تنظیموں، ان کے عناصر، معاونین، اختلافات اور تبدیلی کے طریق کار کا مطالعہ گردانتا ہے۔

☆☆رابرڈھل (Robert Dahl) نے سیاسیات کی تعریف کو مزید وسعت دی ہے۔ (۲۳)

ڈھل کے خیال میں سیاسی نظام انسانی تعلقات کا ایک مستقل نمونہ ہے جس میں کنٹرول، غلبہ اور اتھارٹی اہم ہیں۔ سیاسی تنظیم میں وہ اتنا آگے چلا گیا ہے کہ تمام انسانی تنظیموں کو سیاسی تنظیموں میں شامل کرتا ہے۔ علم سیاست میں ان تمام انسانی اعمال اور سرگرمیوں کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے جو ریاست کے اندر منظم زندگی سے متعلق ہوں۔(۲۴)

## سیاسیات کے مختلف نام:

سیاسیات بہت قدیم علم ہے۔ اس کا آغاز یونانی مفکرین سقراط، افلاطون اور ارسطو کے غور و خوص کے نتیجے میں ہوا۔ مگر اس قدامت کے باوجود مصنفین و مفکرین میں اس کے نام کے بارے میں اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ کوئی اس کو سیاست (Politics) کہتا ہے۔ کوئی اسے سیاسیات (Political Science) کے نام سے پکارتا ہے اور کوئی سیاسی فلسفہ (Political Philosophy) کا نام دیتا ہے اور فرانسیسی مصنفین تو اِسے علوم سیاسی (Political Sciences) کہتے ہیں۔ ہم یہاں ان ناموں کا مختصر جائزہ لیں گے تاکہ صحیح نام متعین ہوسکے۔(۲۵)

## (الف)سیاست / پولیٹکس Politics:

اردو زبان میں سیاست عربی زبان سے لیا گیا ہے، جس کا مطلب "ملکی تدبیر و انتظام" ہے، مگر اب یہ لفظ اصطلاح کے طور پر انگریزی زبان کے لفظ پالیٹکس (Politics) کے مترادف سمجھا جاتا ہے جو یونانی زبان سے اخذ کیا گیا ہے۔ قدیم یونان میں چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں (City States) ہوتی تھیں۔ شہری ریاست کو یونانی زبان میں پولس (Polis) کہتے تھے، اور پولس کے معاملات کو پولی تکے (Politike) کہتے تھے۔ چنانچہ قدیم یونان کے سیاسی فلسفی ارسطو نے ریاست کے معاملات پر ایک کتاب لکھی جس نے اس



Marfat.com

علم کی سائنسی بنیاد رکھی۔ اس کتاب کا نام پولی تکے (انگریزی میں پالیٹکس) یعنی سیاست تھا۔ پس اس علم کا قدیم ترین نام سیاست قرار پایا، جو آج تک چلا آرہا ہے۔ مثال کے طور پر پروفیسر لاسکی نے ۱۹۶۲ء میں جو کتاب لکھی اس کا نام گرامر آف پالیٹکس (Grammer Of Politics) یعنی "قواعد سیاست" رکھا، لیکن بعض مفکرین کے نزدیک سیاسیات کے لیے پولیٹکس کا لفظ موزوں نہیں ہے اور اس کی وہ چند مندرجہ ذیل وجوہات بھی بیان کرتے ہیں۔

اوّل: ان مفکرین کے نزدیک سیاسیات کا علم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اوّل اطلاقی سیاست اور دوم نظری سیاست۔ علمی سیاست کو سیاست کہا جاتا ہے۔ پس سیاست علم سیاست کا جزو ہے اس لیے اس کو کل کے نام کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

دوم: سیاست سے مراد ملک و قوم کے روزمرہ کے مسائل اور معاملات ہیں، جن کا حکومت اور ملک سے تعلق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ہر ملک اور قوم کی سیاست دوسرے ممالک اور اقوام سے مختلف ہوتی ہے، کسی ملک کی سیاست پر مذہب کا رنگ چڑھا ہوتا ہے تو دوسرے ملک کی سیاست پر شہنشاہیت یا نو آبادیت کا رنگ چھایا ہوا ہوتا ہے، کہیں قبائلی جھگڑے ہوتے ہیں تو کہیں نسلی کش مکش جاری ہوتی ہے۔ کسی ملک کی سیاست ملک گیری کی ہوس پر گھومتی ہے تو کسی اور ملک کی سیاست ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے کوشاں ہوتی ہے۔ ایسی مختلف الانواع اشیاء کو ہم علم کا نام نہیں دے سکتے۔ اس کے برعکس علم سیاست تمام اقسام کی سیاستوں کا مجموعی اور مشترکہ مطالعہ کرتا ہے۔

سوم: سیاست فن Art ہے، جس سے حکومت بنائی یا بدلی جاتی ہے۔ سیاسیات علم ہے جو حکومت کے مختلف طور طریقوں کا مطالعہ کرتا ہے۔

چہارم: سیاست کے فنکاروں کو سیاستدان (Politicians) اور سیاسیات کے عالموں کو سیاسی مفکرین (Political Thinkers) کہتے ہیں۔ سیاستدان سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اس سلسلے میں ہر ممکن جدوجہد کرتا ہے جبکہ سیاسی مفکر عموماً سیاست میں عملی حصہ نہیں لیتا، وہ صرف اس کا مشاہدہ کرتا ہے تاکہ اس کے متعلق علمی استدلال و استخراج کرسکے۔ پس سیاستدان اور سیاسی مفکر کے اغراض مقاصد، طریق کار اور اطوار میں اتنا فرق ہے کہ علم سیاست کو ہم سیاست نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان دو مختلف قسم کی اصطلاحات کو علیحدہ رکھا جائے۔ (۲۶)

## (ب) سیاسی فلسفہ / پولیٹیکل فلاسفی Political Philosophy:

بعض لوگ علم سیاست کو سیاسی فلسفہ کہتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ دونوں کا موضوع ایک ہی ہے۔ دونوں ریاست کے بارے میں فکری بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں علم سیاست قدیم وقتوں سے فلسفہ کی ایک شاخ تصور کیا گیا ہے۔ افلاطون نے اپنی کتابوں میں ریاست کا ذکر دیگر چیزوں کے فلسفے



Marfat.com

کے ساتھ کیا ہے۔ یہی صورت کانٹ، ہیگل اور دوسرے فلسفیوں کے ہاں ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ علم سیاست کو سیاسی فلسفہ کہا جائے۔ تاہم اس پر بھی اعتراضات کیے گئے ہیں۔

اول: علم سیاست سیاسی فلسفے سے زیادہ جامع اور ہمہ گیر علم ہے۔

دوم: علم سیاست اپنے طریق فکر میں تاریخی ہے جبکہ سیاسی فلسفہ قیاسی۔

سوم: سیاسی فلسفہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے جبکہ علم سیاست گزشتہ ایک صدی کی پیداوار ہے۔ اس لیے تاریخی طور پر سیاسی فلسفہ علم سیاست سے قدیم تر ہے۔ مگر سیاسی فلسفہ اپنے مفہوم اور نظریات میں علم سیاست جیسی پختگی اور قطعیت حاصل نہیں کی۔(۲۸)

### پاکستان میں سیاسی، جمہوری اور اسلامی نظام کی اساس و بنیاد:

گیارہ اگست کو قائم ہونے والی آئین ساز اسمبلی نے تفصیلی بحث اور طویل غورو خوض کے بعد مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد منظور کی۔(۲۹)

قرارداد مقاصد کے نام سے معروف قرار داد پر تبصرہ کرتے ہوئے لیاقت علی خان نے کہا کہ یہ ہمارے ملک کی تاریخ میں خود ملک کے قیام کے بعد دوسرا بڑا واقعہ ہے۔ قرار داد مقاصد میں وہ بنیادی اصول بیان کیے گئے تھے جن پر پاکستان کے آئندہ آئین کو استوار ہونا تھا۔ قرارداد میں اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ ملک میں اسلام کے بتائے ہوئے جمہوریت، آزادی، مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے گا اور یہ کہ یہاں مسلمانوں کو اپنی زندگیوں کو اسلام کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق گزارنے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ قرارداد کے مطابق اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اور وہ اپنی ثقافت کے فروغ دینے میں پوری طرح آزاد تھیں۔ علاوہ ازیں قرارداد میں بنیادی حقوق کے پورے تحفظ کی یقین دہانی کے علاوہ عدلیہ کی آزادی اور وفاقی طرز حکومت کی ضمانت بھی دی گئی تھی۔ قرار داد میں واضح الفاظ میں کہا گیا تھا کہ کائنات کا مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے، یہ کہ اس کی طرف سے پاکستانی عوام کو مقدس امانت کے طور پر دیا گیا ہے جنہیں اس امانت کا خلوص نیت سے تحفظ کرنا تھا چونکہ مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے کوئی ادارہ بھی اس کے بنائے ہوئے قوانین سے انحراف نہیں کرسکتا۔(۳۰)

قرارداد مقاصد پر آئین ساز اسمبلی کے پانچ مسلسل اجلاسوں میں غور کیا گیا۔ ایوان کی واحد مخالف پارٹی پاکستان نیشنل کانگریس نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے یہ اعتراض کیا کہ قرارداد میں مذہب کو سیاست سے خلط ملط کردیا گیا ہے یعنی دونوں کو آپس میں ملا دیا گیا ہے اور یہ کہ اس کے نتیجے میں پاکستان میں اقلیتوں کی حیثیت ذمیوں کی سی ہو کر رہ جائے گی۔ اس قرارداد پر غیر اراکین کا عدم اعتماد بھی واضح تھا۔ ان کا خدشہ تھا کہ قرارداد کے نتیجے میں ریاست کو شہریوں کی ذاتی زندگی میں دخل اندازی کا حق حاصل ہوجائے گا۔ کانگریس پارٹی کے سربراہ نے قرارداد پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ قرارداد کی منظوری سے



Marfat.com

پاکستان غیر مسلم "ماشکی اور رلکڑ ہارے" بن کر رہ جائیں گے۔(۳۱) حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض قدامت پرست علماء بھی قرارداد سے مطمئن نہ تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس میں غیر مسلموں کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔

### دنیائے اسلام:

براعظم افریقہ کے انتہائی شمال میں موجودہ مراکش سے ماریطانیہ تک کی ریاستوں پر مشتمل خطہ ارض سیئے زنجیر کی طرح منسلک ہیں۔ پاکستان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اس کے تعلقات تمام مسلم ممالک کے ساتھ برادرانہ رہیں۔ اس نے مسلمانوں کے مشترکہ دشمن اسرائیل کے خلاف ہمیشہ عالمِ اسلام کی غیر مشروع مدد کی ہے۔(۳۲)

## تحریک پاکستان اور قیام پاکستان:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۳۳) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" ترجمہ: "وعدہ فرمایا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے اور ان کے لئے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی موجودہ حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ پس وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں تو ایسے ہی لوگ فسق میں مبتلا ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اطاعتِ رسول کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(۳۴)

اس آیت کی روشنی میں تحریکِ پاکستان پر غور کریں تو اس کے ایک ایک لفظ کی صداقت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ واقعی تحریکِ پاکستان کے دوران برصغیر کے مسلمانوں نے جذبہء ایمانی سے سرشار ہو کر جرأت، ایثار، ہجرت، جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی ایسی ناقابلِ فراموش مثالیں قائم کیں جو اس عہد میں مذکور مومنوں کی صفتِ ایمانی "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" (نیک عمل کئے) کی تصدیق کر رہی ہیں۔

چنانچہ مذکورہ وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ مسلمانانِ برصغیر کو اعمال صالح کے ذریعے اپنے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے بعد ایک ایسا خطہِ ارضی بھی عطا کر دیا۔ جس میں اللہ کے پسندیدہ دین کا نفاذ کر سکیں۔

یہاں ہمیں تحریکِ پاکستان کے مجاہدین کے ان عزائم کو فراموش نہیں کرنا چاہئے جس میں انہوں نے اسلام کے نفاذ کی خاطر مملکت کے حصول کی خواہش کی تھی۔



Marfat.com

بقول قائد محترم محمد علی جناح: "آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہِ محرک کیا تھا؟ مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے، نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔" (۳۵)

یہاں تک تو مرحلہ تھا اللہ تعالیٰ کے وعدے کی پابندی کا جو اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا کیونکہ "مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا" "اللہ سے بات میں اور کون سچا ہو سکتا ہے"۔(۴۷ الف) اب اللہ تعالیٰ نے زمان واختیار جنہیں سونپی تھی ان کے وفائے عہد کا زمانہ شروع ہوا، مذکورہ بالا آیت کے مطابق ان کے فرائض درج ذیل تھے۔

☆ یَعْبُدُوْنَنِیْ: وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

مگر۔۔۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اس شرط کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے غیر ملکی آقاؤں کی بندگی اختیار کر لی گئی۔ انکی کاسہ گدائی کو استحکامِ اقتدار کی علامت سمجھ گیا۔ مٹی کے بت نہ بنائے تو کیا ہوا؟ اللہ کے نام پر حاصل شدہ خطہِ ارضی میں رشوت، سود، سفارش، غیر اقوام کی بلاچون و چرا اطاعت جیسے بے شمار بت تراش لئے۔ جن کا تصور بھی ہمارے لئے سوہانِ روح ہوتا ہے ملک کے کسی کونے سے باغیرت مسلمانوں کی دبی دبی صدائے احساس انہیں پاش پاش کرنے کے لئے بلند ہو تو ہمارے ملک کی کوئی نہ کوئی مقتدر شخصیت فوراً ایسے بیانات داغ دیتی ہے۔ "ہم دنیا میں اکیلے رہ گئے ہیں۔ وطنِ عزیز اسلام کے لئے بنا تھا نہ کہ فنڈا منٹلزم کے لئے آج دنیا بھر میں اسلام اور پاکستان کو بدنام کیا جا رہا ہے۔" (۳۶)

☆ قیامِ صلوٰۃ: قیامِ پاکستان کے بعد مسلمانوں کا عبادتِ الٰہی اور شرک نہ کرنے کے معاہدے پر عمل کے بعد دوسرا اہم فریضہ اقامتِ صلوٰۃ تھا۔ اس کی تشریح و تائید درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰہُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَہَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ "(۳۷) ترجمہ: "اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا، جو اس کی مدد کریں گے، اللہ بڑا طاقت ور اور زبردست ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ قیامِ صلوٰۃ کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور انجامِ کار تمام معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔" صلوٰۃ دین کا ستون اور تمام برائیوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ اسلامی نظامِ سیاست کی ایسی عملی تربیت ہے جس میں اطاعتِ الٰہی، اطاعتِ امیر، پابندیِ وقت اور پابندیِ سنت کا سبق مضمر ہے۔

☆ ایتاءِ زکوٰۃ: دوسرا فریضہ تھا جس میں تمام معاشی مسائل کا حل مضمر ہے۔(۳۸)

☆ تیسرا اور چوتھا فریضہ، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تھا۔ کسی مملکت کا مستحکم ہونا نظامِ معاشرت کی درستگی پر منحصر ہوتا ہے۔ فریضہِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسی درستگی کی نمود کا ذریعہ ہے۔(۳۹)



Marfat.com

قیامِ پاکستان کے بعد یہ فرائض کہاں تک پورے کیے گئے وہ کسی سے مخفی نہیں، ان ہی احکامات پر عملدرآمد نہ کرنے کی صورت میں پاکستانی معاشرہ گوناگوں مسائل کے بھنور میں پھنس چکا ہے۔ یہ مسائل ایسے گوناگوں اور خاردار ہیں کہ ان سے نپٹنے کی سرتوڑ کوشش کریں تو بھی اصلاح کی کوئی صورت نکلتی نہیں اور نکلے بھی کیسے؟ جب مسائل کی گتھی کا اصل سرا تلاش کرنے کی بجائے بے ترتیبی سے دھاگے کھینچنا شروع کردیں گے تو تھی "كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا" ترجمہ "جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالا"، (۴۰) کے مصداق دھاگے کے کئی ٹکڑوں کی شکل تو اختیار کرلے گی لیکن اپنی وحدانیت کھودے گی۔ ہماری حالت تو اکبر الہ آبادی کے درج ذیل شعر کی مصداق ہے۔(۴۱)

فلسفی کو بحث کے اندر خدا نہیں ملتا  ڈور کو سلجھا رہا ہے سرا نہیں ملتا

## قرار داد مقاصد- اللہ کی حاکمیت اور شریعت کی بالادستی کا اعلان

۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے دستور ساز اسمبلی کے سامنے مندرجہ ذیل مسودہ قرارداد مقاصد پیش کیا جو کہ مختصراً پیش خدمت ہے۔

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیر حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقررکردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔ لہذا جمہور پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے۔ جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے استعمال کرے۔ جس میں اول جمہوریت و حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔ جس کی رو سے انسان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔(۴۲)

☆☆**اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:** تمام کائنات پر حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ ذات باری تعالیٰ نے مملکت پاکستان کو اس کے عوام کے ذریعے جو اقتدار اپنی مقرر کردہ حدود میں عطا کیا ہے، وہ ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔(۴۳)

☆☆**جمہوری طرز حکومت:** پاکستان اپنے اقتدار و اختیارات کا استعمال عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے کرے گا۔ عوام کی نمائندہ حکومت جمہوری طرز حکومت کہلاتی ہے۔(۴۴)

☆☆**معاشرتی اصولوں پر اسلامی روح کے مطابق عمل کرنا:** آئین کی رو سے ایسا معاشرہ منظم کیا جائے گا جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے معاشرتی اصولوں پر اسلامی



Marfat.com

روح کے مطابق عمل کیا جائے۔(۴۵)

☆☆اسلامی طرز زندگی کا فروغ: مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے اور تقاضوں کے مطابق بسر کر سکیں۔ اسلامی اصول قرآن و سنت سے اخذ کیے جائیں گے۔(۴۶)

☆☆اقلیتوں کے حقوق: اقلیتوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا اور اس امر کا مناسب و موزوں اہتمام کیا جائے گا کہ وہ اپنے مذہب اور عقیدے پر آزادی سے کاربند رہ سکیں اور اپنے کلچر کو فروغ دے سکیں۔(۴۷)

☆☆وفاقی مملکت: پاکستان ایک وفاقی مملکت ہوگا، جس میں صوبوں کو خود مختاری حاصل ہوگی اور ان کے دائرہ کار کا تعین کیا جائے گا۔(۴۸)

☆☆بنیادی حقوق: ملک کے تمام شہریوں کو کسی امتیاز کے بغیر بنیادی حقوق حاصل ہونگے۔ شہری اپنے سیاسی، مذہبی، سماجی، اور معاشی حقوق سے پوری طرح مستفیض ہوسکیں گے اور ان حقوق کی ضمانت عدلیہ فراہم کرے گی۔

☆☆پسماندہ طبقات: اقلیتوں کے ساتھ ساتھ پسماندہ طبقات کی ترقی کے لیے بھی مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔ قرارداد میں کہا گیا کہ ملک میں متوازن ترقی کے لیے ایسے افراد کے ساتھ ترجیحی بنیادوں پر سلوک کیا جائے گا، جو نامساعد حالات کا شکار ہونے کی وجہ ترقی کی دور میں پیچھے رہ گئے ہوں گے۔

☆☆آزاد عدلیہ: عدلیہ مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہوگی تاکہ انصاف کے تقاضے پورے کیے جاسکیں۔ آئین عدلیہ کی مکمل آزادی کا ضامن ہوگا۔

☆☆ملک کی سالمیت کا تحفظ: ملک کی علاقائی سالمیت اور آزادی کا مکمل تحفظ کیا جائیگا، تاکہ باشندگان پاکستان کو خوشحالی نصیب ہو اور وہ اقوام عالم میں اپنا جائز اور باوقار مقام حاصل کر سکیں اور عالمی امن و ترقی اور انسانیت کی خوشحالی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔(۴۹)

## قرار داد مقاصد ملک کی مقتدرہ شخصیات کی نظر میں:

مولانا شبیر احمد عثمانی: قرارداد مقاصد کی تائید میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کوفرمایا:
"قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز باعزت مآب جناب لیاقت علی خان صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کا تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے، اسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و ہمت اور جرات ایمانی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"(۵۰)



Marfat.com

وزیر خارجہ ظفر اللہ خان: اس تجویز کی تائید پھر ظفر اللہ خان نے کی، انہوں نے کہا: "یہ خیال کہ مذہب اور سیاست جدا جدا چیزیں ہیں، مذہب کے غلط تصور سے پیدا ہوتا ہے، اسلام انسان اور انسان کے تمام تعلقات کے قواعد وضع کرتا ہے اسلام میں عبادت کے معنی صرف بندگی اور پرستش کے ہی نہیں بلکہ ان اعمال کو بھی عبادت کہا گیا جو انفرادی اور اجتماعی قومی اور بین الاقوامی مفاد کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اسلام نہ شہنشاہیت نہ ملوکیت۔ اسلامی دستور میں فرد کے ووٹ (رائے) کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور اختیارات کے وارث عوام ہوتے ہیں نہ چند افراد۔ یہ قرارداد تمام مضمرات کے حامل ہے۔(۵۱)

ڈاکٹر عمر حیات ملک نے کہا کہ "دنیا میں صرف دو قومی نظریے ہی کار فرما نہیں ہیں یعنی سرمایہ داری اور کمیونزم بلکہ ایک تیسرا نظریہ حیات بھی ہے اور وہ ہے اسلام جو اس قرارداد کی روح ہے۔"(۵۲)

ڈاکٹر محمود حسین نائب وزیر خارجہ: "یہ تجویز سیاسی ارتقاء کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے کہا: "پاکستان میں لادینی حکومت کا تصور کبھی کامیاب ثابت نہیں ہو سکتا۔"

بیگم شائستہ اکرام اللہ: "قرار داد مقاصد کے بعد اسلامی حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل بھی کرکے دکھائیں۔"

میاں افتخار الدین (حزب اختلاف کے لیڈر اور بائیں بازو کے ترجمان) نے کہا: "اگر ہم رومن قوانین، برطانوی پارلیمانی نظام اور ایسی ہی دوسری اصطلاحیں استعمال کرتے ہوئے نہیں شرماتے تو پھر اسلامی قانون کی اصطلاح سے بدکنا کیا معنی اگر ہم دنیا کو ایک مناسب اسلامی دستور دینے میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً یہ ایک بڑا کارنامہ انجام دیں گے۔ اسلام کا تصور ریاست اتنا ہی ترقی پسندانہ، انقلابی، جمہوری اور فعال ہے جتنا کہ شاید ہی دنیا کا کوئی اور تصور ریاست ہو سکتا ہے۔"(۵۳)

یہ قرارداد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو بالاتفاق منظور ہوئی۔ بنگال کے ہندو ممبران نے البتہ اس کی مخالفت کی تھی۔(۵۴)

## اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آئینی تاریخ اور حکام کی حصول اختیارات کی جنگ:

۱۹۵۶ء کا دستور بنایا گیا تھا تو اس کی بڑی تعریف کی گئی تھی اور دوسرا آئین ۱۹۶۲ء میں نافذ کیا گیا۔ لیکن پہلا اڑھائی سال بعد ہی صدر سکندر مرزا نے اور دوسرے کو ایوب کے جانشین یحیٰی خان نے ۱۹۶۹ء میں منسوخ کر دیا تھا۔ اسی طرح ۱۹۷۳ء کے آئین کی بھی بہت تعریف کی گئی تھی اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام نے یہ سمجھا تھا کہ یہ دستور و آئین ایک اسلامی ریاست کے لئے بنایا گیا ہے اور اس کے تحت ایک اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا جو معاشرہ میں اتحاد و یگانگت اور عدل و انصاف کی اسلامی فضا پیدا



Marfat.com

کرے گا جس کے لئے یہ ملک بنایا گیا ہے۔

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔اس پر پاکستانی عوام کا ایمان ہے۔ نظریاتی طور پر پاکستانی خود کو مسلمان کہتے ہیں اور اپنا رشتہ اسلام سے جوڑتے ہیں۔اسلامی ریاست کی بنیاد پیغمبر اسلام نے "لاالٰہ الااللہ" کے اصول پر رکھی تھی اور مسلمانوں کو اسلامی اخوت اور دینی بھائی چارہ کی بنیاد پر ایک ہی رشتہ مواخات میں پرو دیا تھا۔

۱۹۵۶ء کے دستور کے تحت اس ملک کا نام "جمہوریت اسلامیہ پاکستان" رکھا گیا تھا اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی تحریر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" یعنی اللہ کے نام سے شروع کی گئی تھی جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور اس آئین کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین" رکھا گیا تھا۔۔۱۹۵۶ء کے دستور کی طرح ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ "چونکہ تمام کائنات کا اقتدار اعلیٰ صرف خدا تعالیٰ کی عظیم ذات کو حاصل ہے اس لئے جو اختیارات اپنی حدود میں رہ کر پاکستان کے عوام نے استعمال کرنے ہیں وہ ان کے پاس خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت ہیں اور پاکستان کے عوام کی مرضی ہے کہ وہ ایسا آئین بنائیں...... جس میں ریاست کے تمام اختیارات اور طاقت کا استعمال عوام کے نمائندوں کے ذریعے کرے۔(۵۵)

ہر چند کہ ۱۹۵۶ء کا دستور اور ۱۹۷۳ء کا آئین دونوں ایک اسلامی ریاست کے لئے بنائے گئے ہیں مگر عملاً دونوں میں سے اسلامی روح کو نکال کر باہر پھینک دیا گیا ہے۔پاکستان ایک ایسی جمہوریت بنے گا جس میں اسلامی اصولوں کی بنیاد پر معاشرتی انصاف ہو گا۔ آئین کی دفعہ ۲-۳۱ب کے تحت "اتحاد کی ترقی اور اسلام کے اخلاقی معیار کی بلندی کے لئے کام کیا جائے گا۔"آئین کی دفعہ ۳۳میں لکھا گیا ہے کہ "ریاست ہر قسم کے لسانی، نسلی، قبائلی، گروہی اور صوبائی تعصبات کو ختم کرنے کے لئے ان کی حوصلہ شکنی کرے گا اور آرٹیکل ۲۵۱میں پاکستان کی قومی زبان "اردو" قرار دی گئی تھی۔اسے سرکاری اور دیگر مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے لئے آئین کے نفاذ سے پندرہ سال کے اندر انتظامات کئے جائیں گے۔

ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں پاکستان کا پہلا متفقہ آئین ۱۹۷۳ء میں نافذ العمل ہوا۔مگر اس آئین کے ساتھ بھی پہلے آئینوں کی طرح چھیڑ چھاڑ کی جاتی رہی اور حکمران کچھ قومی مفاد اور کچھ اپنے مفادات کے لئے اس میں ترامیم کرتے رہے۔اب تک ۱۴ ترامیم کی جا چکی ہیں۔۳ ترامیم اس کے علاوہ ہیں جو یا تو واپس لے لی گئیں یا پھر مکمل نہ ہو سکیں،ان ۱۷ ترامیم کی تفصیل کچھ اسطرح سے ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں سات آئینی ترامیم کی گئیں،ضیاء الحق کے دور میں تین،نواز شریف کے دور میں پانچ اور پرویز مشرف کے دور میں ایک آئینی ترمیم ہوئی۔سب سے پہلی ترمیم ۸ مئی ۱۹۷۴ کو اور اب تک کی سب سے آخری یعنی سترھویں ترمیم ۲۱اگست ۲۰۰۲ کو کی گئی۔ ہر چند کہ ان میں سب سے متنازعہ آٹھویں، چودھویں اور سترھویں ترامیم ہیں، تاہم ان کے علاوہ بھی کچھ تاریخی اہمیت کی حامل ہیں، جن



Marfat.com

کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

پاکستان کے آئین کی دوسری ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ یہ تاریخی ترمیم ستمبر ۱۹۷۴ میں کی گئی تھی۔

آئین کی چھٹی ترمیم میں پاکستان کی عدالت عظمیٰ کے منصف اعظم کے حوالے سے یہ نکات داخل کیے گئے کہ ۶۵ سال کی عمر میں ریٹائر جبکہ صوبائی عدالت عالیہ کے منصف اعظم کو ۶۲ سال کی عمر میں لازماً ریٹائر ہو جانا چاہیے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں یہ ترامیم ۲۲ دسمبر ۱۹۷۶ء کو منظور کی گئیں۔

ملکی آئین کی پہلی سب سے متنازعہ آٹھویں ترمیم نومبر ۱۹۸۵ء میں نافذ العمل ہوئی۔ اس ترمیم کے ذریعے ضیاء الحق نے پارلیمانی طرز حکومت کو صدارتی نظام میں بدل دیا۔ صدر پاکستان کو کئی اضافی اختیارات اور آئینی طاقت میسر آگئی۔ آئین پاکستان کے ذیلی حصہ ۲ (بی) کے آرٹیکل ۵۸ میں شامل ہونے سے صدر کو قومی اسمبلی تحلیل کرنے کا اختیار مل گیا تاہم وہ سینٹ کو تحلیل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا، گویا اس ترمیم کی رو سے صدر پاکستان وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو کوئی بھی الزام لگا کر فارغ کر سکتے تھے۔ اب تک ۵۸ ٹو بی کی تلوار چار مرتبہ چلائی جا چکی ہے۔ سب سے پہلے اس کے خالق ضیاء الحق نے ۱۹۸۸ میں جونیجو حکومت پر وار کیا، اس کے بعد ۱۹۹۰ء کی دہائی میں اس کا استعمال تین بار کیا گیا۔ صدر غلام اسحٰق خان نے ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو بے نظیر بھٹو کی حکومت اور ۱۹۹۳ء میں نواز شریف کی حکومت ختم کی جبکہ صدر فاروق احمد لغاری نے نومبر ۱۹۹۶ء میں بے نظیر کی دوسری حکومت کو ختم کیا۔

ایک اہم ترمیم ۱۹۹۱ میں کی گئی جس کے تحت انسداد دہشت گردی کی عدالتیں وجود میں آئیں۔ اسی قانون کو بعد میں آنے والی حکومتوں نے مزید ترامیم کر کے ملک میں نافذ کیا اور دہشت گردی کو روکنے کے لیے استعمال کیا۔

پاکستان میں ادارہ جاتی احتساب پہلے ہی نہ ہونے کے برابر تھا کہ آئین میں کی جانے والی تیرہویں اور چودہویں ترمیم کے ذریعے حکومتی احتساب کی ساری راہیں بھی مسدود کر دی گئیں۔ ۱۹۹۷ء میں آئین پاکستان میں تیرہویں ترمیم کی گئی جس کی رو سے صدر پاکستان سے وہ اختیارات واپس لے لیے گئے جس کے تحت وہ اسمبلی کو تحلیل کر سکتے تھے۔ اس طرح صدارتی کیمپ بظاہر ربڑ سٹمپ بن کر رہ گیا۔ چودھویں ترمیم کے ذریعے وزیر اعظم پاکستان کو اتنا مضبوط کر دیا گیا کہ کسی صورت بھی وزیر اعظم یا ان کی انتظامیہ اور کابینہ کا احتساب دوران حکومت ممکن نہ رہا تھا۔

آئین میں متنازعہ سترہویں ترمیم کی منظوری پارلیمنٹ نے سن دو ہزار تین میں دی تھی۔ پرویز مشرف نے ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب میں یہ وعدہ کیا تھا تاہم وہ بعد میں اس وعدے سے منحرف ہوگئے۔ آئین میں متنازعہ سترہویں ترمیم کے تحت صدر کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہوگئے۔ اس ترمیم کی سکیشن اٹھاون ٹو بی کے تحت صدر کو پارلیمنٹ توڑنے کا اختیار حاصل ہوگیا۔ آرٹیکل دو سو ستر ڈبل اے



Marfat.com

کے تحت اکتوبر انیس سوننانوے سے لے کر سن دو ہزار تین تک کے تمام صدارتی اور چیف ایگزیکٹو کے اقدامات کو قانونی قرار دے دیا گیا۔ سترہویں ترمیم میں ایک شق کے تحت دو بار سے زائد وزیر اعظم بننے پر بھی پابندی عائد کی گئی ججز کی عمر کی حد مقرر کی گئی۔ اس متنازعہ ترمیم کے تحت بالخصوص صدر پرویز مشرف کے اکتوبر انیس سو ننانوے کے اقدامات کو آئینی تحفظ دیا گیا۔ ۱۸ ویں ترمیم قومی اسمبلی میں پیش کی گئی، ان آئینی اصلاحات کو تیار کرنے والی کمیٹی نے ۹ ماہ کی طویل جدوجہد اور صلاح مشورے کے بعد اتفاق کر کے دستخط کئے۔ اس ترمیم کے نفاذ سے اپوزیشن کا وہ دیرینہ مطالبہ پورا ہو گیا جو وہ گزشتہ دو برسوں سے کر رہی تھی۔ اس ترمیم کی شقیں ۹۵ ہیں،

## مختلف مفکرین کی نظر میں جمہوریت کی تعریف:

☆☆یونانی مفکر ارسطو (Aristotle) کے مطابق: "ہجوم کی حکمرانی" تاہم وہ جمہوریت کو ناپسند کرتا تھا اور اسے برا قرار دیتا تھا۔

☆☆یونانی مفکر ہیروڈوٹس (Herodotus) کے مطابق: "جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے، جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر کسی مخصوص جماعت یا جماعتوں کی بجائے مجموعی طور پر پورے معاشرے کے ارکان کو حاصل ہوتے ہیں۔" آج بھی اس تعریف کو جامع اور درست تسلیم کیا جاتا ہے۔

☆☆پروفیسر ڈائسی (Dicey) لکھتا ہے کہ یہ اس قسم کی حکومت ہے جس میں حکمران جماعت مقابلتاً پوری قوم کا ایک بڑا حصہ ہوتی ہے۔

☆☆لارڈ برائس (Lord Bryce) کہتا ہے: "لفظ جمہوریت جس کا استعمال ہیروڈوٹس کے زمانے سے ہو رہا ہے، سے مراد ایسی شکل کی حکومت ہے جس میں ریاست کی حکمران طاقت کسی خاص طبقے یا طبقوں کو حاصل نہیں، بلکہ قوم کے تمام ارکان کو حاصل ہوتی ہے۔ قوم کے حکمران کی طاقت اکثریت کے پاس ہوتی ہے۔" (۵۶)

☆☆پروفیسر سیلے (Prof. Seeley) کے مطابق: "جمہوریت ایک ایسی حکومت ہے، جس میں سب شریک ہوتے ہیں۔"

☆☆پروفیسر گیٹل (Prof Gettel) نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "یہ ایک ایسی طرز حکومت ہے، جس میں آبادی کا بیشتر حصہ حاکمانہ طاقت کے استعمال میں شرکت کا حق رکھتا ہے۔"

☆☆چارلس ای میریم (Charles E. Merriam) نے اس کی تعریف یوں کی ہے "جمہوریت نہ تو اصولوں کا مجموعہ ہے اور نہ ہی کسی تنظیم کا خاکہ بلکہ یہ ایک طرز فکر اور طرز عمل کا نام ہے جس کا مقصد فلاح و بہبود کا حصول ہو۔"



Marfat.com

☆☆ابراہام لنکن (Abraham Lincoln) کے مطابق: "جمہوریت عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے ہوتی ہے۔"

Democracy is the government of the people, by the people for the people. (۵۷)

☆☆مولانا تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

جمہوریت کا لفظ درحقیقت ایک انگریزی لفظ "Democracy" کا ترجمہ ہے اور انگریزی میں بھی یہ یونانی زبان سے آیا ہے اور یونانی زبان میں "Demo" عوام کو کہتے ہیں۔ "Cracy" یونانی زبان میں حاکیت کو کہتے ہیں۔ اسی لیے عربی میں جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اسے "ڈیمقراطیہ" کہا گیا۔ عربی زبان میں جمہوریت نہیں بولتے۔ اردو میں اس کا ترجمہ "جمہوریت" کیا گیا ہے۔ جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہٰذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لیے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع و مانع تعریف میں بھی خود علماء سیاست کا اتنا زبردست اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے ملتی نہیں، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہوں۔ (۵۸)

جمہوریت کی تعریف اور تشریح مختلف زمانوں میں مختلف طریقوں سے ہوتی رہی ہے لیکن بنیادی طور پر اس کا مقصد یہ لیا گیا کہ کسی معاشرے میں وہاں کی قانون سازی اور نظم و نسق میں وہاں کے لوگوں کی رائے کے مطابق عمل درآمد۔ قدیم یونان میں جہاں مملکت کا وجود ایک شہر پر مشتمل ہوا کرتا تھا، جمہوریت کا مطلب عوام کی حکومت تھا۔ مشہور امریکی صدر ابراہام لنکن نے جمہوریت کی تعریف اس طرح کی ہے۔ "جمہوریت عوام کی حکومت ہے، عوام کے ذریعے حکومت اور عوام کے لیے ہوتی ہے۔"

جمہوریت کی ایک اور تعریف چیمبرز ڈکشنری کے مطابق یوں ہے۔ "یہ ایسی طرز حکومت ہوتی ہے جس میں اقتدار اعلیٰ مشترکہ طور پر عام بالخصوص عام لوگوں (COMMON PEOPLE) کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، یہ ایسی ریاست یا معاشرہ ہوتا ہے جس کی خصوصیت سیاسی، سماجی یا قانونی مساوات کے حقوق اور مراعات میں برابری ہوتا ہے۔"

مذکورہ بالا تعریفوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں عوام کی شرکت لازمی ہے اور عوام کے منتخب نمائندے ہی اقتدار اعلیٰ کے مالک ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ عوام کی بھلائی کے لیے قانون وضع کرتے ہیں۔ محدود میعاد کے لیے منتخب ہوتے ہیں اور اپنی کارکردگی کے سلسلے میں عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ جمہوری حکومت عوام کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں تفصیل سے بحث کرتی ہے۔ فلاحی ریاست کا تصور بھی پیش کرتی ہے۔ عوام



Marfat.com

بالواسطہ طور پر حکومت کے معاملات میں شریک ہوتے ہیں اور منتخب نمائندے عوامی منشاء کے مطابق حکومت کے فرائض سر انجام دیتے ہیں۔

## قرآن کی نظر میں جمہوری سیاسی نظام:

۱۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۚ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۵۹) ترجمہ: "اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ: "اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بناکر بھیجا ہے۔" کہنے لگے: "بھلا اس کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آگیا؟ ہم اس کے مقابلے میں بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اس کو تو مالی وسعت بھی حاصل نہیں۔" نبی نے کہا: "اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے۔ اور انہیں علم اور جسم میں زیادہ وسعت عطا کی ہے اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

۲۔ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۶۰) ترجمہ: اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو اور نفسیاتی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گا"

۳۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۶۱) ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے۔"

۴۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۶۲) ترجمہ: "بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بے شک اللہ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز دیکھتا ہے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار (حکمران) ہوں، ان کی بھی۔"

## جمہوری سیاسی نظام اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

☆۔ اگر کوئی حکمران کتاب و سنت کی پیروی کرے، لیکن عوام کے حقوق ادا نہ کرے اور اپنے حقوق وصول کرلے، ایسے حکمرانوں کی بھی اطاعت کی جائے گی۔" (۶۳)



Marfat.com

☆۔ اللہ تعالیٰ جس حکمران کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرلیتے ہے اسے نیک اور صالح وزیر و مشیر اور کابینہ عطا فرمادیتا ہے اور جس کے ساتھ برائی کا ارادہ کرلے اسے اس سے محروم کردیتا ہے اور اسے ایسے وزیر و مشیر دیتا ہے جو اسے تباہ و برباد کرنے میں کسی قسم کی کمی روا نہیں رکھتے، جو حکمران ایسے لوگوں سے بچ جائے وہ سمجھ لے کہ ہر شر سے اس کی حفاظت ہوگئی۔(۶۴)

☆۔ جو شخص حکمرانوں کے جھوٹ کو سچ ثابت کرتا پھرے اور ظلم و جور کے واقعات میں اس کا معاون بنے، اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ایسا شخص میرے پاس حوض کوثر پر بھی نہیں آسکے گا۔" (۶۵)

☆۔ تم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی کا نگران ہے اور قیامت کے دن اس سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی، اسی طرح وہ حکمران جو لوگوں پر حکومت کرتا ہے، بھی نگران ہے اور اس سے قیامت کے دن اس کی رعایا کے حوالے سے باز پرس کی جائے گی۔(۶۶)

☆ کسی سرکاری عہدے کا امیدوار بننے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اگر انسان کوئی عہدہ مانگ کر حاصل کرے تو اسے اس کے حوالے کردیا جاتا ہے اور اگر بن مانگے ملے تو غیبی طور پر اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوجاتی ہے۔(۶۷)

## قبل از اسلام مختلف قوموں میں جمہوری و سیاسی نظام:

**فارس میں جمہوری سیاسی نظام حکومت:** فارس اپنی قدامت تہذیب کے لحاظ سے دنیا کے ان چند حصوں میں شامل ہے جنکی تاریخ انتہائی قدیم اور طولانی ہے۔فارس کئی سو سال قبل مسیح میں ہی رفعت و سربلندی حاصل کرچکا تھا اور وہ زمانہ جبکہ یونان میں افلاطون و ارسطو کا طوطی بول رہا تھا۔(۶۷) بہر صورت قدامت تہذیب اور قدامت حکومت دونوں کے اعتبار سے فارس کی بادشاہی، تاریخ سیاست کے نہایت اہم باب کی حیثیت رکھتی ہے۔(۶۸) فارس میں شخصی، موروثی اور مطلق العنان شہنشاہیت کی روایت اپنے پورے التزام کے ساتھ جاری تھی۔ ایران کے حکمران جو اُس زمانے میں انسانی قیادت کے دعویدار تھے ایک پُرفریب اور مصنوعی زندگی گزار رہے تھے۔اُنکے رؤسائ، امراء اور وزراء کو لذت اندوزی کے سوا کسی بات کی فکر نہ تھی۔عیاشی کی وہ انتہاء تھی کہ قیاس کام نہیں کرتا ۔تکلفات زندگی، تعیشات اور سامان کی وہ بہتات تھی اور اسمیں ان باریکیوں اور نکتہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔اس بے پناہ عیاشی اور امور سلطنت سے غفلت کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ سازش، بغاوتیں اور خونریزیاں روز کا معمول بن گئیں اور بدامنی و بے چینی عام ہوگئی اور یوں نظم مملکت روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔(۶۹) سلطنت فارس کے اواخر عہد کا سب سے جلیل القدر حکمران، نوشیرواں تھا جس نے تقریباً ۴۰ سال تک ایک بڑے علاقے کو اپنے زیر نگیں رکھا اور اُسکی حکومت کے ختم ہونے میں ۷ سال باقی تھے کہ انسانیت کا



Marfat.com

آخری نجات دہندہ، دنیا کی ظلمتوں کو چیرتا ہوا اس عالمِ آب و گل میں تشریف لایا۔ نوشیرواں کا جانشین ہرمز بنا پھر بارہ سال کے بعد تختِ فارس پر کسریٰ پرویز نامی وہ آخری حوصلہ مند بادشاہ متمکن ہوا جسکی ۳۲ سالہ فرمانروائی کے بعد انحطاط و زوال سلطنت کی رفتار انتہائی تیز ہوگئی۔ اسی کسریٰ پرویز کے دورِ حکومت میں آفتابِ رسالت طلوع ہوا۔ اسی کے عہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور اسی کے عہد میں "ذی قار" کا وہ فیصلہ کن واقعہ پیش آیا جس کے بعد عرب و عجم کے درمیان تفریق ہوگئی اور رسالت محمّدی کے ایک ادنی سے مظاہرے نے سلطنتِ فارس کے عظیم سلسلہ حکومت کو فی الواقع منقرض و منقطع کردی اور چند ہی برس میں فتوحاتِ اسلامی کا سیلاب ایرانی شوکت و سطوت کو خس و خاشاک کی طرح بہاکر لے گیا۔(۷۰)

**مصر میں جمہوری سیاسی نظام حکومت:** مصر کی تاریخ اگرچہ بہت قدیم ہے لیکن ملکۂ قلوپطرہ کے انتقال (۳۰ ق م) کے بعد سے آغازِ اسلام تک مصر کی حیثیت سلطنت رومہ کے ایک صوبہ کی رہی۔ یہی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور بعثت کے وقت تھی۔ قیصر روم کی طرف سے مقرر کردہ مصر کا گورنر اسکندریہ میں رہتا تھا۔ مقوقس بھی مصر کا گورنر ہی تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نامۂ مبارک بھیجا تھا۔ حبشہ بھی اُس وقت سلطنتِ رومہ کے زیرِ اثر تھا، پہلی صدی عیسوی میں جب یمن میں حمر خاندان کی حکومت قائم ہوئی تو حبشہ کے باشندوں نے اپنی آزادی کا اعلان کردیا اور اکسوم کو اپنا دارالحکومت قراردیا۔ اُس وقت سے یہاں بھی عیسائیت کو قبول کرلیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور بعثت کے وقت یہاں عیسائیت رائج تھی اور یہاں کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح اسپین کی سیاسی حالت بھی اس زمانے میں ابتر تھی۔ وہ رومی حکومت کے زوال کے بعد سے وحشی اقوام کی گزرگاہ بن گیا تھا یہاں پہلے گاتھ فرمانروا ہوئے پھر ونڈال آئے اور پھر دوبارہ گاتھ قوم حکمران ہوئی۔ گاتھ قوم کا سیاسی نظام شاہی کونسل اور مذہبی کونسل کے اشتراک سے روبہ عمل آیا۔ راہب اور پادری ہروقت اپنے اپنے اقتدار کی فکر میں رہتے تھے۔ سیاسی رسّہ کشی اور معیشت و معاشرت میں ابتری عام تھی۔(۷۱) باقی یورپ تمدّن سے قطعاناآشنا تھا۔ وحشی اور غیر مہذب قبائل براعظم کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ اب جہاں تک مشرق اور وسط ایشیا کی دوسری قوموں کا تعلق ہے تو اُنکا حال بُرا تھا۔ نہ کوئی علمی دولت اُنکے پاس تھی، نہ کوئی نظام سیاست انکے ہاں موجود تھا۔ فی الحقیقت یہ قومیں (مغل، تُرک اور جاپانی وغیرہ) اپنے عبوری دور میں تھیں۔ جاہلانہ بت پرستی سے نکل کر تمدّن کی طرف آرہی تھیں اور چند قومیں ایسی بھی تھیں جو اُس وقت تک شہریت اور زندگی کی ابتدائی منزل میں تھیں اور عقلی و تمدّنی حیثیت سے اُنکا دور طفولیت تھا۔ اور وہ مغربی قومیں جو بالکل شمال و مغرب میں آباد تھیں جہالت و ناخواندگی کا شکار اور خونی جنگوں سے زارو نزار تھیں اور جنگ و جہالت کی پیدا کی ہوئی تاریکی میں ہاتھ پاؤں ماررہی تھیں۔ اُن ممالک میں اب تک علم و تمدّن کی صبح نمودار نہ ہوئی تھی۔(۷۲)



Marfat.com

## یونان و روم میں جمہوری سیاسی نظام:

دنیا کی تاریخ میں یونان و روما کا نام بہت اچھا لا گیا ہے اور اس سے دور جدید کا اسلامی فکر بھی بہت متاثر ہوا ہے لیکن جدید علم تحقیق نے ان دونوں یورپی سلطنتوں کی بربادی کی داستان بھی سامنے رکھ دی ہے۔روم نے قرونِ وسطیٰ تک حکومت وسلطنت کے تین دور دیکھے، گیلوس، آگسٹس دونوں پہلے دور کے حکمراں ہیں۔ ان میں سے دوسرے حکمراں نے قیصر روم کا لقب اختیار کرکے یونان، شام اور مصر پر کامیاب فوج کشی کی اور ہیروڈوٹس کا شام کا پہلا وائسرے بنایا یہی دور ہے جس میں عیسوی مذہب کو فروغ حاصل ہوا، اسی دور میں بلادِ عرب کے بعض حصوں پر رومی اجنبیوں نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ دوسرے دور قسطنطین سے شروع ہوا، ہرقلس (ہرکلیس) پر ختم ہوا۔اس دور میں موجودہ ترقی،شام، مصر اور عرب کا شمالی علاقہ روم کے ماتحت نو آبادی تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دور کے فرمانروا ہرقلس کو اسلام کے اجتماعی نظام میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی۔ تیسرا دور ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شروع ہوا۔المقتدر اور المستکفی باللہ کے عہد (۹۴۴ء ۳۳۴ھ)تک جاری رہا۔(۷۳)

**روما کا نظریہ حکومت:** رومی حکومت دنیائے قدیم کی حقیقی حکمراں طاقت تھی، زمانہ حال کے علماء سیاست اور مدبرین اپنی حکومتوں کا سلسلہ حسب و نسب روما ہی سے ملاتے ہیں اور کہتے ہیں: "دنیا ایک انگشتری تھی اور روما اس کا نگینہ۔" مسلمانوں کا جدید علمی دماغ بھی روما کے بوجھ میں دبا ہوا ہے لیکن اسلام کے نقطہ نگاہ سے یہ جاہلیت کا پہلا دور تھا اور بحر روم کی آخری تباہ حال شہنشاہیت تھی جس کو اسلام نے اللہ کے حکم اور جمہور کی طاقت سے پاش پاش کردیا۔رومی سلطنت میں ایک طرف تو توہم پرستی کی حد یہ تھی کہ دیوتا پوجے جاتے تھے اور دوسری طرف رومیوں کا خیال تھا کہ وہ دنیا کو اپنے اقتدار کے ماتحت لانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔(۷۴)

بلنجلی کا بیان ہے کہ یونان کی بنیاد قوموں کے اختلاط پر تھی روما کی بنیاد ایک قوم کی اعلیٰ فطرت پر تھی جس نے چاہا کہ تمام دنیا کو رومی بنادے یہی اس کا جرم تھا کوئی قوم ایسی جلیل القدر نہیں ہوسکتی کہ دوسری قوموں کو اپنی آغوش میں فنا کردے یہی وجہ ہے کہ وہ ٹیوٹن قوم کے تازہ جوشِ جوانی سے ٹکرا کر فنا ہوگئی۔"(۷۴)

یونانیوں نے شہری حکومت پیدا کی، رومیوں نے قومی مملکت کی داغ بیل ڈالی، ان کا دعویٰ تھا کہ حکومت قوم کی تنظیم شدہ ہیئت سے بنتی ہے، کنافیوس آگسٹس (روم کے پہلے قیصر)(۶۳ق م) سے لے کر اسلام کے ظہور تک روم کے شہنشاہ کو اب لاانتہاہی اختیار حاصل تھا جو نہ حکمراں کے لیے مفید ہوسکتا ہے اور نہ قوم کے لیے۔رومی حکومت کا تخیل بہبودعامہ تھا جو بہت کم عمل میں آتا تھا۔رومی قوم کی اخلاقی تباہی ان کی نہ سیر ہونے والی حرص کا جذبہ تھی جو انہیں فتوحات کے پیچھے لیے لیے پھرتی تھی۔

اسلامی حکومت ایک صاف آئینہ کی مانند تھی جس میں رومی دور کی کوئی خرابی نہ تھی، دیوتا



Marfat.com

پرستی ختم ہوچکی تھی، شہنشاہیت باقی تھی، پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا سفیر روم بھیجا اور سفارت کی ناکامی کے بعد فرمایا: "قیصر کے خاتمے کے بعد قیصر نہ ہوگا۔" اسلام کی قوت نے یہ معجزہ کر ہی دکھایا۔ یہ تھا وہ دن جب پہلی مرتبہ انسان کے کانوں نے جمہوریت کی زبان سے شہنشاہیت کی شکست کا اعلان سنا۔(۷۵)

## یونان کا جمہوری سیاسی نظام:

یونان دنیائے قدیم کا سیاسی پایہ تخت رہا ہے۔دنیائے جدید اس سے کافی مرعوب ہے اور یہ اقرار کرتی ہے کہ علم السیاست کی حقیقی ابتداء اور انسان کی خود آگاہی کا اظہار اول اول یونان میں ہوا۔یہ دعویٰ بجائے خود صحیح، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یونانی تصور اجتماعی زندگی کا بہت ہی ناقص ظہور ہے،اور اس کے مقابلہ میں اسلامی حکومت ایک کامل و مکمل،اتم اور اکمل سلطنت کی جیتی جاگتی اور جگمگاتی تصویر ہے۔یونانی سیاستدان شہر اور سلطنت کو ایک ہی لفظ پولیس کے نام سے ظاہر کرتے تھے،جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی سلطنت کا تصور شہر پر مبنی تھا۔جرمن سیاستدان بنچلی کہتا ہے کہ "اس کے حدود ارضی مختصر تھے،طاقت محدود تھی،مادی حیثیت بہت ہی حقیر اور اس کی حیثیت طفلانی تھی۔" (۷۶)

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ایڈورڈ جیکسن لکھتے ہیں کہ: "اس حکومت میں نالائقی کے اتنے مہلک عناصر تھے،جن کی وجہ سے اس پر وقت سے پہلے تباہی آگئی۔"

یونانی حکومت کے برعکس اسلامی، خلافت ارضی ہے۔اس سے چار فرائض متعلق ہیں، آبادکاری، سیاسی رہنمائی، تمدنی اصلاح اور احکام سیاست کا اجراء۔ یہ چاروں اجزاء قلمروئے ارضی سے متعلق ہیں۔یونانی حکومت نسلوں کی تقسیم در تقسیم سے مرکب ہے اسلامی حکومت اپنی شیرازہ بندی کے اعتبار سے ایک ایسی وحدت ہے جس میں نسلی تقسیم کا کوئی گزر نہیں۔اسلام ایک عظیم الشان انسانی برادری ہے اور دنیا کی سب سے بڑی پارلیمنٹ جس کے سایہ میں تمام انسان اپنا مقصد حاصل کرسکتے ہیں۔پر وہ انسان جو اس کا رکن بن سکتا ہے،یونان کی اس حکومت سے کوئی اثر نہیں لے سکتا جس کے بارے میں کہا گیا ہے: "اس کی وجہ سے قدیم نظام ٹوٹ پھوٹ گیا، جدید نظام نہ بن سکا،یورپی تہذیب بے باکانہ عیاشی میں تبدیل ہوگئی اور ایشیا کی پستی مکمل کردینے میں معاون بن گئی۔(۷۷)

**ہندوستان کا جمہوری سیاسی نظام:** ہندوستانی تہذیب اور حکومت دنیا کی قدیم ترین اور کئی اعتبار سے منفرد تہذیب و حکومت ہے۔مورخین کے خیال کے مطابق ہندوستانی حکومت کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

**وادی سندھ کا جمہوری سیاسی نظام:** وادی سندھ کی تہذیب سمیر کی اولین تہذیب اور ایلام و میسوپٹامیہ کے طوفان نوح سے قبل کے دور کے تہذیب کے نہ صرف ہمعصر تھی بلکہ کئی اعتبار سے ان



Marfat.com

سے برتر بھی تھی۔(۷۸)(۲۱) نیز یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے کہ عہد ما قبل تاریخ میں وادی سندھ کے لوگوں کے وادی دجلہ و فرات کے لوگوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے اور ان کے مابین آمد و رفت کا سلسلہ عام تھا۔(۲۲) وادی سندھ کی یہ تہذیب ایک ہزار میل سے زائد وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی جو رقبہ میں بابل سے چار گنا اور مصر سے دوگنا ہے۔(۷۹) قیاس ہے کہ اس زمانے کے یہ لوگ دراوڑی نسل کے تھے (جو ہندوستان کے اصلی باشندے تھے) اس خیال کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ بلوچستان میں بروہی قبیلے کے لوگ اب بھی "براہوی" بولتے ہیں جو جو دراوڑی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔(۸۰) یہ قوم مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ تھی اور آریاؤں کے دور سے قبل ہندوستان کے شمال اور شمال مغربی حصوں میں ان کی تہذیب عروج پر تھی۔

**برہمنی تہذیب کا جمہوری سیاسی نظام:** اس عہد کو پران ومنوسمرتی کا دور بھی کہا جاتا ہے۔یہی وہ دور ہے جو صحیح معنوں میں ہندو تہذیب و تمدن کو نمایاں طور پر پیش کرتا ہے۔تاریخی اعتبار سے بھی یہ عہد دوسرے ادوار کی بہ نسبت صاف اور واضح ہے، کیونکہ اس دور سے متعلق کچھ نہ کچھ مستند تاریخی مواد ضرور مل جاتا ہے۔

رگ ویدی تمدن کا مرکز پنجاب تھا۔(اس کے بعد دور شجاعت میں وہ اپنی توسیع و استحکام میں لگے رہے) اور برہمنی تمدن وادئی گنگا کا تمدن ہے۔تقریباً ایک ہزار سال کی مدت تک جو ان دونوں تمدنوں کا درمیانی زمانہ ہے۔آریا قوم برابر مشرق کی طرف بڑھتی رہیں اور تقریباً کل ہندوستان پر قابض ہوگئیں۔ یہاں کے قدیم باشندے لڑائی بھڑائی چھوڑ کر پوری طرح ان کے محکوم ہوچکے تھے اور آریاؤں میں اپنی نسل کو خالص رکھنے کا احساس شدید تر ہوچکا تھا، کیونکہ آریاؤں کو معلوم ہوچکا تھا کہ اگر کوئی قلیل التعداد فاتح قوم اپنی پوری حفاظت نہ کرے تو وہ بہت جلد مفتوح اقوام میں کھپ جاتی ہے اور اس کا نام و نشان نہیں رہتا۔(۸۱)

**بدھ تہذیب کا جمہوری سیاسی نظام:** چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں ایسے حالات پیدا ہوچکے تھے، جو نئی مذہبی یا اصلاحی تحریکات کا باعث بنے۔اس سلسلے میں ہندوستان کے حوالے سے بدھ مت اور جین مت جیسی اصلاحی تحریکات قابل ذکر ہیں۔یہی وہ زمانہ ہے جب ایران میں زرتشت اور چین میں کنفیوشس کا ظہور ہوا۔(۸۲)

موجودہ نیپال کی (جنوبی) سرحد بنارس سے تقریباً سو میل شمال مشرق میں ہمالیہ کی ترائی میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کا صدر مقام کپلا وستو (Kapilavastu) تھا جہاں آریاؤں کا ایک قبیلہ شاکیہ جو نسلاً کشتری تھے، عرصہ سے آباد اور حکمرانی کررہا تھا۔ اس ریاست کے راجہ شدودھن (Suddhodana) کے یہاں اس کی پہلی بیوی مایا (مہا مایا) سے اس کا اکلوتا بیٹا سدھارتھ پیدا ہوا جو اپنے خاندانی نام "گوتم" سے مشہور ہوا۔اس کا سن پیدائش اختلافی ہے۔۵۵۷ تا ۵۶۰ق۔م میں کسی وقت اس کی



Marfat.com

پیدائش اور ۴۷۷ ق۔م سے ۴۸۰ ق۔م کے درمیان کسی وقت اس کی وفات ہوئی۔اور ہندورسم و رواج کے مطابق ان کی لاش نذر آتش کردی گئی۔(۸۳) اس زمانے کے رسوم و رواج کے مطابق انہوں نے علوم و فنون حاصل کیے،کم سنی میں ہی ان کی شادی ایک حسین شہزادی یشودھر (Wasodhara) سے کردی گئی شادی کے دس سال بعد ان کا بیٹا راہل (Rahula) پیدا ہوا۔(۸۴)

عرب کا جمہوری سیاسی نظام حکومت: عرب کی تہذیب اور اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی قدیم کہ اس خطۂ ارضی پر انسانی آبادی، کیونکہ اس خطہ کو امم سامیہ کا مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔(۸۵) یہ علاقہ مدتِ مدید سے مختلف اقوام وملل کی آماجگاہ اور ان کے عروج وزوال کا امین رہا ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی کہ "عرب کے ملک میں پانی کا دریا نہیں لیکن وہاں انسانوں کا دریا ہے۔تاریخ نے چار بار اس دریا میں طوفان آتے دیکھا ہے۔اس مسیح سے ڈھائی یا تین ہزار برس پہلے جب یہاں سے قبائل کا سیلاب موجیں مارتا ہوا بابل واسیریا، مصر اور فنیشیا (کنعان) میں پھیل گیا۔اس سیلاب کا زور کم ہو رہا تھا کہ ۵۰۰ اق م میں ایک اور طوفان آدومی، موآبی اور مدیانی قبائل کا اٹھا اور پاس کے ملکوں میں پھیل گیا۔لیکن اس کا دائرہ پہلے سے کم تھا۔تیسری بار معینی، سبائی و غیرہ اُٹھے اور پھیلے،لیکن سب سے آخری طوفان جو پہلی صدی ہجری میں مسیح سے چھ سو برس بعد اُٹھا وہ سب سے زیادہ وسیع الاثر تھا۔جو ایک طرف گنگا کے دہانے سے مل گیا اور دوسری طرف بحر محیط سے۔" (۸۶)

قوم نوح کی بربادی کے بعد عرب میں جو سب سے پہلی مقتدر اور حکمران جماعت ظہور پذیر ہوئی، قرآن کی زبان میں اس کا نام عاد ہے۔(۸۷) جس کا تعلق عرب مورخین کے نزدیک اُمم بائدہ (برباد ہونے والے قبائل) (۸۸) سے ہے۔لیکن عاد محض ایک محدود مختصر قبیلہ نہ تھا بلکہ ایک عظیم الشان قوم تھی جو دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی۔ایشیا اور افریقہ کا کثیر حصہ اس کے زور وقوت کی تماشا گاہ تھا۔بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں اس کے دست صنعت کا نتیجہ تھیں۔اس لیے قرآن نے عرب کے لیے اسے عبرت وبصیرت کا ایک نمونہ بنا کر پیش کیا اور اس کی داستان بار بار دہرائی(۸۹) عاد کی عظمت اور ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۷۰۰ اق م تک ہے اور صالحین عاد کا وجود اس کے بعد بھی ابتدائے عہد مسیح تک باقی رہا۔(۹۰) عاد کی مرکزی آبادی، عرب کے بہترین حصہ یعنی یمن وحضر موت میں سواحل خلیج فارس سے حدودِ عراق تک پھیلی ہوئی تھی۔(۹۱)

بیرون عرب ان کی حکومتیں پہلے مرحلہ میں (۴۰۰۰ تا ۱۹۰۰ ق م) بابل، مصر اور دیگر ممالک میں قائم ہوئیں۔(۹۲) اور دوسرے مرحلہ میں حضر موت، سواحل خلیج فارس کے طول میں عراق تک عادِ ثانیہ، عرب میں حجاز سے حدودِ سینا تک ثمود، یمامہ میں طسم وجدیس اور یمن میں اہل معین نے حکومتیں قائم کیں۔(۹۳) لیکن ہمیں باوجود کوشش کے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ان کے اقتدار و نظم حکومت کی نوعیت کیا تھی۔



Marfat.com

(أ) عاد کے بعد شہرت اور سیاسی جانشینی ثمود کو حاصل ہوئی۔(۹۴) ثمود عرب کے شمالی و مغربی علاقے پر قابض تھے جس کا نام اس زمانے میں وادی القریٰ تھا۔(۹۵) ثمود کے ملک کادار الحکومت حجر تھا۔ یہ شہر اس قدیم راستہ پر واقع ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔اس قوم کے سیاسی حالات کا علم نہیں ہوسکا ہے لیکن اتنا معلوم ہے کہ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی۔

(ب) اہل عرب ابتدائی عہد تاریخ سے تمدن وحضارت اور حکومت و سلطنت سے واقف رہے ہیں اور ان میں سیاست کا واضح تصور اور شعور موجود رہا ہے اور شاید اسی لیے مار گو لیتھ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ: "کتبات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عرب میں منظم ریاستوں کا ایک سلسلہ نا معلوم زمانے سے چلا آرہا ہے۔" (۹۶)مزید بر آں وہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس علاقے سے "ایک منظم سیاسی تنظیم کی یادیں وابستہ ہیں جو اپنی روایات ورسوم رکھتی ہیں اور جن کے پیچھے ایک تاریخ موجود ہے۔" (۹۷)

(ج) عرب میں اگرچہ ریاستوں کا وجود قدیم ہے لیکن کسی زمانے میں بھی کوئی ایک ہمہ گیر،ملک گیر اور متحدہ ریاست عرب میں قائم نہیں ہوسکے (دنیا کے دوسرے بہت سے علاقوں کی طرح مثلاً یونان) اور نہ کبھی پورا عرب ایک پرچم تلے جمع ہوا۔ بہر صورت رفتہ رفتہ تمام قدیم حکومتیں تباہ وبرباد ہو گئیں۔ البتہ ظہورِ اسلام سے کچھ پہلے،چند حکومتیں کسی نہ کسی شکل میں باقی تھیں۔ مثلاً:

ا۔ حیرہ عراق میں آل منذر (لخمیوں)کی موروثی حکومت تھی (۹۸) جو سلطنت فارس کے ماتحت تھی اور عرب وایران کے درمیان ایک طفیلی ریاست (Buffer State) کی حیثیت سے قائم تھی۔ آلِ مُنذرنے ساسانی میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔" اسی کے توسط سے ساسانی خاندان نے عربوں پر اپنی برتری ثابت کی اور اسی کی ذریعے شام کے وسیع وشاداب علاقوں کو بار بار روندا۔ ساسانی خاندان سرحدی امور میں ان ہی پر تکیہ کرتا تھا۔ خصوصیت سے منذر اوّل اور منذر ثالث کے دور میں تو ساسانی خاندان نے لخمیوں کی ناز بر داری بھی کی۔ انھیں بڑے بڑے انعامات سے نواز اور ان کی فوجیوں سے شام کی تباہی وبربادی میں کام لیا۔" اسی خاندان کے حکمران عمرو بن المنذر کے دورِ حکومت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی جبکہ اس کی حکومت کے ۸سال،۸ ماہ گزر چکے تھے۔(۹۹)

بروایت ابن خلدون اس کا جانشین شقیقہس قابوس اور اس کا جانشین منذر ہوا اور اس کے بعد نعمان بن منذر بر سر اقتدار آیا۔(۱۰۰) نعمان کی کل مدت حکومت ۲۲سال ہے یعنی ۸ سال ہرمز کے زمانہ میں اور ۱۴سال کسریٰ پرویز کے زمانہ میں۔ کسریٰ پرویز نے نعمان کو قتل کیا اور لخمی خاندان کا اقتدار ختم کیا۔ اور حیرہ اور اس کے ساتھ اس سارے علاقہ کو جہاں تک لخمی خاندان کی ردائے اقتدار پھیلی ہوئی تھی براہِ راست اپنے تسلط میں لے لیا۔ گویا نعمان ملوک حیرہ کا آخری بادشاہ اور خاندان لخم کا آخری تاجدار تھا۔(۱۰۱) اس کے بعد کسریٰ نے ایاس بن قبیصہ الطائی (۱۰۲) کو وہاں کا حاکم بنایا اور یوں حیرہ کی ریاست



Marfat.com

مرزبانان فارس کے قبضہ میں چلی گئی۔(۱۰۳) یہاں تک کہ مسلمانوں نے حیرہ کو فتح کیا۔(۱۰۴)

۲۔ عرب کے شمال میں شام کی سرحد پر آلِ غسان (بنو جفنہ) کی حکومت قائم تھی اور مدت دراز سے چلی آرہی تھی اور جیسا کہ مشہور ہے کہ یہ ریاست انتداب روم کے ماتحت تھی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ قیصر روم نے اس اندیشہ سے کہ مباد اغسانی اہل فارس کی مدد کردیں، ان کے سردار ثعلبہ بن عمرو اور اس کے بھائی جزع بن عمرو کو بلایا اور ان سے اس بات پر معاہدہ کر لیا کہ اگر کوئی عرب قبیلہ غسان پر حملہ کرے گا تو قیصر ۴۰ ہزار رومی فوج کے ساتھ ان کی مدد کرے گا۔" (۱۰۵) اور اگر کوئی دشمن قیصر روم پر حملہ آور ہوگا تو غسانی ۲۰ ہزار سپاہ ہوگئی اور ایک حکمران سے دوسرے حکمران کو ورثہ میں ملتی رہی۔(۱۰۶) ہمارے خیال میں ابن خلدون کا یہ بیان اس کی نوعیت کو اور واضح کر دیتا ہے کہ ملوک غسان کی کل تعداد ۳۲ اور ان کی مدتِ حکومت تقریباً ۲۰۰ سال ہے۔(۱۰۷) ان کا مرکز حکومت بصریٰ تھا۔(۱۰۸) غساسنہ کے ایک حاکم "حارث بن ابی شمر" کے عہد حکومت میں بعثت نبویؐ ہوئی۔ یہ نعمان بن منذر حاکم حیرہ کا ہم عصر تھا اور ان دونوں میں کشمکش ہوتی رہتی تھی۔ غساسنہ کا آخری فرمانروا جبلہ بن ایہم تھا۔(۱۰۹)

آلِ غسان کی تاریخ تمام ایران روم کی تاریخ کا خلاصہ ہے اور اسی تعلق سے غسانی ہمیشہ حیرہ کے بادشاہوں سے لڑتے رہتے تھے۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں کو اگر کبھی کامیابی ہوئی تو وہ ہمیشہ غسانیوں کی امداد کا ہی نتیجہ تھی اور خود رومی بھی شکر گزاری کے ساتھ اس نتیجہ کا احساس رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں چھٹی صدی کی ابتدا سے ربع صدی تک (۶۰۱ء تا ۶۲۵ء) مشرق و مغرب میں یا مجوسیّت اور عیسائیت میں جو زور آزمائیاں ہوئیں ان سے غسانیوں کی یہ چھوٹی سلطنت بھی مستثنیٰ نہ تھی۔ خسرو پرویز کی اولو العزمیوں نے پندرہ برس میں دامنِ فرات سے وادیٔ نیل اور ساحل باسفورس تک ہر جگہ خاک اڑادی تھی پھر شام میں رومیوں کی شکست نے غسانیوں کی بساط اُلٹ دی۔ رومی اپنی شہنشاہی کا تمام مشرقی حصہ کھو چکے تھے۔ آرمینیہ، شام، مصر، ایشیائے کوچک ہر جگہ صلیبی علم کی بجائے درفش کا ویانی لہرا رہا تھا۔ ایرانی قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے۔ ہرقل، قیصر روم قسطنطنیہ سے فرار کا سامان کر چکا تھا کہ دفعتہ ہوا کا رخ بدل گیا (۱۱۰) اور کچھ ہی عرصہ میں قرآن کی یہ پیش گوئی پوری ہوگئی کہ: "الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ○ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (۴)" (۱۱۱) ترجمہ: "الٓمّٓ۔ رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہو گئے وہ مغلوبی کے بعد عنقریب چند سالوں کے اندر غلبہ پالیں گے) اور پھر یہی ہوا کہ رومیوں نے ایک ایک کر کے اپنے تمام علاقے واپس لے لیے۔"

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کا یہ مختصر سا سیاسی جائزہ، اس بات کی تصدیق کرنے کے لیے کافی ہے کہ غسانیوں کی حکومت رومیوں کے زیر سایہ تھی اور ان ہی کے مفاد کا تحفظ اس کا مقصد اوّلیں



Marfat.com

تھا۔ آلِ غسان کی تاریخ میں ایک اور اہم بات یہ نظر آتی ہے کہ رومی نہ صرف یہ کہ ان کے بادشاہوں کو نامزد یا مقرر کر دیتے تھے بلکہ ان تاجدار انِ بالا ستقلال کے علاوہ اپنی طرف سے ایسے عامل وحاکم بھی مقرر کرتے تھے جو غالباً خود مختار حیثیت رکھتے تھے ممکن ہے بیک وقت دو قسم کے حکمرانوں کا تقرر کرنے سے ان کا مقصد یہ ہو کہ اگر ایک حکمران رومی مفادات کے تحفظ سے گریز کرے تو مقامی طور پر دوسرے حکمرانوں کے ذریعے اس کی سر کوبی کر دی جائے۔ چنانچہ "معان" میں بنو فاخرہ (بطن نفاثہ) کی ریاست تھی اور جب ان میں سے ایک شخص فروہ بن عمر بن الفاخرہ حکمران ہوا تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامۂ گرامی بھیجا تھا، اس کے جواب میں اس نے اپنے قبول اسلام کی اطلاع حضورؐ کو دی اور ایک سفید خچر بھی بطور ہدیہ کیا۔ چنانچہ حارث نے اس کو گرفتار کیا اور فلسطین میں مصلوب کر دیا۔ (۱۱۲) اسی طرح ایک اور حاکم ابو حبلہ بن عبد اللہ کو بھی رومیوں نے ہی مقرر کیا تھا۔ (۱۱۳) یہ وہی ابو حبلہ ہے جس سے مالک بن عجلان نے مدینہ کے یہود کے خلاف مدد مانگی تھی۔ (۱۱۴) اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ سرحدی حکومتیں عرب کے اندرونی علاقوں پر اپنے اثرات ڈالنے کے مواقع حاصل کرنے میں غفلت نہیں برتتی تھیں۔

۳۔ بنو قضاعہ کی ایک اور حکومت تھی جس کی باگ ڈور کلب بن وبرہ کے ہاتھ میں تھی۔ مگر زمام حکومت کبھی کبھی کندہ کی شاخ سکون کے ہاتھ میں چلی جاتی تھی۔ چنانچہ دومتہ الجندل اور تبوک کے مقامات، بنو کلب کے قبضہ میں تھے اور وہ نصرانیت اختیار کر چکے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت دومتہ الجندل کا حکمران اکیدر بن عبد الملوک بن سکون تھا۔ یہ کندی تھا اور ان حکمرانوں کی ذریت میں سے تھا جن کو ملوک تبابعہ نے بنو کلب کا حاکم مقرر کیا تھا اور اس کو خالد بن ولید گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تھے۔ (۱۱۵)

### جمہوریت و سیاست کا مغربی تصور اور علماء اسلام کی ذمہ داری:

موجودہ دور کے دینی، عصری، معاشی، معاشرتی اور سیاسی امور کے ماہر ممتاز مذہبی اسکالر علامہ محمد تقی عثمانی رقمطراز ہیں: "ایک میدان سیاست کا میدان ہے۔ سیاست میں نئے نئے نظریات سامنے آئے ہیں، نئے انداز حکومت سامنے آئے ہیں، نئے مسائل سامنے آئے ہیں، علماء اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میں اسلام کے مؤقف کو واضح کریں کہ کون سی اسلامی سیاست ہے؟ اور کون سی ملحدانہ سیاست اور کافرانہ سیاست ہے؟ اور موجودہ سیاسی نظام جو جمہوریت کے نام پر یا مختلف ناموں پر چل رہے ہیں، ان میں اور اسلام میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟" (۱۱۶)

### سیاست، اسلامی نکتہ نظر سے:

اسلامی نکتہ نظر سے ایک سیاست وہ ہوتی ہے جو دین و شریعت کے اعلیٰ اصولوں اور احکام کی



Marfat.com

پابند ہوتی ہے۔ سیاست کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے جو دین و مذہب اور اس پر مبنی اخلاق و قیود کی پابند نہیں ہوتی۔

شرعی اصولوں پر مبنی سیاست یقیناً دین کا حصہ اور سنت انبیاء ہے۔ یہ قرآن کے احکام امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل درآمد کا ایک طریقہ ہے۔ لہٰذا سیاست سے پہلی تہی کرنا اور اس سے گریز در حقیقت دین کے اہم شعبے سے دور رہنا ہے۔

امام جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کہتے ہیں کہ "شیطان حکمرانوں کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ امور سیاست میں اپنی صوابدید پر عمل کرو۔ اس تلبیس ابلیس کی وجہ سے وہ شریعت کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا فریب ہے اس لیے کہ شریعت سیاست اللہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ خدائی سیاست میں کوئی خلل یا کمی ہو جس کی وجہ سے مخلوق کی وضع کردہ سیاست کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی تو جو شخص لادین سیاست کا مدعی ہے وہ دراصل شریعت میں کمی کا مدعی ہے اور یہ کفر کی بات ہے۔" (۱۱۷)

## سیاست: اسلامی نظم مملکت اور شریعت اسلامیہ کا اہم جزو

حافظ ابن قیمؒ (متوفی ۷۵۱ھ) کے بقول سیاست عادلہ شریعت کے اجزا میں سے ایک جز ہے جس کا انصاف پر مبنی ہونا ضروری ہے۔

معین الحکام کے مطابق سیاست شریعہ کا اختیار کرنا واجب ہے اور اس سے انکار کرنا نصوص شرعیہ اور خلفائے راشدین کی تردید کرنے کے مترادف ہے۔

## امام غزالی کا فلسفہ ٔسیاست:

"انسان کے اصولی اعمال میں بلند اور اہم ترین عمل فن سیاست ہے۔ اس عمل کی وجہ سے عوام میں باہمی محبت اور اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے ان کی اصلاح ہوتی ہے اور اسی کے ذریعے عوام کو وہ رستہ بتایا جاتا ہے جس پر چل کر وہ دنیا اور آخرت دونوں کی نجات حاصل کرسکتے ہیں۔"

ارسطو کا یہ فقرہ ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے کہ "انسان سیاسی اور سماجی حیوان ہے۔" اس کے بقول "سیاسی اور تمدنی زندگی نہ رکھنے والا انسان یا تو دیوتا ہوگا یا حیوان۔"

امام غزالی کے مطابق جس طرح انسان کی بنیادی ضرورت روٹی کپڑا اور مکان ہے اسی طرح سیاست و حکمت بھی اس کی فطری ضرورت ہے جو اس کے ساتھ ہی پیدا ہوئی ہے۔

غیر اسلامی یا اعلیٰ اصولوں کی نفی کرنے والے نظاموں میں سب سے زیادہ قدیم اور مروجہ نظریہ ملوکیت اور بادشاہت ہے جو اسلام کے جمہوری نظریہ حکومت کی ضد ہے۔ (۱۱۸)



Marfat.com

## دین و سیاست کا ایک دوسرے سے جدائی کے دعوے:

کچھ لوگوں کا خیال بلکہ زعمِ باطل ہے کہ دین کا سیاست سے کچھ تعلق نہیں۔ ان لوگوں نے یہ جھوٹ تراشا ہے کہ سا ت میں کوئی دین نہیں اور دین میں کوئی سیاست نہیں۔ کمال یہ ہے کہ خود ان لوگوں نے دین کو اپنی سیاست کے آلہ کار کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ اپنے مذموم و ادنیٰ مقاصد بر لاسکیں۔ یہ لوگ علم دین کے لحاظ سے بعض کمزور حضرات کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ اپنی باطل سیاست اور دنیوی لحاظ سے اپنی غلط پالیسیوں کے حق میں دینی نقطہ نظر سے من پسند فتویٰ لے سکیں۔

اپنی مذموم سیاسی اغراض کے لیے حکام علما کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ ان سے بینک کے سود کے حلال ہونے اور اسی قسم کے دیگر مقاصد کے لیے فتویٰ لے سکیں۔ انہیں بعض ضعیف الایمان اور قلیل العلم لوگ مل ہی جایا کرتے ہیں مگر راسخ العقیدہ علمائے کرام ایسے فتاویٰ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ (۱۱۹)

علاہ ابن قیم نے امام ابو لوفا بن عقیل حنبلی سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: "سیاست ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے لوگ صلاح و خیر کے زیادہ قریب اور فساد سے بہت دور ہو جاتے ہیں، جب تک کہ سیاست، شریعت کے خلاف نہ ہو۔"

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: "عادلانہ سیاست، شریعت کی تعلیمات و ہدایات کی مخالف نہیں ہوتی بلکہ اس کے موافق ہوتی ہے بلکہ سیاست تو شریعت کے اجزا میں سے ایک جز ہے، ہم اسے سیاست، آپ حضرات کی اصطلاح کے تحت کہتے ہیں ورنہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل ہے۔" (۱۲۰)

امام غزالی فرماتے ہیں: "دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور دین دنیا کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، اقتدار اور دین جڑواں ہیں۔ دین اصل ہے اور اقتدار محافظ و پہرے دار ہے۔ جس کی اصل و بنیاد نہ ہو وہ گر جاتا ہے اور جس کا محافظ نہ ہو وہ ضائع ہو جاتا ہے۔"

امامت یا خلافت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: "یہ دین کی نگہبانی اور اس کے ذریعے دنیا کی سیاست میں صاحب شرع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابتِ عامہ ہے۔"

پس معلوم ہوا کہ خلافت نگہبانی اور سیاست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مبلغ، معلم اور قاضی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست کار بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت یافتہ خلفا بھی سیاست کار تھے۔ اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہج و طریق پر چل رہے تھے۔ ان حضرات نے عدل و احسان کے ساتھ امت کو درست راستے پر چلا کر سیاست فرمائی اور علم و ایمان کے ساتھ امت کی قیادت کی۔

سیاست کی اس مسلمہ اہمیت کے باوجود ہمارے دور کے لوگ سیاست دانوں سے نفرت کرنے لگے



Marfat.com

ہیں۔اس کی بنیادی وجہ سیاست پر "میکاولی" فکر کی گہری چھاپ، استعمار اور خیانت کار حکمرانوں، ظالموں اور امروں کی سیاست ہے۔ شیخ محمد عبدہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سیاست کاروں کے مکرو فریب سے تنگ آکر اپنا یہ مشہور قول کہا تھا: "میں سیاست، سیاست کرنے والوں اور جن پر سیاست کی جائے، سب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

فکر اسلامی کے مخالفین نے عوام کی سیاست دانوں سے اس نفرت کا فائدہ اٹھایا اور اس جامع و کامل نظام اسلام کے بارے میں جس کی طرف حامیانِ اسلام دعوت دیتے ہیں، کہنے لگے کہ یہ سیاسی اسلام ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب ہر مسلمان کو جو نفاذ اسلام کے لیے کوشاں ہو، کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ سیاست دان بنا ہوا ہے اور سیاست میں حصہ لیتا ہے۔اس چیز کو ان کی مذمت اور ان سے نفرت دلانے کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ ایسا وقت بھی آئے جب مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کو "سیاسی نماز" کہہ دیا جائے۔ سیرت ابن ہشام جیسی کتاب سے غزوات کے مطالعے یا بخاری سے غزوات کے مطالعے کرنے کو "سیاسی مطالعہ" قرار دیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی کسی مخصوص سورہ کو "سیاسی تلاوت" کہہ دیا جائے۔(۱۲۱)

## پاکستان کا جمہوری سیاسی نظام اور مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کے متفقہ نکات:

۳۱ علماء کے طے کردہ ۲۲ نکات جن پر ہر مسلمہ اسلامی فرقہ متفق ہے۔پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کامتفقہ فیصلہ ۱۲ تا ۱۵/ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱ تا ۲۴/ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ۳۱ معتمد علمائے کرام کا اجتماع منعقد ہوا ہے، جس میں اسلامی دستور کے لیے درج ذیل ۲۲ بنیادی اصول بالاتفاق طے ہوئے۔

اسلامی مملکت کے دستور میں حسب ذیل امور کی تشریح لازمی ہے۔

۱۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہو گا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہو گی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔



Marfat.com

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی و لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کا تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی۔ جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعیٔ اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدود و قانون کے اندر تحفظ جان ومال و آبرو، آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل و حرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادے کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق، اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا، اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلۂ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کرسکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنی فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں وہ اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق چلانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کی تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جز کسی فرد یا جماعت کو تفویض کرسکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی، یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب



Marfat.com

نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ دستور کو "کلاً یا جزءاً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذے سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان و عمل حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون اور ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہوں۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادیٔ کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزا انتظامی متصور ہوں گے، ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی اور واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔(۱۲۲)

## سیاست و ریاست اسلامی تصورِ

### اسلام سیاسی ہوتا ہے:

علامہ یوسف قرضاویؒ فرماتے ہیں کہ: "اسلام ہوتا ہی سیاسی ہے، اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اسلام کا سیاست کے بغیر تصور ہی ممکن نہیں۔ اگر آپ اسلام کو سیاست سے الگ کردیں گے تو آپ اسے کوئی اور مذہب بنادیں گے، بدھ مت یا عیسائیت جیسا۔ مگر یہ اسلام نہیں ہوگا۔(۱۲۳)

اسلام اور سیاست ایک ایسا عنوان ہے جسے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اسلام سے سیاست کو نکال دیا جائے تو اس کا مطلب اسلام کو بے روح کردیا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا کہ فرد کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ معاشرت، معیشت اور سیاست، فلسفہ سیاست کا بنیادی تصور ریاست ہے۔ تمام سیاسی خیالات و کردار بلاواسطہ یا بالواسطہ اسی سے وابستہ ہیں۔



Marfat.com

اسلام کا تصور سیاست اس امر کا متقاضی ہے کہ

☆ طبقاتِ معاشرہ اور مختلف مذہبی اکائیاں مل کر ایک آئینی ریاست تشکیل دیں۔ یعنی تشکیل ریاست اور تدوینِ آئین بنیادی اسلامی احکامات و تصورات میں سے ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ریاست مدینہ کی تشکیل اور میثاق مدینہ کی صورت میں ایک آئینی دستاویز کی تیاری ایک قوی ترین اور ناقابل تردید دلیل اور حجت ہے۔

☆ اسلام نے ریاست کے سربراہ کے تقرر کے لیے اُس ریاست کے شہریوں کی اتفاق رائے یا کثرت رائے کا اصول مقرر کیا ہے۔

☆ امورِ ریاست آمریت یا شخصی حکومت کی بجائے مشاورت سے چلانے کا ضابطہ مقرر کیا ہے جیسا کہ "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَيْنَهُمْ" (۱۲۴) کا قرآنی حکم اس باب میں واضح ہے۔

☆ اسلام نے حکمرانوں اور اہل شوریٰ (ممبران پارلیمنٹ) کے لیے عدل، صدق، امانت، دیانت، علمی و ذہنی قابلیت اور جسمانی صحت کے معیارات مقرر کیے ہیں۔

☆ طرزِ حکومت اور نظامِ انتخابات کو اسلام نے اجتہادی امور کے طور پر open چھوڑ دیا تاکہ ہر دور کے تقاضوں اور معاشرے کے رجحانات و میلانات اور معاشرتی صورت کے مطابق اس کی شکل بنائی جاسکے۔

☆ اسی طرح اسلامی نظام میں حکمران کو اقتدار سے الگ کرنے کا اصل اختیار بھی عوام اور شہریوں کو دیا گیا جس کی بنیاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مسند خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد پہلے خطبے کے یہ الفاظ ہیں: 'اے لوگو مجھے تم پر حکمران مقرر کر دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھائی کی راہ پر چلوں تو میری مدد کرنا اور اگر برائی کی راہ پر چلوں تو مجھے پکڑ کر سیدھا کر دینا۔ تم میری اس وقت تک اطاعت کرتے رہنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نافرمان ہو جاؤں تو تم پر میرے فرمان کی اطاعت قطعاً واجب نہیں۔" (۱۲۵)

☆ اسلام میں ریاست کے پارلیمان / مجلس شوریٰ کو آئین سازی و قانون سازی کا مکمل اختیار ہے مگر وہ اِسلام کے بنیادی اصولوں و تصورات سے ہم آہنگ قانون و آئین سازی ہی کرسکتی ہیں یہ اختیار مطلق نہیں بلکہ مشروط ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ حکومت کے قیام اور اس کے آئینی قوانین کے حوالے سے دین اسلام کی طرف سے کوئی واضح رہنمائی نہیں یا اس بارے میں مسلمانوں کے کوئی فرائض و واجبات نہیں، یہ درست موقف نہیں۔ (۱۲۶)

انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی کے لیے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز و محور، اس کی روح اور اس کا جوہر یہی عقیدہ ہے کہ اور اسی پر اسلام کے نظریہ سیاسی کی بنیاد بھی قائم ہے۔ اسلامی سیاست کا



Marfat.com

سنگ بنیاد یہ قاعدہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے فرداً فرداً اور مجتمعاً سلب کر لیے جائیں، کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں، وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں۔ یہ اختیار صرف اللہ کو ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (۱۲۷)

ترجمہ: "حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں، اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو، یہ صحیح دین ہے۔"

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۱۲۸)

ترجمہ: "وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔"

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (۱۲۹)

ترجمہ "اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو، کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام"

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ" (۱۳۰)

ترجمہ: "جو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل کافر ہیں۔"

اس نظریہ کے مطابق حاکمیت (Sovereignty) صرف اللہ کی ہے۔ قانون ساز (Law Giver) صرف اللہ ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، بذات خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ کے حکم کا پیرو ہے۔ "اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ" (۱۳۱) میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔" عام انسان نبی کی اطاعت پر صرف اس لیے مامور ہے کہ وہ اپنا حکم نہیں بلکہ اللہ کا حکم بیان کرتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۱۳۲)

ترجمہ: "ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کے تحت اس کی اطاعت کی جائے۔"

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (۱۳۳)

ترجمہ: "یہ نبی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب دی، حکم سے سرفراز کیا اور نبوت عطا کی۔"

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ (۱۳۴)

ترجمہ : "کسی بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم



Marfat.com

ربانی بنو۔"

پس اسلامی اسٹیٹ کی ابتدائی خصوصیات جو قرآن کی مذکورہ بالا تصریحات سے نکلتی ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ کوئی شخص، خاندان، طبقہ یا گروہ بلکہ اسٹیٹ کی ساری آبادی مل کر بھی حاکیت کی مالک نہیں ہے، حاکم اصلی صرف اللہ ہے اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ قانون سازی کے اختیارات بھی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ سارے مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لیے کوئی قانون بناسکتے ہیں اور نہ اللہ کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم کرسکتے ہیں۔

۳۔ اسلامی اسٹیٹ بہرحال، اس قانون پر قائم ہوگا جو اللہ کی طرف سے اس کے نبی نے دیا ہے اور اس اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہوگی کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔(۳۵)اسلام کا سیاسی نظام توان روحانی لوگوں کے ذریعے چلایا جائے گا۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے　　جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا　　سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن　　نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی(۱۳۶)

دنیا میں حکمت و سلطنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ حتی کہ کتاب اللہ اور نبوت و رسالت کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا" (۱۳۷)

ترجمہ "سو بے شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کو کتاب اور حکمت نبوت بھی دی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت بھی عطا فرمائی۔"

اس آیت میں کتاب اور حکمت (احکام شرعیہ، نبوت اور رسالت وغیرہ) کے بعد حکومت و سلطنت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو بڑی بڑی سلطنتیں عطا فرمائی تھیں اسی طرح کچھ بعید نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کے ساتھیوں کو ان جیسی یا ان سے بھی بڑھ کر سلطنت عطا فرما دے۔(۱۳۸)ایک اور مقام پر فرمایا: "اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ"(۱۳۹) ترجمہ "بلاشبہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہیں۔"

لیکن دوسرے مقام پر اس امر کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہ سلطنت اور حکومت اگرچہ انسان کو عطا ضرور کی گئی ہے مگر یہ کسی کی ملکیت نہیں، اس کے پاس صرف امانت ہے۔ اس کا مالک حقیقی اور اس کا وارث اصلی صرف اور صرف ایک ذات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ۔ ارشاد باری ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ



Marfat.com

وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ" (۱۴۰)

ترجمہ "بلاشبہ ہم ہی زمین اور اس پر بسنے والوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی جانب ان کو مال کار لوٹنا ہے۔"

بعض روایات میں ہے کہ "جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور سب مسلمانوں کی۔" (۱۴۱) آج جہاں نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے۔ وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظام حکومت برباد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو "اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں" قیامت کا انتظار کرو"۔ (۱۴۲) ارشاد ربانی ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا "ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچا دیا کرو" (۱۴۳)

اس حکم کا مخاطب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام مسلمان ہوں اور یہ بھی احتمال ہے۔ کہ خاص امراء مخاطب ہوں اور زیادہ ظاہر یہ ہے۔ کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے۔ اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی۔ حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل و مستحق کو پہنچا دے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے امانت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو: "جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں"۔ (۱۴۴)

## پاکستاں میں جمہوریت کی ناکامی کے اسباب

پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی کا بہت رونا رویا گیا اور عام تاثر یہ ہے کہ جمہوریت ہمارے عمومی مزاج کے خلاف ہے۔ کئی مصنفین نے جمہوریت کی ناکامی کا ذمہ دار ملک کی خود غرض، بدعنوان اور نااہل قیادت کو قرار دیا ہے۔ بعض مغربی مبصرین نے اس موضوع پر خیال آرائی کرتے ہوئے جمہوریت کی ناکامی کے اسباب ملک کے اساسی نظریئے یعنی اسلام میں تلاش کیے ہیں۔ معروف مغربی مصنف کلارڈ کے مطابق: "اسلام باضابطہ حزبِ اختلاف کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور یہ کہ بہت سے مسلمانوں کے نزدیک اچھی ریاست کا تصور ایک مضبوط لیڈر اور اس کی قیادت میں اپنے مقصد کی لگن سے سرشار اور متحد قوم سے



Marfat.com

عبارت ہے۔(۱۴۵) یہ تصور کہ جمہوریت ہمارے عوام کے مزاج کے مطابق نہیں ہے اپنی جگہ محل نظر ہے۔ ماضی کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ہمارے عوام نے اجتماعی امنگوں کی ترجمانی کرنے والی تمام تحریکوں کی حمایت کی ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ قیام پاکستان کے بعد انہیں کوئی ایسی عوامی تحریک، سیاسی جماعت یا ہر دلعزیز سیاسی قیادت میسر نہ آسکی جو ان کے اجتماعی جذبوں کی عکاسی کرتی ہو۔ دوسری طرف حکمرانوں نے قومی معاملات پر عوام کی رائے دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ قومی افق پر اکثر و بیشتر نوکر شاہی یا غیر نمائندہ سیاست دانوں کا غلبہ رہا۔ اگر جمہوریت کی بنیادی تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو ان برسوں کے درمیان پاکستان کے طرز حکومت کو کسی طور بھی جمہوری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ دور دراصل ایک طرح کی نوکر شاہی کی حکومت کا دور تھا جس میں اقتدار گورنر جنرل، گورنر اور بیوروکریسی کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گیا تھا۔ اس صورتحال میں نہ تو ملک میں جمہوری ادارے فروغ پاسکے اور نہ ہی عوام کی سیاسی تربیت کا کوئی انتظام کیا جاسکا۔(۱۴۶)

## سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راہنمائی اور پاکستان میں مستحکم جمہوری سیاسی نظام

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا"(۱۴۷) ترجمہ: "(اے مومنو!) بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ملنے اور یوم آخرت کے آنے کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: هذه الآية اصل كبير في التاسي برسول الله صلى الله عليه وسلم في اقواله وافعاله احواله۔(۱۴۸)

یہ آیت کریمہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال، افعال اور احوال کی اقتدا و پیروی نہایت ضروری ہے۔ اتباع رسول یہ ہے کہ مسلمان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات و فرامین پر دل وجان سے عمل پیرا ہوں اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا جز ولاینفک بنالیں۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو نہ مانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو پس پشت ڈالے اور ان سے انحراف کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو نہ ماننے کا مطلب خود اللہ کے احکامات کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"(۱۴۹)

ترجمہ: "اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے یہ تو وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرامین اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل فرمائی جانے والی وحی



Marfat.com

پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی رائے یا خواہشات کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات بعینہ اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کے احکام یہی مضمون زیادہ واضح الفاظ میں قرآن کریم دوسرے مقام پر ان الفاظ میں آیا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۱۵۰)

ترجمہ: "پھر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حکم منصف نہ بنالیں۔ پھر جو فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر دیں اس سے کسی طرح اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور خوشی سے پوری طرح قبول کرلیں۔"

یعنی ایمان کی شرط یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملے میں فیصلہ فرمادے تو اس کو حق اور درست جان کر اس پر دل و جان سے راضی رہے اور دل میں تنگی محسوس نہ کرے اور شک کا ادنیٰ ساشائبہ بھی نہ آنے دے۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو دل سے قبول نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کا ایمان بھی کامل نہیں ہوسکتا۔ (۱۵۱)

اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (۱۵۲)

ترجمہ: "اور جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد بھی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلے گا تو ہم بھی اس کو اسی راستے پر چلائیں گیاور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔"

اس آیت میں واضح فرمادیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت وبال عظیم ہے۔ تو گویا کہ آپ کا اسوہ حسنہ، سیرت طیبہ اور تعلیمات مقدسہ کی پیروی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی جامع کمالات ہے کہ جس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کے مابین ایسا صحیح توازن قائم کیا کہ افراط و تفریط کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔ اور کوئی دوسرا انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور دنیا کے کسی گوشے میں رہتا ہو ان خوبیوں کا جامع تو کیا پاسنگ بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اگر زندگی کے کسی معاملے میں ہمیں کہیں سے صحیح رہنمائی اور درست ہدایت مل سکتی ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا اگر ہمیں ملکی استحکام کے لیے اپنا لائحہ عمل وضع کرنا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے اپنی وابستگی کو مضبوط کرنا ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و فرمودات پر سنجیدگی اور پوری وفاداری وخلوص کے ساتھ عمل پیرا ہونا ہوگا۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر ہم فلاح و کامرانی کی راہ پر گامزن ہوسکتے ہیں۔



Marfat.com

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت سیاسی مفکر اور انسانیت کے نجات دہندہ:

لفظ سیاست عربی زبان کا لفظ ہے عربی کی مستند ڈکشنریوں جیسے "لسان العرب" اور "تاج العروس" وغیرہ میں اس کے متعلق جو لکھا گیا ہے وہ یہ کہ لفظ سیاست سَاسَ یَسُوسُ کا مصدر ہے اور اس کے معنی ہیں "القیام علی الشیء بما یصلحه" کسی شے کی اصلاح کے لیے ایسی تدابیر عمل میں لانا جن سے اس کی صلاح و درستی ہو سکتی ہو۔(۱۵۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ میں سیاست کا عام معنی صاف طور پر نظر آتا ہے اور خاص معنی و مطلب بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے اس کی کچھ تفصیل پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا بھی مناسب اور مفید سمجھتا ہوں کہ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اس کے اندر لفظ سیاست کہیں کسی شکل میں بھی استعمال نہیں ہوا البتہ بعض احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا استعمال ضرور ملتا ہے۔(۱۵۴) ایک حدیث کے الفاظ ہیں "کان بنو اسرائیل یسوسهم انبیاءهم" ترجمہ: "بنی اسرائیل کی سیاست ان کے نبی کیا کرتے تھے۔"(۱۵۵) اس کا مطلب جیسا کہ خود قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے بعض نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ملک اور بادشاہ بھی تھے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام چنانچہ وہ قوم کی روحانی، دینی اور اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کی دنیوی اور مادی اصلاح بھی فرماتے تھے اسی چیز کو حدیث مذکور میں سیاست سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

سیاست کے معنی و مطلب کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں سیاست اپنے کامل معنوں میں جلوہ گر نظر آتی ہے عام معنی و مطلب کے لحاظ سے بھی اور خاص معنی و مطلب کے اعتبار سے بھی۔ سیاست کا عام معنی و مطلب جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ کہ کسی بگڑی ہوئی چیز کی اصلاح و درستگی کے لیے ایسی تدابیر اختیار کرنا اور عمل میں لانا جن سے اس کا بگاڑ دور ہو کر اس کی اصلاح و درستی ہو جا سکتی ہو۔ یہ سیاست حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ میں اپنی اعلیٰ ترین صورت سے اس طویل جدوجہد میں نظر آتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عرب معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں مسلسل ۲۳ سال تک فرمائی اور پھر اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کامیابی نصیب ہوئی جس کی دنیا میں کہیں کوئی مثال اور نظیر نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کہ "دنیا کے سو بڑے انسان" کتاب میں مائیکل ہارٹ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن میں سب سے زیادہ کامیاب ہونے والا نمبر اول پر لکھا ہے۔(۱۵۶)

دنیا کے سیاسی پر عمومی اور عرب کے سیاسی نظام پر بحث کی جائے گی تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی حکمت عملی کی برتری اور فوقیت ظاہر ہو سکے۔ جب ہم بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کے متمدن دنیا پر نظر دوڑاتے ہیں۔ تو بادشاہت کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ مصر، عراق، روم، ایران، جاپان، چین اور ہندوستان سب پر بادشاہ حکمران تھے، وہ مطلق العنان تھے۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ



Marfat.com

بادشاہ کی ذات وقت کے العنان تھے۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات ہوئی تھی۔ بعض ممالک میں بادشاہ وقت کے لوگ دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ ان کے سامنے سربسجود ہوتے اور ان کی الوہیت کے گیت گاتے تھے۔ ان کی ذات تمام عیوب سے منزہ سمجھی جاتی تھی۔ وہ اللہ کے نائب ہی نہیں بلکہ اس کے شریک تصور کیے جاتے تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ ہوتا تھا۔ جب دربار کرتا تو حکام، شہزادے اس کے اردگرد نہایت ادب کے ساتھ بیٹھتے۔ اس کا ولی بالعموم بادشاہ کا بڑا لڑکا ہوتا تھا۔ بعض حالتوں میں دوسرے بیٹے یا بیٹے کی غیر موجودگی میں اپنے داماد یا کسی دوسرے عزیز کا بڑا لڑکا ہوتا تھا۔ بعض حالتوں میں دوسرے بیٹے یا بیٹے کی غیر موجودگی میں اپنے داماد یا کسی دوسرے عزیز کو ولی بنادیتا ملکی انتظام کے لیے ریاست صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کردی جاتی تھی۔ جن پر اعلیٰ حکام کو بادشادہ خود مقرر کرتا تھا۔ اعلیٰ حکام مقامی سرداروں اور جاگیرداروں اور زمینداروں کے تعاون سے اپنے علاقے کا انتظام کرتے تھے۔ بعض ممالک میں صوبوں میں جاگیر دار اور بڑے بڑے زمیندار ہی نظم و نسق کا کام سرانجام دیتے تھے۔ صوبائی حاکم جملہ شاہی مطالبات او رمحصولات وصول کرکے بادشاہ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ سلطنت کی توسیع کے لیے طاقتور حکومتیں کمزور حکومتوں پر حملہ کردیتیں۔ مفتوح قوم غلامی کی زندگی بسر کرتی اور تمام حقوق سے محروم کردی جاتی۔ عورتیں، بچے اور جوان اور بوڑھے سبھی کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا۔(۱۵۷)

تاریخ شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی تشکیل کی اس وقت دو سپر پاورز۔ وہ عظیم سلطنتیں موجود تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سپر پاور کے سامنے نہیں جھکے اور نہ ہی کسی سپر پاور کے سامنے حصول تعاون کے لئے دست سوال دراز کیا۔ بلکہ وہاں تبلیغی وفود بھجوائے اور اسلامی بلاک کو اس قدر مستحکم کیا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد دونوں سپر پاورز اسلامی بلاک کے زیرنگیں ہوگئیں۔ یہ حقیقت کس سے مخفی ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سلطنت اسلامی کا رقبہ قریباً دس لاکھ مربع میل ہوگیا اور چند برسوں کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق کے عہد میں سلطنت اسلامی کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل تک وسیع ہو گیا۔(۱۵۸) اور آج دنیا کے ایک ارب سے زیادہ فرزندان توحید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" (۱۵۹) کے ارشاد خداوندی کی عملی تفسیر ہیں۔

شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے آرٹیکل میں ان کا یہ اعتراف موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا اصل رازان کی سیاسی اور عسکری بصیرت تھی:

"and with his eminent political gift late in Madina, wo do of course find instances in the bettle of Bard or the agreement of Hudaibiyya where his intellectual superiority is over



Marfat.com

whelimingly evident."(۱۶۰)

## بحیثیت حکمران کے عمال کی تقرری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم مصلح اور بیدار مغز حکمران تھے، آپؐ کو جہاں یہ خیال تھا کہ عہدے دار اپنے فرائض و واجبات کی بجا آوری صحیح طور پر کریں اس سے زیادہ اہتمام اس بات کا تھا کہ عمال و حکام زیور اخلاق سے آراستہ ہوں، تاکہ جہاں بھی ان کا تقرر کیا جائے، وہ کامیاب ثابت ہوں اور کم از کم وہاں کے باشندے ان کے اخلاق کے شاکی نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذؓ بن جبل کو یمن کی جانب روانہ کیا تو فرمایا تھا کہ: {یسّرا ولاتعسّرا و بشّرا ولاتنفّرا۔}(۱۶۱)

"تم دونوں سختی نہ کرنا، بلکہ آسانی سے کام لینا اور لوگوں کو اچھی باتیں سنانا، نفرت نہ دلانا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اس طرزِ حکومت کی نشان دہی بھی ہوجاتی ہے، جو اس اسلامی ریاست میں جاری و ساری تھا۔ عہدے داروں کی اہلیت و قابلیت کے ضمن میں یہ بتانا تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے کہ عہدے دار چاہے گورنر ہو یا قاضی، معلّم ہو یا مبلغ، امام ہو یا مفتی، اس کے لیے بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ اسلام کے نظریۂ حیات پر یقین اور اس کی تعلیمات سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔ احادیث و سیر کی یہ روایت بہت مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کے لیے مامور فرمایا تو روانگی سے پہلے ان کے تبحر علمی اور واقفیت شرع کا امتحان لیا، یہاں تک کہ آپؐ مطمئن ہوگئے۔ اعلیٰ عہدے داروں مثلاً گورنر یا والی کو نہ صرف زبانی بلکہ بعض اوقات تحریری ہدایات اور فرامین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کیے جاتے تھے۔ افسران محاصل کو ہر قسم کے محاصل کی تفصیل اور اس کے عوض نصاب کی تعلیم دی جاتی، قضاۃ کو فرائض، عدل و قضا سے مطلع کیا جاتا اور انہیں دیوانی و فوجداری مقدمات میں طرزِ عمل کی ہدایت رسول اللہؐ بنفس نفیس عطا فرماتے تھے۔(۱۶۲) ریاست کی کارکردگی اس کی نشوونما اور فلاح و خسران کا مدار سرکاری مناصب پر فائز افراد اور کارکنانِ ریاست پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک سربراہِ ریاست کی انتہائی اہم ذمّے داری یہ ہے کہ وہ ریاست کے انتظامی مناصب پر ایسے لوگوں کا انتخاب کرے، جو ریاست کے مقصد وجود کو سمجھتے ہوں اور اپنی صلاحیتوں کو ٹھیک استعمال کرکے اپنے عہدوں سے انصاف کرسکتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت حکمران اس مسئلے پر اپنی پوری توجہ صرف کی اور حکومت کے عہدوں اور مناصب پر ایسے خدا ترس، باصلاحیت، بے لوث، پاکیزہ کردار اور مخلص افراد کا تقرر کیا، جو اسلام کی روح سے واقف، دین کے مزاج شناس، راہِ حق میں شدائد برداشت کرنے والے، تجربہ کار اور پختہ طور پر تربیت یافتہ تھے۔ ان کارکنان ریاست کو آپؐ نے یہ بات ذہن نشین کرادی کہ حکومت کے عہدے اور مناصب حصولِ عزت و



Marfat.com

جاہ اور کسب دنیا کے ذرائع نہیں ہیں۔اس لیے ان کے حصول کی جدوجہد ہی غیر مستحسن ہے۔(۱۶۳)

یہی نہیں، اس سے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مناصب کا رشتہ اخلاقی تعلیمات سے جوڑا اور یہ فرما دیا کہ: {انا واللہ لانولّی علیٰ عملنا ھٰذا احدًا سأله اوحرصَ علیه۔}(۱۶۴)"خدا کی قسم، ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے، جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو۔"

اور آپؐ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ: {اِنّ اَخونکُم عِندنَا من طلبه۔}(۱۶۵)"ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن وہ شخص ہے جو اس کا خود طالب ہو۔"

ایک صحابی حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرماتے ہوئے کہا: "اے عبدالرحمن، امارت کے طالب نہ بنو، اگر یہ بن مانگے تمہیں ملی تو اس کام میں اللہ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر اسے خود مانگ کر حاصل کرو گے تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائیگا۔(۱۶۶)

ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حکومت کے کسی عہدے پر مقرر کرنے کی درخواست کی تو اس کے جواب میں فرمانِ نبویؐ یہ تھا کہ: "اے ابوذرؓ ! یہ ایک بھاری امانت ہے اور تم ایک کمزور آدمی ہو۔ قیامت کے دن یہ امانت ندامت اور رسوائی کا سبب ہوگی، مگر اس شخص کے لیے نہیں، جو اس کے حق کے ساتھ اسے اٹھائے اور اس سلسلے میں اس پر جو ذمّے داریاں عائد ہوں، انہیں ادا کرے۔"(۱۶۷) ان ہدایات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو عہدوں کے لالچ اور حرص و طمع کی تحریک کا خاتمہ کیا اور دوسری طرف لوگوں کی نفسیاتی اصلاح کرکے ان کے نفوس کا تزکیہ کیا۔ کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ مناصب کی آزمائشوں میں پڑنے کے لیے از خود پیش ہونے والا یا تو ان مناصب کے تقاضوں سے ناواقف ہے اور یا ان سے غیر معمولی منفعت کا حصول اس کے پیش نظر ہے، علاوہ ازیں حکومت کے عہدوں اور مناصب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کے حقوق کی فہرست میں شمار کرنے کے بجائے امانت کی حیثیت دی اور اپنے دور میں صرف ان ہی لوگوں کا تقرر فرمایا، جو اس بار امانت کو اٹھا سکتے تھے۔(۱۶۸)

قرآن سے اس کی تائید اللہ کے اس حکم میں ملتی ہے کہ: {اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا}(۱۶۹)

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کردو۔" امام ابن تیمیہؒ نے اس آیت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "ادائے امانات کی دو قسمیں ہیں، امانت فی الاموال۔ امانت فی الولایات۔ آیت بالا امانت فی الولایات سے متعلق ہے اور یہی اس کا شانِ نزول ہے۔(۱۷۰)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہو اور اس



Marfat.com

نے یہ جانتے ہوئے کہ ایسا شخص بھی میسر آسکتا ہے، جو مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر ہوسکے گا، کسی دوسرے شخص کو حکومت دے دی تو اس نے اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مومنوں سے خیانت کی۔(۱۷۱)

اوراسی مفہوم کی ادائیگی اس آیت سے ہوتی ہے کہ: {يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ}(۱۷۲)

"اے اہل ایمان! نہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم ان باتوں کو جانتے ہو۔"

یہاں یہ وضاحت کردینا مناسب ہے کہ نظم و نسق ریاست کے سلسلے میں مختلف انتظامی مناصب پر اہل اور دیانت دار افراد کے تقرر اور امورِ ریاست کی احساسِ ذمّے داری کے ساتھ کڑی نگرانی کا نتیجہ یہ تھا کہ ریاستِ نبویؐ کو ایک مضبوط انتظامی ڈھانچہ مل گیا اور پھر اس کا مزید خوشگوار نتیجہ یہ تھا کہ معاملاتِ ریاست جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دارالحکومت(مدینۂ منورہ) میں موجودگی میں چلتے تھے، اسی طرح آپؐ کی مدینے سے غیر حاضری کی صورت میں بھی معمولاً جاری رہتے تھے۔(۱۷۳)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابۂ کرامؓ سے فرمایا کہ بے شک، اللہ جل شانہ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے، بس تم میری طرف سے اس رحمت کو دوسروں تک پہنچا دو۔ اللہ رب العزّت تم پر رحم فرمائے گا اور آپس میں اختلاف نہ کرو، جیسا کہ عیسیٰ ابنِ مریمؑ کے حواریوں نے اختلاف کیا۔"(۱۷۴)

"آپؐ نے فرمایا کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو اور سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے، پس یہی نصیحت ہر سفیر اور قاصد کے لیے ہوتی تھی کہ تم مشورہ کرکے کام کیا کرو، لوگوں سے موافقت کیا کرو۔ خوشخبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ، آسانی پیدا کرو، سختی نہ کرو۔"(۱۷۵)

## عہد اسلامی میں جمہوری سیاست:

اسلامی عہد میں ارقم بن ارقم کے مکان میں خفیہ اجتماع سے اُمت کی تنظیم کا نتیجہ خیز کام شروع ہوا تھا جس کی تکمیل اس وقت ہوئی جب مدینہ نبوت اور خلافت کا پایہ تخت بن گیا، مکہ میں ملت ابراہیم کی شیرازہ بندی، بین الاقوامی تعلقات کے لیے اصولِ ہجرت کا اجراء اور اسلامی معاشرہ کے استحکام کے لیے اصول بیعت (اجتماعی حلف) کا نفاذ، مدینے میں انصار و مہاجرین کے بھائی چارہ کی تشکیل، غزوہ بدر، صلح حدیبیہ، فتح مکہ، فتح کے بعد انسانی مساوات، امن، آزادی، اور اخوت کا اعلانِ عام، سلاطین عالم کے درباروں میں سفراء کی روانگی، بیرونی سفراء کی مدینے میں باریابی، صوبائی تنظیم، حکام کا تقرر، فرامین کا اجراء، سقیفہ کی شوروی مجلس میں رائے عامہ منصب حکومت کا فیصلہ، ایسے کارنامے ہیں جن کا تعلق سر تا سر اسلامی سیاست سے تھا۔(۱۷۶)



Marfat.com

اسلام کی تاریخ حکمرانی پر سیاسی نقطہ نظر سے غور کیجئے، سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری اور تاریخ ابن کثیر، تاریخ فتوحات الاسلامیہ دحلان میں جا بجا اسلامی سیاست کے آثار ملتے ہیں محمد علی کرد نے اپنی کتاب "الاسلام والحضانۃ العربیۃ جلد ۲ میں "السیاسۃ فی الاسلام" کے عنوان سے اسلامی سیاست کے ہر دور کے واقعات پیش کیے ہیں۔(۱۷۷)

☆☆ جولیو کسٹلاٹ، اپنی کتاب قانون تاریخ میں لکھتا ہے کہ: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دائرہ اسلام میں آنے کے لیے تیار تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی تمدن آناً فاناً بروئے کار آیا۔ دسویں صدی سے چودھویں صدی تک تو ایسا زمانہ گزرا ہے جب یورپ میں اس تمدن کے علاوہ اور کوئی تمدن نہ تھا۔"

☆☆ کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری لکھتے ہیں: "ابھی سو سال نہ ہوئے تھے کہ اسلام کی حکومت سب جگہ چھاگئی اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو ابھرنے، اوپر اٹھنے اور ساری کائنات تک اپنی روشنی پہنچانے میں مانع نہ ہو سکی۔"

☆☆ موسیو رینان ڈینہ نے نپولین کی تاریخی یادداشتوں سے ثابت کیا ہے کہ نپولین کے سیاسی تصورات میں اسلام کا تصورِ حکومت کام کررہا تھا۔(۱۷۸) ۲۸/ اگست ۱۷۹۸ء کی یادداشت یہ ظاہر کرتی ہے کہ نپولین انسانی بہتری کے لیے یہ ضروری سمجھتا تھا کہ قرآن کی سیاست پر نظام حکومت کی بنیاد رکھی جائے۔(۱۷۹)

یہ بیانات اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ اسلام کے نظریات یورپ میں سیاست و تمدن کی تخلیق کا باعث ہوئے۔ اسلام کے ظہور سے مغربی کرہ ارض میں صدیوں کی جہالت کے بعد حکومت و سلطنت کا قانون روشن ہوا۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سیاست کے بنیادی اصول متعین صورت میں بروئے کار آئے اور خلافت راشدہ میں سیاسی حکمت عملی کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ کر مشرق و مغرب کے سر پر طلوع ہوا۔ خلافت راشدہ کے بعد امامت و خلافت کے تصورات نے سلطنت و شہنشاہیت کی شکل اختیار کرلی، لیکن صدیوں تک اسلامی سیاست کے اثرات موجود رہے جن کا مظاہرہ کبھی کبھی بہت اچھا ہوتا تھا۔(۱۸۰)

حضرت معاویہؓ کے دور میں پہلی سیاسی تاریخ کتاب الملوک، تیسری صدی ہجری میں ابن قتیبہ الدینوری عیون الاخبار میں سلطنت پر ایک مستقل کتاب، چوتھی صدی کے آغاز میں علامہ ابو نصیر فارابی نے اپنی بلند پایہ کتاب "مبادی آراء اہل المدینتہ الفاضلہ"، چوتھی صدی میں امام ابو الحسن علی الاہوازی حنفی کی نادر کتاب "التبر المنسبک فی تدبیر الملک"، پانچویں صدی میں علامہ ابو الحسن الماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ"، پانچویں صدی کے آخر میں امام راغب اصفہانی کی بلند پایہ کتاب "الذریعہ مکارم الشریعہ"، ابن ابی ربیع کی کتاب "ملوک المالک فی تدبیر المالک"، امام ابو عبید القاسم کی کتاب، "کتاب الاموال" اور علامہ ابن الجوزی کی کتاب "الطرق کلمیہ فی السیاستہ الشرعیہ" وہ سیاسی علمی شاہکار نے جنھوں نے سیاست پر مفصل



Marfat.com

بحث کی اور اپنی بلندیوں کو چھوا۔(۱۸۱)

### اسلام، جمہوریت اور مسلم ممالک:

عموماً لوگوں میں یہ خیال عام طور پر پایا جاتا ہے کہ جمہوریت ایک مغربی اصطلاح ہے، اسے مذہبی اعتبار سے سیاسی اعتبار سے بھی مغرب ہی کے مفکرین نے پروان چڑھایا اور یہی وجہ ہے کہ جمہوریت اسلام کی تعلیمات اور اس کے بنیادی عقائد سے قطعی طور پر ایک مختلف نظام حکومت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے اس لیبل کی وجہ سے جمہوریت کو دنیا میں ۵۵ اسلامی ممالک کے کروڑوں باشندوں میں مقبولیت حاصل نہ کرسکی اور اکثر اسلامی ممالک جبر و استبداد اور آمریت کے خوفناک شکنجے میں کسے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات راسخ کردی گئی ہے کہ تم جمہوریت چاہتے ہو یا اسلام؟ گویا جمہوریت اسلام دو متضاد نظام ہیں جو اکٹھے نہیں چل سکتے۔ علامہ رضوان معموری نے اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام اور جمہوریت میں کوئی تضاد نہیں۔ اسلام کے سیاسی ضوابط اور جمہوریت میں تضاد ہے۔ بلکہ اس کے متعدد عوامل ہیں، تاریخی، اقتصادی، سیاسی، ثقافتی، عوامل نے ہی اسلامی ممالک جو جمہوریت کی راہ پر نہیں چلنے دیا۔ دین اسلام جمہوریت کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم مذکورہ بالا عوامل کی باریکیوں پر بحث کرتے رہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ ذرائع اور اسلوب اختیار کریں، جن کے ذریعے ہم موجودہ صورتحال سے نکل سکیں۔ وہ کون سے وسائل ہیں جنہیں اختیار کر کے ہم اسلامی ممالک میں جمہوری عمل کو فروغ دے سکتے ہیں۔ معموری نے اپنے مقالہ میں استفسار کیا ہے کہ: "ہم نے اس بات پر سمجھوتہ کرلیا ہے کہ ہم اس وقت تک عالم اسلام کے ان جابر حکمرانوں کی پشت پناہی کرتے رہیں جب تک وہ امریکی مفادات کے لیے کام کرتے رہیں گے اور ہمارے بندہ بے دام بن کر ہماری ہاں میں ہاں ملاتے رہیں گے۔ اس طرح کی سودے بازی امریکہ کے خلاف مزید نفرتوں اور دشمنیوں اور دہشت گردی کو فروغ دے گی۔(۱۸۲)

### اسلام اور جمہوریت میں مطابقت:

یہ کہنا کہ اسلامی دنیا میں جمہوریت سرے سے ہی نہیں بالکل غلط ہے۔ ۷۵ فیصد مسلمان بنگلادیش، پاکستان، ہندوستان، انڈونیشیا، یورپ، شمالی امریکہ، اسرائیل اور ایران وغیرہ میں جمہوری اداروں کے تحت ہی زندگی گزار رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ہمیں علماء دین کو کشمکش اقتدار میں شریک ہوتے نہیں دیکھا سوائے ایران کے انقلاب کے، جبکہ گزشتہ پندرہ سو سال سے ظہور اسلام سے لے کر آج تک اسلامی ممالک میں اقتدار سیکولر منتخب لوگوں کے ہاتھوں میں رہا۔ اسلام اور جمہوریت کے درمیان عدم مطابقت کا دعویٰ بالکل دو متضاد فکر رکھنے والے گروپوں کے درمیان تنازعہ ہے۔ بعض مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ اسلام بنیادی طور پر جمہوری نظام کے خلاف ہے اور یہ مذہب دراصل استبدادی نظام پر استوار ہے جس سے دراصل یہ



Marfat.com

ثابت کرنا مقصود ہے کہ اسلام کی اصل تصویر کو مسخ کر دیا جائے اور بتایا جائے کہ مغربی لبرل ازم کے مقابلے میں اسلام کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ اسلام جدید تمدن اور ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔اس فکر کے حاملین دراصل اسرائیلی گماشتے ہیں جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ میں صرف اسرائیل ہی جمہوریت کا علمبردار ہے۔ دوسری طرف بہت سارے جدید فکر کے حامل مسلمان لادین حکومت اور اقتدار کو غلط معانی پہنا لیتے ہیں تاکہ جمہوریت کی نفی کی جاسکے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جاسکے کہ عوام کی حکومت دراصل حاکمیت اعلیٰ کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے۔جو کہ سراسر شرک ہے جبکہ ان کا یہ خیال قطعی طور پر غلط ہے کہ لادین حکومت اور جمہوریت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔(۱۸۳)

حکومت کو چلانا بندوں کا کام ہے خواہ وہ جمہوری نظام ہو یا اسلامی نظام۔اسلامی نظام حکومت ہو یا جمہوری بہرحال دونوں نظاموں میں فیصلہ صادر کرنے کا اختیار بندوں کے پاس ہوتا ہے۔ اسلامی نظام میں انسان اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے جو اس کے دیئے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے کا پابند ہے۔وہ خود شارع نہیں کہ اپنی مرضی سے تشریع کرتا پھرے۔اسلامی نظام کا اصل ہدف یہ ہے کہ نوع انسانی کی بھلائی کے لیے اللہ کی طرف سے دی گئی امانت اقتدار کو کس طرح استعمال کیا جائے کہ انسانیت کا مستقبل اور حال روشن ہو،ہماری اس دنیا میں حقیقی حکومت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔انسان تو صرف اس کی حاکمیت کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لیے اس کا نمائندہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اسلامی جمہوری نظام کا ایک مکمل نمونہ نظر آتی ہے۔ میثاق مدینہ کے احکامات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔۶۲۲ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نقشہ عالم میں پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی امت مسلمہ کے قائد اور رہنما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سیاسی لیڈر تھے، مسلسل دس سال تک مدینے کے تین سیاسی اور مذہبی عناصر کو ساتھ لے کر چلتے رہے یعنی مہاجرین، انصار، یہود۔میثاق مدینہ دورِ حاضر میں ایک شاندار گائیڈ کا کام دے سکتا ہے۔میثاق مدینہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آسمانی ہدایت اور زمینی دستور میں کس طرح توازن رکھا جاسکتا ہے۔یہ بات ممکن تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو حکم دیتے کہ جو کچھ بذریعہ وحی نازل ہوگا اس کا تسلیم کرنا سب پر واجب ہوگا اور ہر غیر مسلم وحی آسمانی کا پابند ہوگا،لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہوری روح پیدا کرنے کے لیے میثاق مدینہ اصحاب کرامؓ کے مشورے سے تحریر فرمایا جس پر یہود کے دستخط بھی تھے اور مسلمان زعما کے دستخط بھی۔اس میثاق سے ایک سوشل ویلفیئر ریاست وجود میں آئی، جس میں بلا لحاظ مذہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح اپنا حاکم تسلیم کرلیا جس طرح مسلمانوں نے۔میثاق مدینہ عوام کی مرضی، مسلم عوام اور حکومت سب کو مساوی حقوق حاصل تھے۔تمام مذاہب کو اپنے اپنے مذہبی عقیدہ کے مطابق اعمال کرنے کی اجازت تھی۔ مساوات، عوامی رائے کا احترام، مختلف النوع افراد اور قبائل کا باہمی اتفاق و



Marfat.com

اتحاد میثاق مدینہ کی روح تھی۔(۱۸۴)

## پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کو مستحکم بنانے کے لیے اہم حکمت عملی:

### پاکستان کا جمہوری و سیاسی نظام اور تفرقہ بازی:

دوسری چیز جس سے ملک و ملت کی سلامتی کو خطرہ درپیش ہے مذہبی فرقہ واریت اور علاقائی عصبیت ہے اور امت آج اسی صورت حال سے دوچار ہے جو دور جاہلیت میں تھی کہ اس وقت ہر مذہبی گروہ وہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار اور مخالف گروہ کو حق سے منحرف خیال کرتا تھا۔(۱۸۵)اور "لیس علینا فی الامیین سبیل" (۱۸۶) فریق مخالف پر ہر قسم کے ظلم و تشدد، بد دیانتی اور بد اخلاقی کو جائز خیال کرتا تھا۔ آج بھی مسلمانوں کے مختلف مذہبی گروہ اور جماعتیں اپنے آپ کو حق کا اجارہ دار سمجھ کر مذہب کی حقیقی روح کو فراموش کر کے اپنی تمام تر مساعی اپنے مخصوص نظریات اور فروعی مسلک کی ترویج اور اشاعت میں لگا رہی ہے۔اس سلسلے میں سب و شتم، طعن و تشنیع طنز و تعریض اور لڑائی جھگڑوں تک سے گریز نہیں کرتیں۔ اور یہ بھلا بیٹھی ہے کہ یہ ان کا رویہ پیغمبرانہ طرز عمل اور قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن حکیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور ملاطفت کی تعریف کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اگر آپ سخت دل اور تند خو ہوتے تو کفار آپ کے قریب بھی نہ پھٹکتے بھاگ جاتے۔(۱۸۷) وہ تو حکمت اور موعظہ حسنہ کا درس دیتا ہے(۱۸۸) اور کافروں اور مشرکوں کو بھی سب و شتم سے منع کرتا ہے۔(۱۸۹) اس صورتحال نے مسلمانوں کو تقسیم کر کے ان کی توانائیوں کو لڑائی جھگڑوں اور فسادات کی نظر کر دیا ہے اور دشمنان اسلام تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی ذہنی اور علمی توانیاں کفر و الحاد کا مقابلہ کرنے اور ملک و ملت کے حقیقی مسائل کو حل کرنے کی بجائے مسلکی اور فروعی مسائل پر جھگڑنے میں صرف ہو جائیں اور وہ اس جھگڑوں کی آڑ میں دہشت گردی اور تخریب کاری میں مشغول رہیں۔ اس لیے مذہبی جماعتوں کا اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے مشترکہ اصولوں کی بنیاد پر اتحاد وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اختلاف رائے اگرچہ ایک طبعی اور فطری امر ہے یہ معیوب نہیں بلکہ امت کی فکری بیداری پر دلالت کرتا ہے مگر اس کی بنیاد پر تفرقہ بازی، تنظیم سازی اور مناظرہ بازی ملک و ملت میں انتشار کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تفرقہ بازوں سے قطع تعلقی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔(۱۹۰)

### پاکستان کا مروجہ سیاسی و جمہوری نظام اور عوام کی لازمی ذہن سازی:

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض قانون اور ڈنڈے کے زور سے لوگوں کی اصلاح نہیں فرمائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے لوگوں کے ذہن، سوچنے کے انداز اور ان کے غور وفکر کے اسلوب کو بدلا ہے۔ یہ چیز آپ کے فرائض نبوت میں بھی



Marfat.com

داخل تھی(۱۹۱) اور یہی چیز ایمان ہے اس ذہن سازی یا تربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تربیت یافتہ یا صحبت یافتہ ہر فرد آسمان ہدایت کا درخشندہ قرار پایا۔(۱۹۲) اسی انداز میں پاکستان کو اپنی اصلیت کی پہچان کرانے اور یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی(۱۹۳)

اغیار کے مقابلے میں احساس کمتری اور مرعوبیت کو ختم کرکے احساس برتری یا احساس خود شناسی اور خود اعتمادی پیدا کرنا ضروری ہے۔

خیرہ کر نہ سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ میری آنکھ کا سرمہ ہے خاک مدینہ و نجف(۱۹۴)

## جمہوری سیاسی نظام کے استحکام کے لیے دولت کی منصفانہ تقسیم:

معاشی ترقی واستحکام کے لئے لازمی ہے کہ ملک میں دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام کیاجائے۔ اسلامی نقطہ نظر سے مال و دولت خواہ کسی بھی شکل میں ہواللہ کا پیدا کردہ اور اصلا اسی کی ملکیت ہے۔(۱۹۵)انسان کے پاس جو کچھ گھر بار،مال و دولت اور زمین ہے اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ خود مختار مالک کی۔(۱۹۶) پھر اللہ تعالی نے معاش کے اندر جو تفاوت اور اونچ نیچ رکھی ہے اس کے اندر کئی تکوینی مصلحتیں اور بندوں کا امتحان ہے۔(۱۹۷)ایک روایت میں ہے کہ بعض لوگوں کی غربت اور تنگدستی اس لئے نہیں کہ نعوذباللہ اللہ ان کو دیتے کچھ نہیں، بلکہ اس سے مالداروں کا امتحان مقصود ہے کہ وہ کہاں تک غربا ومساکین کے حقوق پورے کرتے ہیں۔(۱۹۸)پتہ چلا کہ مال کے اندر تفاوت تکوینی مصالح کے تحت ہے نہ کہ تشریعی نظام کے تحت اور تکونی نظام کے نہیں بلکہ تشریعی نظام کے مکلف ہیں۔ شریعت کہتی ہے کہ دولت کو چند ہاتھوں میں محدود اور سمٹ کر نہیں رہ جانا چاہیے۔(۱۹۹)بلکہ یہ دولت ایسے افراد تک بھی نہیں پہنچنی چاہیے جو پیدائش دولت میں اگرچہ براہ راست حصہ نہیں لیتے مگر دولت کے حقیقی مالک اور رب کریم نے ان کے حقوق بھی دولت میں رکھے ہیں۔(۲۰۰)ایسے افراد ماں باپ اولاد قریبی رشتہ دار یتیم محتاج، فقراء و مساکین سائل مسافر اور مقروض وغیرہ شامل ہیں۔(۲۰۱)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے شریعت نے ایک طرف تو ان راستوں کومحدود کرنے کا حکم دیا ہے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ کسی فرد واحد یا معاشرے کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف مڑ جائے۔ دوسری طرف زکوۃ، صدقات، نفقات، کفارات، وصیت، وراثت، وقف اور ھبہ وغیرہ جیسے واجبی اور نفلی احکام دیے ہیں جن کے ذریعے دولت مستحقین اور ضرورت مندوں تک پہنچتی رہتی ہے۔یہ بات عدل وانصاف اور اسلامی مزاج کے خلاف ہے کہ انسانی معاشرے میں لوگوں کی صورتحال کچھ یوں ہو کہ

ہے ادھر بھی آدمی، ہے بھی آدمی اس کے جوتے پر چمک،اس کے چہرے پر نہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضر کے ننگے پاؤں، ننگے جسم اور افلاس زدہ لوگوں کو دیکھا



Marfat.com

توپریشان ہوگئے اور اس وقت تک چین نہ آیا جب تک کہ ان کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا اہتمام نہ ہوگیا۔(۲۰۲)آپ نے اس امر کو ایمان کے منافی قرار دیا ہے کہ ایک آدمی خود تو سیر ہوکر کھائے اور اس کا پڑوسی رات بھوکے ہی گزارے۔(۲۰۳)ایک دفعہ ایک ضرورت مند کو دیکھ کر فرمایا۔جس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زاد راہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے زاد راہ نہیں۔ راوی (حضرت ابوسعید خدریؓ)کہتے ہیں: آپ نے اسی مختلف احوال کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں کسی کو بھی اپنے فاضل (زائد)مال میں کوئی حق نہیں۔(۲۰۴)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے دو کام بنیادی اہمیت کی حیثیت رکھتے ہیں ایک تو معاشی نظام سے سود کا خاتمہ۔شرعی نقطہ نگاہ سے ہر طرح کا سود احرام اور اللہ ورسول سے جنگ تو ہے ہی۔(۲۰۵)عقلی اعتبار سے بھی یہ ایسی قباحت یا ایسا مردار ہے کہ جب تک اس کو نہیں نکالا جائے گا نظام معیشت کا کنواں پاک نہیں ہوگا۔موجودہ اضطراری حالت میں ایک خاص وقت تک تو سودی نظام کی گنجائش ہوسکتی ہے مگر مستقلا اس کی گنجائش نہیں ہوسکتی نہ شرعا نہ عقلا نہ قانونا اور نہ اخلاقا۔

دوسرا کام نظام زکوۃ کا بھرپور، موثر اور دیانت دارانہ نفاذ ہے۔لنگڑے لولے اور برائے نام نظام زکوٰۃ سے معاشی مسائل کا حل نہیں ہوگا۔پروردگار عالم نے اس کو ایسے ہی مسلمانوں پر فرض قرار نہیں دیا۔یہ ملک کے اندر غربت،افلاس اور معاشی بد حالی کا سب سے بڑا علاج ہے۔ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "یہ زکوٰۃ اغنیا سے وصول کی جائے گی اور (اسی علاقہ کے) فقرا پر خرچ کی جائے گی۔(۲۰۶)

پاکستان میں پائے جانے والے حد درجے معاشی تفاوت کو ختم کرنے اور ضرورت مندوں کی کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے موجودہ نظام زکوۃ میں اصلاح پھر دیانتدارانہ وصولی اور دیانتدارانہ تقسیم ضروری ہے۔باقی سارے اقدامات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

## پاکستان کامروجہ جمہوری وسیاسی نظام اور سرکاری مناصب کا بے دریغ استعمال:

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، جب میں روانہ ہونے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے ایک آدمی کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا، جب میں واپس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یاد رکھو! میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا، اس لیے کہ جو شخص خیانت کرے گا، قیامت کے دن وہ اس چیز کے ساتھ پیش کیا جائے گا، میں نے تمہیں صرف اس لیے بلایا تھا، اب تم روانہ ہوجاؤ۔" (۲۰۷)

حضرت عمرؓ یہ بھی کرتے تھے کہ حاکم کی تقرری کے وقت اس کی جائیداد کی فہرست تیار ہوتی



Marfat.com

تھی اور اگر بعد میں وہ اضافہ کرتا تو اس کا مواخذہ کیا جاتا تھا۔ دنیا کے عظیم ترین جرنیل حضرت خالد بن ولید کو حضرت عمرؓ نے اس بنا پر معزول کر دیا تھا کہ وہ خرچ زیادہ کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ایک شاعر کو انہوں نے قصیدہ گوئی کے انعام میں اپنی جیب سے کثیر رقم عطا کی تھی۔ اگرچہ یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ حکام کی نجی زندگی میں بندش نہیں ہونی چاہئے۔ مگر قدرت چونکہ زمام حکومت کھردرے ہاتھوں میں رکھتی ہے اس لئے سادہ زندگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور عوام چونکہ ہر کام کی نقالی کرتے ہیں (الناس علی دین ملوکھم) اس لئے حکام کا ہر معاملہ میں مثالی کردار ہونا چاہئے۔(۲۰۸)

ہمارے ملک میں حکام کی شاہ خرچ سے ہماری معاشی و معاشرتی زندگی کا مکروہ چہرہ سامنے آتا ہے۔ اسلام آباد میں دنیا کے غریب ترین ملک کے وزیراعظم کی کروڑوں روپے کی زیر تعمیر رہائش گاہ سے لے کر ڈپٹی کمشنر ہاؤس تک حکمرانوں کی طمطراقی بود وباش کا المناک منظر پیش کرتی ہے۔ اگر دنیا کی سب سے طاقت ور سلطنت کا گورنر ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کر سکتا تھا تو آج کی دنیا کے غریب ترین ملک کے ارباب بست و کشاد کے فرائض کی انجام دہی کے لئے لمبی اور قیمتی کاریں کیسے ضروری ہیں۔ صدر، وزیراعظم یا جو کوئی بھی ہو اسے چھوٹی کار استعمال کرنی چاہئے۔ ان کی زندگی کا رہنا سہنا اتنا سادہ ہونا چاہئے کہ ماتحت افسران ان سے بہتر معیار زندگی اختیار کریں تو نہ صرف انہیں شرم آئے بلکہ وہ ہدف تنقید بھی بنیں۔ بہر حال بڑوں کا شاہانہ معیار زندگی ہر حاکم اور ملازم کے لئے لائق تقلید نہیں ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے اور ہر کوئی روز قیامت انفرادی طور پر جواب دہ ہوگا اس لئے ہر شخص کو خدا اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔(۲۰۹)

حکام کی خاصی تعداد رشوت وغیرہ سے تو اجتناب کرتی ہے مگر سرکاری اشیاء کے استعمال کے وقت احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے۔ افسران سرکاری گاڑیاں نجی مصرف میں لے آتے ہیں۔ دیانت داری کا بھرم رکھنے کے لئے ریسٹ ہاؤس میں معمولی بل بھی دے دیتے ہیں۔ سرکاری ٹیلی فون سٹیشنری وغیرہ کا استعمال تو بے حساب ہوتا ہے احتیاط کی چھوٹی چھوٹی اینٹیں مسلسل رکھنے سے ہی دیانت داری کی رفیع الشان عمارت بنتی ہے اور ایسی ہی تصویر خلفائے راشدینؓ کے زمانہ مبارک اور پھر عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں دیکھنے میں آئی تھی۔

ایک بار حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایک خادم بلا اجازت ڈاک کے ایک جانور پر ایک شخص کو سوار کر کے لے آیا تو آپ نے اسے بلایا اور کہا کہ جب تک تو اس کا کرایہ بیت المال میں جمع نہیں کرے گا یہاں سے نہیں ہل سکتا۔(۲۱۰) ہر حاکم کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہئے کہ سرکاری اشیاء دراصل قوم کی امانت ہیں اور ان کو صرف قومی مفاد میں ہی صرف کیا جاسکتا ہے۔ بصورت دیگر خیانت مجرمانہ ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے مطابق کوئی خائن اور جھوٹا شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔(۲۱۱)



Marfat.com

## پاکستان کے مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں احتساب اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے لاگ احتساب کے لیے سب سے پہلے اپنی ذات کو پیش کیا، اس سے بڑھ کر احتساب کی کوئی مثال کہاں مل سکتی ہے کہ عمر مبارک کے آخری ایام میں خود کو پیش کر دیا کہ، میرے ہاتھوں کسی سے زیادتی ہوئی ہو تو وہ اپنا بدلہ چکا سکتا ہے۔ ایک مسلمان آگے بڑھا اور عرض کی ایک جنگ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں سیدھی کرتے ہوئے میری ننگی کمر پر چھڑی رسید کی تھی، پس سورج کی آنکھیں مومنین کو ہو گئیں جب ختم عدالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کمر ننگی کر لی اور فرمایا کہ آؤ اپنا بدلہ وصول کر لو وہ مسلمان آیا اور کمر مبارک سے لپٹ کر مہر نبوت کو بوسے دینے لگا اور پھر اس نے کہا کہ میری کیا مجال کہ نبی سے بدلہ لوں میں تو دراصل اس بہانے مہر نبوت کا بوسہ لینا چاہتا تھا۔ (۲۱۲)

عہد خلافت راشدہ میں خلفا کے احتساب کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو خلافت فاروقی میں پیش آیا، ایک شخص نے بھری محفل میں علانیہ طور پر امیر المومنین حضرت عمرؓ سے کہا کہ "اگر ہم نے تمہارے اندر کوئی کجی دیکھی تو ہم اپنی تلوار کی دھار سے اسے سیدھا کر دیں گے" اور جب کسی شخص نے اس شخص کی سرزنش کرنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "اگر تم ایسی باتیں نہ کہو تو میں یہ سمجھوں گا کہ تمہارے اندر کوئی خیر (اخلاص) نہیں ہے اور اگر میں اسے قبول کرنے میں تردد محسوس کروں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے اندر کوئی خیر نہیں ہے۔" (۲۱۳)

خلفا کے احتساب کی کھلی چھوٹ، بلکہ اس کی ترغیب ہی کا اثر تھا کہ ایک عام مسلمان بھی کوئی قابل گرفت بات دیکھتا تو خلیفہ کے سامنے بلاتکلف اظہار کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں مہر میں غلو کرنے سے منع فرمایا تو ایک بڑھیا کھڑی ہوئی اور کہنے لگی، عمر! کیا ہم آپ کی بات مانیں یا اللہ کی بات؟ حضرت عمر نے فرمایا اللہ ہی کی بات قابل تسلیم ہے، اس پر وہ کہنے لگی کہ اللہ نے تو قرآن میں فرمایا: "وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا" لیکن تم مہر کو زیادہ باندھنے سے منع کرتے ہو؟ حضرت عمر کو فوراً تنبہ ہوا اور اپنی بات سے رجوع فرمایا، علاوہ ازیں احادیث میں خلیفہ اور حکمران کی اطاعت کی جہاں تاکید کی گئی ہے، وہاں اس کی بھی صراحت ہے کہ خلاف شرع کاموں میں امیر کی اطاعت نہیں ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حکم کو سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ وہ حکم پسند آئے یا نہ آئے جب تک حاکم کسی گناہ کا حکم نہ دے، اور جب وہ کسی گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت ہر مسلمان پر واجب نہیں۔ (۲۱۴) مسلم حکمران شریعت پر عمل آوری کا پابند ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی ابو یعلیٰ محمد بن حسین الفراء حنبلی (المتوفی: ۴۵۸ھ) نے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں اسلامی حکومت کے سربراہ اور خلیفۃ المسلمین کے لیے دس فرائض تحریر کیے ہیں، جن میں سب سے پہلا فرض امور دین کی اس



Marfat.com

اصول پر حفاظت ہے، جو اسلاف سے ثابت ہو۔(۲۱۴)

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا ایک حسین پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتساب کا درس دیا، یہ سبق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے پہلے دنیا سے عنقا ہو چکا تھا اور انسانیت احتساب کو فراموش کر چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیھم السلام کے اس درس انسانیت کی اس طرح تجدید کی کہ اس کا حق ادا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گزرے آج کم و بیش ڈیڑھ ہزار برس بیت چکے، اس دوران انسانیت نے بہت ترقی کر لی، علوم و معارف آسمان ثریا کو چھونے لگے ہیں، انسان کے قدم اس کائنات میں زمین سے کوسوں دور خلاؤں میں جا ٹکے ہیں، راتیں دنوں سے زیادہ روشن ہونے لگی ہیں، تہذیب و تمدن اور ثقافت کے ڈانڈے مستقبل میں کمندیں ڈالنے کے قابل ہوا چاہتے ہیں، فاصلے سمٹ گئے اور انسان اس جگہ پر پہنچ رہا ہے جہاں پر چند سال پہلے تک بھی سوچنا محال تھا لیکن اس سب کچھ کے باوجود عدالتوں کے لیے کسی ازم نے، کسی دانشور نے، کسی نئے نظام حیات نے بے لاگ احتساب سے بڑھ کر کوئی درس تجویز نہیں کیا یہ انسانیت اپنی ساری ترقیوں کے باوجود نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے درس اعتدال و عدل واحتساب سے آگے نہیں گزر سکی۔(۲۱۶)

خلفائے راشدین کے دور میں احتساب کے جو نمونے ملتے ہیں وہ آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ثابت ہوسکتے ہیں۔ خلفائے راشدین نے خود اپنے خطبات میں عوام کو یہ دعوت دی کہ ان کے افعال و کردار کی نگرانی کریں اور ان کی اطاعت اسی وقت تک کریں جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے سب سے پہلے خطبے میں لوگوں کو یہ تلقین کی، حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ اس دور میں حکمرانوں پر نکتہ چینی یا اعتراض کرنے والوں کے خلاف کبھی کوئی منتقمانہ کاروائی کی گئی ہو۔ حضرت علیؓ کے خیالات کی ایک جھلک ان خطوط میں ملتی ہے جو انہوں نے مصر کے گورنر مالک اشتر بن حارثؓ کو وقتاً فوقتاً امور سلطنت کے بارے میں لکھے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ حکومت کے کارندے اپنے اثاثوں کا اعلان کریں اور جس اہلکار کے پاس اپنی جائز آمدنی سے زائد مال اور دولت یا جائیداد پائی جاتی ہے وہ ضبط کر لی جاتی۔ حضرت عمرؓ اس اصول پر سختی سے کاربند رہے۔ اسلامی ریاست کی ابتدا ہی سے حکومت کے اہلکاروں کے احتساب کا بندوبست کیا گیا اور احتساب کا عمل اسلامی طرز حکومت کا ایک لازمی عنصر تصور کیا جاتا ہے اور اس کی زد میں ادنیٰ اہلکاروں سے لیکر سربراہ مملکت تک سب آسکتے ہیں۔(۲۱۷)

اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں بے لاگ احتساب کا سلسلہ جاری و ساری رہے تو امید ہے کہ جمہوری سیاسی نظام کو مزید استحکام حاصل ہو گا۔



Marfat.com

## مستحکم جمہوری سیاسی نظام کے لیے قوم پرستی کا خاتمہ۔

خاندان اور قوم و قبیلے اور علاقے کی محبت جب تعصب کی شکل اختیار کر لے تو وہ ملک اور معاشرے کے لیے سخت مہلک ثابت ہوتی ہے۔ یہ محبت افراد و قوم میں حق و انصاف کے سوال کو نظر انداز کر کے ہر حال میں اپنی قوم کی حمایت پر آمادہ کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں اسے "حمیة الجاھلیة" کا نام دیا گیا ہے۔ یہود و منافقین کی سازش کے نتیجے میں ایسی ہی صورتحال ایک موقع پر عہد نبوی میں پیش آئی جب ایک مہاجر و ایک انصار کے درمیان کسی مسئلہ پر تکرار ہوئی اور انہوں نے "یا معشر الانصار" اور "یا معشر المھاجرین" کہہ کر اپنے ساتھیوں کو پکارا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی کے ساتھ یہ کہہ کر اس فتنے کو کچل دیا۔ "مابال دعوی الجاھلیة" (۲۱۸) (یہ کیا جاہلیت کی پکار ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کے ظلم کی حمایت کو "عصبیت" سے تعبیر کیا۔ فرمایا: لیس منا من مات علی العصبیة۔ لیس منا من دعا الی العصبیة لیس منا من قاتل علی العصبیة" (۲۱۹) (جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں)۔

قومیت پرستی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عصبیت مسلمانوں کے اجتماعی وجود کے لیے ہمیشہ مہلک ثابت ہوئی، خلافت عثمانیہ و مشرق پاکستان کا سقوط انہیں تعصبات کا نتیجہ ہے اس سے انکار نہیں کہ بعض طبقوں اور عصبیتوں کو تقویت ملتی ہے، مگر اس کی بنیاد پر علیحدگی کے مطالبے اور منصوبے بنانا منافرت کی آگ کو بھڑکانا اور بے گناہوں کی جان و مال اور آبرو پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں اس سلسلے میں جہاں ارباب اختیار کو ان کی معقول شکایات اور مسائل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہاں ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ایثار و مروت اور مفاہمت کا مظاہرہ کریں اور شکایات و اختلافات کو مل بیٹھ کر طے کریں۔

## مستحکم پاکستانی جمہوری و سیاسی نظام اور فروغ اتحاد و یکجہتی:

ملک و ملت کے حقیقی استحکام کی بنیاد اتحاد و یکجہتی ہے قرآن حکیم میں اسے عظیم نعمت قرار دیا گیا ہے۔ (۲۲۰) اسکی نظر میں انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی اختلافات کا خاتمہ ہے۔ (۲۰۱) اس کے نزدیک تفرقہ بازی شرک کے مترادف ہے اور اختلاف و تنازع ضعف و کمزوری اور عذاب خداوندی کا سبب ہے۔ (۲۲۱) وہ اتحاد و محبت کے راستے میں حائل ان رکاوٹوں کی نشاندہی کرتا ہے جو نفرت و عداوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ مثلاً استہزا، طعنہ زنی، برے القاب سے پکارنا، بدگمانی، تجسس وغیرہ۔ (۲۲۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مؤمنین کو جسد واحد سے تشبیہ دی ہے۔ (۲۲۳) اور انہیں ایک دوسرے کو بنیان مرصوص (سیسہ پلائی دیوار قرار دیا گیا ہے) (۲۲۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتشار و افتراق پیدا کرنے والوں کو قتل تک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ "من اراد ان یفرق امر ھذہ



Marfat.com

الامة وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً ما کان"۔(۲۲۵) (جو کوئی اس امت کے بندھے ہوئے رشتے کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کرے اس کی تلوار سے خبر لو خواہ وہ کوئی ہو)۔

اسلام دشمن طاقتیں آج مسلمانوں میں نسلی، لسانی اور گروہی امتیازات اجاگر کر کے، نظریاتی اختلافات کو ہوا دے کر اور فرقہ وارانہ اختلافات کو بھڑکا کر ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہی ہیں۔ ہم آج امت واحدہ کا مظاہرہ کر کے ہی دشمنان اسلام کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اپنی ارتقاء کی منازل طے کر سکتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ریاست مدینہ کی مثال انتہائی روشن ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اوس و خزرج کے قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور باہم اختلافات کا شکار تھے۔(۲۲۶) عربوں کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ اپنی پوری تاریخ میں ایک چھوٹی سی سلطنت بھی قائم نہ کر سکے تھے ہمیشہ سے متحارب قبائلی نظام میں منتشر اور مفلوک الحال تھے، اگر وہ آپس میں اپنے حقوق کی خاطر اس طرح بر سر پیکار رہتے تو تباہ و برباد ہو جاتے مگر جب اسلام قبول کر کے اپنے صدیوں پرانے تنازعات بھلا دیے، جاہلی تعصبات ختم کر دیے تو ان کو وہ عروج حاصل ہوا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی اور چند ہی سالوں میں اس دور کی سپر پاورز روم و فارس کو اسلامی اقدار کے زیر نگیں لے آئے۔ یہ کامیابیاں دراصل تاریخ، حالات اور اسباب کا منطقی نتیجہ نہ تھیں بلکہ یہ اس اخوت اور اتحاد کا ثمرہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے انہیں عطا ہوا۔ خود مملکت پاکستان کا قیام بھی اتحاد و اتفاق کی بدولت معرض وجود میں آیا اور اس کا استحکام بھی اسی جذبے کا مرہون منت ہے۔ اس وقت اتحاد و یکجہتی کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں حائل ہیں جن میں ایک قومیت پرستی ہے اور دوسری مذہبی تفرقہ بازی۔

## پاکستان میں جمہوری سیاسی نظام کے لیے ناگزیر زرعی ترقی کے لیے کوششیں:

کسی ملک کی خوشحالی کا راز اس کی ترقی میں پوشیدہ ہے کیونکہ روز مرہ کی غذائی ضروریات زراعت اور باغبانی ہی کی مرہون منت ہیں۔ ارشاد نبوی ہے۔

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض (۲۲۷) (رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود مقام جرف میں کاشتکاری کر کے امت کو زراعت کی ترغیب دی۔(۲۲۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آلات زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو ذلت و بدحالی قرار دیا۔(۲۲۹) کیونکہ گھروں میں آلات زراعت کو بند رکھنے سے زراعت کا سلسلہ موقوف ہوگا اور قومی معیشت تباہ ہوگی۔

زرعی ترقی کے لیے درج ذیل اقدامات مفید ہوسکتے ہیں:

الف۔ موات (بنجر بیکار زمینوں) کو آباد کرنے اور قابل کاشت بنانے کے لیے ایسے لوگوں کو مفت الاٹ



Marfat.com

کی جائیں جو انہیں آباد کریں۔ اسلام کی رو سے بنجر زمینیں کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو آدمی کسی مردہ زمین کو زندہ (آباد) کرے گا وہ اسی کی ہے۔ (۲۳۰)

ب۔ جن جاگیرداروں کو انگریزوں سے وفاداری کے صلے میں ہزاروں ایکڑ زمینیں دی گئی تھیں وہ بحق سرکار ضبط کرکے بے زمین کاشتکاروں کو دی جائیں۔

ج۔ جس زمیندار کے پاس کوئی زمین تین سال تک بے کار پڑی رہے وہ زمین اس سے واپس لے لی جائے کیونکہ ارشاد نبوی ہے:

اگر کوئی زمین تین سال تک خالی پڑی رہتی ہے تو اب بنجر (روک رکھنے والے) کا اس پر کوئی حق نہیں۔ (۲۳۱)

حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ سے وہ زمین واپس لے لی تھی کس کو وہ آباد نہیں کرپائے تھے۔

د۔ زراعت کے میدان میں بہتر نتائج کے لئے نظام آبپاشی کی اصلاح وترقی کی طرف بھی خصوصی توجہ درکار ہے۔ زراعت اور انسانی زندگی میں پانی کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو سارے مسلمانوں کے لئے مشترکہ ملکیت قرار دیا۔ (۲۳۲) سمندروں، دریاؤں، چشموں، حوضوں اور کنوؤں کے پانی پر کسی کی ملکیت نہیں۔ (۲۳۳) جن صورتوں میں پانی کو شخصی ملکیت قرار دیا ہے وہاں بھی ضرورت سے زائد پانی رکھنے اور بیچنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (۲۳۴)

ہ۔ زرعی ترقی کے لیے کاشتکاروں کو ضروری اور مناسب سہولتیں فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مثلاً زرعی مقاصد کے لیے قرضے، آلات زراعت اور بیجوں کی فراہمی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد حکومت میں آلات زراعت اور بیجوں کی فراہمی حکومت کی طرف سے کی گئی۔ (۲۳۵) زرعی اجناس کی فروخت کے لیے آڑھتیوں کا واسطہ ختم ہونا چاہیے۔

## پاکستان کے سیاسی وجمہوری نظام کے استحکام کے لیے دیانت دار، اہل افراد کی تقرری:

ملکی استحکام کے لئے عہدوں پر حکومت کے تمام چھوٹے بڑے عہدوں پر انتہائی دیانت دار، اہل علم، باصلاحیت اور خادم بن کر قوم کی خدمت کرنے والے افراد کا تقرر ضروری ہے بد دیانت، کرپٹ اور نااہل لوگ نہ صرف ملک کا وقار بلند نہیں کرسکتے بلکہ ملکی سالمیت و بقاکو بھی خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔ اسلام میں کوئی حکومتی عہدہ ایک امانت اور انتہائی ذمہ داری کی چیز ہے، دوسرے لفظوں میں کانٹوں کی سیج نہ کہ پھولوں کی۔ (۲۳۶) کوئی حکومت اگر کسی نا اہل آدمی کو کسی منصب پر فائز کرتی ہے تو قرآن مجید اسے خیانت قرار دیتا ہے (۲۳۷) ابن تیمیہؒ نے زیادہ اہل اور مستحق شخص کے مقابلے میں کسی بھی وجہ سے دوسرے آدمی کے تقرر کو اللہ و رسول اور مومنوں کے غداری اور بے وفائی قرار دیا ہے۔ (۲۳۸) عہد



Marfat.com

نبوی میں عمال اور حکومتی کارندوں کا تقرر ہمیشہ ان کی ذاتی اہلیت اور تقویٰ کی بنیاد پر کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقرری سے قبل ان کا امتحان لیا کرتے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ جب یمن کا گورنر بنا کے روانہ فرمانے لگے تو کس طرح تم لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے حسب منشا جواب دیا تو انہیں شاباش دی۔ (۲۳۹) آگے چل کر خلیفہ راشد سیدنا فاروق اعظمؓ نے تو عمال کو تقرری سے قبل کئی چیزوں کا پابند بنایا۔ (۲۴۰)

## پاکستان میں مستحکم جمہوری سیاسی نظام کے لیے سفارشی کلچر کا خاتمہ:

اچھی حکومت کا مطلب باکردار سرکاری ملازمین ہیں۔ سرکاری ملازمین کے بگاڑنے یا سنوارنے میں اعلیٰ حکام کے علاوہ عوام کا بہت دخل ہے۔ رشوت بری چیز ہے عوام متعدی امراض کی طرح اس سے بچتے کیوں نہیں وہ سرکاری ملازمین کے ضمیروں کے گاہک بن کر کیوں جاتے ہیں۔ اپنے مطالبات اور خواہشات کی بنیاد حق پر کیوں نہیں قائم کرتے اور انہیں سیم وزر کے ذریعہ کیوں پورا کروانا چاہتے ہیں۔ رشوت نہ دے کر تھوڑا سا نقصان کیوں نہیں برداشت کرتے جب کہ ان کی عبادت کا فلسفہ ضبط نفس اور قربانی پر مبنی ہے۔ نماز کا مقصد فحاشی اور برائی روکنا ہے روزہ کا مقصد ضبط نفس و خواہشات ہے۔ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کا مقصد مالی قربانی ہے۔ جہاد جسمانی قربانی کا تقاضا کرتا ہے یہ سب خاصیتیں مل جائیں تو اسلام معرض وجود میں آتا ہے اور ایک آدمی مسلمان کے رتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ ایک واضح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔" (۲۴۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا" ترجمہ: "جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔" (۲۴۲)

جائز سفارش کی شرط اول تو یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ نارسائی خود حکام تک نہ پہنچا سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو شخص کسی نیکی پر کسی کو آمادہ کر دے تو اس کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا نیک کام کرنے والے کو۔" (۲۴۳) ایک حدیث یوں بھی ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی امداد میں لگا رہتا ہے۔ جب تک وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہتا ہے۔" (۲۴۴)

قرآن حکیم اور احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بے کس مسلمان کی جائز معاملہ میں امداد کرنا باعث ثواب ہے۔ مثلاً کسی شخص کو ملازمت دلوانا۔ پولیس نے بے وجہ پکڑا ہو تو حقائق بتانا۔ کوئی حاکم یا ادارہ کسی کو جانی مالی نقصان پہنچائے تو اس کی امداد کرنا، یہ سب امور جائز ہیں اور باعث ثواب ہیں۔ اور اس ثواب میں امداد کرنے والا اور وہ حاکم جو سفارش کے بعد ظلم کرنے سے باز آجائے دونوں شریک ہیں۔



Marfat.com

سفارش دودھاری تلوار کی طرح ہے اسے جائز کام میں استعمال کرنا عذاب کو دعوت دینا ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ: "جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمہ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت میں حق تعالیٰ کی پیشی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔"(۲۴۵) اس حدیث کی رو سے بدی اور گناہ پر کسی کو آمادہ کرنا یا سہارا دینا بھی شریک جرم ہونا ہے اور اصل مجرم کے برابر گنہگار ہونا ہے۔ حدود شرعی سزا اور جس معاملہ میں حق کا تعین ہوتا ہے اس میں خلاف حق سفارش کرنا گناہ ہے۔ یہاں کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ منصف کو سفارش کرے اسے چاہئے کہ وہ فریق کو مظلوم سمجھتا ہے تو اس کے حق میں سچی شہادت دے یا جو گواہ ہیں انہیں سچی شہادت دینے کے لئے امادہ کرے یا مظلوم کی مالی اعانت کرے سزا کے نفاذ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش کی مذمت کی تھی۔

قریش کے معزز قبیلہ بنو مخزوم کی عورت پر جب چوری کا الزام ثابت ہو گیا تو لوگوں کے کہنے سننے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ملازم حضرت اسامہؓ بن زید نے سفارش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ ان کے بڑے جرم کرتے تھے تو چھوڑ دیئے جاتے تھے اور غرباء پر حد جاری کرتے تھے خدا کی قسم میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اسے یہی سزا ملتی۔"(۲۴۶) لہذا اس بات سے اجتناب کرنا چاہئے کہ عوام سرکاری ملازمین کو سیم وزر کی جھلک دکھا کر انہیں راستے سے بھٹکائیں یا اپنے احباب و اقرباء کے مفاد کے لئے ناجائز کاموں میں سفارش کریں۔

## پاکستانی جمہوری سیاسی نظام کی کامیابی کے لیے معاشی واقتصادی ترقی

آج کے دور کو معاشیات کا دور کہا جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں معاشیات کی حیثیت ہمیشہ مسلم رہی ہے۔ اسلام نے بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس نے مال کو — انسانوں کے لیے "مایہ زندگی" قرار دیا اور فضول ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے(۲۴۷)(سورۃ النساء: ۵) فقہاء اسلام نے آیات قرآنی کے استدلال سے حفظ و عدم تضیع مال کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔(۲۴۸) معاشی ترقی اور خود انحصاری ہی وہ چیز ہے جس کے باعث دیگر اقوام کو جو معاشی میدان میں ترقی یافتہ ہیں، کسی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل انداز نہ ہونے کا موقع نہیں مل سکتا۔ پاکستان میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی کھلم کھلا مداخلت اور معاشی پالیسیوں میں دخل اندازی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اس کی واحد وجہ ہماری احتیاجی ہے۔

### خلاصہ بحث

مندرجہ بالا تمام بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ سیاست دین سے الگ نہیں ہے بلکہ دین اسلام اپنی ذات میں اس قدر مکمل ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی کوئی سقم نہیں ملتا۔ بالکل ویسے جیسے اللہ پاک انسان کو کہتے ہیں کہ آسمان میں کوئی خامی ڈھونڈو، بار بار نظر ڈالو مگر تمہاری نظر تھک کر لوٹ آئے



Marfat.com

گی اور کچھ خامی نہیں ملے گی(۲۴۹)۔اسی طرح دین اسلام کامل ہے کیونکہ اس کو پھیلانے والے نبی کریم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم مرشد کامل ہیں۔تو ہم یہ بات اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ سیاست کے بارے میں اسلام خاموش ہے۔لیکن مسئلہ یہی ہے کہ ہم اسلام پر عمل کرنا نہیں چاہتے کیونکہ وہ انصاف کا درس دیتا ہے اور اگر ہمارے حکمران انصاف پر عمل کرنا شروع کر دیں تو ان کی دھاندلیاں کہاں جائیں گی مگر ایک عام انسان کو ایک پاکستانی کو حقیقت کو ماننا چاہیے۔بقول اقبال

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر　　　مرد ناداں پہ کلام نرم و نازک بے اثر

ہمارے ملک کی سیاست کسی صحرا میں بھٹک رہی ہے۔پانی کی تلاش میں آبلہ پا ہوگئی ہے۔مگر حال وہ ہے کہ سرہانے دھرا ہے پانی اور آب آب کرتے مرگئے۔کہاں گئے وہ صلاح الدین ایوبی، طارق ابن زیاد، تیمور لنگ، غزنوی، محمد ابن قاسم جیسے سپہ سالار و حکمران۔کہاں ہیں وہ فرماں رواجو رزق حلال کے لیے کوشاں رہتے تھے اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے رات دن برسر پیکار رہتے تھے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی　　　جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مگر آج کے ہمارے ملکی رہنما ہیں کہ ان کو حلال و حرام کی تمیز ہی نہیں یہ ہیں بس پیسوں کی بوریاں بھر بھر کے اپنے بیرونِ ملک اکاؤنٹس میں بھرے چلے جا رہے ہیں۔یہ جانے بغیر کہ ان پیسوں میں میرے دیس کے کسانوں، معماروں، مزدوروں کا خون شامل ہے۔یہ حکمران اللہ کو بھول گئے ہیں اور میرے دیس کے تمام بچوں کا مستقبل گروی رکھوا چکے ہیں۔کاش کوئی ہو جو ان کا گریبان پکڑ کر کہے کہ

نہ ادھر ادھر کی بات کر یہ بتا قافلہ کیوں لٹا
مجھے راہزنوں کی خبر نہیں تیری راہبری کا سوال ہے

مگر سب کے سب لوگ گونگے کا گڑ کھا کر بیٹھ گئے ہیں۔کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو صراط مستقیم دکھائے۔کوئی تو بارش کی پہلی بوند بنے۔کوئی تو ایسا ہو کہ ابوجہل و ابو لہب جیسی مصلحتوں والے حکمرانوں کو زیر و زبر کر دے۔یا عبد اللہ ابن ابی جیسے منافقین کا پردہ چاک کر دے مگر کوئی ایسا ہے ہی نہیں۔ہر بندہ اپنی جان کو لے کر ڈر کے مارے چپ سادھے ہے۔حالانکہ بقول اقبال

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

مسلمانوں کو اس بات پر یقین محکم ہونا چاہیے کہ موت تبھی آئے گی جب کاتبِ تقدیر چاہے گا۔ اس لیے حق کہنے سے نہیں ڈرنا چاہیے۔سچ کا پرچار ہی بہتر ہے۔آج سے پندرہ سو سال پہلے اسلام ہمیں بہترین سیاست، بہترین نظامِ حکومت دے چکا ہے۔جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدین نے یوں عمل کیا کہ اہلِ مدینہ حضرت عمرؓ سے یہ سوال کر سکتے ہیں، اپنے امیر المومنین



Marfat.com

سے، اپنے حاکم وقت سے کہ جب ایک مجمع ہو لوگ بڑی تعداد میں ہوں کہ مالِ غنیمت میں سے سب کو ایک چادر ملی تو آپ کے پاس یہ لباس کیسے آیا؟ جبکہ آپ دراز قدر ہیں۔ کیا ایسا سوال آج کے کسی حکمران سے کیا جا سکتا ہے؟ ان تمام درخشندہ ستاروں نے اپنے دورِ حکومت عدم سے وجود میں لا کر اس کو کمال کے درجوں پر پہنچایا۔ ان کے اصولوں نے دنیا کی قیادت کی اور تین بر اعظموں پر ان کی حکمرانی کا دور دورہ رہا۔ ان کے اصول اس قدر جامع تھے کہ موجودہ زمانے کے اقوامِ متحدہ نے اپنے اصول اس کی روشنی میں مرتب کیے۔

عیسائی حکومتیں اس لیے سبقت لے گئیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے اصولوں کو اپنا لیا۔ تہذیب و تمدن کی یہ روشنی اسلامی تہذیب کے گہوارے، اندلس کے توسط سے بلادِ غرب کو نصیب ہوئی۔ اس بات کی شہادت مشرق و مغرب کے تمام انصاف پسند مورخین نے دی۔ انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے نفاق عملی، خود غرضی، مفاد پرستی، لالچ اور ملی مفادات کو نقصان پہنچانے کی روش، معاملات میں بد عنوانی، مکاری اور چالبازی، تجارت اور لین دین میں دھوکہ اور فریب کاری، سرکاری محکموں میں رشوت ستانی، اذیب رسانی اور لوگوں کی عزت نفس کو مجروح کرنے کی عادات سے قومیں غیر مستحکم ہو جاتی ہیں۔ پاکستان کا عدم جمہوری سیاسی استحکام محض دشمنوں اور اغیار کی سازش اور پالیسی کی وجہ سے ہے۔ خصوصاً یہودیوں اور ہندوؤں کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ مسلمان کے دلوں میں بے یقینی کی کیفیت پیدا کر کے اجتماعی قوت ارادی کو مضمحل کرتے ہیں۔ سقوطِ مشرقِ پاکستان اس کا حقیقی ثبوت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتِ اسلامیہ کو جسدِ واحد بننے کا فرمایا ہے۔ مگر ہم بھول بھال گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تفرقے میں نہ پڑو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔" یعنی قرآن و سنت کو۔ یہ کام بھی ہم نے نہیں کیا تو اس کے بعد رونا ہمارا مقدر ٹھہر گیا۔

مقدر کا لکھا تو ہر ایک کو ملتا ہے
میرے مولا مجھے وہ عطا کر جو قسمت میں نہیں

تو دعا ہے کہ اللہ رب العزت میری قوم کو ایسے حکمران دے جو اس کو آسمان کی بلندیوں تک لیے جائیں۔ میرے ملک کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا دے۔ خواب غفلت سے میری قوم کو جگا کر اسلام پر عمل پیرا بنا دے۔ ہم جو دنیا میں ہی مست ہوگئے ہیں جس کو ہم نے چراگاہ سمجھ لیا ہے جو حقیقت میں امتحان گاہ ہے اس کی دلدل میں سے ہمیں نکال کر سچے مسلمان بنا دے۔ ہمیں تقویٰ پسند بنا دے ہمیں دل میں اسلام اور پاکستان کی محبت کی آگ لگا دے۔ ایسی آگ ہمیں جلا کر راکھ نہ کرے بلکہ ہمیں جِلا بخشے۔

ابھی تک حسن ازل کا سنورنا باقی ہے — ابھی تک عشق کا جاں سے گزرنا باقی ہے
ابھی تک مہر ترقی ابھرنا باقی ہے — ابھی تک کام بہت ہے جو کرنا باقی ہے



Marfat.com

## تجاویز و سفارشات

- پاکستان میں جمہوری پارٹیوں کے احتساب کے لیے ایک باقاعدہ و منظم نظام ترتیب دیا جائے۔
- پاکستان میں مارشل لاء نہ لگنے کے لیے قانون سازی کی جائے۔
- پاکستان سے موروثی سیاست کا ازالہ کیا جائے۔
- انتخابی عمل کو شفاف بنایا جائے۔
- لوگوں میں جمہوریت اور صحیح انتخاب کا شعور بیدار کیا جائے۔
- معاشرے سے مادہ پرستی اور طبقاتی نظام کو ختم کرنے کے لیے تعلیمی نصاب میں متعلقہ مواد شامل کیا جائے۔
- قوم میں اپنی مٹی اپنی زمین اور اپنی رسم و رواج اور خاص کر دین سے والہانہ محبت اور غیروں کی مکارانہ سازشوں اور چالوں سے بچنے کے لیے نہ صرف نصاب میں ایسے مضامین شامل کیے جائیں بلکہ الیکٹرانک میڈیا بھی اپنا فریضہ انجام دے۔
- کسی بھی منصب پر فائز ہونے کے لیے میرٹ یقینی بنایا جائے۔

## حوالہ جات


۱- تازہ۔ہوا۔ سلیم۔کوثر۔جمع۔و۔ترتیب۔ محمد http: //lib.bazmeurdu.net/

۲- سورہ الأحزاب آیت نمبر۲۱۔

۳- صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، جلد اول، ص۔۱۰۳، دار السلام للنشر و التوزیع الریاض، سن ۱۴۱۹ ھجری۔

۴- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، شارح اسرار زیدی، جواب شکوہ ص ۲۱۳، مطبعہ شیخ محمد بشیر اینڈ سنز سرکلر روڈ اردو بازار لاھور۔

۵- دیوان غالب، مرزا اسد اللہ غالب غزلیات،، ردیف الف/غزل نمبر ۱۶۔

۶- علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، شارح اسرار زیدی، جواب شکوہ ص، ۲۱۲، مطبعہ شیخ محمد بشیر اینڈ سنز سرکلر روڈ اردو بازار لاھور۔

۷- www.facebook.com/UrduAdabOrShaoor/posts،

۸- سورہ آل عمران /سورہ نمبر ۳/ آیت نمبر ۳۱

۹- سورہ الرعد/سورہ نمبر ۱۳/ آیت نمبر ۱۱

۱۰- سورہ الزمر/ آیت نمبر ۶۷

۱۰- زبور عجم/ صفحہ ۳۹

۱۱- محمد یوسف فاروقی، ڈاکٹر/تصور پاکستان بانیان پاکستان کی نظر میں / اسلام آباد/ شریعہ اکیڈمی /




Marfat.com

۲۰۰۵ء / ص ۳۱

۱۲- ایضاً / ص ۳۲

۱۳- الحدیث

۱۴- المنجد / کراچی / دارالاشاعت / ص ۳۲۹

۱۵- اسلام کا سیاسی نظام / خدا بخش کلیا / لاہور / ۲۰۱۰ء / ص ۳۴

۱۶- ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / سیاسیات نظریات اور اصول / کراچی / غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء / ص ۲۱

۱۷- مقدمہ ابن خلدون / علامہ ابن خلدون / مصر / ص ۱۰۱

۱۸- اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۱۹۹

۱۹- ایضاً / ص ۱۹۹

۲۰- کلیات ابو البقاء، ص ۳۷۴

۲۱- ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / سیاسیات نظریات اور اصول / کراچی / غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء / ص ۲۰

۲۲- ایضاً / ص ۲۱

۲۳- ایضاً / ص ۲۱

۲۴- ایضاً / ص ۲۴

۲۶- ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / سیاسیات نظریات اور اصول / کراچی / غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء / ص ۲۲

۲۷- ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / سیاسیات نظریات اور اصول / کراچی / غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء / ص ۲۳

۲۸- ایضاً / ص ۲۴

۲۹- M.Ayub Khan/ Friends not Masters/Lahore/ Oxford Uni Press/1967/P-114

۳۰- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور / جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء / ص ۴۴

۳۱- ملاحظہ کریں سوامی ایم پی سبرا منیم کا رسالہ Organizer میں شائع۔ دہلی شمارہ ۱۳ جولائی ۱۹۷۴ء میں مضمون) حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض قدامت پرست علماء بھی

۳۲- اسلامی دنیا / قاسم محمود / لاہور / الفیصل ناشران / ص ۲۰۲

۳۳- سورہ النور / آیت نمبر ۵۵، ۵۶

۳۴- فرمودات قائداعظم: ۴ مارچ ۱۹۴۴ء



Marfat.com

۳۵- سورہ النساء / آیت نمبر ۸۷
۳۶- روزنامہ جنگ۔ ۴ ستمبر ۱۹۹۲ء
۳۷- سورہ الحج / آیت نمبر ۴۰۔۴۱
۳۸- تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں سورہ توبہ / آیت نمبر ۶۰، زکوٰۃ کا ذکر ۸۲ سے زائد مقامات پر ملتا ہے
۳۹- تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں سورہ الحج / آیت نمبر ۴۱، سورہ آل عمران / سورہ توبہ
۴۰- سورہ النحل / آیت نمبر ۹۲
۴۱- کلیات اکبر الہ آباد / مرتب محمد انواز چوہدری / لاہور / مکتبہ شعر و ادب /
۴۲- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور / ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء / ص ۲۶۷
۴۳- اعظم چوہدری / پاکستان کا آئین / کراچی / فرید پبلیشرز / ۲۰۱۵ / ص ۲۳
۴۴- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور / ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء / ص ۲۷۰
۴۵- ڈاکٹر صفدر محمود / پاکستان تاریخ و سیاست / لاہور / جہانگیر بکس / ص ۴۴
۴۶- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور / ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء / ص ۲۷۱
۴۷- اعظم چوہدری / پاکستان کا آئین / کراچی / فرید پبلیشرز / ۲۰۱۵ / ص ۲۳
۴۸- ڈاکٹر صفدر محمود / پاکستان تاریخ و سیاست / لاہور / جہانگیر بکس / ص ۴۵
۴۹- اعظم چوہدری / پاکستان کا آئین / کراچی / فرید پبلیشرز / ۲۰۱۵ / ص ۲۴-۲۳
۵۰- پروفیسر محمد سلیم / تاریخ نظریہ پاکستان / لاہور / ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۹۲ء / ص ۲۹۲
۵۱- ایضاً / ص ۲۸۹
۵۲- ایضاً / ص ۲۸۹
۵۳- ایضاً / ص ۲۹۰
۵۴- اخبار زمیندار، لاہور، ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء
۵۵- معجم طبرانی، کبیر / عن معاذ بن جبلؓ
۵۶- Modern Democracies/ James Bryce/ Vol II/ New York/ 1921/ P-50
۵۷- ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری / سیاسیات نظریات اور اصول / کراچی / غضنفر اکیڈمی / ۲۰۰۳ء / ص ۲۸۰
۵۸- اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی / کراچی / مکتبہ معارف القران / ۲۰۱۰ء / ص ۸۱
۵۹- سورۃ البقرۃ / آیت نمبر ۲۴۷
۶۰- سورۃ ص / آیت نمبر ۲۶
۶۱- سورۃ الحج / آیت نمبر ۴۱
۶۲- سورۃ النساء / آیت نمبر ۵۸۔۵۹



Marfat.com

۶۲- صحیح مسلم ۴۷۸۲/ سنن ابو داؤد/ جامہ الترمذی

۶۳- سنن النسائی ۴۴۰۹، ۴۴۰۸/ مسند احمد

۶۴- سنن النسائی: ۴۲۱۳/ صحیح مسلم /مسند احمد / مسند طیالسی

۶۵- صحیح بخاری: ۱۳۸/۷/ صحیح مسلم / سنن ابی داؤد/ جامہ الترمذی/ مسند بزار، مسند احمد

۶۶- صحیح بخاری: : ۱۱۰/۷/ صحیح مسلم / سنن ابی داؤد/ سنن النسائی / طبقات ابن سعد/ مسند احمد

۶۷- نقوش رسول نمبر، بابِ اوّل بعثتِ نبوی کے وقت دنیا کا سیاسی نظام- جلد پنجم، شمارہ ۱۳۰- دسمبر ۱۹۸۳ء /ص: ۲۲۔

۶۸- ایضاً/ ص: ۲۲۔

۶۹- ایضاً/ ص: ۲۲۔

۷۰- ایضاً/ ص: ۲۴۔

۷۱- ایضاً/ ص: ۳۰۔

۷۲- ایضاً/ ص: ۳۱۔

۷۳- اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور /الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء /ص ۶۷

۷۴- ایضاً/ص ۴۲۳

۷۵- جے کے بلنجلی / نظریہ سلطنت/ آکسفورڈ/ ۱۸۸۵ء / ص ۲۸۔۴۰

۷۶- اسلام کا نظام حکومت /حامد انصاری /لاہور /الفیصل ناشران/۱۹۹۹ء /ص ۴۲۴

۷۷- ایضاً/ص ۴۲۰۔۴۲۱

۷۸- صدیقی محمد ادریس / وادی سندھ کی تہذیب / محکمہ آثار قدیمہ کراچی/ ۱۹۵۹ء/ ص ۲۳۳۔

۷۹- نہرو، جواہر لعل/ ڈسکوری آف انڈیا/ بمبئی /۱۹۶۴ء،/ ص ۴۲۔

۸۰- دراصل باقیاتی تفتیش جیسے جیسے آگے بڑھتی رہی ہے وادی سندھ کا تہذیبی دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے۔موجودہ پاکستان کے قریب قریب سارے علاقے میں موئن جو داڑو ہڑپا کے طرز کی ہزاروں بستیاں آباد ہوں گی ان میں باقیاتی تفتیش کے اعتبار سے موئن جو داڑو، ہڑپا، چنہودارو، سنکاجن دور، علی مراد، آمری، دابر کوٹ اور کوٹ ڈیجی بہت اہم ہیں۔(وادی سندھ کی تہذیب/ص ۲۹۔

۸۱- دائرہ معارف اسلامیہ/ جلد پنجم /ص ۳۷۲۔

۸۲- گستا ولیبان مترجم سید علی بلگرامی/ تمدن ہند/ لاہور/ مقبول اکیڈمی/ص ۲۶۴۔

۸۳- خان،عبدالحمید/دنیا کی قدیم تہذیبیں/ لاہور/فیکٹ پبلیکیشنز/ص۷۔

۸۴- MEE, ARTHUR; HAMMERTON, J. A.; INNES, A. D. Harmsworth



Marfat.com

History of th World \London/ 4/ Carmelite House/ 1907 / Page 1186

۸۵- اس مسئلہ پر اگرچہ اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن سید سلیمان ندوی نے مختلف دلائل و براہین قائم کر کے اس کو مرجح قرار دیا ہے۔(سلیمان ندوی۔ ارض القرآن ج۱، ص۱۰۷ تا ۱۱۵)

۸۶- ایضاً ص ۱۲۲

۸۷- ایضاً ص ۱۲۷۔ عاد کے سلسلے میں قرآن کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: الاعراف ۶۵ تا ۷۲، الفجر ۷، حٰم السجدہ ۱۵،، ہود ۵۰ تا ۶۰، الشعراء ۲۳ تا ۱۴۰، العنکبوت ۳۸، الاحقاف ۲۱ تا ۲۷، الفرقان ۳۸ وغیرہ۔ اس قوم کی اصلاح کے لیے حضرت ہود کو پیغمبر بنا کر معبوث کیا گیا تھا مگر اپنے غرور، قوت ظلم و جور، پرستش باطل کی بنا پر قوم عاد نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا جس کے نتیجے میں وہ تباہ و برباد ہوگئی

۸۸- یعنی عاد، ثمود، جرہم، طسم، جدیس وغیرہ

۸۹- سلیمان ندوی ج۱، ص۱۲۳

۹۰- ایضاً ص ۱۲۹

۹۱- ایضاً ص ۱۳۰

۹۲- سید سلیمان ندوی / ارض القرآن، ج۱ ص ۱۳۲

۹۳- ایضاً ص ۱۷۷

۹۴- ایضاً ص ۱۸۵۔ اور قرآن میں ہے (سورہ الاعراف / آیت نمبر ۷۳)

۹۵- ایضاً ص ۱۸۶

۹۶- Margoliouth, D.S. The Relations Between Arabs Israelites Prior to the Rise of Islam. Oxford University Press, London, 1924, P-24

۹۷- IBID, P-25

۹۸- آل منذریا ملوک حیرہ کی تعداد ان کی ترتیب، مدت حکومت اور بعض دوسری تفصیلات میں مورخین کے یہاں کافی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ دیکھئے: طبری (ج۲، ص۱۰۴ تا ۲۷۱، جرجی زیدان۔ العرب قبل الاسلام، دارالہلال۔ مصر ص۲۲۰ تا ۲۳۹

۹۹- طبری ج۲، ص۱۰۴، ابن اثیر ج۱، ص۴۳۹ او ابن خلدون ج۲، ص۲۶۵

۱۰۰- ابن خلدون ج۲، ص۲۶۵

۱۰۱- ایضاً / ج ۱/ص ۲۶۶

۱۰۲- ایاس ۹ سال تک نعمان کے بجائے حیرہ کا حاکم رہا۔ ایرانی مرزبان ہمر جان یانخجیر جان۔ طبری ج۲، ص۲۱۳۔ اس کے ساتھ حکومت میں شریک تھا۔ اس کے عہد ولایت کے آٹھویں سال



Marfat.com

(آلوسی نے نامعلوم کن مآخذ کی بنا پر ایاس کی کل مدت حکومت ۸ ماہ لکھی ہے۔ آلوسی۔ محمود شکری۔ بلوغ الارب فی احوال العرب۔ مطبعتہ دارالسلام بغدار۔ ۱۳۱۴ھ۔ ج ۲، ص ۱۹۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ہوئی۔ اس کے بعد حیرہ کی ولایت زادویہ بن ماہان (طبری نے نام آراذیہ بن ماہان ج ۲، ص ۲۱۳ لکھا ہے) کے پاس آئی، وہ حیرہ کا آخری مرزبان ثابت ہوا۔ اس نے کسریٰ کی بیٹی بوران کے عہد حکومت تک ۱۷ سال حکومت کی۔ ابن خلدون ج ۲، ص ۲۶۸

۱۰۳۔ زادویہ یازادیہ ۶۱۸ء تا ۲۶۸ء کے بعد المنذربن النعمان المغرور پھر حکمران ۲۶۸ء تا ۶۳۲ء ہوا اور یہی آخری ملوک حیرہ تھا۔ بحرین میں قتل ہوا۔ جرجی زیدان ص ۲۳۹

۱۰۴۔ ابن خلدون ص ۲۷۱، ج ۲

۱۰۵۔ ابن خلدون ج ۲، ص ۲۷۹

۱۰۶۔ ایضاً ص ۲۸۰

۱۰۷۔ جرجی زیدان ص ۲۰۸۔ براویت حمزہ الاصفہانی۔ لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے اس روایت کی تردید ارض القرآن ج ۲، ص ۸۰ کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ یہ قطعی طور پر سے معلوم ہے کہ انباط کی حکومت رومیوں کے زیر اقتدار ۱۰۶ء تک باقی تھی نیز بطلیموس کے عہد تک یعنی دوسری صدی عیسوی تک آل غسان تہامہ میں موجود تھے۔ اس لیے بطور نتیجہ وہ لکھتے ہیں کہ ان کا زمانہ ۲۰۰ء تقریباً سے ۲۳۶ء جبکہ بن ایہم تک یعنی کوئی چار سو سال کا ہے۔ دلائل کے لیے دیکھئے: ص ۸۱، ۸۲ آل غسان کے بادشاہوں کی تعداد میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً حمزہ نے تعداد ۳۲ بیان کی ہے جبکہ اس میں عموماً بعض معاصر حکمران غسانی شہزادوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے۔ مسعودی نے تعداد ۱۹ مروج، ج ۲، ص ۱۰۷ اور ابن قتیبہ نے ملوک الشام کے تحت صرف چند کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن قتیبہ الدینوری۔ المعارف۔ المکتینیہ۔ مصر ۹۳۴ء ص ۲۷۸ تا ۲۸۱ لیکن بقول سلیمان ندوی چار سو برس کی مدت کے لیے یہ تعداد کم ہے سلیمان ندوی ج ۲، ص ۸۱ نولدیکی نے بھی تعداد ۱۰ بتائی ہے جرجی زیدان ص ۲۰۹

۱۰۸۔ جرجی زیدان ص ۲۹۷ یہ حوران میں تھا۔ عرب و شام کے درمیان جو حدود ہیں ان کو حوران کہتے ہیں اور ان ہی کا نام اذرعات بھی ہے۔ یہ قدیم زمانہ میں موآب عمان اور ادوم سے متعلق تھا۔ اور اس عہد سے پہلے یہاں انباط کی حکومت تھی۔ تدمر، رقیم، عمان، معان وغیرہ شہر اس میں آباد تھے اور مشہور ترین شہر بصریٰ تھا۔ سلیمان ندوی ج ۲، ص ۸۱

۱۰۹۔ ابن خلدون ج ۲، ص ۲۸۰

۱۱۰۔ سلیمان ندوی ج ۲، ص ۸۳۔ علامہ سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ ۶۱۶ء تک رومیون نے ایک ایک کر کے اپنا ملک واپس لے لیا۔ حالانکہ یہ واقعہ ۶۲۳ء کا ہے جبکہ مسلمان بدر کی خوشیاں منا رہے



Marfat.com

تھے اور قرآن کی پیش گوئی کی صداقت ثابت ہو رہی تھی

۱۱۱- الروم: ۱ تا ۴۔ان آیات کی توضیح اور تشریح کے لیے ملاحظہ ہو: القرطبی، الجامع الاحکام القرآن ج۱۴ ص۱ تا۴۔ نیز آلوسی۔روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ج۲۱، ص۱۶

۱۱۲- ابن خلدون ج۲، ص۲۵۲

۱۱۳- ایضاً ص۲۸۱

۱۱۴- ایضاً ص۲۸۲

۱۱۵- ایضاً ص۲۴۹

۱۱۶- اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء / ص ۲

۱۱۷- اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء / ص ۴

۱۱۸- مسلم نشاۃ ثانیہ، اساس اور لائحہ عمل / ڈاکٹر محمد امین / لاہور/ بیت الحکمت / ۶۳

۱۱۹- سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی بحث / یوسف القرضاوی / لاہور/ ادارہ معارف اسلامی /۲۰۰۸ء /ص۲۱

۱۲۰- الطرق حکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ لابن قیم /مطبوعہ السنۃ المحمدیۃ /ص۱۵-۱۳

۱۲۱- سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی بحث / یوسف القرضاوی / لاہور/ ادارہ معارف اسلامی /۲۰۰۸ء /ص۲۳-۲۱

۱۲۲- اسلام اور سیاسی نظریات / مفتی محمد تقی عثمانی/ کراچی / مکتبہ معارف القران /۲۰۱۰ء / ص ۴۰۰۔۴۰۲) مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے قائداعظم کا تصور پاکستان اور ان کے اقوال / رضوان احمد / کراچی / قائد فاؤنڈیشن / ۲۰۱۰ء / ص ۹

۱۲۳- سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی بحث / یوسف القرضاوی / لاہور/ ادارہ معارف اسلامی /۲۰۰۸ء /ص۷

۱۲۴- سورہ الشوریٰ / آیت نمبر ۳۸

۱۲۵- ابن کثیر/البدایہ و النھایہ/ج ۶/ص۳۰۱

۱۲۶- اسلامی تصور ریاست/ محمد وقاص /لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز / ۲۰۰۰ء / ص ۵۳

۱۲۷- سورہ یوسف / آیت نمبر۴۰

۱۲۸- سورہ آل عمران / آیت مبر ۱۵۴

۱۲۹- سورہ النحل / آیت نمبر ۱۱۶

۱۳۰- سورہ المائدہ / آیت نمبر ۴۴

۱۳۱- سورہ انعام / آیت نمبر ۵۰

۱۳۲- سورہ النساء / آیت نمبر۶۴



Marfat.com

۱۳۳- سورہ انعام / آیت نمبر ۹۰
۱۳۴- سورہ آل عمران / آیت نمبر ۷۹
۱۳۵- اسلامی ریاست / سید ابو الاعلیٰ مودودی /لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/۲۰۱۰ /ص ۱۱۸۔ اسلام کا سیاسی نظام توان روحانی لوگوں کے ذریعے چلایا جائے گا۔
۱۳۶- کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز
۱۳۷- النساء۔ ۵۴
۱۳۸- تفسیر مظہری، النساء ۲،۱۴۴
۱۳۹- الانبیاء۔ ۱۰۵
۱۴۰- سورہ مریم۔ ۴۰
۱۴۱- الحدیث
۱۴۲- یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے۔
۱۴۳- سورہ النساء / آیت نمبر ۵۸
۱۴۴- یہ درایت بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے
۱۴۵- Kath Klard/ Pakistan-A Political Study/London/ 1968/p125
۱۴۶- پاکستان تاریخ و سیاست / ڈاکٹر صفدر محمود / لاہور/ جنگ پبلیشرز / ۱۹۹۳ء /ص ۲۷۶
۱۴۷- الاحزاب: ۲۱
۱۴۸- تفسیر ابن کثیر: ۴۷۴: ۳
۱۴۹- نجم۔ ۳۔ ۴
۱۵۰- النساء۔ ۶۵
۱۵۱- احسن البیان ۲،۳۰۹
۱۵۲- النساء۔ ۱۱۵
۱۵۳- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، مولانا محمد طاسین، ماہنامہ الحق، جلد ۲۷، شمارہ ۱۱، دارالعلوم اکوڑہ خٹک، اگست ۱۹۹۲ء، ص۵۔
۱۵۴- الطریق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ، ابن قیم الجوزیہ / بیروت / دارالفکر / ص ۶
۱۵۵- صحیح بخاری / محمد بن اسماعیل بخاری
۱۵۶- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، مولانا محمد طاسین، ماہنامہ الحق، جلد ۲۷، شمارہ ۱۱، دارالعلوم اکوڑہ خٹک، اگست ۱۹۹۲ء، ص۸
۱۵۷- پروفیسر غلام رسول چیمہ / سیرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم / لاہور/ علم و عرفان پبلشرز /



Marfat.com

۲۰۰۴ء / ص ۸۰۰

۱۵۸- فضائل اعمال، (باب حکایات صحابہ)، محمد ذکریا، لاہور، کتب خانہ فیضی، ص

۱۵۹- سورہ الم نشرح / آیت نمبر۔۔

۱۶۰- Shorter Encylopedia of Islam, Hamilton Alexander Rosskeen Gibb & Johannes Hendrik Kramers, Vol 3, 1953, P..

۱۶۱- بخاری / الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، ۱۰۶۳/۲

۱۶۲- نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نشریات، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۴۱۳

۱۶۳- نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۶

۱۶۴- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، مسلم، کتاب الامارہ، باب سوم

۱۶۵- ابوداؤد السجستانی / السنن، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۶۹ھ، ۴۰۶/۲ کتاب الخراج والامارۃ

۱۶۶- بخاری / الجامع الصحیح، دہلی، ۱۹۳۸ء، کتاب الایمان ۱۰۵۸/۲

۱۶۷- ابو یوسف / کتاب الخراج، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ص ۹: بحوالہ نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۷

۱۶۸- نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۷

۱۶۹- النساء: ۵۸

۱۷۰- ابن تیمیہ / السیاسۃ الشرعیۃ فی اصطلاح الراعی و الرعیۃ، قاہرہ، مطبعۃ الجہاد، ۱۹۶۱ء، ص ۱۰

۱۷۱- ایضاً ص ۱

۱۷۲- الانفال: ۲۷

۱۷۳- نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص ۴۰۸

۱۷۴- عبدالحئ کتانی / التراتیب الاداریۃ، ترجمہ عہدِ نبویؐ کا نظام حکومت، مترجم: مولانا معظم الحق، کراچی، ادارۃ القرآن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۱

۱۷۵- عبدالحئ کتانی / التراتیب الاداریۃ (عہدِ نبویؐ کا نظامِ حکومت) ترجمہ: مولانا معظم الحق، کراچی، ادارۃ القرآن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۱

۱۷۶- اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۱۹۵

۱۷۷- اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۱۹۵) (بحوالہ: محمد علی کرد / الاسلام و الحصناۃ العربیہ / ص ۵۴۳

۱۷۸- حاضر العالم الاسلامی، تعلیقات، امیر شکیب ارسلان، ج ۱ / ص ۱۲۵-۱۲۴

۱۷۹- اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۱۹۶



Marfat.com

۱۸۰- ایضاً / ص ۱۹۶
۱۸۱- ایضاً / ص ۱۹۷
۱۸۲- قاضی محمد رویس خان ایوبی / مضمون اسلام، جمہوریت اور مسلم ممالک / ماہنامہ الشریعہ / نومبر ۲۰۱۳ء / ص ۲۷
۱۸۳- ایضاً / ص ۲۹
۱۸۴- اسلام میں مذہبی رواداری / لاہور / دارالشعور / ص ۹۹
۱۸۵- دیکھئے: البقرۃ: ۱۱۳
۱۸۶- آل عمران: ۷۵
۱۸۷- آل عمران: ۱۵۹
۱۸۸- النحل: ۱۲۵
۱۸۹- الانعام: ۱۰۹
۱۹۰- انعام: ۱۶۰
۱۹۱- سورۃ آل عمران: ۱۶۴، سورۃ الجمع: ۲
۱۹۲- مشکوۃ المصابیح ص ۵۵۴، طبع سعید کراچی
۱۹۳- کلیات اقبال / علامہ اقبال
۱۹۴- کلیات اقبال / علامہ اقبال
۱۹۵- سورہ نور: ۳۳
۱۹۶- سورۃ الحدید: ۷
۱۹۷- سورۃ الزخرف: ۳۲
۱۹۸- کنزالعمال: ۲۹۳۳، حدیث نمبر ۴۸۶ حیدر آباد
۱۹۹- سورۃ الذاریات: ۱۹
۲۰۰- سورۃ الحشر: ۷
۲۰۱- سورۃ البقرۃ: ۶۰
۲۰۲- صحیح مسلم: ۳۲۷، قدیمی کتب خانہ
۲۰۳- مشکوۃ ص ۴۲۴، طبع سعید کمپنی کراچی
۲۰۴- صحیح مسلم ۲: ۸۱ ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب حقوق المال
۲۰۵- سورۃ البقرۃ: ۲۷۹
۲۰۶- صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، ۲۰۳، طبع دہلی



Marfat.com

۲۰۷- جامع الترمذی: ۱۳۳۵/ صحیح مسلم / سنن ابی داؤد
۲۰۸- الفاروق/ شبلی نعمانی/ کراچی / دارالاشاعت/ص۔۔
۲۰۹- اوصاف علی سابق جج لاہور ہائی کورٹ / حقوق العباد / ملتان/ص۲۸۴۔۲۸۵
۲۱۰- کتاب الخراج / قاضی ابو یوسفؒ
۲۱۱- مسند امام احمد، مشکوٰۃ ج۲، ص۴۱۴، باب حفظ اللسان
۲۱۲- انسان کامل و نبی اکمل صلی اللہ علیہ وسلم/ڈاکٹر منظور ممتاز / لاہور/ مکتبہ تعمیر انسانیت/ ۱۹۹۴ء / ص ۷۷
۲۱۳- الشوری ودورھا فی اصلاح الفردوا لمجتمع مترجم: ص۱۶
۲۱۴- صحیح بخاری و صحیح مسلم
۲۱۵- الاحکام السلطانیہ لابی یعلی: ص۲۷
۲۶- بے لاگ احتساب کا تصور/ ڈاکٹر ساجد خاکوانی / مڈویک میگزین / ۱۹ جنوری ۲۰۱۳
۲۱۷- تصور ریاست اسلامی قرآن کی روشنی میں / جسٹس ریٹائرڈ شیخ انوار الحق/ مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم/ کراچی/ ہمدرد فاؤنڈیشن / ۱۹۸۳/ص ۳۶
۲۱۸- صحیح بخاری: باب ذکر نھی دعوۃ الجاھلیۃ
۲۱۹- سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب فی العصبیۃ
۲۲۰- البقرۃ: ۲۳۱
۲۲۱- الانفال: ۴۶، آل عمران: ۱۰۵
۲۲۲- الحجرات: ۱۱، ۱۲
۲۲۳- الصحیح البخاری: کتاب الادب، باب رحمۃ اللناس و صحیح مسلم کتاب البرو الصلۃ باب تراحم المومنین و تعاطفھم
۲۲۴- ایضاً کتاب الادب، باب تعاون المومنین بعضھم بعضا
۲۲۵- مسلمؒ: کتاب الامارۃ والقضاء
۲۲۶- ان تنازعات کی تفصیلات کے لیے دیکھئے: (جواد، احمد "ایام العرب فی الجاہلیۃ" قاہرۃ ۱۹۴۲ء نیز دیکھئے: آلوسی، محمود شکری: "عادات العرب فی جاھلیتھم" بیروت ۱۹۲۴
۲۲۷- مجمع الزوائد و منبع الفوائد للہیثمی (باب الکسب والتجارۃ والحث علی طلب الرزق) جلد چہارم، قاہرہ المبسوط للسرخسی: ۲۲: ۲
۲۲۸- المبسوط للسرخسی: ۲۲: ۲
۲۲۹- بخاری: کتاب الزراعۃ



Marfat.com

۲۳۰- صحیح بخاری: ۱: ۳۱۴
۲۳۱- بدائع الصنائع للکاسانی: ۶: ۱۹۴
۲۳۲- سنن ابوداود: ۲: ۴۹۲ طبع کراچی
۲۳۳- کاسانی: بدائع الصنائع کتاب الشرب: ۶
۲۳۴- جامع ترمذی، ص ۲۰۴، طبع کراچی
۲۳۵- شرح معانی الآثار ۲: ۲۶۱ طبع دہلی
۲۳۶- صحیح مسلم۔باب کراھۃ الامارۃ۔۲: ۱۲ طبع کراچی
۲۳۷- سورۃ الانفال: ۲۷
۲۳۸- ابن تیمیہؒ: سیاست الٰہیہ / ص۱۱۷ لاہور طبع اول کراچی
۲۳۹- جمع ترمذی: کتاب الاحکام ص۲۱۰ طبع نور محمد کراچی
۲۴۰- کتاب الخراج لامام ابی یوسف: ۱۱۶ طبع بیروت
۲۴۱- الحدیث
۲۴۲- سورۂ النساء / آیت نمبر۸۵
۲۴۳- مسند بزار، طبرانی
۲۴۴- صحیح مسلم، کتاب الذکر، ابوداؤد، کتاب الادب، ترمذی، کتاب الحدود
۲۴۵- ابن ماجہ، کتاب الدیات
۲۴۶- صحیح بخاری، کتاب الحدود، صحیح مسلم، کتاب الحدود، ص۶۴، ج۲
۲۴۷- سورۃ النساء: ۵
۲۴۸- جصاص: احکام القرآن تحت آیت۔
۲۴۹- سورہ الملک آیت نمبر۴۔۵



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

زاہدہ صابر، ہری پور*

## جمہوریت کا تاریخی پس منظر:

یہ بات طے ہے کہ انسان نے اپنے ابتدائی دنوں میں خود کو بچانے کے لئے جو لڑائی شروع کی تھی وہ آج بھی جاری ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت کب اور کیوں شروع ہوئی اس کا بظاہر سادہ سا جواب یہ ہے کہ ابتدائی معاشروں میں ہی انسان نے خود کو محفوظ کرنے کے لئے گروہی زندگی اختیار کی اور اس میں تنظیم برقرار رکھنے کے لیے کسی کو سردار بنالیا۔ ابتداء میں سردار ہونے کے لئے جسمانی طور پر غیر معمولی بہادری کو ترجیح دی گئی لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا صورتحال بدلتی گئی۔ اقتدار کے لئے شجاعت کے ساتھ دولت بھی شرط ہوتی گئی اور اس طرح مذہب اور جتھا بھی شمار ہونے لگا۔

ہزاروں سال قبل انسانی آبادی کاشت اور شکار پر زندہ رہتی تھی۔ کاشتکاری کے لئے ضروری تھا کہ آب پاشی کا سلسلہ تعمیر کیا جائے۔ چونکہ یہ کام الگ الگ کنبوں اور جرگوں کیلئے بہت بڑا تھا۔ اور چونکہ زمین کے چھوٹے چھوٹے قطعات کیلئے نہریں نکالنا مناسب بھی نہ ہوتا اس لئے متعدد جرگوں کی برادریوں پر مشتمل دن بدن زیادہ بڑے گروہ عالم وجود میں آتے چلے گئے۔ ان گروہوں کا اپنا الگ نام ہوتا تھا۔ جن کی اپنی بولی اور رسم و رواج ہوتے تھے۔ جو ان گروہوں اور غولوں سے الگ رہتا تھا۔ وہ اجنبی سمجھا جاتا تھا جو اس زمانہ میں دشمنی کے برابر ہوتا تھا۔ غول سے الگ زندگی پر خطر اور اکیلے فرد کے بس سے باہر تھی۔

رفتہ رفتہ حالات کی تبدیلی نے انسانی سماج میں ذاتی ملکیت کو رواج دیا۔ مویشیوں اور قیدی انسانوں سے شروع ہونے والے یہ سلسلے ذرائع معاش کے سرچشمے زمین تک پھیل گئے، اس کے باعث طبقوں نے جنم لیا۔ وہ طبقہ جس کے پاس دولت تھی وہ دوسروں کو اپنے لئے کام کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اس مقصد کے لئے ایک نیا ادارہ بنا جو قریبی لوگوں پر مبنی تھا جسے ریاست کہا گیا۔ اقتدار کے مختلف ادارے جیسے قید خانے، فوج اور عدالتیں سب ریاست کے اجزائے ترکیبی بنے۔ انسانی سماج نے عہد قدیم سے ہی بادشاہت کو جنم دیا اور قبول کر لیا تھا۔ خود کو ہی کمزور پا کر ایسے دیوتا تسلیم کرنا، ہر وہ چیز جو انسان کو قابو کرنا نہ آئی اسے خود سے برتر جاننا اور اس کو ماورائی قوت جان کر خوفزدہ رہنا، انسانی سرشت میں ابتداء ہی سے شامل ہو گیا تھا۔ جب تک آگ کا راز اس کے پاس نہیں آیا تھا وہ آگ کو خدا کا درجہ دیتا تھا۔

---

* ٹیوٹر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد (بی ایڈ پروگرام)



Marfat.com

اسی طرح خود سے طاقتور شخص کو اپنا سربراہ بنانے کے رجحان نے بادشاہت کے سلسلے کو جنم دیا۔ اقتدار کے اس طریق کار کو مذہب کی حمایت حاصل رہی۔ کچھ سماجوں میں بادشاہ دیوتا بھی ہوتا تھا اور خدائی کے دعویدار بادشاہ بھی گزرے۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے سیاسی کھیل مذہب کے میدان میں کھیلے گئے۔ ہندوستان کے قدیم معاشرے میں اقتدار راجہ مہاراجہ کے پاس ہوتا تھا جب کہ ذاتوں کی تقسیم نے مذہب کو کچھ اور بھی طاقتور بنا دیا تھا۔ برہمن کے ہاتھ میں مذہبی اقتدار تھا اس لئے وہ باقی تمام ذاتوں اور طبقوں کو اپنے تابع رکھتے تھے۔ جبکہ ۲۷۳-۲۳۲ قبل مسیح میں راجہ اشوک نے بدھ مت کو ریاست کا مذہب قرار دے کر برہمنوں کے اثر و اقتدار پر کاری ضرب لگائی۔

## جمہوریت کی ابتداء

بارہویں صدی سے آٹھویں صدی قبل مسیح کے درمیان یونان کے ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا جو لڑائی میں اپنے قبیلے کی قیادت کرتا تھا اور منصب اعلیٰ اور پروہت کے فرائض سرانجام دیتا تھا جبکہ تمام امراء کے بزرگوں کی ایک مجلس بھی ہوتی تھی۔ جب انتہائی اہم معاملات زیر بحث ہوتے تو قبیلے کے سردار کو ان سے لازمی طور پر مشورہ کرنا پڑتا تھا۔ مشہور شاعر ہومر کی نظموں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ دور یونان کا عہدِ تاریک کہلاتا ہے۔

## ایتھنز

ایتھنز میں ایک جمہوری طرز کا نظام تھا امراء کے طبقہ کو خصوصیت حاصل تھی اس طبقے کی ایک کونسل ہوتی تھی جس کو "اپروپیکس" کہتے تھے۔ یہاں موروثی روساء کے طبقہ کو سماجی مراعات سب سے زیادہ ملتی تھیں انھیں تمام تر سیاسی اور شہری حقوق حاصل تھے۔ ایتھنز کی جمہوریہ میں انتخاب قرعہ اندازی کے ذریعے ہوتا تھا۔ عورتیں سیاسی حقوق سے محروم تھیں۔ جیسا کہ آج کے انتہائی جدید دور میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ووٹ ڈالنے کا حق سرداروں اور اعلیٰ طبقہ کے مردوں کو ہے۔ عورتیں تمام کی تمام اس حق سے محروم ہیں۔

## اسپارٹا

قدیم اسپارٹا کا ایک خصوصی آئین تھا "برابر کے لوگوں کی برادری" پر دو بادشاہ اور ایک "گیروشیہ" کی حکومت ہوتی تھی گیروشیہ بزرگوں کی مجلس کو کہتے ہیں۔ جو امراء کے خاندانوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ یہ مجلس ریاستی امور کی نگرانی کرتی تھی اور عدالت کے خاص فرائض بھی اس کے ذمہ تھے۔ اہم ریاستی امور میں عوام کی شرکت تھی۔

## روم

تاریخ روم کے ابتدائی دور کو شاہان کہا جاتا ہے۔ بادشاہت کے آخری ایام میں سماجی اصلاحات کے ذریعے آبادی کو پانچ طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جبکہ غریب ترین شہریوں کو ان زمروں سے باہر رکھا گیا اور وہ "پرولتاری" کہلائے۔ فوجی بھرتی میں ہر فوجی کو ہتھیار اور زرہ بکتر خود خریدنا پڑتی تھی۔ قیمتی گھوڑا پالنا پڑتا تھا۔ لہٰذا متمول افراد ہی



Marfat.com

اس میں شامل ہوتے تھے۔ ۱۰۰ افراد پر مشتمل دستہ " سینتوریا" کہلاتا تھا۔ اور ہر سینتوریا کا ایک ووٹ ہوتا تھا۔ یہ لوگ بلند ترین طبقہ سے آتے تھے۔ تاریخ کا ایک لمبا سفر کرنے کے بعد چھٹی صدی قبل مسیح کے آخر میں سیاسی زندگی کا نقشہ بدل گیا۔ بادشاہ کو ملک بدر کر دیا گیا۔ اور بادشاہت ختم ہو گئی۔ اور جمہوریت کا آغاز ہوا۔

ساتویں صدی عیسویں میں روم اور ایران کی حکومتیں اپنی جاہ و جلال کے باعث ساری دنیا میں شہرت رکھتی تھی۔ انہی دنوں جب مشرق سے مغرب تک قیصر و کسریٰ کے پر شکوہ ایوانوں کا ذکر ہر خاص و عام کی زبان پر تھا۔ عرب کی سماجی زندگی میں دین محمدیؐ نے انقلاب بپا کر کے انسانی تاریخ کو یکسر نیا رخ دیا۔

## جمہوریت (Democracy):

مفکرین کے نزدیک جمہوریت بہترین طرز حکومت ہے اس نظام کو فلاح انسانیت کے لئے رحمت سمجھا جاتا ہے۔ جمہوریت دو یونانی الفاظ سے مشتق ہے۔ اول Demos جس کے معنی عوام ہیں اور دوسرے cracy جس کے معنی ہیں طاقت یعنی حکومت۔ اس طرح Democracy سے مراد عوام کی حکومت ہے۔ ابراہم لنکن نے جمہوریت کی واضح تعریف یوں کی ہے۔

Democracy is a Government of the people by the people and for the people"

جمہوریت عوام کی وہ حکومت ہے جو عوام کے ذریعے ہو اور عوام ہی کی فلاح و بہبود کے لئے ہو۔ سیلی (Selley) جمہوری حکومت اس حکومت کو کہتے ہیں جس میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں۔ برائس (Bryce) کہتا ہے جمہوریت اس حکومت کو کہتے ہیں جس میں مستعد شہریوں کی رائے حکومت کرتی ہے۔ گیٹل (Gettle) کہتا ہے جمہوریت ایسی طرز حکومت ہے جس میں آبادی کا معتدبہ حصہ حاکمانہ طاقت کے استعمال کی شرکت کا حق رکھتا ہو۔(۱)

## جمہوریت کی اقسام:

### ۱۔ بلاواسطہ جمہوریت

وہ حکومت جس میں شہری براہ راست نظم ریاست میں حصہ لیں اس قسم کی جمہوریت صرف اس ریاست میں ہو سکتی ہے جن کی آبادی کم ہو اور تمام لوگ پالیسی مرتب کرنے میں شامل ہوں۔ قدیم یونان اور روما میں اس کا وجود موجود تھا۔ اس جمہوریت کی رو سے عوام کی ایک مخصوص تعداد حکومت سے مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ مجلس قانون ساز کے ذریعے کوئی قانون پاس کرے۔ وہ کسی متنازع قانون کو ریفرنڈم کے ذریعے قبول یا رد کر سکتے ہیں۔

### ۲۔ بالواسطہ جمہوریت

آج کل عموماً یہ ہی طرز جمہوریت کار فرما ہے۔ ملکوں کی آبادی زیادہ ہے عوام کثرت رائے سے انتخاب کرتے ہیں۔ جو قانون سازی کا کام کرتے ہیں۔ اس طرز حکومت میں عوام براہ راست حکومت نہیں کرتے بلکہ اپنے منتخب شدہ



Marfat.com

نمائندوں کے ذریعے کرتے ہیں۔ یہ نمائندے عوام کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔

## جمہوریت کی خوبیاں:

ا۔ رائے اور تنقید کی آزادانہ اجازت مل جاتی ہے۔
۲۔ سیاسی پارٹیوں میں سے اکثریت حکومت بناتی ہے۔ اگر رائے عامہ اکثریتی پارٹی کے خلاف ہو جائے تو حزب اختلاف حکومت کو تبدیل کر سکتی ہے۔
۳۔ ہر شہری حکومت کی نظر میں برابر ہوتا ہے۔
۴۔ ہر شہری کو استعداد کے مطابق ترقی کے مواقع مل سکتے ہیں۔
۵۔ عوام ہی حاکم اور خود ہی محکوم ہوتے ہیں۔ ادنیٰ واعلیٰ میں کوئی تمیز نہیں ہوتی۔
۶۔ جمہوری حکومت عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔
۷۔ عوام کی رائے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا جمہوری حکومت مستحکم ہوتی ہے۔
۸۔ جمہوری حکومت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف پارٹیوں کے قائدین کی قابلیت اور صلاحیتوں کا موازنہ اور تنقید ہوتی ہے اس طرح عوام کی سیاسی تربیت بھی ہوتی ہے۔
۹۔ عوام میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
۱۰۔ جمہوریت میں خوف وہراس اور دبدبہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی بنیاد عوام کا اعتماد ہوتا ہے۔

## خامیاں:

الفرڈ گوبن نے اپنی کتاب The crisis of civilization میں مغرب کی تباہی کا ایک سبب ان کا انداز حکومت بتایا ہے اور جمہوریت کو محض ایک فریب کہا ہے۔

ا۔ ایک خاص جماعت کو حکومت ملتی ہے گویا چند اشخاص حکومت کرتے ہیں۔
۲۔ جمہوری طرز حکومت میں عالم فاضل اور ایک عامی شخص ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں جبکہ عامی شخص کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ افلاطون وہ پہلا مفکر ہے جس نے جمہوریت کے اس پہلو کو سامنے رکھ کر جمہوریت پر کم علمی اور جہالت کا الزام لگایا۔
لیکی اور مین Leckey and Maine نے یہی اعتراض دہرایا ہے کہ جمہوریت غریب ترین، جاہل ترین، اور نااہل ترین افراد کی حکومت ہوتی ہے جو کہ لازماً کثیر التعداد ہوتے ہیں۔
۳۔ ایک علاقے میں مختلف پیشوں، گروہوں اور طبقوں کے لوگ ہوتے ہیں سب سے زیادہ ووٹ لینے والا نمائندہ تو بن جاتا ہے لیکن سب کے مفاد کا تحفظ کرنا اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔
۴۔ قانون سازی کا اختیار اکثریتی پارٹی کے پاس ہوتا ہے۔ اس میں ذاتی اور پارٹی کے مفادات بھی شامل ہوتے ہیں جبکہ اقلیتی پارٹیاں اس سے محروم رہتی ہیں۔ اور ایک چپقلش کا آغاز ہو جاتا ہے۔



Marfat.com

۵۔ سرمایہ دار، بینکار اور دولت مند لوگ پیسہ خرچ کر کے اہل لوگوں کا حق چھین لیتے ہیں۔

۶۔ جمہوری طرز حکومت میں اخلاق کا معیار نہیں ہوتا عوام کے مجموعی اخلاقی حس کو سامنے رکھ کر قانون وضع کرتی ہے۔ انگلستان میں رائے عامہ کو سامنے رکھ کر لواطت کو جائز قرار دے گیا گیا۔ جوا اور شراب نوشی مغربی جمہوری ممالک کے تمدن کا ایک حصہ بن گئے ہیں امریکہ میں حالیہ فیصلہ کے مطابق مرد سے مرد کی شادی جائز قرار دے دی گئی ہے۔

۷۔ اکثریتی پارٹی حکومت کرتی ہے اقلیتی پارٹی اس سے محروم رہتی ہے۔ جس سے بعض اوقات ظلم کی حد تک ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔ امریکہ میں سیاہ فام باشندے سفید فام اکثریت کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے ہیں۔

۸۔ جمہوریت میں حکومت کے نمائندے حق گوئی کے وصف سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ پارٹی ڈسپلن کے پابند ہوتے ہیں وہ پارٹی کے مفادات کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتے۔

۹۔ انتخابی عمل کے دران نمائندے پانی کے طرح پیسہ خرچ کر کے ممبر بن جانے کے بعد خرچ کی ہوئی دولت سمیٹنے کیلئے ہر جائز و ناجائز ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہیں۔

۱۰۔ جمہوری طرز حکومت میں اس کی پالیسی محض اقتصادیات، معاشی مسائل کو ہی اوّلیت دیتی ہے۔ اخلاقی اور روحانی اقدار سے ہٹ جاتی ہے۔ اس طرح حیوانی قدریں ہی پروان چڑھتی ہیں۔ حرص، ہوس اور شکم پرستی وغیرہ معاشی امراض پیدا ہوتے ہیں۔

۱۱۔ کام بڑی سستی سے آگے چلتے ہیں کسی مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے نہ جانے کتنے مشورے کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح بیشتر وقت ضائع ہوتا رہتا ہے۔

۱۲۔ پارٹی بازی کی وجہ سے حکومت کے کاموں میں تسلسل نہیں رہتا۔ ہر جیتنے والی پارٹی اپنا منشور اور اپنا پروگرام لے کر آتی ہے۔ اس طرح سابقہ کیا ہوا کام بھی بے نتیجہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح حکومت کو بہت مالی نقصان پہنچتا ہے۔

## مغربی جمہوریت کے اصول

جمہوریت دراصل مذہبی پاپائیت اور بادشاہت کے خلاف رد عمل ہے۔ جو صدیوں سے اہل مغرب کے دل و دماغ میں یکتا رہا اور جسے کلیسا اور قیصر کے ظلم و ستم نے جلا بخشی قیصر و کلیسا کے خلاف مغربی عوام کی کامیابی دنوں اور ہفتوں پر محیط نہیں بلکہ اس منزل تک پہنچنے کے لئے ایک ایک قدم صدیوں میں اٹھانا پڑا۔ مغربی جمہوریت جن اصولوں پر قائم ہے وہ درج ذیل ہیں۔

### ا۔ عوام کی حکومت:

جمہوریت کا سب سے بڑا دعویٰ یہ ہے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ اقتدار اعلیٰ انہی کے پاس ہے۔ انہی کی



Marfat.com

خواہش کو قانون کا درجہ دیا جائے گا۔

**۲۔ مذہب سے علیحدگی:**

چونکہ جمہوریت کے پس منظر میں مذہب دشمنی کی ایک پوری تاریخ ہے۔ چنانچہ یہاں یہ اصول رائج ہیں کہ مذہب کو سیاست میں دخل انداز ہونے سے روکا جائے۔ مذہب انسان کا نجی معاملہ ہے۔ ہر فرد جسے اپنی دانست اور بصیرت کے مطابق انجام دیتا ہے۔ ریاست کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ریاست کا خود کوئی مذہب نہیں سارے مذاہب ریاست کی نظر میں برابر ہیں۔

**۳۔ لبرل ازم:**

یعنی مادر پدر آزادی۔ اس اصول کے تحت معاشرے کا کوئی فرد کچھ بھی کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ مرد مرد سے اور عورت دوسری عورت سے شادی کر سکتے ہیں۔ خدا کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں، خرافات بک سکتے ہیں ریاست کا نظام ان پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتا۔

**۴۔ سرمایہ داری:**

سرمایہ داری نظام جمہوریت کی رگوں میں دوڑنے والا خون ہے۔ بغیر سرمایہ کے نہ الیکشن میں حصہ لیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کامیابی کا امکان ہے۔

**۵۔ قوم پرستی:**

مغربی جمہوری نظام کی ایک عطاء بے بہا قوم پرستی ہے مذہب کے انکار کے بعد رنگ نسل زبان اور علاقوں کی بنیاد پر انسانوں کو جوڑنا اور ان کو اقوام وملل میں تقسیم کرنا جدید دور کا شاخسانہ ہے۔ ظلم تو یہ ہے کہ اس آفت نے امت مسلمہ کو بھی اپنے دورِ زوال میں گھیر لیا ہے۔ چنانچہ رنگ نسل اور زبان سے بالاتر ایک خدا، ایک رسول اور مرکز ملت پر یقین رکھنے والی امت بھی ٹکڑوں میں بٹ گئی۔

عرب اور غیر عرب، ایرانی اور افغانی کا نعرہ بلند ہوا۔ قوم پرستی کا دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا جارہا ہے۔ ترک پھر ترک نہیں رہتے۔ کرد اور غیر کردوں کی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ افغانی پھر افغانی نہیں رہتے۔ پشتون اور فارسی بن جاتے ہیں۔ برطانوی انگریز، سکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور انگلینڈ کی حدبندیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

**۶۔ پارٹی سسٹم**

مغرب کا سیاسی نظام اور سیاسی جماعتیں لازم وملزوم ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے بغیر کسی بھی سیاسی نظام کا تصور محال ہے۔ قوم عموماً دو بڑی سیاسی جماعتوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ جماعت کے منشور، پالیسی اور حکمت عملی کا ہر دم پرچار کیا جاتا ہے۔ برسر اقتدار گروہ اگر اچھا کام بھی کرے تو مخالف جماعت بے جا تنقید اور مخالفت میں سرگرم رہتی ہے۔ جبکہ برسر اقتدار پارٹی غلط کام بھی کرے تو اس کی جماعت حمایت کرتی ہے۔ گویا حمایت اور مخالفت کا معیار سیاسی



Marfat.com

جماعت ہے نہ کہ ملکی اور قومی مفاد۔ اسی طرح ووٹ بھی پارٹی مفاد میں دیا جاتا ہے۔

انتخاب جیتنے کے لئے اور دوسری جماعت کو نیچا دکھانے کیلئے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن پر جمہوری نظام کے چاہنے والوں کو فخر ہے۔

تو نے دیکھا نہیں مغرب کا تہذیبی نظام
چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر

## ریاست سے مراد

وہ ارفع معاشرتی ادارہ جو انسان کے تمدنی امور کو قانون کی رو سے سرانجام دینے کے لئے وجود میں آتا ہے۔ "ریاست یا مملکت" کہلاتا ہے۔ مملکت خاندان اور دیہاتوں کی اس تنظیم کا نام ہے جس کا مقصد مکمل اور آزاد زندگی کی سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔ Bluntshli کہتا ہے: مملکت لوگوں کی وہ منظم سیاسی جماعت ہے جو کسی مقام پر رہتی ہو۔ ڈاکٹر Woodrow wilson کے مطابق ریاست سے مراد افراد کے کسی مخصوص علاقہ کے اندر قانون کے مطابق منظم ہونا ہے۔

برجس کے مطابق مملکت انسانوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں سیاسی تنظیم موجود ہو۔ "گارنر" نے زیادہ واضح تعریف کی ہے مملکت کم یا زیادہ افراد کی وہ سیاسی جماعت ہے جو دائمی طور پر کسی خاص خطہ زمین پر قابض اور تمام خارجی اثرات سے آزاد ہو۔ جس کی ایک منظم حکومت ہو۔ اور جس کی لوگ اطاعت کریں۔ (۲)

## اسلامی نقطہ نگاہ سے مملکت کی تعریف یہ ہے کہ: -

مملکت (State) وہ بلند ترین معاشرتی ادارہ جو انسانیت کے دینی اور دنیاوی معاملات کو قانون کی رو سے سرانجام دینے کے لئے وجود میں آتا ہے۔ مملکت کے کم از کم اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں۔

### ا۔ آبادی:

آبادی مملکت کے وجود کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بغیر آبادی کے مملکت کا تصور ہی ناممکن ہے کیونکہ مملکت نام ہے اس بلند ترین معاشرتی ادارے کا جو انسان کی تمدنی زندگی کے معاملات کو قانون کی رو سے سرانجام دیتا ہو۔

### ۲۔ علاقہ:

ریاست کا دوسرا جزو علاقہ ہے۔ آبادی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مخصوص علاقے میں آباد ہوں۔ جس کا مناسب حدود اربعہ ہو۔



Marfat.com

**۳۔ تنظیمی ڈھانچہ:**
ریاست کا تیسرا جزو تنظیمی ڈھانچہ ہے جو معاشرے کے تمام طبقات اور اداروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

**۴۔ حکومت:**
ریاست کا چوتھا جزو حکومت ہے۔ حکومت اس مشینری کا نام ہے جو ریاست کے فیصلوں کو نافذ کرتی ہے اور امن وامان قائم کرتی ہے

**۵۔ دستور:**
ریاست کا پانچواں جزو دستور ہے۔ دستور اس مجموعہ ضوابط کا نام ہے۔ جس میں مملکت کے نظام، تقسیم اختیارات اور مختلف حکومتوں کے باہمی تعلقات سے اصولی بحث ہوتی ہے۔

**۶۔ اقتدار اعلیٰ:**
ریاست کا چھٹا جزو اختیار اعلیٰ ہے۔ اقتدار اعلیٰ سے وہ بالا طاقت مراد ہے جو مملکت کی حدود کے اندر سب انجمنوں پر فائق ہوتی ہے۔

## ریاست کی اہمیت اسلام میں

قرآن مجید ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ بہت سے عظیم انبیاء نے بذات خود سلطنت اور حکومت کے امور میں حصہ لیا جیسے حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ جبکہ بہت سے انبیاءؑ نے ظالم اور غیر فطری حکومتوں کی مخالفت کی اور علم و حکمت کے ذریعے عوام اور حکومتوں کی اصلاح کا کام کیا۔ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى (۳) "جاؤ فرعون کے پاس اس نے اللہ کے احکام سے بغاوت کی ہے"۔ ہمارے نبیؐ خاتم النبیین تھے اور ان دونوں کمالات کے جامع تھے۔ آپؐ نے نبوت کے ابتدائی تیرہ سال میں علم و حکمت کی تعلیم اور اللہ کی آیتوں کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کا کام کیا اور جب حالات بدلے تو آپؐ نے مدینہ میں انسانوں کی دنیوی و اخروی کامیابیوں کی حامل مثالی حکومت قائم فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں نبوت کی حکومت رہے گی وہ ختم ہو جائے تو منہاج نبوت پر خلافت قائم ہو گی۔

## اسلامی ریاست کا مقصد

قرآن مجید کی رو سے اسلامی ریاست کی تشکیل کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کے نازل کردہ احکام کو عملاً نافذ کیا جائے۔ اس کی عبادت کا نظام قائم ہو اور نیکی کی اشاعت اور برائی کی روک تھام کے لئے حکومت کے وسیلے اور قوت کو استعمال میں لایا جائے۔ اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ (۴) ترجمہ۔"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین کی حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے"۔



Marfat.com

اس طرح اسی امت کو پوری انسانیت کیلئے حق، خیر اور معروف کا داعی بنا دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی حکومت انسانوں کے لئے مبلغ اور معلم کی حیثیت رکھتی ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ (۵) ترجمہ "تم دنیا میں ایک بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے اور بدی کو روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

## اسلامی جمہوری ریاست کی خصوصیات

### قیام عدل:

اسلامی ریاست کا مقصد کسی شخص یا قوم کا اقتدار قائم کرنا نہیں بلکہ زندگی کا وہ متوازن اور عادلانہ نظام بپا کرنا ہے۔ جو خدا کے پیغمبر دنیا میں پیش کرتے رہے ہیں۔ اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل و مکمل صورت میں دنیا والوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۶) بلاشبہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن ہدایت دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں"۔ پس احکام الٰہی کے مطابق لوگوں میں عدل و انصاف کا قیام اسلامی ریاست کے اولین مقاصد میں سے ہے۔

اسلامی ریاست رنگ نسل خون یا علاقائیت کے رشتوں سے بالاتر انسانی مساوات اور تصور اخوت کے وسیع ترین نظریات پر قائم ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق تمام معنوی خوبیاں اور امارت مسلمین کے لئے ضروری صلاحیتیں موجود ہیں تو اس کی اطاعت ضروری ہوگی۔ اگرچہ وہ ظاہری شکل و صورت یا رنگ و نسل کے اعتبار سے امتیازی حیثیت کا حامل نہ ہو۔

نبی کریمؐ نے فرمایا ان امر علیکم عبد مجدع یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا واطیعوا (۷) "اگر تم پر کوئی نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے حکم کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو"۔ گویا اسلامی ریاست میں رہنے والے تمام باشندے حکمران رعایا امیر و غریب سب برابر ہیں۔ قانون سب سے بالاتر ہے یہ ہی میزان ہے یہ ہی معیار ہے اور اسی کے مطابق تمام تنازعات فیصل کئے جائیں گے۔ اور کسی کو اپنی دولت و ثروت، عزت و اقتدار، جاہ و جلال کی بنیاد پر کسی قسم کی چھوٹ نہ ہوگی۔ جو گناہ ہے وہ سب کے لئے گناہ ہے۔ سزا سب کے لئے ایک جیسی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ترجمہ: تم میں سے پہلے جو قومیں گزریں وہ اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ وہ لوگ کمزور درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر میری اپنی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا (۸)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقیموا حدود اللہ فی القریب والبعید و لا یاخذکم فی اللہ لومۃ لائم (۹)۔



Marfat.com

## اسلامی ریاست کا سربراہ:

ریاست کا سربراہ، شہنشاہ، ڈکٹیٹر، یا دولت مند نمائندہ نہیں، بلکہ بہترین صلاحیتیں رکھنے والا شخص ہو جسے مسلمان باہم مشورے سے اپنے امور کا ولی بنائیں۔ سورہ بقرہ میں طالوت کے قصے میں سربراہ کے لئے دو شرائط بتائی گئی تھیں۔ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۱۰) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین علمی اور جسمانی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۱۱) ترجمہ: بیشک تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ معزز شخص وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ ان آیات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کا امیر بہترین علمی و بدنی قوتوں کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور امانت کا پیکر ہونا چاہیے جس پر قوم کا اعتماد ہو اور اس کے ساتھ ہی اسے اہل رائے اور اہل وطن کی حمایت حاصل ہو۔

## حکام کا انتخاب:

اسلامی حکومت میں امیر، وزراء، سرکاری افسران اور اہلکاروں کے انتخاب میں دو چیزوں کا اہتمام کیا جائے۔

۱۔ عہدے اہلیت کے اعتبار سے دیئے جائیں۔ اللہ کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (۱۲) ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں اور ذمہ داریوں کو ان کے اہل لوگوں کے سپرد کرو۔

۲۔ جو لوگ خود عہدے کے خواہشمند ہوں انھیں عہدہ نہ دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا واللہ لا نولی علی عملنا ھذا احدا سألہ او حرص علیہ (۱۳) ترجمہ: خدا کی قسم ہم اپنی اس حکومت کے کام پر کسی شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اس کی درخواست کرے یا اس کا حریص ہو۔

## مجلس شوریٰ:

اسلامی نظام حکومت کا دوسرا ستون شوریٰ کا مضبوط نظام ہے۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے لا خلافۃ الا عن مشورۃ۔ " مشورے کے بغیر خلافت کی کوئی حیثیت نہیں" اس لیے جس طرح مسلمانوں پر امیر کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح امیر کے لیے مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی پابندی ضروری ہے۔ نبیؐ پر شب و روز وحی نازل ہوتی تھی اس لیے وہ مشورہ کے محتاج نہ تھے پھر بھی آپؐ کو مشورہ کرنے کا حکم ہوا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (۱۴) " اور (ان صحابہؓ) سے مشورہ کرو اور جب تمہارا عزم قائم ہو جائے اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو اور اسے نافذ کرو"۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا مشاورۃ اھل الرأی ثم اتباعھم (۱۵) ۔"امیر کا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کے مشورہ کا پابند ہونا ہی عزم ہے"۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے من تامر منکم علی غیر مشورۃ من المسلمین فاضربوا عنقہ (۱۶) "تم میں سے جو کوئی مسلمانوں کے مشورے کے بغیر زبردستی امیر بنے اس کی گردن مار دو" اس کے علاوہ ہر شخص ہر وقت مفید مشورے، مجلس شوریٰ تک پہنچا سکتا ہے اور اس طرح وہ نظام حکومت میں برابر کا شریک ہے۔



Marfat.com

## اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کا تصور

اقتدارِ اعلیٰ کے متعلق سیاسی نظریات اور اسلامی نظریے کا اختلاف ہے۔ سیاسی نظریات کی رو سے اقتدارِ اعلیٰ یا تو فردِ واحد کے ہاتھ میں ہو گا۔ یا چند افراد کے ہاتھ میں یا چرچ کے ہاتھ میں۔ لیکن اسلام کی رو سے اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ کوئی بندہ کسی دوسرے بندے پر حکومت نہیں کر سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۱۷) " حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو حاصل ہے"۔

جو امارات کے منصب پر متمکن ہو گا وہ صرف اللہ کے قانون کا تابع ہو گا۔ اگر وہ قانون الٰہی سے سر مو اختلاف کرے تو عوام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ امیر کو معزول کر دیں۔ ارشاد الٰہی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ (۱۸) " جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں"۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا تھا" پس اگر میں نیکی کی زندگی اختیار کروں تو میری مدد کرو۔ اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو"۔

## غیر مسلم ریاستوں کا اقلیتوں سے رویہ

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب سے ریاست نے جنم لیا ہے، اقلیتوں اور ماتحت اقوام کا وجود ذلت و مسکنت کا نشانہ بنا رہا ہے۔ حاکم قوم نے محکوم قوم کو ذلیل و رسوا کیا ہے۔ محکوم قوم کو اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی آزادی سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اسلام سے قبل تمام متمدن حکومتوں میں اقلیتوں کی حالت ناگفتہ تھی۔ مثلاً مصر میں قبطی قوم حکمران تھی۔ وہ اقلیت بنی اسرائیل سے نہایت ہی ذلت آمیز سلوک کرتی تھی۔ ان سے بیگار لیا جاتا۔ اور انکار کرنے والوں کو زندگی سے ہاتھ دھونے پڑتے۔

ان کے جان و مال قبطیوں کے ہاتھوں محفوظ نہ تھے۔ مصریوں نے ہر قسم کا تشدد کر کے ان سے کام لیا۔ جب بنی اسرائیل محکومیت اور مظلومیت کے پھندے سے باہر نکلی تو ماتحتوں کے لئے یہ حکم دیا"جب خداوند (تیرا خدا) اسے تیرے قبضے میں کر دیوے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑ"۔(۱۹)

ساؤل جسے خداوند نے سموئیل کی معرفت بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا تھا، نے حکم دیا "سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب جو کچھ ان کا ہے یک لخت حرم کر (قتل کر) اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت اور ننھے بچے اور شیر خوار بیل، بھیڑ، اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر (۲۰)

**بابل:** بابل کے بادشاہ بخت نصر کے عہد میں بنی اسرائیل کو نظر بند کیا گیا۔ ان سے ہر قسم کا ذلت آمیز سلوک کیا جاتا۔ ان کو سماجی و دینی آزادی حاصل نہ تھی۔ ۶۰ فٹ لمبا سونے کا بت بنا کر انہیں پوجنے پر مجبور کیا گیا۔ جو اس سے انکار کرتا، نذر آتش کر دیا جاتا۔

**یونان:** یونان میں اقلیتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ یونانی فلسفی ارسطو نے ملکی استحکام اور بقا کے لیے غلام



Marfat.com

کے وجود کو ناگزیر قرار دیا اور کہا: غلام ایک ایسا ذی روح آلہ ہے جس کے ذریعے زندگی کا نظام چل رہا ہے۔ یونانی قوم جن ممالک کو مغلوب کر لیتی، وہاں کے باشندوں کو غلام بنا لیتی۔ اور پھر ان سے ذلت آمیز اور مشقت کا کام لیا جاتا۔

**رومی سلطنت:** روم میں بھی اقلیتوں کا برا حال تھا۔ جو لوگ گرفتار ہوتے تھے، روما کے بازاروں میں ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ رومی بادشاہ انہیں جبراً عیسائی بناتے۔ ان کے مذہبی ادارے توڑ دیئے گئے۔ بعض تنگ آ کر خودکشی کر لیتے۔

**فارس:** فارسی اکثریت نے عیسائی اقلیت کو ظلم و استبداد کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ معمولی سی غلطی پر ان کو انتہائی سخت سزا دی جاتی تھی۔

غرضیکہ اس قسم کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

## مسلمانوں کا اقلیتوں سے سلوک

ایک بار قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا۔ تو حضرت عمرؓ نے قاتل کو گرفتار کر کے مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دیا۔ ورثاء نے اسے قتل کر دیا حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ عیسائی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر قرار دیتے تھے۔

دور جدید کا مؤرخ فلپ کے ہٹی (Philip. K. Hitti) نے اگرچہ فاروق اعظمؓ کے بارے میں زیادہ انصاف سے کام نہیں لیا مگر یہ کہنے سے نہ رہ سکا۔ Being outside the pale of moslem law, they were allowed the Jurisdiction of theireren religious communities. (21)

ترجمہ "قانون اسلامی کے دائرے سے باہر ہونے کی وجہ سے ذمیوں کو اپنے مذہبی فرقوں کے مقدمات فیصل کرنے کا عدالتی اختیار حاصل تھا"۔

مشہور شیعہ مؤرخ امیر علی نے بھی فاروق اعظمؓ کی اس رواداری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے" مسلمانوں کو حکماً لوگوں کے دین میں مداخلت سے روک دیا گیا" (۲۲)

ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے فاروق اعظمؓ کی رواداری پر یوں روشنی ڈالی۔ They were allowed the free and undisturbed exercise of their religion. (23)

ترجمہ: ذمیوں کو اپنی مذہبی اصول ادا کرنے کی بلا روک ٹوک کھلی اجازت تھی۔

اسلامی حکومت میں بیت المال سے رضا کاروں کو جو تنخواہیں ملتی تھیں اس میں ذمی برابر کے شریک تھے۔ خیبر کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں پر سازش اور بغاوت جیسے الزامات ثابت ہو چکے تھے۔ لیکن ان سے باز پرس نہ کی گئی۔ صرف اتنا حکم دیا گیا کہ ان علاقوں کو چھوڑ کر کہیں اور جا کر بس جائیں۔ اور بیت المال سے ان کی املاک سے پورا پورا معاوضہ ادا کر دیا گیا۔ سفر کی سہولتیں دی گئیں۔ بلکہ کچھ عرصہ کے لئے جزیہ معاف کر دیا گیا۔ یہ جلاوطنی نہیں نقل مکانی تھی، اس دور میں ایسے سازشیوں کو قتل کر دیا جاتا یا ملک بدر کر دیا جاتا تھا۔ مگر فاروق اعظمؓ نے تنگ دلی اور تعصب کے دور میں بھی ایسا نہ کیا۔



Marfat.com

## ریاست میں خلافت کی اصطلاح

شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ اور شاہ عبد العزیز نے تحفہ اثنا عشریہ میں ریاست کے سلسلہ میں امامت اور خلافت کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اسلامی سیاسی فکر کے مطالعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ امت ریاست کے معنوں میں ہے تو خلافت حکومت کے معنوں میں۔ قاضی ابو الحسن علی الماوردی نے بتایا ہے کہ دین کی حفاظت اور دنیا کا انتظام برقرار رکھنے کے لئے امامت و خلافت ضروری ہے (۲۴) قرآن مجید میں ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ط (۲۵) ترجمہ: جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا، مستحکم اور پائیدار بنائے گا۔ اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری (اللہ کی) عبادت کریں گے۔ اور میرے (اللہ کے) ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ آیت مذکورہ میں خلافت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

### اسلامی خلافت کی خصوصیات:

۱۔ اسلامی خلافت کی پہلی خصوصیت جو اسکو دوسرے سیاسی نظاموں سے جدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ طرزِ حکومت دین اور دنیا دونوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، دوسرے سیاسی نظام صرف دنیا کے امور سے تعلق رکھتے ہیں اور دین کے تصور کو اپنے نظام سے خارج کرتے ہیں۔

۲۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور ان کو ابنائے جنس پر نافذ کرنا جس نظام میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری نہ ہو گی، وہ خلافت نہیں کہلائے گا۔

۳۔ خلافت اسلامی میں مقتدرِ اعلیٰ محض اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس کے علاوہ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۲۶) ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (۲۷) "پس حکم (اقتدارِ اعلیٰ) اللہ کا ہی ہے۔ جو سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے"۔ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے لئے ہے"۔

۴۔ جب حکومت امور عامہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر افراد امت کو معروفات کا حکم دیتی ہے اور منکرات سے روکتی ہے تو وہ امارت امت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ یہ لفظ امیر سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں حکم، اور حکم حکومت کا فعل ہے۔

## اسلامی جمہوری حکومت کے فرائض

### جان، مال، عزت کی حفاظت:

اسلامی جمہوری حکومت کا اولین فریضہ شہریوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کرنا ہے۔ قرآن حکیم کا



Marfat.com

فرمان ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (۲۸) " کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو" لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۲۹) "اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ" لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (۳۰)۔ نبیؐ کا ارشاد ہے كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله و عرضه (۳۱) " مسلمان کی ہر چیز ہر مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی"۔ اگر کوئی حکومت جان ومال اور ناموس کی حفاظت نہیں کر پاتی تو اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتی ہے۔

## شخصی آزادی:

اسلامی حکومت میں ہر شخص کو شخصی آزادی حاصل ہے جب تک کہ وہ دوسروں کے مفاد کو پامال نہیں کرتا۔ نبیؐ نے فرمایا" برے لوگ ہیں وہ جو انسانوں کی خرید و فرخت کرتے ہیں" (۳۲)

## مذہبی آزادی:

قرآن مجید نے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۳۳)۔ اور لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (۳۴) فرما کر مکمل آزادی دی، تاکہ ہر فرد اپنی مرضی اور اپنے خیال کے مطابق مذہبی طور طریقے اختیار کر سکے۔

## دو قومی نظریہ

یہ مملکت خالصتاً ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک تہذیب اور ایک ثقافت کی سر زمین ہے، جس کا حصول بیسویں صدی کا بڑا سیاسی معجزہ ہے۔ اس پس منظر میں علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے محکم ہے جمعیت تری
دامنِ دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

قائد اعظم محمد علی جناح نے ایک موقع پر فرمایا کہ پاکستان تو اسی روز وجود میں آ گیا تھا جب کسی پہلے ہندوستانی نے اسلام قبول کیا۔ برصغیر میں مسلمان حکمرانی اور اقتدار کے باوجود ہمیشہ ایک اقلیت میں رہے اور انہوں نے برصغیر کے دوسرے مذاہب اور اقوام کے لئے ایک عادلانہ رویہ اختیار کیا اور ان کے حقوق کی ہمیشہ پاسبانی کی برصغیر میں مسلم اقتدار کے زوال کے بہت سے اسباب ہیں مگر مسلمان نہ تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کو ہضم کر سکے اور نہ پنجاب کی سکھ حکومت کے مظالم کو فراموش کر سکے۔ برطانوی استعمار نے مسلمانوں کو ان کے حقوق کے مسلسل اتلاف کے باعث



Marfat.com

دیوار سے لگا دیا۔ مسلمانوں کے معاشی استحصال کی یہ ایک بدترین تصویر ہے۔ جو ہمارے سامنے اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ موجود ہے۔ ادھر سکھوں نے پنجاب میں مسلم مذہبی اقدار کو جو ضعف پہنچایا اس کے دلخراش مناظر بھی فراموش کئے جانے کے لائق نہیں۔ اس پوری صورتحال میں ہندو، برطانوی استعمار کی ملی بھگت سے مسلم اقتدار کی ہزار سالہ روایت کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ مگر مسلمانانِ ہند نے ملی غیرت اور تاریخی شعور کا مظاہرہ کیا، تحریک مجاہدین ایک شعلہ بن کر اٹھی اور نئی تاریخ رقم کی۔ دو قومی نظریہ برصغیر میں ایک ایسی واحد اور ٹھوس بنیاد تھی کہ جس کی بناء پر مسلمان اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کا عقیدہ، تصور زندگی، مراسم و عبادات، تہذیب و ثقافت، معاشرتی انداز اور تہوار، علوم و فنون اور زبان و ادب سب ہندوؤں سے جداگانہ طرز رکھتے ہیں۔ اردو ہندی تنازع نے اشتراک کی جو معمولی سی گنجائش باقی تھی اسے بھی ختم کر دیا۔ ہندوؤں کی منفی اور انتقامی ذہنیت بہت جلد واضح ہوتی چلی گئی تعلیم میں واردھا سکیم اور بندے ماترم کے ہندو ترانے نے مستقبل کی تصویر کو اور بھی واضح کر دیا۔ شدھی اور سنگٹھن کی تحریکوں نے ہندوؤں کے دلوں میں چھپے ہوئے چور کو مزید نمایاں کر دیا۔ حالات و واقعات کے اس پس منظر میں کیا کوئی بدگمانی کر سکتا ہے کہ جدوجہد آزادی کی یہ مسلم تحریک محض منتقمانہ جذبات کے ردِ عمل میں جاری تھی یا محض سیاسی مراعات اور حقوق کی بازیابی اس کا مقصد تھا۔ یہ سب عوامل اور محرکات اپنے مقام پر ایک جزوی صداقت رکھتے تھے مگر اس جدوجہد آزادی کا حقیقی مقصود مسلم تشخص کی حفاظت تھی۔ اسلامی نظریے اور عقیدے کا دفاع تھا۔ مسلم تہذیب و ثقافت کی اقدار کا احیاء تھا۔ اور دستوری اور آئینی سطح پر مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل ایک اسلامی ریاست کا قیام تھا۔ انہی مذکورہ مقاصد کی روح ایک جامع اصطلاح میں نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے۔

## اسلامی ریاست پاکستان کا وجود میں آنا:

پہلی مملکت یکم ہجری کو مدینہ منورہ میں وجود میں آئی۔ وہ اسلامی ریاست نبیؐ کی مقدس قیادت میں قائم ہوئی۔ مدینہ منورہ کی ریاست فقط اس دور کے لئے نہیں بلکہ رہتی دنیا تک ہر دور اور ہر ملک کے لئے مثالی مملکت رہے گی۔ اس کا معمولی رنگ بھی پالینا کسی مملکت کے لئے باعثِ صد افتخار و ناز ہو گا۔

پھر چشم فلک نے دیکھا کہ ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد ایک مرتبہ پھر اسلام کی خاطر اسلام کے نام پر ایک مملکت وجود میں آئی جس کا نام پاکستان ہے۔ نظریہ انقلاب، نظریہ پاکستان بنا اور یہی نعرہ کفر کے سب بتوں کو پاش پاش کر گیا۔ پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لا الہ الا اللہ اس کے پس منظر میں بھی وہی منظر ہے کہ جب مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست وجود میں آئی تھی اس وقت بھی ہر طرف جھوٹے معبودوں کا چرچا تھا۔ نسل اور رنگ کی پوجا تھی۔ اللہ واحد کا اور احترام انسانیت کا نام لیوا کوئی بھی نہ تھا۔ اور قیام پاکستان کے دور میں بھی دنیا میں ہر طرف نسل، قومیت، وطنیت، مادیت، اشتراکیت، اور سرمایہ داری کی پرستش تھی۔ اللہ وحدہ لاشریک کا نام نعوذ باللہ جہالت اور رجعت پسندی سمجھا جاتا تھا۔ اور اسلامی لائحہ حیات شریعت محمدیؐ کے عملاً برتر ہونے کا تصور تو شاید بڑے بڑے علماء کے ذہنوں سے دور ہو چکا تھا۔ اس انقلاب کے لانے کی بنیاد قومی رویے میں مکمل تبدیلی تھی۔ جب ملت اسلام کا تصور حقیقت کا روپ دھار



Marfat.com

گیا تو حالات کا پانسا اللہ کریم کی رحمت سے بدل گیا۔ غلامی، آزادی اور تاریکی، روشنی میں بدل گئی۔

## ریاست کو آئین کی ضرورت

ہر مملکت کو چلانے کے لئے ایک دستور یا آئین کی ضرورت ہوتی ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرض وجود میں آنے والی دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی تاریخ اس لحاظ سے افسوسناک ہے کہ قیام پاکستان کے بعد ہم آئین سازی جیسے اہم معاملات میں ایسے الجھے کہ آج تک قوم آئین کے نفاذ کی حقیقی برکتوں سے محروم ہے۔

۱۰ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی پہلی دستور اسمبلی کا اجلاس قائد اعظم کی صدارت میں ہوا۔ اسمبلی نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں چند ترامیم کر کے اسے عارضی طور پر آئین پاکستان کی حیثیت دی۔ دستور ساز اسمبلی کے فرائض میں ہر دو چیزیں شامل تھیں۔

۱۔ نوزائیدہ مملکت کے لئے آئین تیار کرنا۔

۲۔ آئین کی تیاری اور نفاذ تک وفاقی قانون ساز ادارں کا پارلیمنٹ کے فرائض سرانجام دینا۔

## آئین ۱۹۵۶ء:

پاکستان کی دستوری تاریخ کا سب سے پہلا آئین ۱۹۵۶ء میں نافذ ہوا۔ اس آئین کے تحریری مسودہ میں ۲۳۴ دفعات اور ۶ گوشوارے شامل تھے۔ آئین کا نفاذ ۲۳/ مارچ ۱۹۵۶ء کو ہوا۔ جس کے بعد گورنر جنرل اسکندر مرزا نے صدر پاکستان کے عہدے کا حلف اٹھایا۔

## ناکامی کے اسباب:

آئین کی افادیت اور اسلامی دفعات سے ملک صرف اسے صورت میں فیض یاب ہو سکتا تھا، جب آئین کے تحت انتخابات ہوتے اور اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جاتا۔ اور ملک میں جمہوری عمل شروع ہو جاتا۔ مگر بد قسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ عوام کی اکثریت ناخواندہ ہونے کی وجہ سے آئین کی اہمیت و افادیت سے ناآشنا تھی۔ لہٰذا حکومت پر عوام کی طرف سے کسی دباؤ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ جبکہ حکمران ایوان اقتدار کے مزے لوٹ رہے تھے، انہیں آئین کے نفاذ کی کون سی ضرورت تھی۔ سیاست دانوں کی باہمی چپقلش اور اقتدار کی رسہ کشی کا یہ نتیجہ نکلا کہ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدر مملکت نے ۱۹۵۶ء کا آئین منسوخ کر کے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ سکندر مرزا نے جس اقتدار کو بچانے کے لئے مارشل لاء لگایا تھا۔ بالآخر اسی فوج نے ملک کے بہترین مفاد کے نام پر انہیں ایوان صدر سے رات کے اندھیرے میں چلتا کیا۔

## ۱۹۶۲ء کا آئین:

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اقتدار سنبھالنے کے بعد نئے آئین کی تیاری کا کام شروع کیا۔ اور اسطرح پاکستان کا دوسرا آئین ۱۹۶۲ء میں نافذ ہوا۔ یہ آئین ۱۲ حصوں پر مشتمل تھا جسکی ۲۵۰ دفعات اور ۵ گوشوارے تھے۔



Marfat.com

## ناکامی کے اسباب:

۱۹۶۲ء کے آئین کے بارے میں عوامی رائے یہ تھی کہ یہ آئین فرد واحد کی ذاتی خواہشات کا آئینہ دار ہے۔ یہی وجہ تھی عوام اور سیاسی پارٹیوں نے اسے دل سے قبول نہیں کیا۔ آئین میں بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت کا واضح الفاظ میں ذکر نہ تھا۔ جو عوامی دباؤ کی بناء پر بعد میں شامل کی گئی۔ اسلامی قوانین کا ذکر اس آئین میں تو موجود تھا مگر ان قوانین کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کوئی قابل ذکر کوشش نہ کی گئی۔ ایوب خان کے طویل دور کے بعد جب ہنگامے شروع ہو گئے تو ایوب خان نے خود قانون کی خلاف ورزی کی اور اقتدارِ اسپیکر کی بجائے کمانڈر انچیف بری فوج جنرل یحیٰی خان کے حوالے کر دیا گیا۔

## ۱۹۷۳ء کا آئین:

۷ اپریل ۱۹۷۲ء کو صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کے نئے آئین کی تشکیل کے لئے ایک کمیٹی بنائی۔ جس نے ۱۲ اپریل ۱۹۷۳ء کو نئے دستور کا مسودہ اسمبلی میں پیش کیا۔ جس پر حکومتی اور اپوزیشن ارکان نے طویل بحث مباحثے اور صلاح مشورے کے بعد منظوری دے دی۔ اس آئین کو ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو نافذ کر دیا گیا۔ یہ آئین پاکستان کا وہ واحد آئین ہے جسے حکومت اور اپوزیشن کے منتخب ارکان اسمبلی کی بھرپور تائید حاصل تھی۔

جنرل ضیاء الحق اور پھر جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالنے پر آئین کو معطل کیا۔ سیاستدانوں نے ۷۳ء کے آئین میں یکے بعد دیگرے کئی ترامیم کیں۔

دوسری ترمیم ستمبر ۱۹۷۴ء میں کی گئی جو بے حد اہم ہے اس ترمیم کے تحت حضرت محمدؐ کو آخری نبی نہ ماننے والے فرقے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیتے ہوئے اقلیت تسلیم کیا گیا۔

## پاکستان میں جمہوریت کا کھیل

پھر ایک وقت آیا جب پاکستان کی مجلس آئین ساز کا اجلاس تھا۔ برطانوی سلطنت کا باجبروت نمائندہ کہہ رہا تھا 'آج میں آپ سے وائسرائے کی حیثیت سے مخاطب ہوں۔ کل سے ایک نئی اور آزاد مملکت کا ظہور ہو گا۔ گویا قرآن عظیم کا ارشاد پورا ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ (۳۵)۔ "مالک الملک تو ہی دیتا ہے ملک جس کو چاہتا ہے"۔ مسلمانان ہند نے سب سے بڑی اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔ اس کے بنانے والوں نے اپنے رب سے یہ عہد کیا تھا کہ ہم تیری زمین پر تیرا نام لیں گے۔ جہاں حاکمیت اللہ کی اور قانون قرآن حکیم کا ہو گا۔ جہاں فضیلت، شرافت نجابت کی بنیاد پر ہو گی، وسعت مال پر نہیں۔ کتنی عجیب بات ہے جب خالی ہاتھ اور خالی جیب تھے تو ایک نیا وطن حاصل کر لیا۔ لیکن جب خزانہ ملا، حکمرانی ملی تو خود فریبی کا شکار ہو کر آدھا ملک گنوا دیا۔

پاکستان بنا۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم نے وہ ستم ڈھایا کہ تاریخ لرز اٹھی۔ ڈیڑھ کروڑ کے قریب مہاجرین پاکستان آئے۔ ظلم، بربریت اور بیشمار دکھوں اور مصائب کی چادر میں لپٹے ہوئے۔ کسی کا باپ شہید ہوا، کسی کی بہن کی آبرو لٹی، کسی کی بیٹی وحشیوں کی بھینٹ چڑھی، لیکن سب کے چہروں پر ایک ہی چمک اور ایک ہی امید تھی۔ نئے



Marfat.com

ماحول، نئی رتوں، نئی زندگی کی امید۔ اپنے وطن کی خدمت کے جذبے سے سرشار ایک باوقار قوم بن کر ابھرنے کا عزم۔ مسلمانوں کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی انہوں نے اپنے اندر کی رسی کو مضبوطی سے تھاما، اسلام نے ان کو سرفراز کیا لیکن المیہ یہ ہوا کہ جب ہماری تاریخ بننے کا وقت تھا ہمارے تاریخ سازوں نے قدم پیچھے کی جانب اٹھانے شروع کر دئے۔ اسلام کے نام پر اسلام کا مذاق اڑانا ہمارا شعار بن گیا۔ امت دو طبقوں میں تقسیم ہو گئی۔ وڈیروں، جاگیرداروں تاجروں اور صنعت کاروں کا طبقہ اور دوسرا ان لوگوں کو جو نانِ جویں کے محتاج ٹھہرے۔ وڈیروں کا یہ طبقہ انگریزوں کے دور سے لے کر آج تک حکمرانی کے مزے لوٹ رہا ہے۔

الیکشن کا کاروبار بھی طلسماتی شان رکھتا ہے۔ لاکھوں کی آبادی سے ایک مائی کا لعل منتخب ہوتا ہے۔ ٹکٹ لیتے اور دیتے وقت ایمان بکتا ہے۔ ضمیر خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔ اسپیشل فنڈز کی خیرات بٹتی ہے۔ تاجر اور صنعت کار کالے دھن سے بنی ہوئی بوریاں لے کر ایمان کے سودوں کے نہ صرف گواہ بنتے ہیں بلکہ ادائیگیاں بھی ان کے بینکاروں کے ذمے لگائی جاتی ہیں۔ پھر الیکشن کے بعد وزارتوں کی بندر بانٹ، مشیروں کی تقرریاں اور پرکشش عہدوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ جس ملک میں قانون کی حکمرانی اور آئین کی عظمت کا یہ حال ہو وہاں ملک سے محبت کے جذبات کیسے پنپ سکتے ہیں۔ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے یہی سزا کافی تھی کہ ہمارا ملک دولخت ہو گیا، جس فوج کا سربراہ آخری گولی اور آخری سپاہی تک جنگ کا دعویٰ کر رہا تھا، اسی کی سربراہی میں نوے ہزار فوجیوں نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالے۔ اگر ہم اس وقت سنبھل جاتے، اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگتے تو اللہ ہم پر ضرور کرم فرماتا۔ مگر ہم تو ذلت و رسوائی کے زخم کھا کر اور بھی ڈھٹائی اور بے حیائی کی ہنسی ہنستے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے حالات ۱۹۷۱ء سے بھی زیادہ مخدوش ہیں۔ آج ہم انتہائی بے حس اور بے حمیت معاشرے میں زندہ ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ قانون اور حکومت کا خوف تو ختم ہوا ہی تھا، ہم اللہ کے خوف سے بھی بے نیاز ہو گئے ہیں۔ اور ہر آنے والے لمحے ہم عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں۔ ہم اپنے اکثر سیاستدانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے اپنے ملک کی بقاء اور سالمیت تک سے لاتعلق ہوتے جارہے ہیں۔ جہاں قانون اور عدل و انصاف صرف کتابوں میں نظر آئے۔ جہاں پانی مہنگا اور انسانی خون سستا ہو جائے۔ جہاں جمہوریت کے نام پر غیر جمہوری اقدار پروان چڑھنے لگے۔ جہاں ثقافت کے نام سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں غیر اسلامی تہذیب رواج پانے لگے۔ جہاں عورتوں کے سر سے دوپٹہ اور آنکھوں سے حیا غائب ہو جائے۔ جہاں ملک کی دولت سیاستدانوں اور بیوروکریٹس کی عیاشیوں پر خرچ ہونے لگے۔ جہاں علماء کے قافلے بھٹک جائیں، جہاں بزرگی کے نام پر سیاستدان اپنے بیٹوں کی وزارتوں کے لئے اپنے ضمیر بیچ دیں، جہاں جنسی تشدد، لوٹ مار، قتل و غارت گری عام ہو جائے۔ جہاں رشوت، حرام خوری، کم تولنا اور کم ماپنا باعثِ توقیر بن جائے، جہاں استاد بے حرمت اور طالب علموں کے ہاتھ میں کتاب کی جگہ کلاشنکوف آجائے۔ جہاں فضیلت کا معیار دولت بن جائے۔ جہاں اسلام رسموں تک محدود ہو جائے۔ جہاں رہبر راہزن بن جائیں، اس ملک سے کیسے محبت ہو گی۔

ذرا غور کریں کہ قیام پاکستان کے لئے قربانیاں اس لئے دی گئی تھیں کہ ہم سفید فام، غیر ملکی آقاؤں کی غلامی سے آزاد ہو کر کالوں کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ایک طرف عوام ہیں جو زندہ



Marfat.com

رہنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اور دوسری طرف جاگیر دار، وڈیرے، صنعتکار، تاجر، بیوروکریٹس، اور حکمران جن کا طرزِ زندگی ماضی کے بادشاہوں سے بھی بڑھ چڑھ کر نظر آتا ہے۔ اور طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات نہیں حکمران بن گئے ہیں۔ ہمارے لئے وہ وقت آپہنچا ہے کہ ہم اپنی تعمیر کریں۔ اگر یہ موقع کھو دیا تو شاید دوبارہ یہ موقع نہ مل سکے۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پر ہمیں اگر صحیح سلامت گزرنا ہے تو ہمیں اسوہء رسولؐ پر چلنا ہو گا ورنہ مزید ذلت ورسوائی ہمارا مقدر ہو گی۔ اور ہماری داستان تک نہ ہو گی داستانوں میں۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے پاس ایسا خطہ زمین ہے جو ہر قسم کی معدنی دولت اور دوسرے قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ ہمارے پاس افرادی، جغرافیائی اور مادی وسائل کی کمی نہیں۔ ہمارے پاس دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم اقوامِ عالم کی صف میں انتہائی پست مقام پر کھڑے ہیں۔ نہ ہمارے تعلیمی اداروں کی ڈگریوں کی وقعت ہے نہ ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں کی باتوں پر کوئی کان دھرتا ہے۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے جس کے ذریعے دوسری قومیں ترقی کے زینے پہ چڑھی ہیں۔ جب کہ ہم نے اپنے قدرتی خزانوں کو ابھی تک ٹٹولا بھی نہیں۔ کیا ہمارے پاس تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر نہیں۔ کیا ہم قیمتی پتھروں، تانبے، پیتل اور دوسری دھاتوں سے محروم ہیں۔ کیا ہمارے پاس افرادی قوت نہیں۔ کیا ہمارا سوتی، ریشمی اور اونی کپڑا اعلیٰ معیار کا نہیں ہوتا۔ گندم، چاول، گنا، مصنوعی کھاد اور سیمنٹ وغیرہ کیا ہم تیار نہیں کر رہے۔ ان سب باتوں کے باوجود ہر میدان میں ہماری پسپائی اور ناکامی کی آخر وجہ کیا ہے۔ دراصل ہم خود اعتمادی، اللہ پر یقین اور رزقِ حلال کے فلسفے سے دور ہو گئے ہیں۔ جس ملک کے بجٹ بیرونی ادارے بنائیں جہاں مالی وسائل ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔ جن کا اس زمین سے کوئی رشتہ نہ ہو۔ وہاں معیشت کیسے کامل ہو گی۔

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

یہ صورت حال بدلنے کے لئے اخوت و محبت، بھائی چارے، اتحاد و یگانگت اور عدل و انصاف کے ایک جامع اور مکمل نظام کی ضرورت ہے۔ یہاں اسلامی نظامِ تعلیم، اسلامی نظامِ معیشت اور اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کے لئے کسی مرد قلندر کی ضرورت ہے جس کے دل میں خوفِ خدا موجزن ہو اور وہ اخلاقی و روحانی قدروں پر ایمان رکھتا ہو۔ اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس رکھتا ہو۔ ملک کے ڈوبنے والوں کا محاسبہ کر سکے۔ ملک سے لوٹی ہوئی دولت واپس لائے۔ ملک کو بیرونی قرضوں سے نجات دلائے اور اقوامِ عالم میں اس قوم کو ممتاز مقام دلائے۔ تعلیمی، سماجی، اقتصادی اور زرعی نظام کو ملکی مفادات اور تقاضوں کے مطابق ڈھالے۔ کرپٹ انتظامیہ کی جگہ صاف ستھری، محنتی اور ایماندار، مخلص اور محبِ وطن انتظامیہ قائم کرے۔ یہ عظیم وزیر اعظم ہاؤس، گورنر ہاؤس اور قصر صدارت اور اس پر اٹھنے والی رقم قومی بہبود میں خرچ کرے۔

آیئے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی کامیابی کا راز معلوم کریں کہ کس طرح انہوں نے قومی اور ملی مفاد کی حفاظت کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی اور عوام کی سہولت کو ہر وقت پیش نظر رکھا۔



Marfat.com

## مثالی حکومت

ہر نبی کی طرح نبی آخر الزماںؐ نے بھی اپنے دور میں ایسے افراد تیار کئے جنہوں نے اس دنیا کو نئی حیات عطا کی اور زندگی کو بامعنی بنایا۔ آپؐ کے تیار کئے ہوئے افراد میں سے ہر ایک نوع انسانی کے لئے باعث افتخار ہے۔ نبیؐ کی رحلت کے بعد خلافت کا آغاز ہوا تو آپؐ کے صحابہ کرامؓ میں سے بہترین افراد کا انتخاب کیا جاتا رہا وہ حکمران خدا ترس، دیانتدار اور تقویٰ کا عملی نمونہ تھے۔ چند مثالی حکمرانوں کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے۔ آپؓ تاجر تھے۔ اگلے دن حسبِ معمول کپڑوں کے تھان لاد کر بازار جارہے تھے کہ حضرت عمرؓ مل گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اب تو آپؓ مسلمانوں کے امیر ہیں، آپ کو یہ کام زیبا نہیں ہے۔ آپؓ نے فرمایا پھر میں اور میرے اہل وعیال کہاں سے کھائیں۔ مسلمانوں کے باہمی مشورے سے بیت المال سے آپؓ کا ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا۔ وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا خلیفہ ہونے کے بعد میرے مال میں جو اضافہ ہوا ہے اس کا حساب کر کے بیت المال میں جمع کر دینا۔ حساب کیا گیا تو ایک اونٹنی، ایک غلام، ایک پرانی چادر، اور بدن پر دونوں کپڑوں کے علاوہ کچھ نہ نکلا۔ پھر فرمایا میرے ان کپڑوں کو دھو کر انہیں میں مجھے کفن دینا۔ کپڑے کی مرنے والوں کے مقابلے میں زندہ کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے (۳۶)۔

مدینہ میں ایک بڑھیا اکیلی رہتی تھی۔ ایک دن حضرت عمرؓ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ آرام سے بیٹھ کر کھانا کھا رہی ہے۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی معاملہ ہوا۔ آپ کو بڑا تعجب ہوا۔ آپ نے پوچھا، اے خاتون آپ نابینا ہیں پھر آپ کا کام کون کرتا ہے۔ عورت نے جواب دیا کہ مجھے بس اتنا پتہ ہے کہ ایک شخص صبح سویرے آتا ہے۔ جھاڑو دیتا ہے۔ پانی بھرتا ہے۔ اور کھانا میرے آگے رکھ کر چلا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے سوچا کل صبح تحقیق کروں گا کہ یہ شخص کون ہے۔ آپؓ نے دیکھا کہ وہ خلیفہ وقت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ حضرت عمرؓ بے اختیار پکار اٹھے ابو بکرؓ سے نیکی میں کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا (۳۷)۔

حضرت ابو بکرؓ کی فکر آخرت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک باغ میں گئے۔ ایک پرندے کو دیکھا تو فرمایا تو کس قدر لطف میں کھاتا پیتا ہے۔ آخرت میں تجھ سے کچھ حساب نہ ہوگا۔ کاش ابو بکرؓ بھی تجھ جیسا ہوتا۔ حالانکہ نبیؐ نے آپؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں نے دنیا میں ہر شخص کے احسان کا بدلہ چکا دیا سوائے ابو بکرؓ کے۔ ان کی نیکیوں کا بدلہ خود اللہ تعالیٰ دے گا (۳۸)۔

حضرت عمر فاروقؓ کی فکرِ آخرت کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے کاش میں تنکا ہوتا جس سے حساب نہ لیا جاتا۔ جبکہ نبیؐ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے بعد نبی آنا ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔ حضرت عمرؓ کا سفر شام ایک مشہور واقعہ ہے۔ جب آپ اور آپکا غلام ایک اونٹ کے ہمراہ شام کا سفر کر رہے تھے۔ اونٹ پر باری باری سوار ہوتے۔ بیت المقدس کے قریب پہنچے تو غلام کی باری تھی غلام نے عرض کی کہ آپؓ اونٹ پر سوار ہوں کہ عیسائی دنیا شہر کے باہر آپؓ کو دیکھنے آئی ہوئی ہے۔ مگر آپؓ نے ایسا نہ کیا۔ جب قریب پہنچے تو عیسائی اس انصاف اور خلیفہ کی سادگی کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اور شہر کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں (۳۹)۔



Marfat.com

جنگ صفین کے دوران حضرت علیؓ کی زرہ گم ہو جاتی ہے جو ایک یہودی کے پاس سے بر آمد ہوتی ہے۔ لیکن یہودی اس پر اپنا حق جتاتا ہے۔ خلیفہ وقت کو یقین ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ مگر اسپر حکم نہیں لگاتے۔ قاضی شریح کی عدالت میں استغاثہ کرتے ہیں۔ قاضی گواہ طلب کرتا ہے کہ ملکیت کا ثبوت پیش کریں۔ آپ اپنے غلام قنبر اور اپنے بیٹے، رسول اللہ کے نواسے حسنؓ کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ قاضی بیٹے اور غلام کی شہادت تسلیم نہیں کرتا۔ یہودی یہ انصاف دیکھ کر کلمہ پڑھ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ جس دین میں یہ انصاف ہے، وہ ضرور سچا دین ہے (۴۰)۔

مصر کے گورنر عمرو بن عاصؓ کے متعلق خبر آتی ہے کہ ان کے پاس بہت دولت اکٹھی ہو گئی ہے۔ حضرت عمرؓ امیر المؤمنین ہیں۔ جواب طلبی ہوتی ہے آپؓ محمد بن مسلمہ کو پورے اختیار دے کر بھیجتے ہیں۔ وہ مصر پہنچ کر مال کی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ اور زائد مال ضبط کر کے بیت المال میں جمع کرا دیتے ہیں۔ مصر کا با اختیار گورنر جس کی حدود طرابلس تک پہنچی ہوئی تھی، یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور دم نہیں مار سکتا۔ (۴۱)۔

مغیرہ بن شعبہؓ والی بصرہ کے خلاف شکایت ملتی ہے تو حضرت عمرؓ ابو موسیٰ اشعریؓ کو تحقیق کے لئے بھیجتے ہیں۔ پھر مقدمہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش ہوتا ہے۔ اور مغیرہؓ جلیل القدر صحابی خود عدالت میں پیش ہوتے ہیں الزام غلط ثابت ہوتا ہے۔ مگر انصاف کے تقاضے پورے کئے جاتے ہیں (۴۲)۔

یہ واقعات قصہ و افسانہ نہیں بلکہ تاریخ کے مستند حقائق ہیں۔ کیا اس سے بہتر کوئی اور بھی نمونہ موجود ہے۔ اسلام نے حکومت و اقتدار کی ان تمام لذتوں کو حرام قرار دیا ہے جن کی لالچ میں انسان اس کے حصول کیلئے کوشش کرتا ہے۔ اسلام کا حکمران نہ تو رعیت کے عام افراد سے ممتاز کوئی بالاتر ہستی ہے نہ قانون حق کے خلاف کوئی ایک پتہ ہلا سکتا ہے۔ اس پر ہر وقت یہ خوف غالب رہتا ہے کہ اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

جنگِ بدر میں قریش کے دوسرے سرداروں کے ساتھ نبیؐ کے داماد (ابو العاص) گرفتار ہو کر آتے ہیں۔ عام قیدیوں کی طرح ان سے بھی فدیہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ وہ گھر سے اپنی بیوی (نبیؐ کی بیٹی زینبؓ) سے ایک قیمتی ہار منگوا کر فدیہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ وہی ہار تھا جو نبیؐ کی رفیقہ، حیات حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ آپؐ کی آنکھیں ہار دیکھ کر ڈبڈبا آتی ہیں۔ اور حضرت خدیجہؓ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے باوجود فدیہ معاف نہیں ہوتا۔ عام مسلمانوں سے اجازت لی جاتی ہے اور ہار واپس کر کے بغیر فدیہ رہائی ہوتی ہے (۴۳)۔

جنگ یرموک کے موقع پر قیصر روم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے لاکھوں فوج جمع کرتا ہے۔ مسلمانوں کے مقابلے کیلئے پیسے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ حمص کے لوگوں کو جو عیسائی تھے، جمع کیا جاتا ہے۔ اور ان سے لیے گئے خراج کی رقم واپس کر دی جاتی ہے کہ اب ہم آپکی حفاظت سے قاصر ہیں۔ اہلِ حمص کہتے ہیں کہ تمہارا عدل و انصاف ہمیں قیصر روم کے ظلم و جور سے زیادہ عزیز ہے۔ لہٰذا ہم آپ کے عامل کی قیادت میں ہر قل کی فوج کے خلاف لڑیں گے (۴۴)۔

حضرت عمرؓ کے دور میں وسیع اسلامی فتوحات ہوئیں اس دور کی بڑی طاقتیں قیصر و کسریٰ بھی آپؓ کا نام سن کر کانپ جاتی تھیں۔ لیکن آپ کی فکرِ آخرت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی



Marfat.com

پیاسا مر گیا تو آخرت میں عمرؓ سے پوچھا جائیگا (۴۵)۔

حضرت عثمان غنیؓ کی زندگی نہایت سادہ اور زاہدانہ تھی۔ آپؓ غنی کے لقب سے مشہور ہیں۔ شرم وحیا کا پہلو آپؓ کی حیاتِ مبارکہ میں غالب تھا۔ نبیؐ نے اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دیں۔ اسی لئے آپؓ کو ذوالنورین یادونوروں والا بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے ایثار و قربانی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے ان باغیوں سے جو مصر سے آکر آپ پر حملہ آور ہوئے تھے، طاقت ہونے کے باوجود لڑنا اور کسی مسلمان کا خون بہانا پسند نہیں کیا۔ اور اسی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے جان دے دی (۴۶)۔

حضرت علیؓ کو بھی نبیؐ کا داماد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں تھے۔ عہدِ خلافت کے دوران ایک دفعہ رات گئے مسجد میں اپنی داڑھی پکڑے زار و قطار رو رہے تھے۔ اور آخرت کو یاد کر کے شدتِ غم سے اپنی جان ہلکان کر رہے تھے۔

حضرت سعید بن عامرؓ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مصر کے گورنر تھے۔ ایک دفعہ اہل خمص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ شکایت پیش کی کہ سعید بن عامرؓ نے اپنا یہ معمول بنا رکھا ہے کہ جب تک کافی دن نہیں نکل آتا گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ رات کو کوئی پکارتا ہے تو جواب نہیں دیتے۔ اور مہینے میں ایک دن تو بالکل ہی باہر نہیں نکلتے۔ سعید بن عامرؓ جیسے متقی اور فرض شناس شخص کی نسبت یہ شکایت سن کر حضرت عمرؓ کو تعجب ہوا۔ آپؓ نے دریافت حال کے لئے انہیں مدینہ بلوالیا۔ آپؓ نے ان سے لوگوں کی شکایت کے بارے میں پوچھا تو سعید بن عامرؓ نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم مجھے ان چیزوں کا تذکرہ بالکل پسند نہیں تھا لیکن اب جواب دینا ہے۔ میں صبح دن چڑھے باہر نکلتا ہوں کہ میرے پاس کوئی غلام نہیں لہٰذا گھریلو کاموں میں اہلیہ کی مدد کرتا ہوں۔ دوسری شکایت کے جواب میں کہا کہ میں دن کو مخلوقِ خدا کی خدمت کرتا ہوں اور رات کو اللہ کی عبادت کیلئے خاص کیا ہے۔ تیسری شکایت کے جواب میں فرمایا کہ میں مہینے میں ایک بار میلے کپڑے دھوتا ہوں اور سوکھ جانے پر پہن کر نکلتا ہوں۔ حضرت عمرؓ یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا (۴۷)۔

قباؤں میں پیوند، پتھر شکم پر
قدم کے تلے تاج قیصر و کسریٰ

عمر بن عبد العزیزؒ کو پانچواں خلیفۂ راشد کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کے اندر سابقہ خلفاء کی اکثر خصوصیات موجود تھیں۔ آپ عہدِ خلافت سے قبل بہت مالدار تھے۔ مشک وغیرہ کی خوشبو استعمال کرتے تھے۔ حریر و ریشم کا لباس زیب تن کرتے۔ لیکن جونہی اسلامی ریاست کی سربراہی کے لئے مجبور کیا گیا، اپنے تمام مال و اسباب کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔ بیوی سے کہا کہ اپنے زیورات مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دو۔ اس نیک دل خاتون نے بلا تامل سب دولت قومی خزانے میں جمع کرا دی۔ ایک دفعہ عید کے موقع پر جب آپ نے بچوں اور اہلیہ کے کہنے پر بیت المال سے ایک ماہ کے لئے قرض لینا چاہا تا کہ عید پر بچے نئے کپڑے پہن لیں۔ مگر ناظم بیت المال نے کہا کیا آپ مجھے ایک ماہ



Marfat.com

کے لئے اپنی زندگی کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ یہ سن کر عمر بن عبد العزیزؒ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ آپ نے مجھے راہِ راست پر رکھا۔

ایک دفعہ آپ رات تک امور مملکت کا کام کر رہے تھے۔ کہ آپ کی اہلیہ گھریلو کام کے لئے آگئی۔ آپ نے فوراً چراغ بجھا دیا۔ آپ کی اہلیہ کو تعجب ہوا تو آپ نے فرمایا۔ یہ چراغ سرکاری ہے۔ اگر ہم ذاتی ضرورت کے لئے استعمال کرتے تو یہ خیانت ہوتی (۴۸)۔

مغل بادشاہ اورنگزیب بادشاہت کے باوجود سرکاری خزانے سے کچھ نہ لیتا اور ٹوپیاں سی کر، بیچ کر اپنی گزر بسر کرتا تھا۔

یہ وہ حکمران تھے جنہوں نے تاریخ میں اپنی مثالیں چھوڑی ہیں۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا ایک اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

"آہ! وہ دن یاد آتے ہیں جب سعد بن ابی وقاصؓ نے دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیئے تھے تو ایرانی سپہ سالار رستم نے عالمِ بیچارگی میں ایک سرد آہ کھینچی اور کہا کہ 'دیو آگئے'۔ اور وہ زمانہ بھی یاد ہے جب فاروق اعظم کی افواج قاہرہ شہنشاہانِ روم کے چھکے چھڑا رہی تھی۔ جب صلاح الدین ایوبی کی للکار ایوانِ یورپ میں تہلکہ مچا دیتی تھی۔ جب ترکانِ عثمانی کے سربکف نوجوان آسٹریلیا کے دار الحکومت کا محاصرہ کر رہے تھے۔ اور جب بحیرہ روم کی نیلی سطح پر کسی قوم کا جہاز ہماری اجازت کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتا تھا" (۴۹)۔

## اسلامی جمہوری انتخاب:

خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب میں صاحب الرائے صحابہ کا مشورہ شامل تھا۔ اور آپکی بیعت ثقیفہ میں ہوئی اور پھر مسجد میں بیعت عام ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت ابو بکرؓ نے تمام صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد نامزد کیا حضرت عمرؓ نے ایک کمیٹی بنا دی جس نے باہم مشورہ کر کے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کیا۔ بیعت کے بعد کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ جمہور کے انتخاب سے خلیفہ بنے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلفاء کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ انہیں سلیمان بن عبد الملک نے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ سلیمان کی وفات کے بعد انہوں نے مسجد میں اعلان کر دیا۔ مسلمانو! میں اپنی رائے اور خواہش اور مسلمانوں کے عام مشورے کے بغیر امارت کے عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اس لئے میں اپنی بیعت کے بارے میں تمہیں سبکدوش کر دیتا ہوں۔ اب تم اپنی رائے میں بالکل مختار ہو۔ میرے سوا جس کو چاہو، اپنا امام بنالو۔ اگر مسلمانوں کے کام درست طریقے سے انجام نہ پائیں۔ اور دین کے معاملے میں خرابی نظر آئے تو امت امام کو عہدہ سے علیحدہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اجتماعی نظم کیلئے امام کا تقرر بھی امت کا حق ہے اور معزول کرنا بھی۔ (۵۰)

اسلام کی نظر میں خلیفہ کو عام مسلمانوں پر کوئی ترجیح نہیں ہے۔ اس کی نظر میں آقا اور غلام، امیر اور فقیر،



Marfat.com

چھوٹا و بڑا سب برابر ہیں۔ صہیبؓ اور بلالؓ جو آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ سب رئیسانِ قریش کے پہلو میں مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۵۱)۔ " مومن سب بھائی بھائی ہیں "۔ نبیؐ نے فرمایا ان العباد کلھم اخوۃ (۵۲) " انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں "۔ کونوا عباد اللہ اخوانا " تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ "۔ مساوات قانونی کی مثال دنیا کے کسی جمہوری ملک میں نہیں پائی جاتی سوائے اسلام کے۔ کسی جمہوری ملک کا رئیس مملکت عدالت میں پیش نہیں ہو سکتا۔ انگلستان میں ایک مدعی کے جواب میں پارلیمنٹ نے اعلان کر دیا کہ بادشاہ عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی عدالت اس کے نام سمن جاری کر سکتی ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک قبطی عیسائی کی شکایت پر مصر کے گورنر عمرو بن العاص کو طلب کیا اور انہیں ملامت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے جو تاریخ میں کبھی کسی حاکم کی زبان سے ادا نہیں ہوئے تھے " تم نے کب سے انسانوں کو غلام بنایا جب کہ ان ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا، اسلام کے نزدیک صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسان اللہ کے بندے ہیں اور بحیثیت انسان ان کا احترام ہم پر اتنا ہی واجب ہے جتنا کہ مسلمانوں پر " (۵۳)۔

حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ کا کسی معاملے میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ جب عدالت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ابن ثابت یہ پہلی بے انصافی ہے جو تو نے اس مقدمہ میں کی ہے۔ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے ایک عیسائی شہزادے جبلہ بن ایہم غسانی نے حضرت عمرؓ کی خلافت میں اسلام قبول کیا۔ طواف کعبہ کے دوران ایک بدوی کا پاؤں اسکی چادر پر آگیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ حضرت عمرؓ نے شکایت سن کر فرمایا جبلہ کو ویسے ہی سزا ملے گی۔ شہزادہ رات کی تاریکی میں مکے سے بھاگ گیا (۵۴)۔

اللہ تعالیٰ زمین کی وراثت اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے فرماتا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ (۵۵)۔ " اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے یقیناً اسی میں عبادت کرنے والوں کے لئے پیغام ہے "۔

اسلامی جمہوریت میں امت کا ہر فرد حکومت کی ذمہ داریوں میں شریک ہوتا ہے اور اپنی رائے پیش کر سکتا ہے۔ اور مواخذہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ سے بھری محفل میں ایک شخص نے ایک سوال کیا تھا کہ امیر المومنین مال غنیمت کی چادر میں آپ کا کرتہ کیسے بن گیا تو حضرت عمرؓ نے کسی ناراضگی کا اظہار نہ کیا بلکہ اس کی جواب دہی کی اور وضاحت کیلئے اپنے بیٹے عبداللہ کو پیش کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ اصلاح کا راستہ کون سا ہے۔ ہماری نگاہ میں نہ فوج کی مداخلت حالات کو درست کر سکتی ہے اور نہ تشدد کی سیاست۔ ملکی سیاست میں تصادم اور تلخی جس حد کو پہنچ گئی ہے، اس سے صرف سیاست ہی نہیں، ملک کا وجود خطرے میں ہے۔ ہماری نگاہ میں اس کی بڑی وجہ حکومتوں کی آمرانہ روش، تنگ دلی اور حصول دولت کی ہوس ہے۔



Marfat.com

## پاکستان میں سیاسی نظام کو بہتر بنانے کے لئے چند ضروری امور:

۱۔ سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ پاکستان کے اصل مقاصد، اس کی منزل اور ترجیحات کے بارے میں یکسوئی ہو۔ وہ تمام دینی و سیاسی عناصر جو اسلام، جمہوریت، عدل اجتماعی اور خود انحصاری پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے قریب آئیں اور اصولوں پر پختہ ایمان رکھنے والی باکردار قیادت کو قوم کے سامنے لائیں۔ ملکی و غیر ملکی سازشی عناصر کا اصل توڑ عوام کی بیداری اور ان کی منظم قوت ہے۔

۲۔ قیادت کا صحیح معیار: قوم نے بہت دھوکے کھائے ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ نئی قیادت عوام سے ابھرے جو دفعہ ۶۲-۶۳ پر پوری اترے۔

۳۔ ضابطہ اخلاق کی تشکیل: ایک ملی ضابطہ اخلاق مدون کیا جائے۔ جس کی پابندی تمام سیاسی جماعتوں، پریس اور میڈیا پر لازم ہو۔ اور جو افہام و تفہیم سے مرتب کیا جائے۔ خود دستور میں اس سلسلہ میں بڑی رہنمائی موجود ہے۔

۴۔ نظام انتخاب کی اصلاح: انتخابی کمیشن حکومت اور حزب اختلاف کے باہم مشورے اور اتفاق رائے سے مقرر ہونا چاہیے۔ پاکستان کے موجودہ حالات میں انتخابات نگران حکومت کے تحت ہونے چاہئیں۔ جس کے تحت منصفانہ انتخابات کی توقع عبث ہے۔ اور اس امر پر بھی غور ہونا چاہیے کہ اسمبلی کی مدت پانچ سال کے بجائے چار سال ہو تاکہ احتساب کم وقفے سے ہو سکے۔

۵۔ اعلیٰ احتسابی کمیشن کا قیام: یہ کمیشن، حکومت، حزب اختلاف یا کسی بھی شہری یا متاثر ہونے والے فرد کی طرف سے تمام منتخب اور دوسرے ذمہ دار افراد کا احتساب کر سکے۔ ان کو سزا دے سکے اور عوامی مسائل ان سے واپس لے کر سرکاری خزانے میں جمع کرا سکے۔

۶۔ دستور کے مطابق صوبائی اور لوکل باڈیز کی سطح پر اختیارات منتقل کئے جائیں۔ سینٹ کو زیادہ مضبوط، موثر اور مفید بنایا جائے۔

۷۔ عدلیہ کے فیصلوں کو بلا امتیاز نافذ کیا جائے اور عدلیہ کی آزادی برقرار رکھتے ہوئے انتظامیہ کو علیحدہ رکھا جائے۔

۸۔ سول انتظامیہ اور پولیس کا ایسا نظام ہو جو ان کی آزاد اور غیر سیاسی حیثیت کو مستحکم کر سکے۔ ملکی سول انتظامیہ اور پولیس ریاست کا ادارہ تو ہوں مگر حکمران پارٹی کا آلہ کار نہ بنیں۔

۹۔ ہر سطح پر مہم کا آغاز کر کے قومی زندگی میں کرپشن کا مکمل خاتمہ ہو۔

۱۰۔ نئی سماجی و معاشی پالیسی: جس کا ہدف صحیح تعلیم کا فروغ، علاج کی سہولتوں کی فراہمی اور بے روزگاری کا خاتمہ، روزگار کے مواقع کی فراہمی اور ایسی معاشی اصلاحات ہوں جن سے سود، قمار اور ہر طرح کے استحصال کا خاتمہ ہو۔ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ اور عام انسانوں کو زندگی کی جائز ضروریات مل سکیں۔

یہ وہ دس نکات ہیں جن پر عمل کر کے قوم ایک بار پھر اسلام کے حیات بخش نظام کے قیام کے لئے متحد اور



Marfat.com

سر گرم عمل ہو سکتی ہے۔ اور چمن میں روٹھی ہوئی بہار واپس آسکتی ہے۔

### اختتامیہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان ملتِ اسلامیہ کی لازوال قربانیوں، مفکر پاکستان، علامہ اقبال کی تعلیمات اور بانی پاکستان، قائد اعظم محمد علی جناح کی بے لوث قیادت اور سیاسی بصیرت کے نتیجے میں حاصل ہوا۔ آج سے ۶۸ سال قبل رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں لیلۃ القدر کی شب قائم ہونے والی یہ سلطنت ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم اس کے مختلف اداروں کے استحکام کے لئے مفکرِ پاکستان کے افکار، بانیِ پاکستان کے کردار اور قراردادِ مقاصد سے روشنی حاصل کریں۔ پاکستان کی تشکیل بیسویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا سیاسی معجزہ ہے۔ اس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے انسانی، معدنی، زرعی اور قدرتی وسائل کی فراوانی عطا کی ہے۔

آیئے ہم نظریہ پاکستان کی حقیقی روح کو اپنے تمام اداروں اور سرگرمیوں کا محور بنا کر اس مملکت کو عظیم تر بنادیں۔

پرے ہیں چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کے گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے

### مراجع و مصادر


۱) اسلام کا سیاسی معاشی و معاشرتی نظام غلام رسول
۲) اسلامی ریاست مولانا گوہر رحمٰن
۳) سورہ طہٰ: ۲۴
۴) سورہ الحج: ۴۱
۵) سورہ آل عمران: ۱۱۰
۶) سورہ الحدید: ۲۵
۷) صحیح مسلم
۸) صحیح بخاری کتاب الحدود
۹) مشکوٰۃ المصابیح کتاب الحدود
۱۰) سورہ بقرہ: ۲۴۷
۱۱) سورہ الحجرات: ۱۳
۱۲) سورہ النساء: ۵۸
۱۳) متفق علیہ




Marfat.com

۱۴) سورہ آلِ عمران: ۱۵۹

۱۵) الفاروق محمد حسین ہیکل ص ۳۱۳ ج ۲

۱۶) الفاروق محمد حسین ہیکل ص ۳۱۳ ج ۲

۱۷) سورہ یوسف: ۴۰

۱۸) المجادلہ: ۲۰

۱۹) استثناء ۲۰، ۱۳، ۱۶

۲۰) سموئیل ۱۵۔ ۳

۲۱) History of Arabs Newyark 1963, D170 P.K. Hitti.

۲۲) .A History of saracens Syed Ameer Ali

۲۳) .The preaching of Islam by T.W Arnold P.56

۲۴) الاحکام السلطانیہ ص ۳

۲۵) سورہ النور: ۵۵

۲۶) سورہ یوسف: ۴۰

۲۷) سورہ المومن: ۱۲

۲۸) سورہ بنی اسرائیل: ۳۳

۲۹) سورہ بقرہ: ۱۸۸

۳۰) سورہ الحجرات: ۱۱

۳۱) صحیح مسلم

۳۲) جامع ترمذی کنوز الحقائق

۳۳) سورہ بقرہ: ۲۵۶

۳۴) سورہ الکافرون: ۶

۳۵) سورہ آل عمران: ۲۶

۳۶) السیرہ ششماہی کراچی

۳۷) السیرہ ششماہی کراچی

۳۸) دانائے رسل، پروفیسر مسز ممتاز چٹھہ

۳۹) تجلیات نبوت صفی الرحمن مبارکپوری

۴۰) علامہ جلال الدین سیوطی

۴۱) فتوح البلدان البلاذری




Marfat.com

۴۲) فتوح البلان الحلاذری
۴۳) سنن ابو داؤد
۴۴) فتوالبلدان البلازری
۴۵) الحیق المختوم صفی الرحمن مبارکپوری
۴۶) رسول اکرم کی حکمت انقلاب سید اسعد گیلانی
۴۷) سیرت النبیؐ جلد سوم شبلی نعمانی
۴۸) افکار معلم دسمبر ۲۰۰۸
۴۹) پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں طارق اسمٰعیل ساگر
۵۰) المواقف مع شرح ۸ ص ۳۵۳
۵۱) سورہ الحجرات: ۱۰
۵۲) سنن ابو داؤد
۵۳) الرحیق المختوم صفی الرحمٰن مبارکپوری
۵۴) سیرت النبی شبلی نعمانی
۵۵) سورہ الانبیاء: ۱۰۵




Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

رابعہ آغا*

جمہوریت کا لفظ در حقیقت ایک انگریزی لفظ -"Democracy" کا ترجمہ ہے، اور انگریزی میں بھی یہ لفظ یونانی زبان سے آیا ہے اور یونانی زبان میں "Demo" عوام کو کہتے ہیں۔ "Cracy" یونانی زبان میں حاکمیت کو کہتے ہیں، اسی لئے عربی میں جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اسے "دیمقراطیہ" کہا گیا، عربی زبان میں جمہوریت نہیں بولتے۔ ہم اردو میں جب Democracy کا ترجمہ کرتے ہیں تو جمہوریت لکھتے ہیں، لیکن عربی میں جمہوریت کے لفظ سے یہ مفہوم کوئی نہیں سمجھے گا۔(۱)

بہر حال جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو، یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لئے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع ومانع تعریف میں بھی خود علماء سیاست کا اتنا زبردست اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے ملتی نہیں ہے، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ مولانا سید محمد میاںؒ نے جمہوریت کی تعریف کے آخر میں لکھا ہے کہ:

"اگر ہم جذبات سے بالاتر ہو کر حقیقت کو سامنے رکھیں تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مذہب جمہوریت کی موافقت نہیں کر سکتا، جس طرح جمہوریت۔ اگر صحیح معنی میں جمہوریت ہے تو وہ مذہب کی تابع نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم جمہوریت کے ثناخوان ومداح اس لئے ہوتے ہیں کہ اس میں عوام کو آزادی میسر آتی ہے، رائے کی آزادی، فکر کی آزادی، تحریر کی آزادی، تقریر کی آزادی، مطلق العنان حریت یعنی بے لگام آزادی، حالانکہ کوئی بھی مذہب اس مطلق العنان حریت، بے لگام آزادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بے شک جمہوریت کا یہ رخ قابل قدر ہے کہ اصولاً ایک فرقے کو دوسرے پر مسلط نہیں کرتی، اگرچہ عملاً اس سے نجات بھی نہیں مل سکتی کیونکہ اکثریت اگر کسی ایک فرقے سے تعلق رکھتی ہے تو وہ لامحالہ اپنی چھاپ جمہوریت پر ڈال دیتی ہے یہاں تک کہ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کے ہم رنگ ہونا۔(۲)

یورپ میں احیاء Renaissance اور روشن خیالی Enlightenment کی تحریکوں نے جمہوریت کو فروغ

---

* معلمہ، مدرسۃ البنات یعقوبیہ کوئٹہ



Marfat.com

دیا۔ یادر ہے کہ جمہوریت، سیاست سے پہلے ایک معاشرت کے وجود میں ہے۔ غیر طبقاتی اور تحمل پر مبنی معاشرہ کہلاتا ہے۔ اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ ایسے معاشرے سے وجود میں آنے والی حکومت میں عوام کے جذبات کی مکمل نمائندگی ہوتی ہے۔ اس کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب کے طریقے کو اپنایا گیا ہے۔ انتخابی عمل کے نتیجے میں قائم ہونے والی سیاسی قیادت جمہوریت کی کلی طور پر نمائندہ نہیں ہو سکی کیونکہ مختلف ملکوں میں اس کا انداز انتخاب مختلف ہے۔ لہذا سیاست کے حوالے سے جمہوریت کا نفاذ شاید کہیں بھی کامل نہیں ہے لیکن مجموعی طور پر ایک متوازن معاشرہ یورپ میں ہر جگہ موجود ہے جو کہ جمہوریت کی اصل ہے۔ (۳) اسلامی معاشرے سے اس کا فرق یہ ہے کہ اسلام میں وحی کو بالادستی حاصل ہے جبکہ جمہوریت میں عوام کی مرضی کو بالادستی حاصل ہے خواہ وہ کسی مذہب سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔ اس نظریہ کو اسلام کسی طرح سے بھی قبول نہیں کر سکتا لیکن عملی طور پر جمہوریت کے اثرات دیکھ کر مسلمان اسے اختیار کرنے پر مجبور ہیں، خاص طور پر سیاسی قیادت کی فراہمی کے لئے انتخابی جمہوریت ایک سیدھا اور آسان طریقہ نظر آتا ہے۔ دور حاضر میں مسلمان، جن میں علماء بھی شامل ہیں، کی توانائی اس ضمن میں خرچ ہو رہی ہے کہ کس طرح سے جمہوری عمل اور اسلام کے مابین راہ کو ہموار کیا جائے۔ بعض نے جمہوریت کو عین اسلام قرار دیا اور خلافت راشدہ کو اس سے تعبیر کیا لیکن یہ اس کے لغوی معنوں میں تو ہو سکتا ہے اصطلاح میں نہیں (۴) ایک طبقہ اسے سرے سے کفر قرار دیتا ہے اور ہر طرح کے انتخابی عمل کا رد کرتا ہے (۵) لیکن وہ اس کا کوئی عملی متبادل حل بھی ابھی تک پیش نہیں کر سکا۔ اسی وجہ سے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ ابھی تک جمہوریت ہی کو اپنی منزل سمجھتا ہے۔ جمہوریت ابھی تک مسلم معاشرے میں ناکام اسی لئے ہے کہ اس کے لئے تعلیم اور شعور درکار ہے جس کی مسلم ممالک میں زبردست کمی پائی جاتی ہے۔ جبکہ مخالف طبقہ اس کی ناکامی کا سبب یہ بتاتا ہے کہ اس میں انسانوں کو گننا اہمیت رکھتا ہے اور ان کے کردار سے کوئی سروکار نہیں، اس لئے اچھے لوگ کبھی برسر اقتدار نہیں آسکتے۔ لیکن وہ چیز بتانے سے بھی قاصر ہیں کہ وہ کونسا پیمانہ ہے جس سے انسانوں کے کردار کو ناپا جائے اور انہیں اقتدار سپرد کیا جائے۔ (۶) اکثر سیاسی مصنفین کے خیال کے مطابق موجودہ جمہوری طرز حکومت ایک فریب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ لوگوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے اور وہ اپنے نمائندے منتخب کر سکتے ہیں، لیکن عملی طور پر ان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس حق سے اپنی مرضی کے مطابق فائدہ اٹھا سکیں۔ دراصل رائے عامہ ذرائع ابلاغ سے تشکیل پاتی ہے لیکن یہ سرمایہ دار اور دولتمند اشخاص کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جو لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان کے حق میں ووٹ دیں لہذا اسی بناء پر یہ ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔ (۷) بہر حال مذکورہ بالا بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جمہوری معاشرے میں عوام کی رائے اور رعایا کی بہبود کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ جبکہ بادشاہت یا آمریت کے نظام میں عوام کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی اور معاشرہ حاکم ومحکوم کی ذیل میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ جمہوری حکومت عوام کی حکومت ہوتی ہے اور عوام کی فلاح وبہبود کے لئے کام کرتی ہے، بدیں وجہ جمہوری معاشرے کے عوام باشعور ہوتے ہیں اور جبری معاشرے کے عوام شعور وآگاہی سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔

جمہوریت پر اس مفصل بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مملکت خداداد پاکستان کا موجودہ سیاسی نظام



Marfat.com

بھی اسی جمہوری روش کا حصہ ہے، لیکن اس سیاسی نظام کو دنگا فساد پھیلانے، شتر بے مہار آزادی و خود مختاری کے بھینٹ چڑھانے اور دینی و مذہبی دائرے سے باہر نکالنے کا کسی بھی صورت اجازت نہیں دی جا سکتی۔ پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا ہے لہٰذا اس مملکت خداداد کے نظام کو بھی داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز سیاست کے موافق استوار کرنا ہے۔ ویسے عام طور پر ریاستیں اس طرح بنتی ہیں کہ کسی ایک علاقے کے لوگ اپنی داخلی ضرورتوں یا بیرونی تسلط کی وجہ سے کسی نظام پر متفق ہو جاتے ہیں، اس کے لئے اصول وضوابط بنا لیے جاتے ہیں اور ان ضوابط پر عملدرآمد کرانے کے لئے مشینری متعین کر دی جاتی ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ریاست قائم کی، اس کے لئے اس سے مختلف طریقہ اختیار فرمایا اور وہ یہ کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد تیار کئے، پھر ان افراد کو ایک جگہ جمع کر کے ان کو ایک قوم کی شکل دی اور ان کے لئے دستور بنا کر ریاست کا سنگ بنیاد رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ریاست کی بنیاد رنگ، نسل، زبان، قومیت، پاپائیت یا شہنشاہیت پر رکھنے کے بجائے ان عقائد و نظریات پر رکھی، جن کا نام اسلام ہے۔(۸) اسلامی احکامات کی رو سے مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں دین الٰہی پر کاربند رہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ(۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ یہ بات مشرکین کو کتنی ہی بری لگے۔

اس آیت کریمہ کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے۔ اس کا واضح مقصد یہی ہے کہ ایک ایسے اسلامی نظام کی اساس قائم کی جائے جو دنیا کے تمام نظاموں پر افضل ہو، اسی سے ایک اسلامی ریاست کے قیام کا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے جس کے جملہ معاملات کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق چلائے جائیں، جہاں اسلامی تصور حیات کا عملی نمونہ پیش کیا جا سکے اور دنیا بھر کے لوگوں کو اس اسلامی ماڈل کو دیکھنے سمیت اسلامی اور غیر اسلامی طرزہائے حکومت اور نظریات زندگی کا تقابلی جائزہ لینے کا موقع ملے، جہاں سماجی و ثقافتی اقدار کا اسلامی لحاظ موجود ہو، جہاں اقتصادی اور سیاسی نظام اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہو۔ لہٰذا اس سلسلے میں ہم مملکت خداداد پاکستان میں جاری سیاسی نظام کا تفصیلی جائزہ حسب ذیل لیتے ہیں۔

## سماجی و ثقافتی اقدار

پاکستان میں خاندانی نظام کی شکست وریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام نہاد ترقی پسندی، مغرب زدگی اور مغرب سے محاذ آرائی سرفہرست ہیں۔ جدیدیت یعنیModernization سے انکار نہیں۔ ہمیں اکیسویں صدی کے تقاضوں کا ساتھ بہر حال دینا ہے لیکن اپنے سماجی ڈھانچے کو بھی محفوظ رکھنا ہے اور ثقافتی اقدار کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ ان حالات میں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی



Marfat.com

سیرت طیبہ کو ایک نئے انداز سے اپنانے کی ضرورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی تھی جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں بالخصوص اور مدنی زندگی میں بالعموم سماجی اور ثقافتی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تربیت یہ بھی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور مادہ پرستی سے متنفر ہوں۔ پھر باہمی ہمدردی، احسان وایثار، شجاعت وحمیت، صبر واستقامت، عفوودر گزر، حلم وبردباری، سخاوت وفیاضی، حسن اخلاق، صدق وتوکل، رواداری اور حسن ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ لوگوں کا رخ ایسی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔ فرقہ پرستی گروہی اور لسانی اختلافات نے ہمارے اتحاد واتفاق کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کے باعث آپس کا لین دین اور محبت واخوت کے عناصر کو ملیامیٹ کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اختلافات کو مٹا کر آفاقیت اور انسان دوستی کا درس دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كلكم بنو آدم، وآدم خلق من تراب (۱۰)

ترجمہ: انسان آدم کی اولاد ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعصب پر جان دینے، تعصب کی طرف بلانے اور تعصب پر جنگ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ:

ليس منا من دعا الىٰ عصبية وليس منا من قاتل علىٰ عصبية وليس منا من مات علىٰ عصبية۔ (۱۱)

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے اور ہم میں سے وہ بھی نہیں جو عصبیت کی حالت میں مرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی جان ومال اور عزت وآبرو کو ایک دوسرے کے لئے حرام قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ:

كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔ (۱۲)

ترجمہ: ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت۔

بہر حال آج ہمیں اپنے سماجی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقدامات پر بھرپور عمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حکمرانوں کا طرز عمل لازمی طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا چاہئے۔ رشوت، سفارش، اقرباء پروری کا خاتمہ، عدل وانصاف کی ترویج، میرٹ کا تقدس اور انتظامیہ کی اصلاح ایسے اقدامات ہوسکتے ہیں جن سے ہمارے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے میں کماحقہ مدد مل سکتی ہے، اور ہمارا ملک ان اوصاف کو اپنانے کے بعد ایک بہترین سیاسی نظام کے حامل مملکت گردانے کے زمرے میں آسکتا ہے۔



Marfat.com

## اقتصادیات

بلاشبہ آج کی دنیا معاشی مسابقت کی دنیا بن چکی ہے۔ اکثر سیاسی مصنفین کا خیال ہے کہ معاشی غیر یکسانیت کی فضاء میں جمہوریت پنپ نہیں سکتی۔ حقیقی جمہوریت تبھی ممکن ہے جب یہ معاشی جمہوریت سے ہم آہنگ ہو جس میں دولت کی بے جا تقسیم اور غیر یکسانیت کو برداشت نہیں کیا جاتا۔(۱۳) ترقی یافتہ مغربی ممالک دنیا بھر کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لئے اپنی منڈی بنانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں مگر ہمارے مملکت خداداد پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ بے شمار مادی وسائل کے باوجود اقتصادی مسائل کا شکار ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی معاشی تعلیمات اسی معاشرے میں روبہ عمل آسکتی ہیں جو اخلاقی طور پر مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو، لیکن اخلاق سے عاری معاشرے میں ان تعلیمات کو کیسے نافذ کیا جائے؟ یہ سوال آج بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ اقتصادی میدان میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پسماندگی کا شکار تھی۔ مہاجرین مکہ کی تجارت منقطع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں انصار مدینہ پر پہلے سے یہودیوں کی معاشی بالادستی قائم تھی۔ اس طرح ایک طرف تو مشرکین مکہ سے واسطہ تھا تو دوسری طرف یہود مدینہ سے، جو مدینہ کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان استحصالی قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لئے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا، زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا، اس کے علاوہ مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لئے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کئے، تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف مسلمانوں کو ترغیب دلائی۔ صنعت و حرفت کو پاک ترین روزی اور تجارت کو بہترین معاش قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور بھلائی پیدا ہوتی ہے"۔(۱۴)

اسلام کے نزدیک معاشی مسئلہ اس قدر اہم اور پیچیدہ نہیں ہے جیسا کہ دور حاضر کی اور حکومتوں اور ملکوں میں سمجھا جاتا ہے اور جس کے حل کے لئے سوشلزم اور کمیونزم جیسی تحریکوں کو جنم لینا پڑا۔(۱۵) مسلمان ممالک جب تک اپنا نظام معیشت ترتیب نہیں دیں گے اس وقت تک وہ سرمایہ دارانہ نظام کے چنگل سے نہیں نکل سکتے۔ بد قسمتی سے عالم اسلام کے معیشت دان ذہناً مغرب سے مرعوب ہیں کیونکہ وہ اس نظام کے پروردہ ہیں۔ کوئی ایک مجتہد پیدا نہیں ہوا جو سود سے پاک معاشی نظام مرتب کر کے دے۔ جب تک ملک سے سود، سٹہ اور جوا ختم نہیں ہو گا اس وقت تک مسلمان مملکت کے پنپنے کی کوئی امید نہیں۔ عالمگیریت اسی سودی نظام کو مزید مستحکم کرنے کا نظام ہے جسے عالمی ساہوکار منظم کر رہے ہیں اور چلا رہے ہیں۔(۱۶)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پسماندگی کا شکار تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لئے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا، زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا، اس کے علاوہ مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لئے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں نے اپنا معاشی اعتبار قائم کر



Marfat.com

لیا اور غیروں کے تسلط سے آزاد ہوگئے۔ لہذا آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کو غیروں کے معاشی چنگل سے نکالنے کے لئے اسلامی اصولوں پر استوار تجارت کو فروغ دیا جائے، زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا جائے اور سودی کاروبار کا یکسر خاتمہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ معاشی میدان میں مسابقت رکھنے والے ممالک کے ساتھ ملکی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے بہترین معاشی واقتصادی معاہدے کئے جائیں، یہ تمام ضروریات ایک بہترین سیاسی مملکت کی طلب عاجلہ ہیں ان کو حاصل کر کے ہی ہم اس مملکت خداداد پاکستان کو ایک حقیقی سیاسی نظام کے دائرے میں لاسکتے ہیں۔

## مروجہ ملکی نظام

پاکستان میں جو سیاسی نظام اس وقت مروج ہے، اس کے بنیادی قوانین اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ اور یکساں ہیں جس طرح کے ۱۹۷۳ کے آئین میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس پر کماحقہ عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔ مثلاً مغربی تصور جمہوریت کے نظریہ اقتدار اعلیٰ (۱۷) کے برخلاف پاکستان کے آئین میں اقتدار اعلیٰ سمیت نفوذ قوانین اور مجلس شوریٰ وغیرہ کی وضاحت یوں کردی گئی ہے کہ:

"تمام کائنات کی حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور لوگوں کے پاس جو اختیار ہے وہ ایک مقدس امانت ہے۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان میں کوئی قانون ایسا نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی ہو۔ اس طرح پاکستان کے حکمرانوں کو اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ شریعت اسلامی کے خلاف ملک میں کوئی قانون نافذ نہ کریں"۔ مزید یہ بھی بتایا گیا ہے کہ: "کسی فرد یا پوری ملت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مقتدر اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرے، حاکم محدود اختیارات کا مالک ہے اور شریعت کی حدود کے اندر رہ کر ہی کوئی حکم جاری کر سکتا ہے، وضع قانون کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے" جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (۱۸)

ترجمہ: وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے! کہہ دو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

ریاست خداداد پاکستان ضروریات زمانہ کے مطابق صرف فروعی قوانین بنا سکتی ہے لیکن ان کا بنیادی احکام سے مطابقت کرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو صرف محدود عمومی حاکمیت عطاء کی گئی ہے، وہ امور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شریعت میں کوئی واضح حکم موجود نہیں، اجتہاد کے ذریعے طے کئے جائیں گے، یعنی پاکستان میں مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ ان امور کے بارے میں جن میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح احکامات دیئے ہیں یا حدود اور اصول مقرر کئے ہیں، صرف تعبیر اور تشریح کر سکتی ہے مگر ان میں ردوبدل نہیں کر سکتی۔ یہ احکامات اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارسال کئے ہیں، اب ان کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ لیکن ان امور کے بارے میں جن میں کوئی قطعی احکام موجود نہیں مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ قانون سازی کر سکتی ہے۔ ہر زمانے میں



Marfat.com

انسانی مسائل اور صورتیں یکساں نہیں رہتیں بلکہ بدلتی رہتی ہیں، اس لئے فقہاء اور اصحاب اجتہاد کا یہ فرض ہے کہ وہ زمانے کے حالات اور ضروریات کے مطابق کتاب اللہ کے احکام کی روشنی میں قوانین وضع کریں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں ترمیم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ اسی بات کی اجازت فقہاء کے واضح اقوال سے بھی ملتی ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ:

فکثیر من الاحکام تختلف باختلاف الزمان لتغیر عرف اهله اولحدوث ضرورة اوفساد اهل الزمان بحیث لوبقی الحکم علی ماکان علیه اولا للزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف قواعد الشریعة المبنیة علی التخفیف والتیسیر ودفع الضرر والفساد لبقاء العالم علی اتم نظام واحسن احکام ولهٰذا تریٰ مشائخ المذهب خالفوا مانص علیه المجتهد فی مواضع کثیرة بناها علی ماکان فی زمنه لعلمهم بانه لوکان فی زمنهم لقال بما قالوا به اخذا من قواعد مذهبه۔ (۱۹)

ترجمہ: بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں اس لئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اہل زمانہ میں فساد (اخلاق) پیدا ہو جاتا ہے اب اگر حکم شرعی پہلے ہی کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور لوگوں کے لئے ضرر کا باعث ہو جائے گا، اور ان شرعی اصول و قواعد کے خلاف ہو جائے گا جو سہولت اور آسانی اور نظام کائنات کو بہتر اور عمدہ طریقہ پر رکھنے کے لئے ضرر و فساد کے ازالہ پر مبنی ہے۔ تاکہ دنیا صحیح نظام اور بہتر طریقہ پر قائم رہے۔ اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ مشائخ نے بہت سے مواقع پر مجتہد کی رائے سے اختلاف کیا ہے جو انہوں نے اپنے زمانہ میں اختیار کی تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر امام مجتہد اس زمانہ میں ہوتے تو وہی کہتے جو یہ مشائخ قواعد مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

یہی بات مالکی مکتبہ فکر کے ممتاز صاحب نظر فقیہ علامہ قرافی نے اسطرح کہی ہے کہ:

ان اجراء الاحکام التی مدرکها العوائد مع تغیر تلک العوائد خلاف الاجماع وجهالة فی الدین وکلّ ما هو فی الشریعة یتبع العوائد یتغیر الحکم فیه عند تغیر العادة الیٰ ما تقتضیه العادة المتجددة ولیس تجدیدا للاجتهاد من المقلدین حتیٰ تشترط فیه اهلیة الاجتهاد بل هٰذه قاعدة اجتهد فیها العلماء فاجمعوا علیها نتبعهم فیها من غیر استئناف اجتهاد۔ (۲۰)

ترجمہ: جن احکام کی اساس عرف وعادت پر ہو ان میں عرف کے تغیر کے باوجود انہی احکام کو باقی رکھنا اجماع کے خلاف ہے اور دین میں جہالت ہے، شریعت کے وہ تمام احکام جو عرف وعادت پر مبنی ہوں، عرف کے تغیر کے بعد نئے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہو جائیں گے، یہ مقلدین کی طرف سے نیا اجتہاد نہیں کہ اس میں اجتہاد کی اہلیت مطلوب ہو بلکہ یہ ایک ایسا قاعدہ ہے جو اہل علم کے اجتہاد کا نتیجہ ہے اور اس پر ان کا اجماع و اتفاق ہے، ہم کسی نئے اجتہاد کے بغیر اس میں ان کی پیروی کر رہے ہیں۔

بہر حال یہ تو ایک ضمنی بات درمیان میں آئی، پاکستان میں جہاں تک قانونی اقتدار اعلیٰ کا تعلق ہے وہ مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ کے پاس ہے، وہ صدر کے ساتھ مل کر ملک کے لئے قوانین وضع کرتی ہے اور اس بات کو پیش نظر



Marfat.com

رکھتی ہے کہ اسلامی شریعت کے خلاف کوئی قانون وضع نہ کیا جائے۔ اسی مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ کو عوام منتخب کرتے ہے، اس طرح سیاسی اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہے یہ سب اس بات کے پابند ہیں کہ ملک میں اسلامی اصولوں کے خلاف کوئی قانون وضع نہ ہو۔(۲۱)

## حقیقی سیاسی نظام کا حامل مملکت کیسا ہو؟

اکیسویں صدی کے تناظر میں جدید سیاسی نظام کے حامل مملکت جو کہ اسلامی قوانین کے مطابق ہو، کا قیام ناگزیر ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قلیل مدت میں اسلامی نظریات کے عین مطابق ایک جدید فلاحی انقلابی ریاست قائم کی اور پورے عرب کو اس کے زیر سایہ لانے میں کامیاب ہوگئے کیونکہ افراد کی سیرت کی تشکیل معاشرے اور ریاست سے باہر ممکن نہیں۔(۲۲) داخلی سیاسی نظام کی کامیابی کے لئے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تین چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

۱: سیاسی نظام کی تشکیل نو

۲: امن وامان کا قیام

۳: ریاستی اداروں کی اصلاح

## سیاسی نظام کی تشکیل نو

اس وقت تقریباً تمام مسلم ریاستوں میں ملوکیت، جاگیر داری، سرمایہ داری یا مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بدلتی ہیں جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں ان عوامل کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کا تو پیغام ہی طبقاتی امتیاز کا خاتمہ تھا۔ ہمارے ایک روشن خیال مفکر نے لکھا تھا کہ:

"کوئی جمہوریت جو اسلامی ہونے کا دعویدار ہو، وہ نہ برطانوی نمونے کی ہوگی اور نہ روسی۔ ان میں پہلی تو دویا زائد جماعتوں کے تصادم پر مبنی ہے اور دوسری صرف ایک جماعت کے اقتدار کی اجارہ داری ہے جو کسی اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اسلامی اصول پر اسمبلی یا کسی پارلیمنٹ کو تشکیل دے تو اس کے مذہبی پیشواؤں کی انجمن بن جانے کا خطرہ نہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے کیونکہ یہاں کوئی مذہبی انجمن اور طبقات خاص رعایت اور مفادات کے ساتھ نہیں ہیں لیکن اصحاب علم اور اہل دانش میں ارکان مجلس کے انتخاب کا کوئی طریقہ ہونا چاہئے۔ سیاسیات میں مال ودولت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے ورنہ برائے نام جمہوریت اور عملی طور پر اہل ثروت کی ریاست ہوگی"۔(۲۳)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے اولین خطبہ خلافت میں فرمایا تھا کہ:

أیھا الناس ان اکیس الکیس التقی وان احمق الحمق الفجور، وان اقواکم عندی الضعیف حتی آخذ له بحقه، وان اضعفکم عندی القوی حتی آخذ الحق منه، انما أنا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی وحاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا۔(۲۴)



Marfat.com

ترجمہ: لوگو سب سے بڑی سمجھ داری تقوی ہے اور بڑی نادانی گناہ کا کام ہے۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوادوں، اور قوی ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لے لوں۔ میں متابعت کرنے والا ہوں مبتدع نہیں۔ اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو، اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ اور تم لوگ اپنا محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا ملکی سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے جو حضرت صدیق اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر کا حامل ہو؟ یقیناً مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کے حکمران بلا تفریق عوام کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں، امراء کو نوازنے اور غرباء کو مزید غربت کی چکی میں پیسنے کا جو رواج ہمارے ہاں عام ہے اسے سرے سے ختم کرنا ہوگا۔ ہمارے ملک میں تضاد خیالی اور تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ اکثر اوقات ایک دوسرے کو رجعت پسند، قدامت پسند، اسلام دشمن، مغرب زدہ، آزاد خیال اور بعض اوقات مرتد جیسے سخت القابات سے نوازا جاتا ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا حکمران طبقہ ملک کو صحیح اسلامی سیاسی نظام کی کسی ایک نہج پر قائم کر سکیں گے۔ لہذا اس کا واحد حل یہی ہے کہ صرف زبانی کلامی دعوؤں کی بجائے حقیقی رواداری، وسعت نظر، حکمت، حلم وبردباری، قوت برداشت اور روشن خیالی کا عملی مظاہرہ کیا جائے جو سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی شان بھی ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ فکری یکجہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیش نظر ایک فرد کے بس کی بات نہیں، لہذا اجتماعی اجتہاد کے لئے ادارے تشکیل دئے جائیں جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء، اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

"علماء کو مجالس قانون ساز کا لازمی حصہ ہونا چاہئے تاکہ وہ قانون سازی کے عمل میں رہنمائی اور مدد مہیا کر سکیں"۔(۲۵)

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب اقتدار، سیاسی زعماء اور ارباب حل وعقد ملک میں ایک ایسا سیاسی نظام تشکیل دے جو اسلامی اصولوں اور عوامی امنگوں کے مطابق ہو نہ کہ ذاتی پسند ناپسند کے۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے مملکت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے، جو بھی ملک یا ادارہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا یقیناً اس کے عوام وافراد خوشحال ومطمئن بھی ہونگے، کیونکہ اسلام میں ہر فرد کے حقوق وخواہشات کا حتی المقدور خیال رکھا جاتا ہے، لہذا کامیاب ریاست بھی وہی ہو سکتی ہے جس کا سیاسی نظام کامیاب ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک میں خود احتسابی کا عمل انتہائی اہم ہے، احتساب کا فرض اگر خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو ایک غیر جانب دار نقاد اور ایک بے لاگ مورخ کی طرح اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جو ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔



Marfat.com

## امن وامان کا قیام

ہمارے ملک میں امن وامان کی صورتحال ناگفتنی ہے۔ بدامنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بم بلاسٹ، دھماکے اور خودکش حملے وغیرہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن وامان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب مکہ کو آباد کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس شہر کو امن کا گہوارہ بنانے کی دعا کرتے ہیں اس کے بعد معیشت کی بات کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی مملکت کے لئے امن وامان کا قیام لازمی جزو ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (۲۶)

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب بنادے اس شہر کو امن والا، اور اس کے رہنے والوں کو رزق دے میوے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی، فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کاروائی فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سچ ہو کر رہا کہ:

لیتمن ھذا الأمر حتی یسیر الراکب من صنعاء الیٰ حضر موت، لایخاف الا اللہ۔ (۲۷)

ترجمہ: ایک وقت ایسا آئے گا جب صنعا یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

امن وامان برقرار رکھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشت وخون سے ہر ممکن گریز کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلی معاشرے کے ان افراد سے لوگوں کو نجات دلائی جو ناسور کی حیثیت اختیار کر چکے تھے، وہ نہ خود امن، اسلام، آزادی اور عدل ومساوات کے قائل تھے اور نہ کسی دوسرے کو یہ اعلیٰ قدریں قائم کرنے دیتے تھے، اس لئے جس طرح ایک انسان کا بازو اگر اتنا خراب ہو جائے کہ اندیشہ ہو کہ اگر اسے کاٹا نہ گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرائیت کر جائے گا اور وہ آدمی مر جائے گا، ایسے آدمی کا بازو کاٹ کر اسے بچالینا سراپا رحمت وشفقت ہے، اسی طرح انسانی معاشرے میں جو افراد ناسور کی حیثیت اختیار کر جائیں اور دوسرے لوگوں کو بھی تباہی کی طرف لے جا رہے ہوں، ان سے معاشرے کو نجات دلانا رحمت اور انسان دوستی کا تقاضا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات کے ذریعے یہی کام کیا۔ (۲۸) لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فلسفے کو مد نظر رکھتے ہوئے ملکی سیاسی نظام کی کامیابی کے لئے داخلی امن وامان کا قیام ایک لازمی امر ہے۔ اس کے لئے سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی لازمی امر ہے جس میں دو چیزیں بڑی واضح ہیں:

الف: بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی

ب: اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینا

ان نقاط کو مد نظر رکھتے ہوئے اقدامات اٹھانا ایک کامیاب سیاسی نظام کے حامل مملکت میں امن وامان کے



Marfat.com

قیام کے لئے جزو لاینفک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ (۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کے لئے اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا۔

## ریاستی اداروں کی اصلاح

سیاسی نظام کے ضمن میں تیسرا اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا اصلاح واستحکام ہے۔ آج اگر ہمیں مملکت خداداد پاکستان میں افراتفری کا عالم محسوس ہو رہا ہے یا بے چینی اور عدم استحکام سے ہم دوچار ہیں تو اس کی بنیادی وجہ اکثر ریاستی اداروں کی عدم اصلاح ہے۔ جس میں سفارش، رشوت، کرپشن، نااہلیت، دھوکہ دہی، چور بازاری، اقرباء پروری کی یلغار، عدم مساوات، انتظامیہ مقننہ، عدلیہ وغیرہ کا عدم احترام، اختیارات کا ناجائز استعمال اور انصاف و احتساب کا نہ ہونا وہ عوامل ہیں جن میں ہمارے ملک کا تقریباً ہر فرد مبتلا ہے۔ اگر ملک کو داخلی وخارجی خلفشار سے بچانا ہے اور اسے ایک کامیاب اور بطور نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے تو ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ تمام تر ریاستی اداروں کی اصلاح کرے اور اس میں استحکام کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔ اسی ضمن میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کی رہنمائی مشعل راہ ہے، جس سے درج ذیل ہدایات اخذ کئے جاتے ہیں:

الف: سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔ اگر کسی کام کو سفارش، رشوت یا اقرباء پروری کے تحت نااہل کے حوالے کیا گیا تو سمجھ لیں کہ بربادی آن پہنچا ہے۔ جبکہ درحقیقت ہمارے ملک میں یہی چیزیں سرعام اور بلاخوف وخطر جاری ہیں جن پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة (۳۰)

ترجمہ: جب کوئی کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کیا جائے۔

ب: سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔ سفارش و اقرباء پروری وہ ناسور ہے جو اداروں کو کھوکھلا کر دیتا ہے، جبکہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ جو کلچر عام ہے وہ یہی سفارش اور اقرباء پروری ہے۔ اس کلچر کے ہوتے ہوئے ہم کبھی بھی اپنے ملک کو ایک کامیاب سیاسی نظام کے دائرے میں داخل نہیں کر سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلچر کی سخت مذمت کرتے ہوئے ایک مقام پر اس سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اتشفع فی حد من حدود الله ثم قام فاختطب فقال یاایها الناس انما هلك الذین قبلكم انهم كانوا اذا سرق منهم الشریف تركوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحدود، والله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت



Marfat.com

لقطعت یدھا۔(۳۱)

ترجمہ: کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا، کہ اے لوگو بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

ج: تمام حکام اور ذمہ دار افسران و ملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے، اور ان کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ جبکہ ہمارے ملک میں المیہ یہ ہے کہ صدر سے لیکر چپڑاسی و چوکیدار تک بے لگام ہیں، جس کا جو جی چاہے کر لیتا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں۔ محتسب اور نیب جیسے ادارے برائے نام چیز بن گئے ہیں۔ معمولی تنخواہ دار عالی شان کوٹھیوں کا مالک بنا بیٹھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک محاسبہ کے خوف سے آزاد ہے۔ جبکہ فرائض واحتساب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا، یعنی جب عمال زکواۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غرض سے اس کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے مامور فرمایا، وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جائزہ لیا تو انہوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عام خطبہ دیا، جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ (۳۲)

د: ہمارے ہاں احتساب کا فقدان ہے اور قانون کی بالادستی کا اطلاق نہیں اگر واقعی ملک کو ایک ماڈل اسلامی سیاسی نظام کے روپ میں پیش کرنا ہے تو عدالتی نظام کو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد کرنا انتہائی ضروری ہے۔ انصاف واحتساب کے معاملے میں حاکم ومحکوم امیر وغریب اور افسر وماتحت سب کے ساتھ ایک جیسا اور مساوی سلوک کیا جائے۔ کیونکہ قومیں اپنے اور اپنے قائدین کے احتساب سے زندہ اور باقی رہتی ہیں، بعض جمہوری مزاج قوموں نے تو جنگ جیتنے والوں اور اپنے ملک کی عزت بچالینے والوں تک کا احتساب کیا ہے اور ان کو اپنا کام ختم کر لینے کے بعد ریٹائر کر دیا ہے، قومیں بڑی بڑی شکست کھانے کے بعد سنبھل گئی ہیں۔ (۳۳) امید ہے کہ احتساب کا فرض اگر خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو ایک غیر جانب دار نقاد اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جو ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔

اگرچہ تمدن اسلام کے دور ترقی میں محکمہ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانے پر تمام قوم کے اخلاقی مصطلحات، بیع وشراء اور معاملات وغیرہ کی نگرانی کرتا تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد مبارکہ میں یہ محکمہ قائم نہیں تھا بلکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرض کو ادا فرماتے تھے، ہر شخص کی جزئیات اخلاق اور فرائض منصبی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً داروگیر فرماتے رہتے تھے۔ تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغہ احتساب سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے۔ (۳۴) اس سلسلے میں



Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

لقد رأیت الناس فی عهد النبی یبتاعون جزافاً یعنی الطعام یضربون ان یبیعون فی مکانهم حتی یؤووه الی رحالهم۔ (۳۵)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالتے جہاں اس کو خریدا تھا۔

اسی طرح بے لاگ عدل وانصاف کے قیام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ (۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کے لئے اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا۔

## خلاصہ بحث:

مملکت خداداد پاکستان کا موجودہ سیاسی نظام اگرچہ جمہوری روش کا حصہ ہے، لیکن اس سیاسی نظام کو اغیار کے مفادات ومقاصد کے بھینٹ چڑھانے اور دینی ومذہبی دائرے سے باہر نکالنے کا کسی بھی صورت اجازت نہیں دی جاسکتی۔ پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا ہے لہذا اس مملکت خداداد کے نظام کو بھی داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز سیاست کے موافق استوار کرنا ہے۔ پاکستان میں جو جمہوری سیاسی نظام اس وقت مروج ہے، اس کے بنیادی قوانین اسلام کے بنیادی اصولوں سے بہت حد ہم آہنگ اور یکساں ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس پر کماحقہ عمل درآمد نہیں کیا جاتا، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اساسی وبنیادی اسلامی قوانین پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے مملکت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے، جو بھی ملک یا ادارہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا یقیناً اس کے عوام وافراد خوشحال ومطمئن بھی ہونگے، کیونکہ اسلام میں ہر فرد کے حقوق و خواہشات کا حد المقدور خیال رکھا جاتا ہے، لہذا کامیاب ریاست بھی وہی ہو سکتا ہے جس کا سیاسی نظام کامیاب ہو۔ اس ضمن میں لازمی ہے کہ ملک میں خود احتسابی کا عمل انتہائی موثر ہو، تمام حکام اور ذمہ دار افسران وملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کرنا اور ان کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا ملکی نظام کو چلانے کا انتہائی اہم حصہ ہے۔ ہمارے ملک میں ہر ایک کے بے لگامی کا جو عنصر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک محاسبہ کے خوف سے آزاد ہے۔ احتساب کا عمل پوری دیانت داری اور خلوص وجرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو یہ ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔ امن وامان کے قیام پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن ومان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ اس وقت ملک میں امن وامان کی صورتحال انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ بدامنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بم بلاسٹ، دھماکے اور خودکش حملے وغیرہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری



Marfat.com

ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ پاکستان میں اس وقت بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی سمیت اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینے کی انتہائی اہم ضرورت ہے۔ پاکستان میں اس وقت جو افراتفری کا عالم محسوس ہو رہا ہے یا بے چینی اور عدم استحکام سے اگر ملک دوچار ہے تو اس کی بنیادی وجہ اکثر ریاستی اداروں کی عدم اصلاح ہے۔ سفارش، رشوت، کرپشن، ناقابلیت، دھوکہ دہی، چور بازاری، اقرباء پروری کی یلغار، عدم مساوات، انتظامیہ مقننہ، عدلیہ وغیرہ کا عدم احترام، اختیارات کا ناجائز استعمال، انصاف واحتساب کا فقدان، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام نہاد ترقی پسندی وغیرہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے ہمارے ملک کا حقیقی سیاسی سفر متزلزل اور غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہے۔ سفارش اور اقرباء پروری کلچر کا خاتمہ لازمی ہے، ملازمین کا تقرر اہلیت واستحقاق کی بنیاد پر کیا جائے کیونکہ سفارش و اقرباء پروری وہ ناسور ہیں جو اداروں کو کھوکھلا کر دیتا ہے، جبکہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ جو کلچر عام ہے وہ یہی سفارش اور اقرباء پروری ہے۔ اس کلچر کے ہوتے ہوئے ہم کبھی بھی اپنے ملک کو ایک کامیاب سیاسی نظام کے دائرے میں داخل نہیں کر سکتے۔

خلاصہ یہ کہ اگر ہم مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ لیں تو ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے تعلیمات سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ ہمارے ملکی سیاسی نظام میں ہر وہ ناجائز صورت موجود ہے جو کہ اسلامی معاشرے کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہو لہٰذا ان تمام ناجائز امور کا خاتمہ اور ایک حقیقی اسلامی سیاسی نظام کا وجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز سیاست میں مضمر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تربیت یہی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور باہمی ہمدردی، احسان وایثار، شجاعت وحمیت، صبر واستقامت، عفو و درگزر، حلم وبردباری، سخاوت وفیاضی، حسن اخلاق، صدق وتوکل، رواداری اور حسن ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔

ھٰذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب

## حوالہ جات


۱: مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۸۰

۲: مولانا سید محمد میاں، دور حاضر کے سیاسی واقتصادی مسائل، مکتبہ محمودیہ، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۲۱

۳: سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۱۶۷

۴: عبدالقدوس سلفی، اسلاف کی سیاست اور جمہوریت، جماعۃ الدعوۃ، لاہور، سن ندارد

۵: ڈاکٹر محمد فاروق خان، اسلامی انقلاب کی جدوجہد، غلطی ہائے مضامین، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۱

۶: محمد حبیب و بیگم افسر سلیم، سلاطین دہلی کا سیاسی نظام، انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، نئی دہلی،





Marfat.com

۱۹۷۹ء، ص ۳۵

۷: چودھری احمد شفیع، اصول شہریت، سٹینڈرڈ بک، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۸۵

۸: ڈاکٹر محمد عبد العلی اچکزئی، روضۃ السیرۃ، مکتبہ ولیہ، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۲۲

۹: الصف ۶۱: ۹

۱۰: المتقی، علاوالدین علی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسہ رسالۃ، بیروت، ۱۴۰۱ھ، ج ۳، ص ۵۲۷

۱۱: السجستانی، ابوداؤد سلیمان ابن اشعث، سنن ابوداؤد، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ج ۲، ص ۳۲۶

۱۲: المسلم النیسابوری، ابی الحسین مسلم ابن الحجاج (متوفی ۲۶۱ھ)، المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۰۶ء، کتاب البر، حدیث ۳۲

۱۳: بحوالہ بالا چودھری احمد شفیع، اصول شہریت، ص ۲۸۵

۱۴: بحوالہ بالا المتقی، علاوالدین علی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، الفصل الثالث فی انواع الکسب

۱۵: علامہ عبد الوحید خان، مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۲۳

۱۶: ڈاکٹر خالد علوی، اسلام اور عالمگیریت، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۲۸

۱۷: (مغربی تصور کے نظریہ اقتدار اعلیٰ میں جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ "مطلق، ہمہ گیر، پائیدار یا لازوال، لامحدود، ناقابل انتقال، اور ناقابل تقسیم"۔ ان صفات کا کسی ایک شخص یا جماعت میں تلاش کرنا بے سود ہے کیونکہ یہ سب صفات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں کسی اور کو نہیں)

۱۸: آل عمران ۳: ۱۵۴

۱۹: شامی، ابن عابدین سید محمد امین آفندی، رسائل ابن عابدین،، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۰ء، ج ۲، ص ۱۲۵

۲۰: قرافی، شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس، الاحکام فی تمیز الفتوی من الاحکام، مکتبۃ العلمی، بیروت، ص ۲۳۱

۲۱: بحوالہ بالا چودھری احمد شفیع، اصول شہریت، ص ۱۳۶

۲۲: الطاف جاوید، جدید اسلامی ریاست اکیسویں صدی کے تناظر میں، مطبوعہ المعارف، لاہور، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۵ء

۲۳: خلیفہ عبد الحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص ۲۹۵

۲۴: بحوالہ بالا المتقی، علاوالدین علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، باب الاول فی خلافۃ الخلفاء، ج ۵، ص ۶۳۳

۲۵: ڈاکٹر حمید اللہ، امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور ان کا تدارک، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۱۸۶

۲۶: البقرہ ۲: ۱۲۶



Marfat.com

۲۷: البخاری، امام ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل (متوفی ۲۵۶ھ)، الجامع المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، کتاب المناقب، علامات النبوۃ
۲۸: بحوالہ بالا ڈاکٹر محمد عبد العلی اچکزئی، ص ۱۲۳
۲۹: النساء ۴: ۱۳۵
۳۰: بحوالہ بالا البخاری،، باب من رفع صوتہ بالعلم، ج ۱، ص ۲۱
۳۱: ایضاً، باب من انتظر حتی تدفن، ج ۴، ص ۱۷۵
۳۲: سید سلیمان ندوی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ادارہ اسلامیات، لاہور، حصہ دوئم، ص ۴۱۱
۳۳: مولوی محمد رمضان، خطبات علی میاںؒ، دارالاشاعت کراچی، ج ۸، ص ۶۴
۳۴: بحوالہ بالا، سید سلیمان ندوی، حصہ دوئم، ص ۴۱۱
۳۵: بحوالہ بالا البخاری،، باب من انتظر حتی تدفن، ج ۳، ص ۶۹
۳۶: النساء ۴: ۱۳۵



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

مسعودہ شاہ°

بندہ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام اورا نہ او کس را غلام

بندہ حق مرد آزاد است وبس
ملک و آئینش اللہ است وبس

اقبال ؎۱

قرآنی تعلیم میں حکومت کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں ہے۔ جب دنیا میں جمہوریت کا رواج ہوا تو خوش عقیدہ مسلمانوں نے یہ دعویٰ پیش کیا کہ اسلام میں جمہوریت ہے۔ دین کی اصل ایک فرد کا اپنے اللہ سے تعلق ہے۔ فرد کیلئے معاشرہ ضروری ہے۔ اور معاشرہ انفرادی زندگی کی ناگزیر سماجی شرط اور ماحول ہے۔ لیکن اس کی قدر اس بات میں ہے، کہ اس میں کون سا اخلاقی اور روحانی نظام ہے۔ جو فرد کے اخلاق و روح کی تکمیل کر رہا ہے یا فراہم ہو رہا ہے۔

دین کا بنیادی عمل امر ہدایت ہے اور متعدد مقامات پر کلام پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد امر ہدایت بتایا گیا ہے۔ جب ملت اصلاح کی ایک خاص درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ تو اللہ اس کو حکومت بھی انعام فرماتا ہے۔ اور ہر انعام کی طرح یہ انعام بھی امتحان ہوتا ہے۔ ؎۲

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؎۳

ترجمہ: "یہ اہل ایمان وہ لوگ ہیں جن کو ہم زمین میں اقتدار بخشیں گے۔ تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔"

اسلام و نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی در حقیقت ایک ہی شے کے دو نام ہیں ان کے اوصاف اور کمالات صرف اللہ رب العزت ہی بیان کر سکتا ہے۔ اور قرآن پاک ہی اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔ کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ تحریر و تقریر میں ان کے بیان کا کسی درجہ حق ادا کر سکے۔ ؎۴ اب آیئے اصل موضوع کی طرف یعنی اسلام کے سیاسی و غیر سیاسی ہونے پر اس مقالے کا استدلال یہ ہے، کہ وہ جمہوریت جو مغربی تہذیب اور سیاست کی رُو سے فروغ

° گورنمنٹ ڈگری کالج پشین، بلوچستان



Marfat.com

جا چکی ہے۔ نہ تو مکمل طور پر کوئی یکساں نوعیت کا نظریہ ہے اور نہ ایسا نظریہ ہی ہے کہ جسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ یہ فرض کر لینا کہ "جمہوریت کا کوئی مخصوص مغربی نمونہ پوری انسانیت اور خاص طور پر مسلم اُمہ اور پاکستان کے لیے مثالی نظام سیاست کے طور پر تسلیم کر لیا جانا چاہیے "علمی طور پر نا قابل قبول اور ثقافتی اعتبار سے نا قابل مدافعت ہے۔

اسلام حکومت میں ترجیح امر ہدایت ہی کو دیتا ہے۔ حکومت سے پہلے بھی اور حکومت کے بعد بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آج کل کی جمہوریت کا انعقاد و تصور نا ممکن تھا۔ ہمارے زمانے میں طاقت کے دو مراکز ہیں۔ یا فوج یا عوام حکومت بھی یا فوجی آمریت ہو گی یا جمہوریت۔ عصر حاضر کے سیاسی شعور میں جمہوریت کے مقام کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ سوشلسٹ ریاستیں بھی جمہوریت کا دعویٰ کرتی ہیں اور ہر فوجی آمر جمہوریت کا وعدہ کرتا ہے۔ تاریخ کا رُخ مستقبل کی طرف ہے۔ تاریخی عمل سے لوگ سیاسی شعور اور عمل کی جس منزل پر پہنچ جاتے ہیں، وہاں سے پیچھے نہیں جاسکتے۔ ۵

جمہوریت زمانے کے لحاظ سے ضروری ہے، مگر کافی نہیں، جمہوریت اچھی بھی ہو سکتی ہے، بُری بھی، لازمی جمہوریت کو اچھی جمہوریت بنانا اسلام کا کام ہے۔ سیاسی سانچہ کچھ بھی ہو، اور ہمارے زمانے میں وہ، سانچہ جمہوریت ہے۔ معاشرے کی تربیت کرنا اس کو خیر اور عدل کی صفات کا حامل بنانا اِسلام کا مشن ہے۔ یعنی اسلام کا عمل ایک Catalyst کا سا ہے۔ وہ جس سانچے میں داخل ہوتا ہے، اس کی قلب و ماہیت کر دیتا ہے۔ اب ہم جمہوریت کو جاننے کے لیے کہ وہ اسلام کے اصولوں سے کتنی مطابقت رکھتی ہے، اس کے پس منظر کو بیان کرتے ہیں۔

## جمہوریت پر لغوی بحث:

یہ اصطلاح اٹھارہویں صدی میں ترکی میں عربی لفظ "جمہور" سے وضع عام ہوئی یعنی سارے لوگ، عام لوگ اور پہلی مرتبہ یہ اصطلاح فرانسیسی جمہوریہ کے بارے میں استعمال ہوئی۔ کلاسیکی عربی میں مثلاً علم سیاست سے متعلق عربی ترجموں میں اور مباحث میں یونانی NOAREIX اور لاطینی Respublica یعنی یونانی نظام حکومت ھیت عامّہ کا مترادف عموماً لفظ مدینہ تھا۔ چنانچہ افلاطون کی ریاست عوام یا "عوامی نظام" کی نوع کے لیے الفارابی اور دیگر حکماء نے "مدینہ جماعیّہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جمہور، ع (ج م ھ ر) سے ہے لسان میں ہے۔ الرمال الکثیر المتراکم الواسع وکل شیء معظمہ اور الارض المشرفة علی مافیھا۔ اپنے ماحول سے بلند زمین جمھور الناس جلھم۔ جماھیر القوم اشرافھم۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمہور کا مفہوم لوگوں کی اکثریت بھی ہے۔

فقہ کی کتابوں میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں آیا ہے۔ چنانچہ جمہور سے مراد علماء کی اکثریت ہے۔ اجماع اس سے مختلف ہے جس میں اتفاق رائے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے علم فقہ کی کتابوں میں دو لفظ خاص طور سے (پر) استعمال ہوتے ہیں ایک امامت دوسرا خلافت اگرچہ الماوردی نے ان دونوں اصطلاحوں کو آپس میں ملا دیا ہے۔ الامامة موضوعة الخلافة انبوہ فی حراسة الدین وسیاسة الدین (الاحکام السلطانیة مصر ۱۹۴۴ء ص) اس لحاظ سے اسلامی ریاست بھی اصولاً جمہور کی حکومت ہے۔ ۶



Marfat.com

## جمہوریت:۔ مغربی تناظر میں

جمہوریت Democracy کا لفظ انگریزی زبان میں ۱۴ ویں صدی میں فرانسیسی زبان Democratie سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ لفظ اپنے اصل کے اعتبار سے یونانی ہے۔ جو یونانی زبان کے لفظ Demokratie سے مشتق ہے اس لفظ کی اصل دو الفاظ Demos یعنی "عوام" Krato" "حکمرانی" ہیں۔ گویا یہ لفظ دو یونانی الفاظ کا مجموعہ ہے۔ جمہوریت ایک ایسا طرز حکومت ہے جس میں طبقہ امراء یا خواص کی حکومت، بادشاہت، آمریت یا استبدادی حکومت کے برعکس عوام ہی کو اقتدار کا حقیقی سرچشمہ تصور کیا جاتا ہے۔ حکومتی اصولوں اور طرز حکمرانی کا محور عوام تصور کیئے جاتے ہیں۔ بلکہ تمام اقدار تصورات اور پالیسیوں کا اصل منبع سمجھے جاتے ہیں عوام ہی کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔ نہ وہ ملک پر حکومت کریں اور ان کے حکمران بھی ان کے سامنے ہی جواب دہ تصور کیئے جاتے ہیں۔ جمہوریت کی اصطلاح سے ان تصورات اور اصولوں کے علاوہ ایک سیاسی نظام بھی مراد ہے۔ جس کے تحت حکمرانی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ اور ایک سیاسی و قانونی نظام معرض وجود میں آتا ہے۔ ۷

جمہوریت کی اصطلاح سے ان تصورات اور اصولوں کے علاوہ ایک سیاسی نظام بھی مراد ہے۔ جس کے تحت حکمرانی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ اور ایک سیاسی و قانونی نظام معرض وجود میں آتا ہے۔ جمہوریت کا اصل امتحان تو جواز (Legitimacy) کا اُصول ہے۔ جس کے تحت یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ اقتدار صرف اور صرف اس وقت جائز ہوتا ہے۔ جب یہ عوامی قوت سے حاصل کیا گیا ہو۔ اور اس کی بنیاد عوام کی مرضی پر رکھی گئی ہو۔ مغربی جمہوریت نے خوبی و معیار کے بجائے ہاتھوں کی گنتی کو شعار بنالیا۔ تنگ دلی پر مبنی جماعتی نظام کی سیاست، جمہوری نظام کے انحطاط کا باعث بنی بعض ممالک میں یک جماعتی نظام متعارف کروا دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں جمہوریت کے نام پر ایک پارٹی کی آمریت وجود میں آگئی۔ جمہوریت کے بعض بنیادی اصولوں میں اس قدر ملاوٹ کر دی گئی کہ جمہوریت کا تصور ہی دھندلا گیا۔ ۸

مسلمانوں کے ادب میں جمہوریت کا جدید مغربی تصور: جمہوریت کی اصطلاح مغربی افکار و علوم کی اشاعت کے بعد عام ہوئی اور اس سلسلے میں اسلامی ریاست کے جمہوری اور ہونے کی بحث بھی پیدا ہوئی۔ یہ سوال اُٹھایا گیا کہ اسلامی ریاست کو مغربی جمہوریت کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

بہت سے مصنفین جیسے شبلی نعمانی (الفاروق) اور مولانا ابوالکلام آزاد (مسئلہ خلافت) وغیرہ نے اس کو جمہوری قرار دیا ہے۔ جبکہ اکثر علماء اس کو جمہوریت کہنا پسند نہیں کرتے کیونکہ اس میں مغربی جمہوریت کے وہ تصورات بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ جن کو اسلامی تصور سے مطابقت نہیں۔ ۹

جمہوریت کیا ہے؟ ایک جمہوری اور غیر جمہوری نظام کی حد فاصل آج بالکل واضع ہیں۔ لیکن جونہی ہم لفظ جمہوریت کا اطلاق سنہری دنیا، خاص کر نام نہاد ترقی پذیر اقوام پر کرتے ہیں۔ تو جمہوری معیار اتنا گراہوا محسوس ہوتا ہے، کہ انسان دنیا کہ مختلف حصوں میں جو مختلف جمہوری تجربات کیئے گئے ہیں بلاشبہ ان سے متعدد سبق سیکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن مغربی ممالک کے سوا دنیا کے دیگر خطوں کے عوام خصوصاً مسلم اُمہ کو جمہوریت کے کسی بھی مغربی



Marfat.com

ماڈل کی اندھادھند تقلید نہیں کرنی چاہیے اس کی بجائے انہیں خود اپنے نظریاتی اور تاریخی ماخذ کو کھنگالنا ہے۔ ورنہ مغربی جمہوریت کے مطابق سرمایہ داروں کی مٹھی بھر جماعت عوام پر حکمران بنی رہے گی۔ اور اس نظام حکومت او قیصریت میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ بے شک عام انسان خود اپنی رائے سے اپنا آقا منتخب کرنے لگے مگر خواجگی کا فرسودہ نظام اس طرح قائم ہے۔ مزدوروں کا کوئی کارکن اگر حکومت کے عہدے تک پہنچ بھی گیا تو قیصریت کی ہمنوائی پر مجبور رہا۔ ۱۰

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا؟
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

اقبال

## قائداعظم کا تصور پاکستان:

قیام پاکستان کا اصل سہرا اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کے بعد اگر کسی کے سر جاتا ہے تو وہ قائداعظم کی فراست وقیادت اور مسلمان عوام کا جذبہ اور قربانی ہے۔ آزادی کے فوراً بعد ان کی بیماری اور وفات نے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی جس میں وہ کھوٹے سکے ہی ان کے گرد تھے۔

جس وقت تقسیم ہند کا مرحلہ درپیش تھا اور تحریک پاکستان زور شور سے جاری تھی۔ یہ نعرہ گلی گلی سنائی دیتا تھا، کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ قائدین تحریک اپنی تحریر و تقریر میں یہی وعدے و دعوے کر رہے تھے کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کریں گے۔ پاکستان کا خواب دیکھنے والے مفکر اقبال نے بھی پاکستان کو خطہ اسلام (دارالاسلام) بنانے کا خواب دیکھا تھا۔ ۱۱

بانی پاکستان کے بیسیوں اقوال وارشاد اس کی تائید میں موجود ہیں۔ کہ پاکستان کا دستور قرآن ہو گا۔ اور اسے اسلام کا قلعہ بنایا جائے گا۔ ڈاکٹر صفدر محمود زندہ مورخ ہیں وہ گواہی دیتے ہیں، کہ قائداعظم نے قیام پاکستان سے قبل ۱۰۱ مرتبہ اور پاکستان بن جانے کے بعد ۱۴ مرتبہ یہ اعلان کیا تھا کہ پاکستان کا قانون قرآن ہو گا۔ اور امریکی عوام کے نام اپنے ایک پیغام میں کہا تھا، کہ پاکستان خالص اسلامی ریاست ہو گی۔ ۱۲

اصل مسئلہ ہی اسلام کا تحفظ اور فروغ تھا۔ اِسی لیے علامہ اقبال نے سید غلام بھیک نیرنگ کے نام اپنے ایک خط میں آزادی کے مقصد کو ان الفاظ میں واضح فرمایا:

"اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات محض آزادی اور اقتصادی بہبود ہے، اور حفاظت اسلام کا اِس میں کوئی عنصر نہیں تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونگے۔" یہی وجہ ہے، کہ قائداعظم میں اسلام کی بقاء اور فروغ کے لیے اُن کی نگاہ میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام ناممکن تھا۔ اور قائداعظم اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "مسلم لیگ ہندوستان کے اُن حصوں میں آزاد ریاستوں کے قیام کی علمبردار ہے، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، تاکہ مسلمان وہاں اسلامی قانون کے مطابق حکومت کر سکیں۔

اور قیام پاکستان کے بعد سرحد اور قلات دونوں جگہ قائداعظم نے واضح الفاظ میں ان لوگوں کے الزامات کی



Marfat.com

تردید کی جو کہہ رہے تھے کہ پاکستان میں قانون سازی میں شریعت کے بنیاد اصولوں اور قرآنی احکام کیمطابق نہیں ہوگی۔ اُن کا ارشاد تھا، کہ "یہ بات قطعی طور پر غلط ہے"۔ ۱۴۰؎

## کیا قائد اعظم پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

آج جو لوگ یہ کہتے ہیں، کہ قائد اعظم کے پیش نظر قیام پاکستان کے وقت مسلمانوں کی معاشی اصلاح تھی اور وہ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔

حالانکہ قیام پاکستان کے بعد قائد اعظم نے اسلام و قرآن کو اپنا ضابطہ حیات بنانے پر پہلے سے زیادہ زور دینا شروع کر دیا تھا۔ قائد اعظم نے اپنی نشری تقریر میں کہا:

"آیئے ہم اپنی عظیم اور خود مختار مملکت کی تعمیر کیلئے کچھ تدبیر کریں جو آپ کو معلوم ہی ہے۔ کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت بھی ہے۔ اللہ باری تعالیٰ نے ہمیں خام مال سے اور وسائل سے بڑی فیاضی سے نوازہ ہے۔" ۱۴۱؎

## قرار داد مقاصد کی رو سے جمہوریت کا اطلاق:

مجلس دستور ساز پاکستان کی منظور کردہ قرارداد پاکستان متعلقہ پاکستان میں ایک سبق حسب ذیل ہے جس کی رو سے "مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی کو اسلامی تعلیمات و مُقتضیات کے مطابق، جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں؛ قرار داد مقاصد جس آئیڈیالوجی پر مبنی ہے اس کا قرارداد کے دیباچہ میں اعلان کر دیا گیا ہے۔ جو درج ذیل اجزاء ترکیبی پر مشتمل ہے۔

اول: یہ کہ حاکمیت ساری کائنات پر صرف اللہ کی ہوگی کوئی خاندان، طبقہ، نسل، قوم، یا باشندگان پاکستان کا مجموعہ اس حاکمیت کا حامل نہیں ہے۔

دوئم: یہ کہ ریاست پاکستان کو جو اقتدار حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ ہے اور اس کی طرف سے ایک مقدس امانت یا Secred Trust کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری لفظوں میں اس کے معنی ہیں مملکت میں اصل مقتدر اعلیٰ یعنی اللہ رب العالمین کے نائب اور امین و خلیفہ کی حیثیت سے کام کریگی۔

سوئم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اقتدار اس ریاست کے حکمرانوں کو براہ راست نہیں سونپ دیا گیا ہے، بلکہ "پاکستان کے باشندوں کے ذریعے سے سونپا ہے۔" بالفاظ دیگر اس امانت کے اور اس خلافت کے اصل حامل جمہور پاکستان ہیں اور وہی اس اقتدار کو ان لوگوں کے حوالے کریں گے۔ جنہیں وہ ریاست کا انتظام چلانے کے لیے پسند کریں۔ یہ چیز اسلامی جمہوریت کو ایک طرف مغربی طرز کی ڈیموکریسی سے ممیز کر دیتی ہیں۔ اور دوسری طرف پاپاپائی تھیوکریسی سے۔

چہارم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ریاست پاکستان کو اس کے باشندوں کے ذریعے سے جو اختیارات سونپے ہیں وہ اس لیے سونپے ہیں کہ "وہ ان کو اس کی مقرر کردہ حدوں میں استعمال کریں"۔ اس فقرے کا



Marfat.com

لامحالہ منشا یہ ہے کہ ریاست پاکستان اپنے ان مفوضہ اختیارات کو قرآن و سنت کے مطابق حدود اللہ کے اندر استعمال کرنے کی پابند ہوگی۔ ان حدود سے تجاوز کرنے کا اسے حق نہیں ہوگا۔

یہ ہے وہ آئیڈیالوجی جن پر اس ملک کی بنیاد رکھتے ہوئے عمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ۱۵

عام ملکی حالات کے بارے میں قرارداد پاکستان کی شق (ب) یہ طے کرتی ہے، کہ دستور مملکت کی ترتیب میں "جمہوریت" آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی عدل و انصاف کے ان اصولوں کی پوری طرح سمجھ لی جائے گی جو اسلام نے ہم کو بتائے ہیں۔ ان امور کے بارے میں ضروری ہے، کہ ان کے اسلامی مفہومات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کیونکہ اشتراکی و مغربی جمہوریتوں کے ماننے والے اس کے الگ الگ معنی لیتے ہیں اور اسلام میں ان کے معنی کچھ اور ہیں۔ ۱۶

پاکستان کا اصل المیہ ہی یہ ہے، کہ اصل اقتدار اختیار آج تک عوام کی طرف منتقل نہیں ہوا اور سارے وسائل پر ایک طبقہ قابض ہے۔ جس کا تعلق سیاسی انتظامی اور عسکری اشرافیہ سے ہے اور جو باری باری اقتدار پر براجمان ہو کر ملک کے سفید و سیاہ کا مالک بنا ہوا ہے۔ قومی دولت کا ۸۰ فیصد آبادی کے اوپر کے ۱۰ فیصد کے پاس ہے۔ ۱۲/۱۰ ہزار بڑے خاندان ہیں جو زراعت، صنعت پر بھی چھائے ہوئے ہیں۔ پارٹی خواہ کوئی بھی ہو۔ سول بیوروکریسی اور عسکری اسٹیبلشمنٹ بھی اس گٹھ جوڑ کا حصہ ہے۔ دستور موجود ہے مگر اس کا بڑا حصہ عملاً معطل ہے۔ قانون صرف کتاب قانون کی زینت ہے اور عملاً قانون، ضابطے اور میرٹ کا کوئی احترام نہیں ہے۔ پولیس سیاسی قیادت کا آلہ کار بنی ہوئی ہے۔ ہر سمت کرپشن کا دور دورہ ہے۔ عوام کے مسائل اور مشکلات کا کسی کو درد نہیں اور نہ اس کا کوئی پرسان حال ہے۔ عدالت، خصوصی طور سے اعلیٰ عدالت نے کچھ آزادی حاصل کی ہے مگر اس کے فیصلوں اور احکام کو بھی کھلے بندوں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ عملاً انہیں غیر موثر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ جاتی۔

جمہوری اداروں کے ورکنگ کے اکثر اصول غیر اسلامی ہیں یہ خرابیاں مغربی جمہوریت میں تھیں۔ ہم نے اس پر عمل کرتے ہوئے اس میں مزید خرابیوں کا اضافہ کر لیا ہے۔ جیسے ووٹ خریدنا اور پیسے کا غلط استعمال، خاندان برادری کی بنیاد پر ووٹ دینا جعلی ڈگریاں اور جھوٹا پروپیگنڈا کرنا، اور فرقے کی بنیاد پر سیاسی جماعت بنانا اور انتخابات میں جھرلو کے بیسیوں ہتھکنڈے ایجاد کرنا۔۔۔ وغیرہ۔

جس کی وجہ سے شرفا اور غیر سرمایہ دار، نہ اس میں حصہ لے سکتے ہیں اور نہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ علماء اور دینی عناصر جیسے حاکمیت الٰہ اِن کا اصول اور قرآن و سنت کے خلاف قانون نہ بنانے کا اصول (ان اصولوں کو پالیسی اصولوں میں رکھا گیا اور انہیں آئین پر حاوی نہیں ہونے دیا گیا) لیکن جمہوری اداروں کو اسلامی اصولوں کے مطابق نہ ڈھالا گیا بلکہ ہم نے اس میں مزید غیر اسلامی اصولوں کا اضافہ کر دیا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

یہ حالت زار جس میں آزادی کے بعد نام نہاد جمہوری قوتوں کی حکمرانی کے طفیل پاکستان اور اہل پاکستان مبتلا ہیں۔ ملک جو پوری ملت کیلئے نئی اُمیدوں اور ایک رُشن مستقبل کا پیغام لیکر سیاسی افق پر نمودار ہوا تھا۔ اسے اِن اتھاہ تاریکیوں میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اور لوگ خود مایوس ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ: ۱۷



Marfat.com

وہ حبس ہے کہ لُو کی دعا مانگتے ہیں لوگ

## جمہوری قیادتیں:

تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار — کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام خس و خاشاک
مہر و ماہ و انجم نہیں محکوم تیرے کیوں — کیوں تیری نگاہوں سے گزرتے نہیں افلاک (۱۸)

پاکستان پر مروجہ جمہوری نظام میں حکمرانوں کی داستانیں کہاں کہاں دراز ہیں ایک خاندان ۲۵ ہزار کینال پر قیام گاہ بنا چکا ہے۔ دوسرے نے اسی شہر میں ۲ سو کینال پر بم پروف محل بنایا ہے۔ کسی کو خبر نہیں کہ پارک لین برکے اسٹریٹ لندن ہائیڈ پارک کے پاس اور سینٹرل لندن میں جائیدادوں کے مالک کون ہیں کسے خبر نہیں کہ سرے محل سمیت کئی محلوں سے پاکستانی قوم کے خون کی بو آتی ہے۔ کسے خبر نہیں کہ کھربوں کا کالا دھن این آر او کی واشنگ مشین میں دھل جاتا ہے۔ اور کسے خبر نہیں کہ ۲۵ بلین ڈالرز پاکستان کی سولہ شخصیات کی مٹھی میں ہیں یہاں ۲۶ بڑے خاندان سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ یہاں پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں سات دنوں کا خرچہ ۱۴ کروڑ ہو جاتا ہے۔

ان تمام باتوں کا جمہوریت کے "خدائی خدمت گاروں" کو علم نہیں ہے جو صبح و شام سیاستدانوں کے حق میں دلائل گھڑتے ہیں۔ افسوس قائد اعظم کے ملک پر حکمرانی کرنے والے کھوٹے سکے ہر وقت کرپشن کے گیت گاتے ہیں۔ عجب لوگ ہیں جن کے لیے عوام کہہ رہے ہیں کہ:

ہم بچاتے رہ گئے دیمک سے اپنے گھر
کرسیوں کے چند کیڑے ملک سارا کھا گئے

آج ان جمہوریت اور عوام دوستی کے نام پر جو قیادتیں مسلط ہیں اور جن کا کسی بھی سطح پر احتساب کا کوئی امکان نہیں۔ اس میں ایک ذمہ داری لوگوں کی بھی ہے۔ ۱۹

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے پیش نظر فرمایا کہ ریاست کا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو اس کا حریص ہو، اس لیے کہ اس سے پھر معاملات میں عدالت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ (۲۰)

آپؐ کا ارشاد ہے:

انا، واللہ، لانولی علی ھذا العمل احدً سالہ ولا احدً احرص علیہ۔ (۲۱)

"ہم بخدا کسی ایسے شخص کو اس نظام میں کوئی منصب نہ دیں گے جو اسے مانگے اور اس کے لیے حریص ہو"

چنانچہ تاریخ گواہ ہے، کہ اسی عدل کو قائم رکھنے کے لیے خلفائے راشدین نے اپنے دروازے فریاد اور عتراض کرنے والوں کے لیے ہمیشہ کھلے رکھے، فقیرانہ زندگی اختیار کی اور یہاں تک کہ بوریے کو تخت بنایا اور اس طرح جیئے کہ زمین و آسمان پکار اُٹھے: (۲۲)

سلطنت اہل دل فقر ہے، شاہی نہیں۔



Marfat.com

## تبدیلی کالائحہ عمل:

گھبرائیں نہ ظلمت سے گزرنے والے
آغوش میں ہر شب کے سحر ہوتی ہے

صورت حال کے بگاڑ کے بعد اس امر کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے، کہ پاکستان کے عوام اپنے مستقبل کیلئے جس تبدیلی کیلئے سرگرم عمل ہوں اس کے خدوخال اور نمونے کا تعین وہ مدینہ کی اسلامی فلاحی ریاست ہے۔ جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین کے ہاتھوں صورت پذیر ہوئی اور جس نے انسانیت کی تاریخ کو ایک نیا موڑ دیا۔ دوست و دشمن سب اس بات کے معترف ہیں کہ اسلام کا وہ مثالی دو ہی ہمیشہ مسلمانوں کی توجہ کا مرکز اور اُن کا حقیقی مطلوب و مقصود رہا ہے۔ اور اسکے احیاء کیلئے مسلمان ہر زمانے اور ہر ملک میں جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ اُن کی پکار ہمیشہ یہ ہی رہی ہے، کہ

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

مسلمان دل سے چاہتے ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین کے دور کا احیاء ہو اور ان کی خواہش اس لیے ہے، کہ وہ دور انسانی تاریخ کا بہترین دور تھا۔(۲۳)

## انفرادی واجتماعی زندگی اس کے مطابق بناؤ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (۲۴)

ترجمہ: اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اس دین میں مکمل داخل ہو جاؤ۔ اور دنیا کی قیادت سے اللہ کے باغیوں کو ہٹا کر صالح لوگوں کے ہاتھ میں دے دو تا کہ دنیا میں صاف ستھرا انسان دوست فلاحی اور اسلامی معاشرہ وجود میں آسکے۔

اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی درحقیقت ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ ان کے اوصاف اور کمالات صرف اللہ رب العزت ہی بیان کر سکتا تھا۔ اور قرآن پاک ہی اس کا احاطہ کر سکتا تھا۔ کسی انسان کے بس کی بات نہیں، کہ وہ تحریر و تقریر میں ان کے بیان کا کسی درجہ حق ادا کر سکے۔ آپ کا ہر وصف اور کمال گوہر نایاب کی مانند ہے لیکن غور فرمائیں کہ اعتدال اور توازن جیسا اسلام میں ہے، کسی دین میں نہیں اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہے، وہ پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے، کہ کسی دوسرے نبی کی ذات میں اس درجہ کمال کو نہیں پہنچا۔(۲۵)

اس وقت ملک کا سیاسی، مذہبی اور سماجی ڈھانچہ جو بکھرا پڑا ہے، جو نو آبادیاتی دور کا چربہ اور عہد فرہنگ کا نشان بد کا نمونہ ہے۔ اس کو از سر نو اسلامی آفاقی تعلیمات و آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اسلامی انقلابی خطوط پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔

ایں ہمہ اسباب استحکام تست　　　پختہ ای محکم اگر اسلامی تست

یہ سب تیرے استحکام کے اسباب ہیں اے مسلمان، تو پختہ ہے اگر تیرا اسلام محکم ہے۔



Marfat.com

تا خلافت کی بناء میں ہو پھر استوار		لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب، جگر (۲۶)

## حکومت الٰہیہ کا قیام ہی اصل مقصد ہے:

جس طرح نظام کائنات کی تخلیق و تنظیم میں بلا شرکت غیرے "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" کا قانون جاری و ساری ہے، اسی طرح اس زمین پر بسنے والے انسانوں میں تمام غیر الٰہی اختیارات اور انسانوں کے خود ساختہ قوانین کو ختم کر کے صرف حکومت الہیہ کو قائم کرنا ہی اسلام کا واحد مقصد ہے۔

نبی آخر الزمان نے ببانگ دہل اس فرمان کا اعلان کرا دیا کہ صرف وہی شخص اللہ کے نزدیک مطیع و فرمانبردار سمجھا جائے گا۔ جو تمام اقتدارات و اختیارات سے قطع تعلق کر کے ایک حاکیت و مطلق العنانی کو تسلیم کرے اور اس دستور العمل کو اپنا نصب العین بنائے جس کو دوسرے پیغمبروں کی طرح میں لے کر آیا ہوں۔

والذی نفسی بیدہ لایومن احدکم حتی یکون ہواہ تبعا لما جئت لہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس قانون اور اس ہدایت کی تابع نہ ہو جائیں جسے میں لے کر آیا ہوں۔

ہر وہ نظام جو قوانین الٰہی سے متصادم ہو خواہ وہ مسلم افراد اقوام ہی کا بنایا ہوا کیوں نہ ہو، نامعقول و مردود ہے اور غیر اسلامی نظام کا جزو بننا تو کجا اس سے ادنیٰ تعاون بھی گناہ عظیم ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ ترجمہ: حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں اس کا فرمان ہے، کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، یہی صحیح دین ہے۔

انسانوں میں خلافت الہیہ کے قیام کا مقصد یہ ہے، کہ یہ زمین ظلم و عدوان کے بجائے عدل، فتنہ و فساد کے بجائے امن، سرکشی و خونریزی کے بجائے باہمی محبت و وفاکشی سے معمور ہو جائے۔ اور تمام انسان باہمی دیگر "الخلق عیال اللہ" کا سچا نمونہ بن جائیں۔ (۲۷)

## عہد نبوت و مسلمانوں کے تجربات:

صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنی ذاتی زندگی میں بندے اور خدا کے درمیان مضبوط روحانی رشتے کا قابل تقلید نمونہ پیش کیا، بلکہ انہوں نے ایک ایسے معاشرے اور ایک ایسی ریاست بھی قائم کی جو مسلمانوں کے سیاسی اور تاریخی تجربات کے لیے ایک مثال اور نمونہ بنی رہی۔ بیعت عقبہ ثانیہ اور میثاق مدینہ نے وہ مضبوط بنیادیں فراہم کیں جن پر مدینہ کا معاشرہ اور ریاست کی تعمیر ہوئی، امت کی نظر میں اسلامی سیاسی ماڈل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد چاروں خلفائے راشدین کے ادوار میں بھی پیش کیا گیا۔

مسلم قوانین کا مجموعہ "فقہ" ایک عوامی، جمہوری اور شعوری عمل کے تحت تشکیل پایا ہوا ہے۔ جس کے دوران علماء اور متعلقہ اصحاب نے علمی بحث و مباحثہ، عملی مسائل و مشکلات کے ادراک اور تجزیہ اور باہم افہام و تفہیم کے ذریعہ مسائل کا حل تلاش کیا انفرادی فتووں اور قاضیوں کے فیصلوں کے ساتھ اجتماعی بحث و نظر کے ذریعہ فقہ کا



Marfat.com

یہ سنہری اثاثہ وجود میں آیا۔ یہی وجہ ہے، کہ انسانی تہذیب وتمدن کی تاریخ میں اسلامی قانون ہی مسلمانوں کا شاید سب سے بڑا تحفہ ہے۔(۲۸)

امت مسلمہ نے اسطرح جو قانون سازی کی اسے رضاکارانہ طور پر تسلیم کرنے اور اسکا احترام کرنے ہی سے قانون کے مختلف مکاتب فکر وجود میں آئے اور یہ مسلمانوں کا عظیم و منفرد پہلو ہے، کہ مسلم معاشرے میں رواج اور نفاذ پانے والا قانون کبھی بھی حکمرانوں کی مرضی سے نہیں بنایا گیا۔ جان ایل ایسپوزٹیو اور جان وول نے اپنی (مشترکہ) تصنیف اسلام اور جمہوریت میں لکھاہے۔ " مشرق میں مطلق العنانی کا جو تصور عرصہ دراز سے موجود ہے۔ اسی میں طاقت اور اقتدار کی تقسیم یا حکمران کے اختیارات پر قدغن کا کوئی تصور نہیں لیکن مسلم معاشروں میں اس نوع کے غیر محدود اختیارات کو کوئی وجود نہیں ملتا۔ اسلامی معاشرے میں کسی خلیفہ یا حکمران کے احکام قواعد سے نہیں بلکہ مسلم علمائے کے درمیان اتفاق رائے سے قوانین مرتب ہوتے تھے۔ کوئی حکمران قانون سے بالاتر تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ اور تمام حکمرانوں کا احتساب بھی قانون کے مطابق کیا جاتا تھا۔(۲۹)

## شورائی اور جمہوری نظام:

اسلام میں دوسری بنیادی چیز اسکا پورا نظام شورائی اور جمہوری تھا اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۳۰) اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو۔

اور ملت کے نظام اجتماعی کے متعلق قرآن کی واضح ہدایت یہ ہے، کہ

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (۳۱) ان کے معاملات باہم مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

ایسا معاملہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خصوصی ہدایت نہیں دی گئی۔ اسے انجام دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کے اہل الرائے افراد سے مشورہ کیا اس کی ایک نمایاں مثال آپ کی مشاورت ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کے جمع کرنے کے طریقے کے تعین کا متعلق فرمائی گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ اول صدیق اکبرؓ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں اعلان کر دیا کہ، "میری اطاعت کرو، جب تک میں اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر لازم نہیں" (۳۲) مشاورت سے متعلق احادیث مبارکہ:

۱۔ مشورہ کرنا شرمندگی سے بچنے کا ایک قلعہ ہے اور ملامت سے بچنے کی امان گاہ۔

۲۔ اپنے کاموں میں باہمی مشورے سے مدد حاصل کرو۔

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں، کہ حکمرانوں کے لیے ضروری ہے، کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انہیں علم نہ ہو فوج کا سربراہ ہو یا جنگی معاملات میں ہر برآوردہ لوگوں سے عوام کے مسائل کے بارے میں اور ماتحت حکام سے ان کے علاقوں کے ضروریات وترجیحات کے بارے میں مشورہ کریں۔ جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی کہنا



Marfat.com

تو غلط ہو گا کیونکہ مشاورت ہر کسی سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جو لوگ معاملے کی نزاکتوں اور ضروریات سے واقف ہوں صرف وہی مشورہ دینے کے اہل ہیں۔ کسی اجتماعیت کے اندر مرکزی، صوبائی، مقامی ہر سطح پر جب مشاورت کا سلسلہ چل پڑے گا۔ تو ہر فرد کار آمد، عقل مند اور صاحب الرائے ثابت ہو گا۔(۳۳)

## ریاست کا فلاحی تصور:

ریاست محض ایک منفی ادارہ نہیں ہے، جو محض اندرونی خلفشار اور بیرونی حملوں سے ملک کو محفوظ رکھنے کے لیے وجود میں لایا گیا ہو۔ بلکہ معاشرتی تنظیم کی وہ صورت ہے، جس کے ذریعہ مثبت طور پر ایک خاص طرز زندگی کو ترویج دینے کی منظم سعی وجہد کی جائے۔ اس ادارے کا اصل مقصد نیکی کا فروغ بدی کا استیصال اور فلاحی معاشرے کا قیام ہے جو انسانوں کی حقیقی ضرورتوں کا اہتمام کرے۔ اور ان کو مادی اور اخلاقی اعتبار سے اس لائق بنادے کہ وہ زمین پر اللہ کے خلیفہ کا موثر انداز میں کردار ادا کر سکے۔

۱۔ کتاب وسنت کی تعلیم اور اسکا فروغ

۲۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

۳۔ حکومت عوام کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔ ان پر ظلم وجبر نہ کرے ان پر ایسا بوجھ نہ ڈالے جس کے وہ متحمل نہ ہو سکتے ہوں۔(۳۴)

## جانشینی

حضرت عمرؓ اس بات کا اہتمام کرتے تھے، کہ مجاہدین زیادہ عرصہ تک اپنے اہل وعیال سے جدا نہ کریں اور کہا کرتے تھے، "تمہارا مجھ پر حق ہے، کہ میں تمہیں تباہی میں نہ ڈالوں اور تم کو سرحدوں میں روکے نہ رکھوں۔ اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے، حضرت موسیٰ اشعریؓ کو ایک خط میں عمرؓ نے لکھا کہ "سب سے زیادہ خوش نصیب حاکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے، جس کے سبب سے اسکی رعایا خوشحال ہو۔ اور سب سے بدبخت حاکم وہ ہے، جسکے سبب سے اسکی رعایا بدحال ہو۔ تم خود ہی اپنے آپ کو کج روی سے بچانا تاکہ تمہارے ماتحت کج روی اختیار نہ کریں۔(۳۵) حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، کہ "اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر"۔(۳۶)

خلاف راشدہ کی تمام پالیسیوں میں لوگوں تک حسنات پہنچانے اور ضرورت مندوں کی کفالت کرنے کا جذبہ کار فرما تھا بلکہ حضرت عمرؓ تو فرماتے تھے، کہ "خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو صفا کے پہاڑوں میں جو چرواہا بکریاں چرا رہا ہو گا اس کو بھی اس مال سے اسکا حق پہنچے گا اور اس کے لیے اسکو کوئی زحمت نہیں اُٹھانا پڑے گی" اور یہ کہ "خدا کی قسم! اگر میں اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہا تو انکو اس حال میں چھوڑ جاؤں گا، کہ میرے بعد اُن کو کسی اور امیر کی احتیاج باقی نہ رہے گی"۔ خلافت راشدہ ایک صحیح اور معیاری خادم خلق ریاست تھی اور عوام کی حقیقی فلاح و بہبود اور ان کے لیے آسانیوں کا فراہم کرنا اسکا اصل مقصد تھا۔(۳۷)



Marfat.com

## اسلام اور مغربی جمہوریت میں اختلاف:

اسلام جن چیزوں میں مغربی جمہوریت سے اختلاف رکھتا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ حاکیت اعلیٰ کے اختیارات:۔ انسان کو نہیں بلکہ خدا اور اسکے قانون کو حاصل ہے انسان کی حیثیت خدا کے خلیفہ کی ہے اور اس کی ذمہ داری یہ ہے، کہ خدا کی ہدایت کے مطابق اپنے معاملات کو طے کرے اگر حد فیصد افراد خدا کے قانون کو بدلنا چاہیں تو بھی انہیں اسکا اختیار نہیں۔

۲۔ جمہوریت کی قانون سازی کے اختیار مطلق کے مقابلے میں اسلام ان کے محدود اختیار کا تصور پیش کرتا ہے اور جمہوریت سے مختلف ہے، کہ جہاں کوئی مستقل اور اعلیٰ تر قانون موجود نہیں ہماری پاس مکمل ضابطہ موجود ہے۔ جس کے مطابق ہی ہم اپنے معاملات طے کرتے ہیں۔

۳۔ جمہوریت میں ہر لحظ مخالفت اور پارٹی بازی کی جو فضا رہتی ہے۔(۳۸)

اسلام اسے پسند نہیں کرتا وہ یہ طریقہ پیش کرتا ہے، کہ:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔(۳۹)

نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کرو۔

۴۔ اسلام اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ لوگوں کو عہدوں کی حرص ہو اور ان کیلئے اپنا سب کچھ لٹاتے پھریں وہ چاہتا ہے۔ کہ ذمہ داری کے مناصب ان لوگوں کو دیئے جائیں جو اسکی طمع نہ رکھتے ہوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، کہ:

اِنَّا لَا نُوَلِّی هٰذَا مَنْ سَاَلَهٗ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ۔(۴۰)

ترجمہ: ہم کسی ایسے شخص کو یہ منصب نہیں دیتے جو اسکی طلب میں رہے یا اسکا حریص ہو۔ ایک اور ارشاد ہے، "تم بہترین انسان ان کو پاؤ گے جو اس معاملے (امارت) کو ناپسند کرتے رہیں مگر یہ کہ وہ اسمیں مبتلا ہو جائیں۔(۴۱)

اس لیے ہمارے موجودہ نظام سیاست میں لوگ خود اس معاملے میں امیدوار بنتے ہیں۔ اور پھر اپنی اہلیت کا جھوٹا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور امیر بہت سی رقم خرچ کرتے ہیں۔ یہ سب اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہے۔ اس کا متبادل طریقہ مثلاً کیا ہو سکتا ہے، کہ ہر حلقے کے تجربہ کار اور نیک شہرت رکھنے والے اہل حل وعقد اس مقصد کے لیے اپنے نمائندے تجویز کریں جو مطلوبہ شرائط پر پورے اترتے ہوں۔ مثلاً وہ مسلمان ہوں، بالغ ہوں، عاقل ہوں، عادل ہوں، ان پڑھ جاہل وغیرہ نہ ہوں۔ پھر الیکشن کمیشن انہیں میڈیا پر متعارف کرائیں۔ ان کے انٹرویو نشر کرائیں خود انکی طرف سے جلسے، جلوس اور تشہیری مہم پر پابندی ہو تو کافی حد تک موجودہ قباحتوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ پھر ان منتخب نمائندوں میں سے مطلوبہ صفات کا حامل بہتر سے بہتر شخص کو بطور امیر و خلیفہ چُنا جا سکتا ہے۔ جو شوریٰ کا کام ہے۔ جیسے حضرت عثمانؓ کی شہادت پر بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کو خلافت کی پیش کش کی تو آپؓ نے جواب میں فرمایا، "یہ معاملہ تمہارے ہاتھ میں نہیں یہ تو اہل شوریٰ او اہل بدر کا کام ہے۔ اب جس کو اہل شوریٰ پسند کریں وہی خلیفہ ہو گا۔ لہذا



Marfat.com

اہم جمع ہونگے اور غور کریں گے۔

۵۔ جمہوریت جغرافیائی قومیت کے ساتھ وابستہ ہوگئی ہے، جبکہ اسلامی ریاست ایک اصولی اور نظریاتی ہے اور اسکا پیغام عالمگیر ہے۔(۴۲)

دستور اور قانون کی حکمرانی، موثر شورائی نظام اور جمہوری اداروکا وجود جواب دہی اور پالیسی سازی کا اداراتی انتظام ہی اچھی حکمرانی کے ضامن ہوسکتے ہیں۔ فوجی حکومت ہو یا جمہوریت کے لبادے میں شخص حکومت۔۔۔دونوں مطلوبہ نظام کی ضد ہیں۔ یہ نہ صرف ملک کے لیے نقصان دہ ہے، بلکہ خود فوج کی دفاعی صلاحیتوں کے لیے بھی ہم قائل ہے۔ اس لیے جتنی جلد ممکن ہو، حقیقی جمہوری نظام کی طرف مراجعت ہی میں ہماری نجات ہے۔(۴۳)

## حاصل بحث:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسلامی تعلیمات اور نوع انسانی تاریخ کے تجربات کا نچوڑ ایک جملے میں بیان فرمادیا ہے، کہ "معاشرہ کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے، لیکن انصاف کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا" جس معاشرے سے انصاف اُٹھ جائے سمجھ لیجئے کہ اس کی زندگی کے دِن گنے جاچکے ہیں۔

آج پاکستان ہی نہیں پوری مسلم دنیا کا مسئلہ ہی یہ ہے، کہ فوجی حکومت ہو یا "جمہوری تماشا" اقتدار جس کے ہاتھ میں بھی ہو وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کی سزا عوام کو بھگتنی پڑتی ہے۔(۴۴)

مندرجہ بالا بحث سے پتہ چلتا ہے، کہ اسلامی ریاست کی شورائیت وجمہوری کردار کے علاوہ باقی باتوں میں مغربی طرز کی جمہوری ریاست سے مختلف ہے۔ خلفائے راشدین نے اپنی ذاتی سیرت اور خدمت دین و مسلمین کے ذریعے امت کا اعتماد حاصل کیا ور اس دور کی جو بھی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ ان کے فروغ میں انسانیت کے انہی بہترین نمونوں کا بڑا دخل ہے۔ خلافت راشدہ کا مزاج اس بات کا تقاضا کرتا ہے، کہ دین کے بے لوث خادم اس نظام کو چلائیں۔ جبھی وہ کامیاب ہوسکتے ہیں اور جب یہ نظام قائم ہو جاتا ہے تو زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتیں برسانے لگتا ہے۔ اور دنیا خیر وصلاح سے بھر جاتی ہے۔ آج پاکستانی معاشرہ نہ انگلستان کا نہ روس و فرانس کا نظام رائج کرنا چاہتا ہے۔ بلاشبہ اپنے زمانے اور ضرورتوں کے مطابق ان کو اختیار ہے، کہ سیاسی اور اداراتی ردّوبست کا اہتمام کریں لیکن اصول واقدار اور معیاد کے باب میں وہ نبوت کے نقش و خلافت راشدہ کے اصولوں کا احیاء چاہتی ہے اور ہر اس پیکر کو پسند کرے گی جو اُن اصولوں کو ٹھیک ٹھیک قائم کرسکے۔(۴۵)

اقبال لکھنو سے نہ دلی سے غرض
ہم تو اسیر ہیں خم زلفِ کمال کے(۴۶)

## حوالہ جات


۱۔ اقبال علامہ محمد ڈاکٹر، کلیات اقبال شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۲۔ مرزا بیگ ایوب، سیاسی اور غیر سیاسی، اسلام نوائے خلاف لاہور، ۲نومبر ۲۰۱۰ء




Marfat.com

۳- الحج ۲۲: ۴۱
۴- خورشید احمد پروفیسر احمد ترجمان القرآن ۲۰۰۸ء ص ۴۵
۵- مرزا بیگ ایوب، سیاسی اور غیر سیاسی، ص ۳
۶- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، "جمہور" ص ۴۴۳
۷- رچرڈ جے کا مقالہ "ڈیموکریسی" مرتبہ: رابرٹ اکلیشل، لندن ۱۹۹۴، ص ۱۲۴
۸- خورشید احمد پروفیسر احمد ترجمان القرآن ص ۵۱
۹- عبد الوحید مولانا مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان، دوست ایسوسی ایٹ لاہور، ص ۹۶۔
۱۰- ایضاً ۹۸
۱۱- (ماہنامہ افکار معلم) ثریا بتول ص ۹۰
۱۲- فرنٹیئر اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام پیغام" قائد اعظم، تقاریر وبیانات، جلد سوئم، ص ۴۳۸
۱۳- "قائد اعظم کی تقریر وبیانات" جلد سوئم اسلامک پبلیشرز لاہور ص ۴۰۴
۱۴- صفدر محمود "Quaid Wants Islamic Progressive State" ڈان ۲۲ مارچ ۲۰۰۲ء
۱۵- ابو اعلیٰ مودودیؒ، رسائل ومسائل ج
۱۶- ایضاً ص ۱۴۵
۱۷- سراج الحق، تکمیل پاکستان کا ایجنڈا "اشارات" ترجمان القرآن ۲۰۱۴ ص ۳
۱۸- کلیات اقبال
۱۹- مظہر برلاس "کڑوے گھونٹ" روزنامہ جنگ ۲ جولائی 2015
۲۰- امین محمد ڈاکٹر، مغربی جمہوریت کی اسلامیزیشن، البرہان جنوی ۲۰۱۰ ص ۴۷
۱۲- مسلم، رقم ۱۷۳۳
۲۲- جاوید احمد غامدی، میزان، دارالشراق لاہور، ص ۱۰۴۔
۲۳- خورشید احمد پروفیسر، اسلام وجمہوریت، ص ۴۵
۲۴- القرآن البقرہ ۲: ۲۰۸
۲۵- مرزا ایوب بیگ۔ "سیاسی اور غیر سیاسی اسلام" ص ۳
۲۶- اقبال علامہ محمد ڈاکٹر، کلیات اقبال شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۲۷- ابو اعلیٰ مودودیؒ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۲۸- جان اسپوزیٹو، جان وول Islam and Democracy نیویارک ۱۹۹۴، آکسفورڈ پریس ص ۴۱۔
۲۹- حمید اللہ ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، اسلامی یونیورسٹی بہاولپور، ص ۲۴۴
۳۰- آل عمران ۳: ۱۵۹




Marfat.com

۳۱- سورۃ الشوریٰ ۴۲: ۳۸
۳۲- نادہ نور "امر ہم شوریٰ بینھم" پندرہ روزہ نشور کراچی، ص ۱۵، نومبر ۲۰۱۰
۳۳- یاسمین حمید "سامان سفر اور راہ حق پر قدم بہ قدم" ص ۱۰۴
۳۴- خورشید احمد پروفیسر "اسلام و جمہوریت" ص ۶۲
۳۵- شاہ معین الدین ندویؒ "خلفائے راشدین" المیزان لاہور ص ۲۰۰
۳۶-
۳۷- شاہ معین الدین ندویؒ "خلفائے راشدین" ص ۲۰۳
۳۸- اسرار الرحمن بخاری "اسلام اور جدید سیاسی نظریات" اُردو بازار لاہور ص ۳۰۳
۳۹- المائدہ، ۵: ۲۶
۴۰- خطیب محمد بن عبد اللہ مشکوۃ المصابیح کتاب الامارۃ والقضاۃ
۴۱- البخاری، محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح باب ما نکیرہ من الحرص علی الامادہ۔
۴۲- ابو اعلیٰ مودودیؒ "اسلامی ریاست" اسلامک پبلیشرز ص ۲۰۳
۴۳- اسلام و جمہوریت، ص ۶۵
۴۴- امین ڈاکٹر محمد "البرھان" لاہور، ص ۴۲۔
۴۵- خورشید احمد پروفیسر، "اسلام اور جمہوریت" ص ۴۵۔
۴۶- کلیات اقبال



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

حافظہ زہرہ بتول۔ آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## پس منظر

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام تو ہے جاوداں تو ہے
حنا بندی عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تیری نسبت ہے ابراہیمی معمارِ جہاں تو ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سرتاجِ کائنات اور اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا۔ زمین پر خلافت کی نعمت بخشی اور انتظامِ سلطنت چلانے کی طاقت وقوت دینے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے موجوداتِ عالم کو مسخر کیا۔ {سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا}(۱) کہہ کر دھرتی کے سینے پر بکھری نعمت ہائے رنگارنگ کا وارث قرار دیا اور السموات کہہ کر افلاک کی وسعتوں میں تصرف دے دیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ (۲) کے الفاظ سے فرشتوں پر انسان کی برتری ثابت کر دی۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۳) کہہ کر فرشتوں کو انسان کی عظمت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا اور {اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ}(۴) کہہ کر قدسی مخلوق کو انسان کے عقل وعلم کے سامنے جھکا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی ہر چیز کا حاکم ومختار اس لیے بنایا کہ انسان مخدوم ہے وہ ان سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کی بہتری کے لیے استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اپنا خلیفہ کہہ کر اس کے وقار کو بڑھا دیا تاکہ وہ اپنی خلافت کی ذمہ داری کو پورا کرے۔ وَاِذْ قَالَ



Marfat.com

رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔(۵) ترجمہ: " جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں"۔

لہٰذا نائب کے لیے ضروری ہے کہ اسے امانت داری، دیانت داری، صداقت، عدل کے جوہر سے آراستہ ہونا چاہیے اور اپنے اختیارات کے استعمال میں مخلص ہو تاکہ وہ معاشرے میں اپنے مصنف پر فائز ہو اور دوسروں کے لیے باعث تسکین وراحت ہو۔ اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے ظلم وزیاتی کا مرتکب نہ ہو۔ تمام انبیاء کرام کی تعلیمات کا نچوڑ ہی انسان کو اپنے خلافت ارضی کے ذمہ دارانہ استعمال کی طرف راغب کرنا تھا۔

اسلام دنیا کا سب سے طاقتور اور سب سے یگانہ مذہب ہے جو انسان کو خطاب کرتا ہے اور انسانوں کے فائدے کی بات کرتا ہے۔ انسان کو دنیاوی واخروی سعادتوں اور کامرانیوں کے لیے اپنے منصب سے دیانت کا احساس دلاتا ہے اور فرض شناسی کی طرف راغب کرتا ہے۔ یہ رب العزت کی ایک نعمت عظمیٰ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو معلم قرآن، راہبر کامل، العالم، مبشر، ہادی اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین، امام الناس، شاہد، بشر کامل، نبی کامل، امام المبین، رؤف رحیم کے ذریعے عطا کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ ترین، خوبصورت ترین، حیات پاک ذمہ داری دیانت داری اور فرض شناسی اور جملہ انسانی اوصاف کے اعتبار سے مکمل نمونہ ہیں۔

## جمہوریت کیا ہے؟

جمہوریت ایسے نظام حکومت اور نظام سیاست کو کہتے ہیں جس کے تحت لوگ سیاسی معاملات میں کسی نہ کسی طرح شرکت کر سکیں۔ جمہوریت کے لیے Decocracy کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ دو یونانی الفاظ Demos (عوام اور Kratos) اقتدار سے اخذ کیا گیا ہے۔" جمہور" عربی زبان کا لفظ ہے "اس کے معنی عوام یا سب لوگ " کے ہیں۔ گویا جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جس میں عوام خود حکومت کریں۔

**اردو لغت کے مطابق:** وہ نظام حکومت جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔(٦)

ابراہیم لنکن نے جمہوریت کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

"GOVERNMENT OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE FOR THE PEOPLE"(۷)

یعنی جمہوریت حکومت کی وہ شکل ہے جو عوام کی حکومت ہو عوام کے لیے ہو اور عوام ہی اسے چلاتے ہیں۔



Marfat.com

پروفیسر سیلے: " جمہوری حکومت ایسی حکومت کو کہا جاتا ہے جس میں ہر شخص کو حکومتی معاملات میں شرکت حاصل ہو"۔(۸)

لارڈ برائس: ڈوٹس کے الفاظ میں کچھ اضافے کے ساتھ کہتا ہے " جمہوری حکومت وہ ہے جس میں حکومت کرنے کا حق قانونی طور پر کسی مخصوص طبقات کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ ریاست میں حاکمانہ اختیارات اکثریت کے پاس ہوتے ہیں اور معاشرے میں فیصلے کا یہی ایک طریقہ ہے"۔(۹)

گیٹل: " ایک ایسا نظام حکومت ہے جس کے تحت آبادی کا بہت بڑا حصہ اقتدار اعلیٰ کے استعمال میں حصہ دار بننے کا حق رکھا ہو"۔(۱۰)

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے مطابق جمہوریت کی تعریف اس طرح ہے:

Goverment by the people especially Rule of Majority A Goverment in which the supreme power is diectly or indirectly vested in the people and exercised by them through a system of represent action usally involving periodically held free elcetion .(۱۱)

Political Scientest larry Diamond: Democracy consist of 4 key elements:

1- A political system of choosing and replacing the govt. through free and fair ecections.

2- The active participation of people as citizens in politics and civic life.

3- Protection of human rights of all citizens.

4- A rule of law in which the law and procedures apply equally to all citizens.(۱۲)

## جمہوریت کی خوبیاں

جمہوریت کی کامیابی کے لیے اس کے پورے معاشی اور معاشرتی پروگرام کے نفاذ پر زور دیا جاتا ہے چنانچہ جمہوریت میں، آزادی رائے کا اظہار، ذمہ دار حکومت اور سیاسی مساوات جیسی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

## سیاسی اور اقتصادی مساوات

جمہوریت کا مطلب فرد کی آزادی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ سیاسی آزادی معاشی مساوات کے بغیر ممکن نہیں۔ دولت کی مساویانہ تقسیم ہی معاشی مساوات قائم کرسکتی ہے۔ قومی وسائل پر چند افراد



Marfat.com

یاخاندانوں کی اجارہ داری معاشی مساوات کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہوتی ہے۔ یہ قومی وسائل عوام کی فلاح وبہبود پر خرچ کیے جائیں اور معاشی حقوق کا پورا تحفظ ہو۔ یہ جمہوری روایات کو قائم کرنے کے لیے ضروری ہے۔(۱۳)

## بنیادی حقوق

معاشرے میں ہر شہری کو بنیادی حقوق میسر ہوتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں کی نشوونما کر سکے۔ اسے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بنیادی سہولتیں اور مواقع دیے جاتے ہیں۔ معاشرتی عدل کی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ اور ذات وبرادری رنگ ونسل، عقیدہ اور فرقہ کی بنا پر کسی سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جاتا۔ مرد عورت اور امیر غریب کو مساوی حقوق دیے جاتے ہیں کیونکہ حکومت کا بنیادی مقصد عوام کی خدمت کرنا ہے۔

## ذمہ دار حکومت

جمہوریت میں سیاسی اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندے استعمال کرتے ہیں اس حیثیت سے وہ اپنے تمام افعال کے بارے میں عوام کو جواب دہ ہوتے ہیں۔ آئندہ انتخابات میں ناکامی کا خوف انہیں عوامی خواہشات کا احترام کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت کے اختیارات محدود ہوتے ہیں اور دستوری پابندیاں، مطلق العنانیت کے رجحانات کی روک تھام کرتی ہیں۔ (۱۴)

## رواداری

جمہوری نظام کے تحت عوام میں باہمی رواداری کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ جمہوری نظام میں اظہار خیال کی آزادی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن افراد کے درمیان اختلافات ایک قدرتی امر ہے۔ اس نظام کے تحت ریاست کے سربراہوں کو بھی عام آدمیوں کی نکتہ چینی کو سننا اور برداشت کرنا پڑتا ہے۔

## حکومت کی پر امن تبدیلی

جمہوریت ہی ایک ایسا عمل ہے جس میں حکومت کی تبدیلی پر امن طریقے سے عمل میں آتی ہے یہ نظام انقلاب اور فساد انگیز طریقوں کا سدباب کرتا ہے۔

دین اسلام کے نزدیک جمہوریت ایک ایسا عمدہ نظام حکومت ہے جو آزادی رائے کا حق دیتی ہے انسانوں کے حقوق کا تحفظ سکھاتی ہے اور کسی کے ساتھ ظلم، جبر، زیاتی کو روا نہیں رکھتی۔

## موضوع زیر بحث کی ضرورت واہمیت

موجودہ حالات کے تناظر میں موضوع زیر بحث بہت کارآمد، پر تاثیر اور خیال آفریں فکر انگیز ہے۔ پاکستان کے حالات جس ڈگر پر چل رہے ہیں ان میں اس کی شدت سے ضرورت ہے۔ عدل وانصاف،



Marfat.com

امانت ودیانت داری اور ذمہ داری کا احساس چراغ سحری کی طرح " ابھی بجھا چاہتا ہوں" کی صدا لگا رہا ہے۔ زندگی پریشانی کے بوجھ تلے دبی جا رہی ہے زندہ رہنا ایک تلخ اور تکلیف دہ حقیقت بن چکا ہے۔ سرکاری اور حکومتی سطح پر غیر ذمہ داری سے زندگی کا دریا الٹے رخ پر بہنے لگا ہے۔ حکمران طبقہ ملکی قانون کی پاسداری سے عاری سرکاری وسائل کو بے دریغ ذاتی استعمال میں لا رہا ہے۔

قانون کی حکمرانی نہ ہونے کے باعث مجرم قانون کی گرفت سے آزاد ہیں۔ انتظامیہ کی غفلت کی وجہ سے ان گنت مشکلات کھڑی ہیں، اپنے منصب سے غفلت کی وجہ سے ایمان وایقان چھنتی جا رہی ہے، غیر ذمہ دارانہ رویوں سے استحصالی طبقہ پیدا ہو رہا ہے۔ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتی جا رہی ہے، غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اختیارات کے غلط استعمال کی وجہ سے حکمران طبقہ اخلاقی پابندیوں اور مذہبی قیود سے آزاد ہو گیا ہے اور حاکمیت انسان کا نظریہ غالب آتا جاتا ہے۔ قوم کی نکیل بیوروکریٹس، افواج، پولیس اور ناظمین کے ہاتھوں میں ہے جن سے نہ مال وجان محفوظ ہے اور نہ ہی عزت وایمان۔ بے ایمان اور بدقماش آزاد ہیں، ایماندار اور شریف پابند سلاسل ہیں۔

ان حالات میں حکومتی مناصب پر فائز نہ تو قانون کی پاسداری کرتے ہیں نہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے اپنے اثاثے ظاہر کرتے ہیں، عوام کے ہاتھوں منتخب ہو کر اسمبلی میں جانے والے عوام کا ہی خون چوستے ہیں، قومی خزانے کو لوٹ کر جائیدادیں بنانے والے خود کو ٹیکس سے بھی مستثنیٰ رکھتے ہیں۔ گوجرہ سے گوادر تک، چمن سے کراچی تک سرکاری اہلکار احتساب سے بچے ہوئے ہیں، ان کا احتساب کون کرے گا جو سرکاری خزانے کو خرچ کر کے بچوں کو دنیا کے مہنگے ترین اداروں میں تعلیم دلوا رہے ہیں۔

ان حالات میں موجودہ زیر بحث موجودہ حالات کے تقاضوں کے عین مطابق ہے ان پر سیرت کانفرس منعقد کر کے شاید کسی کے قلب وضمیر کو جھنجھوڑا جاسکے۔

ان حکام کے لیے اس موضوع کی بہت ضرورت ہے۔ سرکاری خزانے کے غلط استعمال سے جن کے محلات کئی سوایکڑ پر مشتمل ہے اس رہنما کے لیے ضرورت ہے جس نے اپنے منصب سے غلط فائدہ اٹھا کر کئی رہائش گاہیں چاروں صوبوں میں بنا رکھی ہیں۔ اس سرکاری عہدیدار کے لیے ضروری ہے جو ہر سال یورپ میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ سرکاری خزانے کے ذریعے چھٹیاں گزارنے جاتا ہے۔ ان حکومتی کارندوں کے لیے اس کی ضرورت ہے سرکاری خزانے سے جن کے کتے، اونٹ اور گھوڑے دیسی گھی، انڈوں، مربعوں اور منرل واٹر پر پلتے ہیں۔ ان عہدیداروں کے لیے ضروری ہے کہ سرکاری خزانے سے جن کی اگلی سات پشتیں آرام سے کھا سکتی ہیں۔ اس سرکاری عہدیدار کے لیے جو منصب سے غافل اور غیر ذمہ ہو کر پیسہ کمانے کی فکر میں لگا ہوا جس کی فیکٹریوں کو ٹیکس سے بچانے کے چار ٹر اکاؤنٹ ملازم رکھے جاتے ہیں۔ اس حکومتی عہدیدار کے لیے ضروری ہے جو عوام کے لیے قانون کی پابندی لازم قرار دیتا ہے اور خود قانون سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔



Marfat.com

بڑھتی ہوئی کرپشن، ظلم اور ناانصافی سے تقریباً ۴۰ فیصد عوام غربت کے ناروابوجھ تلے دب گئے ہیں۔ ملک کے وسائل پرایک مخصوص طبقے کی اجارہ داری سے عوام کو پینے کاپانی، متوازن غذا اور صاف ستھرا کھانا، گیس، بجلی اور صاف اشیائے خوردنی میسر نہیں۔ علاج معالجے کی سہولتیں میسر نہیں۔ بے حس حکمرانوں کی وجہ حفظان صحت کے اصولوں کا خیال نہیں۔ سیلاب کی تباہ کاریاں ہرسال لاکھوں انسانوں کو بے گھر کردیتی ہیں، ہزاروں بے بسی کی موت مرتے ہیں، سینکڑوں کے اعضاء جسمانی ناکارہ ہوجاتے ہیں، لاتعداد مہلک امراض میں گرفتارہو کرزندگی یک بازی ہار جاتے ہیں لیکن حکمران طبقہ کی طرف سے " یوم بسے یا ہمارا رہے" انہیں کوئی غرض نہیں کہ ڈیم بناکر بارش کے پانی سے بجلی پیداکرکے لاکھوں انسانوں کے مسیحا بن جائیں اور عوام کی خدمت کرکے ان کی دعائیں سمیٹ لیں۔ جب نا اہل اور غیر ذمہ دار کلیدی پوسٹوں پر بیٹھ جائیں تو پھر وقت کے فرعونوں سے چھڑانے کوئی موسیٰ نہیں اترتا۔

## اسلام کا نظام جموریت

اسلام میں حکومت اور اقتدار وحکمرانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے۔ چنانچہ خلیفہ راشد امیر المومنین سید نا حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک مجلس مشاورت کی افتتاحی تقریر میں فرمایا:" میں نے آپ لوگوں کوجس غرض کے لیے تکلیف دی ہے، وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ آپ کے معاملات(وسائل) میں امانت کا جو بار مجھ پرڈالا گیا ہے، اسے اٹھانے میں آپ میرے ساتھ شریک ہوں۔(۱۵)

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَحَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا۔(۱۶)

ترجمہ: "ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈرگئے لیکن انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے"۔

جمہوری حکومت کا اصل زیور یہ ہے کہ بادشاہ اور حاکم وقت ہر قسم کے حقوق میں عام فرد کے ساتھ برابری رکھتا ہو، یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو، بیت المال میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرے میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے، اس کے اختیارات محدود ہوں، ہر فرد کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو، یہ تمام امور عہد فاروقی میں جس درجے تک پہنچے ہوئے تھے، اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا، حضرت عمرفاروقؓ کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ آپ نے متعدد مواقع پر اس امر کا اظہار فرمادیا تھا کہ حکومت کے حوالے سے ان کی حیثیت کیا ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں۔ (۱۷)



Marfat.com

اسلام نے جہاں امانت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، وہاں یہ بھی حکم دیا ہے کہ جب تک لوگوں کے درمیان حکومت کے کام کو چلاؤ تو انصاف کو مدِ نظر رکھو۔ حدیث اور تاریخی آثار سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ حکومت کی حقیقت کے اظہار میں امانت کا بڑا دخل ہے۔ حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے کہ میں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، مجھے بھی حکومت کا کام سپرد کیا جائے۔ اس کا جواب ملا (اِنّھَا اَمَانَۃ) " ابو ذر ! حکومت امانت ہے"۔(۱۸)

یہ ہر شخص کو نہیں دی جاسکتی۔ اس کی تائید امیرالمومنین حضرت علیؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: " امام (حاکم وقت اعلیٰ سرکاری منصب پر فائز فرد) کی ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کے قانون کے مطابق حکومت کرے، امانت کو ادا کرے۔ جب امام اس طرح حکومت کا فرض انجام دے تو عوام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کے حکم کو سنیں اور اطاعت کریں اور جب وہ میدان عمل میں بلائے تو اس کی آواز کو لبیک کہیں"۔(۱۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی مقرر ہوا اور اس نے یہ جانتے ہوئے کہا کہ ایسا شخص بھی میسر ہو سکتا ہے، جو مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر ہو سکے گا۔ کسی شخص کو حکومت دے دی تو اس نے اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور مومنوں سے خیانت کی اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے کسی کو ایک جماعت پر سردار بنا دیا اور وہ جانتا ہے کہ اس جماعت میں اس سے بہتر آدمی بھی سرداری کے لائق موجود ہے تو اس نے اللہ سے، اس کے رسولؐ سے اور مومنوں سے خیانت کی۔(۲۰)

مختصر یہ کہ اسلام نے تصور حکومت بطور امانت (Government as Turst) ہونے کا نظریہ پیش کیا۔ یہ اسلام کا تصور حکومت ہی تھا جس نے حکمرانوں کو حاکم کی بجائے خادم کے طور پر کام کرنے کا تصور دیا۔

"سیدالقوم خادمھم" " قوم کا سربراہ اس کا خادم ہوتا ہے"(۲۱)

بعد ازاں صدیوں بعد مغرب میں اسلام کے سیاسی فلسفے کے زیر اثر حکومت کے خادم اور امین ہونے کا تصور پروان چڑھا۔ جان لاک (John Lock 1632-1704) کی تصنیف Civil Government کے مطابق:

"Government was created in order to carry out the administrative work as a "trust" or on"agent"on behalf of the community(۲۲)"

## خلافت کا تصور

اسلام میں حکومت کرنے کا حق کسی مخصوص فرد یا طبقہ کو ودیعت نہیں کیا گیا۔ بلکہ خلافت کی ذمہ



Marfat.com

داری تمام اہل ایمان پر بطور امانت عائد کی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں اسی اصول کی نشاندہی کی گئی ہے۔

ترجمہ: " تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے اہل (ہدایت) کو حکومت دی گئی۔(۲۳)

اس آیت مبارکہ میں خلافت کا معیار نیک اعمال مقرر کیے گئے ہیں۔ خلیفہ کی حیثیت خدا کے نائب کی سی ہے۔ جو ان حدود وقیود کا پابند ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے مقرر کی ہیں۔ اس کی حیثیت ایک امانت داری کی سی ہے اور نااہلی کی صورت میں امانت واپس لی جاسکتی ہے۔

## شورائی نظام

اسلامی نظام حکومت شورائی ہے۔ جس کے مطابق حکمرانوں کو صاحب الرائے افراد کا مشورہ لینے کا پابند کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ ترجمہ: " اور ان کا ہر کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔

اس اصول کا اطلاق پیغمبر اسلام پر بھی ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: اور ان سے خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔ پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ بے شک اللہ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔(۲۴)

خلفائے راشدین کے دور میں کبھی باہمی مشاورت کے بغیر فیصلہ نہیں کیا گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں حکومتی امور پر صلاح ومشورہ کرنے کے لیے ایک باقاعدہ ادارہ موجود تھا جسے " الشوریٰ" کہتے تھے۔

## جوابدہی کا اصول

اسلامی نظام سیاست میں حکومت کرنے کا حق عوام کو سونپا گیا ہے۔ اسلامی ریاست میں حکومت کو عوامی احتساب اور تنقید سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا۔ اور شہری اپنے امیر کو کسی بھی صورت میں قانون سے برتر ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: " کوئی حکمران جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔(۲۵)

خلفائے راشدین عوامی تنقید کا خیر مقدم کیا کرتے تھے۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے ہر شخص راعی اور ہر راعی اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے"۔

گویا سب لوگ قانون اور شریعت کے تابع ہیں اور کوئی اس سے برتر نہیں اور وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے بارے میں جوابدہ ہوں گے۔



Marfat.com

## مشروط اطاعت

ایک اسلامی ریاست میں حکومت صرف اس وقت تک شہریوں کی اطاعت کی مستحق ہے جب تک وہ شرعی قوانین کے مطابق اپنے فرائض انجام دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " برائی کے کاموں میں لوگوں پر حکومت کی اطاعت واجب نہیں۔ اطاعت تو صرف اچھائی کے معاملات میں ہے "۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے حاکم کی اطاعت واجب نہیں جو خدا کی اطاعت نہ کرتا ہو"۔

ارشاد خداوندی ہے: یہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں حکومت عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے "۔(۲۶)

لیکن اسلام ساتھ ہی لاقانونیت کے رجحانات کی بھی شدت سے مذمت کردیتا ہے اور معاشرے کے استحکام کی خاطر لوگوں کو اطاعت امیر کی تلقین کرتا ہے۔

## قانون کی بالادستی

اسلام کے سیاسی نظام میں فرد کی حاکمیت کی بجائے شرعی قوانین کی بالادستی تسلیم کی گئی ہے۔ شرعی حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔ قوانین ہی حاکم مطلق کے احکامات کے آئینہ دار ہیں وہی تمام سیاسی اختیارات اور شہریوں کے حقوق و فرائض کا تعین کرنا ہے۔ قوانین کا اطلاق سب پر ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز روا نہیں رکھی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مدینہ کی اسلامی ریاست میں مکمل طور پر قانون کی بالادستی قائم کی گئی۔

## عدلیہ کی آزادی

اسلامی نظام حکومت میں نظام عدل کے قیام پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس کے لیے ججوں کی آزادی اور غیر جانبداری کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں " محکمہ قضا" کو ایک الگ شعبہ کی حیثیت سے قائم کیا گیا اور اس طرح پہلی مرتبہ عدلیہ اور انتظامیہ میں اختیارات کی باقاعدہ طور پر علیحدگی عمل میں آئی۔ خلفائے راشدین کے دور میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی، جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ انتظامیہ نے عدالتی فیصلوں پر اپنا اثرورسوخ استعمال کیا ہو۔

## جمہوریت اور اسلام کا تقاضا

دور حاضر میں چونکہ زیادہ جمہوری نظام حکومت رائج ہے جس میں حکومت کے تمام عہدے دار عوام کے ووٹوں کے ذریعے منتخب ہوکر آتے ہیں۔ ایک منتخب شخص جو اپنی پارٹی کا سربراہ ہوتا ہے وہ اپنی مجلس کابینہ (جیسے دینی اصطلاح میں مجلس شوریٰ بھی کہا جاتا ہے) بناتا ہے جن میں حکومتی عہدے تقسیم کرتا ہے۔

سربراہ کا فرض ہے کہ وہ حکومتی عہدے دیانت دار، ذمہ دار عادل اور اہل لوگوں میں تقسیم



Marfat.com

کرے تاکہ ایک اسلامی مملکت میں شریعت کے دائرے کے اندر دین، دنیا کے کام نپٹائے جائے۔ ایک طرف احکام الٰہیہ بھی پابندی ہوا ور دوسری طرف مخلوق یعنی عوام کی فلاح وبہبود کے کام بھی جاری رہیں۔ وزیر اعظم یعنی سربراہ اور اس کی مجلس کے عہدے دار اپنے اپنے اعمال اور ذمہ داریوں کے لیے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اور عوام کے سامنے جوابدہ سمجھیں اور اگر کوئی حکومتی عہدے دار غلط کام کررہا ہو تو سربراہ کا فرض ہے کہ وہ ایسے عہدیداروں کی گرفت کرے جو ملکی قانون اور دینی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت مناصب پر فائز لوگوں کو قانون اور آئین اور شرعی حدود کے اندر انہیں اپنے دفاتر میں عہدے سے جو مراعات مل رہی ہوں ان کاناجائز طور پر فائدہ اٹھائیں۔

## اسلام کے جمہوری سیاسی نظام کے لوازمات

### حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔(۲۷) ترجمہ: " حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے"۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔(۲۸) ترجمہ: "خبردار اسی کی پیدائش ہے اور حکم بھی اسی کا ہے"۔

### رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔(۲۹) ترجمہ: " جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرے تو اس نے اللہ کی تابعداری کی"۔

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔(۳۰) "اور جو کچھ رسول تم کو دے اسے لے لو اور جس سے تم کو روکے اس سے رک جاؤ"۔

### حکومت وراثت نہیں ہے

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔(۳۱) ترجمہ: " اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جوایمان لائے اوراچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسا کہ انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے"۔

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا کہ تمام مسلمان بحیثیت مجموعی حامل خلافت ہوتے ہیں اس پر جمہوریت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

### شوریٰ

حکومت کے امور باہمی مشورہ سے طے پائیں گے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔(۳۲) ترجمہ : " مسلمانوں کاکام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے"۔



Marfat.com

## اسلام میں جمہوریت کے مقاصد

دین اسلام کے نزیک مناصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے پاس ایک امانت ہے۔لہذا ان کا استعمال بندوں کی فلاح وبہود کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے۔ حکومتی وسائل ومناصب کو اقرباء پروری ہوس پرستی اور ذاتی مفاد سے بالا تر ہونا چاہیے۔ دین اسلام کے نزدیک ان مناصب کا مقصد اس اصطلاحی پروگرام کو عمل میں لانا ہے جسے انسانوں کی بھلائی کے لیے پیش کیا گیا ہے۔

### اَ۔ قانون الٰہی کی پاسداری اور صالح معاشرہ

جمہوریت کے قیام کا مقصد جہاں نیکی کو فروغ ملے اور بدی کا سر کچلا جائے۔ جہاں خیر کی اشاعت اور شر کے خلاف جہاد ہو۔ جہاں انصاف اور امن قائم ہو۔ ظلم وعدوان کی نفی ہوں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پیروی ہو اور خواہشات کو قابو میں کیا جائے۔ جہاں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق گزارنے اور دین کے تقاضے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پورے ہوں۔ جہاں معاد بھی ہو اور معاش بھی ہو۔ جہاں خیانت، سود، رشوت، کسب حرام اور بدیانتی کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکا جائے۔ اسلام میں منصب کی ذمہ دارانہ استعمال کا منتہائے مقصود ہی ہے۔

کیونکہ تمام تر اختیار ات کا ماخذ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی اور اصل طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

| | |
|---|---|
| سورہ النساء آیت | ۵۹۵،۶۴،۸۰ اور ۱۰۵ |
| سورہ المائدہ | ۴۴،۴۵،۴۷،۵۰ |
| سورہ الاعراف | ۳ |
| سورہ یوسف | ۱۲،۴۰ |
| سورہ مومن | ۲ |
| المجادلہ | ۲۰ |
| الحدید | ۲۵ |
| سورہ النور | ۵۵،۱۵۴ میں اصل الاصول کو پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ |

### ب۔ جان ومال اور عزت کا تحفظ

دین اسلام میں کسی بھی جمہوری حکومت کا مقصد ایک صالح معاشرے کا قیام ہے اور یہ قیام اسی صورت میں ممکن ہے جب اس معاشرہ کے اندر بسنے والوں کی جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ ہو۔ کیونکہ جان اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ایک نعمت ہے اور یہ اسی صورت میں نعمت ثابت ہوگی جب اسے عزت کے ساتھ جینا بھی نصیب ہو۔ اس کے وقار اور آبرو کو نقصان پہنچانے والوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ نہ تو



Marfat.com

حکومت پر فائز اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھاکر کسی جان ومال کے درپے ہوسکتے ہیں اور نہ کسی اور کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی کی جان ومال کا درپے ہو جائے۔

ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔(۳۳)

ترجمہ: "کسی جان کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو"۔

## معاشرتی اور معاشی حقوق کی پاسداری

حکومتی اور سرکاری مناصب پر فائز لوگوں کی ایک اہم ذمہ داری عام لوگوں کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ کیونکہ اسی پر سارے نظام کادارومدار ہے اور بہترین معاشرتی زندگی کا ایک اہم اصول "لو اور دو" پر ہے یعنی حق کے ساتھ ایک فرض اور ہر فرض کے ساتھ ایک حق بھی منسلک ہوتا ہے۔ یعنی کوئی شخص معاشرتی حق سے محروم نہ رہے۔ عوام پر سختی اور جبر نہ کریں اور انہیں عزت کے ساتھ جینے کا حق دیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

" اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جاسکتا۔(۳۴)

## انسانیت کی خدمت

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

اپنے منصب کو خلق خدا کی خدمت کا ذریعہ بنانا۔ دین اسلام کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو امیر مسلمان کے کام کا والی ہو اور ان کے لیے محنت نہیں کرتا اور ان کا خیر خواہ نہیں وہ ان کے ساتھ بہشت میں داخل نہیں ہوگا۔(۳۵)

سرکاری مناصب پر فائز انسانوں کو معلوم ہونا چاہیے یہ منصب دوسروں کو غلام بنانے کے لیے نہیں بلکہ یہ انسانیت کی خدمت اور ذمہ داری کا بوجھ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

آلا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔(۳۶)

ترجمہ: "تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا"۔

خلفائے راشدین کے دور میں انسانیت کی خدمت کا یہ عالم تھا ناداروں، یتیموں اور بیواؤں اور لاوارث بچوں کو گھر بیٹھے مقررہ وظائف مل جاتے تھے اور خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ لوگ گھروں سے



Marfat.com

صدقات لے کر نکلتے تھے مگر لینے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔(۳۷)

## نرمی اور شفقت

معاملات میں نرمی اور شفقت سخت گیری اور جبر سے زیادہ موثر ہے۔ سرکاری مناصب پر فائز لوگوں کو روزمرہ بے شمار مسائل اور معاملات سے واسطہ پڑتا ہے ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے جبر و سختی کی بجائے شفقت اور محبت سے سلجھایا جائے۔ حل کرنے میں زیادہ سہولت ہو جاتی۔

اَللّٰہُ لَطِیۡفٌ بِعِبَادِہٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ وَھُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ۔(۳۸)

ترجمہ: " اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لطیف فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے وہی غالب اور قوت والا ہے۔

## قومی مفادات کا تحفظ

حکومت کا فرض ہے کہ وہ قومی مفادات سرکاری ذرائع و وسائل اور قومی دولت کی نگہداشت کریں اور اس سلسلے میں پوری امانت داری سے کام لیں۔ قومی مالیات جو حکام کی تحویل میں ہوتی ہے، امانت ہوتی ہے اور ان میں ذرہ برابر خورد برد خیانت کے ذیل میں آتی ہے:

سرکاری اہل کاروں کے لیے قومی خزانے سے تنخواہ کے طور پر رقم حاصل کرنا جائز ہے۔ مگر اس سے زیادہ لینا ناجائز اور خیانت ہے، اگرچہ جائے کہ سرکاری اموال میں خیانت کی جائے، خورد برد کی جائے، غبن اور کرپشن کی جائے۔ جس کے مناظر ہمارے ہاں عام نظر آتے ہیں۔

# پاکستان کے موجودہ جمہوری نظام کا جائزہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

## اسلام کا جمہوری تصورِ حکومت و ریاست اور پاکستان کے موجودہ حالات

علامہ سید سلیمان ندوی اسلامی فلسفہ حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں دنیا میں ریاست اور حکومت اور سلطنت کے بانیوں کا مقصد قیام سلطنت کے سوا کچھ نہیں ہوتا لیکن اسلام جو سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا، وہ بجائے خود مقصود بالذات نہ تھی، بلکہ اس کے ذریعے دنیا کے تمام ظالمانہ نظام ہائے سلطنت کو مٹا کر جن میں خدا کے بندوں کو بندوں کا خدا ٹھہرا دیا گیا تھا، اس کی جگہ خدا کے فرمان کے مطابق ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا مقصود تھا، جس میں خدا کے سوا نہ کسی دوسری ارضی و سماوی طاقت کی سلطنت ہو اور نہ کسی دوسرے کا قانون رائج ہو اور جس میں فرماں روا افراد کی شخصیت، قومیت، زبان، نسل، وطن اور رنگ سے اسے تعلق نہ ہو، بلکہ اس کی جدوجہد کا سارا منشا سلطنت کے قانون طرزِ سلطنت، طریق حکومت اور عدل و انصاف اور احکام کے حق و باطل سے ہو۔(۳۹)

عرب دنیا کے نامور محقق اور مذہبی اسکالر ڈاکٹر وہبہ الزحیلی " العلاقۃ الدولیۃ فی الاسلام" میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:



Marfat.com

"ابتدائی مراحل ہی میں اسلامی ریاست کا قیام اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ اسلام صرف مذہب ہی نہیں، بلکہ ایک ایسا قانون بھی ہے جسے انسان کی تمام نظریاتی، اعتقادی، معاملاتی، اخلاقیاتی، حکومتی، انتظامی، تربیتی اور اجتماعی سرگرمیوں پر کامل حاکمیت حاصل ہے نہ صرف بلکہ اس سے مذہب اور ریاست کے درمیان تعلق اس طرح مضبوط ہوجاتا ہے جس طرح عمارت اور بنیاد کے درمیان تعلق، اور اسلام کا صحیح مفہوم بھی یہی ہے۔(۴۰)

اسلام کے تصور پر قائم کردہ ریاست ایک مخصوص اخلاقی نظام کی حامل ہوتی ہے۔اس میں حکومت کرنا اور اقتدار پر متمکن ہونا مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ ریاست کا مقصد وجود اسلام کے اصولوں کی علم برداری ہوتا ہے اسی لیے یہ ایک صفاتی ریاست ہے ان صفات میں سے چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے۔

یہ رنگ ونسل اور زبان وعلاقے کی عصبیتوں سے بالاتر ریاست ہوتی ہے، جس میں اسلامی عصبیت کے سوا دوسری کسی عصبیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

## پاکستان کا موجودہ جمہوری نظام (انتظامیہ کی صورت حال)

پاکستان کا جمہوری نظام اسلام کے اصولوں اور تعلیمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں چل رہاہے جس کی وجہ سے قوم کو شدید مشکلات کا سامنا ہے ایمان داری، دیانت داری، عدل وانصاف حکومتی ایوانوں سے رخصت ہوچکے ہیں ان کی جگہ بددیانتی اور کرپشن نے لے لی ہے اختیارات کا استعمال ذاتی فائدے کے لیے کیا جاتا ہے عوامی فلاح وبہبود سے آنکھیں پھیرلی گئی ہیں عوام کو غربت اور مہنگائی کے عذاب میں دھکیلا گیا ہے عدل وانصاف کے دروازے تک عام آدمی کی رسائی نہیں۔

بدعنوانی کا یہ عالم ہے ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل جو دنیا بھر میں کرپشن پر نظر رکھنے والا ادارہ ہے، نے اپنی ۵ دسمبر کو جاری کردہ سالانہ رپورٹ ۲۰۱۲ میں نشاندہی کی ہے کہ وطن عزیز ۱۷۵ ممالک کی فہرست میں بدعنوانی کے حوالے سے ۴۷ ویں نومبر سے ۳۳ ویں نمبر تک پہنچ گیا ہے اس سے قبل ۲۸ نمبر کو ورلڈ جسٹس پرجیکٹ کی سال ۲۰۱۲ کی رپورٹ جاری کی گئی تھی جس میں پاکستان کو ۹۷ ممالک کی فہرست میں ساتواں بدعنوان ترین ملک قرار دیا تھا۔(۴۱)

## حقوق العباد کا پاس لحاظ اور جذبہ خدمت کی صورت حال

مسلمان حاکم دوسری اقوام کے حاکموں کی طرح سے نہیں کہ وہ اپنا حکم تو منوائیں، لیکن لوگوں کے حقوق کی پرواہ نہ کریں، اسلام میں حاکم مخلوق خدا کا نگہبان ہے اور قیامت کے دن ان لوگوں کے حقوق کے بارے میں جواب دہ ہوگا، جن کا نگہبان اسے بنایا گیا ہے۔حدیث نبویؐ میں آیا ہے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار، تم میں سے ہرایک رعیت کا نگہبان ہے



Marfat.com

ہ ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، وہ امام جو لوگوں پر حاکم ہے، نگہبان ہے اور اس رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق ال کیا جائے گا۔(۴۲)

حکومت کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض بھی عوام الناس کی خدمت، حقوق العباد ادائیگی، خود احتسابی اور دیانت وامانت کے ساتھ ادا کریں، اس لیے کہ ان کی ذمہ داریوں کے متعلق روزِ مت سوال ہوگا، نیز حکومتی منصب ایک امانت ہے، جس سے پورے طور پر انصاف ایک لازمی امر ہے۔

## نون کی بالادستی کی صورتحال

اسلام میں قانون کی حکمرانی کا اصول ہے جو صاحب عمل احکام خداوندی کو نافذ نہیں کرتا وہ قابل اخذہ ہے بنی نوع انسان کی اسی امر میں بھلائی ہے کہ وہ معاشرہ میں اسلامی احکام کو نافذ کریں ارشاد الٰہی ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔(۴۳)

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے پس وہی ظالم ہیں"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ(۴۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہ لوگ کافر ہیں"۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الۡاَذَلِّيۡنَ۔(۴۵)

ترجمہ: "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقررہ کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ین لوگ میں سے ہیں"۔

ہمارے حکمران قانون کی خود پاسداری نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے عہدے دار ٹیکس نہیں کرتے۔ ناجائز طور پر پیسہ اکٹھا کر کے بیرون ملک بنکوں میں محفوظ رکھتے ہیں، بجلی چوری کرتے ہیں۔ کاری گاڑیوں کو ذاتی استعمال میں لاتے ہیں اور ملک وقوم کا سرمایہ ملک وقوم پر خرچ کرنے کے بجائے ذاتی وریاں بھرتے ہیں۔ دنیا طلبی کا رجحان بڑھ گیا ہے اور اپنی ذمہ داری کا احساس ختم ہوگیا ہے۔

غیر ذمہ داری کی وجہ سے سیاسی استحکام اور معاشی استحکام نہیں۔ دنیا کی ہوس نے سرکاری مدیداروں کو اس قدر غافل کر دیا ہے کہ مسافر طمع کو کسی منزل پر قرار نہیں اور طاہر حوس کو کسی بام بلند نیانہ نہیں۔ سارے سرکاری وسائل استعمال کر کے بھی قرار نہیں دولت اور عزت وجاہ کی بڑی مقدار بھی ا کی تشفی کے لیے کافی نہیں۔ ان کے بالشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وسعت گھیر لی۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا(۴۶)



Marfat.com

## علمی میدان میں حکمرانوں کی لاپروائی

شکایت ہے مجھے خداوند ان مکتب سے
سبق شاہین کو بچوں کی دے رہے ہیں خاکبازی(۴۷)

جمہوری حکمرانوں کی عدم توجہی کی وجہ سے تعلیم وتربیت کے مراکز میں خداوندان مکتب نئی نسل کو دھڑادھڑ تربیت سے عاری تعلیم دے رہے ہیں۔ منزل کا پتہ نہیں سمت کا تعین نہیں پیٹ کے لیے روٹی ہے لیکن روح کھوکھلی ہے۔ ہماری تعلیم گاہوں میں اپنے منصب کی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا جاتا رہا ہے۔ جس کی وجہ ٹیوشن کا رجحان بڑھ گیا۔ ٹیوشن کے ادارے تجارتی منڈیوں میں بدل گئے ہیں۔ جہاں نمائشی مال کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ طالب علم کا کام ڈگری لینا اور استاد کا کام روپیہ کمانا ہے ایک دانشور کا قول ہے " عالم بے عمل اس گدھ کی طرح جو آسمان پر اڑتا ہے اور زمین پر مردار کھاتا ہے" وہ علم جس سے نئے جہانوں کی تلاش کا کام کیا جاتا ہے وہ چند سوالات کی یاداشت تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔

علم برائے علم کا نظریہ ختم ہوکر علم برائے معاش رہ گیا ہے۔ مربی، شاہینی صفات پیدا کرنے کے بجائے خاکبازی کا درس دے رہے ہیں۔ معلم اور متعلم کا مقدس فرض کس ہستی سے منسوب ہے " انما بعثت معلما"۔(۴۸)

نہ ہمارے معلمین اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ثابت کررہے ہیں اور نہ طالب علم صفہ کی درسگاہ کو نظر میں رکھے ہوئے ہیں۔ بنی نوع انسان کے مقدر کا ستارہ جن کے ہاتھوں میں ہے وہ خود سہل انگار، بے راز اور مطالعہ سے خالی ہوتے جارہے ہیں۔

## جمہوری نظام حکومت میں عدل وانصاف کی صورت حال

جمہوری نظام حکومت میں حکومت کا تیسرا صیغہ عدلیہ (قضا) (Judiciary) ہے۔ قضا اس فیصلے کو کہتے ہیں جو بااختیار ادارے کی طرف سے بطور حکم فیصل صادر ہو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:" قضا ایک فرض اور محکم ذمہ داری ہے اور ایک قانون ہے واجب العمل (المبسوط للسرخسی ج۱۶ ص۶۰) ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں۔ قضا وہ ادارہ ہے جو نزاعی مقامات کا فیصلہ دیتا ہے۔(۴۹)

اسلام بلا تفریق مذہب وملت عدل وانصاف کو حکومت کا اہم فرض قرار دیتا ہے اور اسی پر سوسائٹی اور حکومت کی بقا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔(۵۰)

ترجمہ: " اور ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اوران کے ساتھ کتاب اورعدل وانصاف کے احکام اتارے تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔



Marfat.com

## سیاسی جمہوری نظام کے متعلق قرآن کا تصور واحکام

قرآن کا اساسی اور بنیادی عقیدہ ہے کہ حقیقی طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے اور انسان اس کے نائب کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ اسلامی حکومت کا پہلا وصف حکومت الہیہ قائم کرنا ہے خدا کی حکومت کو حکم کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے :

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔(۵۱) ترجمہ: یعنی اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔

فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ۔(۵۲) ترجمہ: پس حکم اللہ کا ہی ہے جو سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔

جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جس کو عوام کی فلاح وبہبود کا ضامن ہونا چاہیے دین اسلام جس طرز حکومت کو عوام الناس کے لیے پسندیدہ قرار دیتا ہے وہ وہی حکومت ہے جس میں جمہوری روح پائی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکیت کا اعلان کرتی ہے اور سیاسی امور کے فیصلوں کی بنیاد {اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ} کے اصول پر رکھتی ہے اور عوام کے حقوق، جان ومال، عزت وآبرو کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے اسی لیے قرآن پاک میں حکومت کے لیے امانت کا لفظ برائے راست استعمال نہیں ہوا لیکن درج ذیل آیت میں جس امانت کا ذکر ہے اس میں بالواسطہ حکومت بھی آجاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا(۵۳)

ترجمہ: "ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے"۔

## جمہوری نظام کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

۱۔ "وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور کی نگرانی بخشی اور اس نے ان کی حاجات وضروریات اور فقر کے حالات کی پروا نہ کی تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضرورت واحتیاج سے بے نیاز ہو جائے گا"۔(۵۴)

۲۔ " امیر جو کہ مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار ہے اگر ان کی بھلائی کے لیے کوشش نہ کرے اور ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔(۵۵)

۳۔ " جو شخص میری فرماں برداری کرتا ہے، وہ اللہ کی فرماں برداری کرتا ہے اور جو شخص میرا نافرمان ہے وہ اللہ کا نافرمان ہے اور جو شخص امیر (رئیس مملکت) کی اطاعت کرتا ہے، میری اطاعت



Marfat.com

کرتا ہے اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے، وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔(۵۶)

۴۔ "سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تم پر ایک حبشی کو حاکم بنادیا جائے، جس کا سر کشمش کے دانے کی طرح ہو یعنی بد وضع ہو"۔(۵۷)

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل عہد جاہلیت کے نظام کی صورتحال

زمانہ جاہلیت میں عرب کے بدوی قبائل میں کوئی حکمران، کوئی حکومت نہ تھی، کوئی عدالت بھی نہیں ہوا کرتی تھی لہٰذا کسی شخص کو انصاف حاصل کرنے کے لیے کسی کے پاس جاکر شکایت کرنے کا کوئی امکان نہ تھا مظلوم کیا کرے " دست خود دھان خود" ہر شخص اپنی بساط کے مطابق ظالم سے بدلہ لے گا اگر ظالم کمزور ہو تو بدلہ آسان تھا لیکن اگر ظالم قوی تر ہو تو کمزور کے لیے کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ انصاف حاصل کرسکے۔(۵۸)

ڈاکٹر صبحی محمصانی عربی عہد جاہلیت کے طرز حکمرانی اور اس عہد کے نظام عدل وانصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں! اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کے اقتدار پر موقوف تھا اور کبھی یہ مصداق جس کی لاٹھی اس کی بھینس، انفرادی اقتدار پر بھی۔(۵۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل اہل عرب وحشت، شقاوت، درندگی اور جہالت میں گھرے ہوئے تھے۔ بداخلاقی، ظلم، ناانصافی، سفاکی کا تاریک ترین دور تھا۔ انسانیت ذات ہستی کی طرف لڑھک رہی تھی۔ اخلاقی شعور کی مشعلیں گل ہوچکی تھی، گرے ہوئے اخلاق کو درست کرنے والا کوئی نہ تھا۔ نہ نفس شناسی تھی نہ خداشناسی، نہ اپنے فرائض کی فکر۔ انسان انجام دے بے بہرہ اور فکر آخرت سے ناآشنا اور خیر وشر کی تمیز سے عاری تھا۔

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہر شعبہ زندگی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا احسان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ فرمائے زندگی مستند معتبر ہوگئی
تب گریبان شب چاک ہونے لگا آسماں مسکرایا سحر ہوگئی
ذرے ذرے کا چہرہ دمکنے لگا پتے پتے یہ موج بہاراں اٹھی
رخ سے پردہ اٹھا کر جدھر آگئے صبح محشر ادھر جلوہ گر ہوگئی
کیا عرب کی زمیں کیا عجم کی زمیں احتشام مقدر میں کچھ نہیں
پھول ہی پھول کھلنے لگے جس طرف ان کی رحمت میں ڈوبی نظر ہوگئی

جس طرح بہار یابرسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی اور سوکھی ٹہنیوں اور پتوں میں ہریالی اور شادابی پیدا ہوجاتی ہے۔ نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں اور درودیوار پر سبزہ اگنے لگتا ہے۔



Marfat.com

اسی طرح بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور دوسروں میں نیا سودا سما گیا۔ انسانیت صدیوں کی نیند سے بیدار ہو گئی۔ اسے ظلم وسفاکی، ناانصافی سے نجات ملی۔ بد دیانتی غفلت سے نکل کر ہدایت کی راہ پر گامزن ہو گئی۔

علامہ سید ندوی لکھتے ہیں "ایسی کامل اور جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع ہر قسم اور ہر گروہ اور صنف انسانی کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظریں رکھتی ہو اسی لائق ہے جو اس اصناف وانواع سے بھری ہوئی دنیا کے عالمگیر اور دائمی راہنمائی کا کام انجام دے۔ جو رحم وکرم، جود وسخا، عدل وانصاف، عفوو درگزر کا درس دے۔ جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی اور آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بشارت دے اور دونوں بادشاہوں کے قواعد وقوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں لاگو کر دکھائے۔(۶۰)

شہنشاہ دوعالم ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کوئی دربان نہیں تھا۔ کوئی وی۔ آئی۔ پی کلچر نہیں تھا۔ سارے خزانوں کامالک ہونے کے باوجود ہفتوں گھر میں چولہا روشن نہیں ہوتا تھا۔ کھجور اور ستو پر گذر بسر ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش قالین سے بے نیاز تھا لیکن کثرت سجود سے چمکتا تھا۔ چھت فانوس سے خالی تھی لیکن رحمت الٰہی کے اجالے سے معمور تھی۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔

"دس لاکھ مربع میل کے حکمران کا طول وعرض بھی گنبد حضرا کے حدود اربعہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے"۔(۶۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے محسن کی حیثیت سے بہت دلیرانہ قانونی اور سیاسی کارنامے انجام دیے جو کارناموں کی دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں۔ (۶۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکومت کے امیر بھی تھے اور آمر بھی تھے۔ فوج کے کمانڈر انچیف بھی، انصاف کی اعلیٰ عدالت کے حاکم بھی، اقتصادیات کے نگران اعظم بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام ذمہ داریوں کی امانت بردار بھی تھی۔ اجتماعی زندگی کے تمام فرائض جملہ شعبہ جات اور تمام محکمے ایک محکم اور منظم مرکز پیدا کر کے اپنے کام میں مصروف تھے۔ آپ کی گراں قدر ہستی انسانی معاشرہ کی ان تمام امیدوں کو پورا کر رہی تھی جن میں سے ہر ایک دنیا کے لیے مثال بننے والی تھی۔(۶۳)

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام حکمرانی

بحیثیت حکمران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے مثالی معاشرے کی بنیاد رکھی جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو اصول جہاں بانی سکھائے اور حکمرانی کے زریں اصول وضع کیے۔



Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے بہ یک جنبش قلم ان مصنوعی تفرقوں کو مٹادیا، نشست کے لیے سونے چاندی کا سامان اور ریشمی لباس و فرش حرام کیے گئے۔ سونے چاندی کے زیورات مردوں کے لیے ناجائز ٹھہرے، امام وقت اور اس کے حکام کے لیے مسجد اوراس کا صحن ایوان تھا، حاجب و دربان کے پہرے اٹھ گئے، چاؤش و نقیب رخصت کردیے گئے۔ طلائی و نقرئی وزمردی تخت اٹھوادئے گئے۔ امام اوراس کے حاکم عام مسلمانوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملاکر نشست کرتے تھے اور پستی و بلندی کی تفریق باقی نہیں رکھی گئی، چنانچہ وضع ولباس کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ میں کسی قسم کا فرق مراتب موجود نہ تھا۔

ایک بار حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حجرے میں حاضر ہوئے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت کی چیزیں رہتی تھیں، دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چمڑے کے تکیے سے جس میں کھجور کے پتے اور چھال بھری ہوئی تھی، ٹیک لگائے ہوئے ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، حجرے میں ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی، لیکن تین سُوکھے چمڑوں کے سوا کوئی دوسرا اثاث البیت نظر نہ آیا، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے تھے۔ اس منظر سے حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اوران کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ! میں کیوں نہ روؤں جب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ (بستر نہ ہونے سے) چٹائی کے نشان پشت مبارک پر پڑگئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا اثاث البیت میرے سامنے ہے، ادھر قیصر و کسریٰ ہیں، جو باغ و بہار اور عیش و آرام کے مزے لوٹ رہے ہیں اور حضور اللہ کے رسول ہیں اوران سے بے نیاز ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے ابن خطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت میں لیں اور وہ دنیا میں؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ جی ہاں! بے شک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ حکمران کیسے حکمرانی کرے بادشاہ کس طرح بادشاہت کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی مملکت کے اصول وقوانین، نظام فوجداری کی تدوین، خارجہ پالیسی، بین الاقوامی تعلقات، سیاست کے پیچ وخم، معاشی بدحالیوں میں اپنا طریقہ کار، اقتصادی ناہمواریوں میں اپنا کردار، کفار کے ساتھ صلح وآشتی کے مواقع، دشمن کی صفوں کو پیوند خاک کرنے کی تدابیر، ذمیوں کے ساتھ اسلامی سلطنت کا برتاؤ، مرتدوں کے ساتھ اسلام کا طرز عمل، جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک غرض یہ کہ انسانی زندگی اوراسلامی سلطنت کا کوئی موڑ ایسا نہیں جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن عمل سے ہماری رہنمائی نہ فرمائی ہو۔



Marfat.com

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے معاشرتی، سیاسی، اقتصادی، عدالتی اور تعلیمی شعبہ جات کا جائزہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام اداروں میں ربط و تسلسل پایا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہترین عادلانہ، ذمہ دارنہ، دیانتدارانہ نظام کی بنیاد ڈالی جس کا قانون خدا کا قانون اور جس کی حکومت خدا کی حکومت تھی۔ جس کی قوت وطاقت خدا کی قوت و طاقت تھی۔ جس کے اختیارات کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ جہاں ہر شخص خود ہی اپنا محاسب خود ہی اپنا ماتحت تھا۔ ہر شخص خود ہی نگہبان اور نیابت کا حق ایک جیسا تھا۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں سے ایسا ہی شفاف نظام چاہتا ہے جہاں پر ہر شخص اپنی اپنی حد میں اپنی اپنی رعایا کا نگہبان ہے۔ شوہر اپنے اہل عیال کا، معلم اپنے شاگردوں کا، آقا اپنے غلاموں کا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔(۶۴)

ترجمہ: "یعنی تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا"۔

اس سے تمام مناصب حکومت کا نظام سمجھ میں آجاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا کوئی ادارہ نہ غیر ضروری تھا اور نہ ہی غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ تھا۔ اس میں خدا کے سوا اختیار کسی دوسری طاقت کے پاس نہ تھا۔ جس میں فرماں روا افراد کی شخصیت رنگ ونسل زبان علاقہ سے نہیں پہچانی جاتی تھی۔ اس کی جدوجہد کا مقصد قانون الٰہیہ کا پاسداری تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے سربراہ بھی تھے، جو ایک ہجری میں قائم ہوئی الطقطقی نے بالکل صحیح کیا "اسلامی حکومت اپنی غایت اپنی سادگی اور عمومیت کے اعتبار سے ایک مستقل اور جداگانہ شے ہے۔ وہ ایک ایسی حکومت جو عام دنیاوی حکومتوں سے منفرد اور پیغمبرانہ اوصاف سے مستفید ہے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناصب حکومت کو تمام بے فائدے نمائشوں، تباہ کن جعل سازیوں، سرمایہ دارانہ آرائشوں اور آلائشوں سے پاک کیا۔ قدرت کے قابل عمل قوانین کو حقیقی عدل اور سچے اعتدال کے ساتھ نافذ کر کے دکھایا۔ حکومت کو عوام کی چیز بنادیا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کر دیا۔(۶۵)

شہنشاہیت کے نظریہ کو عقیدہ اور عمل کی دنیا سے خارج کر کے حکومت کو ریاست عامہ قرار دیا۔ اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا کہ اس کی وجہ سے تخت وتاج، کسور ومحلات، حاجب ودربان، حشم وخدام اور رشوت خوراعمال سب ختم ہوگئے۔(۶۶)



Marfat.com

## اقتدار اعلیٰ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اقتدار اعلیٰ اور طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ قانونی، معاشرتی، انتظامی، فوجی، عدالتی اختیارات کو قانون الٰہیہ کے دائرے میں استعمال کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حتی الامکان کوشش تھی کہ سیاسی و شرعی قوانین کا اظہار انتظامی اداروں سے بھی ہوا اور اعمال کا دائرہ شریعت متجاوز نہ ہونے پائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات اس حکم الٰہی کی تفسیر تھے۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ۔ (۶۷)

ترجمہ: " تو لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کر اور اس قانون کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

## امیر مملکت

یہ بات طے شدہ ہے کہ اسلام میں حقیقی قوت رب العالمین کے پاس ہے۔ وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کے دیے ہوئے اختیارات کو استعمال کرنے والے کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہوں۔

لہٰذا جو بھی امیر مملکت ہو یا اس کے عمال ہوں یا تمام شعبہ، سیاست سے ہو یا قانون سے معاشرت ہو، معیشت سے عدالت ہو یا تعلیم سے وہ ایسے مناصب کو خوف خدا اور عوام کے سامنے جوابدہی کے احساس سے استعمال کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اس سلسلے میں روشن مینار اور قابل تقلید اور قابل فخر نمونہ کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی شہادت تمام مناصب اور شعبہ جات کے متعلق واضح ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری حیات کا مقصد و محور یہ تھا کہ دنیا میں کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسروں پر جبر کرے۔ اپنا زبردستی حکم منوائے، دوسروں کو ان کے حق سے زور زبردستی کے تحت محروم کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حاکم مطلق کے قانون کی اشاعت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کے مفسر بھی تھے اس لیے قانون الٰہی کی توضیح اور اس کے نفاذ کا اختیار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قانون الٰہی کی تشریح اور اس کے اطلاق میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں دکھائی۔ اس کے علاوہ لوگوں کے درمیان فیصلہ بھی قانون الٰہی کے دائرے میں کیا اور اپنے آپ کو کبھی قانون کے دائرے سے بالاتر نہیں سمجھا۔

## ذمہ دارانہ اور دیانتدارانہ عہدے داروں کا تقرر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت امیر مملکت اپنی پوری توجہ اس امر پر مرکوز کی کہ حکومت



Marfat.com

کے عہدوں اور مناصب پر خدا ترس، باصلاحیت، بے لوث، پاکیزہ کردار اور مخلص افراد کا تقرر کیا جو احکام الٰہیہ کی روح سے واقف، دین اسلام کے محب، راہ حق میں مشکلات ومصائب کو صبر واستقامت سے برداشت کرنے والے تجربہ کار، مخلص اور فرض شناس تھے۔ ان کارکنان ریاست کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ذہن نشین کرادی تھی کہ حکومت کے عہدے اور منصب صرف حصول عزت وشہرت، دنیاوی ٹھاٹھ باٹ اور دولت کمانے کے ذرائع نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مناصب کے ساتھ اخلاق، بے غرضی اور امانت ودیانت رکھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خدا کی قسم ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست دی ہو یا اس کا حریص ہو"۔(۶۸)

## معاملات کا شوریٰ کے ذریعے طے کیا جانا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حاکم اور محکوم کے تعلقات جبر وسختی بلکہ فراخدلی، وسیع الظرفی اور بردباری پر استوار تھے اور معاملات میں مشاورت کرنا اور مسائل کو خندہ پیشانی سے سننا اور سلجھانا بھی شامل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوری کو سلطنت اور حکومت کے کاموں کی روح قرار دیا۔ حکومت کی مرکزیت قوت اور استحکام پیدا کر کے حکم دیا کہ حکومت کے کام مشورے سے طے کیے جائیں۔ مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا تلخ لہجے میں استفسار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نرم لہجے میں جواب دے کر مطمئن کرنا۔(۶۹)

غزوہ حنین کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر شکوک وشبہات کا پیدا ہونا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس گھمبیر صورتحال کو بردباری کے ساتھ حل کرنا اور انصار کو مطمئن کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ معاملات کو سلجھانے کا کتنا خوبصورت ملکہ رکھتے تھے۔(۷۰)

## احتسابی عمل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمال اور عہدیداروں کے اعمال کے محاسبہ کے لیے احتساب کا نظام بھی قائم کیا ہوا تھا۔ اس کی نگرانی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود کیا کرتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا جن لوگوں کو مختلف فرائض سونپے جاتے ہیں مثلاً صدقات وخیرات کی وصولی وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان سے سوال وجواب کرتے کہ کہیں انہوں نے اپنے احتساب سے تجاوز کر کے ظلم وانصافی کا راستہ تو اختیار نہیں کیا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا مقصد عمال اور عہدیداروں کی ذہنی تربیت تھا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلیم سے صدقات لینے کے لیے للبیہ کو روانہ کیا واپسی پر انہوں نے دو قسم کا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا یہ ایک مال مسلمانوں کا ہے اور دوسرا مجھے تحفہ دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر بیٹھے ہوئے تم یہ تحفہ کیوں نہ ملا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے لین



Marfat.com

دین کی سختی سے ممانعت کر دی۔(۷۱)

## شعبہ داخلہ وشعبہ خارجہ

داخلی اور خارجی امور کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت شفاف رکھا۔ جب داخلی طور پر آپ کسی قسم کا خطرہ محسوس کرتے راتوں کو خود مدینہ کی گلیوں کا چکر لگا کر احوال کو معلوم کیا کرتے تھے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو اور کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔ رات کی پیرہ داری کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک صاحب العسس بھی مقرر فرمایا جس کا کام یہ تھا کہ راتوں کو گشت کرے اور آواز لگائے اور مشکوک افراد کے متعلق باخبر رہے اور ظلم وزیادتی اور شکایات کے متعلق آگاہ کرے۔(۷۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبہ داخلہ کی طرح شعبہ خارجہ کو بھی قائم کیا۔ شعبہ کے تحت بیرونی ملکوں سے خط وکتابت سفارتی تبادلہ اور معائدات کا انعقاد جیسے اہم امور انجام دیے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام امور چونکہ وحی الٰہی کی روشنی میں انجام پاتے تھے۔ اس شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کا تقرر کیا جو اس کے تقاضے بڑی ذمہ داری سے پورا کر سکتے تھے اور غیر ملکی زبانوں کے جاننے والے تھے۔(۷۳)

## مالیات کا محکمہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ کی آمدنی وخرچ کے حساب کے لیے باقی محکموں کی طرح مالیات کا محکمہ قائم کیا جس میں آمد وخرچ کا حساب رکھا جاتا تھا۔ اس کی مختلف شاخیں تھیں۔ مثلاً، صدقات، زکوٰۃ کی وصولی اور مال غنیمت وغیرہ۔ اس شعبے کا بھی پورا ریکارڈ ہوتا تھا۔ تمام شاخوں پر مقرر کیے گئے نگرانوں عہدیداروں کی امانتداری اور دیانتداری کو پرکھا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعبہ کی کارکردگی کی طرف بھی بھرپور توجہ دی اور اپنے لوگوں کو ذمہ داریاں دیں جو اس کے بہت زیادہ اہل تھے۔ اور اخلاق کردار کی سیرت رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ عوام الناس کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور آسانی ہو۔(۷۴)

## ریاست کی آمدنی کا ایک اور ذریعہ مال فئے

یعنی وہ املاک جو بغیر جنگ اور بغیر لشکر کشی ریاست کی ملکیت میں آجاتی تھیں۔ جب بنو نضیر کو مدینہ سے نکالا گیا تو ان لوگوں کے باغات، کھیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آگئے۔ اسی طرح بعد میں بنو قریظہ کا مال بھی ہاتھ آیا۔ خیبر کے بعض علاقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آگئے۔ یہ مال مال فئی کہلایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے احکام کے مطابق اس کو سرکاری ملکیت قرار دیا۔ قرآن میں مال فئے کا مصرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں، یتامٰی، مساکین،



Marfat.com

مسافروں اور مہاجرین کے لیے رکھا گیا ہے۔(۷۵)
زمین کا وہ محصول جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے۔ یہ سب سے پہلے خیبر سے حاصل ہوا۔ فتح مکہ کے وقت چونکہ ایک طرف خود مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل نہ تھے کہ وہ مفتوحہ زمینوں کی دیکھ بھال کرسکیں۔ دوسری طرف یہود نے یہ پیش کش کی تھی کہ وہ ریاست نبویؐ کی اسامی کی حیثیت سے اس زمین کی کاشت کریں گے۔ اس لیے جزیہ کی طرح مجاہدین کی تنخواہیں اور دوسری قومی ضروریات پر خراج کی جاتی تھی۔(۷۶)

## جزیہ

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی جان ومال کی حفاظت، عقیدے کی آزادی جو محصول لیا جاتا وہ جزیہ کہلاتا تھا۔ یہ صرف مردوں کے لیے، بچوں اور عورتوں کے لیے ہیں۔ اسی طرح معذروں، مفلسوں اور فاتر العقل لوگوں کو اس سے فارغ کیا جاتا ہے۔ اس غرباء، اندھے اور مفلوج اور اپاہج اس سے مستثنیٰ تھے۔

## زکوٰۃ وصدقات

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کسی کو عادل زکوٰۃ کی وصولی پر متعین فرماتے تو تمام ضروری ہدایات تحریری طور پر اس کے سپرد کردیتے۔ جب عاملین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے باقاعدہ حساب کتاب طلب کرتے تھے کہ زکوٰۃ وصدقات کی وصول یابی میں کسی قسم کا جبر نہیں کیا۔(۷۷)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصدقات کے نظام کے ذریعے غربت کا خاتمہ کیا۔ انسداد گداگری کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھیک مانگنے والا جب خدا کے سامنے جایگا اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی۔(۷۸)

## شعبہ عدلیہ اور ذمہ داری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قضا کے تمام اختیارات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شارع حقیقی کے حکم کے مطابق فیصلہ کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا۔
وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔(۷۹)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔
امرت لاعدل بینکم۔ (۸۰)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم قاضی اور مفتی بھی تھے۔ تمام مقدمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوتے اور مسجد نبوی کو ایوان عدالت کی حیثیت حاصل تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ کتاب اللہ سے رجوع کرتے اگر کتاب اللہ میں حکم موجود نہ ہوتا پھر شارح کتاب اللہ کی حیثیت



Marfat.com

سے فیصلہ دیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقدمات میں اثبات دعویٰ کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

لویعطی الناس بدعواھم لادعی الناس دماء رجال اموالھم۔(۸۱)

ترجمہ: "اگر لوگوں کے دعوے یوں تسلیم کر لیے جائیں تو عدالتوں میں خون اور مال کے بہت دعوے دائر ہو جائیں"۔

بحیثیت قاضی ومنصب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کوشش ہوتی کہ انصاف سہل الحصول ہو۔ اور اس معاملے میں تعصب اور جانبداری سے کام نہ لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" کوئی حاکم غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے"۔(۸۲)

## فوج کا شعبہ اور عہدے کی ذمہ داری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے سلسلے میں ایک مکمل ضابطہ حیات اور قانون وصلح دیا۔ جنگ کے آداب، اس کے اخلاقی حدود ومحاسن کے حقوق مقاتلین وغیرہ کا فرق، معاہدین مفتوح قوموں، سفراء اور سیران جنگ کے حقوق وغیرہ کی تعلیم دی ہے اور غفلت میں حملے کرنے، آگ لگانے، لوٹ مار، تباہ کار، مثلہ قتل اسیر، بدعہدی، بدنظمی انتشار، اور دوسرے وحشیانہ افعال کو قطعاً ممنوع قرار دیا۔ اس کے مقابلے میں تقویٰ، خوف خدا، ایفائے عہد، رحم وہمدردی کی ہدایت کی۔(۸۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو بہترین قواعد پر استوار کیا اور بہترین اصول دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین کارنامہ مردم شماری اور جنگ کے قابل افراد کی رجسٹریشن ہے۔ ہر چھوٹی بڑی مہم میں محتاط رویہ اختیار کرنے اور اخلاقی حدود پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی۔(۸۴)

ان تمام نکات سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخالف قوتوں پر قابو تلوار سے زیادہ اخلاق، بہترین عمل اور امانتداری جیسے بہترین اصول پر عمل کیا اور اخلاق کے بہترین وضع کے لیے جنگ صرف ہتھیاروں اور زور زبردستی سے نہیں جیتی جاتی بلکہ انسانیت کے بہترین اصولوں، اعلیٰ اخلاق، درگذر، رحم اور معافی کے اصولوں سے قلوب کو بھی فتح کیا جاسکتا ہے۔ جس کا عملی مظاہرہ صلح حدیبیہ، موتہ اور فتح مکہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

آپ نے رنگوں کا تباین ختم کر دیا زبانوں کا اختلاف مٹادیا، صورتوں کا بعد بعید کر دیا اور ایک خُدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب کے ماننے والوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ یہ سچی داستان ایسے صدر مملکت اور امام الانبیاء کی ہے جس کے مکان میں کھجور کے تنکوں کی چھت تھی، جس کی غذا سوکھی موکھی روٹی اور زیتون کا تیل تھی، جس کے بعد جھونپڑے میں تین تین ماہ تک چولہا گرم نہ ہوتا تھا، جو فاقوں کو عیش پر ترجیح دیتا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو سونے کے محلات بنالیتا، مگر اسے سادگی سے محبت تھی، وہاں یزدجرد کے محلات



Marfat.com

نہ تھے، عیش وآرام کو سمرقند کے باغات نہ تھے، اس کی سواری ایک خچر تھی، اوروہ عمدہ گھوڑوں کی کلغیوں سے بے نیاز تھا مگر نیلگوں آسمان کی چمک بھی اس پر قربان رہتی وہ ایک اولوالعزم شمشیر آزما تھا، جس کے سامان حرب میں چند ٹوٹی تلواروں اور کہنہ نیزوں کے سوا کچھ نہ تھا۔اس کی فوج سنہری عباؤں کی بجائے پیوند شدہ لباس پہننے کی عادی تھی عودولویان کی رنگ رنگینیاں ان کے تصور سے دور تھیں وہ زربفت ومخمل کو پاؤں تلے روندنے کے عادی تھے۔ بادبانوں والی کشتیاں ان کی جرات مند انہ تیراکی پر حیرت زدہ تھیں۔ اس کے ماننے والے پہاڑوں اور دریاؤں کے سینے چیر کر کفر سے ہم کلام ہوتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے جری مدبر، صاحب صدق وصفا سربراہ اور حکمران تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحب اور کشور کشائیوں سے ساری زمین دھل رہی تھی۔ آسمان کی آنکھ اورزمین کی نظر اس سے قبل کوئی ایسا سربراہ مملکت نہ دیکھا ہو گا کہ لاکھوں مربع میل علاقہ اس کے زیر نگیں ہو مگر وہ چٹائی پر محو خواب ہو۔

سماں الفقرُ فخریُ کا رہا شانِ امارات میں
مآب ورنگ وخال وخد چہ حاجت روئے زیبارا

پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کو چلانے والے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حکمرانی کے لیے چند زریں اصول مدِ نظر رکھیں:

## ا۔ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہوں

ہمارا جمہوری سیاسی نظام اس صورت میں بہتر نظام بن سکتا ہے جبکہ ہمارے حکمران اورصاحب اقتدار مدینہ کی اسلامی ریاست کے سربراہ کے حکومتی ڈھانچے کو سامنے رکھیں جو دیانت وامانت، فرض شناسی، احساس ذمہ داری اور خدمت خلق درس دیتی ہے۔ حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ہمہ وقت عوام کی خدمت کے لیے تیار رہیں لوگوں سے ایسا رویہ اختیار کریں جس سے لوگ اپنی حاجات ان کے سامنے پیش کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔

## ۲ جواب دہی کا اصول مد نظر رکھیں

حکمرانوں کو جواب دہی کا اصول مدِ نظر رکھنا چاہیے کیونکہ اسلامی نظام سیاست میں حکومت کرنے کا حق عوام کو سونپا گیا ہے۔ اسلامی ریاست میں حکومت کو عوامی احتساب اور تنقید سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا۔ اور شہری اپنے امیر کو کسی بھی صورت میں قانون سے برتر ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"کوئی حکمران جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا"۔(۸۵)



Marfat.com

## عادل ہوں

حکمرانوں کو عدل وانصاف کے وصف سے آراستہ ہونا چاہیے کیونکہ عدل اللہ کو پسند ہے اور اس کے اسمائے حسنہ میں سے ایک نام عادل بھی ہے اسی لیے حکمران کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ ظلم وستم کو ختم کر کے عدل وانصاف کو قائم کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔(۸۶)

ترجمہ: " اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا آپ لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ حکومت کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سایہ الٰہی میں سے سب سے پہلے وہ لوگ جائیں گے جو اپنا حق ملنے پر اسے قبول کر لیتے ہیں اور دوسروں کا حق بخوشی دے دیتے ہیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب لوگوں میں عادل حکام ہیں اور قیامت میں مبغوض اور سخت عذاب والے ظالم حکمران ہیں۔ اسی طرح فرمایا: منصب اور عادل حاکم خدا کے بہت قریب ہوں گے اور یہ بھی فرمایا عدل وانصاف کرنے والے حاکم قیامت کے دن ممبروں پر ہوں گے اور یہ ممبر رحمٰن کے داہنی جانب قائم ہوں گے۔(۸۷)

اور یہ بھی فرمایا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا ان سات میں سے امام عادل کو مقدم فرمایا ہے۔(۸۸)

ہمارے حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی حکومت میں عدل کو نافذ کریں حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم یا فیاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے جب ظلم کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔

اگر ہمارے حکومتی عہدیداران اسلام کے نظام عدل کو سامنے رکھیں تو ہمارے ملک سے بے چینی، بدامنی، افراتفری، دہشت گردی اور ظلم کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عدل ہی کی وجہ سے سب کو حقوق میسر آتے ہیں اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر لڑائی جھگڑے اور فسادات کے امکانات پیدا نہیں ہوتے۔

## قانون کی بالادستی قائم کریں

اسلام کے سیاسی نظام میں فرد کی حاکمیت کی بجائے شرعی قوانین کی بالادستی تسلیم کی گئی ہے۔ لہٰذا حکمرانوں کا فرض ہے قانون کی بالادستی قائم کریں شرعی قوانین ہی حاکم مطلق کے احکامات کے آئینہ دار ہیں اور وہی تمام سیاسی اختیارات اور شہریوں کے حقوق وفرائض کا تعین کرتا ہے۔ قوانین کا اطلاق سب پر ہوتا ہے اس سلسلہ میں ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز روا نہیں رکھی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مدینہ کی اسلامی ریاست میں مکمل طور پر قانون کی بالادستی قائم کی گئی۔



Marfat.com

## اعلیٰ اخلاق سے مزین ہوں

حکومتی اہل کاروں کا فرض ہے کہ ریاست اور حکومت کے کاموں کو اخلاقی تقاضوں انسان دوستی کے جذبات کے ساتھ انجام دیں کمزوروں، ضعیفوں اور مظلوموں کی حمایت کریں اور خداخوفی اور خدا ترسی کے جذبے سے مالامال ہو کر لوگوں کی خدمت کریں کیونکہ اسی کا دوسرا نام اخلاق ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔(۸۹)

ترجمہ: "اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے"۔

## نتائج وسفارشات

۱- " مقتدر اعلیٰ" اللہ کی ذات کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔

۲- حکومتی اختیارات کو خداخوفی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے استعمال کرے عدل وانصاف کی روح کو قائم کرے اور اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاکردہ امانت سمجھے۔

۳- قانون کی بالادستی کا اصول جو جمہوری سیاسی نظام کا روحِ رواں ہے لاگو ہونا چاہیے تاکہ کوئی قانون سے بالاتر نہ ہو ادنہ واعلیٰ، امیر وغریب، حاکم ومحکوم سب قانون کی نظر میں برابر ہونا چاہیے۔

۴- صحیح معنوں میں دستور کی پابندی ہونی چاہیے جس کی اساس قرآن وسنت ہے۔

۵- ذرائع ابلاغ کے ذریعے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو فروغ دیا جانا چاہیے تاکہ ان کی روشنی میں حکمران اپنے عمال کا محاسبہ کرتے رہیں۔

۶- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز حکمرانی اور بحیثیت سربراہ مملکت کارناموں کو سامنے رکھنا چاہیے تاکہ جمہوری سیاسی نظام کامیابی کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں ہو۔

جو کرنی ہو جہاں گیری محمدؐ کی غلامی کر
عرب کا تاج سرپر رکھ خداوند عجم ہوجا(۹۰)

## حاصل بحث

مندرجہ بالا تمام دلائل اور براہین، احکامات الٰہی، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پاک کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تخلیق انسانی کا مقصد ہی اپنے اختیارات کا ذمہ دارانہ استعمال ہے۔ یہ چیز یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ تمام وسائل واختیارات اور اللہ تعالیٰ کی نیابت کا حق صرف اسی طرح ادا ہوسکتا ہے کہ ہم نیکی کو فروغ دیں اور برائی کا خاتمہ کریں اور نیکی کے فروغ اور برائی کا خاتمہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حکومتی سطح پر ہر اہلکار کو اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس ہو جو اسے اختیارات میسر ہیں ان سے تجاوز نہ ہو۔



Marfat.com

اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاکر ظلم وزیادتی اور برائی کو فروغ نہ دے۔ قرآن پاک میں جابجا ذمہ داری کو دیانتدارانہ طریقے سے پورا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ہمارے سامنے سرکاری اور حکومتی عہدہ ذمہ دارانہ، دیانتدارانہ اور شفاف نظام رکھااور انہی کے بتائے راستے اوران کی بتائی شریعت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں ذمہ داری اداکرنی چاہیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست کو فریب ودجل سے اور معیشت سے اس طرح پاک کیا جیسے اندھیری رات کو بدر کامل کی ضیا پاشیاں بقعہ نور بنادیتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمہ داری اوردیانت داری کابول بالاکیا۔ بندہ مزدور کے تلخ اوقات خوشحالی میں تبدیل کئے۔ قانون دانوں کو قانون کانفاذ کرنے والے اس کے منصفانہ طریقے اور قانون کاتحفظ کرنے والوں کوقرآن کے بتائے ہوئے ضوابط کی روشنی میں فیصلے کرنے کے احکام دے کردین ودنیا میں توازن سکھایا۔ سرمایاداری کاخاتمہ کرکے کفایت باہمی کے اصولوں کی طرح ڈالی، جاگیر داروں کے ظلم وتشدد سے رہائی بخشی۔ رشوت، اقرباپروری کی لعنت کاخاتمہ کیا اور حاکموں کوبتایا یہ زمین خداکی ہے تم اس کے تنہا وارث نہیں ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی کوششوں سے حاصل ہونے والے سرمایہ کوعوام کی دولت قراردیا۔

مدینہ کودارالسلطنت بنایا، انتظامی حلقے قائم کیے اور ہر عہدے کاتقرر خداخوفی اوررعایا کے مفاد کے پیش نظر رکھ کرکیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی پراگندہ جماعت کوایک تنظیم کے ماتحت کردیا، ایک ایساضابطہ حیات مرتب کیا جس میں ایک بشر کے حقوق محفوظ تھے۔ ہرایک کی جان ومال اورعزت کاتحفظ تھا۔ حکمرانوں کو "سیدالقوم خادمھم" کے تحت حکمرانی کاطرز سکھایا۔ عوام کوظلم کے خلاف بولنے کی آزادی اوراسے " افضل الجہاد" کہا۔ لاقانونیت، مفاد پرستی اورانتشار کومٹا کر قانون کی عمل داری قائم کی اور سارے جہانوں کی جھولیاں اس کے شیریں ثمارات سے بھردیں۔

کیا تونے صحرانشینوں کویکتا
خبر میں نظر میں آذانِ سحر میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی ریاست قائم کی جس کے حکمران رحمت کی بارش برسانے والے تھے۔ جن کی حکمرانی میں راستوں کاتحفظ تھا اورزندگی امن کے گہوارے میں مسرت کے جھولے جھول رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہانوں خاکستر سے ایک نیا جہاں پیداکیا، ایسا جہان جس کاوجود نہ پہلے منصۂ شہود پر جلوہ گرہواتھا نہ بعد میں دنیا والوں کے مشاعدے میں آیا۔ آج پھر زمانے بھر کی گردش ایام کہن کی بھاگیں موڑکر اسی دور کی تلاش میں سرگرداں ہے جس کانظارہ میرے آقا ومولا نے دیکھا تھا۔ کاش وہ دورپھرعالم وجود میں آکر ہماری زندگی کی کلفتیں دورکردے اور ہمیں امن وسلامتی سے مالامال کردے۔ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کے منصب داروں، حکمرانوں، سیاستدانوں، قاضیوں، معلموں، منصفوں کوآقائے دوجہاں کے نقش قدم پرچلنے کی توفیق عطافرمائے۔ آمین



Marfat.com

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

## حواشی و حوالہ جات

۱- سورہ الجاثیہ آیت نمبر ۱۳۔
۲- سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۳۔
۳- سورہ بقرہ آیت نمبر ۳۰۔
۴- سورہ بقرہ آیت نمبر ۳۴۔
۵- سورہ بقرہ آیت نمبر ۳۰۔
۶- مولوی فیروز الدین، الحاج، فیروز الغات، اردو، فیروز سنز کراچی ص ۴۷۰۔
۷- بحوالہ جمہوری سیاسی نظام علمی کتب خانہ لاہور ص ۷۱۔
۸- ایضاً۔ ص ۷۲۔
۹- ایضاً ص ایضاً۔
۱۰- ایضاً ص ۷۳۔
۱۱- آکسفورڈ انگلش ڈکشنری ص ۲۷۰۔
۱۲- .Larry Diamond, Political System, p 307
۱۳- بحوالہ جمہوری سیاسی نظام، علمی کتب خانہ لاہور ص ۷۳۔
۱۴- ایضاً۔
۱۵- یوسف قاضی کتاب الخراج، قاہرہ مصر ص ۴۵۔
۱۶- سورہ احزاب آیت نمبر ۷۲۔
۱۷- شبلی نعمانی علامہ، الفاروق، کراچی الائیڈ بک کمپنی، ۱۹۸۶ء ج دوم ص ۱۹۔
۱۸- ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، قاہرہ ص ۶۔
۱۹- ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۵۔
۲۰- سورہ نساء آیت نمبر ۵۵۔
۲۱- جلال الدین سیوطی، الجامع الصغیر، بیروت دارالصادر ۱۷۵ ج اول۔
۲۲- .Mattren, Johannes, Concepts of state, Sovereignty & int p 17
۲۳- القرآن ۴۴: ۲۴۔
۲۴- القرآن ۱۵۹: ۱۳۔
۲۵- صحیح مسلم کتاب الامارہ۔
۲۶- سورہ الحج آیت ۴۱۔
۲۷- سورہ یوسف آیت نمبر۔
۲۸- سورہ الاحزاب آیت نمبر ۵۴۔
۲۹- سورہ نساء آیت نمبر ۸۰۔



Marfat.com

۳۰- سورہ الحشر آیت نمبر ۷۔
۳۱- سورہ نور آیت نمبر ۵۵۔
۳۲- سورہ شوریٰ آیت نمبر ۳۸۔
۳۳- سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۳۔
۳۴- موطا امام مالک۔
۳۵- صحیح مسلم کتاب الامارہ۔
۳۶- البخاری جامع صحیح کتاب الامارہ باب فضیلۃ امیر عادل۔
۳۷- بحوالہ نواز چوہدری تاریخ اسلام، قریشی برادرز لاہور ۱۹۹۱ ص ۳۱۰۔
۳۸- سورہ شوریٰ آیت نمبر ۱۹۔
۳۹- سید سلیمان ندوی، سیرت النبویؐ ج ۱ ص ۴۲۔
۴۰- وہبہ الزحیلی، العلاقات الدولیۃ فی الاسلام، ترجمہ اسلام میں بین الاقوامی تعلقات، مترجم مولانا حکیم اللہ، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد ۲۰۱۳ ص ۹۔
۴۱- محمود مرزا، مسلم ریاست جدید کیسے بنے لاہور، دارالتذکیر، ۲۰۰۵ ص ۱۰۰۔
۴۲- مشکوٰۃ ص ۱۸۸ ج ۲۔
۴۳- سورہ مائدہ آیت نمبر ۴۵۔
۴۴- سورہ المائدہ آیت نمبر ۲۴۔
۴۵- سورہ مجادلہ آیت نمبر ۲۰۔
۴۶- علامہ اقبال، کلیات اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز اردوبازارلاہور۔
۴۷- علامہ اقبال، کلیات اقبال، شیخ بشیر اینڈ سنز اردوبازار لاہور۔
۴۸- ابن ماجہ باب الافضل علماء ص ۸۱۔
۴۹- فتح القدیر ج ۶ ص ۳۵۶۔
۵۰- سورہ الحدید آیت نمبر ۲۵۔
۵۱- سورہ یوسف آیت نمبر ۱۲۔
۵۲- سورہ مومن آیت نمبر ۱۲۔
۵۳- سورہ احزاب آیت نمبر ۷۲۔
۵۴- سنن ابی داؤد کتاب الکراج والفئی والا مارہ، باب فیما میلزم الامام من امر الرعیۃ والا حتجاب عنھم، مطبع مجیدی، دہلی ۱۸۶۴ء۔
۵۵- مسند ابی عوانہ، دائرۃ المعارف، حیدر آباد ۱۳۶۳، ج اول ص ۱۳۲۔
۵۶- صحیح بخاری و مسلم، بروایت ابوہریرہ۔
۵۷- صحیح بخاری و مسلم بہ روایت حضرت انسؓ۔
۵۸- حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات باولپور ص ۳۴۱، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۲۔
۵۹- ڈاکٹر صبحی محمصانی، فلسفہ شریعت اسلام، مترجم محمد احمد رضوی، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۵ء ص ۶۔
۶۰- سید سلیمان ندوی، خطبات مدارس، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۴ ص ۹۱۔



Marfat.com

٦١- ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی ص ۲۴۴۔
٦٢- ملاحظہ کیجئے تاریخ طبری، تاریخ ابن کثیر۔
٦٣- حامد انصاری، اسلام کا نظام حکومت، الفصیل ناشران اردو بازار لاہور ص ۲۹۲۔
٦٤- صحیح مسلم کتاب الاحکام۔
٦٥- حامد انصاری، اسلام کا نظام حکومت، الفصیل ناشران اردو بازار لاہور ص ۳۰۲۔
٦٦- مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱ باب حق رعیۃ۔
٦٧- سورہ مائدہ آیت نمبر ۴۸۔
٦٨- صحیح مسلم کتاب الامارہ۔
٦٩- ابن ہشام، سیرت النبیؐ ج دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز اردو بازار لاہور ص ۲۱۲۔
٧٠- ایضاً۔
٧١- ابن ہشام سیرت النبیؐ شیخ غلام علی اینڈ سنز اردو بازار لاہور ص ۲۱۳۔
٧٢- ایضاً۔
٧٣- مولانا مودودی، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ص ۳۰۷۔
٧٤- امام ابو یوسف کتاب الاموال ص ۲۲۷۔
٧٥- امام ابو یوسف کتاب الاموال ص ۲۰۔
٧٦- ابن ہشام، سیرت النبیؐ شیخ غلام علی اینڈ سنز اردبازار لاہور ص ۳۷۰۔
٧٧- ابو عبید کتاب الاموال ص ۲۱۰۔
٧٨- بخاری و مسلم کتاب الاحکام۔
٧٩- سورہ نساء آیت نمبر ۵۸۔
٨٠- ترمذی۔
٨١- بخاری و مسلم کتاب الاحکام۔
٨٢- صحیح مسلم کتاب الاحکام باب عدل۔
٨٣- عین الحق محمد، سیرت النبیؐ مع سیرت نگار عبداللہ برادرز لاہور ص ۳۸۱۔
٨٤- ابن ہشام، سیرت النبیؐ ج ۲ ص ۳۰۷۔
٨٥- صحیح مسلم کتاب الامارہ۔
٦٦- سورہ ص آیت نمبر ۲۶
٨٧- مولانا امیر الدین مہر، مولانا فضل ربی خطبات جمعہ۔ وزارت مذہبی امور اسلام آباد حکومت پاکستان ۱۹۹۵۔
٨٨- ایضاً۔ سیرت النبیؐ مکتبہ مدینہ لاہور، ج ۷، ص ۴۷۔
٨٩- سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۳۴۔
٩٠- علامہ اقبال کلیات اقبال شیخ بشیر اینڈ سنز اردو بازار لاہور ص ۲۱۳۔



Marfat.com

# پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ
# تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

سیدہ ساجدہ گیلانی°

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام سیاست کا ایک اور سادہ عنصر جمہوریت ہے۔ جس میں عوام کے ووٹوں کی طاقت سے حکومت بنائی اور چلائی جاتی ہے۔ گویا جمہوریت سے مراد عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کیلئے۔ پاکستان میں پہلے پہل جو جمہوریت اپنائی گئی وہ مغربی ممالک سے درآمد مغربی طرز کی جمہوریت تھی۔ جو ہمارے ہاں پروان نہ چڑھ سکی اور بری طرح ناکام ہوئی۔

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے فرمودات اور خطابات بھی اس امر کے شاہد ہیں کہ وہ آزادی، رواداری اور مساوات کی جمہوری اقدار پر قوی ایمان رکھتے تھے۔ ان کے خیال میں مغرب کا جمہوری نظام پاکستان کیلئے قطعی موزوں نہیں۔

سبی بلوچستان فروری ۱۹۴۷ء میں انہوں نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا "ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں"۔

۱۴ر جولائی ۱۹۴۷ء میں انہوں نے پریس کانفرنس میں فرمایا "جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی"۔

مختلف ادوار اور مارشل لاؤں سے گزرنے کے بعد پاکستان میں اسلامی جمہوریت کا قیام ممکن ہوا۔ پاکستان کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا۔ جس کا باقاعدہ دوسو چھپن (۲۵۶) صفحوں کا تحریری آئین ہے۔

پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت ہے جس کا سربراہ وزیر اعظم ہے۔ اس طرز حکومت میں ہر پانچ سال بعد عوام اپنے ووٹوں کے ذریعے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔ صوبوں میں جو ممبر چنے جاتے ہیں وہ صوبائی حکومت بناتے ہیں جن کا سربراہ گورنر ہوتا ہے۔ وفاق میں جو ممبران چنے جاتے ہیں وہ پارلیمنٹ یعنی قومی اسمبلی بناتے ہیں۔ جو پارٹی دو تہائی اکثریت حاصل کرتی ہے اس کو حکومت بنانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اگر کوئی ایک پارٹی مطلوبہ اکثریت حاصل نہیں کر سکتی تو وہ کسی دوسری پارٹی یا آزاد امیدواوں کو ملا کر حکومت بناتی ہے۔ دوسرے نمبر پر آنے والی جماعت حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی ہے اور بعض دفعہ ان کو بھی دوسری جماعتوں سے مل کر چلنا پڑتا ہے۔ وزیر اعظم اکثریتی پارٹی

---

° ایم اے اسلامیات - اسلام آباد



Marfat.com

سے چنا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنی کابینہ تشکیل دیتا ہے۔ جس میں مختلف محکموں کیلئے مختلف وزراء کا چناؤ ہوتا ہے۔

سینیٹ کے ممبروں کی تعداد ۱۰۴ ہے۔ قومی اسمبلی کے ممبران ۳۴۰ اور ۴ صوبوں میں ہر صوبے سے ۶۵ سیٹیں ہوتی ہیں اس طرح کل ممبران کی تعداد ۷۰۴ ہے۔

صدر کے انتخاب کیلئے مختلف پارٹیاں مختلف نام دیتی ہیں اور ووٹوں کے ذریعے صدر منتخب کیا جاتا ہے۔

جمہوریت کے بارے میں کہا جاتا ہے لنگڑی لولی جمہوریت آمریت سے بہتر ہے۔ بقول گیٹل: یہ ایک ایسا طرز حکومت ہے جس میں آبادی کا کثیر حصہ یعنی عوام، اقتدار اعلیٰ کے اختیارات میں حصہ دار بننے کا حق رکھتے ہیں۔

## جمہوریت کی خوبیاں:

عوام کی حکومت: جمہوریت میں وہی پارٹی حکومت سازی کرتی ہے جسے عوام چنتے ہیں۔ اگر منتخب حکومت عوام کی مرضی کے خلاف جاتی ہے تو دو تہائی اکثریت کے ذریعے عدم اعتماد کی تحریک کے ذریعے باز پرس کر سکتے ہیں۔

ذمہ دار حکومت: جمہوری حکومت ایک ذمہ دار حکومت ہوتی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر عوامی نمائندوں کے سامنے جواب دِہ ہوتی ہے۔

امن پسند حکومت: جمہوری طرز حکومت سکون اور امن کی مظہر ہوتی ہے۔ آمریت اور بادشاہت کی طرح اقتدار اعلیٰ کی منتقلی میں کشت وخون اور خونین انقلاب سے پاک ہوتی ہے۔

سیاسی تربیت اور شعور: جمہوری طرز حکومت میں عوام کی شرکت، سیاسی جماعت کی تنقید اور پروپیگنڈہ، عوام میں سیاسی شعور پیدا کرتے ہیں۔ جو عوام اور حکومت کیلئے ضروری ہے۔

جذبہ حب الوطنی: جمہوریت میں چونکہ عوام کی شمولیت بہت اہم ہوتی ہے۔ جس سے جذبہ الوطنی فروغ پاتا ہے۔

## جمہوریت کی خامیاں:

خلوص کی بجائے خود غرض قیادت: جمہوری طرز حکوت میں ایسے خود غرض، جاگیر دار اور وڈیرے بے تحاشا دولت خرچ کر کے اوپر آجاتے ہیں، جن کے مزارعے، ہاری یا اُن کی رعایا اس قدر بے بس، کمزور اور مجبور ہو جاتے ہیں کہ لازمی ان کو ہی ووٹ دینا پڑتا ہے۔ چونکہ ان کے ووٹ نہ دینے کی صورت میں یا کسی اور کو ووٹ دینے کی صورت میں سخت سزائیں کاٹنی پڑتی ہیں۔ ان کے بچوں کو بھی اذیت دی جاتی ہے یا یرغمال بنایا جاتا ہے۔ اس لئے وہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ جاگیر دار وڈیرے یا پیر صاحبان ان سیٹوں کو موروثی طور پر اپنا حق سمجھتے ہیں اس لئے جائز یا ناجائز سیٹیں لے کر رہتے ہیں۔ جب یہ لوگ جیت جاتے ہیں تو ان سے بھلائی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

عادل اور نیک سیرت لوگوں کا فقدان: جمہوری طرز حکومت میں وہی لوگ حصہ لے سکتے ہیں، جن کے پاس دولت ہو، لمبے ہاتھ ہوں اور غنڈہ گردی کرا سکیں۔ کیونکہ رزق حلال والے عادل اور نیک لوگوں کے پاس چونکہ مال کی کمی ہوتی ہے، تو بے ایمان، رزق حرام والے ٹھیکے باز لوگوں کے جیت جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

پارٹی بازیاں: جمہوری طرز حکومت کو لانے کیلئے ایک سے زیادہ پارٹیاں ہونی ضروری ہیں۔ قوت برداشت نہ



Marfat.com

ہونے یا کم ہونے کی وجہ سے منافقت اور گروہ بندی کا شکار ہو کر لوگ ذاتیات پر اتر آتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف غلط الزامات کے ساتھ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لئے غلط ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔ آج کل کئی صوبوں میں یہ بہت ہو رہا ہے۔

حکومت کی سست روی: جمہوری طرز حکومت میں دوسری پارٹیوں کے ہم خیال نہ ہونے سے معاملات لٹک جاتے ہیں یا تعطل کا شکار ہو جاتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کالا باغ اور بھاشا ڈیم نہ بننے سے اربوں کیوسک پانی سمندر میں جا گرتا ہے اور ہم سارا سال پانی کی کمی کا شکار رہتے ہیں۔ مختلف پارٹیوں کی ضد بازی اور انا پرستی ملک کے بہت بڑے نقصان کا سبب ہیں۔

پیسے کا بے جا استعمال: ووٹوں کے ذریعے برتری حاصل کرنے کے لئے ووٹ خریدے اور بیچے جاتے ہیں اور پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ اس کوشش میں سرکاری ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں۔ انفرادی اور قومی سرمائے کا بے تحاشا استعمال ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جیتنے کے بعد وہ تمام سرمایہ سود در سود وصول کرنے کیلئے خوب کھل کھیلتے ہیں اور جائز ناجائز طور پر اختیارات کا استعمال کر کے وہ تمام مراعات اور رقم حاصل کر لیتے ہیں جو انہوں نے خرچ کیا ہوتا ہے۔ نتیجہ رشوت اور بے ایمانی کو فروغ ملتا ہے۔ کرپٹ امراء اور وزراء کی وجہ سے حکومت کی ساری مشینری کرپشن کا شکار ہو جاتی ہیں۔

برادری اقربا پروری کو فروغ: ووٹ اللہ تعالیٰ کی امانت اور حق کے لئے گواہی ہے۔ مگر پاکستان میں ووٹ دیتے وقت اللہ رسول پر برادری رشتہ داری اور خاندان کو فوقیت دی جاتی ہے۔ خواہ ممبر کتنا ہی برا بد کردار ہو۔ خاندان برادری اور رشتہ داری کی وجہ سے جیت جاتا ہے اور جب یہ لوگ جیت جاتے ہیں تو اہم عہدوں پر انہی رشتہ داروں عزیزوں کو نوازتے ہیں۔ اس طرح ایک خاص طبقے کو اوپر آنے کا موقع ملتا ہے۔

اگرچہ اسلامی جمہوری طرز حکومت میں طریقہ انتخاب، شوریٰ اور حق رائے دہی عین اسلامی طریقہ کے مطابق ہے۔ مگر آج تک مروجہ جمہوریت میں اسلامی طریقے پر مبنی نظام تشکیل نہیں پا سکا۔ جو جدید زمانے کے تقاضوں کے مطابق عوام اور ملک کے لئے ضروری ہے۔ جب تک جمہوری روایت کو اسلامی اقدار سے ہم آہنگ نہ کیا جائے اسلامی جمہوریت نہیں کہلا سکتی۔

مثلاً آئین کے صفحہ ۱۷ پر درج ہے "پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کیلئے، اور انہیں ایسی سہولیات مہیا کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن و سنت کا مفہوم سمجھ سکیں"۔

لیکن افسوس، کہ آئین میں صاف لکھا ہونے کے باوجود کوئی ایسے اقدامات نظر نہیں آ رہے بلکہ باہر سے آنے والے نظریات کی تشریح کرنے والے عناصر (NGOs) کو باہر کے فنڈز کے مطابق مدارس اور مساجد کی تعمیر کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ جو مختلف کورسز کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے کھلم کھلا مرتکب ہو رہے ہیں۔ درود شریف پڑھنے کی مخالفت اور ادبِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور بھولے



Marfat.com

بھالے عوام کو (جنہیں گھر سے بھی دین کی دوری ملی ہے) شکار کیا جارہا ہے۔ اس کام میں خواتین بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں۔ پانچ چھے ماہ کا کورس کرا کر ان کو ڈگری دے کر درس کا اجازت نامہ مل جاتا ہے اور وہ گھر گھر جا کر لوگوں کا ایمان وعقیدہ خراب کر رہی ہیں جبکہ دین کا علم سیکھنے کیلئے پانچ چھے سال درکار ہیں۔

اس طرح آئین کے صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے "کہ فحش ادب کی طباعت نشرواشاعت اور نمائش کی روک تھام کی جائے گی"۔

یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ اخبارات اور رسائل اور خاص طور پر ٹیلی ویژن کے مختلف چینلز پر نہ صرف پاکستانی بلکہ انڈیا کے اشتہارات دکھائے جارہے ہیں، جن میں عورتوں کو انتہائی ناکافی لباس میں نازیبا حرکات کرتے دکھایا جاتا ہے۔ خاص طور پر خبروں سے پہلے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کو دیکھ سکیں۔

ہر دوسرے تیسرے ہفتے Cat Walk اور فیشن شوز کی نمائش میں پاکستانی لڑکیاں تقریباً عریاں لباس میں مٹک مٹک کر لباس کے بہانے اپنے اعضاء کی نمائش کرتی ہیں نہ تو ان اداروں کو حکومت روکتی ہے نہ ان چینلز کو Ban کرتی ہے جب کہ اللہ کا فرمان ہے "اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ کھلی ہو یا چھپی" (سورہ الانعام، آیت ۱۵۱)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا "میں آسمان سے گروں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں مجھے پسند ہے اس بات سے کہ کوئی مجھے برہنہ دیکھے یا میں اس کو برہنہ دیکھوں" (حدیث)۔

دو چار مہینے پہلے کئی چینلز سے ایسے ڈرامے اور سیریز دکھائی گئیں جن میں اسلامی قوانین کا کھلم کھلا مذاق اڑا کر خلاف ورزی کی گئی۔ مثلاً اسلام میں دو بہنوں کا ایک وقت میں ایک مرد سے نکاح حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن ڈرامے میں نہ صرف ایک وقت میں دو بہنوں سے نکاح کرایا گیا بلکہ حاملہ بھی دکھایا گیا۔ اسی طرح ایک ڈرامے میں بغیر شادی کے بچہ پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اسی طرح ایک ڈرامے میں سالی کی عزت لوٹنے کی کہانی کو Base بنایا گیا۔ اس کے علاوہ مردوں کو بیوی ہوتے ہوئے دوسری عورتوں دو دو تین تین نکاح کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

اس طرح ڈرامے چلتے رہے نہ ارباب اختیار نہ کسی وزیر یا کسی متعلقہ افسران کوئی رد عمل ظاہر ہوا۔ رہ گئے عوام تو اُن کو دکھایا ہی اس لئے جارہا ہے کہ تم بھی بے حمیت اور بے غیرت ہو جاؤ تاکہ ایمان کا شائبہ نہ رہے اور دنیا کے ساتھ آخرت بھی خراب ہو جائے۔

ع وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یہ اسلامی فیملی سسٹم کے خلاف سازش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلاقوں کی شرح بڑھتی جارہی ہے۔ مرد بیویوں کے ہوتے دوسری عورتوں کے چکروں میں ہیں۔

آئین کے صفحہ ۲۰ پر لکھا ہے "جتنی جلدی ممکن ہے ربا کو ختم کیا جائے گا"۔ لیکن جتنا سود آج رائج ہے شاید ہی کبھی تھا۔ صرف اسلامی بینکنگ کے نام سے دھوکا دیا جارہا ہے۔ اسی طرح آئین میں سستا انصاف کا حصول یقینی بنانے کا بھی لکھا ہے لیکن جتنا انصاف کا حصول آج مشکل ہے کبھی نہ تھا وکلا گردی، پولیس گردی ججوں کو بے اثر بنانے کیلئے کوششیں عام ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے گوجرانوالہ کے ایک جج کو کمرے میں لاک کر دیا گیا۔ زیادہ تر جج بک جاتے ہیں اربوں روپے لے کر فیصلے کر دیئے جاتے ہیں۔ غریب آدمی کی کوئی شنوائی نہیں۔ وہ بیچارہ انصاف مانگنے کیلئے کسی چینل والوں



Marfat.com

کے پاس جاتا ہے۔ کھمبے پر چڑھ کر متوجہ کرتا ہے یا پھر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بھی ہر شخص میں اتنا گردہ نہیں۔

آئین میں تو یہ بھی لکھا ہے۔ جو لوگ الیکشن میں حصہ لیں یعنی وزیر، امرا، صدر یا وزیر اعظم (کیلئے) اسلامی تعلیمات کا علم رکھتے ہوں، اسلام کے مقررہ فرائض کے پابند، گناہ کبیرہ کے مرتکب نہ ہو، فاسق وفاجر نہ ہوں، ایمان دار اور امین ہو لیکن اللہ ہی جانتا ہے کون کتنا دیندار ہے۔ نماز کا رواج نہیں رہا کہ میلے کپڑوں والوں کے ساتھ کھڑا ہونا دشوار ہے۔ زکوٰۃ تاوان لگتا ہے۔ روزہ رکھیں نہ رکھیں۔ افطار پارٹیوں پر ہزاروں کا خرچ ہوتا ہے۔

حزب اختلاف اور حزب اقتدار ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ بڑے بڑے کنٹریکٹس کو مک مکا کے ذریعے آدھے سے زیادہ جیبوں میں ڈال لیا جاتا ہے۔ منی لانڈرنگ ایئر ہوسٹس اور ماڈلز کے ذریعے کی جارہی ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا وزیر سفیر یا امیر ہو جس کا باہر کے ملکوں میں اکاؤنٹ نہ ہو۔ سندھ میں تو بھتہ خوری قتل بند بوری لاشوں کا کاروبار ہے اور بنگلہ دیش کی طرز پر ملک دولخت کرنے کی سازش ہے۔ اسی طرح بلوچستان اور دوسرے علاقوں میں تخریب کاری اور قتل عام ہے۔ ابھی ایک نیا انکشاف ہوا کہ ایک بڑی جماعت کے ارکان ماہی گیروں اور مچھیروں کے روپ میں نوجوانوں کو بٹھا کر انڈیا کے سمندر کی طرف دھکیل دیتے ہیں سمندری حدود کی خلاف ورزی کے بہانے ان کو پکڑ کر انڈیا میں چار پانچ مہینے کی ٹریننگ دے کر مچھیروں کے تبادلے کے بہانے واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ پھر یہی لوگ تخریب کاری، بھتہ خوری اور قتل کی کارروائیاں کرتے ہیں اور پیسہ اپنے سربراہوں کو باہر بھجواتے ہیں۔ جتنی بھی منفی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ اغواء برائے تاوان، قتل، دھماکے ان سب کے پیچھے کسی نہ کسی وزیر سینیٹر یا کسی اعلیٰ افسر کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جو باقاعدہ ان لوگوں کو ماہانہ دے کر پالتے ہیں اور اُن سے غیر قانونی کام کرا کر ڈبل وصول کرتے ہیں۔

وفاقی اور صوبائی وزراء میں سے بھی بیشتر شراب نوشی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے "تم میں سے ہر کوئی اپنے بادشاہوں کے مذہب پر ہوتا ہے"۔ آقا کا فرمان سچا کہ آئے دن زہریلی شراب پینے والے مرتے نظر آتے ہیں۔ صبح صبح سیر کیلئے نکلیں تو سڑک کے کنارے جھاڑیوں میں شراب کی خالی بوتلیں اسلام کا مذاق اڑاتی نظر آتی ہیں۔ دھرنوں کی سیاست نے الگ ملک کو تنزلی کی طرف دھکیل دیا ہے اور دھونس اور دھاندلی کے ذریعے ایک نیا شوشہ چھوڑا گیا ہے۔

لوڈشیڈنگ کا جن قابو سے باہر ہے۔ دیہاتوں میں ۲۰ گھنٹوں کی اور شہروں میں بارہ سے چودہ گھنٹے کی لوڈشیڈنگ عام ہے۔ جب کہ وزرا، صدر اور وزیر اعظم کے گھروں میں اور گھروں کے باہر دن میں بجلیاں جل رہی ہوتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پڑھیں تو لگتا ہے یہ اسی وقت کے لئے فرمایا گیا ہے:

۱) غنیمت کو ذاتی دولت سمجھا جائے گا۔

۲) امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے گا۔

۳) زکوٰۃ کو تاوان شمار کیا جائے گا۔

۴) قبیلے کے سرداروں میں سے اکثر بدکردار ہونگے۔



Marfat.com

۵)	شرابیں پی جائینگی۔
۶)	گانے بجانے والی عورتیں ظاہر ہو جائیں گی۔
۷)	آدمی کی عزت اس کے شر کے ڈر سے کی جائے گی۔
۸)	مسجدوں میں آوازیں بلند ہونگی۔
۹)	قوم میں ذلیل آدمی معزز شمار ہونگے۔
۱۰)	آدمی اپنی بیوی کی اطاعت اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔
۱۱)	اپنے دوست سے نزدیک اور باپ سے دور رہے گا۔
۱۲)	اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہ حالات ہوں اُس وقت سرخ آندھیوں، زلزلوں، زمین میں دھنسنے، شکلیں بدلنے اور پتھر برسنے کا انتظار کرنا۔ ایسی نشانیاں اس طرح متواتر ہونگی، جیسے لڑی کا دھاگہ ٹوٹنے پر دانے متواتر گرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ترمذی، کتاب الامارۃ والقضاء)۔

اگر دیکھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے بعد خلفائے راشدین کا دور واقعی اسلامی جمہوریت کا دور تھا۔ جس میں اللہ کا قانون چلتا تھا اور قانون کا سرچشمہ انسانی سوچ نہیں بلکہ احکامات قرآنی تھے اور ان احکامات قرآنی میں خواہ کوئی شخص کتنا ہی اہم ہو تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ البتہ ان قرآنی احکامات کو تشریح کر کے آسان وسادہ بنانے کیلئے احادیث مبارکہ اور سیرت طیبہ کے بعد اجتہاد کا طریقہ رہنمائی کے لئے موجود تھا۔ اسلام کے نزدیک کوئی انسان انسانوں پر اُن کی مرضی کے خلاف حکمرانی نہیں کر سکتا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کا حکمران بنا کر بھیجا تو پوچھا: "لوگوں کے درمیان فیصلے کیسے کرو گے"؟ انہوں نے جواب دیا قرآن کے مطابق۔ پھر پوچھا: اگر کسی مسئلے کا حل قرآن میں نہ پایا؟ تو بولے اس کو حدیث وسنت کے مطابق کروں گا۔ پھر پوچھا: اگر وہاں بھی اس کا حل نہ پایا؟ تو بولے اجتہاد کروں گا۔ چونکہ یہ بات بہت اہم تھی۔ حضرت معاذؓ گھوڑے پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ انہوں نے بہت کہا کہ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا مجھے پیدل چلنے دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ہدایات اسی طرح فرمائیں۔

اسلامی جمہوریہ میں دو طرح کے قانون ہیں:

(۱)	وہ قوانین جن کا واضح حکم قرآن میں دیا گیا ہے۔ جس میں کسی طرح کے تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔

(۲)	وہ قوانین جو بدلتے ہوئے معاشرتی اور معاشی حالات کے مطابق بدلے جاسکتے ہیں۔

اسلامی جمہوریت میں قانون کے مآخذ مندرجہ ذیل ہیں۔



Marfat.com

## ۱) قرآن پاک:

اسلامی قانون کا اول ماخذ قرآن پاک ہے جو سراسر وحی خداوندی ہے۔ اس میں جن اوامر اور نہی کا حکم دیا گیا ہے وہ سب کے سب کبھی نہ متغیر ہونے والے انمنٹ قوانین ہیں۔ انہیں قرآنی روح کے مطابق نافذ کیا جانا ضروری ہے اور ان کا انکار کفر ہے۔

## ۲) احادیث نبوی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

احادیث مبارکہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تشریح و توضیح ہیں۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کر کے دکھایا اور کرتے دیکھ کر منع نہیں کیا یہ سب احادیث کہلاتی ہیں۔ قرآن پاک میں بہت سی چیزوں کی طرف اشارہ کیا یا حکم دیا گیا، لیکن اس کی تفصیل احادیث پاک اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہوتی ہے۔ مثلاً وضو، تیمم، نماز کا طریقہ وغیرہ وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب ابھی قرآن نازل ہو رہا تھا تو حالات کے مطابق تبدیلیاں بھی ہوئیں مثلاً ناسخ و منسوخ اسی طرح ظہار کو طلاق کی بجائے ایک لغو بات قرار دے کر کفارہ مقرر کیا گیا۔

## ۳) اجتہاد اور قیاس:

ائمہ کرام فقہاء اور دوسرے عظیم بزرگان دین نے نئے مسائل کے حل کیلئے اسلامی قانون کو لچک دینی شروع اور پرانے قوانین کی روشنی میں نئے مسائل کو حل کر لیا۔ بقول علامہ اقبال "اجتہاد" جدید دور میں اسلامی قانون کا اہم مأخذ ہے۔

## ۴) اجماع:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوئے جن کے بارے میں قرآن وحدیث خاموش تھے۔ ایسے مسائل میں باہمی مشورے کے بعد روح اسلامی کے مطابق کچھ اصول و قوانین وضع کئے ہیں۔ جنہیں اجماع کا نام دیا گیا ہے۔

## ۵) شوریٰ:

اسلامی طرز جمہوریت کا اہم جزء شوریٰ ہے۔ لیکن ارکان شوریٰ کے تمام ارکان باعمل ہوں لوگوں کا ارکان شوریٰ پر مکمل اعتماد ہو۔ وہ مخلص دیانت دار ہوں اور عوام کے خیر خواہ ہوں۔ ان کی اہلیت اور صلاحیت سے لوگ پوری طرح مطمئن ہو۔ وہ ایسے لوگ نہ ہوں کہ جن کے شریک مشورہ ہونے سے عوام کی شمولیت کا حق ادا نہ ہو سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شوریٰ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا "میں نے آپ لوگوں کو اس غرض سے تکلیف دی ہے کہ آپ نے مجھ پر امانت کا جو بوجھ ڈالا ہے۔ اُسے اٹھانے میں میرے ساتھ شریک ہوں۔ میں آپ ہی لوگوں میں سے ایک انسان ہوں اور آج آپ ہی وہ لوگ ہیں جو حق ادا کرنے والے ہیں۔ آپ میں سے جس کا دل چاہے میرے ساتھ اتفاق کریں اور جس کا دل چاہے مجھ سے اختلاف کرے، میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش



Marfat.com

کی پیروی کریں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَيۡنَهُمۡ (سورہ شوریٰ، آیت ۳۸) کی زندہ و پائندہ مثال تھے۔

غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص قیدی بن کر آئے۔ فدیہ کے لئے دوسرے لوگوں کی طرح حضرت زینبؓ نے جو مکہ میں تھیں وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہؓ نے انہیں شادی پر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہار دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا: "اگر آپ کہیں تو یہ ہار زینب کو واپس بھیج دوں کہ یہ اُس کی ماں کی نشانی ہے"۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے مشورے کے بعد ہار واپس کیا گیا اور فدیہ میں حضرت زینبؓ کا مدینہ بھیجنا مقرر ہوا۔

اسی طرح ایک بار پھر ابو العاص تجارتی پارٹی سمیت قید ہو کر مدینے لائے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد جیسے ہی سلام پھیرا، اذان کے چبوترے سے حضرت زینبؓ کی آواز آئی "لوگو! میں نے ابو العاص کو پناہ دی اور ہر مسلمان یہ حق رکھتا ہے کہ وہ کسی کو پناہ دے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگو! تم نے سنا جو میں سنا، خدا کی قسم مجھے اس سے پہلے اس بات کا علم نہ تھا لیکن یہ سچ ہے کہ مسلمان پناہ دینے کا حق رکھتا ہے"۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور بیٹی سے فرمایا: "بیٹی! اپنے شوہر کو اپنے بستر پر نہ آنے دینا کہ وہ مشرک ہے"۔

غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کیلئے نکل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا: "لوگو! مجھے مشورہ دو"۔ [illegible]ت مقدادؓ بن اسود نے کھڑے مہاجرین کی نمائندگی کرتے فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو جو سمجھ میں [illegible]ئے اُس کے مطابق فیصلہ کیجئے، ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: "تم اور تمہارا خدا لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں" ہم برک الغماد تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی اور پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد انصار کی رائے لینا تھی کیونکہ وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر بیعت کی تھی۔ اس پر انصار کے سردار سعدؓ بن معاذ نے کھڑے ہو کر عرض کی: بخدا شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ہمارا مشورہ جاننا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ اس پر انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ جو چاہتے ہیں کر گزریئے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر سمندر تک بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائینگے۔

غزوہ بدر ہی کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے کر تیزی سے نکلے اور پانی کے پہلے کنویں پر قبضہ فرما کر پڑاؤ ڈال دیا۔ اس موقع پر حباب بن منذرؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ پڑاؤ وحی کے اشارے پر کیا گیا ہے یا جنگی حکمت عملی کی چال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وحی کا حکم نہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر دشمن کے قریب والے کنویں پر قبضہ کرلیں اور باقی کنوؤں کو بند کر دیں تاکہ وہ پانی سے محروم ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورے کو پسند فرمایا اور پڑاؤ کی جگہ کو تبدیل فرمادیا۔

غزوہ احزاب (خندق) میں قریش مکہ یہود اور آس پاس کے قبیلوں کے ساتھ مدینے کی طرف چڑھ دوڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ ایرانی النسل صحابی حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا



Marfat.com

کہ ہمارے ہاں جب اس طرح کی صورت حال ہو تو ہم شہر کے گرد خندق کھود کر اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورے کو بہت پسند فرمایا اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر خندق کھودی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات خواتین سے بھی مشورہ لیتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے وقت صلح کی شرائط سے مسلمان سخت دلبرداشتہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار اُن کو قربانی کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا لیکن کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیمے میں تشریف لائے اور ام سلمہؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا: آپ دل برداشتہ نہ ہوں، یہ نافرمانی نہیں دل شکستگی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی فرمائیں اور حجام کو بلا کر سر منڈوائیں اور احرام کھول دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشورے پر عمل کیا تو صحابہ کرامؓ نے فوراً تعمیل کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیش آمدہ تمام مشکلات کو مشاورت کے ذریعے حل فرماتے تھے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سے مشاورت کی ضرورت نہ تھی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شوریٰ کے طریقے کو ایک اہم اصول کی حیثیت سے رائج کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت مسلمہ کو باہمی مشاورت کی ضرورت پڑنے والی تھی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تائید الٰہی حاصل تھی اور اللہ تعالیٰ نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا نہیں چھوڑا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے معاملات میں بھی صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیتے تھے۔ واقعہ افک میں منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا یقین تھا کہ وحی کے ذریعے اس بارے میں فیصلہ کن بات معلوم ہو جائیگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں کوئی تشویش نہ تھی پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے کئی بار مشورہ فرمایا۔ کیونکہ اس قسم کے مشوروں میں مصلحت تھی۔ مشورہ میں ہمیشہ فائدہ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اگر مشورہ کیلئے کوئی نہ ہو تو، دیوار سے مشورہ کا بھی فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی ہمارے لئے خیر کی راہنمائی فرمانا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منصب، جو خدا نے اُن کو عنایت کیا، کا کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں پر فوقیت نہ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو شخص خدا کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتے ہیں۔ جب اسلام کو عروج ہوا، اُس کی سرحدیں دو دور تک پھیل گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا دور دور تک چرچا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ اُسی طرح گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹاتے، اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے، پھٹے کپڑے مرمت کر لیتے اور ہمسایوں کی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے۔

جب کہ آج چھوٹے سے چھوٹا عوامی نمائندہ بھی جیت کر اپنے آپ کو پھنے خان سمجھتا ہے۔ مسجد میں جانا کسر شان سمجھتا ہے۔ وہ لوگ جو اس کی کامیابی کیلئے دن رات کوشش کرتے رہے ان کو شکل دکھانا بھی کسر شان سمجھتا ہے۔ رزق حرام منہ کو لگنے کے بعد اس کے اور اس کے گھر والوں کے غرور میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب یہ نمائندے جیت جاتے ہیں تو ان کا فاتحانہ انداز فائرنگ چراغاں اور اظہار تفاخر پر بے تحاشا پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ جو بعد میں وصول کر لیا جاتا ہے۔

جب کہ چشم فلک نے وہ وقت بھی دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کے کثیر لشکر کے ساتھ فتح



Marfat.com

مکہ کے لئے شہر میں داخل ہوئے۔ سر مبارک شکر خداوندی کے جذبہ سے کاٹھی کو چھو رہا تھا اور زبان پر سورہ فاتحہ کی تلاوت تھی۔

عدی بن حاتم ایمان لانے کیلئے آگئے تو اس کے ذہن میں خیال تھا کہ آپ بادشاہ ہیں یا نبی اس الجھن کو دور کرنے کیلئے سارا دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ سارا دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے مسائل حل کرتے رہے۔ پھر شام کو اسے لے کر گھر کی طرف چلے راستے میں ایک نیم پاگل بڑھیا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ساتھ کسی گلی میں لے گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کام کر دیا اور کہا: اے ام فلاں! میں ہر جگہ تیرے کام کیلئے تیرے ساتھ ہوں۔ عدی نے کہا یہ بادشاہ نہیں نبوت ہے اور اسلام لے آئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے بھی جمہوریت کو اسی شکل میں قائم رکھا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی۔ یعنی ہر شخص اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کرتا تھا۔

ایک بار حضرت عمرؓ خطبہ دینے کیلئے ممبر پر کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: امیر المؤمنین! ہم آپ کی بات نہیں سنیں گے کیونکہ تم خائن ہو۔ بیت المال سے جو چادریں تقسیم ہوئیں ان میں قمیص نہیں بنتی۔ جب کہ آپ کا قد بھی لمبا ہے، قمیص بننا ممکن نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: اس کا جواب میرا بیٹا دے گا۔ ان کے بیٹے نے کھڑے ہو کر کہا: میرے والد کی قمیص بوسیدہ ہو چکی تھی ان کو نئی قمیص کی ضرورت تھی۔ ایک چادر میں ان کی قمیص بننا ممکن نہ تھا اس لئے میں نے اپنے حصے کی چادر ان کو دے دی۔ دو چادروں میں ان کی قمیص مکمل ہوئی۔ مطمئن ہو کر اس شخص نے کہا: اب ہم آپ کی بات سنیں گے۔

## جمہوریت میں تین چار چیزیں بہت اہم ہیں جن میں ایک چناؤ کا طریقہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کرامؓ کی بری حالت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لئے کھڑے کہہ رہے تھے: جو کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ وہ اللہ سے ملنے گئے جیسے موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تشریف لائے تو انہوں نے چادر ہٹا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے ہیں۔ اسی وقت کسی شخص نے آ کر بتایا کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور خلیفہ چننے کے بارے میں بحث ہو رہی ہے۔ آپؓ دوسرے صحابہؓ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ انصار اپنی قربانیوں کا ذکر کر کے خلافت کے امیدوار تھے کچھ لوگ کہہ رہے تھے: ایک خلیفہ مہاجرین اور ایک انصار سے ہونا چاہئیے۔

حضرت ابو بکرؓ نے مختصر خطبہ دے کر فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امیر ہمیشہ قریش سے ہو گا"۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ عمرؓ ہیں، یہ ابو عبیدہؓ ہیں ان میں کسی کو خلیفہ چن لیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہاتھ بڑھایئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت ابو بکرؓ نے حمد و ثناء کے بعد خطبہ دیا: خلافت مجھے سونپی گئی ہے مگر میں اس پر خوش نہیں ہوں، نہ مجھے



Marfat.com

اس کی خواہش تھی۔ اگرچہ میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں مگر تم میں سے بہتر نہیں ہوں۔ قرآن نازل ہو چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کا طریقہ بتادیا ہے اور ہم نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ لوگو! تم جان لو بڑا عقل مند وہی ہے جو پرہیز گار ہے۔ سب سے احمق فاسق اور بدکار ہے۔ تمہارے قوی میرے نزدیک ضعیف ہیں جب تک میں لوگوں کو اس سے ان کا حق نہ دلوالوں اور تمہارے کمزور میرے نزدیک قوی ہیں جب تک میں ان کو طاقتوروں سے ان کا حق نہ دلوادوں۔ لوگو! میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہوں اور بدعتی نہیں ہوں۔ پس نیک کاموں پر میری معاونت کرنا اور بھٹکا تو سیدھی راہ پر لے آنا بس مجھے یہی کہنا تھا۔ اب میں اپنی اور آپ کی بخشش چاہتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کا چناؤ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود کیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش کئے گئے چھے ناموں میں سے کیا گیا۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: آپ اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیوں نامزد نہیں کرتے وہ پرہیز گار اور متقی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ان کو اس قابل نہیں سمجھتا ان سے زیادہ یہ چھے لوگ متقی اور خلافت کے حقدار ہیں۔ چنانچہ شوریٰ کے ذریعے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چناؤ ہوا۔

## نظام عدل:

جمہوری طرز حکومت میں معاشرے کی اصلاح کے لئے عدالتوں کا مکمل نظام موجود ہے۔ اسلام میں امیر غریب عوام خواص میں کوئی فرق نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: "کسی گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر، عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر فضیلت ہے تو تقویٰ کی وجہ سے۔ مجرم کسی بھی طبقے یا قبیلے سے تعلق رکھتا ہو سزا پائے گا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کی۔ چوری پکڑے جانے پر قبیلے والوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لے پالک بیٹے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد عزیز تھے) کو سفارش پر مجبور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر طیش میں آگئے اور ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ فرمایا: تم سے پہلی امتیں بھی اس لئے ہلاک کی گئیں کہ ان میں جب امیر قصوروار ہوتا تو چھوڑ دیا جاتا، اور اگر غریب قصور ہوتا تو اس کو سزا دی جاتی، خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔

انصاف کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی پرواہ نہ کرتے۔ ایک بار حضرت حمارؓ نے (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں ہر وقت موجود رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اداس ہوتے تو کوئی نہ کوئی بات کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دیتے) شراب پی لی۔ صحابہ کرامؓ کا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سزا نہ دیں گے کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد عزیز تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد جاری کر دی اور ان کو اسّی کوڑے لگوائے۔ تاریخ میں ایسے انصاف کی مثال نہیں ملتی کہ یہودی اور مسلمان (منافق) کا مقدمہ آیا چونکہ



Marfat.com

یہودی حق پر تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہی وجہ تھی یہودی کعب بن اشرف جو راشی تھا کے بجائے اپنے فیصلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کراتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت امیر پر بھی بہت زور دیا۔ فرمایا: تم پر اگر نکٹا حبشی بھی امیر ہو تو اس کی اطاعت کرو۔

لیکن پاکستان میں مروجہ جمہوریت میں سو میں سے کوئی دو چار جج ہی ایمانداری پر مبنی فیصلے کرتے ہونگے۔ خود میرے داد کے مقدمے کو کافی سال لٹکانے کے بعد جج نے پانچ لاکھ لے کر کوٹ لکھپت کی سونے جیسی زمین اصل حقدار کی بجائے لے پالک کو دے دی۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاک اور حلال کمائی کی تلاش فرض ہے (المشکوٰۃ)۔

سورہ بقرہ ترجمہ: ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ نہ رشوت حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور تم جانتے ہو۔ (آیت نمبر ۱۸۸)۔

وزرا اور سینیٹر وزیر اعظم یا صدر جو جہاں ہے اپنے اپنے طور پر فراڈ اور بے ایمانی کی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔ نیب نے لسٹ جاری کر دی ہے۔ دے دلا کر سب چھوٹ جائیں گے۔ اس سے پہلے حکومتوں میں بھی بڑے بڑے قرضے لے کر ہڑپ کر لیے گئے اور دے دلا کر معاف بھی کرا لئے گئے۔ باہر سے جو پیسہ قرضے کی شکل میں آتا وہ ہڑپ کر لیا جاتا ہے اور عوام غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ بے ایمانی کی ایک مثال بہت سے وزرا کی ڈگریاں جعلی نکلتی ہیں۔ یعنی ہر طرح سے خیانت ہو رہی ہے۔ پچھلی حکومت کی ایک وزیر نے لاکھوں کا بجلی کا بل صرف دو ہزار روپیہ کی قسط سے ادا کرنا شروع کیا ہے۔ جو صدیوں میں پوری نہ ہو گی۔

ریٹائرڈ ہونے یا حکومت ختم ہونے کے بعد بھی ایسا قانون بنا دیا گیا ہے کہ وہ گاڑیاں اور سرکاری مراعات جوں کی توں ان کے پاس رہیں گی ان کی حکومت ختم ہونے کے بعد بھی وہ مزے لے رہے ہیں اور قوم کی امانت میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے چاہیئے کہ ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کریں، نہ ایک دوسرے کو ذلیل کریں اور نہ ایک دوسرے کا مال ہڑپ کریں اور ناحق خون بہانا حرام ہے اور دلوں میں تقویٰ ہونا چاہیئے۔ سورۃ النساء میں حکم قرآنی ہے "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کر دو"۔ سورہ طٰہ میں ترجمہ: اور نگاہ بھی نہ ڈالو دنیاوی زندگی اور اس کی شان و شوکت پر جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھی ہیں اور تیرے رب کا دیا ہوا حلال رزق ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے"۔ مسند امام احمد میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم "جو شخص امانت دار نہیں وہ ایماندار بھی نہیں"۔

ایک بار ایک صحابی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے بھیجا وہ جب واپس آئے تو کچھ مال دے کر کہا: یہ زکوٰۃ کا مال ہے اور یہ مجھے ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غصے میں آگئے اور فرمایا: تو اپنے گھر میں بیٹھ کر دیکھ کوئی تجھے مال دیتا ہے یا نہیں۔ اور مال لے کر سارا بیت المال میں جمع کرا دیا۔ اسی طرح ایک صحابی نے کمان دکھا کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں فلاں علاقے کے لوگوں کو دین سکھانے گیا انہوں نے کمان تحفہ میں دی ہے۔



Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کمان تمہارے لئے آگ ہے۔ اور واپس کرنے کا حکم دے دیا۔

## اسلام میں صحیح تصور حکمرانی:

قرآن کریم میں حکمرانی کے بارے میں اور حکمران کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

"خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ خدا تمہیں خوب نصیحت کرتا ہے بے شک خدا دیکھتا اور سنتا ہے" (سورۃ النساء: ۵۸)۔

سورہ المائدہ ۴۴ میں فرمایا: "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی نافرمان لوگ ہیں"۔ سورہ المجادلہ میں فرمان ربی ہے ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین کے خلاف کام کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔ سورہ المائدہ ۴۸: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

متقی حکمران کی نشانی یہ بتائی: وہ جنہیں ہم زمین میں طاقت دیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے زکوۃ دینگے اور اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے منع کریں گے۔ (الحج: ۴۱)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے کسی جگہ عامل مقرر کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: اے ابوذر! امارت اور حکومت ایک امانت ہے اور قیامت کے دن یہ حسرت اور ندامت کا باعث ہوگی۔ سوائے اس شخص کے جس نے اسے حق کے ساتھ قبول کیا اور اس کے تمام حقوق ادا کرتا رہا۔ ایک بار فرمایا: کسی کو مسلمانوں کا امیر بنایا گیا اور اسے کسی منصب پر فائز کیا حالانکہ اس منصب کیلئے اس سے بہتر شخص موجود تھا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا۔ (جامع صحیح مسلم کتاب الامارہ)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: کوئی سرکاری حکمران جو کسی سرکاری منصب کا سربراہ ہو اور اس حالت میں مرے کہ وہ عوام کے ساتھ خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس کیلئے جنت کو حرام کر دے گا۔ (صحیح مسلم کتاب الارماہ باب نمبر ۱۵)۔

خیبر کی فتح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو چلے جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ صلح نامے میں یہی لکھا تھا۔ انہوں نے درخواست کی، ہمیں کھیتی باڑی اور باغات کی دیکھ بھال کے لئے یہاں رہنے دیا جائے کیونکہ ہمیں اس کام کی مہارت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم جب تک چاہیں گے تمہیں رہنے دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان اجناس اور پھلوں کی تقسیم پر مامور فرمایا جو ہر سال جا کر ان کا آدھا یہود کو آدھا بیت المال میں بھجوا دیتے۔ ایک سال یہود نے ان کو رشوت دے کر اپنی پسند کے مطابق تقسیم کرانے کیلئے طشت بھر کر زیورات پیش کئے۔ عبد اللہ بن رواحہؓ نے فرمایا: اللہ کے دشمنو! کیا تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو؟ بخدا میں اس شخص کے پاس سے آیا ہوں جو مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور عزیز اور تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ مبغوض ہو۔



Marfat.com

میرا تمہیں مبغوض سمجھنا اور اس ذات سے محبت اس بات پر برانگیختہ نہیں کر سکتی کہ میں ایک دانے کا بھی فرق کروں۔ آپ کا جواب سن کر یہود کے منہ سے بے ساختہ نکلا: بھذا قامت السماوات والارض (ایسے ہی عدل کے باعث زمین آسمان قائم ہیں) (سبل الہدی، ج۵، ص۲۰۱)۔

ارباب اختیار لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سادہ رہ کر سادگی کا درس دیا مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاکم اعلیٰ تھے اور عہد مبارک کے آخری سالوں میں مال غنیمت کی فراوانی تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی انتہائی سادگی کا مرقع رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متمول لوگوں کو کھانے پینے اور پہننے سے منع نہیں فرمایا لیکن خود انتہائی سادگی اختیار کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ابوتراب کا لقب دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تاریخ کا سب سے بڑا منتظم قرار دیا جاتا ہے۔ ان کی زندگی بھی سادگی کا مرقع تھی اور یہی اپنے حکام کو حکم دیتے تھے ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا (اس وقت سب سے قیمتی ترکی گھوڑا تھا)، باریک کپڑا نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے، دروازے پر دربان نہ رکھے گا اور اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ نافرمانی پر سزا دیتے تھے ایک بار ایک گورنر عیاض بن غنم کے بارے میں پتہ چلا کہ کپڑا باریک پہنتا ہے، تو بلا کر اونٹ یا بھیڑ بکری کے بالوں کا لباس پہنا کر بھیڑ بکریاں چرانے بھیج دیا۔ اس نے کہا: اس بے عزتی سے مر جانا بہتر ہے۔ فرمایا: تمہیں عار کیوں ہے، کیا تیرے باپ کا نام غنم تھا یعنی بھیڑ بکریاں چرانے والا۔ (بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ)۔

خود حضرت عمرؓ کی سادگی کا یہ عالم تھا ایک جوڑے میں سترہ پیوند تھے جن میں سے ایک چمڑے کا تھا ایک بار نماز جمعہ کے لئے دیر سے تشریف لائے لوگوں کے پوچھنے پر بتایا کہ ایک ہی جوڑا تھا جس کے سوکھنے کے انتظار میں دیر ہوگئی۔ (مناجات عمر، ص۲۰)۔

جب بیت المقدس کی چابی لینے کے لئے بیت المقدس تشریف لے گئے کہ ایسے حکمران کا سفر تھا جس کی دھاک دور دور تک بیٹھی تھی۔ لیکن اسلام کے سچے خادم اور اللہ کے پاک بندے کے لباس میں بارہ پیوند تھے۔ لوگوں کے اصرار پر سفید ریشمی کپڑے اور رومی گھوڑے پر سوار ہوئے لیکن فوراً اتر پڑے اور فرمانے لگے اس لباس اور سواری سے مجھے فخر و تفاخر کی بو آتی ہے۔ اللہ میری لغزش معاف فرمائے اور پھر وہی پیوند والا لباس پہنا جب شہر میں داخل ہوئے گھوڑے پر غلام تھا خود پیدل مہار پکڑے ہوئے۔ جب بطریق اعظم کے پاس آئے تو بڑے پادری نے گردن اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا ہماری کتابوں میں فاتح بیت المقدس کا یہی حلیہ درج ہے اور بیت المقدس کی چابی حوالے کر دی۔ (ثمرات الاوراق)۔ جب کہ ہمارے ہاں کی جمہوریت میں کامیاب ہونے والے ایک لاکھ روپے کی اچکن پہن کر ایک کروڑ کی بلٹ پروف گاڑی میں سوار ہوتے ہیں۔

اسی طرح عمرؒ بن عبدالعزیز سرکاری کام کر رہے تھے، ایک شخص ملنے کے لئے آگیا آپ نے چراغ بجھا دیا۔ اس شخص نے حیران ہو کر پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں تیل سرکاری ہے اور ملاقات



Marfat.com

نجی۔ ہمارے ہاں مروجہ جمہوری سیاسی نظام میں خرابیوں کو دور کرنے کے لئے چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔
سب سے پہلے ہمیں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کرنا ہے۔ قرآن میں بھی صاف لکھا ہے۔ ترجمہ: جو تمہیں رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔ اس کیلئے ہمیں بہت ابتدائی جماعتوں سے سلیبس میں احادیث نبویؐ اور اسلامی تعلیمات کا درس دینا ہوگا۔ تمام اخلاقی برائیوں کو ہر سطح پر نمایاں کرکے ان کے گناہ سزا جزا کا بھی پرچار کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، مضبوطی سے پکڑ لو تو گمراہ نہ ہوگے۔ قرآن اور سیرت۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ ہے۔ ہر شخص اپنے اوپر اسلام کو نافذ کرے۔ صادق اور امین کی پیروی میں ہم امین بن جائیں۔ خیانت سے توبہ کرلیں۔ متقی بن جائیں اور ہر وقت یہ دھیان رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ حرص ولالچ سے بچیں سب یہیں رہ جائے گا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں دو بھوکے بھیڑیئے اتنی تباہی نہیں مچاتے جتنی انسان کی حرص جاہ ومال اس کے دین کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

ایسے چینلز اور پروگراموں کو Ban کیا جائے اور ان کے ذمہ داروں کو سزا دی جائے جو اسلام کے منافی پروگرام نشر کرتے ہیں۔ یا اشتہارات میں بے حیائی دکھائی جارہی ہے اُن کو بند کیا جائے۔ ان کو بنانے والے وچلانے والے اور حصہ لینے والوں کو سزا دی جائے۔

احتسابی اداروں کے اوپر بھی احتساب والے مقرر کیے جائیں۔ حزب اختلاف اور حزب اقتدار کی ملی بھگت سے جو ایک دوسرے کے کرتوتوں پر پردے ڈالتے ہیں، تو مجھے حاجی کہو میں تجھے ملا کہوں کے مصداق، ملک کی امانت دونوں ہاتھوں سے باہر پہنچا رہے ہیں۔ ان کی روک تھام کیلئے کوئی قانون بنایا جائے اور ہر دو اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے انجام دیں۔

## اسلامی سزاؤں کا نفاذ:

اسلامی جمہوریت کو اپنانے کے لئے ہمیں اسلامی قوانین کا نفاذ کرنا ہوگا۔ معاشرے کے سدھارنے کے لئے جرائم کی سزاؤں پر سختی سے عمل کرنا ہوگا۔ مثلاً چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا، شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے، قتل کی سزا موت ہے۔ جب سزائیں سخت ہونگی تو جرم کرنے سے بچیں گے۔
نصاب سازی کے وقت ضلعی سطح پر اساتذہ اور علمائے دین کو شریک کیا جائے تاکہ بچے بچیوں کے نصاب میں کوئی سبق لادینیت اور دہریت سے متعلق نہ ہو۔
حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیمات میں تعلیمات نبوی کے مطابق ان کی رہنمائی کرکے ادائیگی پر زور دیا جائے تاکہ دوسروں کا حق مارنے کی حوصلہ افزائی نہ ہو اور معاشرے میں توازن رہے۔
الیکشن سے پہلے امیدواروں کے اثاثوں اور کردار کی صحیح طرح جانچ پڑتال کی جائے اور بے ایمان لوگوں کو ٹکٹ نہ دیئے جائیں۔
الیکشن کیلئے خرچ کی ایک مقدار مقرر کی جائے تاکہ کم آمدنی والے ایماندار لوگ بھی حصہ لے سکیں۔ خبروں



Marfat.com

سے پہلے فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وسلم دکھا کر لوگوں کا برین واش کیا جائے۔ برائیوں کے خلاف احادیث مبارکہ بیان کر کے اس کی سزا پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

عدالتوں کیلئے ججوں کے انتخاب میں ایماندار باکردار لوگوں کا انتخاب کیا جائے تاکہ لوگوں کو صحیح انصاف مہیا ہو۔

ایسے اداروں کی حوصلہ شکنی کی جائے جو اسلامی تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر تنقید اور گستاخی کرتے ہیں۔ ان کو ملک بدر کیا جائے۔ الیکشن کے طریقہ کار میں طرز انتخاب، شوریٰ اور عدل کو مدنظر رکھا جائے۔

آخری اور اہم بات جب تک ہم سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی نہ کریں گے، صحیح مسلمان نہیں کہلا سکتے اور جس دن معاشرہ اسلام فہم ہو جائے گا، دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گے۔

وما علینا الا البلاغ۔

## حوالہ جات


(۱) اسلام، پاکستان اور جدید دنیا، ص ۱۷۰، بی ایڈ پروگرام۔

(۲) ایضاً۔

(۳) ماڈل ٹیسٹ پیپرز، شہریت الف ب، ص ۱۶- ۱۷۔

(۴) ماڈل ٹیسٹ پیپرز، شہریت انٹرمیڈیٹ، ص ۱۷- ۱۸۔

(۵) اسلام، پاکستان اور دنیا، بی ایڈ پروگرام۔

(۶) سورہ انعام۔

(۷) حدیث مشکوٰۃ شریف۔

(۸) معاذ بن جبل، سنن ابی داود، کتاب القضا، باب کیف القضا، رقم حدیث ۳۵۸۲- ۹ حضرت عمرؓ کا شوریٰ سے خطاب۔

(۹) اسلام، پاکستان اور جدید دنیا، بی ایڈ پروگرام، ص ۴۷۔

(۱۰) ضیاء النبی پیر کرم شاہ ازہری، ص ۳۹۳ جلد سوئم۔

(۱۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۵۹۔

(۱۲) نور سرمدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فخر انسانیت، فتح اللہ گولن، ص ۴۹۶۔

(۱۳) حدیث حضرت مقداد بن عمر سیرت ابن ہشام۔

(۱۴) سعد بن عبادہؓ مسلم شریف، ج ۲، ص ۱۰۲۔

(۱۵) نور سرمدی فخر انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۴۹۶

(۱۶) سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۶۵۹ دار الفکر قاہرہ کا مطبوعہ حباب ابن منذر جموع۔

(۱۷) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نور سرمدی، فتح اللہ گولن، ص ۴۹۸۔

(۱۸) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نور سرمدی، فتح اللہ گولن، ص ۳۸۹، البخاری الشروط۔




Marfat.com

(۱۹) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نور سرمدی، فتح اللہ گولن، ص ۴۹۶، البخاری فضائل صحابہؓ النبی۔
(۲۰) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نور سرمدی، فتح اللہ گولن، ص ۴۹۵، ضیاء النبی پیر کرم شاہ ازہری، ص ۴۳۹، ۴۴۰۔
(۲۱) سیر احمد مجتبیٰ شاہ مصباح الدین شکیل، ص ۵۷۵۔
(۲۲) ایضاً۔
(۲۳) الفاروق، ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۱۷۔
(۲۴) تاریخ الخلفاء، ص ۱۰۸۔
(۲۵) تاریخ الخلفاء، ص ۱۰۹، مترجم علامہ محمد اعظم سعیدی۔
(۲۶) تاریخ الخلفاء، ص ۱۸۲۔
(۲۷) سیرت احمد مجتبیٰ۔
(۲۸) محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سید العرب و عجم، مصنف ڈاکٹر صاحبزادہ سید مسعود السید، ص ۳۴۹۔
(۲۹) صحیح بخاری، کتاب الحدود، ابواب ۱۱، ۱۲۔
(۳۰) سیرت احمد مجتبیٰ، ص ۴۴۲، ج ۳۔
(۳۱) المشکوٰۃ۔
(۳۲) القرآن، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۱۸۸۔
(۳۳) سورہ النساء، آیت نمبر ۵۸۔
(۳۴) سورہ طٰہٰ، آیت ۱۳۱۔
(۳۵) مسند ۳/ ۱۳۵، احمد کنز الایمان ۲۷۔
(۳۶) عمال کا ہدیہ قبول کرنا یکسر حرام ہے۔ کنز الاعمال بحوالہ اسلام اور رشوت۔
(۳۷) عبد الرؤوف رحمانی مولانا، ایام خلافت راشدہ، ص ۷۵۔
(۳۸) المائدہ، آیت ۴۸۔
(۳۹) سورہ المجادلہ۔
(۴۰) الحج، آیت ۴۱۔
(۴۱) جامع صحیح مسلم۔
(۴۲) جامع صحیح مسلم، کتاب الامارہ۔
(۴۳) سبل الہدیٰ، ص ۲۰۔
(۴۴) تاریخ الخلفاء، ص ۲۲۸۔
(۴۵) بیہقی، شعب الایمان، مشکوٰۃ۔
(۴۶) مناجات عمر، ص ۲۰۔
(۴۷) ثمرات الاوراق۔
(۴۸) ترمذی۔



Marfat.com

سیرت النبی ﷺ کانفرنس

# مقالات سیرت

1437ھ 2015ء

## پاکستان میں مروّجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شعبہ تحقیق و مراجع
وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com